بساطِ دل

تحریر: آمنہ ریاض

جیسے برستی بارش اچانک بند ہوجاتی ہے ویسے ہی وہ روتے ہوئے خاموش ہوگئی تھی، اس لئے نہیں کہ اس کی آنکھوں میں پانی ختم ہوگیا تھا بلکہ اس لئے کیونکہ اسے احساس ہوگیا تھا کہ اس کے آنسوؤں میں پہلے کی سی تاثیر اور اہمیت باقی نہیں رہی۔

کپکپاتے ہاتھوں سے چہرہ پونچھتے ہوئے اس نے سر اٹھایا۔ سامنے صوفے پر بیٹھی ہوئی لڑکی کے چہرے پر سنجیدگی پوری طرح حاوی تھی اس نے نظریں جھکا رکھی تھیں مگر وہ اس کے مقابلے میں بہت پر اعتماد دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے اپنا بازو قریب بیٹھے ہوئے بچے کے گرد پھیلا رکھا تھا۔ وہ بچہ اس لڑکی کے بازو کے حلقے میں ضرور تھا مگر اس کی ساری توجہ روتی ہوئی آنٹی کی جانب تھی۔

وہ اس بچے کو دیکھتی رہی یکدم اسے اس بچے میں بہت کشش محسوس ہوئی۔ اس بچے کا چہرہ اسے کسی چہرے کی یاد دلا رہا تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ اس بچے کو مخاطب کرتی، دروازہ بہت عجلت میں کھول کر کوئی اندر داخل ہوا تھا۔ ایک پل کے لئے آنے والے سے اس کی نظریں ٹکرائی تھیں پھر اس نے سرعت سے نظریں جھکا لیں۔ آنے والے شخص کا چہرہ خوشحال زندگی کا منہ بولتا ثبوت تھا اور وہ اس کے چہرے پر حیرت دیکھ چکی تھی۔

''ایبک۔'' اس نے اس شخص کی متوازن آواز سنی۔

''آؤ ماسٹر ہم اندر چلتے ہیں۔''

اس نے تڑپ کر سر اٹھایا۔ وہ اس بچے کو روکنا چاہتی تھی مگر سامنے کا منظر اس کی ہر صلاحت کو اپنے ساتھ باندھ چکا تھا۔ وہ شخص اس لڑکی کا کندھا تھپتھپا کر اور بچے کی انگلی تھام کر دوسرے دروازے میں غائب ہوگیا تھا۔

''تم نے جو کہنا تھا کہہ لیا؟'' جس وقت وہ دھندلائی ہوئی آنکھوں سے دروازے کو دیکھ رہی تھی اس لڑکی کو کہتے سنا اس کا لہجہ دو ٹوک اور کسی بھی قسم کی گنجائش سے عاری تھا۔

''تم اب یہاں سے جاؤ میرے شوہر گھر آچکے ہیں اور انہیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ کوئی غیر متعلقہ شخص آکر ہمارے گھر میں بیٹھا رہے ایک بات اور، تم ہمارے بیٹے کو دیکھ چکی ہو، مجھے تمھاری آمد کے متعلق ذرا سا بھی اندازہ ہوتا تو میں اسے آج گھر پر ہی نہ رہنے دیتی کہیں بھجوا دیتی مگر تمھارے سامنے نہ آنے دیتی۔

اپنی اولاد کو کسی ایسے انسان کی محبت سے بچانا، جس سے اسے نقصان پہنچ سکتا ہو، بہر حال ماں باپ کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ دوبارہ کہیں ایبک تمھیں دکھائی دے تو نظریں ہٹا لینا اور اسے نقصان پہنچانے کی کوشش مت کرنا میں ایک بار خاموش رہی تھی دوسری بار نہیں رہوں گی۔''

''تم......تم مجھے ایسا سمجھتی ہو؟'' اس کے لبوں سے کپکپاتے ہوئے الفاظ نکلے تھے اور جواباً اس لڑکی کے چہرے پر بہت تمسخرانہ تبسم بکھر گیا تھا۔

"تم کیا ہو؟" یہ تم بہتر سمجھتی ہو۔" اس لڑکی نے الفاظ جیسے اسکے منہ پہ دے مارے تھے۔اسکی آنکھیں آنسوؤں سے جلنے لگیں۔

"تو کیا میں سمجھوں کہ تم میری کوئی مدد نہیں کرو گی؟" اس نے بہت آس سے پوچھا تھا۔

"عقل مندی کا تقاضا تو یہی ہے، ویسے بھی زندگی بھر تم نے اپنی ہر طرح کی مدد خود ہی کی ہے، مجھے حیرت ہے آج تم میرے پاس کیسے آ گئی ہو؟ تم یہاں سے جاؤ۔ مجھے یقین ہے اپنی مدد کے لیے تمھیں ہمیشہ کی طرح کوئی نہ کوئی راستہ مل ہی جائے گا۔" اس لڑکی کا لہجہ سفاک تھا۔

اس کی آنکھوں میں رُکے سارے آنسو بہہ نکلے۔

وہ اس گھر سے یوں نکلی جیسے جواری خالی ہاتھ ہو کر نکلتا ہے۔اس کی زندگی کے ہر راستے پر تاریکی اسے نگلنے کو تیار کھڑی تھی۔

وہ تنہا، بے بس، خالی ہاتھ تھی۔

وہ وہیں سڑک پر بیٹھ کر رونے لگی۔

☆......☆......☆

"پٹھانی۔" آواز بہت اہتمام سے گونجی تھی۔

"جی چھوٹا صیب۔"

"نیوز پیپر کی آرتی اتر چکی ہو تو ذرا ادھر مرحمت فرما دو تا کہ ہم بھی رنگین تصویریں دیکھ کر فیض یاب ہو لیں۔" انداز میں ایک مخصوص قسم کی شرارت بھری سنجیدگی رچی تھی جس کے فہم سے، کم عمر پٹھانی کوسوں دور تھی تب سر اٹھا کر نا سمجھی میں صاحب کی شکل دیکھنے لگی۔ مدد طلب نظر ٹیلی فون ڈائل کرتی بڑی بی بی اور نشوا بی بی پر بھی ڈالی تھی۔نشوا بی بی نے مسکرا کر اسے دیکھا پھر میگزین کے صفحے پر نظریں جما دیں۔

اس بے چاری کا مسئلہ یہ تھا کہ ذہنی کینوس پر اتنی ساری شکلیں گیارہ سالہ زندگی میں پہلی بار نمودار ہوئی تھیں۔ماں باپ کے گھر سے نکل کر پہلا پڑاؤ اسی عالی شان بنگلے میں پڑا تھا اور یہاں اتنے سارے لوگ تھے جن کے مزاج کو اتنے کم دنوں میں سمجھنا اس کے لئے آسان نہیں تھا، فی الحال تو زندگی کی اس نہج پر تھی جہاں "مزاج" کا مطلب تک معلوم نہیں ہوتا جو مسکرا کر پیار سے بات کرے دل اسی کی بات پر لبیک کہہ اٹھتا ہے۔

اور یہاں یہ عالم تھا کہ ہر روز کسی نئے "مزاج" سے سابقہ پڑ رہا تھا۔سو قدم قدم پر الجھ رہی تھی خصوصاً اس والے صاحب کی باتیں تو اسے بالکل بھی سمجھ نہیں آتی تھیں۔

"او بھائی! میں نے نیوز پیپر مانگا ہے یا تمھاری جاگیر؟۔۔ جو مجھے ایسے دیکھنا شروع کر دیا۔یہاں لاؤ نیوز پیپر ذرا ہم بھی تو دیکھیں آخر ایسی کون سی تصویریں دیکھ رہی تھیں کہ ٹن ہی ہو گئیں۔" صوفہ کم بیڈ پر سلیپرز سمیت نیم دراز انتہائی شاہانہ انداز میں کہتے ہوئے وہ

مزے سے پیر جھلا رہا تھا۔

پٹھانی کسی الجھن میں گرفتار اخبار اس کے قریب لے آئی۔

''ہوں۔'' اس نے اخبار ہاتھ میں لیتے ہوئے ایک پرسوچ ہوں کی۔

''ذرا دکھاؤ تو کہاں ہیں وہ تصویریں جو تم دیکھ رہی تھیں۔'' وہ انتہائی سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔

''ام تصویریں نئیں دیکھتا تھا صیب!'' پٹھانی جھجکتے ہوئی بولی۔ گھبراہٹ اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

''ایں۔۔ تو پھر کیا دیکھتا تھا؟'' ڈپٹ کر پوچھا۔

''ام پڑتا تھا۔''

''اچھا کس کو؟'' ایک اور سوال ہوا۔

نشوا کی ہنسی چھوٹ گئی ''یہ پڑھنا کہہ رہی ہے۔''

اس نے بروقت جانے کس کی مشکل آسان کردی تھی، مگر اصل جھٹکا تو یہی تھا وہ تعجب سے پٹھانی کی شکل دیکھنے لگا۔

''یہ انگریزی اخبار پڑھ رہی تھی۔''

''ام کو سارا انگریزی آتا ہے صیب!۔۔ اسوہ بی بی ہم کو روز قاعدہ پڑاتا اے۔'' معصوم پٹھانی ''صیب'' کو متاثر ہوتا دیکھ کر پرجوش ہوگئی تھی۔

''صرف انگریزی قاعدہ؟''

''انگریزی اُردو دونوں ہمارا اماں کو بھی اُردو کتاب پڑنا آتا اے صیب۔''

اس کے لئے انتہائی قابلِ فخر بات تھی یہ۔

''واہ۔۔ کتنے لکی ہیں ہم نشوا؟ بھلا ایسے ایجوکیٹڈ ملازم اور کسی کے یہاں ہونگے؟''

''پلیز بھائی!۔۔ کیوں بے چاری کو بیوقوف بنا رہے ہیں۔'' وہ اپنی مسکراہٹ چھپانے کی ناکام کوشش کررہی تھی۔

''ہم اچھے مسلمان نہیں ہیں تو کیا ہوا؟۔۔ اللہ کا خوف تو بہرحال ہے اور اللہ نے انسانوں کو قدرت کے کاموں میں انٹرفیئر کی اجازت نہیں دی میڈم پٹھانی! پلیز کم ہیئر! ہاں بھئی سامنے آجاؤ اب اتنی کوالیفائیڈ ہو مگر ڈگری تو تمھارے پاس ہے نہیں، ہم سوچ رہے ہیں کیوں نہ تمھیں ایک ڈگری دی جائے جیسی گریجویشن کے بعد دیتے ہیں۔۔ الف۔۔۔ ب۔۔ آتی ہے؟

اس نے گھبرائی شکل کے ساتھ اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ہوں۔۔ ویری گڈ چلو پھر ذرا جلدی سے انگریزی میں الف، ب سناؤ'' نہایت شاہانہ انداز میں آرڈر جاری کیا گیا۔

پٹھانی کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے سٹپٹا کر کبھی صاحب تو کبھی بیبیوں کی شکل دیکھنے لگی۔

بھلا یہ کون سی الف، ب ہوتی ہے جو انگریزی میں ہوتی ہے آج تک صرف دو طرح کی الف، ب پڑھی تھی ایک اُردو قاعدے میں دوسری عربی قاعدے میں۔

''ارے۔'' یکدم ذہن میں جھماکہ سا ہوا تھا۔

''صیب! عربی میں سنادوں۔'' انتہائی پرجوش انداز تھا مگر صاحب کے تاثرات نے گویا ٹھنڈا پانی انڈیل دیا۔

''کیوں۔۔یہاں ملا صاحب بیٹھے ہیں جو عربی میں سن کر ڈگری دیں گے۔''

وہ تڑخ کر بولا ''اچھا انگریزی میں نہیں آتی الف، ب۔۔۔تو یوں کرو اُردو میں اے، بی، سی سنادو۔۔یہ بھی آتی ہے یا نہیں؟''

اُس کا لہجہ اتنا جارحانہ تھا کہ اس بیچاری نے بنا سوچے سمجھے اثبات میں گردن ہلادی اور اپنی سمجھ کے مطابق شروع ہوگئی۔

''الف بڑی اے A، ب چھوٹی بی B۔'' ادھر اس کے منہ سے الفاظ نکلنا شروع ہوئے ادھر نشوا کا بے ساختہ قہقہہ چھوٹ گیا۔ شمسہ فون رکھ چکی تھیں۔وہ بھی مسکرانے لگیں۔

پٹھانی نے سر جھکا کر اضطراری انداز میں ڈوپٹے کا پلو مروڑنا شروع کردیا۔اس کی سمجھ میں تو کچھ نہیں آرہا تھا، آخر دونوں بیبیاں ہنس کیوں رہی ہیں؟صیب ایسے کیوں دیکھتے ہیں؟

''سبحان اللہ۔۔، جب آئی تھی تو ٹھیک سے سلام کرنا نہیں آتا تھا اور اب ایسی حاضر جوابی کا مظاہرہ ہورہا ہے۔مان لو نوشوا، تم بھی ایسے جواب نہیں دے سکتی تھیں۔'' وہ متاثر ہوا تھا یا نہیں البتہ محظوظ ضرور ہوا تھا۔

''کیونکہ میں اتنی ٹیلنٹڈ نہیں ہوں۔'' ہنستے ہوئے اس نے کہا۔

''حنان! بس بھی کرو اور بیچاری کو کتنا کنفیوژ کرو گے؟'' شمسہ کو اس کی آنکھوں میں نمی کے اثرات دیکھ کر ترس آگیا تھا۔اس کی طرف رخ پھیر کر بولیں۔

''پٹھانی باہر والی لابی میں ٹیلیفون اسٹینڈ پر کتنی گرد پڑی ہے۔چل جا کر ڈسٹنگ کر اور بات سن کچھ ٹوٹنا نہیں چاہیے۔''

''کوئی ضرورت نہیں جانے کی، ابھی تو میں نے اس سے ج کا پہاڑا سننا ہے۔'' پٹھانی جو تشکر آمیز نگاہوں سے مالکن کو دیکھ رہی تھی جلدی سے باہر بھاگ گئی۔حنان کے جاندار قہقہے نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

''کیوں معصوم کو تنگ کرتے رہتے ہو؟ غریب تمہارا کیا لیتی ہے؟''

''صرف ایک اس غریب نے کیا لینا ہے یہاں تو نجانے کتنے غریب ہمارے دیے پر ہی پل رہے ہیں۔'' وہ طنزیہ ہنسی ہنسا اور ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کیا۔دائیں کلائی موڑ کر سر کے نیچے تکیہ بنا رکھا تھا۔

''آپ کو نہیں پتا مام! غریب کبھی معصوم نہیں ہوتا جو ہوتا ہے وہ پھر غریب نہیں ہوتا۔چلتی پھرتی ایک مثال تو ہمارے گھر میں ہی موجود ہے۔نہیں سمجھیں؟ بھئی شاہنواز کی بات کر رہا ہوں مجھے تو یہ بندہ کسی اینگل سے ''معصوم'' نہیں لگتا اچھا خاصا شارپ ہے۔'' شمسہ تحمل

سے اس کی بات سن رہی تھیں بات کاٹ کر بولیں۔

''شارپ ہے اور اوبیڈینٹ بھی۔۔۔ ورنہ کچھ لوگ شارپ ہوتے ہیں لیکن اپنی شارپ نیس کو کبھی پوزیٹو سائیڈ استعمال نہیں کرتے۔''

حنان نے یکدم ہی والیوم بڑھا دیا تھا کہ ان کی بات بیچ میں رہ گئی۔ وہ چند لمحے جیسے عاجز آ کر اسے دیکھتی رہیں پھر سر جھٹک کر میگزین اٹھالیا۔

نشوا پہلے ہی اپنے کمرے میں جاچکی تھی۔

''بی بی! باہر کوئی بی بی آیا اے گاڑی میں بیٹھا اے۔ کہتا اے اپنے صیب کو بلاؤ جلدی۔'' پٹھانی بھاگی بھاگی اندر داخل ہوئی تھی۔

''تو اسے اندر تو بلانا تھا اور نام کیوں نہیں پوچھا کہ کون سے صاحب؟''

''میں دیکھتا ہوں مام! دیشہ ہوگی جب سے اسے پی آئی اے میں جاب ملی ہے اسے ہر کام کی جلدی رہتی ہے تیز گام نہ ہو تو۔'' وہ بڑبڑاتا ہوا دروازے کی جانب بڑھا تھا۔ جب شمسہ نے پکارلیا۔

''حنان۔'' وہ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

''اپنی نت نئی گرل فرینڈز کو گھر کا راستہ ذرا کم دکھایا کرو۔ مجھے اچھا نہیں لگتا ہر ایرا غیرا منہ اٹھا کر میرے گھر آتا ہے۔'' انہوں نے بہت سوچ کر الفاظ منتخب کیئے تھے۔

''کون اچھا نہیں لگتا؟۔۔۔ جو بھی گھر آتی ہیں وہ تو کافی اچھی ہوتی ہیں کیونکہ جو اچھی نہیں ہوتیں ان پر تو ہماری نظر ہی نہیں ٹھہرتی کیونکہ بیوٹی میرا ویک پوائنٹ ہے۔''

''شٹ اپ! کبھی تو سوچ سمجھ کر بولا کرو۔'' وہ برہم ہوئیں۔

''جتنی دیر انسان سوچنے سمجھنے میں لگاتا ہے کئی کام نبٹائے جاسکتے ہیں اینی ویز میں کسی کو گھر کا راستہ نہیں دکھاتا۔ وہ خود ہی ڈھونڈتی ہوئی آجاتی ہیں۔'' وہ جاتے جاتے پھر پلٹا۔

''بائی دا وے آپ کو اچھا نہیں لگتا یا آرڈرز جاری ہوئے ہیں۔''

''ہر بات سے اپنی مرضی کا مطلب اخذ نہیں کرنا چاہیے، کبھی وہ بھی سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں جو سامنے والے کی بات کا درست مطلب ہوتا ہے۔ میں نے کہا مجھے اچھا نہیں لگتا تو اس کا بس یہی مطلب ہے۔''

وہ جیسے عاجز ہو کر بول رہی تھیں۔

حنان ایک کٹیلی مسکراہٹ اچھالتا باہر نکل گیا۔ شمسہ نے پھر سر جھٹکا اور ریموٹ اٹھا کر چینل بدلنے لگیں۔

☆......☆......☆

''آج بہت تھکاوٹ ہوگئی۔''

راہداری کا موڑ مڑتے ہوئے اس نے ریشم کی زندگی سے بھرپور آواز سنی تو چلتے چلتے گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگی مگر اگلے ہی پل فری کی شرارت بھری آواز نے اپنی جانب متوجہ کرلیا۔

''اسے جب بھی اپنی جیب سے شاپنگ کرنا پڑتی ہے اسے تھکاوٹ ہو جاتی ہے۔''

ایک زبردست قہقہہ بلند ہوا تھا اور سب سے بلند آواز ریشم کی ہی تھی۔ ''ہونی بھی چاہیے خون پسینے کی کمائی خرچ کرتے ہوئے دل پر ہاتھ تو پڑتا ہی ہے۔ پائی پائی کا حساب رکھو تب کہیں جا کر مہینہ کٹتا ہے اب تو بس حسرت ہی ہے کہ کبھی خود پر لٹا سکیں۔''

''اچھا زیادہ سنجیدگی دکھانے کی ضرورت نہیں ہے شکر کیا کرو بھوکے پیٹ سونا نہیں پڑتا۔'' رائمہ ڈپٹ کر بولی تھی۔ ''شکر کیا کرو'' تو یوں بھی اس کا تکیہ کلام تھا۔

''تم بڑی اچھی مسلمان ہو رائمہ انشاء اللہ ڈائریکٹ جنت میں جاؤ گی۔ میرا خیال ہے اتنا صبر و شکر جنت میں جانے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ مگر میں یہ دونوں چیزیں کہاں سے لاؤں؟ پیٹ بھر کے تو کھاتے ہیں مگر روح کی بھوک کا کیا کریں جو سکون لینے نہیں دیتی۔''

''سب سے اہم سوال تو یہی ہے کیا ہم جنت میں جائیں گے؟ لوگ تو ہمیں دوزخی کہتے ہیں۔''

فری کی آواز و معنی میں بلا کی کاٹ تھی۔ چند لمحے کی خاموشی میں سینڈل کی ٹک ٹک گونجتی رہی۔

''گوشی کو ڈھونڈو کہیں سے۔ اسے بھیج کر اچھے سے سموسے منگواتے ہیں۔'' ریشم نے ہی ماحول کی افسردگی سمیٹنے کی کوشش کی تھی۔ یکدم پرجوش ہو کر کئی آوازیں تائید میں گونجی تھیں۔

''ہائے ریشم! کتنی اچھی بات کردی ادھر آ تجھے شاباش دوں۔'' جانے کس نے کہا تھا۔ گیتی کو سمجھ نہیں آیا۔ اس کے قدم کہیں پیچھے ہی رک گئے تھے۔ اس کا ذہن سموسوں کی پلیٹ سے دور تھا۔

''ہیں یہ گیتی کدھر گئی؟ اوئے گیتی! تم نے چائے نہیں پینی؟'' فری نے الٹے قدموں واپس آکر اس کا کندھا ہلایا تب وہ چونکی۔ بالکل لاشعوری طور پر اس کے قدم اپنے ہی کمرے کے سامنے رکے تھے۔

''کیوں نہیں پینی۔۔۔ پینی ہے۔۔۔ میں ذرا چینج کر کے آتی ہوں۔ وہ ہینڈل گھما کر اندر داخل ہوگئی۔

کمرے کی واحد کھڑکی پر بھاری پردہ پڑا ہوا تھا اور اتنی تاریکی تھی کہ عقب میں دروازہ بند ہوتے ہی بصارت نے مکمل جواب دے دیا اس نے مستقل اندازے سے شاپنگ بیگ اور ڈوپٹا صوفے پر اچھال دیا اور بنا لائیٹ آن کئے واش روم میں گھس گئی۔ نیم گرم پانی سے منہ دھویا اور تولیے سے چہرہ پونچھتی باہر نکلی پھر آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر بال برش کرنے لگی۔

کھڑکی پر پڑے ہوئے پردے کی انتہائی باریک درز سے روشنی کی پتلی سی لکیر اندر آ رہی تھی کمرے میں نیم تاریکی سی تھی۔ وہ خالی الذہنی کے عالم میں بال برش کرتے ہوئے آئینے میں دیکھ رہی تھی جب اسے عقب میں بیٹھا ہوا ایک گٹھڑی سا وجود نظر آیا۔

وہ بری طرح چونکی اور چند لمحے آنکھیں پھاڑ کر اس کالی گٹھڑی کو دیکھتی رہی پھر میکانکی انداز سے آگے بڑھ کر ایک ساتھ سارے بٹن دبا دیے۔ ایک جھماکے کے ساتھ ہر طرف روشنی بکھر گئی۔ گیتی وہیں کھڑی اس ناسمجھ میں آنے والی صورتحال پر غور کرتی رہی۔

"یہ کون آ گئی قسمت کی ماری اور اس نے منہ کیوں چھپا رکھا ہے؟"

ایک بات تو طے ہے "گلشن نگر" میں آ کر کوئی دنیا سے منہ چھپائے تو چھپائے۔ ہم سے کاہے کا پردہ؟

وہ مسلسل اس گٹھڑی کا منہ تلاش کر رہی تھی۔ اس کوشش میں کھنکار کر گلا صاف کیا مگر اپنی کھنکار کے جواب میں کوئی ردِعمل نہ دیکھ کر جھجکتی ہوئی بیڈ کے قریب چلی آئی اور اندازے سے گٹھڑی کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا مگر جواب میں اس نے تڑپ کا چہرہ اوپر اٹھایا تھا۔ گیتی نے تقریباً ڈر کر ہاتھ کھینچ لیا۔

"ہیلو! میں۔۔۔ میں گیتی آرا ہوں۔"

لاشعوری طور پر اپنی خجالت کا تاثر زائل کرنے کو وہ دوستانہ مسکراہٹ چہرے پر سجا کر بولی تھی۔

اس لڑکی نے ایک نگاہ غلط انداز گیتی پر ڈالی اور واپس پیشانی گھٹنوں سے لگا کر پھر سے گٹھڑی بن گئی۔ اب کی بار گیتی کو پہلے سے بڑھ کر خجالت کا سامنا کرنا پڑا گویا اس کے لئے گیتی کا تعارف کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔

ابھی وہ شرمندہ شرمندہ سی کھڑی اگلا قدم اٹھانے کے متعلق سوچ رہی تھی کہ دروازہ کھول کر آپا بیگم اندر داخل ہوئیں، ہمیشہ کی طرح سر سے پیر تک بنی ٹھنی۔

ان کی تیاری ہمیشہ ہی اتنی بھرپور اور لش لش کرتی ہوتی تھی کہ کبھی کبھی گیتی کو انہیں دیکھ کر اس فینسی لائیٹ کا خیال آنے لگتا تھا جو بڑی بڑی دکانوں میں لگائی جاتی ہے۔

"السلام علیکم آپا بیگم۔"

"ہوں۔۔ والسلام۔۔" آپا بیگم نے بھرپور مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی پھر مصروفیت و عجلت بھرے انداز میں اس لڑکی کو مخاطب کیا۔

"ہوں بات سنو لڑکی!" لڑکی کے لاتعلق وجود میں حرکت ہوئی تھی۔

"یہ گیتی آرا ہے، جب تک تم یہاں ہو تمھیں اسی کے کمرے میں رہنا پڑے گا۔ اسے تنگ کرنے کی ضرورت نہیں پھر بعد میں دیکھیں گے تمھیں الگ کمرا دینا ہے یا نہیں۔"

"اپنا کمرا سنبھال کر رکھیں، مجھے یہاں کبھی نہیں رہنا، میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں۔"

گیتی، آپا بیگم کے بولنے کے دوران بالکل غیر ارادی طور پر اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ یہ بات سن کر دنگ رہ گئی۔ اتنے معصوم چہرے میں سے ایسا کرارا جواب نکلے گا اسے کہاں امید تھی۔ وہ بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

بے تحاشہ گوری رنگت جس پر اس وقت زردی انتہائی نمایاں ہو رہی تھی، گول چہرہ، پیارے سے نقوش جن میں معصومیت رچی تھی۔ البتہ بڑی بڑی آنکھیں، جو مسلسل رونے کے باعث ہی شاید سرخ ہو رہی تھیں، ان میں کئی عزائم جھلک رہے تھے۔

''ہم نے تو اپنا سب کچھ سنبھالا ہوا ہے جو تمھارے ماں باپ نہیں سنبھال سکے مجبوراً اس کی ذمہ داری بھی اب ہمیں لینا پڑے گی۔'' آپا بیگم نے دانت کچکچائے جواباً کاٹ کھانے کو دوڑی۔

''تو نہ لیں ذمہ داری کون آپ کے پیر پکڑ رہا ہے۔''

''آہستہ آواز میں بات کرو لڑکی! گلشن آرا سے آج تک کسی نے اتنی اونچی آواز میں بات نہیں کی، تم کہاں سے آگئیں چھٹانک بھر کی لڑکی۔'' آپا بیگم مارے طیش کے سرخ ہوگئیں۔

''آئی نہیں ہوں لائی گئی ہوں اللہ کرے مرجاؤں۔'' وہ دونوں ہتھیلیوں سے چہرہ ڈھانپ کر بری طرح رونے لگی۔

''دعا کرنا اچھی بات ہے بہت سی شروع شروع میں ایسی دعا مانگتی ہیں کچھ آخری دم تک مانگتی رہتی ہیں حتیٰ کہ اللہ سے اپنی منوا کر چھوڑتی ہیں۔ دیکھو تمھاری کون سی کیٹیگری بنتی ہے بہرحال سیدھی طرح لائن پر آجاؤ ورنہ ہمارا کیا جائے گا ایک مدت انگلی ٹیڑھی کر کے ہی گھی نکالا ہے۔''

''گیتی۔۔۔'' جسے تین میں نہ تیرہ میں، والی صورت حال درپیش تھی چونک کر ان کے پیچھے چل پڑی۔

''یہ لڑکی کچھ دن رہے گی تمھارے ساتھ۔ ذرا خیال رکھنا لیکن نخرہ وخرہ دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تھوڑا سیٹ ہوجائے پھر دیکھتے ہیں اس کا مستقل ٹھکانا۔''

وہ دروازے سے نکل کر سرگوشی کے انداز میں اس سے مخاطب ہوئی تھیں۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا پھر کچھ سوچ کر بولی۔

''نام کیا ہے اس کا؟''

''پتا نہیں اسی سے پوچھ لینا۔'' وہ ساڑھی کا پلو سنبھالتی راہداری کے موڑ پر غائب ہوگئیں، تب وہ دروازہ بند کر کے اندر چلی آئی۔

وہ لڑکی اسی پوزیشن میں بیٹھی تھی مگر رونے کے سبب وجود میں جو ارتعاش تھا وہ اب محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ گیتی کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر گلاس میں پانی نکال کر اس کے قریب آبیٹھی۔

''دنیا میں جتنی آبادی ہے اتنے ہی مسائل ہیں، اگر رونے سے ہی مسائل حل ہوا کرتے تو آج ساری دنیا رو رہی ہوتی۔ اچھا اگر تمھیں میری بات کا یقین نہیں ہے تو یہ پانی پی لو تھوڑی انرجی ملے گی تو آنسو اور روانی سے بہنے لگیں۔''

اس نے بڑی محبت سے اس لڑکی کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا مگر وہ سر اٹھانے کے بجائے ایک طرف لڑھک گئی۔ گیتی کے تو مانو حواس ہی بھک سے اڑ گئے۔ پانی کا گلاس ہاتھ سے چھوٹ کر کارپٹ پر گر گیا وہ حواس باختہ سی اس کی طرف جھکی گال تھپتھپانے کے نام پر تقریباً تھپڑ ہی بیچاری کے رسید کر ڈالے۔

''اف توبہ۔۔۔ یہ کیا مصیبت گلے پڑ گئی۔۔۔ آپا بیگم۔'' وہ بوکھلا کر باہر بھاگی۔

☆......☆......☆

لکڑی کے بڑے سے دروازے پر جھولتی لوہے کی کنڈی کھٹکھٹانے کے لئے اس نے ہاتھ بڑھایا پھر کچھ سوچ کر دروازے کو ذرا سا اندر کی جانب دھکیلا۔توقع کے عین مطابق دروازہ کھلا ہوا تھا۔

''اللہ کرے اب صحن میں بھی کوئی نہ ہو۔'' دل ہی دل میں دروازہ کھلا ہونے پر خوش ہوتے ہوئے اس نے دعا کی اور دبے قدموں اندر داخل ہوگئی مگر صحن کے کونے پر بنے کھرے کے پاس برتن مانجھتی سکینہ بھابھی کو دیکھ کر ساری خوشی خاک ہوگئی۔دل تو چاہا واپس پلٹ جائے مگر دروازے کے سال خوردہ بکل، ڈھیر ساری آواز پیدا کر کے اس کی آمد کا اعلان کر چکے تھے۔

سکینہ بھابھی نے مصروفیت بھرے انداز میں گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا پر مومنہ نے ان کی پیشانی پر ایک سلوٹ نمودار ہوتے دیکھی تو دل ہی دل میں شرمندہ سی ہوگئی۔سکینہ بھابھی کی طنزیہ نگاہیں اسے ایسے ہی شرمندہ کیا کرتی تھیں۔

''وہاں کیوں کھڑی ہو؟ اندر آجاؤ یا دروازے سے ہی پلٹنا ہے۔''

ان کے لہجے میں پیشانی جیسی ہی ناگواری تھی۔مومنہ نکوسی ہوگئی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ان تک آگئی۔

''وہ۔۔اصل میں، میں گل بانو باجی سے ملنے آئی تھی۔'' جھجکتے ہوئے اس نے کہا۔

''مجھے پتا ہے ہم سے ملنے تو تم آ بھی نہیں سکتیں۔'' انہوں نے پتیلی پٹخی۔

''باجی جی اوپر ہیں۔''

''ظاہر ہے ایک ہی تو ٹھکانا ہے اس کا اور کہاں ملے گی۔'' وہ پھر سے طنز سے گویا ہوئیں تو مومنہ جیسے رسی تڑوا کر اوپر کی طرف بھاگی۔

''توبہ ہے ان کی تو کوئی بات طنز کے بغیر مکمل ہی نہیں ہوتی۔باجی جی کو اپنے ساتھ بیٹھنے کا موقع دیں تو انہیں اس کباڑ خانے میں رہنا ہی کیوں پڑے۔اتنی تو ٹھنڈ ہوتی ہے اوپر۔'' وہ قلانچیں بھرتی اوپر آئی تھی۔مگر آخری سیڑھی پر قدم رکھتے ہی گویا کسی غیر مرئی طاقت نے جکڑ لیا۔

بڑی سی چھت پر سفید، کالے اور بھورے رنگ کے کئی کبوتر غٹرغوں کرتے پھر رہے تھے۔چھت کے عین وسط میں پانی کی کنالی دھری تھی جس کے اردگرد گندم کے دانے بکھرے ہوئے تھے۔

سامنے کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی گل بانو نے آنکھیں موند رکھی تھیں۔اس کی ایک مٹھی میں گندم کے دانے تھے جنہیں ایک جذب کے عالم میں گاتے ہوئے وہ کبھی کبھی کبوتروں کی جانب اچھال دیتی تھی۔

شام کے ابتدائی رنگوں کو اس کی آواز کے سحر نے جکڑ رکھا تھا۔

''چیتا معاملے پین تے بجھ جائیں عشق جالنا کھرا دوہیلڑائی
سچ اکھنائیں ہنے آکھ مینوں ایہو سچ تے جھوٹھ دا ویلڑائی
تاب عشق دی جھلنی کھری اوکھی عشق گوروتے جگ سبھ چیلڑائی

ایتھوں چھڈ ایمان جے نس جاسیں انت روز قیامت دا میلڑا ائی
وارث شاہ دی آس نہ ہووے پوری ہیر ملے تاں کم سوہیلڑا ائی

ہیر آکھ۔۔۔''

''ارے منی! وہاں کیوں کھڑی ہو؟'' سُر ٹوٹا تھا تو وہ جیسے کسی گہرے سحر سے آزاد ہوئی۔ وہ اتنے انہماک سے گل بانو کو سن نہیں رہی تھی جتنے انہماک سے دیکھ رہی تھی۔

''کب سے آئی ہو مجھے تو پتا ہی نہیں چلا۔''

''ابھی آئی ہوں کیا کر رہی ہیں آپ؟'' وہ سادگی سے کہتی اس کے قریب آ گئی تھی۔

''کبوتر سدھانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ کیا پتا کبھی کوئی ہمارا پیغام بھی لے ہی جائے۔'' اس کی ہنسی نے جیسے خود اس کا اپنا ہی مذاق اڑایا تھا۔ منی خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

وہ، وہی لباس پہنے ہوئے تھی جو صبح اسکول جاتے ہوئے پہن رکھا تھا مگر بری طرح سلوٹ زدہ ہو چکا تھا۔ بال بھی غالباً صبح ہی بنائے تھے کیونکہ کئی بے ترتیب لٹیں کانوں کے پیچھے اڑس رکھی تھیں۔ اور اس روپ میں بھی وہ اتنی خوبصورت لگ رہی تھی کہ جیسے کوئی نازک اندام شاہ زادی جسے مجبوریوں کے تلخ تھپیڑوں نے مفلسی کا چوغہ پہننے پر مجبور کیا ہو۔

یا دیو مالائی داستان کا کوئی دلکش کردار۔

کیسے کیسے ہیرے تخلیق کیے ہیں۔ اللہ کی مصلحت اللہ جانے۔

اپنی ہی کسی سوچ کے مدار میں وہ بری طرح جھنجھلائی تھی۔

''آپ ایسا کیوں کرتی ہیں؟'' بے ساختہ اس کے منہ سے نکل گیا تھا۔

''ہیں؟ میں؟۔۔۔ کیا کرتی ہوں؟'' گل بانو نے ناسمجھی سے اسے دیکھتے ہوئے مٹھی میں موجود گندم کبوتروں کی طرف اچھادی۔

''اپنا خیال کیوں نہیں رکھتیں؟ حلیہ دیکھا ہے اپنا، گندے کپڑے، میلی صورت، بکھرے بال، لگتا ہے صدیوں سے کنگھی نہیں کی، کوئی اچانک دیکھ لے تو ڈر جائے۔''

گل بانو نے اس کے ڈپٹنے پر تعجب سے اس کی جانب دیکھا اگلے ہی پل اس کے لبوں سے قہقہہ ابل پڑا تھا۔ وہ ہنستے ہنستے زمین پر بیٹھی اور دیوار سے ٹیک لگالی۔ منی اسے خفگی سے گھور رہی تھی۔

''اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟ میں نے لطیفہ سنایا ہے؟''

''نہیں تم نے نہیں سنایا، مگر مجھے لطیفہ ہی لگ رہا ہے۔'' اس نے بمشکل اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے کہا اور اس کا ہاتھ کھینچ کر قریب بٹھالیا۔

"ابھی بقول تمھارے میں اس حلیے میں رہتی ہوں کہ کوئی اچانک دیکھ لے تو ڈر جائے اس کے باوجود یہ سب لوگ۔ اپنی اتنی بڑی بڑی انگلیاں میری طرف اٹھاتے ہیں کبھی صاف ستھرے حلیے میں رہنے لگی تو یہ تو مجھے سانس لینے کے قابل بھی نہیں چھوڑیں گے۔"

منی نے دیکھا مغربی منڈیر پر سے آنے والی ڈوبتے سورج کی کرنوں نے اس کے چہرے کی زردی کو کچھ اور بڑھا دیا تھا۔ اس کے لہجے میں صحیح معنوں میں دکھ بولتا تھا۔

"دفع کریں جی لوگوں کو! زبانیں بھی کبھی کسی کے قابو میں آئی ہیں۔" وہ تڑخ کر بولی۔

"آپ بس اپنی پرواہ کیا کریں! اپنا خیال رکھا کریں! مجھے آپ کو ایسے دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے۔" وہ بچوں کی سی معصومیت سے کہہ رہی تھی۔

"اچھا رکھا کرونگی۔" اس نے جیسے منی کو ٹالا تھا پھر اٹھ کر بھوری کبوتری کو قابو کر لائی اور اس کے پیروں میں رنگ برنگی کانچ کی جھانجھریں پہنانے لگی۔

"اپنی اماں کو بتا کر آئی ہو؟"

"نہیں۔۔۔ ان سے تو ثمن کے گھر جانے کا کہا تھا۔ گل بانو کی سرگرمی پہ نظریں جمائے اس نے جواب دیا۔ گل بانو کو جیسے ایسے بات کی توقع نہیں تھی۔ گھور کر اسے دیکھا پھر ایک زوردار چپت اس کے سر پر رسید کی۔

"جھوٹ کیوں بولا؟۔۔۔ جب تمھاری اماں منع کرتی ہے تو کیوں آتی ہو میرے پاس، ماؤں کا کہا کبھی ٹالنا نہیں چاہیے۔" کبوتری کو دونوں گھٹنوں میں قابو کیے وہ اپنائیت بھرے غصے سے اسے سمجھا رہی تھی۔

منی جھینپی ہوئی ہنسی ہنس دی۔

"اماں تو منع نہیں کرتیں دادی کرتی ہیں پتا نہیں کیوں؟" اس نے ناک چڑھائی۔

"ویسے میں نے جھوٹ نہیں بولا تھا، میں ثمن کی طرف ہی جا رہی تھی، یہ دیکھیں کتاب پھر میرا دل چاہا تو میں ادھر آ گئی۔" معمول کے انداز میں بتاتے ہوئے اس نے انگوری رنگ کا ایک چھلا نکالا اور انگلی میں پہن لیا۔

"ثمن کے پاس کیوں جا رہی تھیں؟ وہ تو تمھاری کلاس فیلو بھی نہیں ہے۔"

"یہ سائنس جو گلے پڑی ہوئی ہے۔ قسم سے مجھے تو سمجھ ہی نہیں آتی اس لئے کبھی کبھار ثمن کے پاس چلی جاتی ہوں۔ وہ اچھے طریقے سے سمجھا دیتی ہے۔"

"ہوں۔۔۔ اس نے ایف سی کی ہے سمجھا ہی دیتی ہو گی ٹھیک سے۔" وہ جیسے سوچتے ہوئے بول رہی تھی۔

"ایف اے میں کون سا مضمون لو گی۔۔۔ کچھ سوچا ہے؟"

"ہائے اللہ۔۔۔ ابھی تو میٹرک کی کتابوں سے جان نہیں چھوٹی اور آپ اگلی سوچ پر لگا دیں۔" وہ منہ بسور کر بولی تھی۔ گل بانو

ہنس دی۔

”پنجابی رکھ لینا بہت میٹھی زبان ہے۔“

”پنجابی۔۔“منی زور سے ہنس دی۔”فیل ہوجاؤں گی مجھے تو اس کی الف بے ہی سمجھ نہیں آتی اور یہاں ٹیوشن بھی نہیں ملتی۔“

”میں پڑھا دیا کرونگی اس میں کیا مشکل ہے۔“گل بانو مسکرائی۔

”پہلے انگلش پڑھاتی تھی پھر پنجابی سہی۔“

”پہلے مجھے وہ تو سمجھائیں جو ہر وقت گنگناتی رہتی ہیں۔۔۔میرے تو سر پر سے گزر جاتا ہے۔“اس نے فرمائش کی تو گل بانو کھل کر مسکرادی۔

”چلو پھر آج تمھاری فرمائش بھی پوری کر ہی دیتے ہیں۔“گل بانو نے بھوری کبوتری کو دونوں ہاتھوں میں لے کر ہوا میں اچھال دیا تھا۔کبوتری نے اڑان بھری اور کئی رنگوں سے سجی چھتری پر جا بیٹھی۔سورج کی ڈوبتی ہوئی نارنجی کرنوں کے ہالے میں شام کی خنک ہوا انہیں چھو کر دھیرے دھیرے بہنے لگی تھی۔

”جب ہیر،رانجھے کو اپنے جذبے کی صداقت کا یقین دلاتی ہے تو رانجھا کہتا ہے۔

چھیتا معاملے پین تے بھج جائیں عشق جالنا کھرا دوہیلڑائی۔

سچ اکھنائیں ہنے آکھ مینوں ایہو سچ تے جھوٹھ داویلڑائی

تاب عشق دی جھلنی کھری اوکھی۔۔۔

رانجھے نے کہا کہیں ایسا نہ ہو کہ جب مشکلات پڑیں تو تم بھاگ جاؤ کیونکہ عشق کا بوجھ اٹھانا خاصا دشوار کام ہے۔محبت نبھانا بڑا مشکل ہے۔اس لیے جو کچھ کہنا ہے وہ صاف صاف ابھی کہہ دے کہ صاف گوئی کو لگی لپٹی سے الگ کرنے کا یہی وقت ہے،جو سچی بات تمھارے دل میں ہے ابھی کہہ ڈالو۔عشق کی تپش کو برداشت کرنا بہت دشوار کام ہے۔عشق گرو ہے اور سارا جہان اس کے آگے چیلے کی مانند ہے اور اگر تو ایمان ترک کر کے چلی بھی جائے گی تو بھی روز آخرت تمھارا میرا سامنا تو ہوگا۔وارث شاہ کی امید تب بر آئے گی جب ہیر ملے گی اور اس کا کام آسان ہو جائے گا۔

رانجھا ہیر کو عشق کی مشکلات سے آگاہ کرتا ہے تو جواب میں ہیر کہتی ہے“

تیرے ناؤں توں جاں قربان کیتی ماں جیو تیرے اتوں واریائی

پاسا جان کے سیس میں لابازی تساں جیتا تے اساں ہاریائی

تیرے ناؤں توں جاں قربان کیتی۔۔۔تساں جیتا تے اساں ہاریائی۔۔

تساں جیتا تے اساں۔۔۔“

اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی گھل گئی تھی۔

منی نے دیکھا اس کی بند آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے اور وہ مسلسل ایک ہی مصرعہ دوہراتی جا رہی تھی۔

''تساں جیتا تے اساں۔''

وہ کتاب سنبھالتی مضمحل انداز میں اٹھی اور دل میں ڈھیروں دکھ لئے سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

وہ ایک بڑے اور کھلے صحن والا گھر ہوا کرتا تھا۔

جس کی دیواروں کے ساتھ چھوٹے بڑے سائز کے کئی گملے رکھے رہتے تھے۔ ایک کے بعد ایک گملے میں منی پلانٹ کی بیل اس طرح سے لگی ہوتی تھی کہ ہر گملے سے نکلنے والی شاخیں دوسرے گملے کی شاخوں کے ساتھ معانقہ کرتے ہوئے دیوار پر پھیل گئی تھیں۔ منی پلانٹ کے علاوہ سدا بہار پھولوں والے پودوں کے ساتھ ہی ساتھ ان گملوں میں ہر وہ سبزی بوئی جاتی تھی جس کی کاشت انتہائی چھوٹے پیمانے پر ممکن تھی۔

داخلی دروازے سے چند قدموں کے فاصلے پر دائیں دیوار کے ساتھ سیڑھیاں تھیں جو بالائی منزل تک جاتی تھیں۔ صحن کے بالکل سامنے فرش کی چند انچ اونچائی پر دو قدرے مختصر قامت والے ستونوں والا برآمدہ تھا جس میں گھر کے کل کمروں کے دروازے کھلتے تھے۔

ایک کونے میں پانی کی موٹر اور نلکا تھا یہیں سے چند قدموں کے فاصلے پر دیوار کے ساتھ ایک کڑی لگا کر بکری کا بچہ باندھا جاتا تھا۔ موقع کی مناسبت سے اس بکری کے بچے کی قیام گاہ تبدیل ہوتی رہتی تھی۔

بائیں دیوار پر پڑوسیوں کے آنگن میں جم کر کھڑے شہتوت کی شاخیں کچھ اس طرح سے جھک آئی تھیں کہ اس گھر کا حصہ معلوم ہوتی تھیں۔

اس بڑے اور کھلے سے صحن کے سرخ اینٹوں والے پختہ فرش پر اس روز جا بجا پانی بکھرا ہوا تھا۔ پانی والے پائپ کا ایک سرا نلکے کے منہ سے جڑا تھا جب کہ دوسرا سرا اس لڑکے کے ہاتھ میں تھا جو سیاہ رنگ کی شلوار کے ساتھ سفید رنگ کی بنیان پہنے ہوئے تھا اور مزے سے چھپاک چھپاک چھینٹے اڑاتا گملوں میں پانی ڈال رہا تھا۔

اس لڑکے کے چہرے پر سب سے نمایاں چیز اس کی آنکھیں تھیں جن کے ہر تاثر میں مسکراہٹ دکھائی دیتی تھی اور ایسی متاثر کن چمک پھیلی رہتی تھی جو اس کی زندہ دلی اور خوش مزاجی کو واضح کرتی تھی۔

گملوں میں پانی ڈال کر وہ کچھ بڑبڑاتا ہوا شہتوت کے سائے میں کھڑی موٹر سائیکل کی طرف آ گیا تھا جو کبھی کبھی اس آنگن میں دکھائی دیا کرتی تھی۔ موٹر سائیکل کے قریب آ کر وہ چند لمحے اس کی جانب دیکھتا رہا تھا پھر اس نے ساری موٹر سائیکل پر پانی پھیلا دیا اور سرف لگے ڈسٹر سے اسے محبت سے رگڑنے لگا۔

''اللہ جی۔۔آپ کا اور ہمارا کوئی پردہ تھوڑا ہی ہے آپ کو سب خبر ہوتی ہے کب کب، کسے، کیا چاہیے تو جب آپ اتنے باخبر رہتے ہیں تو یقیناً آپ کو یہ بھی پتا ہوگا کہ میں کیا چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ میرے پیارے اللہ جی! معاملہ کچھ یوں ہے کہ اس سال تو آپ میرا پرائز بونڈ نکلوا ہی دیں آپ تو جانتے ہیں میں پیسے کا بھوکا نہیں ہوں بس ایک تو اوپر والے کمروں کی چھتیں رپیئر کروانی ہیں اور ایک ہنڈا سی ڈی سیونٹی لینی ہے۔''

''ہونہہ۔۔ان کا نکلے گا پرائز بانڈ اور یہ لیں گے ہنڈا سی ڈی سیونٹی، لگتا ہے کبھی آئینے میں اپنی شکل نہیں دیکھی۔''

وہ جتنے پیار و محبت بھرے لہجے میں اللہ کو منانے میں لگا ہوا تھا اتنے ہی تنفر سے عانیہ کی آواز گونجی تھی۔ وہ برآمدے کے فرش پر پھسکڑا مارے بیٹھی تھی اور دوپٹے کے پلو سے خود کو ہوا دے رہی تھی۔ چونکہ بجلی بہت دیر سے بند تھی لہذا اسی حساب سے اس کا مزاج برہم تھا۔

''ایک بار نہیں کئی بار دیکھی ہے اپنی شکل اور ہر دفعہ دیکھ کر ماشاءاللہ کہا ہے۔'' وہ سکون سے بولا۔

''اچھا۔۔کمال ہے۔'' اس نے تعجب سے آنکھیں پٹپٹائیں۔

''میرے منہ سے تو تمھاری شکل دیکھ کر لاحول ہی نکلتا ہے۔''

''کیوں؟ کیا برائی ہے میری شکل میں؟'' وہ ڈسٹر والا ہاتھ نچا کر بولا۔

''برائی تو خیر کوئی نہیں ہے بس اس بکری کی شکل سے ملتی ہے اور بکری کی شکل والا انسان صرف عجیب نہیں، ڈراؤنا بھی لگتا ہے۔'' اس نے ترت جواب دیتے ہوئے بے نیاز سی نگاہ دیگر بہنوں پر ڈالی گو کہ وہ سب بھی گرمی سے بے حال تھیں مگر اس طرح سے جل بھن تو کوئی بھی نہیں رہی تھی۔

''پہلی بات تو یہ کہ یہ میرا شیر، بکری نہیں بکرا ہے الحمد اللہ۔۔ میرا چھوٹا بھائی۔۔ میرا جانشین۔۔'' اس نے انتہائی محبت بھری نظریں اس طرف ڈالیں جس طرف ''جانشین صاحب'' بیٹھے مزے سے گھاس کھا رہے تھے، پھر اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے چبا چبا کر بولا۔

''اور دوسری بات یہ کہ اس کا نام بکرا یا بکری نہیں بلکہ شیخ صاحب ہے اب کی بار تم نے اسے کسی الٹے سیدھے نام سے پکارا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔''

''صرف شیخ صاحب کیوں کہتے ہو اپنے نام سمیت اس کا پورا نام پکارا کرو۔ ''شیخ تیمور صاحب'' تاکہ سب کو اس سے تمھاری تعلق داری کا پتا چل جائے اور پلیز اب اپنی زبان بند رکھو ایک تو گرمی نے میرا دماغ خراب کر رکھا ہے اوپر سے تم۔۔۔'' تیمور مزے سے مسکراتا رہا۔

''گرمی کو کیوں الزام دے رہی ہو دماغ تو تمھارا پیدائشی خراب ہے۔۔۔ اچھا بھلا میں اللہ تعالیٰ سے ڈائریکٹ ڈیلنگ کر رہا تھا، تھوڑی دیر میں راضی بھی کر لیتا تم پتا نہیں کہاں سے کود پڑی بی جمالو۔''

"تیمور کے بچے میں دانت توڑ دوں گی تمھارے بھی اور تمھارے اس بکرے کے بھی۔" اس نے دانت کچکچائے۔ تیمور نے گھورا اور لڑاکا عورتوں کی طرح کمر پر دونوں ہاتھ رکھ لیا۔

"پھر وہی بات۔۔۔"

"اب تو میں ضرور کہوں گا بی جمالو۔۔ بی جمالو۔۔ بی جمالو۔۔"

"پھر میں بھی کہوں گی بکرا، بکرا، بکرا۔" اس نے جیسے پتھر کھینچ مارے تھے۔

"ہاہاہاہا۔۔۔ تو اس میں اتنا بھڑکنے کی کیا بات ہے یہ تو ہے بکرا۔۔۔ بس اس کا نام شیخ صاحب ہے مگر تمھارا نام تو عانیہ ہے۔" اس نے آنکھیں گھمائیں۔ عانیہ کا غصے سے برا حال ہو گیا کہ باقی سب نے بھی ہنسنا شروع کر دیا تھا۔

"امی!۔۔ دیکھیں یہ تیمور بدتمیزی کر رہا ہے۔" وہ مٹھیاں بھینچ کر چلائی تھی۔ ثانیہ نے کان پر ہاتھ رکھ کر ناگواری سے اسے گھورا۔

"آہستہ بولو۔۔۔ میرے کان کیوں پھاڑ رہی ہو۔"

"تو تم اسے خاموش کیوں نہیں کرواتیں۔" وہ اسی پر الٹ پڑی۔

"وہ خاموش نہیں ہوتا تو تم چپ ہو جاؤ اور ویسے بھی اتنا بھڑکنے کی کیا بات ہے۔ تیمور مذاق ہی تو کر رہا ہے۔" ثانیہ نے اپنے مخصوص انداز میں کہا تھا۔

"ہونہہ۔۔۔ مذاق۔۔ اس سے کہو اپنا منہ بند کر کے دعائیں کرتا رہے۔ آسمان پھٹے گا اور ان کے لئے ہن برسے گا۔"

"برسے گا ضرور برسے گا۔۔۔ اگر کوئی ہماری دعاؤں پر "ہونہہ" کرنا چھوڑ دے تو ضرور برسے گا۔ ثانی بہن! بس ایک تم ہی میری اچھی بہن ہو کم سے کم میری دعا سن کر آمین تو کہتی ہو۔"

اس پر ثانیہ کی تنبیہی نظروں کا قطعاً کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا اور وہ اپنی آنکھوں میں شرارت چھپائے بولے جا رہا تھا۔

"صرف ثانی پر ہی یہ عنایت کیوں؟ یہ شفق تو دعاؤں کے علاوہ بھی تمھاری ہر بات پر آمین کہتی ہے اسے بھی 'اچھی بہن' کہو۔"

"لاحول ولاقوۃ۔" اس نے جھنجھلا کر ڈسٹر پھینکا۔

"عانی کا تو بالکل ہی دماغ چل گیا۔ وہ تو شکر ہے میں اس کی باتوں پر زیادہ عمل نہیں کرتا۔ یہ بتاؤ پانچ بہنیں کم ہیں جو میں ایک اور بنا لوں وہ بھی شفق کو۔ توبہ توبہ استغفار۔۔ دنیا بھر کی لڑکیوں کو میں اپنی بہن بنا سکتا ہوں مگر شفق کو کبھی نہیں۔۔۔"

اس نے کن انکھیوں سے شفق کو دیکھا۔ وہ ستون سے کمر ٹکائے بیٹھی تھی۔ چہرہ کتاب کی اوٹ میں تھا۔ اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ یہ کتاب کی اوٹ بھی کیا کمال کی چیز تھی۔ اس کا دل چاہا وہ ایک بار اس کے تاثرات دیکھے۔

"اب ہنس کس خوشی میں رہے ہو؟" معاً عانیہ کی آواز نے اسے متوجہ کیا تھا وہ چونکتے ہوئے زمین سے پائپ اٹھانے کو جھک گیا۔

"ہنس نہیں رہا، مسکرا رہا ہوں، کیونکہ مسلمان کی مسکراہٹ بھی صدقہ ہے۔"

''اور آہستہ آہستہ کیا بول رہے تھے؟'' عانیہ نے گھورا۔
''گانا گا رہا تھا۔'' اس نے ٹالا تو وہ اور مشکوک نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔
''میں نہیں مانتی۔''
تیمور کے لبوں پر موجود مسکراہٹ میں ایک دم سے شرارت کا اضافہ ہوا تھا۔ عادت کے عین مطابق ''اچھا تمھارے خیال میں، میں کیا کہہ رہا تھا۔''
''میری برائیاں ہی کر رہے ہو گے مجھے یقین ہے۔'' اس نے جتنی بے ساختگی سے کہا تھا اتنی ہی بے ساختگی سے تیمور کا جاندار قہقہہ بلند ہوا۔
''واہ عانی۔۔تم تو روز بروز ذہین ہوتی جا رہی ہو، ابھی تو میں نے کوئی اشارہ بھی نہیں دیا تھا اور تمھیں پتا بھی چل گیا۔ بھئی واہ!'' وہ پائپ اٹھا کر شیخ صاحب کی طرف آ گیا۔
''موٹر سائیکل تو دھل گئی اب آپ کے نہانے کی باری ہے شیخ صاحب! اور بات سنیں آج زیادہ چھلانگیں نہیں لگانی ورنہ آپ کی عانی باجی پھر غصہ کریں گی کہ۔۔۔'' ابھی وہ یہیں تک پہنچا تھا کہ عانی نے ٹوک دیا۔
''بات سنو خود چاہے اس جانور سے جو مرضی رشتہ داری جوڑتے رہو مگر مجھے کسی کی باجی واجی بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' حسب عادت وہ تڑخ کر بولی تھی۔
''ہا۔۔۔تم نے شیخ صاحب کو جانور کہا؟ چلیں شیخ صاحب اپنی بے عزتی کا ٹھیک ٹھاک بدلہ لیں جتنی چاہے چھلانگیں لگائیں جتنی چاہے چھینٹیں اُڑائیں۔'' وہ ٹھیک ٹھاک عالمِ طیش میں شیخ صاحب کو آزاد کرنے لگا۔
''پلیز تیمور بھائی! ادھر میری کاپیاں پڑی ہیں۔'' کشف چلائی۔
''یہ اگر کمرے میں گیا نا تیمور تو میں اس کی ٹانگیں توڑ دوں گی۔'' عانیہ نے دھمکی دی تھی۔ ثانیہ شفق بھی اسے منع کر رہی تھیں۔ مگر وہ سلطان راہی اسٹائل میں مصنوعی قہقہے لگاتا شیخ صاحب کو آزاد کرنے کے درپے تھا تب ہی بیرونی دروازے پر دستک ہوئی، خاصی زوردار، بجلی کی بندش کی وجہ سے بیل تو فی الحال ناکارہ ہی تھی۔
تیمور نے ناچار قمیض پہنی اور منہ کے برے برے زاویے بناتا دروازہ کھولنے چل دیا۔ ایک اچھا خاصا فلمی سین مکمل ہوتے ہوتے رہ گیا تھا۔
''او بھائی! آ رہا ہوں یا دروازہ توڑ کر اندر گھسو گے۔'' با آواز بلند کہتے ہوئے اس نے دروازہ کھول دیا اگلے ہی لمحے اس کے چہرے پر موجود ہر تاثر غائب ہو گیا تھا۔ آنکھوں میں چمک تھی، نہ لبوں پر مسکراہٹ تھی نہ شرارت۔
''یار! یہ سنبھالو اپنے ابو کو، آج میں نہ ہوتا تو انہوں نے تو سچ مچ پہلی فلائیٹ سے اوپر پہنچ جانا تھا۔ پتا نہیں کتنی پڑیاں چڑھا کر بیچ سڑک پر ناچتے پھر رہے تھے۔ ٹرک سے ٹکر ہوتے ہوتے رہ گئی۔''

ارسلان ایک اور لڑکے کی مدد سے ابو کو بمشکل سنبھالے کھڑا تھا۔ وہ اس وقت نیم بے ہوشی کی حالت میں انتہائی برے حال میں تھے۔ انتہائی میلی قمیض جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی تھی۔ سفید اور سیاہ کھچڑی بال گرد آلود تھے اور چہرہ تو شاید کئی روز سے نہیں دھویا گیا تھا۔ پیروں میں چپل بھی نہیں تھی۔

تیمور نے بنا کچھ کہے آگے بڑھ کر انہیں کسی بے جان مگر اپنی استطاعت سے زیادہ وزن کی طرح وصول کیا اور جانے کس دل سے ارسلان کا شکریہ ادا کیا تو وہ سادگی سے ہنس دیا۔

''شکریے کو چھوڑ و یار، بس انہیں صحیح حلیے میں لاؤ قسم سے تیمور! مجھے انہیں دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے چلو خیر۔'' وہ شاید کچھ اور بھی کہنے جا رہا تھا مگر تیمور کے چہرے پر پھیلی پژمردگی دیکھ کر خاموش رہا پھر بات پلٹی۔

''میں انہیں تمہارے ساتھ کمرے تک پہنچا دوں؟''

''نہیں میں کرلوں گا۔'' اس نے ایک ہاتھ سے دروازہ بند کیا پھر بنا پیچھے کی جانب دیکھے ابو کو سہارا دے کر سیڑھیاں چڑھانے لگا۔ نشے نے ان کے حواس اس قدر چھین رکھے تھے کہ انہیں اپنی حرکات اور الفاظ پر بھی قابو نہیں تھا، کبھی کچھ بڑبڑانے لگتے یا پھر ہنسنا شروع کر دیتے وہ تو شاید اسے بھی نہیں پہچان رہے تھے۔

تیمور نے انہیں بدقت سیڑھیاں عبور کروائیں اور اوپر کے کمرے میں لا کر پلنگ پر بٹھا دیا۔ ان کا اوپری دھڑ کسی بے جان چیز کی طرح ایک طرف کو لڑھک گیا تو اس نے ان کے پیر اٹھا کر اوپر رکھ دیے پھر اپنی سانسیں ہموار کرتے ہوئے انہیں دیکھتا چلا گیا۔ دل میں اک آنچ سی اٹھی تھی لاشعوری طور پر بڑھ کر پنکھے کا بٹن دبایا پھر دروازہ کھلا چھوڑ کر نیچے آ گیا۔ صحن میں سب کی موجودگی کے باوجود بڑی بوجھل چپ پھیلی ہوئی تھی۔

اسی پل باہر گلی میں بجلی آنے کا شور بلند ہوا مگر یہاں کوئی تاثر نہ ابھرا نہ کوئی پرجوش ہو کر اٹھا، نہ کسی نے نعرہ خوشی بلند کیا۔ بلکہ ہر کوئی اپنے معمول کے کام انجام دینے کے لئے اس خاموشی سے اٹھا کہ جو حاضر ہونے کا احساس تھا وہ بھی جاتا رہا۔ وہ سب ایک دوسرے سے یوں نظریں چرا رہے تھے گویا ایک عظیم گناہ ان سے سرزد ہوا ہو۔ ابھی جہاں زندگی کا بھرپور احساس جگاتے قہقہے گونج رہے تھے وہیں تاسف آہیں بھرنے لگا۔

''ابو کا کوئی سوٹ نکال دو، میں انہیں کپڑے تبدیل کروا دیتا ہوں۔''

نل بند کر کے پائپ اتارتے ہوئے تیمور نے نجانے کسے مخاطب کیا تھا اس کی آواز سناٹے میں گونج کر غائب ہوگئی۔

☆......☆......☆

چوکیدار نے گیٹ کے دونوں پٹ باری باری کھولتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا تھا۔

اس نے سر ہلا کر گویا جواب دیا اور گاڑی اندر لے آیا۔ پورچ میں دو گاڑیاں پہلے سے موجود تھیں ایک تو خیر سلور گرے فورڈ تھی جو

جہانگیر لاشاری کی گھر میں موجودگی کی واضح علامت تھی۔

دوسری گاڑی نسان تھی اور یہ والا میک ان کے پاس نہیں تھا تبھی وہ کسی قدر سوچ میں مبتلا تھا۔اسی سوچ کے ساتھ اس نے ساتھ والی سیٹ پر رکھی فائلز اور پچھلی سیٹ پر رکھا شاپنگ بیگ اٹھالیا اور کار سے باہر نکل آیا۔

''السلام علیکم بیٹا!'' یہ بابا ولی محمد تھے یہاں کے کل وقتی ملازم اور مستقل ملازم۔

''وعلیکم سلام بابا! کیسے ہیں آپ؟''اس نے بہت خوشدلی سے پوچھا تھا۔

''اللہ کا شکر ہے بیٹا! اس عمر میں بھی ہاتھ پیر سلامت ہیں یہ کیا کم ہے۔آپ تو اچھے ہیں؟''

گاڑی لاک کرتے ہوئے اس نے اثبات میں گردن ہلادی۔

''کب آئے آپ گاؤں سے اور گھر میں تو سب خیریت تھی؟''لاک لگا کر اس نے بازو موڑ کر گاڑی کی چھت سے ٹکا دیے۔چہرہ انتہائی پرسکون تھا، انداز میں کسی قسم کی عجلت یا اکتاہٹ نہیں تھی فارمیلٹی بھی قطعاً نہیں لگ رہی تھی۔ بلکہ بے حد اپنائیت بھرا انداز تھا جو سامنے والے کو بے حد تقویت پہنچا رہا تھا اور اس کا یہ انداز بے حد کم لوگوں کے ساتھ ہوا کرتا تھا۔بابا خوشی خوشی اسکے سوالوں کے جواب دینے لگے۔

''بابا! کوئی گیسٹ آئے ہوئے ہیں؟'' اجنبی گاڑی کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے وہ سوال پوچھ لیا جو بڑی دیر سے ذہن میں جھنجھنا رہا تھا۔

''اسوہ اور نشوا بیٹیاں کی سہیلیاں آئی ہوئی ہیں۔ بیٹا! آپ کے لیے چائے لاؤں؟'' بڑی بے ساختگی سے اس کے لبوں سے پرسکون سانس خارج ہوئی۔اگر کوئی کاروباری مہمان ہوتے یقیناً تھوڑی دیر میں اسے بلوالیا جاتا جب کہ اس کا ارادہ کچھ دیر سونے کا تھا۔

''بابا! یہ فائل اور گاڑی کی چابی سر (جہانگیر لاشاری) کی اسٹڈی ٹیبل تک پہنچادیں اور سر کے علاوہ کوئی پوچھے تو کہہ دیجیے گا کہ میں سو رہا ہوں ویسے ارادہ تو سونے کا ہی ہے لیکن سونے سے پہلے تھکن بھی اتارنا ضروری ہے اس لئے اچھی سی چائے پلوائیے آپ کی غیر موجودگی میں زلفی تو چائے کے نام پر کوئی عجیب وغریب چیز پلواتا رہا ہے۔''

وہ وہیں سے لان میں اتر گیا اپنے کمرے تک پہنچنے کے لیے عموماً وہ یہی شارٹ کٹ استعمال کیا کرتا تھا۔وسیع برآمدے کے عین وسط میں ماربل کی سفید سیڑھیاں اوپر کے پورشن تک جاتی تھیں جن کے دائیں طرف اس کا کمرا تھا۔ بڑی نفاست سے ترشی ہوئی گھاس میں خنکی رچی تھی۔

فضا میں موجود مروا کی دلفریب خوشبو کو اندر اتارتے ہوئے اور بالوں میں دائیں ہاتھ کی انگلیاں پھیرتے ہوئے لمبے لمبے ڈگ بھرتا سیڑھیوں کی طرف جا رہا تھا جب اسے علیک کی باڑھ کے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔

اس نے رک کر دیکھنے کی کوشش کی پھر دو قدم آگے بڑھ آیا۔ذرا سا گمان ہوا تھا آگے بڑھتے ہی تصدیق کی مہر ثبت ہوگئی۔

''پٹھانی۔''اس کی آواز نے گویا صور اسرافیل پھونک دیا تھا۔ وہ سٹپٹا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور سرعت سے ہاتھ پیچھے کر لیے۔اس

نے ناسمجھی سے اس کی اس حرکت کو نوٹ کیا تھا۔

گہرے نارنجی رنگ کے دوپٹے کی بکل مارے گھبرایا ہوا چہرہ، آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو۔

''تمھیں کیا ہوا ہے؟۔۔۔کسی نے کچھ کہا ہے؟'' وہ بہت سوچ کر پوچھ رہا تھا۔ پٹھانی نے جلدی سے نفی میں اتنی زور سے سر ہلایا کہ آنکھوں میں جمع پانی چھلک گیا، جسے اس نے بائیں ہاتھ سے فوراً رگڑ ڈالا پھر فوراً ہاتھ پیچھے لے گئی گو کہ اس طرح سے ہاتھ پیچھے باندھنے کو سراسیمگی کی ایک لاشعوری حرکت بھی سمجھا جا سکتا تھا مگر وہ واضح طور پر محسوس کر رہا تھا کہ اس کے ہاتھ کچھ چھپانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔

''اگر کسی نے کچھ نہیں کہا تو رو کیوں رہی ہو؟'' وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا جواب میں پٹھانی نے آنکھوں کے ساتھ سر بھی جھکا لیا اور لب کاٹتے ہوئے جیسے مناسب جواب سوچنے لگی۔

''تمھیں تمھارا گاؤں یاد آ رہا ہے؟'' اس نے پھر سوچا جواب میں خاموشی سماعت سے ٹکرائی۔

''اماں یاد آ رہی ہے یا بہنیں؟'' پھر خاموشی البتہ سر آہستگی سے نفی میں ہلا۔

''ہاتھ پر چوٹ لگی ہے؟'' سر کی حرکت جاری و ساری۔ وہ چند لمحے پر سوچ انداز میں اس کے جھکے سر کو دیکھتا رہا پھر لہجے میں قدرے سختی لا کر ڈپٹ کر بولا۔

''جب تک منہ سے نہیں بولو گی مجھے کیسے پتا چلے گا کہ تم کیوں رو رہی ہو؟''

پٹھانی نے سہم کر اسے دیکھا اور وہ دونوں ہتھیلیاں فوراً سامنے کر دیں۔ مشقت کے بوجھ سے کسی قدر سخت پڑتی گلابی ہتھیلیوں کی اوک میں چڑیا کا ننھا سا نیم جان بچہ پڑا تھا۔

''یہ تمھیں کہاں سے مل گیا؟'' اسے جیسے اس کی گھبراہٹ اور رونے کی وجہ سمجھ میں آ گئی تھی۔ پٹھانی کے آنسو پھر نکل پڑے۔ وہ بجائے جواب دینے کے سسکیاں بھرنے لگی تھی۔

''اس میں رونے کی کیا بات ہے؟۔۔۔اچھا چلو آؤ اس کے اماں ابا کا گھر تلاش کرتے ہیں۔'' بوٹ اپنی ہتھیلی پر لے کر اس نے دوسرے ہاتھ سے پٹھانی کا منا سا ہاتھ تھام لیا اور لان میں اس سمت کو چل دیا جہاں گھونسلہ موجود ہونے کا غالب امکان تھا۔

''صیب ادر ہے۔'' پٹھانی پیڑ کے پاس رک گئی جس کے سر پر ایک بھورے پروں والی چڑیا منڈلاتی پھر رہی تھی۔ اس نے کچھ شاخیں ہٹا کر گھونسلہ تلاش کیا اور بچے کو اس میں رکھ دیا اور پلٹ کر اسے دیکھا۔

''اب خوش؟'' اس کے پتھر جیسے سنجیدہ چہرے پر بڑی اچھی سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی، پٹھانی کا ننھا منا چہرہ گویا فینسی لائیٹس کی زد میں آ گیا تھا۔

''شکریہ صیب۔۔۔''

''صاحب جی۔۔'' اس سے قبل کہ مزید کوئی بات ہوتی چوکیدار کی آواز نے اسے متوجہ کر لیا وہ تقریباً بھاگتا ہوا اس تک آ رہا تھا۔

''صاحب جی! صبح ڈاکیہ آیا تھا یہ آپ کی ڈاک دے گیا ہے۔''

اس نے پھولی سانس کے ساتھ خاکی رنگ کا لفافہ اس کی جانب بڑھا دیا۔ شاہ نواز کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ اس نے لفافہ چوکیدار کے ہاتھ سے لے کر فقط ایک نظر اس پر ڈالی تھی۔

''ٹھیک ہے تم جاؤ۔۔۔ اور تم۔۔۔ اس نے پٹھانی کی جانب دیکھا اور انتہائی ذہنی خلفشار کے باوجود نرمی سے اس کا سر تھپتھپایا۔

''میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا مجھے صاحب مت بلایا کرو۔''

''پھر کیا بولوں صیب؟'' وہ معصومیت سے بولی تو اس نے کندھے اچکا دیے۔

''کچھ بھی بھیا، بھائی یا جو بھی تمھارا دل کرے۔''

''صیب! لالا بولوں۔'' وہ ایک دم پرجوش ہو کر بولی تو وہ ہنس دیا۔

''میں نے کہا نا جو تمھارا دل کرے بولو۔'' وہ ایک بار پھر اس کا سر تھپتھپاتا آگے بڑھ گیا۔ مگر سیڑھیوں کی جانب جانے کی بجائے وہ لان کے انتہائی کونے کی طرف آیا تھا جہاں بڑا سا ڈسٹ بن پڑا تھا۔

اس نے لفافے پر لگی جی پی او گوگیرہ کی مہر کو دیکھا پھر بنا کچھ سوچے لفافے کو پرزوں میں تبدیل کر کے ڈسٹ بن میں اچھال دیا۔ یہ بھی دیکھنے کی زحمت نہیں کی کہ لفافے پر شاہنواز نہیں بلکہ شمسہ کا نام لکھا تھا۔

☆......☆......☆

''اے لڑکے، ہزار مرتبہ کہہ چکے ہیں ہمیں الٹے سیدھے ناموں سے مت پکارا کرو۔ خورشید بیگم کہتے زبان دکھتی ہے تو خوشی بوا ہی کہہ لیا کرو، آخر ایک زمانہ بھی تو یہی کہتا ہے مگر نہیں جب پکاریں گے شادی بوا ہی پکاریں گے۔ بتلاؤ یہ بھی کوئی نام ہے۔ ہم کہہ دیتے ہیں حلیمہ بہن! اس لڑکے کو سمجھا لو ورنہ ہم پلٹ کر تمہارے گھر کی شکل بھی نہ دیکھیں گے......''

''کمال ہے بوا، ایک تو میں اتنی محبت سے آپ کو شادی بوا کہتا ہوں تو آپ برا مان جاتی ہیں کیا آپ کو محبت کی پہچان نہیں ہے؟''

تیمور کی آواز میں تو دلگرفتگی تھی ہی چہرے پر بھی اتنی اداسی طاری کر لی تھی کہ غیض و غضب کا عملی نمونہ بنی شادی بوا کا دل لمحوں میں پسیج گیا۔

''ٹھیک ہے آپ کو میرا کہنا پسند نہیں ہے تو اب میں کچھ بھی نہیں کہوں گا نہ شادی بوا نہ خوشی بوا...... خورشید بیگم بھی نہیں کیونکہ خدانخواستہ آپ ہماری بیگم تو ہیں نہیں اور جن کی تھیں وہ تو اللہ کو پیارے ہو گئے۔ کافی خوش قسمت تھے شاید...... خیر آپ کو تو شاید ہماری شکل بھی پسند نہیں ہے اس لئے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ کبھی آپ کے سامنے بھی نہیں آئیں گے۔''

اس نے جملے کی نوعیت کے حساب سے اپنا والیم سیٹ کیا تھا۔

''تیمور!...... تم فوراً یہاں سے اٹھو۔'' حلیمہ کڑھائی کا فریم لیے بیٹھی تھیں۔ اسے گھور کر دیکھتے ہوئے وہاں سے بھگانے کی کوشش

کی۔ اتنے ضروری کام کے لئے بلوایا تھا بوا کو یوں تو ناراض ہونے کی صرف دھمکیاں ہی دیا کرتی تھیں مگر کبھی سچ مچ ناراض بھی ہو سکتی تھیں۔ بڑی پرانی محلہ داری تھی لہٰذا آنا جانا تو لگا ہی رہتا تھا۔

''اے رہنے دو حلیمہ۔ ہم نے تو یونہی کہہ دیا تھا۔ بچے تم اپنا دل برا نہ کرو بھلا تمہاری شکل کیسے بری لگ سکتی ہے؟ ماشاءاللہ اتنے پیارے ہو لیکن بیٹے یہ والا نام ہمیں کچھ مناسب نہیں لگتا۔'' وہ اس کی اداکاری کے دام میں مکمل طور پر آ چکی تھیں۔ تیمور جو سعادت مندی سے سر جھکائے بیٹھا تھا بولا۔

''اس میں نامناسب کیا ہے؟ جیسے چوکیداری کرنے والا چوکیدار ہی کہلاتا ہے، باغات کی دیکھ بھال اور حفاظت کرنے والے کو مالی کہتے ہیں اور کپڑے دھونے والے کو دھوبی تو شادیاں کروانے والے کو بھی تو شادی بوا ہی کہنا چاہیے نا خوشی بوا۔''

وہ اس طرح بات کر رہا تھا، جیسے کوئی بہت ہی مستند بات کر رہا ہو۔

شادی بوا بےچاری سادہ لوح سی خاتون تھیں۔ فوراً ماننے والے انداز میں سر ہلانے لگیں۔

''تیمور! اب تم فوراً یہاں سے اٹھو، بلاوجہ بول بول کر دماغ کھا رہے ہو...... بوا! آپ اس کی بات کو محسوس نہ کیجیے گا بس مزاج میں لاپروائی بہت ہے بولتے ہوئے تو سوچتا ہی نہیں ہے۔''

''چھوڑو حلیمہ بہن کب ہے اس بچے میں لاپروائی؟ ہم نے اتنی عمر گزار لی مگر قسم کھا کر کہہ سکتے ہیں ایسا ذمہ دار طبیعت کا بچہ نہیں دیکھا۔ اللہ خوش رکھے نظر بد سے بچائے۔'' شادی بوا نے نہال ہوتی نظروں سے اسے منہ موڑ کر جاتے دیکھا تو کہے بنا نہ رہ سکیں۔

''خیر تم سے کیا بات ہو رہی تھی؟...... اے ہاں تو کیسا رشتہ چاہتی ہے تم ثانیہ بٹیا کے لئے۔'' بوا بڑی دلچسپی سے اصل موضوع کی طرف پلٹی تھیں۔

''بس بوا لوگوں کو اچھا اور شریف ہونا چاہیے۔ لڑکا چاہے بہت نہ کماتا ہو مگر کوئی بری لت نہ لگی ہو اسے۔ وہ آپ میری بات سمجھ رہی ہیں نا؟'' حلیمہ نے جھجکتے ہوئے کہا تھا۔

''اے ہاں میں سب سمجھتی ہوں میرے پاس جن لڑکے لڑکیوں کے رشتے ہوتے ہیں ان کے بارے میں، میں خوب چھان بین کر کے رکھتی ہوں۔ کسی کے بارے میں کوئی ذرا سی بھی ایسی ویسی بات کان میں پڑ جائے پھر وہ کیس (کلائنٹ) تو میں لیتی ہی نہیں ہوں۔''

''بس پھر ٹھیک ہے بوا! اب آپ جلد از جلد میرا کام کر دیں۔''

''ہاں ہاں انشاءاللہ...... میرے پاس دو جڑواں بھائیوں کے رشتے ہیں دونوں بھائیوں کی بہت بڑی کپڑے کی دوکان ہے۔ ان کی ماں کب سے میرے پیچھے پڑی ہوئی ہے کہ خوشی بوا میرے بیٹوں کے لیے بیویاں بھی جڑواں ہی ہونا چاہئیں...... آج ہی ٹیلی فون کر دیتی ہوں، اللہ نے چاہا تو عانیہ اور ثانیہ دونوں کی بات یہیں ٹھہر جائے گی۔''

شادی بوا کا جوش حلیمہ کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر گیا تھا۔

’’صرف ثانیہ کی بات کیجیے خوشی بوا، عانیہ کی تو مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے۔‘‘

’’اے تو کیا عانیہ کو نہیں بیا ہو گی؟ ساری عمر گھر بٹھانے کا ارادہ ہے؟‘‘ بوا نے برا مان کر کہا۔

’’استغفر اللہ...... میں ایسا کیوں سوچوں گی بوا! میری زندگی کی تو اب سب سے بڑی خوشی ہی یہ ہے کہ میری پانچوں بیٹیاں جلد از جلد اپنے اپنے گھر کی ہو جائیں۔ اصل میں عانیہ کی بات تو اس کے چچا اشفاق کے یہاں طے ہے۔‘‘

’’ایں...... بھلا یہ کب کی بات ہے تم نے تو کبھی ذکر نہیں کیا۔‘‘

’’پرانی بات ہے بوا! بچپن میں ہی طے کر دیا تھا رشتہ، اشفاق بھائی صاحب کا جو بڑا بیٹا ہے عادل۔ اسی سے عانیہ کی بات طے ہے۔‘‘

’’اے اچھی بات ہے۔ کچھ تو تمہارا بوجھ بھی کم ہو۔ بلکہ میں تو کہتی ہوں بوجھ کم ہونے کا خیال ہی انسان کو ہلکا پھلکا کر دیتا ہے۔ پھر ٹھیک ہے میں اب چلتی ہوں پھر کسی روز چکر لگاؤں گی۔‘‘

’’بوا ایک اور بات ہے۔‘‘ بوا تخت سے چادر سنبھالتی اٹھ رہی تھیں رک کر حلیمہ کی شکل دیکھنے لگیں۔

’’بوا میں چاہتی ہوں آپ جہاں کہیں بھی رشتے کی بات چلائیں انہیں ہمارے گھر لانے سے پہلے ہمارے سارے حالات سے آگاہ کر دیجیے گا میں نہیں چاہتی کہ کوئی انجانے میں آئے اور......‘‘

’’اے تم فکر ہی نہ کرو جب خوشی کسی کی فکر اپنے کندھوں پر لیتی ہے تو پھر فکر ختم کر کے ہی چھوڑتی ہے...... بھروسہ رکھو۔‘‘ شادی بوا اپنا بھاری بھرکم وجود سنبھالتی دروازے کی جانب بڑھ گئیں۔

☆......☆......☆

’’دنیا میں ہر چیز کی حد ہے سوائے موت کے

ایک ایسی شے جس کا کوئی مستقبل نہیں ہوتا۔

فقط وہی ہوتا ہے جو آج اور اب ہوتا ہے اور جس کے لیے ہوتا ہے اس کے لیے کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتا کہ وہ وقت اور مقام کی قید سے ہمیشہ کے لئے آزاد ہو چکا ہوتا ہے۔ موت تو وہ چیز ہے جس کا ذکر بڑے بڑے بے حسوں کی حسات جگا دیتا ہے۔ پتھر دل صرف اس لیے کان لپیٹ کر چل دیتے ہیں کہ کہیں خوف سے کانپتا دل بھرم ہی نہ توڑ دے۔ وہ تو پھر بھی بڑے نچلے درجے کی بے حس تھی تب ہی موت کے خیال سے نہ صرف کانپ اٹھی بلکہ اس خوف کا واضح اظہار چہرے سے بھی ظاہر تھا۔ بات بھی تو معمولی نہیں تھی۔ ایک جیتا جاگتا وجود یوں ساکت ہوا تھا گویا بے جان ہی ہو گیا ہو۔ پھر اس کا سابقہ تو پہلی بار پڑا تھا ایسی پریشان کن صورت حال سے لہٰذا ہاتھ پاؤں کا پھول جانا کچھ ایسا غیر معمولی نہیں تھا۔

ایک دم سے سفید کفن میں لپٹے بڑے بڑے لاشے آنکھوں کے سامنے ناچنے لگے تھے۔ اس وقت بھی تقریباً گم صم بیٹھی انگلیاں مسلتے ہوئے ایک ٹک اس لڑکی کے ہوش وخرد سے بیگانہ وجود کو دیکھ رہی تھی۔

ڈاکٹر آیا بیٹھا تھا چیک اپ ہو رہا تھا۔ آپا بیگم بھی موجود تھیں مگر کمرے میں ایسا سناٹا تھا گویا کوئی موجود ہی نہ ہو۔ گوکہ کمال کی خالی الذہنی لاحق تھی لیکن اس کے باوجود ہر گزرتا لمحہ ایک نیا خدشہ اس کی جھولی میں ڈال کر گزر رہا تھا یا شاید مطلب ایک ہی تھا بس ہر دفعہ انداز بیاں بدل رہا تھا۔ لاشعوری طور پر وہ اس کی موت کی خبر سننے کی ہی منتظر تھی۔

''اصل میں ٹمپریچر بہت زیادہ ہے۔''

بیڈ کے قریب رکھے اسٹول پر براجمان ڈاکٹر باقر نے کانوں سے اسٹیتھو اسکوپ اتارتے ہوئے کہا اور رائیٹنگ پیڈ زانوں پر رکھ کر قلم گھسیٹنے لگے۔

''میں نے انجکشن دے دیا ہے لیکن ان کے ماتھے پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھیں۔ بخار کی شدت میں کمی آئے گی تو یہ ہوش میں آئیں گی میں نے دوائیاں بھی لکھ دی ہیں، یا تو میڈیکل اسٹور سے منگوالیں یا پھر ملازم کو میرے ساتھ بھیج دیں میں کلینک سے بھجوا دیتا ہوں۔''

گیتی کے لبوں سے یوں پرسکون سانس خارش ہوئی جیسے اپنے سر پر منڈلاتے موت کے سائے ٹل گئے ہوں۔ اس نے طمانیت کے بھرپور احساس سے صوفے کی بیک سے کمر ٹکا دی اور آرام دہ پوزیشن میں آ گئی۔

''باقر! کوئی پریشانی کی بات تو نہیں ہے نا...... گلے تو نہیں پڑ جائے گی۔''

آپا بیگم کی آواز میں پریشانی کے ساتھ ساتھ جھلاہٹ بھی نمایاں تھی۔ ڈاکٹر باقر ہنس دیے۔

''کیوں گلے پڑے گی؟...... بھئی میں کہہ رہا ہوں یقین کر لیں۔ گارنٹی ہے کہ اسے کچھ نہیں ہوگا۔ بس یہ ویک ضرورت سے زیادہ ہے۔ ہوش میں آجاتی ہے تو کھانے پینے کا بہت خیال رکھیں، بلکہ میں تو یہی تجویز کروں گا کہ پہلی فرصت میں ایک آدھ ڈرپ لگوا دیں۔''

آپا بیگم پرسوچ نظروں سے اسے دیکھتی رہیں۔

''پھر میں چلوں دوبارہ ضرورت ہو تو رنگ کر دیجیے گا۔'' ڈاکٹر باقر نے اپنا میڈیکل بکس اٹھاتے ہوئے اجازت چاہی۔ بڑی ہی مستقل قسم کی حیثیت تھی ڈاکٹر باقر کی گلشن نگر میں۔

آپا بیگم نے ڈاکٹر صاحب کو رخصت کرنے سے قبل گوشی کو چند ہدایات سے نوازا پھر جب وہ دونوں آگے پیچھے باہر نکل گئے تب گیتی کے قریب آ بیٹھیں جیسے بہت تھک گئی ہوں۔

''اللہ توبہ......اس لڑکی نے تو میری جان ہی نکال چھوڑی تھی۔''

گیتی نے گردن موڑ کر دیکھا۔

جان تو واقعی نکلی ہوئی لگ رہی تھی بنا سنورا چہرہ زرد بھی لگ رہا تھا پریشان بھی۔ وہ براہ راست اس لڑکی کی جانب دیکھ رہی تھیں۔ نگاہ اور چہرے پر ایسا تاثر تھا جیسے کوئی گہری سوچ درپیش ہو پھر چونک کر اس کی طرف دیکھا اور رسانیت سے بولیں۔

''تم بھی بی پی چیک کروا لیتیں۔ دیکھو رنگت کیسی پیلی ہو رہی ہے۔''

گیتی آرا چونک سی گئی کبھی کبھی آپا بیگم اسے اپنے انداز سے حیران کر دیتی تھیں ایسی اپنائیت، اتنی لگاوٹ، ایک بے ہوش وجود سامنے پڑا تھا مگر انہیں اس کی ''پیلی رنگت'' محتاط کر رہی تھی تعجب ہے۔

''مجھے اندازہ ہے تم اس لڑکی کی وجہ سے پریشان ہو مگر بس تھوڑے دنوں کی بات ہے اصل میں رومز تو خالی ہیں مگر میں اسے فی الحال اکیلی چھوڑنا نہیں چاہتی اسی لیے تمہارے گھر میں رکھا ہے۔ تم ذرا دھیان رکھنا جب تک لائن پر نہیں آجاتی دھیان کرنا ہی پڑے گا۔ یہ اختر بٹ تو ذرا میرے ہاتھ لگے اس کی طبیعت بھی اچھی طرح صاف کرتی ہوں۔ ہزار دفعہ کہہ چکی ہوں بزنس چلا رہی ہوں اڑیل گھوڑیاں قابو نہیں کرتی مگر اس شخص پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا۔''

''اچھی بھلی گزر رہی ہوتی ہے کہ یہ کوئی ایسا نمونہ اٹھا کر لے آتا ہے۔''

اسی پل گوشی نے اندر آکر کسی مہمان کی آمد کی اطلاع دی۔ آپا بیگم کا جاری شدہ بیان ادھورا رہ گیا کچھ اس بات پر جھنجلائیں، کچھ مہمان کی اس بے وقت آمد پر۔

''ایک آپا بیگم ہے، کہاں کہاں جان کھپاتی پھرے...... خیر تم چلو میں آتی ہوں۔''

وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''گیتی! گوشی کے ہاتھ ٹھنڈا پانی اور پٹیاں بھجوا رہی ہوں ذرا اس کے ماتھے پر رکھنا طبیعت سنبھلے تو دوا بھی کھلانی ہے۔''

وہ ساڑھی کی فال درست کرتی باہر نکل گئیں۔ گیتی نے اٹھ کر دروازہ بند کیا پھر واپس پلٹی تو اس لڑکی کے خوابیدہ چہرے پر اضطراب کی لہریں ٹھاٹھیں مار رہی تھیں۔

اس نے بے چینی سے سر کو ادھر ادھر حرکت دی پھر چہرہ جو اس کی از سر نو گمشدگی کا اعلان کرنے لگا۔

گیتی وہیں کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

کچھ کتابیں گفٹ ریپ میں نہیں ہوتیں پھر بھی تجسس ابھارتی ہیں یہ لڑکی اس کے لیے ایک ایسی ہی کتاب ثابت ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

اس کی کچھ عادات بہت پختہ قسم کی تھیں۔ انہی میں سے ایک باجماعت نماز کی ادائیگی کی عادت تھی اور دوسری مارننگ واک اور جاگنگ کی عادت تھی۔ رات سونے میں خواہ کتنی بھی تاخیر کیوں نہ ہو صبح سویرے وہ اذان سے پہلے بے دار ہوتا تھا پھر مسجد سے واپس آکر چینج کرتا تھا اور جاگنگ کے لئے چلا جاتا تھا۔

یہ اتنی پختہ عادات تھیں کہ عموماً طوفان بارش بھی راستے میں حائل نہیں ہوتے تھے۔ اس وقت بھی وہ مسجد سے واپس آکر چینج کر چکا تھا اور بیڈ پر بیٹھا عجلت میں جاگرز پہن رہا تھا جب دروازے پر دستک ہوئی۔

اس نے چونک کر دروازے کی جانب دیکھا پھر وال کلاک پر نظر ڈالی۔ ان اوقات میں تو عموماً کوئی ملازم بھی اس کے کمرے میں نہیں آتا تھا۔

اس نے اجازت دینے کے لئے منہ کھولا پھر ہاتھ میں پکڑا جاگرز مین پر رکھ دیا اور اٹھ کر خود دروازہ کھول دیا۔

''خالہ امی......'' دروازہ پر کھڑی شمسہ کو دیکھ کر وہ متعجب ہوا تھا۔

شمسہ اس کی آنکھوں میں لکھے سوال کو دیکھ کر مسکرائیں۔

''ہاں ہاں......سب خیریت ہے کوئی پریشانی کی بات نہیں۔'' وہ بشاش لہجے میں کہتی اور اسی طرح مسکراتی اندر داخل ہوئی تھیں۔

شاہ نواز نے ایک طرف ہو کر انہیں اندر آنے کا راستہ دیا۔

''اب کیا دروازہ پکڑے تب تک کھڑے رہو گے جب تک میں واپس نہیں چلی جاؤں گی؟......بھئی کیا میں تمہارے کمرے میں نہیں آسکتی۔''

وہ بہت فریش دکھائی دے رہی تھیں۔ سادہ سے شلوار قمیص پر براؤن رنگ کی موٹی شال نماز کے انداز میں اوڑھ رکھی تھی۔ شاہ نواز نے رات ہی انہیں اس سے انتہائی روپ میں دیکھا تھا۔ ساڑھی، میک اپ، جیولری وغیرہ کے ساتھ مگر اس وقت وہ زیادہ اچھی لگ رہی تھیں۔

''کیوں نہیں آسکتیں......گھر آپ کا، کمرہ بھی آپ کا، جب مرضی آیئے۔'' وہ بھی بشاشت سے بولا۔

''کان کھینچنے آئی ہوں تمہارے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

''لیجئے کھینچ لیجئے۔'' جس جگہ بیٹھا جوگرز پہن رہا تھا وہیں بیٹھ کر اس نے کان آگے کیا تو شمسہ نے کان کھینچنے کی بجائے ایک چپت اس کے سر پر لگائی۔

''مجھے پتا تھا کہ تم جاگنگ کے لیے جا رہے ہو گے مگر اسی لیے اس وقت آئی ہوں کیونکہ پھر تو سارا دن تمہاری شکل دیکھنے کو نہیں ملتی، کن کام دھندوں میں لگے ہوئے ہو؟ ہمارے ساتھ تو نہ ناشتے کے وقت ہو نہ لنچ اور ڈنر پر میں سمجھی الگ سے کھا لیتے ہو گے مگر زلفی بتا رہا تھا کہ بعد میں بھی کھانا نہیں کھاتے۔ اتنی لاپروائی کیوں کرتے ہو شاہ نواز! تھوڑے کان تو مجھے جہانگیر کے بھی کھینچنا پڑیں گے ظاہر ہے سارا ان دن وہی تو تمہیں آفس میں مصروف رکھتے ہیں، کبھی جلدی گھر آجاؤ تو بھی سو بکھیڑے ہوتے ہیں تمہارے لیے۔''

وہ بے حد فکر مندی سے اس کی صورت دیکھتے ہوئے بول رہی تھیں۔ وہ محبت بھرے تشکر سے انہیں دیکھتا رہا۔

''آپ میرے لیے اتنی فکر مند کیوں رہتی ہیں؟''

وہ بھرپور جوان بچوں کی طرح معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔ شمسہ نے بے ساختہ اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

''ہمارے درمیان جو رشتہ ہے اس کا اتنا پیارا سا نام دے رکھا ہے تم نے پھر بھی ایسی بات پوچھ رہے ہو؟ جانتے ہو خالہ کیا ہوتی ہے؟ وہ محاورہ سنا ہے ماں مرے ماسی جیے؟ تمہاری والدہ تو ماشاء اللہ حیات ہیں لیکن ماسی ''ماں سی......'' ہی ہوتی ہے۔ کچھ تو اس لیے تمہاری پرواہ رہتی ہے کہ بہر حال میں تمہاری ماں سی ہوں پھر تم مجھے صرف خالہ نہیں کرتے خالہ امی کہتے ہو۔ میری ذمہ داری تو خود بخود دوگنی

ہو جاتی ہے۔دل تو آٹو میٹکلی تم سے محبت کرنے لگتا ہے۔"

ایسی پیاری وضاحت، شاہ نواز نے ان کے کندھوں پر بازو پھیلا لیا۔

"آپ بہت اچھی ہیں خالہ امی......"

"اچھا زیادہ بٹرنگ کی ضرورت نہیں ہے، میں جانتی ہوں کہ میں اچھی ہوں مجھے یقین دلاؤ کہ تم اپنی ڈائیٹ پر دھیان دو گے اور کام کا لوڈ کم لو گے۔"

"ڈائیٹ کا وعدہ تو کیا جا سکتا ہے مگر کام کے معاملے میں یقین دہانی کیسے کرواؤں آفس میں کام زیادہ ہو گا تو لوڈ بھی زیادہ ہو گا۔" اس نے خوشگواریت سے کہا تھا۔

"لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ اپنی صحت کا خیال ہی نہ رکھا جائے۔" وہ تقریباً ڈپٹ کر بولیں۔

"اب جہانگیر کو ہی دیکھ لو کھاتے پیتے بھی ٹھیک سے نہیں ہیں اور پریشان بھی رہتے ہیں۔سنو! آفس میں کوئی پرابلم چل رہی ہے کیا؟" اس اچانک سوال پر وہ حیران ہوا تھا۔

"نہیں"

"اصل میں، میں کچھ روز سے نوٹس کر رہی ہوں۔ جہانگیر کسی ٹینشن میں ہیں۔گھر میں تو خیر میں کوشش کرتی ہوں کہ انہیں کسی قسم کی ٹینشن نہ دوں مگر آفس......"

"نہیں خالہ امی! آفس میں بھی ایسی کوئی پرابلم نہیں ہے۔" اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"اصل میں یہ مجھ سے تو شیئر کرتے نہیں ہیں، کہتے ہیں۔ وہ انسان کبھی اچھا شریک سفر نہیں ہوتا جو اپنی پریشانیاں اور مسائل اپنے پارٹنر کو منتقل کرتا ہے۔عجیب منطق ہے۔میں نے سوچا تم سے پوچھ لوں کیونکہ عموماً تمہیں ان کی ہر بات کی خبر ہوتی ہے۔" وہ بہت سوچ سوچ کر بول رہی تھیں اور چہرہ سے خاصا تفکر نمایاں تھا۔شاہ نواز اس مستقل قسم کے "الزام" پر اور کھل کر مسکرایا۔

"میرے نوٹس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جو سر کو پریشان کرنے کا سبب بن رہی ہو لیکن آپ کی تسلی کے لیے میں چیک کر لیتا ہوں۔آج کل میں فنانس ڈپارٹمنٹ میں ہوتا ہوں۔ مے بی دوسری طرف کوئی مسئلہ ہو۔"

"شکریہ بیٹے! اصل میں مجھے بہت پریشانی تھی۔ اچھا اب تم جاؤ ویسے بھی خاصی دیر ہو چکی ہے۔"

شاہ نواز دوسرا جوگر پہن کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ہم سے شیئر کر لیا تو یوں سمجھئے باقی کی ذمہ داری ہماری، لیکن اگر پھر بھی آپ مطمئن نہیں ہیں تو میں آپ کو گارنٹی دے سکتا ہوں کہ سر کی کوئی گرل فرینڈ نہیں ہے کم سے کم آپ یہی سوچ کر ریلیکس رہیے۔"

"جتنی تمہاری عمر ہے اس سے کچھ ہی کم برسوں کا ساتھ ہے ہمارا اور اتنا عرصہ کسی انسان کو پہچاننے اور جانچنے کے لئے کافی ہوتا

ہے۔ میں جانتی ہوں جہانگیر مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔'' بہت مان و یقین کے ساتھ وہ یوں بات کر رہی تھیں جیسے سامنے کوئی بچہ ہو۔

''اتنا بھروسہ بھی اچھا نہیں ہوتا خالہ امی! میری گارنٹی پر بھروسہ نہ کریں سر پر تھوڑا بہت چیک تو بہر حال آپ کو رکھنا ہی چاہیے۔'' وہ ابھی بھی شرارت سے باز نہیں آیا تھا۔

''مرد ہوں اور کوئی مرد کسی مرد کو کبھی برا نہیں کہتا۔''

''کیوں میری اچھی خاصی گھر ہستی کو آگ لگانے پر آمادہ ہو۔ بتاتی ہوں جہانگیر کو جسے آپ اتنا اچھا اور بھروسے لائق سمجھتے ہیں وہ میرے کان بھر رہا ہے۔''

''ضرور بتایئے پھر جو سر کہیں وہ مجھے بتایئے گا۔'' وہ ہنس دیا۔

''وہ کیا کہیں گے میں جانتی ہوں، کہیں گے یہ ناممکن ہے شاہ نواز ایسا نہیں ہے۔ وہ تو بہت اچھا بچہ ہے۔''

''ہاہاہا! تو کیا میں اچھا نہیں ہوں۔''

''بہت اچھے ہو۔ ماشاء اللہ......'' وہ یونہی ہنستا ہوا باہر نکل گیا شمسہ نے بند دروازے کی جانب دیکھا پھر گردن موڑ کر سامنے کی دیوار کی جانب دیکھنے لگیں۔ گرے رنگ کے خوبصورت فریم میں اس کی بڑی شاندار سی تصویر لگی ہوئی تھی۔ وہ بڑی دیر تک تصویر پر نظریں جمائے رہیں۔

شاہ نواز اونچی اٹھان والا بھرپور جوان تھا۔ ڈریس سینس کمال کا تھا۔ مناسب ہیر کٹ ہمیشہ سے اس کی نفاست پسند طبع کی دلیل رہا تھا۔ مسکراتا تھا تو انتہائی سنجیدہ چہرے کی گریس بڑھ جاتی تھی۔ ایک بے نیازی و خود اعتمادی اس کی شخصیت کا خاص تعارف تھی، بلا کا معاملہ فہم تھا، جہانگیر لاشاری کا دست راست۔

ایسی زبردست شخصیت کا مالک تھا کہ اس سے وابستہ لوگ فخر محسوس کرتے تھے مگر لگانے والے درخت لگا کر بھول کیسے جاتے ہیں؟ لوگ درخت لگاتے ہیں اور بیج بوتے ہی اس کے تناور ہونے کا انتظار شروع کر دیتے ہیں کوئی ایسے تناور درخت کی اہمیت ہم سے پوچھے۔ درخت تو ہے گر پھل کے ساتھ ساتھ سائے کی بھی امید نہیں رہنے دیتا۔ جسے ہماری چھپر چھایہ بننا چاہیے وہ زندگی کو چٹکیوں میں اڑا رہا ہے احساس ذمہ داری نام کو بھی نہیں۔

''کاش خدیجہ کو اپنی خوش قسمتی کا احساس ہوتا۔''

شمسہ کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

☆......☆......☆

صبح کا وقت تھا اور معمول کی افراتفری عروج پر۔

گو گھر سے نکلنے کی ٹائمنگ ہر ایک کی مختلف تھی مگر دن بھر کے اوقات میں سے اسی وقت ہنگامہ بطور خاص ہوتا تھا اور ایسی ہلچل مچی ہوئی تھی کہ کوئی باہر والا ان اوقات میں آجاتا تو کم سے کم ایک بار ضرور پریشانی سے سوچتا۔

''یہ کیا آفت مچی ہے؟''

لڑکیاں تو خیر پھر بھی ذمہ دار تھیں البتہ تیمور کی کوئی نہ کوئی چیز روز ہی گمشدہ ہوتی، جس کی تلاش میں اسے مسلسل آوازیں لگانا پڑتی تھیں۔

اور اس سب پر حاوی عانیہ کی بڑبڑاہٹیں تھیں، جو الفاظ کے ردوبدل سے کم وبیش روز ایک ہی مدعا بیان کر رہی ہوتی تھیں۔

''اے اللہ یہ زندگی، زندگی تھی تو اسے میرے لئے عذاب کیوں بنایا تھا۔قائداعظم نے کام اور بس کام والی بات صرف میرے لیے تو نہیں کہی تھی کبھی گھر کی صفایاں کرتے پھرو۔کبھی باورچن بنو اور کبھی دھوبن بن جاؤ۔حد ہے کیا میں اسی لیے پیدا ہوئی ہوں کہ ایسے کام کرتے کرتے مرجاؤں؟ اصل میں، میں زندگی نہیں گزار رہی بلکہ۔''

''جہاد کر رہی ہو ایسی مصائب بھری زندگی تو مجاہدین ہی گزارتے ہوں گے۔یوں کرو عانی! تم پہلی فرصت میں مرجاؤ سنا ہے جہاد کرتے کرتے جب کوئی مرتا ہے تو وہ جنتی ہوتا ہے......''

ثانیہ نے کمرے سے آواز لگائی تھی۔

''ہونہہ۔جنتی ہوتا ہے۔اس جہنم سے جان چھوٹے گی تو جنت ملے گی۔''

اس نے برافروختہ ہوتے ہوئے چمٹا پٹخا تھا۔

''عانی! میری براؤن جرابیں کہاں ہیں؟'' تیمور کی جھنجلاتی ہوئی صورت دروازے میں نمودار ہوئی تھی۔

''میرے سر میں ہیں...... براؤن جرابیں۔'' وہ اگلا پراٹھا بیل رہی تھی جو نہی سر جھکائے تڑخ کر بولی۔

''ایں......وہاں کیا کر رہی ہیں انہیں تو جوئیں نکالنا بھی نہیں آتیں۔'' اس کو سچ مچ بہت پریشانی لاحق ہوئی تھی۔

''میرے سر میں جوئیں نہیں ہیں۔''

''ارے جوئیں بھی نہیں ہیں۔تب تو سر پر بہت سناٹا رہتا ہوگا اندر تو خیر پہلے ہی تھا کیونکہ وہاں تو عقل بھی نہیں ہے۔''

عانیہ نے غضبناک ہو کر اسے گھورا۔

''اور تمہارے سر میں بہت رونقیں رہتی ہیں نا تو جاؤ جا کر خود ہی اپنی جرابیں تلاش کرو۔''

''ارے......اوہو...... بڑے غلط وقت پر بات منہ سے نکل گئی تو پھر مجھے پیدل آفس جانا پڑے گا۔''

''مجھے نہیں پتا۔''

''کیسے نہیں پتا؟ شفق کہہ رہی ہے اس دفعہ واشنگ مشین اس نے لگائی تھی گرم کپڑے تم نے سمیٹے تھے اب تمہیں ہی پتا ہوگا کہ میری جرابیں کہاں رکھی ہیں؟''

''کہانا نہیں پتا مجھے...... جا کر اپنی سگی بہن سے پوچھو۔''

''ثانیہ نے بھی تو جانا ہے وہ تیار ہو رہی ہے۔'' وہ تقریباً منمنایا تھا۔

''میں شفق کی بات کر رہی ہوں۔'' اب کی بار وہ خاصی پرسکون تھی کہ اپنی بات کی تاثیر سے واقف تھی۔

''نہیں ڈھونڈ کر دینی تو مت دو میں خود ہی ڈھونڈ لوں گا او نہہ سگی بہن۔''

تیمور نے خصوصاً آخری الفاظ چبا کر ادا کیے اور وہاں سے ہٹ گیا۔

عانیہ بہت مطمئن ہو کر اپنے کام میں لگی رہی، پتا نہیں اس کی یہ کیا عادت تھی کہ جب خود کا موڈ خراب ہوتا تھا تو دل چاہتا تھا ساری طرف آگ لگا دے اور یہ کام وہ اپنی باتوں سے بخوبی انجام دے لیتی تھی اور پھر پرسکون ہو کر بیٹھ جاتی تھی جیسا کہ ابھی ہوا تھا۔

دروازے پر دستک ہو رہی تھی اور مسلسل ہو رہی تھی۔

وہ پھر سے جھنجھلا گئی۔ ''اب کسی کو اتنی سی ہی توفیق نہیں کہ دروازہ ہی کھول دے۔'' وہ آنچ ہلکی کر کے باورچی خانے سے نکلی۔

خوب تروتازہ اور چمکدار دھوپ، صحن میں یہاں سے وہاں تک پھیلی ہوئی تھی شہتوت کے پتے خوب پھولے لگ رہے تھے۔

اس نے دروازہ کھولا دوسری سیڑھی پر کھڑی شادی بوا سینے پر ہاتھ رکھے سانس ہموار کر رہی تھیں۔

''السلام علیکم۔'' اس نے بڑی بے دلی سے سلام کیا۔

''اے وعلیکم السلام۔'' بوا نے چادر کے پلو سے پسینہ پونچھتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں جواب دیا تھا۔

''اے بیٹی! تمہاری ماں ہے گھر پر؟ اسکول کے لئے تو نہیں نکل گئی۔''

اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی اس کی نظر شادی بوا کے عقب میں کھڑی دو خواتین پر پڑ گئی۔ ایک تو شادی بوا کا وجود شرقاً غرباً اتنا پھیلا ہوا تھا کہ دو بچے آسانی سے آڑے آ سکتے تھے۔ دوسرا اندر شہر کی بیشتر گلیوں کی طرح یہ گلی بھی خاصی نیچی تھی اسی بناء پر دروازے کے سامنے پانچ سے چھ سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ وہ دونوں خواتین آخری سیڑھی سے بھی نیچے یعنی گلی کی زمین پر کھڑی تھیں اس لیے فوراً اس کی نظر میں نہیں آ سکیں۔ عانیہ کو بہت اچانک بڑی خاص صورت حال کا ادراک ہوا تھا وہ دونوں بہت پرشوق نگاہوں سے اسکی جانب دیکھ رہی تھیں۔

''امی گھر پر ہی ہیں آپ آیئے۔'' اس نے پورا دروازہ کھول کر انہیں اندر آنے کا راستہ دیا تھا۔

''اے ہاں میں تو پہلے ہی کہہ رہی تھی کہ حلیمہ اس وقت گھر پر ہی ہوگی ابھی جا کر ملوا لاتی ہوں، شام کا تو کوئی پتا نہیں۔ اللہ ماری گرمی بھی تو ایسی پڑ رہی ہے مانو جیسے جہنم کی آگ...... اے بہن تم اب وہاں کیوں کھڑی ہو۔ آ جاؤ اندر آ جاؤ بھئی اپنا ہی گھر ہے۔''

ایک خاتون نے دروازے سے اندر داخل ہو کر اس سے ہاتھ ملایا تھا۔ جبکہ دوسری خاتون جو پہلی والی کی نسبت کچھ عمر رسیدہ

دکھائی دیتی تھیں نے اس کے سر پر بہت شفقت سے ہاتھ پھیرا تھا۔

عانیہ نے انہیں لے جا کر ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔

''میں امی کو بلاتی ہوں۔'' وہ بعجلت پلٹ گئی مگر شادی بوا ابھی تک کھڑی تھیں وہ اس کے پیچھے باہر آ گئیں۔

''شادی بوا! امی اس کمرے میں ہیں۔''

وہ وہیں سے باورچی خانے کی طرف چل دی جو اطلاع وہ امی کو دینے جا رہی تھی وہی اطلاع اب شادی بوا نے پہنچا دینی تھی۔ اس نے باورچی خانے میں پہنچ کر چند لمحے سوچا، تب ہی شفق ہوا کے گھوڑے پر سوار اندر داخل ہوئی اور اسے کسی سوچ میں مبتلا دیکھ کر سوال کیا۔

''کیا ہوا؟'' معمول کی افراتفری میں ''مہمان خواتین'' کی آمد نے گویا ہنگامی صورت حال نافذ کر دی تھی۔

''میں سوچ رہی ہوں ان خواتین کی خاطر مدارت کیسے کی جائے؟'' شفق بھی سوچ میں پڑ گئی۔ ''فالسے کا شربت جو بنا پڑا ہے وہی پلا دیتے ہیں۔'' اس نے آئیڈیا دیا۔ جواباً عانیہ کے چہرے پر بہت مخصوص قسم کی طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''فالسے کا شربت پلائیں گے تو کیا یہ لوگ واپس آئیں گے؟...... فریج میں پیپسی ہے وہی نکال لاؤ اور اگر برف بن گئی ہو تو وہ بھی لے آنا۔ حالانکہ مجھے امید تو نہیں ہے ایسا بے کار فریج ہے کہ چار دن میں ایک بار برف بنتی ہے...... میں دیکھتی ہوں چائے کے ساتھ کیا پیش کیا جا سکتا ہے۔''

''جنہوں نے واپس آنا ہوتا ہے وہ پانی کا سادا گلاس پی کر بھی واپس آ جاتے ہیں بھلا پیپسی میں ایسی کون سی تاثیر ہے؟'' ثانیہ دروازے میں نمودار ہوئی تھی۔ چہرہ پرسکون، انداز گفتگو کمال کا مطمئن، شفق نے نظر بھر کر اسے دیکھا۔ صاف ستھرا لباس، دھلا دھلایا چہرہ...... سلیقے سے بندھے بال بہت نرم لہجے اور میٹھی آواز میں گفتگو کرنا اس کی شخصیت کی خاصیت تھی۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ تمہیں تو ڈرائنگ روم میں ہونا چاہیے آخر کو تمہاری خاص رشتہ دار آئی ہیں۔'' عانیہ نے کہا تھا۔

''چلی جاتی ہوں بھئی۔ اتنی جلدی بھی کیا ہے اور تمہیں کیسے پتا چل گیا کہ وہ میری رشتہ دار ہیں۔'' اس نے نل کھول کر گلاس بھرا اور غٹا غٹ چڑھا گئی۔

''ہمیں سب پتا ہے۔'' عانیہ بڑے انداز سے مسکرائی۔

''جی ہاں۔ الہام ہونے لگے ہیں۔'' وہ اگلا گلاس بھر رہی تھی۔ شفق پیپسی کی بوتل لا چکی تھی اور گلاسوں میں انڈیل رہی تھی۔

''ثانی! اگر یہاں تمہاری بات ٹھہر جاتی ہے تو بہت اچھا ہوگا۔ دونوں خواتین ہی حلیے سے اچھے گھرانے کی لگ رہی ہیں۔ سوٹ بھی بہت پیارے پہن رکھے ہیں بڑی والی نے جو چادر اوڑھ رکھی ہے وہ تو ہزار بارہ سو سے کم کی نہیں لگ رہی۔ ویسے بات سنو چھوٹی والی عورت ممکن ہے تمہاری نند، جیٹھانی یا دیورانی ہو اس لئے اس سے زیادہ ہنس کر بات کرنے کی ضرورت نہیں البتہ بڑی شکل سے ہی ساس لگ رہی ہیں اس لیے ان سے خوب محبت سے بات کرنا۔'' ابھی ہدایت نامہ یہیں تک پہنچا تھا کہ تیمور چلا آیا اور بولا۔

''لو جی پنڈ وسیائیں، اچکے پہلے آ گئے۔''

''تم میری بات میں ضرور بولا کرو، اس کے بغیر کھانا ہضم نہیں ہوتا۔''

''نہیں خیر کھانا تو ہضم ہو جاتا ہے مگر پھر بے چینی بڑی دیر تک رہتی ہے۔ ثانی! گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے بی کانفیڈنٹ......''

''میں جنگ لڑنے نہیں جا رہی ہوں۔'' وہ مسکرا کر بولی البتہ مسکراہٹ میں کسی قدر گھبراہٹ تو تھی پھر شفق کے ہاتھ سے ٹرے لیتے ہوئے باری باری دونوں کی جانب دیکھا۔

''تم بھی چلو۔''

''میں چلتی ہوں بڑی والی کے ہاتھ میں جو سونے کی چوڑیاں تھیں ان کا ڈیزائن بہت پیارا تھا۔ ایک دفعہ پھر دیکھوں گی۔''

''اور میرے ٹفن کا کیا ہوگا؟'' تیمور نے ٹفن کے کھلے بکھرے حصوں پر نظر ڈالی تھی۔

''شفق بنا دے گی۔''

''ہاں میں بنا دیتی ہوں۔'' شفق فوراً راضی ہو گئی۔

''مگر مجھے شفق کے ہاتھ کا ٹفن نہیں چاہیے۔ روز تم ہی بنا کر دیتی ہو آج بھی دو۔'' تیمور کی آنکھیں شرارت سے جگمگا رہی تھیں۔ ثانیہ نے کھا جانے والی نظروں سے تیمور کو گھورا۔

''میری خوشی کے راستے میں حائل ہونے کا بہت شوق ہے نا تمہیں۔ پتا بھی ہے کہ مجھے اسکی چوڑیاں دیکھنے کی جلدی ہے پھر بھی......''

وہ دانت کچکچا رہی تھی ثانیہ اور شفق باہر نکل گئیں۔ خاموشی سے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔ اعتماد سے سلام کیا۔ ثانیہ ڈرنک سرو کر کے امی کے قریب بیٹھ گئی۔

''یہ ثانیہ ہے۔'' بوا نے یوں کہا تھا جیسے اپنی بہت ہی فخریہ پیشکش دکھا رہی ہوں۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''بیٹی! آج کل کیا کر رہی ہو؟ پڑھتی ہو؟''

گو کہ دونوں خواتین ہی بڑی وضاحت سے اس کا جائزہ لے رہی تھیں مگر سوال نسبتاً بڑی عمر کی خاتون نے کیا تھا۔ غالباً وہی تھیں جو ثانیہ کو شکل سے ہی ساس لگی تھیں۔

''جی! اکنامکس میں ایم اے کر رہی ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

''یونیورسٹی سے یا کالج سے؟'' اب کی بار سوال دوسری خاتون کیا تھا۔

''پرائیویٹ اکیڈمی سے کر رہی ہوں اگلے مہینے سے فائنل ائیر کا ایگزام شروع ہو رہا ہے۔ جس اکیڈمی میں پڑھتی ہوں وہیں پڑھاتی بھی ہوں۔'' اس نے تفصیل سے جواب دیا تھا۔

''اچھا اچھا ملازمت کرتی ہو۔'' ایک بولیں۔ ''ہاں خوشی بوا نے تمہارے والد کے بارے میں بتایا تھا لیکن خیر آپ لوگوں کو دل

چھوٹا نہیں کرنا چاہیے کچھ مرد ایسے ہوتے ہیں جن میں احساس ذمہ داری نہیں ہوتا۔ آج کل تو بڑے اچھے اور اونچے گھرانوں کی بچیاں بھی ملازمت کرتی ہیں شوقیہ۔''

بوا مسلسل پہلو بدل رہی تھیں غالباً انہیں ایسی گفتگو کی امید نہیں تھی۔

''حلیمہ بہن۔ یہ آپ کی بڑی بیٹی ہے؟''

''جی ہاں یہ اور عانیہ بڑی ہیں اور جڑواں ہیں۔ ان کے بعد ایک بیٹا اور تیمور پھر ارمین، زینب اور کشف ہیں۔ شفق، تیمور سے چھوٹی ہے۔'' وہ کچھ سوچ کر بولیں۔

''اصل میں چھوٹی والی تینوں کالج اسکول گئی ہوئی ہیں ورنہ میں آپ کو ان سے ملواتی۔''

''وہ بچی جو دروازہ کھولنے آئی تھی۔'' خاتون نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا مگر پر اشتیاق لہجہ حلیمہ کو عجیب سی کیفیت میں مبتلا کر گیا تھا۔

''جی وہ عانیہ ہے۔'' انہوں نے خائف سی ہو کر بوا کو دیکھا۔

''اچھا اچھا بڑی والی ہے لیکن آپ تو کہہ رہی تھیں کہ بڑی بیٹیاں جڑواں ہیں لیکن ان دونوں کی شکل تو آپس میں ذرا بھی نہیں ملتی۔'' خاتون نے ایک اور تفصیلی نظر اس پر ڈالی تھی۔

''اب تمہیں مشابہت نہیں لگتی تو کوئی کیا کرے؟ آمنے سامنے کھڑا کر دو تو ایک دوسرے کا عکس معلوم ہوتی ہیں اور تمہیں مشابہت نہیں لگتی۔'' خوشی بوا بڑی دیر سے خاموش بیٹھی تھی تڑخ کر بولیں۔

''چلیں جی...... خس کم جہاں پاک۔'' ثانیہ دل ہی دل میں ہاتھ جھاڑتی اٹھ کھڑی ہوئی اسے دیر ہو رہی تھی وقت پر اکیڈمی پہنچنا ضروری تھا اور اس نے مہمان خواتین سے معذرت کرتے ہوئے اجازت بھی چاہی تھی مگر ان دونوں میں سے کسی کو اس کی جانب توجہ دینے کی فرصت نہ تھی۔

''تم تو پیچھے ہی پڑ گئی ہو بوا! اب اگر مشابہت نہیں لگتی تو کیا جھوٹ بول دیں۔'' ایک نے خاصا برا منایا تھا۔

''اصل میں خوشی بوا! یہ ٹھیک کہہ رہی ہیں عانیہ اور ثانیہ میں جڑواں بچوں والی مشابہت نہیں ہے۔'' امی نے کسی متوقع تو تکار کے پیش نظر فوراً تسلیم کر لیا تھا۔

''حلیمہ بہن! آپ اپنی اس بیٹی کو بلوایئے نا ماشاءاللہ بہت پیاری ہے۔'' ثانیہ نے ان میں سے کسی ایک خاتون کو کہتے سنا اور باہر نکل گئی۔

❁ ❁

ناول **بساطِ دل** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات آپ آنے والی ان تاریخوں (15th, 20th, 25th) میں پڑھ سکیں گے۔

’’محبت؟ مجھے صفیہ سے ہے؟ نیور۔‘‘
اس نے پہلے چونک کر دوہرایا دوسرے لفظ پر بے یقینی سے حدید کو دیکھا تیسرے پر انتہائی تعجب کا مظاہرہ کیا اور ناگواری سے سر جھٹک دیا۔
’’تم بھی کمال کرتے ہو حدید کسی کے ساتھ دو سے تین ہفتے نظر آنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ مجھے اس سے محبت ہوگئی ہے وہ تو بس اتفاق ہی ہے کہ اس کے ساتھ اچھا ٹائم گزر رہا ہے لیکن اب بور کرنے لگی ہے، کمبل ہوتی جارہی ہے۔‘‘ وہ لاپروائی سے بولا۔
’’یہ بھی ہوسکتا ہے وہ تم سے محبت کرنے لگی ہو۔‘‘ حدید نے جیسے خیال ظاہر کیا تھا اور جواب میں اس کا بلند و بانگ زندگی سے بھرپور قہقہہ گونجا۔
’’محبت......صیفہ کو۔‘‘ اس کی ہنسی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔
اردگرد کی میزوں پر بیٹھے کئی لوگ ان کی جانب متوجہ ہوئے تھے وہ ایک اوپن ائیر ریسٹورنٹ تھا۔
’’ہاں ہوسکتا ہے صیفہ کو مجھ سے محبت ہو بھی گئی ہو، حنان قادر کی پرسنیلٹی ہے ہی ایسی کہ کوئی لڑکی اپنا دل نہیں بچا سکتی۔‘‘ اس کے لہجے میں بے پناہ تفاخر و خود پسندی تھی۔
’’لیکن میرے مولوی بھائی! یہ اکیسویں صدی ہے۔ آج کل کی لڑکیاں بھی اتنی عقل مند تو ہیں کہ سارے پہلوؤں پر اچھی طرح غور کرنے کے بعد محبت کریں وہ تو تم ہی تھے کہ پوری آنکھیں کھلنے کے بعد جو پہلی لڑکی نظر آئی اس سے محبت کرلی۔‘‘ وہ جوس کا گلاس لبوں سے لگائے مزے سے اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔
’’باقی بچی صیفہ......تو وہ اور میں اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے پاس ٹائم کے علاوہ اور کچھ نہیں ہیں آج ہم ایک دوسرے کی کمپنی انجوائے کر رہے ہیں تو ساتھ ساتھ نظر آتے ہیں کل کو ہم کسی اور کی کمپنی انجوائے کرنے لگیں گے تو الگ ہو جائیں گے۔ تم نے اتنی عمر جانے کہاں گزار دی حدید! یہ اکیسویں صدی ہے میرے بھائی ٹوئنٹی فرسٹ سینچری آج کے انسان کو اس کی ضروریات نے ایک دوسرے سے باندھ رکھا ہے ضروریات نکال دو تو ایوری تھنگ از فنش۔ رشتے تعلقات سب......ہمیں کسی کی ضرورت پڑی تو اسے یاد کرلیا کسی کو ہماری یاد ستائی تو وہ ہمارے پاس آگیا۔‘‘
’’تم صرف اپنی بات کرو حنان! ورنہ ہر کوئی اس قدر خود غرض نہیں ہوتا۔‘‘
’’ہاہاہا! چلو کیا یاد کرو گے صرف تمہاری خاطر مان لیتا ہوں مگر یہ اس صدی کا سب سے بڑا لطیفہ ہے۔‘‘
حدید اسے دیکھ کر رہ گیا جس کے خوبصورت چہرے پر زندگی بھر کی آسودگی درج تھی اور غالباً اس آسودگی و سرشاری نے اس کی شخصیت میں کئی منفی پہلو اجاگر کردیے تھے۔ بلا کی ضدی و سرکش فطرت پائی تھی۔ کمال کا خود غرض و حسن پرست تھا جہاں حسن نہیں وہاں تو

جناب کی نظر ٹھہرتی ہی نہ تھی۔

زندگی نے ہر ہر معاملے میں بڑی فیاضی سے نوازا تھا اس لیے یوں اکڑ کر چلتا تھا گویا دنیا قدموں تلے آ گئی ہو۔

زیادہ سنگین مسئلہ یہ تھا کہ جتنی بھی خصوصیات تھیں اس میں۔ ان سے بڑھ کر ''خود آگاہ'' تھا اس لیے دلوں سے کھیلنا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ اتنی سہولت سے تو بچہ کھلونے نہیں توڑتا جتنا آسانی سے وہ دل توڑ دیتا تھا۔

اپنے پوائنٹ آف ویو سے ایک انچ بھی پیچھے ہونا گویا کفر تھا اسی لیے بہترین دوست سے بھی نظریاتی اختلاف تھا۔

اکثر کہتا۔ ''تم نے وہ شعر سنا ہے......

تیرے سامنے آسماں اور بھی ہیں

تو بس میں بھی نئے سے نئے آسمان دریافت کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تم تو چاہتے ہو ہر کوئی تمہاری طرح ایک ہی ''وریشہ'' کو پیارا ہو جائے۔''

''میں یہ کب کہہ رہا ہوں کہ تم کسی ایک کو پیارے ہو جاؤ مگر یار! ہر کسی کی فیلنگز سے کھیلنا اچھی بات نہیں ہے۔ وہ بے چاری عیشل اتنا رو رہی تھی۔''

وہ جانتا تھا حنان کبھی قائل نہیں ہوگا پھر بھی جانے کیوں اکثر سمجھانے بیٹھ جاتا تھا اور حنان کو ہر اس شخص سے چڑ تھی جو اسے نصیحت کرنے کی کوشش کرتا تھا جانے حدید کے ساتھ اتنی اچھی کیسے نبھ رہی تھی۔

''رونے دو'' وہ لاپروائی سے کہتا۔ ''عیشل کو رونے کے سوا کچھ نہیں آتا پہلے ارسلان کے لئے روتی تھی آج کل میرے لیے روتی ہے۔ تم دو تین بار اس سے اور ملو گے تو تمہارے لیے رونے لگے گی۔''

اسے کبھی بھی مذاق اڑاتے جھجک محسوس نہیں ہوتی تھی۔

حدید مخلص دوست کی طرح سمجھانے کی کوشش کرتا تھا۔

''او خدا کے بندے! کسی اور کی نہیں تو اپنی ہی پروا کر لو کیوں کسی کی آہیں لیتے ہو۔''

''تمہارے جو انکل جہانگیر ہیں نا یعنی کہ میرے والد محترم۔ وہ کوئی معمولی بزنس مین نہیں، ''نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر'' تک ان کا بزنس پھیلا ہوا ہے یقین کرو دونوں ہاتھوں سے پیسہ کما رہے ہیں۔ لیکن میں انتہائی کنجوس ہوں، مجھے معلوم ہے روپیہ خرچ کرتے خصوصاً مجھے دیتے ان کی جان نکلتی ہے لیکن مجھے بھی پیسہ نکلوانے کے کئی طریقے آتے ہیں پھر ہم تو جدی پشتی نواب ہیں اللہ گواہ ہے آج تک ''کسی'' کی کوئی چیز نہیں لی جب بھی لی اپنے ہی پیسوں سے لی۔'' اس کے لئے کسی دوسرے کی دلچسپی کے موضوع پر سنجیدہ ہونا مشکل تھا مگر حدید بھی دلجمعی سے لگا رہتا۔

''کیا معصوم لڑکیوں کے دلوں سے کھیلتے ہوئے تمہیں ایک بار بھی یہ خیال نہیں آتا کہ یہ وقت کبھی تم پر بھی آ سکتا ہے۔''

”معصوم لڑکیاں!“ وہ تعجب سے آنکھیں پھاڑ کر کہتا گویا بڑی غیر معمولی بات سنی ہو۔

”ہمیں تو آج تک ایک معصوم لڑکی نہیں ملی تم لڑکیاں کہہ رہے ہو۔ کبھی معصوم لڑکی مل جاتی تو اس سے بھی فلرٹ کر کے دیکھ لیتے۔ پتا نہیں معصوم لڑکی سے فلرٹ کرنے کا مزہ بھی آتا ہوگا یا نہیں۔“

وہ حسرت سے سوچتا اور ایسے میں اس کی آنکھوں کی چمک بے حد نمایاں ہوتی۔ حدید کو بھی ہنسی آجاتی۔

”یہ جن سب کو تم چکر دیتے رہتے ہو نا۔ کسی روز سب اکٹھی ہوگئیں تو جوتے پڑ جائیں گے۔“ وہ ڈرانے کی آخری کوشش کے طور پر اکثر دھمکاتا مگر وہ بھی حنان تھا جس نے ڈرنا گھبرانا نہیں سیکھا تھا۔

”جوتے انہیں پڑتے ہیں جنہیں سب کو ساتھ چلانے کا طریقہ نہیں آتا میں سب کو اتنی ٹیکنیک سے چلاتا ہوں کہ ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ پڑتی ہیں پھر بھی پہچان نہیں پاتیں کہ کون دوست ہے کون رقیب......“

زندگی ہمیشہ اس کے قہقہے کی نذر ہو جاتی تھی۔

☆......☆......☆

رات کا کوئی پہر تھا جس اسے اونگھ آگئی حالانکہ جس طرح کی صورت حال تھی اس میں تو لگتا تھا ایک پل کے لیے بھی نیند نہیں آئے گی مگر یہ طے ہے کہ آنکھ لگی ضرور تھی، جب کوئی نرم و نازک سی چیز اس کی پشت سے ٹکرائی۔

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی چند لمحے تو کچھ سمجھ ہی نہیں آیا کمرے میں زیرو پاور بلب کی نیلگوں روشنی پھیلی تھی۔ ساؤنڈ پروف کمرا تھا۔ دن کے اوقات میں بھی باہر کی ہلچل اندر سنائی نہیں دیتی تھی اب تو پھر بھی رات تھی۔ کھڑکیوں پر پڑے بھاری پردوں نے سناٹے کے تاثر کو بہت بڑھا رکھا تھا۔

اس کے حواس ذرا بحال ہوئے تو منظر واضح ہونے لگا اور گردن تقریباً میکانکی انداز میں دائیں جانب گھوم گئی۔ توقع کے عین مطابق گھور سناٹے میں ارتعاش پیدا کرتی کراہنے کی آواز اسی سمت سے نشر ہو رہی تھی۔

اس کی تیمارداری والی حسیات چاق و چوبند ہوگئیں۔ جھٹ پاٹ بائیں طرف کی تپائی پر رکھا گلاس اٹھا کر اس کی طرف پلٹی اور دھیرے سے اس کا کندھا ہلایا۔

”اے سنو یہ پانی پی لو۔“

اس نے بمشکل آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور نقاہت بھرے لہجے میں بولی۔

”مجھے پانی نہیں پینا ہو سکے تو تھوڑا سا زہر لا دو میں تمہاری بڑی شکر گزار رہوں گی۔“

”لو کر لو گل۔ آنکھیں پوری کھل نہیں رہیں لیکن ڈائیلاگ پورا بولیں گی۔“ گیتی نے بے زاری سے سوچا اور بولی۔

”شکریہ کی کیا بات ہے؟ انسان ہی انسان کے کام آتا ہے لیکن ابھی میں تمہاری مدد نہیں کر سکتی۔ صبح تک انتظار کر لو قریب کی

مارکیٹ بند ہو چکی ہو گی اور دور کی مارکیٹ کھلی ہو تو میں کیا کر سکتی ہوں۔ کراچی اتنا بڑا شہر ہے میں کہاں خوار ہوتی پھروں گی۔ صبح لا دوں گی پکا وعدہ اور تھوڑا سا نہیں کافی سارا حالانکہ تمہاری نیا تو تھوڑے سے ہی پار لگ جائے گی۔"

وہ اسے سہارا دے کر پانی پلا رہی تھی اور اپنی طرف سے بھرپور یقین دہانی کروا رہی تھی۔ اس لڑکی نے چند گھونٹ پی کر ہاتھ سے گلاس ہٹا دیا۔

"ہم، میں کراچی میں ہوں؟" وہ بہت بے یقینی سے گیتی کو دیکھ رہی تھی۔

"ابھی تک تو کراچی میں ہی ہو اس کے بعد کہاں جاؤ گی اس کی مجھے خبر نہیں۔" گویا زبان پر کوئی اور جواب مچل رہا تھا مگر پھر بھی تحمل سے بولی تھی۔ اس لڑکی نے اپنا سر تکیے پر گرا لیا اور گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ گیتی اسے بہت ترحم بھری نظروں سے دیکھتی رہی اس کے چہرے پر صدمے کی انتہائی کیفیت لکھی تھی۔

"میں تمہارے لیے کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔"

"میں اتنی دور آ گئی...... کک...... کیسے؟ میری ماں، میرا گھر، یہ عمر بھر کا خسارہ میں کیسے برداشت کروں گی۔ ہائے میرے اللہ! اب میں کیا کروں؟" اس کی آواز کپکپا رہی تھی۔ آنسوؤں کی لکیریں کنپٹی پر دائیں بائیں بہہ رہی تھیں۔ کمرے کا سناٹا درہم برہم ہو چکا تھا۔ اس کی سسکیاں در و دیوار ہلا رہی تھیں۔

پھر اس نے وہی کیا جواب تک کر رہی تھی یعنی ایک بار پھر بے ہوش ہو گئی۔ گیتی اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔

☆......☆......☆

مغرب سے ذرا پہلے کا وقت تھا۔

تاریکی اپنے پنکھ پھیلا رہی تھی۔ وسیع و بسیط آسمان کے کنارے نارنجی دھویں کی زد میں تھے، کہیں کہیں سرمئی دھنکی ہوئی روئی جیسے بادل تیر رہے تھے۔

خرام ہوا ذرا مستی میں قدم اٹھاتی تو شہتوت کے پتوں میں سرسراہٹیں سی جنم لیتی اور پتے لہرا لہرا کر زمین پر گرنے لگے۔ پتوں میں چھپے گھونسلوں کے مکینوں کے لوٹنے کا وقت تھا سو فضا میں معمول کی چہچہاہٹیں گونج رہی تھیں۔

پانی کی موٹر چلنے کی آواز بھی اس ماحول کا حصہ تھی کبھی کبھی "شیخ صاحب" کو اپنی آواز کا جادو جگانے کا شوق ہوتا اور ان سب آوازوں میں سب سے غیر معمولی اور اجنبی آواز خوشی بوا کی تھی، بھڑکی ہوئی اور کسی قدر خفت آمیز۔

"یقین کرو حلیمہ بہن! میں نے تو وہ سنائی ہیں، وہ سنائی ہیں کہ دونوں ماں بیٹی سدا یاد کریں گی۔ بتاؤ یہ بھی کوئی بات ہے دیکھنے گئے ایک کو پسند کر لی دوسری۔

لوگوں میں شرافت اور وضع داری تو بس نام کو ہی رہ گئی ہے۔ میں نے تو صاف کہہ دیا دونوں سے کسی اگلے گھر جا کر بھی یہی وطیرہ

اپنانا ہے تو اگلی بار سے "خوشی" کو بلوانے کی ضرورت نہیں، ہاں نہیں تو...... آگے وہاں سے اپنا بیٹا لے کر۔"

وہ بہت بری طرح بھڑکی ہوئی تھیں جب سے آئی تھیں مسلسل اسی قسم کی باتیں کر رہی تھیں۔ ایک طرح سے تو یہ اپنی خفت مٹانے کی شعوری کوشش ہی تھی۔

"چھوڑیں بھی بوا...... انہوں نے اپنے حساب سے بات کی تھی۔ ثانیہ پسند نہیں آئی تو عانیہ کا نام لے دیا لیکن چونکہ ہمیں منظور نہیں تو ہم نے انکار کر دیا۔ اب ہم کون ہوتے ہیں ان کے کسی فیصلے پر اعتراض کرنے والے۔" حلیمہ نے اپنے مخصوص نرم اور متحمل لہجے میں کہا تھا۔

"اے لو۔" بوا جی پھر حیران ہوئیں۔

"ہم اعتراض نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا ایک تو ہماری پھول سی بچی کو انکار کر دیا اس پر ضد یہ کہ دوسری والی کا رشتہ بھی دیں۔ بتاؤ کاہے کو دیں ہم رشتہ؟ لوٹ سیل لگی ہے کیا جس پر دل آیا انگلی رکھ دی۔ اتنی پیاری بچی ہے ثانیہ! چراغ لے کر بھی ڈھونڈیں تو ایسی نصیبوں والی لڑکی نہیں ملے گی۔"

خوشی بوا نے بولتے بولتے بڑی گہری نظروں سے برآمدے میں کپڑے استری کرتی ثانیہ کو دیکھا تھا۔ بالوں کی بے ترتیب چوٹی آگے کھسک آئی تھی اور وہ بہت مگن انداز میں بہنوں سے محو گفتگو تھی۔

جانے وہ سب کیا باتیں کر رہی تھیں کہ ذرا ذرا سی دیر میں ان سب کی ہنسی کی آواز سنائی دینے لگتی۔

"خدا کا شکر ہے بوا! میری بیٹی بہت اچھی ہے مگر ایک چیز قسمت بھی ہوتی ہے اگر اس کی قسمت میں ایسا لکھا تھا تو ہم آپ اسے بدل نہیں سکتے اور پھر خدانخواستہ کوئی "طے شدہ" بات تو ختم نہیں ہوئی کہ ہم غم کریں۔ مجھے اپنے اللہ پر بھروسہ ہے وہ جب بھی جو بھی کرتا ہے بہتری کے لئے ہی کرتا ہے۔"

"ماشاءاللہ! سچ کہتی ہو حلیمہ بہن! تمہارے جیسی باحوصلہ عورت میں نے ساری زندگی نہیں دیکھی ایسا نفسا نفسی کا دور ہے کسی پر دو روز کی مشکل آن پڑے تو تیسرے روز دھڑلے سے کفر بکنے لگتا ہے مگر آفرین ہے تم پر اتنی مشکلات بھری زندگی گزار کر بھی ہمت نہیں ہاری۔ جیسی باہمت تم خود ہو ویسی ہی تربیت بچوں کی کی ہے۔ اتنی چھوٹی چھوٹی عمروں میں پڑھائی بھی کی اور کمانے کی فکریں بھی اٹھائیں۔"

"ہم کیا؟ ہماری بساط کیا؟...... حوصلہ اور صبر دینے والا تو اللہ ہے۔ لوگ تنہا ہوتے ہیں مصائب و پریشانیاں انہیں نگل رہے ہوتے پھر بھی بڑے حوصلے سے زندگی گزارتے ہیں۔ مجھے میرے بچوں کے توسط سے حوصلہ ملتا ہے بوا! میرا اصل ہمت و حوصلہ تو ہمیشہ سے یہی رہے ہیں۔"

حلیمہ بہت شرمیلی اور کم گو سی خاتون تھیں۔ یہ ستائش بھرے الفاظ اور سراہتے ہوئے لہجے انہیں خفت میں مبتلا کر دیتے تھے۔ خودداری و کسر نفسی ان کی شخصیت کے خاص عنصر تھے مگر اولاد کے حوالے سے موصول ہونے والی ستائش ان کی خوشی میں اضافہ کرتی تھی۔

ایسا نہیں تھا کہ دیگر ماؤں کی طرح انہیں اپنی اولاد پر بلاوجہ فخر ہوتا تھا بلکہ انہوں نے اپنے بچوں کی پرورش سچ مچ اس نہج پر کی تھی کہ وہ ان کے ساتھ ساتھ ان سے وابستہ دیگر لوگوں کے لئے فخر و انبساط کا باعث بنتے تھے۔

بہت چھوٹی عمر سے وہ سب معاشی ناہمواریوں کا سلسلہ دیکھ رہے تھے جس پر اب تک کافی حد تک قابو پایا جا چکا تھا کہ گھر میں اب صرف ان کے زیر سایہ چلنے والے دستکاری اسکول کی تنخواہ نہیں آتی تھی بلکہ ثانیہ اور تیمور کی تنخواہ کا بھی اضافہ ہو چکا تھا۔

تینوں چھوٹی بیٹیوں کو ان مسائل اور مسائل سے تولد ہونے والی ناآسودگی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا جس کا شکار عانیہ، ثانیہ اور تیمور ہوئے تھے۔ تبھی وہ تینوں بڑے سکون و اطمینان سے اپنی نصابی سرگرمیاں پوری کر رہی تھیں جبکہ بڑے تینوں خصوصاً ثانیہ اور تیمور نے من مار کر بہت کچھ سہا تھا۔ انہیں پڑھائی کے ساتھ ساتھ روپے کمانے جیسی فکریں بھی لاحق رہتی تھیں۔

عانیہ کی دلچسپی بہت شروع ہی سے پڑھائی کے مقابلے میں گھرداری میں رہی تھی تب ہی وہ بمشکل ایف اے کر پائی تھی البتہ یہ ضرور تھا کہ اس نے حلیمہ کی غیر موجودگی میں گرہستی سنبھال کر ان کی تقریباً ساری ذمہ داری بانٹ لی تھی۔

''حلیمہ بہن! یہ وقت ہو گیا۔ میں کب سے آئی بیٹھی ہوں تیمور دکھائی نہیں دے رہا؟''

خوشی بوا نے متلاشی نظریں اس طرح چاروں طرف دوڑائی تھیں جیسے تیمور کے کسی کونے کھدرے سے برآمد ہونے کا امکان ہو۔

''اچھا ہی ہے جو اس وقت گھر پر موجود نہیں ہے ورنہ اپنی باتوں سے آپ کو غصہ دلاتا رہتا۔'' شفق ٹرے اٹھائے اسی طرف آئی تھی اور تپائی پر رکھنے کی بجائے اس نے ٹرے چارپائی پر خوشی بوا کے سامنے ہی رکھ دی تھی۔

''اے میں غصہ کہاں کرتی ہوں۔ وہ تو ہنسی مذاق میں لگا رہتا ہے تو میں بھی جواب دیے جاتی ہوں اب اس کل کے بچوں کی باتوں کا کیا برا منانا اور کیا غصہ کرنا۔ سچ کہوں تو مجھے بہت ہی پیارا لگتا ہے کوئی بھی مسئلہ ہو چٹکیوں میں حل کر دیتا ہے۔ مجال ہے جو کبھی پریشان یا افسردہ دیکھا ہو۔

کہتے ہوئے دل کانپتا ہے کہیں میری منحوس نظر ہی نہ لگ جائے بچے کو مگر ایک بات تو ہے حلیمہ بہن! تمہارا گھر بھرا پڑا ہے لڑکیوں سے لیکن جو رونق تیمور کے دم سے ہے وہ تو سب سے الگ ہے ماشاءاللہ ایک اس کے نہ ہونے سے لگتا ہے گھر خالی پڑا ہے۔''

تیمور کے سامنے بری طرح چڑنے اور اس سے خار کھانے والی خوشی بوا اس وقت اتنے پیار و شفقت سے اس کا ذکر کر رہی تھیں کہ تیمور سامنے ہوتا تو ضرور کچھ دیر میں غش کھا کر گر پڑتا ہے۔

''ملازمت کی تلاش میں لگا ہوا ہے بوا، آج بھی اسی سلسلے میں کسی صاحب سے ملنے گیا ہے۔'' حلیمہ بولیں اور چائے کا مگ بوا کو پکڑا کر بسکٹ کی پلیٹ آگے کی۔

''اے تو وہ پہلی ملازمت کا کیا ہوا؟'' بوا نے کسی قدر چونک کر اور فکرمندی سے دریافت کیا تھا۔

''وہ بھی چل رہی ہے بوا! لیکن تیمور جب سے پیپروں سے فارغ ہوا ہے پارٹ ٹائم جاب ڈھونڈ رہا ہے کہتا ہے آدھا دن تو

فارغ ہوتا ہوں اسے بھی کسی کام میں لانا چاہیے۔''

''یہ کیا بولیں تم؟ بھلا یہ کیا ہوتا ہے؟'' بوا معصومیت سے ٹھوڑی پر انگلی رکھ کر پوچھنے لگیں تو حلیمہ مسکرا دیں اور بولیں۔

''ایک نوکری کے ساتھ جو دوسری نوکری کرتے ہیں اسے پارٹ ٹائم جاب کہتے ہیں۔ اس طرح سے دگنے پیسے مل جاتے ہیں۔'' حلیمہ نے اپنی طرف سے بڑی وضاحت سے سمجھایا تھا مگر بوا کو کچھ ناگواری سی محسوس ہوئی۔

''اے پیسے دگنے ملتے ہیں تو کام بھی تو دگنا کرنا پڑتا ہوگا؟''

''ظاہر ہے......''

''تو دفع کرو ایسی نوکری۔ پیسہ تو ہاتھ کا میل ہے اس کے لیے کیا خوار ہونا، تمہیں تیمور کو سمجھانا چاہیے تھا حلیمہ بہن! ویسے ہی بیمار رہتا ہے زیادہ کام اس کی صحت پر اثر کرے گا۔ معاف کرنا بہن! شاید تمہیں میری بات بری لگے لیکن۔''

خوشی بوا کو فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا کہ وہ ان کے گھریلو معاملے میں ضرورت سے زیادہ دخل دے رہی ہیں تب ہی فوراً معذرت کرلی۔

''کیسی باتیں کرتی ہیں بوا!'' حلیمہ نے نرمی سے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔

''آپ جو بھی کہتی ہیں اپنا سمجھ کر محبت میں ہی تو کہتی ہیں ورنہ کسی کو کیا پڑی ہے کہ دوسرے کے معاملات میں دخل دیتا پھرے اور آپ کی یہ بات بھی درست کہ پیسہ ہاتھ کا میل ہے مگر بوا! زندگی صرف ''آج'' تو نہیں ہے ہمیں بہرحال ''کل'' کے متعلق سوچنا پڑتا ہے۔ مجھے احساس ہے کہ تیمور بیمار رہتا ہے اور اسے زیادہ کام بھی نہیں کرنا چاہیے مگر اس معاملے میں وہ میری سنتا کہاں ہے ماشاءاللہ ذمہ دار بھی بہت ہے کہتا ہے 'امی، میں نے بہنیں بیاہنی ہیں اور اس طرح بیاہنی ہیں کہ کوئی انہیں ماں باپ کے گھر کا طعنہ نہ دے سکے اور......''

وہ ابھی یہیں تک کہہ پائی تھیں کہ سیڑھیوں کی طرف سے زور زور سے بولنے کا شور سنائی دینے لگا۔ ایک گملا ڈائریکٹ اوپر سے نیچے صحن میں آ کر گرا تھا۔

خوشی بوا کے لیے یہ ساری صورتحال اچانک، نئی اور غیر متوقع تھی۔ بری طرح دہل کر بے تحاشا دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھے پوری طرح گھوم کر وہ سیڑھیوں کی جانب دیکھنے لگیں۔ چند لمحوں بعد الیاس چودھری کا منحنی وجود کف اڑاتا صحن میں آ رکا تھا۔

''یہ گھر ہے یا جہنم؟'' بھڑکتے ہوئے چہرے، بکھرے بال اور لال انگارہ آنکھوں کے ساتھ سوال کیا گیا بلکہ سوال کیا پوچھا گیا تھا اپنا من پسند جملہ دوہرایا گیا تھا جبکہ سب کو سانپ سونگھ چکا تھا حلیمہ سمیت کسی میں بھی ہمت نہیں تھی کہ منہ سے ایک لفظ بھی نکالتا صحن میں گہرا سناٹا تھا۔ دور کسی مسجد میں فلاح کی پہلی صدا بلند ہوئی تھی۔

''چار گھنٹا پہلے چائے کی ایک پیالی مانگی تھی مگر مجال ہے جو کسی نے کان دھرے ہوں۔ ہاں ہاں بوڑھا ہو گیا ہوں کوئی کام نہیں کر سکتا۔ زندگی بھر انہی جونکوں کے لیے کماتا رہا ہوں انہی کو کھلاتا رہا ہوں آج خالی ہاتھ ہوں تو ایک چائے بھی نصیب نہیں ہو گی مہمان داریاں

پوری ہوجائیں شوہر جائے بھاڑ میں۔"

زور زور سے اپنی مظلومیت کا واویلا کرتے ہوئے انہوں نے اولاد سمیت بیوی کو ایک صف میں کھڑا کر دیا تھا۔

عانیہ نے بہت خفیف سے خوشی بوا کو دیکھا جو آنکھیں پھاڑے تعجب و ناگواری سے الیاس چودھری کو دیکھ رہی تھیں۔ اس کی شرمندگی میں کئی گنا اضافہ ہوا تھا۔

"ابو! آپ اوپر کمرے میں چلیے میں آپ کے لیے چائے لاتی ہوں۔"

اس نے پتا نہیں کس دل سے کہا تھا حالانکہ الیاس کا کام کرنا اسے بے حد ناگوار گزرتا تھا چاہے وہ کام ایک گلاس پانی پلانا ہی کیوں نہ ہو۔

"اونہہ...... چائے۔" الیاس چودھری نے غضب ناک نظروں سے اسے گھورا۔

"بھاڑ میں جھونکو اپنی چائے مجھے نہیں چاہیے اب...... یا پلاؤ اپنے مہمانوں کو اور کھلاؤ بسکوٹ (بسکٹ)۔ باپ کا کیا ہے بھوکا مرتا ہے تو مرنے دو...... بس آئے پر اپنی مہمان نوازیوں کی دھاک بٹھاؤ، اڑاؤ باپ کا جمع جتھا...... اونہہ پتا نہیں کہاں کہاں سے آ جاتے ہیں لوگ منہ اٹھا کے۔"

بوا سے نظریں ملتے ہی ایک کٹیلا جملہ ادھر بھی اچھال دیا بغیر کسی لحاظ کے۔

بے چاری بوا نے سٹپٹا کر نظریں پھیریں اور نکوسی بن گئیں۔

"شفق بیٹی! ان منحوسوں میں سے تو کسی کو توفیق نہ ہو سکی تم ہی ایک پیالی چائے پلوا دو۔" لہجے میں ایک دم شیرینی سی گھل گئی تھی اور شفق کے باورچی خانے میں دوڑ لگانے سے قبل ہی وہ دھپ دھپ کرتے سیڑھیاں چڑھ گئے۔

خوشی بوا کے لیے چونکہ یہ پہلا موقع تھا اس لیے سب سے زیادہ سکون کا سانس بھی انہوں نے ہی لیا۔ آج تک الیاس چودھری کے بدمزاجی کے قصے سنے تھے اور آج عملی تجربہ ہوا تھا تو ناگواری عروج پر پہنچ گئی تھی۔

"حلیمہ بہن نے واقعی بڑی پر مشقت زندگی بڑے حوصلے سے گزاری ہے ایسے بندے کے ساتھ تو دو دن سکون سے نہ گزریں اس عورت نے تو کئی سال گزار لیے...... آفرین ہے بھئی۔" وہ سوچتے ہوئے اپنی بڑی سی چادر سنبھالنے لگیں۔

"اچھا حلیمہ بہن! میں چلتی ہوں۔" انہوں نے اجازت چاہی۔

"ارے بوا...... بیٹھیں تو سہی کھانا کھا کر چلی جایئے گا اور ابھی تو آپکی چائے بھی ختم نہیں ہوئی۔" حلیمہ کے لہجے میں شرمساری کا عکس نمایاں تھا۔

"چائے ختم کرنے بیٹھی تو نماز کا وقت تنگ ہو جائے گا اور تمہیں پتا ہے نماز میں اپنے گھر میں ہی پڑھتی ہوں۔"

"مگر...... بوا وہ۔" بوا کے لیے حلیمہ کا تذبذب بھانپنا مشکل نہ تھا۔

"ہاں ہاں میں سمجھتی ہوں جس انسان کو اپنے اچھے برے کا نہ پتا ہو اسے اپنی زبان سے نکلنے والے الفاظ کی خبر بھی نہیں ہوتی پٹھے

کاٹنے کی مشین دیکھی ہے کبھی؟ دستہ ہاتھ سے نکل جائے تو مشین قابو میں نہیں رہتی اور پھر ''پھل'' اپنے راستے میں آنے والی ہر چیز کو کاٹ کر رکھ دیتا ہے چاہے کسی کی گردن یا ہاتھ ہی کیوں نہ ہو۔ تمہارے میاں کی زبان بھی ایسی مشین کی طرح ہے جس کا دستہ اس کے اپنے ہاتھ سے نکل چکا ہے اور اسے خود بھی نہیں پتا کہ پھل کے اندر کسی کی گردن آتی ہے کہ ہاتھ، اس لیے ایسی باتوں کو دل سے نہیں لگانا چاہیے۔ میں دو ایک روز میں پھر چکر لگاؤں گی پہلے سے اس لیے بتا رہی ہوں کہ پچھلی بار بھی تم نے پیشگی اطلاع نہ دینے پر شکوہ کیا تھا اب آؤں گی تو کچھ اور عورتیں ہوں گی ساتھ۔

تم ثانیہ بیٹی کو سمجھا دینا کہ دل برا کرنے کی ضرورت نہیں کچھ لوگ ہوتے ہیں ایسے تھڑ دلے۔''

''اس بے چاری نے کیا مزید دل برا کرنا ہے۔ یہاں تو پہلے ہی کسی اچھائی کا کال پڑا ہوا ہے۔''

بوا جا چکی تھیں۔ حلیمہ بے دم سی ہو کر چارپائی پر بیٹھ گئیں۔ سوچوں کا طویل سلسلہ انہیں درپیش تھا اور نظریں ثانیہ پر تھیں جس کا دل پہلے تو برا یقیناً نہیں ہوا تھا مگر اس وقت ضرور ہو گیا تھا۔

وہ ایک بار پھر اپنے کام میں مصروف ہو چکی تھی مگر چہرے پر گہری سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔

☆......☆......☆

اماں کے بنائے ہوئے کھانوں کا ابا کے دوستوں میں خوب چرچا تھا جن دنوں وہ لوگ نواب شاہ میں تھے تب بھی بڑی باقاعدگی سے مہینے میں ایک بار ابا کے دوستوں کی بڑی زبردست سی دعوت ہوا کرتی تھی۔ یہ سلسلہ یہاں پنجاب میں آ کر بھی جاری رہا تھا۔

آج بھی ایک ایسا ہی دن تھا۔ اماں نے فجر کی نماز کے فوراً بعد سے تیاری شروع کر دی تھی اور کئی طرح کے کھانے تیار کیے تھے۔ نرگسی کوفتے، ادرک کی کڑھائی، چپلی کباب، گجریلہ، بھنا ہوا قیمہ، فیرنی......اماں تو دال ہی اتنے مزے کی بناتی تھیں کہ عیش ہو جاتے تھے۔ آج تو پھر سچ مچ کے عیش ہونے والے تھے۔ ساری ڈشوں کے نام سن کر ہی منہ میں پانی آ رہا تھا۔

خصوصاً جب سے ہرے مسالے کی بریانی کا دم کھلا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی بھی طرح کھانے بیٹھ جائے۔ ایسی دلفریب خوشبو سارے گھر میں بکھری تھی کہ بس۔

''پتا نہیں کب ابا کے دوست کھا کر رخصت ہوں گے اور ہماری باری آئے گی۔'' بریانی کی مہک سے ہی لطف اندوز ہوتے ہوئے اس نے بددلی سے سوچا۔ تب ہی اماں نے اسے باورچی خانے سے آواز دی تھی۔

وہ جلدی سے اٹھ کر باورچی خانے کے دروازے میں آ رکی۔ ابا بریانی کی قاب لیے بیٹھک کی طرف جا رہے تھے۔ اس نے حسرت بھری نظروں سے ابا کو جاتے دیکھا۔

''میں نے کہا آ کر تم بھی کھانا کھا لو۔'' اماں نے کہا۔

''آپ بھی فارغ ہو جائیں پھر اکٹھے کھا لیں گے۔'' اس نے کہا تو اماں مسکرا دیں۔

''اتنا صبر کہاں ہوگا تم سے آ جاؤ۔'' انہوں نے اس کے لیے پلیٹ میں بریانی نکال دی تھی۔ وہ وہیں پیڑھی گھسیٹ کر بیٹھ گئی اور مزے لے لے کر کھانے لگی۔

جتنی دیر میں اس نے سب چیزوں پر ہاتھ صاف کیا ابا کے مہمان بھی فارغ ہو چکے تھے ابا نے اندر سے برتن یہاں تک پہنچاتے ہوئے چائے کے لیے بھی کہہ دیا۔

وہ ٹرے میں بچی ہوئی بریانی دیگچے میں ڈال رہی تھی معاً اس کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ اس نے اسی خیال کے تحت چور نظروں سے اماں کی جانب دیکھا پھر جھجکتے ہوئے بولی۔

''اماں! ایک بات کہوں۔ آپ غصہ تو نہیں کریں گی؟''

کھولتے ہوئے پانی میں چائے کی پتی ڈالتی اماں ایک پل اس کی جانب متوجہ ہوئیں۔

''ایسی کیا بات ہے؟'' ان کے لہجے میں تشویش تھی۔ منی شرمندہ سی ہوگئی۔

''پریشانی کی بات نہیں ہے میں تو بس یونہی ایک بات کہہ رہی تھی۔'' وہ کھسیا کر مسکرائی۔

''کہو۔''

''میں یہ تھوڑی سی بریانی۔ بس تھوڑی سی گل بانو باجی کو دے آؤں۔'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا تھا۔ اسماء خاموش رہیں جیسے کسی سوچ میں مبتلا ہوں۔ منی جانے کیا نتیجہ اخذ کر بیٹھی تھی ان کی خاموشی سے قوت پڑے ہوئے بولی۔

''کل شام ان کا سکینہ بھابی سے جھگڑا ہو گیا تھا پتا نہیں انہیں کسی نے کھانا کھانے دیا بھی ہوگا یا نہیں۔'' وہ غلط بیانی نہیں کر رہی تھی۔ چاہے گل بانو سے ملنے نہیں گئی تھی مگر اطلاعات تو ملتی رہتی تھیں۔ ڈھیر ساری تو سہیلیاں تھیں اس کی۔

عائشہ تو بالکل گل بانو کے ساتھ والے گھر میں رہتی تھی وہی صبح کسی کام سے آئی تھی اور بتا گئی تھی۔

''تماری باجی جی کے گھر سے کل زور زور سے رونے اور چیخنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں نے دیوار سے جھانک کر دیکھا تو سکینہ باجی چیخ رہی تھیں اور تمہاری باجی جی رو رہی تھیں۔''

''سکینہ بھابی بری ہیں سو ہیں اصل غلطی اجمل بھائی کی ہے انہیں اپنی بیوی کو سمجھانا چاہیے۔ آخر وہ کیوں گل بانو باجی کو اتنا تنگ کرتی ہیں؟'' اس نے سوچا۔

''امی پھر میں جاؤں؟ کیا پتا وہ واقعی بھوکی ہوں۔''

''مجھے تو اعتراض نہیں ہے لیکن تمہاری دادی اعتراض کریں گی انہیں تمہارا گل بانو سے ملنا جلنا پسند نہیں ہے۔'' اسماء تذبذب کا شکار تھیں۔

''دادی کو کیسے پتا چلے گا وہ تو سو رہی ہیں؟ میں ان کے جاگنے سے پہلے واپس آ جاؤں گی۔''

منی، اسماء کو پچاس فیصد راضی دیکھ کر پر جوش لہجے میں بولی۔ مگر اسماء کی جھجک ختم نہ ہوئی۔

''پھر بھی......انہیں پتا چلا تو بہت شور کریں گی کہتی ہیں مجھے پتا ہوتا میری غیر موجودگی میں تم منی کو اس لڑکی کے پاس پڑھنے بھیج دو گی تو کبھی باون چک نہ جاتی چاہے میری بہن بلا بلا کر تھک جاتی۔''

''دادی کو پتا نہیں کیوں اعتراض رہتا ہے حالانکہ اب تو میں پڑھنے بھی نہیں جاتی بس کبھی کبھی جاتی ہوں پھر بھی وہ روک دیتی ہیں۔ آپ باجی جی سے ملی ہیں نا اماں! آپ خود بتائیں کیا وہ آپ کو معصوم اور بے چاری سی نہیں لگتیں؟ اصل مسئلہ سکینہ بھابھی اور اجمل بھائی کا ہے۔ حالانکہ باجی جی خود کماتی ہیں مگر اپنی مرضی سے کھا پی نہیں سکتیں، کپڑے نہیں بنا سکتیں۔ کوئی مہمان گھر میں آجائے تو انہیں اس کے پاس بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے البتہ کوئی ان سے ملنے چلا جائے تو ضروری ہے کہ پہلے انہیں سلام کیا جائے۔ پھر گھورتی ایسے ہیں جیسے پتا نہیں کیا......باجی جی کی ذرا ذرا سی بات پہ اعتراض ہوتا ہے۔''

''واقعی کبھی کبھی مجھے اس بے چاری پر ترس آتا ہے۔ ماں باپ کے بعد کیسی بے بسی کی زندگی گزارنا پڑ جاتی ہے۔ ویسے مسئلہ سکینہ کا نہیں اجمل کا ہے......اس نے کبھی گل بانو کو اپنی بہن مانا ہی نہیں ہمیشہ سوتیلا ہی سمجھا حالانکہ باپ تو ایک ہی تھا دونوں کا، اجمل نے پر خلوص طریقے سے کوشش ہی نہیں کی ورنہ ایک سے ایک اچھا رشتہ مل سکتا تھا۔ خیر دیر تو ابھی بھی نہیں ہوئی مگر کوئی کوشش کرے تو......''

منی کے ہاتھ جیسے نیا نکتہ آیا تھا پر جوش ہو کر بولی۔

''اماں! ہم کیوں نہیں کروا سکتے باجی جی کی شادی۔''

''پاگل!'' اسماء ہنس پڑیں۔

''شادی کروانا کوئی آسان کام ہے۔ سو طرح کی باتیں نکلتی ہیں پھر کل کلاں کو کوئی اونچ نیچ ہو جاتی ہے تو الزام تو ہمیں دیا جائے گا۔''

''جلدی سے جا کر بریانی پکڑا آ۔ یہ دو کوفتے بھی لے جاؤ مگر جلدی آجانا تمہاری دادی کو بھنک بھی پڑ گئی کہ میں نے تمہیں اجازت دی تھی تو بس خیر نہیں۔''

منی جلدی جلدی ٹرے تیار کرنے لگی۔ ہاتھوں میں جیسے بجلیاں بھر گئی تھیں۔

☆......☆......☆

وہ اپنے گیلے بالوں کو تولیے سے رگڑتا شیشے کے سامنے جا چکا تھا۔

ساڑھے بارہ سے کچھ پہلے کا ہی وقت تھا اور چونکہ دن بھر کی مصروفیت سے بھرپور فراغت تھی سو بہت سکون و اطمینان محسوس کر رہا تھا اور یہی پر سکون کیفیت انداز و چہرے سے بھی جھلک رہی تھی۔

اس نے ہیئر برش اٹھایا ہی تھا کہ موبائل فون کی بیپ بجنے لگی۔ اس نے آئینے میں بیڈ پر متحرک ہوتے سیل کو دیکھا پھر برش واپس رکھ کر بیڈ پر آ بیٹھا اور سیل اٹھا لیا۔ اسکرین پر ''حدید کالنگ'' کے الفاظ جگمگا رہے تھے۔

''خیریت؟ رات کے اس پہر میری یاد کیسے آ گئی؟'' سیل کان سے لگاتے ہی اس نے متبسم لہجے میں دریافت کیا تھا۔ دوسری طرف حدید نے ایک گہری بے بس سانس بھری۔

''رات کے اس پہر جس کی یاد آ رہی ہے اسے فون نہیں کر سکتا اس لیے تمہیں کر لیا۔''

شاہنواز نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔

''غدار! دوست کی بے بسی پر ہنس رہے ہو؟''

''دوست کی بدقسمتی پر ہنس رہا ہوں۔'' وہ ترت بولا۔

''انشاء اللہ کبھی ہم بھی ہنسیں گے۔'' حدید نے جیسے دعائیہ انداز میں دھمکی دی تھی۔

''تم اکیلے نہیں پھر ہم دونوں مل کر ہنسیں گے۔ حماقتوں پر ہنسا ہی جا سکتا ہے۔'' وہ اسی لہجے میں بولا تھا۔

''ویسے وریشہ اتنی کنزرویٹو لگتی تو نہیں ہے کہ فون پر بات بھی نہ کرے۔'' اس نے دل میں آئی بات کہہ دی۔

''یار! ون سائیڈڈ افیئر میں کوئی کنزرویٹو نہیں ہوتی...... ابھی تو ہمیں کئی مشکلات عبور کرنی ہیں پھر کہیں جا کر راستے صاف ہوں گے۔'' وہ بہت مدبر لہجے میں کہہ رہا تھا۔ شاہنواز شرارت سے بولا۔

''میں تمہارے حق میں دعا کروں گا۔''

''ہاں یار! میں احسان مند ہوں گا ویسے بھی مجھے دعاؤں کی اشد ضرورت ہے۔''

اس نے بے قراری سے کہا پھر دونوں ہی ہنس دیے۔

''تم کیا کر رہے تھے؟''

''کچھ خاص نہیں، سوچ رہا تھا کہ کچھ کر لوں۔'' اس نے اڑتی پڑتی سی نظر بک شیلف پر ڈالی تھی۔

''زیادہ فارغ ہو تو عشق کر لو...... بلیو می بڑا دلچسپ کام ہے۔'' مشورہ فوراً حاضر تھا۔

''تم جیسوں کو دیکھ کر بڑا ترس آتا ہے میں نہیں چاہتا کل کو کوئی مجھ پر ترس کھا رہا ہو۔''

''انوشکا بالکل درست کہتی تھی تمہارے سینے میں دل نہیں پتھر فٹ ہے۔ بتاؤ محبت کرنے والوں پر ترس کھایا جا رہا ہے۔ یار! کیا بنے گا تمہارا؟ کہنے والے کہتے ہیں محبت انسان کو مکمل کر دیتی ہے۔'' حدید نے اس کی سوچ پر افسوس کرتے ہوئے ایک نئی اطلاع دی تھی۔

''اور جو مکمل ہوتے ہیں انہیں نامکمل کر دیتی ہے کیونکہ دماغ تو پھر انسان کے کسی کام کا نہیں رہتا اب اپنی طرف ہی دیکھ لو اچھے خاصے دماغ و عقل استعمال کرنے والے انسان ہو مگر جہاں وریشہ کا ذکر آتا ہے کان اور آنکھیں بند کر کے دل کے احکامات بجا لاتے ہو۔''

اس نے بڑی مناسبت سے چوٹ کی تھی مگر کم سے کم اس معاملے میں حدید خاموش ہونے والا نہیں تھا اور چونکہ خود عشق کے محاذ پر برسرپیکار تھا اس لیے قائل بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

”اتنی خراب تصویر بنا رہے ہو...... مجھے ایک ایسے شخص کا خیال آ رہا ہے جو کسی لڑکی کا آنچل تھامے اس کے پیچھے پیچھے چلا جاتا ہے حالانکہ ابھی ایسی نوبت بھی نہیں آئی۔ بہر حال محبت زندہ باد تم جیسے لوگ ہم محبت کرنے والوں کے لئے بڑے نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں اگرچہ ہم غلطی نہیں کر رہے ہوتے مگر تم لوگوں کے خیالات سن کر ایسا لگتا ہے نہ صرف غلطی کر رہے ہیں بلکہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی حماقت بھی کر رہے ہیں۔

گو کہ تم میں اور حنان میں کوئی قدر مشترک نہیں ہے مگر ایک اس معاملے میں تم دونوں کے خیالات ایک سے ہیں اسے بھی محبت حماقت لگتی ہے۔“

”اچھا۔“ اسے زیادہ تبصرہ مناسب نہ لگا اور بات پلٹنے کے ارادے سے بولا۔

”تمہیں انوشکا کہاں مل گئی؟“

”مارکیٹ میں ملاقات ہوئی تھی۔ وہ اپنے منگیتر کے لیے گفٹ لینے آئی تھی پھر ٹھنڈی آہیں بھر بھر کر تمہارے بارے میں پوچھنے لگی۔“

اس کے انتہائی سنجیدگی سے بتانے پر شاہنواز کا انتہائی جاندار اور محظوظ کن قہقہہ گونجا تھا۔

”ابھی بھی تم کہتے ہو محبت حماقت نہیں ہے؟“ اس نے متبسم و شریر لہجے میں کہا۔ حدید نے ہنسنے میں اس کا ساتھ دیا تھا۔

”زیادہ فارغ ہو تو میری طرف آ جاؤ مل کر بیٹھیں گے تو کوئی مصروفیت بھی نکل آئے گی۔“

حدید نے کہا تو اس نے ایک نظر وال کلاک پر ڈالی۔

”ایک بجنے والا ہے یار! اٹس ٹو لیٹ......“

”کم آن...... گھر سے باہر نکل کر دیکھو پورا لاہور جاگ رہا ہے۔ حنان کی تو صبح ہی اتنے بجے ہوتی ہے۔“

”یہی تو ہم دونوں میں فرق ہے جب اس کی صبح ہوتی ہے میری رات ہو جاتی ہے اور جب صبح طلوع ہوتی ہے اس کی رات ہو جاتی ہے۔ ہمارا تو روشنی اور تاریکی کا concept ایک نہیں ہے خیالات ایک کیسے ہو سکتے ہیں۔“ اس نے بہت عام سے انداز میں کہا تھا جس طرح بات برائے بات کہہ دی جاتی ہے۔

”شاہنواز! ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی...... ہو سکے تو ورکرز کی ڈیمانڈ والی فائل آج ہی دیکھ لینا پھر کل آفس میں ڈسکس کریں گے کیونکہ پھر اس کے بعد تو مجھے ٹائم نہیں مل سکے گا۔“

”کیوں؟...... خیریت؟“

”کراچی میں جو ہماری گلاس فیکٹری ہے اس کا منیجر بغیر نوٹس کے ڈیوٹی سے غائب ہے...... پاپا چاہتے ہیں جب تک منیجر واپس نہیں آ جاتا یا نیا منیجر اپائنٹ نہیں کر لیا جاتا یہ پوسٹ میں سنبھال لوں۔ اس لیے چند ایک روز میں مجھے جانا پڑے گا اور یہاں والے آفس کو میں ٹائم نہیں دے پاؤں گا پھر سب کچھ تمہیں اور جہانگیر انکل کو ہی دیکھنا پڑے گا۔“

''ہوں۔'' شاہنواز نے اسے فائل اسٹیڈی کرنے کی یقین دہانی کروا کر سیل آف کر دیا پھر اپنے گیلے بالوں میں انگلیاں پھیرتا اسٹڈی ٹیبل کی جانب آ گیا۔ آفس سے واپسی پر وہ مذکورہ فائل اسی مقصد کے تحت لایا تھا ارادہ تھا ذرا فرصت سے اسٹڈی کرے گا مگر تا حال اپنے ارادے کو عملی جامہ نہیں پہنا پایا تھا۔

ٹیبل پر فائل سامنے رکھتے ہوئے اس نے کرسی گھسیٹی اور بیٹھ گیا۔

معاً اس کی نظر پیپر ویٹ کے نیچے رکھے نیلے رنگ کے لفافوں پر پڑی تھی اور اعصاب میں کھنچاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ وہ چند لمحے انہیں دیکھتا رہا پھر اس نے لفافوں کو نکال لیا۔ تینوں پر جی پی او کی مخصوص مہر کے ساتھ آج اور آج سے دو روز پہلے کی تاریخیں رقم تھیں۔ دو روز مرید کے میں گزار کر وہ آج ہی واپس آیا تھا وہاں کے باغات سے حاصل ہونے والی آمدن کا حساب بھی اسی کے ذمے تھا۔

تینوں خطوط گوگیرہ سے بھجوائے گئے تھے اور تینوں پر لکھے ایڈریس کی لکھائی بھی ایک تھی۔ وہ اس لکھائی کو پہچانتا تھا اور خطوط بھجوانے والے کو تو خیر بہت ہی اچھی طرح جانتا تھا۔ حسب عادت اس نے تینوں لفافوں کو پھاڑنا چاہا مگر دل میں جانے کیا سمائی کہ ایک لفافہ چاک کر کے خط نکال لیا۔

بڑی بددلی سے اس نے پڑھنا شروع کیا۔

اسے انہی القابات سے مخاطب کیا گیا تھا جو ہمیشہ سے لکھے جاتے تھے انداز تخاطب میں بڑی واضح لگاوٹ و عقیدت جھلکتی تھی۔ اس کی پیشانی پر کئی ایک سلوٹیں ابھر آئیں۔ کچھ سطروں پر تو نظریں اٹک کر رہ گئیں۔

لکھا تھا۔

''کسی کو قدم قدم چلنا سکھاؤ اور جب وہ بھاگنے کا حوصلہ کرے تو اس کا ہاتھ چھوڑ دینا کہاں کا انصاف ہے۔ میں تمہیں الزام نہیں دیتی بخدا مجھ میں اتنی جرات نہیں مگر مجھے میری غلطی تو پتا ہونا چاہئے۔ کیا محبت میرا گناہ ہے؟

محبت کرنا تو تم نے مجھے سکھایا تھا اور جب میری تمام کشتیاں جل چکیں تو منہ پھیر لیا یہ کہاں......''

اس نے سلگتے ذہن کے ساتھ خطوط کو پرزوں میں تبدیل کر دیا۔

''مفت کا الزام۔'' نخوت سے سر جھٹکتے ہوئے اس نے پرزوں کو ڈسٹ بن میں پھینکا اور فائل آگے کھسکا لی مگر در پردہ وہ خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

وہ لدی پھندی ''گلشن نگر'' میں داخل ہوئی تھی اور بڑے مگن انداز میں گول طرز کا زینہ عبور کرتی اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہی تھی جب کسی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ اس سے قبل کہ سہارے کے لئے گرل تھامتی دو مضبوط ہاتھوں نے اسے کندھوں سے تھام کر گرنے سے بچا لیا تھا۔

"آرام سے بھئی......اتنی بھی کیا جلدی ہے؟" زندگی سے بھرپور شوخ لہجہ اس کی سماعت سے ٹکرایا تھا۔ وہ سنبھل چکی تھی اور مقابل کا چہرہ بھی دیکھ لیا تھا۔

"تم......؟" تعجب کی شدت سے بس یہی لفظ زبان سے ادا ہو سکا۔ وہ دلفریبی سے مسکرایا اور سینے پر ہاتھ رکھ کر گردن کو قدرے خم دیا۔

گیتی نے لب بھینچ لئے۔ پیشانی پر کئی لکیریں طلوع ہو گئی تھی دل چاہا اسے جادو کے زور سے غائب کر دے۔ ایک کے بعد دوسری نگاہ گوارا نہ تھی حالانکہ وہ بہت اچھے طریقے سے ڈریس اپ ہوا تھا اور بہت تروتازہ دکھائی دے رہا تھا۔

شوخ گفتگو اور بجلیاں گراتی مسکراہٹ تو یوں بھی اس کا امتیازی نشان تھا گو کہ شکل وصورت عام سی تھی مگر کچھ چیزوں نے اسے بہت خاص بنا رکھا تھا۔ ایک تو بھری ہوئی جیب اور دوسرا بہت گمبھیر اور متاثر کن لب ولہجہ اور شاندار انداز گفتگو۔

گیتی نے دونوں ہاتھوں میں تھامے شاپنگ بیگ پر گرفت مضبوط کی اور ایک طرف سے آگے بڑھنے کی کوشش کی مگر وہ لمحہ ضائع کیے بنا اس کے راستے میں پھر سے حائل ہو گیا۔

"ہٹو میرے راستے سے۔" وہ بہت ضبط سے بولی۔ نظریں اس کے شوز پر تھیں۔

"اور نہ ہٹوں تو؟"

گیتی نے بے بسی سے نیچے لاؤنج میں نگاہ ڈالی۔

"گلشن نگر" وہ جگہ تھی جہاں دن کے اوقات میں عموماً سناٹا چھایا رہتا تھا البتہ درودیوار سے انسانی وجود کی موجودگی کا گہرا احساس جھلکتا تھا۔

اب بھی لاؤنج میں سناٹا تھا بڑی بڑی کھڑکیاں بند تھیں پردے تنے ہوئے تھے۔ بڑے ادھوری اور نامکمل سی روشنی تھی۔

جس طرف فرشی نشست کا اہتمام تھا اور موسیقی کے آلات دھرے تھے، وہیں استاد جی غلام بخش طبلہ لئے جانے کس کام میں مصروف تھے کیونکہ سر تو نہیں ابھر رہے تھے۔

"بہت خفا ہو؟" وہ بہت تفصیل سے اس کے ایک ایک نقش کو دیکھ رہا تھا۔

"آپا بیگم اپنے کمرے میں ہیں۔" اس نے جیسے سوال سنا ہی نہیں تھا۔

"تم وہاں جا کر ان سے مل لو۔"

"میں ان سے ملنے یہاں نہیں آیا۔ میں تم سے ملنے آیا ہوں۔" اس نے گہری سانس بھرتے ہوئے چند قدم ایک طرف ہو کر راستہ چھوڑ دیا تھا۔ گیتی سرعت سے آگے بڑھ جانا چاہتی تھی۔ مگر اس نے بڑی سہولت سے شاپنگ بیگز اس کے ہاتھ سے لے لئے تھے۔ گیتی نے بھی کوئی مزاحمت نہیں کی اور آگے بڑھ گئی۔

یہ احساس کہ وہ پیچھے ہی آ رہا ہے اس کے اعصاب پر بوجھ کی طرح پڑا ہوا تھا۔ اپنے کمرے سے چند قدم کے فاصلے پر اس نے

کچھ سوچا پھر ریشم کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی۔ وہ تین روز کے لئے کہیں مصروف تھی اور کمرا خالی پڑا تھا مناسب حالت میں البتہ بستر پر کچھ کاسمیٹکس کا سامان بکھرا تھا۔

اس نے کمرے اور گاڑی کی چابی اور پرس بستر پر اچھال دیا اور واش روم میں گھس گئی۔ منہ پر پانی کے چھپاکے مارتے ہوئے بہت عجیب سی کیفیت کا شکار تھی۔

باہر نکلی تو پہلی نظر بستر پر پڑے شاپنگ بیگز پر پڑی تھی۔ وہ سامنے ہی کرسی پر بیٹھا سینے پر بازو باندھے اسی جانب دیکھ رہا تھا۔ نظر ملتے ہی بولا۔

"کیسی ہو؟" گیتی نے ایک کاٹ دار نظر اس پر ڈالی اور تولیہ ایک طرف اچھال کر کھڑکی کی طرف بڑھی اور ایک جھٹکے سے پردے ہٹا دیئے۔

"تمہیں کیسی نظر آ رہی ہوں؟"

نگاہوں کے مقابلے میں لہجہ خاصا ہموار بلکہ قدرے لاتعلق تھا جو لاوا اندر پک رہا تھا اس کی تپش چہرے پر دکھائی دے دیتی تھی، لہجے میں نہیں۔

"مجھے تو خیر ہمیشہ ہی حسین لگتی ہو۔ یونہی تو تمہارے لئے بھاگا چلا نہیں آتا۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آ رکا۔

گیتی کھڑکی کھول رہی تھی۔ سلائیڈنگ ڈور تھا مگر اس کے ہاتھوں میں جیسے طاقت مفقود ہو چکی تھی کہ شیشہ کھل کر ہی نہ دے رہا تھا۔ تب ہی اس نے غضب سے دونوں ہاتھ بڑھا کر سہولت سے شیشہ ہٹا دیا یوں کہ وہ مکمل طور پر اس کے حصار میں آ چکی تھی۔

"مظہر! تم پورے چار ماہ بعد بھاگے چلے آتے ہو۔" ہوا کا سرد جھونکا اس کے نم چہرے کو چھو کر گزرا۔

"اوہو...... میں اب سمجھا تو اصل ناراضگی اسی بات کی ہے کہ میں چار ماہ بعد کیوں آیا؟" وہ بہت دھیمے لہجے میں بول رہا تھا۔ گیتی نے اس کے ہونٹوں کی حرکت کو اپنے کان کے قریب محسوس کیا تھا۔

گیتی نے اپنے اندر بہت بھڑاس محسوس کی تھی اور جانے وہ کیسے خود پر ضبط کیے ہوئے تھی یہ لگاوٹ، یہ محبت، یہ وارفتگی صرف اس کی بے چینیوں میں اضافہ کر رہی تھیں یکدم وہ مظہر کا کھڑکی کی چوکھٹ پر دھرا ہاتھ ہٹا کر اس کے حصار سے نکل گئی۔

"میں تھک گئی ہوں آرام کرنا چاہتی ہوں۔"

"میں بھی تھک گیا ہوں آرام کرنے آیا ہوں۔" مظہر کا لہجہ بہت جتاتا ہوا تھا۔ گیتی کے آگے نکل جانے کے باوجود وہ اس کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا۔ گیتی نے پلٹ کر بڑی تلخ نظروں سے اسے گھورا۔

"تم آپا بیگم کے پاس جاؤ وہ بہت دنوں سے تمہارا پوچھ رہی تھیں۔"

"یہ کیا ہے گیتی؟" مظہر نے جھنجھلا کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

''میں یہاں آپا بیگم سے ملنے یا ان در و دیوار کو دیکھنے نہیں آتا تم اچھی طرح جانتی ہو گلشن نگر میں میرے لئے واحد اٹریکشن صرف تم ہو۔ میں یہاں تمہارے لئے آتا ہوں۔ تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں اور تم، تم ہر دفعہ میرے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتی ہو آخر کیوں؟ کیا تم مجھے میری غلطی بتانا پسند کرو گی؟ سوائے اس کے کہ میں نے چار ماہ بعد چکر لگایا ہے۔''

اس کے اس قدر بھول پن اور بے خبر بننے پر گیتی کا دل چاہا تھا کہ کم سے کم ایک بار تالیاں پیٹ کر ضرور اسے داد دے۔

''فرشتوں کو ان کی غلطیاں کیسے بتائی جا سکتی ہیں؟ وہ غلطیاں کرتے ہی نہیں ہیں تم چار ماہ کی بات کرتے ہو میری طرف سے تم آٹھ ماہ نہ آتے بلکہ کبھی نہ آتے۔'' وہ بری طرح بھڑک کر طنز سے بولی تھی۔

اس وقت مظہر کا چہرہ دیکھنے والا تھا۔ وہ بہت عجیب تاثرات لیے گیتی کا لال انگارہ چہرہ دیکھ رہا تھا یوں لگتا تھا رگوں میں خون کی بجائے انگارے دوڑ رہے ہوں۔ مظہر کے لبوں پر نہ سمجھ میں آنے والی مسکراہٹ بکھر گئی وہ چند قدم آگے آیا۔

''اچانک اوقات سے زیادہ ملنے لگے تو دماغ آسمان پر پہنچ ہی جاتا ہے۔ بہت ٹھاٹ سے جی رہی ہو اس لئے نخرہ آ گیا ہے۔''

اس نے ابرو سے ایک ترچھا سا اشارہ شاپنگ بیگز کی طرف کیا تھا اور اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر آنکھیں اس کے چہرے سے ٹکا دی تھیں۔

''بہر حال وہ محبّ ہی کیا جو محبوب کا نخرہ نہ سہہ سکے پھر تمہاری سب سے بڑی اٹریکشن یہ نخرہ ہی تو ہے۔ چلتا ہوں جب تمہارا دماغ درست ہو جائے گا پھر آؤں گا۔ ٹیک کیئر آف یور سیلف سوئیٹ ہارٹ۔'' وہ انتہائی محبت سے اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔

گیتی جیسے آزادی کے بھرپور احساس سے روشناس ہوئی تھی صوفے پر گر کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ کوئی الاؤ تھا جو اس کے اردگرد روشن تھا جس میں اس کا وجود بھڑ بھڑ جل رہا تھا۔ تنفس میں گویا دھواں سا پھیل چکا تھا۔ وہ بہت دیر تک ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی کچھ دیر گزرتے ''لمحہ موجود'' کو سوچتی رہی پھر آئی آواز اسے چونکا گئی۔ اس نے رومی کی جانب دیکھا پھر بہت سوچ کر بولی۔

''کیوں؟......وہ کیوں ڈھونڈ رہی تھی؟''

''تم ابھی شاپنگ کر کے آئی ہو نا۔ یہ شاید تمہاری ہے سیڑھیوں کے پاس پڑی ہوئی تھی۔'' رومی نے اپنی ہتھیلی اس کے سامنے پھیلا دی جس پر ایک معمولی سی کی چین رکھی تھی۔ گیتی نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''یہ میری نہیں ہے۔''

''اچھا......پھر کس کی ہو سکتی ہے۔'' رومی نے کہا۔ ''لیکن گوشی کہہ رہی تھی اس نے تمہارے شاپنگ بیگ سے گرتے دیکھا تھا ہو سکتا ہے غلط فہمی ہوئی ہو......ٹھیک ہے کسی اور سے پوچھ لیتی ہوں شاید کسی اور کی ہو۔ ایک دنیا بستی ہے آپا بیگم کے سرائے میں......لگتا ہے پوری مارکیٹ خرید ڈالی اتنا سارا سامان......ذرا دیکھوں تو کیا خرید لائی ہو۔''

رومی اس کی کی ہوئی شاپنگ کی جانب متوجہ ہوگئی تب تک وہ کی چین اپنے ہاتھ میں لے چکی تھی اوراب بغوراسے دیکھ رہی تھی۔
اسے یاد آ گیا تھا کہ یہ کی چین اسی کی تھی۔ایک ریڑھی پر اس نے یہ کی چین لٹکتی دیکھی تھی اور پھر بلاارادہ خریدی تھی مگر اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اس نے یہ کی چین کیوں خریدی اسے اس کی ضرورت نہیں تھی پھر آخر کیوں؟
وہ بہت اُلجھن بھری نظروں سے کی چین کو دیکھ رہی تھی معاً اس کے ذہن میں دھماکہ ہوا تھا اور ذہن کے پردے پر ایک چہرہ طلوع ہو گیا تھا۔
وہ بھونچکاسی اس کی چین کو دیکھتی چلی گئی۔جو چہرہ ذہن میں طلوع ہوا تھا وہ خلا میں کھو گیا تھا۔یاد باقی رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

''زبیدہ کی بھانجی آئی تھی شام میں کل ساڑھے دس بجے ان کے یہاں قرآن خوانی اور درس کی محفل ہے۔ہم میں سے تو کوئی نہیں جاسکے گا عانیہ! تم کاموں سے فارغ ہو کر چلی جانا۔''
حلیمہ نے جائے نماز کا کونا موڑتے ہوئے عانیہ کو مخاطب کیا تھا۔وہ بری طرح میگزین میں غرق تھی اس لئے جب تک کسی نے کندھا ہلا کر متوجہ نہیں کیا اسی طرح غرق رہی۔وہ سب اس وقت گھر کے بڑے کمرے میں موجود تھے۔گھر کا رقبہ اگرچہ مناسب ہی تھا لیکن کمرے بہت زیادہ نہیں تھے۔ایک یہی کمرا تھا اور عموماً سب کا زیادہ وقت یہیں گزرتا تھا۔گرمیوں میں تو صحن میں چارپائیاں بچھالی جاتی تھیں، جب کہ سردیوں میں اسی کمرے کے فرش پر بستر لگالیا جاتا تھا کمرے میں واحد پلنگ تھا۔ایک چھوٹی میز اور دو کرسیاں تھیں کرسیوں کی قیام گاہ بوقت ضرورت بدلتی رہتی تھی۔
اوپر کے پورشن میں دو کمرے اور ایک غسل خانہ تھا۔ایک کمرہ تو تقریباً اسٹور ہی تھا کہ وہاں پیٹیاں بکسے وغیرہ رکھے ہوئے تھے دوسرا کمرہ تیمور کا تھا۔ابو تو خیر گھر رہتے ہی کم تھے ان کی ذاتی زندگی کی اتنی ڈھیروں مصروفیات تھیں کہ گھر پر رہنے کی نوبت ہی کم آتی تھی اور جب آتی تھی تو ایک غیر واضح اور بے نام سا کھنچاؤ سارے گھر میں پھیل جاتا تھا۔وہ گھر پر ہوتے تھے تو تیمور کا کمرہ ان کی ملکیت ہوتا تھا ایسے میں تیمور کو امی کے کمرے میں شفٹ ہونا پڑتا تھا۔
ابو کے جانے کے بعد لگتا تھا زندگی متوازن ہوگئی ہے۔
''میں کیسے جاسکتی ہوں امی! آپ کو میری روٹین کا پتا تو ہے اتنے سارے گھر کے کام ہوتے ہیں کہ سر اٹھانے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔سب سے آخر میں آپ اور شفق جاتی ہیں وہ بھی تقریباً دس بجے۔اس کے بعد میں صفائی شروع کرتی ہوں کھانا بنانا ہوتا ہے کچن صاف کرنا ہوتا ہے۔ان سب کی پھیلائی ہوئی چیزوں کا بکھیڑا اتنا ہوتا ہے کہ سمیٹتے سمیٹتے بارہ بج جاتے ہیں۔تین بجے تک یہ تینوں واپس آتی ہیں تب میں کھانا اور روٹیاں بنا کر فارغ ہوتی ہوں۔اب آپ دیکھ لیں اتنی مصروفیت میں مجھے جانے کا وقت کیسے ملے گا کل تو میں واشنگ مشین لگانے کا بھی سوچ رہی ہوں۔''

عانیہ نے بہت بے چارگی سے اپنی دن بھر کی روٹین ان کے گوش گزار کی تھی۔ حلیمہ ایک منٹ کے لئے خاموشی رہ گئیں۔ یہ تو انہیں اندازہ تھا کہ عانیہ کے سر پر بہت ذمہ داری ہے مگر اتنی سخت روٹین کا اس لئے بھی اندازہ نہیں تھا کہ چھٹی والے روز تو وہ سب کام مل جل کر سمیٹ لیتی تھیں۔

''تمہیں بھی تو شوق ہے ہر کام اپنے سر لینے کا۔ اچھا خاصا میں اور نرمین صبح کی صفائی کر دیا کرتے تھے اور شفق صبح کو جانے سے پہلے کچن صاف کر جایا کرتی تھی اور واشنگ مشین اتوار کے اتوار لگ جایا کرتی تھی مگر تمہیں پتا نہیں کیا جوش چڑھا کہ سارے کام اپنے ذمے لے لئے۔ ہمیں صفائی کرنے دیتی ہو نہ شفق کو کچن سمیٹنے دیتی ہو اور شور بھی زیادہ مچاتی ہو کہ مجھے اتنے کام کرنے پڑتے ہیں۔''

ثانیہ جائے نماز پر کھڑی دوپٹا اوڑھ رہی تھی۔ اسی طرح پلٹ کر بولی تو عانیہ ہنس دی۔

''کمال ہے ایک تو تم لوگوں کا احساس کیا کہ بے چاریاں پڑھاتے پڑھاتے اور کڑھائیاں سلائیاں سکھاتے سکھاتے تھک جاتی ہوں گی اوپر سے تم مجھے ہی باتیں سنا رہی ہو حالانکہ اتنے کام کرتے کرتے میں تھک جاتی ہوں۔''

وہ بہت ہلکے پھلکے لہجے میں بول رہی تھی عادت کے برخلاف لہجے میں کسی قسم کا طنز و کاٹ نہ تھی اور یہ بات کسی اور کے لئے تعجب کا باعث تھی یا نہیں مگر شفق نے اس بات کو بطور خاص محسوس کیا تھا۔ وہ عموماً طنزیہ ٹون میں ہی بات کرنے کی عادی تھی۔ یہ طنزیہ انداز گفتگو اس کے مزاج کا حصہ تھا اس کے ساتھ تو خیر جو چپقلش تھی وہ سمجھ آتی تھی مگر وہ اپنی بہنوں کے ساتھ بھی اسی طرح سے بات کیا کرتی تھی کہ سامنے والا سمجھتا کوئی پرانا حساب چکتا کر رہی ہے۔

''پھر کل سے تمہیں ہمارے حصے کے کام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اٹھتے تو ہم جلدی ہی ہیں اور تو صفائی کر لیا کریں گے شفق ناشتے کے بعد کچن سمیٹ لے گی تمہارا کام بس دوپہر کا کھانا بنانا رہ جائے گا۔'' ثانیہ نے کہا۔

''ارے نہیں...... میں تو یونہی کہہ رہی تھی میں یہ سب کام نہیں کرتی تھی تو سارا وقت سوتے یا ڈائجسٹ پڑھتے گزر جاتا تھا۔ اچھا ہے تھوڑی مصروفیت رہتی ہے پھر تم لوگ بھی تو کتنا تھک جاتی ہو۔ شفق تو خیر پیپروں سے فارغ ہوئی ہے مگر تم نے اور نرمین نے تو پڑھنا بھی ہوتا ہے۔ خیر ہے میں دیکھ لوں گی سب کام۔''

عانیہ نے عجلت میں کہتے ہوئے کروٹ بدل لی اس کی ساری دلچسپی کہانی میں تھی۔

''پھر زبیدہ کے یہاں کون جائے گا؟...... وہ ہر دفعہ شکوہ کرتی ہے کہ ہمارے یہاں سے کوئی بھی ان کی کسی محفل میں شریک نہیں ہوتا کل پیر ہے میں بھی چھٹی نہیں کر سکتی۔'' حلیمہ بولیں۔

''انہیں شکوہ کرنے کے سوا آتا ہی کیا ہے؟...... پچھلی مرتبہ ہمارے گھر آئیں تو میں موجود تھا کہنے لگیں۔ ''تمہاری ماں نے سارے محلے میں زردہ تقسیم کیا اور میرے گھر میں چھوٹی پلیٹ بھیج دی کیوں؟ بتاؤ یہ کوئی کہنے والی بات ہے؟'' تیمور بہت دیر سے سر جھکائے کوئی درخواست لکھ رہا تھا یکدم بولا۔

’’تیمور! میں نے تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے کہ دوسروں کے لفظ مت پکڑتے رہا کرو۔‘‘ حلیمہ کے سخت لہجے پر وہ منہ بسورتا سر جھکا گیا اور قلم گھسیٹنے لگا۔

’’کل میری صرف اکنامکس کی کلاس ہوئی باقی سارا دن کالج میں بے کار گزرے گا میں تو پہلے ہی چھٹی کرنے کے متعلق سوچ رہی تھی۔ عانی آپی! آپ چلی جایئے گا زبیدہ آنٹی کی طرف گھر کے کام میں دیکھ لوں گی۔‘‘ نرمین کمرے میں داخل ہوتے ہی پلنگ پر چڑھ کر بیٹھ گئی تھی۔

’’کوئی ضرورت نہیں چھٹی کرنے کی۔‘‘ عانیہ نے ڈپٹ کر کہا تھا اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

’’پورا دن فارغ گزرے گا مگر جو ایک کلاس ہوگی اس کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہے تمہیں؟ پتا ہے تم لوگوں کی پڑھائی پر کتنا خرچ ہوتا ہے؟ پیسہ کوئی درختوں پر تو لگتا نہیں ہے کہ درخت سے اتارے اور لٹا دیئے۔ پیسہ کمانے کے لئے محنت کرنا پڑتی ہے دیکھتی نہیں ہو امی، تیمور، ثانی اور شفق پورا مہینہ کتنی محنت کرتے ہیں پھر کہیں جا کر چند ہزار ہاتھ آتے ہیں اور ضرویات پوری ہوتی ہیں۔ کپڑے، کھانا پینا، تم لوگوں کی کتابیں، کینٹین کا خرچ...... گھر میں چاہے اچھی ہنڈیا نہ بنے مگر تم لوگوں کو کینٹین کا خرچ پورا ملتا ہے اور پھر بھی تمہیں ان لوگوں کی محنت کا احساس نہیں ہے چھٹیاں کر کر کے پیسہ اور ان لوگوں کی محنت گنواتی رہو۔‘‘

’’توبہ عانی! اب اتنا برا نقشہ بھی مت کھینچو۔‘‘ تیمور کو کچھ محسوس ہوا تھا اس نے چونک کر عانیہ کی جانب دیکھا اور چونکہ اپنی بولنے کی عادت کے تھا اسی لئے بول اٹھا۔ کچھ محسوسات الفاظ کے بار تلے اپنا تاثر کھو دیتے ہیں۔

’’اول تو یہ کہ چند ہزار ہاتھ نہیں آتے اللہ کا بڑا کرم ہے مہینہ اچھا خاصا کٹ جاتا ہے اور کچھ بچت بھی ہو جاتی ہے۔ دوئم یہ کہ یہ بے چاری کہاں چھٹیاں کرتی رہتی ہے۔ نرمین! ذرا سوچ کر بتاؤ اتوار کے علاوہ آخری چھٹی تم نے کب کی تھی۔‘‘

’’بہت سوچنا پڑے گا تیمور بھائی! کیونکہ کافی پرانی بات ہو چکی ہے۔‘‘ عانیہ کی یکدم جھاڑ نے اگر نرمین کا موڈ خراب کیا تھا تو تیمور کی حمایت نے اچھا بھی کر دیا تھا۔

’’تیمور ذرا مجھے یہ تو بتانا یہ جو اللہ کا بڑا کرم ہے وہ کہاں ہے، کون سا مہینہ اچھا خاصا کٹ جاتا ہے اور جو بچت ہوتی ہے وہ کہاں ہوتی ہے؟...... یہاں تو یہ حال ہے کہ ذرا ذرا سی ضرویات کے لئے من مارنا پڑتا ہے تمہیں پتا ہے میں نے آخری سوٹ کب بنایا تھا؟‘‘ اس کے لہجے میں تلخی اور دلگرفتگی تھی۔

تیمور نے بے اختیار سر پر ہاتھ رکھ لیا۔ شفق کڑھائی کے فریم پر جھک گئی۔ نرمین نے کتابوں میں منہ دے لیا۔

ثانیہ نے جھٹ پٹ اگلی رکعت کی نیت باندھی۔

لیکن تیمور اسی پوزیشن میں بیٹھا رہا صرف وہی تھا جو عانیہ کے سوال کا جواب دے سکتا تھا۔

’’مجھے کیسے پتا ہو سکتا ہے یہ تو سو سال پرانا ہے۔

آپ اسے رہنے دیں امی! یہ تو سوپ سیریل ہے ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔ زبیدہ آنٹی کی طرف میں چلا جاؤں گا آپ فکر نہ کریں، آفس سے ہاف ٹائم لے لوں گا۔'' وہ اطمینان سے بولا حلیمہ کو اس کی اوٹ پٹانگ باتوں کا احساس تھا وہ بات مکمل ہونے سے قبل ہی باہر جا چکی تھیں۔ عانیہ اپنی بات رد کیے جانے پر جھنجلائی بیٹھی تھی تڑخ کر بولی۔

''حد سے زیادہ زنانہ گفتگو میں دلچسپی لینے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ تم کسی بھی زنانہ محفل میں منہ اٹھا کر جا سکتے ہو۔''

''ہیں زنانہ محفل ہے؟...... میں تو سمجھ رہا تھا درس قرآن کی محفل ہے۔ پھر اب تو میں ضرور جاؤں گا۔''

شرمندہ ہونے کی بجائے وہ خود ساختہ جوش سے بولا تھا عانیہ نے جھنجلا کر تکیہ اسے کھینچ مارا جسے اس نے ہنستے ہوئے کیچ کر لیا تھا۔

☆......☆......☆

حنان اپنے کمرے سے نکل کر سیدھا ڈائننگ روم میں آیا تھا اسے کوئی سوچ درپیش تھی جس کا خاتمہ شمسہ، نشوا اور اسوہ کو دیکھ کر ہوا تھا۔ گو کہ پرواہ تو اسے کسی کی بھی نہیں ہوتی تھی مگر اس وقت وہ خاصا ہلکا پھلکا سا محسوس کر رہا تھا جیسے کوئی بڑی پریشانی ٹل گئی ہو۔

''گڈ مارننگ۔'' زندگی سے بھرپور آواز پر تینوں کی گردنیں اس کی طرف اٹھی تھیں اور آنکھوں میں ایک ساتھ تعجب چھلکا تھا کیونکہ یہ اسکے بیدار ہونے کی ٹائمنگ نہیں تھی۔ اپنی مرضی سے سوتا جاگتا تھا اور کھانے کے تین اوقات میں تو اسکی شکل کم ہی دکھائی دیا کرتی تھی۔

''بڑی زبردست اسمیل آرہی ہے لگتا ہے ولی بابا نے کوئی بہت خاص ڈش بنائی ہے۔'' کرسی پر دونوں ہتھیلیاں مضبوطی سے جمائے خوش گوار لہجے میں کہتا وہ خوشبو محسوس کر رہا تھا۔

''ولی بابا نے آج کچھ نہیں بنایا۔ بلکہ میں نے یہ آملیٹ پزا بنایا ہے۔ ٹیسٹ کر کے دیکھیں بہت مزے کا ہے۔'' نشوا نے اپنی حیرت پر سب سے پہلے قابو پایا تھا۔

''نہیں یار۔'' اس نے گلاس میں اورنج جوس انڈیلتے ہوئے کہا۔

''ایک تو موڈ نہیں ہے دوسرے میں ذرا جلدی میں ہوں۔'' اس نے گلاس لبوں سے لگا لیا۔

''جتنی دیر میں آپ یہاں کھڑے رہیں گے اتنی دیر میں تو ٹیسٹ بھی کر لیں گے۔'' گو کہ اس کے اور حنان کے درمیان بہن بھائیوں والی وہ مخصوص سی بے تکلفی نہیں تھی جس میں اصرار کر کے بات منوالی جاتی ہے لیکن کبھی کبھار جب حنان کا موڈ اچھا ہوتا تھا تو وہ یہ کوشش کر لیا کرتی تھی البتہ اسوہ کا معاملہ مختلف تھا وہ اور ہی طرح کے مزاج کی لڑکی تھی۔

''آل رائیٹ مگر یاد رکھو میں صرف تمہاری خاطر ٹیسٹ کر رہا ہوں۔'' شمسہ تو بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔ ماتھا بھی ٹھنکا آخر یہ معاملہ کیا ہے؟

وہ بغور اسے دیکھنے لگیں۔ ہمیشہ کی طرح بہت دل و جان سے تیار ہوا تھا۔ میرون شرٹ بلیک پینٹ اس پر خوب جچ رہی تھی چہرے پر تازہ شیو کا تاثر تھا۔ بہت اچھا ہیئر اسٹائل، مزاج نہایت خوشگوار، بیدار بھی جلدی ہو گیا تھا اور سب سے تعجب انگیز بات تو یہی تھی کہ نشوا

کی خاطر بیٹھ گیا تھا حالانکہ وہ کسی کی خاطر کبھی بھی کچھ نہیں کرتا تھا۔

مگر کچھ دیر کی بات تھی ان کی حیرت حنان کے اگلے جملے پر قہقہہ لگا کر غائب ہوگئی تھی۔

''حالانکہ میں واقعی جلدی میں ہوں کہیں پہنچنا ضروری ہے ممی! مجھے ٹین تھاؤزنڈز چاہئیں ابھی۔''

''ٹین تھاؤزنڈز؟'' وہ ایک حیرت سے نکل کر دوسری میں مبتلا ہوئیں۔

''ابھی لاسٹ ویک تو تم نے مجھ سے ٹوئنٹی تھاؤزنڈز لیے تھے ان کا کیا بنا؟''

''خرچ ہوگئے۔'' اس نے اپنی ازلی لاپروائی سے کندھے اچکا کر کہا۔

''میرے خدا! بیس ہزار تم نے ایک ہفتے میں خرچ کر ڈالے۔ آخر اتنے پیسوں کا تم نے کیا کیا؟'' گو کہ حنان کے اخراجات کبھی بھی کم نہیں رہے تھے مگر پھر بھی وہ متحیر تھیں کہ بظاہر کوئی ایسی خریداری بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

''آدھے نوٹ تو کشتیاں بنا بنا کر پانی میں بہا دیئے جو بچ گئے ان کی پتنگیں بنا کر اڑا دیں۔'' وہ جھلایا اور ہاتھ میں پکڑا چھری کانٹا میز پر پٹخ دیا۔

''فار گاڈ سیک ممی! آئی ایم ناٹ آ چائلڈ۔ آج کل کے پیرنٹس تو بچوں سے بھی ایک ایک روپے کا حساب نہیں مانگتے میں تو پھر بھی بچہ نہیں ہوں۔ سوسائٹی میں موو کرتا ہوں سو طرح کے اخراجات ہوتے ہیں جو مجھے پورا کرنے ہوتے ہیں۔ میرا سوشل سرکل آپ کو پتا ہے کتنا وسیع ہے؟''

''میں تم سے ایک ایک روپے کا حساب نہیں مانگ رہی بٹ ٹوئنٹی تھاؤزنڈز از ناٹ اسمال اماؤنٹ کہ ایک ہفتے میں ختم ہوگئی۔ بیس ہزار اور بیس روپے میں بہرحال فرق ہوتا ہے۔ اسوہ! وہ فرنچ ٹوسٹ کی ڈش پکڑاؤ۔''

شمسہ اپنی طرف سے حتی المقدور تحمل کا مظاہرہ کر رہی تھیں گو کہ خاصی سیخ پا ہو چکی تھیں۔ ایک تو حنان کے مطالبات پھر ہٹ دھرمی۔ وہ زچ ہو جاتی تھیں۔

''کم آن ممی کم سے کم آپ کو میرا اسٹینڈرڈ تو پتا ہونا چاہیے۔ ویسے بھی بیس روپے میں آتا کیا ہے۔'' اس نے چھری اٹھاتے ہوئے بیس روپے خرچ کرنے والوں کا مذاق اڑایا تھا۔

''جنہیں محنت کر کے بیس روپے ملتے ہیں انہیں پتا ہوتا ہے کہ بیس روپے میں کیا آتا ہے لیکن جنہیں باپ کی کمائی اڑانے کا شوق ہو انہیں کبھی پتا نہیں چلتا۔'' شمسہ کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔

جواب میں حنان نے بہت کاٹ دار نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

''میں تو ایسے لوگوں کو بہت لکی سمجھتا ہوں کیونکہ انہیں میرے جیسے حالات کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ یہاں تو یہ حال ہے کہ انتہائی ضرورت کے لیے بھی ہاتھ پھیلانا پڑتا ہے۔''

"پہلی بات تو یہ کہ ہاتھ تمہیں اپنی فضول خرچی کی وجہ سے پھیلانا پڑتا ہے حالانکہ تمہیں اچھی خاصی پاکٹ منی ملتی ہے۔ مہینہ ختم ہونے سے پہلے جہانگیر تمہارا اکاؤنٹ ری چارج کروا دیتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ ابھی تم نے کہا تم بچے نہیں ہو..... تو جب انسان بچہ نہیں رہتا اور بڑا ہو جاتا ہے تو اسے اپنی ضروریات زندگی کے لئے کمانا پڑتا ہے۔ تم ماشاءاللہ بہت ذہین ہو سوچتے بھی ہو تو میرا خیال ہے تمہیں اس بارے میں بھی سوچنا چاہیے۔" شمسہ جیسے تھک ہار کر بنا کسی لاگ لپیٹ کے بول رہی تھیں۔ حنان چند لمحے ان کی جانب دیکھتا رہا اسے امید تھی ممی کچھ پس و پیش کریں گی مگر اس قدر بحث کی امید بہرحال نہیں تھی۔

"پہلی بات تو یہ کہ میں بچہ نہیں ہوں مگر ابھی میری عمران جھنجھٹوں میں پڑنے کی بھی نہیں ہے، پھر میرے باپ کی کمائی اتنی ہے کہ میں اگلے بیس سال تک بھی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ سکتا ہوں۔ دوسری بات آج چودہ تاریخ ہے اور میرا اکاؤنٹ خالی پڑا ہے۔ اس کے بعد یہ اندازہ لگانا کہ پاکٹ منی کے نام پر مجھے کیا دیا جاتا ہے مشکل نہیں ہے۔"

"واہ بہت خوب چھبیس سال کی عمر "جھنجھٹوں" میں پڑنے کے لئے واقعی کافی کم ہوتی ہے۔"

"ممی! پلیز جب میرے باپ کی کمائی للو پنجوؤں پر لٹائی جا سکتی ہے تو میرا خیال ہے آپ میری بات سمجھ رہی ہیں۔"

اسی وقت جہانگیر لاشاری ڈائننگ روم میں داخل ہوئے تھے۔ پیچھے زلفی بریف کیس ہاتھ میں لیے چلا آ رہا تھا۔

"واٹ آ پلیزنٹ سرپرائز۔ آج حنان بریک فاسٹ پر ہمارا ساتھ دے گا اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔"

وہ حنان کو دیکھ کر خوشگواری سے بولے تھے مگر اگلے ہی پل سب کی غیر معمولی خاموشی اور شمسہ اور حنان کے تنے ہوئے چہروں نے انہیں چونکا دیا تھا۔

"اینی پرابلم؟" وہ کرسی گھسیٹ پر بیٹھ گئے۔

"پرابلم تو ہے بہت ہی مستقل قسم کی پرابلم۔ کم سے کم میرے لیے تو عمر بھر کا سر درد لیکن اس وقت جو بھی بات ہے وہ میری اور ممی کی ہے۔" وہ بہت بدلحاظی سے بولا تھا۔

"ممی پھر آپ مجھے دے رہی ہیں یا میں جاؤں؟"

"حنان! تم یہاں سے جاؤ میں نے سوچ لیا ہے میں اب تمہیں ایک روپیہ نہیں دوں گی۔" شمسہ کا تحمل جواب دے گیا تھا۔

"سوچ لیجیے..... اچھی طرح۔" وہ سرد مہری سے بولا اور اس کا یہ دھمکاتا ہوا انداز شمسہ کو مزید بھڑکا گیا۔

"بہت سوچ لیا خوب اچھی طرح سے۔"

حنان فیصلہ کن انداز میں شمسہ کی جانب دیکھتا رہا پھر دروازے کی جانب بڑھا۔

"ایک منٹ حنان۔" جہانگیر لاشاری کی پکار پر اس نے قدم روک دیے البتہ پلٹا نہیں۔

"تمہیں کتنے پیسے چاہئیں۔" حنان نے پلٹ کر تنفر بھری نظر شمسہ پر ڈالی اور نروٹھے پن سے بولا۔

''ٹین تھاؤزنڈز۔''

''ٹھیک ہے...... یہ تم مجھ سے لے لو۔'' جہانگیر لاشاری نے والٹ سے نکال کر نوٹ اس کی جانب بڑھائے۔ شمسہ دم بخود لاشاری کو دیکھ رہی تھیں۔

''مجھے آپ سے روپے نہیں چاہئیں۔ مجھے ممی سے چاہئیں۔'' اس نے پہلے کی سی ٹون میں کہا۔ جہانگیر لاشاری کے چہرے پر سے ایک تاریک سایہ گزر گیا۔

''شمسہ۔''

شمسہ لاتعلقی اختیار کر کے اپنی پلیٹ پر جھک چکی تھیں۔ اس پکار میں حکمیہ تاثر تھا تب ہی سر اٹھا کر خفگی بھری نظر جہانگیر لاشاری پر ڈالی اور نوٹ ان کے ہاتھ سے لے کر حنان کی طرف بڑھا دیئے یوں جیسے کوئی کام بہت مجبوری میں کیا جاتا ہے۔

حنان نے احسان کرتے ہوئے رقم تھامی اور بنا کچھ کہے باہر نکل گیا۔

''پاپا! آپ مجھے آج کالج ڈراپ کر دیں گے۔''

حنان کے جانے کے بعد جو غیر معمولی اور بوجھل خاموشی پھیل گئی تھی اسے اسوہ نے توڑا تھا ورنہ تو بس کٹلری کی آپس میں ٹکرانے کی آواز باقی رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

''واہ میرے مولا...... سمجھ نہیں آتی تجھ سے شکوہ کروں یا تیرا شکریہ ادا کروں؟ کہاں تو کل صبح سے گندم کا ایک دانہ بھی میرے اندر نہیں گیا اور کہاں تو نے یہ من وسلویٰ بھجوا دیا۔ شکریہ منی تم ابھی بھی نہ آتیں تو میں نے بھوک سے بے ہوش ضرور ہو جانا تھا۔''

مارے نقاہت کے اس کا برا حال تھا مگر اپنے لیے استہزائیہ ہنسی ہنسنا وہ نہیں بھولی تھی۔ منی کا دل دکھ سے بھر گیا۔ وہ بہت ترحم و ہمدردی سے گل بانو کے نڈھال وجود کو دیکھ رہی تھی۔ صورتحال اس کی سوچ سے زیادہ خراب ثابت ہوئی تھی۔

جس جھگڑے کا ذکر عائشہ نے اس سے کیا تھا وہ یقیناً معمولی نوعیت کا نہیں تھا۔ گل بانو کے ماتھے پر بندھی پٹی اس بات کی گواہ تھی۔

وہ جا کر باورچی خانے سے ایک چمچہ اور پانی کا گلاس لے آئی سارے گھر میں آج غیر معمولی سناٹا تھا۔ سکینہ بھابھی اور ان کے دونوں بچے دکھائی نہیں دے رہے تھے اور حیرت انگیز طور پر گل بانو بھی نیچے صحن میں موجود تھی ورنہ اس بے چاری کا مستقل ٹھکانہ تو اوپر تھا۔

''سکینہ بھابی کہاں ہیں؟'' گل بانو کو رغبت سے کھاتا دیکھ کر اس نے پوچھا۔

''اپنے میکے گئی ہیں۔'' جانے کیوں منی کو محسوس ہوا تھا کہ منہ میں رکھا نوالہ اس کے حلق میں پھنسا ہے اس لیے پانی کا گھونٹ بھر کر جواب دیا تھا۔

''اور آپ کے ماتھے پر کیا ہوا ہے؟''

''میں سیڑھیوں سے پھسل گئی تھی اوندھے منہ گری تو اینٹ ماتھے پر لگ گئی۔'' اس کی آواز دھیمی تھی۔ منی نے چاہا خاموش رہے مگر جس عمر میں بھی اس عمر کی جذباتیت کبھی خود کو تو کبھی دوسروں کو بڑا شرمندہ کرواتی ہے۔

''مجھے عائشہ نے بتایا آپ کا اور سکینہ بھابھی کا جھگڑا ہوا ہے۔'' گل بانو کو یقیناً اس سے اس بات کی توقع نہیں تھی۔ بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی اور اگلے ہی پل پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

منی کو افسوس ہوا بلاوجہ بھرم توڑا۔ اپنی آنکھیں بھی بھر آئیں تو محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''اب کیا مصیبت آئی تھی؟'' اس نے پوچھا۔

''جب میں پچھلی طرف کے کمرے میں سوتی تھی تو اپنوں نے زبردستی میرا سامان اوپر رکھوا دیا تاکہ میں ان کے ملنے ملانے والوں سے نہ مل سکوں۔ اب اوپر رہتی ہوں تو تب بھی انہیں اعتراض ہے کہ اکیلے کمرے پر قبضہ کر لیا ہے...... تم خود بتاؤ منی پھر میں کہاں جاؤں؟ میرا تو اور کوئی ٹھکانہ نہیں ہے مجھ پر تو اللہ کو بھی ترس نہیں آتا کہ مجھے اپنے پاس بلا لے۔ روزانہ ہزاروں لوگ مرتے ہیں کسی کی دماغ کی نس پھٹ گئی، کسی کو کوئی حادثہ پیش آ گیا۔ ان ہزاروں لوگوں میں سے کسی روز ایک میں بھی تو ہو سکتی ہوں۔'' وہ بہت بے بسی و لاچاری سے کہہ رہی تھی۔

''اللہ نہ کرے آپ کو کچھ ہو۔'' اس نے دہل کر کہا۔

''نہیں منی! یوں مت کہا کرو یوں کہا کرو کہ مجھے کچھ ہو جائے شاید اسی طرح سکینہ بھابھی اور اجمل بھائی کو سکون آ جائے گا۔ کل جب بھابھی نے اسی بات پر واویلہ کیا تو اجمل بھائی خاموشی سے کمرے سے چلے گئے۔''

''حالانکہ انہیں بھابھی کو روکنا چاہیے تھا۔'' اس نے پھر لب کشائی کی گل بانو کے آنسوؤں سے تر چہرے پر مجروح سی ہنسی بکھر گئی۔

''وہ کیوں روکتے؟...... انہیں تو میں تب سے بری لگتی ہوں جب سے پیدا ہوئی ہوں اور لوگوں کی طرح وہ بھی مجھے ہمارے بابا کی موت کا ذمہ دار سمجھتے ہیں اور برملا کہتے ہیں کہ میں منحوس پیدا ہوتے ہی اپنے باپ کو کھا گئی۔ غلطی میری نہیں میری تقدیر کی ہے پھر بھی مجھے الزام دیا جاتا ہے۔ کتنی غلط بات ہے۔ تم اتنا اچھا کھانا لائی ہو اور میں غیر ضروری باتیں لے کر بیٹھ گئی۔ کھانا اچھے طریقے سے نہ کھایا جائے تو بے برکتی و بے حرمتی ہوتی ہے کھانے کی۔ تم نہیں کھاؤ گی۔'' اس نے بہت اچانک ہی بات پلٹ دی تھی مگر منی کا کم عمر ذہن و دل بہت سی باتوں میں الجھا تھا۔ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

''اب تو سچ بتا دیں یہ چوٹ سیڑھیوں سے گر کر نہیں لگی نا۔'' جانے کیوں اسے شک سا تھا۔

''سچ جان کر کیا کرو گی۔'' گل بانو نے تذبذب سے کہا۔

''یقین آ جائے گا کہ آپ مجھے اپنا سمجھتی ہیں اور مجھ سے کچھ چھپاتی نہیں ہیں۔'' اس کے انداز میں بچپنا اور ضد تھی۔ گل بانو نے مسکرا کر بڑے پیار سے اس کے گال کو چھوا۔

"تم سے صرف اس لیے چھپاتی ہوں تاکہ سچ جان کر تمہیں تکلیف نہ ہو ورنہ تم سے زیادہ میرا اپنا اب اور کون ہے؟"

"آپ کی یہ حالت دیکھ کر مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ پتا نہیں کیا کیا راز اپنے اندر چھپائے بیٹھی ہیں، کبھی بانٹ لیں تو سکون آ جائے گا آپ کو۔"

"سکون۔" وہ ہنسی۔ "وہ نہیں مل سکتا۔ بڑے شوق سے ہم نے کسی کو دان کیا ہے اور دان کی ہوئی چیز نہ واپس دی جاتی ہے نہ لی جاتی ہے۔"

"کیا کہہ رہی ہیں؟ ایک تو آپ اتنی آہستہ آواز میں بات کرتی ہیں کہ مجھے سمجھ نہیں آتی۔" وہ جھنجھلائی۔ گل بانو چونکی۔

"کیا پوچھ رہی تھیں تم؟" منی کو جیسے اس کی بے خبری نے زچ کیا تھا۔

"چوٹ کیسے لگی؟...... مجھے پتا ہے آپ سیڑھیوں سے نہیں گری تھیں۔" اس نے پر یقین لہجے میں کہا۔

"نہیں میں سیڑھیوں سے ہی گری تھی البتہ۔" وہ جھجک کر چپ ہو گئی، منی کا جذبہ ہمدردی اور تجسس عروج پر تھا۔

"البتہ۔"

"البتہ...... مجھے سیڑھیوں سے دھکا سکینہ نے دیا تھا۔" گل بانو نے نظریں جھکا کر جیسے اپنی غلطی کا اعتراف کیا تھا۔ منی دنگ رہ گئی۔

وہ دم بخود گل بانو کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

کاٹن کے نیلے لباس میں اس کی رنگت بے حد زرد دکھائی دے رہی تھی۔ گالوں پر آنسوؤں کی لکیریں تھیں۔ وہ بے بسی سے لب چبا رہی تھی۔

"سکینہ بھابھی نے اتنی بڑی حرکت کی اور اجمل بھائی نے انہیں کچھ بھی نہیں کہا؟"

بنیادی سوال نے فوراً اس کے ذہن پر دستک دی تھی۔ ذہنی حالت تو اس مقام پر تھی کہ یوں لگتا تھا گویا سکینہ بھابھی اسے سیڑھیوں سے دھکا دے رہی ہوں۔

یا اللہ! کوئی اتنا سنگ دل کیسے ہو سکتا ہے؟ یہاں تو یہ عالم ہے اپنی وجہ سے کسی کو ٹھوکر تک لگ جائے تو کئی روز ملال نہیں جاتا۔

سکینہ بھابھی نے اتنا "حوصلہ" کیسے پیدا کیا ہوگا؟

گل بانو کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"وہ انہیں "کچھ" کیوں کہتے؟ اجمل بھائی کو تو ساری بات کا علم ہی نہیں۔"

اس نے ہاتھ کی پشت سے بار بار امڈتے آنسو پونچھے۔

"گھر میں اتنی بڑی بات ہو گئی اور انہیں پتا نہیں۔" منی کو پھر حیرت کا جھٹکا لگا۔ اس حیرت میں ناگواری و ناپسندیدگی بھی شامل تھی۔

"آپ کا سر یہاں سے وہاں تک پھٹ گیا، اتنی بڑی پٹی بندھ گئی، سکینہ بھابھی اچانک میکے چلی گئیں اور آپ کہتی ہیں وہ ابھی

بھی لاعلم ہیں۔ کمال ہے، کیا انہوں نے یہ پٹی دیکھ کر بھی نہیں پوچھا کہ چوٹ کیسی لگی؟''

''نہیں۔'' وہ سر جھکائے بول رہی تھیں جیسے گناہوں کا اعتراف کر رہی ہو۔

''کیونکہ سکینہ بھابھی نے انہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ میں نے خود کو مظلوم ثابت کرنے کے لیے اپنا سر دیوار سے پھوڑ لیا ہے۔''

منی ششدر رہ گئی۔ بہت دیر تک وہ کچھ بول ہی نہ سکی۔ جیسے گویائی سلب ہو گئی ہو۔ اف توبہ اتنا جھوٹ، ایسی سفاکی۔ سکینہ بھابھی کیا چیز ہیں آپ؟

''بڑی پرانی بات ہے، ہمارے تو بزرگ بھی کہتے کہتے چلے گئے۔

ظالم تب تک طاقتور ہوتا ہے جب تک مظلوم اس کا ظلم سہتا رہتا ہے، جب سکینہ بھابھی، اجمل بھائی سے غلط بیانی کر رہی تھیں تو آپ کو انہیں صحیح بات بتانا چاہیے تھی۔ ایسے صبر کا فائدہ جس میں سراسر نقصان ہو۔'' اس کا لہجہ بہت تلخ تھا۔

گل بانو اس کی انتہائی سنجیدگی پر کھلکھلا کر ہنس دی اور انتہائی محبت سے اس کا سر تھپتھپا کر بولی۔

''تم بہت معصوم ہو منی!''

''معصوم ہوں مگر بزدل نہیں۔'' منی اس کی بات کاٹ کر شاکی لہجے میں بولی۔

''سکینہ بھابھی آپ کے ساتھ اتنا برا سلوک کرتی ہیں اور آپ اجمل بھائی سے شکایت بھی نہیں کرتیں، قسم سے میں آپ کی جگہ ہوتی تو اس گھر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتی۔ جو میرا سکون برباد کرے ان کا حشر بگاڑ دیتی۔''

''اللہ نہ کرے کہ تمہیں مجھ جیسی زندگی گزارنا پڑے۔ سوچ سمجھ کر بولا کرو۔''

گل بانو نے ڈپٹ کر کہا تو وہ چند لمحے اس شاکی نظروں سے گھورتی رہی پھر کھڑی ہو گئی اور تڑخ کر بولی۔

''میں سوچ سمجھ کر بولا کروں گی مگر آپ نے جو ''نہ بولنے'' کی قسم کھائی ہے اسے کبھی نہ توڑیئے گا او ورنہ ''بولیے'' گا۔ گناہ ہوتا ہے بولنے سے۔''

وہ تیز تیز قدم اٹھاتی دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

''برتن شام کو آ کر لے جانا۔''

منی ان سنی کرتی گھر کی دہلیز عبور کر گئی۔ اس کے ذہن و دل اس وقت سخت کھولن کی زد میں تھے۔

☆......☆......☆

ساڑھے نو بجے کا عمل رہا ہوگا۔

جہانگیر لاشاری بہت فرصت سے بیڈ پر نیم دراز کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے، جب شمسہ کمرے میں داخل ہوئیں۔ ان کے ہاتھ میں بہت خوبصورت چھوٹی سی ٹرے تھی جسے انہوں نے بیڈ کی سائڈ ٹیبل پر رکھ دیا تھا اور خاموشی سے وارڈروب کی جانب بڑھ گئی تھیں۔

جہانگیر لاشاری نے گلاسز کے اوپر سے ایک ترچھی سی نظر مگ پر ڈالی پھر شمسہ کی جانب دیکھا۔ وہ تقریباً پوری کی پوری وارڈ روب کے اندر سمائی ہوئی تھیں۔

وہ کچھ سوچتے ہوئے شمسہ کی پشت کو دیکھتے رہے۔ رفاقت کو اتنا عرصہ گزر چلا تھا کہ اب ہر ہر انداز سمجھ میں آنے لگا تھا۔ وہ نہ صرف شمسہ کی خاموشی کو محسوس کر رہے تھے بلکہ اس معنی خیز خاموشی کے اسباب سے بھی واقف تھے۔ مگر بہر حال بات کا سرا کہیں سے تو پکڑنا ہی تھا۔

''شمسہ۔'' انہوں نے دھیرے سے پکارتے ہوئے نظریں پھر سے کتاب کے صفحات پر مرکوز کیں۔

''جی!''

''کیا بات ہے؟ کوئی مسئلہ، پریشانی ہے؟ اتنی خاموش کیوں ہو؟''

''میں خاموش ہوں یہ پتا ہے، کیوں خاموش ہوں یہ نہیں پتا۔ کمال صاحب۔''

''جب تک بتاؤ گی نہیں کیسے پتا چل سکتا ہے۔'' جہانگیر لاشاری نے کتاب بند کر کے اپنی سیدھی پھیلائی ہوئی ٹانگوں پر رکھ لی اور مسکراتے ہوئے بولے۔

''اب بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟ اندازہ لگانے کو کہو گی تو بہت وقت ضائع ہو جائے گا، یوں بھی سارا دن آفس میں سر کھپانے کے بعد ذہن اس وقت بہت سکون چاہتا ہے۔'' انہوں نے مگ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔

''چلیں رہنے دیں، کوئی ایسا بڑا مسئلہ تو نہیں ہے کہ کل کا سورج ہی نہ نکلے۔ آپ کو واقعی سکون چاہیے آرام کیجیے۔ اصل میں مجھے ہی احساس کرنا چاہیے۔'' شمسہ نادم سے لہجے میں بولیں۔

''اب اتنا کونشس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تھکا ہوا ضرور ہوں مگر اتنا بھی نہیں کہ بیوی کی پریشانی بھی شیئر نہ کر سکوں۔ یہاں آ کر بیٹھو اور تفصیل سے بتاؤ کیا معاملہ ہے؟''

شمسہ وارڈ روب بند کر کے بیڈ پر آ بیٹھیں۔ البتہ خاموش رہیں۔ جہانگیر لاشاری بغور ان کے تاثرات کا جائزہ لے رہے تھے۔

''شمسہ! حنان کی وجہ سے پریشان ہو؟'' جہانگیر لاشاری نے قیاس آرائی کی۔

''اب کیا کر دیا اس نے؟''

''اس کی تو عادت ہے کچھ نہ کچھ کرتا ہی رہتا ہے۔'' شمسہ الٹا بولیں۔

''مگر آج مجھے آپ سے شکایت ہے آپ کو اسے پیسے نہیں دینے چاہیے تھے۔ بچہ تو وہ رہا نہیں کہ ہم اس کی بے جا ضدیں مانتے رہیں۔ ہمارے ہی سرکل میں کتنے ایسے لڑکے ہیں جو اس کے ہم عمر ہیں اور پورا کاروبار سنبھالے بیٹھے ہیں۔ زیادہ دور کیوں جائیں شاہ نواز کو ہی دیکھ لیجیے۔ حنان کا ہی ہم عمر ہے مگر ماشاء اللہ کتنی ذمہ داری ہے اس کی طبیعت میں، میری بڑی خواہش ہے کہ حنان کو بھی اسی ذمہ دار

روپ میں دیکھوں مگر خیر، آپ کو پتا ہے جب آپ میری بات رد کر کے اس کی ضد پوری کرتے ہیں تو یہ چیز اسے کس قدر شہ دیتی ہے۔''

ان کی آنکھوں اور لہجے میں پھر سے خفگی جھلکی تھی۔

''میرا مقصد تمہیں شرمندہ کرنا نہیں تھا شمسہ۔''

''میں نے یہ کب کہا۔'' شمسہ نے جلدی سے کہا۔ انہیں جہانگیر کا وضاحت دینا کبھی بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔

''میں تو صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ میں جب بھی اس کی سرکشی کو قابو کرنے کی کوئی معمولی سی بھی کوشش کرتی آپ اس کی ڈیمانڈ پوری کر کے بڑھاوا دے دیتے ہیں۔''

''میرا مقصد کبھی بھی اس کی سرکشی کو بڑھاوا دینا نہیں رہا۔ میں تو صرف یہی چاہتا ہوں کہ کہیں ہمارا بیٹا ہم سے مایوس ہو کر کوئی غلط راستہ اختیار نہ کر لے۔ زیادہ سوچنے کی عادت بھی تو نہیں ہے اسے۔''

''اب تک ہم یہ سوچتے اور کرتے رہے ہیں مگر اس کا کیا فائدہ ہوا؟ الٹا نقصان ہی ہوا ہے۔ اس کی ہٹ دھرمی دن بہ دن بڑھ رہی ہے اور یہ جو اخراجات بڑھا لیے ہیں اس نے تو مجھے یقین ہے ہو نہ ہو، وہ ضرور کسی غلط سرگرمی میں ملوث ہے۔''

شمسہ نے اپنے بدترین خدشے کا بالآخر اظہار کر ہی دیا۔

''لاحول ولاقوۃ۔'' جہانگیر لاشاری نے جھنجھلا کر خالی مگ سائڈ ٹیبل پر پٹخا۔

''کیوں بے بنیاد وہم پال رہی ہو شمسہ! میں مانتا ہوں کہ حنان ضدی ہے، ہٹ دھرم ہے مگر بے وقوف بہرحال نہیں ہے کہ کسی بھی کام سے اپنی ذات کو پہنچنے والے فائدے نقصان کا تعین نہ کر سکے۔ آج کل کے لڑکوں کا حال معلوم ہے تمہیں؟ اپنی ایسی علتوں میں پڑے ہیں کہ ہماری عمر کا انسان سوچتے ہوئے بھی گھبرائے اس حساب سے تو ہمیں خوش ہی ہونا چاہیے کہ ہمارا بچہ بہت سی برائیوں سے بچا ہوا ہے۔''

''کون جانے!'' شمسہ نے گہری سانس بھر کر دلگرفتگی سے کہا۔

''جتنا پیسہ وہ ہفتے کے حساب سے اڑا رہا ہے اتنا اگر کسی مثبت کام پر خرچ ہو رہا تو رزلٹ بھی جلدی دکھائی دے جاتا ہے مگر......''

شمسہ کی مایوسی کی کوئی حد نہ تھی۔ ایک ایک خدشہ آنکھوں کے سامنے مجسم ہو کر ناچ رہا تھا۔

''شمسہ۔'' جہانگیر لاشاری نے محبت سے ان کا ہاتھ تھام لیا اور تسلی آمیز انداز میں تھپکنے لگے۔

''حنان کی بات پر بھی غور کرو۔ میں تو دل سے مانتا ہوں جس طرح کی ہماری کلاس ہے اس میں یہ توقع کرنا کہ خرچ کم ہو گا ناممکن ہی ہے۔ ینگ جنریشن کے اخراجات تو لامحدود ہوتے ہی ہیں مگر میں تمہاری تسلی کے لیے حنان کی تمام ایکٹوٹیز کی ڈیٹیل معلوم کروا لیتا ہوں۔ اگر وہ کسی غلط ایکٹوٹی میں ملوث نہیں ہے جس کا مجھے یقین ہے تو پھر خیر ہے، ہمیں پریشان نہیں ہونا چاہیے کہ ہمارا بیٹا کتنا ''خرچ'' کر رہا ہے یا کیسے خرچ کر رہا ہے۔ جو کچھ بھی میں کما رہا ہوں آخر وہ سب کس کے لیے ہے؟ اگر میرے بچوں کے کام ہی نہ آ سکے تو پھر فائدہ

ایسے کاروبار اور پیسے کا جتنا کچھ بھی ہے وہ ہمارے بچوں کا ہی تو ہے......اور تمہیں یہ شکایت ہے نا کہ حنان غیر ذمہ دار ہے تو بھئی ہم کون سا پیدا ہوتے ہی ذمہ دار ہو گئے تھے۔ جتنی دیر وہ لائف انجوائے کرنا چاہتا ہے کر لینے دو۔ آج نہیں تو کل اسے ہی کاروبار سنبھالنا ہے پھر جب تک میں ہوں اسے پریشان ہونے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ انسان غیر ذمہ دار بھی تب تک ہوتا ہے جب تک اسے یہ پتا ہوتا ہے کہ سنبھالنے والے ذمہ دار ہاتھ موجود ہیں۔''

''آپ بہت اچھے ہیں جہانگیر! کاش آپ کی اس اچھائی کو حنان بھی پا جاتا۔'' شمسہ کے لہجے میں عجب شرم ساری تھی۔

''آپ نے ہماری اچھائی کو پا لیا۔ اتنا ہی بہت ہے۔'' جہانگیر لاشاری ہنس دیئے۔

''کتنی محبت اور اپنائیت دی ہے آپ نے اسے اور بدلے میں وہ آپ کو کیا دیتا آ رہا ہے، سوائے بدتمیزی اور ذہنی پریشانی کے۔''

''ایک بات میں کلیئر کر دوں۔ ماں باپ کی محبت کبھی بھی مشروط نہیں ہوتی۔ جس محبت و اپنائیت کی بات تم کر رہی ہو وہ تو حنان کا حق ہے۔''

جہانگیر لاشری کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی جس نے شمسہ کو چند لمحوں کے لیے خاموش کروا دیا تھا۔

''جن کے حقوق پورے ہوتے ہیں انہیں فرائض بھی ادا کرنا چاہئیں۔''

شمسہ آج کسی نتیجہ پر پہنچنا چاہتی تھی تب ہی جھجکتے ہوئے بولیں۔

''شمسہ! یہ خاصی لمبی بحث ہے۔ مختصراً اتنا کہوں گا کہ حنان بھی اپنی ذمہ داریوں اور فرائض سے غافل نہیں ہے بس اس کی طبیعت کا بچپنا ابھی ختم نہیں ہوا۔ جب مناسب وقت آئے گا تو ہر چیز خود بخود اپنے صحیح مقام پر آ جائے گی اور آپ کی ہر شکایت ختم ہو جائے گی بس حنان کو کچھ وقت چاہئے۔ بہت وقت ہو گیا اب سو جانا چاہیے اور دیر ہوئی تو صبح بے دار ہونا مشکل ہو جائے گا۔'' جہانگیر لاشاری جیسے ساری گفتگو سمیٹ کر واش روم کی طرف چلے گئے اور شمسہ وہیں بیٹھی سوچ رہی تھیں۔

''نجانے آپ کتنی خوش گمانی میں جی رہے ہیں جہانگیر! حنان سے اتنی توقعات وابستہ کر رکھی ہیں اللہ کرے پوری ہو جائیں۔ چاہے دیر سے سہی۔''

☆......☆......☆

عانیہ سو کر اٹھی تو موسم کی دلفریبی کا احساس ہوا۔

سیاہ و سرمئی رنگ کے ڈھیر سارے بادل، زمین و آسمان کا بدلا ہوا رنگ، معطر ہوا اور انتہائی باریک بوندوں کی سرسراتی ہوئی چادر۔

''ہائے اللہ! بارش ہو رہی ہے۔'' انتہائی جوش و خوش گوار لہجے میں اس نے خاصی بلند آواز میں کہا تھا۔

''نہیں آسمان کو پسینہ آ رہا ہے''۔

یہ جواب وہیں سے آیا تھا جہاں سے عموماً اسی قسم کے جوابات آیا کرتے تھے۔ تیمور صحن کے عین وسط میں سادھوؤں کی طرح بیٹھا بھیگ رہا تھا۔ آنکھیں بند تھیں اور چہرہ قدرے آسمان کی جانب اٹھا ہوا تھا جبکہ دونوں ہاتھوں سے شیخ صاحب کو گود میں دبوچ رکھا تھا۔

عانیہ نے اس بے تکے جواب پر اسے گھور کر دیکھا اور اگلے ہی پل ہنس دی۔

اتنا زبردست موسم اور پھر خواب کی سحر انگیزی۔

اسے لگتا تھا ابھی تک وہ اسی خواب کی قید میں ہے جس سے کچھ دیر قبل ہاتھ چھڑوا کر بمشکل آنکھیں کھولی تھیں۔

وہ وہیں برآمدے کے فرش پر بیٹھ گئی اور برستی بوندوں کو دیکھنے لگی۔ شہتوت کے پتوں کے جھونکوں میں موتیے کی دلفریب مہک سی تھی جو بارش کے پردے پر بار بار سلوٹیں ڈال دیتی تھی۔

اس کا دل چاہا بوندوں کی نمی کو اپنے وجود پر محسوس کرے مگر تیمور کی موجودگی اسے باہر جانے سے روک رہی تھی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو یقیناً وہ اس بات پر جھنجھلاتی مگر اس وقت بہت سکون سے بازو پھیلا کر اپنی ہتھیلی سامنے پھیلا دی۔

ننھے ننھے موتی اس کی ہتھیلی پر گر کر ٹوٹتے اور پھیل جاتے تھے۔ وہ دلچسپی سے انگلیوں کے کناروں سے بہتے پانی کو دیکھنے لگی۔

کسی دلفریب خیال نے لبوں پر نرم سی مسکراہٹ بکھیر دی۔

''عانی۔''

''ہوں۔'' اس نے مگن انداز میں کہا۔

''تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟''

''ہاں......لیکن یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟'' اس نے الجھ کر تیمور کی جانب دیکھا۔

''پچھلے پندرہ منٹ سے میں دیکھ رہا ہوں تم مسکرا رہی ہو۔ مسکرا رہی ہو اور مسکرا رہی ہو۔ اتنا تو تم عید کے عید بھی نہیں مسکراتیں۔'' گو کہ اس نے غلط بیانی کی انتہا کرتے ہوئے تشویش کا اظہار کیا تھا مگر اس کی غیر سنجیدگی آنکھوں سے مکمل طور پر عیاں تھی۔

عانیہ اپنی عادت کے مطابق برا ماننے کی بجائے ہنس دی۔ اس کی ہنسی میں قدرے کھسیاہٹ تھی۔

''جھوٹ کی بھی کوئی حد ہوتی ہے تیمور اور مسکرانا خوش اخلاقی کی علامت ہے اور سب جانتے ہیں میں تو بچپن سے ہی بہت خوش اخلاق ہوں۔'' اس نے بڑی ڈھٹائی سے کندھے اچکا دیئے۔

''توبہ استغفار۔'' تیمور آنکھیں پھیلا کر باقاعدہ کانوں کو ہاتھ لگانے لگا۔

''اتنا بڑا جھوٹ......وہ بھی ایسے موسم میں۔ اللہ کرے آسمانی بجلی نے نہ سنا ہو ورنہ ابھی اس کھلے جھوٹ پر غش کھا کر یہیں کہیں گر پڑے گی۔ میں تو گرنے لگا ہوں۔''

''ٹھیک ہے تم گر جاؤ میں پکوڑے بنانے جا رہی ہوں پلیز کھانے بھی مت اٹھنا۔''

''دل خوش کیتا اے بادشاہو! سبز چائے بھی بنا لینا تا کہ اس اچانک برسنے والی بارش کا لطف دوبالا ہو جائے۔'' تیمور نے پیچھے سے آواز لگائی تھی۔ وہ ہنستی ہوئی کچن میں آ گئی اور پکوڑوں کا آمیزہ تیار کرنے لگی۔

''عانی! گوشت موجود ہے گھر میں یا نہیں۔'' کچھ دیر بعد امی کچن میں داخل ہوئی تھیں۔ وہ جو ذہنی طور پر کہیں اور ہی پہنچی ہوئی تھی یکدم چونک کر ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

''کون سا گوشت پوچھ رہی ہیں؟ بڑا یا چھوٹا؟''

''نہیں بڑا یا چھوٹا۔ مرغی کا ہے؟ اگر نہیں ہے تو بتا دو تیمور سے منگوا لیتی ہوں۔''

وہ ایک کیبنٹ کھول کر دیکھ رہی تھیں۔

''جی ایک پیکٹ رکھا ہے فریزر میں۔''

''چلو اچھی بات ہے۔'' انہوں نے جیسے سکون کا سانس لیا، پھر بولیں۔

''شفق کڑاہی بنا لے گی، یہ سوجی میں نے نکال دی ہے تم تھوڑا سا حلوہ بنا لو۔''

''خیر اتنی تیاری کس سلسلے میں ہو رہی ہے امی! ثانی کو دیکھنے کوئی آ رہا ہے کیا؟''

چونکہ آج کل وہی سلسلہ چل رہا تھا اس لیے سب کا پہلا خیال جو اس کے دل میں آیا کہہ دیا کیونکہ ''چکن کڑاہی'' جیسی عیاشی گھر میں بہت کم یا خاص خاص موقعوں پر ہی ہوتی تھی۔

''نہیں، اس سلسلے میں کوئی نہیں آ رہا البتہ ثانی کا فون آیا تھا، بارش کی وجہ سے وہ بس اسٹاپ سے سیدھی تمہارے چچا کی طرف چلی گئی تھی، کہہ رہی تھی ک بارش رکتی ہے تو عادل یا بازل میں کوئی آ جائے گا۔ مغرب کی اذان تو ہونے والی ہے ادھر سے جو کوئی بھی ثانی کے ساتھ آئے گا اسے بنا کھانا کھائے جانے دینا مناسب نہیں لگتا۔ میں اپنے حساب سے مرغی کے گوشت کا کہہ رہی ہوں کیونکہ دوسرا گوشت تو عادل کھاتا نہیں ہے۔'' انہوں نے اپنی طرف سے واثق یقین کا اظہار کر دیا تھا کہ ثانیہ کو چھوڑنے عادل ہی آئے گا۔

''تم حلوہ بنا لو تو پھر شفق......''

''آپ شفق سے کہہ دیں وہی دونوں چیزیں بنا لے، آج واشنگ مشین لگائی تھی اب اتنی تھکاوٹ ہو رہی ہے مجھ سے کوئی کام نہیں ہوگا۔''

بے تاثر لہجے میں کہتی وہ باہر نکل گئی اسے بھی یہ پتا تھا کہ اب امی اسے کوئی کام کرنے کے لیے نہیں کہیں گی کیونکہ وہ اس کی عادت سے واقف تھیں۔ انتہاء کی موڈی تھی۔ موڈ ہوا تو سارا کام کر لیا اور موڈ نہیں تو ''دنیا جائے بھاڑ میں۔'' کہہ کر ایک طرف ہو گئی اور پھر کوئی اسے مجبور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

''ارے تم یہاں آ کر بیٹھ گئی ہو۔ وہ پکوڑے اور چائے کیا ہوئے؟''

تیمور پچکا پچکار کر شیخ صاحب کو ان کے مستقل ٹھکانے کی طرف جا رہا تھا جب اس نے عانیہ کو برآمدے میں بیٹھے دیکھا۔

''بھاڑ میں گئے پکوڑے اور چائے۔ بس فرمائشیں کرنا آتی ہیں، کبھی کچن میں کام کرنا پڑے تو عقل ٹھکانے آ جائے۔ پتا ہے کتنی جان مارنی پڑتی ہے۔ بس مجھے نہیں پتا تمھیں جو کھانا پینا ہے خود بندوبست کر لو۔''

''تمہارا ابھی کوئی جواب نہیں ہے عانی، پل میں تولہ پل میں ماشہ۔'' عادت کے عین مطابق وہ بنا حیران ہوئے سادگی سے بولا تھا۔

''چلو تم بھی کیا یاد کرو گی آج ہم بھی ''جان مار'' ہی لیتے ہیں۔ قسم سے ایسے مزے دار پکوڑے بنا کر کھلاؤں گا کہ تم ساری زندگی یاد کرو گی۔''

وہ بڑے یقین سے دعویٰ کر رہا تھا۔ عانیہ سر جھٹک کر آسمان کی جانب دیکھنے لگی۔

بادلوں میں ارتعاش سا ابھر رہا تھا جبکہ بوندیں اپنا تسلسل کھو چکی تھیں۔

❁ ❁

ناول **بساطِ دل** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات آپ آنے والی ان تاریخوں (15th, 20th, 25th) میں پڑھ سکیں گے۔

کار کے رکتے ہی گہرا سانس بھر کر وہ اپنی طرف کا دروازہ کھولنے لگی۔

ڈرائیور جھٹ پٹ اپنی طرف سے نکل کر اس کی طرف آیا تھا اور وہ چھوٹا سا سفری بیگ لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا جسے وہ پہلے ہی اپنے ہاتھ میں لے چکی تھی۔

''رہنے دو بھئی۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر منع کیا اور کار سے باہر نکل آئی۔

''میڈم جی! ہمایوں صاحب نے کہا تھا سامان اندر تک پہنچا کر آؤں۔'' ڈرائیور نے ایک بار پھر بیگ کی جانب ہاتھ بڑھایا۔اس نے ایک بار پھر ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

''اور یہاں کون بیٹھا ہے جو تمہارے صاحب کو یہ بتائے تم نے سامان اندر پہنچایا یا نہیں۔'' وہ لاتعلق لہجے میں بولی تھی۔

''اور اب جاؤ یہاں سے، یہ پہاڑ سا بیگ میں خود اندر لے جاؤں گی۔''

اس نے ہلکے پھلکے بیگ کو بائیں ہاتھ میں منتقل کرتے ہوئے کہا اور گیٹ کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ چوکیدار گیٹ میں نصب کھڑکی سے اسے پہلے ہی دیکھ چکا تھا اسی لیے گیٹ سے متصل دروازہ پہلے ہی کھول دیا۔

گیتی نے اندر قدم رکھتے ہی سن گلاسز اتار کر بالوں میں اٹکا لیے اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی پورٹیکو عبور کرنے لگی۔

''گلشن نگر'' کی سفید عمارت کی ہری بیلوں نے بڑی خوبصورتی و نفاست سے سجا رکھا تھا، پہلی نظر میں تو یوں گمان ہوتا گویا سہرا تنا ہوا ہو۔زرد چمکتی پر حدت دھوپ چادر کی طرح وسیع و عریض لان پر پھیلی ہوئی تھی۔جس کے باعث گھاس اور پیڑ پودوں کی رنگت کچھ اور سبز دکھائی دینے لگی تھی۔

اس نے پہلی راہداری میں قدم رکھا۔حسب معمول ''گلشن نگر'' پر پراسرار خاموشی چھائی ہوئی تھی جو باہر سے آنے والوں کو محسوس ہوتی تھی یا نہیں البتہ یہاں کے مستقل مکینوں کو بڑی وضاحت سے اپنی موجودگی کا احساس دلاتی تھی پھر طرز تعمیر کچھ ایسی تھی کہ اونچی اونچی منقش چھتوں اور وسیع دالانوں کی وجہ سے آوازیں اندر ہی اندر کہیں گھٹ کر رہ جاتی تھیں۔اکثر اوقات جب پچھلے ہال میں ''محفل سجتی'' تو شائبہ تک نہ ہوتا تھا کہ کوئی غیر معمولی کیفیت ہے۔

راہداری کی دیوار میں نصب فون کے قریب کھڑی آپا بیگم کو دیکھ کر اس کے اعصاب بوجھل ہو گئے تھے کہ غیر ضروری سوال جواب کی توقع تو ان کی جانب سے نہیں ہوتی تھی مگر چند لمحے تو بہر حال ٹھہرنا پڑتا ہی کہ چار روز بعد اس کی واپسی ہوئی تھی اور آپا بیگم ہی اس کا ''آنا جانا'' طے کرتی تھیں پھر وہ یہاں کی لڑکیوں کی ہر سرگرمی کا حساب رکھتی تھیں۔تب ہی تو اب تک کامیاب تھیں۔

اس نے قریب پہنچ کر سلام کیا اور کوشش تو یہی کی تھی کہ فٹافٹ آگے بڑھ جائے مگر وہ سر کے اشارے سے سلام کا جواب دے کر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر پوچھنے لگیں۔

"خیریت؟ بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہو؟"

"بڑی مستقل تھکن ہے آپا بیگم! اب تو عادت ہوگئی ہے۔" وہ ہنسی۔

"ہوں۔" آقا بیگم نے پرسوچ نظروں سے اسے دیکھا پھر بولیں۔

"اچھا ذرا میرے بیڈروم میں آنا، ابھی کچھ بات کرنی ہے تم سے۔"

وہ اثبات میں سر ہلا کر اپنے کمرے کی طرف جانے والے راستے کی جانب پلٹی پھر کچھ یاد آنے پر آپا بیگم کی طرف دیکھا۔

"آپا بیگم! میرے کمرے کی چابی؟"

"تمہارا کمرہ کھلا ہے۔"

وہ بیگ رکھنے کے خیال سے کمرے میں آگئی۔ جاتے ہوئے وہ چابی آپا بیگم کو دے گئی تھی کہ اب وہ اس کمرے میں اکیلی نہیں تھی پھر آپا بیگم نے بتایا تھا کہ اس لڑکی کو وہاں سے چلتا کرنا ہے۔ ہم سے تو ایسی مصیبتیں سنبھالی نہیں جاتیں۔

مگر کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے زوردار جھٹکا لگا کیونکہ "مصیبت" ابھی تک وہیں موجود تھی اور جس حالت میں گیتی اسے چھوڑ کر گئی تھی ابھی بھی اسی حالت میں تھی یعنی گردن تک کمبل تانے، آنکھیں بند اور چہرے پر حواس کی موجودگی کا کوئی ہلکا سا تاثر بھی نہیں تھا پتا نہیں سو رہی تھی یا اب بھی بے ہوش تھی۔

مگر ایک بات تھی اس غیر واضح حالت میں بھی وہ خاصی بے سکون دکھائی دیتی تھی۔ گھنی پلکیں، گالوں پر لرز رہی تھیں۔ رنگت ایسی جیسے کسی نے ہلدی میں ڈبو دیا ہو۔

گیتی کچھ دیر کھڑی اسے دیکھتی رہی پھر بیگ یونہی راستے میں رکھ کر کمرے سے باہر نکل آئی۔ سید ھا رخ آپا بیگم کے کمرے کی طرف تھا۔

قدموں میں تیزی اور دل میں بے چینی۔

وہ تو اسی خیال سے بہت پرسکون ہو کر آئی تھی کہ اب اپنے کمرے کی تنہائی کو محسوس کرے گی اس کمرے میں کسی اور کی موجودگی دماغ پر کوڑے کی لگتی تھی۔

احساس برتری اور احساس ملکیت نے اس کے دماغ کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا۔ آپا بیگم کا کمرہ خالی تھا وہ سنگل صوفہ پر بیٹھ کر کسی قدر اضطراب سے پیر ہلانے لگی پھر سر کو صوفہ کی بیک سے اٹکا دیا اور کمرے کا جائزہ لینے لگی۔

"گلشن نگر" کا سب سے خوبصورت بیڈروم تھا۔ گو کہ آسائشات وسہولیات "گلشن نگر" کے چپے چپے میں دکھائی دیتی تھیں مگر یہاں اس کمرے میں خصوصیت سے نظر آتی تھیں۔

نفیس ریشمی پردے، میٹل پیسز اپنی قیمت کا خود پتا دیتے تھے۔ مایہ ناز مصوروں کی بنائی ہوئی اوریجنل پینٹنگز، کارپٹ تو ایسا نرم و

ملائم کہ پیر ریشم میں الجھتے محسوس ہوں۔

''توبہ......کتنا پیسہ ہے آپا بیگم کے پاس۔'' اس نے گہری سانس بھرتے ہوئے سوچا اور وہ پورٹریٹ دیکھنے لگی جو اس کمرے میں سب سے نمایاں محسوس ہوتا تھا۔ بیڈ کے عین سامنے کی دیوار پر لگا ہوا۔

''ضرور آپا بیگم روز سونے سے قبل اور بے دار ہوتے ہی اس تصویر کی آرتی اتارتی ہوں گی۔''

اس نے کئی بار کی سوچی ہوئی بات ایک بار پھر سوچ ڈالی، اور بغور اس کی جانب دیکھنے لگی۔ بڑے ہی جانے پہچانے سے نقوش اس کے لیے اور یہ اندازہ لگانا اس کے لیے کبھی بھی مشکل نہیں رہا تھا کہ یہ شخص کون ہو سکتا ہے۔

''کیا خبر، کسی روز میں بھی آپا بیگم بن ہی جاؤں۔''

اس نے نظریں پھیرتے ہوئے بس ایک پل کو سوچا اور دانستہ اپنا دھیان بٹانے کی کوشش کرنے لگی۔

اسی وقت دروازہ کھول کر عجلت میں آپا بیگم اندر داخل ہوئیں۔

''ہاں گیتی! تمہیں بہت انتظار کرنا پڑا اصل میں وہ بشارت بھی بات کرنے پر آئے تو پھر جان ہی نہیں چھوڑتا گلے ہی پڑ جاتا ہے۔ بڈھا ہو گیا کم بخت مگر شوق پورے نہ ہوئے۔ مردود......ذرا ایک گلاس پانی تو پلانا۔''

آپا بیگم بے زاری سے بیڈ پر ٹک گئیں۔

''کیوں بے چارے کو گالیاں دیتی ہیں آپا بیگم! بھول گئیں خود ہی تو کہا کرتی ہیں ایسے سچے عاشق بڑی قسمت سے ملا کرتے ہیں۔'' گیتی گلاس میں پانی اُنڈیلتے ہوئے شرارت سے بولی۔

''اس روز میں نے دیکھا تھا، کیسے آپ کا ہاتھ پکڑ کر منتیں کر رہا تھا، نکاح کے لیے۔''

''ارے چھوڑو۔'' آپا بیگم نے نخوت سے سر جھٹکتے ہوئے گلاس اس کے ہاتھ سے لے کر لبوں سے لگا لیا۔

''بہت کروائی ہیں ایسی منتیں گلشن آراء نے۔ ہم نے تو تمہاری عمر میں مرد پہچاننے میں غلطی نہیں کی اب غلطی کریں یہ کیسے ممکن ہے۔ اصل بات کیا ہے جانتی ہو؟ بڑھاپا رنگین بنا رہا ہے وہ بڈھا، جنہیں عزت دینی تھی وہ تو تین نکاحی گھر میں بٹھا رکھی ہیں اب چوتھی کوئی ملتی نہیں تو ادھر پہنچ گیا وقت گزاری کرنے۔

جب عمر تھی، موقع تھا، تب تو ایک بار نکاح کا لفظ نہ نکالا منہ سے، جی بھرا اور چلتے بنے ہونہہ......(گالی) کہتا ہے بہت محبت کرتا ہے مجھ سے۔ اسی محبت کی خاطر اس سے شادی کر لوں دفع......'' آپا بیگم نے ہاتھ جھٹکا۔

''اس عمر میں سر میں خاک ڈلواؤں، جوان اولاد ہے کیا سوچے گی۔''

''پھر بھی آپا بیگم! ایک منٹ کے لیے آپ سوچیں تو سہی، کیا پتا وہ سچ مچ ہی آپ کو عزت دینا چاہتا ہو۔''

منہ پر واری صدقے جانے والی آپا بیگم کی زبان اتنی مہارت سے بشارت......کو گالیاں دے رہی تھیں کہ وہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔ ان

کے خاموش ہوتے ہی ہمت کر کے بولی۔

''جب وقت تھا تب کیوں نہیں دی عزت۔؟'' آپا بیگم نے تڑخ کر پوچھا۔

''اور ایک بات کان کھول کر سن لو گیتی بلکہ نصیحت سمجھ لو۔ آنچل سے باندھ لو۔ یاد کرو گی کہ کبھی آپا بیگم نے نصیحت کی تھی۔

یہ مرد ذات بہت بڑی چیز ہوتا ہے۔ یہ تو اسے عزت نہیں دیتے جسے پانچ سو لوگوں کے سامنے بیاہ کر لاتے ہیں سدا پیر کی جوتی بنا کر رکھتے ہیں، خواہ لڑکی کتنے ہی عزت دار گھرانے کی کیوں نہ ہو۔ ہم سے جوان کا تعلق ہوتا ہے اس کے منہ پر تو رات کی سیاہی ملی ہوتی ہے۔ عزت کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا۔

اور دوسری بات کہ اپنی سوچ بدلو۔ ہم جیسوں کے لیے مشکل پیدا ہی تب ہوتی ہے جب مرد کی باتیں سچی لگنے لگتی ہیں۔ خیر چھوڑو اس موضوع کو۔ میں حامی بھر بھی لوں تو وہ بڈھا نکاح تو خیر نہیں کرے گا میں جانتی ہوں۔ گلشن آرا کی پرکھ اتنی کمزور نہیں ہے۔ اب یہی دیکھ لو ہمایوں سلیمان کے متعلق میرا اندازہ بالکل درست رہا۔''

آپا بیگم نے دائیں ہاتھ سے اس کے گلے میں جھولتے ڈائمنڈ پینڈنٹ کو ہتھیلی پر لیتے ہوئے کہا۔ گیتی بے ساختہ سر جھکا کر پینڈنٹ دیکھنے لگی۔ یہ کل ہی ہمایوں سلیمان نے اسے دیا تھا۔

''اصلی ہے......اور تمہاری گردن میں بہت سج رہا ہے۔'' انہوں نے ستائشی لہجے میں کہتے ہوئے گلاس اسے تھما دیا۔

''خود چھوڑنے آیا تھا تمہیں؟''

''نہیں ڈرائیور چھوڑ گیا ہے۔'' وہ گلاس ہاتھ میں لیے صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔

''شکل سے تو بڑا مہذب لگتا ہے اتنی تمیز نہیں کہ تمہیں خود چھوڑنے آتا۔''

گیتی خاموشی سے سر جھکائے گلاس کے کنارے پر انگلی پھیرتی رہی۔

''کل اس کا فون بھی آیا تھا کہہ رہا تھا اگلے بدھ کو اس کے فارم ہاؤس پر کوئی فنکشن ہے تمہیں، شبنم اور صبوحی کو بلوایا ہے۔''

''جی......''

''تم سے ذکر نہیں کیا؟'' آپا بیگم کو حیرت ہوئی۔

''کیا تھا......'' اس نے پھر مختصراً کہا۔

''پھر تم نے کیا جواب دیا؟''

''میں نے کہہ دیا آپ سے پوچھ لے۔''

''مجھے کیا اعتراض ہونا ہے چلی جانا، اچھی بات ہے یہ ہمایوں سلیمان کوئی ایسی ویسی چیز نہیں ہے، پاکستان کے کاروباری حلقے میں بڑا نام ہے اس کا، وہ فنکشن ارینج کر رہا ہے تو اس کا مطلب ہے شہر کی کریم آئے گی اس فنکشن میں......ایسے فنکشنز مس نہیں کرنا

چاہئیں، خصوصاً ہمیں، ہوسکتا ہے میں بھی تم لوگوں کے ساتھ چلوں۔''

''جی......'' اس نے اجازت طلب نظروں سے آپا بیگم کو دیکھا یہاں آنے کا جو مقصد اس کے ذہن میں تھا۔ وہ اس وقت تقریباً محو ہو چکا تھا۔

''ذرا میرا کوئی شلوار سوٹ تو نکال دو۔ آج بہت تھکاوٹ ہوگئی ہے، میں آرام کرنا چاہتی ہوں وہ البیلی جانے کہاں مرگئی۔ کہا بھی تھا میرے کپڑے استری کردے۔''

وہ اٹھ کر وارڈروب کی طرف آگئی۔

''گیتی۔'' ذرا دیر کی خاموشی کے بعد آپا بیگم نے اسے پکارا۔

''جی۔'' وہ ہینگر ادھر ادھر کرتی مصروفیت سے بولی۔

''مجھے پتا چلا مظہر آیا تھا۔''

گیتی کے چلتے ہاتھ رک گئے۔ اس نے بے ساختگی سے گردن موڑ کر آپا بیگم کو دیکھا۔

''آیا تو تھا......کیا وہ آپ سے نہیں ملا؟''

آپا بیگم خاموش رہیں اور اس خاموشی نے گیتی کو بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔

''مگر اس نے مجھ سے کہا کہ وہ آپ سے مل چکا ہے۔'' وہ جھجکتے ہوئے بولی۔ آپا بیگم کی طرف سے اب بھی کوئی جواب موصول نہیں ہوا تھا۔

''اگلی بار وہ آئے گا تو میں اس سے کہوں گی کہ وہ آپ سے مل لے۔''

''گیتی!'' چند لمحے بعد آپا بیگم نے اسے پھر پکارا۔

''مظہر کا خیال رکھا کرو، گیتی! وہ یہاں کیوں آتا ہے۔ تم اچھی طرح جانتی ہوں اور میں چاہتی ہوں وہ یہاں آنا چھوڑے نہیں۔ اسے یہاں آتے رہنا چاہیے تم سمجھ رہی ہونا۔''

آپا بیگم نے بہت نرمی سے اس کا گال تھپتھپایا تھا۔

گیتی ان کا چہرہ دیکھتی رہی۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کہے۔ کس قسم کے ردعمل کا اظہار کرے۔ اسے تو بس آپا بیگم کا ایک مختلف چہرے دکھائی دے رہا تھا۔ جھریوں بھرا۔ عمر رسیدہ۔ آنکھوں میں کچھ ستارے یوں ٹمٹما رہے تھے جیسے بجھتی ہوئی جوت ٹمٹماتی ہے۔ دروازے کی جانب بڑھتے ہوئے اچانک ہی دماغ میں جیسے کوئی بتی جلی تھی۔

اسے آپا بیگم کے اصول یاد آئے تھے۔ اور ان سب سے بڑھ کر اس معصوم لڑکی کی شکل یاد آرہی تھی جس کے لیے ڈھیر سارا اعتاد لے کر وہ اس کمرے میں آئی تھی۔

”آپا بیگم!“ وہ سرعت سے پلٹی۔

”ہوں......“ آپا بیگم نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

”وہ لڑکی......جو میرے کمرے میں ہے۔اسے مظہر لایا ہے؟“

آپا بیگم نے اس کے لہجے کی تیزی سے جانے کیا اخذ کیا تھا کہ یکدم ہنس دیں۔

”چلو یہ بات تو پتا چلی کہ عورت چاہے جس طبقے کی بھی ہو رقابت کے معاملے میں ایک سی سوچ رکھتی ہے۔“

گیتی کے چہرے پر پتھر کی سی سنجیدگی تھی۔

”تم مظہر کی پسند ناپسند سے اچھی طرح واقف ہو پھر بھی ایسی بات سوچ رہی ہو حیرت ہے، بے فکر رہو بھئی۔ یہ تو اختر بٹ کی ”ڈگڈگی“ ہے پنجاب سے اڑا کر لایا ہے جس روز چھوڑ کر گیا قسمیں کھا رہا تھا کہ آپا بیگم بس دو دن اسے اپنے پاس رکھ لو تیسرے دن واپس نہ آؤں تو چوک میں کھڑا کر کے جوتیاں لگوانا۔

جوتیاں تو خیر میں ایسی لگواؤں گی کہ سدا یاد کرے گا۔تم ذرا صبر سے اسے برداشت کر لو۔اصل میں، میں اتنا بھروسہ یہاں کی کسی اور لڑکی پر نہیں کر سکتی۔ جب تک کوئی اور بندوبست نہیں ہو جاتا، اختر بٹ نہیں آ جاتا۔ہمیں اسے یونہی رکھنا پڑے گا۔میں نے کچھ باتیں اس کی عقل میں ڈالنے کی کوشش کی تھیں مگر وہ بہت شور کرتی ہے، اتنا تو آج تک کسی لڑکی نے نہیں ستایا۔خیر ابھی تو نیند کا انجکشن دے رکھا ہے۔صبح تک ہی اٹھے گی۔ہو سکے تو تم بھی سمجھانے کی کوشش کرنا اور اگر زیادہ تنگ کرے تو گوشی سے لے کر نیند کی گولی کھلا دینا۔ٹھیک ہے نا؟“

آپا بیگم کی لمبی چوڑی ہدایت کے جواب میں وہ سر ہلا کر باہر نکل آئی مگر اتنی وضاحت کے باوجود ایک پن گڑی رہ گئی تھی۔

”اتنی گنجائش تو آپا بیگم کسی کو بھی نہیں دیتیں۔آخر چکر کیا ہے؟“

چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی وہ مسلسل سوچ رہی تھی۔

☆......☆......☆

سامنے کتاب کھلی پڑی تھی۔ ہوا سے آگے پیچھے ہوئے صفحات اس بات کے غماز تھے کہ وہ ذہنی طور پر کہیں اور ہے۔

اور یہ حقیقت بھی تھی جب سے وہ گل بانو سے مل کر آئی تھی اسے عجب طرح کی کئی سوچیں درپیش تھیں۔کبھی ایک نکتہ سوچتی کبھی دوسرا۔

سکینہ بھابھی کی خود غرض فطرت اور بے حسی اسے آزردہ کر رہی تھی۔ دوسری طرف گل بانو کی زباں بندی اسے کڑھنے پر مجبور کرتی تھی، ساتھ ہی ساتھ اسی کی بے بسی پر دل پسیج جاتا یہی نہیں کئی طرح کے خدشات ووسوسے بھی اس کے ساتھ تھے۔

”کل کو شفی کی دلہن آئے اور اگر اس نے میرے ساتھ وہی کیا جو سکینہ بھابھی باجی کے ساتھ کرتی ہیں تو......“

یہ خیال آتے ہی وہ جھرجھری لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ تیسری کلاس میں زیر تعلیم بھائی کی دلہن کا خیال ہی خاصا ہولناک ثابت ہوا تھا۔

اس نے بنا سوچے سمجھے بیالوجی کی کتاب لی اور امی کو ثمن کے گھر جانے کا بتا کر باہر نکل آئی۔

دھوپ چوباروں کی منڈیریں پھلانگ رہی تھی آسمان کے رنگ میں عجیب سی سرخی رچی تھی جب کہ فضا میں خنکی تھی۔ بادلوں کے ننھے ننھے گالے مشرق اُور سے بھاگے چلے آ رہے تھے۔

ثمن دھوپ سمٹ جانے کے باوجود کڑھائی کا اڈا (فریم) صحن میں بچھائے بڑی تندہی سے کڑھائی کر رہی تھی۔

تائی جی گھیر گھار کر سارے صحن میں بکھری مرغیوں کو ڈربے تک لے جا رہی تھیں۔ اس نے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! جیتی رہو۔ بڑے دن بعد چکر لگایا مومنہ!''

بڑے سلیقے سے دوپٹا اوڑھے، نہایت میٹھے اور پرشفقت لہجے میں بولتی تائی جی اس کی طبیعت کی ساری کلفت دور کر گئی تھی، ویسے بھی تائی جی اسے اچھی بھی بہت لگتی تھیں۔ نرم و میٹھے لہجے میں گفتگو کرنے والی شفیق بردبار و حلیم طبع۔

وہ اس کی سگی تائی نہیں تھیں۔ بڑے دور پرے کی رشتے داری تھی۔ جس کا سلسلہ تو اسے بھی یاد نہیں تھا۔ بس وہ انہیں تائی جی ہی کہتی تھی کیونکہ جب وہ لوگ نواب شاہ سے مستقل یہاں آئے تھے تو امی نے یہی کہہ کر تعارف کروایا تھا۔ ویسے بھی یہ اتنا چھوٹا سا قصبہ تھا کہ یہاں کے رہائشی ایک دوسرے کو نسل در نسل جانتے تھے ایسے میں رشتے داریاں نکل بھی آتی تھیں اور بن بھی جاتی تھیں۔ کوئی کسی کا ماما تو کوئی کسی کا چاچا۔ کوئی خالہ ہوگئی تو کوئی پھپھی۔

''ادھر ہی آ جاؤ مومنہ۔''

ثمن نے کہا اور قریب ہی رکھا موڑھا گھسیٹنے لگی جسے نظر انداز کر کے منی اسی چٹائی پر بیٹھ گئی۔ جس پر ثمن خود بیٹھی ہوئی تھی۔

''پچھلی بار میں آئی تھی تو تم سبز رنگ کی قمیص پر کڑھائی کر رہی تھیں، یہ سفید کس کی ہے؟'' اس نے کڑھائی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

''شہوار آپا کی ہے۔''

''ثمن تمہارے ہاتھ میں بہت نفاست ہے میں تو نہ کبھی اتنی مہارت سے آر چلا سکتی ہوں نہ کبھی ایسی نفیس کڑھائی کر سکتی ہوں۔'' اس نے جیسے حسرت بھرے لہجے میں کہا تو ثمن ہنس دی۔

''پیپرز سے فارغ ہو جاؤ۔ رزلٹ آنے تک کافی وقت ہوتا ہے، تم میرے پاس آ جایا کرنا میں تمہیں آر چلانا سکھا دوں گی۔''

منی خاموشی سے اسے ٹانکے اٹھاتا دیکھتی رہی۔

''مومنہ! تمہارا چہرہ کیوں اترا ہوا ہے؟ روتی رہی ہو کیا؟'' ثمن نے اس کی کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں......'' اس نے فریم کے کنارے پر دونوں بازو اوپر نیچے رکھ کر ان پر ٹھوڑی ٹکا دی۔

''پھر......؟ پڑھائی کی وجہ سے پریشان ہو؟'' ثمن گو کہ اس سے عمر میں دو سال بڑی تھی مگر بہت خیال رکھتی تھی۔ خود مومنہ کی بھی گل بانو کے بعد کسی سے زیادہ بنتی تھی تو وہ ثمن ہی تھی۔

''نہیں۔ یہ بات نہیں۔'' وہ پھر اداسی سے بولی۔

''اتنی اداسی والی کیا بات ہوگئی بھئی۔ مجھے ٹھیک سے بتاؤ۔ کیوں بلاوجہ پریشان کرتی ہو۔'' وہ پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہو گئی تھی۔

''ثمن! گل بانو بہت مشکل میں ہیں۔'' اس کا لہجہ انتہائی آزردہ تھا۔

ثمن چند لمحے اس کی جانب دیکھتی رہی۔ چہرے کے تاثرات تیزی سے تبدیل ہوئے تھے۔

اور اب وہاں ''کھودا پہاڑ نکلا چوہا۔'' والی کیفیت رقم تھی۔

''جنہیں مشکلات پسند ہوتی ہیں وہ ہمیشہ مشکل میں ہی رہتے ہیں اس لیے تم گل بانو کے لیے پریشان ہونا چھوڑ دو۔'' ثمن نے رسانیت سے کہا اور آرا اٹھا لی۔

''یہ کیا بات ہوئی۔'' وہ جھلائی۔

''کوئی اپنی مرضی سے مشکل راستے تھوڑا چنتا ہے اور پریشان کیسے نہ ہوں؟ تم گل بانو باجی سے ملیں ہوتیں تو تم بھی پریشان ہوتیں۔ پتا ہے سکینہ بھابھی نے باجی کو سیڑھیوں سے دھکا دے دیا اور اس کا سر پھٹ گیا۔'' مومنہ نے اپنی طرف سے اسے صورتحال کی سنگینی کا ایک رخ دکھانے کی کوشش کی تھی۔

''افسوس ہوا ہے۔ مجھے پتا ہے تمہیں سچ مچ افسوس نہیں ہوا۔ یہ صرف تم مجھے سنانے کے لیے کہہ رہی ہو۔ وگرنہ برادری کے باقی لوگوں کی طرح تم بھی باجی جی کو پسند نہیں کرتیں۔''

''ہاہاہا۔'' اس کے انتہائی دلگرفتگی سے کہنے پر ثمن بے ساختہ ہنس دی تھی۔

''تم بالکل پاگل ہو مومنہ! بھلا افسوس بھی کسی کو دکھانے یا سنانے کے لیے کیا جاتا ہے۔ باقی بات رہی گل بانو کی تو میں نے کبھی اسے اتنی اہمیت نہیں دی کہ سوچوں میں اسے پسند کرتی ہوں یا ناپسند۔ وہ میرے لیے برادری کی ایک عام سی لڑکی ہے جس سے کبھی کبھار سلام دعا ہو جاتی ہے اور بس۔

اب بھی اگر میں اس کے ذکر میں دلچسپی لیتی ہوں تو صرف تمہاری وجہ سے اور ابھی میں نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ میں اسے پسندیدگی کی سند دیتی ہوں یا ناپسندیدگی کی، ویسے بھی تمہارے لیے یہ بات اہم نہیں ہونا چاہیے۔ البتہ تمہارے لیے اس بات کی اہمیت ضروری ہے کہ تمہارے بزرگ گل بانو کے بارے میں کیسی رائے رکھتے ہیں؟''

مومنہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

''مطلب؟''

ثمن نے پرسوچ انداز میں اس کی جانب دیکھا۔

”مطلب یہ کہ اگر دادی تمہیں گل بانو سے ملنے سے روکتی ہیں تو تمہیں رک جانا چاہیے۔ وہ بڑی ہیں اپنے سے چھوٹوں کا اچھا برا زیادہ بہتر طریقے سے سمجھتی ہیں اور یہ جو تم میرے گھر آنے کا کہہ کر گل بانو سے ملنے چلی جاتی ہو تو یہ سراسر غلط ہے۔“

”یہ غلط ہے وہ غلط ہے۔ یہاں تو لگتا ہے سب کچھ ہی غلط ہے۔ میں یہی تو جاننا چاہتی ہوں کہ دادی مجھے کیوں روکتی ہیں جبکہ بظاہر اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔“ وہ زچ ہوئی۔

”ٹھیک ہے کوئی برائی نہیں ہے لیکن تم اس لیے رک جاؤ کہ کوئی بزرگ منع کر رہا ہے۔“ ثمن نے تیزی سے کہا تو وہ گہری سانس بھر کر رہ گئی مگر چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ قائل نہیں ہوئی۔

”دیکھو مومنہ! بعض اوقات جو سامنے ہوتا ہے سچ نہیں ہوتا مگر ہمیں سچ لگ رہا ہوتا ہے کیونکہ صرف وہی ہمارے سامنے ہوتا ہے۔ سچ اور جھوٹ یا صحیح غلط کا فیصلہ کرنے کا اختیار تو بہر حال انسان کو اپنے پاس ہی رکھنا چاہیے۔“

اپنی طرف سے وہ بہت اچھی طرح سمجھا رہی تھی۔

”اب اس بات کا کیا مطلب ہے؟“ اس نے بہت کوفت بھرے انداز میں پوچھا۔ ثمن کا دل چاہا سر پیٹ لے، مومنہ کو سمجھانا اور بھینس کے آگے بین بجانا کم و بیش ایک سا تجربہ تھا۔

”چھوڑو......تم نہیں سمجھو گی۔“ اس نے جان چھڑوائی۔

”کمال ہے کوئی سمجھاتا نہیں ہے بس کہہ دیتا کہ تم نہیں سمجھو گی۔ دادی بھی یہی کہتی ہیں۔“ وہ بہت بری طرح جھنجلائی ہوئی تھی۔

”کچھ باتیں وقت کے ساتھ ساتھ سمجھ میں آتی ہیں تم پر ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ بنا سمجھائے کچھ سمجھ آنے لگے۔ تم نے فزکس کے نوٹس مانگے تھے چلو اندر کمرے میں ہیں تمہیں دیتی ہوں اور وہ سبز قمیص بھی دکھاتی ہوں مکمل ہو کر اور بھی اچھی لگ رہی ہے۔“

اس نے بات بڑی سہولت سے پلٹی تھی اور مومنہ کا ذہن مطمئن نہیں ہوا تھا مگر اٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ دونوں آگے پیچھے چلتی ثمن کے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ ثمن نے الماری سے کڑھائی کی ہوئی ان سلی شرٹ اسے تھمائی اور خود اسی کمرے سے ملحقہ اسٹور میں چلی گئی۔ مومنہ بے دلی سے قمیص الٹ پلٹ کر دیکھتی رہی۔

بعض اوقات جب کچھ خاص قسم کی کیفیات اثر انداز ہو جاتی ہیں تو دل یونہی اچاٹ ہو جاتا ہے۔ اس نے قمیص تہ کر کے ایک طرف رکھی اور کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ گو کہ فرنیچر کی مد میں بہت کم سامان تھا مگر ترتیب بدلی ہوئی تھی۔

فقط ایک پلنگ اور سامنے کی دیوار کے ساتھ میز اور کرسی۔ وہ اٹھ کر سلیقے سے رکھی کتابیں دیکھنے لگی۔

ممتاز مفتی کی ”الکھ نگری۔“ مستنصر حسین تارڑ کی ”پاک سرائے، پیار کا پہلا شہر۔“

اعتبار ساجد کی ”مجھے کوئی شام ادھار دو۔“ خواتین کے ماہانہ میگزین کے تین چار شمارے۔

”پیپروں سے فارغ ہو کر میں ثمن سے یہ کتابیں ضرور لے کر پڑھوں گی۔“ اس نے سوچا۔ کچھ دیر کو ہی سہی مگر ذہن ”گل بانو کی

مظلومیت'' سے ہٹ گیا تھا۔ معاً اس کی نظر میز پر رکھے چھوٹے سے فوٹو فریم پر پڑی جیسے ایک کے بعد دوسرا کام اچانک تسلسل میں کرلیا جاتا ہے۔ ٹھیک ویسے ہی وہ فریم اٹھا کر دیکھنے لگی۔

ایک خوبصورت سا نوجوان سفید شلوار سوٹ میں ہاتھ پشت پر باندھے لبوں پر شرارتی مسکراہٹ سجائے کھڑا تھا۔

''یہ کون ہے؟'' اس نے سوچا۔ زیادہ حیران کن بات یہ تھی کہ یہ تصویر ثمن کے کمرے میں موجود تھی۔

''مومنہ! چوتھے چیپٹر کے نوٹس چاہئیں یا پانچویں کے۔'' ثمن نے اسٹور اور کمرے کے درمیان حائل پردے سے منہ نکال کر پوچھا۔

''دونوں ہی دے دو۔'' اس نے پھر پوچھا۔

''ثمن! یہ کون ہے؟''

''یہ۔'' ثمن نے نوٹس لیے اس کے قریب آ گئی اور تصویر اس کے ہاتھ سے لے کر بولی۔

''یہ میرے بڑے بھائی ہیں۔''

''بڑے بھائی۔'' مومنہ نے اس کے ہاتھ سے تصویر لے کر بغور دیکھی اور قدرے حیرانی سے بولی۔

''لیکن میں نے تو انہیں یہاں نہیں دیکھا۔''

''وہ اس لیے کیونکہ بھائی یہاں نہیں رہتے۔ وہ ملازمت کی وجہ سے دوسرے شہر میں رہتے ہیں اب کچھ روز میں یہاں آنے والے ہیں پھر میں تمہیں ان سے ملواؤں گی۔ سچ مومنہ بھائی اتنے پیارے ہیں اتنا پیارا تو ساری برادری میں اور کوئی نہیں ہے۔''

ثمن بہت جوش سے اپنے بھائی کا ذکر کر رہی تھی۔

''اچھا یہ نوٹس دیکھ لو اگر کوئی پوائنٹ سمجھ نہ آئے تو میں ابھی سمجھا دیتی ہوں۔''

''نہیں ثمن! اب میرا موڈ نہیں بن رہا پڑھنے کا۔'' وہ بسوری۔

''یہ تمہارا موڈ دن بہ دن کچھ زیادہ ہی سر چڑھتا جا رہا ہے۔ پتا بھی ہے پیپروں میں کتنے دن باقی ہیں۔'' ثمن نے لتاڑا تو وہ ڈھٹائی سے ہنس دی۔

''بس آج کا دن، کل سے ریگولر پڑھوں گی۔'' وہ ہنستی ہوئی باہر کی طرف بڑھی۔

''ٹھیک ہے کل میں گیارہ بجے تمہارا انتظار کروں گی۔ جو بھی سمجھنا ہو آ کر سمجھ لینا۔ ورنہ میں خود آ کر دادی سے تمہاری شکایت کروں گی کہ تم میرے پاس پڑھنے کی بجائے گل بانو کے پاس گھسی رہتی ہو۔'' اس نے دھمکی دی۔

''ایک تو سارا زمانہ ہی باجی جی کا دشمن ہے۔''

''سارا زمانہ تمہاری باجی جی کا دشمن ہے اور تم اپنی دشمن ہو جو وقت برباد کر رہی ہو۔''

''توبہ ہے ثمن! تم تو دادی سے بھی بڑی دادی ہو۔''

وہ چڑ کر بولی تو ثمن ہنس دی۔

☆......☆......☆

زندگی کے سفر میں گزر جاتے ہیں جو مقام

وہ پھر نہیں آتے......وہ پھر نہیں آتے۔

ریڈیو سے ابھرنے والے سر سارے گھر میں پھیل رہے تھے۔

اور وہ بڑی فرصت سے بیٹھی گیت کے سروں پر سر دھنتی دال چن رہی تھی۔

ایک محسوس ہونے والا سکون و فراغت کا تاثر چہار سو پھیلا ہوا تھا۔ کبھی کبھی کوئی بھوری چڑیا شہتوت کے پتوں پر چہچہاتی تھی۔

دھوپ کی زرد چمکیلی باہنوں نے سارے صحن کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔

چھوٹے چھوٹے کنکر اچھالتے ہوئے اس نے گردن موڑ کر کمرے میں جھانکا۔ وال کلاک کی سوئیاں بارہ بجانے کے قریب تھیں۔ اس نے گردن موڑی اور جلدی جلدی دال صاف کرنے لگی۔ اسی پل بڑی زور سے بیرونی دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

وہ اپنی ہی کسی سوچ میں غرق تھی اس اچانک افتاد پر اس نے دہل کر دروازے کی جانب دیکھا۔ دل بہت بری طرح سے دھڑکنے لگا تھا۔

''اس وقت کون ہو سکتا ہے؟'' اس نے سوچتے ہوئے دوبارہ کمرے کی وال کلاک پر نظر ڈالی۔ گوالا دودھ دے کر جا چکا۔ سبزی والا بھی بہت دیر پہلے گلی سے گزر چکا تھا۔ ان اوقات میں تو خاکروب بھی کوڑا لینے نہیں آتا تھا۔

''ایک تو لوگوں کو ہمارا دروازہ توڑنے کا بہت شوق ہے جب گھنٹی نظر آتی ہے تو بجاتے کیوں نہیں ہیں۔''

اس نے تھال پٹخا ریڈیو بند کیا اور چپل گھسیٹتی دروازے تک آ گئی۔

''کون ہے بھئی۔'' دروازے کی باریک سی درز سے باہر دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے پھاڑ کھانے والے انداز میں پوچھا تھا۔ بہت ہی غیر ارادی اور مدافعانہ حرکت تھی یہ، حالانکہ چور ڈاکو منہ سے تھوڑا ہی بتاتے ہیں کہ ''ہم'' ہیں۔

''دروازہ کھولو عانی! ہم ہیں۔'' یہ امی کی آواز تھی۔ اس نے جھٹ پٹ سے دروازہ کھول دیا۔ وہ شفق کو سہارا دے کر اندر لا رہی تھیں۔

''یہ...... یہ اس کو کیا ہوا ہے؟'' اس نے گھبرا کر پوچھا۔

''پہلے دوسری طرف سے آ کر اسے سہارا دو۔ دیکھ نہیں رہیں یہ کتنی مشکل سے چل رہی ہے۔''

امی کے ڈپٹنے پر اس نے جلدی سے آگے ہو کر شفق کو دوسری طرف سے تھام لیا تھا۔

''اف۔'' شفق بہت مشکل سے چل رہی تھی۔ اس کے دائیں پاؤں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔

''اسکول کی سیڑھیوں سے پیر پھسل گیا۔ ٹخنے پر بڑی گہری چوٹ آئی ہے۔'' شفق کو کمرے میں لے جاتے ہوئے امی نے اسے بتایا تھا۔

''اوہ! تو دیکھ کر چلنا چاہیے تھا نا۔ آنکھیں بند کر کے چلو گی تو چوٹ تو لگے گی۔'' اس نے حسب عادت پتھر پھوڑے۔

شفق کو بیڈ پر بٹھاتے ہوئے امی نے اسے گھور کر دیکھا۔

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے عانی! بھلا کوئی شوقیہ چوٹ لگواتا ہے کیا؟'' پھر وہ شفق کی جانب متوجہ ہوئیں جو لب بھینچے درد کی شدت دبا رہی تھی۔

''شفق! تم پاؤں اوپر کر کے آرام سے لیٹ جاؤ میں تمہارے لیے گرم دودھ میں ہلدی ڈال کر لاتی ہوں اس سے درد کی شدت میں کمی آجائے گی۔''

عانیہ نے امی کو کمرے سے باہر جاتے دیکھا۔ پھر شفق کو۔ وہ بے چاری بڑی مشکل سے پیر اوپر رکھ رہی تھی۔ عانیہ بجائے اس کی مدد کرنے کے یونہی کھڑی رہی۔ اسی پل فون کی گھنٹی بجی تھی۔ اس نے غضب ناک نظروں سے فون سیٹ کی جانب دیکھا۔ اسی کمرے کے کونے میں چھوٹی سی تپائی پر براؤن کلر کا ٹیلی فون سیٹ رکھا تھا۔

''ہیلو!'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے ریسیور اٹھا لیا اور اپنی عادت کے عین مطابق پھاڑ کھانے کو دوڑی۔

''کیا یہ غازی اسٹور کا نمبر ہے؟''

''رانگ نمبر۔'' اس نے کھٹاک سے ریسیور رکھ دیا۔

امی پلنگ کے کنارے پر ٹکی شفق کو زبردستی ہلدی ملا دودھ پلا رہی تھیں۔ وہ وہیں کھڑی دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتی رہی۔

''مہارانیوں کی طرح بیٹھ کر خدمتیں کروانے کا ایک اور موقع۔''

وہ دانت کچکچاتی شفق کو گھور رہی تھی۔ دل میں موجود شفق کے لیے عناد کچھ اور بڑھ گیا تھا۔

☆......☆......☆

''محبت سے زیادہ بری چیز دنیا میں اور کوئی نہیں۔''

اسوہ نے اپنا پرس میز پر اچھال دیا تھا اور گرنے کے انداز میں صوفے پر لیٹ کر آنکھیں موند لی تھیں۔

اعصاب سنسنا رہے تھے۔ دل و دماغ پر بہت بوجھ محسوس ہو رہا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا وہ کسی گہرے کنوئیں میں قید ہو جہاں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ بت تاریکی میں اپنی ہی آواز کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔

اس نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کا تو جیسے وجود ہی کھو گیا تھا۔ معاً فون کی بیل اس کی سماعت سے پتھر کی طرح ٹکرائی تھی۔

اس نے آنکھیں کھول کر حلق میں اٹکا گولا بمشکل نگلا تھا۔ پھر بے دلی سے لیٹے لیٹے ریسیور اٹھا لیا تھا۔

دوسری طرف بڑی سریلی سی آواز ابھری تھی۔

''میں ملائکہ بات کر رہی ہوں کیا حنان سے بات ہو سکتی ہے؟''

''حنان سے؟'' اس نے بہت خالی الذہن سے دوہرایا پھر جیسے چونکی اور بولی۔

''آپ اس کے سیل پر کال کر لیجیے۔''

''میں ٹرائی کر چکی ہوں مگر اس کا سیل Responding نہیں ہے۔''

''پٹھانی! حنان گھر پر ہے۔'' اس نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر قریب سے گزرتی پٹھانی سے پوچھا تھا۔ مثبت جواب ملنے پر اس نے ملائکہ کو ہولڈ کرنے کے لیے کہا اور ریسیور ہولڈ موڈ پر لگاتے ہوئے پٹھانی کو مخاطب کیا۔

''جاؤ صاحب کو بلا کر لاؤ ان سے کہو لابی والے ایکسٹینشن سے ریسیو کر لیں۔''

''بی بی ام۔'' پٹھانی تذبذب سے اس کی شکل دیکھنے لگی۔ اسوہ پر سکون انداز میں سینے پر بازو باندھ چکی تھی۔ پٹھانی کی شکل دیکھتی رہی اسے پتا تھا۔ پٹھانی حنان سے خائف رہتی ہے مگر اس وقت وہ کسی قسم کی ہمدردی کے موڈ میں نہیں تھی۔

''تمہاری اماں کب آئے گی؟ تمہیں تو خاک بھی نہیں آتا۔ ذرا ذرا سے کام پر منہ دیکھنے لگتی ہو۔ آئے تمہاری ماں۔ کان تو اس کے میں کھینچوں گی۔ بچوں پہ بچے پیدا کر رہی ہے، مزدوری پر لگانے سے پہلے کچھ سکھانا تو چاہیے۔ مما کو بھی ہمدردی کا مرض لاحق ہے۔''

وہ بڑبڑاتی ہوئی اٹھی اور پرس اٹھا کر زینے کی طرف بڑھی۔ پٹھانی سے اسے ہمدردی تھی۔ ہمیشہ بہت اچھے طریقے سے پیش آتی تھی۔ اسے پڑھانے کی ذمہ لے رکھی تھی مگر اس وقت وہ جس قسم کے ذہنی خلفشار میں مبتلا تھی وہاں کسی دوسرے کے ''احساس'' کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔

حنان کے کمرے کے باہر پہنچ کر اس نے دستک دی اور دروازہ کھلنے کا انتظار کرنے لگی۔ مگر دوبارہ مزید دستک دینے کے باوجود دروازہ نہ کھلا، نہ اندر سے کوئی آواز آئی۔ وہ پیپر جھلاتی بڑے تحمل سے انتظار کر رہی تھی مگر دوبارہ ناکامی کے بعد اس نے پل بھر کو سوچا پھر ہینڈل پر دباؤ ڈال کر کمرے میں جھانکا۔

حنان صوفے پر پھیل کر بیٹھا ہوا تھا اور سر صوفے کی بیک پر تقریباً لڑھکا ہوا تھا جبکہ آنکھیں بند تھیں۔

''حنان!'' اس نے جھجکتے ہوئے پکارا۔ ایک محسوس ہونے والا فاصلہ ہمیشہ سے ان کے درمیان رہا تھا۔ وہ حنان کے کمرے میں کبھی نہیں آئی تھی۔ گفتگو بھی تقریباً نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس کے پکارنے پر حنان کے وجود میں ذرا سی بھی جنبش نہیں ہوئی تھی۔

اسوہ کو تشویش ہوئی تو چند قدم اندر آ گئی۔

''حنان۔'' اس نے آہستگی سے اس کا کندھا ہلایا تھا۔ حنان نے ذرا سی آنکھیں کھول کر اس کی جانب دیکھا۔ اسوہ جھینپ کر دو قدم پیچھے ہٹی۔ حنان کی آنکھیں بے تحاشا سرخ ہو رہی تھیں۔ اور ایسی کوئی بات ضرور تھی جس نے اسوہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی دوڑا دی تھی۔

''حنان! تمہاری کسی فرینڈ کا فون ہے۔''

''میں گھر پر نہیں ہوں۔'' حنان نے آنکھیں بند کرلیں۔

''ایں۔'' اس کی آواز اتنی آہستہ تھی کہ اسوہ بمشکل سمجھ پائی۔

''ہاں کہہ دو میں گھر پر نہیں ہوں۔'' حنان نے اسی پوزیشن میں جواب دیا البتہ اب کی بار اس کے انداز میں جھلاہٹ تھی۔

اسوہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر خاموش رہی اور دروازے کی جانب بڑھی مگر پھر کچھ سوچ کر رک گئی۔

''حنان! تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟'' اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں!'' پتھر توڑ جواب آیا پھر اس نے اسوہ کی جانب دیکھا۔

''تمہیں کوئی کام ہے؟''

''نہیں۔'' اسوہ شرمندہ سی ہوگئی۔

''پھر جاؤ یہاں سے۔'' اس نے بدلحاظی سے کہا۔

''میں چلی جاؤں گی لیکن...... مجھے لگ رہا ہے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے تمہاری آنکھوں کو کیا ہوا ہے؟'' وہ فکرمندی سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

''مجھے نفرت ہے ان لوگوں سے جو بلاوجہ دوسروں کے معاملات میں دخل دیتے ہیں۔''

حنان ایک دم اپنی جگہ سے اٹھا اور اسے بازو سے پکڑ کر کمرے سے باہر دھکیل دیا۔

اسوہ اچھل کر پیچھے نہ ہوتی تو دروازہ پوری قوت سے اس کے وجود سے ٹکرا جاتا۔ وہ ہکا بکا بند دروازے کو دیکھ رہی تھی۔ حنان اور اس کے درمیان ہمیشہ ایک لاتعلقی رہی تھی مگر اس قدر بے مروتی و بدلحاظی کی توقع کبھی نہیں کی جاسکتی تھی۔

شاہ نواز ایک ہاتھ میں اسٹائلش سا بریف کیس لیے، دوسرے ہاتھ سے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا اوپر آرہا تھا۔ اس نے بہت تعجب سے اسوہ کو دیکھا تھا جس کا انداز اور چہرے کے تاثرات کم سے کم اس کی فہم سے بالاتر تھے۔ دوسری تعجب کی بات اس کا حنان کے کمرے سے باہر موجود ہونا تھا۔

''اسوہ۔'' اس نے اسے پکارا تھا۔ اسوہ نے اس کی جانب دیکھا اگلے ہی پل وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ شاہ نواز کے تو حقیقی معنوں میں ہاتھ پیر پھول گئے۔

''اسوہ...... اسوہ...... تمہیں کیا ہوا؟ کیا مسئلہ ہے بھئی۔'' وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اتنی غیر متوقع اور اچانک پیش آنے والی صورتحال میں کیا کہے۔

''مجھے کچھ نہیں ہوا۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

”حنان کو کچھ ہو گیا ہے۔“

”کیا ہو گیا ہے؟“ شاہ نواز نے بند دروازے کو دیکھا۔

”اس کی فرینڈ کا فون آیا تھا میں بتانے آئی تھی مگر اس نے مجھے دھکا دے کر کمرے سے نکال دیا۔ مجھے لگتا ہے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس کی آنکھیں بہت ریڈ ہو رہی ہیں۔“ وہ بولتی جا رہی تھی مگر آنسو بھی تواتر سے بہہ رہے تھے۔

شاہ نواز نے دروازے کی جانب دیکھا پھر اسوہ کو، اس کی نظر میں سوچ کا گہرا تاثر تھا۔

پھر میکانکی انداز سے اس نے دروازے پر دستک دی۔ اسے اسوہ کا اس قدر شدت سے رونا واقعی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ دوسری بار دروازہ کھٹکھٹانے کے لیے اس نے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ کوئی چیز دروازے سے ٹکرانے کی آواز آئی۔

پھر جھٹکے سے دروازہ کھل گیا۔

”کیا تکلیف ہے؟“ حنان تقریباً غرایا تھا۔

”تم......“ شاہ نواز کو سامنے پا کر اسے ایک پل کو حیرت ہوئی تھی، اگلے ہی پل وہ اسی سابقہ لہجے میں غرایا۔

”کیا مصیبت ہے؟ کیا میں سکون سے سو بھی نہیں سکتا؟“

”تمہیں سونے سے کوئی منع نہیں کر رہا، لیکن اسوہ کو لگا تمہاری طبیعت خراب ہے اس لیے۔“ شاہ نواز رسان سے بولا لیکن حنان نے اس کی بات پوری نہیں ہونے دی تھی۔

”اس گھر میں ایک سے بڑھ کر ایک پاگل بستے ہیں۔ کوئی نیند سے بے حال ہے، سکون سے سونا چاہتا ہے مگر یہاں ہر ایک کو اپنے اندازوں کی فکر ہے۔ اب کسی نے دروازہ بجایا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔“

حنان نے پھر پوری قوت سے دروازہ بند کر دیا تھا۔

شاہ نواز نے پلٹ کر اسوہ کو دیکھا اور کندھے اچکا دیئے جیسے کہہ رہا ہو۔ ”تسلی ہو گئی۔“

”تمہیں اس کے بولنے کے انداز سے ہی طبیعت کا اندازہ کر لینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے وہ واقعی سو رہا ہو اور تمہارے ڈسٹرب کرنے پر غصے میں آ گیا ہو۔“ شاہ نواز نے پیار و شفقت سے اس کا سر تھپتھپایا تھا۔

”اس نے مس بی ہیو کیا ہے مگر تم اس کی عادت سے واقف تو ہو اسوہ۔ اپنے احساسات کے آگے اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اور یقیناً یہ تمہارا پہلا تجربہ ہے اسی لیے تم اتنا ہرٹ ہوئی ہے۔“

”شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ اسوہ نے قدرے شرمندگی سے گال پونچھے تھے۔

”میں نے آپ کو پریشان کر دیا نا۔ آئی ایم سوری شاہ نواز بھائی۔“ وہ حقیقتاً بہت خفت محسوس کر رہی تھی۔

”میں آپ کے لیے چائے بھجواتی ہوں۔“

''اس سے اچھی بات اور کیا ہوسکتی ہے۔'' شاہ نواز بشاشت سے مسکراتا اپنے کمرے کی جانب بڑھا تھا۔ دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر بالکل لاشعوری طور پر حنان کے کمرے کے دروازے کی جانب دیکھا تھا۔ آنکھ کے تاثر میں کسی اندیشے کا واضح گمان تھا۔ اس نے سر جھٹکا اور کمرے میں داخل ہو گیا۔

☆......☆......☆

''وقت، وقت کی بات ہے۔ ایک ہمارا زمانہ تھا، شریف گھرانوں کی بیبیاں پالکیوں میں ہی آتی جاتی تھیں تب بھی ایک یا دو ماما ئیں ساتھ ہوا کرتی تھیں یہ نیا دور ہے جسے دیکھو تنہا نکلی ہوتی ہے۔ اب دیکھنے والا کیا جانے کہ کوئی شریف گھرانے کی ہے یا غیر شریف گھرانے کی......خیر اے گل بانو! تم کیسے ادھر کا رستہ بھول پڑیں وہ بھی اتنے سویرے۔''

دادی نے بظاہر لاپروائی سے مکھی اڑائی تھی۔

مومنہ اندر ہی اندر شرمندہ ہونے لگی، کتنی ہی التجائیں کر ڈالی تھیں دادی کی آنکھوں میں مجال ہے جو دادی پر اثر ہوا ہو۔ بھولے بھٹکے سے اگر گل بانو آ ہی گئی تھی تو اسے بھگانے کے درپے تھیں۔

''بھولی ہوتی تو ادھر آتی ہی کیوں دادی!'' گل بانو ہنس کر بولی اور مومنہ اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گئی۔ پتا نہیں کس مٹی سے بنی ہیں باجی۔ دادی نے اتنے طنز کر ڈالے مگر مجال ہے جو پیشانی پر ایک بھی شکن نمودار ہوئی ہو الٹا مسلسل ہنس رہی ہیں۔ وہ سوچ رہی تھی۔

''اچھا میں چلتی ہوں۔'' گل بانو چائے کا کپ رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اتنی جلدی؟'' مومنہ کو اعتراض ہوا۔

''ابھی تو اسکول میں اسمبلی شروع ہوئی ہوگی۔ تھوڑی دیر اور رکیں باجی۔ ابھی تو آپ آئی ہیں۔''

''پندرہ منٹ رہ گئے ہیں اسمبلی شروع ہونے میں، بس تم سے ملنا تھا مل لیا اور تو اور چائے بھی پی لی، اب چلتی ہوں۔'' گل بانو نے اپنی چادر از سر نو درست کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''اچھا ذرا ایک منٹ رکیں۔ مجھے بھی ثمن کی طرف جانا ہے کل میں اس سے کہہ آئی تھی کہ پڑھنے آؤں گی۔ میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں ثمن کا گھر آپ کے اسکول کے راستے میں ہی پڑتا ہے نا۔''

وہ جلدی جلدی بولتی اور دادی کی منع کرتی نگاہوں کو نظر انداز کرتی جھٹ پٹ دوپٹہ اوڑھ کر تیار ہو گئی تھی، بھاگم بھاگ اندر سے نوٹس بھی اٹھا لائی۔ اسے پتا تھا دادی لاکھ منہ پھٹ، بے مروت سہی مگر اتنی بھی نہیں کہ گل بانو کے سامنے ہی اسے ساتھ جانے سے منع کر دیں۔

''میں تو لیٹ ہو چکی ہوں اس لیے چکی کی طرف سے چلی جاؤں گی تاکہ جلدی اسکول پہنچ جاؤ، تم شفی کے ساتھ چلی جانا۔''

گل بانو چونکہ دادی کے خیالات سے بخوبی واقف تھی اس لیے جھجک رہی تھی۔

''شفی اسکول جا چکا ہے۔'' منی جلدی سے بولی۔

”آپ آج اسی راستے سے جائیں جس راستے سے روز جاتی ہیں ورنہ میں ثمن کے گھر کیسے جاؤں گی۔“

”اسے جانے دے مومنہ! میں تجھے خود ہی ثمن کی طرف چھوڑ آؤں گی۔ بہت دن ہو گئے اس کی ماں سے ملے۔ اسی بہانے کچھ دیر اس کے پاس بھی بیٹھ جاؤں گی۔“ دادی جھٹ بولیں۔

”آپ کو بہانے کی ضرورت کب سے پڑنے لگی۔“ وہ بے زاری سے بڑبڑائی۔

”جتنی دیر میں آپ مجھے چھوڑنے جائیں گی میں کئی سبق پڑھ چکی ہوں اس لیے بہتر ہے میں باجی جی کے ساتھ چلی جاؤں۔ چلیں باجی دی، دادی آپ تین گھنٹے بعد مجھے لینے آجایئے گا۔ اچھا اللہ حافظ۔“

اس سے پہلے کہ دادی کچھ کہتیں وہ گل بانو کا ہاتھ پکڑ کر تقریباً کھینچتی، بیرونی دروازہ عبور کر گئی یہ بھی نہیں دیکھا کہ دادی کتنے غصے میں ہیں۔

☆......☆......☆

املتاس اور پیپل کے درختوں میں گھری کچی سڑک پر اوس میں بھیگے پتوں کی چادر بچھی تھی۔ جنگلی گھاس کی مخصوص مہک خنکی کے ساتھ سفر کرتی تھی۔ وہ دونوں سر جھکائے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا رہی تھیں۔ گل بانو کی مدھم سریلی آواز مومنہ کی سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔

وہی ہے درد، وہی انتظارِ آخرِ شب
ہوا گزرتی ہے گلیوں سے شرمساری کچھ
کہ آج بھی کوئی خوشبو نہیں وہ لا پائی۔
ستارے دشتِ فلک میں بکھرتے جاتے ہیں
دنوں میں پھیلتی جاتی ہے ایک تنہائی
گل بانو نے جھک کر ایک پتھر اٹھا لیا تھا۔
تنی ہے دائرہ در دائرہ تاریکی
کسی طرف کو کوئی راستہ نہیں جاتا
زمین سے کون کہے اب کہ ہم سے بات تو کر
رگوں کو توڑ نہ ڈالے، کہیں یہ سناٹا
کہیں سے صبح کی پہلی کرن ملے تو چلے
کھڑا ہے وقت سرِ رہ گزرِ آخرِ شب!
کہیں نہیں ہے اشارہ کسی بھی آہٹ کا

وہی ہے درد، وہی انتظارِ آخرِ شب

گل بانو نے پوری قوت سے پتھر ہوا میں اچھال دیا تھا۔ پتھر پیپل کی شاخوں سے ٹکرایا اور کوؤں کی ڈار میں شور مچ گیا، فضا میں جیسے بھونچال سا آ گیا تھا۔

گل بانو کو اس کھیل میں جانے کیا دلچسپی محسوس ہوئی کہ زور زور سے ہنسنے لگی، بلا کے شور میں اس کی ہنسی مندر کی گھنٹیوں سا سر بکھیر رہی تھی۔

"ہنسی ہیں تو کتنی اچھی لگتی ہیں۔" گل بانو کو ہنستا دیکھ کر حسبِ معمول عجیب سی خوشی محسوس ہوئی تھی۔

گل بانو تھک کر درخت کے تنے پر بیٹھ گئی تھی۔ اس نے یقیناً مومنہ کی بات سنی نہیں تھی۔

"باجی جی! آپ کی ہنسی بہت خوبصورت ہے۔" وہ سڑک سے اتر کر جنگلی گھاس کی لمبی سی شاخ توڑ لائی تھی۔

"اچھا۔" وہ پھر ہنسی۔

"اور کیا۔" مومنہ کو اس کی بات کی خوشی تھی کہ گل بانو نے اس کی بات مان لی ہے۔

"ویسے تو آپ مجھے اچھی ہی لگتی ہیں لیکن ہنس رہی ہوں تو اور بھی اچھی لگتی ہیں لیکن اتنا کم کیوں ہنستی ہیں؟" وہ الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

گل بانو زہریلی سی ہنسی ہنسی۔ "چھوڑو نا منی، کوئی اور بات کرو۔"

مومنہ افسردہ ہوگئی۔

"کاش میں آپ کے لئے کچھ کر سکتی۔"

تم میرے لیے جو کر رہی ہو وہی بہت ہے۔ زندگی میں یہ احساس کہ کوئی آپ کی پروا کرتا ہے آپ کے لیے فکر مند ہو رہا ہے بہت قوت بخش ہے۔" اس نے تشکر سے مومنہ کو دیکھا۔

"پتا ہے مومنہ! مجھے مرنے سے کبھی ڈر نہیں لگا ایک نہ ایک دن تو سبھی کو مرنا ہے بس چھوٹی سی خواہشات ہیں جو چاہتی ہوں کہ پوری ہوں۔

ایک تو یہ کہ میں مر جاؤں تو کوئی پیچھے رونے والا ضرور ہو اور دوسری بات کہ بس ایک بار زندگی کا احساس چھو کر گزرے، میں مرنے کی بات کروں تو کوئی زبردستی زندگی کی طرف کھینچ لائے، میں چاندنی میں بھیگوں تو خوشی کا بھرپور احساس میرے پور پور کو بھگو ڈالے...... آئے ہائے۔" اس نے بے بسی سے بھرپور سانس بھری۔

"یہ دل بھی اتنا کم بخت ہے، عزرائیل سرہانے کھڑے ہوں تب بھی سانس کی تمنا نہیں چھوڑتا...... لگتا ہے اب میں جلد ہی مر جاؤں گی کیونکہ ایک خواہش تو پوری ہوگئی، قبر میں بڑا سکون رہے گا یہ سوچ کر کہ منی میرے لیے رو رہی ہے۔" اس کا انداز ایسا تھا جیسا کہ

کچھ نا سمجھ بچے کو ٹالا جاتا ہے۔

''مریں آپ کے دشمن، آپ کیوں مریں اور اب آپ نے مرنے کی بات کی تو میں آپ سے بات نہیں کروں گی۔ یہ بھی کوئی بات ہے جب دیکھو مرنے کی باتیں ہو رہی ہیں۔''

''اب تو لگتا ہے سچ مچ میں کچھ روز میں مر جاؤں گی کیونکہ دوسری خواہش بھی تم نے فوراً ہی پوری کر دی ہے۔'' گل بانو نے قہقہہ لگایا تھا۔

''ایک بات میں دل سے مانتی ہوں اگر آپ پر کوئی ظلم زبردستی کر رہا ہے تو اس کی سب سے بڑی ذمہ دار بھی آپ ہی ہیں۔ آپ جب تک سکینہ بھابھی کو ان کی زیادتیوں کا احساس نہیں دلائیں گی وہ اسی طرح کرتی رہیں گی۔''

''پھر کیا کروں؟'' گل بانو نے اس کی بات قطع کی۔ ''علم بغاوت لے کر نکل پڑوں۔'' اس کی آنکھوں میں بے حد دلچسپی تھی۔

''بالکل۔'' وہ جھٹ سے بولی۔ ''بلکہ یہ تو آپ کو بہت پہلے ہی کر دینا چاہیے تھا۔''

''اور یہ احتجاج میں کس کے سامنے کروں؟ سکینہ بھابھی کے سامنے؟ جو پہلے دن سے مجھے ناپسند کرتی ہیں یا اجمل بھائی کے سامنے' جن کے کان صرف سکینہ بھابھی کی سنتے ہیں، وہ وہی سوچتے ہیں جو وہ چاہتی ہیں۔''

''ایسا صرف اس لیے ہوتا ہے کیونکہ آپ کبھی انہیں اپنے بارے میں بتاتی نہیں ہیں، سکینہ بھابھی کی باتوں کی تردید نہیں کرتیں اس لیے اجمل بھائی ان کی باتوں پر ایمان لے آتے ہیں۔ مجھے جب گھر میں کسی سے بھی کوئی شکایت ہوتی ہے تو میں ابو سے کہتی ہوں اور یقین کریں وہ میری بات مانتے بھی ہیں۔''

''تم بہت معصوم ہو منی! زندگی کی جو تلخیاں میں نے جھیلی ہیں وہ تم نے سنی ہیں دیکھی نہیں ہیں اور دعا کرتی ہوں کہ کبھی تمہیں ایسی تلخیوں کا سامنا بھی نہ کرنا پڑے۔'' اس کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا۔

''معصوم ہوں بزدل نہیں۔'' وہ ترخ سے بولی۔ ''یقین کریں۔ میں آپ کی جگہ ہوتی تو اس گھر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتی جو میرا سکون برباد کرتے ان کا حشر بگاڑ دیتی۔''

''تم کیوں ہوتیں میری جگہ۔'' اس کے لہجے میں آزردگی، بے بسی تھی۔ ''ایسا تو اللہ قیامت تک نہ کرے۔ اپنے لیے تو مدت ہوئی دعا کرنا چھوڑ دی اب دو ہی انسان ہیں میری زندگی میں جو میری ساری دعاؤں کے حق دار ہیں۔ ایک تم اور ایک......'' وہ چند لمحوں کے لیے بالکل خاموش ہو گئی۔ کہیں کسی پرندے نے پَر پھڑ پھڑائے تھے درختوں کی شاخیں چیخ اٹھیں۔

ٹھٹھری ہوئی ہوا انہیں چھو چھو کر گزرتی تھی۔

''تم مجھے بزدل کہہ سکتی ہو۔ انسان دنیا میں آتا اکیلا ہے مگر اکیلا رہ نہیں سکتا۔ جو انسان تنہا ہوتا ہے وہ اپنی تنہائی سے خائف ہوتا ہے اور یہی خوف اسے سہاروں کے متلاشی بنا دیتے ہیں، چاہے وہ سہارا آنگن میں لگے پیڑ کا ہی کیوں نہ ہو۔ تم ہمیشہ کہتی ہو کہ مجھے اجمل

بھائی کو سکینہ بھابھی کے رویے کے بارے میں بتانا چاہیے میں کیا بتاؤں انہیں؟ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں اس کے باپ کو پیدا ہوتے ہی کھا گئی تھی وہ میری کسی بات پر یقین کیسے کرے گا، اس کا تو یہی احسان بہت ہے کہ مجھے اپنے گھر میں رہنے دیتا ہے اور یہ احسان بھی صرف اس لیے ہے کہ میں اپنی زبان بند رکھتی ہوں۔ یقین کرو منی! میں جس روز ایک بھی حرفِ شکایت زبان پر لاؤں گی میرے سر پر سے یہ چھت چھین لی جائے گی۔'' وہ دونوں ہتھیلیوں کا بوجھ پیچھے کی طرف ڈال کر منہ اوپر کر کے آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔

''اجمل بھائی کو میری ماں سے نفرت تھی کیونکہ ابا نے میری ماں سے دوسری شادی کی تھی، حالانکہ بڑی اماں کا تب تک انتقال ہو چکا تھا پھر جب میں پیدا ہوئی تو ابا کی ایک حادثے میں موت ہو گئی، تب سے اب تک اجمل بھائی کے ذہن پر میری نحوست سوار ہے اور انہوں نے اپنی اس سوچ کو صرف خود تک محدود نہیں رکھا بلکہ ساری برادری میں پھیلا دیا...... مجھے بتاؤ میں کس کے سامنے احتجاج کروں ان کے سامنے جو میری طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔''

مومنہ کیا کہتی کہنے کو بچا ہی کیا تھا کوئی پتھروں کے قاب سامنے رکھ دے اور کہے کہ ان میں سے کلیاں چن کر دکھاؤ تو کیا ہو گا، کہیں چند ایک کلیاں موجود بھی ہوں تو پتھروں کے بیچ مسلی جا چکی ہوں گی۔

مومنہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کے دل میں گل بانو کے لیے ہمدردی میں اضافہ ہوا تھا تبھی سڑک پر سے گزرتے ایک موٹر سائیکل سوار نے انہیں متوجہ کیا۔

''گل بانو تم ابھی تک اسکول نہیں گئیں؟'' وہ سڑک کے کنارے موٹر سائیکل کھڑی کر کے ان کی طرف آ گیا تھا۔

''بس جا ہی رہی تھی۔'' گل بانو کپڑے جھاڑتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''چلو میں چھوڑ دیتا ہوں۔'' اس نے پیشکش کی۔

''نہیں ہم چلے جائیں گے۔''

''یہ کون ہے؟'' اس نے مومنہ کی طرف اشارہ کیا۔

''مومنہ ہے میری سہیلی۔'' گل بانو نے مختصراً تعارف کروایا۔

''میں کل شہر جا رہا ہوں کوئی کتاب یا کوئی اور شے منگوانی ہو تو لکھ کر دکان پر بھجوا دینا یا خود دے جانا میں آتے ہوئے لے آؤں گا۔'' گل بانو کے سر ہلانے پر وہ اپنی موٹر سائیکل کی طرف چلا گیا پھر کک لگائی اور یہ جا وہ جا۔

''یہ کون تھا؟'' مومنہ نے دور ہوتی موٹر سائیکل کو دیکھ کر پوچھا۔

''اس کا نام شبیر ہے میرا بھائی بنا ہوا ہے۔ بہت اچھا آدمی ہے اس کی بچی بھی میری کلاس میں پڑھتی ہے۔ صدر میں اس کی اسٹیشنری کی دکان ہے۔ شہر جاتا ہے تو اکثر ضرورت کی چیزیں جو یہاں نہیں ملتیں لا دیتا ہے۔ اللہ بھلا کرے جہاں اپنے، اپنے بن کر نہیں دکھاتے وہاں غیر بھی سہارا دے دیتے ہیں۔

اچھا چلو اب چلتے ہیں گھنٹا ہو گیا ہے ہمیں گھر سے نکلے ہوئے۔ پرنسپل صاحبہ تو آج بہت غصہ کریں گی اور اگر اتفاق سے تمہاری دادی تم سے پہلے ثمن کے گھر پہنچ گئیں تو بس سمجھو قیامت آئی کہ آئی۔''

مومنہ نے ہنسنے میں گل بانو کا ساتھ دیا تھا۔

☆......☆......☆

حنان آفس میں موجود تھا اور پندرہ منٹ سے شاہ نواز کے روم میں اس کا منتظر تھا۔ شاہ نواز ابوظہبی بھجوائی جانے والی کنسائنمنٹ کا جائزہ لے کر اطلاع دینے کی غرض سے جہانگیر لاشاری کے آفس کی طرف جا رہا تھا جب راستے میں روک کر پیون نے اسے مطلع کیا تھا۔ شاہ نواز ٹھٹک سا گیا۔ حنان کی آفس میں موجودگی پھر اس سے ملنے کی خواہش...... بات ہر طرح سے تعجب خیز تھی اور قدرے تفکر آمیز بھی، حنان کی کوئی بھی نئی حرکت کسی اگلی پریشانی یا ذہنی الجھن کا سبب تو ہوتی ہی تھی۔

''ٹھیک ہے تم حنان سے انتظار کرنے کے لیے کہو میں کچھ دیر میں آتا ہوں۔''

چند لمحے اس ساری صورتحال پر غور کرنے کے بعد اس نے پیون کو مخاطب کیا تھا اور آگے قدم بڑھانا چاہے تھے کہ پیون نے عاجز لہجے میں کہا۔

''سر جی! آپ ابھی چلے چلیے۔ آپ کو حنان صاحب کے غصے کا پتا ہے۔ ہم چھوٹے لوگ ہیں، آپ کے خدمت گزار ہیں سر جی، عزت تو سب کی ہوتی ہے اور حنان صاحب تو منٹوں میں بندے کی مٹی پلید کر کے رکھ دیتے ہیں۔ پندرہ منٹ بھی انہوں نے پتا نہیں کیسے گزار لیے ہیں، ہر پانچ منٹ بعد انٹر کام پر چلا رہے تھے اب اگر میں نے ان سے پھر انتظار کرنے کے لیے کہا تو وہ تو میرا سر ہی پھاڑ دیں گے۔''

وہ حد درجہ جھنجلاہٹ میں مبتلا دکھائی دیتا تھا۔ شاہ نواز کو ناچار اس کی درخواست پر اثبات میں سر ہلانا ہی پڑا دوسرا یہ خیال بھی تھا کہ جتنی جلدی یہ مصیبت ٹلے اتنا اچھا۔

''میں اپنے آفس میں جا رہا ہوں تم وحید صاحب سے کہو پندرہ منٹ بعد نئے ڈیزائنر لے کر میرے آفس میں آ جائیں اور...... اور مبین صاحب کو بھی انفارم کر دو۔'' وہ تیز تیز قدم اٹھاتا اپنے آفس کی طرف آ گیا مگر بہر حال ایک گہری سوچ درپیش تھی۔

اب یہ کون سا نیا ڈرامہ ہے؟

اتنے اچھے حالات تو کبھی بھی نہیں رہے کہ وہ صرف مجھ سے ملنے چلا آئے۔

یا اللہ خیر مجھے تو اس شخص سے کوئی اچھی امید بھی نہیں ہے بلکہ اس پر یقین ہے دنیا میں کم سے کم پچاس عذاب صفت مرے ہوں گے تو یہ اکیلا پیدا ہوا ہوگا۔ اسی ادھیڑ بن میں وہ آفس میں داخل ہوا تھا۔

حنان ٹیبل پر پیر پھیلائے چھت کی جانب دیکھ رہا تھا اور ایک پیر اضطراری انداز میں مسلسل ہل رہا تھا۔

شاہ نواز نے بڑی مشکل سے ناگواری کو چھپائی اور پورا چکر کاٹ کر اپنی کرسی کی جانب آ گیا۔

حنان کے پاؤں کی حرکت رک گئی تھی۔ انتہائی سنجیدہ تاثرات کے ساتھ اس نے اپنی کلائی سامنے کی تھی اور گھڑی کے چمکتے ڈائل پر نظر ڈالی تھی۔

''میں پچھلے بیس منٹ سے یہاں انتظار کر رہا ہوں اس تاخیر کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔'' اس نے ایک ترچھی نظر شاہ نواز پر ڈالتے ہوئے بڑے رُوڈ لہجے میں پوچھا تھا۔ شاہ نواز نے اس کے انداز کو پھر بڑے تحمل سے برداشت کیا۔

''کیسے آنا ہوا؟'' روٹین کا انداز ظاہر کرتے ہوئے اس نے ٹیبل پر رکھے صفحات کو ترتیب دینا شروع کر دیا تھا۔

''بہت دنوں سے تم سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی تمہارا چہرہ نہیں دیکھا تو دنیا میں رنگ غائب ہونے لگے تھے، گھر پر تو تم ملتے نہیں ہو، سوچا آفس میں ہی مل لوں۔ اب تمہاری شکل دیکھ لی ہے بہت دن تک سکون رہے گا۔''

یہ تمسخرانہ انداز بس اسی کا شیوہ تھا۔

''حنان......'' اسے اپنی برداشت تقریباً ختم ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔

''میں تمہاری طرح فارغ انسان نہیں ہوں۔ بہت سی ذمہ داریاں ہیں مجھ پر، بہت سے کام کرنا ہوتے ہیں، اگر تم ٹو دی پوائنٹ بات کرو تو زیادہ بہتر ہوگا۔ جس مقصد کے لئے آئے ہو وہ کہو۔''

اس نے بہت سرد لہجے میں کہا تھا اور فائل ایک طرف رکھ کر دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسا کر میز پر رکھیں اور نظریں اس کے چہرے پر مرکوز کر دی تھیں یوں جیسے کہہ رہا ہو۔ ''بات ختم کرو اور دفع ہو جاؤ۔''

''آئی ایم امپرسڈ۔'' حنان ستائشی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''مسٹر لاشاری کو خود تو اتنے طنطنے سے بات کرنا نہیں آتا لیکن ملازم ایسے رکھے ہیں جو بڑے فخر سے مالکوں کے لہجے میں بولنے کی کوشش کرتے ہیں۔''

انتہائی تمسخرانہ لہجے میں اس نے شاہ نواز کو اس کی اوقات یاد دلائی تھی شاہ نواز کے اعصاب پر ہتھوڑے سے برسنے لگے۔

''ملازم اپنی حیثیت پہچانتے ہیں، مسائل تو ان کے لیے ہوتے ہیں جو اپنی حیثیت و مرتبہ فراموش کر دیتے ہیں۔'' بہت ضبط سے کام لیتے ہوئے اس نے بھی ایک تیکھا سا وار کیا تھا۔ پھر ریسٹ واچ پر نظر ڈال کر اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''بہر حال اب آپ بتانا پسند کریں گے کہ آپ کس سلسلے میں تشریف لائے ہیں۔''

حنان کو اس کا انداز برا لگا تھا۔

''یہ مالکانہ انداز تمہیں سوٹ نہیں کرتے شاہ نواز۔ اپنی اوقات پہچانو...... جہانگیر لاشاری جیسے اسٹوپڈ آدمی......''

''شٹ اپ حنان!'' وہ بری طرح تڑخ کر بولا تھا۔

''تمہاری بحث میرے ساتھ ہے اپنی سو کالڈ ایگو کی سیٹسفیکشن...... کے لئے جو بھی کہنا ہے مجھے کہو۔ سر کے بارے میں، میں ایک

بھی فضول لفظ نہیں سنوں گا۔'' اس کے لیے برداشت کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن تھا، جس اعتماد سے وہ مقابل کے پرخچے اڑا دیتا تھا وہ جہانگیر لاشاری کا دیا ہوا ہی تھا۔ وہ کیسے ضبط و تحمل کا مظاہرہ کرتا۔

''اور تمہیں شرم نہیں آتی اپنے باپ کے بارے میں اس طرح کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے۔''

''باپ...... ہاہاہا۔'' اس نے دل کھول کر قہقہہ لگایا۔ ''یار شاہ نواز! تمہاری یہ خوبی اضافی ہے لطیفے بہت اچھے سناتے ہو۔ میں سوچ رہا تھا لاشاری صاحب اب تک تمہاری مٹھی میں کیسے ہیں، اب پتا چلا اس کام میں جو کس بھی کافی مدد کرتے ہوں گے، یونہی تو انہوں نے اب تک تمہیں ''جان جگر'' نہیں بنا رکھا۔'' کانونٹ کا شہزادہ اردو کے پرخچے اڑا رہا تھا۔

''تمہارا اسیکرٹری کہہ رہا ہے جب تک ''چیف اکاؤنٹنٹ صاحب'' آرڈر نہیں دے دیتے وہ کوئی کیش ایشو نہیں کرے گا۔ تم اسے آرڈر دو کہ میرے لیے کیش ارینج کرے۔'' اس نے شاہانہ انداز میں حکم دیا۔ شاہ نواز نے جھپٹ کر ریسیور اٹھایا اور ریسیور کان سے لگاتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔

''تمہیں کتنا کیش چاہیے؟''

''ففٹی تھاؤزنڈز۔''

''ففٹی تھاؤزنڈز۔'' شاہ نواز نے ریسیور کان سے لگا کر ایک بٹن پریس کیا پھر چند لمحوں کے توقف سے بولا۔

''جی نبیل...... کیا مسئلہ ہے؟۔ ہوں نہیں بھئی، تو پھر ارینج کیجیے۔ ناٹ ایٹ آل ففٹی تھاؤزنڈز۔ آف کورس۔''

اب وہ بالکل خاموشی سے دوسری جانب کی بات سن رہا تھا اور اس دوران حنان پر نظریں جمائے کسی نتیجے پر پہنچنا چاہ رہا تھا۔

شاہ نواز نے ریسیور رکھ کر چند لمحے کسی سوچ کی نذر کیے پھر اس کی جانب متوجہ ہوا۔

''آئی ایم سوری حنان! آپ کی مطلوبہ رقم آپ کو آج نہیں مل سکتی۔ آپ کو کل تک انتظار کرنا ہوگا۔''

اپنی اکتاہٹ چھپاتے ہوئے اس نے بے لچک لہجے میں کہا۔

''لیکن کیوں؟'' وہ بدک گیا۔ اس جواب کی قطعی توقع نہ تھی۔

''کیونکہ ساڑھے تین بج چکے ہیں اور پاکستان کے تمام بینک اس وقت بند ہو چکے ہوتے ہیں۔ کل صبح آپ کی مطلوبہ رقم کا چیک بینک جائے گا اور کیش ہوگا پھر آپ کو آپ کی رقم مل جائے گی فی الحال یہ ممکن نہیں ہے۔'' اس نے بڑے آرام سے حنان کی جان جلا کر خاک کی تھی۔

حنان نے احساسِ بے بسی سے بند مٹھی ہتھیلی پر رسید کی تھی۔ ذہن جیسے ماؤف ہونے لگا تھا تبھی کوئی کوندا سا لپکا۔

''آفس میں بھی تو کیش ہوگا اتنی معمولی رقم ڈیلی بینک سے تو نہیں لائی جاتی ہوگی۔ تم مجھے آفس کے کیش میں سے ففٹی تھاؤزنڈز دے دو۔''

''سوری اگین...... یہ پاسبل نہیں ہے۔'' دوٹوک، بے لچک لہجہ تھا۔

''کیوں؟'' وہ بری طرح جھلایا۔

''کیونکہ یہ رول ہے آفس کا کیش آفس کی ذاتی ضروریات پر خرچ ہوتا ہے۔ پورا ریکارڈ تیار ہوتا ہے۔ ذاتی ضروریات کے لیے بہرحال بینک سے ہی رجوع کیا جاتا ہے، خواہ کتنی بھی معمولی رقم کیوں نہ ہو۔ سر یہی کرتے ہیں۔'' اس نے جہانگیر لاشاری کا حوالہ دیتے ہوئے کہا تھا۔

''دیٹس ناٹ مائی ہیڈک کہ کوئی کیا کرتا ہے۔'' وہ الٹ ہی پڑا تھا۔

''مجھے کیش چاہیے ابھی اور اسی وقت یہ تمہاری اور تمہارے سر کی ذمہ داری ہے کہ یہ کیش کہاں سے ارینج کرتے ہیں۔ قالین بنا بنا کر ایکسپورٹ ہو رہے ہیں منافع کمایا جا رہا ہے۔ پیٹرول پمپ قائم ہو گئے تمام بڑے شہروں میں، شوروم اسٹیبلش کیے جا رہے ہیں پانچوں گھی میں اور سر کڑاہی میں اور جن کا اصل حق ہے انہیں ایروں غیروں کی باتیں سننا پڑ رہی ہیں۔ اس بزنس ایمپائر کی بنیاد میں میرے نام کی اینٹیں لگی ہیں ایک بھی کھینچ لوں تو حواس کھو بیٹھیں گے۔ اگلے ہی روز پاگل خانے میں دکھائی دے رہے ہوں گے۔'' جناب جہانگیر لاشاری قالینوں والے۔'' اس نے خصوصاً آخری الفاظ دانتوں تلے چبا ڈالے تھے۔ شاہ نواز دم سادھے دروازے کی جانب دیکھ رہا تھا۔ حنان لاوا اگل کر کسی اگلی سوچ میں تھا۔ جھلاتے ہوئے شاہ نواز کی نظروں کے تعاقب میں دروازے کی جانب دیکھا جہاں جہانگیر لاشاری کھڑے تھے۔

''اچھا ہوا، آپ خود ہی آ گئے ورنہ مجھے مزاحمت کرنا پڑتی۔'' وہ بہت روڈلی بولا تھا اس بات کا لحاظ بھی نہیں کیا کہ عقب میں دو فرد اور بھی ہیں اور دم بخود اسے دیکھ رہے تھے۔

جہانگیر لاشاری کا تو وہ حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ یہ بات زیادہ شرمندگی کا باعث تھی کہ حنان کے فرمودات وحید اور مبین صاحب بھی سن چکے ہیں۔ انہوں نے بمشکل تھوک نگل کر دونوں کو جانے کے لیے کہا پھر چند قدم ان دونوں کی سمت بڑھا لیے۔

''یہ آپ کے چیف اکاؤنٹنٹ صاحب پلس اسسٹنٹ صاحب مجھے کیش نہیں دے رہے۔''

''میں نے تم سے کہا تھا تمہیں جتنے پیسوں کی ضرورت ہو وہ تم مجھ سے مانگو۔'' وہ تحمل سے بولے تھے۔

''اور میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ مجھے آپ سے مانگنا اچھا نہیں لگتا۔'' اس نے پھر انگارے اگلے۔

''اور کیوں مانگوں میں آپ سے؟ جب یہ سب کچھ میرا ہے تو مجھے بغیر مانگے ملنا چاہیے کوئی ایک آدھ شیئر تو ہے نہیں آپ کو یہ بات نہیں بھولنا چاہیے کہ ہم برابری کی بنیاد پر پارٹنر ہیں۔''

''شاہ نواز! حنان کو جتنی رقم چاہیے اسے دے دو۔'' انہوں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں شاہ نواز کو مخاطب کیا تھا۔

''لیکن سر......'' اس نے کچھ کہا لیکن جہانگیر لاشاری نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔ شاہ نواز کے اعتراض و مزاحمت پر برق سی گری۔

’’تم اسے رقم دے دو اور اگلی بار جب حنان کو رقم کی ضرورت ہو تب بھی تم اسے دینا میری پرمیشن کی ضرورت نہیں۔‘‘ وہ اس سے مخاطب تھے مگر دیکھ حنان کی جانب دیکھ رہے تھے پھر جھجکتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

’’تم ففٹی پرسنٹ پارٹنر کی بات مت کرو حنان۔ یہ جو کچھ بھی ہے وہ ہنڈرڈ پرسینٹ تمہارا ہے اور......اور میں تمہارا باپ ہوں۔‘‘

وہ تیز تیز قدم اٹھاتے باہر نکل گئے لیکن شاہ نواز نے لہجے سے زیادہ ان کے قدموں کی شکستگی کو محسوس کیا تھا۔

حنان اس کی جانب دیکھتے ہوئے فاتحانہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

☆......☆......☆

ٹھیک آدھے گھنٹے بعد وہ جہانگیر لاشاری کے آفس میں تھا۔

جہانگیر لاشاری سیٹ پر موجود نہیں تھے بلکہ گلاس وال کے سامنے کھڑے تھے۔ تمام سینٹرل لائیٹس آف تھیں۔ صرف گلاس وال سے آنے والی روشنی نے پورے روم میں ملگجی سی تاریکی پھیلا رکھی تھی۔

شاہ نواز آہستگی سے قدم اٹھاتا ان سے کچھ فاصلے پر جا رکا۔ جہانگیر لاشاری نے دونوں ہاتھ پیچھے کی جانب باندھ رکھے تھے۔ دائیں ہاتھ کی انگلیوں میں سگار دبا تھا۔ چہرے پر دبیز خاموشی اور گہری سوچ کی پرچھائیاں، نگاہیں گلاس وال سے دکھاتی دیتی جیل روڈ کی ٹریفک پر تھیں۔

وہ اس طرح بری طرح سے اپنی سوچ میں غلطاں تھے کہ شاہ نواز کی آمد پر بھی متوجہ نہیں ہوئے۔ جس قسم کا ’’تماشا‘‘ حنان لگا کر گیا تھا شاہ نواز تو خود بے زار ہو گیا تھا اور اس کے لیے جہانگیر لاشاری کی سوچ کی گہرائی کا اندازہ کرنا ذرا بھی مشکل نہیں تھا۔ اس نے گلا کھنکار کر جہانگیر لاشاری کو متوجہ کیا۔

’’سر! آپ نے بلوایا تھا۔‘‘

جہانگیر لاشاری گردن موڑ کر اس کی جانب دیکھنے لگے پھر جیسے کسی خیال سے چونکے۔

’’ہاں شاہ نواز......‘‘ انہوں نے گہرا کش لگایا تھا۔

’’کچھ دیر میں فیصل آباد سے کچھ لوگ آ رہے ہیں......دھاگوں کے سیمپل ہوں گے......وہ اصل میں یار تم انہیں ہینڈل کر لینا اس وقت میں کوئی کام کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔‘‘ ان کے لہجے میں تکان و بے زاریت تھی اسی لیے گفتگو بھی بے ربط تھی۔

’’کچھ دیر گھر جا کر آرام کرنا چاہتا ہوں ہر ٹینشن سے نکل کر صرف اچھے پہلو دیکھنا چاہتا ہوں ایک دم سے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میں کسی سنگلاخ راستے میں پھنس چکا ہوں اور کوئی امید نہیں......‘‘

’’آپ خود ڈرائیو کریں گے؟‘‘ شاہ نواز نے انہیں اس قدر بکھری حالات میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا ایک دم سے اسے احساس تھا کہ اس اچھے انسان کو کسی عظیم نقصان سے نکالنے کے لیے فی الحال اس ماحول سے نکالنا ضروری ہے۔

''ہاں۔'' انہوں نے مختصراً کہا۔

''آپ کا ڈرائیو کرنا مناسب نہیں ہے میں ڈرائیور سے کہتا ہوں وہ گاڑی نکالے۔''

''ہوں ٹھیک ہے۔''

وہ جلدی سے ٹیبل تک گیا اور کارڈلیس پر گاڑی نکالنے کا آرڈر دیا اس وقت اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔

واپس آیا تو جہانگیر لاشاری سنگل صوفہ پر بیٹھے قدرے آگے کو جھکے ایش ٹرے میں سگار مسل رہے تھے۔

''حنان نے تم سے بہت مس بی ہیو کیا......اس کی طرف سے میں معافی......''

وہ اس کی طرف دیکھے بنا بہت عاجزی و شرمندگی سے بولے تھے۔

''پلیز سر!'' شاہ نواز نے تڑپ کر سر اٹھایا۔ جہانگیر لاشاری کے الفاظ و لہجہ اس کے لیے انتہائی شرمندگی کا باعث تھے یکدم اپنا آپ بہت چھوٹا محسوس ہونے لگا تھا۔

''آپ یہ کہہ کر مجھے شرمندہ مت کیجیے۔ حنان نے جو کچھ کہا اور کیا وہ اس کا ذاتی فعل ہے اسے شرمندہ ہونا چاہیے اسے معافی مانگنی چاہیے آپ یہ الفاظ کہہ کر مجھے میری نظروں میں گرا رہے ہیں۔''

جہانگیر لاشاری افسردگی سے مسکرا دیے اور مشکور نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔

کچھ دیر کے لیے بڑی بوجھل سی خاموشی کا راج چاروں طرف چھا گیا۔

''میں کچھ بھی کرلوں حنان مجھ سے خوش نہیں ہوسکتا۔'' جہانگیر لاشاری کی آواز گونجی تھی۔

''اسے ہمیشہ مجھ سے شکایتیں رہی ہیں وہ ہمیشہ مجھے غلط سمجھتا رہا وہ ہمیشہ مجھے ناپسند کرتا رہا ہے۔ اسے ہمیشہ میرے ہر عمل میں خودغرضی دکھائی دیتی ہے۔ میں اس کے نزدیک اس دنیا کا براترین انسان ہوں کبھی کبھی مجھے لگتا ہے میں اس کے لیے مر بھی جاؤں تو بھی اس کے لیے اچھا نہیں بن سکوں گا۔ میں برا تھا، ہوں اور رہوں گا، اس کی نفرت، محبت میں تبدیل نہیں ہوسکتی۔''

''سر، آپ اس طرح مت سوچیے۔ حنان آپ سے نفرت نہیں کرتا بس اس میں دوسروں کا احساس کرنے کی صلاحیت ذرا کم ہے۔''

شاہ نواز نے اس ٹوٹتے بکھرتے انسان کو سہارا دینے کی اپنی سی کوشش کی تھی۔ ان کا لب و لہجہ شاہ نواز کو اندر تک جھنجھوڑ رہا تھا۔

''جانتے ہو شاہ نواز! حسب نسب خدا کی خاص دین ہے اور نسب کے وقار کی حفاظت انسان کی سب سے بڑی ذمہ داری۔

عزت اور ساکھ ایک دن میں یا کسی ایک انسان کی کوشش و محنت کا صلہ نہیں ہوتی، نسلوں کی نسلیں کئی مقامات پر کڑوے گھونٹ پیتی ہیں تب کہیں جا کر عزت نام کی پگڑی سر پر سجتی ہے۔

میرے باپ نے وہ دور بھی دیکھا جب ان کے دسترخوان پر تین وقت سات طرح کے پکوان موجود ہوتے تھے اور وہ وقت بھی دیکھا جب پوری رات بھوک کے مارے کروٹیں بدلتے گزارنا پڑی، مگر اف تک نہیں کیا۔ محنت مزدوری کی، پتھر ڈھوئے، اینٹیں بنائیں مگر

کبھی مایوس ہو کر نہیں بیٹھے کبھی کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کیا۔

وہ ہاتھ پھیلانے کو گناہ کبیرہ سمجھتے تھے مجھے یاد ہے بہت بچپن میں مجھ سے ایک ایسا ہی گناہ سرزد ہوا تھا اور سزا کے طور پر انہوں نے جلتی ہوئی لکڑی سے میری ہتھیلیاں داغ دی تھیں، انہوں نے کہا تھا کسی سے مانگنے سے بہتر ہے تم مر جاتے۔

وہ کئی روز اس بات پر مغموم رہے تھے اور رات جب انہوں نے مجھے سزا دی میرے لیے انقلاب کی رات تھی۔ میرے باپ کے الفاظ، ان کے دکھ نے مجھے نہ صرف بہت کچھ سمجھا دیا تھا بلکہ میرے اندر عزم و حوصلے کا انبار لگا دیا تھا۔ میں نے اسی روز سوچ لیا تھا آئندہ اپنے باپ کے سر کو کبھی جھکنے نہیں دوں گا انہوں نے اتنی مشکلات اور سختیاں اس لیے نہیں جھیلی تھیں کہ آنے والی نسل اپنی کسی معمولی تسکین کے لیے ان کے بزرگوں کی محنت پر پانی پھیر دے۔

وہ رات رات بھر جاگ کر کھڈیوں پر قالین بنا کرتے تھے تا کہ ہم بہن بھائیوں کو تعلیم دلوا سکیں اور ایک اچھا معیار زندگی فراہم کر سکیں میں نے محنت مزدوری کر کے وضع داری سے جینا ان سے سیکھا، ان کے ہاتھوں پر پڑی ہوئی لکیریں میری ہمت ہیں آج بھی۔

جب ہم نے اپنا پہلا کارخانہ قائم کیا تو ایک زمانہ تھا رشک کرنے والا۔ آج بھی جب کوئی یہ کہتا ہے ''یہ جہانگیر لاشاری ہے بلند بخت لاشاری کا بیٹا جو افغانستان سے ہجرت کر کے پاکستان آیا تو اس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں تھا سوائے ہنر کے۔''

تو میرا سینہ فخر سے تن جاتا ہے کیونکہ بلند بخت لاشاری کے بیٹے نے جس کاروبار میں کامیابی حاصل کی اس کاروبار کی بنیاد بلند بخت لاشاری کے ہنر پر ہے۔

لوگ آج بھی میرے باپ کی عزت کرتے ہیں وہ مجھ سے اسٹامپ پیپر سائن نہیں کرواتے میری زبان کا کہا کافی جانتے ہیں کیونکہ انہیں پتہ ہے میں بلند بخت کا بیٹا ہوں جس نے کبھی کسی کو دھوکا نہیں دیا کبھی کسی کو نقصان نہیں پہنچایا تھا۔

مجھے فخر محسوس ہوتا ہے تب بھی جب لوگ مجھے نہیں پہچانتے مگر میرے باپ کا نام سن کر مؤدب ہو جاتے ہیں مگر مجھے خوف آتا ہے اس وقت سے جب لوگ بلند بخت لاشاری کو پہچانیں گے جہانگیر لاشاری کو پہچانیں گے مگر حنان لاشاری کا نام آتے ہی منہ موڑ لیا کریں گے۔

بزرگوں کے نام کا سہارا ہوتا ہے لیکن اپنی پہچان بھی لازم ہوتی ہے اور حنان جو پہچان بنا رہا ہے وہ ہر گزرتے دن کے ساتھ مجھے مایوس کر دیتی ہے۔ میں یہ سوچ کر خائف رہتا ہوں کہ کہیں وہ کوئی الٹی سیدھی حرکت نہ کر دے۔ آج جو کچھ ہوا...... وہ بہت برا تھا اگلی بار وہ آ کر کوئی بھی ڈیمانڈ کرے تم اسے پورا کر دو مگر ایسی نوبت مت آنے دینا کہ وہ کوئی ہنگامہ کرے عزت بنتی صدیوں میں ہے اور ختم ہونے میں بس لمحے لگتے ہیں۔ میرے باپ کے سکھائے ہوئے وضع داری اور عزت و نسب کے وقار کی پاس داری کے اصول آج بھی میری رگوں میں دوڑ رہے ہیں مگر مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے کہ حنان کے ہاتھوں اس عزت کو گہناتے دیکھوں۔''

انٹر کام کے بزر نے گفتگو کے تسلسل میں خلل ڈال دیا تھا۔ شاہ نواز جو بہت دھیان سے ان کا ایک ایک لفظ سن رہا تھا۔ تیزی سے میز کی جانب گیا پھر واپس آیا۔

”گاڑی تیار ہے سر۔“

جہانگیر لاشاری تھکے تھکے انداز میں نشست چھوڑ کر کھڑے ہوئے تھے۔شاہ نواز نے انہیں کوٹ پہننے میں مدد دی تھی۔

اس دوران ڈرائیور اجازت طلب کر کے اندر داخل ہوا تھا اور جہانگیر لاشاری کا بریف کیس لے کر باہر نکل گیا تھا۔

”سر! ابھی آپ نے ایک بات کہی تھی۔“ میز سے موبائل اٹھا کر جہانگیر لاشاری کو تھماتے ہوئے اس نے کہا تھا۔”کہ بزرگوں کے نام کا سہارا ہوتا ہے مگر اپنی پہچان بھی لازم ہوتی ہے۔میرا خیال ہے آپ کو یہ سوچ کر ہی مطمئن رہنا چاہیے کہ آپ اپنی ذمہ داریاں اچھی طرح نبھا رہے ہیں، جو کچھ وہ کر رہا ہے وہ اس کا سراسر ذاتی فعل ہے اور کل کو اسے اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔“

جہانگیر لاشاری مشکور سے انداز میں مسکرائے مگر اس مسکراہٹ میں بے بسی کہیں زیادہ تھی۔

”دنیا کا مزاج بہت الٹا ہے شاہ نواز! یہاں تو بعض اوقات اچھے کام کا صلہ بھی اچھا نہیں ملتا پھر برے راستے پر چلتے ہوئے اچھی منزل کی توقع رکھنا نادانی نہیں تو اور کیا ہے پھر ایک باپ کیلیے اس سے بڑی اذیت اور کیا ہو سکتی ہے کہ کل کو اس کا بیٹا کوئی مشکل دیکھے گا۔“

جہانگیر لاشاری نے اس کا کندھا تھپتھپایا اور تیز تیز قدم اٹھاتے آفس سے باہر نکل گئے۔شاہ نواز وہیں کھڑا دروازے کی جانب دیکھتا رہا جہاں جہانگیر لاشاری غائب ہوئے تھے۔اس کے دل و دماغ میں جنگ سی چھڑ گئی تھی۔

حیرتوں کے در وا ہوتے ہیں تو ذات کا شعور آتا ہے۔

چھوٹی سی دنیا اور اس سے بھی مختصر زندگی۔

چھوٹی سی دنیا میں رہتے ہوئے اور مختصر زندگی گزارتے ہوئے جب ایک ہی جذبے کے دو روپ دیکھنے کو ملیں تو انسان تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے۔

رشک کی انتہائی حد، حسد کی پہلی منزل ہوتی ہے۔

وہ بھی بندہ بشر تھا کبھی کبھی غیر ارادی طور پر قدم بھٹکتے تو کئی روز خود اپنے آپ سے شرمندہ رہنا پڑتا۔

حساسیت بھی عذاب ہے۔

اس نے سر جھٹکا اور ہر فضول سوچ کو ذہن سے نکال کر ٹیلی فون سیٹ کی جانب بڑھا، پہلے انٹرکام پر سیکرٹری کو کچھ ہدایات دیں پھر ”قصر بلند“ کا نمبر ڈائل کیا۔شمسہ کو کسی نہ کسی طرح تھوڑا بہت آگاہ کرنا ضروری تھا تا کہ وہ جہانگیر لاشاری کو اس الجھن و پریشانی سے باہر آنے میں مدد دیں۔

فون بند کرنے کے بعد وہ چند لمحے بالوں میں انگلیاں چلاتا رہا پھر اٹھ کر باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

”یار تیمور!“

''بولو میرے عزیز دوست۔''

''میں کچھ سوچ رہا ہوں۔'' باذل نے پرسوچ انداز میں کہا تھا۔

''اللہ کی شان ہے اب وہ بھی سوچا کریں گے جنہیں سوچ کے ہجے بھی نہیں آتے۔''

''اونہہ...... یار! ڈونٹ ٹرائی ٹو انڈراسٹیمٹ می! یاد نہیں میں نے پریپ کلاس میں ایک نہ آدھا پورے دو سال لگائے تھے۔ مس سلطانہ کا مولا بخش اوران کے سکھائے ہوئے ہجے آج بھی یاد ہیں کہو تو سناؤں۔''

''نہیں نہیں۔'' تیمور جلدی سے بولا۔ مبادا وہ سچ مچ شروع ہو جائے۔

''میں بے چارا کم علم اور کم فہم سا انسان ہوں تمہاری قابلیت کا بوجھ کہاں سہار پاؤں گا۔'' اس نے خوب جی جان سے مصنوعی عاجزی و انکساری کا اظہار کیا تھا۔

''تم یوں کرو باذل! جو سوچ رہے ہو وہ انتہائی مختصر الفاظ میں بیان کردو۔''

''میں جو بات سوچ رہا ہوں وہ انتہائی اہم ہے اور اہم باتیں مختصر الفاظ میں نہیں ہوا کرتیں۔'' اس نے علمیت جھاڑی۔

''اظہار محبت سے زیادہ اہم بات اور کیا ہو سکتی ہے اور وہ تو تین الفاظ میں ہو جاتی ہے۔'' تیمور بڑی شدومد سے بولا۔ باذل نے اسے یوں گھورا جیسے اس کی کم علمی پر خفا ہو۔

''اور یہ تین الفاظ بولنا کس قدر مشکل کام ہے؟ کچھ پتا بھی ہے کوئی مجھ سے پوچھے دن میں چار بار اس مشکل بلکہ کٹھن صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور میں ہی جانتا ہوں میری کیا کیفیت ہوتی ہے دل کانوں میں دھڑک رہا ہوتا ہے، ہاتھ پسینے سے بھیگ رہے ہوتے ہیں، ٹانگیں لرز رہی ہوتی ہیں۔''

''آفرین ہے تم پر مرنے کے قریب ہوتے ہو پھر بھی چار بار اظہار کرتے ہو...... کمال ہے۔''

''زیادہ طنز کرنے کی ضرورت نہیں ہے ساری بات حوصلے کی ہے وہ حوصلہ جو مجھ جیسے جانبازوں میں ہوتا ہے ورنہ تم تو اب تک ''ایک اکلوتی'' سے بھی اظہار محبت نہ کرسکے حالانکہ لڑکی بھی گھر میں ہی موجود ہے۔''

تیمور نے بالکل بے ساختہ باذل کو ایک ٹھوکر رسید کی تھی اور بوکھلا کر کمرے میں موجود جملہ احباب پر نظر ڈالی تھی لیکن شکر ہے کوئی بھی ان کی جانب متوجہ نہ تھا۔ لڑکیوں کی زبانیں مسلسل چل رہی تھیں جب کہ عادل کو سنڈے میگزین میں کوئی دلچسپ فیچر مل گیا تھا۔

تیمور نے کھا جانے والی نظروں سے باذل کو گھورا۔

''تم سدھر نہیں سکتے؟''

''میں تو کبھی نہ کبھی سدھر ہی جاؤں گا لیکن مجھے لگتا ہے تم تو کبھی بھی نہیں سدھر سکتے۔'' باذل نے جی جان سے اس کی حالت پر افسوس کیا تھا۔

''ایک لڑکی کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ تم اس سے محبت کرتے ہو؟ جب یہ نہیں کر سکتے تو تمہیں سمجھ لینا چاہیے تیمور! کہ تم زندگی میں کوئی اور قابل قدر کام بھی نہیں کر سکتے۔''

''اور ہنے دے یار!۔'' تیمور نے مکھی اڑائی تھی۔

''ہر بات کا ایک وقت ہوتا ہے جب وقت آتا ہے تو سب کچھ ہو جاتا ہے محبت بھی، اظہار محبت بھی۔'' اس نے اڑتی پڑتی سی نظر شفق پر ڈالی بے چاری آج کل بالکل معذور ہوئی بیٹھی تھی، پھر ایک دم یاد آنے پر بولا۔

''تمہاری وہ بات...... جو سوچ رہے تھے۔''

''ارے خوب یاد دلا دیا۔'' باذل نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا تھا۔ ''تمہیں پتا ہے بہت اہم بات ہے۔''

''مجھے تو صرف اتنا پتا ہے ملا کی دوڑ مسجد تک اور باذل کی گرلز کالج تک...... ویسے باذل لاہور میں چھوٹے بڑے پچاس کالج تو ہوں گے اس حساب سے تم دن بھر میں کئی میل دوڑ لیتے ہو گے۔'' وہ بہت سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا مگر آنکھوں میں بھری شرارت نے باذل کو اندر تک جلا کر خاک کر دیا تھا۔ وہ تڑخ کر بولا۔

''تم میں یہ بڑی خامی ہے ہر بات یونہی ہنسی میں اڑا دیتے ہو، کبھی کبھی میں سوچتا ہوں اللہ نے میرے ساتھ بڑا ظلم کیا ایک دوست دیا وہ بھی انتہائی نکما مجال ہے جو کوئی بات سنجیدگی سے سن لے۔''

''ہاہاہا۔'' تیمور نے بلا تکلف قہقہہ لگایا تھا۔

''او بھائی! اللہ سے کاہے کا شکوہ...... وہ محاورہ نہیں سنا؟ جیسا منہ ویسا تھپڑ......''

''اصل بات یہ ہے کہ تم مجھ سے حسد کرتے ہو۔'' باذل نے انتہائی سنجیدگی سے نتیجہ اخذ کیا تھا۔

''کیونکہ میری وجاہت کے سامنے تمہیں پاسنگ مارس بھی نہیں ملتے اس لیے...... ورنہ کوئی بے وقوف ہی ہو سکتا ہے جو ایسے چہرے کی برائی کرے گا جس نے لاہور کی کئی نازنینوں کی نیندیں اڑا رکھی ہیں۔''

''نیند تو خوف سے بھی اڑ جاتی ہے۔'' تیمور نے نکتہ نکالا۔

''جن کے خوابوں میں تم آتے ہو ان کی نیند تو واقعی خوف سے اڑ جاتی ہو گی مگر جن کے خوابوں میں، میں آتا ہوں وہ تو نیند کی گولیاں کھا کر سوتی ہیں تاکہ نہ آنکھ کھلے نہ حسین خواب کا سلسلہ منقطع ہو۔''

''واہ، واہ ماشاء اللہ!'' تیمور نے بھرپور داد دی تھی۔

''دنیا میں کئی خوف فہم ہوں گے مگر تم اپنے نام کے ایک ہی ہو۔''

''درست۔'' اس نے چٹکی بجائی۔

''ہم تو وہ ہیں جن کو بنا کر سانچا ہی توڑ دیا جاتا ہے۔''

اس کی گردن میں سریا فٹ ہوا مگر مقابلے پر تیمور تھا چوک جانا جس کی فطرت ہی نہیں تھی۔ مزے سے بولا۔

"کسی اور کا تو مجھے نہیں پتا بس تمہارا پتا ہے کہ دنیا والوں کو عذاب میں مبتلا کرنے کے لئے یہ اکیلا ہی کافی ہے اور فوراً ہی سانچا توڑ دیا ہوگا۔"

"ہاہاہا۔" کئی قہقہے ایک ساتھ بلند ہوئے تھے۔ باذل نے مصنوعی گھبراہٹ سے لڑکیوں کی جانب دیکھا پھر تیمور کو کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

"دغا باز دوست، عمرو عیار کے چیلے! کروادی نا سب کی۔"

"معاف کردیں گرو جی! آئندہ سوچ سمجھ کر ارد گرد دیکھ کر بولا کروں گا۔" تیمور نے گھگیا کر کہا جواب میں مزید قہقہے گونجے تھے۔

اسی دم ثانیہ چائے کی ٹرے لئے اندر داخل ہوئی تھی اور ان سب کو لوٹ پوٹ ہوتا دیکھ کر خوش گوار سی حیرت کے ساتھ پوچھا تھا۔

"یہاں کیا لطیفے سنانے کا مقابلہ ہو رہا ہے؟"

"جب باذل اور تیمور اکٹھے ہوتے ہیں تو لطیفے سنانے کا مقابلہ ہی ہو رہا ہوتا ہے ہم تو محض سامعین ہیں تم بھی آجاؤ دیکھتے ہیں کون جیتتا ہے۔" اجیہ نے آنکھوں میں آئی نمی پونچھتے ہوئے کہا تھا۔

"باذل بمقابلہ تیمور۔" ثانیہ نے مسکراتے ہوئے کھڑے کھڑے ذرا سا جھک کر ٹرے زمین کو پکڑائی تھی۔

"پھر تو کوئی نہیں جیت سکتا کیونکہ ان دونوں میں سے کوئی ہارے گا ہی نہیں۔"

"بالکل ٹھیک کہا۔" اجیہ بولی۔

"کوئی خاموش ہوگا تو ہارے گا۔"

"ذرا وضاحت کرو تم لوگ ہماری صلاحیتوں کو سراہ رہی ہو یا برائی کر رہی ہو۔" تیمور نے معصوم بن کر پوچھا تھا۔

"تمہیں یہ کیوں لگا کہ برائی ہو رہی ہے؟" شفق نے بھی زبان کھولی۔

"تمہیں سراہا جا رہا ہے کاش! کوئی بولنے کا مقابلہ منعقد ہو تو ہم تمہیں اس میں بھجوادیں حصہ لینے کے لئے۔"

"لیں جی! اب کوئی ایسا مقابلہ منعقد ہوا تو تیمور سر کے بل چل کر جائے گا کیونکہ آپ نے کہہ دیا ہے اب کسی اور سرٹیفکیٹ کی ضرورت ہی نہیں۔" باذل مزے سے بولا۔ شفق تو سن کر انجان بن گئی کہ عموماً ایسی صورت حال میں وہ ایسا ہی کرتی تھی۔ لیکن سب کے چہرے پر مسکراہٹ تھی کہ سب ہی ان دونوں کی پسندیدگی سے واقف تھے۔

"اچھا باتیں مت بناؤ یہ چپس اور کیچپ ادھر کرو اب ہم نے شرط لگا کر یہ پلیٹ صاف کرنی ہے۔" تیمور دھیان بٹانے کی غرض سے بولا تھا۔ اسی دم عانیہ اندر داخل ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں چپس کی ایک اور پلیٹ۔

"کبھی شرط لگا کر خاموش رہ کر بھی دیکھو۔ اس میں کافی مزا آتا ہے۔" اس کی مخصوص ٹون تھی جتاتا لہجہ، پتھر مارتا انداز۔

”خاموش رہنے کے لئے یہ ہمارے عادل بھائی کافی ہیں۔“ باذل پلیٹ میں کیچپ ڈالتے ہوئے بولا تھا۔

”انہوں نے تو شاید قسم ہی کھا رکھی ہے کہ دن میں گن کے سو الفاظ بولنے ہیں، جس رات یہ زیادہ کروٹیں بدل رہے ہوں میں سمجھ جاتا ہوں آج گنتی آگے پیچھے ہوگئی ہے اور انہیں ٹھیک سے نیند نہیں آ رہی۔“

ایک زبردست قہقہہ بلند ہوا تھا۔ بے چارہ عادل جھینپ سا گیا۔“

”دروغ گوئی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے باذل! اب میں اتنا بھی کم گو نہیں ہوں بس تمہاری طرح ادھر ادھر کی بے تکی نہیں ہانکتا رہتا۔“ عادل کے لبوں پر خجالت آمیز مسکراہٹ تھی۔

کمرے میں موجود ہر فرد اس گفتگو میں حصہ لے رہا تھا، محظوظ ہو رہا تھا کئی آوازیں گونج رہی تھیں۔ سب مسکرا رہے تھے اور عانیہ، عادل کو گھور رہی تھی۔ دل کروٹ کروٹ سلگ رہا تھا۔

”اونہہ...... ان کے یہاں تو ہر چیز کی حد ہے حتیٰ کہ جائز حقوق بھی کوئی مانگے تو کہیں گے کہ ”حد ہے“ اگر حد نہیں ہے تو ان کی نصیحتوں کی، یا احمقوں کی طرح مسکراتے رہتے ہیں یا موقع ملتے ہی نصیحت فرمائیں گے۔ پتا نہیں ہمارے بڑوں نے یہ رشتہ جوڑتے ہوئے کس پہلو کو مدنظر رکھا ہوگا میں تو اتنی حساس لڑکی ہوں۔ اتنے نازک نازک خواب ہیں میرے۔ منگیتر ایسے ہوتے ہیں؟ کبھی حال بھی پوچھا تو اتنے بزرگانہ انداز میں جیسے بڑے بھائی بیس سال چھوٹی بہن کا حال پوچھتے ہیں، پتا نہیں انہیں میری شکل بھی یاد ہے کہ نہیں؟...... کبھی نظر بھر کر تو نہیں دیکھا میرا خیال ہے انہوں نے تو کبھی خود کو بھی آئینے میں نہیں دیکھا کچھ اور نہیں تو انسان اپنی ڈریسنگ پر ہی دھیان دے لیتا ہے ٹھیک ہے، بہت اچھا لباس نہ پہنو مگر اچھا تو پہن لو...... آ گئے حلیم کا ڈبہ لے کر میرے سر پر احسان کرنے...... نہ آتے میں نے بلایا تھا بے حس نہ ہو تو۔

کتنی دیر ہوگئی آئے ہوئے مگر ایک بار بھی میری جانب نہیں دیکھا، حالانکہ آج تو میں نے اتنا اچھا سوٹ پہنا ہوا ہے۔ یہ ریڈ کلر مجھ پر کتنا سوٹ کرتا ہے...... سب کہتے ہیں۔ نہ دیکھتے ہیں نہ کہتے ہیں اونہہ! پتا نہیں میں اتنا کیوں سوچ رہی ہوں، اصل میں میری قسمت ہی خراب ہے۔ شاید ان میں تو رومینس والے جینز نہیں ہیں۔ اللہ نے احسان کیا اور مجھ جیسی خوبصورت لڑکی کو ان کی منگیتر بنا دیا، مگر افسوس اس شخص کو اپنی خوش بختی کا احساس ہی نہیں ہے۔“

وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتی رہی۔ اجیہ نے اس کا کندھا ہلا کر متوجہ کیا۔

”کہاں گم ہوگئیں؟“

وہ تعجب سے اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔ عانیہ پہلے ہی جھنجھلائی بیٹھی تھی اس مداخلت پر اور چڑ گئی مگر چونکہ موقع ایسا تھا اس لئے بڑے کمال سے طنز کا پتھر چلایا۔

”گم کہاں ہونا ہے میں تو صرف یہ سوچ رہی تھی کہ حلیم کا ڈونگا ہی تو دینا تھا، کوئی بھی ایک فرد آ کر دے جاتا تم تینوں کو آنے کی کیا ضرورت تھی۔“

اس کی آواز اتنی بلند ضرور تھی کہ سب ہی سن لیں۔ ایک پل کو کمرے میں سناٹا چھا گیا الفاظ سادہ ہوں تب بھی انداز، مفہوم بدل دیا کرتے ہیں یہاں تو خیر الفاظ و انداز کا بھرپور اہتمام تھا۔

''میں تو پہلے ہی آنا نہیں چاہ رہی تھی۔ کل ٹیسٹ ہے میرا، باذل زبردستی لے آیا۔'' اجیہ خجل سی ہو کر وضاحت دینے لگی۔

''بہت اچھا کیا باذل نے...... ورنہ تم تو ہمارے گھر کا راستہ ہی بھولتی جا رہی ہو۔''

ثانیہ نے فوراً صورت حال اپنے قابو میں کرتے ہوئے خوش گواری سے کہا تھا۔ پھر اجیہ کی جانب جھک کر سرگوشی میں بولی۔

''اور عانیہ کے کہنے کا مطلب ہے تم لوگوں کو آنے کی کیا ضرورت تھی صرف عادل آ جاتا تو کیا ہی بات تھی۔'' اس نے عانیہ کے الفاظ کو ہلکا پھلکا رنگ دینے کی کوشش کی تھی اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے تنبیہ بھی کی تھی۔

''ہونہہ...... انہیں میرے مطالب زیادہ سمجھ آتے ہیں۔'' وہ چڑ کر باہر نکل گئی۔ شفق اور ثانیہ ایک دوسرے کی جانب دیکھ کر رہ گئیں۔ پھر جان بوجھ کر ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں، تاکہ اجیہ کا دھیان بٹا رہے۔ وہ دونوں یہ گاہے بہ گاہے عادل کی جانب دیکھتی رہیں آیا کہ عانیہ کی بات کا کوئی تاثر موجود ہے یا نہیں...... مگر وہ روٹین کے انداز میں تیمور، زینت، کشف وغیرہ سے باتیں کر رہا تھا۔

چائے کا کپ رکھتے ہی اس نے باذل اور اجیہ کو چلنے کا حکم دے دیا۔

''اتنی جلدی، کھانا کھا کر جایئے گا عادل بھائی!'' شفق نے کہا تو وہ بولا۔

''کھانا پھر کبھی کھائیں گے...... ابھی فی الحال مجھے کسی سے ضروری ملنا ہے۔''

''تم دونوں نے بھی کسی سے ملنا ہے...... بیٹھو بھئی کھانا کھا کر ہی جانا۔'' تیمور بھی بولا تو عادل نے کہا۔

''میں چلتا ہوں تم دونوں آ جانا۔'' اس نے تائید چاہی تو اجیہ نفی میں سر ہلاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مجھے تو ٹیسٹ کی تیاری کرنی ہے۔''

''پھر تم عادل بھائی کے ساتھ چلی جاؤ گھر۔ میں تو اب کھانا کھا کر ہی آؤں گا۔ ثانیہ بریانی بنالیں ساتھ میں کھیرے کا رائتہ ٹھیک رہے گا۔''

''باذل......'' اسے بے تکلفی سے پاؤں پھیلاتا دیکھ کر عادل ٹوکے بنا نہ رہ سکا۔

''اسے کیوں ڈانٹ رہے ہو عادل!'' ثانیہ بولی۔ ''خود تو تم کبھی بھی رکتے نہیں ہو۔ امی کو پتا چلا کہ تم سب کھانا کھائے بغیر چلے گئے ہو تو بہت غصہ ہوں گی۔'' حلیمہ کی جونیئر ٹیچر کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا، وہ وہیں گئی تھیں۔

''اسی لئے ہم اپنا ایک نمائندہ چھوڑے جا رہے ہیں یہ تائی جان سے خود ہی بات کرے گا۔'' اجیہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

ثانیہ ان دونوں کو چھوڑنے باہر تک آئی تھی۔ عادل نے کک لگا کر بائیک آگے بڑھائی تو پڑوس کا دانیال سامنے آ کھڑا ہوا۔

''ثانیہ باجی! میرے ابو ابھی آفس سے آئے ہیں، وہ کہہ رہے ہیں کہ آپ کے ابو چار نمبر گلی میں بے ہوش پڑے ہیں، تیمور بھائی سے کہیں انہیں لے آئیں۔''

ثانیہ کے دل پر بوجھ سا آپڑا۔ گہری سانس بھرتے ہوئے اس نے گیٹ بند کیا اور بوجھل قدموں سے چلتی اندر آگئی۔ یہاں وہی کھلکھلاہٹیں تھیں دمکتے چہرے تھے اور وہ اچھی طرح جانتی تھی جیسے ہی یہاں ابو کا نام لے گی۔ یہ پژمردگی چھا جائے گی اور توقع کے عین مطابق ہوا بھی یہی تھا۔

''ساری باتیں ہو جاتیں مگر میری ضروری بات کوئی نہیں سنتا...... جاؤ تیمور تم بھی دوستی کے نام پر دھبہ ہو۔''

چپل پہنتے ہوئے اس نے مسکین سی شکل بنائی۔ اتنا بے حسنہ تھا کہ دوست کی کیفیت ہی نہ سمجھ پاتا، حقیقتاً تیمور کو اسی کیفیت سے نکالنے کے لئے اس نے پھر سے وہی موضوع چھیڑ دیا تھا جسے کچھ دیر پہلے تیمور مسترد کر چکا تھا۔

''اب میں نے کیا کر دیا۔'' تیمور تڑخ کر بولا۔

''میں اتنی اہم بات کر رہا تھا تم نے دھیان ہی نہیں دیا۔'' اس نے شکوہ کیا تو تیمور بولا۔

''میں لاکھ دھیان نہ دوں مگر یہ طے ہے کہ تم بات کرو گے ضرور...... تو پھر پوچھنے کی کیا ضرورت ہے، ہو جاؤ شروع۔''

''یار! اللہ نے ایک سورج بنایا تو اس کی مصلحت سمجھ آتی ہے لیکن دو چاند بنائے...... یہ بات کچھ سمجھ نہیں آتی۔''

''ہائیں...... ہم تو آج تک ایک ہی چندا ماموں کی کہانی سنتے آئے ہیں یہ دوسرے کہاں سے آگئے۔'' تیمور نے تعجب سے کہا۔

''دوسرے آ نہیں گئے دوسرا آ گیا...... اب تو خیر بڑی مدت ہو گئی میں اپنی بات کر رہا ہوں۔''

''لاحول ولا......''

وہ دونوں باہر نکل گئے۔ ثانیہ بہت دیر تک تیمور کی پشت کو گھورتی رہی اسے اچھی طرح خبر تھی کہ تیمور کا دھیان بٹا نہیں ہے، مگر بازل پر ثابت کرنے میں کامیاب رہا تھا۔ زلزلہ آئے، توڑ پھوڑ نہ ہو تب بھی بہت دیر تک بازگشت سنائی دیتی رہتی ہے۔

بھرم دوسروں کے سامنے رکھے جاتے ہیں۔ پردے غیروں کے سامنے ڈالے جاتی ہیں وہ اچھی طرح تیمور کی دلی کیفیت جانتی تھی اور اس کے حوصلے کے قائل تھی۔ اس نے گیٹ بند کر دیا تھا۔

❁ ❁

ناول **بساطِ دل** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات آپ آنے والی ان تاریخوں (15th, 20th, 25th) میں پڑھ سکیں گے۔

اسے پتا تھا عانیہ اب اپنی مرضی سے نیچے اترے گی اس لئے کسی کام کی توقع اس سے رکھنا حماقت ہی تھی۔

سب سے پہلا کام اس نے یہ کیا کہ نرمین کو ڈانٹ ڈپٹ کر صحن میں چارپائیاں بچھانے پر راضی کیا۔ زینب اور کشف کو اپنی کتابیں سمیٹ کر اوپر کی جانب دوڑایا تاکہ دوپہر میں سکھانے کے لئے پھیلائے کپڑے اتار لائیں اور خود سیدھی کچن میں آگئی۔

پہلے فریج کھول کر جائزہ لیا کہ کیا کچھ موجود ہے پھر باسکٹ میں پیاز اور لہسن نکال رہی تھی کہ کچھ خیال آنے پر یہ سامان لے کر کمرے میں آگئی۔

شفق پلنگ پر سیدھی لیٹی ہوئی تھی۔ نرمین قریب ٹکی باتیں بگھار رہی تھی۔

''تمہیں تو میں نے چارپائیاں بچھانے کے لئے کہا تھا۔'' ثانیہ نے ایک چپت لگا کر اسے متوجہ کیا تھا۔

''وہ تو میں نے بچھا بھی دیں بس بستر لگانا باقی ہے۔'' نرمین نے کہا۔

''اور وہ کون لگائے گا؟'' ثانیہ چٹائی پر بیٹھ کر پیاز چھلنے لگی۔

''میں ہی لگاؤں گی لیکن ایک بات یاد آ گئی تھی بس وہی بتانے آ گئی۔''

کالج سے آ کر تمہارے پاس سو باتیں ہوتی ہیں جو تم نے بتانی ہوتی ہیں اب کون سی نئی بات یاد آ گئی۔'' اس نے آنکھوں میں آئی نمی کو قمیض کی آستین سے پونچھا تھا۔

''میں نے آپ کو بتایا نا۔ زبیدہ خالہ کے ہاں میلاد پر میری ایک آنٹی سے ملاقات ہوئی تھی۔'' اس نے بڑے پرجوش انداز میں پوچھا ثانیہ نے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے کندھے اچکا دیے تو شفق پرسوچ انداز میں بولی۔

''وہی جو اپنی بیٹی کے جہیز کے کپڑے امی سے سلوانا چاہ رہی ہیں؟'' اسے نرمین کی بتائی ہوئی باتیں کچھ کچھ یاد تھیں۔

''ہاں ہاں وہی...... کیا بھلا سا نام تھا ان کا...... ہاں یاد آیا سعدیہ شاہین...... خود کو بیگم کہہ رہی تھیں۔ ماشاءاللہ کیا ٹھیکے والی خاتون تھیں، زبیدہ خالہ کے حلقہء احباب میں سے تو بالکل نہیں لگ رہی تھیں اتنے رکھ رکھاؤ والی خاتون...... سچی بات ہے آپی مجھے تو سب سے اچھا ان کا اندازِ گفتگو لگا اتنے شائستہ اور مہذب انداز میں بات کرتی ہیں۔''

''خاتون کی تعریف ہو چکی تو بات کو آگے بڑھاؤ نرمین۔'' شفق اس کی بات قطع کرتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

''وہ جہیز کے کپڑے تو بیچ میں ہی رہ گئے۔''

سال میں ایک دو بار انفرادی طور پر کسی جہیز یا بری کی سلائی کا کام مل جاتا تھا جو اچھی آمدنی کا باعث بنتا تھا۔ شفق کی دلچسپی اس لئے بھی زیادہ تھی کیونکہ یہ کام براہ راست اسی کا تھا۔ امی سوٹ کی کٹائی کے ساتھ ساتھ ڈیزائن کے پیٹرن کاٹ دیتی تھیں اور وہ سلائی کر لیتی تھی۔

''اس روز تو انہوں نے سرسری سا ذکر کیا تھا میں سمجھی یونہی بات برائے بات کہہ رہی ہیں، مگر آج ان کی بیٹی شمع کالج آئی ہوئی تھی پتا

نہیں اس نے مجھے کیسے ڈھونڈ نکالا کہہ رہی تھی امی کپڑے لے کر آئیں گی مگر پہلے ایڈریس مجھے سمجھا دو، زبیدہ آنٹی تو کوئٹہ گئی ہوئی ہیں ورنہ ان سے تمہارے گھر کا پتا پوچھ لیتے۔" وہ بول رہی تھی اور میں اس کی شکل دیکھ رہی تھی بولتی بالکل اپنی امی کی طرح ہے اور شکل...... توبہ اتنی پیاری۔"

شفق اور ثانیہ کو اس کے انداز پر ہنسی آ گئی۔

"تو اس میں توبہ کرنے کی کیا بات ہے، اچھی شکل دیکھ کر ماشاءاللہ کہتے ہیں۔"

"وہ تو میں نے بہت کہا تھا دل ہی دل میں۔" نرمین نے لاپروائی سے کہا تو ثانیہ بولی۔

"پھر تم نے اسے اچھی طرح ایڈریس سمجھا دیا تھا؟...... کب آئیں گی وہ؟ امی کی اسکول ٹائمنگ بتا دی۔"

"بتا تو میں نے خیر سب کچھ دیا تھا یہی کہہ رہی تھی کہ دو ایک روز میں، میں اور امی آئیں گے۔"

"اچھی بات ہے...... اب اگر سب کچھ بتا کر پیٹ ہلکا ہو گیا ہو تو جا کر بستر لگاؤ اس کے بعد گوشت دھلو میں آ کر مسالہ چڑھاتی ہوں۔"

"آپ دنیا کی سب سے ظالم آپی ہیں ثانیہ آپی!...... مجھ سے کتنے کام کرواتی ہیں۔" وہ منہ بسورتی باہر نکل گئی۔ ثانیہ اسے مسکراتے ہوئے دیکھ رہی تھی تبھی شفق پر نظر پڑی تو چونک گئی وہ اپنے پٹی بندھے پیر کو آہستہ آہستہ دبا رہی تھی۔

"کیا بات ہے شفق!...... بہت تکلیف ہے؟"

"ہوں......" شفق اپنے کسی گہرے خیال سے چونکی پھر نفی میں سر ہلانے لگی۔

"نہیں...... یہ تو بس ایسے ہی۔" ثانیہ نے اس کے جھکے سر کو بغور دیکھا پھر لہسن چھیلتے ہوئے بولی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"

"تمہیں پتا تو ہے ثانیہ!" اس نے آہستگی سے کہا۔ ان دونوں کے مابین کچھ دیر خاموشی چھائی رہی پھر بولی۔

"عانی کو ایسے نہیں کہنا چاہیے تھا۔ تم نے دیکھا اجیہ بے چاری کس قدر شرمندہ ہو گئی تھی اور بات تھی بھی ایسی، کوئی بھی ہوتا اس کی جگہ شرمندہ ہی ہوتا۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہو تم۔ عانی کو پتا نہیں کبھی کبھی کیا ہو جاتا ہے بولتے ہوئے سوچتی ہی نہیں ہے۔ اجیہ تو پہلے ہی کم آتی ہے اب کہیں بالکل ہی آنا نہ چھوڑ دے۔" ثانیہ نے خدشہ ظاہر کیا۔

"نہیں خیر وہ بات کو اتنا زیادہ محسوس کرنے والی نہیں، بلکہ یوں کہنا زیادہ ٹھیک رہے گا کہ عناد رکھنے والی لڑکی نہیں ہے میں اسے اچھی طرح سمجھتی ہوں ہو سکتا ہے، گھر پہنچنے تک بھول بھی چکی ہو اصل ٹینشن مجھے عادل بھائی کی ہے۔ انہوں نے فیل کیا ہوگا۔"

"اس کی فکر تم چھوڑ دو۔ تمہارے عادل بھائی میں کچھ فیل کرنے کا سینس نہیں ہے۔"

عانیہ کی اچانک مداخلت پر وہ دونوں ہی یکدم سٹپٹا گئی تھیں۔ بوکھلا کر ایک دوسری کی طرف بھی دیکھا کیونکہ وہ دونوں ہی عانیہ کی فطرت سے واقف تھیں۔

''تمہاری آبزرویشن اپنی جگہ درست ہوگی، مگر میں پھر بھی یہی کہوں گی کہ تمہیں اس طرح سے بات نہیں کرنا چاہیے تھی سیلف ریسپیکٹ تو سب کی ہوتی ہے اور مرد تو کچھ زیادہ ہی حساس ہوتے ہیں اس معاملے میں...... عادل بھائی یقیناً اسی وجہ سے کھانے کے لئے بھی نہیں رکے۔''

شفق متفکر تھی۔ عانیہ کپڑوں والی الماری کھولے کھڑی تھی۔ ایک ہاتھ کھلے پٹ پر رکھے اس نے پلٹ کر شفق کی جانب دیکھا اور زہر خند لہجے میں بولی۔

''کھانا بنا لیتے ہیں، ورنہ وہ دونوں بہت شور مچائیں گے۔'' وہ بات بدلنا چاہ رہی تھی مگر ثانیہ اس موڈ میں نہیں تھی۔

''نہ وہ سدھر سکتی ہے اور نہ تم...... ایک دفعہ مجھے امی سے بات کرنے دو گی تو کون سی قیامت آجائے گی۔ عانیہ چاہے معافی نہ مانگے مگر کم سے کم اپنے کہے پر شرمندہ تو ہو۔'' وہ زور دے کر بولی تو شفق بھرپور طریقے سے مسکرا دی۔

''عانیہ کا رویہ میرے ساتھ جو بھی ہو میں تو اس بات پر بھی خوش ہوں کہ اللہ نے مجھے تمہاری جیسی بہن دی ہے، جسے ہمیشہ دوسروں کی خوشیوں کا بہت زیادہ خیال رہتا ہے میں جانتی ہوں فی الحال میرا معاملہ ہے اس لئے تم اتنی کانشس ہو رہی ہو، اگر میری بجائے عانیہ نے تم سے مس بی ہیو کیا ہوتا تو تم کبھی بھی اس بات کا ذکر نہیں کرتیں۔''

''یہاں میرا کیا ذکر شفق...... میری بات اور ہے۔'' اس نے کہا تو شفق ٹوک کر بولی۔

''کیوں؟ تم عانیہ کی سگی بہن ہو اس لئے۔''

اس کے لہجے میں دکھ کی جو دھیمی سی آنچ تھی اس کی تپش ثانیہ نے دل تک محسوس کی۔

''دو تھپڑ لگیں گے شفق!'' وہ برہمی سے گویا ہوئی۔

''میں بہت بری طرح سے پیش آؤں گی، اب اگر تم نے سگی یا سوتیلی جیسے فضول لفظ استعمال کیے تو۔ کتنا مزاج ملتا ہے تمہارا اور عانیہ کا۔ مرغے کی ایک ٹانگ کی طرح بات کو پکڑ کر بیٹھ جاتی ہو دونوں، چلو اٹھو کچن میں ہی چلتے ہیں میں اب کچھ نہیں کہوں گی، جو کہنا ہے وہ تیمور کہے گا۔'' اس کے لہجے میں جو دھمکی کا تاثر تھا وہ خاصا کارگر ثابت ہوا تھا۔

''تیمور کو کون بتائے گا؟'' شفق نے بوکھلا کر اس کی شکل دیکھی۔

''پلیز ثانی! یہ مت کرنا ورنہ تیمور مجھے ڈانٹے گا ہو سکتا ہے دو تین دن بات بھی نہ کرے۔''

''اب تم اتنی مسکین شکل بناؤ گی تو میری ہمت کہاں پڑے گی۔'' ثانیہ اس کی شکل دیکھ کر ہنس دی۔

''اور ویسے بھی کچھ بتانے کی نوبت آتی ہی کہاں ہے تیمور کو سب کچھ خود بخود پتا چل جاتا ہے اب بھی تم چاہے کتنی فریش شکل بنا کر بیٹھ جاؤ وہ آ کر یہ ضرور پوچھے گا۔ ''شفق کو کیا ہوا ہے؟ وہ روتی رہی ہے کیا؟''

ثانیہ نے ہو بہو تیمور کی نقل کی تھی۔ شفق کو ہنسی آگئی یکدم ہی جیسے دن طلوع ہو گیا تھا۔ عانیہ کی تلخ کلامی کا اثر جاتا رہا اور من کی دنیا

میں چہار سو خوبصورت سریلے پرندے گنگنانے لگے۔ یہ احساس کہ کوئی آپ کے پل پل کی خبر رکھتا ہے۔ پیشانی پر پڑنے والی کسی ہلکی سی شکن کا دورانیہ تک بتا سکتا ہے اور آنکھ میں آنے والے آنسو کا گمان تک پہچان لیتا ہے، کس قدر خوبصورت تھا۔

اس کی سوچ جھرنے کے شفاف پانی کی مانند بہنے لگی تھی۔ عانیہ کے لگائے ہوئے کچوکوں پر کوئی نادیدہ ہاتھ مرہم رکھنے لگا۔ وہ، خوشبودار پھولوں کی برسات تلے کھڑی تھی۔ جب ثانیہ کی آواز نے چونکا دیا۔

''لیٹنا چاہ رہی ہو تو لیٹ جاؤ۔''

''نہیں نہیں، میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔'' اپنے خیالوں سے نکل کر وہ شرمندہ ہوئی۔

''چلو میں سہارا دے کر تمہیں کچن میں لے چلتی ہوں۔'' ثانیہ نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں......اب میرا پاؤں اتنا بھی زخمی نہیں ہے کہ تھوڑا سا چل بھی نہ سکوں۔'' شفق بولی۔

''میں نے تو امی سے بھی کہا تھا کہ مجھے اسکول لے چلیں وہاں کون سا دوڑیں لگانی ہوتی ہیں۔ سارا کام بیٹھ کر ہی تو کرنا ہوتا ہے۔''

''بہت اچھا کیا امی نے جو تمہیں لے کر نہیں گئیں۔ کچھ روز آرام کرو گی تو زخم جلدی بھر جائے گا ابھی بھی تم نے کوئی کام نہیں کرنا بس مجھے ہدایات دینا ہیں۔''

شفق آمادگی سے مسکرادی تھی۔

☆......☆......☆

''واہ بھئی! تم تو اپنے عادل بھائی کا ایک ایک انداز پہچاننے لگی ہو۔ تم ایک کام کیوں نہیں کرتیں شفق! عادل سے اپنا معاملہ سیٹ کرلو، امی سے میں بات کرلوں گی۔'' شفق تو ہکا بکا رہ گئی۔ ثانیہ کے لئے الگ یہ الفاظ بجلی کی طرح ثابت ہوئے تھے۔

''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا عانیہ! کبھی تو سوچ سمجھ کر بولا کرو۔'' اس کی آواز غصے سے کانپ گئی تھی۔

''کیوں میں سوچ سمجھ کر بولوں، جو مفت کے مشورے دینے چلے آتے ہیں وہ کیوں نہ سوچیں، سمجھیں؟'' وہ پھر پھاڑ کھانے کو دوڑی۔

''میں نے تو یونہی ایک بات کہہ دی......تمہارے فائدے کی۔'' وہ روہانسی ہوگئی تھی۔

''تم سے کس نے کہا کہ میرا فائدہ سوچو۔'' اس کی بدلحاظی عروج پر تھی۔

''بہن ہوں میں تمہاری۔'' شفق نے آنسوؤں سے بوجھل آواز میں تیزی سے کہا تھا۔

''تمہارا فائدہ نہیں سوچوں گی تو اور کیا سوچوں گی؟ بعض اوقات کوئی بات دل میں بیٹھ جاتی ہے تو پھر نکالنا مشکل ہو جاتی ہے۔ خدانخواستہ اگر عادل بھائی نے اس بات کا ایشو بنالیا تو۔''

''میں نے کہا نا اس میں فیل کرنے کی صلاحیت ہی نہیں۔ پہلی دفعہ تو یہ اور دوسری بات......تم کس حساب میں میری بہن بن کر میرا فائدہ سوچ رہی ہو؟ مجھے چار بہنیں کافی ہیں۔ تم تو ہمارے ابا کی ضیافتی طبع کا منہ بولتا ثبوت ہو۔ جناب سے اپنی اولاد تو پالی نہیں جاتی

تھی اوپر سے اٹھالائے مرحوم دوست کی نشانی......اور ہماری اماں......زمانے بھر کی رحم دل......سوچا جہاں پانچ پل رہی ہیں وہیں ایک اور سہی......تم شوق سے خود کو ان کی بیٹی کہو، مگر میری بہن بن کر ہمدردیاں جتانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے ان ریڈی میڈ رشتوں کی ضرورت نہیں ہے۔"

ثانیہ کے خاموش کروانے کی کوشش کے باوجود وہ جو دل میں تھا آگ کی طرح اگل کر الماری کا دروازہ زور سے بند کر کے باہر نکل گئی۔

شفق ہق دق بیٹھی رہ گئی۔ توہین کے احساس نے سارے جسم کا خون اس کے چہرے پر اکٹھا کر دیا تھا۔ ثانیہ لپک کر اس کے قریب آئی۔

"شفق......پلیز تمہیں عانیہ کی عادات کا پتا ہے نا......اس کے کہنے کا یہ مطلب نہیں تھا......"

اسے تو خود مناسب الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ اتنی سی دلجوئی پر شفق جو ہونٹ کاٹتی آنسو ضبط کر رہی تھی یک دم پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"میرے کہنے کا مطلب بھی وہ نہیں تھا جو عانی سمجھی۔" وہ بری طرح سسک رہی تھی۔

"مجھے پتا ہے شفق۔" ثانیہ نے بہت محبت سے اس کے آنسو پونچھے تھے۔

"تمہیں عانیہ کے مزاج کی خبر ہے نا کیوں اس کی احمقانہ باتوں کو دل سے لگا رہی ہو۔ ایک کان سے سن لیا دوسرے سے نکال دو۔ وہ بس ایسی ہی ہے ذرا سی بات بھی مزاج کے خلاف ہوئی اور لٹھ لے کر پیچھے پڑ گئی، حالانکہ جو کہا اس کی خبر بھی نہیں ہو گی۔ ابھی تم اس کی حرکت کو سراہتیں تو وہ تمہارے گھٹنے سے لگ کر بیٹھ جاتی۔ تم اس کی باتوں کو اگنور کر دو شفق، اور پلیز اب رونا نہیں امی آتی ہیں تو میں اس کی شکایت کروں گی۔"

"نہیں پلیز......" شفق گال پونچھتے ہوئے جلدی سے بولی۔

"تم امی سے کچھ مت کہنا عانی تو پہلے ہی مجھ سے خفا رہتی ہے، امی نے ڈانٹ دیا تو بالکل بھی بات نہیں کرے گی۔" اس کے خدشہ نے اسے بگاڑ رکھا ہے، میں تو کہتی ہوں امی سے بات کر لینے دو ذرا طبیعت صاف ہو گی تو مہینہ بھر سکون رہے گا۔"

شفق کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی اور پیر پلنگ سے نیچے لٹکاتے ہوئے بولی۔

"چھوڑو ساری باتیں......چلو میں بھی تمہارے ساتھ کچن میں چلتی ہوں جب تک تیمور اور باذل بھی آتے ہیں۔

اگلے روز ابھی معمول کا ہنگامہ تھمے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ وہ دونوں خواتین چلی آئیں، جو پچھلی بار خوشی بوا کی معیت میں آئی تھیں۔ عانیہ کے پائنچے بھیگے ہوئے تھے۔ آستین کہنیوں تک چڑھا رکھی تھیں ایک ہاتھ میں لمبی سی جھاڑو تھی اس حلیے میں بھی بڑی والی خاتون کو جانے اس میں کیا نظر آیا کہ ڈھیروں بلائیں لے ڈالیں، بڑی دیر تک اسے گلے سے لگائے دعائیں دیتی رہیں، حتیٰ کہ عانیہ کو زور لگا کر ان سے الگ ہونا پڑا۔

چھوٹی والی نے گلے تو خیر نہیں لگایا مگر ملی بہت خوش اخلاقی وگرم جوشی سے، اپنے طور پر تو وہ رشتہ پکا ہی سمجھ رہی تھیں عانیہ کے تو یہی سوچ کر ہاتھ پیر پھولنے لگے کہ ابھی وہ دونوں اسے ''بہو یا بھابھی'' جیسے القابات سے مخاطب کریں گی۔ جیسے تیسے انہیں ڈرائنگ روم میں پہنچایا اور خود اسی بوکھلاہٹ میں شفق کے پاس دوڑی۔

وہ بھرپور فراغت کا فائدہ اٹھاتی خوب ہل ہل کر سسری رٹ رہی تھی اسے حواس باختہ دیکھا تو خود بھی بوکھلا گئی۔

''ہوا کیا ہے؟''

''تم میرے ساتھ ڈرائنگ روم میں چلو وہی دونوں خواتین آئی ہیں۔'' اس کے انداز میں جھنجھلاہٹ، بوکھلاہٹ، اکتاہٹ سبھی کچھ تھا۔

''کون خواتین؟'' شفق نے پوچھا۔ ''وہی جو کل سرف فروخت کرنے آئی تھیں؟''

''نہیں...... وہ جو شادی بوا کے ساتھ آئی تھیں...... ثانیہ کو دیکھنے۔''

اوہ......'' شفق پل بھر کو کسی سوچ میں مبتلا ہوئی پھر اس کی جانب دیکھ کر بولی۔

''لیکن اب وہ کیا کرنے آئی ہیں؟ ہم تو انکار کر چکے ہیں۔ شادی بوا سے ہمارا جواب بھی پہنچا دیا تھا وہ خود بتا کر گئی تھیں۔'' بنیادی سوال فوراً اس کے لبوں تک چلا آیا۔

''یہ سارے سوال ان کے پاس بیٹھ کر بھی پوچھے جا سکتے ہیں۔'' عانیہ سابقہ موڈ میں بولی۔ ''تم چلو نا پلیز مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا۔ وہ تو مجھ سے اس طرح بات کر رہی ہیں جیسے نسبت بھی طے ہو چکی ہو۔''

''لیکن تم کیوں پریشان ہو رہی ہو۔ بھئی یہ ان کی اپنی سوچ ہے ہم نے تو انکار تک پہنچا دیا اب آگے وہ جو سوچتے ہیں وہ ان کی اپنی ذمہ داری ہے...... اور پھر تمہیں ٹینشن کس بات کی ہے؟ تمہاری پوزیشن تو بالکل سیکیور ہے۔'' شفق اٹھ کر دوپٹا درست کرنے لگی۔ اب عانیہ کے مقابلے میں وہ خاصی پرسکون تھی اور دل ہی دل میں اس صورت حال سے احسن طریقے سے نبٹنے کا لائحہ عمل سوچ رہی تھی۔

''تم نے بتایا امی اسکول جا چکی ہیں؟''

''انہوں نے کچھ پوچھنے بتانے کی نوبت ہی کہاں آنے دی۔ منہ اٹھائے اندر ہی چلی آرہی تھیں۔''

عانیہ نے جل کر کہا تو شفق مسکراتی ہوئی دروازے کی جانب بڑھی اور ڈرائنگ روم کون سا چوتھے محلے میں تھا ایک دروازے سے نکل ایک میں داخل ہوگئی۔ عانیہ کسی تابع دار بچی کی طرح اس سے دو قدم پیچھے چل رہی تھی۔

''السلام علیکم۔'' اس نے شائستگی سے سلام کیا۔ بڑی عمر کی خاتون نے بیٹھے بیٹھے اس کے سر پر دستِ شفقت پھیر کر فریضہ بھگتا لیا دوسری نے البتہ کوئی خاص ردعمل ظاہر نہیں کیا تھا۔ شفق سنگل صوفے پر بیٹھ گئی۔

''آپ یہاں میرے پاس آجائیں۔'' چھوٹی والی نے عانیہ کو ہنوز کھڑا دیکھ کر بڑی محبت سے قریب بیٹھنے کی دعوت دی تھی۔

عانیہ نے سٹپٹا کر شفق کی جانب دیکھا پھر بدقت مسکرائی۔

"میں آپ کے لئے چائے لاتی ہوں۔" وہ جھپاک سے باہر نکل گئی۔ شفق سوچتی رہ گئی۔

"یہ کیا...... ایسا بھی کیا شرمانا میں تو اس کی مورل سپورٹ کے لئے آئی تھی اب تو مجھے مورل سپورٹ کی ضرورت ہے عانیہ کی بچی! کچھ دیر تو رکتیں۔"

"بھلا چائے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ لوگ ہماری گزارش مان لیں تو کھانا پینا بھی ہوتا ہی رہے گا۔" ایک خاتون بولیں۔

"بیٹی! آپ کی والدہ گھر پر موجود ہیں تو ذرا انہیں بلا دیں۔ ہمیں کچھ ضروری بات کرنی ہے۔"

"آپ کے آنے سے کچھ دیر قبل ہی امی اسکول کے لیے نکلی ہیں...... اگر آپ لوگ ذرا پہلے آجاتیں تو یقیناً ملاقات ہو جاتی۔" وہ سلیقے سے بولی۔

"اوہ۔" دونوں کو جی بھر کر افسوس ہوا۔

"اپنے حساب سے تو ہم بہت جلدی ہی گھر سے نکلے تھے تا کہ وقت پر پہنچ کر حلیمہ بہن سے مل لیں مگر گڑھی شاہو سے یہاں تک کا فاصلہ، راستے میں ٹریفک کے سو مسائل، لیکن خیر یہ مسائل تو بہانہ بنے اصل میں آج ہماری قسمت میں حلیمہ بہن سے ملنا نہیں لکھا تھا ہم دوبارہ آجائیں گے اور تب تک آتے رہیں گے جب تک حلیمہ بہن، عانیہ کو ہماری بیٹی نہیں بنا دیتیں...... چاہے ہماری جوتیاں گھس جائیں۔"

انہوں نے غالباً از راہِ تفنن کہا تھا۔ شفق کو مروتاً مسکرانا پڑا مگر مسکراہٹ میں حد درجہ تعجب تھا۔

"کیا خوشی بوا نے آپ کو نہیں بتایا کہ عانیہ کی نسبت طے ہے، ہمارے چچازاد سے؟"

بڑا اہم سوال تھا جو اس کی مسکراہٹ پر حاوی تھا۔ خاتون لاپروائی سے بولیں۔

"بتایا تھا...... لیکن یہ انکار کی کوئی اتنی بڑی وجہ تو نہیں ہے آپ کا وہ چچازاد یقیناً اچھا ہوگا مگر میرا بھائی بھی کسی سے کم نہیں ہے ماشاءاللہ شکل وصورت لاکھوں میں ایک، ذاتی کاروبار اور ریگا میں یہ بڑی دوکان ہے ہماری۔ پورے لاہور میں کسی سے جا کر پوچھ لیں، مجال ہے جو کوئی میرے بھائی کی شرافت سے متعلق ایک مشکوک لفظ کہہ دے۔ آپ لوگوں نے تو سوچنے سمجھنے کا وقت بھی نہیں مانگا سیدھا انکار جڑ دیا حالانکہ جہاں زیادہ بیٹیاں ہوں وہاں بہت کچھ دیکھنا پڑتا ہے اور نسبت کا کیا ہے وہ تو ختم بھی ہو سکتی ہے۔"

"لاحول ولاقوۃ! تمہارے منہ میں خاک۔"

شفق کا دل جل کر خاک ہی ہو گیا۔ یہ چھوٹی والی کس قدر بدتہذیب واقع ہوئی تھی اور صد شکر کہ ساتھ آنے والی محترمہ اس کی اس بدتہذیبی سے واقف بھی تھیں۔ شاید تبھی اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"بیٹی! اس کی کسی بات کا برا نہ منانا اصل میں ہم دونوں نے عانیہ کو دیکھتے ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ یہ ہماری بہو بنے گی۔ ہر کسی کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی بہو، بھابی لاکھوں میں ایک ہو اور عانیہ تو ماشاءاللہ چاند کا ٹکڑا ہے۔ خوشی بوا آپ کی دوسری بہن کے لیے اصرار کر

رہی تھیں مگر سچ بات ہے ہمارا دل عانیہ پر آچکا ہے۔ آپ کا گھرانہ بھی ہمیں پسند آیا ہے اور ہم دل سے خواہش مند ہیں کہ آپ سے تعلقات جوڑے جائیں۔"

شفق بددلی سے بیٹھی سنتی رہی۔ نہ ان کی لن ترانی ختم ہوئی نہ چائے آ کر دی، بڑی دیر بعد ایک بولی۔

"میرا خیال ہے عانیہ شرما رہی ہے اس لیے ہمارے پاس بھی نہیں بیٹھی۔ آپ ذرا اسے بلوا دیں ہم اللہ حافظ تو کہہ لیں۔"

"ماشاءاللہ کیا اعتماد ہے۔"

اس نے سوچا۔ دل تو چاہا کہہ دے، عانیہ شرماتی نہیں ہے سامنے والے کو شرمانے پر مجبور کر دیتی ہے مگر ایسی باتیں صرف سوچی جاتی ہیں کہی نہیں جاتیں۔ اسے پتا تھا عانیہ کو گھسیٹ کر یہاں لانا خاصا مشکل کام ہوگا مگر تہذیب و مروت کا جو سبق اس کی گھٹی میں پڑا تھا اس نے اٹھنے پر مجبور کر دیا اور توقع کے عین مطابق عانیہ نے فوراً انکار کر دیا۔ بڑی منتوں کے بعد آئی بھی تو بہت بری شکل بنا رکھی تھی۔

"حلیمہ بہن کو بتا دیجیے گا ہم انشاءاللہ جلد ہی دوبارہ چکر لگائیں گے۔" وہ جاتے جاتے کہہ گئی تھیں۔

"اونہہ...... دوبارہ چکر لگائیں گے۔ چکر لگانے کا اتنا ہی شوق ہے تو اپنے گھر کے آنگن میں صبح و شام یہاں سے وہاں چکر لگایا کریں، ہمیں کیوں تنگ کر رہی ہیں...... اللہ کرے جس بس، ویگن میں جائیں اس کا ایکسیڈنٹ ہو جائے کم سے کم ہماری تو جان چھوٹے گی۔" عانیہ نے کھٹاک سے گیٹ بند کر دیا۔ شفق کا دل البتہ نازک تھا فوراً دہل گئی۔

"اللہ نہ کرے بددعائیں تو مت دو۔"

"اچھا ملانی جی! ابھی دو رکعت شکرانہ ادا کر لیتی ہوں کہ وہ تشریف لائیں...... اور بات سنو تم ایسے مہمان خود ہی بھگتایا کرو میرا اسٹیمنا اتنا نہیں ہے۔ ثانیہ پسند نہیں آئی تو بس جان چھوڑیں یہ تو پیچھے ہی پڑ گئی ہیں...... اونہہ...... بندے کی اچھی شکل بھی نہ ہو۔"

وہ بڑبڑاتی سیڑھیاں چڑھ گئی۔ شفق کمرے میں آ گئی۔

بہت دیر یونہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہی۔ ایک کے بعد ایک خیال آئے چلا جا رہا تھا۔

آخر ثانیہ میں کیا برائی ہے جو ان لوگوں نے عانیہ کو پسند کیا؟ وہ بدصورت تو نہیں ہے بلکہ اچھی خاصی خوش شکل ہے۔ ہاں عانیہ جتنی خوبصورت نہیں ہے لیکن خوبصورتی کیا صرف ظاہری ہوتی ہے؟

دل کی خوبصورتی کوئی معنی نہیں رکھتی؟

چلو خیر...... کسی باہر والے سے کیا سرٹیفکیٹ لینا۔ انہیں عانیہ کی خوبصورتی میں کشش محسوس ہوتی ہے جب کہ جو بھی ثانیہ سے اچھی طرح واقف ہے وہ بس اسی کو خوبصورت کہے گا کیونکہ اس کا دل بہت خوبصورت ہے ظاہری طور پر بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ بس وہ اپنا ویسا خیال نہیں رکھتی جیسا کہ عانیہ رکھتی ہے۔

اسے ہمیشہ اپنی فکر رہتی ہے جبکہ ثانیہ کو دوسروں کی۔ "کشف کا اسکول بیگ کس قدر پرانا ہو چکا ہے اب نیا خرید لینا چاہیے۔

تیمور کی دوائیاں ختم ہونے سے پہلے آجائیں...... زینب نے دوپہر میں بہت تھوڑا کھایا تھا اس سے کہو اب اچھی طرح پیٹ بھر کر کھائے...... نرمین کے لیے نیا یونیفارم...... عانیہ کا ٹوتھ برش...... اس بار کی پے سے امی کے لیے نئی شال لینا ہے۔''

جبکہ عانیہ...... اسے اپنا غم ہی کم نہیں ہوتا کسی اور کی کیا فکر کرے گی، نیا سوٹ، نیا جوتا نیا وہ...... نیا یہ۔

کتنی خود غرضی ہے اس کی سوچ میں مگر ہے تو پیاری...... پھر وہ ٹوٹکے جو وہ استعمال کرتی رہتی ہے اس نے اسے اور خوبصورت بنا دیا ہے۔ اگر یہی کچھ ثانیہ استعمال کرے تو یقیناً عانیہ سے زیادہ اچھی لگے ابھی بھی اس کے بال کس قدر خوبصورت ہیں الٹی سیدھی چوٹی باندھ کر رکھتی ہے۔ کبھی سلیقے سے بال سنوارے تو کمال ہو جائے۔

اور آنکھیں وہ تو خیر بہت ہی خوبصورت ہیں عانیہ بھی کتنی حسرت سے کہتی ہے کاش میری آنکھیں بھی ثانیہ جیسی ہوتیں...... ایک دل ہوتا ہے جس کی خوبصورتی چہرے پر نور بکھیر دیتی ہے اور ثانیہ کے چہرے پر ایسا ہی نور ہے۔ پتا نہیں یہ دونوں جڑواں کیسے ہیں شکلیں ملتی ہیں نہ مزاج۔

''شفق میں اپنے لیے چائے بنا رہی ہوں تم پیو گی؟'' اچانک آکر عانیہ سے اسے چونکا دیا تھا۔

''کون...... میں؟ تم تو ان خواتین کے لیے چائے بنانے گئی تھیں۔'' اس نے پوچھا۔

''اوہ...... تم ابھی تک انہی کے بارے میں سوچ رہی ہو۔ دفع کرو انہیں...... میں بہت اچھی چائے بناتی ہوں، تمہیں پی کر مزہ آجائے گا'' عانیہ خوش دلی سے کہتی کچن کی طرف چلی گئی اور شفق کو حیرتوں میں غوطہ زن چھوڑ گئی۔

''پل میں تولہ، پل میں ماشہ...... ابھی چنگھاڑ رہی تھی اور اب چائے، وہ بھی میرے لیے...... یا اللہ! کوئی اس لڑکی کو کیسے سمجھے۔'' وہ سوچ کر رہ گئی۔

☆......☆......☆

''اپنی بھی کیا قسمت ہے۔ اللہ نے لاکر پھینکا بھی تو کہاں؟...... پاکستان میں دبئی، بحرین بھجوا دیا ہوتا تو اپنے وارے نیارے ہو جاتے۔ تمہیں پتا ہے رائمہ! میری نانی کا تعلق سوناگاچی سے تھا آدھے سے زیادہ کلکتہ جان دیتا تھا میری نانی پر، ایسی خوبصورت، اتنی عقل والی مگر میری ماں نے قدر نہ کی اور کرلی شادی میرے باپ سے...... وہ بھی بڑی محبت سے نکاح پڑھوا کر پاکستان لے آیا اور بن کر بیٹھ گیا میری اماں کا...... قسم اللہ کی آج میرا ابا زندہ ہوتا نا تو میں نے اسے اتنی چپیڑیں لگانی تھیں نا...... پہلے ابا مرا پھر اماں...... یہ نہ ہوا کہ مرنے سے پہلے مجھے نانی زری جان کے پاس بھجوا دیتے۔ قسم سے میں ان کے پاس ہوتی تو اب تک ہالی وڈ کی ہیروئن آرہی ہوتی فلموں میں...... پر ہک ہا...... ہم پر تو اللہ بھی مہربان نہیں ہوتا، مانو آسمان سے کھجور میں اٹک گئے، سوناگاچی میں تو۔''

صائمہ کو اپنی بدقسمتی کا گلہ کرنے کے لیے موقع کی ضرورت نہیں ہوتی تھی ابھی بھی وہ بس شروع ہو گئی تھی۔

''سوناگاچی کا ذکر تو وہ یوں کرتی تھی جیسے کوئی اپنا اعلیٰ نسب بتاتا ہے۔

''اوہ سونا گاچی کی شہزادی، زری جان کی کچھ لگتی!......تمہاری اماں کی بے وقوفی نے تمہیں یہاں لا پھینکا تو تم خود اب عقل مندی دکھالو چلی جاؤ انڈیا۔ ہمارے کان کیوں کھا رہی ہو۔'' رائمہ کی برداشت جواب دے گئی تھی۔

''لو انڈیا کیا اڑ کر چلی جاؤں۔'' صائمہ نے جیسے اس کی عقل پر ماتم کیا تھا۔

''ویزا، پاسپورٹ کون کرے گا؟''

''تم جو اتنا کماتی ہو وہ کہاں جاتا ہے؟'' رائمہ نے پوچھا۔

''تم نے کون سا کسی پر خرچ کرنا ہوتا ہے۔''

''جتنا کماتی ہوں وہ ساتھ ساتھ خود پر بھی تو لگانا پڑتا ہے۔ کھانے پینے کا خرچ الگ۔''

''ہاں بھئی تمہیں مرغی کے بغیر روٹی بھی تو ہضم نہیں ہوتی۔'' ایک بولی۔

''خیر پچھلے دنوں تو تم اس جاپانی کے ساتھ بک تھیں نا...... بڑا آگے پیچھے تھا تمہارے، تو چلی جاتیں اسی کے ساتھ، جاپان میں تو سنا ہے وہاں کی عورتیں پارٹ ٹائم میں یہی کام کرتی ہیں۔''

''ہیں......واقعی۔'' وہاں موجود کئی کے لیے یہ بڑی دلچسپ اطلاع تھی۔ کمرہ منٹوں میں کئی آوازوں سے بھر گیا۔ گیتی کیوٹیکس لگا رہی تھی۔ اس نے بےزاری سے صائمہ کی جانب دیکھا۔

''یہ لڑکی کتنا بولتی ہے...... تھکتی بھی نہیں جب دیکھو زری جان اور سونا گاچی کی رٹ لگائے رکھتی ہے...... پتا نہیں آپا بیگم اسے کیسے برداشت کر لیتی ہیں۔''

ریشم اطمینان سے کشن سر تلے رکھ کر لیٹی میگزین دیکھ رہی تھی بولی۔

''کیسے برداشت نہ کرتیں آپا بیگم اچھا خاصا کمیشن دیتی ہے صائمہ، پھر یہ کہ ہماری تمہاری طرح ان کے در پر نہیں پڑی ہوتی، الگ فلیٹ لے رکھا ہے، بس کبھی کبھار آ جاتی ہے۔'' اس نے تفصیل سے بتایا۔

''تم اتنے آرام سے کیوں لیٹی ہو؟ تیار نہیں ہونا آپا بیگم کہہ رہی تھیں نو بجے سے پہلے نکلیں گے، ہمایوں سلیمان کا فارم ہاؤس شہر سے خاصا دور ہے۔'' گیتی پاؤں پر کیوٹیکس لگا رہی تھی۔ ٹھوڑی گھٹنے پر تھی اس لیے بہت آہستہ آہستہ بول رہی تھی۔

''آپا بیگم بھی جا رہی ہیں؟'' ریشم نے لحظہ بھر کو اسے دیکھا۔

''ہاں۔''

''میرا تو موڈ نہیں بن رہا لیکن بگ باس کا آرڈر ہے جانا تو پڑے گا۔'' وہ اٹھ بیٹھی اور گیتی کے ہاتھ سے کیوٹیکس لے کر بائیں ہاتھ پر لگانے لگی۔

''گیتی۔''

''ہوں۔'' وہ ناخنوں کو پھونکیں مار رہی تھی۔

''وہ نئی لڑکی جو تمہارے کمرے میں رہ رہی ہے اس کا نام کیا ہے؟''

''پتا نہیں۔'' وہ اکتاہٹ سے بولی۔ ''میں نے نہیں پوچھا۔''

''ایں...... کیا مطلب؟'' ریشم تعجب سے بولی۔

''اتنے دن سے وہ تمہارے ساتھ ہے اور ابھی تک تم نے اس کا نام بھی نہیں پوچھا۔''

''پوچھنے کی نوبت نہیں آئی بھئی پہلے وہ خود بے ہوش ہو جاتی تھی اب آپا بیگم کی ہدایت پر اسے نیند کی گولیاں کھلائی جا رہی ہیں۔ وہ ایک طرف پڑی سوتی رہتی ہے میں اپنا کام کیے جاتی ہوں۔''

''کمال ہے آپا بیگم نے بھی کچھ نہیں بتایا۔''

''انہیں تو خود کچھ نہیں پتا بس یہی جانتی ہیں کہ پنجابی کڑی ہے...... لہورن۔''

''بس اتنی سی معلومات؟'' ریشم کو حد درجہ تعجب ہوا۔

''یہ ہو تو نہیں سکتا آپا بیگم تو مکمل کوائف جانے بغیر کسی کو رکھتی ہی نہیں ہیں۔''

وہ ابھی تک حیران ہو رہی تھی۔ گیتی نے کسی قسم کا تبصرہ ضروری نہیں سمجھا۔

''ویسے وہ لڑکی ہے خاصی پیاری۔'' ریشم جیسے ذہن میں اس کی تصویر لا رہی تھی۔

''خاص طور پر اس کی آنکھیں تو بہت ہی خوبصورت ہیں، اتنی خوبصورت آنکھیں بہت کم لوگوں کی ہوا کرتی ہیں، جب میں نے اسے دیکھا تو وہ رو رہی تھی ایسا لگا جیسے بھورے مخمل پر سفید ستارے ٹانک دیے گئے ہوں۔'' ریشم تشبیہ دے کر خود ہی ہنس دی۔

گیتی کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ وہ یک ٹک ریشم کا چہرہ دیکھ رہی تھی کس قدر معصومانہ انداز تھا اس کا اور اس کی بھی بنیادی وجہ شاید یہ تھی کہ ''گلشن نگر'' میں معصوم چہروں کی سخت قلت تھی۔

وہ ریشم کی جانب دیکھ رہی تھی مگر ذہن میں قطرہ قطرہ کوئی اور احساس ٹپک رہا تھا۔ بڑی مدت سے خاموش پڑی ہوئی گھنٹی اچانک بج اٹھے تو بازگشت بڑی دیر تک سنائی دیتی ہے۔ گیتی نے اس لڑکی کی آنکھیں یاد کرنے کی کوشش کی۔

''خوبصورت آنکھیں......'' اس نے زیر لب دوہرایا تھا۔ دھیان کا پنچھی اس انجان لڑکی کے آس پاس پھڑ پھڑا رہا تھا۔

☆......☆......☆

پچھم سے بھورا سا غبار اٹھا تھا جو منٹوں میں آسمان پر پھیل گیا۔ ادھر پہلا جھونکا بند کواڑوں سے ٹکرایا ادھر بجلی گل۔

''اف!'' مایوسی کی بے زار کن لہر سب میں دوڑ گئی کمرے اس رخ پر تھے کہ دن کے اوقات میں بھی عموماً ٹیوب لائٹ جلا کر رکھنا پڑتی تھی اب تو پھر بھی شام ڈھل رہی تھی اور گرد کے طوفان نے تقریباً سب ہی کچھ آنکھوں سے اوجھل کر دیا تھا۔

زینب نے سب سے پہلے چھت کی طرف دوڑ لگائی۔ امی کا سوٹ پھیلا رکھا تھا، پیچھے ہی کشف بھاگی۔

''یہاں تو بہت گرمی ہو جائے گی باہر ہی چلتے ہیں۔'' حلیمہ نے تپائی کی قمیض سمیٹ کر رکھتے ہوئے کہا تھا۔ ثانیہ ان سے پہلے باہر نکل گئی اور ترتیب سے چارپائیاں بچھانے لگی۔

درخت کے پتے شائیں شائیں بج رہے تھے شاخوں میں اٹکائی ہوئی پانی کی رکابیاں زمین پر گر کر ٹوٹ گئی تھیں۔ چڑیوں نے اس نقصان پر الگ شور مچا رکھا تھا اس پر سے اڑتی گرتی چیزوں کی اٹھا پٹخ۔

ہوا دونوں مٹھیوں میں بھر بھر کر ریت اس کی طرف اچھال رہی تھی اس نے آنکھیں جھپکتے ہوئے جیسے تیسے ساری چارپائیاں بچھائیں پھر پورا دوپٹا سر سے پیر تک خوب اچھی طرح پھیلا کر لیٹ گئی۔ اب ریت آنکھوں میں نہیں گھس رہی تھی شور تھا مگر ہوا میں ٹھنڈک اور نرمی تھی جو اسے دھیرے دھیرے نیند کی وادی میں دھکیلنے لگی۔

پھر پتا نہیں نیند پوری طرح مہربان ہوئی یا چند لمحوں کی غنودگی تھی۔ کوئی چیز اس کی ٹانگ سے ٹکرائی تو اس نے ہڑبڑا کر دوپٹا چہرے سے ہٹا دیا۔ شفق ساتھ والی چارپائی پر پیر لٹکائے بیٹھی اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

''سو گئی تھیں؟'' اس نے پوچھا تو ثانیہ نیند بھری آنکھوں سے تھکی تھکی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر بولی۔

''ہاں......شاید آنکھ لگ گئی تھی۔'' اس نے دونوں ہتھیلیاں آنکھ پر رکھ لیں اور دھیرے دھیرے مسلنے لگی۔

''بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہو؟'' شفق نے پوچھا۔

''کون......میں؟'' ثانیہ نے قدرے تعجب سے اس کی جانب دیکھا پھر کچھ یاد آنے پر اٹھ بیٹھی۔

''وین چھوٹ گئی تھی پیدل آنا پڑا اور یہ دیکھو جوتا بہت ٹائیٹ تھا کاٹتا رہا اور زخم ہو گیا۔ نرمین تو پہلے ہی کہہ رہی تھی آپی میرا جوتا مت پہن کر جائیں لیکن میں شوق شوق میں پہن گئی میرے سوٹ سے میچ جو ہو رہا تھا''

وہ سر جھکائے شہادت کی انگلی سے ٹخنے کے قریب آئے زخم کو آہستہ آہستہ چھوتے ہوئے اپنی ہی حرکت پر ہنس رہی تھی۔ پھر وہ منہ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔ گرد پوری طرح سے بیٹھ چکی تھی اور ٹھنڈی ہوا شہتوت کے پتوں سے سرگوشیاں کرتی پھر رہی تھی۔ فضا میں پڑوس کے کسی گھر سے اٹھنے والی پکوان کی مہک پھیلی تھی جتنی دیر میں اس نے اطراف کا جائزہ لیا۔ شفق اس کا جائزہ لیتی رہی۔

آسمانی رنگ کے سادہ سے کاٹن کے سوٹ میں، جس پر اس وقت جا بجا شکنوں کا جال بچھ چکا تھا وہ منہ اٹھائے آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے سے تھکاوٹ کا اندازہ کرنا ذرا بھی مشکل نہیں تھا مگر اس کے لب مسکرا رہے تھے کیونکہ انہیں ہمہ وقت مسکرانے کی عادت تھی۔

شفق نے بہت کم اس صابر شاکر مسکراہٹ کو اس کے چہرے سے جدا ہوتے دیکھا تھا ممکن ہی نہیں تھا کہ ناشکری کا کوئی کلمہ اس کے لبوں سے ادا ہو جائے۔ شفق کو وہ معمول سے بڑھ کر پیاری لگی ساتھ ہی ساتھ صبح سے جو ایک مایوس کن سوچ اس کے اندر بیٹھ چکی تھی اس

وقت کچھ اور حاوی محسوس ہوئی۔

''ہر روز شام کو ایسی ہی آندھی چلنا چاہیے کم سے کم یہ مہینہ تو سکون سے گزرے گا۔'' عانیہ سبزی کی باسکٹ اٹھائے کچن سے نکلی تھی۔

''ثانی! تم نہالو پھر کھانا کھاتے ہیں۔'' شفق نے اسے مخاطب کیا تو وہ سستی سے پاؤں پھیلا کر بولی۔

''کھانے کا تو ابھی موڈ ہی نہیں بن رہا چائے پی لیتے ہیں۔ آج مسز شہباز گھر پر نہیں تھی، ان کی ملازمہ نے چائے کا پوچھا تو میں نے انکار کر دیا۔ میرا خیال ہے مجھے اسی لئے اتنی سستی ہو رہی ہے روز مسز شہباز کے یہاں چائے پیتی ہوں تو فریش ہوتی ہوں۔''

وہ پھر سے لیٹ گئی۔ نرمین کے ذمے شام کی چائے بنانا تھا وہ خود ہی کچن میں چلی گئی۔ عانیہ اور حلیمہ سبزی بنا رہی تھیں کہ اچانک عانیہ سر اٹھا کر بولی۔

''ارے یاد آیا شفق تم نے امی کو ان خواتین کے بارے میں بتایا۔''

شفق کے اندر جیسے چھن سے کوئی چیز آ کر گری تھی۔ اس نے بے زار نظروں سے عانیہ کو دیکھا اصل میں وہ ثانیہ کے سامنے یہ موضوع چھیڑنا ہی نہیں چاہتی تھی اور اسی انتظار میں تھی کہ ثانیہ ادھر ادھر ہو تو بات کرے۔ مگر یہ عانیہ......

''اف! کیا یہ لڑکی کبھی کسی کی فیلنگز کی پرواہ کرنا سیکھے گی۔'' اس نے جھنجھلا کر سوچا اور عانیہ کو دیکھا جو اسے یاد دلا کر خود ہی بولے چلی جا رہی تھی۔

شفق نے بھی ناچار ان کا سارا پیغام امی تک پہنچا دیا اور کن انکھیوں سے ثانیہ کو دیکھا۔ وہ آسمان کے سپاٹ سینے پر ہلکورے لیتی پتنگوں کو دیکھ رہی تھی۔

وہ کیا سوچ رہی تھی یا کیا محسوس کر رہی تھی اس کا اندازہ اس کے چہرے سے لگانا انتہائی مشکل تھا مگر ایک لاتعلقی نمایاں تھی۔ شفق کو بنا اس کے خیالات جانے بھی افسوس سا ہونے لگا۔

حلیمہ ساری بات جان کر کسی گہری سوچ میں تھیں پھر کشف سے ان کی چادر لانے کے لئے کہا۔

''کہاں جا رہی ہیں امی!'' شفق نے چونک کر ان کا چہرہ کھوجا۔ ثانیہ چپل گھسیٹتی غسل خانے میں گھس گئی۔

''خوشی بوا کی طرف جاؤں گی وہ ان لوگوں کو خود ہی منع کر دیں گی۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولی تھیں۔

''چلیں امی میں آپ کو بائیک پر چھوڑ دیتا ہوں۔'' تیمور کف الٹتا سیڑھیاں اتر رہا تھا وہیں سے بولا، یہ بائیک اس کے دوست کی تھی وہ جب بھی شہر سے باہر جاتا تھا بائیک اسے دے جاتا تھا ایسے میں تیمور کی خوشی دیدنی ہوتی تھی بس نہیں چلتا تھا کہ ایک ایک کو پکڑ کر گھمانے لے جائے۔

ابھی بھی اس نے بڑے جوش سے آفر کی تھی حلیمہ ہنس دیں۔

''اس گلی کے آخر میں ہے خوشی بوا کا گھر...... بمشکل چار گھر چھوڑ کر۔''

تیمور جھینپ سا گیا مگر مایوس ہونا اس کی فطرت میں نہ تھا شفق کی جانب دیکھ کر بولا۔

''چلو پھر تمہیں ہی ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں۔''

ایک نئی بحث چھڑ گئی اور اس بحث سے کہیں دور عانیہ جیسے جنت کی گلیوں میں بھٹک رہی تھی۔

سامنے واش بیسن کے اوپر لگا آئینہ اس کا ایک ایک نقش اجاگر کر رہا تھا۔ وہ مقابلہ حسن جیت رہی تھی ایک کمینی سے خوشی اس کی رگوں میں دوڑنے لگی۔

''کوئی ہمارا طلب گار ہے کوئی ہماری ایک جھلک دیکھ کر پوری زندگی ترتیب دے رہا ہے اور ایک تم ہو عادل...... جسے اپنی خوش بختی کا احساس ہی نہیں...... ہونہہ۔''

اس نے سر جھٹک کر اس ناپسندیدہ خیال سے چھٹکارا حاصل کیا۔ تن من میں اترتی اس خوشی کو وہ کسی تلخ سوچ کی نذر نہیں کر سکتی تھی۔

وہ چپکے چپکے مسکراتی رہی اس سارے ماحول سے کٹ کر وہ کسی اور نگر کی سیر کو نکلی ہوئی تھی۔ زمین و آسمان کی وسعتیں مٹھی میں تھیں اردگرد کی پرواہ کسے تھی شفق نے اسے بلاسبب مسکراتے دیکھا تو الجھنے لگی پھر سر جھٹک دیا۔ عانیہ پہلے کبھی اس کی سمجھ میں آئی تھی جواب آتی۔

☆......☆......☆

اتنا سناٹا تھا جیسے کوئی موجود ہی نہ ہو۔

آج تو مرغیاں بھی انتہائی نظم وضبط کا مظاہرہ کرتی بڑے سکون سے دانہ چگ رہی تھیں اور وہ جانے کب سے ہاتھ کی اوک میں ٹھوڑی ٹکائے انہیں دیکھ رہی تھی۔ تب ہی جانے کہاں سے ڈولتی ہوئی سرخ پتنگ عین چھت کے درمیان میں گری وہ تو چونکی سو چونکی مرغیوں میں شور مچ گیا۔

وہ سٹپٹا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ گرم فضا بھاری پروں کی آواز سے اٹ رہی تھی۔ دھوپ سمٹ کر چھت کے تیسرے حصے تک جا پہنچی تھی اور کہیں دور سے آنے والی چکی کی آواز بہت واضح سنائی دینے لگی تھی۔

عانیہ نے دل پر ہاتھ رکھ کر پوری رفتار سے دوڑتے دل کو سنبھالا یوں لگتا تھا ابھی نکل کر باہر آ جائے گا۔ پھر اس نے دیوار سے سرکتی ڈور کو دیکھا ایک پل کے لئے ذہن میں کوئی ریشمی ڈور سرکتی محسوس ہوئی تھی اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

اگلے پل وہ گرنے کے سے انداز میں پیچھے کی طرف چارپائی پر لیٹ گئی اس کے پیر نیچے لٹک رہے تھے اور نگاہیں آسمان کی وسعتوں میں بھٹک رہی تھیں۔

معاً اس نے اپنی دونوں ہتھیلیاں نظروں کے سامنے پھیلا لیں چند لمحے وہ اپنی لکیروں کو دیکھتی رہی پھر اس نے ہاتھوں کو الٹ پلٹ کر دیکھا گہری نیلے تیز روشنی میں نہائے آسمان کی فراخ سینے پر سجے اس کے ہاتھ بہت خوب صورت دکھائی دے رہے تھے۔ بائیں ہاتھ کی پشت پر آٹا لگا ہوا تھا گوندھنے کے بعد اس نے اچھی طرح سے ہاتھ نہیں دھوئے تھے مگر یہ آٹا اس کے ہاتھ کی خوبصورتی کو گہنا نہیں پایا تھا۔

تبھی اس کی انگلیاں بہت نرمی وآہستگی سے اس کے اپنے نقوش کو چھونے لگیں پہلے پیشانی، پھر آنکھیں، پھر ننی سی ناک، پھر لب......

اس کے ہاتھ کی حرکت کے ساتھ ساتھ اس کے لبوں پر بکھری مسکراہٹ کی کرنوں میں بھی اضافہ ہورہا تھا۔

دل نے سات سر مستعار لئے تھے۔

ان گنت رنگوں سے سجی کائنات اس کے تصرف میں تھی۔

وہ بن پنکھ کے اڑان بھر رہی تھی۔

اوپر......

اوپر......

بہت ہی اوپر......

"عانی...... عانی۔" کسی نے زور سے اس کا کندھا جھنجھوڑا وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ شفق عجیب حیران پریشان نظروں سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"عانی! تمہیں کیا ہوا ہے؟ مسکرا کیوں رہی ہو؟" اس نے پوچھا عانیہ نے سٹپٹا کر ادھر ادھر دیکھا پھر خفت کے مارے لبوں پر ہاتھ رکھ لیا۔

وہ تو اپنے گھر کی چھت پر تھی۔ اس کے سامنے مرغیاں دانہ چگ رہی تھیں اور شفق اسے متعجب نظروں سے دیکھ رہی تھی اگلے پل وہ ہنسنا شروع ہوئی تو پھر ہنستی ہی چلی گئی۔ شفق دنگ رہ گئی۔

"عانی! پلیز مجھے بتاؤ تمہیں کیا ہوا ہے۔ پہلے اکیلی بیٹھی مسکرا رہی تھیں اب بلاوجہ قہقہے نہیں تھم رہے...... کہیں آسیب تو نہیں ہو گیا؟ سنا ہے گرمیوں کی دوپہروں کی راتوں میں بھوت پریت گھروں کی سب سے اونچی منزل پر بھٹکا کرتے ہیں۔" اپنا خدشہ ظاہر کرتے ہوئے اس نے خائف نظروں سے اردگرد کا جائزہ لیا تھا۔

"کیوں بھئی...... بھوت پریت کے اپنے گھروں میں چھتیں نہیں ہوتیں کیا؟" اس کی ہنسی تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ "اور آسیب ہمیں کیوں ہو گا؟ ہم تو وہ ہیں جو آسیب کو ہو جائیں۔"

"پھر کس خوشی میں ہنس رہی ہو؟" شفق کو حقیقتاً اس کی حالت پر شک ہوا تھا۔

"مرغی نے انڈا دیا ہے۔" کچھ تو کہنا تھا سو یہی کہہ دیا۔

"تو اس میں اتنا خوش ہونے کی کیا بات ہے مرغی تو روز ہی انڈا دیتی ہیں، یا پھر آج غلطی سے شتر مرغ کا انڈا دے دیا ہے؟" عانیہ کی ہنسی میں کچھ اور شدت آگئی تھی۔ شفق نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا پھر اپنا زخمی پاؤں گھسیٹتی زینے کی جانب بڑھی۔

"جب عقل ٹھکانے آجائے تو نیچے آجانا...... اس قدر گرمی ہے مرغی کے انڈا دینے کی خوشی نیچے کمرے میں بیٹھ کر بھی منائی جاسکتی ہے۔"

’’تم خوشی منانے میں میرا ساتھ دوگی۔‘‘ عانیہ کسی ترنگ میں تھی وہیں سے پکار کر پوچھا۔ شفق منڈیر پر ہاتھ رکھ کر پلٹی۔

’’کیا مجھے دینا چاہیے؟‘‘

’’آہا......‘‘ اس کے دل نے ایک ٹھنڈی سانس بھری تھی۔ ’’تم کیا ساتھ دوگی ہمارا فی الحال تو اپنا ساتھ دینے کو ہم اکیلے ہی بہت ہیں۔‘‘ اس نے سوچا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

’’تمہارے ساتھ ہی چلتی ہوں۔‘‘ وہ چنگیر اٹھا کر اس کے پیچھے ہی چل دی اس چنگیر میں مرغیوں کا دانہ تھا۔

’’پچھلے پندرہ منٹ تک میں تمہیں صحن میں کھڑی ہو کر آوازیں دیتی رہی ہوں مگر تمہارا دماغ تو پتا نہیں کہاں پہنچا ہوا تھا۔ دودھ چولہے پر رکھا تھا تو کم سے کم آنچ ہی دھیمی کر دی ہوتی سارا چولہے میں گر گیا۔‘‘

’’اوہ......چلو کوئی بات نہیں سمجھو صدقہ نکل گیا میں ابھی جا کر چولہا صاف کر دیتی ہوں۔‘‘ اس نے بہت ہلکے پھلکے لہجے میں کہا تھا مگر سیڑھیاں احتیاط سے اترتی شفق حیران رہ گئی یہ خوش اخلاقی ولا پروائی......آج تو اس کی سبھی باتیں متعجب کر رہی تھیں۔ لیکن خیر تبدیلی تو مثبت ہی تھی شفق نے سوچا۔

صحن کی سرخ اینٹیں اب تک نمی کے باعث مزید سرخ دکھائی دے رہی تھیں۔ شہتوت کے گھنے پتوں میں جنم لیتی دھیمی دھیمی سرسراہٹیں سکوت کو توڑتی بڑی خوش گواریت سی پیدا کر رہی تھیں۔

شیخ صاحب سر جھکائے اونگھ رہے تھے۔

عانیہ سیدھی کچن میں گھس گئی۔ گھر کے در و دیوار پر سائے کی ویسی ہی حکمرانی تھی جیسی عموماً ان اوقات میں ہوا کرتی تھی شہتوت کے پتوں میں کبھی کبھی چڑیا چہچہاتی جاتیں تو سناٹے میں دراڑیں ابھر آتیں پھر ذرا پل میں سطح برابر ہو جاتی۔

عانیہ نے کچن اور صحن کے درمیان حائل جالی دار دروازے سے باہر نگاہ ڈالی۔ یہ سناٹا اور تنہائی اس کے ہم راز و دوست تھے وہ عموماً اس تنہائی اور اکیلے پن سے بہت حظ اٹھایا کرتی تھی مگر کچھ روز سے اس کی یہ واحد تفریح ختم ہو کر رہ گئی تھی۔

معاً فون کی گھنٹی نے اس کے خیالات کے تسلسل میں رخنہ ڈال دیا۔ خاموش فضا میں گویا بھونچال آ گیا تھا۔ در و دیوار سے لپٹا سناٹا زمین پر گر کر چکنا چور ہو گیا۔ وہ کچن سے نکل کر کمرے میں آئی۔ شفق فون ریسیو کرنے کے لئے اٹھ رہی تھی اسے دیکھ کر بیٹھی رہی۔

اس نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا۔

’’ہیلو......!‘‘ اس کا لہجہ بے حد بے زار تھا کسی ترنگ و سرخوشی سے خالی دوسری جانب جیسے کوئی نمبر ملا کر فراموش کر بیٹھا تھا۔ عانیہ نے چند لمحے انتظار کیا پھر عادت کے عین مطابق جھنجھلا کر ہیلو کہا۔

’’غازی اسٹور کا نمبر یہی ہے؟‘‘ آواز ابھری۔

’’رانگ نمبر۔‘‘ اس نے ریسیور رکھا اور پلنگ پر لیٹ گئی۔ چھت پر لگے اکلوتے پنکھے کی ہوا بے حد گرم تھی۔

"کس کا فون تھا عانیہ؟"

"رانگ نمبر۔" اس نے مختصراً کہہ کر جان چھڑوائی۔

"غازی اسٹور کا پوچھ رہا تھا۔" شفق کی بات نے اسے چونکنے پر مجبور کیا تھا۔

"ہاں......لیکن تمہیں کیسے پتا چلا؟" وہ لیٹے لیٹے گردن موڑ کر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے بھی یہی شخص فون کر چکا ہے اور ایک بار نہیں دو بار...... مجھے تو لگتا ہے یہ شخص غلطی سے نہیں بلکہ جان بوجھ کر یہ نمبر ملا رہا ہے۔"

"پاگل ہو تم......" عانیہ کی آواز اگرچہ دھیمی تھی مگر عجیب سی تلخی رچی تھی۔ درودیوار میں رچی تپش نے اس پر بہت اثر کیا تھا۔

"بھلا کوئی ایسا کیوں کرے گا؟ لوگوں کے پاس نہ تو فالتو پیسہ ہے نہ فالتو وقت اکثر تو ہمارے بھی رانگ نمبر لگ جاتے ہیں۔"

اس نے کروٹ بدل لی بولنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن شفق باتیں کرنے پر آمادہ اس کا دل چاہا اسے ڈپٹ دے مگر اسی وقت باہر گیٹ کی بیل بجنے لگی۔

"لو......اب یہ کون آ گیا۔" بے زار طبیعت اور بے زار ہوئی۔ خیالات میں رخنہ فون کی گھنٹی نے ڈالا تھا غصہ جانے کس کس پر آنے لگا۔ شفق انتظار کرتی رہی کہ اس کا احساس کرتے ہوئے وہ ہی دروازہ کھول دے مگر اسے اٹھنے پر آمادہ نہ دیکھ کر کر خود ہی گیٹ کھولنے چلی گئی۔

عانیہ آنکھیں موندے لیٹی ہوئی تھی۔ اچانک باہر سے مانوس آوازیں آنے لگیں تو آنکھیں کھولیں۔ ثانیہ، نرمین، زینب اور کشف کو ایک ساتھ دیکھ کر وہ حیران ہوئی۔

"بس اتفاق ہی سمجھ لو۔" ثانیہ کہہ رہی تھی عانیہ کو ان سب کی ایک ساتھ اور بے وقت کی آمد جیسے موضوع سے چنداں دلچسپی نہ تھی جس کوفت کا سامنا اسے کرنا پڑا تھا وہ اب تک اعصاب پر حاوی تھی اس پر مستزاد یہ کہ ایک مرغی بیچ صحن میں کدکڑے لگاتی نظر آ گئی۔

"بیڑہ غرق......" اس نے سر پیٹ لیا۔ "میں نے ابھی صفائی کی تھی ابھی گندگی پھیلا دی۔ کسی روز میں نے ان سب مرغیوں کی گردن پر چھری چلا دینی ہے بس......"

"بہت اچھی بات ہے آپ چھری چلائیں ہم دعوت اڑائیں گے۔" زینب ہنسی۔

"کس کی دعوت ہو رہی ہے؟ مجھے تو جلدی سے کھانا دے دیں سچ میں بھوک لگی ہے......عانی آپی کیا پکایا ہے؟"

سب سے چھوٹی کشف دروازے میں کھڑی پانی پی رہی تھی اس نے زینب کا آخری جملہ ہی سنا تھا۔

عانیہ نے ایک کاٹ دار نظر اس پر ڈالی۔

"پینے کے لئے یہ ڈھیر سارا پانی ہے اور کھانے کو یہ اتنی ساری ہوا جو رکھی ہے۔ جی بھر کر کھاؤ اور پیو بلکہ یوں کرو آنے والے دنوں

کے لیے بھی اسٹاک کرلو کیونکہ جیسے ہمارے گھر کے حالات ہیں انہیں دیکھ کرتو یہی لگتا ہے کہ کچھ روز میں ہوا اور پانی بھی نہیں مل سکے گا۔''

اس کے طنزیہ لب و لہجے میں جی بھر کر تلخی تھی۔

''کیوں کیا ہوا ہے ہمارے حالات کو۔'' ثانیہ نے ناپسندیدگی سے اس کی طرف دیکھا۔

''جو دیکھ کر بھی نہ دیکھ پائے اس کے لئے تو خیر کچھ بھی نہیں ہوا۔'' وہ پہلے والی ٹون میں بولی۔

''کشف بیٹا! آپ جا کر کپڑے چینج کرو پھر ہم کھانا کھاتے ہیں۔'' کشف، زینب، نرمین آگے پیچھے باہر نکل گئیں تو وہ بولی۔

''بہت شائستگی کی امید تو مجھے کبھی بھی نہیں رہی تم سے مگر کم سے کم بچی سے تو ٹھیک سے بات کرلیا کرو۔'' ثانیہ نے جیسے بہت زچ ہو کر سرزنش کی تھی۔

''مجھے صرف اسی طریقے سے بات کرنی آتی ہے جسے میرا انداز ناگوار لگتا ہے وہ مجھ سے بات کرنا چھوڑ دے۔'' وہ دوٹوک کہتی باہر نکل گئی۔

ثانیہ نے شفق سے پوچھا۔

''اسے ہوا کیا ہے؟'' اتنا موڈ کیوں خراب ہے؟''

''ابھی تک تو اچھی بھلی تھی۔'' شفق نے کندھے اچکا دیئے تو ثانیہ سر جھٹکتے ہوئے بولی۔

''ہاں ٹھیک ہے عانی کو اچھے یا برے موڈ کے لئے وجہ درکار ہی کب ہوتی ہے۔'' وہ کپڑے تبدیل کرنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

''ہاہاہا......اس بات پر تو ایک لطیفہ یاد آرہا ہے۔''

تیمور نے زندگی سے بھرپور قہقہہ لگاتے ہوئے کہا ساتھ ہی بڑی بے اختیاری سے بایاں ہاتھ سینے پر رکھ لیا تھا۔

درد کی شدید لہر بدن کی ساری قوت کو خشک پتوں کی طرح سمیٹ رہی تھی ہر چند کہ اس کی مسکراہٹ ڈگمگائی ضرور مگر لبوں سے جدا نہ ہو سکی۔

بڑی مشقت سے سانس کھینچ کر وجود کو توانائیاں فراہم کرنا جتنا مشکل کام تھا وہ اتنے ہی حوصلے سے کیے جا رہا تھا۔

ثانیہ نے ٹیسٹ چیک کرتے ہوئے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور نظر ہٹانا بھول گئی۔ تیمور انتہائی خوش گوار انداز میں لطیفہ سنا رہا تھا لہجے میں بہت خوب صورت ہنسی کا تاثر تھا ذرا بھی لڑکھڑاہٹ نہ تھی مگر چہرہ تو چغلی کرنے میں ماہر تھا۔

ثانیہ اندازہ کرسکتی تھی کہ وہ اس وقت کس اذیت سے گزر رہا ہوگا بلکہ کسی کے لئے بھی اندازہ لگانا مشکل نہ تھا مگر وہ سب ایک دوسرے سے اپنا آپ چھپا کر رکھنے کی عادی تھے کیونکہ ان سب کے غم اور خوشیاں ایک دوجے سے جڑے تھے۔

تیمور تکلیف برداشت کرتا تھا مگر کبھی اظہار نہیں کیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا اس کا ایک لفظ اس کی ماں بہنوں کو کس قدر بے چین

کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔ آفس سے بھی جلدی آ گیا تھا اور کہہ دیا تھا آج ٹیچر صاحب جلدی اٹھ گئے تھے تو سب کے عیش ہو گئے۔

''جنہیں درد چھپانے کا شوق ہو، ان کے پاس بہانوں کی کمی نہیں ہوتی۔'' ثانیہ نے تیمور کی تکلیف کو محسوس کرتے ہوئے سوچا تھا۔

''ثانیہ آپی......'' زینب اس کے کان میں جانے کیا منمنائے جا رہی تھی اسے متوجہ ہونا ہی پڑا تب وہ خفگی سے بولی۔

''کہاں گم ہو جاتی ہیں میں کب سے پکار رہی ہوں مگر آپ سن ہی نہیں رہیں۔''

''میں نے کہاں گم ہونا ہے۔'' اس نے اپنی توجہ دوبارہ ٹیسٹ کی جانب لگائی۔

''کوئی نہیں...... میں اتنی دیر سے آپ کو بلا رہی ہوں پھر تیمور بھائی نے اتنا مزے کا لطیفہ سنایا ہے مگر آپ مسکرائی تک نہیں اس کا مطلب تو یہی ہوا نا کہ آپ کچھ اور سوچ رہی ہیں۔''

ثانیہ کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور زینب کے سر پر چپت لگاتے ہوئے بولی تھی۔

''تم کہو...... میں اب سن رہی ہوں۔''

''پھر امی سے حنا خالہ کے پلاٹ کے بارے میں بات کریں نا...... اف آپی، تصور کریں ہمارے گھر میں کتنا پیارا سا لان بن جائے گا۔'' اس کا جوش قابل دید تھا۔ جس پر حلیمہ نے فوراً ہی پانی پھیر دیا۔

''اس بارے میں سوچنا بھی نہیں ہمارا گھر لان کے بغیر ہی اچھا ہے۔''

زینب کا منہ لٹک گیا اتنے دن سے جو خواب دیکھے تھے سب پانی میں بہہ رہے تھے اس نے مدد طلب نظروں سے جملہ احباب کو اور خصوصاً ثانیہ کو دیکھا۔

''اس میں آخر برائی بھی کیا ہے امی چھوٹا موٹا لان بن بھی جائے تو اچھا ہی لگے گا۔''

''بہت خوب اب اس ڈربے کے ساتھ لان بنے گا بہت خوب، لگتا ہے تم نے کبھی لان دیکھا نہیں۔'' عانیہ بیٹھی پیروں پر ابٹن مل رہی تھی۔ تمسخرانہ بولی۔

''نہیں دیکھا اسی لئے اپنے گھر میں بنا رہے ہیں۔'' ثانیہ نے چڑ کر کہا تھا پھر امی سے بولی۔

''خالہ کا پلاٹ کتنے عرصے سے یونہی پڑا ہے دیواریں کھڑی ہیں گیٹ لگا ہے مگر پچھلی گلی کے لوگ وہاں کھوڑا کرکٹ پھینکتے رہتے ہیں کوڑا دان بنا رکھا ہے، ہم اپنی طرف کا دروازہ کھول لیں گے تو کسی کی مجال ہیں ہوگی وہاں کوڑا پھینکنے کی۔''

''بات تو ٹھیک ہے......'' تیمور نے بھی ہاں میں ہاں ملائی تھی اور بیٹھے ہوئے پیر چارپائی سے نیچے لٹکا دیئے۔

''چلو...... یک نہ شد دو شد۔'' عانیہ نخوت سے سر جھٹکتی اور زور سے پیر رگڑنے لگی۔ تیمور کی بات نے حلیمہ کو مخمصے میں ڈال دیا تھا چند لمحے سوچتی رہیں پھر نیم رضامند لہجے میں بولیں۔

''لیکن اگر حنا نے کوئی اعتراض کیا تو؟''

”تو میں انہیں منالوں گا۔“ تیمور جھٹ بولا۔

”ویسے بھی وہ اعتراض نہیں کریں گی میں جانتا ہوں......اس طرح سے ان کے پلاٹ کی بہتر دیکھ بھال ہو جائے گی آپ بلاوجہ خدشات کا شکار ہو رہی ہیں ہم کون سا ان کے پلاٹ پر قبضہ کر رہے ہیں چند بے ضرر پودے ہی تو لگانے ہیں۔“

”اور درخت بھی......“ کشف جلدی سے بولی، تیمور ہنس دیا۔

”ہائی بھئی درخت بھی چلو بھاگ کر جاؤ اور دروازے کی چابی لاؤ دیکھتے ہیں پچھلی طرف کتنا کام کرنا پڑے گا۔“

یہ آئیڈیا چونکہ نرمین، زینب اور کشف کی مشترکہ پیشکش تھا اس لئے تینوں نے ہی بیک وقت حلیمہ کی جانب دیکھا اور ادھر سے اوکے کا سگنل پاتے ہی کمرے کی جانب دوڑیں تیمور بھی ان کے پیچھے چلا گیا تھا۔

ان کے گھر کی پچھلی جانب کچھ اراضی خالی پڑی تھی جو حلیمہ کی سگی بہن حنا کی ملکیت تھی عرصہ دس سال قبل حنا اپنے میاں کے ہمراہ دبئ شفٹ ہوئی تو ایک کام یہ کیا چار دیواری کھڑی کروائی اور ایک دروازہ بڑے کمرے سے اس طرح نکال دیا۔ ارد گرد کی اراضی تب خالی پڑی تھی۔ حفاظتی نکتہ نظر کے تحت یہ بڑی عقل مندی تھی حلیمہ بہن کی مروت میں خاموش رہیں مگر ہر گزرتا دن جب کسی نئے سوال کے خدشے میں مبتلا کرنے لگا تو حنا کی روانگی کے کچھ ہی روز بعد دروازے کی کنڈی چڑھائی اور بڑا سا تالا ڈال دیا آج جانے بچیوں کو کیا سوجھی تھی وہ کبھی اجازت نہ دیتیں مگر تیمور کے جھکاؤ نے خاموش رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔

بہت چھوٹی چھوٹی خوشیاں تھیں ان کے بچوں کی زندگیوں میں، جو انسان خود زندگی بھر خوشیاں ڈھونڈتا رہا ہو اور پھر بھی خالی ہاتھ رہا ہو وہ کسی کی خوشیاں نہیں چھینتا کجا کہ اپنی ہی اولاد کو خوشی سے محروم کرنا پھر جیسے کوئی خنجر کی نوک سے زخم کریدتا ہے تو تکلیف ہوتی ہے لمحہ لمحہ اذیت جھیلنا پڑتی ہے ہر بار تیمور کو بے چین دیکھ کر وہ بھی ایسی ہی کیفیت میں مبتلا ہوتی تھیں اور ہر بار الیاس چودھری کی رفاقت کا احساس ان کے لئے ایک ٹھنڈی آہ بن کر رہ جاتا تھا۔

ڈاکٹر نے کہا تھا کہ ایک معمولی سا آپریشن آپ کے بچے کو مکمل صحت مند زندگی فراہم کر سکتا ہے اور حلیمہ نے اپنے دن رات اس آپریشن کو کامیاب بنانے میں لگا دیئے۔

جانے کتنی راتیں وہ نیند آنکھوں میں لئے سلائی مشین پر جھکی رہیں۔ ٹانکے اٹھاتے گراتے انگلیوں کی پوریں چھد گئیں۔ زیور فروخت کیا ادھار رقم بھی لینا پڑی تب کہیں جا کر ڈیڑھ لاکھ روپے جمع ہو سکے۔

وہ بے حد خوش تھیں ڈاکٹر نے آپریشن کی کامیابی کا سو فیصد یقین دلایا تھا۔ داتا دربار پر دیگ دینی ہے۔ پانچ سو شکرانے کے نوافل......چار جوڑے کسی ضرورت مند کو......ان کی جھولی منتوں سے بھر چکی تھی۔ لیکن عین آپریشن والے روز وہ زمین پر آ گریں۔ ہر منت اشک باران کے سامنے بکھری پڑی تھی۔

”بی بی آپریشن مفت میں تو نہیں ہوا کرتے۔ پیشنٹ کی ایڈمیشن فیس پہلے دینا پڑتی ہے پھر اور اخراجات ہیں۔ دوائیوں کا خرچہ،

ڈاکٹر کی فیس، آپریشن تھیٹر فیس کل اخراجات کا آدھا تو پہلے جمع کروانا پڑتا ہے آپ کی یقین دہانی کا ہم کیا کریں یا تو فیس پہلے جمع کروائیں، نہیں تو بچہ لے کر جاؤ۔"

یہ الفاظ سرکاری ہسپتال کے ریسپشن پر ان کے ادا کیے گئے اور ان کے پاس آنسوؤں کے سوا کچھ باقی نہیں بچا تھا۔ وہ تیمور کو لے کر گھر آ گئیں۔ الیاس چودھری نے کس وقت الماری سے پیسے نکالے ہوں گے یہ وہ آج تک نہ سمجھ پائیں مگر یہ طے تھا کہ نکالے انہوں نے تھے اور اسی کے بعد مہینہ بھر اپنی شکل نہیں دکھائی تھی اور جب شکل دکھائی تو بڑے آرام سے اعتراف بھی کر لیا۔

"میرا دیا ہوا ہی تھا تم کوئی اپنے فقرے ماں باپ کے گھر سے تو نہیں لائی تھیں جو سوال کر رہی ہو، میری چیز تھی میں نے لے لی۔" انہوں نے نخوت سے کہا تھا اور حلیمہ آج تک وہ الفاظ بھول نہیں پائیں۔

"امی!...... مجھے پانچ سو روپے دے دیں۔"

حلیمہ کو پتا نہیں چلا کہ عانیہ کب ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔ انہوں نے چونک کر اس کی جانب دیکھا پھر ارد گرد دیکھتے ہوئے بولیں۔

"پانچ سو کیا کرنے ہیں؟" شفق سر جھکائے فٹافٹ کڑھائی کا کام سمیٹ رہی تھی۔

"سوٹ بنانا ہے۔" وہ ناخن کھرچتی بے نیازی سے بولی۔

حلیمہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا گویا اس کی بات سمجھنے کی کوشش کی ہو۔

"ابھی پچھلے مہینے تو تم نے دو سوٹ بنائے ہیں۔"

"وہ......" عانیہ نے نخوت سے ناک چڑھائی۔ "وہ سوٹ گھر تو پہنے جا سکتے ہیں مگر کسی اور کے یہاں پہن کر جانے کے قابل نہیں ہیں۔ مجھے صبا کی منگنی میں پہننے کے لئے سوٹ چاہیے۔"

"اور وہ ایک سوٹ کا کپڑا ابھی آیا ہوا ہے......" حلیمہ بولیں۔

"اس میں سے تو ثانیہ کی قمیص بن گئی باقی کپڑا اتنا نہیں تھا کہ میں بھی قمیص بنا پاتی۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے وہ تو بڑے عرض کا کپڑا تھا اور میں لائی بھی زیادہ تھی ذرا دکھاؤ تو مجھے اچھی خاصی قمیص نکل سکتی ہے۔"

"اس طرح بچے کھچے کپڑے میں سے جو قمیص آپ بنا کر دیں گی وہ بہت فٹنگ والی ہو گی اور سلیوز بھی ہاف ہوں گی یہ سب ایسی شرٹس پہن لیتی ہیں آپ جانتی ہیں مجھ سے اسی بے ہودگیاں نہیں ہوتیں اور دوسری بات یہ کہ میں ثانیہ جیسا سوٹ نہیں پہنوں گی مجھے اچھا نہیں لگتا کہ سب ایک ہی پرنٹ پہنیں یوں لگتا ہے جیسے یونیفارم پہنا ہے۔" وہ بسوری۔

"عانیہ! تم ایسی بات کرتی ہو میں سمجھ نہیں پاتی کیا جواب دوں۔" وہ قدرے جھنجلا کر بولیں۔

"ہر چیز میں کیڑے نکالنا ضروری ہوتا ہے کیا ہے؟ ایک چیز جو یہ سب لے لیتی ہیں۔ یہ سب بھی تو بلا جواز اعتراض نہیں کرتیں پھر آخر تم کیوں ہر چیز کو رد کرتی رہتی ہو...... ابھی مجھے تنگ مت کرو میرے سر میں درد ہے اور میرے پاس پیسے ہوں گے تو لے لینا۔" وہ

اپنے کام کی جانب متوجہ ہوئیں۔

''مجھ میں اوران سب میں بہت فرق ہے امی، اور یہ بات آپ بھی جانتی ہیں۔'' عانیہ غصے سے لال چہرہ لئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''اس کا سب سے بڑا ثبوت بھی یہی ہے کہ آپ کو مجھ سے اتنی محبت نہیں ہے جتنی کہ ان سب سے...... ورنہ پانچ سو کی حیثیت ہی کیا ہے؟ آپ ثانیہ کو تو کبھی انکار نہیں کرتیں صرف اسی لئے نا کہ وہ آپ کی لاڈلی بیٹی ہے۔ پتا نہیں اللہ نے مجھے اس گھر میں کیوں پیدا کر دیا جب کہ یہاں کسی کو میری ضرورت ہی نہیں تھی۔'' وہ انتہائی جذباتی ہو رہی تھی۔

حلیمہ دم بخود اس کا لال بھبھوکا چہرہ دیکھ رہی تھیں اتنا عناد کہاں سے آ گیا تھا اس کے دل میں؟ وہ پہلے بھی شکوہ شکایتیں کیا کرتی تھی مگر آج تو انداز ہی نرالا تھا۔

انہوں نے ذرا چونک کر ادھر ادھر نظر ڈالی ثانیہ کمرے کے دروازے میں کھڑی عجب حیران نظروں سے اسی طرف دیکھ رہی تھی۔ ماتھے پر الجھن کی تیوری، آنکھوں میں سوال۔

حلیمہ نے یوں اسے مطلب طلب نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہی ہوں۔ ''بھلا اس بات کا کیا جواب دوں۔''

''تم پوچھ رہی تھیں نا ثانیہ! کیا ہوا ہے ہمارے حالات کو؟...... یہ ہوا ہے، یہاں چند روپے نکالنا بھی مصیبت ہے لوگ اپنے بچوں کو لالی پاپ کے لئے سو روپے دے دیتے ہیں اور یہاں یہ عالم ہے کہ سال میں ایک سوٹ کے لئے بھی پیسے نہیں ملتے۔''

وہ روتی ہوئی اس کے پہلو سے نکل کر کمرے میں چلی گئی۔ ثانیہ نے گردن موڑ کر دیکھا وہ بستر پر اوندھے منہ گری سسک رہی تھی۔

اس نے حلیمہ کی جانب دیکھا وہ افسردگی سے سر جھکائے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھیں۔ بھرے صحن میں سناٹا چھا چکا تھا جو عموماً کسی ناخوش گوار واقعہ کے وقوع پذیر ہو جانے کے بعد پھیلتا ہے۔

ثانیہ نے یہی مناسب سمجھا کہ کسی قسم کے ردعمل کا اظہار نہ کرے کہ یہ بھی معمول کی روٹین کا حصہ تھا۔

''شفق! تیمور سے کہو کپڑے چینج کر لے ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔'' اس نے شفق سے کہا اور خود حلیمہ کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور انہیں تفصیلات سے آگاہ کرنے لگی۔

''عادل نے ذکر کیا تھا اس کے دوست کے والد کارڈیولوجسٹ ہیں تو تیمور کا چیک اپ ان کے کلینک پر کروا لیتے ہیں اب تو خیر ہم اس پوزیشن میں بھی ہیں کہ تیمور کا آپریشن جلد از جلد کروا لیں...... آپ اس کی رپورٹس وغیرہ نکال دیں۔ میں نے عادل کو فون کیا تھا کہ وہ اپائنٹمنٹ لے لے۔ وہ بس تھوڑی دیر میں گاڑی لے کر پہنچ رہا ہوگا۔''

اس اطلاع نے جیسے حلیمہ کے وجود میں از سر نو زندگی دوڑا دی تھی۔ چہرہ کسی نئی امید کی آس میں چمکنے لگا۔

☆......☆......☆

دروازے سے آگے تین وسیع سیڑھیاں تھیں۔ خشک پتوں اور گرد سے اٹی ہوئی تیسری سیڑھی پر تیمور بیٹھ چکا تھا اور انگلیوں سے

اپنے سینے کو مسل رہا تھا۔

درد نے اسے اتنا بے حال کر دیا تھا کہ وہ ان تینوں کے ساتھ مزید کھڑا بھی نہیں رہ پایا تھا اسے سانس لینے میں بھی دشواری محسوس ہو رہی تھی۔

''تیمور بھائی! اس درخت پر جھولا ڈالا جا سکتا ہے۔'' کشف نیم کے پیڑ کے نیچے کھڑی پوچھ رہی تھی اس سے قبل کہ وہ کوئی جواب دیتا کشف دوسری جانب متوجہ ہو چکی تھی ان تینوں کا جوش و جذبہ قابلِ دید تھا۔ ان تینوں نے ایک اودھم مچا رکھا تھا۔

''ادھر آم کا درخت لگانا ہے۔ ادھر کینو کا بہتر ہوگا۔ یہاں سبزی کی کیاری بنے گی۔ اس طرف موتیا، گلاب وغیرہ لگائیں گے اور علیک کو نہیں بھولنا تیمور بھائی! آپ کل ہی مالی کو لے آیئے گا مجھے گلِ دوپہر کا پودا بھی چاہیے۔''

تیمور سنتا رہا مسکراتا رہا بے ہنگم بڑھے ہوئے درختوں کی شاخوں، خود رو جھاڑیوں اور پچھلی دیوار کے ساتھ ساتھ لگے کوڑے کے ڈھیر میں اسے اپنی بہنوں کے چہرے آسمان پر چمکتے چاند کی مانند دکھائی دے رہے تھے۔

معاً عین اس کے سر پر پھیلی خود رو بیل سے کوئی چیز اس کے بالوں سے ٹکراتی زمین پر آ گری تھی۔ اس نے نگاہ دوڑائی شاید کوئی خشک تنکا......کوئی پتا لیکن اس کے پیر کے قریب سمٹے ہوئے پروں والی بے جان تتلی پڑی تھی تیمور چند لمحے اسے دیکھتا رہا تھا پھر چٹکی میں لے کر اسے ہتھیلی پر رکھ لیا۔

بے جان سکڑا سمٹا وجود، تنکے کی مانند بے حس، پتلے پتلے پروں کے رنگ جھڑ رہے تھے۔ تیمور نے اپنے سینے میں درد کو مزید تیزی سے پھیلتا محسوس کیا تھا۔ اردگرد آکسیجن جیسے ختم ہوتی جا رہی تھی۔ اس کا دل دھڑک نہیں رہا تھا دوڑ رہا تھا ساری آوازیں دم توڑ گئیں صرف ایک آواز تھی دل کے دھڑکنے کی، صرف ایک منظر تھا بے جان تتلی کے وجود سے بھرا۔

''تیمور!'' وہ جیسے گہری نیند سے جاگا تھا سرعت سے گردن موڑ کر دیکھا اور ہاتھ جھاڑ دیئے۔

شفق چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر اس کے قریب بیٹھ گئی۔

''تم کیا کر رہے تھے تیمور!'' اس کی آواز میں آنکھوں سے بھی زیادہ خوف و سراسیمگی تھی وہ مسلسل زمین پر پڑے تتلی کے بے جان وجود کو دیکھ رہی تھی۔

''میں کچھ بھی نہیں۔'' اس نے سینے کو مسلنے کی بجائے ہاتھ پہلو میں گرا لیا تھا اور خود کو لاپروا ظاہر کرتا منہ اٹھا کر آسمان کی جانب دیکھنے لگا۔

شفق ہونٹ کچلتی زمین پر پڑی تتلی کو دیکھتی رہی اس کی آنکھوں میں بہت سا پانی سمٹ رہا تھا پھر اس نے تیمور کی جانب دیکھا اور آہستگی سے بولی۔

''بہت درد ہو رہا ہے؟'' اسکی آواز کے بوجھل پن کو تیمور نے فوراً محسوس کیا تھا اور سرعت سے گردن موڑ کر اسکی طرف دیکھا تھا۔

چند لمحے غصے سے گھورتا رہا پھر تڑخ کر بولا۔

"تم پہلے رولو، ہوسکتا ہے میرے مرنے پر رونے کا موقع نہ مل سکے۔ سارا شوق ابھی پورا کرلو۔" اس کے اتنا کہنے کی دیر تھی شفق کی آنکھوں میں جمع پانی موٹے موٹے آنسوؤں کی صورت گالوں پر بہنے لگا۔

"تم بہت برے ہو تیمور!" وہ غم و غصے کی ملی جلی کیفیت کے زیر اثر مٹھیاں بھینچ کر بوجھل آواز میں بولی۔ "اتنے برے برے لفظ نکالتے ہو منہ سے اور کہتے ہو روؤں بھی نہیں، درد ہوتا ہے مگر تم خاموشی سے برداشت کرتے رہتے ہو جانتے ہو شیئر کرنے سے تکلیف کم بھی ہوسکتی ہے۔ مگر تم کیوں کرو گے ایسا، میں ہوں کون؟ تم سے اچھی تو عانیہ ہے کم سے کم اس بات کا برملا اظہار تو کرتی ہے کہ میں اس کی کچھ نہیں لگتی اور وہ مجھے اپنی بہن نہیں سمجھتی۔"

"او اللہ کی بندی! حلف اٹھوالو میں بھی تمہیں بہن نہیں سمجھتا۔" وہ جتنی بے ساختگی سے اس کی بات کاٹ کر بولا تھا اتنی ہی بے ساختگی سے مسکرا بھی دیا تھا اور اسی شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ سامنے دیکھنے لگا تھا۔

شفق زبان دانتوں تلے دبا چکی تھی پھر گال رگڑتے ہوئے غصے سے گھورا۔

"تم بہت ہی بدتمیز ہو تیمور۔"

تیمور نے اس کی بات پر چھوٹا سا قہقہہ لگایا تھا مگر سینے میں دل کے مقام پر جم کر بیٹھے درد نے اس کے قہقہے کا گلا گھونٹ دیا تھا۔

"ہاں...... میں بہت بدتمیز ہوں...... اچھی طرح سوچ لو...... ساری زندگی اسی بدتمیز کے ساتھ گزارنا پڑسکتی ہے بشرطیکہ میری زندگی نے اجازت دی تو......"

"تیمور!" شفق نے عاجزی سے کہا مگر مسکراہٹ جدا نہ ہوئی وہ سر اٹھا کر آسمان کی جانب دیکھنے لگا اس کی کوشش میں نیم کی کملائی ہوئی شاخوں میں جھولتا اجاڑ و ویران گھونسلہ اس کی نظر میں آ گیا تھا۔

"محبت میں درد تقسیم نہیں کیے جاتے خوشیاں تقسیم کی جاتی ہیں ایسی محبت کس کام کی کہ درد بھی آدھا ادھر منتقل کردیا۔ تم دعا کیا کرو شفق کہ میری طرف سے تمہیں صرف خوشیاں ملیں اس درد کی تو ایسی کی تیسی مجھے سو سال جینا ہے اور ان سو سالوں کے ہر پل میں تمہیں میرا ساتھ دینا ہے۔" اس نے کن انکھیوں سے شفق کو دیکھا جو بڑے دھیان سے اس کے لفاظ سن رہی تھی۔

"اگرچہ تمہیں اتنا عرصہ برداشت کرنا کسی عذاب سے کم نہیں ہوگا لیکن خیر، میں یہ مصیبت سہہ لوں گا تم جیسی معمولی شکل و صورت کی لڑکی سے کون شادی کرے گا اور مجبوراً مجھے قربانی دینا پڑے گی آخر اپنے ہی تو اپنوں کے کام آتے ہیں۔"

زیادہ دیر تک سنجیدہ رہنا اس کے لئے ممکن ہی نہ تھا اچھا خاصا بولتا ہوا یکدم...... بات کو یوں گھما گیا کہ چند لمحے کے لئے شفق کچھ سمجھ ہی نہ پائی اور جب سمجھ گئی تو بجائے برا منانے کے اطمینان سے بولی۔

"تم دینے رہنا قربانی...... مگر مجھ سے ایسی کوئی امید رکھنے کی ضرورت نہیں، تمہیں معمولی شکل و صورت کی لڑکی کے ساتھ گزارا

کرنا آسان لگتا ہوگا مگر مجھے ایسا نہیں لگتا اور اسی وجہ سے میں تم سے شادی نہیں کروں گی۔''

تیمور نے بھرپور حیرانگی سے اسے دیکھا۔

''سوچ لو...... میری قربانی قبول نہ کی تو ساری زندگی یونہی گزارنا پڑے گی۔''

''تمہارے ساتھ گزارنے سے تو یقیناً یہی بہتر ہوگا۔'' وہ مزے سے بولی۔ تب ہی ثانیہ نے ادھر جھانکا۔

''ارے ابھی تک تم یہیں بیٹھے ہو۔''

''اٹھو تیمور! چینج کرلو...... عادل گاڑی لے بھی آیا ہے۔''

''ارے...... گاڑی کس لئے بھئی؟'' وہ حیران ہوا۔

''ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔'' ثانیہ نے جواب دیا تو وہ بولا۔

''تمہیں بخار ہے؟'' ثانیہ نے اس کے سر پر چپت لگائی۔

''تمہارا چیک اپ ہوگا۔''

تیمور کچھ کہتے کہتے خاموش رہ گیا پھر بےزاریت سے بولا۔

''پھر سے ایک نیا سلسلہ شروع...... آخر کیا ضرورت ہے اس سب کی، کتنے ڈاکٹرز کو تو دکھا لیا کب سے علاج کروا رہا ہوں نہ یہ درد مستقل جاتا ہے نہ ٹھہرتا ہے۔ تم رہنے دو مجھے نہیں جانا کسی ڈاکٹر کے پاس۔''

''تیمور! چپ چاپ اٹھ جاؤ فی الحال تو تم عادل کے ساتھ جاؤ...... پھر ہم کوئی اور بات کریں گے۔'' وہ صرف کہہ نہیں رہی تھی بلکہ بازو سے پکڑ کر اسے اٹھا بھی دیا تھا۔ تیمور بھی اعتراض کے باوجود اندر کی جانب چل دیا۔ شفق، نرمین لوگوں کو اندر آنے کے لیے آوازیں دینے لگی۔

تیمور نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا سامنے کے دروازے کے اس پار صحن میں بچھی چارپائی پر ابو موجود تھے اور کرسی پر براجمان عادل سے محوِ گفتگو تھے۔

''ارے...... ابو کب آئے؟'' اس نے مڑ کر ثانیہ سے پوچھا۔

''ابھی آئے ہیں...... عادل کے پیچھے ہی......''

''اور یہ عانیہ کو کیا ہوا...... یہ، یہ رو رہی ہے۔'' اس نے عانیہ کو بستر پر اوندھے منہ پڑے دیکھ کر الجھن آمیز لہجے میں پوچھا تھا۔

''تم جاؤ، میں اپنی قسمت کو رو رہی ہوں اور مجھے کسی سے بات نہیں کرنی۔'' وہ اسی طرح لیٹے لیٹے تڑپ کر بولی تھی۔

''کیوں نہیں کرنی بات؟'' تیمور تیزی سے اس کے قریب آیا تھا اور کندھے سے تھام کر اسے بٹھانے کی کوشش کی تھی۔ ''کیا ہوا ہے تمہاری قسمت کو؟''

عانیہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اس کا چہرہ پوری طرح آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا اور چھوٹی سی ناک اور آنکھیں بہت سرخ ہو رہی تھیں۔

''ہم اپنے نام کے ساتھ چوہدری کیوں لگاتے ہیں، کوئی ایک بھی خاصیت ہے ہم میں چوہدریوں والی......ڈربے جیسے مکان میں رہتے ہیں روپے روپے کو ترسنا پڑتا ہے۔'' وہ دھواں دھار رو رہی تھی۔

ثانیہ نے سر پیٹ لیا۔

''عانی! تیمور ڈاکٹر کے پاس جا رہا ہے باہر عادل اس کا انتظار کر رہا ہوگا۔ یہ شکوے بعد میں بھی کیے جا سکتے ہیں۔'' وہ جھنجلا کر بولی تھی۔

''تم سے کس نے کہا ہے میرے شکوے سننے کے لیے؟'' وہ پھاڑ کھانے کو دوڑی۔

''مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے۔'' ثانیہ نے بھی بے مروتی دکھائی اور تیمور سے بولی۔

''تیمور! تم اٹھو......اس کی باتیں تو کبھی ختم نہیں ہوں گی۔''

''نہیں...... پہلے مجھے بتاؤ ہوا کیا ہے؟'' تیمور بضد تھا ثانیہ نے گہری سانس بھر کر عانیہ کو گھورا پھر تیمور کی جانب دیکھ کر بولی۔

''یہ امی سے پیسے مانگ رہی تھی امی نے ابھی دینے سے انکار کر دیا کیونکہ انکے پاس ہیں ہی نہیں اور کہہ دیا کچھ روز بعد لے لینا اور بس......'' اس نے مختصراً بتایا تو عانیہ تڑخ کر بولی۔

''بس...... یہ بات صرف تمہارے لیے بس ہو سکتی ہے ثانیہ! میرے لیے نہیں، امی کے پاس ہمیشہ مجھے دینے کے لیے پیسے کیوں ختم ہو جاتے ہیں؟ تمہیں ضرورت ہو، شفق کو ضرورت ہو یا کسی بھی اور کو ہو تو وہ انکار نہیں کرتیں۔''

''امی کے پاس پیسے نہ ہوں تو وہ باقی سب کو بھی انکار کر دیتی ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ ہمیں تمہاری طرح واویلا کرنا نہیں آتا۔'' ثانیہ کے لہجے میں اب بھی جھنجلاہٹ تھی مگر ایسا تھا جیسے اب زیادہ اس موضوع پر بات نہ کرنا چاہتی ہو۔

عانیہ کے تو اندر گویا جوار بھاٹا ابل پڑا مگر اس سے قبل کہ کچھ کہتی تیمور نے قمیص کی جیب سے والٹ نکالا اور پانچ سو کا نوٹ نکال کر اس کی جانب بڑھا دیا۔

''ابھی میرے پاس بس یہی ہیں اگلے ہفتے پے ملے گی تو اور لے لینا بلکہ تمہیں جب بھی ضرورت پڑے تم مجھ سے مانگا کرو مگر پلیز عانی! تم رویا مت کرو میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں لیکن تمہارے آنسو نہیں۔'' اس نے بہت شفقت سے عانیہ کا سر تھپتھپایا تھا۔

''تھینک یو تیمور!'' عانیہ کا چہرہ جوش سے جگمگانے لگا تھا۔ وہ نوٹ کو ہاتھ میں لیے یوں دیکھ رہی تھی گویا خزانہ ہاتھ لگا ہو اور اپنی اس خوشی میں اس نے یہ بھی نہیں سنا کہ تیمور کیا کہہ رہا ہے۔

اسی وقت عادل نے دروازہ بجا کر ان سب کو متوجہ کیا تھا۔

''اجازت ہو تو اندر آ جاؤں؟'' وہ خوش گوار یت سے پوچھ رہا تھا۔

’’تمہیں اجازت کی کیا ضرورت ہے۔‘‘ تیمور مسکرایا۔ عادل چند قدم اندر آ گیا عانیہ نے لاشعوری طور پر پلو سے چہرہ صاف کیا تھا۔

’’ساڑھے چھ بجے کی اپائنمنٹ ہے میرا خیال ہے چلنا چاہیے۔‘‘ وہ رسٹ واچ دیکھتا ہوا بولا تھا۔

’’اتنی جلدی کیا ہے عادل! کھانا کھا کر چلے جانا۔‘‘ الیاس چودھری بھی اندر داخل ہوئے آج تو واقعی حیران ہونے کا دن تھا۔ وہ بے وقت نہ صرف گھر پر موجود تھے بلکہ پورے ہوش و حواس میں بھی تھے۔ حلیہ بھی ٹھیک تھا اور مہمان داری بھی ہو رہی تھی۔ ثانیہ نے فوراً دل ہی دل میں خیر خیریت کی دعا مانگنی شروع کر دی۔

’’کھانا تو بعد میں کھائیں گے تایا جان، ابھی تو فی الحال کلینک پہنچنے کی جلدی ہے۔‘‘ عادل بولا۔

’’کلینک۔‘‘ وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔

’’جی میرے دوست کے فادر کارڈیولوجسٹ ہیں آج پھر تیمور کو درد ہو رہا ہے تو سوچا انہی سے مکمل چیک اپ کروا لیتے ہیں۔‘‘

’’ہونہہ......اس پر ضائع کر لو پیسہ۔‘‘ الیاس چودھری نے نخوت سے سر جھٹکا۔

’’میں بتا رہا ہوں اسے کوئی تکلیف وکلیف نہیں ہے ڈرامے کرتا رہتا ہے۔ اور میں بتا رہا ہوں جتنے مرضی علاج کروا لو اس نے نہیں مرنا۔‘‘ نفرت، حقارت جانے کیا کیا تھا ان کے لہجے و انداز میں۔

عادل دم بخود، ثانیہ نے دل تھام لیا۔ تیمور کے چہرے پر تاریک سایہ آن رکا تھا۔

’’بہت خواہش ہے نا آپ کی کہ میں مر جاؤں؟......بہت دعائیں کرتے ہیں نا آپ میرے مرنے کی؟‘‘ وہ آہستگی سے بولا تھا۔

’’ہونہہ......میں اپنی دعائیں بھی تم جیسوں پر ضائع نہیں کرتا۔‘‘ الیاس چودھری کا لہجہ ہنوز تھا۔ وہی رعونت وہی نخوت۔

تیمور اٹھ کر ان کے قریب آ گیا اور ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بھرپور سنجیدگی سے بولا۔

’’ٹھیک ہے مت ضائع کریں......لیکن ایک بات میں آپ کو بتا دوں اتنی جلدی مر کر خوش تو میں بھی آپ کو نہیں ہونے دوں گا۔‘‘ اس نے پرعزم لہجے میں کہا تھا اور ہنستا ہوا عادل کو اشارہ کرتا باہر نکل گیا۔

الیاس چودھری نے غضب ناک نظروں سے اسے جاتے دیکھا ایسی ہی نگاہ باقی سب لوگوں پر ڈالی اور بڑبڑاتے ہوئے باہر نکل گئے۔ جس نوٹ کی ایک جھلک نے انہیں بے چین کیا تھا اور جس کی کشش نے کمرے میں آنے پر مجبور کیا تھا وہ اب تک عانیہ کی مٹھی میں دبا تھا۔

☆......☆......☆

اسوہ دبے قدموں کمرے سے نکلی تھی۔

آنکھوں میں کسی سوچ کا عکس اتنا واضح تھا کہ با آسانی پڑھا جا سکتا تھا۔ دل ہی دل میں تمہید کے لیے مناسب الفاظ ترتیب دیتی وہ باہر کی سمت بڑھی۔

اس نے گرم شال لپیٹ رکھی تھی۔ ننگے پیر تھے کچھ راہداری میں بچھے کارپٹ نے چاپ ابھرنے نہ دی البتہ ایک آواز راہداری کے

اختتام تک سنائی دیتی تھی۔ الفاظ واضح تھے نہ مفہوم۔ مگر وہ پہچان گئی تھی یہ آواز شمسہ کی تھی۔

اسوہ راہداری کے اختتام پر جا کر رک گئی پورا لاؤنج اس کے سامنے تھا۔ سنگل صوفے پر شمسہ بیٹھی تھیں اور ان کے عین سامنے کارپٹ پر پٹھانی اور اس کی ماں براجمان تھیں......

''تم لوگوں کو محنت مزدوری کر کے کمانا ہوتا ہے تو ہمارے مرد بھی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھے رہتے۔ محنت مزدوری تو انہیں بھی کرنا ہوتی ہے...... دیکھو پٹھانی! میں ذرا صاف بات کرنا چاہ رہی ہوں ہم پر اس بچی کا دو وقت کھانا کپڑا لتا بھاری نہیں ہے اس سے کوئی کام نہ بھی لیا جائے تب بھی اس گھر میں اتنے ملازمین موجود ہیں کہ ہر کام بہت ٹھیک ٹھاک ہو جاتا ہے اور پھر اس کی عمر ہی کیا ہے؟ تم نے زور نہیں دیا ہوتا تو میں اتنی کم عمر بچی کو رکھنے پر کبھی راضی نہ ہوتی اس سے تو گلاس تک ٹھیک سے نہیں پکڑا جاتا۔ ڈھائی ماہ سے ہے یہاں اور اتنے عرصے میں یہ کتنا نقصان کر چکی ہے۔ میں حساب لگا کر بتاؤں تو تمہاری سال بھر کی تنخواہ بھی کم رہے گی۔ اب بتاؤ یہ نقصان کون پورا کرے گا؟ اس پر سے تمہاری ضد کہ ابھی مزید کچھ عرصہ اسی سے کام کروایا جائے ویسے اب نہ آنے کا کیا بہانہ ہے؟...... کیا مسئلہ ہے؟''

''بی بی! ہمارا بچہ بیمار ہے۔'' پٹھانی کی ماں جو پٹھانی کی آمد سے قبل اسی نام سے پکاری جاتی تھی، گھگھیا کر بولی۔

''اب کون سے نمبر کا بیمار پڑ گیا؟''

''چوتھے نمبر کا بی بی...... ہمارا مسئلہ سمجھنے کی کوشش کرو بی بی! غریب بندہ اے ہم۔'' وہ لجاجت سے بولی۔

''بہت خوب...... چوتھا نمبر۔'' اتنی پریشان کن صورتحال اور ذہنی الجھن کے درمیان بھی شمسہ کے لب مسکرا دیے۔

''اتنے بچے ہیں تمہارے کہ نام بھی یاد نہیں رہتے؟'' اسوہ ساتھ والے صوفے پر آ بیٹھی تھی۔ اماں پٹھانی نے اس کی مسکراہٹ سے تقویت پکڑی اور نئے آسرے کی کشش میں کھسک کر اسوہ کے قدموں کے قریب ہو بیٹھی۔

''بی بی! آپ ہی بڑی بی بی کو بولو نا۔ ہمارا بچی کو ایک موقع دو اب ٹھیک ٹھاک کام کرے گا ہم بولتا اس کو۔''

اسوہ بوکھلا سی گئی۔

''اوہو بھئی...... پلیز ڈونٹ ڈو دس...... یہ مت کرو، تمہیں جو بات کرنا ہے ممی سے کرو میرا تو اس معاملے سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔'' اس نے اماں پٹھانی کو اپنے پیر چھوتے دیکھا تو فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ دھن دولت، احساس برتری، تفخر ایک طرف مگر انسانیت کی ایسی بے وقعتی اس کے ظرف سے بہت زیادہ تھی۔

''ممی! آپ فارغ ہو جائیں تو مجھے بلوا لیجیے گا کچھ ضروری بات کرنی ہے۔''

''خیریت تو ہے نا؟'' شمسہ نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔ بنا اطلاع دیے بھی ضروری باتیں ہو جایا کرتی ہیں اور پتا بھی نہیں چلتا کہ یہ ضروری بات تھی مگر جب بطور خاص مطلع کیا جاتا ہے تو مخاطب کی ساری حسیات غیر معمولی تیز ہو جاتی ہیں اور اسے یہ سمجھنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگتی کہ یہ ضروری بات ضروری نہیں بے حد ضروری ہے۔

''آف کورس ممی!'' وہ قصداً مسکرائی۔ ''آپ یہ معاملہ نبٹا لیں پھر بات کرتے ہیں۔''
اسی پل میں انٹرنس سے حنان اندر داخل ہوا تھا اور سیدھا زینے کی طرف بڑھا تھا۔
''حنان......'' وہ پہلی سیڑھی پر قدم رکھ چکا تھا شمسہ کے پکارنے پر گردن موڑ کر ان کی جانب دیکھنے لگا۔اس کی آنکھوں میں سوال تھا۔
یہ اس کی جم سے واپسی کی ٹائمنگ تھی اور وہ ٹریک سوٹ میں ملبوس تھا۔سیاہ رنگ اس کی صاف رنگت اور اونچی اٹھان پر بہت جچ رہا تھا۔
''پٹھانی! تم خالدہ کے کوارٹر میں جا کر آرام کرو کچھ دیر بعد تمہیں دوبارہ بلواتی ہوں......نہیں بلکہ تم واپس جانا چاہو تو چلی جاؤ اس بچی کو یہیں چھوڑ جاؤ......لیکن یاد رکھنا یہ آخری چانس ہے بہتر ہوگا تم اپنے سارے مسئلے مسائل سمیٹ کر ذرا جلدی کام پر واپس آؤ......بابا ولی محمد سے کہو وہ تمہیں واپسی کا کرایہ دے دیں گے۔''
اماں پٹھانی کو تو جیسے کسی گہری کشمکش سے چھٹکارا ملا تھا اگلی سات پشتوں کی بلائیں لیتی رخصت ہوئی۔
جتنی دیر میں وہ رخصت ہوئی تینوں نفوس سے درمیان خاموشی چھائی رہی اسی خاموشی کی معنی خیزیت اسوہ پر پوری طرح منکشف ہو رہی تھی۔شمسہ کے چہرے پر گہری سنجیدگی اور تناؤ درج تھا وہ اگلے مخمصے میں پڑ گئی آیا کہ چلی جائے یا یہیں کھڑی رہے۔
''حنان! تم آفس کیا کرنے گئے تھے؟''
شمسہ کے لہجے میں بڑی محسوس کن ٹھنڈک تھی یوں لگتا تھا جیسے وہ خود کو بمشکل متحمل اندازِ گفتگو پر آمادہ کر پائی تھیں۔
حنان نے بے ساختہ ابرو اچکا کر انہیں دیکھا پھر اس کے لبوں پر وہی دل جلانے والی مسکراہٹ پھیل گئی جو اسکی شخصیت کا خاصہ تھی۔
''یہ اطلاع مل گئی کہ آفس گیا تھا یہ نہیں بتایا کہ کیا کرنے گیا تھا مائی گڈنیس...... کتنے نکمے جاسوس ہیں آپ کے...... پوری معلومات بھی فراہم نہیں کرتے۔'' وبظاہر ہلکے پھلکے لہجے میں بولتا سامنے والے صوفے پر آبیٹھا تھا۔آنکھوں میں تمسخرانہ سی چمک اتنی واضح تھی کہ شمسہ کی پیشانی پر ان گنت لکیریں پڑ گئیں۔
''مجھے لفظوں کے ہیر پھیر میں الجھانے کی کوشش مت کرو حنان۔'' وہ گویا چیخ گئی تھیں۔
''آخر تم کیوں ہماری برداشت کا امتحان لینے پر تلے ہوئے ہو۔ضرورت ہی کیا تھی آفس میں جا کر تماشا کرنے کی۔''
''میں نے کوئی تماشا نہیں کیا۔'' وہ ہنوز پہلے سے انداز میں بولا۔
''جو کچھ کیا ہے وہ اس آفس کے کرتا دھرتاؤں نے کیا ہے۔''
''اور تم دودھ پیتے بچے ہو تمہیں معلوم ہی نہیں ہوا کہ تمہارے منہ سے کون سے الفاظ کب ادا ہو جاتے ہیں۔'' وہ جھنجھلا گئیں۔
''ڈاکٹر نے جہانگیر کو ریلیکس رہنے کی ہدایت کی ہے مگر جس کی اولاد تمہارے جیسی ہو وہ ریلیکس کیسے رہ سکتا ہے۔''
''تو ان سے کہتا ہی کون ہے کہ میرے لیے پریشان ہوں؟ ان سے کہیں اپنی اولاد کے مسائل پر غور کریں میری فکر چھوڑ دیں۔''

اس نے ایک ہی جملے میں شمسہ کو خاموش کروادیا۔

''میں آل ریڈی لیٹ ہو چکا ہوں میرے فرینڈز آواری میں میرا ویٹ کر رہے ہوں گے آپ میرا ایک میسج جہانگیر لاشاری صاحب تک پہنچادیں۔

وہ چاہتے ہیں کہ میں ان کے آفس نہ آؤں تو میں نہیں آؤں گا لیکن اس سے پہلے انہیں ساری پراپرٹی میں سے میرا شیئر مجھے دینا ہوگا بزنس میں چونکہ ہم پارٹنر ہیں تو وہ بھی آدھا آدھا ہوگا۔'' اس نے اتنے سکون سے مدعا بیان کردیا کہ چند لمحے کے لیے شمسہ بول ہی نہ سکیں پھر جیسے ہوش میں آئیں۔

''اتنا پاگل سمجھ رکھا ہے کہ تم کہو گے اور ہم دے دیں گے تم تو سب کچھ دو دن میں لٹا کر بیٹھ جاؤ گے۔''

''یہ میرا ہیڈک ہے آپ کا نہیں۔'' وہ لاتعلقی سے بولا۔

''پہلے خود کو کسی قابل تو بناؤ کچھ روز آفس جاؤ بزنس کے اسرار ورموز میں دلچسپی لو، جب جہانگیر کو لگے گا کہ اب تم تنہا سب کچھ سنبھال سکتے ہو تو وہ صرف تمہیں تمہارا شیئر نہیں دیں گے بلکہ سارا بزنس تمہارے حوالے کردیں گے۔''

''میں بچہ نہیں ہوں ممی! یہ الٹے سیدھے خواب وہ دیکھے جسے حقیقت کا علم نہ ہو۔ میں انہیں کسی قابل لگوں یہ تو پاسیبل ہی نہیں۔'' وہ بولا۔

''آفس تو خیر میں نہیں جاؤں گا۔ الگ آفس سیٹ ہو جائے تو بات دوسری ہے...... جیسا آپ لوگ پسند کریں...... میں چاہوں تو اپنی پراپرٹی کورٹ کے ذریعے بھی حاصل کر سکتا ہوں لیکن اگر میں ایسا نہیں کر رہا تو اسے میری کمزوری مت سمجھیں یہ تو میں صرف آپ کی وجہ سے نہیں کررہا ہوں ورنہ آپ جانتی ہیں جہانگیر لاشاری سے مجھے کبھی بھی کوئی انسیت نہیں رہی۔ آپ اس ٹاپک پر اچھی طرح سوچ لیں ابھی تو میں فارغ نہیں ہوں...... پھر تفصیل سے بات ہوگی۔''

وہ گویا احسان دھرتا زینے کی طرف بڑھ گیا بے فکر چال بے حد متوازن تھی اور ہر اٹھتا قدم گویا شمسہ کے وجود پر پڑ رہا تھا۔ وہ صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئیں اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

اسوہ اپنا مسئلہ بھول بھال کر ان کی دلجوئی میں لگ گئی۔

❁ ❁

ناول **بساطِ دل** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات آپ آنے والی ان تاریخوں (15th, 20th, 25th) میں پڑھ سکیں گے۔

’’کلیئر کیس آف کنجنٹل ڈزیز (Congenital Disease)‘‘

ڈاکٹر رضوی نے ایکسرے اور رپورٹس کا جائزہ لیتے ہوئے جیسے خود کلامی کی تھی۔ ثانیہ نے لاشعوری طور پر ہاتھ مسلتے ہوئے تیمور کی جانب دیکھا۔ بائیں کرسی پر عادل براجمان تھا جب کہ تیمور، سینٹرل ٹیبل کے داہنی جانب لگے بیڈ پر پیر لٹکائے دونوں ہتھیلیوں کا بوجھ دائیں بائیں ڈال کر خفیف سا آگے جھکا ڈاکٹر کی طرف متوجہ تھا۔

ثانیہ کو کسی انجان خدشے نے ساتھ آنے پر مجبور کر دیا تھا حالانکہ تیمور کو سخت اعتراض تھا۔

’’یہ کیا بات ہوئی میں کوئی بچہ ہوں کہ باجی جی میری انگلی پکڑ کر ڈاکٹر کے پاس لے کر جا رہی ہیں۔ عادل بھی تو ساتھ ہے جو بھی ڈاکٹر صاحب فرمائیں گے اس کی ساری رپورٹ تمہیں مل جائے گی۔‘‘ وہ بری طرح جھنجلا رہا تھا مگر ثانیہ نے اس کی ایک نہیں سنی تھی پہلی بار تو عادل ہی تیمور کے ساتھ گیا تھا لیکن دو روز بعد جب تیمور کی رپورٹس آنا تھیں تو ثانیہ نے ساتھ آنے کو ترجیح دی تھی۔

’’اس بچے کی بیماری میں آپ لوگوں کی لاپروائی نے انتہائی اہم کردار ادا کیا ہے ان پچھلی رپورٹس کے مطابق تشخیص تو بچپن میں ہی ہو چکی تھی اگر آپ لوگ مستقل مزاجی سے علاج کرواتے تو اب تک یہ بچہ مکمل طور پر صحت یاب ہو سکتا تھا۔‘‘ ڈاکٹر رضوی نے گلاسز اتار کر رپورٹس پر رکھے تھے اور پشت چیئر کی بیک سے لگا لی تھی۔

’’مجھے تو پاکستانی قوم کی مینٹیلیٹی سمجھ نہیں آتی کسی بیماری کا علاج اگر چھ ماہ میں ہو سکتا ہے تو وہ چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر کوئی منتر پڑھ کر ان پر پھونکے اور وہ تین ماہ میں صحت مند ہو جائیں اور جب ڈاکٹر منتر نہیں پڑھ پاتا تو لوگ تین تو کیا ڈھائی ماہ میں اکتا جاتے ہیں اور کسی اور ڈاکٹر کے پاس چل دیتے ہیں پھر حکیموں کی باری آتی ہے یہاں بھی تسلی نہ ہو تو پیروں فقیروں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

میں نہیں جانتا آپ لوگوں نے کہاں کہاں دھکے کھائے ہیں مگر یہ مختلف رپورٹس جن کا پلندہ آپ لے کر آئے ہیں کہتی ہیں کہ آپ لوگوں نے کافی سارے ڈاکٹرز کو پرکھا ہے۔

اس کا ایک فائدہ ہوا اور ایک نقصان...... نقصان یہ کہ مرض جڑ سے ختم نہیں ہوا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔ دل کو خون سپلائی کرنے والی ایک رگ میں سوزش ہے درد اور سانس میں رکاوٹ کی یہی وجہ ہے۔ جب تک تیمور مستقل ادویات استعمال کرتا رہا یہ سوزش بتدریج کم ہوتی رہی لیکن اس دوران اس نے دوا کا استعمال ترک کر دیا ہو گا جس کی وجہ سے معاملہ وہیں کا وہیں رہا۔

اور فائدہ یہ ہوا کہ اگر مرض ختم نہیں ہوا تو بڑھنے بھی نہیں پایا...... بحیثیت ڈاکٹر میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ اس اسٹیج پر یہ بات بہت خوش آئند ہے کیونکہ مرض اب اس مقام پر ہے جہاں آپریشن کروانے کی بھی ضرورت نہیں۔‘‘

’’یعنی آپریشن نہیں کروانا پڑے گا؟‘‘ ثانیہ نے بہت خوشی سے پوچھا تو ڈاکٹر رضوی بولے۔

’’آف کورس...... اس قسم کی بیماریوں میں کچھ کو تو آپریٹ کروانا ناگزیر ہوتا ہے لیکن کچھ میں آپریشن لازمی نہیں ہوتا تیمور اس

معاملے میں لکی رہا ہے کہ اسے اب آپریشن کی ضرورت نہیں ہے کچھ عرصہ مستقل میڈیسن لینا ہوں گی تھوڑا سا پرہیز اور بس......اور یہ فیصلہ تو اب تیمور کو ہی کرنا ہے کہ مستقل مزاجی سے ٹریٹمنٹ کروانا ہے یا نہیں۔'' ڈاکٹر رضوری نے انتہائی خوش گوار دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ تیمور کی جانب دیکھا تھا اس کے اپنے چہرے پر کسی عظیم خدشے سے باہر آ جانے والا سکون وطمانیت تھی۔

''میں ٹریٹمنٹ سے نہیں ڈرتا ڈاکٹر صاحب! جس عمر میں بچے گولیاں ٹافیاں کھایا کرتے تھے میں نے وہ عمر دوائیاں کھاتے گزاری ہے آپ کہیں گے کہ سال بھر کھاؤں میں کھالوں گا۔ بس آپ میری بہن کو یقین دلا دیں کہ میں ٹھیک ہوں اور یہ کہ مجھے بہت سال جینا ہے۔'' اس کا لہجہ شریر اور انداز ایسا تھا جیسے شکایت کر رہا ہو۔

''انشاء اللہ۔'' ڈاکٹر رضوی نے بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ تائیدی نگاہوں سے ثانیہ کی جانب دیکھا وہ قدرے جھینپی مسکراہٹ لئے بیٹھی تھی۔

تیمور کو تو آتے ہی باذل اپنے کمرے میں لے گیا تھا عادل کے کوئی ملنے والے آ گئے تو وہ باہر نکل گیا۔ اشفاق چچا اس سے تیمور سے متعلق معلومات لے رہے تھے۔ وہ ڈاکٹر کی ساری گفتگو ان کے گوش گزار کر چکی تو وہ بے حد خوش ہوئے اور بولے۔

''یہ آج کی تاریخ کی سب سے اچھی خبر ہے۔ بھئی ثانیہ بیٹی! بھابھی حلیمہ کو میری طرف سے بہت مبارک دینا۔''

''جی نہیں یہ مبارک آپ کو خود آ کر دینا ہو گی۔'' ثانیہ بہت احترام بھری دھونس سے بولی تھی پھر شکوہ کرنے لگی۔

''ہماری طرف آنا تو آپ نے بالکل ہی چھوڑ رکھا ہے چچا جان......کیا کوئی بات بری لگی ہے۔'' وہ جھجکتے ہوئے پوچھ رہی تھی تو اشفاق چچا تیزی سے بولے۔

''ارے نہیں بھئی تم تو میری اتنی پیاری بیٹی ہو اور بیٹیوں کی باتیں بری نہیں لگا کرتیں بس دکان کی مصروفیت رہی لکڑی کا کچھ کام باقی تھا آج کل وہی مکمل ہو رہا ہے اس لئے آنے کے لئے وقت نہیں نکال سکا اور تو کوئی بات نہیں......اچھا چلو تم ہماری مبارک باد نہ پہنچاؤ بھابھی تک، ہم خود ہی آ کر انہیں دے دیں گے کیوں؟'' انہوں نے بیوی سے تائید چاہی تو وہ بھی بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔

''تو اور کیا؟......میں تو بلکہ کئی روز سے آنے کا سوچ رہی تھی مگر اجیہ کے پیپرز ہو رہے ہیں کالج کے تو ایسے میں وہ تو ہر کام سے ہاتھ کھینچ لیتی ہے کچھ میں بھی کسی کام کے لئے نہیں کہتی......کہ چلو پڑھ لے۔ تو بس فرصت ہی نہیں ملتی لیکن اب ہم جلدی چکر لگائیں گے اتنی اچھی اطلاع ملی ہے مبارک تو دینا ہی ہے لیکن تمہاری طرف سے بھی کسی نے چکر نہیں لگایا۔''

''یعنی میرا آنا کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتا۔'' وہ مصنوعی خفگی سے بولی۔ پرسوں ہی تو وہ اکیڈمی سے واپسی پر ادھر آئی تھی۔

''ارے میں نے یہ کب کہا تم تو خیر بہت اچھی ہو آتے جاتے چکر لگاتی رہتی ہو سچ پوچھو تو مجھے بہت خوشی ہوتی ہے تمہارے آنے کی۔ ایک دم سے گھر میں رونق آ جاتی ہے میں تو عانیہ اور شفق کا کہہ رہی تھی۔ عانیہ تو شاید آخری چار ماہ پہلے آئی تھی۔'' وہ ذہن پر زور دیتے ہوئے بولیں۔

''شفق کا تو آپ جانتی ہیں پیر پر چوٹ لگوا کر بیٹھی ہوئی ہے اسکول نہیں جا پا رہی اور عانیہ کو گھر کے کاموں سے فرصت نہیں ملتی۔''

''سنا امی آپ نے...... آپ کی بہو کو کام والی ماسی بنا رکھا ہے۔'' اجیہ کسی کام سے آئی تھی فوراً بولی۔

''پاگل نہ ہو تو...... اپنے گھر کے کام کرنے سے بھی کوئی ماسی بنتا ہے؟'' چچی جان نے ڈپٹا۔ ''میرا تو دل چاہتا ہے کچھ روز کے لئے تمہیں عانیہ کے پاس چھوڑ آؤں تاکہ کچھ طور طریقے تم بھی سیکھ لو۔''

''ذرا اس بات پر روشنی ڈالئے...... عانیہ کو ایسے کون سے طور طریقے آتے ہیں جو مجھے نہیں آتے۔'' وہ بنا منہ بنائے اطمینان سے پوچھ رہی تھی ساتھ ہی مسکراہٹ دبا کر ثانیہ کو اشارہ بھی کر دیا تھا۔

''یہ بچے کب سے آئے بیٹھے ہیں مگر تم نے اب تک چائے کا بھی نہیں پوچھا۔'' انہوں نے فوراً اس کی کوتاہی یاد دلائی تھی۔

''تمہاری جگہ عانیہ ہوتی تو اب تک چائے بنا کر لا بھی چکی ہوتی۔''

''اور میں چائے بنا لائی ہوتی تو آپ کہتیں بچوں کو سانس بھی نہیں لینے دیا اور چائے بنا لائی۔'' اس کا لہجہ شریر تھا مگر چچی برا مان گئیں۔

''ہاں میں تو پاگل ہوں نا۔''

''میں نے یہ کب کہا۔'' اجیہ ہنسنے لگی۔ ''میں تو صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ آپ کو عانیہ کی ہر بات اچھی لگتی ہے کبھی تو مجھے لگتا ہے میں آپ کی بیٹی نہیں، بلکہ وہ ہے۔'' وہ صاف انہیں چڑا رہی تھی ثانیہ مسکراتی رہی۔ چچی مسکراتی ہوئی بولیں۔

''میری اصل بیٹی تو عانیہ ہی ہے۔تم تو کل کو اپنے گھر کی ہو جاؤ گی۔''

''پھر آپ یوں کریں جلد از جلد عادل بھائی کی شادی کر دیں عانیہ اس گھر میں آ جائے گی تو کم سے کم اس بار کی چائے سے تو میری جان چھوٹے گی۔''

''ارے تم کیا کہتی ہو میں تو کل چھوڑ آج ہی عانیہ کو بیاہ لاؤں بس تم دعا کیا کرو ثانیہ کی بھی کسی اچھی جگہ بات ٹھہر جائے تو حلیمہ دونوں فرائض ساتھ ہی نبٹا لیں۔'' اجیہ نے بے اختیار ثانیہ کی جانب دیکھا تھا۔ وہ سر جھکائے مسکرا رہی تھی۔

''ثانیہ! کچن میں ہی آ جاؤ۔'' وہ اگلی بات کے شروع ہونے سے بچنے کے لئے فوراً بولی تھی۔

''اے لو...... یار بات الٹی کرنا اجیہ! وہ بے چاری سکون سے بیٹھی ہے تم اسے کچن میں لے جا کر ضرور گرمی میں مارنا چاہتی ہو۔'' چچی نے پھر ڈپٹا تو ثانیہ بولی۔

''کوئی بات نہیں چچی جان! میں ابھی آ جاتی ہوں۔'' وہ اجیہ کے پیچھے ہی چل دی عانیہ کے ذکر پر ایک خیال سا آیا تھا۔

''اجیہ!'' اس نے کچن میں جا کر پکارا۔

''وہ اس روز عانیہ نے تم سے مس بی ہیو کیا تھا۔'' وہ جھجکتی ہوئی بولی۔ اجیہ ہنڈیا میں چمچہ چلا رہی تھی قدرے تعجب آمیز انداز میں چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

''ایں...... بھلا یہ کیا بات ہوئی؟''

''اب انجان مت بنو میں جانتی ہوں تمہیں اس کی بات بری لگی تھی تب ہی تم دوبارہ ہماری طرف نہیں آئیں حالانکہ فون پر تم نے وعدہ کیا تھا آنے کا۔'' وہ بہت شوق سے کہہ رہی تھی اجیہ جیسے چوری پکڑی جانے پر ہنس دی۔

''بری تو لگی تھی مگر اتنی بھی نہیں کہ دل میں ہی رکھ لیتی۔ اصل میں یہ مڈٹرم ایگزام اچانک ہی شروع کر دیئے کالج والوں نے اور تم تو جانتی ہو مجھے شروع سال سے پڑھنے کی عادت نہیں ہے۔''

''عانیہ کی بات کا برا مت منایا کرو اجیہ وہ دل کی بری نہیں ہے بس غصے میں اوٹ پٹانگ بول جاتی ہے اور پھر شرمندہ ہوتی ہے۔'' بہن کا معاملہ تھا سو کسی حد تک دروغ گوئی اس نے مناسب سمجھی حالانکہ عانیہ کی لغت میں شرمندگی کا لفظ سرے سے تھا ہی نہیں۔

''میں تو عادل سے بھی ایکسکیوز کرنا چاہ رہی تھی۔''

''ارے چھوڑو نا کن تکلفات میں پڑی ہوئی ہو۔'' اجیہ لاپروائی سے بولی۔

''معمولی سی بات تھی اور اب تو اتنے دن ہو گئے اتنے دن بعد چھوٹی چھوٹی باتوں کو کون یاد رکھتا ہے عادل بھائی تو بالکل بھی نہیں تم اس خیال کو ذہن سے نکال دو۔'' اس نے کچھ توقف کیا تھا پھر سوچتے ہوئے بولی۔

''لیکن ایک بات میں نے محسوس کی ہے تم مجھے غلط مت سمجھنا ثانیہ!...... لیکن عانیہ کے مزاج میں کچھ تبدیلی آتی جا رہی ہے پتا نہیں میں کیا کہنا چاہتی ہوں۔'' وہ خود بھی اپنا مافی الضمیر بیان نہیں کر پا رہی تھی بس کچھ محسوس ہوا تھا سو کہہ دیا وہ بھی اس لئے کیونکہ سامنے ثانیہ تھی عانیہ نہیں۔

''ارے تم یونہی محسوس کر رہی ہو۔'' ثانیہ ہاتھ دھوتے ہوئے بولی۔ ''اس کے مزاج اور رویے میں کوئی خاص تبدیلی تو نہیں آئی بس جو اس کے دل میں ہوتا ہے وہی زبان پر لے آتی ہے اور یہ تو اس کی شروع سے عادت ہے ہاں یہ کہ آج کل چڑچڑی بہت ہو گئی ہے سارا دن تو مختلف کاموں میں جتی رہتی ہے...... بس اسی لئے۔'' اس نے عانیہ کا دفاع نہیں کیا تھا بلکہ ٹھیک ٹھیک تجزیہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

اجیہ کچھ پل سوچتی رہی پھر سر جھٹک دیا اور بولی۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو مجھے یونہی محسوس ہوا تھا۔''

''کس نے...... کیا محسوس کر لیا بھئی؟'' عادل نے کچن میں جھانکا تھا اس کے انداز میں عجلت تھی ساتھ ہی اجیہ کی جانب دیکھ کر بولا۔

''چائے بن گئی؟''

''کچھ دیر بعد آ جایئے عادل بھائی! بس میں چائے رکھنے ہی لگی تھی۔'' وہ دانت نکالتے ہوئے بولی پتا تھا اب دیر ہونے پر ڈانٹ پڑے گی۔

''بہت نکمی ہوتی جا رہی ہو اجیہ! ذرا سی چائے بھی ٹائم پر نہیں بنا پاتیں۔'' عادل نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی تھی۔

''جی ہاں، میری جگہ عانیہ ہوتی تو چائے کب کی بن چکی ہوتی۔''

عادل نے حیرانی سے ان دونوں کو ہنستے دیکھا۔

"یہاں عانیہ کا کیا ذکر؟"

"آپ ہوں اور عانیہ کا ذکر نہ ہو یہ کیسے ممکن ہے کیوں ثانی؟" اجیہ نے متبسم لہجے میں اور شریر انداز میں تائید چاہی تو وہ بھی اثبات میں سر ہلانے لگی۔

"میں سمجھ گیا تم دونوں کا میری ٹانگ کھینچنے کا ارادہ ہے۔" وہ مسکراہٹ چھپاتا باری باری دونوں کو گھور رہا تھا۔

"ارادہ تو دونوں کا ہے مگر کھینچوں گی صرف میں، ثانیہ تو تماشائی ہے۔" اجیہ مزے سے بولی۔ ثانیہ زور سے ہنس دی جب کہ عادل نے ایک اور چپت سر پر لگائی۔

"نکمی بھی ہوتی جا رہی ہو اور بڑبولی بھی...... جلدی سے چائے بناؤ بازل کے ہاتھ اندر بھجوا دینا اور تم یہاں گرمی میں کیوں کھڑی ہو باہر چل کر بیٹھو...... اور اجیہ! آج کھانا زبردست ہونا چاہیے ان دو خاص مہمانوں کو بنا کھانا کھائے بالکل جانے نہیں دینا۔" عادل نے تاکید کی تو ثانیہ فوراً بولی۔

"مہمان کہہ کر شرمندہ تو مت کرو۔ میں تو آتی ہی رہتی ہو اور کھانا بھی اکثر کھاتی ہوں مگر آج نہیں ابھی تو ہمارا گھر میں بڑی شدت سے انتظار ہو رہا ہوگا میں نے تو گھر فون بھی نہیں کیا کہ گھر جا کر اور امی کے سامنے بیٹھ کر انہیں یہ خوشخبری سناؤں گی کہ تیمور کو اب آپریشن کی ضرورت نہیں ہے۔"

اور پھر واقعی بے حد اصرار کے باوجود وہ دونوں گھر آ گئے تھے۔ یہ تو ان سب کی زندگیوں کا بے حد خاص الخاص دن تھا۔

اطلاع دیتے ہی یوں لگا جیسے خاص قسم کی روشنی سارے گھر میں پھیل گئی ہو وہ روشنی جو خاص طرح کی خوشی سے پھوٹتی ہے۔

حلیمہ نے نم آنکھوں کے ساتھ تیمور کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا۔

"میں نے کہا تھا نا اتنی آسانی سے نہیں مروں گا لوگوں یہ بری خبر سنا دیں امی کہ مجھے بہت سال جینا ہے۔"

الیاس چوہدری نے غضب ناک نظروں سے تیمور کو دیکھا وہ دل جلانے والی مسکراہٹ ان کی جانب اچھال چکا تھا اور بہت جتاتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ تن فن کرتے گھر سے باہر نکل گئے۔

تیمور نے ہنستے ہوئے ماں کے گلے میں بازو حائل کر دیے تب ہی نگاہ شفق سے جا ملی وہ اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ تیمور کی آنکھیں شرارت سے چمک اٹھیں۔

"لوگ اتنی جلدی چلے گئے حالانکہ ابھی تو میں نے انہیں یہ بھی بتانا تھا کہ چاہے وہ جتنا مرضی انکار کریں زندگی کے ہر پل میں انہیں میرا ساتھ دینا ہی ہوگا۔"

وہ ذکر الیاس چوہدری کا کر رہا تھا مخاطب حلیمہ سے تھا اور جسے سنانا مقصود تھا وہ بھرپور مسکراہٹ لبوں پر سجائے دل ہی دل میں

انشاء اللہ کہتی سر جھکا گئی تھی۔

☆......☆......☆

گیتی شعلہ جوالا بنی آئینے کے سامنے کھڑی تھی اور ہر ہر زاویے سے خود کو دیکھ رہی تھی۔ نگاہوں میں ستائش تھی جو ہر آن بڑھتی جاتی تھی۔ فخر و انبساط کی ایسی بپھری ہوئی لہریں تھیں جو دل کے ساحل سے آ کر ٹکراتیں تو تن من پر عجب سی خوشی کی پھوار سی برسنے لگتی۔

شرم و حیا اور باپردگی کا اسٹیشن کہیں بہت پیچھے رہ گیا تھا جب کہ زندگی کی ٹرین پوری رفتار سے دوڑ رہی تھی اور اتفاق سے مفادات کی بوگی بھی سب سے آگے لگی تھی۔

''تم ٹھیک کہتے تھے مظہر! مجھے تو پتا ہی نہیں تھا کہ میں کیا چیز ہوں۔''

اس نے مسکراتے ہوئے سوچا اور ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ مظہر کا خیال اس کے لبوں پر مسکراہٹ چھوڑ جائے اور ایسا بھی صرف اس لیے ہوا تھا کہ آئینے میں دکھائی دیتا سراپا قیامت ڈھا رہا تھا۔

سیاہ رنگ کی ساڑھی نے اس کے وجود کے ہر زاویے کو بے حد نمایاں کر دیا تھا۔ پیروں میں پہنی ہوئی سیاہ ہائی ہیل سینڈل نے اسے سچ مچ سرو قد بنا دیا تھا۔ بلاؤز گہرے گلے کا اور انتہائی چست تھا، آستین سرے سے غائب کلائی سے کہنیوں تک بھری چوڑیاں بہت خوبصورت دکھائی دیتی تھیں۔ بالوں کا نفیس سا جوڑا بنا کر کچھ لٹیں ہوا کی اٹکھیلیوں کے لیے چھوڑ دی تھیں۔ ڈھائی ڈھائی انچ کے آویزے اس کی ذرا سی جنبش پر مرمریں گردن کو چھونے لگتے جس میں نفیس سا نیکلس پہن رکھا تھا۔

کچھ تو سراپا قیامت کچھ لباس کی کارگزاری اس پر سے صبوحی نے میک اپ بھی اتنا شاندار کیا تھا کہ واہ۔

وہ جانے کتنی دیر اور خود کو دیکھے جاتی اور اپنی مدح سرائی کرتی رہتی کہ آئینے میں عقب پر دو آنکھیں ابھر آئیں۔

''کیسی لگ رہی ہوں۔''

گیتی پر تو چاند کی کرنوں کی طرح خوشی برس رہی تھی۔ بڑی ترنگ میں آنکھوں کے اشارے سے پوچھا اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی اور آنکھوں سے جیسے روشنیوں کے سوتے پھوٹ رہے تھے۔

جواب میں وہ لڑکی اسے دیکھتی رہی پھر اس نے گردن کو ذرا سا سیدھا کیا اور چھت سے لگے ساکت پنکھے کو دیکھنے لگی۔

وہ بہت گہرے گہرے سانس لے رہی تھی کمرے میں اس کی سانس کی آواز کسی سانپ کی طرح پھنکارتی پھر رہی تھی۔

''جیسی ذلیل زندگی تم گزار رہی ہو ویسی ہی زندگی گزارنے پر مجھے مجبور کیا جا رہا ہے...... کیسی عورت ہو تم؟...... دلدل میں گرنے والا کبھی یہ نہیں چاہ سکتا کہ کسی دوسرے کا پیر پھسلے...... تمہیں مجھ پر رحم نہیں آتا۔''

اس کی آواز میں نمی گھلی تھی۔

گیتی دھیرے سے پلٹی۔ کلائیوں میں پڑی چوڑیوں اور آویزوں کی کھنک کمرے میں بکھر گئی۔

’’میں کون ہوتی ہوں تم پر رحم کرنے والی؟ میں تو تمہیں مجبور بھی نہیں کر رہی یہ منتیں تم آپا بیگم سے کرو......ویسے تمہیں کون مجبور کرتا ہے اور کس وقت؟ سارا دن تو تمہارا سوتے ہوئے نکل جاتا ہے۔‘‘

گیتی کا لہجہ طنز سے عاری تھا بلکہ ایک مخصوص سی لاتعلقی جھلکتی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

’’پندرہ دن ہو گئے ہیں مجھے اپنے گھر سے نکلے......میری ماں تو اب تک مر بھی چکی ہوگی......اور میری بہنیں۔‘‘

اس کی آواز حلق میں اٹک گئی آنسوؤں کی یورش ایسی تھی کہ اس سے مزید کچھ کہا ہی نہیں گیا۔ گیتی وہیں کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

بے شک شرم و حیا اور باپردگی کا اسٹیشن کہیں پیچھے رہ گیا تھا......بے شک زندگی کی ٹرین پوری رفتار سے دوڑ رہی تھی اور بے شک مفادات کی بوگی سب سے آگے لگی تھی مگر سینے میں دل تو تھا جو آنسو دیکھ کر پسیجتا ضرور تھا۔

وہ چند قدم چل کر پلنگ کی طرف آئی اور روتی مخلوق کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

’’میں ابھی جا رہی ہوں جانا بہت ضروری ہے تم سے دس پندرہ منٹ بھی بات نہیں کر سکتی اگر صبح تک واپس آ گئی تو پھر بات کریں گے ہو سکتا ہے دو تین دن تک میں نہ آ سکوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب میں آؤں تم یہاں پر موجود نہ ہو۔‘‘ وہ چند لمحوں کے لئے خاموش رہی لڑکی بھیگے چہرے سمیت اسے آس بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

’’لیکن ایک بات میں تمہیں بتاؤں میں تو کیا آپا بیگم کے علاوہ کوئی بھی تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔ ہاں یہ ہے کہ میں تمہارا غم سن لوں گی سننے سے کیا جاتا ہے بس تمہارا دل ہلکا ہو جائے گا۔‘‘

اس نے فوراً اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بھی تب دیا جاتا جب تنکا ذاتی ہوتا یہاں اول تو سہارا دینے کی کوئی خاص چاہ نہ تھی دوسرا کوئی تنکا نہ تھا۔ وہ دروازے کی جانب بڑھ گئی پھر دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر پلٹی۔

’’اور بات سنو! رونے سے کیا ہوتا ہے؟......کچھ نہیں ہوتا صرف یہ ہوتا ہے کہ آنکھوں کے گرد حلقے پڑ جاتے ہیں، شبنم کہہ رہی تھی تمہاری آنکھیں بہت خوبصورت ہیں ذرا سوچو۔ اتنی خوبصورت آنکھیں حلقوں کے ساتھ کیسی لگیں گی۔‘‘

’’میری پوری زندگی کے گرد سیاہ حلقہ بن چکا ہے تمہیں آنکھوں کی پڑی ہے۔‘‘ وہ جیسے غم سے چیخی۔

گیتی نے جی جان سے قہقہہ لگایا اور کندھے اچکا کر بولی۔

’’پھر تم افسردہ ہوتی رہو۔ میں تو چلی۔‘‘

وہ باہر نکل گئی۔ غم ذاتی نہ ہو تو زیادہ دیر تک غمگین رہنے نہیں دیتا۔

وہ بڑی ترنگ میں آنچل لہراتی لابی عبور کر کے آپا بیگم کے کمرے میں پہنچی تھی۔ آپا بیگم سنگھار میز کے سامنے رکھے اسٹول پر بیٹھی، جھمکوں کے سہارے سیٹ کر رہی تھیں۔ اسے دیکھتے ہی چہکیں۔

’’آہا......گیتی میری جان......ماشاءاللہ چشم بددور۔‘‘ وہ اس کی بلائیں لینے لگیں۔ ’’اور لوگ کہتے ہیں قیامت ابھی دور ہے۔‘‘ وہ

ہنسیں۔گیتی کے اردگرد تو جیسے کئی فانوس جگمگا اٹھے۔

اسی پل دروازہ کھٹاک سے کھلا۔

دونوں اپنی اپنی جگہ چونکیں بھلا یہاں کس کی مجال تھی کہ اس بدتہذیبی سے دروازہ کھولے۔

اور وہ بھی آپا بیگم کے کمرے کا لیکن اندر داخل ہونے والا مظہر تھا جس کی سب خطائیں قابل معافی تھیں اور جسے دیکھتے ہی آپا بیگم کے غبارے میں جوش وجذبے کی نئی سی ہوا بھرنے لگتی تھی۔

''ارے مظہر......میری جان۔'' وہ خالصتاً ماما بھرے انداز میں اس کی جانب لپکیں۔

''کتنے دن بعد آئے۔آئے ہائے ایسی بھی کیا مصروفیت......تمہیں ہماری یاد بھی نہیں آتی۔'' وہ اس کا ماتھا چوم کر بولیں۔

''آتی ہے آپا بیگم کیوں نہیں آتی......آپ کو کیا خبر کہ ہمیں کس کس کی یاد آتی ہے۔'' وہ بے ڈھنگے پن سے ہنسا، تبھی گیتی کو احساس ہوا کہ وہ پیئے ہوئے ہے۔

گو کہ لڑکھڑا نہیں رہا تھا مگر آنکھوں کی سرخی میں بڑی وحشت پھیلی تھی۔گیتی رخ موڑے کھڑی تھی مگر ان وحشت بھری آنکھوں کے کیڑے اس کے سارے بدن پر رینگ رہے تھے۔

اس کی ساری سرشاری پر سناٹا سا پھیلنے لگا۔

''میں شبنم کے پاس ہوں آپا بیگم، جب جانا ہوا لیلیٰ کو بھیج کر بلوا لیجیے گا۔'' اس نے فرار ہونے کا ارادہ باندھا۔

''کہاں کا ارادہ ہے؟'' مظہر نظر بھر کے پھر بولا۔

''فنکشن میں جانا ہے ہمایوں سلمان کو تو تم جانتے ہی ہو نا اسٹیل مل والے......انہی کے فارم ہاؤس پر۔'' آپا بیگم تفصیلات بتانے لگیں تو وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''ٹھیک ہے......پھر آپ چلی جائیں گیتی نہیں جائے گی۔آج میرے پاس رہے گی۔'' التجا نہیں تھی لڑکھڑاتے لہجے میں بھی آرڈر تھا۔غبارے کی ساری ہوا ایک دم سے نکل گئی۔

''لیکن......مظہر۔'' آپا بیگم ہکلا گئیں۔

''لیکن ویکن......نہ کریں آپا بیگم بس گیتی آج میری ہے۔''

گیتی کا دل چاہا پورے ہاتھ کا زناٹے دار تھپڑ اسے مارے مگر......

''یہ نہیں ہوسکتا مظہر! گیتی تو اسپیشلی انوائیٹڈ ہے۔'' آپا بیگم بولیں۔

''تو میں کیا کروں......بس اسے رہنے دیں۔''

''سمجھنے کی کوشش......''

''نہیں سمجھنا کچھ بھی......''

''اچھا میں اسے وہاں نہیں رہنے دوں گی ساتھ ہی واپس لے آؤں گی مگر ابھی جانا ضروری ہے۔ میں نے ایڈوانس پکڑا ہوا ہے۔'' بے چارگی سی بے چارگی۔

''پرامس......پکا پرامس۔'' اس نے آنکھیں پٹپٹائیں نشہ بتدریج اس کے دماغ کو چڑھ رہا تھا۔ آپا بیگم نے سر ہلا دیا تو وہ بولا۔

''جاؤ گیتی......میری جان مائی سوئیٹ ہارٹ......آئی لو یو سوچ جاؤ جہاں مرضی مگر واپس ضرور آنا مظہر تمہارا انتظار کرے گا......سچی ساری رات......کھلی آنکھوں سے، جاؤ جدھر مرضی......''

اچانک وہ دائیں طرف لڑھک گیا اور اوندھے منہ پلنگ پر جا گرا۔ آپا بیگم نے اسے سنبھالنے کی کوشش کی تھی۔

گیتی نے اسے ہوش و خرد سے بیگانہ دیکھا اور نفرت سے منہ پھیر کر باہر نکل گئی اچھا خاصا موڈ کا بیڑہ غرق ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

حبس زدہ شام نے انتہائی سست روی سے رات اوڑھ لی تھی۔ عجیب گھٹی گھٹی سی فضا تھی شہتوت کے پتوں نے جانے کب سے حرکت نہ کی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ہوا چلنا بھول گئی ہو کتنی ہی بھوری چڑیا ساری شام اپنی ننھی ننھی چونچیں کھولے بے چینی سے یہاں وہاں اڑتی پھر رہی تھیں۔

اس حبس زدہ فضا نے کم و بیش سب کے مزاج پر اثر کیا تھا۔ اسی لیے گھر میں غیر معمولی خاموشی محسوس ہو رہی تھی۔

صرف قینچی کے چلنے کی ہلکی سی آواز تھی جو وقفے وقفے سے سنائی دیتی تھی۔ حلیمہ برآمدے کے فرش پر چٹائی بچھائے سلائی کے کپڑے کاٹ رہی تھیں۔

ثانیہ نے وضو کیا اور جائے نماز ہاتھ میں لے کر زینے کی جانب بڑھی لاکھ ہوا بند اور حبس زدہ فضا سہی مگر چھت پر قدرے سکون ہوتا تھا پھر وہ ذرا تسلی سے نماز پڑھنا چاہ رہی تھی۔ اوپر پہنچ کر اس نے بلب جلایا گو کہ بہت مدھم سی روشنی ابھی باقی تھی مگر اتنی بھی نہیں کہ بغیر بلب جلائے وہ نماز ادا کر لیتی۔

زرد زرد روشنی میں اس نے تیمور کو دیکھا وہ چارپائی پر چت لیٹا ہوا تھا دونوں ہاتھ سر کے نیچے باندھ رکھے تھے اور آنکھیں سیاہ پڑتے آسمان کی وسعتوں میں سرگرداں تھیں۔

''ارے تم ادھر ہو میں سمجھی باہر گئے ہو۔'' قبلہ رخ جائے نماز بچھاتے ہوئے ثانیہ نے سرسری انداز میں کہا تھا۔

تیمور نے لحظہ بھر کے لیے گردن موڑ کر اس کی جانب دیکھا پھر سابقہ پوزیشن میں آ گیا۔ ثانیہ نے نماز کی نیت باندھ لی۔ سلام پھیرتے ہوئے نظر تیمور پر جا رکی۔ وہ چونکی تھی پھر کچھ سوچ کر یکسوئی سے نماز ادا کرنے لگی پہلے ہی وقت تنگ ہو رہا تھا۔

تسبیح پوری کر کے دعا مانگنے تک وہ لاشعوری طور پر تیمور سے متعلق ہی سوچ رہی تھی گو کہ بار بار اس خیال کو جھٹک رہی تھی مگر

نظریں اور دھیان بار بار بھٹک کر اس تک چلا جاتا تھا۔

غیر معمولی سنجیدگی، غیر معمولی خاموشی ثانیہ جائے نماز تہ کرتی اس کی طرف آ گئی۔

''تیمور! کیا بات ہے؟ اتنے خاموش کیوں ہو۔'' وہ تہ کی جائے نماز بازو پر ڈالے پائینتی کی جانب بیٹھ گئی تھی۔

''غم زدہ ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''غم......غم کس بات کا؟'' وہ حیرانی سے بولی۔

''میرے پیسے گم ہو گئے ہیں؟''

''کتنے؟''

''آٹھ آنے۔'' اس کی سنجیدگی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی ثانیہ جو کچھ کہنے کے لئے منہ کھول رہی تھی ایک گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

''لاحول ولاقوۃ! صرف آٹھ آنے کے لیے تم اتنی بری شکل بنا کر بیٹھے ہو مجھ سے لے لو۔''

تیمور نے ترچھی نظروں سے اسے دیکھا اور مسکرا دیا۔

''مائی سوئیٹ سسٹر! آٹھ آنے صرف نہیں ہوتے۔ ایک لاکھ میں سے آٹھ آنے نکال دو تو ایک لاکھ، ایک لاکھ نہیں رہتا بلکہ ننانوے ہزار نو......''

''اپنے حساب کتاب کا رعب مجھ پر مت جھاڑو، یاد رہے اکنامکس میرا میجر سبجیکٹ ہے۔'' ثانیہ نے اس کی بات کاٹ کر کہا تو وہ ہنس دیا اور اسی متبسم انداز میں فوراً اپنی ہتھیلی اس کے سامنے پھیلا دی۔

''نکالو آٹھ آنے۔ ہم بھی تو دیکھیں تم کتنے پانی میں ہو۔''

ثانیہ نے بایاں ہاتھ اس کی ہتھیلی پر مارا۔

''تیمور! الٹی سیدھی مت ہانکو۔ اصل بات کیا ہے وہ بتاؤ۔'' اس نے زور دے کر کہا۔ چند لمحے ان دونوں کے مابین خاموشی چھائی رہی پھر وہ بولا۔

''مت پوچھو یار! تم بھی پریشان ہو جاؤ گی۔'' اس کی آواز بہت دھیمی تھی ثانیہ کا پہلا دھیان اس کی میڈیکل رپورٹس کی جانب گیا تھا۔

''یا اللہ خیر۔'' اس نے دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھ لیا۔

''کچھ نہ بتا کر تم مجھے زیادہ پریشان کر رہے ہو۔'' اس نے ڈپٹا۔

''بتاؤ تو سہی......جب خوشیاں آدھی آدھی کر سکتے ہو تو پریشانی بھی آدھی آدھی ہو سکتی ہے۔''

تیمور نے چند لمحے سوچنے میں صرف کیے۔

''میری جاب ختم ہو گئی ہے۔'' وہ پشیمان انداز میں اٹھ بیٹھا۔

’’اوہ......‘‘ خبر واقعی پریشان کن تھی مگر ایک خدشے کے منافی بھی تو تھی۔

’’تین دن کی بغیر اجازت چھٹی پر انہوں نے مجھے نکال دیا ہے۔‘‘ وہ بے حد افسردہ ہو رہا تھا۔

’’تم انہیں اپنا میڈیکل سٹرفکیٹ دکھا سکتے ہو۔‘‘ ثانیہ کو جیسے اچانک خیال آیا تھا۔

’’میں نے یہ بھی کہا تھا مگر حامدی صاحب نے صاف انکار کر دیا کہتے ہیں یہ سب فضول ایکسکیوز ہیں اصل میں غلطی ان کی بھی نہیں ہے اوپر سے آرڈر آجاتے ہیں تو انہیں عمل کرنا پڑتا ہے ان بے چاروں کی تو اپنی کھنچائی ہو رہی ہے۔ وہ کسی کو کیسے بخشیں۔‘‘ وہ بے چارا بھی عادت سے مجبور تھا کسی کی برائی کیسے دل میں رکھتا۔

ثانیہ خاموشی سے کسی پہلو پر غور کرتی رہی۔

فضا میں حبس جیسے بہت بڑھ گیا تھا۔ دھیرے دھیرے بیتتی ہوئی رات نے گویا ستاروں کی بجائے ننھی ننھی چنگاریوں کو جنم دیا تھا۔

’’مسئلہ تو ہے مگر اتنا بڑا بھی نہیں کہ سر پر سوار ہی کر لیا جائے۔‘‘ ثانیہ نے صورت حال پر قابو پانے کے لیے ہلکا پھلکا انداز اختیار کیا تھا۔

’’نوکری کا مزاج زندگی کے جیسا ہے پتا ہی نہیں چلتا کب ہاتھ سے نکل جائے۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے مجھے یقین ہے تمہیں جلد ہی اچھی نوکری مل جائے گی۔‘‘

’’میں صبح دو تین جگہوں پر اپلائی کروں گا بس تم دعا کرنا اور سنو اس بات کا ذکر کسی اور سے کرنے کی ضرورت نہیں...... بلاوجہ کی ٹینشن ہر ایک کے لئے...... میرا رزلٹ آگیا ہوتا تو جاب نسبتاً آسانی سے مل سکتی تھی اس جگہ تو جانے کس کس کی مہربانی کام آئی تھی۔ سر شجاع نے میری بہت مدد کی تھی ورنہ بارہ جماعتوں کی بھی کوئی اہمیت ہوتی ہے۔‘‘ اس نے اپنے پروفیسر کا نام لیا تھا۔

’’تم پھر سر شجاع سے ملو، ہوسکتا ہے وہ اس بار بھی تمہاری مدد کریں۔‘‘

’’نہیں خیر...... مدد تو وہ ضرور کریں گے۔ بہت اچھے انسان ہیں وہ۔ صبح جاؤں گا میں ان کی طرف، تم بھی صبح سر فاروق سے بات کرنا اگر ایک آدھ ہوم ٹیوشن مل جائے تو......‘‘

’’ہوں...... میں بات کروں گی۔‘‘ ثانیہ نے تسلی آمیز انداز میں کہا۔

’’تم تو اٹھو یہاں سے جیسی تم شکل بنا کر بیٹھے ہوئے ہو سب کو خود ہی اندازہ ہو جائے گا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ چلو میرے ساتھ ہی نیچے چلو کھانا کھاتے ہیں پھر تمہیں دوائی بھی کھانی ہے۔‘‘

ثانیہ اسے چھوٹے بچے کی طرح ٹریٹ کر رہی تھی۔ تیمور بھی بچوں کے سے انداز میں اس کا ہاتھ تھام کر مسکراتا ہوا زینے کی جانب چل دیا۔

☆......☆......☆

پلکوں پر خواب ٹکے ہوں تو دنیا الگ دکھتی ہے

محبت کرنے والوں کی دنیا تو خیر ہوتی ہی الگ ہے

شب و روز مختلف، زمین آسمان منفرد

دن رات کا تصور یکسر مختلف

یہاں کی گھڑیاں ہجر و وصال کے لمحوں سے ترتیب پاتی ہیں ہجر کی گھڑیاں اتنی طویل کہ کاٹے نہ کٹیں اور وصال لمحے اتنے مختصر جتنے کیف آگیں۔

وصل کی گھڑیاں جب وقت کی تھال میں گرتی ہیں تو اتنا خوبصورت سُر ابھرتا ہے کہ اس دنیا کے سات سُر بے کار جائیں۔

کھنک بڑی دیر تک سنائی دیتی ہے۔

ایک ایک جملے کے کئی کئی معنی ترتیب دیے جاتے ہیں۔ ہر ہر معنی کی آرتی اتاری جاتی ہے۔

یہاں تو چین اپنا نہ سکون اپنا

فقط بے قراری ہی بے قراری ہے۔

کسی اور کے نام کی تسبیح سے دن رات دانے گرا کرتے ہیں مگر انگلیاں نہیں تھکتیں

محبت کرنے والے پاگل ہوتے ہیں۔

اپنے ہاتھ سے اپنے نصیب میں بے قراری و بے چینی کا اندراج کرتے ہیں اور خوش رہتے ہیں اپنی نیندیں بھینٹ چڑھا کر۔

وہ سچ مچ پاگل ہوتے ہیں۔

چاند اتنا بڑا اور اس قدر قریب تھا کہ وہ ہاتھ بڑھا کر چھو سکتی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اور زانو کے گرد بازو لپیٹ کر چاند کو دیکھنے لگی۔ ٹھنڈی میٹھی چاندنی میں بہتی ہوا میں بہت سرور تھا۔

بھینی بھینی مہک شاید چاندنی کی ہی تھی۔

ان لمحوں میں...... ان ساحر لمحوں میں دل نے ایک خواہش کی تھی۔ لیکن ساری خواہشات پوری کہاں ہو پاتی ہیں۔ اس نے مسکراتے ہوئے سر جھٹکا اور دل کو ہلکی سی چپت لگا کر ننھے بچے کی طرح بہلانے کی کوشش کی مگر دل تو دل تھا بہلانے سے کب بہلتا تھا۔

ساتھ والی چارپائی پر کوئی حرکت ہوئی تھی اس نے گردن گھما کر دیکھا نرمین نیند بھری آنکھیں بمشکل کھولے اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

''آپی! کیا ہوا ہے؟ بیٹھی کیوں ہیں؟''

''نیند نہیں آرہی نرمین!'' وہ آہستگی سے بولی۔

''اچھا...... مگر مجھے تو بہت آرہی ہے۔'' اس نے کروٹ لی، عانیہ اسے دیکھتی رہی پھر گرنے کے انداز میں لیٹ گئی۔

آنکھیں بند تھیں مگر پلکوں پر سجے خواب ہولے ہولے تھرک رہے تھے۔ لبوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔ خوشبو دار چاندنی

نے اسے اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔

☆......☆......☆

شاہنواز بیڈ کے کنارے پر ٹکا موبائل پر کوئی نمبر ملا رہا تھا پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر لینڈ لائن کا ریسیور اٹھایا اور نمبر ٹرائی کرنے لگا اسی دوران دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

''یس کم اِن۔'' وہ ریسیور کان سے لگائے گردن موڑے دروازے کی جانب دیکھنے لگا۔

''صاحب! بڑے صاحب آپ کو اپنے کمرے میں بلا رہے ہیں۔'' زلفی نے اندر آ کر اطلاع دی تھی۔

''کمرے میں۔'' اس نے وال کلاک پر نظر ڈالی تھی۔

''ٹھیک ہے تم جاؤ میں آ رہا ہوں۔''

نمبر تو مل کر نہ دے رہا تھا لہٰذا اس نے بار بار ٹرائی کرنے کا ارادہ موقوف کیا۔ بریف کیس میں رکھی فائلز پر ایک سرسری نظر ڈال کر اطمینان کیا اور بریف کیس بند کر دیا۔ پھر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کر مرر میں دیکھتے ہوئے ٹائی کی ناٹ لگانے لگا۔

فرصت کے لمحات بہت کم آئے تھے اس کی زندگی میں ہر پل مصروف، ہر لمحہ کسی اگلے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے احساس ذمہ داری نے کبھی اسے بھرپور فراغت سے بیٹھنے ہی نہیں دیا تھا۔

اس نے بال برش کیے پرفیوم اسپرے کیا اور موبائل اور والٹ اٹھا کر کمرے سے باہر آ گیا۔ اس کے کمرے کا دروازہ ایک مختصر سی لابی میں کھلتا تھا اسی لابی کا آخری کونہ ایک اوپن اسٹڈی کا منظر پیش کرتا تھا ایک دیوار گیر الماری کتابوں کی تھی ایک چھوٹی سی خوب صورت سی میز اور دو کرسیاں تھیں۔

اور یہ شاہنواز کی سب سے پسندیدہ جگہ تھی کتابوں کا سلیکشن تو خیر سارا اسی کا تھا مگر اسے آج تک یہ بات سمجھ نہیں آ سکی تھی کہ گھر کے اس حصے کو اسٹڈی کی شکل دینے کا آئیڈیا کس کا ہوگا۔

جہانگیر لاشاری کے بیڈ روم کا دروازہ قدرے کھلا ہوا تھا مگر اس نے دستک دینا مناسب سمجھا پھر اندر داخل ہو گیا۔

''السلام علیکم سر......'' جہانگیر لاشاری باتھ گاؤن میں ملبوس اخبار پھیلائے بیٹھے تھے اور چشمے کے اوپر سے دروازے کی جانب دیکھ رہے تھے۔

''وعلیکم السلام......آؤ شاہنواز۔'' اسے دیکھ کر وہ بھرپور طریقے سے مسکرائے تھے اور ہاتھ سے صوفے کی جانب اشارہ کیا تھا۔

''آپ آج آفس نہیں جا رہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' سینٹرل ٹیبل پر سجے ناشتے کے لوازمات کو دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

''ہوں۔'' جہانگیر لاشاری بشاشت سے مسکرائے۔

''بس موڈ ہے کہ آج گھر پر آرام کیا جائے۔ تم آفس میں مینج کر لو گے نا۔''

محض بات برائے بات انہوں نے پوچھ لیا تھا ورنہ شاہنواز کی انتظامی صلاحیتوں اور احساس ذمہ داری سے نہ صرف واقف تھے بلکہ معترف بھی تھے پھر جتنا بھی بھروسہ انہیں شاہنواز پر تھا اتنا تو کسی اور پر ہو ہی نہیں سکتا تھا یونہی تو فنانس کا سارا شعبہ اس کے حوالے کر کے نہیں بیٹھے تھے۔

''شیور سر۔'' وہ دھیمے سے مسکرایا۔

''اچھا......ایسے ہاتھ پہ ہاتھ رکھے کیوں بیٹھے ہو۔'' جہانگیر لاشاری نے اخبار سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیا۔

''بھئی شروع کرو۔ اتنا سب میں اکیلے تو نہیں کھا سکتا پھر تمہاری خالہ امی نے گنجائش رکھنے کے لئے کہا ہے۔ آج ہمارے لئے اپنے ہاتھوں سے لنچ تیار کریں گی، حالانکہ میں نے کہا بھی ہے ایک دن آفس نہ جانے کی اتنی بڑی سزا کچھ مناسب نہیں ہے۔''

شریر و متبسم لہجے میں کہتے وہ سلائس پر مارجرین لگا رہے تھے۔

شاہنواز کے دل سے جیسے کوئی پتھر سا سرک گیا، ورنہ کل وہ جس ذہنی پراگندگی میں جہانگیر لاشاری کو دیکھ چکا تھا وہ اسے پریشان رکھنے کا سبب بنی تھی۔

''آپ خالہ امی کو انڈر اسٹیمیٹ نہیں کر سکتے کوکنگ تو خیر ان کی ہمیشہ سے اچھی رہی ہے۔'' اس نے ایک کپ جہانگیر لارشاری کے سامنے رکھا۔

''بھئی ہم کچھ نہیں کہہ رہے، خود ہی کہہ رہی تھیں بہت دن بعد کچن میں جا رہی ہوں پتا نہیں جو بناؤں گی وہ اچھا بھی بنے گا یا نہیں۔'' جہانگیر لاشاری کے لہجے میں بڑی تروتازگی تھی۔

کچھ پل کے لئے بڑی خوش گوار سی خاموشی ان دونوں کے مابین حائل ہوئی تھی۔

''وہ ایس بی والوں سے جو مشینری کی ڈیلنگ چل رہی تھی اس کا کیا بنا؟''

''آل موسٹ فائنل ہے۔ ایڈوانس پے منٹ بھی ہو چکی ہے، پرسوں تک مشینری فیکٹری پہنچ جائے گی اور باقی پے منٹ سپلائی کے بعد ہو گی۔''

''اور تمہارا کیا ارادہ ہے......مزید پڑھنا چاہتے ہو یا کچھ اور سوچ رکھا ہے بی بی اے کرنے بعد تم نے ارادہ ظاہر کیا تھا کہ ایم بی اے کے بعد کچھ کورسز کرنے ملک سے باہر جانا چاہتے ہو......اب کیا ارادہ ہے؟''

''ارادہ تو خیر ابھی بھی ہے سر......'' اس نے قطعیت سے جواب دیا۔

''ارے ڈیٹس گڈ......اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ تمہیں فوراً سے پیشتر اپلائی کر دینا چاہیے، گو کہ تمہاری غیر موجودگی میں ہمیں بہت دقت ہو گی مگر تمہارا کیریئر اور خواہش زیادہ اہم ہے۔''

جہانگیر لاشاری نے بہت اپنائیت و محبت سے کہا تھا وہ تہہ دل سے ان کا ممنون ہوا اور اسی ممنونیت کے زیرِ اثر بولا۔

''اب میں جو بھی کرنا چاہتا ہوں اپنے بل بوتے پر کرنا چاہتا ہوں سر! آپ کے تو پہلے ہی بہت احسانات ہیں مجھ پر۔''

''کم آن شاہنواز!'' جہانگیر لاشاری نے ناپسندیدگی سے اسے ٹوکا۔

''یہ بلاوجہ کی احسان مندی مت جتایا کرو، تمہیں جو کچھ ملا وہ تمہاری قسمت اور محنت وصلاحیت کا ثمر ہے، اتنے اچھے طریقے سے ہمارے بزنس کو سنبھالا ہوا ہے، کبھی کبھی مجھے لگتا ہے تم نہ ہو تو میں کچھ بھی نہیں کر پاؤں گا تھک کر بیٹھ جاؤں گا جو ذمہ داری حنان کی تھی وہ تم پوری کر رہے ہو اس طرح سے تو ہمیں تمہارا احسان مند ہونا چاہیے۔''

''پلیز سر! مجھے شرمندہ مت کیجئے۔'' وہ عاجزی سے گویا ہوا۔

''آپ تو میرے محسن ہیں اور محسن کے منہ سے احسان مندی کا اظہار اچھا نہیں لگتا......آپ کے تو اتنے احسانات ہیں مجھ پہ کہ میں ساری زندگی ان کا بدلہ نہیں چکا سکتا......''

''اتنی بھاری بھرکم باتیں...... یار! ہم جیسے ناتواں لوگ یہ بوجھ کیسے اٹھا پائیں گے۔ یوں سمجھو ہم تو تم پر اپنے ارمان پورے کر رہے ہیں۔ میری اور شمسہ کی بہت خواہش تھی کہ حنان اعلیٰ تعلیم حاصل کرے، مگر اس نے گریجویشن مکمل کی یہ بھی ایک معجزہ ہے۔ امریکہ اس لئے بھیجا تھا تاکہ کوالیفکیشن میں اضافہ کر کے لوٹے، مگر وہ چار سال موج مستی کر کے واپس آ گیا۔ تعلیم کے نام پر ایک سنگل ڈپلومہ بھی نہیں لیا۔ انتہائی نان سیریس رویہ ہے زندگی کے ساتھ۔

بلیومی شاہنواز! مجھے بہت فکر رہتی ہے پتا نہیں یہ لڑکا آنے والی زندگی میں کیا کرے گا۔ تعلیم پر توجہ نہیں تھی کاروبار میں انٹرسٹ نہیں ہے اور جس چیز میں انٹرسٹ ہے وہ ہے غیر ذمہ داری......اتنی ذمہ داری سے...... غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کر رہا ہے کہ کبھی کبھی تو اس کی مستقل مزاجی پر آفرین کہنے کو دل چاہتا ہے۔

ویسے کچھ خیر خبر ہے ہمارے برخوردار کی؟ آج کل کن سرگرمیوں میں مصروف ہیں؟ کن کن کے ساتھ نظر آ رہے ہیں؟ بلکہ یوں کہنا مناسب رہے گا کہ آج کل کس کس کو 'گھما' رہے ہیں؟''

جہانگیر لاشاری کا لہجہ اگرچہ نارمل تھا مگر پریشانی کا ہلکا سا تاثر تو بہرحال تھا جوان کی آنکھوں سے جھلک رہا تھا۔

''کوئی ایک ہو تو بتاؤں۔'' وہ گہری سانس بھر کر بولا۔ حنان کے بارے میں بات کرتے ہوئے وہ ہمیشہ ہی بہت احتیاط سے کام لیا کرتا تھا مبادا کہیں کوئی اس کی نیک نیتی پر شک ہی نہ کرے لیکن جہانگیر لاشاری کے سامنے ٹھیک ٹھاک رپورٹنگ بھی ضروری تھی۔

''وہ تو ایک دن میں اتنی گھما لیتا ہے کہ میں نام بھی یاد نہیں رکھ پاتا۔ ہفتے کے حساب سے تو رجسٹر ہی ترتیب دینا پڑے گا۔''

''بات شاید اتنی عجیب نہیں ہے جتنی مجھے لگتی ہے۔ اپنی جوانی میں، میں تو اتنا خبیث نہیں تھا جتنا کہ میرا بیٹا ہے۔ ایک تقریب میں تمہاری خالہ امی کو پسند کیا اور ماں باپ کی رضامندی سے شادی کر لی۔ ایک حنان ہے۔ اتنی جلدی تو لوگ شرٹ نہیں بدل پاتے جتنی جلدی اس کی فرینڈز تبدیل ہو جاتی ہیں۔

پچھلے ماہ تو ارجمند قدوائی کی بیٹی کے ساتھ نظر آ رہا تھا۔ میں نے سوچا لڑکی بھی بری نہیں ہے حنان سیریس ہوا تو قدوائی صاحب سے بات کر کے رشتہ پکا کر لیں گے مگر اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔''

جہانگیر لاشاری نے رک کر چائے کا کپ لبوں سے لگایا۔

''شاہنواز! تم سے کچھ ضروری بات کرنا تھی شمسہ کے سامنے میں اپنی پریشانی کا اظہار اس لئے نہیں کر سکتا کہ اس کی بہت ٹھوس وجہ ہے، وہ دل کی ذرا کمزور ہیں بیمار جلدی پڑ جاتی ہیں مگر تم سے تو کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔

کچھ عجیب عجیب سی اطلاعات بہت دن سے مل رہی تھیں...... حنان کے حوالے سے...... مگر میں اگنور کرتا رہا کیونکہ کافی دن سے کوئی الٹی سیدھی حرکت نہیں کی تھی تو میں نے سوچا عقل آ گئی ہو گی لیکن کل جو کچھ اس نے آفس میں کیا اس کے بعد مجھے کوئی اچھی امید نہیں رہی پھر جو شخص جسٹ فار فن فائرنگ کر سکتا ہے وہ پھر کچھ بھی کر سکتا ہے۔ اللہ کرے میرا خدشہ، خدشہ ہی ہو اور حنان ڈرگز نہ لے رہا ہو گو کم عمر بچہ نہیں ہے کہ اپنا اچھا برا، غلط درست نہ پہچان سکے مگر اس کی اپروچ سے تم واقف ہو بعض اوقات تو بچوں سے بھی نرالی حرکتیں کرتا ہے۔''

''ڈرگز؟...... اور حنان...... ناممکن۔'' وہ سو فیصد پر یقین تھا۔

جہانگیر لاشاری کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ جیسے کہہ رہے ہوں میں اس کا باپ ہوں اور تم اسے اس کے باپ سے زیادہ نہیں جان سکتے۔

''کیا تم اس کی اپروچ سے واقف نہیں ہو۔ مجھے اور شمسہ کو زچ کرنے کے لئے وہ کسی بھی حد تک جا سکتا ہے۔''

''جا سکتا ہے...... مگر اتنا بے وقوف نہیں ہے حنان کہ وہ راستہ اختیار کرے جو خود اسی کو نقصان پہنچانے کا سبب بنے۔'' شاہنواز نے زور دے کر کہا تھا۔

''اللہ کرے تم ہی اسے مجھ سے زیادہ سمجھتے ہو۔'' جہانگیر لاشاری گہری سانس بھر کر بولے۔

''بہر حال میں چاہتا ہوں تم ذرا اس کی ایکٹی ویٹیز کا پتا کرو آج کل کیا کر رہا ہے کن لوگوں سے مل رہا ہے کہاں آ جا رہا ہے۔

حدید جب سے کراچی گیا ہے پریشانی بڑھ گئی ہے، اس کے علاوہ حنان نے کوئی ایسا دوست بھی تو نہیں بنایا جس پر اعتماد کیا جا سکتا ہو یا کوئی اچھی رائے قائم کی جا سکتی ہو...... حدید جیسا سلجھا ہوا لڑکا اس کا دوست ہے کبھی کبھی تو مجھے اس بات پر بھی حیرت ہوتی ہے، جب کہ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ حدید میرے دوست اور بزنس پارٹنر کا بیٹا ہے حالانکہ ہمارے قریب سے گزری ہوئی ہوا بھی اسے بری لگتی ہے۔''

وہ اپنے تفکر و پریشانی کو مسکراہٹ میں چھپا رہے تھے۔

''ڈونٹ وری سر! میں پتا کروا لیتا ہوں یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ مگر میرا خیال ہے آپ کا خدشہ بے بنیاد ہے۔''

''کاش ایسا ہی ہو......'' جہانگیر لاشاری نے دل کی گہرائی سے دعا کی تھی۔

''آپ کو میں دو ایک روز میں انفارم کرتا ہوں...... اب میں چلوں سر......'' وہ اجازت طلب انداز میں سرو قد کھڑا ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

اگلی صبح پچھلے روز کی نسبت انتہائی خوش گوار تھی۔

گو کہ اتوار تھا مگر معمول کی طرح صبح کا آغاز جلدی ہو گیا تھا۔ تیمور کو تو خاصی تسلی تھی کہ بہانے بازی سے بچ گیا۔ سب سے پہلا کام تو اس نے سر شجاع سے ملنے کا کیا تھا اور انہوں نے اسے خاصی تسلی دی تھی کہ ملازمت کے سلسلے میں ضرور کچھ کریں گے۔

یہاں سے فارغ ہو کر وہ اپنے کالج کے پرانے مالی کو لے آیا تھا۔ پلاٹ کی صفائی تو پچھلی چھٹیوں کے دوران ہی وہ کروا چکا تھا۔

''یہ مالی ہے؟'' عانیہ نے پریشانی سے خستہ حال مالی کو دیکھا جس کے جھریاں زدہ ہاتھوں میں اتنی کپکپاہٹ تھی کہ میلا سا تھیلا بھی ڈھنگ سے سنبھالا نہ جاتا تھا۔

''جی ہاں...... یہ ہی مالی ہے۔'' تیمور نے بابا جی کو باہر کا راستہ دکھایا۔

''لو...... ان سے تو ٹھیک سے چلا بھی نہیں جا رہا...... کیاریاں کیا خاک ٹھیک بنائیں گے۔'' اسے اعتراض تھا۔

''کیاریاں بنانے کے لئے چلنا ضروری نہیں ہوتا ہاتھوں کا صحیح سمت میں چلنا ضروری ہوتا ہے۔ بس تم دیکھتی جاؤ، مالی بابا اپنی فیلڈ کے بڑے ایکسپرٹ ہیں۔'' تیمور نے اسے متاثر کرنا چاہا تو وہ حسبِ معمول سر جھٹک کر طنزیہ لہجے میں بولی۔

''ظاہر ہے ایکسپرٹ تو ہوں گے ہی۔ تم جو ڈھونڈ کر لائے ہو۔'' اور پھر اس بار عانیہ کے خدشات ہی درست نکلے چار بج گئے مگر کیاری ایک نہ بن سکی۔ وہ بےزار و عجلت پسند پہنچ گئی مالی بابا کے سر پر خیر خبر لینے۔

''بابا جی! یہ کام کتنی دیر میں مکمل ہو گا؟''

''ایں......'' بابا جی نے گردن اٹھائی، نظریں اٹھائیں حتیٰ کہ میلے فریم وعدسوں والا چشمہ بھی قدرے اٹھ گیا۔

''ایں...... کیا پوچھا ہے؟'' عجیب ٹوٹی پھوٹی سی آواز تھی۔

''میں نے پوچھا ہے کیاریاں کب تک بنیں گی۔'' وہ قدرے بلند آواز میں بولی۔

''بن جائے گی...... بن جائے گی پہلے زمین نرم کرنی پڑے گی، پھر پانی لگانا ہے پھر کہیں جا کر بنیں گی کیاریاں۔'' بابا جی نے ہولے ہولے لرزتا سر کیاری کی جانب موڑ لیا۔

''واقعی...... کہیں جا کر ہی بنیں گی کیاریاں۔'' وہ گہری سانس بھر کر بولی۔

''اس تھیلے میں کیا ہے۔'' وہ میلے سے تھیلے پر جھکی۔

''ایٹم بم۔'' بابا جی کا منحنی وجود تڑخ کر پلٹا اور تھیلا بری طرح جھپٹا۔ عانیہ سٹپٹا ہی گئی۔

''کس نے کہا ہماری چیزوں کو ہاتھ لگاؤ...... آئی بڑی کہیں سے......''

عانیہ تو ہکا بکا رہ گئی۔ منحنی وجود اور آواز ایسی کراری...... اس سے قبل کو وہ کچھ کہتی وہ تیمور کو پکارنے لگے۔

''تیمور میاں! ہم نہیں کرتے کام، توبہ ایسی بدتہذیب لڑکی...... تیمور میاں، تیمور میاں......'' وہ پکارے گئے عانیہ حیرانی سے نکلی تو

ناگواری میں مبتلا ہوئی۔ تیمور دوڑا چلایا۔

''کیا ہوا؟''

''ہم نہیں کریں گے کام۔''

ایں......لیکن کیوں؟''

''اس تھیلے میں ان کے لو لیٹرز پڑے تھے میں نے دیکھ لئے تو بھڑک اٹھے۔'' وہ جل کر بولی۔

''لو لیٹر......اس عمر میں......کمال ہے ہمیں تو اتنی عمر میں ایک لو لیٹر نہ ملا۔'' تیمور کا رشک دیدنی تھا۔

''کیا بولے تم میاں!......بس ہم نے کہہ دیا ہم نہیں کریں گے کام...... بتاؤ یہاں تو اندھیر مچا ہے جسے دیکھو منہ اٹھائے ہماری چیزیں کھنگال رہا ہے......'' عانیہ جوابی کارروائی کے لئے تیار تھی تیمور نے بمشکل اسے اندر بھیجا اور خود مالی بابا کی دلجوئی میں لگ گیا۔

عانیہ اندر آ کر بھی بڑبڑاتی رہی۔

''آخر تمہیں ضرورت کیا تھی ان کا تھیلا چھیڑنے کی۔'' تیمور اندر آ کر برسا۔

''میں نے کہاں چھیڑا......نوبت ہی نہیں آنے دی بابا جی نے۔'' وہ جل کر بولی۔ تیمور ہنس دیا۔

''بابا جی ذرا الٹے مزاج کے ہیں اپنے کام میں مداخلت برداشت نہیں کرتے......اب یوں کرو ذرا تیز چینی والی چائے بنا دو پھر دیکھنا کیسے تیز ہاتھ چلتے ہیں۔ ان کا موڈ بھی بحال ہو جائے گا۔''

''میں تو خود بہت الٹے مزاج کی ہوں۔ اتنی زور سے ڈانٹ دیا چائے بناتی ہے میری جوتی۔ پانچ گھنٹے ہو گئے کیاری ایک نہ بن سکی اور چائے کا بھی یہ ساتواں کپ ہوگا۔''

تم سے تو کچھ کہنا فضول ہے میں چائے کے لئے کسی اور سے کہہ دیتا ہوں۔''

''اچھی بات ہے۔'' وہ مطمئن ہو کر بیٹھ گئی۔ تیمور باہر نکل گیا۔

امی کے پاس کوئی خاتون براجمان تھیں۔ قریب ہی نرمین وغیرہ کے ساتھ ایک لڑکی بیٹھی تھی وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ کوئی فارغ نظر آئے تو چائے کا کہہ دے۔ شفق نے سب سے پہلے اس کی جانب دیکھا اور اس کے قریب آ گئی۔

''گھور گھور کر کیا دیکھ رہے ہو......بہن ہے تمہاری۔'' وہ شرارت سے گویا ہوئی۔

''میں نے آج تک تمہیں گھور کر نہیں دیکھا کسی کو کیا دیکھوں گا۔'' وہ بھی تیمور تھا جو کبھی چوکتا نہیں تھا۔

''ایک کپ چائے چاہیے تیز چینی کے ساتھ کسی سے کہو بنا دے۔''

''کوئی کیوں بنائے؟ میں بنا دیتی ہوں۔''

''تم......'' اس نے شفق کے پیر کی طرف دیکھا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' اندر فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ وہ الٹے قدموں اندر پلٹا ذرا دیر بعد اس نے ثانیہ کو اندر بلوایا۔ ثانیہ آئی تو وہ پلنگ پر بیٹھا جھک کر شوز پہن رہا تھا انداز میں انتہائی عجلت تھی۔

''کدھر کی تیاریاں ہیں بھئی۔'' تیمور نے لحظہ بھر کو اسے دیکھا۔

''ثانی میں ذرا کام سے جا رہا ہوں۔ چچا جان کی طرف سے باذل کو بھیج دوں گا، وہ مالی بابا کو خود ہی ہینڈل کرے گا کھانے کا ضرور پوچھ لینا...... ذرا امی کی الماری میں چیک کرو دو ہزار روپے ہیں۔'' شوز پہن کر اب وہ والٹ نکال چکا تھا۔ ثانیہ نے اس کے انداز کی عجلت کو بہت تعجب سے دیکھا تھا اور الماری کی طرف بڑھتے ہوئے بولی تھی۔

'' ساری باتیں ٹھیک ہیں مگر جا کہاں رہے ہو وہ بھی اتنی عجلت میں۔''

''ابو اندر ہو گئے ہیں۔'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ بولا۔

''ایں...... مطلب؟'' وہ پلٹی۔

''مطلب...... انہیں پولیس نے پکڑ لیا ہے...... بس ایک اس چیز کی کسر رہ گئی تھی، آج وہ بھی پوری ہو گئی۔''

ثانیہ بری طرح دہل کر کچھ بولنے کے قابل نہ رہی تھی۔

''کسی سے ذکر مت کرنا ثانی! خصوصاً امی سے...... وہ بے چاری تو پہلے ہی......'' وہ آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

''تم...... تمہیں کیسے پتا چلا؟'' وہ ہکلائی۔

''تھانے سے فون آیا تھا ابھی۔''

''لیکن پکڑا کیوں ہے؟'' وہ سراسیمگی سے بولی۔

''یہ تو اب وہاں جا کر ہی پتا چلے گا۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''دیکھو دو ہزار ہیں تو دے دو۔ دو تو میرے پاس بھی ہیں پہلے تو دیکھنا پڑے گا کس سلسلے میں اندر ہوئے ہیں۔ پیسوں کے بارے میں، میں امی سے خود ہی کہہ دوں گا۔''

''سنو تیمور! عادل کو ساتھ لے جانا تم اکیلے کہاں خوار ہوتے پھرو گے۔'' پیسے تھماتے ہوئے اس نے کہا تو تیمور سر ہلاتا باہر نکل گیا۔ وہ وہیں سر ہاتھوں میں گرا کر بیٹھ گئی۔

''اے اللہ...... ہمیں کسی آزمائش میں مت ڈالنا...... تیرے حقیر بندے ہیں کہاں کچھ سہہ پائیں گے...... تو ہی تو راستہ دکھانے والا ہے تو ہی تو بگڑی سنوارنے والا ہے بس اس مشکل گھڑی سے بھی بخیر و عافیت گزار دے...... اے میرے اللہ۔''

وہ صدق دل سے دعا گو تھی۔

☆......☆......☆

معاملہ اتنا گمبھیر نہیں تھا اس لئے میز کے نیچے سے ہاتھ ملا کر ہی سارا معاملہ رفع دفع ہو گیا اور باقاعدہ ضمانت کی ضرورت بھی پیش نہیں آئی، کچھ عادل کے تعلقات بھی کام آ گئے تھے البتہ تھانیدار نے احسان جتانا اپنا فرض سمجھا۔

''آپ لوگ مجھے شکل سے ہی شریف گھرانے کے لگتے ہو اس لئے اتنی آسانی سے جانے دے رہا ہوں، ورنہ دو چار کیس بنانا ہمارے لئے کوئی مشکل تھا؟ اور آپ بھی اپنی عمر کا خیال کرو بزرگو! ابھی تو ہم نے آپ کی عزت کی ہے''اندر'' کی سیر نہیں کرائی اللہ اللہ کرنے کی عمر ہے آپ کی وہی کرو سوٹے (کش) نہ لگاؤ۔

بات سنو جوان! گھر جا کر اپنے ابا جی کو ایک ٹوپی تسبیح لے کر دو اور مسجد کا راستہ دکھاؤ۔ یہ واقعی نیا دور ہے پہلے باپ بیٹوں کے پیچھے بھاگا کرتے تھے آج بیٹے باپ کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔''

الیاس چودھری نے سب کچھ تحمل سے سنا لیکن باہر نکلتے ہی اس بھیگے مرغ کے پر خشک ہو گئے۔

''میں نے کچھ نہیں کیا یہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں...... اچھا بھلا سویا ہوا تھا ان بدبختوں نے اٹھا کر گاڑی میں ڈالا اور یہاں لے آئے۔''

''یہ ساری باتیں گھر جا کر بھی ہو سکتی ہیں۔'' تیمور نے کہا۔

''میں نے نہیں جانا گھر۔'' الیاس چودھری نے بدک کر کہا۔

''گھر نہیں جانا تو پھر کہاں جانا ہے؟ پھر فٹ پاتھ پر سوئیں گے...... ٹھیک ہے چلے جائیں مگر اگلی بار میں آپ کو لینے نہیں آؤں گا چاہے، جس بھی حال میں رہنا پڑے آپ کو۔'' تیمور کی ایسی کیفیت بہت کم ہوا کرتی تھی۔

''تم تو ٹھنڈے رہو یار۔'' عادل نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو الیاس چودھری کو آگ لگ گئی۔

''دیکھ لیا عادل! یہ ہے میری اولاد...... نانہجار طعنے دیتا ہے، ان کا بس چلے تو مجھے بیچ کر کھا جائیں...... بدذات۔'' واویلا شروع ہو چکا تھا۔

''پتا نہیں آپ کو اپنے بارے میں اتنی خوش فہمی کیوں ہے۔ دور کر لیں اسے...... اس پنجرے میں اب کچھ نہیں رکھا جو ہم بیچیں اور کوئی خریدے...... آپ کو تو اب کوئی مفت بھی نہیں لے گا۔'' تیمور جل کر بولا۔

عادل کو اس صورتحال میں بھی ہنسی آ گئی جسے اس نے منہ پھیر کر چھپایا۔

''تیمور!...... پلیز یار! کام ڈاؤن...... تایا جان آپ بیٹھیں۔ گھر چل کر اطمینان سے بات کرتے ہیں۔''

جیسے تیسے الیاس چودھری کو گاڑی میں بٹھایا اس دوران تیمور خاموشی سے ایک طرف کھڑا رہا۔

''میں اس سامنے والے پی سی او سے گھر فون کر دیتا ہوں صرف ثانیہ کو بتایا تھا اس کی تسلی ہو جائے گی آپ ذرا ابو پر نظر رکھیں کہیں ایسا نہ ہو آپ ذرا سا چوکیں اور یہ دوسری طرف سے نکل بھاگیں...... اب کم سے کم انہیں ہفتہ بھر تو گھر سے نہیں نکلنے دینا۔''

وہ پی سی او کی جانب چل دیا۔

☆......☆......☆

اس نے اپنے لئے وہ کونا منتخب کیا تھا جو قدرے الگ تھلگ تھا لاتعداد برقی قمقموں کی خیرہ کن روشنی یہاں پہنچتے پہنچتے اتنی ماند پڑ جاتی تھی کہ بہت واضح کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔

اس نے سر اٹھا کر آسمان کی جانب دیکھا۔ وہاں بادل چھائے ہوئے تھے تب ہی عجیب سی تیرگی محسوس ہوتی تھی۔

کچھ ایسی ہی تیرگی اس کے اعصاب پر چھائی ہوئی تھی جو بہت نامحسوس انداز میں پھیلتے ہوئے اس قدر دبیز ہو چکی تھی کہ اس کا دل یہاں سے بھاگ جانے کو چاہنے لگا تھا۔

مگر ہائے یہ کمبخت دل...... جب اپنی مرضی کرواتا تھا تب بھی پچھاڑتا تھا جب نہیں کرواتا تھا تب بھی پچھاڑتا تھا۔

''بیڑہ غرق ہو تمہارا مظہر! اچھا خاصا موڈ خراب کر کے رکھ دیا۔'' اس نے دائیں ٹانگ کو بائیں ٹانگ پر رکھتے ہوئے بڑی دلجمعی سے مظہر کو کوسا۔ سمجھوتے، ناپائیدار ہوں تو اور اذیت دینے لگتے ہیں۔

فنکشن اس کی توقعات سے کہیں زیادہ شاندار تھا، مگر وہ کسی بھی بات پر جی بھر کر خوش نہیں ہو پا رہی تھی۔ نہ اس بات پر کہ وہ یہاں موجود سب خواتین میں سب سے زیادہ خوب صورت دکھائی دے رہی ہے اور نہ اس بات پر کہ یہاں موجود دیگر خواتین بھی ''انہیں'' کے جیسی دکھائی دیتی ہیں۔

بھلے سے وہ شریف گھرانوں کی پیداوار تھیں بھلے سے ان کے باپ دادا نے عزتوں کی حفاظت کی ہو، مگر ان کے لباس و انداز ان سب کو گلشن نگر کا مکین ہی ظاہر کرتے تھے۔

کہیں بھی کوئی اجنبیت و بیگانگی محسوس نہ ہوتی تھی مگر ہائے دل۔

''حسن افسردہ ہو تو اس کی کشش بڑھ جاتی ہے...... یہ میں نے آج ہی جانا۔'' وہ کسی گہری سوچ کے تانے بانے میں الجھی تھی جب اس آواز نے اسے چونکایا۔

''خاکسار کو وجد پیرزادہ کہتے ہیں۔'' گیتی کے متوجہ ہونے پر اس نے اپنی گردن کو ہلکا سا خم دے کر کہا تھا۔

اس شخص کی شخصیت میں کوئی بھی ایسی بات دکھائی نہیں دیتی تھی جو اسے توجہ دینے کے قابل لگتی، مگر اسے دل و جان سے متوجہ ہونا پڑا کیونکہ اس شخص کے عقب سے آپا بیگم کی مسکراتی ہوئی چاپلوس سی شکل دکھائی دے رہی تھی۔

''کیوں آپا بیگم! تمہارا کیا خیال ہے؟'' اس نے رائے مانگی بڑے خوش گوار لہجے میں۔

''ہاہاہا...... آپ بھی نا پیرزادہ صاحب۔'' آپا بیگم نے اپنا مخصوص چھت پھاڑ قہقہہ لگایا۔

''یہ گیتی آرا ہے میری بھانجی...... میری خالہ زاد بہن کی بیٹی۔'' آپا بیگم نے تعارف کا مرحلہ طے کرنا شروع کیا۔

''ماشاءاللہ......چشم بددور۔'' اس شخص کی نظریں گیتی کے وجود کے آر پار ہورہی تھیں۔

''ایک بات ماننا پڑے گی آپا بیگم! حسن اور خوبصورتی تو تمہارے خاندان پر ختم ہوجاتی ہے۔'' گوکہ اس کا لہجہ طنز سے مبرا تھا اور ستائش سے لبریز تھا مگر گیتی کو اتنا سا جملہ ڈائریکٹ طمانچے کی سی شدت کا محسوس ہوا۔ آپا بیگم نے تو جانے کیا سوچا ہوگا وہ البتہ اس ساری صورت حال میں پہلی دفعہ مسکرا دی۔

''اور یہ ایڈوکیٹ وجد پیرزادہ صاحب ہیں...... بے چارے کب سے اکیلے بیٹھے بور ہورہے تھے میں نے سوچا تم بھی اکیلی بیٹھی ہو اسی لئے انہیں تم سے ملوانے لے آئی، اب ذرا تم انہیں کمپنی دو اور پیرزادہ صاحب آپ بھی ہماری بچی کا خیال رکھیئے گا بے چاری یوں بھی نئے لوگوں میں ایزی فیل نہیں کرتی۔''

آپا بیگم اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں بہت کچھ سمجھاتی آگے نکل گئیں۔

گیتی نے چپکے سے ایک نظر وجد پیرزادہ کی جانب دیکھا وہ ادھیڑ عمر تھا اور شوقین مزاجی چہرے سے مترشح تھی۔ گیتی گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

اب اسے مصنوعی مسکراہٹ سجا کر جانے کون کون سے مراحل طے کرنا تھے۔

☆......☆......☆

اے عشق ہمیں برباد نہ کر

اے عشق نہ چھیڑ آ کے ہمیں

ہم بھولے ہوؤں کو یاد نہ کر

اے عشق ہمیں برباد نہ کر......

مغنیہ نے اگلا سر چھیڑ دیا تھا۔ حدید نے بے چینی و بے زاری سے کرسی پر پہلو بدلا اور پھر حتمی انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔ دو گھنٹے کم نہیں ہوتے اور دو گھنٹے تک بے زاری و کوفت کے باوجود محض مروت میں کہیں رکے رہنا مذاق بھی نہیں ہوتا۔

اس فنکشن میں اس کی دلچسپی نہ ہونے کے برابر تھی اگر کوئی رتی بھر دلچسپی تھی تو وہ بھی ان غزلوں، نظموں کی صورت تھی جو ترنم سے گائی جارہی تھیں اور یہ دلچسپی بھی اس نے بڑی دیر تک بے زار رہنے کے بعد تلاش کی تھی۔

آواز میں سوز تھا کچھ کلام کا چناؤ بھی شان دار تھا۔ دوبار تو وہ خود بھی چٹ لکھ کر اسٹیج تک فرمائش بھجوا چکا تھا مگر وہ بھی کب تک ہوتا آخر تو اسے اکتانا ہی تھا۔

''اوکے ہمایوں صاحب! پھر ہمیں تو اجازت......'' اس نے عقب سے جا کر ہمایوں سے مخاطب کیا تھا

''اجازت......کس بات کی......'' ہمایوں کے پاس کھڑے شخص نے ایکسکیوز کر کے پوری طرح اسکی طرف پلٹا اور تعجب سے بولا

''بہت دیر ہوگئی یار! اب گھر جا کر آرام کروں گا۔'' اس نے بات بنائی۔

''لو...... چیف گیسٹ بھی کبھی اتنی جلدی جاتے ہیں۔'' ہمایوں نے بے تکلفی سے لتاڑا تھا۔

''او بھائی۔ یہ پارٹی تو رکھی ہی تمہارے لیے گئی ہے۔ صرف تمہارے لیے جسٹ فار یو...... او پاگل آدمی جب سے تم کراچی آئے ہو گھر سے آفس، آفس سے گھر سچ بتاؤ ایک بھی فنکشن اٹینڈ کیا تم نے؟ اتنی بے رنگ روٹین سے بور نہیں ہوتے تم......''

''مگر یار! میں تو یہاں کسی کو جانتا بھی نہیں ہوں...... اکیلا بیٹھ کر انسان کتنی دیر انجوائے کر سکتا ہے؟'' وہ بے زاریت سے بولا۔

''بہرحال تمہارا شکریہ...... محض میری خاطر تم نے اتنا زبردست فنکشن ارینج کیا۔'' اس نے ستائشی نظریں اطراف میں ڈالی تھیں۔

ہری گھاس و پیڑ پودوں کو زرد و سفید روشنیوں نے بہت خوبصورت و دلفریب تاثر عطا کیا تھا۔ بہت دلکش خوشبو بھی جو ماحول کا حصہ بنی ہوئی تھی۔

ایک طرف کھانے کی ٹیبلز ترتیب سے لگی تھیں اسی طرف باربی کیو ارینج تھا۔ مکس گیدرنگ تھی اچھے خاصے لوگ انوائیٹڈ تھے جن میں سے کچھ ہی لوگوں کو وہ جانتا تھا زیادہ تر تو اس کے لیے اجنبی ہی تھے۔

''رہنے بھی دو یار! یوں شرمندہ کرتے ہو یہ بھی کوئی فنکشن ہے، وہ تو تم اپنی مصروفیت کی بنا پر حویلی آنے پر راضی نہ تھے اس لیے میں نے سوچا کوئی چھوٹی موٹی گیدرنگ یہیں فارم ہاؤس پر رکھ لیتے ہیں مگر تم بیٹھنے پر ہی راضی نہیں، حالانکہ ایک اسپیشل گیسٹ تھا اس سے تو ابھی تمہیں ملوایا ہی نہیں۔''

ہمایوں نے ادھر ادھر جیسے کچھ تلاش کیا تھا۔

''اور تم نے تو کچھ لیا بھی نہیں۔'' وہ اس کے خالی ہاتھوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''کیا لینا پسند کرو گے؟ ڈرنک دیسی بھی ہے بدیسی بھی۔'' اب کے اس نے بہت شوخی سے آنکھ کا کونا دبایا تھا۔ حدید مسکرا دیا۔

''سوفٹ ڈرنک لے چکا ہوں...... اور دیسی بدیسی میرا ٹیسٹ ہی نہیں ہے۔''

''لاحول ولا...... یار...... انتہائی بدذوق ہو۔'' ہمایوں نے منہ بنایا۔

''گوروں کے دیس سے ہو آئے مگر تمہارا تو ٹیسٹ ڈویلپ ہی نہ ہو سکا امپروو کیا ہوگا، وہیں کھڑے رہو جہاں سے چلے تھے یعنی سوفٹ ڈرنک...... مجھے تو سمجھ نہیں آتی جو پیتا نہیں رہتا کیسے ہے؟''

''سمجھنے کی کوشش ہی کیوں کرتے ہو؟ اس سپیشل گیسٹ سے ملوا دو ہو سکتا ہے مجھے کچھ دلچسپی محسوس ہو۔'' اس کا لہجہ متبسم تھا۔

''ہاہاہا...... دلچسپی کیسے محسوس نہیں ہوگی۔ آدھی ادھوری قیامت ہی سمجھ لو۔ اسے میں نے صرف تمہارے لیے بلوایا ہے۔''

''اللہ ایسی قیامتیں تمہیں ہی مبارک کرے۔ بھئی یہ بھی میرا ٹیسٹ نہیں ہے۔'' اس نے ناگواری سے کہا۔

''ایک بار دیکھ لو پھر فیصلہ کر لینا...... اتنا دلکش تحفہ تو آج تک تمہیں کسی نے بھی نہیں دیا ہوگا البتہ ہم یاروں کے یار ہیں، ذرا اپنی

بائیں جانب دیکھو بلیو ساڑھی میں۔"

حدید نے گو کہ بے زاری سے دیکھا تھا مگر پل بھر کو تو دنگ ہی رہ گیا۔ وہ واقعی آدھی ادھوری قیامت تھی ایسی قیامت جس کا نام دل کو اتنی زور سے دھڑکا سکتا ہے کہ ساعت بوجھل ہو جائے۔

اس پر سے خود نمائی کا انداز۔

"کیوں......اب کیا کہتے ہو......ابھی بھی یہ قیامت مجھے ہی مبارک ہو؟" ہمایوں نے شرارت سے کہا۔ حدید سٹپٹا گیا۔

"نہیں ہمایوں! یہ میرا انٹرسٹ نہیں ہے۔"

"او بھائی! پھر تمہارا انٹرسٹ ہے کیا؟ کچھ پتا بھی تو چلے......اتنی خوبصورت لڑکی میں بھی انٹرسٹ نہیں ہے......کوئی وجہ بھی تو ہو؟"

"کچھ اصول ہوتے ہیں جو ہر ایک کی زندگی میں لاگو نہیں ہوتے......میری زندگی کے اصول تمہارے لیے مضحکہ خیز ہوں گے اور تمہارے اصول شاید میرے لیے۔"

حدید نے سنجیدگی و قطعیت سے کہا۔

"یہاں اصول و ضوابط کہاں سے آ گئے؟" ہمایوں جھنجھلایا۔

"میں تو تمہاری بے رنگ زندگی میں کچھ رنگ بھرنا چاہ رہا ہوں۔"

"مجھے تمہارے خلوص پر کوئی شک نہیں مگر میرے ساتھ دشمنی مت کرو ایسی عورت کو زندگی میں شامل کر کے سراسر نقصان ہوتا ہے، رنگ نہیں بھرتے۔"

"ہاں تو کون کہہ رہا ہے شامل کرنے کے لیے؟ ایسی عورتیں سائن بورڈز کی طرح ہوتی ہیں انہیں دلچسپی سے دیکھتے ہیں۔ آتے جاتے ان پر لکھی عبارت کو پڑھتے ہیں اور ایسا کتنی دیر کے لیے ہوتا ہے؟ صرف تب تک جب تک سگنل کھل نہیں جاتا اور ہم آگے نہیں بڑھ جاتے......انہیں آسیب سمجھو گے تو چپک جائیں گی سائن بورڈز سمجھو گے تو کبھی پیچھے نہیں آئیں گی تاوقتیکہ تم خود ہی اس راستے پر نہیں چلے جاؤ، چلو آؤ ذرا ملواتا ہوں تمہیں پھر خود ہی فیصلہ کرنا۔"

"ڈسٹرب کرنے کے لیے معذرت چاہتی ہوں لیکن مجھے لگا یہاں میرا ذکر ہو رہا ہے۔" وہ گلا کھنکھارتی قریب چلی آئی تھی۔

حدید نے سٹپٹا کر اس کی جانب دیکھا اور چند پل کے لیے تو نظریں ہٹا ہی نہ سکا۔

"آف کورس......" ہمایوں نے کہا۔

"زیرِ بحث حسن ہو اور آپ کا ذکر نہ ہو بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔ تاج محل کا ذکر بھی تو نور جہاں کے بنا ادھورا لگتا ہے۔"

وہ زور سے ہنس دی یوں لگا گویا گھنٹیاں گونج اٹھی ہوں۔

حدید نے اپنے آپ سے خائف ہوتے ہوئے بمشکل نظریں ہٹائی تھیں۔

''یہ ہمارے بہت اچھے دوست ہیں حدید علی۔علی انڈسٹریز کے مالک اور یہ گیتی آرا......خوشبو کی تعریف اس سے بہتر اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسے خوشبو کہا جائے۔''

''آپ بھی نا ہمایوں صاحب۔'' وہ دلکشی سے مسکرادی اور ایک نزاکت سے اپنا ہاتھ حدید کی جانب بڑھایا۔

''ویل......نائس ٹو میٹ یو،سیم ہیر۔'' اس نے آہستگی سے ہاتھ چھوڑ دیا۔

''لگتا تو نہیں۔'' اس نے بڑی ادا سے مسکراتے ہوئے گہری نظروں سے حدید کی جانب دیکھا تھا۔

حدید نے گہری سانس بھر کر اس کی جانب دیکھا اور خفیف سا مسکرادیا۔

''ایسی بات نہیں ہے ایکچولی میں تھک گیا ہوں۔آئی تھنک آئی ہیو ٹو گو، کچھ دیر آرام کروں گا تو فریش ہو جاؤں گا۔'' اس نے حتمی انداز میں مصافحہ کے لیے ہمایوں کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ہمایوں اسے خشمگیں نظروں سے گھورتا رہا پھر زوردار طریقے سے ہاتھ ملایا اور اس کی طرف جھک کر کان میں بولا۔

''یار! بزدلی کی بھی حد ہوگئی۔میدان چھوڑ کر بھاگ رہے ہو۔'' اس نے اچھا خاصا طعنہ دے ڈالا تھا۔

''پرخار راستے سے دامن سمیٹ کر گزرنے کا حکم ہے۔'' حدید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جب تک پتا ہے کہ ایک راستہ پر خار ہوسکتا ہے تو اس راستے پر جان کا فائدہ؟......چند لمحوں کی تسکین کے لئے پوری زندگی داؤ پر لگا دینا کہاں کی عقل مندی ہے۔میں بزدلی کا ٹیگ ماتھے پر لگوانا پسند کرلوں گا مگر وہ نہیں کرسکتا جو تم کہہ رہے ہو......جو تمہارے نزدیک بزدلی ہے وہ ہماری احتیاط پسندی ہے......ٹیک کیئر اینڈ انجوائے یور سیلف......اوکے مس گیتی آرا! ہیو اے نائس ٹائم......'' وہ بنا پلٹے آگے نکل گیا۔

گیتی نے دور تک اسے جاتے دیکھا۔

''آپ کا یہ دوست......'' اس نے ہمایوں کی جانب دیکھا۔

''کچھ عجیب سا نہیں ہے۔سمجھ ہی نہیں آیا۔'' وہ الجھن آمیز لہجے میں بولی۔

''ہم آپ کے سامنے کھڑے ہیں پہلے ہمیں تو سمجھ لیجیے حضور!'' ہمایوں سلیمان خاصے عاشقانہ انداز میں اس کی جانب جھکا تھا۔

گیتی نے خاصی خفگی سے اسے دیکھا تھا۔

''اف......ایسے مت دیکھا کرو ظالم! دل باہر آنے لگتا ہے۔'' اس نے گیتی آرا کا ہاتھ پکڑ کر سینے پر دل کے مقام پر رکھا تھا۔

''خواہ مخواہ باہر آنے لگتا ہے......کب سے تو میں یہاں تنہا بیٹھی ہوں آپ کو تو آج ہمیں دیکھنے کی بھی فرصت نہیں۔'' اس نے بھی لگاوٹ دکھائی۔

''آپکو دیکھنے والوں کی کمی تھوڑا ہی ہے۔'' وہ ہنسا۔

”وہ دیکھو......ایڈووکیٹ وجد پیرزادہ تو ابھی تک ادھر ہی نظریں جمائے کھڑا ہے۔“ گیتی نے دیکھا نظریں ملتے ہی وجد پیرزادہ نے بھرپور مسکراہٹ ادھر اچھالی تھی۔

”بڈھا کھوسٹ۔“ وہ بڑبڑائی۔ ہمایوں نے جاندار قہقہہ لگایا۔

”یہ بڈھا کھوسٹ بڑے کام کا آدمی ہے۔ تم اسے کمپنی دو۔ میں باقی مہمانوں کو دیکھ لوں......“ وہ گیتی کی کمر کے گرد بازو حائل کر کے وجد پیرزادہ کی جانب بڑھا۔

گیتی آرا نے سر اٹھا کر آسمان کی جانب دیکھا وہ اب بھی تاریک تھا مگر بادل چھٹ جانے کی بنا پر ننھی ننھی قندیلیں جل اٹھی تھیں۔

شعلے کی نفسیات بھی عجیب ہوتی ہے۔

قندیل میں جلے تو دور تک راستے دکھائی دینے لگیں۔

اتفاق سے بھس میں جا گرے تو راستے تب بھی دور تک دکھائی دینے لگتے ہیں مگر پیچھے مڑ کر دیکھنے پر گھر دکھائی نہیں دیتے صرف راکھ بچی رہ جاتی ہے۔

شفاف چشمے کی مانند بہتی ہوئی رات میں ریشم اگلا سر چھیڑ چکی تھی۔

اے عشق! ہمیں اتنا تو بتا

انجام ہمارا کیا ہوگا

اے عشق......

☆......☆......☆

”اسے بیچ دو۔“

الیاس چودھری نے تیمور کو شیخ صاحب کے لاڈ اٹھاتے دیکھ کر اچانک کہا تھا۔ خدا جانے مشورہ تھا یا حکم......

تیمور یوں آنکھیں پھاڑ کر انہیں دیکھنے لگا گویا کوئی انہونی سن لی ہو اور انہونی تو واقعی تھی۔

اس قدر ہموار و متحمل لہجے میں اس نے الیاس چودھری کو کب بولتے سنا تھا۔

جب بولتے تھے پھٹکارتے تھے...... جب مخاطب کرتے تھے کوستے تھے اور کچھ عرصہ تو انہوں نے اسے مخاطب کرنا بھی چھوڑ رکھا تھا۔

”بہت اچھی قیمت تو خیر نہیں لگ سکتی البتہ میرا اندازہ ہے کہ دو ہزار تو مل ہی جائیں گے۔“

الیاس چودھری نے اب کی بار نظروں ہی نظروں میں شیخ صاحب کو تولتے ہوئے پرسوچ انداز میں کہا تھا۔

”بیچ دوں......شیخ صاحب کو...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ابو؟“

اس نے دلگرفتگی کی حد کر دی، لگتا تھا ابھی رونے لگے گا۔

”یہ سننے سے پہلے میں مر کیوں نہیں گیا؟......آپ جانتے نہیں ہیں میں شیخ صاحب سے کتنی محبت کرتا ہوں۔“ شدت جذبات سے چور لہجے میں کہتے ہوئے اس نے بڑے پرزور انداز میں شیخ صاحب کے سر کا بوسہ لے ڈالا۔ شیخ صاحب کا نام ہی شیخ صاحب تھا ورنہ تھا تو بکرا ہی۔ اسی بے تکلفی پر خاصا برا مناتے ہوئے سر تیمور کے پیٹ میں مارا تھا۔

”آہ......“ ادھر اس کی کراہ نکلی ادھر الیاس چودھری کا قہقہہ۔

تیمور نے کن انکھیوں سے انہیں خوشگوار حیرت سے دیکھا وہ تو گھر میں ہوتے تھے تو مسکراتے تک نہیں تھے مبادا کہ قہقہہ۔

”اور کرو تم اس سے عشق اور مرو اس کے لئے یہ تو تمہیں ٹکریں مار رہا ہے۔“

ان کے لئے یہ بڑا زبردست لطیفہ تھا۔

تیمور مسکراتا رہا اور ہلکے پھلکے لہجے میں بولا۔

”یہ تو اکیسویں صدی کا مزاج ہے ابو......جس سے بھی محبت کرو وہ ٹکریں ہی مارتا ہے۔“

”طنز کر رہے ہو۔“ مسکراہٹ غائب۔

”میری یہ مجال؟“

”بکواس مت کرو۔“ وہ گرجے۔

”اچھا جی۔“ وہ بھی سعادت مند بن گیا۔ سر جھکا لیا مگر آنکھوں کی شرارت نہیں گئی۔

اور یہی شرارت الیاس چودھری کو اندر تک جلا کر خاک کرتی تھی۔

”نالائق، نا ہنجار......بس باپ کا مذاق اڑاتے رہنا اور اور کچھ مت کرنا۔“ وہ بھڑکے۔

”اور یہ تم دفتر کیوں نہیں جا رہے......میں دو دن سے دیکھ رہا ہوں ہر وقت ہڈ حراموں کی طرح چار پائی توڑتے رہتے ہو۔“

”لیں جی یہاں تو معاملہ ہی صاف ہے۔“ تیمور نے بنا برا منائے سب کی جانب دیکھ کر دہائی دی پھر ان کی طرف دیکھا۔

”میں نے سوچا آپ اکیلے گھر پر رہ کر کیا کریں گے اس لئے دو دن سے آپ کو کمپنی دینے کی غرض سے رک رہا ہوں اور آپ کہہ رہے ہیں چار پائی توڑتا رہتا ہوں۔“ اسے اپنے خلوص کو نہ پہچانے جانے پر خاصا صدمہ پہنچا تھا۔

”نا......تو تم کیا میری ٹانگیں دباتے رہتے ہو۔“ وہ لڑاکا عورت کی طرح ہاتھ نچا کر بولے۔

”دباتا نہیں ہوں تو کیا ہوا اب دبا دیتا ہوں۔“ وہ اٹھ کر ان کی طرف آیا اور جس قدر جارحانہ انداز میں آیا وہ الیاس چودھری کو بوکھلا دینے کے لئے کافی تھا۔

”جاؤ جاؤ معاف کرو۔“ وہ اپنی بوکھلاہٹ ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے تبھی تیز تیز قدم اٹھاتے زینے کی جانب بڑھے۔

”ہم کوئی فقیر ہیں جو معاف کریں؟“ تیمور برا ماننے کے باوجود پیچھے پیچھے تھا۔

''او جان چھوڑو میری مجھے نہیں دبوانی ٹانگیں۔'' وہ جھنجھلائے۔

''کیوں نہیں دبوانی......اور نہیں دبوانی تو پہلے کیوں کہا تھا۔'' تیمور انہیں پوری طرح زچ کر دینا چاہتا تھا تب ہی کمرے تک پہنچا کر آیا۔

''ابو نے کمرے کی چٹخنی چڑھا دی ہے......اب بڑی دیر تک نیچے نہیں آئیں گے۔''

وہ اپنے کارنامے پر ہنس رہا تھا۔

''تیمور!''

''جی امی!'' اس نے اپنی ہنسی پر قابو پانے کی کوشش کی۔

''تم آفس کیوں نہیں جا رہے۔''

تیمور ہنستے ہنستے بالکل خاموش ہو گیا فوراً ہی اس سے کوئی جواب نہیں بن پایا تھا۔

''ابو کی وجہ سے امی!'' اس نے سر جھکا کر کہا۔

''اب تم مجھ سے بھی جھوٹ بولو گے؟'' وہ بولیں۔

''تمہارے ابو تو پہلے بھی اکثر گھر پر ہوتے تھے تب تو تم نے کبھی چھٹی نہیں کی۔''

تیمور سر کھجاتے ہوئے مدد طلب نظروں سے ثانیہ کی طرف دیکھنے لگا وہ بھی کیا کر سکتی تھی ناچار دونوں کو سچ اگلنا پڑا۔

حلیمہ کیا کہتیں خاموش رہیں۔ بعض اوقات انسان مایوس نہیں ہوتا مگر کوئی غیر متوقع اطلاع زندگی میں در آنے والی مایوسی کا خدشہ ضرور بن جاتی ہے۔

''اللہ بہر حال مسبب الاسباب ہے......ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔''

حلیمہ کے لبوں پر بڑی حوصلہ کن مسکراہٹ تھی جو واقعی تیمور اور ثانیہ کی ہمت تھی۔

میں نے دو تین جگہوں پر اپلائی کیا ہے۔ بس آپ دعا کریں۔''

''میری تو ساری دعائیں ہی تمہارے لئے ہیں۔'' حلیمہ نے مسکراتے ہوئے تیمور کی پیشانی کو چوما تھا۔

''تیمور سرشار سا ہو گیا۔

''میں نے بھی آج فاروق صاحب سے ہوم ٹیوشن کی بات کی ہے۔'' ثانیہ بولی۔

''اچھا پھر؟'' تیمور نے پوچھا۔

''پھر یہ کہ انہوں نے خاصا تسلی بخش جواب دیا ہے دو ایک روز میں ارینج کر دیں گے۔''

''ثانیہ......'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد حلیمہ نے اسے مخاطب کیا تھا۔

''سب سے کہو وضو کر کے آجائیں مغرب کی اذان سے پہلے آیات کریمہ کا ورد کر لیتے ہیں۔'' پھر انہوں نے تیمور کو مخاطب کیا۔

”تم جا کر بازار سے تبرک کے لئے کوئی میٹھی چیز لے آؤ۔“

☆......☆......☆

اس کی بے چینی و بے قراری حد سے سوا ہوئی جاتی تھی۔ انتظار کی اذیت وہی محسوس کرتا ہے جو انتظار کی کیفیت سے گزرا ہو۔ اپنے بے چین و مضطرب دل کو تسلیاں دیتے ہوئے ایک بار پھر رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔

”ٹائم کیا ہو رہا ہے وریشہ؟“ جتنی بار اپنی واچ پر نگاہ ڈالی اتنی ہی بار تصدیق چاہی۔

”وہی جو تمہاری گھڑی پر ہوا ہے...... ویسے بھی چند لمحے گزر جانے سے وقت بدل نہیں جاتا۔“ وہ سر جھکائے اسٹرا کے ذریعے جوس پی رہی تھی۔

”اس ساری صورتحال کو خود پر اتنا سوار مت کرو اسوہ...... حارث بس آتا ہی ہوگا۔“ لاشعوری طور پر خفیف سے طنز کے بعد اس نے تسلی دینے کی کوشش کی تھی ساتھ ہی ہال کے مین انٹرنس کی جانب دیکھا۔

اسوہ کو اس کے لہجے کا وثوق کسی طور قابل یقین نہیں لگا، مگر انتظار کی کیفیت میں مبتلا انسان کو احساس امید کے ذرا بھی ادھر ادھر ہو جانے سے گہری ٹھیس پہنچتی ہے۔

اس کا دل چاہتا تھا وریشہ کی بات پر یقین کرلے اور مطمئن ہو کر اس کی راہ دیکھے۔ مگر اگلے ہی پل طرح طرح کے اندیشے خاردار جھاڑیوں کا سا بدن لئے اس کی سماعت کو چھیدنے لگتے تھے۔

”وہ نہیں آئے گا وریشہ...... میرا دل کہتا ہے۔“ اس نے بے بسی سے سر دونوں ہاتھوں میں گرالیا۔

”نہیں آئے گا تو میں اسے اس کے گھر سے برآمد کرلاؤں گی۔“ وریشہ نے محض اس کی پریشانی کم کرنے کی غرض سے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔

”لیکن وہ ضرور آئے گا اتنا تو اپنی زبان کا پاس رکھے گا ہی۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے آنے کا۔“

”اس نے مجھ سے بھی کئی وعدے کیے تھے مگر ان میں ایک بھی پورا نہیں کیا۔“

اس کے لبوں پر بڑی بے بس سی مسکراہٹ پھیلی تھی۔

”اسوہ! ایک بات کہوں؟ یہ مت سمجھنا میں حارث کو ڈیفینڈ کر رہی ہوں۔“ وہ جھجکتے ہوئے بولی۔

”اسے تھوڑا وقت دو اسوہ...... وعدے پورے کرنے میں کچھ وقت تو لگتا ہے۔“ اس کا انداز ناصحانہ تھا۔

”کتنا وقت؟“ اسوہ نے بے ساختگی سے سر اٹھایا۔

”چار مہینے؟...... دس مہینے؟ ایک سال؟ میں اسے اپنی پوری زندگی دے سکتی ہوں وریشہ! مگر وہ مجھ سے مانگے تو سہی...... ایک بار آ کر تو کہے کہ اسوہ تھوڑا سا وقت یا سال یا پوری زندگی، میں نے کہا نا میں پوری زندگی دے سکتی ہوں مگر وہ تو چپ کی چادر اوڑھ کر بیٹھ گیا

ہے اور چپ مار دیتی ہے وریشہ!...... بنا کسی آس امید کے انتظار کی سولی پر ٹنگے رہنا بہت مشکل کام ہے......''

وریشہ کو لگا وہ ابھی رو دے گی۔ محسوس کن افسردگی یا شاید مایوسی نے اسے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

اس کی آواز میں نمی کی آمیزش تھی اور لہجے میں تھکن۔

وریشہ نے اسے تسلی دینا چاہی کہ اچھے الفاظ بہت مؤثر مرہم ہوتے ہیں مگر خاموش رہی۔ اسوہ کچھ بھی سمجھنے کی پوزیشن میں نہیں تھی اور بہرحال اپنے مؤقف میں بھی غلط نہیں تھی۔

مگر ایک حقیقت کو کسی بھی صورت نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

سمندر میں چھلانگ لگا کر ایک ہی جست میں دوسرے کنارے تک پہنچ جانے کی آس ہی غلط ہے۔ ہاتھ پیر چلائے بنا کنارہ نہیں ملتا اور ہاتھ پیر چلانے میں وقت اور مشقت دونوں صرف ہوتے ہیں۔

محبت کسی سمندر سے کم تو نہیں۔

وریشہ کچھ مناسب الفاظ تلاش کر رہی تھی کہ اس کا موبائل بجنے لگا۔

اسوہ نے بے قراری سے اس کی جانب دیکھا کیا پتا وریشہ کو کال کرنے والا حارث ہو۔ وریشہ نے بھی پھرتی سے بیگ سے موبائل نکالا تھا مگر دوسرے ہی پل جیسے اس کے وجود پر بھی برف سی آن گری۔

''اُشنا کا ہے۔'' اس نے اپنی چھوٹی بہن کا نام لیتے ہوئے موبائل کان سے لگا لیا۔ اسوہ نے پھر اسی کیفیت میں آ کر کرسی کی پشت سے کمر ٹکا دی۔ وریشہ چند لمحے موبائل فون کان سے لگائے ہوئے، ہوں، ہاں کرتی رہی۔

''دادو جان کی طبیعت خراب ہے...... مجھے جانا پڑے گا۔'' موبائل آف کرتے ہوئے اس نے کسی قدر شرمندگی سے کہا تھا۔

اسوہ بولی۔

''اٹس او کے وریشہ! تمہاری یہاں موجودگی سے زیادہ گھر میں موجودگی ضروری ہے۔''

''چلو میں تمہیں ڈراپ کر دیتی ہوں۔'' وریشہ تشکرانہ مسکراتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میرے پاس گاڑی ہے۔'' اسوہ نے کہا۔

''حارث نے کہا تھا وہ چار بجے تک آ جائے گا ابھی تو صرف پونے پانچ ہی ہوئے ہیں...... تم تھوڑا اور ویٹ کرو، وہ بس آتا ہی ہوگا۔''

''انتظار تو کرنا ہی پڑے گا انتظار نہیں کروں گی تو اور کیا کروں گی؟'' وہ پھر افسردگی سے مسکرا دی۔ وریشہ نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے پھر مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ پرجوش، تسلی آمیز انداز میں دبا کر چلی گئی۔

اسوہ اسے جاتا دیکھتی رہی پھر لاشعوری طور پر سارے ہال میں نگاہ دوڑائی تقریباً سبھی ٹیبلز بھری ہوئی تھیں۔

وہ بے زار سی ہو کر گلاس سے باہر جھانکنے لگی۔

باہر کے منظر کو کہر کی باریک تہہ نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا، منظر آہستہ آہستہ تاریکی میں ڈھلتا رہا اور اس کا انتظار کثیف مایوسی میں۔

بالآخر دو گھنٹے طویل انتظار کے بعد اٹھ کھڑی ہوئی۔

بوجھل دل کے ساتھ گاڑی ریورس کی جانے یہ کون سی سڑک تھی۔ کس طرف کو جاتی تھی۔

بس وہ گاڑی دوڑاتی چلی گئی۔ بوجھل دل دہائیاں دے رہا تھا۔

''یہ مت کرو حارث!...... جو تم کر رہے ہو مت کرو میں تو اپنے آپ میں مگن تھی کس قدر پرسکون تھی میری زندگی...... خاموش پرسکون ندی کی طرح بہتی ہوئی، تم نے آ کر ہلچل پیدا کی تھی...... میرے اندر سوئی ہوئی لڑکی کو جگایا تھا میں تمہارے بغیر کیسے جیوں گی بھلا۔''

وہ اس قدر ذہنی پراگندگی کا شکار تھی کہ سامنے سے آتی گاڑی بھی بروقت نہ دیکھ سکی بمشکل بریک لگایا۔ گاڑی کا ٹکراؤ تو نہ ہوا البتہ اس کا اسٹیئرنگ سے کافی زور سے سر ٹکرا گیا تھا۔

اس نے بے ساختہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

شاید وہ ہوا میں معلق تھی اس کے حواس اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ تب ہی اس کی جانب کا دروازہ کھلا۔

''اسوہ! تم ٹھیک ہو؟'' کسی نے پریشانی سے پوچھا اس نے گردن موڑ کر دیکھا اسے شاہنواز کا چہرہ دکھائی دیا۔

''اسوہ...... اسوہ۔'' وہ کچھ اور بھی کہہ رہا تھا مگر وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ وہ تو یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ اس کی آنکھوں سے ٹپاٹپ آنسو گر رہے تھے۔

اور یہ آنسو شاید بہہ نکلنے کا بہانہ ہی چاہتے تھے۔ چند ہی لمحوں میں اس کی سسکیاں بندھ گئی تھیں۔

❁ ❁

ناول **بساطِ دل** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات آپ آنے والی ان تاریخوں (15^{th}, 20^{th}, 25^{th}) میں پڑھ سکیں گے۔

دروازہ ثانیہ نے کھولا تھا۔

''السلام علیکم......کیا نرمین یہیں رہتی ہے؟''

کھنکتی ہوئی آواز والی وہ بے حد کیوٹ سی لڑکی تھی۔

''جی ہاں......یہیں رہتی ہے......آپ؟''

''اوہ تھینکس گاڈ......گھر تو ملا۔''اس نے بہت بے ساختگی سے اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

''میں تو بھائی سے کب سے کہہ رہی تھی کہ یہی گھر ہوگا نرمین نے اسٹیپس والا گھر بتایا تھا اور اس گلی میں صرف یہی ایک گھر ہے جس کے آگے اسٹیپس ہیں مگر فاران بھائی بھی بس فاران بھائی ہی ہیں۔مجال ہے جو کبھی میری سن لیں۔''

ثانیہ بہت دلچسپی سے اسے دیکھنے لگی بلیک جینز کے ساتھ بے بی پنک لانگ شرٹ میں ملبوس، سارے بال سمیٹ کر چھوٹی سی پونی ٹیل بنائے بے تکلفی سے بولتی وہ لڑکی ثانیہ کو بہت کیوٹ لگی تھی۔

''ویل آئی ایم شمع......شمع زوار......نرمین کی فرینڈ ہوں میں۔''

اسے شاید اپنا تعارف کروانا دیر سے یاد آیا تھا۔ثانیہ مسکرادی۔

''میں نرمین کی بڑی بہن ہوں ثانیہ......آپ اندر آیئے۔''اس نے ایک طرف ہو کر راستہ دیا۔

''یہ کیا نام ہوا بھلا؟ آپ کا نام تو کچھ مختلف سا ہونا چاہیے تھا جیسے ماہ نور، ماہ وش یا پھر پری وش......آپ اتنی پیاری ہیں آپ کو تو کوئی ایسا ہی نام سوٹ کرتا۔''

وہ بے تکلفی سے کہہ رہی تھی ثانیہ ہنس دی۔

''تم اندر آکر بھی میری تعریفیں کرسکتی ہو۔''

''ایکچو لی میری مما میرے ساتھ ہیں۔''پھر پلٹ کر بولی۔

''آجایئے مما! نرمین کا گھر یہی ہے۔''

سفید سینٹرو میں سے بہت باوقار سی خاتون برآمد ہوئی تھیں۔انگوری رنگ کا چکن کا سوٹ ان کی سرخ وسپید رنگت پر بہت جچ رہا تھا۔

شمع چند لمحوں کے لئے گاڑی تک گئی تھی اور قریب ہی کھڑے لڑکے سے کسی بحث میں مشغول ہوگئی تھی ثانیہ کو اس لڑکے کی شکل کچھ جانی پہچانی محسوس ہوئی تھی شمع اپنی مما کے احساس دلانے پر پلٹی۔

''سوری......اصل میں جب تک میں فاران بھائی سے بحث نہ کرلوں میری بیٹریز چارج نہیں ہوتیں۔''وہ شرارت سے ثانیہ کو بتا رہی تھی پھر متعارف کروانے لگی۔

”یہ میری مما ہیں اور مما یہ ثانیہ ہیں، نرمین کی بڑی بہن۔“

”جیتی رہو بیٹی۔“ خاتون نے اسے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

”میں ڈرائنگ روم کھول دیتی ہو شمع! بھائی کو بھی اندر بلا لو آخر وہ کب تک گاڑی میں بیٹھے رہیں گے۔“

”اٹس او کے! بھائی اپنے کسی کام سے جا رہے ہیں واپسی پر ہمیں پک کر لیں گے۔“ شمع نے کہا تو وہ ان دونوں کو لئے اندر آ گئی۔

شمع اور بیگم زوار، زبیدہ خالہ کی رشتہ دار تھیں اور انہی کے گھر نرمین سے ملاقات ہوئی تھی۔ بیگم زوار اپنی بڑی بیٹی کے جہیز کے کپڑے حلیمہ سے سلوانا چاہتی تھیں۔

ثانیہ کچن میں آ گئی تاکہ کچھ مہمانداری کے فرائض پورے کئے جا سکیں۔ عانیہ پہلے سے ہی یہیں موجود تھی۔ ثانیہ سکنجبین بنانے کے لئے لیموں نکال رہی تھی جب فون کی بیل بجنے لگی۔

”عانی! ذرا دیکھنا تو۔“

”فون کٹوا نہ دیں یقین کرو ثانی! سارا دن رنگ کالز آتی رہتی ہیں۔“ وہ جھنجھلاتی ہوئی باہر نکل گئی۔

ثانیہ نے سکنجبین بنا کر ٹرے تیار کی اور باہر آ گئی۔

بیگم زوار حلیمہ سے گفتگو میں مشغول تھیں۔ ان کا انداز گفتگو واقعی کمال تھا ٹھنڈے میٹھے لہجے میں گفتگو کرتیں وہ بہت سو بر سی خاتون تھیں۔

دوسری طرف شمع کی طبیعت میں شرارت و بے تکلفی تھی وہ کچھ ہی دیر میں سب سے یوں گھل مل چکی تھی جیسے مدتوں سے جانتی ہو۔

ثانیہ باتیں کرتے ہوئے لاشعوری طور پر شمع کو بغور دیکھ رہی تھی اس کے چہرے میں جو شباہت اسے دکھائی دے رہی تھی اسے وہ فوری طور پر پہچان نہیں پا رہی تھی۔

معاً اس کے ذہن میں کچھ کلک ہوا تھا اسے یاد آ گیا تھا کہ شمع کے چہرے میں اسے کس کی شباہت دکھائی دے رہی ہے۔

بیگم زوار اور شمع کی آمد کا مقصد صرف کپڑوں کی سلائی نہیں تھی بلکہ اپنی آمد کا اصل مقصد انہوں نے جانے سے کچھ دیر قبل بیان کیا۔ وہ نرمین کو اپنی بہو بنانے کی خواہشمند تھیں۔

☆......☆......☆

”لڑکا برا نہیں ہے۔“

اسی رات کھانا کھاتے ہوئے ثانیہ نے کہا تھا۔

”شکر ہے کسی کو تو میری تعریف کرنے کا خیال آیا۔“ تیمور بے حد مشکور ہوا۔

”تمہاری تعریف کس نے کی......ابھی تو ثانی نے صرف یہی کہا کہ لڑکا برا نہیں ہے۔“ شفق مزے سے بولی۔ اس سے پہلے کہ

تیمور کچھ کہتا ثانیہ بولی۔

"میں تمہاری بات نہیں کر رہی، میں فاران کی بات کر رہی ہوں۔"

"فاران؟" تیمور نے استفہامیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"کون فاران؟"

"مسز زوار کا بیٹا فاران زوار۔" ثانیہ نے کہا۔

"اور یہ مسز زوار کون ہیں؟"

"آج ہمارے گھر آئی تھیں......" ثانیہ نے کہا۔

"زبیدہ خالہ کی رشتہ دار ہیں اور......اور وہ نرمین کے لئے اپنے بیٹے کا پرپوزل لائی تھیں۔"

"نرمین کے لئے......" تیمور کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

"لیکن نرمین تو بہت چھوٹی ہے۔"

"تمہاری بہن ہے اور تم سے چھوٹی ہے اس لئے تمہیں بہت چھوٹی لگ رہی ہے ورنہ اتنی عمر میں لڑکیوں کی شادیاں ہو جاتی ہیں یہ کوئی اتنی انہونی بات تو نہیں ہے۔" ثانیہ نے پانی کا گلاس منہ سے لگا لیا تھا۔

"کہنا کیا چاہ رہی ہو تم ثانی......اور تمہیں کیسے پتا کہ فاران اچھا لڑکا ہے۔" عانیہ نے بھی گفتگو میں حصہ لیا تھا اس وقت کمرے میں وہی چاروں موجود تھے۔

"فاران، فاروق صاحب کا فرسٹ کزن ہے میں اکیڈمی میں اس سے مل چکی ہوں۔" ثانیہ نے کہا۔

"اسے دیکھتے ہی مجھے لگا تھا کہ میں اسے جانتی ہوں لیکن فوری طور پر یاد نہیں آیا تھا۔"

"فاروق صاحب کا کزن ہے تو یقیناً اچھا ہی ہوگا۔" تیمور نے متاثر ہوتے ہوئے کہا۔

"کرتا کیا ہے؟"

"مکینیکل انجینئر......" عانیہ نے فوراً اس کی بات قطع کی تھی۔

"اس بات کا کیا سوال کہ وہ کیا کرتا ہے؟"

"امی انکار کر چکی ہیں اور میرا خیال ہے ہمیں اب اس موضوع پر بات ہی نہیں کرنی چاہیے۔"

"بظاہر تو اس پرپوزل میں کوئی خامی نہیں ہے گھرانہ بھی اچھا ہے لڑکا بھی......اگر یہی پرپوزل میرے لئے آتا تو امی کبھی انکار نہ کرتیں۔ ہے نا؟"

"ظاہر ہے۔" عانیہ نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔

”تو کیا صرف اسی وجہ سے اتنا اچھا پرپوزل ریجیکٹ کر دینا حماقت نہیں ہے کہ بڑی بہن کا رشتہ نہیں ہو پا رہا۔“ ثانیہ نے پرزور لہجے میں کہا۔

”ہمیں تو سب کو ہی بیاہنا ہے اصل مسئلہ یہ ہے کہ امی کی ذمہ داریوں میں کمی ہو ان کے کندھوں کا بوجھ کم ہو پھر میری شادی پہلے ہو...... نرمین کی آخر میں، اس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے بالفرض اگلے دس سال تک میرا رشتہ طے نہیں ہو پاتا تو کیا میری وجہ سے باقی سب اسی گھر میں بیٹھی رہیں گی۔“

”چھوٹی بہنوں کے رشتے پہلے طے ہو جانے سے بڑی بہنوں کے لئے کتنے مسائل کھڑے ہو جاتے ہیں...... تم جانتی ہو؟...... لوگ یہ نہیں سوچتے کہ چھوٹی کی قسمت میں پہلے شادی ہو جانا لکھا تھا وہ تو بڑی میں ہی عیب تلاش کرتے ہیں۔“ شفق نے رسان سے کہا۔

”ہر انسان کی قسمت اس کے ساتھ ہوتی ہے۔“ وہ بھی اتنے ہی رسان سے بولی۔

”اگر میری قسمت میں مسائل اور رکاوٹیں ہیں تو مجھے ان کا سامنا کرنا ہی پڑے گا، خواہ میری شادی پہلے ہو یا بعد میں۔ فاران اچھا لڑکا ہے برسر روزگار ہے، گھرانہ شریف ہے۔ آخر اس کے علاوہ ایک رشتے میں اور کیا خصوصیات ہونا چاہئیں؟ میں یہ نہیں کہتی کہ فوراً ہاں کہلوا دی جائے مگر تھوڑی بہت دیکھ بھال کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے...... پلیز تم لوگ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو تم لوگ سمجھو گے تو میں امی کو اپنا پوائنٹ سمجھا پاؤں گی...... امی اور نرمین بھی یقیناً یہ سمجھ رہی ہیں کہ میں اس کے لئے پرپوزل آنے سے ہرٹ ہوئی ہوں حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں...... نرمین اپنی آئندہ زندگی بہت خوش حالی میں گزارے گی۔ یہ سوچ کر مجھ سے زیادہ اور کون خوش ہو سکتا ہے۔

ہو سکتا ہے لڑکیوں کے لئے یہ بات باعث آزار ہو کہ ان کے بجائے ان کی بہنوں کے لئے رشتے آ رہے ہیں...... میں ان لڑکیوں کو بھی غلط نہیں سمجھتی، ہر کسی کا اپنا ظرف ہوتا ہے ہر کوئی اپنی سائیکولوجی کے ہاتھوں مجبور ہوتا ہے...... میں بہر حال اتنی کم ظرف نہیں ہوں۔“

”ہاں لیکن تم یہ تو چاہتی ہو کہ ہر وقت تمہاری واہ واہ ہوتی رہے۔“ عانیہ نے اس کی بات قطع کرتے ہوئے سرعت سے کہا تھا۔ ثانیہ کھانا کھانا بھول کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ تم کیوں چاہتی ہو کہ ہر وقت تمہاری اعلیٰ ظرفی کا بیان ہوتا رہے، تمہاری عظمت کے ترانے گائے جائیں...... تم امی سے کہو گی کہ میں اپنی بہنوں کی بہت بڑی خیر خواہ ہوں نرمین کا رشتہ اچھی جگہ ہو رہا ہے تو آپ کر دیں، میری پروا نہ کریں اور امی آنکھوں میں آنسو بھر کر کہیں گی میری بیٹی کتنی عظیم اور اعلیٰ ظرف ہے خود سے زیادہ بہنوں کی فکر و غم میں ہلکان ہو رہی ہے...... کیا یہ تمہاری خود غرضی و خود پسندی نہیں۔“

ثانیہ چند لمحے خاموشی سے عانیہ کی جانب دیکھتی رہی اسے حقیقتاً عانیہ کی بات سے دکھ پہنچا تھا۔

”میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ تم لوگ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو اگر تم لوگ ہی نہیں سمجھو گے تو میں امی پر اپنا پوائنٹ کیسے کلیئر

کروں گی۔“

”کوئی ضرورت نہیں کچھ بھی کلیئر کرنے کی۔“ عانیہ نے پھر اس کی بات کاٹی۔

”امی نے جو بھی کیا وہ بالکل ٹھیک ہے تم اپنی اعلیٰ ظرفی سنبھال کر رکھو۔“ وہ بدتہذیبی سے بولی۔

”تم میری بات کو بالکل غلط رنگ دے رہی ہو عانیہ“ اس نے کہنا چاہا۔

”ہاں جی غلط بات کو صحیح رنگ دینا تو صرف آتا ہے آپ کو...... ہم اتنے باصلاحیت کہاں؟...... صحیح باتوں کو بھی غلط کر دیتے ہیں۔“ وہ تمسخرانہ بولی۔

ثانیہ نے کچھ کہنا چاہا پھر جوٹھے برتن اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ خلوص کو خود غرضی قرار دیا جائے تو اتنی ہی تکلیف ہوتی ہے جتنی کہ اس وقت وہ محسوس کر رہی تھی خفت الگ کہ عانیہ نے اسے اتنا غلط سمجھا۔

”میں تو سمجھتی تھی یہ صرف میرا دل دکھانا جانتی ہے کیونکہ میں اس کی سگی بہن نہیں ہوں مگر یہ تو کسی کو بھی نہیں بخشتی۔“

شفق نے عانیہ کو اطمینان سے کھاتا دیکھ کر قدرے افسردگی سے سوچا تھا۔

☆......☆......☆

جس وقت اس نے لکڑی کے بڑے سے دروازے کو دھکیلا بادلوں کی کوکھ سے جنم لینے والی ننھی منی سی بوندیں مٹی کی سوئی ہوئی خوشبو کو جگانے میں کامیاب ہو چکی تھیں۔

ٹھنڈی ہوا کے نرم جھونکے کو اپنے چہرے سے ٹکراتا محسوس کر کے اس نے گرم شال کو اچھی طرح سے اپنے گرد لپیٹا اور متلاشی نظریں سارے گھر میں ڈالیں۔ عجب طرح کا سناٹا در و دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا گو کہ دروازہ کھلنے کی آواز بڑی دور تک گونجی تھی مگر سناٹے کی کیفیت نہ ٹوٹی۔

خوب جما کر لپائی کیے ہوئے کچے فرش پر خنک ہوا سہج سہج کر قدم اٹھاتی تھی۔ سامنے کے سب ہی کمروں کے دروازے کھلے تھے مگر اندر سے جھانکتی پراسراری تاریکی اسے جیسے اپنی جانب بلا رہی تھی۔

دیوار سے لپٹی انگور کی بیل کی ٹہنیاں اس حد تک خشک ہو چکی تھیں جیسے مرے ہوئے سانپ لٹکے ہوں بلکہ باریک باریک کیچوے۔

اس قدر خاموشی اتنا سناٹا جیسے کوئی آسیب زدہ جگہ ہو۔

معاً اسے کسی اجاڑ ویران مندر کا خیال آیا تھا اور گھبراہٹ و خوف کی ملی جلی سرد سی لہر دبے قدموں اس کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ گئی تھی۔ اس نے جھرجھری لیتے ہوئے چادر کو اپنے گرد تقریباً کسا اور بے ساختہ زینے کی جانب دیکھا۔ وہاں بھی سناٹا آنکھیں کھولے گویا اسی کو تاک رہا تھا۔

”ارے مومنہ!“

وہ اچھل ہی پڑی۔ آواز تھی ہی اتنی غیر متوقع کتاب بھی ہاتھ سے چھوٹ گئی۔

''آپ......آپ کب آئیں سکینہ بھابھی۔''

پہلے تو کئی پل اسے خوف سے بے طرح دھڑکتا دل سنبھالنے میں لگے پھر جب کچھ اوسان بحال ہوئے تو زمین پر گری کتاب اٹھا کر جھاڑتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''کب کا کیا سوال؟ بس جب تم نے دیکھ لیا میں آ گئی۔'' انہوں نے خلاف توقع ہنس کر گول مول جواب دیا۔

''کیسی ہو؟''

''جی ٹھیک ہوں اور آپ...... بچے دکھائی نہیں دے رہے۔ اتنا سناٹا تھا میں سمجھی گھر میں کوئی بھی نہیں ہے۔''

اس نے گل بانو کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔

''دونوں سو رہے ہیں بہت ڈانٹ کر سلایا ہے بار بار باہر نکلتے تھے بچوں کو سردی بھی تو جلد لگ جاتی ہے۔ تم آؤ اندر بیٹھو۔ میں بھی کتنی پاگل ہوں یہیں کھڑی باتیں کیے جا رہی ہوں۔'' اس انداز پر منی تو بے ہوش ہوتے ہوئے بچی۔

''نن...... نہیں...... بس وہ...... میں باجی جی سے ایک سبق پڑھنے آئی تھی۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

''صرف کتاب والا سبق ہی پڑھا کرو اس سے...... یہی بہتر ہے۔'' سکینہ نے کہا۔

''جی...... میں سمجھی نہیں۔''

سکینہ مسکرا دیں۔

''چھوڑو رہنے دو ابھی تمہاری عمر نہیں ہے سمجھنے والی۔'' اور یہ مسکراہٹ بھی ان کی بات کی طرح منی کے لئے ناقابل فہم تھی۔ رہ رہ کر گل بانو کی پیشانی پر بندھی پٹی یاد جو آ رہی تھی۔

''گل بانو تو گھر پر نہیں ہے تمہارے آنے سے کچھ دیر پہلے ہی باہر نکلی ہے۔''

''اوہ......'' اسے افسوس سا ہوا تو پوچھ بیٹھی۔

''کہاں گئی ہیں کچھ اندازہ ہے کب تک آ جائیں گی؟''

''کیا پتا۔'' سکینہ بھابھی نے کندھے اچکا دیے۔

''اس کے آنے جانے کی خبر اسے خود ہوتی ہے یا اللہ کو...... کوئی کیا جانے۔'' تمسخرانہ لہجہ، مومنہ کو برا لگا گل بانو کے لیے پیغام چھوڑنا چاہتی تھی مگر ارادہ بدل دیا کیا خبر۔ کس انداز میں پیغام رسانی ہوتی۔

''اچھا پھر میں چلتی ہوں۔''

''اپنی امی اور دادی کو میرا اسلام کہنا۔ دادی سے کہنا کبھی فرصت نکال کر ادھر کا چکر لگائیں۔ میں تو آ نہیں سکتی بچے تنگ کرتے

ہیں۔ مجھے کچھ ضروری کام ہے...... تمہیں تو نہیں خبرالبتہ انہیں پتا ہے اس گھر میں گل بانو کے علاوہ بھی کوئی رہتا ہے۔"

سکینہ بھابھی خوشگوار موڈ میں بھی طنز کرنا نہیں بھولی تھیں۔

"جی کہہ دوں گی۔" وہ منہ بنا کر باہر نکل آئی۔

☆......☆......☆

سنسان سڑک پر آتے ہی شاہنواز نے گاڑی کی رفتار بے حد کم کردی تھی۔

"اب بتاؤ اصل معاملہ کیا ہے؟"

"اصل معاملہ؟" اسوہ نے خائف ہو کراس کی جانب دیکھا۔وہ سنبھل چکی تھی مگر آنکھیں بے حد سرخ ہو رہی تھیں اور ماتھے کے دائیں جانب نیل پڑ چکا تھا۔

شاہنواز نے اپنی گاڑی اسی سڑک کے کنارے پارک کردی تھی اور خود اسوہ کی گاڑی میں ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔

جتنی دیر وہ روتی رہی۔ شاہنواز گاڑی یہاں وہاں دوڑاتا رہا۔اس کے خاموش ہونے پر وہ اسے کافی پوائنٹ پر لایا تھا ان دونوں نے کافی گاڑی میں بیٹھ کر ہی پی تھی۔اس دوران بھی ان دونوں کے مابین ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی بلکہ شاہنواز پہلے کافی کی کوالٹی پر اور پھر اس سرد موسم پر اظہار خیال کرتا رہا تھا لیکن یہاں آتے ہی شاہنواز نے یہ سوال پوچھ لیا تھا جس کا اسوہ کو اندیشہ تھا۔

گو کہ اس کا انداز بے حد مشفق و دوستانہ تھا مگر اسوہ خائف ہو گئی تھی۔

"ہاں اصل معاملہ...... میں تمہارے رونے کی وجہ جاننا چاہتا ہوں۔"

اس نے پہلے کے سے انداز میں کہتے ہوئے ایک نظر اسے دیکھا تھا۔

"میں ڈر گئی تھی۔" اس نے نظر چراتے ہوئے کہا۔

"ڈر انسان کو رلا سکتا ہے مگر اتنی شدت سے ہرگز نہیں۔" وہ وثوق سے بولا۔

"تم پہلی بار ڈرائیو نہیں کر رہی تھیں ایسے حادثے کی نوبت بھی پہلی بار نہیں آئی اس سے پہلے بھی تم چھوٹے موٹے ایکسیڈنٹ کرتی رہی ہو اور کبھی اپنی غلطی بھی تسلیم نہیں کی ایسے میں رونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"میں سچ کہہ رہی ہوں شاہنواز بھائی۔ میں ڈر گئی تھی۔" اس نے پھر کمزور لہجے میں کہا۔

"غلط بالکل غلط...... بلکہ جھوٹ...... تمہیں تو ڈھنگ کا بہانہ بنانا بھی نہیں آتا لڑکی! اگر تم یہ کہتیں کہ تم چوٹ لگنے کی وجہ سے روتی رہی ہو تو شاید میں یقین کر لیتا مگر اب تو تم یہ بھی اعتراف کر چکی ہو کہ چوٹ بہت زور سے نہیں لگی۔ مجھ سے سچ بولو اسوہ! ہوسکتا ہے میں تمہاری کچھ مدد کرسکوں۔" بہت احتیاط سے ٹرن لیتے ہوئے اس نے ایک نظر اسوہ کو دیکھا اور اپنے اندازے کی سو فیصد درستگی کا یقین کرلیا۔

اسوہ سر جھکائے بے آواز رو رہی تھی۔

شاہنواز کو از حد شرمندگی ہوئی۔

''آئی ایم سوری اسوہ! میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔''

اس نے گاڑی ایک طرف روک دی تھی اور دائیں ہاتھ سے بہت ہولے سے اس کا سر تھپتھپایا تھا۔

اسوہ کے آنسوؤں میں شدت آ گئی۔ یہ بے بسی کے آنسو تھے جانے کتنے خدشات سے لبریز۔

پھر وہ دھیرے دھیرے شاہنواز کو حارث کے متعلق بتاتی چلی گئی۔

یونیورسٹی میں اس سے پہلی ملاقات، پھر دوستی کا زینہ عبور کرتے ہوئے محبت کی منازل، وعدے وعید اور اب اس کا گریز بلکہ قطعی لاتعلقی، گو کہ قصہ مختصر تھا مگر اس قصے کے اختتام پر جو لامحدود اذیت اس کے حصے میں آ رہی تھی وہ ناقابل برداشت ہوئی جاتی تھی۔

''پھر اب تم کیا چاہتی ہو؟'' طویل خاموشی کے بعد شاہنواز نے پوچھا چند لمحے وہ خاموشی سے ہاتھ مسلتی رہی۔ جانے کیوں وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگی تھی جیسے کوئی غبار چھٹ چکا تھا۔

''یہ تو میں نہیں جانتی کہ میں کیا چاہتی ہوں۔'' وہ جھجکتے ہوئے بولی۔

''مجھے تو صرف اتنا ہی پتا ہے کہ حارث سے ملنے کے بعد میں نے آئندہ زندگی کو کبھی اس کے بغیر تصور ہی نہیں کیا اور حقیقت ہے کہ میں ایسا کرنا بھی نہیں چاہتی۔''

''تم نے خالہ اماں سے ذکر کیا۔'' ایک اور سوال اس کے ذہن میں آیا۔ اسوہ سر جھکائے نفی میں گردن ہلاتی رہی۔

''میں ان سے ہی بات کرنا چاہتی تھی مگر نہیں کر پائی...... اس روز حنان کے آ جانے سے بات ہی نہ ہو سکی۔ آپ کچھ نہیں کہیں گے...... کیا میں نے کوئی غلط بات کی ہے۔'' وہ اس کی خاموشی سے خائف ہو گئی۔

''غلط......'' شاہنواز نے زیر لب دوہرایا۔

''نہیں تم نے کچھ غلط نہیں کیا۔ کسی کو پسند کرنا تو غلط بات نہیں بس یہ ہے کہ کچھ صحیح کام کرنے کے لئے غلط راستوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ ایک الگ بحث ہے اور خاصی طویل...... اس لیے اسے یہیں روک دینا مناسب ہے۔

زندگی کے ہر معاملے میں ہر کسی کی اپنی الگ رائے ہوتی ہے اور کسی کو دوسرے کو بہت اہمیت دینے کے باوجود اس کی رائے کو اپنی پسند ناپسند پر لاگو نہیں کیا جا سکتا اب تم اس معاملے میں بے فکر ہو جاؤ...... میں دیکھتا ہوں تمہاری مدد کس طرح کی جا سکتی ہے۔'' اس نے گاڑی بیک کر کے آگے بڑھائی۔

اسوہ کی دم توڑتی آس کو بہت قوت ملی تھی۔

''رئیلی شاہنواز بھائی! آپ میری مدد کریں گے؟'' اس کی آنکھوں میں گویا جگنو چمک اٹھے تھے۔

''کوشش پوری کروں گا آگے تمہاری قسمت۔ تم دعا کرنا دعاؤں سے قسمت کی مشکلات ٹل جایا کرتی ہیں۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

’’دعا تو میں ضرور کروں گی، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ نہ کروں۔‘‘ وہ مطمئن ہوگئی تھی۔

’’لیکن آپ کریں گے کیا؟ آپ تو کبھی اس سے ملے بھی نہیں ہیں۔‘‘ اسے نئی فکر نے گھیرا۔

’’میں نے کہا نا دیکھتے ہیں کیا ہوسکتا ہے۔‘‘ شاہنواز نے کہا۔

’’اگر وہ تمہارے رابطے میں ہوتا تو میں یہی کہتا کہ سب سے پہلے مجھے اس سے ملوادو لیکن اب اس ساری صورتحال میں تو اسے پہلے تلاش کرنا پڑے گا۔ تمہارا کلاس فیلو تھا وہ۔‘‘ کچھ خیال آنے پر اس نے پوچھا۔

’’نہیں۔‘‘ اسوہ شرمندگی سے گویا ہوئی۔

’’وہ اپلائیڈ فزکس کا اسٹوڈنٹ تھا اور میرا سینئر بھی تھا۔ ایکچولی میری فرینڈ نے مجھے اس سے ملوایا تھا۔‘‘

’’جانتی ہو وہ کہاں رہتا ہے ایڈریس وغیرہ۔‘‘ شاہنواز نے اس کی شرمندگی پر دھیان دیے بغیر اپنا اگلا سوال پوچھا۔

’’وہ علامہ اقبال ٹاؤن میں رہتا ہے وائے بلاک ہاؤس نمبر سی تھرٹی سکس......‘‘ اسے سارا ایڈریس ازبر تھا۔ اس نے پوچھنے پر حارث کا موبائل نمبر بھی شاہنواز کو بتایا تھا۔

’’تمہاری بات ہوتی ہے اس سے؟‘‘

’’ان ڈھائی ماہ میں دو تین بار......وہ بھی بے حد مختصر۔‘‘ اس نے افسردگی سے کہا۔

’’اس ساری بات سے تو بس اتنی ہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ تمہارے ساتھ اتنا مخلص نہیں ہے جتنا کہ تم ہو۔‘‘

’’ایسا مت کہیں شاہنواز بھائی۔‘‘ وہ تڑپ کر بولی تھی۔

’’بی بریو اسوہ......زندگی میں بہت ساری باتیں خلاف توقع ہوتی ہیں اور ہمیں ناقابل برداشت لگتی ہیں مگر بہرحال انہیں سہنا پڑتا ہے یہی زندگی ہے تم بس دعا کرو اور اپنی اسٹڈیز پر دھیان دو سب سے پہلے تو یہی پتا چلانا ہے کہ حارث صاحب کتنے پانی میں ہیں۔‘‘

یہ آخری جملہ اس نے زیرِلب کہا تھا اور کسی اعدادوشمار میں گم ہوگیا تھا۔

اسوہ کی نئی آس بندھی تھی۔ دور تاریکی میں سنہری روشنیاں جھلملاتی دکھائی دینے لگی تھیں۔

☆......☆......☆

وہ بے حد تھک چکی تھی۔

اگرچہ آپا بیگم کو وعدہ کرکے مکر جانے کی عادت تھی مگر چونکہ اس بار وعدہ بہت ہی خاص الخاص ہستی سے کیا گیا تھا اس لیے مکرنے کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا تھا حالانکہ ہمایوں سلیمان نے اسے روکنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگادیا تھا۔

کچھ جھنجلاہٹ، کچھ چیونٹیوں کی طرح ہڈیوں میں رینگتی ہوئی تکان۔

اس کی بس ایک ہی خواہش تھی کہ بستر پر گرے اور ہوش وخرد سے بیگانہ ہوجائے۔ ’’گلشن نگر‘‘ میں داخل ہوتے ہی اس نے

پیروں کو ہائی ہیل سینڈل کی قید سے آزاد کر لیا تھا اور دونوں سینڈل ہاتھ میں لیے ننگے پیر کمرے کی جانب بڑھ رہی تھی۔

ذہن گو کہ خالی تھا مگر بے زاری حد سے سوا۔ ابھی تو اس مصیبت کا بھی سامنا کرنا تھا جس کی وجہ سے آپا بیگم نے ہمایوں سلیمان جیسی موٹی آسامی کی بھی پروا نہیں کی تھی۔ اس کے ہر قدم کے ساتھ بھاری آویزے آگے پیچھے جھول کر گردن سے ٹکرا رہے تھے اس نے کمرے کا دروازہ دھکیلتے ہوئے بے دردی سے آویزہ کھینچ ڈالا مگر اندر داخل ہوتے ہی گویا دھک سے رہ گئی۔ جو منظر اس کی آنکھوں نے دیکھا وہ اس کی توقعات کے بالکل برعکس تھا۔

مظہر صوفے پر بہت اطمینان سے بیٹھا تھا جب کہ وہ لڑکی کھڑکی کے سامنے رکھے صوفے کی پشت سے لگی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس نے نماز کے انداز میں اپنی چادر اوڑھ رہی تھی۔ بڑی بڑی آنکھوں میں بلا کا ہراس تھا۔ مظہر نے دروازہ کھلنے کی آواز پر گردن موڑ کر ادھر دیکھا تھا۔

''ارے گیتی۔''

اس کی آواز نے گیتی کے ساکت صامت وجود میں گویا بجلی سی دوڑا دی تھی۔

وہ سینڈل ایک طرف اچھالتی تیر کی سی تیزی سے لڑکی کی جانب لپکی اور بازو سے کھینچ کر اپنے پیچھے کرتے ہوئے گویا اپنی پناہ میں لے لیا تھا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' وہ تقریباً غرائی تھی۔

''میں نے پوچھا تم یہاں کیا کر رہے ہو۔''

مظہر کو مسلسل خاموش دیکھ کر اس نے سوال دہرایا۔ اس کی آواز پہلے سے زیادہ بلند اور ناگواری کا تاثر لیے ہوئے تھی۔

''میں۔'' مظہر نے مزید آرام دہ پوزیشن اختیار کرتے ہوئے جیسے پل بھر کو سوچا۔

''میں فی الحال تو کچھ نہیں کر رہا البتہ تھوڑی دیر پہلے ان محترمہ کا بائیو ڈیٹا جاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے میرے کسی سوال کا جواب نہیں دیا۔ گونگی ہے؟''

بڑی دلچسپی سے پوچھتے ہوئے اس نے ترحم بھری نظر لڑکی پر ڈالی تھی جس کے کپکپاتے ہاتھ جیسے آخری آسرے کے طور پر گیتی کا بازو تھامے ہوئے تھے۔

''گونگی ہے، بہری یا لولی لنگڑی ہے۔ تمہیں اس سے کیا؟'' وہ دانت پیس کر بولی۔ لاشعوری طور پر اس نے اپنا ہاتھ لڑکی کے کپکپاتے ہاتھ پر رکھا تھا۔

''اور تمہاری ہمت کیسے ہوئی بنا اجازت میرے کمرے میں آنے کی؟''

''تم بھی تو بنا اجازت دل میں گھس آئی تھیں۔ ہم نے تو یہ سوال نہیں پوچھا۔''

دونوں ہاتھ آپس میں ملا کر سر کی پشت پر رکھتے ہوئے اس نے دنیا جہاں کا شوق نگاہوں میں سمو کر گیتی کو دیکھا۔

گیتی سے ضبط مشکل ہو گیا۔

''تم ابھی اٹھو مظہر اور یہاں سے نکل جاؤ۔'' اس نے شہادت کی انگی سے دروازے کی جانب اشارہ کیا۔مظہر چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر مصلحانہ انداز میں بولا۔

''کیوں بھاؤ کھا رہی ہو؟ میں نے اس ''ملانی'' کو کچھ نہیں کہا۔ میں تو جاتے ہوئے تم سے ملنے آیا تھا۔ رات جانے کیا ہوا، کچھ بھی ذہن میں نہیں۔ بس اتنا یاد ہے کہ رات میں بہت موڈ سے آیا تھا۔

جب تم غصہ میں ہوتی ہو تو اور خوبصورت لگنے لگتی ہو جیسے گھپ اندھیرے میں کسی نے موم شمع کو روشن کر دیا ہو۔

اپنی بھی کیا قسمت ہے، سامنے سمندر ہے اور ہم صحرا میں بھٹک رہے ہیں۔ سمجھو کنویں کے مالک ہیں پھر بھی پیاسے ہیں۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر گیتی کے قریب آ گیا تھا۔

''اتنی کٹھور مت بنو میری جان۔'' اس نے انگلی سے اس کے گال کو چھوا تھا۔گیتی نے نفرت سے منہ موڑ لیا۔وہ ہنس دیا۔

''بھوک اور پیاس حد سے بڑھ جائے تو گناہ بھی ثواب لگنے لگتا ہے۔یاد رکھنا۔'' اس کی نظریں گیتی کے چہرے سے پھسلتی ایک اور چہرے پر جا رکی تھیں۔

گیتی نے قہر آلود نظریں اس پر ڈالیں۔ اپنی ہی ذو معنی بات پر وہ بہت خوبصورتی سے مسکرا دیا تھا۔گیتی کا دل چاہا اتنی زور سے گھونسا رسید کرکے وہ مسکرانا بھول جائے مگر ایسی باتیں صرف وہ سوچ سکتی تھی ان پر عمل کرنا انتہائی مشکل بلکہ ناممکن تھا۔

''تم چلے جاؤ مظہر۔'' غصے کی شدت سے اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

''جا رہا ہوں۔'' وہ ہنستے ہوئے زور دے کر بولا۔

''ویسے ناٹ بیڈ۔'' وہ شرارت سے اس لڑکی کی جانب اشارہ کرتا چلا گیا۔گیتی کے تو مانو تن بدن میں آگ ہی لگ گئی۔ساتھ ہی ساتھ ایک نئے اندیشے کا احساس اسے ہونے لگا تھا۔

وہ چند قدم آگے آئی اور دیر تک بند دروازے کو دیکھتی رہی پھر ایک آواز نے اسے متوجہ کیا۔وہ پلٹی۔وہ لڑکی دیوار سے لگی زمین پر بیٹھ چکی تھی۔اس نے لبوں پر دونوں ہاتھ مضبوطی سے جما رکھے تھے۔گویا سسکیاں دبا رہی تھی۔

''دیکھ لیا محبت کا انجام۔'' گیتی نے دوسرے کان سے بندا گھسیٹا۔

''رات کے اندھیرے میں گھر چھوڑنے والی لڑکیوں کا انجام اس سے زیادہ برا اور کیا ہو سکتا ہے۔اب بنو روز کسی کی ہوس کا نشانہ اور دعائیں دو اس شخص کی محبت کو جس کی خاطر تم گھر سے نکلی تھیں۔'' وہ انگارے چبا رہی تھی۔

''تم غلط سمجھ رہی ہو۔'' روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

''میں دھوکے سے یہاں آئی ہوں بلکہ......لائی گئی ہوں۔''

"پھر وہی دھوکا۔" گیتی تلخی سے مسکرادی۔ "یہ دھوکا تو سارے فساد کی جڑ ہے، کبھی محبت کے نام پر......"

"زندگی کا ہر غم، محبت کا غم نہیں ہوتا گیتی! کچھ غم، کچھ مجبوریاں محبت نام کا کھوکھلا جواز تلاش نہیں کرتیں لیکن تم نہیں سمجھوگی، سمجھ ہی نہیں سکتیں کیونکہ تم نے محبت سے بڑا غم نہیں سہا۔" اس نے گال پونچھتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔

"بکواس بند کرو اپنی، میرا سر درد سے پھٹ رہا ہے اور مجھے تمہارا فلسفہ نہیں سننا۔" وہ بالوں سے پنیں نکال رہی تھی اور ڈریسنگ ٹیبل پر اچھال رہی تھی۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ وارڈ روب کی جانب بڑھی۔ ایک جوڑا نکال کر باتھ روم کی جانب بڑھی پھر رک گئی۔ ایک نظر اس نے بیڈ کے دائیں جانب بچھی جائے نماز کو دیکھا تھا جس کا کونا مڑا ہوا تھا۔

"میں نے تمہیں لمبی لمبی نمازیں پڑھتے دیکھا ہے، اب کچھ نوافل شکرانے کے پڑھو۔ ہو سکے تو کوئی وظیفہ شروع کر دو۔ یہ جو ابھی یہاں سے گیا ہے نا، دس کوس سے کھانے کی بو پہچان لیتا ہے۔ تمہیں تو پھر بھی اس قدر نزدیک سے دیکھ گیا ہے۔ پتا نہیں اللہ نے ہر آزمائش میرے لیے ہی کیوں رکھ چھوڑی ہے۔"

واش روم کا دروازہ ایک زوردار آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔

☆......☆......☆

"کہنے کو پانچ پانچ بہنیں ہیں میری مگر مجال ہے جو کبھی کسی نے میرا ایک بھی کام کر کے دیا ہو۔"

تیمور انتہائی دکھ بھرے لہجے میں دہائی دے رہا تھا۔ جھنجلاہٹ و بے بسی چہرے پر لکھی تھی۔ البتہ جگر جگر کرتی آنکھوں کی شرارت ماند نہ پڑی تھی۔

"جھوٹ ایک دم جھوٹ۔" ثانیہ کی ملامت کرتی آواز پہلے آئی تھی۔ چہرہ بعد میں دکھائی دیا تھا۔ ایک ہاتھ میں چمٹا، دوسرا ہاتھ کمر پر اور چہرے پر کمال کی شکایت۔

"پرسوں میں نے چائے بنا کر نہیں دی تھی اور وہ بھی تمہاری پسند کے عین مطابق۔ یعنی انتہائی بدمزا...... تین چمچے چینی دو قطرے دودھ۔" وہ چمٹے والا ہاتھ خوب لہرا رہی تھی۔

تیمور فوراً کانوں کو ہاتھ لگانے لگا۔

"توبہ توبہ...... استغفار! بولتے ہوئے تھوڑا سوچنا چاہیے۔ بہن جی! یہ جو اللہ تعالیٰ نے بٹھا رکھے ہیں نا دونوں کندھوں پہ، یہ فوراً تحریری کارروائی مکمل کر لیتے ہیں پھر کوئی چھوٹ بھی نہیں ملتی۔"

"جھوٹ کون بول رہا ہے میں یا تم؟ یاد کرو، میں نے پرسوں چائے بنا کر دی تھی۔"

"یاد وہ کرے جو بھول گیا ہو۔ انسان اچھی باتیں یاد رکھتا ہے یا پھر بری۔ تمہاری بنائی ہوئی چائے میں نے ایک مہینہ قبل پی تھی۔ بروز جمعۃ المبارک بعد نماز عصر۔ یقین کرو ثانی بہن! اتنی بدمزا چائے میں نے ساری زندگی میں نہیں پی تھی۔ ابھی بھی یاد کروں تو کڑواہٹ

منہ میں گھل جاتی ہے۔''

''کوئی نہیں تیمور بھائی! ادھر تو سب سے اچھی چائے ثانیہ آپی ہی بناتی ہیں۔ جب کوئی مہمان آتا ہے تو امی آپی سے ہی چائے بنانے کے لیے کہتی ہیں۔'' نرمین نے جھٹ سے اس کی سائیڈ لی۔

''یہ بات نہیں ہے نرمین! اصل میں ہماری امی جان بڑی ہی عقل مند خاتون ہیں۔ مہمان دیکھ کر تواضع کرتی ہیں اور جس مہمان کو گھر کا راستہ بھلانا مقصود ہو، اسے ثانی کے ہاتھ کی چائے پلوا دیتی ہیں۔''

''چلو چلو اب یونہی مت ہانکو، ہم نے کبھی مہمان کی حیثیت مدنظر نہیں رکھی، ہمیشہ اپنی حیثیت دیکھی ہے اور اللہ کا شکر ہے کبھی کسی کی شکایت بھی نہیں ہوئی بہر حال تم نے یہ تو تسلیم کیا کہ تمہاری پانچ بہنوں میں سے کسی نے تمہارا کام کیا ہے۔'' وہ پلٹ کر کچن میں چلی گئی۔

''پہلے مجھے شک تھا اب یقین ہو گیا ہے کہ عانی ہی میری سب سے اچھی بہن ہے۔'' تو پوں کا رخ مڑ گیا۔

''ایک کام کرتی ہے اگلے ہی دن تک جتاتی ہے مگر بھول جاتی ہے۔ تمہاری طرح تھوڑا ہی ہے کہ مہینوں سے یاد رکھا ہوا ہے کہ موقع ملے تو جتاؤں۔''

عانیہ ڈائجسٹ کی ورق گردانی میں مشغول تھی فوراً بولی۔

''ایسا ہی برا لگتا ہے میرا جتانا تو اپنے کام خود کر لیا کرو۔ کیوں ذرا ذرا سے کام کے لیے مجھے پکارتے ہو، لوگ ہاتھ پیر سے ناکارہ ہوتے ہیں پھر بھی اپنے کام کے لیے کسی کو تنگ نہیں کرتے یعنی کسی پر بوجھ نہیں بنتے۔ تم تھوڑے سے ویک ہو تو کیا ہوا خیر سے ہو تو پورے......'' بنا اپنا کام ترک کیے اس نے اطمینان سے کہا۔

تیمور صدمے سے چور لہجے میں حلیمہ کو پکارنے لگا۔

''ماں، میری پیاری ماں، کہاں ہیں آپ؟ یہاں آپ کی آنکھوں کے تارے کی صحت کو نظر لگائی جا رہی ہے۔ در پردہ بددعاؤں سے نوازا جا رہا ہے۔''

''گستاخی معاف......لیکن تمہاری صحت تو مجھے پہلے ہی کسی نظر کے زیر اثر لگتی ہے تب ہی تو یہ حال ہے مزید کی گنجائش کہاں۔''

''ماں......ماں......'' وہ پھر پکارنے لگا۔ سب ہی کے چہروں پر مسکراہٹ روشن تھی۔ مگر شفق مسکرا بھی نہ سکی اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔ کسی قدر افسوس سے وہ عانیہ کو دیکھنے لگی۔ کیسے اس نے منہ بھر کر کہہ دیا تھا بھلا ایسے بھی بولتے ہیں کبھی۔

لفظ ہی تو انسان کی پہچان بناتے ہیں خواہ وہ کسی اپنے کے لئے استعمال کیے گئے ہوں یا پرائے کے لئے۔ اصل بات صرف احساس کی ہے، جس انسان کے دل نے احساس کرنا سکھ لیا اسے الفاظ استعمال بھی خود بخود آ جاتا ہے۔

''لاؤ تیمور! میں تمہاری شرٹ استری کر دیتی ہوں۔'' اس نے آگے بڑھ کر تیمور کے ہاتھ سے شرٹ لینا چاہی۔

''تم رہنے دو۔ بلکہ تم صرف آرام کرو ایسا نہ ہو دوسرا پاؤں بھی جائے کام سے۔''

شفق کے پیر کا زخم بھر چکا تھا صبح وہ اسکول جانے کے لئے تیار ہوتی تھی مگر برآمدے کی سیڑھی پر جانے کس طرح پیر پڑا کہ موچ آ گئی اور موچ اتنی شدید تھی کہ چند قدم اٹھانا بھی محال تھا۔

''لائیں تیمور بھائی! میں ہی کر دیتی ہوں آپ بھی کیا یاد کریں گے۔'' زرمین نے کہا پھر شرارت سے بولی۔

''ویسے اس سے ایک بات بتا چلتی ہے شفق بجو خود کو آپ کی سب سے ''اچھی بہن'' ثابت کرنا چاہتی ہیں...... کیوں بجو......؟'' اس نے شرارت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔ شفق نے گھبرا کر بات پلٹی۔

''کہاں کی تیاریاں ہیں؟'' وہ تیمور سے مخاطب تھی۔

''صبح انٹرویو ہے۔''

بہت خوب...... انٹرویو صبح ہے اور شرٹ آپ ابھی استری کروا رہے ہیں۔'' زرمین بولی۔

''کل کو بھی تو کسی نہ کسی کی منتیں کرنا پڑتیں، میں ابھی فارغ تھا سو چاہی کام نبٹا لوں۔'' وہ کمال بے نیازی سے بولا۔

''تم بھی نا تیمور......!'' عانیہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اس بات پر ایک لطیفہ یاد آ رہا ہے...... سناؤں؟ اچھا تو ایک سردار نے دوسرے سردار سے کہا۔'' کشف ہنسنے لگی۔

''تمہیں کیوں ہنسی آ رہی ہے؟'' تیمور حیران ہوا۔

''لطیفہ جو سنا رہے ہیں آپ۔'' وہ معصومیت سے بولی سب کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''سارا زمانہ لطیفہ سن کر ہنستا ہے، یہ پہلے ہنس لیتی ہے۔'' عانیہ بولی۔

''کیا ہو رہا ہے؟'' الیاس چودھری کی آواز نے ان سب کو متوجہ کیا تھا۔ غضب ناک چہرہ لئے وہ دروازے میں ایستادہ تھے۔

''ہاں ہاں اب بھی ہنسو۔ باپ کے پیٹھ پیچھے اس کی ہنسی اڑاتے حیا نہیں آتی تو سامنے بھی کس بات کی شرم...... بدذات، بے حیا، جیسی خرد دماغ ماں ویسی ہی اولاد...... باپ کی قبر پر بھی قہقہے لگانا تب تو کوئی پوچھنے والا بھی نہ ہوگا۔ اور بیٹی تم یہاں کیوں بیٹھی ہو اندر کمرے میں جا کر آرام کرو ان منحوسوں کا بس چلے تو تم سے کام کروا کروا کر ادھ موا کر چھوڑیں۔''

وہ آئے دبے قدموں تھے مگر واپسی میں زینے پر بڑی دیر تک ان کی چپل کی آواز آتی رہی۔ اور بڑبڑاہٹیں بھی سنائی دیتی رہیں۔

''پڑوسی اپنے بچے کی کسی معصومانہ حرکت پر بھی ہنس رہے ہوں تو انہیں لگتا ہے ان کی ہنسی اڑائی جا رہی ہے۔ میرا خیال ہے اسے خوش فہمی ہی کہا جا سکتا ہے۔'' عانیہ نے جل کر کہا۔

وہ سب جو بمشکل اپنی اپنی ہنسی دبائے بیٹھے تھے پھر اس پر قابو نہ رکھ سکے بے ساختہ قہقہوں سے کمرہ گونج اٹھا تھا۔

☆......☆......☆

اسی شام اشفاق چچا جان آ گئے۔

''السلام علیکم!'' ثانیہ نے دروازہ کھولا تھا۔

''خیریت سے تو ہو ثانیہ بیٹی!'' اشفاق چچا جان نے اس کا سر تھپتھپایا۔

''جی چچا جان آپ اندر آیئے...... عادل! تم کیا اندر نہیں آ رہے؟'' عال بائیک پر سوار تھا۔ مسکرا کر بولا۔

''اچھی سی چائے تیار رکھو میں اجیہ کو لے کر آتا ہوں۔''

''اچھی سی چائے تیار کروں یا ''کسی'' کو پیغام پہنچا دوں۔'' چچا کمرے میں جا چکے تو وہ شرارت سے بولی۔

عادل کے چہرے پر محظوظ کن مسکراہٹ بکھر گئی۔

''سبھی دل والوں کو میری دعا ہے کہ انہیں تم جیسی سمجھ دار سالی ضرور ملے۔''

وہ زور سے ہنس دی۔

''اب اپنی سمجھ داری کو کام میں لاؤ اور جو مناسب سمجھو وہی کرو۔'' وہ مسکراہٹ سمیت بائیک لے اڑا۔

وہ مسکراتی ہوئی اندر چلی آئی۔ چچا کرسی پر براجمان تھے۔ سب کا حال احوال دریافت کر چکے تھے۔ اور باہر بنائے جانے والے باغیچے کی تعریف کر رہے تھے۔

''صبح عادل کی فرم میں ہی انٹرویو دینے جانا ہے چچا جان، لیکن میں اتنا پر امید نہیں ہوں میرے پاس اکاؤنٹس کا ایکسپرینس تو ہے مگر ڈگری نہیں ہے رزلٹ آ گیا ہوتا تو میرا خیال ہے نسبتاً آسانی سے ملازمت مل جاتی مگر اب......''

''مایوس کیوں ہوتے ہو میاں! انشاء اللہ جو بھی ہو گا بہتر ہی ہو گا۔ اگر ڈگری ہی ملازمت کے حصول کے لئے ضروری ہوتی تو اب تک تم کس بنیاد پر ملازمت کرتے رہے ہو؟ اللہ سے اچھی امید رکھنی چاہیے، مایوسی ہی تو ناکامی کی پہلی سیڑھی ہوتی ہے۔''

وہ اپنے مخصوص بردبار لہجے میں اسے سمجھا رہے تھے نتیجتاً چند ہی منٹس میں اس کا موڈ بہتر ہو گیا تھا۔

''اچھا چچا جان! آپ بیٹھیے میں ابو کو بلا کر لاتا ہوں۔''

''گھر پر ہی ہے۔'' انہیں تعجب آمیز خوشی ہوئی۔

''اللہ کی شان ہے انہیں گھر پر رکنا کیسے یاد آ گیا؟ بھئی ٹھہرو تیمور! میں اوپر ہی جا کر مل لیتا ہوں بڑا بھائی اتر کر ملنے آئے یہ کچھ زیب نہیں دیتا۔'' وہ بے تحاشا خوشی کا احساس لئے زینہ چڑھ گئے۔

''میں سموسے لے آؤں؟''

''سموسوں کی ضرورت نہیں، عانی پکوڑے بنا رہی ہے۔''

تیمور گھر سے نکلنے لگا تو عادل اور اجیہ آ گئے وہ عادل کی بائیک لے کر آگے نکل گیا۔ اجیہ بہت دن بعد آئی تھی اور اپنے مزاج کے

عین مطابق بڑی خوش اخلاقی سے، عانیہ سے تو بڑی خوش دلی سے گلے ملی عانیہ کو بھی شاید پچھلی دفعہ کی اپنی بد اخلاقی یاد تھی اور کچھ موڈ بھی خوش گوار تھا۔ تب ہی بہت اچھے طریقے سے باتیں کرنے لگی۔

''میں عادل بھائی سے کہتی ہوں اس گھر کی ''رونق'' کو خوب اچھی طرح سے دیکھ لیں۔ کیا پتا پھر کب دیدار نصیب ہو ورنہ آج سے پہلے تو میں جب بھی آئی ہوں تو رونق کچھ ماند ہی لگی، کبھی سر میں درد تو کبھی مزاج برہم...... بھئی کوئی ہمیں بتائے کہ ہم غریبوں کا کیا قصور ہے۔''

کہنے کو وہ ثانیہ سے مخاطب تھی مگر بے حد شرارتی نظریں گاہے بگاہے عانیہ پر ڈال رہی تھی۔ عانیہ برا منائے بغیر مسکراتی رہی البتہ بولی کچھ نہیں۔

''یہی شکوہ تم بھی تو کر سکتے تھے عادل...... مگر......'' اس نے دل ہی دل میں سوچتے ہوئے ایک نظر عادل کو دیکھا وہ حلیمہ کے کسی سوال کا جواب دے رہا تھا اور بے حد سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا، وہ بے زار کن اور قدرے شکوہ بھرے انداز میں گہری سانس بھرتی باہر نکل گئی۔

اسی لمحے شعوری یا لاشعوری طور پر عادل کی نظریں باہر کا چکر لگا آئی تھیں۔ یہ چیز راجیہ کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکی، وہ شرارت سے ہنس دی، اور ثانیہ کے کان میں سرگوشی کرنے لگی۔

''شکر ہے جڑواں ہونے کے باوجود تم دونوں کی شکلیں آپس میں نہیں ملتیں ورنہ میرے بھائی کو تو بہت مسئلہ ہو جاتا۔''

ثانیہ نے ایک دھپ رسید کی تو وہ ہنستی چلی گئی۔

''گھر میں باقی سب کیسے ہیں؟ چچی جان اور بازل؟'' شفق نے پوچھا۔

تیمور واپس آیا تو پکوڑوں اور چائے کی بڑی مزے دار سی مہک گھر میں پھیل چکی تھی وہ سب اپنی خوش گپیوں میں مصروف تھے تب ہی پہلے ایک عجیب سی آواز سنائی دی جیسے دروازہ پوری قوت سے دھکیلا گیا ہو پھر زینے پر چپل گھسیٹنے کی آواز آنے لگی۔

کم و بیش سب ہی گھبرا کر صحن کی جانب لپکے تھے۔

''زندگی ہے کہ عذاب؟ جس کا دل کرتا ہے مجھے سمجھانے چلا آتا ہے۔'' زینے کے اختتام پر الیاس چودھری غضبناک تیور لئے کھڑے تھے۔ پیچھے پیچھے بوکھلائے ہوئے اشفاق چچا جان تھے۔

''اوہو الیاس! تم غلط سمجھ رہے ہو بھئی۔ حد ہو گئی نا سمجھی کی، میرا کہنے کا یہ مطلب نہیں تھا۔'' وہ جانے کس غلطی کی وضاحت دے رہے تھے۔ صحن میں کھڑا ہر شخص دم بخود تھا۔

''ہاں ہاں، میں ناسمجھ ہوں ساری ذہانت عقل مندی تم لوگوں میں جو سما چکی ہے۔ مگر ایک بات بتا دوں تمہاری ساری باتوں کے مطالب میں خوب سمجھتا ہوں تمہارا کیا لیتا ہوں۔ زندگی میری، مجھے گزارنے دو مگر جب تک ٹوک نہ لیں روٹی ہضم نہیں ہوتی ان کی۔ مجھے بتاؤ آخر میں لیتا کیا ہوں کسی کا جو سب میرے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔''

''یہی تو مسئلہ ہے تمہارا الیاس! تمہیں اپنی زندگی کے سوا کسی اور کی زندگی کی پرواہ ہی نہیں ہے۔ کبھی خود سے نظر ہٹا کر ان بچوں

کی طرف دیکھو تو تمہیں خبر ہو کہ صرف تمہاری وجہ سے انہیں کتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔"

ساری مصلحت بھک سے اڑ گئی۔ اشفاق چچا دو بدوان کا نشہ اتارنے کے درپے تھے اور نشہ بھی ایسا جو زندگی بھر سے دماغ پر چڑھا رکھا تھا انہوں نے۔

"ہونہہ مشکلات...... یہ تو خود میری سب سے بڑی مشکل ہیں۔ نرا عذاب ہیں اور ان کی ماں ان سے بھی بڑا عذاب۔ مجھے بتاؤ ان سے مجھے ایسی کون سی خوشی ملی ہے۔ جو میں ان کی فکروں میں ہلکان ہوتا پھروں۔"

"تمہیں اپنی فکریں کم ہیں ہلکان ہونے کے لئے۔"

"ہاں ہاں برسالو جتنے مرضی تیر۔ تمہاری تو یوں بھی ساری ہمدردیاں اسی عورت کے ساتھ رہی ہیں۔ بھائی کا تو کبھی خیال بھی نہیں آیا مگر اس کے باوجود تم گواہ ہو۔ اشفاق! کہ شادی سے پہلے میں اچھا خاصا کما رہا تھا مگر جیسے ہی یہ عورت میری زندگی میں آئی سارا کاروبار ٹھپ ہو گیا دکان بک گئی۔ کھانے کے لالے پڑ گئے تھے پھر یہ اوپر تلے کی پانچ مصیبتیں۔ ایک بیٹا بھی پیدا کیا تو ایسا منحنی وجود کہ لگتا تھا اگلا سانس ہی نہ لے سکے گا۔ جانے اتنا بڑا بھی کیسے ہو گیا۔ میں اکیلی جان کما کر کھلاتا یا علاج کرواتا پھرتا۔"

"واہ بھئی واہ......" اشفاق چچا جان نے زہر خند لہجہ اختیار کیا۔

"پانچ مصیبتیں تھیں کہ دس...... تھیں تو تمہاری...... اور بیماریاں کسے نہیں لگ جایا کرتیں تم کوئی ایک ذمہ داری اٹھانے کا ارادہ تو کرتے۔ جس کی بیماری گنواتے تمہارا منہ نہیں تھکتا۔ اس کی طرف دیکھو۔ اتنی سی عمر میں کتنا بوجھ اٹھائے پھر رہا ہے اور تو اور تمہارا نشہ تک اسی کی جیب سے پورا ہوتا ہے۔ اور یہ جسے سب سے بڑا عذاب کہتے ہو نا، یہ عورت نہ ہوتی تو تم کب کے اپنی ہڈ حرامی کے ہاتھوں بھوکے مر گئے ہوتے۔"

"ہاں تو نہ کیا ہوتا میری جان پر احسان۔ اب بھی میں کسی کے پیر نہیں پڑتا اور ایک بات سن لو میری کان کھول کر جسے میں پسند نہیں وہ رہے اپنے گھر میں، میں کسی کو دعوت دینے نہیں جاتا۔"

"یہاں آنا بھی کون چاہتا ہے، اس گھر میں یہ بچے نہ ہوتے تو کبھی کا آنا چھوڑ چکا ہوتا۔"

"ہونہہ...... بچے...... انہیں بھی ساتھ ہی لے جاؤ۔ میرے سر سے عذاب تو ٹلے۔" وہ زہر اگل کر گھر سے باہر نکل گئے۔

بھرے صحن میں جیسے موت کا سناٹا تھا، کسی نے بھی انہیں روکنے کی کوشش نہ کی تھی۔ اشفاق چچا جان جیسے تھک کر آخری سیڑھی پر بیٹھے اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ تیمور اور عادل بہت فکرمندی سے ان کی طرف بڑھے تھے۔

"معاف کرنا مجھے بیٹے! ہر بار سوچتا ہوں اب ایک لفظ نہ بولوں گا مگر ہر بار خود سے کیا عہد بھول جاتا ہوں، سچ پوچھو تو مجھے کوئی اور بات اتنا تنگ نہیں کرتی جتنی اس کی اپنی حالت۔ ایک وہ بھی دور تھا جب لوگ اس کی اٹھان اور وجاہت کی مثالیں دیا کرتے تھے اور ایک یہ دور ہے کہ......" ان کی آواز رندھ گئی۔

وہ سب جیسے ایک دوسرے سے شرم سار لب بھینچے کھڑے تھے۔

''چھوڑیے نا چچا جان، دو دن سے وہ گھر پر تھے باہر نکلنے کے لئے بہانہ درکار تھا۔ اور وہ مل گیا۔ آپ آیئے ہم چائے پیتے ہیں۔''

تیمور نے اپنی کیفیت چھپاتے ہوئے ان کی شرمندگی ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔

انہوں نے پل بھر کے لئے اس کی جانب دیکھا پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''میں آپ سے بھی معذرت خواہ ہوں حلیمہ بہن! عموماً اسی امید پر سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں کہ شاید کوئی لفظ اس کے دل کو چھو جائے مگر...... مگر اس پر ابا مرحوم کے الفاظ کا اثر نہ ہو سکا تھا مجھے کہاں اہمیت دے گا (اور ساری غلطی تو تھی ہی ابا مرحوم کی۔ جانے لوگ اپنی بگڑی ہوئی اور راہِ راست سے ہٹی ہوئی اولاد کو بیاہتے ہوئے یہ کیوں سوچ لیتے ہیں کہ آنے والی سنبھال لے گی۔ اور یہ کیوں نہیں سوچتے کہ آنے والی بھی نہ سنبھال سکی تو اس ساری صورت حال کا بھگتان کون بھگتے گا۔)

''آپ محسوس نہ کیجئے بھائی صاحب، ہمیں تو سنتے رہنے کی عادت سی ہو چلی ہے، چلو لڑکیو! فٹا فٹ چائے لگاؤ۔'' حلیمہ بولیں اور لڑکیوں میں انتشار پھیل گیا۔

☆......☆......☆

''سی تھرٹی سکس یہی ہے۔''

محبّ کے بتانے پر اس نے اس وسیع و عریض بنگلے کی جانب دیکھا اور یہ پہلی نظر ہی اس کے اندر ستائش کا جذبہ ابھارنے میں اہم ثابت ہوئی تھی۔

حارث عبدالستار سے متعلق اس نے کوئی بھی توقعات وابستہ کرنے کی غلطی نہیں کی تھی۔ جانے کیوں کہیں اندر ہی اسے احساس تھا کہ مایوسی کا سامنا کرنا پڑے گا اسی لئے یہاں آتے ہوئے خود کو وہ ہر طرح کی صورتِ حال کا سامنا کرنے کے لئے تیار کر کے لایا تھا یہ صورتِ حال مایوس کن بھی ہو سکتی تھی اور خوش آئند بھی۔

اس سے قبل کہ وہ صرف بنگلہ دیکھ کر حارث کو کوئی نمبر دیتا محبّ کے اگلے جملے نے اس کی توقعات کو تعمیر ہونے سے قبل ہی ڈھا دیا تھا۔

''لیکن یہ کسی حارث عبدالستار کی ملکیت نہیں ہو سکتا۔'' اس کا انداز پُرسوچ تھا۔

''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے سی تھرٹی سکس تو خواجہ نزاکت کی ملکیت تھا، دبئی شفٹ ہونے سے قبل انہوں نے اسے بوائز ہاسٹل کی شکل دے دی تھی۔ دو تین لڑکے مل کر ایک کمرہ شیئر کرتے تھے۔ محبّ علامہ اقبال ٹاؤن کا ہی رہائشی تھا اور اسی کی سی آئی ڈی شاہنواز کی نسبت زیادہ فعال تھی یہی وجہ تھی کہ شاہنواز نے حارث سے متعلق معلومات اکٹھی کرنے کے لیے اس سے رابطہ کیا تھا یہ الگ بات کہ اس سارے چکر سے اس نے اسوہ کا نام سرے سے ہی غائب کر دیا تھا۔

''یہ بھی تو ہو سکتا ہے خواجہ نزاکت نے یہ بنگلہ فروخت کر دیا ہو۔'' شاہنواز نے خیال ظاہر کیا تو وہ اپنی جانب کا دروازہ کھولتے

ہوئے بولا۔

''ہاں ہو تو خیر سکتا ہے مگر میرا خیال ہے یہاں گاڑی میں بیٹھ کر قیاس آرائیاں کرنے سے زیادہ بہتر ہوگا کہ ہم اندر جا کر کچھ پتا لگانے کی کوشش کریں۔

میرے دوست کا بھائی وقار بھی کچھ عرصہ تک یہیں رہتا ہے اگر وہ اب بھی یہاں ہوگا تو میرا خیال ہے ہماری مشکل آسان ہو سکتی ہے۔''

شاہنواز بنا کچھ کہے گاڑی لاک کرتا اس کے پیچھے آ گیا تھا۔ محبّ اس سارے معاملے کو خود ہی ڈیل کر رہا تھا۔ شاہنواز کی حیثیت تو بس اس کے قدموں پر قدم رکھنے کی سی تھی۔ چند لمحے چوکیدار سے بات کرتے رہنے کے بعد محبّ نے اسے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں گیٹ سے اندر داخل ہو گئے تھے۔

بہت خوبصورت و وسیع پورٹیکو تھا۔ ایک طرف پانچ چھ موٹر سائیکلیں کھڑی تھیں چار مختلف میک کی گاڑیاں تھیں ایک بلیو کلر کی ''بلینو'' بھی جس کی بیک اسکرین پر بہت واضح کر کے "Born to be a King" لکھا ہوا تھا۔

شاہنواز بری طرح چونکا۔ یہ رنگ اور الفاظ اس کے لیے خاصے مانوس تھے مگر اس سے قبل کہ وہ نمبر پلیٹ کی طرف دھیان دیتا چوکیدار نے انہیں پیچھے سے پکارا تھا۔

''اس طرف کوئی راستہ نہیں ہے جی ادھر سے آئیں۔'' وہ ان دونوں کو اپنی تقلید میں لے کر اندر کی جانب بڑھا۔ مین انٹرنس سے چند قدم آگے ریسیپشن کاؤنٹر بنا ہوا تھا۔

''آپ لوگ تشریف رکھیے میں محمود وقار کو بلوا دیتا ہوں۔'' ریسیپشن پر موجود شخص نے ان دونوں کا بطور خاص جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ شاہنواز اور محبّ سامنے رکھے صوفوں پر جا بیٹھے تھے۔ اس دوران وہ دونوں بالکل خاموش رہے تھے مگر انہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا چند لمحوں بعد ہی وقار ان دونوں کے سامنے موجود تھا۔

''کمال ہے محبّ بھائی آپ یہاں بیٹھ کر میرا انتظار کر رہے ہیں، آپ کو سیدھا میرے روم میں آنا چاہیے تھا۔'' وقار نے محبّ سے گلے ملتے ہوئے کہا تھا۔ محبّ اسے وضاحتیں دے رہا تھا پھر اس نے وقار کو شاہنواز سے متعارف کرایا تھا۔ وقار ان دونوں کو اپنے کمرے میں لے آیا تھا کچھ دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد محبّ نے اسے اپنی آمد کے اصل مقصد سے آگاہ کرتے ہوئے حارث عبدالستار سے متعلق استفسار کیا تھا۔

''آپ مجھے حارث سے متعلق کچھ اور باتیں بتائیں ہو سکتا ہے کہ مجھے یہ شخص یاد آ جائے۔'' وقار نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تھا۔

''میری اس سے واقفیت بلا واسطہ رہی ہے اس لیے اس کے بارے میں حتمی طور پر کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ میں نے بتایا نا مجھے اس تک اپنے ایک دوست کی دی ہوئی کچھ چیزیں پہنچانی ہیں اسی لیے اسے تلاش کرتا پھر رہا ہوں۔'' شاہنواز نے وہی کہانی دوہرا دی جو محبّ کو بھی سنا چکا تھا۔

''ایک حارث عبدالستار میرے ذہن میں آ رہا ہے۔ جن دنوں میں پنجاب یونیورسٹی کے ہاسٹل میں تھا میں نے کچھ روز اس کے ساتھ روم شیئر کیا تھا پھر ہم دونوں ہی یہاں آ گئے تھے مگر رومز ہمیں مختلف الاٹ ہوئے تھے۔ ہوسکتا ہے یہ وہی حارث عبدالستار ہو جسے آپ تلاش کر رہے ہیں۔'' وقار نے کہا تو محبّ سر ہلانے لگا۔

''کیا تم ہمیں اس سے ملوا سکتے ہو؟''

''آئی ایم سوری۔ یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ حارث کو یہاں سے گئے کافی مہینے ہو گئے ہیں اور وہ لاہور کا رہائشی بھی نہیں ہے، اس کا آبائی شہر ملتان ہے۔''

''او کے......تو پھر کوئی کانٹیکٹ نمبر......؟'' اب کی بار شاہنواز نے پوچھا تھا۔

''میں مجیب بھائی سے پتا کرتا ہوں ان کے پاس لڑکوں کے نئے پرانے نمبرز ہوتے ہیں۔'' وقار نے ریسپشنسٹ کا نام لیتے ہوئے کہا تھا۔

''آپ لوگ کیا لیں گے؟ چائے یا کچھ ٹھنڈا؟'' اٹھتے ہوئے اچانک مہمان داری یاد آئی تو پوچھنے لگا۔ محبّ نے فوراً انکار کر دیا تو بولا۔

''عمران بھائی کو پتا چلے گا کہ آپ آئے اور میں نے آپ کی کوئی تواضع بھی نہیں کی تو وہ بہت خفا ہوں گے۔''

''عمران کو میں خود سنبھال لوں گا بس تم کسی طرح اس حارث عبدالستار کا کھوج لگوا دو، اس سے بڑھ کر اور تواضع کیا ہو گی۔''

وقار سر ہلاتا باہر نکل گیا مگر جانے سے قبل اس نے ان دونوں کے سامنے ایک جار لا کر رکھ دیا تھا۔

''پھر آپ یہ پینیاں ٹرائی کریں، بلیومی بہت لذیذ ہیں۔ آج ہی ہمارا مزارع دے کر گیا ہے۔'' وہ باہر جا چکا، محبّ نے تو پینیوں پر ہاتھ صاف کرنے کے ساتھ ہی ایک میگزین اٹھا لیا۔ جب کہ وہ کمرے کا جائزہ لینے لگا۔

''کتنی عجیب بات ہے کچھ چیزیں بظاہر بالکل معمولی اور غیر اہم ہوتی ہیں اور بعض اوقات یہی بالکل معمولی اور غیر اہم لگنے والی چیز کچھ تکلیف دہ باتوں کی یاد میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ جیسے یہ پینیاں۔''

جار کی جانب دیکھتے ہوئے اس نے سوچا اور ساری توجہ کمرے کی آرائش کی جانب مبذول کرنے کی کوشش کی۔ ایک ایک چیز اس کمرے کے مکین کے شاہانہ ذوق کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ ابھی وہ پوری طرح سے کمرے کا جائزہ بھی نہ لے سکا تھا کہ کمرے کا دروازہ دھاڑ سے کھلا۔

''وقار کہاں ہے؟'' آنے والا شخص یقیناً ان دونوں کی موجودگی پہ حیران تھا۔ محبّ کے بتانے پر کہ وقار ریسپشن تک گیا ہے وہ فریج کی جانب بڑھ گیا۔ اس کے ہاتھ میں کانچ کی ایک بوتل تھی جسے وہ فریج میں رکھ رہا تھا۔ اسی دوران وقار بھی آ گیا۔

''یہ بوتل بلال نے بھیجی ہے کہہ رہا ہے ٹھنڈی ہو جائے گی تو لے لوں گا۔'' اس لڑکے نے وقار کو بتایا تو وقار بھڑک اٹھا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے اسے واپس لے جا کر بلال کو دو، کہہ دینا وقار کہہ رہا ہے میں اپنے فریج میں نہیں رکھوں گا۔''

''تم جا کر خود ہی دے آؤ میں تو گھر جا رہا ہوں ہوسکتا ہے بلال تمہاری سن لے مجھ پر غصہ ہو گا، ویسے بھی سامنے ''محفل'' جمی ہوئی ہے۔ بلال سمیت کوئی بھی حواسوں میں نہیں ہے۔'' وہ لڑکا تیز تیز بولتا باہر نکل گیا تھا۔

''کیا یار! ایک بوتل ہی تو ہے۔ رکھ لو۔'' محبّ نے کہا تو وہ نا گواری سے کہنے لگا۔

''آپ جانتے ہیں اس بوتل کے اندر کیا ہے؟ ام الخبائث...... سب مصیبتوں کی جڑ...... آج ان کی ایک چیز رکھی تو کل کچھ اور رکھوانے آجائیں گے۔ اس لئے بہتر ہے کہ انہیں پہلے ہی ہری جھنڈی دکھا دی جائے۔''

''مائی گڈنیس...... کیا یہاں کوئی چیک رکھنے والا نہیں ہے؟''

''پرائیویٹ ہاسٹلز میں یہ ہی سب ہوتا ہے محبّ بھائی، کوئی روک ٹوک پابندی نہیں جو مرضی کرتے پھرو، یہ سامنے والا کمرہ بلال کا ہے ذرا جا کر دیکھیں سب کے سب خود کو کیسے برباد کر رہے ہیں۔ ہر روز کوئی نہ کوئی ان میں سے کسی نئی طرح کا نشہ متعارف کروا رہا ہوتا ہے، شکایت کوئی کر نہیں سکتا کہ ہر بار شکلیں بدل جاتی ہیں کام وہی رہتا ہے۔

خیر چھوڑیں، ساری باتیں میں آپ کو حارث عبدالستار کے بارے میں بتا رہا تھا کہ ابھی میں آپ کو اس کا مکمل ایڈریس فراہم نہیں کر سکتا البتہ اگر آپ مجھے دو سے چار روز کا وقت دیں تو میں آپ کو اس کے متعلق ساری انفارمیشن دے سکتا ہوں۔''

''تھینکس یار......! اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔'' شاہنواز نے اٹھتے ہوئے کہا تھا اس نے وقار کے ساتھ اپنا موبائل نمبر ایکسچینج کیا تھا اور اس کا شکریہ ادا کرتا کمرے سے باہر نکلا تھا مگر ابھی دوسرا قدم ہی اس نے رکھا تھا کہ ٹھٹک گیا۔

سامنے والے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اس کھلے ہوئے دروازے سے اندر دکھائی دیتا چہرہ اس کے قدموں تلے سے زمین کھینچ لینے میں کامیاب رہا تھا۔

وہ حنان کا چہرہ تھا۔ شاہنواز کو نیلی بلینو اور بیک اسکرین پر لکھے الفاظ یاد آئے تھے۔

''Born to be a King'' اسے نشے کی حالت میں، یہاں وہاں ڈولتا دیکھ کر اس نے گہرے صدمے کی کیفیت میں سوچا تھا۔

اسی پل حنان کے قدم لڑکھڑائے تھے، شاہنواز نے بے ساختہ آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا تھا۔ یہی اس کی غلطی تھی۔

حنان نے پلٹ کر اسے دیکھا اور اس کی مخمور آنکھوں میں چمک سی ابھری تھی۔

''شاہنواز...... مائی...... ڈیئر فرینڈ......'' بہت پر جوش انداز میں غالباً وہ شاہنواز سے معانقہ کرنا چاہتا تھا مگر پھر لڑکھڑا گیا تھا۔ شاہنواز نے اسے پھر تھاما تو جانے کس طرف سے ایک لڑکا نمودار ہوا تھا اس نے حنان کو سہارا دے کر واپس کمرے میں لے جانے کی کوشش کی تھی۔ مگر شاہنواز نے روک دیا۔

''اسے رہنے دو...... یہ میرے ساتھ جائے گا۔''

''نہیں...... حنان نہیں جائے گا...... حنان خود جائے گا۔'' حنان نے اسی مخمور لہجے میں کہا اور پلٹ کر کمرے میں چلا گیا۔ شاہنواز سرعت سے اس طرف لپکا۔

بند ہوتے دروازے کے بیچ اس نے اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''تم میرے ساتھ چلو حنان! تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ تمہیں میرے ساتھ چلنا چاہیے۔'' اس نے بے حد لجاجت سے کہا تھا۔ کمرے میں کچھ اور لڑکے بھی موجود تھے مگر کم وبیش سب ہی نشے کی حالت میں تھے۔ جو چند ایک نشے میں نہیں تھے وہ خاموش تماشائی بنے کھڑے تھے۔

کمرے میں پھیلی ہوئی ناگوار بو، زمین پر لڑھکی ہوئی خالی بوتلوں اور سرنجوں نے اس کی طبیعت کو بے حد مکدر کر دیا تھا۔

''میں کیوں جاؤں تمہارے ساتھ، میں نہیں جاؤں گا...... تم کون ہو میرے باپ؟''

''حنان......؟''

''شٹ اپ یو بلڈی ایڈیٹ...... دوستو! اس سے ملو...... اس کو دیکھو...... یہ شاہنواز ہے...... لوگ بلیاں...... پالتے ہیں، گھوڑے پالتے ہیں، کتے پالتے ہیں، میرے باپ نے، اس بڈھے نے...... اسے پال رکھا ہے۔ یہ شاہنواز نہیں ہے۔ ہی از اے پیٹ (Pet) مائی فادرز پیٹ...... وہ جو بھی کہتا ہے یہ دم ہلاتا ہے۔ ہی از اے ڈوگی، سو تھری چیئرز فار شاہنواز، تھری چیئرز فار دس پیٹ...... ہپ ہپ، ہرے۔''

وہ بول رہا تھا اور قہقہے لگا رہا تھا، اس نے شاہنواز کا گریبان بھی تھام رکھا تھا۔ ہتک وتذلیل کے شدید ترین احساس نے شاہنواز کا چہرہ سرخ کر دیا تھا۔

حنان اور اس کے دوستوں کے قہقہوں کی آوازوں سے کمرہ گونج رہا تھا، وہ سب کے سب اس پر ہنس رہے تھے اس کا مذاق اڑا رہے تھے۔

پھر بہت کوشش کے باوجود شاہنواز خود پر ضبط نہیں کر سکا تھا۔ جس وقت، حنان نے مسخروں کی طرح گاتے ہوئے اس کے گریبان کو جھٹکا دیا اسی پل شاہنواز نے بے ساختہ الٹے ہاتھ کا تھپڑ اسے رسید کیا تھا۔

حنان لہرا کر زمین پر گرا اس کا سر میز کے کنارے سے ٹکرایا تھا۔

تھپڑ کی آواز ان سب کے قہقہوں پر حاوی ہو گئی تھی اب وہاں اتنا سناٹا تھا جیسے کوئی موجود ہی نہ ہو۔

''تم اس قابل ہی نہیں ہو کہ تمہاری مدد کی جائے۔'' شاہنواز نے بے انتہا غضبناک نظریں کارپٹ پر بے سدھ پڑے حنان پر ڈالتے ہوئے سوچا اور تیز تیز قدم اٹھاتا کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

''دنیا بنانے والا ایک، انسان کو پیدا کرنے والا ایک، تقدیر رقم کرنے والا بھی ایک تو پھر سب انسانوں کے نصیب میں اتنا ہیر پھیر کیوں؟''

سوال تھا کہ معمہ، سوچتے سوچتے دماغ پھوڑے کی مانند درد کرنے لگا تھا مگر سوچ کے در شعوری کوششوں سے بند نہیں ہوا کرتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو آج دنیا میں ذہنی مریضوں کی شرح دن بہ دن گھٹ رہی ہوتی نہ کہ بڑھتی۔

تاریک کمرے میں پلنگ پر لیٹی وہ ایک ہی سوچ کے مدار میں تھیں۔ کیسی بھید بھری خاموشی گونج رہی تھی گھر میں جیسے وہ سب ایک دوسرے سے شرم سار ہوں ورنہ روز یہ وقت کس قدر پر رونق ہوا کرتا تھا۔ کالج اسکول کی تھکاوٹ اتار کر ان اوقات میں وہ سب تازہ دم ہوتی تھیں ہر ایک کی زبان چل رہی ہوتی تھی مانگے سے بھی سکون و خاموشی نہ ملتی۔

تیمور بھی ان اوقات میں گھر سے باہر جانے سے احتراز برتتا تھا مگر آج چچا کے ساتھ ہی نکلا تھا مگر اب تک واپسی نہ ہوئی تھی۔

ان کا ذہن گھوم پھر کر پھر اسی نکتے پر ٹھہر گیا۔

برآمدے کی بتی کسی نے نہ جلائی تھی۔ جانے کب سے سرکاری بوتل کے نل سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی اور اس بھید بھری خاموشی کے پردے پر سلوٹیں ڈال رہی تھی۔

انہوں نے اٹھنے کی کوشش کی مگر اٹھ نہ سکیں۔

ساتھ کے کمرے میں یوں خاموشی پھیلی تھی جیسے کوئی موجود ہی نہ ہو۔ وہ ایک گہری سانس بھر کر پھر تاریکی میں ڈوبی چھت کو گھورنے لگیں۔

"ثانیہ، اور عانیہ کی پیدائش پر مجھے امید تھی کہ اب تو "وہ" ضرور سدھر جائے گا۔ بیٹیاں تو بڑے بڑوں کو سیدھا کر کے رکھ دیتی ہیں مگر اس شخص کی روش نہ بدلی۔ دوستی یاری نبھانے سے فرصت ملتی تو کچھ اور سوچا ہوتا۔

تیمور کی پیدائش سے پہلے ہی دوکان پر ملازم بٹھا دیے پہلے کی لاپروائی اور بڑھ گئی۔ ملازم ہی کاروبار سنبھالا کرتے تو آج کے دور میں ہر کاروباری شخص فارغ ہو کر بیٹھ جاتا۔

پہلے پہل لاپروائی تھی پھر لاتعلقی بھی مزاج کا حصہ بنتی چلی گئی۔ نتیجتاً دوکان بک گئی بلکہ بک کیا گئی بہت سوچ سمجھ کر فروخت کر دی گئی کہ عیاشیوں کے لئے جیب ہر روز خالی رہنے لگی تھی۔"

"امی! آپ سو رہی ہیں؟"

ثانیہ کی آواز نے جیسے سوچ کے ساگر میں کنکر اچھالا تھا۔ انہوں نے آہستگی سے گردن موڑ کر دیکھا۔ وہ اتنی محو تھیں کہ برآمدے کی روشنی نے کمرے کی تاریکی کو چیر کر رکھ دیا خبر ہی نہ ہو سکی۔

اور وہ دہلیز پر کھڑی تھی روشنی اور تاریکی کے سنگم پر، ثانیہ کی شکل کی جگہ ایک بڑا سا سوالیہ نشان ناچنے لگا۔

دل کی بے قرار دھڑکنیں سارے کمرے میں اودھم مچانے لگیں۔

"جن کے باپ کے کرتوت خراب ہوں، انہیں بیاہنے کون آ سکتا ہے۔" کئی بار کی سوچی ہوئی بات انہوں نے پھر سوچ ڈالی تھی

اور جو کوئی اس ایک نکتے کو نظر انداز کرتا بھی تھا تو ان کی نظر عانیہ پر پڑ جاتی تھی۔ ایک بار کے ہی تلخ واقعہ نے انہیں اس معاملے میں بہت حساس کر دیا تھا۔

''امی'' کی آواز کے ساتھ کمرے میں دودھیا روشنی پھیل گئی۔

''توبہ...... کس قدر گرمی ہے اور آپ نے پنکھا بھی نہیں چلایا۔'' اس نے ایک اور بٹن دبایا ایک خفیف سے جھٹکے سے چھت پر لگا پنکھا ہوا دینے لگا۔

''آپ کیا کر رہی ہیں؟ چلیں کھانا کھاتے ہیں، شفق گرم کر رہی ہے۔''

اس نے حتی المقدور کوشش کی تھی کہ لہجہ و انداز کسی غیر معمولی پن کی چغلی نہ کھائیں۔

''تیمور آ گیا؟'' حلیمہ نے اٹھ کر پیر پلنگ سے نیچے لٹکا دیئے ثانیہ نے بغور ان کی جانب دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے ثانی، تم لوگ کھالو۔'' ان کا لہجہ سستی و اداسی لیے ہوئے تھا اور اگرچہ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ شعور کی پہلی منزل پر قدم رکھتے ہی ثانیہ نے انہیں ایسا ہی پایا تھا اس نے کبھی اپنی ماں کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھے تھے مگر ان کے چہرے پر ہمیشہ سے ایک موسم خیمہ زن تھا...... دکھ کا موسم

''چھوڑیں نا امی! جب یہ طے ہے کہ ہم کسی کو راہِ راست پر نہیں لا سکتے تو کڑھنا بھی نہیں چاہیے، کسی کا کچھ نہیں جاتا بس اپنا دماغ خراب ہوتا ہے اور صحت بھی۔ آج جو کچھ ہوا وہ تو روٹین ہے۔ کیا ہم سب بہت عرصے سے یونہی ہوتا نہیں دیکھ رہے پھر دکھی ہونے کا فائدہ......؟ میری دو باتیں مان لیں ایک تو ہماری طرح تھوڑی بے حس ہو جائیں او دوسرا دکھی ہونا چھوڑ دیں۔ ویسے پہلا کام کر لیا تو دوسرا خود بخود ہو جائے گا۔''

حلیمہ کا دل چاہا اس سے پوچھیں کیا تم بے حس ہو؟ کیا تمہاری بہنیں اور بھائی بے حس ہیں؟ اس سے بڑا لطیفہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ وہ خود بے حد حساس ہوتے ہوئے بھی انہیں بے حسی کا مشورہ دے رہی تھی۔

ایک شخص تھا اس گھر میں بے حس۔

جس کی بے حسی و خود غرضی زندگی بھر انہیں دیمک بن کر چاٹتی رہی تھی۔ کندھوں پر اولاد کی ذمہ داری نہ ہوتی تو کب کی بھربھری ریت بن گئی ہوتیں۔ بنیاد تو خیر اب بھی کھوکھلی ہی تھی۔

''میں دکھی نہیں ہوں ثانی! اب تو بس شرمندگی ہوتی ہے۔'' وہ دھیرے سے بولیں، ان کی آواز کسی سرگوشی سے زیادہ نہ تھی۔

''کیوں ہوتی ہے شرمندگی؟'' اس نے سرعت سے کہا۔

''جب کہ سب جانتے ہیں کہ ابو کا مزاج ہمارے ہاتھ میں نہیں۔'' حلیمہ بڑی دیر بعد گویا ہوئیں۔

''اشفاق بھائی صاحب کا ہم پر بہت احسان ہے یقین کرو ثانی! اگر وہ میرے سر پر ہاتھ نہ رکھتے تو میں اب تک ہار چکی ہوتی۔ کئی

بار مایوسی کی آخری حد کو چھو کر خودکشی کے متعلق سوچ چکی تھی پھر اشفاق بھائی صاحب نے بڑھ کر مجھے سنبھالا دیا۔ رفعت آپا کے کہنے پر میں نے سلائی کڑھائی کا کام شروع کیا تو انہوں نے ہی بکوانے کی ذمہ داری لی تھی۔ اس دستکاری اسکول میں بھی مجھے انہوں نے ہی ملازمت دلوائی تھی۔"

وہ پل بھر کو خاموش ہوئی تھیں۔

"اپنے ساتھ کی ہوئی زیادتی تو پھر بھی نظر انداز ہو جاتی ہے مگر کوئی محسن کو برا بھلا کہے یہ گوارا نہیں ہوتا۔ آج جتنا کچھ بھائی صاحب کو سننا پڑا کوئی اور ہوتا تو اس گھر پر ہزار بار لعنت بھیج چکا ہوتا اور پلٹ کر نہ دیکھتا مگر آفرین ہے اس شخص پر...... ہمارے احساس میں چلا آتا ہے۔

سوچتی ہوں دنیا میں ایک ہی گھرانا ہے جس کے احسانات کبھی چکا نہیں سکوں گی۔ کاش! تمہارے باپ میں بھی کچھ احساس زندہ ہوتا۔

جتنا احساس اور خلوص اشفاق بھائی صاحب کی فطرت میں ہے ویسا ہی بیوی اور بچوں میں بھی ہے۔ عادل تو ہو بہو اشفاق بھائی صاحب پر پڑا ہے۔ اسے دیکھتی ہوں تو دل کو ایسا قرار آتا ہے کہ حد نہیں، کیسا جچے گا کہ عالینہ کے ساتھ......"

یکا یک ایک روشنی تھی جو ان کے سارے وجود سے جھانکنے لگی۔ چلو ان نامساعد حالات میں کچھ تو ایسا تھا جو انہیں خوشی پہنچانے کا سبب بنتا تھا۔ ثانیہ نے سوچا سکون و اطمینان گویا ان کی مسکراہٹ میں بسا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے تصور کی آنکھ سے ان دونوں کو پہلو بہ پہلو کھڑا دیکھ رہی ہوں۔

"کچھ روز پہلے رفعت آپا نے مجھ سے چھوٹی موٹی رسم کے متعلق کہا تھا مگر میں نے فی الحال ٹال دیا تمہاری بھی کہیں بات ٹھہر جائے تو پھر ایک ساتھ ہی رسم کرلیں گے۔"

ثانیہ کو عجیب سی جھجک آڑے آئی تھی مگر خود کو بولنے سے روک نہ سکی۔

"کن معاملات میں پڑی ہوئی ہیں امی! جو کام ہو جاتے وہ بہتر۔ آپ عانی والا معاملہ تو نبٹائیں اچھی بات ہے کہ جو بات زبانی کلامی ہوئی تھی وہ باضابطہ ہو جائے۔ میری فکر چھوڑیں۔ اللہ جانے ابھی کتنا وقت ہے۔"

"بات تو تمہاری بھی ٹھیک ہے بیٹی! مگر اللہ ہر معاملے میں مایوس نہیں کرتا مجھے امید ہے انشاء اللہ جلد ہی کوئی راہ سجھائی دے گی۔ سنو تم پرسوں کی ایک چھٹی کر سکتی ہو؟" اچانک انہوں نے کچھ یاد آنے پر پوچھا تھا۔

"کر سکتی ہوں......مگر فاروق صاحب سے پوچھنا پڑے گا کس بات پر انکا مزاج بگڑ جائے پتا بھی تو نہیں چلتا۔" اس نے کہا۔

"مگر چھٹی کروں کس سلسلے میں؟"

"خوشی بوا نے کسی رشتے کا ذکر کیا تھا، کئی روز سے آنا چاہ رہے ہیں وہ لوگ پرسوں میری بھی چھٹی ہے تو میں سوچ رہی تھی کہ پرسوں ہی انہیں بلواؤں۔"

معاً ساتھ کے کمرے سے کچھ آوازیں بلند ہوئیں۔

''میں دیکھتی ہوں امی! جانے اب کس بات پر جھگڑ رہی ہیں۔ آپ سونا چاہیں تو بے فکر ہو کر سو جائیں میں تیمور کا انتظار کرلوں گی۔'' وہ انہیں تسلی دے کر لائٹ بند کرتی دوسرے کمرے میں چلی گئی جہاں نرمین اور عانیہ کے درمیان کوئی بحث جاری تھی۔

باقی دونوں دبکی ہوئی تھیں، شفق جانے کہاں تھی اور ان دونوں کے چہرے بولتے بولتے سرخ ہو گئے تھے۔

''کیا کوئی مجھے بتائے گا کہ بحث ہو کس بات پر رہی ہے؟'' وہ جی جان سے جھنجلائی۔ عانیہ نے جملہ ادھورا چھوڑ کر نرمین کو گھورا۔

''اسی سے پوچھ لو، اسی کو زیادہ ہمدردی کے بخار چڑھتے ہیں۔'' اس کے لہجے میں کمال کی کاٹ تھی۔

''ہمدردی کے بخار چڑھتے ہیں، بے رحمی اور سنگ دلی کے تو نہیں۔'' نرمین نے تڑخ کر کہا اور ثانیہ کی جانب دیکھ کر بولی۔

''ویسے ہر وقت اپنی حساسیت اور نرم دلی کی تسبیح کرتی نہیں تھکتی تھیں اور ابھی انہوں نے شفق کو عذاب اور مفت کی مصیبت کہا ہے۔'' ثانیہ کا دل چاہا اپنا ہی سر پیٹ ڈالے۔

''کہنے لگیں ابو ہمیں تو ہر وقت کوستے رہتے ہیں اور اس مفت کی مصیبت کے بارے میں کیا خیال ہے۔ جسے ابو مرحوم دوست کی محبت میں اٹھا لائے تھے۔''

اس نے حرف بہ حرف بات دوہرا دی۔

''تو اس میں غلط کیا ہے؟'' وہ بڑے آرام سے انجان بنی۔

''میں نے کچھ غلط تو نہیں کہا۔''

''غلط......'' نرمین بلبلائی۔ ''اسے غلط نہیں نہایت نامناسب کہتے ہیں بلکہ انتہا کی سنگ دلی کہتے ہیں آپ نے شفق بجو کو ہرٹ کیا ہے۔''

''بھئی واہ...... ہمیں بھی تو ابو ہرٹ کرتے ہیں مگر ہماری تو کوئی پرواہ نہیں کرتا۔''

''جسے کسی کی ''پرواہ'' کی ضرورت ہی نہیں اس کے لئے کوئی کب تک ہلکان ہوتا پھرے۔ ابو کے خلاف بولنا ہوتا ہے تو سب سے پیش پیش آپ ہی ہوتی ہیں اب ذرا خود ہی سوچ لیں کہ آپ میں اور ابو میں کتنا فرق ہے۔''

''منہ سنبھال کر بات کرو نرمین اور ابو سے ملانے کی مجھے تو ہمت بھی مت کرنا میں برداشت نہیں کر سکتی، میں ابو جیسی ہرگز نہیں ہوں۔''

''ابو نے ہم سب کا دل دکھایا اور آپ نے شفق بجو کا۔ حساب برابر پھر کس بنیاد پر آپ خود کو ابو جیسا نہیں سمجھتیں۔''

''تم لٹھ لے کر میرے پیچھے ہی مت پڑ جایا کرو نرمین۔'' وہ جھنجھلا کر بولی۔

''کتنی بار کہوں میری کروٹ دوسری طرف تھی اس لیے پتا نہیں چل سکا کہ وہ پیچھے کھڑی ہے ورنہ میرا کیا دماغ خراب ہے کہ اس کے سامنے کہتی۔''

وہ تھک ہار کر ثانیہ کو وضاحت دینے لگی۔ غالباً نرمین کے تیور دیکھ کر اس نے وضاحت دی تھی ورنہ یہ چیز اس کے مزاج کا حصہ

کب تھی۔

''جو سامنے نہ کہا جاسکے اسے چغلی کہتے ہیں۔'' نرمین پھر بولی۔

''ویسے یہ آپ پہلی بار نہیں کہہ رہی ہیں۔'' اسے جتانا بھی یاد رہا۔

''پھر یوں کرو گولی ماردو مجھے، یوں تو شاید تمہاری ''شفق بجو'' کو سکون نہ آسکے۔'' اس نے لفظ دانتوں تلے چبا ڈالے۔

ثانیہ نے ایک نظر چٹائی پر رکھی ٹرے کی جانب دیکھا جو جوں کی توں رکھی تھی پھر پلٹ کر باہر نکل گئی۔

تیمور کا انتظار تو کرنا ہی تھا تو کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ اتنی دیر میں شفق کا موڈ درست کرلیا جاتا جس کے لئے کچھ خاص تردد کی ضرورت بھی نہیں تھی کہ شفق کا مزاج بہت ٹھنڈا میٹھا سا تھا اور شاید یہی وہ خاصیت تھی جس کی بنا پر وہ تیمور کے دل میں گھر کیے بیٹھی تھی۔

لایعنی سوچوں میں گھری وہ زینہ عبور کررہی تھی۔

☆......☆......☆

اس کے دل کی دھڑکن غیر معمولی طور پر تیز تھی اور انگلیوں میں کپکپاہٹ سی اتری ہوئی تھی۔

دستک دینے کے لیے ہاتھ اٹھایا پھر جھجک سی گئی۔

''مجھے ڈسٹرب نہیں کرنا چاہیے، اگر شاہنواز بھائی نے مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے تو ضرور کریں گے۔ آخر میں اتنے خدشات کا شکار کیوں ہوں؟ اور یہ میرا دل اتنی تیزی سے کیوں دھڑک رہا ہے۔ کیا یہ ایکسائٹمنٹ کی وجہ سے ہے۔'' اس نے اپنے ہی خیالات سے گھبرا کر دستک دے ڈالی صرف یہی نہیں بے اختیار ہینڈل گھما کر گردن اندر ڈالی۔

''میں آجاؤں شاہنواز بھائی۔'' شاہنواز وارڈ روب کے سامنے کھڑا گردن موڑ کر دروازے کی جانب دیکھ رہا تھا۔ تھی تو یہ بدتہذیبی مگر کیا کرتی۔ اس سے یہ بدتہذیبی سرزد ہوچکی تھی۔

شاہنواز نے گہری سانس بھر کر اثبات میں سر ہلایا۔

''آپ بزی ہیں؟'' اس نے بیڈ پر پڑے لیدر بیگ کو دیکھا۔ بیڈ پر کچھ اور چیزیں بھی بکھری پڑی تھیں۔

''ہاں میں بزی تو ہوں...... مگر تم کہو۔'' وہ ہاتھ میں پکڑی شرٹس لاکر بیگ میں ٹھونسنے لگا تھا۔ اسوہ خاموشی سے کھڑی انگلیاں مسلتی رہی سمجھ نہیں آرہا تھا بات کا سرا کہاں سے پکڑے۔

''میں آپ کی کچھ ہیلپ کروں؟''

''اٹس اوکے...... میں کرلوں گا۔'' شاہنواز نے ڈریسنگ ٹیبل سے کچھ چیزیں سمیٹتے ہوئے بس ایک نظر اسے دیکھا۔

''آپ کہیں جارہے ہیں؟'' اسوہ نے پھر پوچھا۔

''ہاں...... کچھ روز کے لیے میانوالی جارہا ہوں۔''

''کب جا رہے ہیں؟'' اس نے بے ساختہ کہا۔

''ابھی...... کچھ دیر میں۔''

''واپس کب آئیں گے؟''

''کچھ کہہ نہیں سکتا دس سے پندرہ دن تو ضرور لگیں گے۔ زمینوں کے حساب کتاب عدالتوں کے چکر...... بڑے لمبے سلسلے ہوتے ہیں یہ۔'' شاہنواز نے رک کر اس کی جانب دیکھا جیسے اگلی بات کا منتظر ہو۔

''پھر تو بہت دن لگ جائیں گے۔'' اس نے جیسے خود کلامی کی تھی۔

''تمہیں کوئی کام ہے اسوہ......''

''وہ......'' اس نے پل بھر کو سوچا غالباً یہ جھجک تھی۔ ''آپ نے کہا تھا آپ حارث کے متعلق......''

''کچھ نہ کچھ کوشش تو میں نے بہر حال کی ہے اسوہ! اب مجھے ایمرجنسی میں میانوالی جانا پڑ رہا ہے۔ میں خود بھی نہیں بتا سکتا کہ مجھے وہاں کتنے دن لگیں گے اب اس سلسلے میں جو کچھ بھی ہو سکتا ہے وہ میں آ کر ہی کہوں گا۔'' شاہنواز نے کہا۔

''کیا تمہیں بھروسہ نہیں ہے ایسا لگتا ہے جو کہا ہے وہ میں نہیں کروں گا۔''

''ایسی بات نہیں ہے شاہنواز بھائی۔'' اسوہ نے بے ساختگی سے کہا۔

''تو بس پھر تسلی رکھو۔ یوں سمجھو یہ تمہارا نہیں میرا معاملہ ہے اور انسان اپنے معاملے میں کبھی نہیں چوکتا۔'' اس کے مستحکم لہجے میں کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ اسوہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگی۔

''تھینک یو شاہنواز بھائی۔'' وہ تشکر سے مسکرائی۔

''میں پیکنگ میں آپ کی مدد کروں؟''

''ارے ضرورت نہیں۔ بس ایک کام کرو، ایک چائے کا کپ بھجوا دو مجھے بیس منٹ بعد میانوالی روانہ ہونا ہے۔''

اسوہ سر ہلاتی باہر نکل گئی۔ شاہنواز اسی تیزی سے اپنے کام میں مصروف رہا۔ یہ الگ بات کہ جس سکون کا مظاہرہ وہ اسوہ کے سامنے کر چکا تھا اب مفقود تھا حنان کے کہے ہوئے الفاظ اب تک اس کی کنپٹیاں سلگا رہے تھے۔

☆......☆......☆

اس صبح زندگی میں پہلی بار گیتی آرا نے بہ رضا و رغبت دو سلیپنگ پلز کھائی تھیں۔

جو کچھ اس وقت وہ محسوس کر رہی تھی اسے احساس کم مائیگی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ اس نے دکھتے سر کے ساتھ پل بھر کو سوچا کہ اگر یہ احساس کم مائیگی نہیں تو اور کیا ہے؟

''کہیں تہی دامن رہ جانے کا خوف تو نہیں؟''

''نہیں......نہیں۔'' اس نے خود ہی سر جھٹک ڈالا۔'' بھلا اس سے زیادہ احمقانہ بات بھی کوئی ہوسکتی ہے۔ احساس کم مائیگی اور طرح کی چیز ہے؟ تہی دامن رہ جانے کا خوف اپنے پورے مطالب میں کچھ اور ہے۔''

اور احساس ہمدردی تو ہو ہی نہیں سکتا۔

تو پھر یہ کیا ہے؟

یہ کشمکش...... یہ ذہنی الجھن و بے چینی۔

یہ سمجھنا ضرور چاہتی تھی البتہ سوچنا نہیں چاہتی تھی اس وقت جو کچھ وہ کر سکتی تھی اس نے کیا اور سلیپنگ پلز لے کر سر تک کمبل تان لیا۔ بے سدھ ہو کر سو جانے کی خواہش اس کے پہلو سے چپکی پلنگ پر لیٹی تھی۔ تب ہی چند لمحے تک اسے کمرے میں ابھرتی ڈوبتی سسکیاں بے چین کرتی رہیں۔ پھر جب دوبارہ آنکھ کھلی تو یوں لگا بس ایک ہی پل غفلت میں گزارا ہے ہر منظر جوں کا توں تھا البتہ گھڑی کی سوئیاں ایک نہ آدھ پورے نو گھنٹے آگے کھسک چکی تھیں۔

ایک تکان اس کے وجود میں سرسرا رہی تھی۔ وہ جس کروٹ سوئی تھی اسی کروٹ بے دار ہوئی تھی۔

کمرے کا منظر نہ بدلا تھا حتیٰ کہ ڈوبتی ابھرتی سسکیاں بھی یونہی تھیں۔ گیتی نے کسمسا کر دونوں ہتھیلیاں آنکھوں پر رکھ لیں۔

''اوہ میرے اللہ! تم کتنا روتی ہو۔'' پھر گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

''کتنا پانی ہے تمہاری آنکھوں میں جو ختم ہی نہیں ہوتا؟'' اس کی آواز میں دیر تک سونے اور بھرپور نیند کا خمار و بوجھل پن تھا انداز انتہائی دوستانہ۔

''یہ پانی آنسو نہیں خون ہیں جس روز میرے بدن سے خون کی آخری بوند نکلے گی، یہ آنسو خود بخود ختم ہو جائیں گے۔'' جواب آیا۔ گیتی بدمزا ہوئی اور اٹھتے ہوئے پلنگ سے پیر نیچے لٹکا دیئے۔

''تم آسان گفتگو نہیں کر سکتیں؟'' وہ اس کے قریب آئی اور کارپٹ پر دوزانو بیٹھ گئی۔

''کیا چاہتی ہو؟'' وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

''میری مدد کرو خدارا، میری مدد کرو۔'' وہ تڑپ کر بولی تھی۔

''میں بتا چکی ہوں میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔'' گیتی کا لہجہ نرم تھا۔

''تم بتا چکی ہو مگر میں جانتی ہوں اگر یہاں کوئی میری مدد کر سکتا ہے تو وہ تم ہو۔'' وہ پورے وثوق سے بولی۔

''غلط فہمی ہے تمہاری۔'' گیتی نے زور دے کر کہا۔

''تم میری بات کا یقین کیوں نہیں کرتی ہو گیتی۔ میں یہاں اپنی مرضی سے نہیں آئی۔ مجھے ملازمت کی ضرورت تھی مگر ایسی نوبت بھی نہیں تھی کہ میں عصمت فروشی پر آمادہ ہو جاؤں۔ انہوں نے مجھے کہا کہ ملازمت دیں گے اور پھر......''

گیتی نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کروا دیا۔

''اہم چیز یہ نہیں ہے کہ تم یہاں کیسے آئی یا پہنچائی گئیں۔اہم چیز یہ ہے کہ تم یہاں سے جانا چاہتی ہو اور واپسی کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔

مجھے حیرت ہے تم نے مجھ سے اتنی بڑی توقع کیوں اور کیسے وابستہ کر لی کہ میں تمہاری مدد کر سکتی ہوں، میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا یہاں صرف آپا بیگم تمہاری مدد کر سکتی ہیں اور وہ یقیناً تمہاری مدد نہیں کریں گی، جنہیں ہر روز ایک سونے کا انڈا چاہیئے ہوتا ہے وہ مرغی ذبح کرنے کی غلطی نہیں کرتے۔

میں تمہاری صرف ایک مدد کر سکتی ہوں بلکہ میں تم سے وعدہ کرتی ہوں جو شخص صبح یہاں آیا تھا اور جس نے تمہیں ہراساں کیا اس کا کوئی ارمان میں تم پر پورا نہیں ہونے دوں گی۔یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔'' گیتی نے مظہر کا نام لیے بنا اس کا ذکر کیا تھا۔

''تم......تم سچ کہہ رہی ہونا۔'' اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں روشنی سی چمکی تھی۔

''سو فیصد سچ......جھوٹ کی تو گنجائش ہی نہیں نکلتی۔ایک بات یاد رکھنا اول تو گیتی وعدہ نہیں کرتی لیکن اگر کر لے تو پھر توڑتی نہیں ہے۔

اور اگر مجھے تمہیں جھوٹی آس دلانی ہوتی تو میں چند روز پہلے بھی دلا سکتی تھی۔تا کہ تمہاری تسلی ہو جائے میں نے وعدہ کیا ہے تو ضرور پورا کروں گی آپا بیگم مظہر جیسے چار اور بیٹے پیدا کر لے، میں تمہیں ان سے بھی بچاؤں گی۔''

''وہ آپا بیگم کا بیٹا ہے؟'' لڑکی نے قدرے سراسیمگی سے پوچھا۔گیتی نے اثبات میں جواب دیا اور اٹھ کر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔

گو کہ وہ جانتی تھی مظہر نے کوئی ایسا مطالبہ کیا جسے رد کرنے کی یقین دہانی وہ اس لڑکی کو کروا چکی تھی تو کچھ بھی نہ کر سکے گی مگر پھر بھی اس نے وعدہ کیا تھا اور اسے وعدہ ایفا کرنے کی عادت تھی۔

❁ ❁

ناول **بساطِ دل** ابھی جاری ہے۔بقیہ واقعات آپ آنے والی ان تاریخوں (15th, 20th, 25th) میں پڑھ سکیں گے۔

چلچلاتی ہوئی دھوپ میں ثناء کی آمد عانیہ کے لیے بہت خوشی کا سبب تھی۔

''ثناء کی بچی کتنے روز بعد آئی ہو۔'' وہ خوشی سے چلاتی اس کے گلے لگ گئی تھی۔

''میں تو پھر بھی آ گئی ہوں مگر اپنی طرف دھیان دیجئے محترمہ! اتنے روز بعد بھی آپ کو ہمارے یہاں آنے کی توفیق نہیں ہوئی۔'' اس نے بھی جھٹ سے گلہ کیا تو عانیہ ہنس دی۔

''بس یار! فرصت ہی نہیں ملتی۔ گھر کے کام ہی اتنے ہوتے ہیں کہ گھر سے نکلنے کا ٹائم ہی نہیں ملتا۔'' اس نے بات بنائی۔ اب بھلا وہ کیا بتاتی کہ آج کل ساری فرصتیں کہاں صرف ہو رہی ہیں۔ جس نئے جہان کو وہ دریافت کر رہی تھی اس نے تو زندگی کا ایک ایک لمحہ گروی رکھ لیا تھا۔

''ہاں خیر مصروف تو بہت ہو چکی ہو۔ لیکن ایسی بھی کیا مصروفیت کہ بندہ ایک فون بھی ریسیو نہ کرے۔ یقین کرو میری جان مصیبت میں آ گئی ہے۔''

ابھی ثناء کی بات مکمل بھی نہ ہوئی تھی کہ عانیہ نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ساتھ ہی آنکھوں ہی آنکھوں میں شفق اور ثانیہ کی موجودگی کا احساس دلا کر موضوع بدل دیا۔

''اور تم کتنی خوبصورت بھی ہو گئی ہو عانی! لگتا ہے خوب ہی ٹوٹکے استعمال کرنے لگی ہو۔''

''ہو گئی ہو سے کیا مراد ہے بھئی؟...... ہماری عانیہ ہے ہی خوبصورت۔'' ثانیہ نے مسکراتے ہوئے اسکا جملہ پکڑا تھا۔ ثناء ہنس دی۔

ہاں تو میں کب اس بات سے انکار کر رہی ہوں مگر تم خود بتاؤ کیا عانیہ زیادہ خوبصورت نہیں لگ رہی، اسکن کتنی فریش لگ رہی ہے آنکھیں چمک رہی ہیں اور......''

وہ بغور اس کی جانب دیکھتی سوچنے لگی پھر جیسے خود ہی تھک گئی۔

''پتا نہیں میں کیا کہنا چاہ رہی ہوں۔ بس مجھے تمہارے چہرے میں کوئی منفرد اور انوکھی سی بات محسوس ہو رہی ہے جسے میں کوئی مناسب لفظ نہیں دے پا رہی بس یہ ہے کہ تم پہلے سے زیادہ پیاری لگ رہی ہو۔ خدارا اس طرح عادل بھائی کے سامنے مت جانا، وہ بے چارے تو دل تھام کر رہ جائیں گے۔''

وہ اچانک شرارت سے گویا ہوئی تھی اور اس کے شرارتی جملے نے سب کو ہنسا دیا تھا، سوائے عانیہ کے اس کے لبوں پر زبردستی کی مسکراہٹ بدقت نمودار ہو کر غائب ہو چکی تھی۔

''چلو اوپر والے کمرے میں چلتے ہیں۔'' اچانک وہ اٹھ کر چپل میں پیر پھنسانے لگی۔

''اوپر والا کمرہ تو تنور بنا ہوگا، یہیں بیٹھی رہو میں ائیر کولر میں تازہ پانی ڈالتی ہوں ابھی یہاں کا حبس ختم ہو جائے گا۔'' شفق نے کہا مگر عانیہ نے ایک نہ سنی۔

''نہیں ہم اوپر ہی بیٹھیں گے۔'' وہ ثناء کا ہاتھ تھام کر اوپر چلی گئی، ثناء کیا کہتی، وہ تو مہمان تھی جو میزبان نے کہا خاموشی سے مان گئی البتہ شفق کو اعتراض تھا۔

''یہ کبھی کبھی عانیہ بالکل ہی الٹے کام کرتی ہے اب خود بھی گرمی میں مرے گی اسے بھی مارے گی۔'' اس سے قبل کہ ثانیہ کوئی تبصرہ کرتی صحن سے تیمور پکارنے لگا۔

''بس تیمور! میں پانچ منٹ میں آرہی ہوں۔'' وہ وہیں سے پکار کر بولی اور جلدی جلدی بالوں میں برش چلانے لگی۔

''یہ کیا کر رہی ہو ثانی!'' شفق جھنجھلائی۔

''جتنے بے ہنگم طریقے سے تم اپنے بال برش کرتی ہو جس روز سارے اتر کر ہاتھ میں آجائیں گے تب ان کی قدر و قیمت پتا چلے گی۔''

''مائی ڈیئر سسٹر! زندگی میں کچھ کام بہر حال ان بالوں سے زیادہ اہم اور توجہ طلب ہیں، تمہارے کہنے کے مطابق اگر میں ان کو روز روز محبت و توجہ سے کنگھی کر کے چٹیا گوندھنے بیٹھوں تو آدھے کام دھرے کے دھرے رہ جائیں۔'' ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے اس نے ربر بینڈ چڑھا کر چوٹی پیچھے پھینکی تھی۔

''روز روز۔'' شفق چیخی۔ ''میں تو کہتی ہوں کسی روز انہیں محبت اور توجہ دو جو ساری زندگی تم نے نہیں دی۔ قسم سے ثانی! اتنے خوبصورت بال میرے ہوتے نا تو، تو تم دیکھتیں۔'' اس تو سے آگے اسے کوئی مناسب بات نہ سوجھی۔

''کس قدر ناشکری ہو تم شفق! تمہارے خود کے بال بھی تو اتنے اچھے ہیں پھر بھی......''

ثانیہ نے ہنستے ہوئے اسے چڑایا تھا۔

''اور تم کس قدر ناقدری ہو ثانیہ! یہ نہیں کہ اللہ نے ایک اتنی اچھی چیز دے رکھی ہے تو اس کی قدر کرتے ہوئے حفاظت کی جائے الٹا برباد کرنے کے لیے ہر طریقہ آزمایا جا رہا ہے۔''

''اچھا دادی جان! میں واپس آکر بالوں کو بہت اچھے سے برش کروں گی بلکہ وہ سارے حفاظتی ٹوٹکے بھی اپلائی کروں گی جو آپ وقتاً فوقتاً میرے گوش گزار کرتی رہتی ہیں۔ اب خوش؟'' اس نے مسکراتے ہوئے ٹالنے والے انداز میں کہا اور چادر اوڑھنے لگی۔ شفق اس کے انداز کو خوب سمجھتی تھی سو چند لمحے اسے گھورتی رہی پھر نفی میں سر ہلاتی لیٹ گئی۔

''تم نہیں سدھر سکتیں ثانی!''

''اچھا میں جا رہی ہوں۔ اللہ حافظ۔'' مگر اسی پل فون کی بیل سارے گھر میں للکار کی طرح گونجی تھی۔ ثانیہ لاشعوری طور پر رک گئی۔

''اب پلیز فون ریسیو کرنے نہ بیٹھ جانا ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔'' تیمور نے جھلا کر کہا۔

''ثانی! فون ریسیو کرنے میں بھلا کتنا وقت لگتا ہے؟'' شفق نے لیٹے لیٹے دہائی دی تھی۔

''تیمور مجھے کچا کھا جائے گا اس نے تو بائیک بھی باہر نکال لی ہے پلیز شفق! خود ہی ریسیو کر لو اللہ حافظ۔'' وہ آناً فاناً باہر نکل گئی۔
شفق جھلا سی گئی اٹھنے کا دل نہیں چاہ رہا تھا مگر فون تھا کہ بجے ہی جا رہا تھا۔

ناچار اسے اٹھنا ہی پڑا مگر دوسری طرف سے پوچھے جانے والے سوال نے اس کی طبیعت خوب ہی مکدر کی تھی۔

''آپ کو کون سی زبان آتی ہے؟'' تحمل سے پوچھا۔

''جی؟'' استفہامیہ لہجہ سماعت سے ٹکرایا۔

''یہ میں اس لیے پوچھ رہی ہوں کہ اگر وہ زبان مجھے بھی آتی ہو تو اسی زبان میں آپ کو سمجھا دوں کہ یہ غازی اسٹور کا نمبر نہیں ہے۔'' اس کے انداز میں اکتاہٹ، جھنجھلاہٹ سب ہی کچھ تھا۔ دوسری جانب چند لمحوں کی خاموشی چھائی رہی پھر آواز آئی۔

''میں جانتا ہوں یہ غازی اسٹور کا نمبر نہیں ہے۔'' اس نے جتنے آرام سے بلکہ ڈھٹائی سے اعتراف کیا تھا اسی قدر شفق کو جھٹکا لگا تھا۔

''تو اتنے دن سے فون کر کے اور ایک ہی سوال بار بار پوچھ کر کیا ہمارے صبر کا امتحان لیتے رہے تھے۔'' وہ تڑخ کر بولی۔ دوسری جانب وہ یقیناً اس کی جھنجھلاہٹ سے محظوظ ہوا تھا اور ہنسی کی آواز نے شفق کو اور سیخ پا کر دیا تھا۔

''آپ انتہائی بدتمیز انسان ہیں۔''

''بہت غلط بات ہے۔'' اس نے بات قطع کی اور بولا۔
کسی بھی انسان سے متعلق اتنی جلدی رائے قائم نہیں کرنا چاہیے۔ بعد میں جب رائے تبدیل ہوتی ہے تو خود اپنے آپ کو افسوس ہوتا ہے۔''

''ہمیں کس خوشی میں افسوس ہونے لگا...... اور آپ کو تو احساس نہیں ہوگا کہ آپ پچھلے پندرہ روز سے ہمارے یہاں مسلسل فون کر رہے ہو۔''

''میں بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ میں پندرہ روز سے اس غیر اخلاقی حرکت کا مرتکب ہو رہا ہوں مجھ سے زیادہ بھلا کس نے دنوں کا حساب رکھا ہوگا۔''

''ماشاء اللہ...... آپ تو میری توقع سے کہیں زیادہ ڈھیٹ واقع ہوئے ہیں۔'' وہ بے حد طنز سے گویا ہوئی۔

''میں جانتا ہوں کوئی بھی وضاحت دوں گا تو آپ یقین نہیں کریں گی مگر میں آپ سے گزارش ہی کر سکتا ہوں کہ یقین کر لیں۔''

''ہمیں کوئی وضاحت نہیں......''

''سنیے پلیز۔فون بند مت کیجیے گا میں تو صرف ایکسکیوز کرنا چاہتا ہوں۔''اس کے اس قدر منت بھرے لہجے نے شفق کو ریسیور پٹخنے سے روکا تھا۔

''یقیناً آپ نے سوچا ہوگا کہ یہ شخص بار بار فون کرنے کی بجائے خود جا کر غازی اسٹور کا چکر کیوں نہیں لگا لیتا۔''اس نے توقف کیا۔

''میں جا سکتا تھا بشرطیکہ اللہ نے مجھے دونوں ٹانگوں سے محروم نہ کیا ہوتا۔''

''جی۔''شفق فقط اتنا ہی کہہ پائی تھی۔

''جی......اصل میں میری معذوری میری زندگی کی سب سے بڑی محرومی بن چکی ہے، جس انسان نے آدھی زندگی اپنے پیروں پر چل کر بسر کی ہو اور جب اسے باقی زندگی وہیل چیئر پر بیٹھ کر اور دوسروں کا محتاج ہو کر گزارنا پڑے تو زندگی موت سے بھی بدتر محسوس ہونے لگتی ہے۔ میں نے کئی بار اپنے مرنے کی دعا کی ہے لیکن لگتا ہے دعاؤں کی قبولیت کے لیے بھی اپنے پیروں پر کھڑا ہونا شرط ہے۔''وہ افسردگی سے ہنسا تھا۔

''میرا بڑا بھائی چند روز کے لیے وہاڑی گیا ہوا ہے وہ جاتے ہوئے مجھے اپنے دوست کے اسٹور کا نمبر دے گیا تھا کہ جس چیز کی ضرورت ہو فون کر کے منگوا لینا وہاں کا سیلز مین پہنچا جائے گا مگر بدقسمتی سے فون نمبر مجھ سے مس پلیس ہو گیا اور نتیجتاً......''بے چارگی بھرا شائستہ لب ولہجہ یکدم خاموش ہو گیا تھا۔

''شروع شروع میں نمبر غلطی سے ہی ملتا تھا میں خود حیران تھا کہ نمبر غازی بھائی کے اسٹور کا ملاتا ہوں اور ریسیو لڑکی کرتی ہے آخر یہ چکر کیا ہے پھر خیال آیا......خیر چھوڑیے اب اس بات میں کیا رکھا ہے کہ میں نے کیا سوچا بات صرف یہ ہے کہ اس کے بعد میں جان بوجھ کر آپ کے گھر فون ملایا کرتا تھا صرف ایک جملہ سن کر کہ ''نہیں یہ غازی اسٹور کا نمبر نہیں ہے۔'' مجھے بہت اچھا لگتا تھا یوں میں تنہا نہیں ہوں میرے اردگرد لوگ ہیں انسان ہیں جو مجھ سے باتیں کرتے ہیں۔

بھائی بھی اب مجھ سے باتیں نہیں کرتے وہ منہ سے نہیں کہتے مگر میں جانتا ہوں وہ اکتانے لگے ہیں آخر وہ کب تک محض میری تنہائی کے خیال سے میرے پاس بیٹھے رہ سکتے ہیں۔ صحت منداور جسمانی طور پر مکمل انسانوں کو کئی اور کام ہوتے ہیں یہ تنہائی اور بے کاری تو مجھ جیسے معذوروں کا نصیب ہے......آئی ایم رئیلی ویری سوری......میں دوبارہ آپ کو ڈسٹرب نہیں کروں گا......سوری اگین اور......اور ہاں......دعا کیجیے گا کہ مجھے اس معذوری بھری زندگی سے جلد نجات مل جائے میرے حصے کی موت جلدی مجھ تک پہنچ جائے۔''

کھٹاک کی آواز کے ساتھ لائن ڈسکنیکٹ ہو گئی۔البتہ ریسیور ابھی بھی شفق کے ہاتھ میں تھا جسے وہ بے حد دکھ و افسردگی سے دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

’’مجھے یقین ہے مسز عابد کا تعلق چنگیز خان یا ہٹلر کی فیملی سے ہے۔‘‘ تیمور نے احتیاط سے موڑ کاٹتے ہوئے پر یقین لہجے میں کہا تھا۔

’’ساری ادائیں انہی دو حضرات کی یاد دلاتی ہیں ایک تو شکل سے ہی قہر برستا ہے دوسرا گھورتی اتنی غضبناک نظروں سے ہیں کہ سامنے والا دل تھام کر رہ جاتا ہے اور تمہیں تو پتا ہے میرا دل کتنا کمزور ہے۔‘‘ بہت دھیمی رفتار سے بائیک چلاتا وہ اپنے مخصوص انداز میں بول رہا تھا یوں لگتا تھا بائیک چہل قدمی کر رہی ہے اس کے باوجود اس نے بہت مضبوطی سے تیمور کا شانہ تھام رکھا تھا۔

’’گھورنے کی بھی تو کوئی وجہ ہو گی کوئی پاگل ہے کہ بلاوجہ گھورتا رہے۔‘‘ وہ بولی۔

’’کل صرف دس منٹ لیٹ پہنچا تھا میں ان کے ہاں...... محترمہ نے اپنی قہر برساتی نظروں سے نہ صرف گھورا بلکہ تیئس منٹ پر مشتمل ایک لمبا چوڑا لیکچر بھی دیا کہ بچوں کا تو لمحہ قیمتی ہے اور میں نے دس منٹ ضائع کروا کر ان ’’ذہین وفطین‘‘ بچوں کا کس قدر نقصان کیا ہے اور یہ بھی کہ پچھلا ٹیوٹر کس قدر وقت کا پابند تھا مگر پھر بھی انہوں نے اس پر مجھے فوقیت دے کر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔ تو مجھے ان کا احسان مند ہوتے ہوئے نہ صرف وقت کی پابندی کرنا چاہیے بلکہ بچوں کو ایکسٹرا اسٹڈیز بھی کروانی چاہیے۔ کاش محترم خاتون نے ایسی ہی دو چار زبردست سی گھوریاں اپنے لاڈلوں کو بھی ڈالی ہوتیں تو ان کی کند ذہنی اور نالائقی میں کچھ فرق آجاتا تم کچھ بول کیوں نہیں رہیں ثانی ارے کہیں گر گرا تو نہیں گئیں۔‘‘

اس نے ثانیہ کے خوف زندہ انداز پر مزے سے چوٹ کی تھی۔ حالانکہ کندھے پر اس کا ہاتھ مضبوطی سے جما تھا۔ ثانیہ نے اسی ہاتھ سے زبردست دھپ رسید کی تھی وہ ہنسنے لگا تو خفگی سے بولی۔

’’میں نے کہا تھا میں لوکل وین سے چلی جاتی ہوں مگر تمہیں ہی شوق ہے مجھے بائیک پر بٹھانے کا...... جانتے بھی ہو مجھے کتنا ڈر لگتا ہے۔‘‘

اس نے دوسرے ہاتھ سے چادر کا پھسلتا پلو سنبھالا۔

’’میں تو تمہاری پریکٹس کروا رہا ہوں کہ جب تک یہ سہولت میسر ہے فائدہ اٹھاتے ہوئے تمہارا خوف دور کر دوں جب میں اپنی بائیک لوں گا تو تب تمہیں روزانہ اسی پر سفر کرنا ہو گا تمہارے پک اینڈ ڈراپ کی ذمہ داری پھر میری ہو گی۔‘‘

یہ پنج سالہ منصوبہ ہے۔ جتنے عرصے میں تم بائیک خریدو گے میں جانے کہاں ہوں گی امی جلد ہی میری شادی کر دینا چاہتی ہیں۔‘‘ وہ مزے سے بولی تھی۔

’’ہاں یار! ہے تو پنج سالہ منصوبہ۔‘‘ وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دیا مگر پھر فوراً ہی اپنے سابقہ موڈ میں واپس آیا۔

’’لیکن خیر ہے...... بائیک خریدنا میرا خواب ہے جب کہ تمہاری شادی میری سب سے بڑی ذمہ داری...... میں ذمہ داریاں پہلے پوری کرنا چاہتا ہوں۔‘‘ وہ مستحکم لہجے میں بولا تھا ثانیہ کو اچھا لگا۔ تیمور کو ذمہ دار روپ میں دیکھنا اسے ہمیشہ اچھا لگتا تھا مگر محض اسے

چڑانے کو بولی۔

''اتنا اکتا گئے ہو مجھ سے۔''

''ناممکن......میں تم سے کیسے اکتا سکتا ہوں۔'' وہ جھٹ سے بولا۔

''بلکہ میں اپنی کسی بھی بہن سے نہیں اکتا سکتا جس طرح زندہ رہنے کے لیے آکسیجن ضروری ہے میرے لیے تم سب ضروری ہو......میں اپنی ذمہ داریوں سے پوری طرح واقف ہوں سچ کہوں تو اکثر مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ تم، امی اور شفق کو کام کرنا پڑتا ہے، میں کسی قابل ہوتا تو ایسا کبھی نہ کرنے دیتا۔''

''پاگل ہو تم تیمور۔'' ثانیہ نے اسے ڈپٹا۔

''ایسی اوٹ پٹانگ باتیں آخر سوچتے ہی کیوں ہو ایک گھر میں رہنے والے انسانوں کی ذمہ داریاں بھی مشترکہ ہوتی ہیں...... اگر ہم سب کو ایک اچھا لائف اسٹائل فراہم کرنا تمہاری ذمہ داری ہے تو میری بھی ہے بلکہ یہ ہمارا فرض ہے جو بہر حال پورا کرنا ہی ہے۔''

''خیر، خیر یہ تو تم میرے فرائض اپنے ذمے لے رہی ہو ورنہ غیر جانبداری سے دیکھو تو یہ فرائض بیٹے اور بھائیوں کے ہی ہوتے ہیں کہ وہ مالی ذمہ داریاں نبھائیں میرے پاس اچھی جاب نہیں ہے میں تم سب کی ضروریات پوری نہیں کر سکتا تب ہی تمہیں ملازمت کرنا پڑتی ہے۔'' اس کے انداز و لہجے میں کچھ زیادہ ہی قنوطیت چھلکنے لگی تھی۔

''بس بھی کرو تیمور! مجھے لگتا ہے اس بے تکی سی بحث میں ہم بہت آگے جا رہے ہیں تمہیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ میں وعدہ کرتی ہوں جب تمہیں بہت اچھی سی جاب مل جائے گی تو میں یہ ہوم ٹیوشنز چھوڑ دوں گی۔''

''اور اکیڈمی؟''

''وقت آنے پر فیصلہ کریں گے لیکن اگر تمہیں پسند نہیں ہے تو میں اکیڈمی بھی چھوڑ دوں گی۔'' تیمور بس ہنس دیا۔ چند لمحے دونوں ہی خاموش رہے پھر ثانیہ بولی۔

''تیمور! تمہیں بائیک لینے کا بہت شوق ہے نا تو تم بائیک خرید لو آخر کب تک وقاص کی بائیک پر گزارا کرو گے۔'' ثانیہ نے اس کے دوست کا نام لیا تھا جو اپنے بھائی کے ڈر سے بائیک، شہر سے باہر جاتے ہوئے اسے دے جایا کرتا تھا۔

تیمور نے لحظہ بھر کو گردن موڑ کر اسے دیکھنے کی کوشش کی پھر بولا۔

''اس نیم کے درخت کے پتے کاٹ کر لے جاتے ہیں دو سے چار من پتے ایک برینڈ نیو زیرو میٹر بائیک خریدنے کے لیے کافی ہوں گے......کیوں؟'' اس نے تائید چاہی ثانیہ نے ہاتھ جڑ دیا۔

''میں مذاق نہیں کر رہی۔'' وہ زور دے کر بولی۔

''میں بھی مذاق نہیں کر رہا۔'' وہ بھی زور دے کر بولا۔

''اچھا بتاؤ تمہارے کتنے خواب ہیں؟'' ثانیہ نے پوچھا۔

''آہا......'' اس نے ایک گہری سانس بھری تھی۔

''اب میں تمہیں کیا بتاؤں ثانی بہن! ان چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں کتنے بڑے بڑے اور لاتعداد خواب دیکھ رکھے ہیں۔'' وہ متبسم لہجے میں بولا۔

''آپ مجھے ضرور بتائیں تیمور بھائی کہ ان بڑے بڑے اور لاتعداد خوابوں میں سے ٹاپ آف دا لسٹ کون سے ہیں۔'' وہ بالکل اسی کے انداز میں بولی تھی وہ دونوں جب موڈ میں ہوتے تھے تو ایک دوسرے کو اسی طرح مخاطب کرتے تھے خصوصاً تیمور تو اکثر ہی اسے ثانی کی بجائے ثانی بہن کہہ کر مخاطب کیا کرتا تھا۔

''آں......ذرا مجھے سوچنے دو۔'' اس نے اگلے چند ہی لمحے سوچنے میں صرف کیے تھے۔

''امی کو حج کروانا ہے، نرمین، زینب اور کشف کی بہترین تعلیم تمہاری اور عانی کی شادی...... بہت اچھے طریقے سے۔ فی الحال تو یہ ہی میرے اہم ترین خواب ہیں۔''

''سارے خواب بس ہمارے حوالے سے ہیں اپنے اور شفق کے بارے میں کچھ نہیں سوچا۔'' ثانیہ نے قدرے حیرانی سے پوچھا جس جواب کی توقع وہ کر رہی تھی تیمور نے اس کے بالکل برعکس کہا تھا۔

''سوچا تو کچھ نہیں۔'' اس نے بائیں ہاتھ کی انگلیاں بالوں میں چلائیں اور شریر لہجے میں بولا۔ ''البتہ اکثر خواب میں، میں نے اسے اپنے ساتھ بائیک پر بیٹھ کر آسمان کی سیر کرتے دیکھا ہے میرا خیال ہے اگلے دس بارہ سالوں میں ایسی بائیک ضرور مارکیٹ میں آجائے گی جو ہوا میں اڑتی ہو۔''

''میرے پاس ایک آئیڈیا ہے تیمور!'' اس کی بات نظرانداز کرتے ہوئے ثانیہ نے پرسوچ انداز میں کہا۔

''کیا؟''

جن دنوں گولڈ کا ریٹ کم تھا امی نے میرے اور عانیہ کے لیے ڈھائی ڈھائی تولے کے سیٹ بنائے تھے میری کولیگ کہہ رہی تھی آج کل گولڈ کا ریٹ بڑھ چکا ہے تو کیوں نہ میرا والا سیٹ فروخت کر دیں اور تمہارے لیے بائیک خرید لیں برینڈ نیو نہ سہی میرا خیال ہے سیکنڈ ہینڈ تو خریدی جا ہی سکتی ہے۔''

''تم اپنے اسٹوپڈ آئیڈیاز سنبھال کر رکھو۔'' تیمور نے درشتی سے کہا۔

''میں بائیک ضرور لینا چاہتا ہوں مگر اس طرح بالکل بھی نہیں جس طرح تم کہہ رہی ہو۔ وہ گولڈ سیٹ امی نے تمہارے لیے بنوایا

ہے تمہارے ہی کام آنا چاہیے۔ آج بائیک خریدنے کے لیے سیٹ فروخت کردوں اور کل کو جب گولڈ چاہیے ہو تو بائیک فروخت کر دوں...... نہیں یہ بالکل بھی ٹھیک نہیں ہے ایک معمولی خواہش پوری کرنے کے لیے مستقبل کی ایک اہم ضرورت کو پس پشت ڈال دینا نری حماقت ہے اور کچھ نہیں۔"

"لیکن تیمور......" ثانیہ نے کہنا چاہا مگر تیمور نے ٹوک دیا۔

"بس رہنے دو ہم اس بارے میں بات نہیں کریں گے پھر یہ کوئی اتنی بڑی ضرورت بھی نہیں ہے میں لوکل ٹرانسپورٹ استعمال کرتا ہوں اور بہت مزے میں ہوں ایک بائیک خرید کر مجھے مزید اخراجات گلے نہیں پڑوانے۔"

ثانیہ کی مطلوبہ منزل آچکی تھی۔ چوکیدار نے اسے دیکھ کر گیٹ سے متصل دروازہ کھول دیا تھا۔

"اور اپنا وعدہ یاد رکھنا جب مجھے جاب مل جائے گی تو تم ہوم ٹیوشنز چھوڑ دو گی۔"

"ہاں چھوڑ دوں گی مگر سیشن مکمل ہونے کے بعد۔" ثانیہ نے کہا تیمور نے سر ہلایا اور کک لگائی۔

"رفتار آہستہ رکھنا۔" وہ تاکید کرنا نہیں بھولی تھی۔ تیمور نے سنا ضرور البتہ عمل نہیں کیا۔ تیمور جب تک گلی کا موڑ نہیں مڑ گیا ثانیہ وہیں کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ ان چند لمحوں میں اس کے دل میں موجود ایک ارادے نے پختگی اختیار کی تھی۔ وہ اندر داخل ہوئی تو سب سے پہلا سامنا مسز شہباز کی کل وقتی ملازمہ سے ہوا تھا۔

"آپ اندر چلی جائیں مگر اسٹڈی میں مت جایئے گا زری بی بی نے آپ کو لاؤنج میں بیٹھنے کے لیے کہا ہے۔" ملازمہ نے اسے کہا تو وہ اطراف کا جائزہ لیتی اندر کی جانب بڑھی۔

سہ پہر غنودگی میں جھول رہی تھی لان کی بیرونی دیواروں سے چمٹی بوگن ویلیا دھوپ کی زد میں تھی مگر ہلکی ہلکی سی ہوا بڑا خوش گوار تاثر دے رہی تھی۔ فضا میں گل چین کی دلفریب مہک رچی تھی۔

اے سی کی ٹھنڈک تھی اور یہ ٹھنڈک ہمیشہ ہی اسے مخمصے میں ڈال دیتی تھی۔ دن بھر کی تھکاوٹ اور بے تحاشا گرمی سے چٹخے اعصاب پر جیسے یہاں آتے ہی تھپکیاں لگنا شروع ہو جاتی تھیں آنکھیں آپوں آپ بند ہونے لگتیں جنہیں وہ اپنی بھرپور کوشش سے کھلا رکھتی تھی ایسے میں وہ مسز شہباز کی بہت شکر گزار ہوتی جو اسے چائے پلواتی تھیں اور اس چائے کے ایک ایک کپ کی قیمت اس کے فیس کی مد میں بھی نہیں کاٹتی تھیں۔

آج تو خیر اس نے اکیڈمی سے چھٹی کی تھی اس لیے تھکن کا نام ونشان بھی نہ تھا تب ہی خاصی فریش تھی اور جسے مسز شہباز نے محسوس کرتے ہوئے فوراً پوائنٹ آؤٹ کر کے وجہ بھی دریافت کرلی تھی۔

مسز شہباز کے یہاں وہ پچھلے دو سال سے آرہی تھی اس لیے بچوں کی اسٹڈیز سے ہٹ کر کچھ ادھر ادھر کی گفتگو بھی ہو جایا کرتی

تھی۔ مسز شہباز اس پر بھروسہ بھی بہت کرتی تھیں اکثر اس کی موجودگی میں کہیں آنا جانا ہوتا تھا تو وہ بھی نبٹا لیتی تھیں۔

''میں خاصی دیر سے تمہارا انتظار کر رہی تھی اصل میں بشریٰ نے کچھ شاپنگ دکھانے کے لیے مجھے اپنے یہاں آنے کا کہا تھا اب تم یہاں ہو تو میں اتنی دیر میں اس کی طرف ہو آتی ہوں ہماری ہی لائن میں تیسرا بنگلہ ہے۔ تمہاری موجودگی میں مجھے گھر کی فکر بھی نہیں ہوگی، کہنے کو تو ملازم بھی موجود ہیں مگر اپنے شرارتی بچوں کی وجہ سے ان پر بھروسہ نہیں کر سکتی۔ ایک صرف تم ہو جو ان شیطانوں کو سنبھال لیتی ہو ورنہ اکثر تو میرے قابو میں بھی نہیں آتے۔''

مسز شہباز کو بولنے کا شوق تھا جب بولنا شروع کرتی تھیں تو سامنے والے کو ان کی اکثر باتوں کا جواب مسکراہٹ یا سر کے اشارے سے دینا پڑتا تھا جیسا کہ اس وقت ثانیہ کے ساتھ ہوا تھا۔

''سو نائس آف یو ثانیہ! بس تھوڑی دیر میں واپس آجاؤں گی۔ اختری بچوں کو بلا لاؤ۔''

''ایکسکیوز می مسز شہباز!'' اس نے جھجکتے ہوئے پکارا تو وہ پلٹ کر اس کی شکل دیکھنے لگیں۔

''کیا میں آپ کے یہاں سے ایک لوکل کال کر سکتی ہوں۔ مجھے اپنی کولیگ سے بات کرنی ہے گھر سے نکلتے ہوئے ذہن سے نکل گیا اب یاد آیا تو سوچا یہیں سے کال کر لوں اگر آپ اجازت دیں تو......''

''اس میں پوچھنے کی کیا ضرورت ہے بھئی۔'' مسز شہباز نے مسکرا کر کہا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئیں۔ انہیں شاید جانے کی کچھ زیادہ ہی جلدی تھی ورنہ اتنی مختصر بات کبھی نہیں کرتی تھیں۔

ثانیہ مسکراتی ہوئی ٹیلی فون اسٹینڈ تک آئی اور نمبر ڈائل کرنے لگی۔

''حرا! کل تم نے کمیٹی ڈالنے کی بات کی تھی مجھے اس کے بارے میں پوچھنا تھا۔'' رسمی علیک سلیک کے بعد اس نے کہا تھا۔

''پوچھنا کیا ہے یار! تمہیں تو پتا ہے میری امی کمیٹیاں ڈالتی رہتی ہیں ابھی پچھلے ماہ ایک ختم ہوئی ہے تو اب اس ماہ سے اگلی شروع کر رہی ہیں پچاس ہزار کا ٹارگٹ ہے دو ہزار دینا ہوں گے پچیس کمیٹیاں ہیں تقریباً ڈھائی سال چلے گی۔''

حرا نے اسے سارے اعداد و شمار سے آگاہ کیا تو وہ سوچ میں پڑ گئی۔

''ہے تو خاصی لمبی لیکن خیر تم میرا نمبر بھی ڈال لو مگر ایک شرط ہے مجھے شروع کے نمبرز میں سے کوئی نمبر چاہیے۔ زیادہ سے زیادہ پانچواں یا چھٹا۔''

''میں امی سے پوچھتی ہوں ہو سکتا ہے کوئی نمبر نکل آئے اصل میں ہر کوئی جلدی نمبر چاہتا ہے۔ بہر حال میں پوچھتی ہوں۔ تمہیں میری فرینڈ ہونے کا ایڈوانٹیج تو ملنا ہی چاہیے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی تھی۔

''اختری، ایک اور ایبا سے کہو جلدی سے بکس لے کر آجائیں میں باہر لان میں ان کا انتظار کر رہی ہوں۔'' فون بند کرنے کے

بعد اس نے ملازمہ کو مخاطب کیا تھا اور پرس اٹھا کر لان میں آ گئی تھی۔

☆......☆......☆

وہ بائیک پر بیٹھ کر آسمان کی سیر کرنے لگتا تھا۔ اس وقت اس کا دل ایک چھوٹے بچے کی طرح خوش ہوتا تھا جسے اس کا من پسند کھلونا مل گیا ہو۔

وہ کبھی بائیک کی رفتار بڑھا دیتا تھا کبھی کم کر دیا کرتا تھا اور اسے اس کھیل میں مزا آتا تھا۔ امی، ثانیہ اور شفق کی، کی ہوئی تاکیدیں، نصیحتیں جو بائیک کو آہستہ چلانے کے حوالے سے ہوتی تھیں انہیں وہ جان بوجھ کر پس پشت ڈال دیتا تھا۔

ابھی بھی ثانیہ کو اتار کر اس نے بائیک فل اسپیڈ سے دوڑائی تھی پھر رفتار قدرے کم کر دی تھی، اسے عابد مختار کے یہاں پہنچنے کی کوئی جلدی نہیں تھی مقررہ وقت سے بہت پہلے ہی وہ گھر سے نکل آیا تھا اور ابھی بہت دیر تک اسے بائیک خالی سڑکوں پر دوڑا کر اپنا شوق پورا کرنا تھا۔

مگر اسکا یہ شوق، شوق ہی رہ گیا گو کہ وہ پوری طرح چوکنا تھا اور رفتار بھی کوئی اتنی زیادہ نہیں تھی مگر ایک موڑ مڑتے ہوئے بنا ہارن دیے ایک گاڑی اس کے سامنے آ گئی تھی۔ اس نے یکدم حواس باختہ ہوتے ہوئے خود کو کسی حادثے سے بچانے کی کوشش کی تھی اور ایسی ہی کوئی کوشش دوسری جانب سے بھی ہوئی تھی۔

اس کی بائیک گاڑی کو کراس کر گئی تھی مگر سنبھل نہ سکی تھی اور سیدھی بجلی کے کھمبے سے ٹکرائی تھی تیمور اچھل کر فٹ پاتھ کے کنارے سے ٹکرایا تھا اور گویا زمین آسمان کا ہر منظر روئی کی طرح اڑنے لگا تھا۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا تھا اور اسے پتا نہیں چلا تھا کہ کوئی کب اس گاڑی سے نکل کر اس کی جانب دوڑا تھا۔ اس کی سماعت سے کئی آوازیں اپنے غیر واضح مفہوم کے ساتھ ٹکرا رہی تھیں۔ کسی نے اس کا بازو تھام کر اسے بٹھانے کی کوشش کی تھی۔

چند لمحے بعد جب تکلیف کی شدت کچھ کم ہوئی تو اس نے آنکھیں کھولیں۔ اڑتے ہوئے پیڑ پودوں۔ خلا میں معلق بجلی کے کھمبوں، الٹے لٹکے مکانات، آگے پیچھے ہوتی سائیکل اور گاڑی اور مدھم مدھم ایک ہی نقوش والے تین تین چار چار چہروں کو ایک مقام پر رک کر واضح منظر بنانے میں بھی کچھ لمحے لگے تھے۔

''آپ ٹھیک ہیں۔'' اسے پوری آنکھیں کھولتا دیکھ کر کسی نے بہت تشویش سے پوچھا تھا۔ مگر اس نے جواب دینے کی بجائے پہلے بے حد بے قراری سے ادھر ادھر دیکھا پھر اسے کھمبے کے پاس گری بائیک دکھائی دی۔ اس کے دل پر جیسے گھونسا لگا تھا۔

''میری بائیک۔'' اس کے لبوں سے صدمے سے چور اور بے حد بے قرار آواز نکلی تھی۔

''آپ کی بائیک کو کچھ نہیں ہوا وہ بالکل ٹھیک ہے لیکن کیا آپ ٹھیک ہیں؟''

''میں ٹھیک ہوں لیکن میری بائیک۔'' اسے لگا کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے ہیں۔ شاید آنکھوں سے آنسو بھی نکل پڑتے وہ یک ٹک اسی جانب دیکھ رہا تھا۔

''میاں صاحبزادے! پہلے اپنی ہڈیاں گن لو پھر بائیک کی گننا۔'' اس کے اردگرد لگے مجمع میں سے کسی نے کہا تھا اس سے مسکرایا بھی نہیں گیا۔

''یہاں کیا تماشا ہو رہا ہے؟'' اس نے کسی کو کہتے سنا۔

''پلیز آپ لوگ جائیں یہاں سے...... یہ ہمارا معاملہ ہے ہم ہینڈل کرلیں گے۔'' اس کے اردگرد مجمع چھٹا اور دھوپ بڑھنے لگی تھی۔

''غلام بخش آپ جا کر بائیک کو دیکھیے اور آپ ینگ مین! آیئے ہم آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے چلتے ہیں۔''

اس نے سادہ سے شلوار سوٹ میں ملبوس شخص کو اپنی بائیک کھڑی کرتے دیکھا تب ہی کسی نے ایک رومال اسکی جانب بڑھایا تھا۔

''اسے ماتھے پر رکھیں خون بہت بہہ رہا ہے۔'' اس کی جان میں جان آچکی تھی ایک نظر رومال پر دوسری نظر دینے والے پر ڈالی اور رومال ماتھے پر رکھ لیا۔ حواس قابو میں آچکے تھے تب ہی احساس ہوا چہرہ کا دایاں حصہ خون سے بھر چکا ہے اس کی شرٹ پر بھی خون لگ چکا تھا۔

''سر جی! ایک ڈینٹ پڑا ہے اور ہیڈ لائٹ ٹوٹ گئی ہے۔'' غلام بخش بائیک گھسیٹتا ادھر ہی لے آیا تھا۔

''ٹھیک ہے تم اسے ورکشاپ لے کر جاؤ اور جو بھی ریپئرنگ ضروری ہے وہ کراؤ۔ شاہنواز! تم انہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤ۔''

''لیکن سر! آپ......''

''یو ڈونٹ وری یہاں سے واکنگ ڈسٹینس ہے میں چلا جاؤں گا۔''

''آپ رہنے دیں میں ڈاکٹر کے پاس چلا جاؤں گا آپ میری بائیک مجھے دے دیں۔'' اس نے فوراً کہتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کی تھی مگر بری طرح چکراتے سر نے لڑکھڑا کر رکھ دیا تھا۔

''تم سے تو کھڑا تک نہیں ہوا جا رہا بائیک کیسے چلاؤ گے۔'' وہی شخص جو اسے سہارا دے کر اٹھا رہا تھا بولا۔

''میں چلا......'' تیمور نے کہنا چاہا۔

''اب کیوں شرمندہ کر رہے ہو یار! میری وجہ سے تمہیں چوٹ آئی نقصان جو بائیک کا ہوا وہ الگ...... پھر تم تلافی بھی نہیں کرنے دے رہے۔'' اس نے زبردستی تیمور کو پچھلی سیٹ پر لٹا دیا تھا۔ کچھ دیر اس نے اپنے ساتھیوں سے مذاکرات کیے تھے اور آکر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔

''آئی ایم رئیلی ویری سوری...... میں ہمیشہ ہی ڈرائیونگ کے دوران موبائل فون کو اوائیڈ کرتا ہوں مگر آج ضروری کال ریسیو کرنا پڑ گئی ذرا سی نظر چوکی اور یہ حادثہ ہو گیا، میں بہت معذرت خواہ ہوں۔''

وہ شخص بے حد نرم اور جھینپے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا تیمور خاموشی سے لیٹا رہا وہ بولنا چاہتا تھا مگر اسے اپنے سر اور جسم کے مختلف حصوں خصوصاً کہنی میں بہت شدید درد محسوس ہو رہا تھا کبھی کبھی اسے لگتا اس کے حواس ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔

چند منٹ کی ڈرائیو کے بعد گاڑی رک گئی تھی۔ اسی شخص نے پھر اسے سہارا دے کر باہر نکالا تھا۔

اس کے ماتھے پر آنے والا زخم بہت گہرا نہیں تھا تب ہی ٹانکے لگانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی ڈاکٹر نے اس کے بینڈیج کر دی تھی اسے ایک انجکشن لگایا گیا تھا ساتھ ہی کچھ ایکسرسائز بھی کروائی گئی تھیں۔ اس کا دایاں بازو خود اس کے وزن تلے آ کر بل کھا گیا تھا۔

انجکشن لگانے کے بعد اسے کچھ دیر تک پرسکون ہو کر لیٹے رہنے کے لیے کہا گیا تھا۔

''مے آئی نو یور گڈ نیم؟'' نرس کے جاتے ہی وہ شخص بیڈ کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گیا تھا اور اس نے تیمور سے پوچھا تھا۔

تیمور نے آہستگی سے نام بتا دیا اس کے ذہن پر غنودگی چھا رہی تھی۔

''نائس نیم...... پڑھتے ہو؟''

''جی۔''

''کون سی کلاس میں؟''

''بی کام...... فائنل ائیر کے پیپرز دے رکھے ہیں۔''

''رزلٹ کب آئے گا؟''

''اسی مہینے کے اینڈ تک۔''

''پوزیشن آئے گی؟''

''پتا نہیں۔''

''کیوں پیپرز اچھے نہیں ہوئے؟''

''اچھے ہوئے ہیں۔''

''پھر تو پوزیشن ضرور آئے گی۔'' تیمور سے زیادہ وہ پر یقین تھا۔

''ہو سکتا ہے آجائے۔''

''اچھی بات ہے بہت اچھی بات ہے۔ میٹرک تک میں بھی پوزیشن لیا کرتا تھا مگر اس کے بعد مجھ سے زیادہ اچھے اور ذہین اسٹوڈنٹس نے پوزیشن لینا شروع کر دی اور میں چوتھے نمبر پر پہنچ گیا۔'' اس کا انداز شریر تھا۔

''اینی وے وش یو بیسٹ آف لک۔''

تیمور اس کی پوری بات نہیں سن سکا تھا۔ غنودگی نے پوری طرح اس کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیا تھا۔

☆......☆......☆

ہوا نے جھولی بھر سیاہ و سرمئی رنگ بادلوں سے چرایا تھا اور نظر بچا کر سورج کے چہرے پر پھیر دیا تھا۔

بادلوں نے یکدم زور سے گرج کر احتجاج کیا تو ہوا شرارت سے مسکراتی تیزی سے بھاگتی دور نکل گئی۔

دونوں بچوں سمیت ثانیہ نے بھی تعجب سے منہ اٹھا کر آسمان کی جانب دیکھا سیاہ و سرمئی رنگوں میں مدغم ہوتی نارنجی کرنیں، آسمان کا رنگ بدل گئی تھیں۔

''ٹیچر! بارش ہوگی۔'' ایہا نے پتا نہیں پوچھا تھا یا بتایا تھا۔

''نہیں ایہا! بارش نہیں ہوگی جب اتنے سے بادل آتے ہیں تو بارش نہیں ہوتی۔'' اس نے پیار سے سمجھایا۔

''اگر بارش نہیں ہوگی تو بادل کیوں بول رہے ہیں...... مما کہتی ہیں جب بادل بولتے ہیں تو بارش ہوتی ہے۔ میں اپنی بکس بند کر کے بیگ میں رکھ دوں اگر بارش آگئی تو بکس خراب ہو جائیں گی۔'' ایبک نے موقع کا بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی۔

''جی نہیں۔'' ثانیہ نے گھورا۔

''جو کوئسچنز میں نے آپ کو سولو کرنے کے لیے دیے ہیں آپ انہیں کریں بارش آئے گی تو ہم اندر چلے جائیں گے اور آپ کی بکس بھی خراب نہیں ہوں گی۔'' اس کے سے کہنے پر وہ منہ بسورتا کام کرنے لگا تھا۔ ایہا پہلے ہی مصروف تھی۔ ثانیہ پھر سے اطراف کا جائزہ لینے لگی۔ ہوا کی شرارتیں عروج پر تھیں۔

لان کا سارا سبزہ بھی سرور میں آگیا تھا کبھی کبھی سنہری کرنیں بادلوں کے پیچھے سے جھانکنے میں کامیاب ہوتیں تو سارے رنگ چمک سے اٹھتے۔

دیوار سے لپٹی بیل پر بھوری چڑیوں نے ایک اودھم سا مچا رکھا تھا۔

ثانیہ کے پاس سوچنے کے لیے بہت کچھ تھا۔ وہ ساری تنخواہ امی کے ہاتھ میں دیتی تھی۔ اکیڈمی اور ہوم ٹیوشن سے حاصل ہونے والی رقم ماشاءاللہ اچھی خاصی ہوتی تھی۔ ذاتی اخراجات کے لیے امی اسے دو ہزار روپے دیتی تھیں جو عموماً ہی آنے جانے کے کرائے کی مد میں خرچ ہوتے تھے۔ ثانیہ نے کمیٹی کے لیے ان ہی میں سے ایک ہزار نکالنے کا فیصلہ کیا تھا۔ پھر دو روز قبل فاروق صاحب نے اسے دو میتھس کے اسٹوڈنٹ کو ٹیوشن دینے کے لیے کہا تھا تب اس نے وقت کی کمی کے باعث انکار کر دیا تھا مگر اب اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ ٹیوشن ضرور دے گی۔ تیمور کی خواہش پوری کرنے کے لیے وہ اپنے ذاتی آرام کے اوقات میں سے ایک گھنٹا صرف کرنے کے لیے بخوشی تیار تھی۔

''پتا نہیں پچاس ہزار میں ہنڈا سی ڈی سیونٹی آتی ہے یا نہیں۔''

وہ سوچ رہی تھی۔ تب ہی بچوں کی پرجوش آوازوں نے اسے چونکایا اور سامنے نظر پڑتے ہی وہ گڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ اپنی سوچ میں اس حد تک مگن تھی کہ اسے لاشاری صاحب کے آنے کی خبر ہی نہ ملی تھی۔

''السلام علیکم۔'' اس نے سلام کیا تو ایبک فوراً بولا۔

''یہ ماموں جان ہیں جہانگیر لاشاری۔ اور یہ ٹیچر ثانیہ ہیں آپ کو میتھس کے سوالات سمجھ میں نہ آئیں تو ان سے پوچھ لیجیے۔ یہ آپ کو سکھا دیں گی، ہے نا ٹیچر؟'' ایبک نے معصومیت سے پوچھا تو وہ دونوں ہی ہنس دیئے تھے۔

''ٹیچر آپ تیار رہیے کیونکہ آپ کے اسٹوڈنٹس میں عنقریب اضافہ ہونے والا ہے۔'' جہانگیر لاشاری نے متبسم لہجے میں کہا تھا۔

''وائے ناٹ سر۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''مسز شہباز اپنی فرینڈ کی طرف گئی ہیں آپ اندر بیٹھ کر ویٹ کیجیے وہ بس واپس آ ہی رہی ہوں گی۔''

جہانگیر لاشاری نے متانت سے سر ہلایا اور بولے۔

''آپ کی کلاس ڈسٹرب کرنے کے لیے میں معذرت چاہتا ہوں۔''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' اسے لگا وہ جتا رہے ہیں تب ہی وضاحتی لہجے میں بولی۔

''اٹس اوکے......'' وہ مسکرا کر بولے پھر ابیہا اور ایبک سے مخاطب ہوئے۔

''ہم اندر جا کر آپ کے فارغ ہونے کا انتظار کرتے ہیں اور آپ دونوں جلدی ہوم ورک ختم کر کے اندر آئیے آج ہمیں بہت ساری باتیں کرنی ہیں اور پھر۔''

''اور آئس کریم کھانے بھی جانا ہے۔'' ایبک نے فوراً اضافہ کیا۔ جہانگیر لاشاری مسکرا دیئے۔

''جی ہاں آئس کریم کھانے بھی جائیں گے۔'' وہ بچوں کو یقین دلا کر اندر کی سمت چل دیئے۔

ثانیہ اس سے پہلے بھی انہیں دو تین بار یہاں دیکھ چکی تھی۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ وہ مسز شہباز کے بڑے بھائی ہیں، مگر آج پہلی بار سلام سے آگے چند جملوں کا تبادلہ ہوا تھا۔ سفید رنگ کے شلوار قمیص میں ملبوس گرے بال جو ان کی کنپٹیوں پر نمایاں ہو کر ان کی شخصیت کے تاثر کو اور سوبر بنا دیتے تھے۔

ثانیہ چند لمحے انہیں جاتا دیکھتی رہی پھر ایبک کی جانب متوجہ ہو گئی جو اپنے کلر مارکر کے ساتھ ابیہا کی شرٹ برباد کرنے کے درپے تھا۔

☆......☆......☆

دروازہ عانیہ نے کھولا تھا اور تیمور کو ایک اجنبی شخص کے سہارے گھر میں داخل ہوتا دیکھ کر بری طرح بوکھلا گئی تھی۔

''مجھے کچھ نہیں ہوا عانیہ! بس ایک معمولی سا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔'' تیمور نے مضمحل لہجے میں اس کی تشفی کروانا چاہی تھی۔

''یہ معمولی ایکسیڈنٹ ہے اور......'' عانیہ کو یکدم احساس ہوا کہ وہ شخص تیمور کو سہارا دیے دروازے سے چند قدم آگے ہی کھڑا

ہے۔اس نے ادھرادھر دیکھا صحن میں ابھی کوئی پلنگ نہیں بچھا تھا۔

''ادھر آ جائیں۔''اس نے قریب ترین کمرے تک رہنمائی کی تھی۔

''میں امی کو بلا کرلاتی ہوں۔''اس کو پہلا خیال یہی آیا تھا مگر تیمور نے ٹوک دیا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے......ویسے امی ہیں کہاں؟''

''اوپر اسٹور میں۔''اس نے بتایا اور پریشانی سے اسے دیکھنے لگی۔تیمور پلنگ پر نیم دراز تھا جبکہ اجنبی ابھی تک کھڑا تھا۔

''عانیہ!ایک گلاس پانی لادو۔''تیمور نے کہا تو وہ فوراً باہر نکل گئی۔

''آپ پلیز بیٹھ جائیں۔''تیمور نے اسے مستقل کھڑا دیکھ کر جھینپتے ہوئے کہا اور اٹھ کر کرسی پیش کرنا چاہی مگر وہ شخص اسے ہاتھ کے اشارے سے منع کرتا بیٹھ گیا تھا کرسی گھسیٹ کر۔

''آپ کیا کرتے ہیں؟ پڑھتے ہیں؟''تیمور نے گفتگو کا آغاز کیا تھا۔

''لاسٹ ائیر میں نے ایم بی اے کیا ہے مزید پڑھنا چاہتا ہوں مگر ابھی نہیں ویسے میں بخت انٹر پرائزز میں جاب کر رہا ہوں۔'' اس نے تفصیل سے بتایا تھا۔

''آپ کا نام کیا ہے؟''اس نے پھر پوچھا۔

''شاہنواز ملک۔''اس نے بتایا تب ہی عانیہ پانی کا گلاس لیے اندر داخل ہوئی۔

''مجھے بتاؤ تیمور!ایکسیڈنٹ کیسے ہوا ہے؟ تمہیں زیادہ چوٹ تو نہیں آئی۔''اس نے گلاس تیمور کی جانب بڑھاتے ہوئے تشویش سے پوچھا تھا۔

''تیمور کو زیادہ چوٹیں نہیں آئیں بس یہ پیشانی پر زخم ہے۔تیمور!ہو سکے تو کل اسی ڈاکٹر سے بینڈیج تبدیل کروا لینا لیکن اگر خود ہی کر سکو تو بھی ٹھیک ہے باقی جو ایکسر سائز بازو کے لیے بتائی ہے وہ ضرور کرتے رہنا اور یہ تمہاری میڈیسن ہے دو دن تک کھانی ہے۔'' عانیہ کو بتاتے ہوئے وہ تیمور سے بات کرنے لگا تھا پھر وہ اجازت طلب انداز میں اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''آپ بیٹھیں پلیز......چائے یا......''تیمور نے کہا۔

''ارے نہیں یار!کن تکلفات میں پڑ رہے ہو۔تمہیں تمہارے گھر پہنچانا تھا سو پہنچا دیا انفیکٹ مجھے ایک ضروری کام کے سلسلے میں جانا تھا اور میں آل ریڈی لیٹ ہو چکا ہوں۔''اس نے اپنی سو برسی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''آئی ایم سوری۔آپ کو میری وجہ سے زحمت ہوئی۔''تیمور نے قدرے شرمندگی سے کہا تو وہ اپنی اسی دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''ایکسکیوز تو مجھے کرنا چاہیے۔ میں احتیاط سے ڈرائیونگ کرتا تو ایکسیڈنٹ نہ ہوتا۔''

تیمور نے مسکراتے ہوئے پہلی بار اسے بغور دیکھا۔ وہ کیمل کلر کے شلوار قمیص میں ملبوس تھا۔ قمیص کی آستینیں گرمی کے باعث کہنیوں تک فولڈ کر رکھی تھیں۔ بلاشبہ وہ خاصا وجیہہ نوجوان تھا۔

''اس کا مطلب آپ نے تیمور کا ایکسیڈنٹ کیا ہے؟'' اس نے عانیہ کو کہتے سنا۔

''میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔'' شاہنواز نے فوراً وضاحت دی تھی۔

''کوئی بھی جان بوکھ کر نہیں کرتا۔'' عانیہ نے جارحانہ انداز میں کہا۔

''لیکن اگر آپ آنکھیں کھول کر ڈرائیونگ کرتے تو یقیناً ایسا کچھ نہ ہوتا۔''

''دیکھیے محترمہ......'' اس نے کہا چاہا مگر محترمہ کچھ بھی سننے کو تیار نہیں تھیں۔ بلا تکان بولتے ہوئے بے نقط سنا ڈالیں اور شاہنواز حقیقتاً اپنی غلطی تسلیم کر رہا تھا تب ہی خاموشی سے سنتا رہا، ناچار تیمور کو کہنا پڑا۔

''عالی! تم غلط سمجھ رہی ہو۔ یہ ٹھیک ہے کہ میرا ایکسیڈنٹ ان ہی کی گاڑی سے ہوا ہے مگر غلطی میری تھی۔''

''تم بس رہنے ہی دو۔'' اس نے ڈپٹ کر کہا۔

''ہو تو ہماری ہی اماں کے بیٹے، انہیں پرائی مصیبت اپنے سر لینے کا شوق ہے اور تمہیں دوسروں کی غلطیاں۔''

آخری الفاظ پر اس نے بہت گھور کر شاہنواز کو دیکھا تھا گویا جتا رہی ہو۔

''میں تیمور سے ایکسکیوز کر چکا ہوں لیکن اگر آپ چاہتی ہیں تو میں پھر سے معذرت کر لیتا ہوں کہ بہر حال مجھے اپنی غلطیاں دوسروں کی جھولی میں ڈالنے کی عادت نہیں ہے۔'' وہ تحمل سے بولا۔

''بہت اچھی بات ہے، پہلی فرصت میں کوئی اچھا ڈرائیونگ اسکول بھی جوائن کر لیں تا کہ کوئی غریب کسی بڑے نقصان سے بچ جائے۔'' اس نے تاک کر وار کیا۔

''پلیز شاہنواز بھائی! آپ برا مت مانیے گا۔'' تیمور نے بوکھلا کر کہتے ہوئے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

''اس کی طرف سے میں ایکسیوز کرتا ہوں۔''

''کس خوشی میں ایکسکیوز کر رہے ہو میں نے ایسا کیا کہہ دیا ہے؟'' وہ تڑخ کر بولی۔

''میں چلتا ہوں تیمور۔'' شاہنواز نے وہاں سے کھسک جانا ہی مناسب سمجھا۔

''جایئے جایئے۔ کوئی اور بے چارہ اپنی ہڈیاں تڑوانے کے لیے آپ کا منتظر ہوگا۔''

''عانیہ۔'' تیمور کو پہلی بار اس کے اس قدر جذباتی ردعمل پر جھنجھلاہٹ ہوئی تھی۔ جبکہ شاہنواز نے اس کی یہ بات بھی تحمل سے ہضم کی تھی۔

''رات نو بجے تک میرا ڈرائیور تمہاری بائیک گھر پہنچا دے گا۔''

''کیا گارنٹی ہے کہ وہ دے جائے گا؟'' عانیہ پھر سے بولی۔

''میں جو کہہ رہا ہوں۔''

''اب آپ کے کہنے پر کون یقین کرے یوں بھی کسی کے چہرے پر تھوڑا ہی لکھا ہوتا ہے کہ وہ بھروسے کے لائق ہے۔''

شاہنواز نے پہلی بار پوری سنجیدگی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

''میں اپنا وزیٹنگ کارڈ اور آئی ڈی کارڈ کی فوٹو کاپی تیمور صاحب کو دے چکا ہوں ڈرائیور کے آنے تک میں یہاں نہیں رہ سکتا۔ اس لیے آپ میرا اوریجنل آئی ڈی کارڈ بھی رکھیں۔'' اس نے والٹ سے آئی ڈی کارڈ نکالا تھا۔

''ڈرائیور بائیک لے کر آئے گا تو اسے لے جائے گا اور اگر نہیں آئے گا تو ظاہر ہے مجھے آئی ڈی کارڈ لینے تو آنا ہی پڑے گا اور تب آپ جواب طلبی کر سکتی ہیں مگر انشاء اللہ اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ آپ کے نزدیک یقیناً اس کی اہمیت نہیں مگر یہ آئی ڈی کارڈ میرے لیے بہت اہم ہے۔ اس کے علاوہ بھی آپ کو کوئی ضمانت درکار ہے تو آپ میری گاڑی بھی یہیں رکھیں۔'' اس نے گاڑی کی چابی اور آئی ڈی کارڈ عانیہ کی جانب بڑھایا تھا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے شاہنواز بھائی میں کہہ تو رہا ہوں مجھے بھروسہ ہے آپ پر۔''

''تمہیں ہے مجھے نہیں۔'' عانیہ کہا اور آئی ڈی کارڈ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

''آپ پر بھروسہ کرنے کے لیے اتنی ضمانت کافی ہے۔'' اس نے شاہنواز سے کہا۔

''او کے مسٹر تیمور۔ اللہ حافظ۔'' شاہنواز نے چند لمحے عانیہ کے تاثرات نوٹ کیے اور تیز تیز قدم اٹھاتا پہلے کمرے اور پھر گھر سے ہی باہر نکل گیا۔

اندر تیمور، عانیہ پر برستے ہوئے اسے ساری صورتحال اور پھر شاہنواز کی ساری مہربانی کی کہانی سنا رہا تھا۔

''اگر وہ میری مدد نہ کرتے تو میں اب تک وہیں پڑا ہوتا۔''

''ہاں ٹھیک ہے انہوں نے تمہاری مدد کی۔ مگر کسی قدر غلطی ان کی بھی تو تھی اور انہیں مدد کرنا بھی چاہیے تھی۔ باقی بات رہی آئی ڈی کارڈ لینے کی تو جناب تیمور صاحب! آپ سا چغد میں نے آج تک نہیں دیکھا ایک شخص کہتا ہے وہ بائیک گھر پہنچا دے گا اور تم یقین کر لیتے ہو جبکہ بائیک تمہاری بھی نہیں ہے اور اگر وہ بائیک واپس نہ کرے اور مکر جائے تو...... تو تم کیا کرو گے! تمہیں تو اس کی گاڑی ہی رکھ لینا

چاہیے تھی اگر مجھے تمہاری بے تکی باتوں کا ڈر نہ ہوتا تو میں چابی لے لیتی...... بھلا کسی کی شکل پر تھوڑا ہی لکھا ہوتا ہے کہ وہ شریف ہے قابل بھروسہ ہے یا نہیں۔''

اس کے اپنے ہی خدشات تھے جو کسی قدر تیمور کے دل کو بھی لگے۔ اس نے کئی بار آئی ڈی کارڈ پر لگی تصویر کو بغور دیکھا آیا وہ شخص قابل بھروسہ لگتا ہے یا نہیں۔ مگر جب نو کی بجائے سات بجے کے قریب شاہنواز کا آدمی موٹر بائیک لے آیا تب تیمور نے بے حد جتاتی نظروں سے اسے دیکھا۔

مگر عانیہ کو اس کی جتاتی نظروں کی جانب دیکھنے کی فرصت تک نہ تھی۔ وہ تو فروٹس کھانے اور جوس پینے میں مگن تھی جو شاہنواز نے اس شخص کے ذریعے بھجوائے تھے جو بائیک لے کر آیا تھا اور آئی ڈی کارڈ لے کر واپس چلا گیا تھا۔

☆......☆......☆

شفق نے اسی رات کھانا کھاتے ہوئے ثانیہ کو اس اجنبی فون کال کے متعلق بتایا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ آواز اور اس لڑکے کی دردناک داستان کے اس کے ذہن سے چپک کر رہ گئی تھی۔

''چہ، چہ بے چارہ...... اللہ اس کی مشکلات آسان کرے۔''

زمانے بھر کا دردمند دل رکھنے والی ثانیہ سے مزید ایک لقمہ بھی نہ لیا گیا اس نے دستر خوان سے ہاتھ پونچھے اور گلاس لبوں سے لگا لیا۔

''مجھے پیر میں چوٹ لگنے کی وجہ سے محض دو دن کسی کا سہارا لے کر چلنا پڑا اور میں اسی میں اکتا گئی اللہ ہی جانتا ہے کہ میں نے بے زار ہو کر کتنے شکوے کر ڈالے کہ آخر یہ چوٹ مجھے ہی کیوں لگی۔ جب میں دو دن میں بے زار ہو سکتی ہوں تو وہ بے چارہ جانے کب سے وہیل چیئر پر بیٹھا ہوگا۔''

''کس بے چارے کا ذکر خیر ہو رہا ہے۔'' تیمور نے دروازے سے منہ نکال کر پوچھا۔

''تمہارا نہیں ہو رہا...... کہ بہرحال اس دنیا میں کچھ اور بے چارے بھی موجود ہیں۔'' ثانیہ نے کہا۔

''خیریت بہت خوش نظر آ رہے ہو؟''

''خوش کیسے نہیں ہوگا خوش خبری ہی اتنی بڑی ہے تم لوگ سنو گی تو یہ سڑی ہوئی شکلیں ایک دم بدل جائیں گی۔''

''زیادہ سسپنس مت پھیلاؤ جو بات ہے وہ بتاؤ۔'' شفق نے کہا تبھی تیمور نے مسکراتے ہوئے ایک سفید رنگ کا لفافہ ان دونوں کی نگاہوں کے سامنے کر دیا۔

''ابھی عادل بھائی آئے تھے اور یہ لائے تھے۔ گیس کرو اس میں کیا ہو سکتا ہے۔''

''حلوہ تو ہو نہیں سکتا۔'' ثانیہ نے کہا۔

’’حالانکہ چچا جان کی طرف سے ایک سوجی کا حلوہ ہی ہوتا ہے جس کے آنے پر تم اس قدر خوش ہوتے ہو۔‘‘

’’یہ حلوے سے بھی زیادہ اچھی چیز ہے۔‘‘ تیمور نے خوش ہو کر کہا۔

’’پرسوں میں عادل بھائی کے ساتھ گیا تھا نا۔ اس روز جہاں انٹرویو دیا یہ وہیں سے اپائنمنٹ لیٹر آیا ہے۔ مجھے جاب مل گئی ہے صرف اور صرف عادل بھائی کی وجہ سے۔‘‘ چکراتے ہوئے سر اور بازو کے درد کو قطعی فراموش کیے وہ تقریباً خوشی سے ناچ ہی رہا تھا۔

’’یہ تو واقعی بہت خوشی کی بات ہے۔ بہت مبارک ہو تیمور۔‘‘ ثانیہ اس کے ہاتھ سے لے کر اپائنمنٹ لیٹر دیکھنے لگی۔

’’جوائن کب سے کرنا ہے؟‘‘ شفق نے پوچھا۔

’’کل سے۔‘‘ وہ بولا۔

’’لیکن کل تم کیسے جا سکتے ہو تمہاری طبیعت......‘‘

’’کچھ نہیں ہوا یار میری طبیعت کو......‘‘ اس نے لاپروائی سے سر جھٹکا۔

’’میں اتنا خوش ہوں کہ بتا بھی نہیں سکتا۔ پتا ہے وہاں انٹرویو دینے کتنے کوالیفائیڈ لڑکے آئے ہوئے تھے کوئی ایم بی اے کوئی ایم ایس...... کسی کا ایکسپیرینس دو سال تو کسی کا چار...... پھر بھی انہوں نے مجھے سلیکٹ کیا جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ فرم کا منیجر عادل بھائی کا بہت اچھا دوست ہے۔ عادل بھائی نہ ہوتے تو مجھے تو شاید چوکیدار اندر بھی نہ گھسنے دیتا۔‘‘

’’اپنے عادل بھائی کی شان میں قلابے ملانے مت بیٹھ جاؤ تمہاری ذاتی قابلیت بھی کوئی اہمیت رکھتی ہے یا نہیں؟‘‘

عانیہ اندر داخل ہوئی تھی اور اسے تیمور کی باتوں پر سخت اعتراض تھا۔

’’تمہیں عادل بھائی کی تعریف پر جھنجھلاہٹ کیوں ہوتی ہے حالانکہ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ اتنا قابل اور اچھا......‘‘ تیمور ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

’’میں جانتی ہوں کون کتنا قابل اور اچھا ہے۔‘‘ وہ اسی طرح جھنجھلاتی پلنگ سے تکیہ اٹھاتی باہر نکل گئی۔

’’اب تم لوگ بتاؤ شکلوں پر باجماعت بارہ کیوں بجے ہوئے ہیں۔‘‘

شفق نے ساری بات اسے بتائی تو وہ دوٹوک لہجے میں بولا۔

’’اسکی بات پر یقین کرنے کی ضرورت نہیں ہے یہ لڑکے یونہی جھوٹی سچی کہانیاں سنا کر لڑکیوں کو بے وقوف بناتے رہتے ہیں۔‘‘

’’ہر کوئی ایک جیسا نہیں ہوتا تیمور۔ اصل معاملہ انسانوں کی بے حسی کا ہے وقتی لطف حاصل کرنے کے لیے جھوٹ بولتے ہیں اور یوں سچے جھوٹے ایک ہی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔‘‘ ثانیہ نے کہا تو شفق نے اس کی بھرپور تائید کی۔

’’بالکل درست کہا...... مگر ایک بات بتاؤ تمہیں کیسے پتا کہ لڑکے جھوٹ بول کر لڑکیوں کو بے وقوف بناتے ہیں؟ مجھے تو دال میں

کچھ کالا لگ رہا ہے اتنی بڑی بات ذاتی تجربے کی بنا پر تو نہیں کہی جا رہی؟'' اس نے مشکوک نظروں سے تیمور کو گھورا تو وہ ہنس دیا۔

''شادی نہیں کی تو کیا ہوا باراتیں تو ہم نے بھی دیکھی ہیں۔'' اس کی مسکراہٹ شرارت میں بدل گئی تھی۔

''اور تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے دال میں کچھ بھی کالا نہیں ہے۔ مجھے تو ایک ہی لڑکی کو بے وقوف بنانا تھا مگر ضرورت ہی نہیں پڑی اللہ نے اسے بنا بنایا بے وقوف بھیجا ہے۔'' تیمور نے ہنستے ہوئے اسکی بڑی بڑی آنکھوں میں جھانکا تھا وہ سرعت سے نظر بدل گئی۔

''بے وقوف ہو گے تم خود۔'' البتہ تڑخ کر کہنا نہ بھولی۔ تیمور نے اس کے سر پر چپت لگائی اور ہنستا ہوا باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

وہ بے حد غصے میں تھا اور کوئی بھی چیز اس کے دماغ کی کھولن کو کم نہیں کر پا رہی تھی۔ حقیقت ہے کہ اس نے غصے کو کم کرنے کی کوئی معمولی سی کوشش بھی نہیں تھی وہ جانتا تھا بدلہ لیے بنا اسے سکون نہیں آئے گا۔

وہ بھی شاہنواز کو اتنا ہی زوردار تھپڑ مارنا چاہتا تھا بلکہ اس سے کہیں زیادہ زوردار تھپڑ مارنا چاہتا تھا۔ وہ بے حد مشتعل تھا اور اسے بھڑکانے میں زیادہ ہاتھ اس کے حواریوں کا تھا جنہوں نے اگلی صبح اس کے بے دار ہوتے ہی اتنا مرچ مسالا لگا کر ساری بات اس تک پہنچائی تھی کہ اس سے اپنا غصہ سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔

اس وقت دوپہر کے دو بجے کا عمل تھا اسے یقین تھا شاہنواز اس وقت آفس میں ہو گا وہ گاڑی بھگاتا سگنلز توڑتا آفس پہنچا تھا اور سیدھا شاہنواز کے کیبن میں گھس گیا تھا۔

''شاہنواز کہاں ہے؟''

خالی کیبن دیکھ کر اس نے دروازے کے قریب تھر تھر کانپتی سیکرٹری سے پوچھا۔ اس کا لہجہ ہرگز بھی اتنا مہذب نہیں تھا کہ ایک لیڈی ورکر خائف ہوئے بغیر جواب دیتی۔

حنان کے انداز و تاثرات نے اسے خوف زدہ کر دیا تھا۔

''شاہنواز سر تو آج آفس ہی نہیں آئے سر! وہ کل دوپہر میانوالی چلے گئے تھے۔'' سیکرٹری نے ڈرتے ڈرتے بتایا وہ اور جھنجھلا گیا۔

''بلڈی ایڈیٹ...... منہ چھپا کر بھاگ گیا۔'' حنان نے طیش و حقارت سے کہا اور میز پر رکھا گلدان اٹھا کر مین روڈ کی جانب کی گلاس وال پر پوری قوت سے دے مارا۔

ایک زوردار آواز کے ساتھ شیشہ کرچیوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ سیکرٹری اپنی خیر مناتی باہر بھاگی۔

کھڑکی کے بعد حنان آفس ٹیبل کی جانب آ گیا تھا ٹیلی فون سیٹ اس نے یہاں وہاں اچھالے ساری چیزیں بکھیر دیں۔ سینٹرل ٹیبل الٹ دیا۔ پردے پھاڑ دیے الماریوں میں رکھی فائلز درہم برہم کر دیں۔

محض چند ہی منٹس میں اس نے کمرے کو آفس کیبن کی بجائے اعلا درجے کا کباڑ خانہ بنا دیا تھا۔

"حنان! یہ تم کیا کر رہے ہو؟"

جہانگیر لاشاری انتہائی بوکھلاہٹ میں اندر داخل ہوئے تھے کمرے کی حالت انہیں کافی کچھ سمجھا گئی تھی۔ یہاں صورتحال اس سے زیادہ سنگین تھی جتنی انہیں پیون نے بتائی تھی۔

"کیا آپ کو دکھائی نہیں دے رہا میں کیا کر رہا ہوں۔" اس کا لہجہ غیر مہذب اور آنکھیں بے تحاشا سرخ ہو رہی تھیں۔

جہانگیر لاشاری کو اپنا دل بیٹھتا محسوس ہوا۔ حنان کا انداز اور چہرہ کہتا تھا کہ ان کا بدترین اندیشہ محض اندیشہ نہیں ہے۔

"دروازہ بند مت کریں۔ آپ یہاں سے چلے جائیں فی الحال آپ کا میرا کوئی معاملہ نہیں ہے۔ مجھے آپ سے بات تک نہیں کرنا۔" حنان نے انہیں دروازہ بند کرتے دیکھ کر چلا کر کہا تھا۔

"مگر میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں حنان! میں اس سب کی وجہ جاننا چاہتا ہوں۔" جہانگیر لاشاری کے لہجے میں بے حد بے چارگی تھی۔

"مگر میں آپ سے بات نہیں کرنا چاہتا تو وجہ بھی کیوں بتاؤں؟" اس کا لہجہ دوٹوک تھا۔

"آپ کو شاید اندازہ نہیں ہے مگر آپ سے بات کرنا میرے لیے بے حد ناپسندیدہ کام ہوتا ہے۔" اس نے متنفر لہجے میں گویا انہیں گھونسا رسید کیا تھا۔

"ایسی کون سی کوتاہی ہوئی ہے مجھ سے۔ جو تم اس قدر متنفر ہو گئے ہو۔" جہانگیر لاشاری بڑی دقت سے بولنے کے قابل ہوئے تھے۔

"میں نے تو آج تک وہی کرنے کی کوشش کی جو تمہاری پسند کے عین مطابق ہو بحیثیت باپ، تمہاری بہتری ہی چاہی ہے پھر بھی"

"اوہ کم آن! آخر آپ بار بار مجھے یہ کیوں باور کرواتے رہتے ہیں جب کہ آپ جانتے ہیں آپ میرے باپ نہیں ہیں۔ منہ سے کہہ دینے سے کوئی کسی کا باپ نہیں بن جاتا۔" اگر کسی کے لبوں سے لاوا نکل سکتا ہے تو وہ حنان کے لبوں سے الفاظ کی صورت نکل رہا تھا۔

"آپ یہ کیوں بھول جاتے ہیں آپ میری والدہ کے شوہر ہیں لیکن میرے باپ نہیں، میرے باپ کو مرے بہت عرصہ گزر چکا ہے اور ان کی جگہ میری زندگی میں اور کوئی نہیں لے سکتا۔ آئندہ اپنے لیے میرے باپ کا لفظ استعمال مت کریں...... یہ آپ کے حق میں بہتر ہوگا۔" وہ ان کے قریب سے گزر کر باہر جانے لگا پھر رک گیا۔

"ایک بات اور...... اپنے پالتو کتوں کو کھانا کھلائیں ان کی خدمتیں کریں ان کے ناز نخرے اٹھائیں مگر انہیں خود تک محدود رکھیں میرے پیچھے مت دوڑائیں...... ورنہ اگلی بار نتائج کے ذمہ دار آپ خود ہوں گے۔"

وہ انگلی اٹھا کر تنبیہ کرتا باہر نکل گیا یہ بھی نہیں دیکھا جہانگیر لاشاری بے دم ہو کر کرسی پر گر چکے ہیں۔

آفس سے نکل کر حنان دوبارہ سی تھرٹی سکس پہنچ گیا تھا عجلت میں وہ اپنی رسٹ واچ وہیں بھول آیا تھا اور یہ رسٹ واچ اس کے لیے اتنی قیمتی تو ضرور تھی کہ اسے لینے وہ فوراً واپس جاتا۔

''کیا بنا؟'' مدثر نے اسے دیکھتے ہی پوچھا تھا۔ وہ اس وقت ہاتھ میں ایک سرنج لیے بیٹھا تھا۔

''بھاگ گیا۔'' حنان نے نفرت بھرے لہجے میں کہتے ہوئے سر جھٹکا تو مدثر خمار بھرے لہجے میں بولا۔

''ڈونٹ وری مائی فرینڈ تم یہ لو......'' اس نے آدھی بھری ہوئی سرنج اسکی جانب بڑھا دی تھی۔ حنان چند لمحے اس سرنج کو دیکھتا رہا۔

''اسی چیز کی وجہ سے ایک غیر اہم شخص مجھے تھپڑ مارتا ہے اور میں اتنا آؤٹ آف سینس ہوتا ہوں کہ اسے جواب دینا تو دور کی بات روک بھی نہیں پاتا...... تمہیں لگتا ہے میں دوبارہ ایسی چیز کو ہاتھ لگاؤں گا۔'' وہ دروازے کو ٹھوکر مارتا اکھڑے لہجے میں کہتا باہر نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

''آخاہ......خوشی بوا آئی ہوئی ہیں۔''

تیمور نے گھر میں داخل ہوتے ہی خوشی بوا کو دیکھ کر نعرہ بلند کیا تھا عانیہ بے زاری سی ہو کر اٹھ گئی۔ اسے کم سے کم اس وقت کسی چیز میں دلچسپی محسوس نہیں ہو رہی تھی کیونکہ ساری دلچسپی پانچ سو کے اس گمشدہ نوٹ میں تھی جسے صبح سے تلاش کر کر کے وہ تھک چکی تھی۔

وہ بے زار قدموں سے چلتی پچھلی طرف آ گئی، تیز زرد دھوپ اپنے پیچھے بادلوں کی کھیپ چھوڑے جا رہی تھی۔ درختوں کی شاخوں میں اپنا اپنا خاندان بسائے قمریوں نے اودھم مچا رکھا تھا۔ ہوا سرعت سے گزرتی تو شاخیں جھوم جھوم جاتیں اور چڑیوں کا شور تیز ہو جاتا۔

ٹھنڈی ہوا خوشبوؤں سے لدی اور گرد سے خالی تھی۔

''تم لوگ مجھے صاف صاف بتا دو میرے پیسے تم لوگوں میں سے تو کسی نے نہیں لیے؟''

''کیا مطلب......ہم چور ہیں کیا؟'' نرمین کو برا لگا۔

''میں نے یہ کب کہا۔'' عانیہ جھنجھلائی۔

''میں تو صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ کسی ضرورت کے تحت تو نہیں لیے یہ سوچ کر کہ بعد میں رکھ دیں گے۔''

''کسی کا دماغ خراب ہے کہ مصیبت مول لیتا۔'' نرمین بڑبڑا کر رہ گئی۔

''جہاں رکھے تھے وہیں تلاش کرو عانی! روپوں کے پاؤں نہیں ہوتے کہ چل کر غائب ہو گئے۔'' شفق نے مشورہ دیا۔

''میں دیکھ چکی ہوں۔'' عانیہ روہانسی ہو گئی۔

''شوکیس کے اوپر والے خانے کی شیٹ کے نیچے رکھے تھے مگر اب وہاں نہیں ہیں۔''

''ہو سکتا ہے تم نے کسی اور جگہ رکھے ہوں اور اب تم بھول رہی ہو۔'' ثانیہ نے کہا۔

''نہیں۔ مجھے یاد ہے وہیں رکھے تھے۔'' وہ بضد تھی۔

''اپنی یادداشت کی تو تم بات مت کرو ماشاء اللہ بہت تیز ہے۔''

ثانیہ شرارت سے گویا ہوئی۔ ان سب کے چہروں پر مسکراہٹ رینگ گئی کہ عانیہ کی یادداشت کے حوالے سے بڑے خاص واقعات ان سب کے ذہنوں میں محفوظ تھے۔

''اور وہ شمع والا واقعہ تو بالکل نیا ہے میں گھر پر نہیں ہوتی تو اس نے اس بے چاری کو گھر میں گھسنے بھی نہیں دینا تھا۔'' شفق نے ہنستے ہوئے کہا۔

''جی ہاں...... کیا کہنے آپ کے۔'' عانیہ جل کر بولی۔

''چہرے یاد رکھنا بہر حال ایک الگ بات ہے میں تو اپنے ہاتھ سے ایک روپیہ کہیں رکھ دوں تو نہیں بھولتی وہ تو پھر پانچ سو کا نوٹ تھا یہ کیسے ممکن ہے میں بھول جاؤں مجھے یاد ہے میں نے وہ نوٹ وہیں رکھا تھا۔''

''اور پلیز شفق! تم تو اس معاملے میں مت بولو...... مجھے پہلے ہی شک ہے میرے روپے تم نے لیے ہیں۔''

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔'' عانیہ کی ہر الٹی سیدھی تحمل سے سہہ جانے والی شفق تڑپ کر بولی تھی۔

''بھلا میں تمہارے روپے کیوں لوں گی؟''

''یہ تو تم ہی بتا سکتی ہو۔'' الزام لگا کر وہ اطمینان سے بولی تھی۔ اسے نہ تو شفق کے غصے کی پروا تھی نہ ہی ثانیہ سمیت باقی بہنوں کے ناگوار و ناپسندیدہ تاثرات کی۔

''حد ہوتی ہے عانیہ! آخر تم میری یادداشت کو آزمانے پر ہی کیوں آمادہ رہتی ہو۔ ہر وہ کام جو غلط ہوتا ہے اسے تم بڑے آرام سے مجھ سے منسوب کر دیتی ہو۔ دودھ ابل جائے تو میری غلطی، سرکاری پانی نہ آئے تو میری غلطی اور تو اور بے وقت بارش برس جائے تب بھی میری ہی غلطی...... بس ایک چوری کا الزام رہ گیا تھا وہ بھی آج لگ گیا۔''

ثانیہ حیرانگی سے شفق کی شکل دیکھ رہی تھی وہ کبھی اس انداز میں بات نہیں کرتی تھی اس وقت اس کی آواز دھیمی مگر لہجہ بے حد سخت اور غصے سے بھرپور تھا۔ وہ کبھی نہیں بھڑکتی تھی ہر معاملے میں خود ہی خاموش رہ کر صلح جو رویہ اپنا لیتی تھی مگر اس وقت عانیہ کا لگایا ہوا الزام ہرگز بھی ایسا نہیں تھا کہ نظر انداز کر کے تحمل کا مظاہرہ کیا جاتا۔

''زیادہ ڈائیلاگ مت جھاڑو۔'' شفق نے بہت ضبط سے کہا اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

''بکواس میں نہیں تم کر رہی ہو۔'' عانیہ کا اطمینان قابل دید تھا۔

''بہتر ہوگا میرے روپے لوٹا دو مجھے کسی فضول بحث میں الجھانے کی کوشش مت کرو۔''

''جب میں نے لیے ہی نہیں تو واپس کہاں سے کروں اور تم کس بنیاد پر مجھ پر الزام لگا رہی ہو کیا تم نے مجھے روپے چراتے دیکھا ہے۔'' شفق تڑپ کر بولی۔

''دیکھو شفق......''

''وہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں عانی آپی۔'' زینب نے اس کی بات قطع کی۔

''شفق آپی نے آپ کے روپے نہیں لیے۔'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''تمہیں کیسے پتا اس نے نہیں لیے۔'' اس نے زینب کو گھورا اسے شفق سے پرخاش تھی اور ہر اس شخص سے پرخاش ہو جاتی تھی جو اس کی طرف داری کرتا تھا۔

''پھر تم نے لیے ہیں؟''

''میں کیوں لوں گی۔'' زینب گڑبڑا ہی تو گئی۔

''ابو نے لیے ہیں......'' اس نے بے اختیار کہہ کر زبان دانتوں تلے داب لی۔

''جس روز وہ نوٹ آپ نے یہاں رکھا اس سے اگلے روز ہی ابو نے نکال لیا تھا...... میں نے خود دیکھا تھا۔'' اس نے مجرمانہ انداز میں سر جھکا کر گویا اعتراف کیا تھا۔ شفق تو شفق عانیہ بھی کچھ نہ بول پائی۔

اب تو فائدہ بھی کوئی نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے ابو کے حصے کا غصہ کسی اور کے کھاتے میں نہیں ڈالا جا سکتا تھا۔ اصل افسوس تو اس چیز کا تھا کہ پانچ سو ہاتھ سے گئے۔ اب کہاں سے آئیں گے روپے؟

ایک بڑا سا سوالیہ نشان آنکھوں کے سامنے آ گیا اور آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ شفق پر الزام لگایا غم یہ نہیں تھا اصل غم یہ تھا کہ روپے کہیں سے آئیں گے۔

''اب رونے بیٹھ جاؤ جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا اب رونے کا فائدہ؟'' جی بھر کر غصے کے باوجود اس کے آنسوؤں نے سب پہلے شفق کے دل پر ہی اثر کیا تھا۔

''تم میرے فائدے نقصان کی پروا کرنا چھوڑ دو۔'' وہ ایک دم سے پھاڑ کھانے کو دوڑی۔

''میں اچھی طرح سے سمجھتی ہوں ابو نے وہ روپے چرا کر تمہیں ہی دیے ہوں گے۔'' الزام در الزام۔ ''وہ کیا کہتے ہیں ناک کو سامنے سے پکڑو یا سر کے پیچھے سے ہاتھ لے جا کر پکڑو بات تو ایک ہی ہے۔''

شفق کا دل چاہا اپنا ہی سر پیٹ لے۔

''آخر ہر معاملے میں، میں معصوم ہی مورد الزام کیوں ٹھہرائی جاتی ہوں۔'' اس نے جیسے انتہائی بے بسی سے کہا تھا۔

''ہاں بہت معصوم ہو تم، یہی معصوم چہرہ دکھا کر تم نے اس گھر کے ہر فرد کو اپنی مٹھی میں کیا ہوا ہے اور یہ تو تمہاری معصومیت کی انتہا ہے پیر میں چوٹ لگنے کا بہانہ بنا کر پچھلے پندرہ روز سے گھر بیٹھی ہو حالانکہ تم جانتی ہو تمہاری غیر موجودگی میں امی کو کتنا کام کرنا پڑتا ہے اور یہ بھی کہ ان چھٹیوں کی وجہ سے تنخواہ بھی کٹوتی کے ساتھ ملے گی مگر تمہیں تو کسی بات کی پرواہ ہی نہیں ہے۔

اور ٹھیک ہی تو ہے جب بغیر کسی تردد کے ساری ضروریات پوری ہو رہی ہیں ناز نخرے اٹھائے جا رہے ہوں تو کسی کو کیا پڑی ہے کہ کمانے کے لیے خوار ہوتا پھرے۔ نہیں نہیں شفق! تم میری باتوں کو دل پر مت لگانا تم جو بھی کر رہی ہو وہ بالکل ٹھیک ہے۔ یہ گھر تمہارا نہیں ہے اس گھر میں رہنے والے تمہارے نہیں ہیں اور مشقت تو انسان اپنوں کے لیے کرتا ہے۔

تم میرے فائدے اور نقصان کی پرواہ مت کرو شفق! تم بس وہی کرو جو کر رہی ہو یعنی ڈرامہ......''

عانیہ نے آنسو بھری آنکھیں اور نم لہجے کے باوجود ایک بار پھر زبان سے وہی کام لیا تھا جو وہ اب تک لیتی آ رہی تھی۔ یعنی کسی کی ذات کے بخیے ادھیڑنے کا کام۔ دوسروں کو شرمندہ کرنے کا کام۔

شفق نے کچھ کہنا چاہا پھر گہری سنجیدگی کے ساتھ اندر چلی گئی۔

عانیہ نے کن انکھیوں سے دیگر حاضرین کو دیکھا۔ ثانیہ سر ہاتھوں میں گرائے بیٹھی تھی۔

''نقصان تو میرا ہوا ہے تم کیوں منہ لٹکا کر بیٹھی ہو۔''

''کاش تمہیں اندازہ ہوتا تمہاری زبان کتنے بڑے بڑے نقصان کر دیتی ہے۔'' ثانیہ نے قریب پڑا پرس کھولتے ہوئے کہا اور نکال کر ایک نوٹ اس کی جانب بڑھا دیا۔

''یہ لو پانچ سو روپے......اور پانچ سو روپے ہرگز بھی اتنی بڑی رقم نہیں ہے کہ تم اس کے لیے آسمان سر پر اٹھا لو، دلوں کی بھی کوئی اہمیت ہوتی ہے عانی!''

''تمہارے لیے نہیں ہو گی بڑی رقم...... کیونکہ تم خود کماتی ہو جب دل چاہے پانچ سو تو کیا ہزار بھی خرچ کر سکتی ہو مگر میرے لیے یہ بڑی رقم ہے۔'' عانیہ نے نوٹ اس کے ہاتھ سے تقریباً جھپٹا تھا اور اس نوٹ کو بہت عقیدت سے چوما تھا۔

''اس نوٹ کے صدقے میں آج تمہاری ہر نصیحت سننے کو تیار ہوں۔ تھینک یو سوچ۔'' اس کو پرجوش طریقے سے لپٹا کر وہ اچھلتی کودتی باہر نکل گئی۔ جس مقصد کے لیے اس نے شفق پر تیر چلانے شروع کیے تھے وہ پورا ہو چکا تھا جو کام اس کی منتیں نہیں کر سکتی تھیں وہ اس کی تلخ کلامی نے باآسانی کر دیا تھا وہ واقعی اپنی زبان کا بڑا بہترین استعمال کرتی تھی۔

☆......☆......☆

گیتی آرا فرصت سے لیٹی میگزین دیکھ رہی تھی جب بڑے اہتمام سے دستک دے کر ریشم نے اندر جھانکا۔

’’آجاؤں؟‘‘

’’اللہ خیر!‘‘ گیتی نے اٹھتے ہوئے نعرہ بلند کیا اور بے حد سنجیدگی سے اسے چڑایا۔

’’تمہیں مینرز کب سے یاد رہنے لگے۔‘‘

’’بھولے تو خیر کبھی بھی نہیں تھے مگر بڑے عرصے سے ضرورت ہی نہیں پڑی۔‘‘ وہ چہکی اور آنکھ کا کونا دبا کر بولی۔

’’ویسے بھی آج کل ایک ویل مینرڈ سے پالا پڑا ہوا ہے۔ چلتا ہے تو لیڈیز فرسٹ کہہ کر راستہ چھوڑ دیتا ہے۔ بیٹھتے ہوئے پہلے کرسی مجھے پیش کرتا ہے اور تو اور ہاتھ پکڑتے ہوئے بھی پہلے اجازت مانگتا ہے۔‘‘ اس نے بلا تکلف قہقہہ لگایا۔ پھر کمرے میں متلاشی نظریں ڈال کر بولی۔

’’وہ تمہاری روم میٹ کدھر گئی؟‘‘ گیتی نے آنکھ کے اشارے سے اسے بتایا کہ واش روم میں ہے۔

’’ہوش میں ہے......کمال ہے؟‘‘ اتنے دن سے اسے ہوش سے بیگانہ ہی پایا تھا تعجب تو لازمی امر تھا۔

’’آپا بیگم کی ہدایت پر میں ہی پانی میں مدہوشی کی دوا ملا کر دیتی رہی ہوں لیکن آج نہیں دی۔‘‘ گیتی نے میگزین ایکطرف اچھال دیا۔

’’لیکن کیوں......‘ آپا بیگم کو پتا چلا تو۔‘‘ ریشم نے تشویش سے کہا۔

’’نہیں وہ کچھ نہیں کہیں گی۔‘‘ گیتی ایک بار پھر نیم دراز ہوتے ہوئے بولی۔

’’انہوں نے کہا تھا زچ کرے تو دے دینا گوشی جو کھانا لاتی ہے اس میں بھی نیند کی دوا ملی ہوتی ہے لیکن آج میں نے اسے کھانا بھی نہیں کھانے دیا۔ صبح سے وہ پرسکون بیٹھی ہے رو نہیں رہی شور نہیں مچا رہی۔‘‘

تب ہی وہ دروازہ کھول کر باہر نکلی تو ریشم نے اس کا یوں استقبال کیا کہ گویا بڑا خوش گوار ماحول ہو۔ بڑے اچھے طریقے سے حال احوال پوچھا اپنا تعارف کروایا۔

’’میں ریشم ہوں اور تم......‘‘

’’میں......‘‘ وہ پل بھر کر جھجکی اور گیتی کی جانب دیکھا جیسے چھوٹا بچہ اجنبی کے سوال کا جواب دینے سے قبل ماں کی جانب اجازت طلب نظروں سے دیکھتا ہے۔

’’اتنا تو کوئی بزنس مین اپنا بینک بیلنس بتاتے ہوئے نہیں ہچکچاتا جتنا تم اپنا نام بتاتے ہچکچا رہی ہو۔‘‘ ریشم ہنسی۔

’’میں رحاب ہوں۔‘‘ اس نے بے حد مدھم آواز میں جواب دیا۔

’’رحاب۔‘‘ ریشم نے زیر لب دوہرایا اور بولی۔

’’بڑا یونیک سا نام ہے اس کا مطلب کیا ہے؟‘‘

’’خانہ کعبہ کی دہلیز کو رحاب کہتے ہیں۔‘‘ اس نے نظریں جھکا کر کہا۔ ریشم چند لمحوں کے لیے کچھ کہہ ہی نہ سکی۔

’’صرف یونیک ہی نہیں مقدس نام بھی ہے...... اچھا سنو۔‘‘ اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتی دھاڑ سے دروازہ کھول کر رائمہ اندر داخل ہوئی۔

’’تو سکھیو! عیش کرو۔‘‘ اس کے ہاتھ میں دو تین شاپر تھے جسے اس نے بیڈ پر ہی ڈھیر کر دیا تھا۔

’’یہ سب کیا ہے؟‘‘ گیتی نے تیزی سے شاپر کھولے۔ ڈائٹ کوک کے ٹن، پزا اور مٹھائی تھی۔

’’یہ سب کس خوشی میں ہے رائمہ؟‘‘

’’میرے چھوٹے بھائی کا میڈیکل میں ایڈمیشن ہو گیا ہے اسی خوشی میں۔‘‘ وہ بے تحاشا خوش دکھائی دے رہی تھی۔

’’اوہ...... بہت مبارک ہو۔‘‘ گیتی نے کہا۔

’’میرا حال دیکھو یہی بتانے آئی تھی اور یہاں آ کر بھول ہی گئی۔‘‘ ریشم کے آج بات بے بات دانت نکل رہے تھے۔ سر پر ہاتھ مار کر بولی۔

’’رائمہ سب کو مٹھائی کھلاتی پھر رہی تھی میں نے کہا ہمیں صرف مٹھائی پر مت ٹرخاؤ اچھی سی ٹریٹ ہونی چاہیے اور یہ اتنی بیبا بچی ہے فوراً سب لینے چل دی۔‘‘ ریشم نے اپنے انداز سے رائمہ کی تعریف کی تھی۔

’’اچھا اب باتیں کم کرو اور کام زیادہ۔‘‘ رائمہ نے ٹن والا شاپر گھسیٹا۔

’’رحاب! یہ رائمہ ہے۔‘‘ ریشم نے جھٹ پٹ تعارف کروایا۔ رائمہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

’’اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟ میں نے لطیفہ سنا دیا کیا؟‘‘ ریشم حیران بھی ہوئی خفا بھی۔

’’نہیں خیر لطیفہ تو نہیں سنایا۔ البتہ تعارف ایسے کروایا ہے جیسے مائیں اپنے چھوٹے بچوں کو بتاتی ہیں۔ یہ بھالو ہے اور یہ ٹائیگر۔‘‘ اس نے دوستانہ سی مسکراہٹ کے ساتھ رحاب کو دیکھا تھا۔

’’پھر تو مجھ سے غلطی ہو گئی مجھے کہنا چاہیے تھا رحاب! یہ بندریا ہے۔‘‘ ریشم چہکی۔

’’بکومت......‘‘ رائمہ نے برا منائے بغیر آنکھیں دکھائیں۔ ’’وہ فیروز تو کہہ رہا تھا تم یہاں کیا کر رہی ہو تمہیں تو مقابلہ حسن میں شریک ہونا چاہیے۔‘‘

’’جھوٹ بول رہا ہو گا کمینہ۔‘‘ ریشم نے ناک چڑھائی۔

’’مردوں کو عادت ہوتی ہے جھوٹ بولنے کی، بھول گئیں آپا بیگم کیا کہا کرتی ہیں؟...... مرد کی بات پر یقین کرو گی تو زندگی کی سب سے بڑی غلطی کرو گی۔‘‘ اس نے ہو بہو آپا کی نقل کی تھی۔ رائمہ اور گیتی محظوظ ہو کر ہنسنے لگیں۔

’’تو پھر کیا تمہاری بات پر یقین کروں؟ یعنی میری شکل بندریا جیسی ہے؟‘‘

"بہت بدتمیز ہو تم ریشم، میرا نمک کھا رہی ہو اور میری ہی شان میں گستاخی......" ریشم ڈھیٹ بنی ہنستی رہی۔

"رحاب تم کیوں ہاتھ باندھ کر بیٹھی ہو؟ ہمارا ساتھ نہیں دو گی...... اچھا یہ لو۔" رائمہ نے اسے ہچکچاتا دیکھ کر کوک کا ٹن اس کی طرف بڑھایا اور پزل بھی۔

"نہیں شکریہ......" وہ ہچکچاہٹ کا شکار تھی۔

"ارے شکریہ وکریہ چھوڑو۔" رائمہ نے زبردستی اسے ٹن تھمادیا خود ایک بڑا سا رس گلا سالم کا سالم منہ میں رکھا اور لیٹتے ہوئے بولی۔

"آج میں بہت خوش ہوں۔ اباجی مرحوم کا بہت بڑا خواب تھا کہ دانیال ڈاکٹر بنے اور آج یہ خواب تقریباً پورا ہو گیا ہے...... سچ میں بہت خوش ہوں۔"

گیتی نے اس کی جانب دیکھا۔ وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے سامنے دیوار کی جانب دیکھ رہی تھی۔ بے تحاشا خوشی واطمینان کے بھرپور احساس سے جگر جگر کرتی ہوئی آنکھیں...... وہ نہ کہتی تب بھی پتا چل رہا تھا خوشی حقیقتاً اس کے پور پور سے جھلک رہی تھی۔

"دعا کرو اللہ میرے بھائی کو بھی توفیق دے...... مرن جوگا نہ پڑھتا ہے نہ کوئی کام دھندہ پکڑتا ہے نظر جو آ رہا ہے بہن ہے کمانے والی۔" ریشم نے جلے دل کا پھپھولا پھوڑا۔

"اور وہ جو اسپیئر پارٹس کی دکان کھول کر دی تھی تم نے اس کا کیا بنا؟" گیتی نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"پتا کیا تھا۔" اس نے جل کر کہا۔

"پچھلی بار میں نے گھر فون کیا تو اماں بتا رہی تھیں سارا مال اونے پونے بیچ چکا ہے اب کہتا ہے اور مال ڈلوانا ہے باجی سے کہو پیسے بھجوائے...... اور باجی بھلا کہاں سے بھجوائے؟ پاکستانی روپے ہی تو کما رہی ہوں کوئی ریال یا ڈالر تو نہیں کہ دنوں میں ڈھیر لگاتی چلی جاؤں انکے اڑانے کو، وہ تو شکر ہے دکان میرے نام ہے ورنہ بدبخت تو کب کا اسے بھی فروخت کر چکا ہوتا۔" ریشم دلگرفتگی سے کہہ رہی تھی۔

"چلو چھوڑو۔ تم کیوں اپنا موڈ خراب کرتی ہو۔" رائمہ نے اس کے کندھے تھپتھپا کر تسلی دی اور اس کا موڈ فریش کرنے کی غرض سے بولی۔

"کہیں آؤٹنگ کے لیے چلتے ہیں بڑے دن ہو گئے کہیں گھومنے پھرنے نہیں نکلے...... کہاں چلیں...... میرا خیال ہے سی ویو چلتے ہیں یا پھر ایک ہی جگہ رہ جاتی ہے جو مجھے سب سے زیادہ پسند ہے طارق روڈ...... ویسے بھی آج صبح سے ہاتھ میں خرچے والی کھجلی ہو رہی ہے۔" رائمہ نے تائید چاہی تو گیتی فوراً راضی ہو گئی۔

"ہاں ٹھیک میں بھی چلوں گی کچھ میچنگ جوتے لینا ہیں وہ بھی لے لوں گی اور کچھ طبیعت بھی فریش ہو جائے گی ورنہ یہاں رہتے رہتے تو اپنا آپ بھی گلشن نگر کی کسی سجی سجائی دیوار کا سا لگنے لگتا ہے۔" اس کے لہجے میں بےزاری تھی۔

''لیکن میں نہیں جاؤں گی۔'' ریشم نے فوراً انکار کر دیا۔

''کیوں؟'' رائمہ نے گھورا۔

''میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔'' اس نے ایک اور سلائس لیا۔

''ایک نمبر کی جھوٹی ہو تم ریشم۔'' رائمہ نے ڈپٹ کر کہا۔

''پرسوں تک تو تمہارے پاس ایک نہ دو پورے بارہ ہزار تھے......وہ کیا ہوئے؟''

''گھر بجھوا دیئے۔'' ریشم نے تفصیل بتانا شروع کیا۔

''اس ماہ چھوٹی بہن کا کالج میں ایڈمیشن کروایا ہے تو ایکسٹرا خرچہ ہو گیا اس لیے پیسے بھی ایکسٹرا بجھوانے پڑے اب میرے پاس صرف تین ہزار ہیں پہلے ہی ہفتے میں خرچ کر دیے تو باقی مہینہ کیسے کٹے گا......پچھلوں کی فکریں جان چھوڑیں تو اپنا خیال آئے، قسم سے گیتی تم ہم میں سب سے لکی ہو۔''

''ارے یہ انکشاف کیسے ہو گیا تم پر۔'' تعجب سے پوچھا۔ رحاب بھی چونک کر ریشم کی جانب متوجہ ہوئی۔

''میں تو تمہیں لکی ہی سمجھتی ہوں نہ کوئی آگے نہ پیچھے...... جو کماتی ہو خود پہ لگاتی ہو اس پر سے آپا بھی تم پر مہربان......نہ کوئی فکر کہ پچھلے انتظار میں بیٹھے ہوں گے۔''

اس کی بات سن کر گیتی خاموش رہی۔

❁ ❁

ناول **بساطِ دل** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات آپ آنے والی ان تاریخوں (15th, 20th, 25th) میں پڑھ سکیں گے۔

”کبھی کبھی مجھے اللہ سے بڑا گلہ ہوتا ہے کیسی زندگی دی اس نے؟...... میں بھی تو کسی شریف گھرانے میں پیدا ہو سکتی تھی لیکن نہیں...... میں پیدا ہوئی تو ایسے گھرانے میں جہاں میری ماں یہ کام کرتی تھی پھر اس نے مجھے اس کام پر لگا دیا کیونکہ اس کے دام کم ہوتے ہوتے بالکل ختم ہو چکے تھے...... میرا دل چاہتا ہے اللہ نے مجھے پیدا ہی نہ کیا ہوتا...... اس زندگی سے تو ہم بغیر زندگی کے ہی اچھے رہتے مجھے نہیں یاد پڑتا کبھی میں نے خود دل کھول کر خرچ کیا ہو گھر والوں کے مطالبات پورے ہوں تو میری باری آئے۔“ کچھ دیر قبل اچھی خاصی کھلکھلاتی ریشم قنوطی دکھائی دینے لگی تھی۔

”اللہ سے گلے شکوے کرنے کی بجائے اس کا شکر ادا کیا کرو ریشم! جس نے پیدا کیا ہے وہ بنیادی ضروریات بھی پوری کر رہا ہے خواہ اس کے لیے ہمیں کیسی اور کتنی ہی مشقت جھیلنا پڑتی ہے کم سے کم بھوکے پیٹ تو نہیں سونا پڑتا...... کتنا کرم ہے اس کا تین وقت بہترین کھانا فراہم کرتا ہے اور ہم گلے شکوے کرتے نہیں تھکتے......“ اس کا اپنا ہی بہت مستحکم سا پوائنٹ آف ویو تھا جس میں شکر گزاری بے حد ضروری تھی۔

”تم بھی اپنے نام کی ایک ہی ہو رائمہ۔“ ریشم اکتا کر بولی۔

”ہمیشہ پیٹ بھر کھانا کھا کر شکر کرنے کی تلقین کرتی ہو...... یہاں روحیں بھوک سے نڈھال ہیں ان کا کیا کریں...... مجھے سمجھ نہیں آتی آخر تم صرف کھانا کھا کر کیسے شکر کر لیتی ہو؟“

”کر لیتی ہوں...... یہ آسان ہے اور اگر کر پاتی تو بھوک سے بلکتے بھائی کی شکل آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے۔“ رائمہ نے مسکرا کر کہا تھا اس کا لہجہ متحمل تھا۔

”تم مانو یا نہ مانو مگر بھوک دنیا کی سب سے بڑی حقیقت ہے کسی زمانے میں لطیفہ ہوتا ہوگا اب تو صرف المثل معلوم ہوتی ہے کہ کسی نے بھوکے سے پوچھا دیکھو آسمان پر سفید سی کوئی چیز چمکتی دکھائی دیتی ہے بھلا اس کا نام کیا ہے۔ بھوکا بولا سفید روٹی۔ پیٹ خالی ہو تو ہر سوال ہر احساس پس منظر میں چلا جاتا ہے اس کے برعکس بھرا ہوا پیٹ سو طرح کے سوالوں کو جنم دیتا ہے یہ ہے تو یہ کیوں نہیں؟ اس چیز کو اس طرح نہیں اس طرح ہونا چاہیے تھا۔ فلاں چیز کیوں نہیں ملی؟ فلاں چیز نہ ملتی تو بہتر تھا۔

میرے ماں باپ کا شجرہ نسب کھنگال لو مجال ہے جو کہیں ایک بوند کی بھی ملاوٹ ہو۔ لیکن خون صاف ہونے سے دل وسعت اختیار نہیں کرتے۔

میرے ماں باپ کی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے اپنے اپنے خاندانوں سے بغاوت کر کے شادی کی تھی۔ بھرے ہوئے پیٹ تھے انہیں لگا ہی نہیں کہ دل کی خوشی سے بڑھ کر بھی دنیا میں کوئی حقیقت ہو سکتی ہے۔

میں نے میٹرک کا امتحان دیا تھا کہ ایکسیڈنٹ میں ابا جی کا انتقال ہو گیا۔ وہ کیا گئے یوں لگا ہماری روحیں بھی ساتھ ہی گھسیٹ لے گئے۔ میں بہن بھائیوں میں بڑی تھی بہت سے مسائل وقت سے قبل سمجھ گئی۔ میری اماں معصوم سی خاتون تھیں زندگی میں بس ایک کام اپنی پسند ورضا سے کیا تھا اس کے بعد تو جیسے اپنی مرضی جیسے الفاظ ان کی لغت سے ہی نکل گئے۔ اعتماد نام کو بھی نہ تھا ابا کے انتقال کے بعد گھر کی ساری پونجی ختم ہو گئی۔ پانچ دن تک ہمارے گھر میں کسی نے گندم کا ایک دانہ بھی نہیں کھایا۔ میرا بھائی بھوک کی شدت سے مرنے کے قریب تھا۔ ننھیال۔ ددھیال والوں نے کسی قسم کی مدد سے انکار کر دیا۔ ہمارے پڑوس میں ایک خاتون رہتی تھیں ایسے میں وہ مدد کو آگے بڑھیں جب تک میرے بھائی بہنوں نے ان کا لایا ہوا کھانا کھایا وہ مجھے ایک نئے راستے سے متعارف کرواتی رہیں...... اور بس یہ سلسلہ چل نکلا......'' رائمہ ایک پل کو رکی اس کے لبوں پر پھیکی مسکراہٹ تھی۔

''میں یہ نہیں کہتی کہ ہر مجبور عورت کو یہی کرنا چاہیے...... یہ تو بہر حال قسمتوں کے فیصلے ہوتے ہیں مٹی میں رلنے والا تخت پر بیٹھ جائے یا تخت نشین مٹی میں رلنے لگے بس میں اپنے بہن بھائیوں کو ایک ایک کر کے مرتا نہیں دیکھ سکتی تھی کچھ مجھ میں قسمت سے لڑنے کا حوصلہ بھی کم تھا سو اس راستے سے لگ گئی...... اب مجھے بتاؤ میں کیسے شکر ادا نہ کروں اور کیسے شکر گزاری کی تلقین نہ کروں...... جو مشکل جس نے جھیلی اس کے لیے سب سے بڑی ہوتی ہے...... اور جس نے نہیں جھیلی صرف سنا یا دیکھا ہے کبھی وہ تحیر سے انگلیاں دانتوں تلے داباتا ہے تو کبھی ڈرامہ یا جھوٹی کہانی کہہ کر سر جھٹک دیتا ہے۔ یقین دلانا مشکل ہے بھروسہ کرنا آسان۔''

رائمہ خاموش ہو گئی تھی کمرے میں اتنی خاموشی وسناٹا تھا جیسے کوئی موجود ہی نہ ہو۔

''ہم سب اپنی باتوں میں مگن ہو کر اس پزا کو تو بھول ہی گئے...... ٹھنڈا یخ ہوا پڑا ہے اب بھلا کیسے کھائیں گے۔'' بالآخر اس خاموشی کو رائمہ نے ہی توڑا تھا۔

اسی پل دستک دے کر گوشی اندر داخل ہوئی وہ گیتی آرا کے لیے آپا بیگم کا پیغام لائی تھی۔

''لو آ گیا بلاوا۔'' ریشم ہنسی۔

''میں نے کہا تھا نا یہ لکی ہے۔ آپا بیگم کی قریب ترین ساتھی اور منظورِ نظر...... جاؤ جاؤ آپا بیگم نے ضرور کوئی راز شیئر کرنا ہوگا۔'' وہ اسے چڑا رہی تھی۔ گیتی ہنستی ہوئی باہر نکل گئی۔

''ارے رحاب تم نے بھی کچھ کھایا یا نہیں۔'' اسے خیال آیا۔

''جی...... جی کھا لیا۔'' وہ چونک کر متوجہ ہوئی ورنہ اب تک تو بند دروازے کو دیکھ رہی تھی جہاں گیتی غائب ہوئی تھی۔ (اس کا مطلب میرا اندازہ تمہارے متعلق غلط نہیں تھا گیتی! اگر ریشم درست کہہ رہی ہے کہ تم آپا بیگم کی قریب ترین ساتھی ہو تو تمہارے اختیارات آپا بیگم سے کچھ ہی کم ہوں گے مجھے یقین ہے مجھے یہاں سے تم ہی باہر نکلنے میں مدد دو گی) اس کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

’’اچھا سنو رحاب! اگر تمہیں یہاں مستقل رہنا پڑا تو تم اپنا نام بدل لینا......اتنے مقدس نام کو یہاں نہیں برباد ہونا چاہئے۔‘‘

’’آپ مجھے بددعائیں مت دیں۔‘‘ وہ سرعت سے بولی۔ ریشم کی بات گویا تازیانہ بن کر اعصاب پر لگی تھی۔ ریشم جھینپ سی گئی۔

’’میرا یہ مطلب نہیں تھا میں تو بس یونہی۔‘‘ اس نے وضاحت دینا چاہی۔

’’نہیں ٹھیک ہے وہ تو بس میں ہی۔‘‘ رحاب نے چہرے سے نادیدہ پسینہ پونچھا۔ ریشم اور رائمہ اپنی گفتگو میں مشغول ہو چکی تھیں۔ رحاب چند لمحے خاموش بیٹھی رہی پھر جھجکتے ہوئے ریشم کو مخاطب کیا۔

’’کیا یہاں سب لڑکیاں نام بدل کر رہتی ہیں؟‘‘

’’نہیں خیر سب تو نہیں لیکن کچھ ہیں جو بدل کر ہی رہتی ہیں جیسے یہ میرا اصلی نام نہیں ہے؟‘‘ ریشم نے کہا۔

’’گیتی بھی نام بدل کر رہتی ہیں؟‘‘ اصل سوال زبان پر آیا۔

’’نہیں۔‘‘ ریشم نے فوراً جواب دیا۔

’’میں نے بتایا تو ہے صرف میرا نام کچھ اور تھا گیتی آرا اور رائمہ کے نام شروع سے یہی ہیں وہ تو میرا دل نہیں مانا کہ وجود کے ساتھ ساتھ نام بھی پامال کروں۔‘‘

’’آ......آپ کا اصل نام کیا ہے؟‘‘ رحاب نے پھر جھجک آمیز لہجے میں پوچھا۔ ریشم کے لبوں پر پھیکی سی افسردہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

’’چھوڑو......ناموں میں کیا رکھا ہے۔‘‘

☆......☆......☆

دروازہ کھلا ہوا تھا گیتی آرا بلا جھجک اندر داخل ہو گئی مگر جی جان سے بدمزا ہوئی پلٹنا چاہا مگر مظہر جو الماری میں منہ دیے کھڑا تھا گردن موڑ کر دیکھ چکا تھا۔

’’ارے گیتی......آؤ نا رک کیوں گئیں؟‘‘

بے حد مصروفیت بھرا انداز تھا۔ خلاف معمول لہجے میں شوخی نہ الفاظ میں شرارت۔ وہ چونکی حد درجہ تعجب سے اس کی جانب دیکھا مگر خود کو استفسار سے باز ہی رکھا۔

’’آپا بیگم کہاں ہیں؟‘‘

’’ذرا مہمان خانہ تک گئی ہیں تم بیٹھو۔‘‘ مظہر نے پھر مصروفیت بھرا جواب دیا۔

’’تم تو کہیں جا رہے تھے نا؟‘‘ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ خود کو باز نہ رکھ سکی پوچھنے سے۔

’’مجھے کچھ کرنسی چاہیے تھی اس لیے واپس آنا پڑا۔‘‘ اس نے نوٹوں کی کچھ گڈیاں لا کر بریف کیس میں رکھیں اور اسے بند کرتے

ہوئے بولا۔

''ویسے ایک بات تو بتاؤ یہ تم مجھے بھیجنے پر ہی کیوں اس قدر بضد رہتی ہو؟'' اس کا لہجہ متبسم اور شریر تھا۔ گیتی نے مطلق پروانہ کی۔

''بہت اہتمام ہو رہا ہے۔ تیاری کہاں کی ہے؟'' اسکے انداز میں محسوس ہونے والی لاتعلقی تھی جیسے بات برائے بات پوچھ لیا ہو۔

''پنجاب جا رہا ہوں لاہور جاؤں گا پہلے، پھر چند روز کے لیے ساہیوال کے قریب ایک گاؤں ہے وہاں...... لیکن زیادہ وقت لاہور میں ہی صرف ہوگا۔ یوں سمجھو ایک پروجیکٹ ادھورا چھوڑ آیا تھا وہی مکمل کرنے جا رہا ہوں۔''

وہ بڑے انداز سے مسکرایا اور گیتی جیسے لمحوں میں اس مبہم بات کا مفہوم جان گئی۔ دل کو کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔

''تم بھی چلو، تھوڑا گھوم پھر لو گی تو مزاج پر اچھا اثر پڑے گا۔ ہو سکتا ہے شعلے اگلنا بند کر دو۔'' وہ ہنسا۔

''نہیں۔ میں کہیں نہیں جاؤں گی۔'' اس نے دوٹوک جواب دیا تھا۔

''ٹھیک ہے تمہاری مرضی۔'' وہ فوراً مان گیا۔

''لیکن جب میں واپس آؤں گا تو تمہیں کچھ روز کے لیے میرے ساتھ چلنا ہوگا میرے فلیٹ پر...... بہت دن ہو گئے تمہارے ساتھ وقت گزارے۔''

''جاتی ہے میری جوتی۔'' وہ تڑخ سی گئی۔ اللہ جانے یہ شخص کس مٹی سے بنا تھا یوں ڈیمانڈ کرتا تھا جیسے وہ تو بس سننے کی ہی منتظر ہے۔

''ظاہر ہے میری جان تم جاؤ گی تو جوتی کیسے نہیں جائے گی۔'' وہ اطمینان سے ٹانگ پہ ٹانگ رکھتے ہوئے بولا۔

''جس ادھورے پراجیکٹ کو مکمل کرنے جا رہے ہو اسے ہی لے آنا اور جہاں مرضی عیش کرتے پھرنا میں تو کسی صورت نہیں جاؤں گی کہیں بھی۔'' وہ نفرت سے بولی۔

''اتنی جلدی کہاں مکمل ہو پائے گا بھئی لوہا گرم کرنے میں بھی کچھ وقت لگتا ہے میری تو خود دعا ہے جلد از جلد مکمل ہو...... بلیو می گیتی! ایسی موہنی صورت ہے تم دیکھ لو تو اپنا چہرہ بھول جاؤ تمہیں دیکھا تھا تو لگا تھا اس سے زیادہ حسن یہ آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں لیکن اسے دیکھا تو پتا چلا ابھی تو ان آنکھوں نے کچھ دیکھا ہی نہیں۔ باقی بات رہی تمہارے نہ جانے کی۔'' وہ اٹھ کے اس کے قریب آ گیا اور دھیرے سے اس کا گال چھو کر بولا۔

''جانا تو پڑے گا ہی......'' وہ بہت وارفتہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ گیتی کے چہرے کے بے حد قریب تھا۔ گیتی نفرت انگیز مسکراہٹ اچھال کر بولی۔

''کسی غلط فہمی میں مت رہنا مظہر! تم میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے۔'' وہ جتنی تیزی سے پلٹی تھی مظہر نے اتنی ہی تیزی سے اس کی کمر کے گرد ہاتھ ڈال کر اسے قریب کیا تھا۔ اس کی گرفت اس قدر آہنی تھی کہ خود کو چھڑوانے کی کوشش میں گیتی پھڑ پھڑا کر رہ گئی۔

''غلط فہمی میں تو تم ہو جانِ من! ایک کاغذ ہے جس پر تم نے خود دستخط کیے تھے۔ اس کاغذ کو میں الماری کے خفیہ خانے میں بہت سنبھال کر رکھتا ہوں تا کہ ہوا اڑا کر کہیں ادھر ادھر نہ کر دے اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں۔ اس کاغذ کی رو سے میں زبردستی تو کیا وہ سب کچھ کر سکتا ہوں جو کرنا چاہوں۔ تم میرے حقوق کو چیلنج نہیں کر سکتیں۔

جب میں واپس آؤں تو میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار رہنا۔ سدھائی ہوئی گھوڑی بھی جب اڑی کرنے لگتی ہے تو لگام کھینچ کر چابک لگانا ضروری ہو جاتا ہے۔ مجھے چابک لگانے پر مجبور مت کرو گیتی!''

اس نے گیتی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہایت سفاکی سے کہا اور بے حد نرمی سے اس کا گال چھو کر پیچھے ہٹ گیا۔ گویا صاف جتا دیا تھا تم آزاد ہو جتنی اونچی چاہو اڑان بھر مگر یہ مت بھولو کہ تمہیں لوٹ کر یہیں آنا ہے۔

وہ بریف کیس اٹھاتا اس کا گال تھپتھپاتا باہر نکل گیا۔ گیتی کے گال پر گویا کانٹے اگ آئے تھے۔

''اللہ کرے تم واپس ہی نہ آؤ پلین سے جاؤ تو کریش ہو جائے۔ ٹرین سے جاؤ تو پٹری بدل جائے ایسا عظیم دھماکہ ہو کہ تمہاری بوٹیاں تک نہ ملیں......بس تم واپس نہ آؤ......تا کہ میری زندگی میں بھی کچھ سکون آئے اور جس کی زندگی برباد کرنے جا رہے ہو اللہ اس پر رحم کرے۔'' اس کا سارا وجود گویا آتش فشاں کی طرح پک رہا تھا تب ہی آپا بیگم ساڑھی کا پلو سنبھالتی ہوئی چلی آئیں۔

''تم اب تک کھڑی ہو بیٹھ جاؤ بھئی......ذرا تفصیل سے بات کرنا ہے......اور یہ منہ پر بارہ کیوں بجے ہیں؟ مظہر کے جانے سے خفا ہو؟''

گیتی کا دل چاہا قہقہہ لگائے یہ جو اتنی جہاں دیدہ عورت ہے گھاٹ گھاٹ کا پانی پی کے بیٹھی ہوئی......ایک اسی معاملے میں اس کو نظر آنا کیوں بند ہو جاتا ہے اسے میرے چہرے پر لکھی نفرت و بے زاری دکھائی نہیں دیتی؟ اور اگر اسے پتہ چلے میں اس کے اکلوتے لختِ جگر کے لیے کیسی کیسی بددعاؤں کا اہتمام کیے بیٹھی ہوں تو اس کا ردعمل کیا ہوگا؟

''اچھا بیٹھ بھی چکو گیتی تم سے بڑی ضروری بات کرنا ہے وہ جو لڑکی ہے تمہارے کمرے میں اسی کے بارے میں......اصل میں ابھی وہ آیا تھا اختر بٹ بلکہ الو کا پٹھا۔''

آپا بیگم کی اپنی ہی پریشانیاں تھیں۔ وہ انہماک سے سننے کی کوشش کرنے لگی۔

☆......☆......☆

رات کا کوئی نامعلوم پہر تھا جب اس کی آنکھ کھل گئی۔

بند دروازے کے پیچھے ساون کی پہلی بارش تیز ہوا کی سنگت میں ابھی بھی زور و شور سے برس رہی تھی۔ بجلی ہنوز غائب تھی البتہ آسمانی بجلی کی روشنی کبھی کبھی روشن دانوں سے جھانکتی تھی۔

اس نے اسی نامکمل روشنی میں سر اٹھا کر ارد گرد کا جائزہ لیا سب کی سب الٹ سیدھی سو رہی تھیں۔ ثانیہ بھی پڑھتے پڑھتے میز پر سر رکھے سو چکی تھی۔ موم بتی اللہ جانے اس نے خود بجھا دی تھی یا پگھل کر اپنا شعلہ کھو چکی تھی۔ اس نے سر واپس تکیے پر رکھ لیا۔ پنکھا کسی بے حس و حرکت چمگادڑ کی طرح چھت سے چپکا ہوا تھا وہ چند لمحے پنکھے کو دیکھتی رہی پھر کروٹ بدل لی اور لاشعوری طور پر بارش کی آواز سننے لگی جس کی گویا ہر ہر بوند میں موتی سمٹے ہوئے تھے۔

کبھی تیز ہوا پھنکارتے لگتی۔ ادھر کسی شاخ سے الجھتی ادھر کوئی چیز گراتی کبھی بادل گرجتے اور بجلی کڑکتی اور چند لمحوں کے لیے کمرے کی تاریکی کہر کی مانند چھٹ جاتی مگر بارش کی موسیقیت برقرار تھی۔

معاً اس کے دل میں کوئی خیال آسمانی بجلی کی طرح لپکا اس نے اٹھ کر احتیاط سے دروازے کی چٹخنی گرا دی۔

''کیا ہوا عانی! دروازہ کیوں کھول رہی ہو۔'' ثانیہ کی آنکھ کھل گئی تھی اس کی آواز میں نیند کا خمار اور الجھن تھی۔

''کمرے میں بہت حبس ہے مجھ سے سانس نہیں لیا جا رہا۔'' دروازہ کھل چکا تھا خوش گوار خوشبو میں لپٹا نم ہوا کا جھونکا اس کا چہرہ چھو کر کمرے کی تاریکی میں پھیل گیا تھا۔

''حبس؟'' ثانیہ نے چونک کر کہا۔

ٹھیک ہے بارشوں کے موسم میں کمرے حبس زدہ ہو جاتے تھے مگر اس وقت تو کمرے کا ماحول خاصا پرسکون تھا۔

''حبس تو نہیں ہے۔''

''اچھا......نہیں ہے؟'' وہ ہنسی اور اس کی ہنسی ثانیہ کی سمجھ سے بالاتر تھی۔

''مگر بند دروازوں کے پیچھے گھٹن ہوتی ہے اور مجھ سے گھٹ گھٹ کر جیا نہیں جاتا...... مجھے بند دروازے کے پیچھے رہنے سے نفرت ہے۔'' ثانیہ نے بے زاری سے اسے دیکھا رات کے اس پہر وہ کیسی الجھی ہوئی گفتگو کر رہی تھی۔

''تمہیں بند دروازے سے نفرت ہے اور کیڑے مکوڑوں کو کھلے دروازے بہت اٹریکٹ کرتے ہیں۔ برسات میں تو یوں بھی کئی کیڑے نکل آتے ہیں۔ دروازہ بند کر دو ورنہ کوئی کیڑا اندر آ جائے گا......اور مجھے کیڑوں سے بہت ڈر لگتا ہے۔'' وہ میز پر ادھر ادھر ہاتھ مار کر ماچس تلاش کر رہی تھی۔

''تمہارا دل نہیں چاہتا ثانی! تم بند دروازوں کے پیچھے نہ رہو؟ آسمان میں اڑو؟ روشنیوں میں سفر کرو، یہ گھٹن زدہ ماحول اور تاریکی انسان کو کیا دے سکتے ہیں؟ ہیں ثانی بتاؤ نا کیا تمہارا دل نہیں چاہتا۔'' اس کا لہجہ کسی بے چینی کا غماز تھا۔

''دل؟'' ثانیہ نے تلاش ترک کر کے پل بھر کو اس کی جانب دیکھا۔ اتنی تاریکی میں تاثرات تو خیر کیا سمجھ آتے البتہ تیز ہوا سے پھڑ پھڑاتا ملبوس دکھائی دے رہا تھا وہ دروازے سے لگی زمین پر بیٹھ چکی تھی۔

''ہوسکتا ہے میرے دل نے بھی کوئی چاہ پال رکھی ہو مگر دل کی سنتا کون ہے؟'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ ''اردگرد اتنی آوازیں ہیں پہلے انہیں تو سن لیں دل کی بعد میں دیکھی جائے گی۔''

''اور تمہیں کبھی یہ احساس بھی نہیں ہوا کہ تم اپنے دل کے ساتھ زیادتی کر رہی ہو؟'' عانیہ نے تعجب سے پوچھا۔

''نہیں بالکل بھی نہیں۔'' اس کا لہجہ مستحکم تھا۔

''تم بہت عجیب ہو ثانی!'' اس کا لہجہ بھی عجیب تھا جیسے وہ خود بھی سمجھ نہ پا رہی ہو کہ کوئی انسان خود اپنے دل سے بھی اتنا لاتعلق کیسے ہوسکتا ہے۔

''بہت ہی عجیب...... مجھے تم پر حیرت ہو رہی ہے کوئی انسان اپنی مرضی سے پابندیاں کیسے قبول کر سکتا ہے؟''

''پابندیاں۔'' ثانیہ کو حقیقی معنوں میں اس کے منہ سے یہ لفظ سن کر تعجب ہوا تھا۔

''تم کن پابندیوں کی بات کر رہی ہو؟ مجھے تو پابندیاں دکھائی نہیں دیتیں۔''

''تمہاری اور میری شخصیت کی طرح ہماری سوچ میں بھی بہت فرق ہے...... میں سمجھ نہیں پا رہی تمہیں کیسے سمجھاؤں۔'' وہ خود ہی الجھ رہی تھی پھر خود ہی سرعت سے بولی۔

''یہ بند دروازے...... پابندیاں نہیں تو اور کیا ہیں؟''

اس کے الجھن بھرے لہجے نے ثانیہ کو مسکرانے پر مجبور کر دیا تھا اسے لگا اس کے سامنے عانیہ نہیں ایک چھوٹی سی بچی بیٹھی ہے جس کا معصوم ذہن اسے الجھا رہا ہے۔

''ہاں تمہاری اور میری سوچ میں بہت فرق ہے۔'' ثانیہ فوراً مان گئی۔

''اب یہی دیکھ لو جس چیز کو بلکہ اقدام کو تم پابندی کہہ رہی ہو میں اسے احتیاط سمجھتی ہوں۔ برسات کے موسم میں کئی طرح کے موذی کیڑے مکوڑے نکل آتے ہیں اور دروازے بند نہ رکھے جائیں تو وہ اندر آ کر نقصان پہنچا سکتے ہیں۔'' ثانیہ نے بے حد رسان سے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ عانیہ نے غضب ناک نظروں سے اسے گھورا۔

(میسنا پن تم پر ختم ہے ثانیہ بیگم! معلوم ہے میں کیا کہہ رہی ہوں لیکن بات کو گھما پھرا کر اپنی پسند کے مطالب میں ڈھال لینا تو کوئی تم سے سیکھے)

''محض کیڑے مکوڑوں کی وجہ سے تازہ ہوا کا راستہ روک دینا کہاں کی عقل مندی ہے؟'' وہ تڑخ کر بولی۔

''بالکل عقل مندی نہیں ہے اسی لیے ضرورت پڑنے پر دروازہ کھلا رکھا جاتا ہے۔'' وہ پھر پہلے سے متحمل لہجے میں گویا ہوئی تھی پھر عانیہ کو مستقبل خاموش پا کر بولی۔

''میں تو پھر یہی کہوں گی جسے تم پابندی کہتی ہو وہ اصل میں احتیاط پسندی ہے۔''

''لفظوں کے ہیر پھیر سے کیا ہوتا ہے؟'' عانیہ نے کلس سے کہا۔

''اگر یہ پابندی ہے تو صرف میرے لیے کوئی ہے اور اگر یہ احتیاط پسندی ہے تو بھی اسے سب کے لیے ہونا چاہیے نہ کہ صرف میرے لیے۔''

''ایسی کون سی پابندیاں لگ گئی ہیں تم پہ۔ جن کی تم شکایت کر رہی ہو۔''

اس نے شاید پہلی ہی بار اس کے لہجے کے اتار چڑھاؤ پر غور کرتے ہوئے حیرانی سے پوچھا تھا وہ ماچس کی تلاش بڑی دیر ہوئی ترک کر چکی تھی اور اب دونوں ہاتھ گود میں رکھے عانیہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''تم مت پوچھو تمہیں نظر نہیں آئی گی تم تو اپنی پسند کی زندگی گزار رہی ہو کوئی پریشانی نہیں ہے کماتی ہو جیسے چاہو خرچ کر سکتی ہو جو چاہو خرید سکتی ہو کوئی چیز پسند آجانے پر اسے خریدنے کے لیے تمہیں میری طرح سوچنا نہیں پڑتا، تمہیں ویسے مسائل کا سامنا نہیں ہے جیسے مجھے ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ تم آزاد ہو کسی کی دست نگر نہیں کہیں آنے جانے کے لیے تم کسی کی پابند نہیں ہو، تمہیں کہیں جانا ہوتا ہے تو تم بتاتی ہو اجازت نہیں مانگتیں لیکن میں یہ سب نہیں کر سکتی۔''

وہ اور بھی کچھ کہہ رہی تھی مگر ثانیہ دم بخود اسے دیکھ رہی تھی بجلی کڑکتی تھی تو اس کا وجود روشنی میں نہا جاتا تھا۔ اس کے لبوں سے نکلنے والے الفاظ اب بھی ثانیہ کی سماعت سے ٹکرا رہے تھے مگر مفہوم کہیں راستے میں ہی دم توڑ جاتا تھا۔ وہ عانیہ کے پہلے وار سہہ کر پرسکون ہو پاتی تو آگے کچھ سنتی۔

بہت عام سی باتوں کو اپنی بدگمانی کے باعث لفظوں ہی لفظوں میں بہت خاص بنا ڈالا تھا۔ خوش آئند باتیں ہی خاص نہیں ہوتیں ناگوار باتیں بھی خاص ہوتی ہیں۔

گو کہ ثانیہ اپنی زندگی سے کبھی غیر مطمئن نہیں ہوئی تھی۔ اس نے زندگی میں جو ہے اور جیسے ہے کی بنیاد پر ہر چیز کو قبول کر لینا بہت جلدی سیکھ لیا تھا اور یہ عادت اس کے بچپن کے ساتھ ہی پروان چڑھی تھی مگر ان چند لمحوں میں اسے احساس ہوا تھا جو زندگی وہ گزار رہی تھی وہ اس کی پسندیدہ نہیں تھی کوئی اپنی پسند سے مشقت بھری زندگی مول نہیں لیتا، موقع دیا جائے تو ہر کوئی سہل اور پرسکون زندگی کا انتخاب کرے گا اور وہ بھی تو اسی ہر کوئی کے درجے سے تعلق رکھتی تھی پھر عانیہ یہ بات کس طرح کہہ سکتی تھی کہ وہ من پسند زندگی گزار رہی ہے۔

پریشانی کیا صرف واویلا مچانے سے دکھائی دیتی ہے؟ ہاں ٹھیک ہے وہ کماتی ہے مگر کمائی اڑانا آسان ہے کمانا مشکل؟ سارا سارا دن بچوں سے سر کھپاتے وہ جسمانی ہی نہیں ذہنی طور پر بھی اتنا تھک جاتی ہے کہ گھر آ کر بھی کھانے کا ہوش نہیں رہتا ایک واحد چیز جو اس وقت قابل توجہ لگتی ہے وہ ہے پلنگ۔ مگر وہ فوراً نہیں سوتی اسے بہت سا وقت اپنی پڑھائی کو بھی دینا ہوتا ہے وہ جانتی ہے اگلی ڈگری اسے

کمانے کے لیے مواقع فراہم کرے گی اور یہ مواقع وہ اپنے گھر والوں کی خاطر کھونا نہیں چاہتی اس نے سوچنے کی کوشش کی کہ آخری بار اس نے خود پر کب خرچ کیا تھا مگر اسے ٹھیک سے یاد نہیں آیا۔ یہ اتنی پرانی بات ہو چکی تھی کہ اس کے لاشعور میں بھی اس کا کچھ پتا نہ تھا۔

وہ بازار جاتی تھی تو بہترین چیز اپنی بہنوں کے لیے پسند کرتی تھی اپنے لیے وہ سب سے آخر میں اور کم قیمت چیز لیتی تھی اور اسے بھی فوراً پسند آنے پر نہیں خریدتی تھی خوب اچھی طرح چھان پھٹک کر خریدتی تھی۔

اور یہ دست نگر ہونا کیا ہوتا ہے؟ وہ دن بھر جو لوکل ویگنوں اور بسوں کے دھکے کھاتی تھی اس کی نسبت گھر میں پر سکون ہو کر بیٹھے رہنا ہزار ہا درجہ بہتر تھا۔

کہیں آنے جانے کے لیے وہ صرف بتاتی تھی کیونکہ اسے لگا ہی نہیں کہ روز سویرے اکیڈمی جاتے ہوئے اسے امی سے اجازت لینا چاہیے کہ ''امی! میں اکیڈمی چلی جاؤں وہاں مختلف کلاسز کو پڑھانے کی تنخواہ ملتی ہے مجھے اگر آپ اجازت دیں تو میں چلی جاؤں۔'' اسی طرح ہر روز ہوم ٹیوشن کے لیے جاتے ہوئے بھی اجازت لینا چاہیے؟

وہ یہ سب کرتی تھی جو عانیہ نے کہا تھا اور عانیہ یہ سب نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن آخر کیوں؟

ثانیہ کا دل چاہا وہ عانیہ سے اس کیوں کا جواب مانگے ان چند لمحوں میں سوچی ہوئی ساری باتیں اسے بتائے مگر پھر وہی بات کہ دل کی سنتا کون ہے؟ بے چارہ ایک کونے میں پڑا دھڑک رہا ہے تو دھڑکے جائے جس روز احتجاجاً دھڑکنا بند کرے گا اسی روز نوٹس لیں گے۔

بادل اتنی زور سے گرجے کہ اس کا سارا وجود پل بھر کو لرز سا گیا۔

''دروازہ بند کر دو عانی!'' کڑکتی بجلی اور گرجتے بادلوں سے خوف کھانے والی ثانیہ نے سراسیمگی سے کہا مگر عانیہ سنی ان سنی کر کے بیٹھی رہی اور برستی بارش کا نظارہ کرتی رہی۔ اسے ثانیہ کے خوف سے کوئی غرض نہ تھی۔

''ایک بات کہوں عانی؟'' اس کا لہجہ جھجک آمیز تھا۔

''تم کوئی چھوٹی موٹی ملازمت کیوں نہیں کر لیتیں؟ کچھ اور تو نہیں تمہاری پاکٹ منی ہی نکل آیا کرے گی۔''

''ایک تو تم سے پیسے لینے میں یہ بہت قباحت ہے بات بے بات جتانے لگتی ہو۔'' اس نے ناک چڑھائی ایک اور الزام وہ تو کہہ کر پچھتائی کہ اب یہ بات عانیہ کو بھولنی نہ تھی مگر چونکہ الفاظ منہ سے نکل چکے تھے سو آگے بڑھانا ضروری تھا۔

''میں جتا نہیں رہی یونہی ایک مشورہ دے رہی ہوں، تمہیں اکثر شکوہ رہتا ہے کہ تمہیں پاکٹ منی نہیں ملتی تمہیں کوئی چیز خریدنی ہو تو پیسے نہیں ہوتے تم کوئی جاب کرو گی تو یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔'' اس نے مناسب الفاظ استعمال کیے تھے۔

''یا یوں کرو بی اے کی تیاری کر لو، شفق کے ساتھ ہی پیپرز دے دینا۔ کم سے کم کہیں اپلائی تو کر سکو گی۔ گو کہ آج کل حیثیت تو کچھ بھی نہیں ہے مگر بہر حال سمپل ایف اے سے تو بہتر ہے۔''

(جب تم ایم اے کر کے کوئی تیر مارو گی تب مجھ سے بات کرنا) اس نے کڑھ کر سوچا۔

''رہنے بھی دو ثانی! کیا رکھا ہے ان پڑھائیوں میں سوائے مغز ماری کے۔'' اس نے دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھائی۔

''لیکن پھر بھی......'' ثانیہ نے کہنا چاہا مگر عانیہ نے ٹوک دیا۔

''مجھے نہیں کرنی کوئی ملازمت۔'' وہ اپنی جگہ آ گئی تھی۔

''بس تم میرے لیے دعا کیا کرو کہ میری شادی کسی امیر لڑکے سے ہو جائے وہ مجھے ایک ایسا لائف اسٹائل فراہم کر سکے جیسا میں چاہتی ہوں۔'' اپنا تکیہ درست کرتے ہوئے اس کے لہجے میں کئی عزائم جھلک رہے تھے۔

''لیکن......'' ثانیہ کے سامنے کوئی خدشہ منہ کھولے کھڑا ہو گیا۔

''عادل تو اتنا امیر نہیں ہے عانی!''

''تم سے کس نے کہا میں عادل سے شادی کروں گی؟'' وہ گھٹنے پر کہنی ٹکا کر طنزیہ لہجے میں بولی۔ وہ ثانیہ کی جانب دیکھ رہی تھی مگر اسے ثانیہ کا فق چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا اگر دکھائی دے رہا تھا تو وہ اس پر دھیان دینا نہیں چاہتی تھی۔

''میں عادل سے شادی نہیں کروں گی میں کسی ایسے لڑکے سے شادی کروں گی جو مجھے آسائشات دے سکے۔ میں مڈل کلاس عورتوں کی طرح دانتوں سے ایک ایک روپیہ پکڑ کر زندگی نہیں گزارنا چاہتی۔ میں چاہتی ہوں جب خرچ کروں تو لاکھوں نہیں تو ہزاروں ضرور میرے پاس ہوں۔

جبکہ عادل سے شادی کر کے مجھے کیا ملے گا؟ وہی معمولی پانچ سو کا نوٹ اور ڈھائی سو کی سستی چپل...... جب کہ میرے پیر یہ سستی چپل پہننے کے لیے نہیں ہیں۔ مجھے اللہ سے ہمیشہ گلہ رہا ہے اس نے مجھے غلط گھر میں پیدا کیا اسے مجھے کسی محل میں پیدا کرنا چاہیے تھا لیکن بہتری کا ایک موقع تو اللہ ہر ایک کو دیتا ہے اور عادل سے شادی کر کے میں اپنا یہ واحد چانس گنوانا نہیں چاہتی۔'' اس کا انداز دوٹوک تھا۔

''تم...... تم کیسی باتیں کر رہی عانی! تمہاری اور عادل کی نسبت بچپن سے طے ہے......'' اس سے تو بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔

''بچپن کے وعدوں کو اگر اتنی اہمیت دی جاتی ہے تو اس دور کے جھگڑوں کو بھی اتنی ہی اہمیت ملنی چاہئے تمہیں یاد ہو گا جب ہم چھوٹے تھے تو میرا اور عادل کا جھگڑا ہوا تھا اور ہم نے زندگی بھر ایک دوسرے کی شکل نہ دیکھنے کی قسم کھائی تھی۔''

''بے وقوفی کی باتیں مت کرو عانی! اس گھر میں پہلے کیا کم مسائل ہیں جو تم اور اضافہ کر رہی ہو؟''

''اور تم مجھے ناپسندیدہ زندگی کی طرف کیوں دھکیل رہی ہو؟ جبکہ مجھے عادل پسند ہی نہیں ہے۔'' اس نے دوبدو کہا۔

''لیکن وہ تمہیں پسند تھا۔'' ثانیہ نے زور دے کر کہا۔

''تھا، اب نہیں ہے۔'' عانیہ نے ٹھوس لہجے میں زور دے کر کہا۔

”تم پاگل ہوگئی ہو عانی اور مجھے بھی کر دوگی...... آخر اب عادل میں کیا برائی آگئی کہ وہ تمہیں ناپسند ہے؟“

”بہت ساری برائیاں ہیں وہ مجھے میری من پسند زندگی نہیں دے سکتا وہ مجھے آسائشات نہیں دے سکتا وہ مجھے ہزاروں روپے نہیں دے سکتا...... اور تم مجھے مجبور مت کرو میں اس گھر سے نکل کر ایک اور ایسے گھر میں نہیں جانا چاہتی جو اسی گھر کی طرح بے کار ہے۔“

”بے کار؟“ ثانیہ نے دوہرایا۔ ”تم ساری زندگی اسی ’بے کار گھر‘ میں رہتی رہی ہو اس میں اب کیا برائی پیدا ہوگئی؟“

”میں کچھ کہوں گی تو تم پھر اسے لفظوں کے ہیر پھیر میں الجھا دو گی مگر ایک بار تم سن لو یہ بہتر ہے مجھے اس گھر میں غربت کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا...... مجھے بتاؤ یہاں کیا ہے؟ ٹپکتی ہوئی چھتیں، ٹوٹا ہوا فرنیچر، مرغی کے ڈربے جتنا باورچی خانہ، سسکتی ہوئی غربت، ایک وقت کھانا کھا کر اگلے وقت کی فکر ستانے لگتی ہے، تم چاہتی ہو میں اس گھر سے نکل کر عادل کے گھر جاؤں اور پھر وہاں یہی سب حالات دیکھوں۔“

”ہمارے گھر کے حالات اتنے برے نہیں ہیں عانی!“ ثانیہ نے صدمے کی سی کیفیت میں کہا۔

”مگر برے ہیں...... یہ تو مانتی ہو نا۔“ اس نے انگلی اٹھا کر پوچھا۔

”اللہ کے لیے عانی یہ سب باتیں امی کے سامنے مت کرنا۔“ اس نے منت بھرے لہجے میں کہا تھا۔

”تمہیں اندازہ ہونا چاہیے وہ پہلے ہی ہم لوگوں کے لیے کتنا پریشان رہتی ہیں ہماری شادیاں......“

”ایک منٹ۔“ عانیہ نے اس کی بات قطع کی۔

”پہلے تو تم اپنی یہ غلط فہمی دور کرو کہ امی ہم لوگوں کی وجہ سے پریشان ہیں وہ صرف تمہارے لیے پریشان ہیں کیونکہ تمہارا رشتہ نہیں ہو پا رہا میرے لیے عادل کے علاوہ بھی رشتوں کی کمی نہیں ہے یونہی تو تمہارے لیے آنے والے میرے پیچھے نہیں پڑ جاتے۔“

ثانیہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کیا محسوس کر رہی ہے مگر عانیہ نے اسے بولنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ خوشی بوا کے توسط سے اب تک تین رشتے آئے تھے دو مرتبہ آنے والے لوگوں نے چپ سادھ لی تھی اور ان معاملات میں چپ کا مطلب عموماً نہ ہی سمجھا جاتا ہے جبکہ پہلی مرتبہ آنے والی خواتین نے حقیقتاً عانیہ کے لیے بے حد پسندیدگی اور لگن ظاہر کی تھی مگر ایک دفعہ کو ہر دفعہ سمجھ لینا کیا درست تھا؟ اور عانیہ یہی کر رہی تھی۔

بجلی چمکی تھی روشن دان کمرے میں روشنی پھینک رہے تھے۔ ثانیہ نے دیکھا عانیہ سونے کے لیے لیٹ چکی تھی اس کی آنکھیں بند تھیں مگر چہرے پر لکھا تفاخر صاف دکھائی دے رہا تھا۔

ثانیہ نے پرسکون ہونے کی کوشش کی مگر وہ اپنی اس کوشش میں ناکام رہی تھی عانیہ کی باتوں سے جھلکتے عزائم نے اسے پریشان ہی نہیں خوفزدہ بھی کر دیا تھا۔ شام تک وہ اس کے رویے میں بڑھتی تلخی سے متفکر تھی مگر اب وہ واقعی خوفزدہ ہوگئی تھی۔

وہ پڑھنا چاہتی تھی کل اس کا پیپر تھا مگر اب اسے لگ رہا تھا وہ کچھ بھی پڑھ نہیں پائے گی مگر اس نے ٹٹول کر ماچس تلاش کی تھی اور

موم بتی جلا کر پڑھنے کی کوشش کرنے لگی۔

باہر بارش رک چکی تھی مگر بادل ہنوز گرج رہے تھے۔

☆......☆......☆

بارش کیا تھی اچھا خاصا طوفان ہی تھا۔

بڑی دیر تک ٹھنڈی ہوا دیوانوں کی طرح یہاں وہاں اودھم مچاتی رہی پھر دیکھتے ہی دیکھتے ژالہ باری شروع ہوگئی۔ ماڑے کی ٹین سے بنی ڈھلوانی چھت پر گویا تڑتڑ کر کے گولیاں برس رہی تھیں۔

اجمل نے کمرے کا دروازہ ذرا سا کھول کر باہر جھانکا کچا صحن یہاں سے وہاں تک برف کے ٹکڑوں سے بھرا پڑا تھا۔

''اللہ توبہ......'' انہوں نے دبا کر دروازہ بند کیا اور کنڈی چڑھا دی۔

''یہ بڑے بڑے اولے پڑ رہے ہیں......کھڈے پڑ گئے زمین میں۔'' وہ ہاتھوں سے اصل سائز واضح کرتے انگیٹھی کے پاس آ بیٹھے۔ وہ تشویش میں مبتلا ہو گئے تھے اور کچھ ایسا غلط بھی نہ تھا۔ فصلیں کٹائی کے لیے تیار کھڑی تھیں ایسے میں ایسی طوفان بارش۔

شام سے بھی پہلے رات ڈھل گئی تھی اور جتنے کالے سیاہ بادل آسمان پر سمٹے ہوئے تھے لگتا تھا سال بھر کی بارش آج ہی برسانے چلے آئے ہیں۔

''چلو خیر پریشان ہونے سے تقدیر کا لکھا ٹل تو نہیں سکتا۔'' اجمل بے دھیانی میں چارپائی پر لیٹے اپنے چھوٹے بچے کی جانب دیکھنے لگے اسی بے دھیانی میں گویا بیوی سے مخاطب ہوئے۔ بچے نے باپ کو اپنی جانب متوجہ پایا تو قلقاری مار کر تیز تیز منے ہاتھ پیر چلانے لگا۔

''او میرا بیٹا......ادھر آجا میرے شہزادے۔'' اجمل نے اٹھ کر بچے کو گود میں بٹھا لیا۔ وہ خوش ہو کر اور بھی تیز تیز ہاتھ پیر چلانے لگا۔

سکینہ نے باپ بیٹے کو مگن دیکھا تو فوراً چائے کا پیالہ لا کر سامنے رکھ دیا۔ مہکتی ہوئی سبز چائے کی دلفریب خوشبو سارے میں پھیل چکی تھی۔

اجمل نے ابھی پیالہ لبوں سے لگایا ہی تھا کہ بیرونی دروازہ بے حد زور سے کھٹکھٹایا گیا اتنی زوردار آواز تھی کہ پیالہ چھلکتے چھلکتے بچا۔

''اللہ خیر...... یہ کون آ گیا؟'' سکینہ نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا۔

''میں دیکھتا ہوں۔'' اجمل نے تو قیر کو ان کے حوالے کیا۔

''ہو سکتا ہے گل بانو ہو۔'' اجمل نے پلاسٹک کی بڑی سی شیٹ کو کھولتے ہوئے خیال ظاہر کیا۔

سکینہ بےزاری سے بولی۔

''اگر وہی ہے تو دروازے پر ہی دو چپیڑیں ضرور لگانا۔ جہاں گئی تھی وہاں ذرا ٹک کر نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ بارش رکنی بھی تو تھی۔'' ان کے لہجے سے تنفر جھلک رہا تھا۔ اجمل نے ناگواری سے انہیں دیکھا۔

''تم پہلے دشمنی نبھالو۔ یہ مت دیکھنا اگلی کس مشکل میں ہے۔'' وہ شیٹ کو چھتری کی طرح تان کر باہر لپکے کہ دروازہ بری طرح پیٹا جا رہا تھا۔

''ہونہہ......تمہاری بہن کو تو بس دوسروں کی مشکلات بڑھانا آتی ہیں۔'' وہ بڑبڑا کر رہ گئیں اور ساری توجہ باہر کی سمت لگا دی۔

''او کون ہے بھئی؟'' دروازہ بے حد بری طرح کھٹکھٹایا جا رہا تھا۔ اجمل نے عجلت میں دروازے سے چند قدم پیچھے ہی زور سے آواز دے کر پوچھا۔

''بھائی اجمل! میں ہوں......فاروق۔'' ژالہ باری رک چکی تھی اور بارش بے حد تیز تھی۔ اجمل نے جھٹ پٹ دروازہ کھول دیا۔ چھتری تانے فاروق حبیب کے ساتھ مومنہ بھی تھی۔ اجمل نے ان دونوں کو اندر آنے کا راستہ دیا پھر دروازہ بند کر کے ان کے پیچھے لپکا۔

''سلام سکینہ بہن۔''

''وعلیکم السلام۔'' ادھر انگیٹھی کے پاس آجائیں بھائی جی تم بھی ادھر آ کر بیٹھو منی!'' فاروق صاحب نے چھتری ایک طرف رکھی اور کپڑے جھاڑنے لگے۔ چھتری کے باوجود دونوں ہی کسی قدر بھیگ گئے تھے۔ مومنہ کو سکینہ دوسرے کمرے میں لے گئیں۔ چادر کی وجہ سے اس کی خاصی بچت ہوئی تھی۔ سکینہ نے اسے اپنا دوپٹا اوڑھنے کے لیے دیا اور اس کی چادر سوکھنے کے لیے پھیلا دی۔

''ہم لوگ خالدہ کے گھر گئے ہوئے تھے واپسی پر تو اسی حساب سے نکلے تھے کہ گھر جلدی پہنچ جائیں مگر یہاں تو موسم کے تیور ہی کچھ اور ہیں۔ بڑی دیر ہم پہلوان کی دکان کے شیڈ تلے کھڑے رہے کہ بارش رکے تو گھر پہنچیں مگر۔''

''بارش نے تو بڑی مہربانی کی......کم سے کم اسی بہانے آپ ہمارے گھر تو آئے۔'' سکینہ نے مسکرا کر کہا تھا۔

''یہ روزی روٹی کے چکر ہیں جو انسان کو اپنی قید سے نکلنے دیں تو اپنوں سے ملنے ملانے کا وقت ملے......دکان داری میں تو چھٹی بھی مشکل سے ملتی ہے۔'' فاروق نے مسکرا کر جواب دیا۔

''اوہو سکینہ! تم کن باتوں میں لگی ہوئی ہو......کھانے کا بندوبست کرو۔'' اجمل نے کہا مگر فاروق نے فوراً منع کر دیا۔ کھانا تو وہ اپنی بہن کے گھر سے کھا کر ہی آئے تھے۔

سکینہ جھٹ پھٹ بھاپ اڑاتی سبز چائے لے آئیں ساتھ میں گاجر اور چنے کی دال کا بے حد لذیذ حلوہ تھا۔ مومنہ نے تھوڑا سا حلوہ لیا اور چائے لے کر بیٹھ گئی۔ سکینہ اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگیں۔

مومنہ توقیر کو گود میں لیے گدگدا رہی تھی وہ چند لمحے ادھر ادھر ہنسی سے بے حال ہو کر لوٹتا پھر اس کی گردن سے لپٹ جاتا۔ مومنہ کو

بچے کے ساتھ مزا آ رہا تھا ساتھ ہی ساتھ وہ سکینہ کے رویے پر متعجب تھی۔ ان کا بات کرنے کا انداز بے حد دوستانہ اور اپنائیت بھرا تھا۔

''شاید ابو کی وجہ سے۔'' اس نے سوچا اور جھجکتے ہوئے گل بانو کے متعلق استفسار کیا۔

''میں کیا بتا سکتی ہوں۔ وہ کہیں جاتے ہوئے مجھے بتا کر نہیں جاتی۔'' سکینہ نے لاتعلقی سے کہا۔ ''تب ہی باہر کا دروازہ پھر بجنے لگا اور اس بار آنے والی گل بانو ہی تھی۔ اس نے بہت تہذیب سے فاروق حبیب کو سلام کیا اور منی کو دیکھ کر بہت خوشی کا اظہار کیا تھا۔

''میں تو بس آنے ہی لگی تھی کہ بارش شروع ہوگئی اور فرحانہ نے چائے بھی بنالی تھی میں بارش کے رکنے کا انتظار کرتی رہی اور یہ وقت آ گیا۔'' گل بانو نے بتایا تب ہی ابو اٹھ کھڑے ہوئے۔

''بارش تو رک چکی ہے میرا خیال ہے ہمیں چلنا چاہیے۔ اسماء اور اماں پریشان ہو رہی ہوں گی۔''

''میں دیکھ کر آ رہی ہوں گلیوں میں بہت کیچڑ ہے...... آپ لوگ آج یہیں رک جائیں۔'' گل بانو نے کہا لیکن فاروق صاحب متردد تھے پھر اجمل اور باقی دونوں کے اصرار پر انہوں نے مومنہ کو وہیں رہنے کی اجازت دی کہ گھر میں مرد کی موجودگی ضروری تھی ورنہ ان کی اماں اور بیوی کو ساری رات خوف کے مارے نیند ہی نہیں آتی۔

''سکینہ! ساتھ والے کمرے میں تم میرا بستر لگا دو اور تم اور منی اس کمرے میں سو جانا۔'' فاروق حبیب کو رخصت کرنے کے بعد اجمل نے کہا لیکن اس سے قبل سکینہ کچھ کہتیں گل بانو نے فوراً کہا۔

''میرے کمرے میں ایک چارپائی خالی ہوتی ہے منی وہیں سو جائے گی...... کیوں منی۔'' اور وہ بے چاری کیا کہتی جب کہ سکینہ بھابھی کی پیشانی پر لکیریں بھی دیکھ چکی تھی۔ تب ہی اس کی مشکل اجمل بھائی نے آسان کی۔

''ہاں ہاں جہاں منی کا دل چاہے۔''

اور گل بانو نے صرف یہی سننا تھا فوراً اس کا ہاتھ پکڑا اور سیدھا اوپر لے آئی اور بادل اور خوفناک دکھائی دیتے تھے۔ چوبارے کے دور دور تک بادلوں اور بجلی کی ہیبت ناک آوازیں تھیں۔

''تمہیں یہاں دیکھ کر میں بہت خوش ہوں، یقین ہی نہیں آ رہا کہ آج تم میرے ساتھ رہو گی۔'' کمرے میں داخل ہو کر اس نے بے ساختگی و جوش سے کہا۔ لائٹ جلائی تو سارا کمرہ بلب کی زرد روشنی میں نہا گیا۔ سارا کمرہ الٹا پڑا تھا عجیب سی بے ترتیبی تھی۔ کپڑے کتابیں سب گتھم گتھا۔

''مجھے پتا ہوتا تم آنے والی ہو تو صفائی کر کے جاتی لیکن......'' وہ شرمندگی سے چیزیں سمیٹنے لگی۔

''آپ کیوں اتنا تکلف برت رہی ہیں کبھی میرے کمرے میں جھانک کر دیکھیے، اس سے کہیں زیادہ برا حشر ہوتا ہے۔ یہ تو کچھ بھی نہیں۔'' وہ ہنستی ہوئی چارپائی پر پھیلے کپڑے ادھر ادھر کر کے پھسکڑا مار کے بیٹھ گئی۔

''ہوتا ہوگا۔'' گل بانو نے لاپرواہی سے کہا۔

''مگر میری اتنی عزیز سہیلی پہلی بار میرے پاس ٹھہرے گی اس کمرے کو تو سجانا چاہیے تھا۔''

''توبہ ہے باجی جی......آپ تو مجھے بہت ہی خاص بنا رہی ہیں۔'' منی جھینپ کر بولی۔

''ہاں تو تم میرے لیے خاص ہونا......چند ایک ہی تو رشتے ہیں جو اب جان سے پیارے اور عزیز معلوم ہوتے ہیں باقی تو سب ہی کچھ ہاتھوں سے پھسل چکا۔'' وہ ایک پل کو افسردگی سے ہاتھوں کی لکیروں میں الجھی پھر چونکی۔

''چائے پیو گی؟'' اس نے انگیٹھی کی راکھ کرید کر چنگاریاں نکالیں اور تازہ کوئلے ڈالے۔

''ہاں......رات بھر جاگ کر آپ سے باتیں کرنی ہیں چائے تو پینی ہی پڑے گی۔'' وہ کھلکھلائی۔ گل بانو نے مسکرا کر میز کے نیچے سے چولہا گھسیٹا پھر کہیں سے چھوٹی سی پتیلی، دودھ چینی سب برآمد کرلیا۔

''ارے واہ آپ نے تو سارا انتظام کر رکھا ہے۔''

''کرنا پڑتا ہے میری جان اس گھر کے باورچی خانے پر تو میرا کوئی حق نہیں۔''

''یعنی آپ اپنے لیے الگ سے کھانا بناتی ہیں؟''

''ہاں......کبھی کبھی......جب ضرورت پڑے۔''

''مطلب؟''

''جب سکینہ بھابھی غصے میں باورچی خانے کو تالا لگا دیتی ہیں تو بندوبست کرنا پڑتا ہے۔''

''یہ سکینہ بھابھی بھی نہ بس......'' وہ افسردہ ہوئی ساتھ ہی ان کا دوستانہ رویہ یاد آگیا تو پرسوچ لہجے میں بولی۔

''لیکن وہ اتنے اچھے طریقے سے بات کرتی ہیں پتا ہی نہیں چلتا اصل کیا ہے۔''

''اسی لیے تو کوئی میری بات پر یقین نہیں کرتا۔'' وہ افسردگی سے مسکرائی۔

''آج بڑے پیار سے بات کر رہی تھیں لیکن اگر آپ نہ آتیں تو میں کبھی نہ رکتی۔'' اس نے کہا اور گل بانو ہنس دی۔

''پھر تو میں اچھے وقت پر آگئی۔''

''لیکن آپ گئی کہاں تھیں؟ میں نے بھابھی سے پوچھا تو انہوں نے لاعلمی ظاہر کی تھی۔''

''مجھے جھوٹا اور خودسر ثابت کرنے کا کوئی موقع وہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں حالانکہ تم جانتی ہو میں انہیں بتائے بغیر کوئی کام نہیں کرتی......پتا نہیں یہ عورت کیسے خوش ہوگی؟......ہوگی بھی یا نہیں۔''

''لیکن آپ گئی کہاں تھیں؟''

''وہ شہر سے کچھ کتابیں لایا تھا کل ہی کہہ گیا تھا آ کر دیکھ جانا پھر فرحانہ بھی کئی دن سے بلوا رہی تھی میں نے سوچا آج ہو آؤں اس کی طرف۔''

''لیکن آپ کو اتنے خراب موسم میں جانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟'' منی نے جھجکتے ہوئے کہا اصل میں تو یہ سوال خود بڑی دیر سے ذہن میں کلبلا رہا تھا۔

''میری قسمت ہی خراب ہے اصل میں......کوئی کام سیدھا کرتی ہوں وہ بھی الٹا ہو جاتا ہے۔'' وہ قدرے جھنجلاہٹ وافسردگی سے بولی۔

''جس وقت میں نکلی تو موسم ایسا نہیں تھا مٹھی بھر بادل ہوں گے اور تو کچھ بھی نہیں......میری غلطی یہ کہ ایک کپ چائے پینے بیٹھ گی تھی......قسم سے منی، میں نے جان بوجھ کر دیر نہیں لگائی فرحانہ اٹھنے ہی نہیں دے رہی تھی کہ اتنی بارش میں کیسے جاؤ گی......وہ اور شبیر بڑی عزت کرتے ہیں میری، بالکل بہنوں کی طرح۔''

مومنہ کی افسردگی میں اضافہ ہوا تھا مگر وہ بولی کچھ نہیں......کیا کہتی کبھی کبھی تو تسلی بھی اپنے معنی کھونے لگتی تھی۔ معاً اسے کچھ خیال آیا تو پر جوش انداز میں بولی۔

''باجی جی......آپ شادی کر لیں۔''

''ہیں......شادی۔'' وہ چونکی پھر ہنسی اور ہنستی ہی چلی گئی۔

''آپ ہنس کیوں رہی ہیں؟'' منی خفا ہوئی۔

''میں آپکو بہت اچھا مشورہ دے رہی ہوں آپ کسی اچھے لڑکے سے شادی کر لیں پھر آپکے سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔''

''کیا گارنٹی ہے؟'' اس کا لہجہ سنجیدہ مگر لبوں پر مسکان تھی۔

''ہاں گارنٹی تو کوئی نہیں۔'' اس نے پل بھر کو سوچا۔

''مگر امید کے سہارے ہی تو اکثر کام کیے جاتے ہیں مگر محض اندیشوں کی بنا پر کے رہنا بھی تو عقل مندی نہیں جب ہم نواب شاہ میں تھے تو ہمارے پڑوس میں سفینہ رہتی تھی اس کی ماں سوتیلی تھی پھر سفینہ کی شادی ہو گئی اور وہ ہنسی خوشی رہنے لگی۔'' وہ اپنی طرف سے بڑی لاجک دے رہی تھی شادی کی۔

''یعنی شہزادہ اور شہزادی کی شادی ہو گئی اور سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔'' گل بانو نے قہقہہ لگایا۔

''ارے پاگل! زندگی شہزادہ شہزادی کی کہانی نہیں ہوتی اور میں گل بانو ہوں سفینہ نہیں۔''

''اور آپ سفینہ سے زیادہ بلکہ کہیں زیادہ پیاری ہیں مجھے یقین ہے کوئی بہت اچھا لڑکا......''

"میں تیس سال کی ہوں منی! مجھ بڈھی سے اب کوئی لڑکا شادی نہیں کرے گا۔" وہ پھر ہنسی منی سارا جوش بھول بھال کر متعجب ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔

"آپ تو چوبیس کی بھی نہیں لگتیں۔"

"بڑا اچھا کامپلیمنٹ ہے بہت خوشی ہوئی مجھے یہ جان کر۔" گل بانو شگفتگی سے ہنسی۔

"اور تم یہ شادی والی بات مت چھیڑو...... دیکھو میرے ہاتھ میں شادی والی لکیر نہیں ہے البتہ بربادی کی لکیر ہے۔" اس نے اپنی ہتھیلی منی کے سامنے پھیلا دی۔ منی نے غصے سے اس کی مٹھی بند کر دی۔

"مایوسی کی باتیں کیوں سوچتی ہیں آپ؟"

"کیونکہ خوش امیدی نہیں ہے میری زندگی میں۔" اس کا لہجہ دکھ کی آنچ سے سلگ رہا تھا۔

"اچھا سوچتے ہیں تو اچھا ملتا ہے۔" منی نے بڑے پن اور رسان سے کہا۔

"بڑی مدت گزار دی میں نے اچھا سوچتے۔" گل بانو نے سختی سے اپنا چھڑایا۔

"لیکن کیا ملا مجھے؟...... اچھا برا کچھ بھی نہیں، دیکھو مومنہ فاروق میں بالکل خالی ہوں۔"

"آپ ایسا کیوں سوچتی ہیں باجی جی!" منی بے حد دکھی ہو کر گویا ہوئی تھی۔

"سوچ بھی مرضی کی پابند نہیں ہوتی۔" وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔

"اور میں تو آج تک یہ ہی نہیں جان سکی کہ میری بدقسمتی کا آغاز کہاں سے ہوا ہے۔ تب جب میرے باپ نے میری ماں سے دوسری شادی کی یا تب جب میری ماں کا انتقال ہوا یا...... یا تب جب، جب اس نے مجھے چھوڑ دیا۔" گل بانو کی خود کلامی سرگوشی میں ڈھل گئی تھی۔ منی پوری جان سے چونکی۔

"کون؟...... کس کی بات کر رہی ہیں؟"

"تھا کوئی...... چودھویں کا چاند دیکھا ہے؟ بالکل ویسے ہی روشن چہرے والا......" وہ جیسے کسی خواب کی راہگزر پر قدم دھر چکی تھی۔

"مبہم باتیں مت کریں مجھے پوری وضاحت سے بتائیں۔" اس کے ہاتھ گل بانو کی ذات کی کوئی کڑی لگ رہی تھی جسے وہ کھونا نہیں چاہتی تھی تاوقتیکہ پوری معلومات حاصل نہ کرے۔

"کیا بتاؤں؟ کوئی لمبی چوڑی بات نہیں ہے بتانے کو۔" گل بانو نے افسردگی سے کہا۔

"میرے خوابوں کی بنیاں اسی کے ہاتھ رکھی گئی تھی محبت کرنا، سکھایا تھا اس نے مجھے...... اور جب میری پلکیں خوابوں سے بوجھل ہو چکیں تو چپکے سے رسوائی کا تحفہ میری جھولی میں ڈال کر چلتا بنا۔"

ہوا کے تیز جھونکے نے دروازہ کھول دیا تھا۔ منی جو بے حد منہمک ہو کر سن رہی تھی گڑبڑا سی گئی کھلے دروازے کے اس پار بادلوں کی گرج چمک عروج پر تھی ہوا دروازے کے کھلے کواڑوں کو زور زور سے بجا رہی تھی۔

ان دونوں کے مابین جو معنی خیز خاموشی حائل ہوئی تھی اسے بجتے کواڑوں اور گرجتے بادلوں نے قائم نہیں رہنے دیا تھا۔ خاموشی منہ چھپا کر بھاگی البتہ معنی خیزی ہنوز وہیں پھسکڑا مارے بیٹھی تھی۔

ہوا کے سرد جھونکوں نے اندر آ کر سارے کمرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ انگیٹھی میں سلگتے کوئلے ہوا لگنے سے دہکنے لگے تھے۔

''کون تھا وہ...... بدقسمت جس نے آپ کو دھوکا دیا۔'' منی نے ٹانگیں سمیٹتے ہوئے بے حد نفرت سے پوچھا تھا۔

''یوں مت کہو۔'' گل بانو دروازے کی جانب بڑھ رہی تھی تڑپ کر بولی۔

''بدقسمت وہ نہیں میں ہوں...... میری قسمت میں نہیں تھا وہ۔''

''لیکن اس نے آپ کو دھوکا دیا۔'' منی اس کے انداز پر ششدر رہی تو رہ گئی۔

''میری قسمت نے مجھے دھوکا دیا۔ اس کا تو کوئی قصور نہیں اپنی ہی قسمت یاوری نہ کرے تو کسی سے کیا شکوہ...... اللہ اسے سلامت رکھے۔''

''اتنی اعلیٰ ظرفی بھی کس کام کی...... جس نے برباد کیا اس کو دعائیں دی جا رہی ہیں۔'' منی نے تنفر سے کہا۔

''نام کیا تھا اس کا؟'' اب کی بار اس نے زور دیا تھا۔

گل بانو دروازے کے دونوں پٹ تھامے ساکت کھڑی تھی۔ سرد ہوا اس کی چادر اڑا رہی تھی۔

''بہت پیارا نام تھا۔'' اس نے دروازہ بند کر دیا۔

''شاہنواز...... شاہنواز ملک۔'' اس نے یوں نام دوہرایا جیسے کسی قابل احترام ہستی کا نام لیا جاتا ہے۔ بند دروازے کے باوجود بادلوں کی گرج اندر تک سنائی دی تھی اور برسات گویا گل بانو کی آنکھوں میں سمٹ آئی تھی۔

☆......☆......☆

شاہنواز کو ٹھیک سے اندازہ نہیں تھا کہ میانوالی میں قیام کتنا طویل ہو گا لیکن اس نے اپنے ذہن میں ایک ہفتے کی مدت کا تعین ضرور کر لیا تھا اور اسی حساب سے گویا ٹائم ٹیبل ترتیب دیا تھا جتنی جلدی یہاں کی ذمہ داریاں نبٹتیں اتنی ہی جلدی واپسی ممکن ہوتی اور اس قدر جلدی کے باوجود بھی وہ خوب اچھی طرح سے آگاہ تھے ایک ہفتے سے زیادہ دن لگ سکتے ہیں کم کسی صورت نہیں لیکن جب اگلے ہی روز اسے واپس آنے کے لیے کہا گیا تو وہ حیران رہ گیا۔

''آخر ایسی کون سی افتاد آ گئی کہ خالہ امی فوراً بلوا رہی ہیں۔'' واپسی کے سفر میں وہ مسلسل اسی سوچ میں مبتلا رہا۔

''کہیں شہزادہ عالم کے نئے کارنامے کی بھنک تو نہیں پڑ گئی اور فوراً مجھے بلوایا جا رہا ہے کہ آ کر نکیل ڈالوں......ٹھیک ہے خالہ امی اور سر مجھ پر بے حد بھروسہ کرتے ہیں مگر اب میں اتنا بھی ہر فن مولا نہیں ہوں......ان صاحب کو تو اب اللہ ہی نکیل ڈالے گا ہمارے بس کا کام نہیں۔''

نصر بخت میں سب سے پہلے سامنا اسوہ سے ہوا تھا جو رو رو کر آنکھیں لال انگارہ کیے بیٹھی تھی۔

''پاپا ہاسپٹل میں ہیں......انہیں انجائنا کا اٹیک ہوا ہے۔'' اس کے آنسو پھر سے بہہ نکلے تھے اور شاہنواز کا دل جیسے پوری قوت سے کسی نے جکڑا تھا۔

''مجھے کچھ پتا نہیں کہ کیا ہوا ہوگا۔ کل صبح تک تو پاپا بالکل ٹھیک تھے بالکل فریش اور ایکٹو...... پھر ایوننگ میں آفس سے مرزا صاحب کا فون آ گیا کہ سر کو ایمرجنسی میں ہاسپٹل لے جانا پڑا ہے۔ شاہنواز بھائی! پاپا ٹھیک ہو جائیں گے نا۔''

''انشاء اللہ بالکل تم بس دعا کرو اور اللہ سے اچھی امید رکھو۔ خالہ امی کہاں ہیں؟'' وہ اندر بڑھتے بڑھتے رک کر پوچھنے لگا۔

''مما اور نشو بھی وہیں ہسپتال میں ہیں، میں تھوڑی دیر پہلے گھر آئی ہوں۔''

''اب سر کی طبیعت کیسی ہے؟''

''اب ٹھیک ہیں جب میں آئی تو سو رہے تھے۔'' اسوہ نے گال رگڑتے ہوئے کہا۔

''ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟'' شاہنواز انتہائی پریشانی کی اس کیفیت میں جیسے اس وقت کسی نتیجے پر پہنچ جانا چاہتا تھا۔

''آپ ان سے جا کر پوچھیں۔'' اسوہ نے خفگی سے کہا۔

''وہ تو تسلی ہی دیتے ہیں کہ خطرے کی کوئی بات نہیں معمولی سا اٹیک ہے لیکن اگر ایسی بات ہے تو اتنا لمبا چوڑا پرسکرپشن کیوں دیتے ہیں۔ آپ دیکھیے جا کر پاپا ایک ہی دن میں اتنے ویک لگنے لگے ہیں۔''

شاہنواز کے پاس اس کے لیے تسلی آمیز الفاظ بھی نہیں تھے ساری صورتحال کا جائزہ لیے بنا وہ کچھ بھی کہنے حتیٰ کہ سوچنے سے بھی قاصر تھا۔

''آپ کچھ دیر رکیں شاہنواز بھائی، میں بس چینج کر لوں آپ کے ساتھ ہی چلتی ہوں۔''

''نہیں تم گھر پر ہی رہو...... میں خالہ امی اور نشو کو بھی بھیج رہا ہوں۔'' اس نے انکار کیا اور گاڑی دوڑاتا ہسپتال پہنچا۔ ریسپشن سے معلومات لے کر جہانگیر لاشاری کا ٹریٹمنٹ کرنے والے ڈاکٹر سے ملاقات کی پھر روم نمبر بارہ میں پہنچا۔

شمسہ اور نشو وہیں کاریڈور میں موجود تھیں جہانگیر لاشاری کی بہن زری اور ان کے شوہر شہباز بھی موجود تھے۔ اس کے علاوہ ڈرائیور اور ولی بابا بھی وہیں موجود تھے۔ شمسہ بینچ پر سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ شاہنواز کے قریب پہنچنے تک وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں اور اس کے قریب آتے ہی وہ اس کے کندھے سے لگ کر سسکنے لگی تھیں۔ شاہنواز نے بے حد محبت سے انہیں اپنے ساتھ لگا کر رونے دیا تھا۔

”کیا کر رہی ہیں بھابھی جان! کیوں شاہنواز کو پریشان کر رہی ہیں ڈاکٹر نے کہا تو ہے لالا جان اب بالکل ٹھیک ہیں۔“ زری آگے بڑھی تھیں۔ شاہنواز نے شمسہ کو بٹھا دیا اور خود ان کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھ کر ان کے آنسو پونچھے۔

”آپ بالکل بھی فکرمند نہ ہوں خالہ امی! میں ڈاکٹر سے مل کر آ رہا ہوں اس نے کہا ہے سر اب واقعی ٹھیک ہیں۔ تھوڑی دیر میں ہوش میں آ جائیں گے تو انہیں ڈسچارج بھی کر دیا جائے گا۔ آپ ان کی مکمل صحت یابی کی دعا کریں...... روئیں مت۔“ اس نے بے حد نرمی سے انہیں تسلی دی تھی اور اس کے ان عام سے الفاظ میں جانے کیا جادو تھا وہ مطمئن دکھائی دینے لگیں۔

”اچھا بھابھی جان! ہم چلتے ہیں۔ شہباز کو بھی آفس جانا ہے اور بچے بھی انتظار کر رہے ہوں گے۔ آپ تو جانتی ہیں ملازمین کی موجودگی میں بھی میں مطمئن نہیں رہتی۔“ زری نے اجازت چاہی۔

”ہاں میں سمجھ سکتی ہوں تم اطمینان سے گھر جاؤ۔ تمہارے لالا جان اب ٹھیک ہیں۔“ وہ اب خود تسلی دے رہی تھی زری مسکرا دیں اور بولیں۔

”مجھے پتا ہوتا آپ کو صرف شاہنواز کی بات پر یقین آئے گا تو کل ہی اسے بلوا لیتی۔“

”خالہ امی! آپ اور نشوا بھی گھر جا کر آرام کیجیے میں ہوں نا اب یہاں۔“ شاہنواز نے کہا۔

”نہیں میں جہانگیر کے ساتھ ہی جاؤں گی البتہ نشوا بیٹا آپ پھپھو کے ساتھ ہی گھر چلی جایئے۔“

نشوا نے پس و پیش سے کام لیا مگر شاہنواز نے زبردستی اسے گھر بھجوا دیا۔ ڈرائیور کو روک لیا اور ولی بابا کو بھیج دیا اور آ کر شمسہ کے پاس بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتیں کر کے ان کا دھیان بٹانے لگا۔

”آپ اس قدر کیوں رو رہی ہیں؟ میرا یقین کریں میں ڈاکٹر سے مل کر آیا ہوں، سر کی رپورٹس دیکھی ہیں ایسی کوئی سیریس بات نہیں ہے۔“ ایک بار پھر اس نے کہا۔

”کل زندگی میں پہلی بار بہت سے لوگوں کی موجودگی کے باوجود میں نے خود کو بہت بے آسرا محسوس کیا شاہنواز۔“ ایک طویل خاموشی کے بعد شمسہ نے کہا۔

”یہاں بہت لوگ تھے، آفس ورکرز، رشتہ دار، دوست احباب مگر مجھے ہر لمحہ حنان کی کمی محسوس ہوئی، اللہ گواہ ہے مشکل کے ان لمحوں میں سب سے پہلے مجھے حنان کا خیال ہی آیا تھا مگر...... وہ اپنے دوستوں کے ساتھ مری چلا گیا اس نے ایک بار بھی نہیں سوچا میں اس کی غیر موجودگی میں کیا کروں گی...... پھر مجھے تمہارا خیال آیا اور تم آ گئے۔ ڈاکٹر نے کل ہی کہہ دیا تھا کہ پریشانی کی بات نہیں ہے میں سارا وقت خود کو سمجھاتی رہی کہ تمہیں ڈسٹرب نہ کروں مگر میں مطمئن نہیں ہو پا رہی تھی۔ تمہاری موجودگی میں جو اطمینان میں محسوس کرتی ہوں وہ بتا بھی نہیں سکتی۔ میں تمہاری بے حد مشکور ہوں شاہنواز تھینک یو سو مچ۔“

شمسہ کا سارا وجود گویا مشکور تھا ان کی آنکھیں پھر سے چھلکنے کو تیار تھیں۔ شاہنواز نے ان کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام لیا۔

''بیٹا بھی کہتی ہیں اور تھینک یو بھی۔'' اس کا انداز خفگی لیے ہوا تھا۔ محبت و احترام کی نشان دہی کرتی خفگی۔ شمسہ بھرائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ مسکرائیں تو سارے ہی آنسو چھلک پڑے۔

''اس جگہ تمہیں ہونا چاہیے حنان۔''

ان کے دل میں ہوک سی اٹھی تھی۔

☆......☆......☆

''اگر اشفاق چچا جان یا رفعت چچی آپ سے شادی کی بات کریں تو آپ انکار مت کیجیے گا۔''

کھانا کھاتے ہوئے ثانیہ نے اچانک کہا تھا۔ حلیمہ سلائی مشین پر جھکی سوئی میں دھاگہ ڈال رہی تھیں حیرانگی سے اس کی شکل دیکھنے لگیں۔

''مطلب......؟''

''مطلب۔'' ثانیہ پل بھر کو خود بھی سٹپٹا گئی بڑی اہم بات برمحل زبان پر آ گئی تھی اور اسے احساس ہوا تھا کہ ایسی بات کرنے سے قبل ایک مؤثر تمہید باندھنا ضرور چاہیے تھی مگر جس قدر وہ ذہنی کشمکش کا شکار تھی اس کا نتیجہ یونہی نکلنا تھا۔

''مطلب یہ کہ ہمیں عادل اور عانیہ کی شادی کر دینا چاہیے امی......آخر آپ کب تک میرے انتظار میں بیٹھی رہیں گی۔ اکیلی مجھے تو نہیں بیاہنا تین اور بھی موجود ہیں۔'' اس نے دسترخوان سے ہاتھ پونچھتے ہوئے کہا۔

''اللہ سے اچھی امید رکھنا چاہیے۔'' حلیمہ نے نرمی سے کہا۔

''ضرور رکھیں......میں نے کب کہا اچھی امید نہ رکھیں مگر یہ بھی ذہن میں رکھیں ایک ذمہ داری سے نبٹیں گی تو اگلی باری آئے گی۔ نرمین کے لیے کتنا اچھا پروپوزل آیا تھا اگر آپ ہاں کر دیتیں تو آپ کی دو ذمہ داریاں پوری ہو جاتیں......میں نہ سہی نرمین سہی......آخر اس میں مضائقہ کیا ہے؟''

''تمہیں کیا ہو گیا ہے ثانیہ!'' حلیمہ نے فکرمندی سے کہا۔

''اس انداز میں اور اس قدر مایوسی کی بات تو تم نے کبھی نہیں کی، کیا تمہیں اللہ پر بھروسہ نہیں ہے؟'' وہ جانے کیا سمجھی تھیں۔

''اللہ پر بھروسہ ہے امی! تقدیر پر نہیں ہے، ہے تو اپنی لیکن دھوکا دے گئی تو ہاتھ ملتے رہ جائیں گے ہم۔'' وہ سوچ کر رہ گئی۔

اب وہ انہیں کیسے سمجھاتی کہ اس رات عانیہ کی گفتگو نے اسے پریشان کر رکھا ہے۔

''آپ کسی کی شادی نہ کریں بس عانیہ کی کر دیں کچھ دن اور گزریں گے تو اس کے خیالات اور پختہ ہو جائیں گے اس سے قبل کسی

نتیجے پر پہنچ جانا مناسب ہے ابھی تو میرے سامنے کہا ہے کل کو سب کے سامنے کہہ دیا تو کیا ہوگا۔''

عادل اتنا اچھا تھا کہ ثانیہ کو یقین تھا کہ ایک بار شادی ہو جائے عانیہ خود بخود مطمئن ہوتی چلی جائے گی۔

مگر کوئی معاملے کی نزاکت تک پہنچتا بھی تو...... یہاں تو صرف وہی سوچ تھی جو سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہی تھی۔

شفق نے اگلے ہی روز اسکول جانا شروع کر دیا تھا گو کہ اس کے پیر کا زخم ابھی پوری طرح نہیں بھرا تھا مگر وہ فیصلہ کر چکی تھی اور فیصلہ بدلنا مشکل تھا۔ ثانیہ اور عانیہ کے علاوہ گھر کے ہر فرد نے اسے کچھ روز اور آرام کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

عانیہ کچھ نہ بولی وہ پہلے ہی اتنا بول چکی تھی کہ مزید کی گنجائش نہ تھی جب کہ ثانیہ اگر شفق کی جگہ ہوتی تو وہ بھی یہی کرتی۔ آج اس کا آخری پیپر تھا کل سے اس نے پھر سے اکیڈمی جانا شروع کر دینا تھا اور اس کا ارادہ تھا ایک بار اس بارے میں عانیہ سے ضرور بات کرے گی اور اس کے خیالات میں تبدیلی لانے کی کوشش کرے گی۔

مگر اس رات وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ نہیں پہنا سکی تھی۔ پچھلی گئی راتیں اس نے پیپرز کی تیاری میں صرف کی تھیں اور اس رات لیٹتے ہی اسے گہری نیند نے آن دبوچا تھا اور اس گہری نیند کے ساتھ اسے ذرا بھی اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ آج کی رات عانیہ کے لیے اس کی دیگر راتوں کی طرح رت جگے کی رات ہے۔ جوش اور خوشی کی ملی جلی کیفیت نیند کو اس کی آنکھوں کے قریب پھٹکنے نہیں دے رہی تھی۔

☆......☆......☆

حلیمہ اور شفق کے گھر سے نکلنے کے چند منٹ بعد اس نے احتیاط سے گیٹ کھول کر باہر جھانکا، دائیں اور بائیں جانب گلی میں دور تک نظر دوڑا کر گویا خود کو تسلی دی کہ میدان صاف ہو چکا ہے۔

ایک پرسکون سانس بھرتے ہوئے اس نے گیٹ بند کر دیا تب ہی فون کی گھنٹی کی آواز نے گھر میں پھیلے سناٹے کو درہم برہم کر کے رکھ دیا۔ اس نے سرعت سے کنڈی لگائی اور تقریباً بھاگتی ہوئی اندر آئی اور ریسیور اٹھالیا۔

''ہیلو۔'' اس کی ہر دھڑکن اتھل پتھل تھی۔

''کیا یہ غازی اسٹور کا نمبر ہے۔'' بے حد دلکش آواز کے ساتھ محتاط انداز میں پوچھا گیا تھا اور عانیہ کے لبوں پر دلکش و دلفریب مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

''جی ہاں...... یہ غازی اسٹور کا ہی نمبر ہے۔'' اس نے کھنکتی ہوئی آواز میں اٹھلا کر کہا تھا۔

''شکر ہے اللہ کا تمہاری آواز تو سننے کو ملی مجھے تو لگ رہا تھا ساری زندگی گزر جائے گی مگر میں تمہاری آواز نہیں سن پاؤں گا۔''

بھاری و دلکش آواز میں اگر صدیوں کا انتظار سمٹا ہوا تھا تو کہیں نہ کہیں شکوہ کی ہلکی سی رمق بھی تھی۔

''اتنی مایوسی۔'' وہ ہنسی ایک پیارا سا تاثر اس کے چہرے پر چھایا ہوا تھا جو کوئی اسے دیکھتا فوراً جان لیتا۔

''مایوسی۔''اس نے جھنجھلا کر کہا۔''کچھ دن اور یونہی گزر جاتے اور میں تمہاری آواز نہ سن پاتا تو میں مر جاتا عانیہ! بلیومی۔''

''میں نے بھی کئی بار فون ریسیو کیا تھا۔''اس نے جتاتے ہوئے یاد دلایا تھا۔

''اور ہر بار بہت لاتعلقی سے بات کی تھی۔''اس نے تیزی سے کہا۔

''اتنی لاتعلقی سے جیسے مجھے جانتی ہی نہ ہو۔''

''میری مجبوری تھی۔''اس کا لہجہ خود بخود دھیما اور وضاحت دیتا گیا تھا۔

''جب بھی آپ فون کرتے تھے کوئی نہ کوئی میرے پاس موجود ہوتا تھا اور مجبوراً مجھے فون بند کرنا پڑتا تھا۔''

''اور وہ موبائل فون میں نے تمہیں صرف سنبھال کر رکھنے کے لیے تو نہیں دیا تھا۔ وہ اس لیے تھا تاکہ جب ضرورت پڑے تم مجھ سے بات کرلیا کرو اگر لینڈ لائن پر بات نہیں ہوسکتی تھی تو مجھے ایک آدھ میسج کر دیتیں میں نے موبائل پر بھی کئی دفعہ کال کی تھی۔''

''ایک روز میں نے آپ کو موبائل سے کال کی تھی تو بیلنس ختم ہوگیا تھا اور......اور میرے پاس پیسے بھی نہیں تھے۔''اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''میں نے تیمور سے روپے لیے تھے تاکہ ری چارج کروں مگر وہ پیسے گم ہوگئے پھر ثانیہ سے......آپ سمجھنے کی کوشش کریں گھر میں کسی کی موجودگی میں آپ سے بات کرنا ناممکن ہوتا ہے۔''

''تم مجھے کوئی ہلکا سا اشارہ تو دیتیں میں تمہارا موبائل ری چارج کروا دیتا کیا اس سے پہلے نہیں کرواتا رہا ہوں۔''

عانیہ کو ایک دم سے بہت خفت محسوس ہوئی تھی۔ وہ کچھ بول نہیں پائی تھی۔

''ہیلو......عانیہ! تم سن رہی ہو نا۔''

''جی۔''اس نے مختصراً کہا۔

''تو بول کیوں نہیں رہیں گھر میں آج بھی کوئی موجود ہے کیا؟''

''نہیں کوئی نہیں ہے۔ میں اکیلی ہوں۔''

''گویا میدان صاف ہے۔''وہ چہکا۔

''اگر تم اجازت دو تو ملنے آجاؤں اللہ کی قسم بہت دل چاہ رہا ہے تمہیں دیکھنے کو۔''

عانیہ اب بھی خاموش رہی تھی۔

''او کے یار! آئی ایم سوری میں سمجھ گیا تمہیں موبائل ری چارج والی بات بری لگی ہے نا؟ میری بھی پوزیشن سمجھنے کی کوشش کرو عانیہ! تم جانتی ہو میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں......اس دنیا میں سب سے زیادہ، خود اپنے آپ سے بھی زیادہ اور میں تو یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ تم بات

کیوں نہیں کر رہیں۔ ہر دفعہ تمہاری بہنیں فون ریسیو کرتی تھیں...... سو طرح کے اندیشے تھے جو مجھے خوفزدہ کرتے رہتے تھے اب اگر ایسے میں، میں کچھ سخت جملے بول دیتا ہوں تو تمہیں اگنور کرنا چاہیے۔ اوکے سوری اگین۔ اب کیا مر جاؤں تمہاری محبت میں پھر یقین کرو گی؟''

''پلیز......'' اس کا دل کانپ گیا تھا اور وہ اس کے لہجے کی سراسیمگی پاتے ہی سرشار سا ہو کر ہنس دیا تھا۔

''بہت محبت کرتی ہو نا مجھ سے؟'' بڑے مان سے پوچھا۔

''نہیں...... بہت نفرت کرتی ہوں آپ سے۔'' وہ تڑخ کر بولی تھی۔

''پھر تو مجھے سچ مچ مر جانا چاہیے۔''

''اب اگر آپ ایسی فضول بات کریں گے تو میں فون بند کر دوں گی۔'' اس نے گویا دھمکی دی تھی۔

''یعنی مرنے نہیں دو گی خود اپنے ہاتھوں سے قتل کر دو گی؟'' اس کا لہجہ شریر و متبسم تھا عانیہ نے جھنجھلا کر ریسیور پٹخ دیا۔

آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو تیرنے لگے تھے۔

ابھی وہ پلٹی بھی نہ تھی کہ فون کی بیل پھر سے بج اٹھی۔ وہ وہیں کھڑی گھورتی رہی پھر چوتھی بیل پر ریسیور اٹھا لیا۔

''اب کون سا شکوہ رہ گیا جس کے لیے فون کیا ہے؟'' اس نے نروٹھے پن سے کہا وہ ہنس دیا۔

''شکوہ تو نہیں البتہ ایک اعتراف کرنا باقی ہے اور وہ یہ کہ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا...... رہنا بھی نہیں چاہتا...... ایسی زندگی میرے کس کام کی جس میں عانیہ چوہدری میرے ساتھ نہ ہو۔''

رنگ اس پر بارش بن کر برسنے لگے۔ اسے لگا وہ ہواؤں میں اڑتی پھر رہی ہے۔ ایک ایسے جہان میں پہنچ چکی ہے جہاں اس کی چاہ ہے طلب ہے۔ سرمستی ہے۔ بےخودی ہے۔

محبت میں اور کیا چاہیے ہوتا ہے؟ سوئے اتفاق محبت اس کے سوا اور کچھ دیتی بھی نہیں۔

''باتیں بنانا آپ کو خوب آتا ہے مگر یہ باتیں کسی اور کو سنایئے گا میں ان کے چکروں میں آنے والی نہیں ہوں۔'' وہ بن کر بولی۔

''جنہیں دوسروں کو چکر دلانے کا شوق ہو وہ آتے بھی نہیں ہیں...... آپ میں تو خیر سارے ہی گٹس ہیں جو آپ کو بچا لیتے ہیں وہ تو ہمارے دل نے دغا دے دیا ورنہ......''

''دل تو آپ کا ہی ہے سمجھا دیجیے پھر کسی اور سے محبت کرے۔'' وہ اٹھلائی۔

اس نے متبسم ٹھنڈی سانس بھری تھی۔

''آج تک اس نے ایک ہی تو عقل مندی کا کام کیا ہے کہ آپ پر عاشق ہو گیا ورنہ اب تک تو بےکار ہی تھا۔ ویسے ایک بات ہے محبت کو انا سے پاک ہونا چاہیے۔''

”مطلب؟“ وہ الجھی۔

”مطلب جب محبت ہو تو اظہار بھی کرنا چاہیے تاکہ سامنے والے کو احساس ہوتا رہے واردات ون سائیڈڈ نہیں ہے۔“

عانیہ جھینپ کر مسکرا دی۔

”اظہار کے لیے کیا مخصوص ہی الفاظ دوہرانا ضروری ہے۔“

”بالکل بھی ضروری نہیں ہے مگر تھوڑا آسرا تو ہو۔“ اس نے فوراً کہا۔

”آپ کو اندازہ لگا لینا چاہیے پچھلے سارے دن میں نے گن کر گزارے ہیں اور جتنے روز آپ نے جتنی بار فون کیا میں وہ بھی بتا سکتی ہوں......“ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد عانیہ نے کہا تھا۔

”اور میں یہ بھی بتا سکتی ہوں مجھ سے بات کرنے کے لیے اتنی بے قراری کے باوجود آپ نے پچھلے تین دن میں ایک بھی بار فون نہیں کیا۔“ آخر میں اس نے متبسم لہجے میں جتایا تو وہ فوراً بولا۔

”میں کیا کرتا؟ میں جانتا بھی نہیں تھا کہ تم فون کیوں نہیں ریسیو کر رہیں تب ہی وقت بے وقت فون کرتا رہا کہ ہو سکتا ہے کسی ٹائم تم سے بات ہو جائے لیکن ایسا نہیں ہوا دو ایک بار سوچا بھی جو بھی فون ریسیو کرے سیدھے سیدھے اس کے سامنے تمہارا نام لے دوں لیکن ظاہر ہے یہ بات تمہارے لیے پرابلم کری ایٹ کر سکتی تھی اور میں ایسا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے ثناء سے بات کرنے کی کوشش کی پھر مایوس ہو کر کراچی چلا گیا۔ ممی بہت دنوں سے بلا رہی تھیں......آج ہی واپس آیا ہوں اور اللہ کا شکر ہے تم سے بات ہو رہی ہے۔“

”شفق کے پاؤں میں چوٹ لگ گئی تھی اس لیے وہ گھر پر رک رہی تھی اور مجھے آپ سے بات کرنے کا موقع نہیں مل پا رہا تھا پھر عانیہ کے پیپرز اسٹارٹ ہو گئے اور ثناء نے بھی مجھے آپ کے فون کا بتایا تھا۔“

”اور تمہیں ایک بار بھی میری بے چینی کا احساس نہیں ہوا۔“ اس نے پھر شکوہ کیا تھا۔

”آپ کو میری بات پر یقین کیوں نہیں آ رہا؟......میں مجبور تھی کیسے بات کرتی۔“

وہ اسے یقین دلاتے دلاتے روہانسی ہو گئی تھی۔

”او کے او کے اب رونا مت شروع کر دینا۔“

”پھر کیا کروں روؤں نہیں تو......آپ بھی تو میری بات پر یقین نہیں کر رہے۔“

”تم پر تو مجھے خود سے زیادہ یقین ہے......تم زندگی ہو میری۔“

”مظہر یار۔ اب بس بھی کرو ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔“ اسے شاید کسی نے پکارا تھا۔

”ہاں بس دو منٹ......اچھا عانیہ! میں کل اسی وقت تم سے بات کروں گا ایک دوست آ گیا ہے مجھے اس کے ساتھ جانا ہے۔“

''اتنی جلدی۔'' بے ساختہ اس نے کہا۔

''دل تو میرا ابھی نہیں چاہ رہا مگر جانا ضروری ہے۔ میں تم سے کل بات کروں گا لو یو سوئیٹ ہارٹ۔''

اور سوئیٹ ہارٹ کے گال تمتما اٹھے تھے۔

☆......☆......☆

جہانگیر لاشاری کو ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔

''آپ اور سر، ڈرائیور کے ساتھ گھر چلے جائیں میں ایک چکر آفس کا لگا لیتا ہوں۔'' شاہنواز نے گاڑی کے قریب کھڑی شمسہ سے کہا تھا۔ دوپہر کے تین بجے کا عالم تھا اس نے مناسب سمجھا کہ ایک چکر آفس کا لگا لے۔

''ہاں ٹھیک ہے۔'' شمسہ فوراً ہی راضی ہو گئی تھیں۔ شاہنواز نے کار کا دروازہ کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اچانک شمسہ نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھ دیا۔

''میں نے حنان کی کمی بہت محسوس کی ہے۔'' شمسہ نے کہا تھا شاہنواز ایک گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ وہ یہ بات اس مختصر مدت میں جانے کتنی بار دہرا چکی تھیں۔ شاید اس بار وہ حنان کے خود غرض رویے سے پچھلی ہر دفعہ سے زیادہ دکھی ہوئی تھیں۔

''میں سوچ رہی تھی جب میں اپنے بیٹے کی کمی محسوس کر سکتی ہوں تو......تو تمہاری ماں بھی تو تمہیں یاد کرتی ہو گی۔'' شمسہ کا انداز پرسوچ تھا۔

شاہنواز سے کچھ بولا ہی نہیں گیا ایک خالی پن جیسے ہر سوچ ہر احساس پر حاوی ہو گیا تھا۔

''ایک بات کہوں شاہنواز! تم پہلی فرصت میں اپنی ماں سے ملنے جاؤ میں اندازہ کر سکتی ہوں تمہارے بغیر وہ کیسا محسوس کرتی ہو گی۔''

''میں ان سے ملنے کیسے جا سکتا ہوں۔'' اس کی آواز کسی سرگوشی سے مشابہہ تھی۔

''کیوں......کیوں نہیں جا سکتے؟'' شمسہ نے جھنجھلا کر پوچھا۔ وہ چند لمحے متحیر سا ہو کر ان کی شکل دیکھتا رہا پھر سر جھٹک کر مخالف سمت دیکھنے لگا۔

''آپ جانتی ہیں۔''

''نہیں میں نہیں جانتی۔'' شمسہ کا لہجہ تیز تھا پھر خود ہی افسردگی سے بولیں۔

''میں تمہیں مجبور نہیں کر سکتی شاہنواز مگر تاکید ضرور کر سکتی ہوں۔ میں ماں ہوں ایک ماں کا دکھ سمجھ سکتی ہوں۔ بہرحال یہ ایک بحث طلب معاملہ ہے جب تم بھرپور فراغت سے ہوئے ہم تب بات کریں گے۔ مجھے اس وقت یہ موضوع چھیڑنا ہی نہیں چاہیے تھا لیکن تم میری ذہنی کیفیت کا اندازہ کر سکتے ہو۔ مجھے یہ خیال ہی وحشت زدہ کر رہا ہے خدانخواستہ تمہاری ماں کو کسی مشکل گھڑی میں تمہاری ضرورت پڑ جاتی

ہے تو کیا وہ بھی میری ہی طرح غیروں کا منہ دیکھے گی۔

میرے پاس تو تم ہو شاہنواز! مشکل وقت میں ڈٹ کر سامنے کھڑے ہو جانے والے، ڈھال بن جانے والے......لیکن تمہاری ماں کے پاس تو اس کا بیٹا بھی نہیں ہے اور کوئی شاہنواز بھی نہیں...... جو اسے خالہ امی کہے اور سگی ماں سے بڑھ کر عزیز رکھے......تھینک اباؤٹ اٹ مائی سن۔''

انہوں نے شاہنواز کا شانہ بھرپور شفقت سے تھپتھپایا اور کار میں سوار ہو گئیں۔شاہنواز وہیں کھڑا رہا تھا اس نے سیاہ اکارڈ کو پارکنگ لاٹ سے نکل کر سڑک پر رواں ہوتے دیکھا تھا مگر خود ایک انچ بھی قدم نہ ہلا پایا تھا۔شمسہ کے الفاظ زنجیر بن کر اس کے قدموں سے لپٹے جاتے تھے۔

اردگرد سے گزرتے لوگوں نے اس ڈھلتی ہوئی دوپہر کی ٹھنڈی زرد دھوپ میں لپٹے اس خوبرو جوان کو چونک کر دیکھا تھا جس کی ذہین آنکھوں میں زندگی بھر کی حسرتیں غبار بن کر سمٹ آئی تھیں۔

اچانک وہ پلٹا اور کار میں سوار ہو کر اسے بیک کرنے لگا۔

یادوں اور ان یادوں سے منسلک احساسات پر مصروفیت کی پرتیں چڑھا کر وہ سمجھ رہا تھا احساسات رہے ہی نہیں اور کتنی بڑی بے وقوفی تھی اس کی پرتیں چڑھانا تو آسان ہی ہوتا ہے جب کہ ان پرتوں کو ہٹا کر احساسات سے دوبارہ متعارف ہونا مشکل بلکہ انتہائی کٹھن۔

وقت تو ہے ہی فیاض بھر بھر مٹھیاں گرد لٹاتا ہے یہ دیکھے بنا کہ یہ گرد کس پر جمتی ہے۔کس کو ڈھانپتی ہے۔

کوئی گرد ہٹاتے ہاتھوں سے پوچھے انگلیوں کی پوروں میں کیسی کسک اترتی ہے؟ آنکھیں کیسے برستی ہیں؟ اور سانسیں کیسے الجھتی ہیں؟

کون کہتا ہے پیچھے مڑ کر دیکھنے سے انسان پتھر ہو جاتا ہے؟

وہ تو جب بھی پلٹ کر دیکھتا تھا پر پیچ گلیوں میں اڑتی ہوئی گرد آنکھوں میں چبھنے لگتی تھی اور اس کا وجود موم کی طرح پگھل کر ان ہی گلیوں کے کچے پکے راستوں میں بہنے لگتا تھا۔

آج بھی یہی ہو رہا تھا وہ پتھر بننے کی بجائے موم بن کر پگھل رہا تھا اور کار کے پہیے بہت سست روی سے سڑکوں کو روندتے جا رہے تھے۔

❀ ❀

ناول **بساطِ دل** ابھی جاری ہے۔بقیہ واقعات آپ آنے والی ان تاریخوں (15th, 20th, 25th) میں پڑھ سکیں گے۔

''پہلے میں بھنڈیاں پکا رہی تھی پھر خیال آیا شفق شوق سے نہیں کھاتی۔ اس لیے مونگ مسور اور چاول بنا لیے۔ کیوں شفق! یہ تو تمہارا پسندیدہ کھانا ہے نا۔''

شفق بے چاری کیا جواب دیتی حیرت کے مارے منہ میں نوالہ لے جاتا ہاتھ راستے میں ہی رک گیا تھا اور دم بخود ہو کر عانیہ کو دیکھنے لگی تھی جواب بے حد دلچسپی سے زینب کی کوئی بات سن رہی تھی۔

''یہ عانیہ کو کیا ہوا ہے آج...... وہ اور شفق کا اتنا خیال، ہیں تو خیر دو متضاد باتیں لیکن ہوا کیا ہے؟ کوئی جادو کی چھڑی گھوم گئی کیا؟ ورنہ عانیہ تو ہمیشہ ہی چن چن کر وہی چیزیں پکایا کرتی تھی جن کے لیے شفق کبھی نہ کبھی ہلکی سی بھی ناپسندیدگی کا مظاہرہ کر چکی ہوتی تھی۔''

''منہ بند کر لو شفق ڈیئر! ورنہ کوئی مکھی بھی اندر جا سکتی ہے۔'' ثانیہ نے زیر لب مسکراتے ہوئے اسکی طرف جھک کر سرگوشی کی تھی۔

شفق بری طرح ایک پل کو گڑبڑائی اور فوراً ہی نوالہ منہ میں رکھ لیا اگلے چند لمحے وہ دونوں ہی بے حد خاموشی سے سر جھکائے کھانا کھاتی رہیں پھر اچانک گونجنے والی عانیہ کی ہنسی نے انہیں چونکایا تھا۔

''ثانی! کچھ پتا ہے آج سورج مشرق سے نکلا ہے یا مغرب سے؟'' اس نے جھک کر سرگوشی کی تھی۔ ثانیہ بے ساختگی سے مسکرادی۔

''سورج تو خیر مشرق سے ہی نکلا ہے لیکن مطلع خوش گوار لگ رہا ہے کم سے کم سورج کی تپش ہم تک نہیں پہنچ پا رہی۔''

''پھر بھی یہ کایا پلٹ کیسے گئی؟'' شفق کی حیرت کم ہونے میں ہی نہیں آ رہی تھی۔ ثانیہ نے خوش گوار سی مسکراہٹ کے ساتھ کندھے اچکا دیے تھے حیران تو وہ خود بھی تھی۔

عانیہ کا انداز آج دیگر کئی روز سے مختلف تھا۔ وہ جھنجھلائی ہوئی اور چڑچڑی نہیں لگ رہی تھی بلکہ بے حد خوشگوار موڈ میں تھی اور اس کی سب سے بڑی علامت یہ سجا ہوا دستر خوان تھا۔ دال چاول، سلاد، اچار، رائتا چٹنی، کچی لسی کا لبالب بھرا جگ اور ٹھنڈے میٹھے آم۔

کھانا تو خیر ہمیشہ ہی وہی بنایا کرتی تھی لیکن سامنے لا کر کبھی نہیں رکھتی تھی پھر روٹین کے سالن اور چپاتی کے علاوہ کچھ بھی بنانا اس کے نزدیک کفر تھا۔ جبکہ اس نے آج ایک نہ دو اکٹھی چار چیزیں الگ سے بنائی تھیں۔

''سرگوشیوں میں کیا باتیں ہو رہی ہیں؟ اونچی آواز میں بات کرو تاکہ سب سنیں۔'' انہیں سب سے پہلے عانیہ نے ہی نوٹس کیا تھا اور اس بار گڑبڑانے کی باری ثانیہ کی تھی کیونکہ عانیہ کی سوالیہ نظریں اسی پر ٹکی تھیں۔

''کوئی خاص بات نہیں کر رہے بس یونہی۔'' اس نے بات بنائی اپنی حیرانی ظاہر کر کے وہ کسی نئی بحث کو دعوت نہیں دینا چاہتی تھی۔

''میں نہیں مانتی...... کوئی تو بات ہے جو تم دونوں چھپا رہی ہو عام باتیں یوں سرگوشیوں میں نہیں کی جاتیں۔'' عانیہ نے کہا۔

''میں بتاؤں؟'' نرمین نے اچانک کہا تو عانیہ سمیت وہ دونوں بھی اس کی جانب دیکھنے لگیں۔

’’اصل میں یہ دونوں بھی ہماری طرح حیران ہو رہی ہیں کہ آج آپ کے مزاج کو کیا ہوا ہے۔‘‘ نرمین نے بالکل درست اندازہ لگایا تھا۔

’’کیا مطلب؟‘‘

’’آج آپ کا موڈ فریش ہے اور آپ نے کھانا بھی شفق آپی کی پسند کا بنایا ہے۔ ہم سب حیران ہیں کہ معاملہ کیا ہے۔ آپ شفق آپی کی پسند کا خیال نہیں رکھتیں البتہ ناپسند کا خیال رکھتی ہیں تاکہ وہی چیز بنا سکیں۔‘‘

ثانیہ کھل کر مسکرائی جابر حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنے کا حوصلہ وہی رکھتی تھی۔

’’خیر اب ایسی بات بھی نہیں ہے۔‘‘ عانیہ نے قدرے جھینپ کر سب کی جانب دیکھا گویا تاثرات جانچنے کی کوشش کی تھی اور سب ہی کے چہروں پر تائید دیکھ کر بولی تھی۔

’’میں سب کی ہی پسند کا خیال رکھنے کی کوشش کرتی ہوں شفق کھانے پینے میں تم لوگوں کی طرح نخرے نہیں کرتی جو بھی رکھ دو بے چاری چپ چاپ کھا لیتی ہے اس لیے کبھی بطور خاص خیال نہیں آیا۔‘‘ آج وہ حیران کر دینے کا ارادہ کیے بیٹھی تھی۔

’’میں نے سوچا شفق آج کئی روز بعد اسکول گئی ہے یقیناً تھکاوٹ بھی زیادہ ہوئی ہو گی اس لیے شفق کی پسند کا کھانا بنایا لیکن تم لوگ پتا نہیں کیا اوٹ پٹانگ سوچے جا رہی ہو۔‘‘ آخر میں اس نے کچھ خفگی سے کہا تھا۔

’’شاید اسے اپنے گم شدہ رویے کی بدصورتی کا احساس ہو گیا۔‘‘ ثانیہ نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔ جہاں غیر معمولی خوش گواریت ہی نہیں تھی کچھ اور بھی تھا جسے وہ کوئی نام نہ دے پا رہی تھی۔

’’آج آپ بہت زیادہ مسکرا بھی رہی ہیں۔‘‘ یہ نکتہ کشف نے اٹھایا تھا۔

’’تو کیا میں مسکرائے بغیر بری لگتی ہوں؟‘‘ اس نے شرارتی انداز میں پوچھا۔ کشف نے سٹپٹا کر نفی میں گردن ہلا دی۔

’’اچھی لگتی ہیں۔‘‘

’’ہاں بہت۔‘‘

’’تو ٹھیک ہے آئندہ سے میں تم سب لوگوں کو یونہی ہنستی مسکراتی ملا کروں گی۔‘‘ عانیہ نے گویا اعلان کیا تھا۔

’’اس انقلاب کی وجہ بھی بتا دو۔‘‘ یہ ثانیہ تھی۔

’’کوئی خاص نہیں۔‘‘ عانیہ نے سرسری انداز میں کندھے اچکا دیئے۔

’’اتنی مختصر تو ہے زندگی پھر معمولی معمولی باتوں پر جل کر اسے ضائع کر دینے کا فائدہ؟...... اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے آج سے صرف ہنسا مسکرایا کروں گی جلنا کڑھنا جھگڑنا بالکل ختم۔‘‘

''آمین۔'' سب ہی نے بے ساختہ کورس میں کہا تھا۔ عانیہ نے سب کو گھور کر دیکھا پھر ہنسنے لگی تو ہنستی ہی چلی گئی۔

آج اس کی ہنسی میں کوئی نرالی سی کھنک تھی جس کے ادراک سے وہ سب کوسوں دور تھیں۔

☆......☆......☆

اسے بالکل بھی توقع نہیں تھی کہ آفس میں حدید سے ملاقات ہو جائے گی۔ کراچی شفٹ ہو جانے کے تقریباً تین ماہ بعد یہ ان کی پہلی ملاقات تھی۔ عدلی علی نام کا یہ شخص اس کے چند گنے چنے بہترین دوستوں میں سے ایک تھا جس کی شاہنواز بہت قدر کرتا تھا اتنے اچھے دوست قسمت سے ملا کرتے ہیں اور اس معاملے میں شاہنواز خود کو خوش قسمت تصور کرتا تھا۔

حدید کو یوں اچانک سامنے دیکھ کر وہ خوش ہوا تھا یہ الگ بات کہ اس خوشی کا بہترین اظہار کوشش کے باوجود اس کے چہرے سے نہیں ہو پایا تھا جس قسم کی تلخ سوچیں سارا راستہ اسے جکڑے رہی تھیں گو کہ اب وہ ان کے شکنجے سے آزاد ہو چکا تھا۔ وہ بے حد مضبوط اعصاب کا مالک شخص تھا اور کمال کا سیلف کنٹرول رکھتا تھا، چہرہ کبھی اس کے اندر کا حال کسی پر عیاں کرے ممکن ہی نہ تھا لیکن زندگیوں کے کچھ پہلو بے حد حساس بھی ہوتے ہیں جو انسان کو صرف توڑتے پھوڑتے نہیں ہیں یہ توڑ پھوڑ چہرے پر بھی زخم کرتے ہیں۔

''کیسے ہو؟'' شاہنواز بہت خوش دلی سے حدید سے گلے ملا تھا اور کچھ اسی قسم کی گرم جوشی کا مظاہرہ حدید نے کیا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔''

''کب آئے؟''

''آج ہی آیا ہوں...... میرا دو تین روز تک آنے کا پلان تھا پھر جہانگیر انکل کے بارے میں پتا چلا تو آج ہی آ گیا۔ انکل اب کیسے ہیں؟ میں ان ہی سے ملنے جانے والا تھا مگر پاپا نے کہا پہلے آفس کا ایک چکر لگا لو۔ شاہنواز تمہاری آنکھوں کو کیا ہوا ہے؟'' اچانک ہی حدید نے پوچھا تھا۔

''کچھ نہیں۔'' شاہنواز نے چونک کر کہا۔

''پھر یہ اتنی عجیب سی کیوں ہو رہی ہیں۔ تم بیمار ہو۔'' اس نے پرتشویش لہجے میں پوچھا۔

''نہیں...... میں بیمار نہیں ہوں...... سفر کی وجہ سے تھکاوٹ ہو گئی ہے شاید اسی لیے۔'' سرسری لہجے میں بتاتے ہوئے اس نے قدموں کی رفتار بڑھا دی تھی لیکن اپنے کیبن سے چند قدم پیچھے ہی جیسے اسے دھچکا لگا تھا کیبن کے کھلے گلاس ڈور سے اندر کی ابتری صاف دکھائی دے رہی تھی۔

''مرزا صاحب! یہ میرے آفس کو کیا ہوا ہے؟'' وہ ایک پل کے لیے مرزا صاحب کی ٹیبل کے سامنے رکا تھا پھر تیز تیز قدم اٹھاتا روم میں چلا گیا۔ اندر پہنچ کر اسے پھر دھچکا لگا تھا۔ کمرے کی ایک چیز بھی اپنے اصل مقام پر دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ سب سے دکھ کی بات

فائلز کی کٹی پھٹی حالت تھی۔

''ریلیکس شاہنواز۔'' حدید نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''کچھ اطلاعات تو ملی تھیں مگر مجھے اندازہ نہیں تھا کہ حنان نے اتنا برا حشر کیا ہے۔'' اس نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا تھا۔

''حنان نے؟'' شاہنواز کی پیشانی پر بل پڑ گئے تھے مگر لہجے میں الجھن نمایاں تھی۔ مرزا صاحب چند لمحے کی خاموشی کے بعد حنان کی آمد سے لے کر جہانگیر لاشاری کی ناسازی طبع تک جتنی بھی باتیں ان کے علم میں تھیں بتاتے چلے گئے اس سے پہلے وہ یہی سب کچھ حدید کو بھی بتا چکے تھے۔

''سوال یہ ہے کہ حنان نے تمہارے آفس کا یہ حشر کیوں کیا؟'' یہ بنیادی سوال تھا جو بہت دیر سے حدید کے ذہن میں مچل رہا تھا۔ چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد شاہنواز نے اسے چند روز قبل پیش آنے والے اس ناگوار واقعے سے آگاہ کیا تھا۔ حنان کی بدکلامی سے لے کر تھپڑ تک سب بتایا تھا۔

''حنان ڈرنک کرتا ہے یہ تو خیر میں جانتا ہوں مگر ڈرگز......امپاسل۔'' حدید کے لیے یہ اطلاع اچنبھے کا باعث تھی۔

''جب سر نے مجھ سے اپنے خدشے کا اظہار کیا تھا تب میں نے بھی تمہاری طرح امپاسبل کہا تھا لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ سر ہی اسے زیادہ سمجھتے ہیں۔ وہ کم عقل ہے میں جانتا تھا لیکن اپنے لیے صحیح اور غلط تعین بھی نہیں کرسکتا یہ نہیں جانتا تھا۔''

''تم نے جہانگیر انکل اور شمسہ آنٹی کو بتایا؟''

''نہیں......وہ لوگ حنان سے کچھ اچھی توقعات وابستہ کیے ہوئے ہیں مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ انہیں مایوس کرتا۔''

''میں حنان کو سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ یہ سراسر خودکشی ہے۔'' اس کا انداز پرسوچ تھا۔ شاہنواز کچھ بھی کہے بنا باہر نکل گیا تھا۔

''مرزا صاحب! عارضی طور پر ساتھ والا روم میرے لیے سیٹ کروادیں سب سے پہلے ساری فائلز وہاں رکھوائیں اور اس آفس کی حالت بھی درست کروائیں۔''

''لیکن سر جہانگیر نے کہا تھا جب تک آپ کا روم سیٹ نہیں ہو جاتا آپ ان کے آفس میں کام کریں گے وہیں بیٹھا کریں گے۔'' شاہنواز چند لمحے سوچتا رہا پھر حتمی لہجے میں بولا تھا۔

''آپ میرے لیے یہ ساتھ والا روم مینٹین کروائیں۔ وہ سر کا روم ہے وہ ان ہی کے زیر استعمال رہے گا۔ آپ ساری فائلز وغیرہ ساتھ والے روم میں رکھوادیں۔ سر سے میں خود بات کرلوں گا۔''

☆......☆......☆

فضا میں نئے موسم کی آہٹیں گونج رہی تھیں۔

دھوپ کی تپش بتدریج کم ہونے لگی تھی جب کہ رات کے پچھلے پہر کھلے آسمان تلے کھیس اوڑھ لینے کے باوجود بدن پر کپکپی سی طاری ہو جاتی تھی۔

عانیہ دو کھیس اوڑھے کانپتی رہتی لیکن پہلی ترجیح کھلے آسمان تلے سونے کو ہی دیتی۔

''بیمار پڑ جاؤ گی، ہڈیوں میں درد ہوگا۔''

سب نے سمجھا کر دیکھ لیا حملیہ نے بھی ڈانٹا مگر وہ عانیہ ہی کیا جو سب کی بات با آسانی مان لے۔ اس سے قبل دھڑلے سے اپنی من مانی کرتی آئی تھی اس بار ہنس ہنس کر ٹالتی رہی۔

''مجھے ذرا بھی سردی نہیں لگتی بلکہ مجھے تو اس بات پر حیرت ہے آپ لوگوں نے اتنی جلدی اندر کیوں سونا شروع کر دیا ابھی تو اندر کمروں میں اتنی گرمی محسوس ہوتی ہے۔ یقین کریں امی مجھے بالکل سردی نہیں لگتی اگر آپ کا ڈر نہ ہو تو میں کھیس بھی نہ اوڑھوں اور پھر مجھے کھلے آسمان تلے سونا اچھا لگتا ہے۔''

اور یہ تھی بھی حقیقت یعنی آخری جملہ واقعی حقیقت پر مبنی تھا کہ اسے کھلے آسمان تلے سونا اچھا لگتا تھا۔

خوشبوؤں سے لدی ہوا اور ننھے ننھے کروڑوں بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ ستاروں سے سجا یا سیاہ تھال، جو اس وقت صرف اس کا ہوتا تھا جب دل چاہتا آنکھیں موند کر ایک ایک ستارہ چھو آتی یہ الگ بات کہ یہ سفر تنہا نہ ہوتا۔ دل چاہتا تو ستارے مانگ میں سجا لیتی اور دل چاہتا تو ایک ایک ستارہ چن کر گلدستہ بناتی۔

جب کہ بند کمرے میں کیا تھا وہی سالوں پرانی چھت جسے ہوش سنبھالتے سے وہ دیکھتی آ رہی تھی اور اوب رہی تھی۔ کیسے کیسے منحوس خیال نہ آئے تھے اس سالخوردہ چھت کو دیکھ کر۔

اور کشف کہتی تھی۔

''عانی آپی بدلتی جا رہی ہیں۔''

''کیا مطلب؟...... بدلتی جا رہی ہیں؟ یعنی پہلے ہماری عانی کی شکل ریشم جیسی تھی اب شفقت چیمہ جیسی لگنے لگی ہے؟'' یہ تیمور کے سوا بھلا اور کون ہو سکتا تھا۔

''اوہو تیمور بھائی...... آپ بھی نا بس۔'' کشف جھنجھلا گئی۔

''میں کہہ رہی ہوں آپی بدلتی جا رہی ہیں یعنی پہلے کی طرح غصہ نہیں کرتیں۔''

''بالکل ٹھیک۔'' زینب نے تائید کی۔ ''نہ غصہ کرتی ہیں نہ ڈانٹتی ہیں۔''

''اور جو عقل میں دن بہ دن کمی آتی جا رہی ہے اس کے بارے میں کیا خیال ہے۔'' نرمین کا اشارہ ظاہر ہے کہ اس موسم میں بھی

باہر سونے والی حرکت کی جانب تھا۔

''جو چیز تھی ہی نہیں اس کے لیے کیا فکرمند ہونا۔'' تیمور ہر مسئلے کا حل جانتا تھا سب ہی کھی کھی کر کے ہنسنے لگے۔

''اصل بات یہ ہے کہ عانی خوش رہنے لگی ہے۔'' یہ ثانیہ کا تجزیہ تھا اور کچھ ایسا غلط بھی نہ تھا۔ عانیہ واقعی خوش رہنے لگی تھی اس نے جو خوش رہنے اور لڑائی جھگڑا نہ کرنے کا اعلان کیا تھا شاید اس پر عمل کر رہی تھی اور اس بات پر سب ہی گھر والوں نے لاشعوری طور پر شکر ہی ادا کیا تھا یہ الگ بات کہ کوئی بھی اس کی خوشی کے اصل سبب سے واقف نہ تھا سوائے اس کے۔

مظہر سے اسکی پہلی ملاقات سات ماہ پہلے ہوئی تھی اور اس اتفاقی ملاقات نے عانیہ الیاس چودھری کی زندگی کا رخ بدل کر رکھ دیا تھا۔

ان دنوں اس نے ثناء کے ساتھ ہی آرٹ اینڈ کرافٹ کلاسز جوائن کی تھیں۔ ثناء نے بے حد اصرار کر کے اسے راضی کیا تھا اور کچھ گھر والوں کا دباؤ بھی تھا۔

''اتنے عرصے سے گھر بیٹھی ہوئی ہو پڑھنا تم چاہتی نہیں تو یہ کلاسز ہی جوائن کر لو ثناء کو ساتھ بھی مل جائے گا اور تمہارے ہاتھ بھی کوئی ہنر آ جائے گا۔''

گو کہ عانیہ کو یہ آخری بات سب ہی باتوں سے بڑھ کر ناگوار گزری تھی کیونکہ اس کے نزدیک تو وہ ہر فن مولا تھی لیکن چونکہ ان دنوں وہ اپنے معاملے میں اتنی شدت پسند نہ تھی اور اکثر مواقعوں پر متحمل مزاجی کا مظاہرہ کر لیا کرتی تھی اسی لیے قدرے جھنجھلا کر مگر پر سکون انداز میں بولی۔

''ویسے تو مجھے سب کچھ آتا ہے لیکن اگر تم لوگ اتنا فورس کر رہے ہو تو میں یہ کلاسز جوائن کر لیتی ہوں لیکن اگر میرا دل نہیں لگے گا تو میں یہ چھوڑ دوں گی یہ میں ابھی سے بتا رہی ہوں۔''

اور یہ دور کی ہی بات تھی اس لیے اس معاملے کو ابھی سے زیر بحث لانے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

عانیہ نے انسٹی ٹیوٹ جوائن کر لیا تھا اور پہلا مہینہ انتہائی بے زاری میں کٹا تھا۔ وہاں واقعی جو کچھ سکھایا جا رہا تھا کم و بیش اسے پہلے سے آتا تھا البتہ ثناء کی دلچسپی بہت تھی اور وہ انجوائے بھی کر رہی تھی۔

ثناء کا گھر ان لوگوں کے گھر سے چار گلیاں آگے تھا۔ تقریباً ایک اسٹاپ جتنا فاصلہ بن جاتا تھا لیکن گلیوں سے یہ راستہ سمٹ کر بے حد مختصر لگتا تھا اور انسٹی ٹیوٹ ثناء کے گھر سے اگلے بس اسٹاپ تک تھا۔ عانیہ اپنے گھر سے ثناء کے یہاں پہنچتی تھی وہاں سے وہ دونوں لوکل وین لے کر انسٹی ٹیوٹ جاتی تھیں۔

پہلے اتنا چلنا پڑتا پھر جو وین پکڑنے اور وین میں سیٹ حاصل کرنے کے لیے دھکم پیل ہوتی تھی وہ عانیہ کو سخت ناپسند تھی۔ وہ ثانیہ، شفق، تیمور اور امی کی عقل کو کوستی جو خود ایک طویل عرصے سے یہی دھکے کھا رہی تھیں اور اب اسے بھی کم و بیش اسی مصیبت میں جھونک دیا تھا۔

اسی روز وہ وین کے انتظار میں بس اسٹاپ کے شیڈ تلے کھڑی گویا سارے زمانے سے خفا تھی جب اچانک ہی اس کی بے زار نظر بس اسٹاپ کے عین سامنے کی ٹک شاپ پر جا رکی تھی۔ جس سے چند قدم کے فاصلے پر ایک چم چم کرتی سیاہ رنگ کی کار کھڑی تھی۔

''کاش یہ گاڑی میری ہوتی۔'' اس نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے بے حد حسرت سے کہا تھا۔

''اگر تم اس گاڑی کے مالک کو ذرا سا ہنس کر دیکھ لو تو میں شرطیہ کہہ سکتی ہوں وہ اپنی گاڑی خوشی خوشی اپنے ہاتھوں تمہاری خدمت میں پیش کر دے گا۔''

ثناء نے مسکراتے لہجے میں کہا تھا۔ عانیہ پہلے ہی بے زار کھڑی تھی اس بات پر اور چڑ گئی۔

''ہاں اتنا ہی تو معصوم ہے وہ...... میں ہنس کر دیکھوں گی اور وہ دے دے گا۔'' عانیہ نے جل کر کہا۔

''معصوم تو پتا نہیں البتہ تم پر عاشق ضرور ہے اور سنا ہے عاشق، محبوب کے ایک تبسم کی خاطر اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر پیش کر دیا کرتے ہیں یہ تو پھر بھی ایک گاڑی ہے۔'' اس کے لہجے میں شرارت ہی شرارت تھی۔

عانیہ نے گہری سانس بھر کر اسے دیکھا تھا۔

''سنی سنائی پر یقین کرنا چھوڑ دو۔ وہ زمانے لد چکے جب ایسا ہوتا ہوگا یقین تو خیر مجھے نہیں ہے کہ ایسا ہوتا ہوگا۔''

''آزمائش شرط ہے۔ تم مسکراؤ تو سہی۔'' ثناء شرارت پر آمادہ تھی۔

''کار ہے یہ ڈنکی کار نہیں ہے جو وہ دے دے گا۔'' عانیہ پھر جھنجھلا کر بولی تھی۔

''اور آج تم یہ کس قسم کے الفاظ بول رہی ہو عاشق، تبسم۔''

''کوئی اور مناسب الفاظ مل ہی نہیں رہے۔'' وہ ہنسی۔

''ہم پچھلے پندرہ منٹ سے یہیں کھڑے ہیں تیرہ منٹ پہلے یہ گاڑی یہاں آئی تھی اور اس کا مالک کم و بیش تیرہ منٹ سے تمہیں فوکس کیے ہوئے ہے۔'' اس کا انداز اب سرگوشی میں ڈھل گیا تھا۔

عانیہ نے بری طرح چونکتے ہوئے بالکل غیر ارادی طور پر سامنے دیکھا تھا۔ ثناء کی بات غلط نہیں تھی ٹک شاپ کے شیڈ تلے کھڑا وہ شخص واقعی اسی کی طرف دیکھ رہا تھا اور نظریں ملتے ہی اس نے مسکراہٹ بھی ادھر اچھال دی تھی۔ عانیہ نے سٹپٹا کر نظروں کے ساتھ ساتھ رخ بھی پھیر لیا تھا۔

''یہ تو واقعی ادھر دیکھ رہا ہے۔'' اس کے لہجے میں گھبراہٹ نمایاں تھی۔

''تو تمہارا کیا خیال تھا میں جھوٹ بول رہی ہوں؟'' ثناء نے کہا تھا۔

''حیرت ہے تمہیں اندازہ کیوں نہیں ہوا میں تو کئی روز سے نوٹس کر رہی ہوں ہمارے ساتھ یہاں آ کر کھڑے ہو جانے کے ایک دو

منٹ بعد یہ لڑکا یہاں آجاتا ہے کار پارک کر دیتا ہے کبھی کبھی کار میں بھی بیٹھا رہتا ہے۔ بظاہر لاتعلق مگر زیادہ تک تمہیں ہی فوکس کیے رہتا ہے۔"

"ٹھیک ہی تو ہے اچھی شکلیں بھی تو کبھی کبھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔" اس نے بات اڑانا چاہی لیکن ثناء کی سوئی جانے کیوں اسی نکتے پر اٹکی ہوئی تھی۔

"اچھی شکلیں دیکھنے کے شوق میں کوئی اپنا اتنا وقت برباد نہیں کر سکتا بشرطیکہ کوئی قلبی واردات نہ ہوگئی ہو۔"

"تم بالکل پاگل ہو ثناء۔"

"ہاں شاید تم ٹھیک ہی کہہ رہی ہو۔ ہوسکتا ہے میری آبزرویشن غلط ہو لیکن میں پھر بھی یہی کہوں گی یہ شخص تمہیں بہت دھیان سے دیکھتا ہے۔"

"کہیں تم جیلس تو نہیں ہو رہیں؟" عانیہ نے شرارت سے کہا۔

"لاحول ولاقوۃ......اس لنگور میں ایسی تو کوئی خاص بات نہیں کہ میں جیلس ہوں۔"

وہ دونوں مطلوبہ وین میں سوار ہوگئی تھیں اور اگلے آنے والے کچھ دنوں میں وہ شخص ان دونوں کے لیے تفریح کا ذریعہ بن کر رہ گیا تھا۔

ثناء کے کہنے کے مطابق وہ سچ مچ ان لوگوں کے وہاں آنے کے کچھ منٹ بعد وہاں آجاتا تھا اور عانیہ کو اپنی نظروں کے حصار میں لیے رہتا تھا۔ عانیہ ثناء کے ساتھ مل کر اس کی بے قراریوں کا مذاق اڑاتی تھی۔ اس شخص میں ایسا کچھ بھی نہیں تھا جو اسے عانیہ کے لیے قابل توجہ بناتا سوائے قیمتی لباس اور مختلف میک کی ان گاڑیوں کے جن میں اکثر و بیشتر وہ آتا تھا۔ عانیہ نے اب تک اسے فاصلے سے ہی دیکھا تھا اگر کبھی وہ سڑک عبور کر کے بس اسٹاپ پر آجاتا تھا تو اس کی جانب دیکھنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا لیکن فاصلے سے دیکھ کر شکل کے حوالے سے عانیہ نے اسے منفی مارکس دیے تھے۔ وہ معمولی قد و قامت اور عام سی شکل و صورت کا حامل تھا اگر اس کا لباس قیمتی محسوس نہ ہوتا تو یقیناً اس پر دوسری نظر نہیں ڈالی جاسکتی تھی۔

عانیہ اور ثناء نے اس کے کچھ اوٹ پٹانگ نام بھی رکھ چھوڑے تھے جن سے اکثر و بیشتر وہ اسے یاد کیا کرتی تھیں مگر ایک بات تھی جو عانیہ نے اب تک ثناء کو نہیں بتائی تھی اور یہ کہ اسے اس شخص کا خود کو یوں دیکھنا اچھا لگنے لگا تھا۔

وہ باقاعدگی سے وہاں آتا تھا اور اگر کسی روز نہیں آتا تھا تو عانیہ کچھ بے چینی محسوس کرنے لگتی تھی۔ اسے وہاں اس شخص کی موجودگی کی عادت سی ہو چلی تھی۔ وہ نہیں آتا تھا تو عانیہ کی متلاشی نظریں بے قراری سے یہاں وہاں بھٹکتی رہتی تھیں صرف یہی نہیں وہ اب اکثر و بیشتر اسے سوچنے لگی تھی۔

اس سے قبل عادل اس کی سوچ کا محور رہا تھا مگر اب ارتکاز بھٹکنے لگا تھا۔ اس شخص کی آنکھوں میں کوئی خاص تاثر تھا جو درمیانی

فاصلے کے باوجود باآسانی اس تک پہنچ جاتا تھا اور یہ تاثر عادل کی آنکھوں میں نہیں ہوتا تھا زندگی کے اس مقام پر پہنچ کر وہ جان گئی تھی کہ اس شخص کی آنکھوں میں وہی تاثر ہے جسے وہ اپنے لیے عادل کی آنکھوں میں دیکھنا چاہتی تھی۔

''ہوسکتا ہے ثناء ٹھیک کہتی ہو وہ مجھے پسند کرتا ہو مجھ سے محبت کرتا ہو تب ہی تو بلاناغہ وہاں آجاتا ہے ورنہ کوئی اپنا وقت کیوں ضائع کرے گا......لیکن کیا میں بھی اسے پسند کرنے لگی ہوں؟'' اب اتنا حوصلہ بھی نہیں تھا کہ ثناء سے کہہ کر اپنا مذاق بنواتی لیکن خود سے سوال تو کیا جاسکتا تھا سو اس نے کیا تھا اور خود ہی سٹپٹا گئی۔

''لاحول ولاقوۃ......میں اتنی احمقانہ باتیں کیوں سوچ رہی ہوں کہاں مجھ جیسی خوبصورت لڑکی اور کہاں وہ عام سی شکل وصورت والا......میرے لیے تو عادل ہی ٹھیک ہے......لیکن......عادل۔''

وہ خود ہی الجھ الجھ جاتی اور جب انسان خود سے الجھنے لگے تو وہ سب سے کٹھن مرحلہ ہوتا ہے شاید اسکی زندگی کا کٹھن مرحلہ آ گیا تھا۔

☆......☆......☆

ثناء کے گھر مہمان آرہے تھے اسی لیے اس نے چھٹی کرنے کا سوچا تھا اس نے عانیہ کو بھی چھٹی کرنے کا مشورہ دیا تھا جسے عانیہ نے فوراً ہی مان لیا تھا لیکن جیسے جیسے انسٹی ٹیوٹ جانے کا وقت قریب آرہا تھا اسے عجیب طرح کی بے چینی محسوس ہونے لگی تھی اور بالآخر وہ انسٹی ٹیوٹ جانے کے لیے تیار ہوگئی تھی۔

گھر میں اس نے کسی کو بھی ثناء کی چھٹی کے متعلق نہیں بتایا تھا اور ایسا اس نے کیوں کیا تھا وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔

انسٹی ٹیوٹ میں وہ دن معمول کی طرح گزرا تھا کلاس ختم ہونے کے بعد جب وہ بس اسٹاپ پر آئی تھی تو وہ شخص اور اس کی مخصوص جگہ پر کوئی بھی کار پارک کی ہوئی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اس چیز نے اسے خاصی مایوسی میں مبتلا کردیا تھا۔

وہ شخص دور دور تک دکھائی نہیں دے رہا تھا اور عانیہ کو اپنی مایوسی اچھی بھی نہیں لگ رہی تھی وہ مسلسل خود کو ڈانٹ رہی تھی مگر اس سب کے باوجود اس روز عانیہ نے اپنے روٹ کی دو بسیں چھوڑ دی تھیں۔

تیسری بس میں سوار ہونے سے چند منٹ قبل عانیہ نے اس شخص کو جانے کس طرف سے نمودار ہوکر اپنی طرف تیز تیز قدم اٹھاتے دیکھا تھا اور وہ ایک ناقابل بیان قسم کی سرخوشی میں مبتلا ہوئی تھی۔ اس نے چہرہ موڑ کر دوسری طرف دیکھنا شروع کردیا تھا لیکن ساتھ ہی اسے یہ بھی اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ شخص اس کے کچھ قدموں کے فاصلے پر آکر رک گیا ہے اور ثناء کی موجودگی میں بھی اکثر کرتا تھا اس لیے اس نے اتنا خاص دھیان نہیں دیا تھا۔ عانیہ کے ہاتھوں پیروں میں گھبراہٹ اس وقت اتری تھی جب وہ شخص اسکے پیچھے ہی وین میں سوار ہوگیا تھا۔

''اگر اس نے کوئی الٹی سیدھی حرکت کی یا مجھ سے مخاطب ہونے کی کوشش کی تو میں ڈروں گی نہیں ڈانٹ دوں گی۔ میں کوئی دبو قسم کی لڑکی نہیں ہوں کسی کی پروا نہیں کروں گی۔'' اپنے گود میں رکھے ہاتھوں کو آپس میں مسلتے ہوئے وہ دل ہی دل میں خود کو سمجھا رہی تھی۔

کھڑکی سے باہر بھاگتی دوڑتی کائنات کو دیکھتے ہوئے وہ بے حد گھبراہٹ کا شکار تھی اور اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ وہ اس کی سیٹ کی پشت پر ہاتھ رکھے چند قدم پیچھے ہی کھڑا ہے۔ اس کا دل بہت تیز تیز دھڑک رہا تھا اور اچھے خاصے موسم کے باوجود اس کی پیشانی پر پسینہ چمکنے لگا تھا۔

راستہ خاموشی سے کٹ گیا تھا عانیہ کانپتے دل کے ساتھ منتظر ہی رہی کہ وہ کچھ کہے گا اور وہ اس کی بے عزتی کرے گی دل ہی دل میں اس نے وہ سارے جملے بھی ترتیب دے لیے تھے جو اسے غیرت دلانے کے لیے عانیہ کو ادا کرنے تھے مگر اس کی نوبت ہی نہیں آئی تھی اور اس کا اسٹاپ آ گیا تھا۔

وہ تیزی سے اتر گئی تھی ایک پل کے لیے اس کے دل میں خیال آیا تھا کہ وہ بھی اس کے پیچھے اترا ہوگا چند قدم آگے جا کر اس نے ڈرتے ڈرتے پلٹ کر دیکھا اسی اسٹاپ پر اترنے والے مسافروں میں وہ نہیں تھا۔

اس کے لبوں سے ایک پرسکون سانس خارج ہوئی تھی۔

''میں خواہ مخواہ ڈر رہی تھی۔'' اس نے سوچا تھا۔

''یقیناً آج کسی مسئلے کی وجہ سے وہ وین میں سوار ہوا ہوگا اور میں سمجھ رہی تھی وہ میری وجہ سے۔''

خود ہی مصروفیات تلاش کرتے ہوئے بظاہر وہ ہنس رہی تھی لیکن جانے کیوں دل اسی نکتے پر اٹکا ہوا تھا کہ وہ اسی کی وجہ سے سوار ہوا تھا۔ بالفرض اس کی گاڑی خراب ہو تو اس کے پاس کمی تو نہیں تھی۔ وہ کوئی دوسری گاڑی بھی لا سکتا تھا۔

اس کے پاس سوچوں کی کمی نہ تھی۔

اگلے کچھ روز ثناء اپنے مہمانوں کی وجہ سے نہیں جا سکتی تھی اور عانیہ اکیلی جاتی تھی اور کچھ روز تابوت میں پے در پے کیل ٹھونکتے رہے تھے۔

تین چار روز میں عانیہ کا خوف دور ہو گیا تھا کیونکہ یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا تھا وہ شخص عانیہ کی مطلوبہ وین آنے سے چند منٹ قبل کہیں سے اچانک نمودار ہوتا تھا اور عانیہ کے پیچھے وین میں سوار ہو جاتا تھا اور جب عانیہ اس کی طرف سے مطمئن ہو گئی تو اس کی گود میں ایک چھوٹی سی چٹ آ گری تھی۔

بس کھچا کھچ بھری ہوئی تھی عانیہ نے گھبرا کر بالکل لاشعوری طور پر اس چٹ کو مٹھی میں بھینچ لیا تھا۔ صورتحال اس قدر غیر متوقع ہو گئی تھی کہ وہ تقریباً حواس باختہ ہو گئی اور سمجھ ہی نہ سکی کہ فوری طور پر کیا کرے۔

اگلے ہی پل اس نے چٹ کو کھلی کھڑکی سے باہر پھینک دیا تھا۔ اس روز گھر کی طرف جاتے ہوئے اس کے قدموں میں بہت تیزی تھی اور ٹانگیں خوف سے کانپ رہی تھیں۔

''اچھا پھر......؟''

''پھر کیا......میں نے وہ چٹ فوراً پھینک دی۔'' اس نے اپنا کارنامہ بڑے فخر سے بیان کیا تھا۔

''دھت تیرے کی۔'' ثناء کے اشتیاق پر ڈھیروں پانی آگرا تھا خوب ہی بدمزا ہوئی۔ ''کم سے کم ایک نظر تو دیکھنا چاہیے تھا کیا لکھا ہے۔''

''اور اس پر کوئی ایسی ویسی بات لکھی ہوتی تو......؟'' عانیہ نے آنکھیں دکھائیں وہ گھر جانے کی بجائے ثناء کی طرف آگئی تھی اور ساری بات سے آگاہ کیا تھا۔

''زیادہ سے زیادہ کیا لکھا ہوسکتا تھا؟......دو چار اشعار، دل کی حکایت اپنی کیفیت کا بیان اور تم سے دوستی کی درخواست......اس سے زیادہ کیا ہوتا' یہ تو نہیں لکھا ہوسکتا تھا میڈم عانیہ! میں آپ کے ذریعے کچھ غیر قانونی کام کروانا چاہتا ہوں پلیز ہیلپ می۔'' ثناء جیسے اس کی عقل پر ماتم کر رہی تھی۔

''تو یہ سب کیا کم خراب باتیں ہیں۔'' عانیہ خفا ہوئی۔ ''میں کیوں کرتی اس سے دوستی؟''

''تو دوستی کرنے میں کیا برائی ہے؟'' ثناء نے الٹا اس سے سوال کیا تھا۔

''مرد اور عورت کے درمیان دوستی نہیں ہوسکتی۔'' عانیہ نے کہا۔

''کیوں نہیں ہوسکتی۔''

''اسلیئے کہ......'' وہ خود ہی الجھی۔ ''اس لیے نہیں ہوسکتی دوستی کیونکہ......مرد، مرد ہوتا ہے اور عورت، عورت۔'' اس کا لہجہ بودا تھا۔

''یہ تو کوئی ٹھوس دلیل نہیں ہے دوستی نہ کرنے کی۔'' ثناء نے مستحکم لہجے میں کہا۔

''کم آن عانی! اکیسویں صدی میں رہتے ہوئے اٹھارویں صدی والی باتیں نہ کرو۔ یہ تو ہمارے بزرگوں کے بزرگوں والے نظریات ہیں کہ مرد اور عورت میں دوستی نہیں ہوسکتی ان کے درمیان تیسرا شیطان ہوتا ہے۔''

''شیطان تو ہر جگہ ہوتا ہے۔ مرد، مرد کے درمیان اور عورت، عورت کے درمیان بھی......پھر تو ان دونوں کو بھی آپس میں دوستی نہیں کرنی چاہیے......یار! میں تو کہتی ہوں حدود کا پتا ہونا چاہیے دوستی کرنے میں حرج نہیں ہے پھر تمہیں کون سا عمر بھر کا تعلق جوڑنا ہے تمہاری منزل تو صاف ہے جو کہ ظاہر ہے عادل بھائی ہیں مجھے افسوس ہے انجوائے منٹ کا اتنا اچھا موقع گنوا دیا تم نے۔''

عانیہ دم بخود اس کی باتیں سن رہی تھی۔ ثناء اسی کی طرح کے ایک مڈل کلاس گھرانے سے تعلق رکھتی تھی لیکن اس کے خیالات کچھ معاملات میں بہت مختلف تھے اس کی کچھ لڑکوں سے دوستی بھی تھی جنہیں وہ لوگوں کی نگاہوں میں آئے بنا بہت طریقے سے نبھا رہی تھی۔ عانیہ نہیں جانتی تھی اس نے یہ دوستیاں کیسے گانٹھی تھیں وہ صرف اتنا جانتی تھی ثناء وقتی خوشی کے حصول پر کسی قدر یقین رکھتی ہے اور اس کی

ترغیب اسے دے رہی تھی۔

''ماں باپ کی پسند سے شادیاں کر کے بچے ہی تو پالنے ہیں میں تو کہتی ہیں جتنا موقع مل سکے زندگی کو اپنی مرضی سے گزار لینا چاہیے تاکہ کل کو کوئی حسرت نہ ہو بلکہ جب کوئی تلخی آئے تو انسان ماضی کے ان لمحوں کو یاد کر کے مسکرائے۔''

''مجھے نہیں چاہیے کوئی انجوائے منٹ...... میں تو صرف یہ بتانے آئی تھی کل سے انسٹیٹیوٹ نہیں جاؤں گی۔'' اس کی باتوں سے نگاہ چراتے ہوئے عانیہ نے حتمی لہجے میں کہا۔

''بزدل نہیں تو......'' ثناء نے ہنسی اڑائی تھی۔

''ڈر کر گھر بیٹھ جاؤ گی؟''

''میں بزدل نہیں ہوں وہ تو بس یونہی۔''

''پلیز کل ضرور چلی جاؤ مائرہ کٹ ورک کے ڈیزائن لائے گی پھر وہ سلونو والی چلی جائے گی......تم اس سے ڈیزائن لے کر مجھے دے دینا۔''

''اور تم خود کیوں نہیں جاتیں؟''

''یار! اب تم سے کیا چھپانا اصل میں کل میری خالہ کے دیور کا بیٹا آ رہا ہے مجھے دیکھنے...... میں چلی گئی تو وہ کیا میری اماں کو دیکھے گا۔'' اتفاق سے ثناء اس کی بیسٹ فرینڈ تھی اور سہیلی کی مدد تو اسے کرنا ہی تھی۔ ناچار راضی ہونا پڑا۔

''اور سنو! اگر وہ کچھ دے تو پھینک مت دینا۔'' ثناء نے از راہ تفنن تاکید کی تھی جس پر وہ گھور کر رہ گئی تھی۔

اگلے روز اس شخص نے عانیہ کو کچھ دینے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ وہ اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔

☆......☆......☆

''شاکر سے کہہ کر ساری نئی پرانی اپائنٹمنٹس کینسل کروا دو اس سے کہ کم از کم اگلے ایک ہفتے کی کوئی اپائنٹمنٹ فائنل کرے۔ میں کسی سے ملنا نہیں چاہتا کچھ عرصہ میں آفس بھی نہ جا پاؤں گا۔''

جہانگیر لاشاری نے اپنے پیر کارپٹ پر رکھتے ہوئے کہا تھا شاہنواز نے سر اٹھا کر دیکھا۔ جہانگیر لاشاری کی آواز ہی پست نہیں تھی ان کی گردن بھی جھکی ہوئی تھی۔

''آپ کہیں جا رہے ہیں سر؟'' اس نے آہستگی سے پوچھا۔

''ہوسکتا ہے چلا جاؤں لیکن میں ڈیسائیڈ نہیں کر پا رہا...... آنکھیں بند کر کے طوفان کے ٹل جانے کی تمنا کرنا بھی تو حماقت ہے۔'' شاہنواز نے چونک کر انہیں دیکھا۔

”میں سمجھا نہیں سر!“

جہانگیر لاشاری بے حد خاموشی سے دیوار پر لگی پینٹنگ دیکھتے رہے۔

”تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں شاہنواز!“ ان کے لہجے میں ہلکا سا شکوہ تھا وہ اس کی جانب نہیں دیکھ رہے تھے لیکن شاہنواز کو لگا ان کی نگاہوں میں ملامت تھی۔ وہ آفس سے آجانے کے بعد سے اسی سوال کا منتظر تھا لیکن حدید اور اس کے والد کی موجودگی میں ماحول خاصا خوشگوار رہا تھا۔

”جانتے ہو شاہنواز! میں تم پر کتنا بھروسا کرتا ہوں؟ تم جس چیز کے لیے نہ کہہ دیتے ہو ممکن ہی نہیں میں اسے ہاں سمجھوں یا ہلکے سے بھی شبہے میں مبتلا ہوں۔ تم نے کہا میں حنان سے متعلق بے فکر ہو جاؤں اور میں ہو گیا۔

بات یہ نہیں کہ میں تمہیں موردِ الزام ٹھہرا رہا ہوں۔ خدشات جب پورے ہوتے ہیں تو دھچکا بھی لگتا ہے مگر شاید اس لیے نہیں ہوتا کہ انسان کسی نہ کسی طرح ذہنی طور پر تیار ہوتا ہے اگر تم بھی مجھے ہلکا سا اشارہ دے دیتے تو میں اس قسم کی صورت حال کے لیے تیار رہتا۔ میری یہ حالت اس لیے ہوئی کیونکہ یہ سب بہت ان ایکسپکٹڈ تھا۔ تم آفس گئے تھے؟“ اچانک انہوں نے پوچھا۔

”جی ہاں گیا تھا۔“ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے بہت آہستگی سے جواب دیا تھا۔

”تم نے اپنا کیبن دیکھا؟“

شاہنواز نے اس بار صرف اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

”وہ سب حنان نے کیا ہے۔“ انہوں نے جیسے اطلاع دی تھی۔

”جانتا ہوں۔“

”ہاں آفس گئے تھے تو پتا چل ہی گیا ہو گا۔ کوئی ڈھکی چھپی بات تو رہی نہیں۔ بعض اوقات بھرم قائم رکھنا بھی کس قدر مشکل ہو جاتا ہے۔“ ان کی آواز سرگوشی میں ڈھل گئی تھی۔

”ایک بات پوچھوں شاہنواز؟“ انہوں نے گردن موڑ کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

”حنان نے یہ سب کیوں کیا ہے؟“

”آپ کو اس سے پوچھنا چاہیے تھا۔“ اس کے لہجے میں خود بخود سرد مہری آ گئی تھی۔

”پوچھا تھا۔“

”اس نے کیا جواب دیا؟“

”تم اسے نہیں جانتے......وہ اپنی مرضی سے جواب دیتا ہے۔“

''بعض اوقات واقعی بھرم قائم رکھنا مشکل ہوتا ہے۔'' شاہنواز نے ناگواری سے سوچا اور جہانگیر لاشاری کو ساری بات بتانے لگا تھا۔

''حنان اگر مجھے گالی نہ دیتا تو میں اسے کبھی تھپڑ نہ مارتا کتنے عرصے سے ہوں میں آپ کے ساتھ۔ اس عرصے میں اتنا تو آپ مجھے جان ہی گئے ہوں گے کہ اس قدر بے قابو انسان نہیں ہوں میں کہ معمولی بات پر اگریسو ہو جاؤں۔

میں نے آج تک اس کی ہر الٹی سیدھی بات کو اگنور کیا ہے ہمیشہ اسے گنجائش دیتا آیا ہوں کیونکہ وہ آپ کا اور خالہ امی کا بیٹا ہے اور آپ لوگ میرے محسن...... آئی ایم سوری ٹو سے سر! لیکن اب میں اس کی کسی بات کو اگنور نہیں کروں گا، کر بھی نہیں سکتا۔ وہ اس قابل ہے بھی نہیں کہ اسے اگنور کر دیا جائے۔ مسلسل اس کی سرکشی وہٹ دھرمی کو نظر انداز کرنے کا ہی نتیجہ ہے کہ وہ اپنے آگے کسی کو اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اسے اپنی عزت تو خیر کبھی بھی پیاری نہیں رہی لیکن وہ سب کو گھسیٹنے لگا ہے اور یہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔''

اس کا لہجہ دوٹوک تھا۔ واضح اور بے لچک واقعی کسی قسم کی گنجائش سے عاری جہانگیر لاشاری کچھ بھی نہ کہہ سکے۔ شاہنواز غلط نہیں کہہ رہا تھا بلکہ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ اتنی گنجائش بھی نہیں دیتا اور اس لحاظ سے تو وہ خود بھی شاہنواز کے شکر گزار ہی تھے۔ خواہ ان کے احترام میں سہی لیکن واقعی وہ حنان سے رعایت برت رہا تھا۔

''کہاں کہاں شرمندہ کرواؤ گے حنان۔'' انہوں نے دکھ سے سوچا۔

''آئی ایم سوری سر!'' شاہنواز ان کی مستقل خاموشی سے گھبرا کر بولا تھا۔ انہوں نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔

''کس لیے؟''

''ایک طرح سے جو کچھ بھی ہوا اس کی زیادہ ذمہ داری تو مجھ پر عائد ہوتی ہے۔ میں حنان سے شرمندہ نہیں ہوں وہ اسی سلوک کا مستحق تھا۔ لیکن میں آپ سے ضرور شرمندہ ہوں کیونکہ اس سارے معاملے میں سب سے زیادہ ذہنی پریشانی کا سامنا آپ ہی کو کرنا پڑا ہے...... میں کبھی اس کے ذاتی معاملات میں دخل نہیں دیتا ہمیشہ کوشش کرتا ہوں اس کے معاملات سے دور رہوں...... صرف ان معاملات میں انٹرسٹ لیتا ہوں جس میں آپ یا خالہ امی کہتی ہیں۔ اس روز بھی میرا مقصد اس کی ذاتیات میں دخل دینا نہیں تھا میں صرف اسے سہارا دینے کے لیے آگے بڑھا تھا وہ بھی صرف اس لیے کیونکہ کچھ انسانیت باقی ہے مجھ میں، کسی راہ چلتے کی مدد کر سکتا ہوں تو حنان سے تو پھر بھی آپ لوگوں کی وجہ سے کوئی تعلق محسوس ہوتا ہے لیکن اس سے ہمدردی میری غلطی تھی، ایسی غلطی جسے میں ساری زندگی بھلا نہیں سکوں گا۔''

''تم میرے سامنے شرمندہ مت ہو یار! میں تو خود شرمسار ہوں معذرت کے الفاظ بھی نہیں مل رہے۔'' جہانگیر لاشاری نے بے چارگی سے کہا تھا۔

''آپ کیوں ایکسکیوز کرنا چاہتے ہیں؟ میں نے پہلے بھی کہا تھا سر! اس طرح نہ کہا کریں، اسپیشلی حنان کے معاملے میں، میں آپ کو اپنے الفاظ سے تکلیف نہیں پہنچانا چاہتا لیکن حقیقت یہی ہے حنان جیسا شخص تو اپنی بہتری نہیں جانچ سکتا اس سے کسی دوسرے کی

بھلائی کی توقع رکھنا بذات خود ایک حماقت ہے۔

آپ آرام کریں سر اور خود کو ہر طرح کی پریشانی سے آزاد رکھنے کی کوشش کریں میں حنان کے معاملے میں کچھ نہیں کر سکتا لیکن اس کے علاوہ آپ کو ریلیف پہنچانے کے لیے مجھ سے جو ہو سکے گا وہ میں ضرور کروں گا۔''

وہ مصمم لہجے میں کہتا لائیٹ آف کرتا باہر نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

عانیہ نے گردن موڑ کر اپنے ساتھ والی سیٹ کی جانب دیکھا اور اس شخص پر نظر پڑتے ہی اس نے بے حد ہراساں ہو کر اٹھنے کی کوشش کی تھی لیکن اپنی کوشش میں وہ ناکام رہی تھی۔ ایک تو کھڑے ہونے کے لیے جگہ بے حد کم تھی دوسرا عانیہ کے پرس کا ایک اسٹرپ اس کی گرفت میں تھا۔

''بیٹھ جایئے عانیہ! میں آپ کو کھا نہیں جاؤں گا۔'' اس نے بے حد آہستگی سے کہا تھا وہ سامنے دیکھ رہا تھا اور اس کے انداز میں لاتعلقی تھی جیسے غیر ارادی طور پر بیٹھ گیا ہو۔

عانیہ پہلے ہی بری طرح گھبرا چکی تھی اس کے منہ سے اپنا نام سن کر رہے سہے حواس بھی ساتھ چھوڑنے لگے تھے۔ اسے بیٹھنا پڑا اس کے بنا کوئی چارہ نہ تھا لیکن اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اپنے پرس کو اس نے دونوں ہاتھوں سے دبوچ رکھا تھا لیکن اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

اس کے بیٹھتے ہی اس شخص نے پرس کا اسٹرپ چھوڑ دیا تھا اور جیب سے کوئی چیز نکال کر اسکی جانب بڑھا دی تھی۔

''یہ...... یہ کیا ہے؟'' اس کی آواز بھی کانپ رہی تھی اس وقت کنڈیکٹر آ گیا تھا عانیہ نے گھبراہٹ میں رخ کھڑکی کی جانب موڑ لیا۔ اس شخص نے دو ٹکٹیں لی تھیں۔

''یہ میرے ساتھ ہیں۔'' اس شخص نے کنڈیکٹر سے کہا تھا۔ عانیہ فوراً تردید کرنا چاہتی تھی مگر اس وقت اس کی قوتِ فیصلہ اور قوتِ عمل جیسے مفقود ہو کر رہ گئی تھی۔

''عانیہ......'' اس نے آہستگی سے پکارا۔

''آپ میرا نام کیسے جانتے ہیں؟'' بے بہت ساختگی سے اس کے لبوں سے الفاظ نکلے تھے۔ وہ ہنس دیا۔

''آپ یہ لے لیں آپ کو تمام سوالوں کے جواب مل جائیں گے۔''

''میں یہ نہیں لے سکتی۔'' اس نے اپنے لہجے کو مستحکم کرنے کی کوشش کی تھی۔

''میں آپ کو مجبور نہیں کر سکتا۔'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے کہا تھا۔

''میں یہ اینویلپ اسی سیٹ پر رکھ رہا ہوں آپ کا دل کرے تو اٹھا لیجیے گا اور اگر دل نہ چاہے تو......مت اٹھائیے گا میں سمجھ لوں گا میرے جذبے میں کوئی کمی رہ گئی۔'' اس کے لہجے میں کچھ تو ایسا ضرور تھا کہ عانیہ گردن موڑ کر دیکھنے پر مجبور ہو گئی تھی مگر گردن موڑنے میں ایک پل کی تاخیر ہو گئی تھی اور اسی تاخیر سے فائدہ اٹھاتا وہ لفافہ رکھ کر جا چکا تھا۔

''ایکسکیوزمی کیا یہ سیٹ خالی ہے؟'' کوئی لڑکی اس سے پوچھ رہی تھی۔ عانیہ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے لفافہ اٹھا لیا تھا اور الٹ پلٹ کر دیکھا تھا۔ ہلکے گلابی رنگ کا وہ سادہ لفافہ کسی بھی تحریر سے عاری تھا مگر اس سادہ سے لفافے کو کھولنے کی ہمت اسکے کپکپاتے ہاتھ میں نہیں تھی۔

یہ ہمت ثناء کے ہاتھوں میں تھی اور لفافہ اسی نے کھولا تھا۔

لیٹر پیڈ اور لکھائی کو اچھی طرح سراہ لینے کے بعد اس نے پڑھنا شروع کیا تھا۔

کیا کہہ کر مخاطب کروں؟

حسن کی دیوی؟ روپ نگر کی ملکہ؟ یا کوئی ساحرہ؟ جس کی ایک جھلک نے مجھے سحر زدہ کر دیا ہے یا پھر مطربہ جس کی اٹھتی گرتی پلکوں نے میرے اندر باہر محبت کے اتنے گیت چھیڑ دیے ہیں کہ کوئی اور آواز سنائی دیتی ہے نہ میں سننا چاہتا ہوں۔ چاند کو چاند کہہ دینا کافی ہوتا ہے کہ وہ خود سراپا حسن ہے اسے استعاروں اور تشبیہات سے کیا غرض؟ لیکن دل ہمکتا رہتا ہے کہ کچھ اور بھی کہا جائے جو اس کے شایان شان ہو اور تشنگی بھی باقی نہ رہے لیکن چاند کے لیے چاند سے بہتر اور کیا لفظ ہو سکتا ہے ویسے ہی عانیہ کو عانیہ کے سوا کیا کہوں؟ (جس سے دل کے سب ہی تعلق جڑ جائیں ان کا نام معلوم کرنا کون سا مشکل ہوتا ہے) یوں بھی میں ٹھہرا عام سا انسان، خوبصورت الفاظ کے چناؤ سے ناواقف، جملوں کی دلکش ترتیب سے نابلد میں کیا جانوں حسن کے دربار میں سلامِ عقیدت کیسے پیش کیا جاتا ہے۔

میں تو صرف اتنا جانتا ہوں آپ کو دیکھا اور میری ذات سمیت ساری کائنات کہیں پس منظر میں کھو گئی۔ اس روز سے آنکھیں بند کرتا ہوں تو نیند آپ کے نام کا وظیفہ پڑھتی سنائی دیتی ہے آنکھیں کھولتا ہوں تو بے تابی سے آپ ہی کو کھوجتی رہتی ہیں۔

میری آنکھیں آج سے قبل اتنی بے قرار تو کبھی نہ تھیں۔

یہ کیا کر ڈالا آپ نے میرے ساتھ؟ ایک انسان کو دنیا سے بے گانہ کر کے اپنا غلام بنا ڈالا جو شخص روپیہ پیسہ کمانے کے سوا کچھ سوچتا نہ تھا وہ اب اپنی سوچوں سے آپ کو نکال پائے تو کچھ اور سوچے۔ آہ......کیسی بے بسی ہے؟

یہ چند سطریں میری بے قراریاں و بے تابیاں آپ پر کیا واضح کریں گی اپنا فون نمبر لکھ رہا ہوں۔ خدارا مجھ سے ایک بار رابطہ ضرور کیجیے گا۔ آپ کو، آپ سے چھیننا نہیں چاہتا کہ محبت کی طبیعت میں حرص نہیں بس اپنا آپ، آپ کو دان کرنا چاہتا ہوں۔

آج کے بعد دن رات آپ کے فون کا منتظر رہوں گا مجھے مایوس مت کیجیے گا ورنہ یہ انتظار موت بن کر ان آنکھوں میں ٹھہر جائے

گا مجھے ہاتھوں کی لکیروں سے کبھی دلچسپی نہیں رہی مگر اب اکثر انہیں کھوجتا رہتا ہوں۔ کاش! ملن کی لکیر جلد ہی مل جائے اور اگر نہ مل سکی تو موت کی لکیر تو مل ہی جائے گی۔

یاد رکھیے گا آپ میری مقروض ہیں میری نیندوں کا قرض آپ پر واجب الادا ہے آپ کو چکانا ہی پڑے گا۔

بے بس و منتظر

سید مظہر بخاری

ثناء خاموش ہوگئی تھی۔ خط پڑھ کر سنا دینے کے بعد ثناء اور اسے سن لینے کے بعد عانیہ دم بخود بیٹھی تھیں۔

ان دونوں کے مابین حائل خاموشی بہت معنی خیز تھی۔ بالآخر اس خاموشی کو ثناء نے ہی توڑا تھا۔

''بہت مخلصانہ مشورہ دے رہی ہوں عانیہ! اس شخص سے رابطہ مت کرنا یہ جادوگر نہیں ہے لیکن لفظوں کے ذریعے سحر پھونکنے کی صلاحیت ضرور رکھتا ہے یہی دیکھ لو لکھا تمہارے لیے ہے ٹرانس میں، میں آگئی ہوں۔ جس کے خط میں اتنا اثر ہے وہ جب دوبدو بات کرے گا تو کیا کرے گا۔''

وہ واقعی ٹرانس کی سی کیفیت میں بول رہی تھی۔

عانیہ کیا کہتی...... اس کے پاس تو الفاظ ہی ختم ہو چکے تھے۔ البتہ ذہن میں صرف ایک سوال گونج رہا تھا۔ ''کیا واقعی کوئی اس کے لیے مر بھی سکتا ہے؟''

''یہ بھی ہوسکتا ہے اس نے یہ خط کسی اور سے لکھوایا ہو پتا نہیں کیوں میرا دل یہ بات نہیں مان رہا کہ وہ شکل سے ہی چغد لگنے والا شخص اتنا شاندار اور پر اثر خط لکھ سکتا ہے۔'' ثناء نے کہا تھا۔

''خیر چغد تو نہیں لگتا...... آنکھوں سے تو بہت ذہین لگتا ہے۔'' عانیہ نے بے ساختہ کہا تھا۔

''دیکھا میں نے کہا تھا نا اس کے لفظوں میں جادو ہے طرف داریاں بھی شروع ہوگئیں اور چند لمحوں کی ملاقات میں تم نے اس کی آنکھیں اور آنکھوں میں موجود ذہانت بھی بھانپ لی...... ارے واہ۔''

''ایسی بات نہیں ہے۔''

''چلو اسے فون کرتے ہیں۔'' ثناء نے اچانک کہا تھا اور ریلنگ پر یہاں وہاں کچھ ٹٹولنے لگی تھی۔

''لیکن ابھی تو تم کہہ رہی تھیں اس سے رابطہ نہ کروں۔'' عانیہ حیران تھی۔

''ہاں کہا تو تھا لیکن مجھے ابھی خیال آیا دیکھنا تو چاہیے آخر وہ چاہتا کیا ہے...... ذرا خط کھولو نمبر دیکھ لوں۔'' ثناء موبائل لیے بیٹھی تھی

یہ وہ دن تھے جب موبائل فون کی سہولت بہت کم لوگ استعمال کیا کرتے تھے اور عانیہ جیسے لوگوں کے لیے یہ ایک فینٹسی میں شمار ہوتا تھا۔

”رہنے دو ثناء! کیا ضرورت ہے بھلا؟“ عانیہ نے خود بھی اپنے لہجے کی کمزوری کو خوب اچھی طرح سے محسوس کیا تھا۔

”ضرورت کیوں نہیں ہے۔ بہت ضرورت ہے جب کوئی دعویٰ کرے تو اسے پرکھنا ضرور چاہیے۔ یہ محترم بڑے فخر سے مرنے کی بات کر رہے ہیں ذرا دیکھیں تو سہی کتنے پانی میں ہیں۔“ ثناء نمبر ملا کر فون ریسیو کیے جانے کی منتظر تھی۔ منتظر وہ تھی دل عانیہ کا غیر معمولی رفتار سے دوڑ رہا تھا۔

”ہیلو۔“ ثناء چہکی۔

”کیا آپ سید مظہر بخاری بات کر رہے ہیں۔“

عانیہ دل و جان سے ہمہ تن گوش ہوگئی تھی۔

”میں عانیہ بات کر رہی ہوں۔“ ثناء نے اسے آنکھ مارتے ہوئے کہا تھا۔ عانیہ کے ہاتھ پیر سنسنانے لگے۔ اشارے سے منع بھی کیا تھا مگر......

”ارے یقین نہ کرنے کی وجہ......آواز تو پہچان نہیں پا رہے اور محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔

نہیں نہیں...... بھلا میں کیوں غلط بیانی کروں گی۔

شکل سے معصوم لگتی ہوں تو کیا آواز سے پھولن دیوی لگ رہی ہوں۔

ہاہاہا...... باتیں تو خیر آپ خوب بنا لیتے ہیں۔ چلیے آپ نے یہ امتحان تو پاس کر لیا......صحیح پہچانا میں عانیہ نہیں ہوں اس کی سہیلی ہوں ثناء؟

ارے واہ آپ صرف شکل دیکھ کر ہی عانیہ کے مزاج آشنا ہوگئے ہیں۔ میں تو متاثر ہوگئی۔ ظاہر ہے مجھے متاثر کر کے آپ کو کیا فائدہ ہوگا۔

جی ہاں بالکل میرے سامنے بیٹھی ہے اور چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔

میں کیوں درمیان میں آؤں گی وہ خود ہی بات نہیں کرنا چاہتی۔ اشاروں سے منع کر رہی ہے۔

مجھے کیوں بتا رہے ہیں؟ میں جان کر کیا کروں گی آپ کتنے سچے ہیں عانیہ کو ہی بتایئے گا......نہیں نہیں ویسے بات تو آپ بھی ٹھیک کر رہے ہیں۔ اچھا یہ بھی خوب رہی۔ آں چلیں ٹھیک ہے۔ اللہ حافظ۔“

اس نے موبائل کان سے الگ کیا ہی تھا کہ عانیہ نے تکیہ اسے کھینچ مارا۔

”بدتمیز یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی میں سامنے بیٹھی ہوں اور چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔“

”جھوٹ تھوڑا ہی بول رہی تھی۔“

’’پھر بھی......تمہیں ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا......وہ کیا سوچتا ہوگا۔‘‘

’’کتنی فکر ہے تمہیں اس کی سوچ کی۔‘‘ ثناء ہنسی۔

’’بے فکر ہو جاؤ۔ میں گارنٹی دیتی ہوں پکا اور سچا عاشق ہے۔‘‘

’’تمہیں بہت پہچان ہے نا پکے سچے عاشقوں کی؟‘‘ عانیہ بگڑ کر بولی ’’اور اتنی سی بات کر کے تم نے اندازہ بھی لگا لیا؟‘‘

’’ارے میری جان تم ابھی میری صلاحیتوں سے واقف نہیں ہو میں تو اڑتی چڑیا کے پر گن سکتی ہوں یہ کیا چیز ہے؟ مجھ پر بھروسہ کرو اس خط میں اس نے جو بھی لکھا ہے سچ ہے۔ بہت زیادہ دلی وابستگی میں ہی انسان ٹھیک ٹھیک اندازے لگا پاتا ہے۔ اب یہی دیکھ لو اس نے وین میں تم سے کتنی مختصر گفتگو کی لیکن میری آواز سنتے ہی پہچان گیا کہ میں عانیہ نہیں ہوں۔

تم ایک بار اس سے بات کر لو گی تو خود ہی اندازہ لگا لو گی کہ وہ کتنا سچا ہے اور میں کتنا درست کہہ رہی ہوں ابھی تھوڑی دیر میں وہ کال بیک کرے گا کہہ رہا تھا کچھ غیر ملکی مہمان آئے ہوئے ہیں انہیں سی آف کر کے بات کرتا ہے۔‘‘

’’ٹھیک ہے تم اطمینان سے بات کرنا میں گھر جا رہی ہوں۔‘‘

’’بیٹھی رہو چپ چاپ......‘‘ ثناء نے بازو سے پکڑ کر گھسیٹا۔

’’وہ مجھ سے بات کرنے کے لیے فون نہیں کرے گا وہ تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔‘‘

’’نہیں نہیں......میں کیسے بات کروں گی۔‘‘ وہ بری طرح گھبرا گئی۔

’’کل اتنا لمبا چوڑا لیکچر دیا تھا مگر تمہاری سمجھ میں کچھ نہ آیا۔‘‘ ثناء نے سر پیٹ لیا۔

’’زندگی میں کچھ چیزیں جسٹ فار انجوائے منٹ ہوتی ہیں تم اس شخص کو اسی کیٹگری کا سمجھو۔‘‘

’’لیکن ثناء......‘‘

’’کوئی لیکن ویکن نہیں، بس تم اس سے بات کرو گی میں کون سا تمہیں سیریس ہونے کے لیے کہہ رہی ہوں احمق لڑکی!‘‘

’’پھر جب تک اسکی کال آ نہیں گئی ثناء اسکی برین واشنگ کرتی رہی۔ موبائل کی ہلکی سی بپ بجتے ہی وہ بے ساختہ کھڑی ہو گئی تھی۔

’’کیا تکلیف ہے تمہیں؟ بیٹھ جاؤ۔‘‘ ثناء نے ڈپٹا اور موبائل اس کی طرف بڑھا دیا۔

’’میں بات نہیں کر پاؤں گی ثناء۔‘‘ اس نے بے چارگی سے کہا تھا۔

’’بات تو تمہارے اچھے بھی کریں گے۔‘‘ ثناء نے زبردستی موبائل اس کے کان سے لگا دیا تھا۔

’’ہیلو۔‘‘ بے حد پھنسی پھنسی آواز حلق سے برآمد ہوئی تھی۔ دوسری جانب خاموشی چھائی رہی تھی مگر کسی کی موجودگی کا یقین قائم تھا۔

’’ہے......ہیلو۔‘‘ اب کی بار اس نے پہلے سے بھی زیادہ مشکل سے کہا تھا دوسری جانب اب بھی کوئی آواز نہیں ابھری تھی۔

''کیا ہوا؟'' ثناء نے پوچھا۔

''کوئی بول ہی نہیں رہا......فون بند کر دوں۔'' اس نے پوچھا۔ ثناء نے اس کے ہاتھ سے موبائل لے کر کان سے لگا لیا تھا۔

''آپ خاموش رہ کر میری سہیلی کو کنفیوژ کر رہے ہیں۔ کمال ہے آپ ہنس رہے ہیں؟ کس خوشی میں......'' ثناء خفگی سے لتاڑ رہی تھی پھر اس نے موبائل عانیہ کی جانب بڑھا دیا۔

عانیہ شش و پنج کا شکار تھی مگر اس نے موبائل کان سے لگا لیا تھا۔

''اپنی خوش بختی پر یقین کرنے میں کچھ وقت تو لگتا ہے۔ میری خاموشی کو آپ اسی معنی میں لے سکتی ہیں۔''

عانیہ تو دنگ ہی رہ گئی۔ اتنا خوب صورت لہجہ اتنی دلکش آواز۔

کیا یہ وہی عام سی شکل والا شخص ہے؟ جسے وہ اب تک اپنی راہ میں پلکیں بچھائے دیکھتی رہی ہے۔

''کچھ کہیں گی نہیں؟......کچھ تو کہیے مجھے اپنی خوش بختی کا گمان گزر رہا ہے یقین دلا دیں یہ خواب نہیں ہے آپ نے سچ مچ میرے جذبوں کی پذیرائی کی ہے مجھ پر اعتماد کیا ہے۔''

''مم......میں کیا......کہوں؟'' اس کا لہجہ لکنت زدہ تھا وہ ہنس دیا۔ اس کی ہنسی اس کے لہجے و آواز جیسی ہی خوب صورت تھی۔

''صرف اتنا ہی کہ آپ میری محبت پر یقین رکھتی ہیں......اور اگر یقین نہیں رکھتیں تو میں بتاؤں میں آپ کو کتنا چاہتا ہوں؟ اس دنیا میں بسنے والے ہر اس شخص سے زیادہ جس نے آج تک محبت کی ہے عشق کی حدوں کو چھوتی ہوئی محبت......''

یہ الفاظ جادو اثر تھے اور کسی اَنی کی طرح عانیہ کے دل میں پیوست ہو رہے تھے۔ وہ بوکھلا سی گئی یہ کیسی دیوانگی ہے بھلا......محبت تو وقت اور تعلق چاہتی ہے پھر یہ کیسی محبت ہے۔

''آپ......'' اس نے بے ساختہ ٹوک دیا۔ ''لیکن میں آپ سے محبت نہیں کرتی۔'' یہ گویا حد بندی کی تاکید تھی۔

''جانتا ہوں ابھی ہم اس خوش بختی کے حق دار نہیں ٹھہرے۔'' اس کے گمبھیر لہجے میں زخمی سا تبسم تھا۔

''میں آپ سے محبت کرتا ہوں اور آپ اس پر یقین رکھتی ہیں فی الحال زندگی کے تسلسل کے لیے اتنا کافی ہے۔ کوئی کہے مظہر! عانیہ سے محبت کرنا چھوڑ دو یعنی مظہر سانس لینا ہی چھوڑ دے۔''

عانیہ نے گھبرا کر موبائل آف کر دیا۔

''کیا ہوا؟'' ثناء جو کان لگا کر سن رہی تھی حیران ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔

''کچھ نہیں۔'' عانیہ نے بے چارگی سے کہا تھا۔ ثناء نے اس کا خوب مذاق اڑایا تھا مگر عانیہ نے برا منایا نہ اسے روکا تھا وہ خاموشی سے سنتی رہی تھی۔ ایک طویل مدت سے وہ رات دس بجتے تک سونے کی عادی رہی تھی۔ گھڑی کی سوئیاں دس کے قریب بھی نہ پہنچ پاتی تھیں

اور وہ ساری دنیا جائے بھاڑ میں کہہ کر سر تک لحاف تان لیتی تھی۔ لیکن اس رات عانیہ الیاس چودھری گیارہ بجے تک جاگتی رہی تھی اور یہ پورا گھنٹا اس نے سید مظہر نامی اس شخص کو سوچتے گزار دیا تھا جس کا ایک جملہ بار بار ذہن میں گونجنے لگتا تھا۔

''کوئی کہے مظہر! عانیہ سے محبت کرنا چھوڑ دو یعنی مظہر سانس لینا ہی چھوڑ دے۔''

☆......☆......☆

''میں بوڑھی ہوگئی ہوں تم لوگوں کے در پر پڑی ہوں اس لیے سب کو لگتا ہے میں بکواس کر رہی ہوں۔'' دادی کا غصے سے برا حال تھا۔

مومنہ نے بے ساختہ انگلیاں کانوں میں ٹھونستے ہوئے ناگواری سے دادی کو دیکھا تھا۔ دادی صرف جسمانی طور پر کمزور دکھائی دیتی تھیں۔ بولتی تھیں تو لگتا تھا چار لوگوں کی آوازیں ایک حلق سے نکل رہی ہیں صرف یہی نہیں اگلے چار ہی گھروں تک ان کی آواز پہنچتی تھی۔ امی کی کوشش ہمیشہ یہی ہوتی ایسا کوئی اختلافی پہلو آئے ہی نہ کہ دادی کی آواز بلند ہو۔

مگر آج کا معرکہ زوردار تھا۔

منی جب سے آئی تھی یہی دیکھ رہی تھی دادی اونچا بول رہی ہیں مگر ان کی ساری دہائیوں کا مطلب وہ نہیں سمجھ پا رہی تھی۔

''آپ اپنی طرف سے سب کچھ کیوں فرض کرتی جا رہی ہیں اماں۔'' اسماء کی برداشت بھی شاید جواب دے گئی تھی۔

''ہاں ہاں اب پاگل بھی کہہ دو لیکن ایک بات بتاؤں بہو! اگر تم نے میری بات پر کان نہ دھرے تو پچھتاؤ گی۔'' انہوں نے خبردار کیا۔

''پچھتائیں میرے دشمن۔'' اسماء تلملا کر بولیں۔

''بددعائیں تو مت دیں اماں۔''

''اے میں پوچھتی ہوں جب میں نے منع کیا تھا کہ ہماری منی اس گل بانو سے نہیں ملے گی تو کیوں چھوڑا اس کے گھر......اس کی تو ماں بھی جادو ٹونے کرنے والی تھی اگر میری پوتی کو کچھ ہوا تو میں نبٹ لوں گی اس بدذات سے۔''

''جب نبٹنے کا ارادہ ہے تو کیوں اس بے چاری کو کوسنے میں لگی ہوئی ہیں۔ اس کی ماں جادو ٹونے کرتی تھی اسے مرے مدت گزر گئی۔ بالفرض گل بانو ایسا کچھ کرتی ہے تو بھی فکر نہیں صبح سویرے اور رات ڈھلے چاروں قل پڑھ کر میں خود اپنے بچوں کے گرد حصار لگاتی ہوں باقی جو اللہ کو منظور۔''

''لو یہ خوب کہی ساری ذمہ داری اللہ کو سونپ کر خود آرام سے بیٹھ جاؤ۔ انسان کو خود بھی کوئی تدبیر کرنی چاہیے۔''

''بتائیے پھر کیا کروں؟'' اسماء عاجز ہو کر بولیں۔

''پہلے بھی کئی بار بتا چکی ہوں کہ اس لڑکی کی صحبت ٹھیک نہیں۔ جو عمر اپنی منی کی ہے اس میں لڑکیاں جلدی اثر لیتی ہیں یہ نہ ہو وہ بدذات اسے اپنے ہی رنگ میں رنگ دے۔''

''مجھے اپنی تربیت پر پورا بھروسہ ہے اماں! ہماری منی معصوم ضرور ہے کم عقل نہیں کہ کوئی بھی انگلی پکڑ کر غلط رستے پر ڈال دے اور یہ چل پڑے۔ایک تو ہوئی یہ بات...... دوسری بات یہ کہ کسی پر تہمت لگانا بہت بڑا گناہ ہے اس لیے آپ سوچ سمجھ کر بات کریں گل بانو کے بارے میں۔''

''میں کیوں لگاؤں گی تہمت؟ یہ تو سامنے کی بات ہے پورا گوگیرہ جانتا ہے اس کے کرتوت......اور اگر کوئی نہیں جانتا تو تم اور تمہارے میاں ہی ہے۔''

''سامنے کی بات ہوتی تو خود بخود نظر آ جاتی اور اگر پورا گوگیرہ جانتا ہے تو کوئی اور اس پر انگلی کیوں نہیں اٹھاتا میں نے تو جب بھی سنی آپ ہی کے منہ سے سنی اس کی برائی۔ وہ بے چاری تو شکل سے ہی سادہ و معصوم لگتی ہے۔''

''شکل سے سادہ و معصوم لگتی ہے گنوں کی پوری ہے خیر سے۔''

''توبہ ہے اماں! آپ نے تو پورا محاذ ہی کھول رکھا ہے اس کے خلاف......اور......اس کی مجھے ایک ہی وجہ سمجھ آتی ہے وہ ہیں میرے سسر مرحوم۔''

''اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے ان کا ذکر یہاں کہاں سے آ گیا؟''

''پہلے آپ جب بھی گل بانو کے متعلق کچھ کہتی تھیں۔ میں اسے سن کر خود سوچ میں پڑ جاتی تھی اصل میں تو اس لڑکی کے مہذب اطوار مجھے آپ کی باتوں پر یقین نہیں کرنے دیتے تھے۔ایک بات بتائیں اماں! آپ نے ہمیشہ گل بانو اور اس کی ماں کی برائی کی ہے ان کے کردار کے بارے میں بات کی ہے لیکن آپ نے کبھی یہ کیوں نہیں بتایا کہ گل بانو کی ماں پر اباجی مرحوم عاشق تھے۔'' مومنہ پانی پی رہی تھی سنتے ہی بری طرح اچھو لگ گیا دوسری طرف دادی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''بیڑہ غرق ہو...... یہ کس نے کہا تم سے؟'' ان کی آواز میں غیض و غضب تھا اس کے باوجود مومنہ کو جھینپا ہوا تاثر صاف محسوس ہوا تھا۔

''اس بات کو رہنے دیں کس نے کہا؟...... یہ بتائیں صحیح کہا ہے یا نہیں؟......ویسے میں نے تو یہ بھی سنا ہے چکی کے پیچھے جو آم کا باغ ہے وہیں پر دونوں کی ملاقاتیں بھی ہوا کرتی تھیں اور ایک دفعہ تو آپ نے عین وقت پر چھاپہ بھی مار دیا تھا۔'' اسماء کو آج خوب ہی حساب چکانے کا موقع ملا تھا۔ مزے سے بول رہی تھیں۔ دادی کا چہرہ غصے سے لال ہو رہا تھا۔

''نری بکواس ہے یہ۔'' وہ بھڑک کر بولیں لیکن انہوں نے نظریں چرائی تھیں وہ بہت کچھ سمجھا گئی تھیں۔

''جس نے بھی یہ کہا ہے اس سے کہو پہلے اپنے گریبان میں جھانکے میرے مرحوم شوہر پر کیچڑ اچھالنے کی ضرورت نہیں......اور تم بہو! زمین کھود کر مردے نہ نکالو اپنی بیٹی سنبھالو۔''

”سنبھلی ہوئی ہے آپ بے فکر رہیں۔“ اسماء نے بے نیازی سے کہا۔

”دفع دور نہیں تو نہ سہی۔“ دادی کا غصہ آخری حدود چھو رہا تھا۔

”تم ماں ہو جب تمہیں ہی پروا نہیں تو میں کاہے کو اپنا خون جلاتی پھروں۔“ اور اسی شام اپنا سامان باندھ کر تیار ہو گئیں۔

”میں کچھ دن اپنے چھوٹے بیٹے کے یہاں رہوں گی فاروق مجھے پتوکی والی بس میں بٹھا دو۔“

”یہ آپ کو اچانک جانے کا خیال کیسے آ گیا۔“ فاروق نے حیران ہو کر پوچھا تھا۔

”ہاں اچانک ہی خیال آیا ہے اور اچھا ہی خیال ہے تمہاری بیوی کو تو بہت پسند آئے گا۔“ انہوں نے سرد مہری سے کہا تھا۔

”کیوں اسماء نے کچھ کہا ہے آپ سے؟“

”کہا تو کچھ نہیں مگر اسے لگتا ہے میں گھر کے معاملات میں دخل دیتی ہوں۔“

”بات کو غلط رنگ مت دیں اماں، میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔“

اس کے بعد ایک زبردست معرکہ ہوا تھا فاروق اماں کو روکتے رہے تھے مگر وہ بضد تھیں کہ انہیں جانے دیا جائے پھر دادی تو چلی گئیں لیکن گھر کی فضا کشیدہ ہو گئی تھی۔ ابو امی سے خفا تھے شاید۔

مومنہ نے اگلے دو دن تک ان دونوں کو آپس میں پہلے کی طرح بات کرتے نہیں دیکھا تھا اور اس صورتحال سے وہ خود خاصی پریشان ہو گئی تھی تب ہی اگلے روز ابو کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

”ابو! آپ دادی کو واپس لے آئیں۔“

ابو نے چونک کر اسے دیکھا پھر سر جھکا کر کھانا کھانے لگے۔

”وہ ناراض ہو کر گئی ہیں اتنی آسانی سے نہیں آئیں گی۔“

”پھر تھوڑا عرصہ انہیں وہیں رہنے دیں غصہ اتر جائے تو آ جائیں گی۔“ امی بھی آ کر قریب بیٹھ گئی تھیں لیکن ابو کو یہ بات اچھی نہیں لگی تھی۔

”اس کا مطلب اماں صحیح کہہ رہی تھیں تمہیں واقعی ان کا یہاں رہنا پسند نہیں۔“

”اگر آپ کو یاد ہو تو نواب شاہ سے گوگیرہ ہم آئے ہی اس لیے تھے کیونکہ اماں یہاں اکیلی رہتی ہیں۔ آپ تو آنے کے لیے راضی نہ تھے میں نے ہی آپ کو راضی کیا تھا۔“ اماں نے گہری سانس بھر کر پرسکون لہجے میں رسانیت سے کہا تھا۔

”دیکھیں جی! بات صرف یہ ہے کہ اس بار اماں ناحق ضد لگا کر بیٹھ گئی ہیں۔ ضد بھی ایسی جس کا سر ہے نہ پیر۔ جب میں نے بات ماننے سے انکار کیا تو خفا ہو کر چل دیں۔ کل سے شور کر رکھا تھا کہ منی کو گل بانو کے یہاں کیوں چھوڑا صبح پھر وہی تماشا میں نے اعتراض

کیا تو بس۔"

"اماں یہاں بہت عرصے سے رہ رہی ہیں پھر ان کا تجربہ بھی زیادہ ہے انسانوں کو پہچاننے میں غلطی نہیں کر سکتیں۔ اگر وہ نہیں چاہتیں کہ منی گل بانو سے رابطہ رکھے تو ان کی بات ماننی چاہیے۔"

"کیا آپ نے اس لڑکی میں کوئی برائی دیکھی ہے؟...... اماں تو یونہی پرخاش لیے بیٹھی ہیں بلکہ گل بانو سے رابطہ رکھنا ہمارے لیے ہی مفید ہے۔ ماشاءاللہ پڑھی لکھی لڑکی ہے منی کو آگے بھی ٹیوشن پڑھاتی رہے گی۔ ورنہ یہاں کون ہے جس کی مدد لے گی۔ آپ میٹرک پاس اور میں نے مڈل بھی کیسے پاس کیا میں ہی جانتی ہوں۔ گو کہ خاندان کی اور لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انہیں اتنی فرصت کہاں کہ منی کو پڑھائیں...... گل بانو خیر سے ڈبل ایم اے، بی ایڈ ہے اور پھر مفت میں پڑھانے پر راضی۔"

"خیر اب ایسی نوبت بھی نہیں آگئی کہ میں اپنی بچی کو تعلیم بھی نہ دلوا سکوں۔"

"میں نے ایسا کب کہا لیکن اگر یہ روپے بچ جاتے ہیں تو فائدہ ہی ہے جو رقم اس کی فیس کی مد میں خرچ کرنا ہے وہ مجھے دیا کیجیے گا۔ میں منی کے لئے کچھ نہ کچھ جوڑتی رہوں گی۔"

"بات تو ٹھیک ہے لیکن اماں کی ناراضی......"

"چھوڑیں جی...... بھلا کوئی ماں بھی اولاد سے مستقل ناراض رہ سکتی ہے۔" اسماء نے میاں کو تو کسی نہ کسی طرح مطمئن کر دیا البتہ منی کا ذہن الجھا ہوا تھا۔

"لیکن امی......"

"چھوڑو اس لیکن ویکن کو...... میں تمہاری دادی کا مسئلہ خوب اچھی طرح سے جان گئی ہوں اصل میں تو انہیں مجھ سے پرخاش ہے جس طرف جھکاؤ دیکھتی ہیں مخالفت شروع کر دیتی ہیں...... بس اب تم آرام سے پیپروں پر دھیان دو اس کے بعد اگلی کلاس کا کورس منگوا لینا اور گل بانو سے پڑھتی رہنا۔"

منی ایک گہری سانس بھر کر رہ گئی گو کہ اسے آخری بات سے خوشی ہوئی تھی کہ اب بلا روک ٹوک گل بانو سے مل لیا کرے گی لیکن اس خوشی کے ساتھ ہی دادی کی ناراضی کی پھانس بھی اٹکی ہوئی تھی جو اسے مطمئن ہونے نہ دیتی تھی۔

☆......☆......☆

عانیہ اگلے دو روز تک انسٹی ٹیوٹ نہیں جا سکی تھی۔

گو کہ اس میں اس کی کسی شعوری کوشش کا عمل دخل نہیں تھا۔ شاید ایک روز بارش کی وجہ سے اسے چھٹی کرنا پڑی تھی اور اگلے روز کرشن نگر کی ان چھوٹی اور اونچی نیچی گلیوں میں گٹروں کا اتنا غلیظ پانی جمع ہو گیا تھا کہ وہ نہیں جا پائی تھی۔

تیسرے روز صبح ساڑھے گیارہ بجے کے قریب فون کی گھنٹی بجی تھی اس وقت تک گھر کے سب ہی افراد رخصت ہو چکے تھے اور وہ عام طور سے ڈائجسٹ پڑھ کر یا ٹی وی دیکھ کر وقت گزارا کرتی تھی۔ اس روز اس کا انسٹیٹیوٹ جانے کا ارادہ نہیں تھا اور شاید اسی لیے اس کا موڈ بھی قدرے خوش گوار تھا۔

وہ فرنیچر کی ڈسٹنگ کر رہی تھی جھاڑن کندھے پر ڈال کر تیسری یا چوتھی بیل پر ریسیور اٹھا لیا تھا دوسری جانب سے سنائی دیتی آواز جیسے اس کا دل دھڑ کا گئی تھی۔ سارے الفاظ جیسے بھک سے اڑ گئے تھے۔

''آپ دو دن سے کیوں نہیں آرہیں؟'' بے حد اپنائیت بھرا استحقاق تھا جو اس کے دل کو اچھا لگا تھا۔

''آپ جانتی ہیں عانیہ! یہ دو دن دو دن نہیں دو صدیاں تھیں۔ آپ کو اندازہ ہے یہ دو صدیاں میں نے کیسے گزاری ہیں؟...... جیسے روشنی کا شعور رکھنے والی آنکھیں اچانک بینائی سے محروم ہو جائیں...... کسی کو تاریکیوں میں دھکیل کر آپ پرسکون کیسے رہ سکتی ہیں عانیہ؟...... میں آپ کو اتنا ظالم نہیں سمجھتا تھا۔''

اس کے لہجے میں تڑپ تھی، بے قراری تھی، شکوہ تھا، خفگی تھی۔

اتنے رنگ تھے اس کے لفظوں میں کہ عانیہ کا بے رنگ وجود دھنک رنگوں میں ڈھل گیا۔ وہ مسحور سی ہوگئی۔ اس کے الفاظ سے جھلکتے رنگوں کے مقابلے میں خود عانیہ کے الفاظ تو کسی قابل تھے ہی نہیں۔

''آپ کو یہ نمبر کہاں سے ملا؟'' وہ اتنا ہی بول پائی۔ اس کے الفاظ تو کسی قابل تھے ہی نہیں۔

''صرف نمبر کا نہ پوچھیں میں تو آپ کے گھر کا ایڈریس بھی بتا سکتا ہوں آپ کے بہن بھائیوں کی تعداد بتا سکتا ہوں۔ آپ کا اکلوتا بھائی کس ادارے میں ملازمت کرتا ہے۔ آپ کی بہنیں کس کالج اور اسکول میں پڑھتی ہیں یہ بھی جانتا ہوں آپ کی مدر......''

''آپ کو یہ سب کیسے پتا چلا؟'' عانیہ تو حقیقتاً دنگ سی رہ گئی تھی۔

وہ اس کی ناسمجھی پر ہولے سے ہنس دیا۔

''ایسی باتیں پتا نہیں چلتیں ان کا پتا لگانا پڑتا ہے...... کیوں؟ کیسے؟ جیسے سوالوں کو چھوڑ دیں جس نے نام جان لیا اس کے لیے باقی سب پتا کرنا مشکل نہیں تھا۔''

''آپ کو ثناء نے بتایا ہوگا؟...... ہے نا؟'' وہ اسی نکتے پر اٹکی تھی۔

''وہ کیوں بتائے گی؟'' اس نے الٹا سوال پوچھ لیا۔

''وہ لڑکی اپنی باتوں سے جتنی چالاک اور مفاد پرست لگتی ہے مجھے نہیں لگتا وہ ذاتی فائدے کے بغیر بولتی بھی ہوگی۔ ویسے مجھے حیرت ہے آپ جیسی انوسینٹ لڑکی کی دوستی اس کے ساتھ کیسے ہوگئی؟''

''آپ میری فرینڈ کی انسلٹ کر رہے ہیں۔'' اسے برا لگا۔

''مجھے افسوس ہے اگر میں ایسا کر رہا ہوں تو......لیکن یہ میرے ذاتی خیالات ہیں میں نے جو محسوس کیا کہہ دیا کیونکہ آپ کے لیے میں وہی چاہتا ہوں جو بہترین ہو اور ثناء مجھے اس قابل نہیں لگی کہ آپ جیسی لڑکی اس سے دوستی رکھے۔''

''مجھ جیسی لڑکی؟'' اس کا لہجہ استہفامیہ تھا۔ ''یعنی میں کیسی لڑکی ہوں؟''

''یہ اچھا سوال ہے۔'' اس کا لہجہ مبہم تھا۔

''میں بتاؤں آپ کیسی ہیں؟...... بہت معصوم وسادہ دل، کسی نوزائیدہ پرندے کی طرح معصوم اور پاکیزہ......جس کے دل کی خوبصورتی چہرے پر جھلکتی ہے اور جب وہ اپنی پلکیں اٹھاتی ہے تو دل چاہتا ہے اسے کہیں چھپاؤں جہاں اسے زمانے کی گرد نہ چھو سکے۔ آپ اس دنیا کی تو نہیں لگتیں عانیہ! جب میں نے آپ کو پہلی بار دیکھا تو مجھے اپنی بصارت پر یقین نہیں آیا تھا۔ مجھے لگا میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ یہ پرستان کی ملکہ یہاں کہاں سے آ گئی۔ میں تو ابھی تک اسی کیفیت کے حصار میں ہوں عانیہ! مجھے اس خواب کیفیت سے نکال دیں عانیہ! مجھے یقین دلا دیں یہ جو کچھ بھی ہے خواب نہیں ہے میں حقیقت میں جی ہاں آپ کو دیکھ سکتا ہوں آپ سے بات کر سکتا ہوں۔ نیند سے بیدار ہو کر خواب کے کھو جانے کا خوف مجھے اندر ہی اندر مار رہا ہے۔ مجھے بتائیں میں کیا کروں۔''

عانیہ تو ہواؤں میں اڑنے لگی۔ ایسی لگاوٹ آج تک کہاں نصیب ہوئی تھی۔

''پانی کا ایک جگ اپنے اوپر انڈیل لیں اگر جاگ گئے تو سمجھ لیجیے گا خواب ہے۔''

وہ شوخی سے بولی تھی اس سارے عرصے میں پہلی بار اس کے لہجے میں کھنک سی گونجی تھی۔

''اور اگر یہ سچ مچ خواب ہوا تو۔'' وہ تڑپ کر بولا۔ ''پھر میں تو نہیں جی پاؤں گا۔''

عانیہ ہنس دی تھی۔

''میری بے بسی پر ہنس رہی ہیں؟'' وہ افسردگی سے بولا۔

''نہیں۔'' اس نے فوراً تردید کی۔

''پھر؟''

''پھر؟'' وہ الجھی۔ ''میں کیا جانوں۔''

''آپ ظالم بھی ہیں۔'' اس نے پھر کہا۔

''ایسا کون سا ظلم کیا ہے میں نے آپ پر؟''

''ظالم جان لے تو ظلم کرنا ترک نہ کر دے۔'' اس نے ٹھنڈی سانس بھری تھی جو بے بسی کی غماز تھی۔

''میری بے بسی پر ہنستی ہیں اور یہ بھی نہیں بتاتیں مداوا کیسے ہوگا یا یوں کہہ لیں علاج کیسے ہوگا۔ جو زخم دینا جانتے ہوں انہیں مرہم بھی لگانا چاہیے۔''

''میرا مشورہ مانیں کسی اچھے فزیشن سے رابطہ کریں۔ انشاء اللہ جلدی افاقہ ہوگا۔'' کچھ ہی دیر میں اس کی جھجک دور ہوگئی تھی۔ شاید کچھ اس لیے بھی پراعتماد ہوگئی تھی کہ کوئی موجود نہیں تھا۔

''بہت اچھے فزیشن سے بات کر رہا ہوں۔'' ترت جواب آیا۔ اسے چند لمحے لگے تھے بات کی گہرائی تک جانے میں۔ جیسے ہی سمجھی بے ساختہ ہنس دی۔

''باتیں خوب بنا لیتے ہیں آپ۔''

''اتنے گٹس ہیں تو نہیں...... غالباً آپ کی محبت کا اثر ہے۔ وہ جو شاعر کہتا ہے۔

میرا صاف سادہ مزاج تھا مجھے حسن و عشق کی کیا خبر

تیرے اک تبسم ناز نے، میرا سارا ذوق بدل دیا

''جی ہاں...... اتنے ہی تو سیدھے ہیں آپ؟'' طنزیہ بولی۔

''بہت۔'' وہ ہنس دیا۔

''بالکل جلیبی کی طرح؟''

''جلیبی مٹھی میں سما سکتی ہے؟'' عجیب سوال تھا۔

''مطلب؟'' وہ الجھی۔

''مجھے تو آپ نے مٹھی میں ہی قید کر رکھا ہے۔'' معصومیت کی انتہا ہوگئی عانیہ سلگ اٹھی شفاف ندی کی طرح خیالات بہنے لگے تھے ایک دم سے رکاوٹ آگئی۔

''عجیب آدمی ہیں آپ پہلے محبت کا اظہار کرتے ہیں پھر الزام لگاتے ہیں۔'' وہ جرح پر اتر آئی تھی۔

''یعنی محبت پر آپ یقین کر چکیں اور اب الزام بھی۔'' شریر و متبسم لہجہ تھا۔

''ہونہہ...... آپ کو خود مٹھی میں قید ہونے کا شوق تھا۔'' اس نے جھنجھلا کر ریسیور پٹخ دیا تھا۔

''بدتمیز...... جاہل آدمی...... پتا نہیں کہاں سے آ گیا۔'' وہ صوفے پر گر کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ ایک بات تو ہے یہ جو بھی کہتا ہے وہ واقعی دل کو چھوتا ہے کتنی سچائی ہے اس کی باتوں میں، لہجے میں۔

وہ سوچتی رہی الجھتی رہی، الجھنیں بعض اوقات نئے سوالوں کو جنم دیتی ہیں ان نئے سوالوں کے جوابات دینے کی جستجو ایسے

دروازوں پر لا کھڑا کرتی ہے جنہیں کھولے بنا چارہ نہیں ہوتا۔ عانیہ کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا اور اس رات اس نے ایک کی بجائے دو گھنٹے تک مظہر کو سوچا تھا اس کی باتیں لفظ بہ لفظ اس کے حافظے میں محفوظ تھیں وہ ہر بار انہیں پہلے جملے سے سوچنا شروع کرتی اور ہر جملے سے نئے نئے مطالب اخذ کرتی تھی۔

اگلے روز گیارہ بجے سے ہی اس کے کان فون کی جانب لگ گئے تھے۔اسے امید تھی وہ آج بھی فون کرے گا اور ایسا ہی ہوا تھا۔

عانیہ جتنی شدت سے منتظر تھی اس شدت کا ادراک ہوتے ہی بری طرح جھنجلائی تھی اور اسی پر برس پڑی تھی۔

''آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟''

''آپ کو چاہتا ہوں۔'' اس نے فوراً کہا۔ عانیہ چند لمحوں کے لیے خاموش رہ گئی تھی۔

''لیکن میں......نہیں چاہتی۔'' اس کا جملہ غیر متوازن اور بودا تھا۔

''یہ میری بدقسمتی ہے۔'' وہ مایوسی سے بولا۔

''تو میں کیا کروں؟'' وہ خود سے ہی ڈر گئی تھی۔

''محبت نہیں کرسکتیں تو رحم ہی کریں۔ مجھ سے دوستی کریں گی؟''

''نہیں۔'' اس نے فوراً کہہ دیا۔

''اتنا فوراً نہیں کہہ دیتے سوچ سمجھ لیں پھر جواب دیجیے گا۔ میں کل اسی وقت دوبارہ فون کروں گا۔'' فون بند ہوگیا تھا۔

''ہونہہ...... بڑا آیا دوبارہ فون کرنے والا...... میں اٹینڈ ہی نہیں کروں گی۔'' اس نے پکا فیصلہ کیا۔ تھوڑی دیر بعد فون ملا کر ثناء سے مشورہ مانگا۔

''بدھو! کیا ضرورت ہے اسے مایوس کرنے کی یار! موٹی آسامی ہے پھر تم پر دل و جان سے عاشق......فون پر بات کرنے کے لیے ہی تو کہتا ہے کرلیا کرنا اور تھوڑا عرصہ اس دوستی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عشق کرنا۔ شادی سے پہلے ان چھوٹے موٹے افیئرز کا اپنا ہی چارم ہوتا ہے۔''

''مظہر ٹھیک کہتا ہے۔ یہ ثناء تو بہت ہی چالاک ہے۔ کیسا مشورہ دے رہی ہے۔'' اس نے سوچا لیکن مشورے پر عمل کرنے کا فیصلہ بھی کرلیا لیکن اگلے دن پھر اس سے اگلے دن اور پھر اس سے بھی اگلے دن فون کی بیل خاموش رہی تھی۔

مظہر کی آواز سنے جیسے صدیاں بیت گئی تھیں۔

تبدیلی کا آغاز ایک نقطے سے ہی شروع ہوتا ہے یہ الگ بات کہ جب اس تبدیلی کا ادراک ہوتا ہے تو نقطہ، نقطہ نہیں رہتا وہ پوری ایک لکیر بن چکا ہوتا ہے اور پھر لکیر پیٹنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ جاتا۔

مظہر کا فون نہ آنے پر وہ جس قسم کی کیفیت کا شکار ہوتی تھی وہ اسے خود بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔ وہ جھنجھلا رہی تھی۔ وہ بے چینی تھی۔ طرح طرح کے خدشات اسے ہولا رہے تھے۔

وہ انسٹیٹیوٹ جاتی تو اس کی نظریں مظہر کو تلاش کرتی رہتی تھیں مگر وہ منظر سے بھی غائب ہو چکا تھا لیکن جب عانیہ مکمل طور پر مایوس ہونے لگی تو اس کا فون آ گیا۔

''آپ نے اب کیوں فون کیا ہے؟...... میں آپ سے بات نہیں کرنا چاہتی۔'' عانیہ کا لہجہ سلگ رہا تھا۔

''اصل میں، میں کچھ بزی تھا۔'' اس نے کہنا چاہا۔

''اور میں اتنی فارغ نہیں ہوتی کہ الٹے سیدھے فون ریسیو کرتی پھروں۔'' اس نے ریسیور پٹخ دیا پھر پچھتائی کہ کیوں نہ اس کی بات سنی۔ تب ہی دوبارہ فون بجنے لگا تھا۔

''جانتی ہیں آج میں نے کیا جانا؟'' اس کے لہجے کی کھنک ہی نرالی تھی۔

''یہی کہ محبت کے اس کھیل میں اب میں تنہا نہیں ہوں...... آپ بھی اس کھیل میں شریک ہو چکی ہیں۔''

عانیہ بری طرح چونکی یہ تو اس نے خود سے بھی نہیں کہا تھا اس نے کیسے جان لیا۔

''غلط فہمی ہے آپ کی۔'' وہ تڑخ سے بولی۔

''ذرا اپنے دل میں جھانک کر دیکھیے۔ پھر بتائیے کیا میں درست نہیں کہہ رہا۔'' عانیہ کو دل میں جھانکنے کی ضرورت نہیں تھی وہ اس کا دل تھا اور اپنے دل کو وہ کسی بھی دوسرے انسان کی نسبت زیادہ بہتر طریقے سے جانتی تھی۔

لیکن شاید یہاں آ کر اس نے اپنے دل کو غلط سمجھا تھا اسے اپنے دل سے اتنی جلدی گھٹنے ٹیک دینے کی امید نہیں تھی۔

لیکن اس وقت اس نے مظہر سے اپنی محبت کا اعتراف نہیں کیا تھا البتہ اس کو یقین دلا دیا تھا وہ اس سے محبت نہیں کرتی مگر وہ اس سے دوستی کرنے کے لیے راضی ہو گئی تھی اور مظہر اسی میں نہ صرف خوش تھا بلکہ اس کا بے حد شکر گزار بھی تھا۔

❁ ❁

ناول **بساطِ دل** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات آپ آنے والی ان تاریخوں (15^{th}, 20^{th}, 25^{th}) میں پڑھ سکیں گے۔

اگلے روز سے وہ ان ہی اوقات میں فون کرنے لگا تھا۔
وہ ہر روز فون کرتا چند ادھر ادھر کی باتیں ہوتیں اور فون بند ہو جاتا پھر رفتہ رفتہ کال کا دورانیہ بڑھنے لگا شروع شروع میں صرف وہ بولتا اور عانیہ سنا کرتی تھی پھر عانیہ بولنے لگی اور وہ دلجمعی سے اسے سننے لگا۔
وہ ہر روز فون کرتا اور کم وبیش ہر روز عانیہ سے اپنی محبت کا اعتراف کرنے پر زور دیتا مگر عانیہ اسے صرف دوست سمجھتی تھی کم سے کم زبان سے تو وہ یہی کہتی تھی لیکن بڑی خاموشی سے اس شخص کی اسیر ہوتی چلی جا رہی تھی جسے پہلی بار دیکھ کر اس نے دوسری نظر ڈالنا گوارا نہیں کیا تھا وہ اتنی متاثر کن باتیں کرتا تھا کہ عانیہ کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو وہ بھی اسی طرح اسیر ہو جاتی۔
مظہر اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا اس کے والد سندھ کے ایک نواحی گاؤں کے سردار تھے مگر وہ روایتی سرداروں سے بہت مختلف تھے اس کی سب سے بڑی نشانی یہ تھی کہ انہوں نے اپنی بیوی یعنی مظہر کی والدہ کو ملازمت کی اجازت دے رکھی تھی اور وہ ایک طویل عرصہ سے ملک کے ایک بہترین اور کثیر الاشاعت اخبار سے منسلک تھیں۔مظہر نے اپنی تعلیم لندن سے مکمل کی تھی اس کے والد چاہتے تھے کہ وہ لندن میں ہی اپنے بزنس کا آغاز کرے لیکن مظہر چونکہ جذبہ حب الوطنی سے سرشار تھا اس لیے وہ پاکستان واپس آ گیا تھا اور یہیں اپنے بزنس کا آغاز کیا تھا۔
یہ وہ سب معلومات تھیں جو مظہر نے وقتاً فوقتاً اسے فراہم کی تھیں اور ساری ہی باتیں خاصی متاثر کن تھیں لیکن عانیہ مظہر کے بزنس کے متعلق ہنوز لاعلم تھی کہ اس کی نوعیت کیا ہے وہ صرف اتنا جانتی تھی مظہر بزنس مین ہے اور اس سے محبت کرتا ہے۔بس اتنا کافی تھا۔
وہ اب اکثر ہی عادل کا موازنہ مظہر سے کرتی تھی شروع شروع میں عادل کے پاس شکل وصورت کے سوا ایسا کچھ نہ تھا جو اسے مظہر سے زیادہ نمبر دلوانے کا سبب بنتا خصوصاً دولت کے معاملے میں وہ انتہائی کورا تھا دولت مظہر کے پاس تھی اور وہ اسے عانیہ پر نچھاور کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔عادل کے پاس دولت ہی نہیں تھی تو ارادے کہاں سے آتے رفتہ رفتہ عانیہ کو مظہر کی شکل بھی اچھی لگنے لگی تھی اور وہ عادل کے مقابلے میں اسے پورے نمبر دینے لگی تھی۔محبت انسان کو جانبدار بنا دیتی ہے عانیہ کے ساتھ بھی وہی ہوا تھا۔
اسے عادل سے پہلے بھی کچھ شکوے تھے مگر اب یہ شکوے پہلے سے کہیں زیادہ جسیم ہو کر بدگمانی میں ڈھل گئے تھے۔
عانیہ،مظہر سے گیارہ سے بارہ یا اس کے بعد کے اوقات میں بات کرتی تھی جس روز یہ سلسلہ نہ بن پاتا وہ جھنجھلائی پھرتی جس طرح معمول کے کاموں میں دلچسپی کے لیے خوراک ضروری ہوتی ہے اس کیلئے مظہر سے بات کرنا ضروری تھا۔
انسٹیٹیوٹ جانے کی بجائے ایک روز وہ مظہر کی گاڑی میں بیٹھ کر ایک ریسٹورنٹ میں گئی تھی اسی ملاقات کے دوران مظہر نے اسے موبائل فون گفٹ کیا تھا۔بمشکل اس پندرہ منٹ کی ملاقات میں اس پر مظہر کے ساتھ گزاری جانے والی زندگی میں میسر ہونے والی

سہولیات کا نقشہ واضح ہوا تھا۔ وہ پہلا دن تھا جب اس نے بالآخر مظہر سے اپنی محبت کا اظہار کر دیا تھا۔

مظہر اس روز اتنا خوش تھا کہ اگر اس سے آسمان سے ستارے توڑ کر لانے کے لیے کہا جاتا تو وہ سر دھڑ کی بازی لگا کر توڑ لاتا اس بات کا اظہار اس نے برملا کیا تھا اور یہی بات جب اس نے ثناء کو بتائی تو وہ خاموشی سے اسے دیکھتی چلی گئی تھی۔

''ایک بات کہوں عانیہ! یہ بات میں پہلے تم سے کرنا چاہتی تھی مگر ہمت نہیں ہوئی کہیں تم برا نہ مان جاؤ۔''

''ارے ایسی کیا بات ہے؟'' وہ حیران ہوئی اور سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

''میری بات کا غلط مطلب مت لینا اصل میں تو میں تمہارا ہی فائدہ چاہتی ہوں۔'' وہ جھجکتے ہوئے بولی۔

''مجھے لگتا ہے تم اس شخص کے ساتھ سنجیدہ ہوتی جا رہی ہو حالانکہ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔''

''اس سے دوستی کا مشورہ تمہیں نے مجھے دیا تھا۔'' عانیہ نے کہا۔

''دوستی کا مشورہ دیا تھا انوالو ہو جانے کا نہیں...... میں محسوس کر رہی ہوں تم ہر وقت اس کے بارے میں بات کرتی رہو مظہر نے یہ کہا، اسے یہ پسند ہے یہ ناپسند ہے۔ تمہیں عادل کی پسند نہ پسند کا خیال رکھنا چاہیے میں نے کہا تھا تھوڑا عرصہ اسے بے وقوف بناتی رہو مگر تم خود بنتی جا رہی ہو۔ یار! تم نے اسے غور سے دیکھا ہے وہ تمہارے قابل نہیں ہے۔''

اسے ثناء کی باتیں بری لگی تھیں۔ اس کے پاس کون تھا جس سے سب کچھ شیئر کرتی گو کہ اپنی بہنوں سے اس کی ذہنی سطح مختلف نہ تھی لیکن یہ وہ معاملہ تھا جس پر اس کا دل ہی اسے ان سے بات کرنے سے روکتا تھا (اور ایسا کرتے ہوئے وہ بھول جاتی تھی کہ پردہ ان ہی باتوں کا رکھا جاتا ہے جو غلط ہوں) لے دے کے ثناء ہی رہ جاتی تھی جس سے وہ ہر بات کچھ ردوبدل سے کر لیتی تھی لیکن اب اس نے ثناء سے کوئی بات نہ کرنے کا پکا عہد کیا تھا گو کہ اس وقت اس نے ثناء کی بات کی تردید ہی کی تھی لیکن اب اس کی ثناء سے دوستی میں کمی آتی چلی گئی تھی انسٹیٹیوٹ جانا نہیں ہوتا تھا اس لیے بے حد خاموشی سے وہ ثناء سے منہ موڑتی چلی گئی۔

شفق کے پاؤں میں چوٹ لگنے کی وجہ سے چونکہ اسے تنہائی میسر نہیں آتی تھی اس لیے وہ مظہر سے بات نہیں کر پاتی تھی۔ انہیں دنوں ثانیہ کے سلسلے میں کچھ خواتین آئی تھیں جنہوں نے قرعہ فال اس کے نام نکالا تھا۔ وہ حلیمہ کی غیر موجودگی میں آئی تھیں تب وہ چائے کا بہانہ بنا کر اٹھ گئی تھی اور اس نے موبائل پر مظہر سے بات کر لی تھی مگر یہ بتانا بھول گئی تھی کہ شفق کچھ روز گھر پر رہے گی اور اس دوران وہ فون نہ کرے۔

اصل مسئلہ شروع ہی یہاں سے ہوا تھا۔

جتنی بار مظہر فون کرتا وہ اس سے بات نہ ہو پانے کے غم میں جھنجھلاتی اور ری ایکٹ کرتی نیتجتاً اس کا مزاج گھر کے ہر فرد کے لیے ناقابل برداشت ہوتا جا رہا تھا۔

لیکن اب سب کچھ ٹھیک تھا وہ مظہر سے بات کر لیتی تھی اور خوش رہتی تھی اس نے اس کے الفاظ کی روشنی میں ایک بار پھر مستقبل

کے حسین خواب بننا شروع کر دیے تھے اس کے دن رات ان ہی خوابوں کے زیر سایہ کٹنے لگے تھے۔

''کریلے پکا رہی تھی۔''

''کریلے بھی کوئی کھانے کی چیز ہیں مجھے بالکل پسند نہیں مجھے صرف پرانز کی ڈشز پسند ہیں یا پھر چکن...... آئی ہیٹ ویجی ٹیبلز...... جب تم میرے گھر آ جاؤ گی تو میں تمہیں کچن میں جانے نہیں دیا کروں گا تم صرف بیٹھ کر آرام کیا کرو گی سارے کام ملازم کیا کریں گے۔'' وہ کہا کرتا تھا۔

''سارا دن میں پھر کیا کیا کروں گی؟ مجھ سے تو فارغ بالکل نہیں بیٹھا جاتا۔''

اس روز وہ بے چارگی سے بولی تھی۔ دوسری جانب اس کی دلکش سی ہنسی گونجی تھی۔

''آپ ہنس کیوں رہے ہیں؟'' اس نے الجھ کر پوچھا تھا۔

''آپ کی ناسمجھی پر ہنس رہا ہوں...... محترمہ! آپ فارغ نہیں رہا کریں گی ہم آپ کو بہت سے کام سے لگا کر رکھا کریں گے۔'' اس کا لہجہ شریر تھا۔

''اپنے کپڑے استری کرنے کے لئے تو نہیں کہیں گے؟'' اس نے جلدی سے پوچھا۔

''مجھے یہ کام بہت برا لگتا ہے۔''

''ایسی کی تیسی سب ہی کاموں کی۔'' وہ بولا۔

''کہہ تو رہا ہوں تمہارے خوبصورت ہاتھ پھر یہ معمولی کام نہیں کیا کریں گے۔ یہ سب تو ملازموں کے کام ہیں تمہاری ڈیوٹی سب سے ہٹ کر ہو گی سب سے خاص۔''

''مجھے بھی ملازموں کی صف میں کھڑا کر رہے ہیں؟'' اس نے مصنوعی غصے سے پوچھا۔

''آپ کے حضور تو ہم خود ملازم ہیں ملکہ عالیہ۔'' اس نے عاجزی سے کہا وہ زور سے ہنس دی۔

''اچھا مجھے کیا کرنا ہو گا؟'' اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

''مجھ سے محبت۔'' ترت جواب آیا۔

''ابھی بھی تو کرتی ہوں۔'' وہ خفا ہوئی۔

''میں نے کب انکار کیا...... لیکن یہ محبت اور طرح کی ہے جیسے کتابوں میں لکھی ڈل اور بورنگ تھیوریز۔ جو شروع شروع میں بہت اٹریکٹ کرتی ہیں مگر آہستہ آہستہ اپنا چارم کھونا شروع کر دیتی ہیں تاوقتیکہ پریکٹیکل ورک نہ کر لیا جائے۔ سمجھ رہی ہو نا میرا مطلب...... یا مزید تفصیل سے بتاؤں؟''

''پلیز آپ ایسی باتیں نہ کریں۔'' شرم سے اس کی آواز بھی بند سی ہوگئی تھی مظہر کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''یار! تم کون سی دنیا کی مخلوق ہو؟ آج کل کی لڑکیاں جو کام کر کے نہیں گھبراتیں تم اس کے بارے میں سن کر گھبرا گئی ہو۔''

''بالکل......شرم وحیا بھی کوئی چیز ہوتی ہے یا نہیں پھر آپ جانتے ہیں میں عام لڑکیوں سے بالکل مختلف ہوں۔'' اس کے لہجے میں تفخر تھا۔

''ہاں یہ تو ہے بلکہ میں تو اس بات کی قدر کرتا ہوں۔ شرم وحیا تو آج کل بالکل ہی ناپید ہو چکی ہے......لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ تم میری کوئی بات ہی نہ مانو سن لو شادی کے پہلے ہی سال تمہیں مجھے پیارے پیارے ٹوئن بے بیز کا تحفہ دینا ہوگا۔'' وہ لہجہ بدل کر بولا۔

''مظہر میں فون بند کر دوں گی۔'' اس کے کانوں کی لویں تک دہک اٹھی تھیں۔

''کیوں بھئی......کیا تمہیں میرے پیارے پیارے بچوں کا ذکر اچھا نہیں لگ رہا؟ یار تم کیسی ماں ہو۔'' وہ اس کی بے بسی سے حظ اٹھا رہا تھا۔

''مظہر......'' وہ شرم وحیا سے دوہری ہوئی جا رہی تھی اور وہ تھا کہ باز ہی نہیں آ رہا تھا۔

''آئی وش تم اس وقت میرے سامنے ہوتیں تا کہ تمہارے چہرے کے سارے رنگ میں اپنی آنکھوں میں بھر لیتا۔'' اس کا گمبھیر متبسم لہجہ عانیہ کے ہوش اڑائے دے رہا تھا۔ تب ہی سیڑھیوں پر سے نرمین کی آواز سنائی دی تھی وہ اسے پکارتی ہوئی اوپر آ رہی تھی۔ عانیہ نے بری طرح گھبرا کر موبائل فون چارپائی پر ڈھیر بستروں کے نیچے گھسا دیا۔

''عانی آپی! کیا کر رہی ہیں؟'' اس نے دروازے سے منہ نکال کر پوچھا تھا۔

خوف اور ایک انجانا سا احساس عانیہ کے رگ وپے میں اترتا چلا گیا۔ چوری کرتے ہوئے پکڑے جانے والے چور کی جو حالت ہو سکتی ہے اس کی حالت کم وبیش وہی تھی۔

''میں کچھ خاص نہیں فیروزی سوٹ کا دوپٹا ڈھونڈ رہی تھی۔ پپ...... پتا نہیں کہاں رکھ دیا......مل ہی نہیں رہا۔ تم نے دیکھا ہے کہیں؟'' اپنی متغیر صورت چھپانے کے لیے اس نے رخ ہی دوسری جانب موڑ لیا تھا۔

''میں نے نہیں دیکھا......عانی آپی! آپ کس سے بات کر رہی تھیں؟''

عانیہ دھک سے رہ گئی۔ تو کیا وہ سب کچھ سن چکی ہے؟

''مم......میں، میں کس سے بات کر سکتی ہوں یہاں ہے کون؟'' اس نے پتا نہیں کیسے کہا تھا۔

''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی نرمین! میں تو دوپٹا ڈھونڈ رہی ہوں۔''

''ہاں ہو سکتا ہے مجھے غلط فہمی ہوئی ہو لیکن......'' وہ خود بھی الجھ رہی تھی۔

''میں نے سنا آپی! کسی نے اونچی آواز میں مظہر کہا تھا اس وقت میں آخری سیڑھی پر تھی۔''

''اوہ۔'' عانیہ کو خاصی طمانیت محسوس ہوئی گویا وہ ساری بات نہیں سن پائی۔

''وہ تو میں نے ہی کہا تھا۔ آج ثناء سے بات ہو رہی تھی اس نے بتایا تھا اس نے بھانجے کا نام مظہر رکھا ہے۔ مجھے بہت اچھا لگا یہ نام۔ اب بھی شاید بے دھیانی میں یہی سوچ رہی تھی۔ تمہیں تو پتا ہے بے دھیانی میں، میں اونچا بول جاتی ہوں اب بھی یہی ہوا تھا۔'' اس نے ہنستے ہوئے گویا بات کو ہلکا پھلکا بنانے کی کوشش کی تھی۔

''پھر آپ عادل بھائی سے کہیں وہ اپنا نام بدل لیں گے۔'' زمین شرارت سے بولی تھی اور عانیہ کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ اس کا دھیان سرکنے لگا ہے۔

''جیسے وہ تو مان لے گا۔'' اس نے استہزائیہ ہنسی کے ساتھ کہا۔

''کوئی کسی کے لیے نہیں بدلتا۔ چاہے وہ نام ہی کیوں نہ ہو۔'' اس کا لہجہ متنفر تھا۔

''خیر ایسی بات بھی نہیں۔ اگر محبت ہو تو بہت کچھ بدلا جا سکتا ہے نام سمیت۔'' وہ اپنی مخصوص لاپروائی سے بولی تھی۔

''اور عادل بھائی تو بہت اچھے ہیں۔''

''ایک بات سمجھ نہیں آتی تم سب لوگ عادل کی اتنی تعریف کیوں کرتی ہو۔'' اس نے یکا یک قدرے اکتا کر پوچھا تھا۔

''جو تعریف کے قابل ہوتا ہے اس کی تعریف ہی کی جاتی ہے۔ اور میں جانتی ہوں ان کی تعریف سن کر آپ کو خوشی بھی بہت ہوتی ہے۔ بس ظاہر نہیں کرتیں۔'' زمین نے شرارت سے اسے دیکھا۔

''ہاں مجھ سے زیادہ خوشی اور بھلا کسے ہو سکتی ہے۔'' اس کا انداز ابھی بھی طنزیہ تھا۔

''میں یہ بات جا کر عادل بھائی کو بتاتی ہوں۔ وہ بھی خوش ہوں گے لیکن ظاہر نہیں کریں گے۔ آپ دونوں کا میچ پرفیکٹ ہے دونوں ہی گھنے ہیں۔'' زمین ہنسی۔

''اب فون کرو گی۔''

''فون کیوں کرنے لگی۔ عادل بھائی اور رفعت چچی جان نیچے آئے بیٹھے ہیں میں آپ کو یہی بتانے آئی تھی۔ جلدی سے آجائیں دوپٹا پھر کبھی ڈھونڈ لیجیے گا۔''

وہ جلدی جلدی بولتی زینے کی جانب بھاگ گئی تھی عانیہ تب تک کھڑی رہی جب تک اس کے تیز تیز قدموں کی چاپ معدوم نہیں ہو گئی۔

وہ گہری پرسکون سانس بھرتی چارپائی پر بیٹھ گئی تھی ایک بھاری سل تھی جو اس کے دل سے سرک گئی تھی۔ یہ تو طے تھا کہ زمین نے

کچھ نہیں سنا اور جو کچھ اس نے سنا عانیہ اسکی وضاحت دے کر اسے مطمئن کر چکی تھی اور اب وہ خود کو کسی بھی بوجھ سے آزاد محسوس کر رہی تھی۔

کون کہتا ہے دھوکا دینا مشکل ہوتا ہے؟ دھوکا دینا تو بالکل بھی مشکل نہیں ہوتا اور یہ عانیہ نے تجربے سے سیکھا تھا۔

☆......☆......☆

''بھئی تم سے بھی تو حد ہے زری! مجال ہے جو کبھی فرصت سے آجاؤ۔ جب بھی آتی ہو یونہی ہوا کے گھوڑے پر سوار، اتنی جلدی تو آتی بھی نہیں ہو جتنی جلدی واپس جانے کا شور مچا دیتی ہو۔'' شمسہ نے بے حد اپنائیت سے شکوہ کیا تھا۔

''سمجھا کریں ناں مما! دراصل یہ اپنی اہمیت جتانے کا طریقہ ہے۔ کیوں پھپھو! ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟'' اسوہ نے چائے کی ٹرالی اپنی طرف گھسیٹتے ہوئے شرارتی نظروں سے زری کو دیکھا تھا۔

''بھابھی جان کا شکوہ تو سمجھ میں آتا ہے تم کس حساب سے جتا رہی ہو؟'' زری نے خفگی سے اسوہ کو گھورا تھا۔

''ذرا سوچ کر بتاؤ آخری بار تم کب آئی تھیں میری طرف؟''

''اچھا تو اسوہ آپی کی کوتاہی کا بدلہ ہم سے لیں گی آپ؟'' اس سے قبل کہ اسوہ کوئی مناسب جواب تلاشتی نشوا نے زری سے زیادہ خفگی سے کہا تھا۔ اسوہ نے شکر گزار نظروں سے اسے دیکھا پھر سر جھکا کر چائے میں شوگر مکس کرنے لگی۔

''ارے نہیں میری جان! بدلہ کیوں لوں گی میں...... اصل میں تو ایک اور ابیہا بہت تنگ کرتے ہیں بس اسی لیے آنا جانا ذرا کم ہوا ہے۔''

''لو تم تو یوں کہہ رہی ہو جیسے بالکل ہی دونوں گود کے بچے ہیں میں سمجھ رہی ہوں۔ یہ سراسر بہانہ ہے لیکن آج تو میں بالکل بھی نہیں جانے دوں گی ڈنر تو تم لوگوں کو ہمارے ساتھ ہی کرنا ہوگا کیوں جہانگیر؟'' شمسہ نے بے حد استحقاق سے کہتے ہوئے جہانگیر لاشاری کو بھی شامل گفتگو کیا تھا۔

''بالکل...... اس سے اچھی بات تو اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔'' جہانگیر لاشاری سو فیصد متفق تھے۔

''تمہاری بھابھی بالکل درست کہہ رہی ہیں زری! تم لوگ ڈنر ہمارے ساتھ کرو شہباز کو بھی اب میرا خیال ہے آفس تو نہیں جانا۔'' انہوں نے سوالیہ نظروں سے شہباز کی جانب دیکھا تھا۔

''انہیں آفس تو نہیں جانا بلکہ آج یہ تھوڑا جلدی آگئے تھے اسی لیے ہم لوگ آگئے ورنہ انہوں نے تو آفس کو سر پر سوار کیا ہوا ہے۔ گھر کو بھی آفس بنائے رکھتے ہیں ایک ہاتھ سے موبائل کان سے لگا رکھا ہوتا ہے دوسری طرف فائلز دیکھی جا رہی ہوتی ہیں تیسری طرف نقشے پھیلائے ہوتے ہیں۔ سچ پوچھیں تو میرے نہ آنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ تنہا کہیں بھی جانا مجھے پسند نہیں اور انہیں فرصت ہی نہیں ملتی۔ اب ہالینڈ کا بھی ایک پروجیکٹ لے لیا ہے۔ ایک ٹانگ وہاں ہوا کرے گی ایک یہاں...... مجھے تو ان کا آفس، آفس کم اپنی سوکن زیادہ لگنے

لگا ہے۔‘‘زری کے جلے ہوئے انداز پر ایک قہقہہ بلند ہوا تھا شہباز صاحب کی اپنی ہنسی بھی شامل تھی۔

’’تو گویا میکے آنے کا واحد مقصد صرف یہی ہے کہ میری شکایتیں لگائی جاسکیں۔‘‘

’’اور آپ کے نہ لانے کا واحد مقصد یقیناً یہی ہے کہ آپ کی شکایتیں نہ لگائی جاسکیں۔‘‘نشوا ہنستے ہوئے بولی اور اس سے قبل کہ نئی بحث چھڑتی شمسہ پھر سے پہلے والے موضوع پر آ گئیں۔

’’بس ٹھیک ہے پھر......ڈرائیور کو بھیج کر بچوں کو بلوا لیتے ہیں اور ولی بابا سے کہہ کر تمہاری پسند کی بہت اچھی سی بریانی بھی بنواتی ہوں۔‘‘شمسہ اٹھنے کے لیے پر تول رہی تھیں لیکن زری نے ہاتھ پکڑ کر واپس بٹھا دیا تھا۔

’’بھابھی جان! ڈنر پھر کسی روز کے لیے اٹھا رکھتے ہیں ایک تو یہ کہ گنجائش بھی نہیں ہے دوسرا بچے بہت تنگ کریں گے۔لالا جان ڈسٹرب ہوں گے۔‘‘

’’اب اپنے بچوں سے بھی کوئی ڈسٹرب ہوتا ہے کیا۔‘‘

جہانگیر لاشاری نے خفگی سے کہا۔وہ بیڈ پر نیم دراز تھے زری وہیں ان کے پاؤں کے قریب ریلیکس انداز میں آلتی پالتی مارے بیٹھی تھیں جبکہ نشوا ان کے دائیں جانب بیٹھی تھی جہانگیر لاشاری کی طبیعت کے پیش نظر وہ سب لوگ بیڈ روم میں ہی موجود تھے۔شمسہ، اسوہ اور شہباز سامنے رکھے صوفوں پر بیٹھے تھے درمیان میں میز پر ریفریشمنٹ کے لوازمات رکھے ہوئے تھے۔

’’نہیں ہوتا ڈسٹرب......مگر یقین کریں لالا جان! میرے بچوں میں تو لگتا ہے شیطان کی روح سمائی ہوئی ہے۔جانے کس پر چلے گئے دونوں ہی......اسپیشلی ایبک نے تو سچ مچ میرے ناک میں دم کر رکھا ہے مجال ہے جو کوئی بات مان لے شرارتی بھی تو بہت ہوتا جا رہا ہے۔حالانکہ ففتھ اسٹینڈرڈ میں آ گیا ہے لیکن جیسے جیسے عمر بڑھ رہی ہے اس کی ضد اور ہٹ دھرمی بھی بڑھتی جا رہی ہے جب تک ان کی ٹیوٹر آتی تھی میں بے فکر تھی اور مطمئن بھی۔جب میری بات نہیں مانتے تھے تو اس سے کہہ دیا کرتی تھی وہ بڑے اچھے طریقے سے سمجھا دیا کرتی تھی اور سچ بات تو یہ ہے کہ اس کی بات دونوں مانتے بھی بہت تھے لیکن اب لگتا ہے ایک اضافی ڈیوٹی لگ گئی ہے۔‘‘زری کے انداز سے اچھی خاصی فکرمندی جھلک رہی تھی۔

’’آپ ہی انہیں سمجھایئے بھابھی! آخر اس میں اتنا پریشان ہونے کی بات ہے بھی کیا؟ بڑھتی عمر کے بچے تو عموماً چھوٹی موٹی شرارتیں کر ہی لیا کرتے ہیں ہمارے بچے کوئی دنیا سے نرالے تو نہیں ہیں کہ اس بات کو سر پر ہی سوار کر لیا جائے۔‘‘شہباز نے اکتائے ہوئے لہجے میں شمسہ سے کہا تھا۔

’’آپ تو یہی کہیں گے۔‘‘زری شکایتی لہجے میں بولیں۔

’’خود تو لاڈ اٹھا کر ایک طرف ہو جاتے ہیں سختی تو مجھے ہی کرنا پڑتی ہے پہلے ہلکی پھلکی ڈانٹ ڈپٹ سے کام چل جایا کرتا تھا اور اب تو

یہ حال ہے کہ غصے میں دو ایک لگا بھی دیتی ہوں مگر ایبک تو بالکل ہی ڈھیٹ ہوتا جا رہا ہے۔ بات بات پر ضد کرتا ہے ہٹ دھرمی دکھاتا ہے۔''

''بچوں کی سائیکالوجی سمجھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ آپ تو چاہتی ہیں اتنی سی عمر میں بچہ سب کچھ سمجھ لے بڑوں کی طرح میچور ری ایکٹ کرے جب کہ ایسا نہیں ہوتا جب بچے کی کسی بات کو رد کیا جاتا ہے تو وہ اسے اپنی نفی تصور کرتا ہے اور لاشعوری طور پر اپنی حیثیت برقرار رکھنے کے لیے بچہ وہ سب کچھ کرتا ہے جس سے اسے منع کیا جا رہا ہوتا ہے...... اس لیے بچے کو سمجھانے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اس کی سطح تک آکر معاملات طے کیے جائیں پھر اپنی بات منوائی جائے۔'' اسوہ نے پوائنٹ دیا تھا۔

''ایگزیکٹلی۔'' شہباز متفق ہوئے تھے۔

''میں تمہاری بات سے انکار نہیں کر رہی اسوہ۔ لیکن بعض اوقات بچوں کو سمجھانا دنیا کا مشکل ترین کام ہو جاتا ہے اب یہی دیکھ لو۔ تین روز پہلے ایک نئے ٹیوٹر کا بندوبست کیا تھا دونوں نے مل کر بے چارے کو اتنا زچ کیا کہ آج وہ انکار کر کے چلتا بنا۔ سزا کے طور پر ہی دونوں کو نہیں لائی۔ ابیہا تو پھر بھی کچھ سمجھ دار ہے لیکن ایبک۔''

''وہ پہلے بھی تو ایک ٹیوٹر آیا کرتی تھی اور اس کی تو تم تعریف بھی بہت کرتی تھیں کہ اچھی ہے۔'' شمسہ نے بھی حصہ لیا تھا۔

''ارے بھابھی جان! صرف اچھی نہیں تھی وہ بلکہ بہت اچھی تھی اتنی اچھی لڑکیاں تو قسمت سے ملا کرتی ہیں۔'' زری کا انداز بے ساختہ تھا کہ ایک بار پھر سب ہی ہنس دیے۔

''لیکن افسوس...... ایبک تو ابھی بہت چھوٹا ہے۔'' اسوہ شرارت سے بولی تھی۔

''ایبک چھوٹا ہے۔ شہباز تو چھوٹے نہیں ہیں...... کیوں شہباز۔'' شمسہ نے بھی لقمہ دیا تھا۔

''کیوں مجھے پٹوانے کا بندوبست کر رہی ہیں بھابھی!'' شہباز نے گھبرا کر کہا تھا جبکہ لبوں پر گہری مسکراہٹ تھی۔

''توبہ ہے...... بھلا میں کیوں پٹائی کروں گی۔ میسنا پن تو ان مردوں پر ختم ہے۔'' زری نے بھی مسکرا کر بدلہ چکایا۔

''روز صبح اتنے اچھے طریقے سے ڈریس اپ ہو کر آفس جاتے ہیں پرفیوم کی پوری بوتل انڈیل کر میں نے تو کبھی اعتراض بھی نہیں کیا حالانکہ جانتی ہوں ایک عدد خوبصورت سیکرٹری بھی ان کے آفس میں موجود ہے۔'' چڑانے والی بے ساختہ سی مسکراہٹ دونوں طرف ہی موجود تھی جبکہ شہباز کا قہقہہ بے حد بے ساختہ تھا۔

''مجھے نہیں پتا تھا میری بیوی اتنی شکی مزاج ہے۔''

''ملبہ پھر بھی ہم پر ہی گرے گا۔ اپنی غلطی نہیں مانیں گے آپ۔''

''کون سی غلطی...... جو میں نے کی ہی نہیں۔'' شہباز شرارت سے کہہ رہے تھے۔

''چلو صرف تمہاری تسلی کے لیے مان لیتا ہوں ہمیں اللہ نے صرف ایک شادی کی اجازت دی تھی جو ہم کر چکے...... دوبارہ موقع

بھی ملا تو نہیں کریں گے...... ہر کوئی جہانگیر لالا جیسا خوش قسمت تو ہوتا نہیں۔'' شہباز نے ہتھیار ڈالتے ہوئے بھی چڑانا نہیں چھوڑا تھا۔

''دیکھ لیں لالا جان! آپ کے سامنے ہی آپ کی بہن کو بددعائیں دی جا رہی ہیں۔''

''ارے...... توبہ کرو بیگم...... میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔'' شہباز نے سہم کر کہا جبکہ لبوں پر مسکراہٹ واضح تھی۔

''کچھ نہیں کہا پھر بھی سب کہہ دیا...... لالا پہ رشک کرنے کا اور کیا مقصد ہے بھلا؟...... میں سب سمجھ رہی ہوں مگر کسی خوش امیدی میں مت رہیے کیونکہ دوبارہ موقع ملے گا ہی نہیں لالا جان نے نوشابہ بھابھی کے انتقال کے بعد شادی کی تھی اور میرا آپ کو اتنی جلدی چھوڑ جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے...... دیکھ لیجیے گا...... انشاء اللہ۔'' زری نے بڑے پرجوش طریقے سے اپنے عزم کا اظہار کیا تھا۔

''ویری گڈ پھپھو۔ دیٹس دا اسپرٹ۔'' اسوہ نے تالی بجا کر بک اپ کیا۔

''لاحول ولاقوۃ۔'' شمسہ فہمائشی لہجے میں بولیں۔

''الٹی سیدھی باتیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے اللہ تمہیں لمبی زندگی دے۔''

''بالکل بالکل...... میں تو خود بھی یہی چاہتا ہوں۔'' شہباز نے فوراً کہا۔

''لیکن ایک بار مجھے جہانگیر لالا سے پوچھنے دیں کہ آپ سے شادی کرنے کے لیے انہوں نے کون سے وظیفے کیے تھے۔'' ان کے انداز میں ابھی بھی شریری سنجیدگی تھی۔

''وظیفے تو مقاصد کے حصول کے لیے کیے جاتے ہیں جبکہ میرا تو شمسہ سے شادی کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔'' جہانگیر لاشاری نے زیر لب مسکراتے ہوئے سادگی سے جواب دیا تھا کہ سب سے زیادہ ان کی بیٹیاں ہی چونکی تھیں نہ صرف چونکی تھیں متجسس بھی ہوئی تھیں۔ نشوا نے تو فوراً ہی سوال بھی جڑ دیا تھا۔

''پھر آپ کی شادی مما سے کیسے ہوگئی؟ دادا دادی جان نے زبردستی آپ کی شادی کر دی ہوگی۔'' اس نے فوراً سے بھی پہلے اندازہ لگا لیا تھا۔

''نہیں بیٹا۔'' جہانگیر لاشاری خوش گوار لہجے میں بولے۔

''ان دونوں نے تو ساری زندگی ہم بہن بھائیوں پر اپنا کوئی فیصلہ مسلط نہیں کیا تھا ہمیں فیصلے کا اختیار تھا۔ انفیکٹ آپ کی بڑی ممی سے شادی کا فیصلہ بھی سو فیصد میرا اپنا تھا اور آپ کے دادا اور دادی جان نے کوئی اعتراض بھی نہیں کیا تھا باقی بات رہی شمسہ سے شادی کرنے کی...... تو انہیں میں نے نہیں بلکہ اسوہ نے پسند کیا تھا۔''

''رئیلی پاپا۔'' اسوہ تو اس انکشاف پر حیرت سے گنگ ہی رہ گئی تھی۔ اس نے تیزی سے اپنے حافظے پر زور ڈالتے ہوئے شمسہ کو بھی بے یقینی سے دیکھا جو خوب صورتی سے مسکرا رہی تھیں۔

''آف کورس۔'' وہ مسکرائے تھے۔

''آپ نے کہا تھا...... پاپا! یہ آنٹی بہت اچھی ہیں آپ ان سے شادی کرلیں۔'' وہ جیسے ایک دلچسپ واقعہ یاد کر رہے تھے۔

''یہ کب کی بات ہے مجھے تو بالکل بھی یاد نہیں آرہا۔'' اسوہ نے ذہن پر زور دیتے ہوئے پوچھا۔

''اس وقت تم تین یا ساڑھے تین سال کی تھیں...... مجھے بھی یاد ہے اسوہ نے یہ بات ہم سب کے سامنے ہی کہی تھی۔'' زری نے بھی جیسے اس بات کو یاد کرتے ہوئے کہا پھر شمسہ سے مخاطب کر کے بولیں۔

''لیکن بھابی! آپ یہ مت سمجھیے گا کہ لالا جان نے صرف اسوہ کی بات مانی تھی درحقیقت آپ انہیں پسند آچکی تھیں بس اعتراف کرنے میں دیر لگا رہے تھے۔ اسوہ نے کہا اور یہ فوراً راضی ہو گئے۔ ورنہ اس سے پہلے بھی تو اموجان کئی بار ان سے دوسری شادی کے لیے کہہ چکی تھیں اور ہر بار یہ انکار کر دیتے تھے۔''

''مجھے مت بتاؤ زری۔'' شمسہ نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے متبسم لہجے میں کہا اور جتاتی نظروں سے جہانگیر لاشاری کو دیکھا جو دل و جان سے ان ہی کی طرف متوجہ اگلی بات سننا چاہتے تھے۔

''اٹھارہ سال ہو چکے ہیں ہماری شادی کو...... ماشاء اللہ اور اتنے عرصے میں، میں تمہارے لالا کو بہت اچھی طرح سمجھنے لگی ہوں...... دوسروں کے کندھوں پر رکھ کر بندوق چلانا انہیں خوب آتا ہے۔'' وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی تھیں جبکہ جواب میں جہانگیر لاشاری کا بے ساختہ قہقہہ گونج اٹھا تھا۔

''جو بھی ہے...... پھر بھی پاپا! آپ کو مجھے تھینک یو تو کہنا ہی چاہیے۔''

دروازے سے باہر نکلتے ہوئے شمسہ نے اسوہ کو اصرار کرتے سنا تھا اور بے حد آسودگی بھری مسکراہٹ انکے لبوں پر پھیل گئی تھی۔

سرسری انداز میں کیے جانے والے فیصلے کبھی اتنے سودمند ثابت ہو سکتے ہیں یہ شمسہ نے جہانگیر لاشاری سے شادی کے بعد ہی جانا تھا۔ محبت، خلوص، ایمان داری...... وہ تین چیزیں ہیں جو کسی بھی رشتہ میں کامیابی کی دلیل ہوتی ہیں اور جہانگیر سے انہیں یہ تینوں چیزیں ملی تھیں۔

وہ کیسے مطمئن نہ ہوتیں کیسے خوش نہ ہوتیں زندگی میں سب ہی کچھ تو تھا ان کے پاس۔ معاشرے میں ایک اعلیٰ مقام۔ بے حد محبت اور عزت کرنے والا شوہر باادب قسم کی بیٹیاں اور ایک عدد بیٹا...... ہتھے سے اکھڑا ہوا، بدتمیز اور کسی حد تک کم عقل، ظاہر ہے جو اپنا اچھا برا تک نہ پہچان سکے اسے کم عقل نہیں تو اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

زندگی دو صورتوں میں ہی بے سکون ہو سکتی ہے ایک تو یہ کہ اللہ سے شکوہ ہو یا دوسری صورت میں خلق خدا سے گلہ ہو اور شمسہ ان دونوں معاملات میں ہی خوش قسمت تھیں کہ کبھی اللہ سے شکوہ پیدا ہوا اور نہ ہی اس کی مخلوق سے گلہ کرنے کی نوبت آئی بس ایک حنان تھا جس

کی جانب سے ملنے والی پریشانیاں بعض اوقات زندگی کی ساری خوب صورتیوں کو گہنانے کا سبب بن جاتی تھیں۔

اب بھی گو کہ انہیں یقین نہیں تھا بس ایک خدشہ تھا جو رہ رہ کر دل میں اٹھتا تھا اور جس کے محض خدشہ ہی رہ جانے کی وہ مسلسل دعا کر رہی تھیں کہ جہانگیر لاشاری کی خرابی کے پیچھے کسی نہ کسی طرح حنان کا ہی ہاتھ ہے جس موڈ میں وہ گھر سے نکلا تھا کم سے کم شمسہ کو تو وہ کسی اگلے طوفان کا پیش خیمہ ہی لگا تھا۔

کس قدر خوش گوار موڈ میں وہ کمرے سے نکلی تھیں لیکن حنان کے خیال کے ساتھ ہی گویا ساری خوش گواری بھک سے اڑ گئی تھی۔

شاہنواز سامنے سے آ رہا تھا۔ بہ عجلت سلام کرتا تیزی سے قریب سے گزر گیا لیکن آگے نکل کر کچھ خیال آیا تو رک کر پلٹا۔

''خالہ امی!......وہ۔'' شمسہ یونہی سر جھکائے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی زینے کی جانب آ رہی تھیں۔ شاہنواز رکا تو اپنی ہی غرض سے تھا لیکن شمسہ کے چہرے پر پھیلے تاثرات دیکھ کر قدرے ٹھٹکا پھر انہوں نے سلام کا جواب بھی نہیں دیا تھا جبکہ جواباً سلامتی بھیجنا ان کی پختہ عادت تھی۔

''خیریت؟......بڑی گہری سوچ میں ہیں؟'' وہ بالکل قریب آئیں تو شاہنواز نے سرسری مگر خوشگوار انداز میں پوچھا تھا۔

شمسہ مسکرائیں اب اتنی گہری سوچ میں بھی نہیں تھیں کہ چونک جاتیں۔ سلام کا جواب بھی دیا تھا مگر اتنی آہستگی سے کہ خود اپنی سماعت تک بھی بمشکل پہنچا تھا۔

''کچھ خاص نہیں......ڈنر کے لیے مینیو سوچ رہی تھی۔ زری اور شہباز آئے ہوئے ہیں نا۔''

''تو کیا آپ اتنی سنجیدگی سے انہیں واپس بھجوانے کے طریقے سوچ رہی ہیں؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا جواباً شمسہ نے جھینپتے ہوئے اس کے بازو پر چپت لگائی تھی۔

''بتایا تو ہے مینیو سوچ رہی ہوں۔''

''یہ تو واقعی بہت سوچ طلب معاملہ ہے۔'' شاہنواز نے بھرپور سنجیدگی سے کہا۔ وہ شمسہ کیساتھ ساتھ دھیمی رفتار سے زینے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''کیا میں کچھ مشورہ دے سکتا ہوں؟''

''تم سے تو سب سے اہم مشورہ چاہیے۔'' شمسہ خوش دلی سے مسکرائیں۔

''مائی پلیژر۔'' وہ چلتے چلتے سینے پر ہاتھ رکھ کر ذرا سا جھکا۔

''لیکن کہیں سالن میں مسالا جات کی کوانٹٹی نہ پوچھ لیجیے گا اس معاملے میں میری معلومات بالکل صفر ہیں البتہ مینیو سلیکٹ کرنے میں مدد دے سکتا ہوں۔''

"اٹالین بنوالیں جہاں تک مجھے یاد ہے شہباز بھائی کو اٹالین ہی پسند ہے۔"

"حالانکہ مجھے اس معاملے میں مشورہ نہیں چاہیے تھا لیکن یہ بھی خوب یاد دلایا تم سے مشورہ کر کے کبھی وقت برباد ہوا ہے۔ جہانگیر یوں ہی تو تمہاری تعریف کرتے نہیں تھکتے۔"

"انہیں عادت ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"نہیں خیر...... ماشاءاللہ تم ہو بھی بہت اچھے بچے۔" (کاش!) ایک ہوک سی دل میں اٹھی تھی جسے فوراً ہی انہوں نے دبالیا۔ بلاوجہ حسرت بھری آہیں بھر کر کسی دوسرے کے بچے کو نظر لگانے کا فائدہ؟ جب کہ یہ بھی خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ اپنا ہی سکہ کھوٹا ہے۔ یہ بات وہ بہت پہلے ہی جان گئی تھیں پھر بھی ہر بار حنان کے ساتھ شاہنواز کا موازنہ خود بخود شروع ہو جاتا تھا جس کے نتیجے میں شاہنواز کی ذمہ دار اور حساس، سلجھی ہوئی شخصیت کے مقابلے میں حنان کی غیر متوازن، الجھی ہوئی، لاپرواہ اور غیر ذمہ دارانہ روش کچھ اور نمایاں ہو جاتی تھی۔

"بچہ تو نہ کہیں......" اس نے خوشگواریت سے کہا۔

"میرے لیے تم بچے ہی ہو۔ ماؤں کو اولاد ساری عمر بچہ ہی لگتی ہے گاؤں جانے کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" انہیں جیسے اچانک یاد آیا۔

"پلیز خالہ......کوئی اور بات کریں۔" اس نے عاجزی سے کہا۔

شمسہ کچھ دیر خاموش رہیں پھر بولیں۔

"بہت فریش لگ رہے ہو ہینڈسم بھی۔ ڈیٹ پر جا رہے ہو کیا؟"

وہ ہنس دیا۔ بچہ، بڑے کی چالا کی بھانپ گیا تھا۔

"کیوں میری نیک نامی کو بٹا لگا رہی ہیں؟ میں تو کبھی خواب میں بھی ڈیٹ پر نہیں گیا۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا پھر ہاتھ میں پکڑا اسپورٹس بیگ ان کے سامنے کر دیا۔

"آپ مجھے یونیفارم میں دیکھ کر بھی نہیں سمجھیں؟......کلب جا رہا ہوں یہ دیکھیں اسپورٹس بیگ......اس حلیے میں تو کوئی بھی ڈیٹ پر نہیں جا سکتا۔" اس نے وضاحت سے بتایا اور یہ تو شمسہ جانتی ہی تھیں کہ وہ کسی باسکٹ بال کلب کا ممبر ہے باقاعدہ کلب ممبر۔

"اور یہ فائلز؟" انہوں نے اس کے دوسرے ہاتھ میں پکڑی آفس فائلز کی بابت پوچھا۔

"یہ حدید کو پہنچانی ہیں۔ ارجنٹ ہے سمجھ لیں۔ پہلے اس کی طرف جاؤں گا۔"

"تھینک یو شاہنواز۔ تمہاری وجہ سے جہانگیر کو بہت ریلیف مل جاتا ہے۔" وہ مشکور ہوئیں کیسے نہ ہوتیں وہ اپنی تفریح کے اوقات میں بھی آفس ورک نہیں بھولتا تھا۔

''آپ اتنا زیادہ تھینک یو کہتی ہیں کہ مجھے اس لفظ سے چڑ ہونے لگی ہے حالانکہ میں کوئی کارنامہ تو انجام دے نہیں رہا نہ ہی کوئی احسان کررہا ہوں۔ جہاں تنخواہ لی جاتی ہے وہاں سروسز بھی پرووائیڈ کی جاتی ہیں الٹا مجھے آپ کا شکرگزار ہونا چاہیے۔ اپنے گھر میں جگہ دے رکھی ہے۔'' وہ زینے کے کنارے پر رک گیا تھا۔

''یوں مت کہو کیا یہ تمہارا گھر نہیں ہے؟'' وہ خفا ہوئیں۔

''جی بالکل۔'' (راستے یا منزل سے بھٹکے ہوئے لوگوں کے گھر نہیں ہوا کرتے خالہ امی) وہ مبہم سا مسکرایا اور ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر ہونٹوں سے لگا لیے۔

''تھینک یو خالہ امی! آپ نہ ہوتیں تو مجھے یہ گھر کبھی نہ ملتا۔''

''چلو یہ تھینک یو کہہ کر تم نے فوراً حساب برابر کرلیا اگلہ کھاتا کسی اگلی ملاقات میں کھولیں گے۔'' وہ مسکرائیں۔ وہ ہنس دیا۔

''یہ ٹھیک ہے...... آپ کسی مشورے کا ذکر کررہی تھیں؟'' اس نے یاد دلایا۔

''ارے ہاں...... دیکھو ذرا جو بات سب سے پہلے کرنی تھی وہی ذہن سے نکل گئی میں سوچ رہی ہوں کیوں نہ ایک چھوٹی موٹی گیٹ ٹو گیدر ارینج کریں۔

کچھ کلوز فرینڈز کو انوائیٹ کریں گے حدید بھی آیا ہوا ہے اسی طرح وہ بھی شریک ہوجائے گا اور جہانگیر بھی فریش ہوجائیں گے۔ ویسے بھی آج کل بہت اپ سیٹ رہنے لگے ہیں اور ڈاکٹر نے سختی سے منع کیا ہے اسٹریس لینے سے۔ تمہارا کیا خیال ہے۔'' فکرمندی سے بولتے بولتے انہوں نے پوچھا۔

''ایگزیکٹلی...... اس سے اچھی بات اور کیا ہوسکتی ہے آپ فائنلی بتادیں میں ارینجمنٹ کروالوں گا۔'' جو اس کا کام ہوسکتا تھا اس کے لیے اس نے فوراً ہی حامی بھرلی۔

''تم بتاؤ کون سا دن مناسب رہے گا؟'' انہوں نے الٹا اسی سے پوچھا۔

''کمنگ سنڈے رکھ لیں۔ کیونکہ منڈے کو حدید واپس جارہا ہے۔'' اس نے بنا تردد کہا پھر بولا۔

''آپ اسوہ اور نشوا بھی پوچھ لیں۔ سنڈے ٹھیک ہے یا کوئی اور دن جو انہیں مناسب لگے۔''

''ہاں ان سے بھی پوچھ لیتی ہوں۔'' شمسہ نے پرسوچ انداز میں کہا پھر کچھ یاد آنے پر بولیں۔

''میں اپنی سوچ میں اتنی الجھی ہوئی تھی کہ تمہاری بات بھی نہیں سنی...... تم کیا کہہ رہے تھے۔'' وہ جیسے شرمندگی کے زیراثر پوچھ رہی تھیں۔

''کوئی خاص بات تو نہیں تھی۔'' شاہنواز نے جیسے انہیں شرمندگی سے نکالتے ہوئے کہا۔

"میری دو شرٹس نہیں مل رہیں ایک تو براؤن اور وائیٹ اسٹرپٹ لائیننگ دوسری بلیک ہائی نیک......کہنا تو ولی بابا سے تھا اماں پٹھانی مجھے کافی دنوں سے دکھائی نہیں دی میں ذرا جلدی میں ہوں ورنہ کسی سے خود یہ کام کروالیتا۔آپ زلفی سے کہہ دیں اگر اس نے کسی اور کی وارڈروب میں رکھ دی ہیں تو پلیز میرے روم میں پہنچا دے۔"

"یہ زلفی کا نہیں چھوٹی پٹھانی کا کام ہے ضرور وہی ادھر کی چیزیں ادھر،ادھر کرتی رہتی ہے بتاؤ مغرب میں جانا ہے وہ بے وقوف کہیں بھی چلی جائے گی مگر مغرب کی طرف نہیں جائے گی۔ بہر حال تم فکر نہ کرو میں شرٹس رکھوا دوں گی۔"انہوں نے کہا شاہنواز اللہ حافظ کہتا زینہ عبور کر کے باہر نکل گیا وہ لاؤنج سے نکل کر کچن کی طرف بڑھ گئیں۔

کچن خالی تھا ایک برنر پر نان اسٹک پین میں کچھ پک رہا تھا۔سنک کا نل بند تھا البتہ صابن لگی پلیٹیں یوں پڑی تھیں جیسے کوئی کام کرتے کرتے چھوڑ کر چلا گیا ہو وہ کچھ متعجب ہوئیں کسی نہ کسی کو تو یہاں موجود ہونا ہی چاہیے تھا۔ولی بابا ملازمین کے ہیڈ تھے لیکن زیادہ تر یہیں موجود ہوتے تھے کہ کچن کی بہت سی ڈیوٹیز ان ہی کے ذمے تھیں۔

وہ چند قدم اندر آئیں تبھی ڈائننگ ٹیبل پر چڑھ کر بیٹھی پٹھانی پر نظر پڑی وہ میز پر پھسکڑا مارے بیٹھی تھی اور سامنے رکھی ٹوکری سے اٹھا اٹھا کر آلو چھیل رہی تھی۔

"تم یہاں اکیلی کیا کر رہی ہو،ولی بابا کہاں ہیں؟"شمسہ نے پین کا ڈھکن ہٹاتے ہوئے پوچھا املی کی چٹنی دھیمی آنچ پر پک رہی تھی۔

"زلفی چھوٹے صیب کا سامان رکھنے گیا اے......ولی بابا بولے پٹھانی تم یہاں بیٹھو ام ابی آتا اے۔"وہ جھٹ سے میز سے اتری اور گڑبڑا کر حسب معمول بولی۔

"چھوٹے صیب؟"شمسہ نے تعجب سے پلٹ کر اسے دیکھا۔پٹھانی نے فوراً اثبات میں گردن ہلا دی۔شمسہ اگلی کوئی بات کیے بنا باہر کی طرف لپکیں اسی وقت ولی بابا اندر آرہے تھے۔

"بابا حنان آیا ہے؟"

"جی بیٹا!......حنان بیٹا آئے ہیں بہت غصے میں زلفی کو ڈانٹ رہے تھے کہ جلدی سامان کمرے میں پہنچاؤ میں اسی لیے ساتھ چلا گیا تاکہ جلدی کام ہو جائے۔"بابا نے وضاحت سے بتایا تب شمسہ باہر جاتے جاتے پلٹیں۔

"حنان اب کہاں ہے......اپنے روم میں؟"بابا نے اثبات میں جواب دیا تو وہ اس طرف چل دیں۔ٹھیک سات روز بعد وہ گھر آیا تھا اور اس وقت شمسہ جیسے بے اختیاری میں اس کی طرف کھنچتی چلی جارہی تھیں۔دروازہ ادھ کھلا تھا وہ آہستگی سے اسے دھکیلتی اندر داخل ہوئیں۔

ایک چھوٹے سائز کا اسٹائلش سا سوٹ کیس کارپٹ پر کھلا ہوا تھا زلفی اس میں سے چیزیں نکال نکال کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ رہا تھا جبکہ حنان پوری طرح سے پھیل کر بیڈ پر اوندھے منہ لیٹا اسے ہدایات دے رہا تھا۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے لیٹے لیٹے گردن کا رخ ذرا سا موڑ کر دروازے کی جانب دیکھا۔

''ہائے مما!'' وہ شمسہ کی شکل دیکھتے ہی مسکراتا ہوا اٹھا تھا اور شمسہ کے گلے لگ گیا تھا۔

''تم کب آئے حنان؟'' شمسہ تو اس کے انداز پر حیرانی سے گرنے کے قریب پہنچ گئیں مگر اس حیرانی میں خوشی کا عجیب سا احساس تھا جسے وہ بڑے دل سے محسوس کر رہی تھی۔

''زیادہ دیر نہیں ہوئی میں آپ کے روم میں آنے لگا تھا پھر پتا چلا آپ کے اسپیشل گیسٹ آئے ہوئے ہیں۔'' اس نے قدرے ناگواری سے کہا شمسہ کچھ دیر خاموش سی رہ گئیں انہیں اپنی چند لمحہ قبل کی خوشی خاک ہوتی محسوس ہوئی پھر جھجکتے ہوئے بولیں۔

''تم آجاتے سب سے ملاقات ہو جاتی...... جہانگیر بھی تمہارا پوچھ رہے تھے۔ ہاسپٹلائز ڈ رہے ہیں انجائنا کا اٹیک ہوا تھا۔''

حنان نے چونک کر انہیں دیکھا پھر اٹھ کر سوٹ کیس تک چلا گیا اس نے سوٹ کیس کی پچھلے حصے سے ایک بلیو رنگ کا پیکٹ برآمد کیا تھا پھر زلفی کو جانے کا اشارہ کیا۔

''میں یہ آپ کے لیے لایا ہوں۔'' اس نے پیکٹ شمسہ کی گود میں ڈال دیا اور ایک بار پھر انہیں حیرانی میں مبتلا کیا تھا۔

''میرے لیے؟'' انہوں نے کہا اور حنان کی جانب دیکھا وہ مسکرا رہا تھا اور ان کے گفٹ ہاتھ میں لینے کا منتظر تھا۔

''آپ اسے کھول کر دیکھیں...... آپ کو پسند آئے گی۔'' اس نے کہا پھر خود ہی پیکٹ کھولنے لگا۔ شمسہ خاموش رہ کر اسے دیکھ رہی تھیں۔ حنان نے اس پیکٹ میں سے سیاہ رنگ کی گرم شال برآمد کی تھی اور اس کو کھول کر شمسہ کے شانوں پر پھیلا دیا تھا۔

''خان پور جاتے ہوئے ایک پٹھان سے خریدی تھی۔ مجھے اچھی لگی اس لیے آپ کے لیے لے لی۔'' اس نے کہا۔ سیاہ رنگ کی شال پر سرخ ریشم سے شیشوں کا کام کیا ہوا تھا۔ کڑھائی بے حد نفیس تھی۔ بنیادی طور پر شال خوب صورتی میں اپنی مثال آپ تھی۔ اگر نہ بھی ہوتی تو شمسہ کو پسند آتی حنان ایک طویل مدت کے بعد ان کے لیے کوئی تحفہ لایا تھا اور یہ تحفہ ان کے لیے بے حد قیمتی تھا۔

''تھینک یو حنان۔''

''آپ کو اچھی لگی؟......'' اس نے بچوں کے سے اشتیاق سے پوچھا۔

''صرف اچھی نہیں بہت اچھی لگی۔'' شمسہ نے اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے محبت سے کہا۔

''یہ جہانگیر کو بھی بہت پسند آئے گی بلیک کلر ان کا فیورٹ ہے اور جب میں بتاؤں گی یہ تم لائے ہو تو اور بھی خوش ہوں گے۔''

انہیں خود بھی پتا نہیں تھا کہ وہ حنان کے سامنے شعوری طور پر جہانگیر لاشاری کا ذکر کر رہی ہیں یا لاشعوری طور پر بس وہ یہ چاہتی تھیں ایک بار حنان ان کی عیادت کرے پھر شہباز اور زری بھی اس کا پوچھ چکے تھے۔ حالانکہ کوئی بھی اس کے مزاج سے ناآشنا نہیں تھا خصوصاً زری کو تو سب ہی کچھ پتا تھا کہ وہ اپنی شادی سے قبل بھی حنان کے انداز ملاحظہ کر رہی چکی تھیں۔

لیکن بھرم قائم رکھنا تو بہر حال اپنوں کی ہی ذمہ داری ہوتی ہے اور شمسہ اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کے جتن کر رہی تھیں لیکن اگر صرف ان کی کوششوں سے کچھ ہو سکتا تو اب تک ہو چکا ہوتا۔

تپسیا کا آخری لمحہ ناشکری کے الفاظ ادا ہو جانے سے پہلے آ جانا چاہیے۔

"مجھے نیند آ رہی ہے...... ایکسکیوز می۔" حنان نے کھڑے ہوتے ہوئے بے مروتی سے کہا۔ ان ڈائریکٹلی شمسہ کو وہاں سے جانے کے لیے کہا شمسہ کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

"حنان......" شمسہ نے خود کو وضاحت دینے پر مجبور پایا۔

"جاتے ہوئے دروازہ بند کر جائیں۔" حنان نے شرٹ اتار کر صوفے پر اچھال دی اور ساری لائٹس بجھا کر اوندھے منہ بیڈ پر گر گیا۔

کمرے میں صرف وہ روشنی تھی جو ادھ کھلے دروازے سے اندر آ رہی تھی۔ اندر آنے والی روشنی نہ کم تھی نہ زیادہ۔ حنان کا چہرہ دوسری طرف تھا اس کے تاثرات جانچنا اور یہ اندازہ لگانا کہ وہ سو رہا ہے یا نہیں، قطعی فضول تھا۔ شمسہ جانتی تھیں وہ جاگ رہا ہے اور اس سے قبل کہ وہ انہیں کمرے سے جانے کے لیے واضح الفاظ میں کہتا وہ خود ہی اٹھ کر دکھی دل کے ساتھ باہر نکل گئی تھیں۔ حنان نے دروازہ بند ہونے کی آواز پر گردن موڑ کر دروازے کی طرف دیکھا چند لمحے وہ دروازے کو دیکھتا رہا اس کی آنکھوں میں غصہ تھا، نفرت تھی اور جیسے سب کچھ تہس نہس کر دینے کی خواہش تھی۔

"انجائنا کا اٹیک...... کاش ہارٹ اٹیک ہوا ہوتا۔" اس نے نخوت سے بڑبڑاتے ہوئے تکیہ گھسیٹ کر منہ پر رکھ لیا تھا۔

☆......☆......☆

آسمان کے کناروں پر شام کے ملے جلے سے رنگ پھیل چکے تھے اور ان کے بطن سے رات کی سیاہی جنم لیتی تھی۔

فضا میں خنکی تھی اور جنگلی پھولوں کی مدھم سی خوشبو۔

بسیرا کرنے والے پرندوں کی ڈار تیزی سے گزر جاتی تھی۔ مومنہ نے چونک کر جھکا ہوا سر اٹھایا آسمان سیاہی مائل نارنجی رنگوں سے رنگا تھا اور دن بھر کی دھند تاسف بن کر گل بانو کے چہرے پر پھیل گئی تھی۔

منڈیر پر بازو رکھے وہ درختوں کی شاخوں پر اترتی تاریکی کو دیکھ رہی تھی جبکہ اس کے پالتو کبوتر یوں ہی ساری چھت پر مٹر گشت کرتے پھر رہے تھے۔

"انہیں بند کر دیں...... ورنہ کوئی بلی پکڑ کر لے جائے گی۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"کاش میں بھی انسان کی بجائے کبوتر ہوتی کسی روز مجھے بھی کوئی بلی دبوچ لے جاتی اور سارے غموں ساری شرمندگیوں سے چھٹکارا مل جاتا...... ہونہہ لیکن یہ خوشی ہماری قسمت میں کہاں؟" وہ جل کر بولی۔

مومنہ کی شرمندگی میں اضافہ ہو گیا۔

''آپ کیوں شرمندہ ہو رہی ہیں؟ اس میں آپ کا کیا قصور؟''

''میرا ہی قصور ہے مومنہ بی بی! صرف میرا قصور...... نہ میں پیدا ہوتی نہ یہ مصائب میرے ساتھ جنم لیتے میں تو ان لوگوں میں سے ہوں جو کسی دوسرے کو فائدہ پہنچانا بھی چاہیں تو نقصان ہی پہنچاتے ہیں۔ عجیب سیاہ بختی ہے۔ پتا نہیں رب مجھے اٹھا کیوں نہیں لیتا۔''

''باجی جی......''

''بس کرو منی! مجھے یہ یقین دلانے کی کوشش نہ کرو کہ جو ہوا اس میں میرا قصور نہیں اسماء باجی نے دادی سے میرے لیے جھگڑا کیا اور وہ گھر چھوڑ کر چلی گئیں...... کسی بھی باشعور سے جا کر پوچھ لو وہ یہی کہے گا غلطی فریقین کی نہیں فساد کی جڑ کی ہے جو کہ میں ہوں یعنی گل بانو بنت سلطان امین۔'' اس نے عاجزی سے کہا تھا۔ مومنہ کا دل کٹ سا گیا۔

''خود کو مورد الزام نہ ٹھہرائیں کہنے کو تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ فساد میری وجہ سے ہوا بہر حال اماں تو مطمئن ہیں اور میرا خیال ہے اگر وہ مطمئن ہیں تو ہمیں بھی پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ وہ ہم دونوں سے زیادہ اچھے طریقے سے دادی کو سمجھتی ہیں جو بھی کیا ہو گا سوچ سمجھ کر ہی کیا ہو گا۔'' منی نے دل میں ٹھہری بات کہی سچ تو یہ ہے کہ وہ گل بانو کو اس شرمندگی سے نکالنا چاہتی تھی۔

گل بانو کچھ دیر یوں ہی کھڑی ہتھیلیاں آپس میں رگڑتی رہی پھر گہری سانس بھر کر پلٹی اور کبوتروں کو گھیر گھار کر کابک کی جانب لے جانے لگی۔

''اب کچھ بولیں بھی......'' مومنہ چڑ کر بولی۔

''کیا بولوں؟'' اس نے الٹا سوال پوچھ لیا۔ ''میں تو صرف اتنا جانتی ہوں جو ہوا برا ہوا۔ اسما باجی کو دادی سے جھگڑا نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

''اچھا میں چلتی ہوں۔'' مومنہ نے کتابیں سمیٹیں۔

''ناراض ہو کر جا رہی ہو۔'' گل بانو فکر مند ہوئی۔

''نہیں...... آپ سے بھلا کیوں ناراض ہوں گی۔''

''ہونا بھی مت...... میں نہیں جانتی جو میں کہہ رہی ہوں وہ بھی درست ہے یا غلط لیکن میرا دل کہتا ہے بزرگوں کی باتیں نہیں ٹالنا چاہئیں۔ دادی بہت اچھی ہیں بہت سمجھدار اور جہاں دیدہ اور اگر میں انہیں اچھی نہیں لگتی تو تم اور اسما باجی کچھ بھی کر لو انہیں کبھی اچھی نہیں لگ سکتی۔ تم اپنی امی کو سمجھانے کی کوشش کرنا میں بھی تمہاری طرف چکر لگاؤں گی بزرگوں کو خفا کرنا اچھی بات نہیں ہوتی اور پھر دادی تو اتنی اچھی ہیں۔'' وہ بول رہی تھی اور مومنہ دم بخود منہ کھولے اس کا چہرہ تک رہی تھی۔ اس خوبصورت چہرے والی لڑکی کا دل یقیناً چہرے سے زیادہ

خوب صورت اور مصفا تھا لیکن......

''آپ کس مٹی کی بنی ہیں باجی جی؟ جو بھی آپ کے ساتھ برائی کرتا ہے اس کی تعریفیں کرنے لگتی ہیں پہلے وہ شاہنواز صاحب اور اب دادی......کمال ہے؟......اور اب تک آپ نے مجھے اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا۔'' اس نے خفگی سے کہا۔گل بانو کی آنکھیں اندھیرے میں یوں چمکنے لگیں جیسے دو جگنو۔

''بڑا اچھا کیا جو اس کا نام لیا اب کم سے کم رات بھر مجھے کوئی غم نہیں ستائے گا۔'' وہ ہلکی پھلکی سی ہو کر ایک سرشاری کے عالم میں کبوتروں کو کابک کی جانب لے جانے لگی۔

''عموماً اونٹ سے پوچھا جاتا ہے کہ اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی؟......میرا دل چاہتا ہے آپ سے پوچھوں۔'' مومنہ تڑخ کر بولی۔گل بانو ہنسنے لگی۔وہ اور بھی چڑ گئی۔

''اس روز بھی کتنی منتیں کی تھیں مگر مجال ہے جو ایک بھی لفظ بتایا ہو کم سے کم آج تو بتا دیں۔''

''سب کچھ تو بتا چکی ہوں اس کے علاوہ کیا جاننا چاہتی ہو۔''

''نام کے علاوہ تو کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔'' وہ زور دے کر بولی۔

''بعض اوقات عنوان میں ہی پوری داستان بیان ہو جاتی ہے۔'' گل بانو نے سنجیدگی سے کہا پھر اس کی جانب دیکھا۔''اب محض تمہاری تسلی کے لیے ایک چٹ پٹی سی کہانی کیسے سناؤں؟''

مومنہ کو بے حد سبکی کا احساس ہوا یعنی اس کے خلوص کی بس اتنی سی قدر تھی کہ اس کی بات کا یہ مطلب اخذ کیا جاتا۔

وہ پلٹی اور تیزی سے سیڑھیاں عبور کرنے لگی۔گل بانو کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو فوراً پیچھے سے پکارا پھر پیچھے لپکی......مومنہ نے سیڑھیاں عبور کر کے دائیں دیکھا نہ ہی بائیں۔کھٹاک سے کنڈی گرائی اور باہر نکل گئی۔اپنی عجلت میں تو اسے یہ بھی پتا نہ چل سکا کہ ایک لمبا سا وجود عین دروازے کے سامنے سائیکل جمائے کھڑا ہے۔نتیجتاً اس زور کی ٹکر ہوئی کہ وہ خود کو گرنے سے بچا ہی نہ سکی البتہ اس نے اپنی سائیکل گرنے سے بچا لی تھی اور اب کسی قدر شرمندگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ارے یہ کیا ہوا۔'' گل بانو گھبرا کر باہر نکلی پھر مومنہ کو اٹھنے میں مدد دی۔

''چوٹ تو نہیں لگی؟'' مومنہ نے شرمندگی اور خفت کے ملے جلے احساسات کے ساتھ نفی میں سر ہلا دیا البتہ بے حد غصے سے اس لڑکے کو دیکھا جو کھسیائے ہوئے انداز میں کوئی وضاحت دینا چاہ رہا تھا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو ناصر؟''

''میں تو اسلم بھائی کی خیریت پوچھنے آیا تھا دو دن سے وہ منڈی نہیں آ رہے تو ابا جی نے کہا کہ جا کر پتا لے آؤں......لیکن یہ......''

اس نے شرمندگی سے مومنہ کی طرف دیکھا پھر فوراً ہی نظروں کا رخ بدل لیا مومنہ جو اسے غضب ناک انداز سے گھور رہی تھی۔

''تو یہاں دروازے میں جم کر کس خوشی میں کھڑے ہوگئے۔ اندر آجانا تھا۔'' گل بانو اب شرارت سے مسکرا رہی تھی۔

''میں نے دستک دی تھی لیکن......''

''بالکل ہی پاگل ہو ہمیشہ دستک دینے پر دروازے تھوڑی کھلا کرتے ہیں کبھی کبھی بنا دستک دیئے بھی خود دروازہ کھول کر اندر داخل ہونا پڑتا ہے مگر تمہیں تو کچھ پتا ہی نہیں۔''

''جی......'' ناصر کی نظریں بھٹک رہی تھیں۔ چونک کر گل بانو کی طرف دیکھا جس کی بات اسے خاک بھی سمجھ نہ آئی تھی۔

''جی......'' وہ اور زور سے ہنس دی لیکن جیسے اس کی بات ان دونوں کے سر پر سے گزری تھی ہنسی بھی گزر گئی۔

''تم اندر چلو بھائی اندر ہی ہیں میں ذرا مومنہ کو گھر تک چھوڑ آتی ہوں۔''

مومنہ نے زمین پر گری کتابیں اٹھائیں اور بنا پس وپیش اس کے ساتھ چل دی۔ گلی کے آخری سرے پر مڑنے سے قبل اس نے بالکل لاشعوری طور پر گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔ عین اسی لمحے ناصر گھبرا کر کھلے دروازے سے اندر داخل ہوگیا تھا۔

سرسری ملاقات کے اس ناگوار لمحے کو تقدیر نے چپکے سے اپنی مٹھی میں قید کرلیا تھا اور ہر اہم واقعہ سرسری واقعات کے باہمی ملاپ سے ہی جنم لیتا ہے۔

☆......☆......☆

''او بھائی! تم ہو کہاں؟ تمہاری تلاش میں کنویں میں بانس ڈلوانے کی کسر رہ گئی۔ کچھ دیر اور کال ریسیو نہ کرتے تو یہی کرنا پڑتا۔ ویسے یہ خاصا غیر مہذب طریقہ ہے جو خود ہی انوائیٹ کرو اور خود ہی غائب ہوجاؤ۔''

اس کے کال ریسیو کرتے ہی حدید نے خوب اچھی طرح خبر لی تھی اور اس کے طنزیہ انداز پر شاہنواز نے متبسم لہجے میں وضاحت دیتے ہوئے کہا۔

''رئیلی ویری سوری یار! بس اچانک ہی ایک بہت ضروری کام کے سلسلے میں نکلنا پڑا۔''

''جی ہاں اور سارے ضروری کام آج کی تاریخ میں نبٹانا......ضروری ہیں قیامت کا تو یوں بھی کوئی دن مقرر نہیں...... کیا پتا کل ہی آجائے۔'' اس نے پھر طنز کیا اور اس بار شاہنواز اپنا قہقہہ روک نہیں سکا۔

''خدا کی قسم دوست کم نک چڑھی بیوی زیادہ لگ رہے ہو۔''

''کوئی قسمت کی ماری ہوگی جو تمہاری بیوی بنے گی۔ تمہاری بیوی کہلوائے جانے سے بہتر میں خودکشی کرنا سمجھتا ہوں۔ تم تو ان لوگوں میں سے ہو جو شادی کی رات بھی آفس میں گزاریں گے اور اگلے روز بیوی سے کہیں گے۔ کچھ ضروری معاملات نبٹانا رہ گئے تھے۔''

شاہنواز کا قہقہہ بے حد بے ساختہ تھا۔

بہت جلے ہوئے ہو...... کیا وریشہ نہیں آئی...... حالانکہ اسوہ نے میرے سامنے ہی اسے فون کیا تھا۔" اس کا انداز شریر تھا۔

"میں اسے پسند کرتا ہوں اور اسے اپنی بیوی کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہوں مگر میں نے اسے خود پر اتنا بھی طاری نہیں کیا ہوا کہ میرا موڈ اس کی موجودگی یا غیر موجودگی سے رنگ بدلے......او بھائی میرے! محبوبہ کا خانہ الگ ہوتا ہے دوست کا الگ۔ میں آج صرف تم سے ملنے آیا تھا لیکن تم پتا نہیں کون سے ضروری کام نبٹاتے پھر رہے ہو۔ مجھے لگتا ہے کسی اور ہی "ضروری کام" سے لگ گئے ہو۔"

"تم اور تمہارے اندازے۔" شاہنواز اس کے خلوص سے متاثر ہوا تھا اور خود کو سرزنش کرتے ہوئے بولا۔

"تم بس تھوڑی دیر ویٹ کرو میں باغ جناح کے قریب ہوں پندرہ منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔"

"اب کوئی فائدہ نہیں میں گھر آ چکا ہوں۔"

"تو ٹھیک ہے پھر میں تمہاری طرف آ جاتا ہوں۔" اس نے فوراً تجویز دی۔

"کوئی ضرورت نہیں۔" حدید تڑخ کر بولا۔ "میں سونے لگا ہوں اور تمہاری شکل دیکھنے کو میرا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

"بکومت۔" شاہنواز کو اس کی جھلاہٹ لطف دے رہی تھی۔

"صبح کتنے بجے کی فلائیٹ ہے تمہاری؟"

"چھ بجے کی۔"

شاہنواز نے پل بھر کو سوچا پھر بولا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ میں ائیر پورٹ آؤں گا تم سے ملنے۔"

"تم اور تمہارے وعدے۔" وہ اسی کے انداز میں بولا۔

"کل ملتے ہیں۔ فی الحال میں فون بند کر رہا ہوں ذرا سی دیر تھی اور بات کی تو تم طعنے دے دے کر مار دو گے...... ٹیک کیئر۔" اس نے بنا اس کی اگلی بات سنے کال ڈسکنکٹ کر دی تھی چند لمحے مسکراتے ہوئے ایل سی ڈی کو دیکھتا رہا پھر سامنے سڑک پر سے گزرتی ٹریفک کو دیکھنے لگا۔

قصر بلند میں آج ڈنر کا اہتمام کیا گیا تھا۔ وہ سارے انتظامات چیک کر لینے کے بعد کسی ضروری کام کا بہانہ بنا کر باہر نکل آیا تھا حالانکہ کوئی اتنی زیادہ گیدرنگ نہیں تھی تقریباً وہی سب لوگ مدعو تھے جنہیں شاہنواز اور جو شاہنواز کو بہت اچھی طرح سے جانتے تھے لیکن وہ اپنے دل و دماغ کا کیا کرتا جو ان سب لوگوں کے درمیان اجنبیت محسوس کرتا تھا۔

وہ بہت کم تقریبات میں شریک ہوتا تھا اور ابھی بھی بے حد اطمینان سے فٹ پاتھ کے کنارے بیٹھا یوں اطمینان سے آتی جاتی

ٹریفک کو دیکھ رہا تھا جیسے بڑی دیر تک اٹھنے کا ارادہ نہ ہو۔

ستاروں بھرا سیاہ آسمان اس پر جھکا ہوا تھا اور عقب میں باغ جناح کے درختوں سے اٹھنے والی خنکی خوشبوں سے بوجھل تھی۔
حدید سے بات ہونے سے قبل بھی اس نے دو ایک بار اٹھنے کا سوچا تھا مگر جانے کیوں اٹھ نہ سکا تھا۔ حالانکہ دل و دماغ پر کچھ ایسا غبار بھی نہیں چھایا ہوا تھا کہ وہ مایوسی کے مہیب غار میں محصور محسوس کرتا خود کو بس بعض اوقات بھرپور فراغت بھی عذاب بن جاتی ہے۔

اور اس نے تو بڑے شوق سے یہ فراغت مول لی تھی بڑے اہتمام سے بیٹھ کر مدتوں سے بند کتاب کو جھاڑا تھا کھول کر ہر ہر پنا پڑھا تھا۔ کچھ یادوں کو اپنی تجسیم کے لئے الفاظ درکار تھے کچھ ان کی حاجت نہ تھی۔
کبھی کچھ خود سے الجھتے کبھی تقدیر سے شکوہ کرتے چار پانچ گھنٹے گزر بھی گئے اور پتا بھی نہیں چلا لیکن کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے مگر ایک بات طے شدہ ہے یادیں خوش گوار ہوں یا ناگوار...... اچھے دنوں کی خوشبو سے بوجھل ہو یا برے دنوں کی باس سے بھرپور...... یادوں کی تاثیر کڑوی ہوتی ہے۔

تب ہی تو جب بلا مقصد سڑکیں ناپ کر وہ قصر بلند واپس آیا تو ذہن و دل پر عجیب سی بے زاریت اور بوجھل پن کا غبار چھایا ہوا تھا۔
قصر بلند تاریکی و خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ واچ مین نے اسے دیکھتے ہی سلام کیا اور گیٹ سے منسلک چھوٹا دروازہ کھول دیا تھا۔
گاڑی تو وہ لے کر نہیں گیا تھا واپس لانے کا کیا سوال؟

اسپنش طرز پر بنا ہوا خوبصورت لان اس وقت بے حد اداس اور تاریک دکھائی دے رہا تھا۔ کھانے کی ٹیبل یہیں لگائی گئی تھیں۔
وہ کونا جہاں اصلی سنگ مرمر کی بنچ بنی ہوئی تھیں وہیں پر بار۔بی۔کیو ارینج کیا گیا تھا لیکن اس وقت ذرا سی بھی نشانی دکھائی نہ دیتی تھی۔ اندازہ ہی نہیں ہو رہا تھا کہ ذرا اور پہلے یہاں گہما گہمی رہی ہوگی اور یہ سارا کمال ولی بابا کا تھا ان کی سپرویژن میں کوئی کام ادھورا یا نامکمل رہ ہی نہیں سکتا تھا۔

شاہنواز مین انٹرنس سے اندر داخل ہونے کی بجائے برآمدے میں اترتے گول زینے سے سیکنڈ فلور پر آیا تھا۔ اس کا کمرہ چونکہ سیکنڈ فلور پر تھا اس لئے جب کبھی دیر سے واپسی ہوتی تھی تو وہ یہ ہی راستہ اختیار کرتا تھا۔
کمرے میں آ کر اس نے موبائل فون، والٹ سگریٹ اور لائٹر بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پر رکھے جیکٹ اتار کر صوفے کی بیک پر ڈال دی۔ ڈریسنگ کی جانب بڑھتے ہوئے اسے کچھ عجیب سا احساس ہوا تھا۔ اس نے سرسری انداز میں کمرے پر ایک طائرانہ نظر ڈالی تھی اس کی نظر اسٹڈی ٹیبل پر رکھی ایش ٹرے پر رک سی گئی۔ ایش ٹرے کے اندر بجھے ہوئے سگرٹوں کی راکھ اور تین ٹکڑے موجود تھے۔ اسے یاد آیا کمرے سے جانے سے پہلے اس نے صرف ایک سگریٹ پیا تھا اور ایش ٹرے میں ایک ٹکڑا تھا، پھر یہ باقی دو ٹکڑے کہاں سے آئے؟
اس کی حسیات جیسے ایک دم سے شارپ ہوئی تھیں۔ ان سگریٹ کے ٹکڑوں کے علاوہ گو کہ کوئی بھی چیز ایسی نہیں تھی جو اسے

کوشش کرتی۔ مگر یہ سمجھنے میں ذرا بھی دقت نہیں ہوئی کہ کوئی اس کمرے میں وقت گزار چکا ہے۔ مگر کون؟ کتابیں ترتیب سے پڑی تھیں دراز بھی بند تھے بیڈ شیٹ بے شکن...... گویا ہر چیز ہی اپنے مقام پر تھی لیکن پھر بھی وہ الجھ رہا تھا۔ ہو تو خیر یہ بھی سکتا تھا کہ تینوں سگریٹ خود اسی نے پیے ہوں۔

وہ اسی شش و پنج میں مبتلا واش روم کی جانب بڑھ رہا تھا جب عقب میں زوردار طریقے سے دروازہ کھلا۔ وہ سرعت سے پلٹا۔

''اجازت ہو تو اندر آ جاؤں؟'' حنان نے بے حد طنزیہ انداز میں پوچھا تھا۔

شاہنواز کی چند لمحے قبل کی حیرانی فوراً ختم ہو گئی۔ ذرا دیر قبل اپنے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے جس سوال کا جواب ڈھونڈ رہا تھا وہ اسے مل گیا تھا۔ سگریٹ کے اضافی ٹکڑے بھی اب معمہ نہیں رہے تھے۔

''میرے نہ کہہ دینے سے تم واپس تو جاؤ گے نہیں۔'' شاہنواز نے بے حد سرد مہری سے کہتے ہوئے وارڈ روب کھول لی تھی۔

''امیزنگ...... تم تو مجھے بہت اچھی طرح جاننے لگے ہو۔'' وہ تمسخرانہ انداز میں کہتا اندر آ گیا تھا اور بیڈ پر بے تکلفی سے نیم دراز ہو گیا تھا۔

شاہنواز لاتعلقی سے وارڈ روب میں جھانکتا رہا۔

حنان چند لمحے اسکی پشت کو گھورتا رہا پھر ادھر ادھر نظریں گھما کر کوئی ایسی چیز تلاش کرنے لگا جس کے ذریعے شاہنواز کو اسکے اس پرسکون انداز سے باہر نکال سکے۔ وہ ایک زوردار جھگڑا چاہتا تھا یا کم سے کم زبردست سی بحث...... جس میں شاہنواز کے بخیے ادھیڑ سکے تب ہی اسکی نظریں سگریٹ کی ڈبیا پر پڑیں۔

''بس ایک یہی اچھی بات ہے تم میں سگریٹ اچھے برانڈ کا پیتے ہو حالانکہ تمہاری اوقات تو نہیں ہے لیکن......'' اس نے بے تکلفی سے سگریٹ سلگاتے ہوئے جیسے شاہنواز کو بھی سلگایا۔

''میری اوقات کا ذکر مت کرو حنان! پہلے اپنی اوقات پہچانو۔'' شاہنواز کا لہجہ ابھی بھی سرد تھا۔ حنان نے گہرا کش لیتے ہوئے اسے دیکھا اور طنزیہ لہجے میں بولا۔

''میری اوقات کا اندازہ اسی بات سے لگا لو جس گھر میں تم اتنے دھڑلے سے رہ رہے ہو وہ میرا ہے...... تمہیں میرا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اب تک میں نے تمہیں باہر نہیں پھنکوا دیا۔'' حنان نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا تھا۔

''تمہارا گھر؟'' شاہنواز نے مضحکہ اڑایا۔

''جس یوٹوپیا میں تم رہ رہے ہو اس سے باہر آ جاؤ۔ یہ تمہارا نہیں جہانگیر لاشاری کا گھر ہے انہوں نے مجھے یہاں رہنے کا حق دیا ہے اس لیے میں رہ رہا ہوں...... اور ایک بات اچھی طرح ذہن میں بٹھا لو۔ تم تو کیا تمہارے فرشتے بھی مجھے باہر نہیں پھنکوا سکتے۔'' شاہنواز

نے جیسے کھلم کھلا چیلنج کیا تھا حنان کے اعصاب تن گئے۔

''حد ہے خوش فہمی کی...... بہرحال سامان پیک کر کے رکھو جب تک تمہیں یہاں سے باہر نہ نکلوا دوں سکون سے نہیں بیٹھوں گا...... وعدہ سمجھو اسے میرا۔''

حنان کا بس نہیں چل رہا تھا اس کی گردن ہی چبا ڈالے۔

''ہم دونوں میں سے کون پہلے جائے گا اس بات کا فیصلہ وقت کو کرنے دیتے ہیں۔تم بلاوجہ اپنی انرجی ویسٹ مت کرو۔'' اس نے ناک سے مکھی اڑائی۔

''اتنے اچھے انداز میں کہہ رہے ہو چلو نہیں کرتا۔'' حنان نے یکدم پینترا بدلا۔

''بائی دا وے یہ گل بانو کون ہے؟''

اب جھٹکا لگنے کی باری شاہنواز کی تھی۔بے ساختہ اس کی نگاہ اسٹڈی ٹیبل تک گئی تھی۔

''(دھت تیرے کی) تم سے مطلب؟'' اس نے بظاہر سرسری انداز میں کہا۔

''مطلب وطلب تو کچھ نہیں بس یونہی جنرل نالج میں اضافے کے لیے پوچھ رہا ہوں۔ابھی یہاں ایک لو لیٹر ٹائپ کوئی چیز پڑی تھی۔بلیو می مجھے پڑھ کر بہت افسوس ہوا بے چاری تمہاری محبت میں مرنے والی ہو رہی ہے......تم کبھی جواب بھی دیتے ہو یا نہیں؟ ویسے بنتے تو بہت ہو کبھی اس معاملے کی ہوا تک نہیں لگنے دی۔'' حنان جیسے چٹخارے لے رہا تھا۔

''حنان! تم خود جاؤ گے یا تمہیں دھکے دے کر باہر نکالنا پڑے گا؟'' شاہنواز نے کڑے ضبط سے کہا۔

''ارے تم تو برا مان گئے۔''

''تم کیا ہو یہ تو میں اچھی طرح جانتا ہوں مگر تھوڑے بہت مینرز انسان کو آنا چاہئیں۔تم کس کی اجازت سے میرے کمرے میں داخل ہوئے اور چیزوں کو چھیڑا۔'' اس کا ضبط جواب دے گیا۔

''اس کی اجازت سے جس کے کہنے پر تم میری نگرانی کرتے پھر رہے ہو۔'' اس نے لطف لیا۔

''اول تو میں تمہاری نگرانی نہیں کر رہا تھا بائی چانس وہاں پہنچ گیا اور تمہاری مدد کرنا چاہی مگر تم اس قابل ہی نہیں ہو۔'' حنان نے اس کی بات مکمل کرنے ہی نہیں دی۔

''تم سے یہ کس نے کہا کہ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے؟......اپنے اس خیر خواہی کے جذبے کو ان کے لیے سنبھال کر رکھا کرو جن کے آگے پیچھے کتے کی طرح دم ہلاتے پھرتے ہو۔''

''بکواس بند کرو حنان!'' شاہنواز اس قدر ہتک آمیز الفاظ پر چلایا تھا۔

''اس روز تم نشے میں تھے اس لیے میں نے تمہیں بخش دیا تھا مگر آج ایک بھی اور لفظ منہ سے نکالتے ہوئے یاد رکھو تم نشے میں نہیں ہو اور اب اگر مزید کوئی بکواس کی تو یاد رکھنا میں ایک تھپڑ پر اکتفا نہیں کروں گا۔''

''او ہو سچ سن کر برا لگ گیا۔'' حنان لطف لے رہا تھا اور یہ شاہنواز کی حد تھی اس نے تیزی سے آگے بڑھ کر حنان کا گریبان پکڑ کر گھسیٹا اور کمرے سے باہر دھکیل دیا۔

''میرا خیال ہے تمہارے لیے اتنا سبق کافی ہے۔'' شاہنواز نے دروازہ گویا اس کے منہ پر دے مارا تھا اور یہ سب کچھ اتنا غیر متوقع تھا کہ حنان چند لمحوں کے لیے ہکا بکا ہی رہ گیا۔ اگلے ہی پل پیشانی پر رگیں تن گئیں۔

''تم پچھتاؤ گے شاہنواز ملک...... بہت پچھتاؤ گے۔'' وہ گریبان درست کرتا اگلا لائحہ عمل ترتیب دیتا اپنے کمرے میں گھس گیا جو عین شاہنواز کے کمرے کے سامنے تھا۔

❁ ❁

ناول **بساطِ دل** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات آپ آنے والی ان تاریخوں (15th, 20th, 25th) میں پڑھ سکیں گے۔

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
امایہ سردار خان کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

اک فسون تو

آپ کو ایک ماہ انتظار کی ضرورت نہیں ہوگی، یہ اقساط ہر **جمعرات** کتاب گھر پر پیش کی جائیں گی۔

http://kitaabghar.com

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
عشنا کوثر سردار کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

مجھے محبت کا قرینہ دو

آپ کو ایک ماہ انتظار کی ضرورت نہیں ہوگی، یہ اقساط ہر ہفتہ کتاب گھر پر پیش کی جائیں گی۔

http://kitaabghar.com

گیتی آرا کسی معمے کی طرح لگنے لگی تھی۔

حالانکہ کسی نے اسے ترغیب نہیں دی تھی نہ ہی کوئی شرط عائد کی تھی اس کے باوجود اسے لگتا تھا کہ اس معمے کو حل کرنے کے بعد ہی اسے وہ میجک کارڈ ملے گا جو اسے رہائی دلوانے میں معاون ثابت ہوگا۔

گو کہ گیتی نے سوائے ایک مرتبہ کے کبھی بھی اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی تھی وہ ہر دفعہ اپنے الفاظ سے اس کی امیدوں پر پانی پھیرتی رہی تھی مگر وہ اپنے دل کا کیا کرتی جو اس بات پر کامل یقین کر چکا تھا کہ گیتی ہی وہ کنجی ہے جس سے اس قید خانے کے تالے کھولے جا سکتے ہیں۔

بہت دیر تک ایک ہی نقطے پر سوچ لینے کے بعد اس نے بات کرنے کا فیصلہ کیا چونکہ وہ بے حد موڈی تھی ذرا دیر میں اپنی اپنی سی لگتی اور ذرا میں پرائی بن جاتی اس لیے بہت منتخب الفاظ درکار تھے۔

رحاب نے تمہید کے طور پر کھنکھار کر گلا صاف کیا پھر اسے پکارا۔

''گیتی۔''

''ہوں۔'' چینل سرچ کرتے ہوئے ایک سرسری نظر رحاب پر ڈالی تھی۔ جس صوفے پر رحان براجمان تھی اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی وہ چینل بدل رہی تھی۔ وہ بے بی پنک کلر کے باتھ گاؤن میں ملبوس تھی اور اس کے گیلے بالوں سے پانی ٹپک ٹپک کر گاؤن میں جذب ہو رہا تھا۔

وہ ایک ہاتھ سے اپنی بھیگی زلفیں سنوار رہی تھی بے حد تر و تازہ دکھائی دے رہی تھی جیسے صبح کی تر و تازہ ہوا میں لہراتا ہوا شبنم میں بھیگا پھول یا پھر کسی ٹی وی کمرشل کی ماڈل جس کی تر و تازگی ہی اس کی اصل خوبصورتی معلوم ہوتی ہے لیکن رحاب نے سٹپٹا کر نظروں کا زاویہ بدل لیا۔

بے چاری کی غلطی نہیں تھی ایک تو فطرتاً شرمیلی تھی دوسرا جس گھرانے سے اس کا تعلق تھا وہاں تو ٹی وی پر بھی ایسا لباس برداشت نہیں کیا جاتا تھا کجا کہ لائیو ٹرانسمیشن۔

''رحاب بی بی! آپ کچھ فرما رہی تھیں اب کس مراقبے میں چلی گئیں۔''

گیتی نے بالوں کو جھٹکتے ہوئے اور کھڑکی کی جانب بڑھتے ہوئے کہا۔ اس کے الفاظ و انداز اس کے خوش گوار موڈ کی نشاندہی کر رہے تھے۔

رحاب نے اس کی بات پر بالکل لاشعوری طور پر اس کی طرف دیکھا اور پھر شرمندہ ہوئی گیتی کے گاؤن کی ڈوریاں بے حد ڈھیلی تھیں آستین نہ ہونے کے برابر اور گاؤن کی لمبائی اس کی پنڈلیوں تک تھی۔

''تم پہلے کپڑے بدل لو ہم پھر اطمینان سے بات کرلیں گے۔'' رحاب نے جھجکتے ہوئے کہا۔

گیتی نے کھڑکی کے پردے ہٹاتے ہوئے قدرے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔ سیاہ چادر جو اول روز سے اوڑھے ہوئے تھی اس وقت بھی اس کے وجود پر لپٹی ہوئی تھی اور اس کا سادہ و معصوم سا چہرہ شرم کی سرخی سے لال ہو رہا تھا۔ گیتی ناسمجھی سے اسے دیکھتی رہی رحاب اس کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھی بلکہ باقاعدہ نظریں چرا رہی تھی۔

گیتی نے بے ساختہ چونکتے ہوئے خود اپنی جانب دیکھا اگلے ہی پل اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''بڈھی روح۔'' اس نے ہنستے ہوئے کھڑکی کے پردے ہٹائے۔ گلاس وال پر ننھی ننھی بوندیں پھسل رہی تھیں۔ آسمان گہرے سرمئی بادلوں سے ابھی بھی ڈھکا ہوا تھا اور بوندا باندی ابھی بھی جاری تھی۔

''تم کہاں سے آ گئی ہو۔ زمانہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا اور یہ اتنی سی بات پر شرما شرما کر مرے جا رہی ہیں۔ اٹھارویں صدی کا گھسا پٹا ماڈل نہ ہو تو......'' وہ متبسم لہجے میں کہتی وارڈروب کی جانب بڑھی ایک ہینگر کھینچ کر نکالا اور بولی۔

''اب پیچھے مڑ کر نہ دیکھ لینا......تم تو بالکل ہی فوت ہو جاؤ گی۔'' اس کا لہجہ شریر تھا اور کھلکھلاتا ہوا۔ رحاب نے اپنے آپ میں سمٹ کر بالکل ہی رخ بدل لیا۔ چند لمحے بعد واش روم کا دروازہ کھلنے اور پھر بند ہونے کی آواز آئی۔

''ہاں جی......اب ارشاد فرمایئے۔'' وہ سامنے بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

رحاب نے جھجکتے ہوئے اس کی جانب دیکھا اور قدرے مطمئن ہوئی۔ گیتی معقول حلیے میں آ چکی تھی اس نے سیاہ رنگ کا میکسی نما ریشمی لباس پہنا تھا گلے کی گہرائی زیادہ تھی مگر ڈوری سے بندھا ہوا تھا اس لیے بالکل بھی معیوب نہیں لگ رہا تھا۔ لباس کی لمبائی اس کے پیروں کو بھی ڈھانپ چکی تھی البتہ آستینوں کا سائز ابھی بھی قابل گرفت تھا۔

''اگر میں ایک بات کہوں تو تم برا تو نہیں مانو گی؟'' رحاب نے جھجکتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''میں دوبارہ کپڑے چینج نہیں کروں گی۔'' آگے کو جھک کر میز پر سے ریموٹ اٹھاتے ہوئے اس نے چٹا سفید جواب اس کے منہ پر مارا۔

''نہیں......میں یہ نہیں کہہ رہی۔'' رحاب جلدی سے بولی۔

''پھر؟'' وہ چینل بدلتے ہوئے لاپروائی سے بولی۔

رحاب اپنی انگلیاں مسلتی رہی۔

''بھوک لگی ہے؟'' گیتی نے اس کے انداز کا بغور جائزہ لیتے ہوئے اندازہ لگایا۔ رحاب کے لبوں پر تلخ سا تبسم بکھر گیا۔

''بھوک تو اسی دن مر گئی تھی جس دن میں یہاں آئی۔''

''تمہاری باتیں بہت بور کرتی ہیں۔'' گیتی ناک چڑھا کر ٹی وی دیکھنے لگی۔

''تم نے مجھے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔'' رحاب نے بالآخر سوال کیا یا شاید اظہار رائے۔

گیتی نے قدرے حیرت بھری نظر اس پر ڈالی اور لاپروائی سے بولی۔

''اپنے بارے میں، میں کیا بتاؤں؟...... کچھ ایسا خاص ہے ہی نہیں جو اسپیشلی بتایا جائے۔''

''خاص نہ سہی...... کچھ عام باتیں تو ہوں گی جو بتائی جا سکیں میرے متعلق جاننے سے تو تمہیں دلچسپی نہیں کم سے کم اپنے بارے میں ہی کچھ بتاؤ۔'' رحاب نے زور دے کر کہا۔

گیتی کو اس کی دلچسپی میں دلچسپی محسوس ہوئی تب ہی مبہم سا مسکرائی۔

''نہیں......ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے۔'' رحاب بضد ہوئی۔

''ہر انسان کی کوئی نہ کوئی کہانی ضرور ہوتی ہے۔'' اس نے زور دے کر کہا، درحقیقت وہ گیتی کے لہجے سے تقویت پکڑ رہی تھی۔

''کہانی کا پتا نہیں البتہ ہر آج کی ایک گزری ہوئی کل ضرور ہوتی ہے...... اچھی یا بری...... بہر حال ہوتی ضرور ہے۔'' وہ اطمینان سے بولی۔

''میں اسی کل کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔'' ترت جواب آیا گیتی کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟''

رحاب سے کوئی جواب نہ بن پڑا قدرے بے بسی سے بولی۔

''بس یونہی......''

گیتی ٹی وی کی جانب متوجہ ہوگئی۔

''گیتی۔'' چند لمحے بعد رحاب نے پھر پکارا۔

''بولو۔''

''مظہر تمہارا شوہر ہے؟''

گیتی کے ہاتھ سے ریموٹ چھوٹ گیا۔ چہرے پر زلزلے کے اثرات نمایاں ہوئے۔

''تمہیں کس نے کہا؟'' وہ غصے اور حیرانی سے بولی۔

اس کے چہرے پر اشتعال اتنا نمایاں تھا کہ رحاب کو اپنی خیریت بھی خطرے میں لگی۔ حالانکہ اس کے تاثرات سے اپنے سوال کا

جواب تو مل ہی گیا تھا۔

''وہ......'' اس سے فوراً کچھ نہ کہا گیا۔

''شبنم نے؟'' گیتی نے پوچھا۔

''نہیں۔'' وہ بمشکل بولی۔

''رائمہ نے؟......اسے ہی اندازے لگانے کا شوق ہے۔'' گیتی غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔

''مجھے مظہر نے خود بتایا تھا جب وہ کمرے میں آیا تھا۔'' رحاب نے جلدی سے کہا اور گیتی کے اشتعال میں اضافہ ہوا تھا اس نے مظہر کو موٹی سی گالی دی۔

''جب پتا چل ہی گیا ہے تو پوچھ کیوں رہی ہو؟......اگلی بار آئے گا تو تمہارے پاس چھوڑ جاؤں گی، سارے سوالوں کے جواب مانگتی رہنا۔'' اس نے تڑخ کر کہا تھا۔

''نہیں......پلیز......'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''میں تو بس یونہی......مجھے تم سے ہمدردی ہو رہی تھی۔''

''تم میری ماں لگتی ہو؟......بلکہ میری تو ماں کو بھی کبھی مجھ سے ہمدردی محسوس نہیں ہوئی ہو گی تم کس خوشی میں مجھ پر ترس کھا رہی ہو......خود پر ترس کھاؤ یہ سوچو یہاں سے نکلنا کیسے ہے......میری جان بخشو۔'' وہ پھاڑ کھانے والے انداز میں بولی اور تن فن کرتی کھڑکی کے پاس جا رکی۔

رحاب کا پانسہ غلط پڑ گیا تھا۔ وہ بری طرح کانپنے لگی۔

''میں نے تو بس یونہی پوچھ لیا تھا۔ آئی ایم سوری گیتی۔'' وہ گڑگڑائی گیتی کے صبیح چہرے پر سختی سی سختی تھی۔

اس نے ایک نظر بھی رحاب کو نہ دیکھا۔

''ایک دفعہ تم نے کہا تھا تم اس زندگی سے مطمئن ہو پھر مظہر کے نام پر ایسا ری ایکشن کیوں؟''

''گالی کی طرح لگتا ہے مجھے اس کا نام۔ سلے ہوئے زخم ادھڑتے ہیں تو تکلیف ہوتی ہے میرا بس چلے تو اس کو بیچ چوراہے میں کھڑا کر کے کوڑے لگواؤں لوگوں سے کہوں اسے تب تک پتھر مارو جب تک اس کی آخری سانس بھی ختم نہ ہو جائے بھوکے کتے چھڑوانے کو دل چاہتا ہے اس پر۔

گھن آتی ہے مجھے خود سے جب یہ یاد آتا ہے کہ میں اس کے نکاح میں ہوں۔'' گیتی کا سانس پھول گیا تھا آنکھوں سے شرارے پھوٹ رہے تھے۔

وہ غصے سے کانپتی قریبی صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ چند لمحے بعد جب اشتعال پر ذرا قابو پالیا تو آہستگی سے بولنا شروع ہوئی۔

''بہت غریب گھرانے سے تھی میں۔ ایک وقت کا چولہا جلتا تھا تو اگلے وقت کی فکر منہ پھاڑ کر کھڑی ہو جاتی تھی۔ مظہر غربت کے اس تنگ و تاریک مکان میں ایک روزن محسوس ہوا تھا جہاں سے ٹھنڈی ہوا آتی ہے۔ اس کے پاس وہ سب کچھ تھا جو مجھے چاہیے تھا دولت، آسائشات، سہل زندگی کے خواب...... آنکھیں بند کر کے نکل پڑی۔ یہ تو بعد میں پتا چلا وہ اپنی فراہم کردہ آسائشات کی قیمت کیسے وصول کرتا ہے۔'' چہرے پر تازگی کا نام ونشان تک نہ تھا وہ گہرے دکھ سے کہہ رہی تھی۔

''تم پہلے سے نہیں جانتی تھیں؟''

''جانتی تو کیا اس کے ساتھ آتی۔ اتنی عقل تو غربت میں بھی تھی۔'' وہ جھلا کر بولی۔

''بس آنکھوں پر پٹی سی بندھ گئی تھی۔ صرف اچھا اچھا سوچا، برے کی طرف دھیان ہی نہیں دیا تمہیں ایک بات بتاؤں عورت کبھی بھی خود کو دولت پر قربان نہیں کرتی۔ یہ محبت ہوتی ہے جس پر وہ اپنا آپ وارنے کے لیے راضی ہو جاتی ہے اور مرد یہ فارمولا جانتا ہے ازل سے جانتا ہے۔ اسے پتا ہوتا ہے ڈوری پر محبت کا ٹکڑا لگائے گا تب ہی مچھلی پھنسے گی۔

یہ جو لیلیٰ مجنوں، سسی پنوں، ہیر رانجھا کی کہانیاں دہرائی جاتی ہیں یہ دو کوڑی کی ہیں صداقت سے عاری چیز ہمیشہ دو کوڑی کی ہوتی ہے۔ تم مجھے کسی ایسی داستان کا نام بتا سکتی ہو جہاں مرد نے کسی بھی ذاتی غرض سے بے نیاز ہو کر محبت کی ہو؟ کوئی بھی مرد محبت میں یہ کیوں نہیں کہتا کہ عورت اس سے جسمانی تعلق قائم نہ کرے؟ کیونکہ وہ صرف اسی لیے محبت کی مالا جپ رہا ہوتا ہے۔ ہیر کی شادی رانجھے سے نہیں ہوئی، مجنوں کو لیلیٰ نہیں ملی تو جنگل چھاننے نکل گیا حالانکہ یہ بھی تو سوچا جا سکتا تھا کہ چلو محبوبہ خوش رہے جہاں رہے آباد رہے۔

یہ طے ہے کہ مرد عورت سے محبت اس کے جسم کی خاطر کرتا ہے مظہر نے صرف اپنی ضروریات کے لیے مجھے نہیں چنا اس نے اپنی ترجیحات کی تکمیل کے لیے مجھے چنا۔

اور وہ یہی کرتا ہے چن چن کر ایسے گھرانے تلاش کرتا ہے جہاں غربت کے سائے میں پلنے والی مگر سونے کے انڈے دینے والی مرغی موجود ہوتی ہے۔''

رحاب منہ کھولے ہکا بکا اسے سن رہی تھی۔

''عورت کا کاروبار کرتا ہے وہ...... لیکن تمہیں ایک بات بتاؤں، مظہر انسان نہیں ہے وہ آسیب ہے۔ وہ اس طرح چمٹ کر حواس قابو کر لیتا ہے کہ انسان کو اپنا ہوش ہی نہیں رہتا یا حشیش سمجھ لو...... سوٹے دل لگاتا ہے نشہ دماغ کو چڑھ جاتا ہے اور جب نشہ اترتا ہے تو پانی سر سے گزر چکا ہوتا ہے۔

میرے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ تم نماز پڑھتی ہو بڑی لمبی لمبی دعائیں بھی کرتی ہو ہو سکے تو ایک دعا کرنا وہ بدبخت اب جس کی

زندگی برباد کرنے نکلا ہوا ہے وہ مرجائے مگر اس کے شر سے محفوظ رہے۔

میں بھی دعا کرتی ہوں اللہ اسے بچالے۔کاش، میں اس معصوم لڑکی کے لیے کچھ کرسکتی۔'' کھڑکی سے آنے والی روشنی ڈائریکٹ اس پر پڑ رہی تھی بالوں سے ابھی بھی پانی ٹپک رہا تھا اور گیتی کے چہرے پر بہت جذب تھا۔رحاب کے دل سے بھی بے ساختہ آمین نکلا تھا مگر وہ دونوں ہی نہیں جانتی تھیں کہ اس لمحے میں دل کی پوری سچائی سے کی جانے والی دعا، قبولیت کا در چھونے سے پہلے ہی پلٹ آئی ہے۔ کچھ دعائیں یونہی رد کردی جاتی ہیں۔

سیپ میں بند موتی دیکھا ہے کبھی؟

جس کی سچائی و پاکیزگی پر آنکھیں بند کرکے یقین کر لینے کو دل چاہتا ہو؟ کچھ الفاظ بھی تو ایسے ہی ہوتے ہیں سچے اور پاکیزہ...... جیسے سیپ میں بند موتی یا شاید لہجے الفاظ کی قدر و قیمت کا تعین کرتے ہیں۔

جس لہجے میں سچائی کی خوشبو ہو اسی کے الفاظ اپنی صداقت کا پتا دیتے ہیں یعنی جتنا کھرا لہجہ اتنے ہی معتبر الفاظ۔درحقیقت دل کی عدالت میں دل کے قوانین چلتے ہیں اور دل کو دل کے لبوں سے ادا ہونے والی گواہی پر ہی لبیک کہنے کی عادت ہوتی ہے۔

اور عانیہ نے تو شاید اول روز ہی اپنا سر دل کے حضور جھکا دیا تھا اس کا عمل درست تھا یا غلط......اس کا فیصلہ وقت نے کرنا تھا اور وقت کو اپنے فیصلے ظاہر کرنے کے لیے بھی وقت درکار ہوتا ہے۔

اسے کیا ضرورت کہ بلاوجہ کے اندیشوں میں گھر کر اپنا وقت برباد کرتی اور زندگی نے یہ جو خوب صورت احساسات اسے دان کیے تھے انہیں اپنے ہاتھوں سے کالے کنویں میں جھونک دیتی ابھی تو زندگی اس پر رنگ نچھاور کررہی تھی۔خوشیوں کا لامتناہی سلسلہ تھا جس میں اسے سفر کرنا تھا۔

کبھی کبھی وہ سوچتی جو شخص محض اپنی باتوں سے اسے خوشی کے نہ ختم ہونے والے احساس سے روشناس کرواچکا ہے اس کے بنفس نفیس زندگی میں شامل ہوتے ہی زندگی کا رنگ کیا ہوگا۔

وہ یہ زندگی کیسے بتائے گی؟

وہ کس کس طرح اس زندگی سے حظ اٹھائے گی؟

خواب بننے کے لیے بھی امید کے ریشمی دھاگے کی ضرورت ہوتی ہے اور مظہر نے اسے یہ ریشمی دھاگہ صرف فراہم نہیں کیا تھا اس کے اردگرد محبت کے نام کا ایک ریشمی جال بھی بن دیا تھا جس سے باہر نکلنے کا سوچنا بھی عانیہ چوہدری کیلیے گناہ کے مترادف تھا۔

اس روز اس نے کہا۔

''آج بھی شہر میں پاگل دل کو

تیری دید کی آس رہی

مدت کی گم صم تنہائی

اور آج بھی شام اداس رہی۔''

مظہر کے دلکش لب و لہجے میں کچھ ایسا ضرور تھا جس نے براہ راست اس کے دل کو چھوا تھا لیکن اگلے ہی پل وہ ہنس دی تھی۔

''ابھی شام کہاں جناب......ابھی تو دن کا دوسرا پہر چل رہا ہے۔''

''واہ واہ......بہت خوب یاد دلا دیا۔ وہ جو شاعر کہتا ہے

جس طرح میرا خواب ہے اس طرح تیرے ساتھ

اک شام گزر جائے تو اک شام بہت ہے

مظہر نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔ عانیہ ہنس دی۔

''شکر ہے ہمیں یہ دوسرا پہر ہی نصیب ہو جاتا ہے ورنہ جس طرح ایک کے بعد ایک تمہاری بہنیں گھر میں رکنے لگی ہیں مجھے ڈر ہے کہیں یہ وقت بھی ہمارے ہاتھ سے نہ نکل جائے۔''

''اللہ نہ کرے۔'' اس نے بے ساختہ کہا تھا۔

''اللہ یہ کر چکا ہے میری جان! ورنہ یہ ثانیہ بی بی کیوں اتنی مستقل مزاجی سے گھر میں رکی ہوئی ہیں۔'' مظہر نے سوال اٹھایا۔

''وہ تو اس نے تیمور سے وعدہ کیا تھا کہ جب اسے پارٹ ٹائم جاب مل جائے گی تو وہ ٹیوشنز چھوڑ دے گی اس لیے اب وہ گھر پر رکنے لگی ہے کیونکہ وہ جاب چھوڑ چکی ہے بلکہ آج کل تیمور امی اور شفق کو بھی فورس کرنے لگا ہے کہ وہ لوگ اسکول چھوڑ دیں۔''

''میری دعا ہے وہ لوگ کبھی تیمور کی بات نہ مانیں۔'' مظہر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے بے ساختگی سے کہا تھا عانیہ کھلکھلا کے ہنس دی۔

''ثانیہ بے چاری کی ایک پیپر میں سپلی بھی صرف آپ کی انہی دعاؤں کی وجہ سے آئی ہے نہ اس کی سپلی آتی اور نہ اسے کوچنگ کی ضرورت پڑتی۔''

''محبت زندہ باد۔'' وہ بھی ہنستے ہوئے بولا۔

''ساری زندگی کسی کی ناکامی کی دعا نہیں کی تھی آپ کی محبت نے وہ بھی کروا لیا۔''

''جتا رہے ہیں؟''

''بتا رہے ہیں کہ ہم آپ سے کتنی محبت کرتے ہیں۔'' بے حد ترت اور تسلی بخش جواب آیا تھا۔

''میں جانتی ہوں......'' وہ پھر ہنس دی بے حد فخر و مان کے ساتھ۔

''ایک تو تم ہنستی بہت ہو۔'' اس نے اکتاہٹ بھرے لہجے میں کہا۔ عانیہ کی ہنسی کو بریک لگ گیا۔

''نہ ہنسا کروں؟ بری لگتی ہوں ہنستے ہوئے؟''

''اتنی دور سے نہ ہنسا کرو۔ یہ دوری کا احساس میرے دل کو جلا کر خاک کر دیتا ہے۔''

وہ جلبلا کر بولا اور اس دفعہ عانیہ کی مدھم سروں میں گونجنے والی ہنسی بھرپور بے ساختہ سریلے سے قہقہے میں بدل گئی تھی۔

''مجھے جلا تڑپا کر کتنا لطف آتا ہے نا۔'' مظہر نے پھر جل کر کہا تھا۔

''اچھا بابا! اب نہیں ہنسوں گی۔'' اس نے بمشکل اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے اور آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا۔

''بہت خوب......یعنی اب ایک اور ظلم کرو گی۔''

''اب کیا کیا میں نے؟''

''ایک تو اتنی دور ہو مجھ سے اور اب ہنسی سے بھی محروم کرو گی۔''

''خود ہی نے تو کہا ہے۔'' وہ متبسم لہجے میں بولی۔

''میں تو اور بھی بہت کچھ کہتا ہوں ان سب باتوں کو آپ نے کتنا مانا ہے اب تک۔''

''ہر بات تو مانتی ہوں۔'' وہ اس الزام پر روہانسی ہو کر بولی۔

''پھر یہ بات بھی کیوں نہیں مان لیتیں کہ میں اپنے پیرنٹس کو تمہارے گھر لاؤں؟ تمہیں اندازہ نہیں ہے عانیہ! میں خود کو تمہارے بغیر ادھورا محسوس کرتا ہوں۔'' اس نے بے بس ہو کر کہا تھا۔

''اب جو بھی دیر ہے وہ صرف تمہاری طرف سے ہی ہے۔ میرا تو یہ حال ہے دل چاہتا ہے اس معاملے میں تمہاری بالکل نہ سنوں اور اپنے پیرنٹس کو لے کر پہنچ جاؤں دیکھ لینا میں کسی روز کروں گا بھی یہی۔'' اس نے گویا اپنے عزائم کا اظہار کر کے عانیہ کو دم بخود کر دیا۔

''نہیں نہیں پلیز......میں گھر میں سب کو کیا جواب دوں گی۔'' وہ پریشان سی ہو کر بولی تھی۔

''یہ تمہارا مسئلہ ہے۔'' مظہر نے بڑے آرام سے دامن جھاڑا۔

''ہماری خوشیوں کے سلسلے مشترک ہوں گے اور مسائل کا سامنا کرنے کے لیے ہم ایک دوسرے کو تنہا چھوڑ دیں گے؟'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے گلوگیر لہجے میں کہا تھا۔

''عانی! میری جان۔ پلیز رونا نہیں......میرا کہنے کا یہ مطلب نہیں تھا۔'' مظہر نے بے چین ہو کر بے ساختگی سے کہا۔ عانیہ کے آنسو اس کی برداشت سے بالکل باہر ہوتے تھے۔

''او کے آئی ایم سوری یار......'' اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیا کر ڈالے۔

''میں کئی بار تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں تمہیں میری پوزیشن بھی سمجھنا چاہیے۔'' اب اس کے انداز میں ہٹ دھرمی یا رعب نہیں تھا بلکہ بے بسی تھی۔

''اور آپ کو میری پوزیشن سمجھنا چاہیے۔ جب تک ثانیہ کا رشتہ طے نہیں ہو جاتا میں اپنی شادی کی بات کر ہی نہیں سکتی میں اپنی اور آپ کی شادی کے ایشو کو عین وقت پر اٹھانا چاہتی ہوں تاکہ کسی بھی اختلاف کی گنجائش ہی نہ رہے۔ ورنہ چچا جان بھی شور مچا دیں گے...... آپ پلیز میری محبت پر شک نہ کریں۔ دعا کریں ثانیہ کا رشتہ جلد از جلد طے ہو جائے۔''

''ثانیہ کے لیے تم لوگ کس قسم کا لڑکا چاہتے ہو آئی مین کیا ڈیمانڈز ہیں تم لوگوں کی؟''

''کچھ خاص نہیں بس اچھا شریف گھرانہ ہو اور کیا چاہیے ہوتا ہے۔'' عانیہ نے لاپروائی سے کہا۔ ''ویسے آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

''تاکہ اپنے سرکل میں اس کے لیے کوئی بہت اچھا لڑکا تلاش کر سکوں۔''

''نہیں رہنے دیں...... اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ فوراً بولی۔

''یار! میں تمہاری امی کی پریشانی کا احساس کر سکتا ہوں پھر تمہارے حوالے سے جو رشتہ ثانیہ سے بنتا ہے میرا وہ بہن بھائی کا ہی تو ہے تو کیا میں اپنی بہن کے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتا۔''

''آپ کتنے عظیم ہیں مظہر!'' عانیہ نے بہت جذب سے کہا تھا وہ ہنسنے لگا تھا۔

''اتنا بھی اچھا نہیں ہوں ان ڈائریکٹلی تو میرا اپنا ہی فائدہ ہوگا۔''

''پھر بھی میں آپ کی شکر گزار ہوں آپ امی کی پریشانی بانٹ رہے ہیں...... لیکن آپ یہ نہ کریں یہاں کوئی بھی آپ کے اچھے جذبے کو نہیں سمجھ سکے گا اور پھر ابھی تو خود آپ کا یہاں کوئی تعارف نہیں۔''

''یہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔'' وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دیا۔

''آپ کیوں افسردہ ہو رہے ہیں ہو جائے گا کچھ نہ کچھ۔'' مظہر کی اداس سی ہنسی نے اسے بے حد شرمندہ کر دیا تھا۔

''ہاں ہو جائے گا کچھ نہ کچھ۔'' اس نے دہرایا، پھر اپنا موڈ بحال کرنے کرنے کی بڑی واضح کوشش کرنے لگا۔

''عانیہ!''

''جی۔'' وہ ہمہ تن گوش ہوئی۔

''میں تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''جی۔'' اس کے مطالبے نے ایک پل کو عانیہ کے ہاتھ پیر پھلا دیئے۔

''جی......اور اس بار میں کوئی بہانہ نہیں سنوں گا۔ شادی نہیں کر سکتے اتنی جلدی۔ لیکن مل تو سکتے ہیں۔ پلیز یار! انکار نہیں چلے گا میں ملنا چاہتا ہوں تم سے کتنی باتیں ہیں جو تم سے کرنی ہیں کتنا کچھ ہے جو تمہیں بتانا ہے۔ میں تمہیں جی بھر کر دیکھنا چاہتا ہوں عانیہ۔'' وہ بہت جذب سے کہہ رہا تھا۔

''یہ ممکن نہیں ہے مظہر!'' اس نے بے چارگی سے کہا۔

''کیوں؟'' وہ تڑخ کر بولا۔

''تم ملنا نہیں چاہتیں؟''

''میں......'' وہ اٹک گئی۔ ''اتنی جلدی کس بات کی ہے مظہر! ابھی تھوڑے دن پہلے ہی تو......''

''تھوڑے دن۔'' مظہر نے بے حد برہمی سے اس کی بات قطع کی تھی۔

''اس بات کو پورے چار ماہ گزر چکے ہیں عانیہ! جب میں نے بازار میں صرف تمہاری ایک جھلک دیکھی تھی۔ وہ بھی تمہاری امی اور دو عدد بہنوں کے ساتھ۔''

''آپ خفا کیوں ہو رہے ہیں؟......آپ جانتے ہیں نا میں گھر سے باہر زیادہ نہیں جاتی۔ میں کیسے مل سکتی ہوں؟''

''تمہیں نہیں لگتا عانیہ! تمہیں میری ہر بات ناقابل عمل لگتی ہے۔'' اس کے لہجے میں خفگی کا واضح تاثر تھا۔

''مظہر۔'' اس نے کہنا چاہا۔

''پلیز عانیہ! اب بس کرو۔ میں کہتا ہوں ہم شادی کر لیں تو تم وہ نہیں مانتیں ملنا تم نہیں چاہتیں۔ مجھے لگتا ہے محبت کے معاملے میں، میں ہوں ہی بدقسمت۔''

''ایسا مت کہیں مظہر۔ آپ نہیں جانتے میں آپ سے کتنی محبت کرتی ہوں۔'' اس نے تڑپ کر کہا۔

''نہیں میں جانتا ہوں۔ تمہارے جذبے کی صداقت پر شک تو میں کر ہی نہیں سکتا لیکن میں نے کہا نا...... میں ہی بدقسمت ہوں۔ اچھا عانیہ! میں تم سے پھر بات کروں گا۔ اپنا خیال رکھنا اللہ حافظ۔''

فون بند ہو چکا تھا۔ مظہر نے اسے کچھ بھی کہنے کا موقع نہیں دیا تا البتہ اس کی بے چینیوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

ایک پل کے لیے منظر بری طرح دھندلا گیا تھا۔

اس نے تیزی سے پلکیں جھپکتے ہوئے بے ساختہ امنڈتے آنسوؤں کو پیچھے دھکیلا اور دزدیدہ نظروں سے جملہ حاضرین کو دیکھا لیکن وہاں کسی کو بھی اتنی فرصت نہ تھی کہ اس پر توجہ دے سکتا تمام خواتین سامنے موجود عالمہ کے درس کو سننے میں بے حد مگن تھیں۔

وہ سب وہاں قرآن خوانی میں شریک ہونے اور درس سننے آئی تھیں اور اپنے اس مقصد کو پورا کر رہی تھیں۔صرف عانیہ تھی (غالباً) جو وہاں بغیر کسی مقصد کے اور قدرے بددلی سے آئی تھی اسے یہاں آنے کے لیے اس کی امی اور بہنوں نے مجبور کیا تھا اگر وہ سب اسے اتنا زیادہ فورس نہ کرتیں تو وہ کبھی نہ آتی۔نہ آنے کی وجہ کوئی چپقلش نہیں تھی بس وہ زمانہ گزر چکا تھا جب وہ اشفاق چچا جان کے گھر آتے ہوئے خوشی محسوس کرتی تھی۔

اس نے خیالات کو جھٹکتے ہوئے درس کی جانب توجہ دینے کی کوشش کی مگر اس کی یہ کوشش ناکام رہی۔خیالات کے پر ہوتے ہیں کب کون سا خیال ذہن کی منڈیر پر بیٹھے یا پھر سے اڑ جائے پتا ہی نہیں چلتا۔

درس کا بنیادی نقطہ کیا تھا؟

عالمہ نے گفتگو کا آغاز کہاں سے کیا تھا؟

وہ کس آیت کی تفسیر بیان کر رہی تھی؟

اس نے ابھی ابھی کس حدیث کا حوالہ دیا تھا؟

عانیہ نہیں جانتی تھی۔دراصل موجود جتنی خواتین ''حاضر'' تھیں عانیہ اتنی ہی غیر حاضر تھی۔اسے گناہ تو خیر نہیں کہا جا سکتا ہاں وہ انجانے میں بے ادبی کی مرتکب ہو رہی تھی اور اپنی اس کوتاہی کے ادراک سے بھی کوسوں دور تھی۔فکر تھی تو صرف اتنی کہ کہیں کوئی اس کی کیفیت بھانپ نہ جائے۔

محبت بھی اچھی مصیبت ہے۔کبھی عادت لگتی ہے تو کبھی سراسر مجبوری۔

''چار دن......چار دن کم تو نہیں ہوتے۔''اس نے کڑھ کر سوچا۔

''تمہیں تو میری آواز سن کر زندہ رہنے کا دعویٰ تھا پھر یہ چار دن تم نے مجھ سے بات کیے بنا اور خفا رہ کر کیسے گزارے ہوں گے۔''

آنسو یک لخت آنکھوں کی دہلیز کی جانب لپکے تھے اس نے بے بسی سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

''ارے......تمہیں کیا ہوا؟''اپنے بہت قریب اس نے اجیہ کی آواز سنی تھی۔

''کچھ نہیں۔''اس نے بوکھلا کر کہا۔

''ایں......کچھ نہیں تو رو کیوں رہی ہو؟''اجیہ مطمئن نہیں ہو پا رہی تھی۔

اس بار عانیہ نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے تھے مگر الفاظ سے پہلے موٹے موٹے آنسو آنکھوں سے پھسلنے لگے تھے۔اس کا دل اتنا بھرا ہوا تھا کہ اپنی کیفیت اس سے چھپائی نہیں جا رہی تھی۔

اجیہ کے تو ہاتھ پیر ہی پھول گئے۔

”ارے ارے...... کیوں رو رہی ہو بھئی...... ثانی!“ اس نے فوراً لیکن دھیمی آواز میں ثانیہ کو پکارا جو اس کے ساتھ ہی بیٹھی ہوئی تھی۔

”عانی! کیا ہوا ہے؟“ وہ بھی پریشان ہو کر پوچھ رہی تھی۔

”طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔“

عانیہ نے کچھ تو کہنا تھا سو فوراً نفی میں سر ہلا دیا کوشش کے باوجود اس کے آنسو تھم نہیں رہے تھے۔

”ہاں طبیعت ہی ٹھیک نہیں لگ رہی...... شاید ٹمپریچر بھی ہے چہرہ کتنا سرخ ہو رہا ہے۔“ اجیہ فکرمندی سے بولی۔ ”چلو اٹھو تم یہاں سے...... اندر چل کر لیٹو۔“

اس نے کھڑے ہوتے ہوئے عانیہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھی اٹھایا۔ عانیہ نے ایک نظر ثانیہ کو دیکھا پھر بنا کسی پس و پیش کے اجیہ کے ساتھ کمرے میں آ گئی۔

”یہاں لیٹ جاؤ آرام سے کتنی بدھو ہو تم۔ جب طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو خود ہی کسی کمرے میں جا کر لیٹ جاتیں اتنی دیر تک بیٹھے رہنے سے بھی تھک گئی ہو گی۔“ اجیہ نے الماری کے نچلے حصے سے ایک موٹا سا کمبل نکالتے ہوئے کہا۔

”چائے بنا دوں؟...... ساتھ میں کوئی ٹیبلٹ لے لو۔“ کمبل اسے اوڑھاتے ہوئے اجیہ نے سوال کے ساتھ ساتھ مشورہ بھی دے ڈالا۔

”میرے سر میں بہت درد ہے اجیہ! چکر آ رہے ہیں۔ گھر جا کر تھوڑا آرام کروں گی تو ٹھیک ہو جاؤں گی۔“ اس نے بوجھل دل کے ساتھ بوجھل آواز میں کہا۔

”یہیں رکو یار! اتنی جلدی تو تمہیں کوئی بھی نہیں جانے دے گا کھانا کھا کر جانا بس یہ درست ختم ہو جائے تو۔“

”نہیں اجیہ!......“ اس نے فوراً ٹوک دیا۔

”کھانے کا تو اب سوال ہی نہیں اٹھتا۔ مجھ سے نہیں کھایا جائے گا۔ تم باذل سے کہو مجھے گھر چھوڑ آئے...... یہاں اتنا شور ہے میرا خیال ہے اسی شور کی وجہ سے سر درد کر رہا ہے۔ تمہیں پتا ہے مجھے اتنے شور میں رہنے کی عادت نہیں ہے۔“ وہ جلد از جلد یہاں سے نکلنا چاہتی تھی آنکھیں بار بار برسنے کو تیار تھیں اور اسے تنہائی درکار تھی۔

”بس تھوڑا سا درس اور باقی ہے تم اتنی دیر اور برداشت کر لو پلیز...... پھر میں خود جا کر منع کر دوں گی مگر اس طرح سے تمہارا جانا مناسب نہیں لگتا کچھ کھا پی کر۔“

”کوئی ضروری بھی نہیں تم اسے سمجھاؤ ثانیہ!“ اس نے اپنی جھلاہٹ چھپاتے ہوئے کمرے میں داخل ہوتی ثانیہ کو مخاطب کیا۔

”کیا سمجھاؤں؟“

''یہی کہ مجھے گھر جانے دے کھانا کھانا کچھ ایسا ضروری بھی نہیں ہے اور یہ کون سا کسی غیر کا گھر ہے پھر کسی روز کھا لوں گی۔'' اس نے بات بنائی۔

''کیا بہت زیادہ درد ہے سر میں؟'' ثانیہ نے فکر مندی سے پوچھا۔

''ہاں بہت زیادہ...... گھر میں زیادہ تر وقت تنہا رہنے سے یہ نقصان ہوا کہ مجھ سے اب اتنا شور ہنگامہ برداشت نہیں ہوتا۔'' اس نے لاچاری سے کہا۔

''اچھا......'' اجیہ مجبوراً بولی۔ ''تمہارے سر میں پتا نہیں بے وقت درد کیوں ہو رہا ہے۔ حالانکہ میرا دل بالکل نہیں مان رہا کہ تم یوں جاؤ لیکن۔'' وہ مسکرائی۔

''میں دیکھتی ہوں باذل موجود ہوا اوپر کمرے میں تو چھوڑ آئے گا۔''

''باذل کو کیوں زحمت دیتی ہو۔'' ثانیہ نے قطعیت سے کہا۔

''عانیہ میں اور تم گھر چلتے ہیں۔''

''نہیں بھئی۔'' عانیہ جلدی سے بولی۔

''تم پلیز جا کر باذل کو دیکھو۔ میں اس کے ساتھ چلی جاتی ہوں طبیعت خراب ہے مگر اتنی بھی نہیں کہ ایک تیماردار بھی ساتھ لے کر جاؤں پھر تم اتنے شوق سے درس سننے آئی ہو مجھے اچھا نہیں لگے گا میں اپنی وجہ سے تمہارا درس خراب کروں۔''

''اوہو بڑی فارمل ہو رہی ہو۔ لگتا ہے سچ مچ طبیعت خراب ہے تمہاری۔'' اس نے ہنستے ہوئے عانیہ کو چڑایا تھا جواباً وہ کسی قسم کا ردعمل ظاہر کیے بنا انگلیوں سے اپنا سر دبانے لگی جیسے بہت تکلیف محسوس کر رہی ہو۔

''عانیہ! میں تمہاری چادر بھی لے آتی ہوں تم چادر اوڑھ کر ڈرائنگ روم کی طرف سے باہر چلی جاؤ صحن کی طرف سے جاؤ گی تو سب خواتین پوچھ پوچھ کر سر میں اور بھی درد کر دیں گی۔'' اسی پل اجیہ اندر داخل ہوئی تھی۔

''باذل آ گیا؟'' عانیہ نے چادر اوڑھتے ہوئے چند پل ہی لگائے تھے۔

''باذل تو پتا نہیں کب سے نکلا ہوا ہے عادل بھائی سو رہے تھے ان ہی کو جگا کر آئی ہوں کہ تمہیں چھوڑ آئیں۔ ٹھیک ہے نا تمہیں کچھ فیل تو نہیں ہو گا ان کے ساتھ جاتے ہوئے۔'' اجیہ کا لہجہ و انداز شرارت سمیٹے ہوئے تھا۔ عانیہ کے چادر اوڑھتے ہاتھ ایک پل کو رکے اگلے ہی لمحے وہ نارمل ہو گئی تھی۔

''نہیں...... فیل کیا ہونا ہے۔''

''امی کو تو بتا دو۔'' ثانیہ نے کہا۔

''تم بتا دینا۔'' وہ سر جھٹکتی باہر نکل گئی۔ عادل بائیک پہ سوار اس کا منتظر تھا اسے دیکھتے ہی بائیک اسٹارٹ کرنے لگا چہرے پر ادھوری نیند کا بوجھل پن تھا وہ کیمل کلر کا ملگجا سا شلوار قمیص پہنے ہوئے تھا۔ بالوں کو بھی شاید انگلیوں سے سنوارا گیا تھا اور اسی رف حلیے میں وہ روٹین سے بھی زیادہ معمولی دکھائی دے رہا تھا۔ نہ کوئی ڈریس سینس نہ پرسنالٹی میں چارم۔

''ہونہہ...... لیکن میں کیوں اس کے بارے میں سوچ رہی ہوں...... شاید اس لیے کہ اپنی زندگی میں واحد یہ شخص ہوگا جس پر میں ترس کھاؤں گی...... یہ اتنا احمق ہے کہ اسے یہ بھی معلوم نہیں مجھ جیسی شان دار لڑکی کو گنوا کر اس کی زندگی کتنی بڑی محرومی کا شکار ہو جائے گی۔'' وہ نخوت سے سر جھٹکتی اس کے پیچھے بیٹھ گئی تھی۔

راستہ بے حد خاموشی بلکہ قدرے لاتعلقی میں کٹا۔

جس وقت وہ بائیک سے اتری اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ عادل اس سے پوچھے گا۔

''اب کیسا فیل کر رہی ہو؟''

عانیہ چونکی نہیں کچھ باتیں ازل سے طے شدہ ہوتی ہیں اور معلوم ہوتی ہیں عادل کا بزرگانہ اندازِ گفتگو بھی ایک طے شدہ امر تھا اس لیے اسے ذرا بھی حیرت نہ ہوئی۔

''ویسا ہی جیسا کچھ دیر پہلے فیل کر رہی تھی۔'' وہ بھی اپنے مخصوص سرد مہر انداز میں کہتی گیٹ کا لاک کھولنے لگی۔

''یعنی کوئی امپروومنٹ نہیں۔'' اس نے پھر پوچھا۔

''اتنی سی دیر میں کیا امپروومنٹ آ سکتی ہے؟'' وہ قدرے جھنجلا کر گویا ہوئی۔

''آ تو نہیں سکتی لیکن آنا تو چاہیے تھی۔'' عادل آہستگی سے ہنس دیا۔ عانیہ نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''بہرحال...... آج تم اچھی لگ رہی ہو۔ اپنا خیال رکھنا۔'' وہ کہہ کر رکا نہیں فوراً ہی بائیک بھگا لے گیا تھا جبکہ عانیہ دم بخود پیچھے رہ جانے والی گرد دیکھتی رہ گئی۔

کچھ باتیں، کچھ واقعات کتنے غیر متوقع ہوتے ہیں جیسے حادثات۔

''جو چیز وقت پر نہ ملے۔ بے وقت ملنے پر اس کی قدر نہیں ہوتی۔ تم تب کہاں تھے عادل! جب مجھے تمہاری ستائش چاہیے تھی۔'' اس نے گیٹ بند کرتے ہوئے تلخی سے سوچا پھر اس کے لبوں پر تمسخرانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''اچھی تو خیر میں ہمیشہ سے لگتی ہوں۔ آپ کی آج اتفاق سے نظر پڑ گئی تھی جناب عادل صاحب! ہونہہ میں نے اب ان کھوکھلے الفاظ کا کیا کرنا ہے۔ مجھے اب انکی ضرورت کبھی نہیں پڑے گی انشاء اللہ...... رکھو تم ہی سنبھال کر اپنی حسرتوں کی قبر پر چڑھانا پھولوں کی طرح۔''

اس نے اندر آ کر بڑے کمرے کا تالا کھولا اور اپنی متنفر سوچوں سے بوجھل دل لیے کمرے میں آ کر پلنگ پر لیٹ گئی۔

جانے کون کون سے خیالات آئے چلے جارہے تھے۔ یہ بھی کیسی عجیب بات تھی عین اس لمحے جب اس کا دل مظہر کے لیے تڑپ رہا تھا عادل نے اس کے وجود پر کچھ پھول برسانے کی کوشش کی تھی۔ وہ خوش تو کیا ہوتی جل کر بھسم ہوگئی۔

ایک جنگ سی چھڑ گئی تھی دل ودماغ میں۔

پھر وہ ایک نتیجے پر پہنچ گئی اور فیصلہ کن انداز میں اٹھ کر چادر اوڑھنے لگی۔ الماری سے پرس نکال کر بعجلت کچھ روپے ٹھونسے اور گھر سے باہر نکل آئی۔ فون نمبر اور ایڈریس بھول جانے کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔

اور پتا نہیں وہ سچ مچ دل کے آگے ہی ہار رہی تھی یا لاشعوری طور پر یہ عادل سے بدلہ لینے کا کوئی انداز تھا۔

کی ہول سے چابی نکالتے ہوئے اس نے بس ایک لمحے کے لیے اپنے اس اقدام کے غلط یا درست ہونے پر غور کیا لیکن چونکہ وقت بہت کم تھا اس لیے کسی نتیجے پر پہنچنے سے قبل ہی وہ گہری اور مصمم ارادے سے بھرپور سانس لے کر پلٹی اور ٹھٹک گئی۔ سامنے ثناء کھڑی مسکرا رہی تھی۔

''نہ سلام نہ دعا۔ بس دیدے نکال کر گھورنا شروع کر دیا حالانکہ یہ کام تو مجھے کرنا چاہیے جانتی ہو کتنی مدت سے تم نے اپنی کوئی خیر خبر نہیں دی۔ آخری بار بھی میں ہی تمہاری طرف آئی تھی تبھی ملاقات ہوئی تھی وہ بھی مئی میں یعنی سات ماہ قبل...... واہ صاحب! کیا دوستی ہے۔ ویسے تیاری کہاں کی ہے؟''

بالآخر اسے پوچھنے کا خیال آ ہی گیا۔ وہ جو بڑے بے تکلفانہ انداز میں معانقے کے لیے آگے بڑھی تھی قدرے جھینپ کر رک گئی کہ عانیہ کے چہرے پر کوئی خیر سگالی جذبات نہ تھے۔

''کیا ہوا عانیہ!...... تمہیں میرا آنا اچھا نہیں لگا کیا؟'' اسے مسلسل خاموش پا کر ثناء نے پوچھا۔

''ایسی بات نہیں ہے۔'' عانیہ نے پرسوچ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ (جتنی دیر اسے ٹرخانے میں لگے گی وقت میرے ہاتھ سے نکل جائے گا کسی کے بھی گھر پہنچنے سے پہلے مجھے واپس بھی پہنچنا ہے اور اس کے لیے اتنا رسک تو لینا ہی پڑے گا) اس نے فی الفور ایک اور فیصلہ کیا اور ثناء کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا۔

''میرے ساتھ آؤ۔''

''لیکن کہاں؟'' ثناء دم بخود بولی۔

''جہاں میں لے جاؤں پلیز سوال مت کرو۔'' وہ بہت تیز قدم اٹھا رہی تھی۔

''مگر پھر بھی...... پتا تو چلے جانا کہاں ہے؟'' ثناء کو سوال کا جواب چاہیے تھا مگر وہ عانیہ کے ساتھ ساتھ چلنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔

''ہم گلشن راوی جا رہے ہیں۔'' مین روڈ پر آ کر عانیہ نے جواب دیا اور رکشا کی تلاش میں نظریں دوڑانے لگی۔

''وہاں کیا بٹ رہا ہے؟'' اس کے ادھورے جواب پر وہ جھنجلائی۔

''کچھ نہیں بٹ رہا۔'' ایک رکشہ قریب آ رکا تھا۔ ''ہمیں وہاں کسی سے ملنا ہے۔'' وہ پھر گول مول جواب دے کر رکشا والے کو ایڈریس سمجھانے لگی۔

''کس سے ملنا ہے؟'' ثناء کی حیرانی کسی طور کم نہ ہو رہی تھی۔

عانیہ نے رکشا میں سوار ہونے سے قبل ثناء کو دیکھا تھا۔

''وہاں جا کر تمہیں پتا چل جائے گا۔''

ثناء کا تجسس دو چند ہو گیا تھا اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا پھر خاموش رہی اور عانیہ کے ساتھ رکشا میں بیٹھ گئی۔

اس شام روڈ پر معمول کے ٹریفک میں بھی اس رکشا کا شور سب سے نمایاں تھا۔

☆......☆......☆

جس وقت اس نے تیسری بار ڈور بیل بجائی اس کی انگلیوں میں اتنی کپکپاہٹ تھی کہ ثناء کی نظروں سے بھی پوشیدہ نہ رہ سکی۔ وہ متجسس ضرور تھی لیکن اس پل خوب ہی جھنجلائی۔

''آخر تم مجھے بتا کیوں نہیں دیتیں ہم یہاں کس سے ملنے آئے ہیں۔''

عانیہ نے جواب دینے کی بجائے اپنے ہاتھ مسلتے ہوئے ثناء کی جانب دیکھا اس کے چہرے پر گھبراہٹ بے حد واضح تھی اور یہ گھبراہٹ دیکھ کر ثنا کو حیرانی کا جھٹکا لگا تھا۔ جب وہ وہاں اپنی مرضی سے آئی تھیں تو اس قدر گھبرا کیوں رہی تھی؟ کیا وہ جگہ اس کے لیے انجان تھی اور وہ وہاں کسی اجنبی سے ملنے آئی تھی؟ ثناء اپنے ان دونوں سوالوں کے جواب مانگتی لیکن جیسے اسے یقین تھا عانیہ اس کے پہلے سوال کی طرح یہ دونوں سوال بھی نہیں سنے گی اس کے باوجود اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر اس کے کچھ کہنے سے قبل دروازہ کھل گیا تھا اور اندر سے نکلنے والے شخص کو دیکھ کر وہ بھونچکا رہ گئی تھی۔

اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا عانیہ اسے مظہر کے گھر لائی ہو گی اسے معلوم نہیں تھا عانیہ وہاں پہلی مرتبہ آئی ہے یا نہیں۔ لیکن اس نے مظہر کے چہرے پر بھی ویسے ہی تاثرات دیکھے تھے جیسے خود اس کے اپنے چہرے پر ہوں گے اگلے ہی پل مظہر کے تاثرات میں تبدیلی آتی گئی۔

''آپ لوگ اندر آ جائیں پلیز۔'' اس نے ایک طرف ہٹتے ہوئے ان دونوں کو مخاطب کیا تھا اور گڑبڑا کر کہا تھا۔

ثناء چونک سی گئی اور گردن موڑ کر عانیہ کی جانب دیکھا وہ آئی نہیں تھی لائی گئی تھی اس لیے اپنی منشا سے فیصلہ کرنے کا اختیار فی

الحال اس کے پاس نہیں تھا ابھی تو خیر تعجب و حیرانی ہی اتنی تھی کہ وہ کوئی درست فیصلہ نہ کر پا رہی تھی۔

''ہمیں اندر نہیں آنا۔'' عانیہ نے رندھے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں صرف یہ بتانے آئی ہوں کہ میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں اور جب سے آپ مجھ سے خفا ہوئے ہیں تو میرا دل چاہتا ہے میں مر جاؤں...... میں جلد ہی مر جاؤں گی۔'' اس کی آواز میں آنسوؤں کی آمیزش تھی۔

''چلو ثناء۔'' عانیہ، ثناء کا ہاتھ تھام کر پلٹی تھی۔

''میری بات سنو عانیہ!'' چند لمحوں کے توقف سے مظہر تیزی سے ان کی جانب لپکا تھا صرف یہی نہیں بالکل عانیہ کے سامنے آکر راستہ بھی روک لیا تھا۔

''تمہیں جو کہنا تھا کہہ دیا اب تمہیں وہ بھی سننا چاہیے جو میں کہنا چاہتا ہوں لیکن......'' وہ قطعیت سے کہتا پھر رک گیا اور پھر دوٹوک انداز میں بولا۔

''میرے ساتھ اندر چلو بیچ راستے میں کھڑے ہو کر بات کرنا مناسب نہیں لگتا۔''

''ہم اندر نہیں جائیں گے۔'' ثناء نے جلدی سے کہا مبادا عانیہ کوئی اگلی حماقت کرے۔ مظہر نے چونک کر ثناء کی جانب دیکھا اس کی آنکھوں میں لحظہ بھر کو حیرانی سی لپکی تھی۔ شاید وہ اب تک ثناء کی موجودگی سے لاعلم تھا۔

''یہاں تک آکر اندر آنے میں کیا مضائقہ ہے۔ ایک تو آپ لوگوں کا یوں دروازے سے پلٹ جانا مجھے مناسب نہیں لگ رہا دوسرے آتے جاتے لوگوں میں سے کسی کی نظر پڑ گئی تو بلاوجہ افسانہ بن جائے گا پلیز ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ۔ آیئے پلیز۔''

اس نے ثناء کو وضاحت دیتے دیتے عانیہ سے گویا التجا کی تھی۔

''آپ کو جو بھی بات کرنا ہے، یہیں کر لیں...... ہم اندر نہیں جا سکتے۔'' ثناء نے رکھائی سے کہا اس کی سمجھ میں قطعاً نہیں آ رہا تھا کس طرح یہاں سے نکلے۔ عانیہ بیگم تو سر جھکائے مظہر کے پیروں پر ٹکٹکی باندھے ہوئے تھیں۔

مظہر نے تیکھی نظروں سے ثناء کو دیکھا اور بڑے متحمل لیکن پرزور لہجے میں بولا۔

''میں آپ لوگوں کو ہپناٹائز کر کے تو یہاں تک نہیں لایا؟ جب یہاں تک آنے کا رسک لے لیا ہے تو اندر بھی آ جائیں۔ اپنے منہ سے گواہی دوں گا تو اور جھوٹا لگوں گا لیکن میرے لیے آسمان سے گواہی نہیں آ سکتی۔ اس لیے آپ میری بات پر یقین کریں۔ میں نقصان نہیں پہنچاؤں گا بہت بے ضرر سا بندہ ہوں پھر آپ کا زیادہ وقت بھی نہیں مانگ رہا۔ محض چند منٹ جب تک میں عانیہ سے بات کر لوں۔''

وہ جیسے اس کا ذہن پڑھتے ہوئے انتہائی منتخب الفاظ استعمال کر رہا تھا ثناء اپنے ذہن میں آنے والی بات یوں ڈائریکٹ سن کر خفیف تو ضرور ہوئی لیکن آمادہ نہیں۔

''ایسی کوئی بات نہیں کہ ہمیں آپ پر بھروسہ نہیں...... بھروسہ ہے تو یہاں تک آ گئے ہیں مگر گھر کے اندر جانے کی بات رہنے دیں......میں نے کہا نا یہیں بات کر لیں۔'' وہ تذبذب کا شکار تھی اب یہ بھی تو نہیں کہہ سکتی تھی کہ عانیہ اسے بغیر کچھ بتائے یہاں تک لائی ہے۔

مظہر نے بڑی جانچتی نظروں سے باری باری دونوں کو دیکھا پھر دوٹوک انداز میں بولا۔

''ثناء! آپ عانیہ کی فرینڈ ہیں اور عانیہ کے ہی حوالے سے میرے لیے قابل احترام ہیں میں آپ سے درخواست ہی کر سکتا ہوں کہ مجھے عزت بخشتے ہوئے آپ گھر کے اندر تشریف لائیں لیکن اگر آپ ایسا نہیں چاہتیں تو میں آپ کو مجبور بھی نہیں کر سکتا......آپ یہاں کھڑی رہ کر انتظار کرنا چاہتی ہیں تو بصد شوق۔''

اس نے پورے استحقاق سے عانیہ کا ہاتھ تھاما اور فلیٹ میں داخل ہو گیا۔ ثناء تو حیران ہوئی۔ سو ہوئی ہو گی خود عانیہ بھی اس کی جرأت پر بھونچکا رہ گئی۔ وہ جیسے اس کے ساتھ گھسیٹ رہی تھی مگر اس نے اپنا ہاتھ چھڑوانے کی کوشش بھی نہیں کی۔ مظہر کے ہاتھ کی گرفت اس کے ہاتھ پر اتنی سخت تھی کہ وہ کوشش کرتی بھی تو ناکام رہتی۔ وہ شاید سٹنگ روم تھا جہاں مظہر اسے لایا تھا میرون رنگ کے سنگل صوفہ کے پاس آ کر اس نے عانیہ کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

''بیٹھو۔'' وہ پلٹ کر اس کے مقابل آیا ایک پل کے لئے دونوں کی نظریں ملیں اگلے ہی پل عانیہ نے سرعت سے پلکیں جھکا لیں۔اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''آپ کو جو کہنا ہے کہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے اپنی گھبراہٹ چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

مظہر نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ سینے پر بازو باندھے اسے دیکھنے لگا عانیہ خاموش تھی اس نے نظریں جھکا رکھی تھیں مگر مظہر کی نظروں کی تپش اسے اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھی اور ہر گزرتا لمحہ اسکی گھبراہٹ میں اضافہ کرنے میں معاون ثابت ہو رہا تھا۔

خاموشی کبھی اتنی معنی خیز ہو سکتی ہے یہ آج سے پہلے وہ نہیں جانتی تھی وہ تو یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ اس کا دل اتنی غیر معمولی رفتار سے اور اتنے بے ہنگم طریقے سے دھڑک سکتا ہے۔

مظہر کی مسلسل خاموشی سے کسی قدر پریشان ہوتے ہوئے اس نے نظریں اٹھائیں اور بری طرح گڑبڑا گئی۔

''وہ......ثناء پتا نہیں کہاں رہ گئی۔'' اس نے بات بنانے کی کوشش کی۔

''ثناء کی فکر مت کرو وہ ہمارے پیچھے ہی اندر آ گئی تھی۔ تم بیٹھ جاؤ۔'' مظہر نے بڑی سہولت سے اس کے کندھوں پر ہتھیلیوں سے دباؤ ڈال کر اسے بٹھا دیا تھا لیکن اس کے بعد جو مظہر نے کیا اس نے عانیہ کے ہاتھوں سے حقیقی معنوں میں طوطے اڑا دیے تھے۔ وہ اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھ گیا تھا۔

''آ......آپ۔'' اس نے کہنا چاہا مگر مظہر نے اسے اشارے سے بولنے سے منع کر دیا۔ اس نے عانیہ کے دونوں ہاتھوں کو بے

حد عقیدت سے اپنے ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

چند لمحے قبل وہ بے حد سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا یکا یک اس کے چہرے پر سرخوشی نمایاں ہونے لگی۔ وہ دلکشی سے مسکرا رہا تھا اس کی مسکراہٹ میں بے بسی تھی اس کی مسکراہٹ میں اپنی بے بسی کا اعتراف تھا۔

''میں تمہیں یہ نہیں بتاؤں گا میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔'' مظہر نے اپنے مخصوص دلکش لہجے میں کہنا شروع کیا تھا۔

''میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں میں کبھی تم سے خفا نہیں ہوسکتا جس روز میں تم سے خفا ہوؤں گا میں بھی مر جاؤں گا لیکن میں زندہ رہنا چاہتا ہوں اس لیے نہیں کیونکہ مجھے زندگی سے محبت ہے میں زندہ رہنا چاہتا ہوں تا کہ تم سے محبت کرسکوں۔''

وہ بہت جذب سے کہہ رہا تھا، اس کے الفاظ میں محبت تھی، آنکھوں میں محبت تھی، لہجے میں محبت تھی۔ عانیہ کی آنکھوں سے جھر جھر آنسو بہنے لگے۔

''آپ خفا تھے مجھ سے۔'' اس کا لہجہ شکایتی تھا۔

''میں تم سے خفا نہیں تھا خود سے تھا۔'' اس نے بے ساختگی سے کہا۔

''تم سے کوئی بھی ڈیمانڈ کرتے ہوئے مجھے تمہاری سہولت کو مدنظر رکھنا چاہیے تھا لیکن...... آئی ایم سوری عانیہ! میں تمہیں بہت ہرٹ کرتا ہوں نا۔'' اس نے عانیہ کی آنکھوں میں جھانکا جواباً وہ کچھ اور شدت سے رونے لگی۔

مظہر کے دل کو کچھ ہوا۔

''تمہارے آنسو مجھے مزید شرمندہ کر رہے ہیں پلیز عانیہ! مت رو...... مجھے معاف کر دو۔'' بے بسی و عاجزی سے کہتے کہتے یکا یک اس نے عانیہ کے ہاتھ چھوڑ کر اپنے ہاتھ اس کے سامنے باندھ دیے۔

''آپ بہت برے ہیں۔ پہلے مجھے تنگ کرتے ہیں پھر الٹی سیدھی حرکتیں کر رہے ہیں۔'' اس نے غصے سے کہا۔

مظہر مطمئن انداز میں ہنس دیا۔

''تنگ کرنے کا مطلب پتا ہے؟ اور الٹی سیدھی حرکتیں کون سی کیں میں نے؟ اتنی شرافت سے تمہیں رونے سے منع کر رہا ہوں اگرچہ تمہارے آنسو میرے دل پر گر رہے ہیں اور مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے اس کے باوجود میں نے کوئی الٹی سیدھی حرکت نہیں کی حالانکہ مجھے لڑکیوں کو چپ کروانے کے ایک سو تیر بہدف نسخے معلوم ہیں...... اگر تم اسی طرح روتی رہیں تو مجبوراً مجھے ان ہی میں سے کوئی نسخہ آزمانا پڑے گا۔'' اس کے لہجے کی شرارت عانیہ کے اوسان خطا کر گئی تھی وہ سٹپٹا کر کھڑی ہوگئی۔

''مم...... میں چلوں...... اب؟''

مظہر گہری سانس بھرتا اٹھ کھڑا ہوا اور اسے نظروں میں سموتے ہوئے بولا۔

''کچھ دیر تو رکو ابھی تو میں نے تمہیں جی بھر کر دیکھا بھی نہیں ہے جانتی ہو یہ منظر، میرے لیے نیا نہیں ہے کہ تم اس گھر میں میرے قریب موجود ہو لیکن انوکھا ضرور ہے، یہ منظر میں آج تک آنکھیں بند کر کے دیکھتا رہا ہوں آج کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ مجھے یقین تو کر لینے دو عانیہ!''اس نے جیسے التجا کی تھی۔

''میں نہیں رک سکتی۔ گھر جلدی پہنچنا ہے۔'' عانیہ نے حالت بے بسی میں کہا۔

''میں تم لوگوں کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔'' مظہر نے جیسے لاچار ہو کر کہا لیکن کسی پس و پیش کے بنا اس نے راستہ چھوڑ دیا تھا شاید اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ اس کے گھر آئی۔

''نہیں۔'' عانیہ نے گھبرا کر انکار کیا پھر زبان دانتوں تلے دبائی۔ ''آپ پلیز خفا مت ہونا لیکن ہم خود چلے جائیں گے۔''

''آئی کین انڈر اسٹینڈ۔'' مظہر مسکرایا۔

''لیکن یہ وہم تم اپنے دل سے نکال دو کہ میں تم سے خفا ہو سکتا ہوں میں تم سے بات نہ کر کے خود کو سزا دے رہا تھا آئی سوئیر۔''

عانیہ مسکرا دی پچھلے چار دنوں میں یہ پہلی مسکراہٹ تھی جس میں دل نے بھی اس کا ساتھ دیا تھا۔

''آپ کا گھر بہت خوبصورت ہے۔'' روح کسی عظیم بوجھ سے آزاد ہوئی تھی تب ہی اردگرد کا خیال آیا تھا ذرا جو اردگرد نظر ڈالی تو یوں محسوس ہوا جیسے کسی عالیشان محل میں کھڑی ہو ایک ایک چیز سے امارت و خوبصورتی ٹپک رہی تھی اور مکین کے اعلیٰ ذوق کی گواہی دیتی تھی۔

''آپ کے آنے سے خوب صورت لگ رہا ہے۔'' مظہر نے بے ساختہ کہا عانیہ ہنس دی پھر پلٹی تو نظریں لابی کے کنارے پر کھڑی ثناء سے ٹکرا گئیں وہ بے حد سنجیدہ تاثرات لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

عانیہ کو تقریباً ساری صورتحال کے اس قدر احمقانہ ہونے کا احساس ابھی ہوا تھا بالکل غیر ارادی طور پر اس نے مدد طلب نظروں سے مظہر کو دیکھا۔

''ثناء بہت غصے میں لگ رہی ہیں۔'' مظہر نے پتا نہیں اس کی مدد کی تھی یا یونہی بات کی تھی۔ لیکن عانیہ کو قدرے ڈھارس ملی۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔'' ثناء نے غیر معمولی سنجیدگی سے کہا پھر عانیہ سے مخاطب ہوئی۔

''میں باہر تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔'' وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

''یہ صرف یہی بتانے اندر آئی تھی۔'' مظہر کا انداز سراسر مذاق اڑانے والا تھا۔

''وہ مجھ سے ناراض ہے۔'' عانیہ نے فکرمندی سے کہا۔

''کیوں؟''اس نے بنیادی سوال اٹھایا۔

''یہاں آنے کی وجہ سے؟''

''اس وجہ سے بھی۔'' عانیہ نے کہا۔ ''لیکن پہلی وجہ یہ کہ میں اسے زبردستی لائی ہوں وہ بھی بغیر بتائے۔''

''اوہ......'' مظہر بھی فکرمند ہوا۔ ''تمہیں کم سے کم اسے اعتماد میں لینا چاہیے تھا۔ اب یہ پتا نہیں کیا کرے۔ اگر تمہارے گھر میں کسی کو بتا دیا تو؟ ...... یہ تو شکل سے ہی ماسی مصیبتے لگتی ہے۔'' اس کا لہجہ ہلکا پھلکا تھا۔ عانیہ مسکرادی۔

''نہیں خیر......اتنی بری نہیں ہے۔''

''یعنی بری تو ہے؟'' اس نے شرارت سے پوچھا۔

''جی نہیں......میری دوست ہے اور اچھی ہے۔'' اس کی شرارت سمجھ کر وہ محظوظ ہوئی اور پرزور لہجے میں بولی تھی۔

''آپ کا تو سایہ بھی اچھا ہے دوست کیسے اچھی نہیں ہوگی۔'' مظہر نے لگاوٹ سے کہتے ہوئے اسے آگے چلنے کا اشارہ کیا تھا۔ عانیہ اپنی تعریف پر ہنس دی تھی۔

''میں تمہیں فون کروں گا۔'' دروازے کے قریب پہنچ کر مظہر نے کہا۔

''میں انتظار کروں گی۔'' اس نے باہر قدم رکھتے ہوئے کہا۔ دس قدموں کے فاصلے پر جو زینہ نیچے کی طرف جاتا تھا وہیں دوسری سیڑھی پر کھڑی ثناء بڑے ضبط سے انتظار کرتی دکھائی دی۔

''آپ اب تو مجھ سے خفا نہیں ہیں؟'' عانیہ جاتے جاتے پلٹی۔

''کبھی ہوں گے تو نہیں۔''

''میں پہلے بھی نہیں تھا۔''

''مر کر بھی نہیں۔'' اس نے یقین دلایا عانیہ نے بے ساختہ اپنا ہاتھ اس کے لبوں پر رکھ دیا تھا۔

مظہر کی آنکھوں میں لپکنے والی چمک نے اس کی بے ساختگی کا احساس دلایا تھا لیکن اس سے قبل کہ وہ بری طرح خجالت کا شکار ہوتے ہوئے اپنا ہاتھ واپس کھینچتی مظہر نے اپنے ہونٹوں پر رکھی اس کی انگلیوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''مجھے اعتماد بخشنے کا شکریہ......لیکن اس چھوٹی سی گستاخی کیلئے میں ایکسکیوز نہیں کروں گا کیونکہ یہ میرا حق ہے۔'' اس نے عانیہ کی ہتھیلی پر بوسہ دیتے ہوئے بڑے جذب سے کہا تھا عانیہ کے سارے وجود میں سنسنی سی دوڑ گئی تھی وہ گھبرا کر پلٹی اور تیز تیز قدم اٹھاتی ثناء کی جانب بڑھ گئی۔ اپنے عقب میں اس نے مظہر کا قہقہہ سنا تھا اور اس کے چہرے پر پھیلی سرخی میں اضافہ ہوا تھا مگر اس کا دل عجیب لے پر دھڑک رہا تھا۔

جو بھی ہوا وہ ایک لمحے کی کارروائی تھی اور بعض اوقات ایک ہی لمحہ پوری زندگی پر محیط ہو جاتا ہے جیسے کہ یہ لمحہ۔ جس وقت وہ دونوں بلڈنگ کے کمپاؤنڈ سے باہر نکلیں شام اپنی آخری سانسوں پر تھی۔

”ابھی رکشا مت رکواؤ......سامنے والے کیفے میں چلو یا کسی پارک میں مجھے تم سے بات کرنا ہے۔“ ثناء نے سنجیدگی سے کہا۔

عانیہ کچھ نہ کچھ سننے کی منتظر تھی لیکن ثناء کی فرمائش نے اسے حواس باختہ کر دیا تھا۔

”پاگل ہوگئی ہو کیا؟ رات ہونے والی ہے اس وقت کیسے کہیں جاسکتے ہیں پھر تم جانتی ہو میں کبھی ایسی جگہوں پر نہیں گئی۔“

”آج سے پہلے تو تم کسی ایسے مکان میں بھی نہیں گئی ہوگی جہاں ایک لڑکا تنہا رہتا ہو۔“ ثناء نے بے حد طنزیہ لہجے میں کہا۔

عانیہ خاموش رہی اپنی غلطی ماننے کے باوجود اور یہ سمجھنے کے باوجود کہ ثناء اسے سرزنش کرے گی عانیہ کو اس کی بات بری لگی تھی۔

اس نے قریب سے گزرتے رکشا کو ہاتھ دے کر روکا اور ثناء کی جانب دیکھتے سوار ہوگئی۔ سارا راستہ ان دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی لیکن جیسے ہی رکشا رکا ثناء نے اترنے سے پہلے اسے گھور کر دیکھا یہ تڑختی ہوئی نظر گویا اس کی خفگی کا بھرپور اظہار تھی۔

”جو حرکت تم نے آج کی......کیا اب آپ اس پر روشنی ڈالنا پسند کریں گی؟“ رکشا ان دونوں کے درمیان سے شور مچاتا نکل گیا تھا جب ثناء نے ساری خفگی پس پشت ڈال کر اس کی کلاس لینے کا ارادہ کیا۔

عانیہ فیصلہ کر چکی تھی اس لیے اب کی بار بنا گھبرائے آرام سے بولی۔

”بار بار طنز مت کرو ثناء! تم سیدھے وہ سوال کیوں نہیں پوچھ لیتیں جو تمہارے دل میں ہیں بلکہ میں خود ہی جواب دے دیتی ہوں......اور جواب بھی کیا دینا ہے تم نے سن ہی لیا ہوگا میں مظہر سے محبت کرتی ہوں۔“

اس کا دل اگرچہ سہما ہوا مگر بظاہر انداز نڈر تھا۔

”یہی سن کر تو مجھے صدمہ پہنچا ہے تم یعنی کہ تم......اتنی بے وقوفانہ حرکت کیسے کر سکتی ہو وہ بھی مظہر جیسے بندے سے جس کی کوئی شکل ہے نہ صورت۔“

”شکل کی بات نہ کرو ثناء۔“ عانیہ نے ناگواری سے اس کی بات قطع کی۔

ثناء چند لمحے یوں خاموش رہی جیسے عانیہ سے اس بات کی توقع بالکل نہ کر رہی ہو پھر جتانے والے انداز میں بولی۔

”تم خود ہمیشہ سے یہی کرتی رہی ہو۔“

”وہ غلطی تھی میری۔“ اس نے بے حد آرام سے اعتراف کر لیا تھا۔

”اور مظہر جیسا بھی ہے بہر حال بد صورت تو نہیں ہے اور تم اسے میری نظروں سے دیکھو گی تو پتا چلے گا وہ اس دنیا کا سب سے خوب صورت مرد ہے۔“

ثناء کو اس کی ذہنی حالت پر شک ہوا تو جھنجلا کر بولی۔

”میرا دماغ خراب نہیں ہے کہ اسے تمہاری نظروں سے دیکھوں۔ تمہاری آنکھوں پر تو پٹی بندھی ہوئی ہے فی الحال تمہیں صرف وہ

نظر آرہا ہے جو وہ شخص تمہیں دکھانا چاہتا ہے۔"

"محبت میں ایسا ہی ہوتا ہے۔" عانیہ نے اب کی بار ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی معلومات میں اضافہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

"میری معلومات میں اضافہ کرنے کا شکریہ۔ ویسے میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ محبت دل کی بیماری ہے اور یہ واحد بیماری ہے جو سب سے پہلے دماغ کو متاثر کرتی ہے۔" وہ جل کر بولی۔

"سوری ثناء! مجھے تمہیں بتائے بغیر وہاں نہیں لے جانا چاہیے تھا۔" عانیہ نے مسکراتے ہوئے بات کا اثر کم کرنے کی کوشش کی۔

"تمہیں وہاں خود بھی نہیں جانا چاہیے تھا۔" ثناء سرعت سے بولی۔

"یہ تو میں جانتی ہوں تم اس سے فون پر بات کر لیتی ہو مگر اتنا بھروسہ نہیں کرنا چاہیے تھا یہ لڑکے تو ہوتے ہی فراڈ ہیں۔"

"مظہر ایسے نہیں ہیں۔"

"تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو؟"

عانیہ لاجواب ہوئی۔

"میں جانتی ہوں۔" کچھ نہ بن پڑا تو کہا۔

"غلط فہمی ہے تمہاری۔" ثناء وثوق سے بولی۔

"تم کیسے کہہ سکتی ہو۔" عانیہ نے الفاظ لوٹائے۔

"کہہ سکتی ہوں کیونکہ تمہاری طرح بے وقوف نہیں ہوں۔ ہر طرح کے حالات میں کان اور آنکھیں کھلی رکھنے کی قائل بھی ہوں۔"

"تم نے ہی مجھے یہ راہ دکھائی تھی۔" وہ خفگی سے بولی۔

"ضرور دکھائی تھی مگر یہ مشورہ نہیں دیا تھا کہ پیٹ پر پتھر باندھ کر کنویں میں کودنے کی تیاری شروع کر دو۔"

"مطلب؟" وہ زچ ہوئی۔

"مطلب یہ کہ تمہیں اس طرح منہ اٹھا کر اس کے پاس نہیں جانا چاہیے تھا جبکہ تم یہ بھی نہیں جانتیں اس کے گھر میں کون کون رہتا ہے۔ رہتا بھی ہے یا نہیں۔"

"تم بھی تو اپنے فرینڈز کے گھر جاتی ہو۔" عانیہ نے جتایا۔

"میں کبھی نہیں جاتی۔" وہ پرزور لہجے میں بولی۔

"کیونکہ میں پیدل نہیں ہوں عقل سے...... فون پر دوستی اور چیز ہے میل ملاقات اور ہی چیز...... شاید تمہیں یاد نہ ہو میں نے پہلے

بھی کہا تھا دوستی ضرور کرو مگر زندگی موت کا مسئلہ مت بننے دو اس دوستی کو...... ذرا سوچو اگر وہ تمہارے ساتھ کوئی الٹی سیدھی حرکت کرتا تو تم کس طرح بچاتیں خود کو؟ عورت کی عزت کو دو کوڑی کا ہونے میں کتنی دیر لگتی ہے۔''

عانیہ کے پیروں پر لگی سر میں بجھی وہ چلتے چلتے رک گئی تھی۔

''یہ تو خود کو گنجائش دینے والی بات ہے یعنی جو ہم کریں وہ درست جو دوسرا کرے وہ غلط، تم نے پہلے مجھ سے کہا کہ ٹیلی فونک فرینڈ شپ میں کوئی برائی نہیں ہے کیونکہ تب تم خود یہ کام کر رہی تھیں میں یہ کام کرنے کے حق میں نہیں تھی تو میں تمہیں بے وقوف لگتی تھی اور اب اگر میں ایک دفعہ پھر تمہاری بات نہیں مانتی تو میں پھر بے وقوف ہوں کیا یہ دوغلا پن نہیں ہے؟

اور پلیز تم مجھے ڈراؤ مت میں جانتی ہوں مظہر ایسے نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے جن لڑکوں کو تم جانتی ہو وہ ایسے ہوں۔ میں مظہر سے محبت کرتی ہوں اور ان سے شادی بھی کروں گی مجھے ان پر بھروسہ ہے اتنا کافی ہے تم ان کی ذات کا تجزیہ اپنے تجربات یا مشاہدے کی روشنی میں مت کرو اور دوسری بات یہ کہ تم میری دوست ہو اور یاد رکھنا دوست، دوستوں کو دھوکا نہیں دیا کرتے نہ ہی ان کا بھرم توڑا کرتے ہیں۔ میں نے تم پر اعتماد کرتے ہوئے راز میں شریک کیا ہے پلیز میرے اعتماد کی لاج رکھ لینا۔'' اس کا لہجہ دوٹوک تھا اور قدرے التجائیہ بھی۔

ثناء چپ کی چپ رہ گئی کہنے کو بچا بھی کیا تھا۔ آئینے میں اپنا دھندلایا ہوا عکس دیکھ کر سامنے والے پر انگلی اٹھانے کی ہمت بہت کم لوگ کر پاتے ہیں۔

گھر کے دروازے پہ پہنچنے تک ان دونوں کے مابین خاموشی حائل رہی تھی۔

''میں چلتی ہوں عانیہ! امی انتظار کر رہی ہوں گی۔'' ثناء نے کہا۔

''ناراض ہو کر جاؤ گی تو مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگے گا۔'' عانیہ نرمی سے بولی گو کہ اسے ثناء کی ناراضی سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تھا لیکن چونکہ اس وقت ایک اہم راز اس کے ہاتھ جا چکا تھا اس لیے کچھ نہ کچھ تو نرمی برتنا ہی تھی۔

''پلیز تم اندر آؤ تھوڑی دیر باتیں کریں گے چائے وائے پئیں گے۔'' وہ ثناء سے بات کرتے ہوئے بے دھیانی میں کی ہول میں کی ڈال رہی تھی اسی وقت کھٹاک سے گیٹ کھل گیا تھا اور سامنے کھڑی شفق کو دیکھ کر اس کے پیروں تلے سے زمین سرک گئی تھی۔

☆......☆......☆

سرما کی نرم دھوپ کا سنہرا رنگ سارے صحن میں برس رہا تھا۔

شفق نے الگنی پر دھلی ہوئی چادر پھیلاتے ہوئے دزدیدہ نظروں سے چارپائی کی جانب دیکھا۔ بیس منٹ پہلے کی طرح عانیہ ابھی تک چہرے پر دوپٹا پھیلائے لیٹی تھی۔ چہرہ چھپا ہوا ہونے کی وجہ سے پچھلی بار کی طرح اس مرتبہ بھی اندازہ لگانا مشکل تھا وہ سو رہی ہے یا نہیں۔

''عانیہ۔'' اس نے کچھ سوچ کر آہستگی سے پکارا۔

’’ہوں۔‘‘اس کی غنودگی میں ڈوبی آواز سنائی دی۔

’’عادل بھائی کا پرموشن ہو رہا ہے۔‘‘اس نے اطلاع دی۔

’’ثانیہ نے بتایا تھا۔‘‘اس کا لہجہ سرسری تھا۔

’’اچھا۔‘‘شفق کو مایوسی ہوئی وہ تو اس اطلاع کیساتھ گویا تمہید باندھ رہی تھی اور یہاں تو پہلے جملے کے ساتھ ہی فل اسٹاپ لگتا دکھائی دے رہا تھا۔

’’شاید وہ ملائشیا بھجوا دیے جائیں......اپنی فرم کی طرف سے۔‘‘اس نے مزید اطلاع دی۔

’’ملائشیا۔‘‘عانیہ جیسے چونکی پھر ہنستے ہوئے بولی۔

’’چلو اچھا ہے غریبوں کا مستقبل سنور جائے گا۔‘‘

اس کے لہجے میں ہلکا سا تمسخر تھا شفق سوکھے ہوئے کپڑے سمیٹ رہی تھی رک کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔

’’ظاہر ہے بھئی۔تمہارا مستقبل بھی تو عادل بھائی کے مستقبل سے وابستہ ہے۔‘‘شفق نے وضاحت دیتے ہوئے بغور اس کی جانب دیکھا تھا۔

’’ہاں ٹھیک کہہ رہی ہو۔‘‘عانیہ نے پھر سے آنچل چہرے پر پھیلا لیا۔

’’تمہیں خوشی نہیں ہوئی۔‘‘شفق نے کریدا۔

’’ہوئی ہے۔‘‘اس کا انداز جان چھڑوانے والا تھا۔

’’لگتا تو نہیں۔‘‘وہ بات کو طول دے رہی تھی۔

’’اب میں لڈیاں ڈال کر خوشی کا اظہار تو کرنے سے رہی۔‘‘

’’انسان خوش ہو تو لڈیاں ڈالنے کی ضرورت نہیں پڑتی اس کے چہرے سے پتہ چل جاتا ہے۔‘‘

’’کیا پتا چل جاتا ہے؟‘‘عانیہ نے دوپٹا ذرا سا سرکا کر سنجیدگی سے اس کی جانب دیکھا۔شفق کو ہمیشہ اس کے اس انداز سے خوف محسوس ہوتا تھا جب عانیہ بھی اس موڈ میں آتی تھی اگلے پچھلے سارے حساب بے باق کرتی تھی۔شفق ہمیشہ کسی بھی ایسے موقع پر خاموش رہنے کو ترجیح دیتی لیکن اس وقت اسے کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچنا تھا اس لیے گفتگو کو طول دینا از حد ضروری تھا۔

’’یہی کہ وہ خوش ہے۔‘‘وہ بھی اتنی ہی سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

’’میں بھی خوش ہوں۔‘‘اس نے کچھ توقف کے بعد کہا شفق پھر الجھ گئی اسے عانیہ سے اتنی جلدی بات سمیٹ دینے کی امید نہیں تھی۔

شفق خاموشی سے اپنے کام میں لگ گئی لیکن ایک کھد بد جو مسلسل پچھلے دو دنوں سے اس کے دل میں مچی ہوئی تھی اس وقت جیسے

اپنی انتہا پر پہنچ گئی تھی۔

''عانیہ!''اس نے کچھ سوچ کر پکارا۔

''ایک بات پوچھوں......اگر تمہیں برا نہ لگے تو......؟''اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''جب تمہیں پتا ہے مجھے برا لگ سکتا ہے تو مت پوچھو۔''وہ تڑخ سے بولی۔

''ویسے بھی تم جو پوچھنا چاہتی ہوں میں جانتی ہوں......حالانکہ میں تمہیں دس مرتبہ بتا چکی ہوں میرے گھر آنے کے کچھ دیر بعد ثناء آ گئی تھی وہ مجھ سے ملنے آئی تھی لیکن میری طبیعت زیادہ خراب ہونے لگی تو وہ مجھے زبردستی کلینک لے گئی اب اگر میں تم لوگوں کے انتظار میں بیٹھی رہتی تو یقیناً اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ چکی ہوتی میرا بی پی خطرناک حد تک لو ہو گیا تھا......ثناء نے بھی میری بات کی تائید کی لیکن اگر تمہیں اس بات پر یقین نہیں ہے تو ڈاکٹر غفار کے کلینک جا کر پتا کرو دو روز پہلے میں وہاں گئی تھی یا نہیں۔

میں سمجھ نہیں پا رہی شفق! تم مجھ پر اتنا شک کیوں کر رہی ہوں؟''اس نے اتنی چالاکی سے پتے پھینٹے تھے کہ شفق کے لیے کچھ بھی کہنا مشکل ہو گیا۔

''میں شک نہیں کر رہی عانیہ۔''وہ جز بز ہو کر بولی تھی۔

''بچی نہیں ہوں میں کہ سمجھ نہ سکوں۔''وہ جھلا کر بولی۔

''کرید کرید کر سوال پوچھنا، عجیب عجیب سی نظروں سے دیکھنا......یہ شک نہیں تو اور کیا ہے؟ عجیب فطرت ہے تمہاری۔ میرے باپ نے احسان کیا تم پر کہ تمہیں اپنے گھر میں جگہ دی اور تم اتنی احسان فراموش ہو کہ اس شخص کی بیٹی پر الزام لگانے کی کوشش کر رہی ہو۔''

شفق کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

''میں الزام نہیں لگا رہی عانیہ؟''اس نے جلدی سے کہا۔

''تم سے کس نے کہا میری بھلائی سوچو۔''

''عانیہ......''

''شفق! مجھے اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا تمہیں شک کرنا ہے شوق سے کرتی رہو گھر میں کسی کو کچھ بھی کہنا ہے کہو......میری بلا سے......میرے گھر والے مجھ پر اعتماد کرتے ہیں میرے لیے اتنا ہی کافی ہے ویسے بھی غیر میرے متعلق کیا سوچتے ہیں مجھے پروا نہیں۔''

وہ بظاہر لاپروائی سے کہتی اٹھی تھی لیکن اس کے ہر ہر انداز سے تنفر و تضحیک جھلک رہی تھی۔

''بھاڑ میں جاؤ۔''شفق کا ضبط سے چہرہ لال ہو رہا تھا اس نے عانیہ کو سیڑھیوں میں غائب ہوتا دیکھ کر کڑھ کر سوچا اور دل و جان سے اپنے سارے خلوص پر لعنت بھیجی۔

''میرا ہی دماغ خراب ہے جو تمہاری فکر میں ہلکان ہو رہی تھی۔'' اس نے سر جھٹکا اور اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ ہمیشہ یہی ہوتا تھا وہ بے چاری اس کی فکر میں ہلکان ہوتی رہتی تھی اور عانیہ اس کے خلوص کو یونہی چٹکیوں میں اڑا دیتی تھی۔

سوکھے ہوئے سارے کپڑے چارپائی پر ڈھیر کر کے وہ منڈیر کے قریب آرکی اور منڈیر پر بازو ٹکا کر دور دور تک دکھائی دیتے درختوں پر اترتے شام کے خشک سائے دیکھنے لگی۔

بات حیرانی کی ہی تھی۔ عانیہ کے اس روز یوں گھر سے غائب ہونے نے اسے عجیب سے وسوسوں میں دھکیل دیا تھا ایک شک تھا دل میں ابھرتا وہ اس کا سر کچلتی پھر دوسرا شک سر اٹھانے لگتا۔

حالانکہ اس کا دل کسی طور عانیہ پر شک کرنے کے حق میں نہ تھا لیکن کئی ایسی باتیں تھیں جو اس کے دل کے دیے ہوئے دلائل کو رد کر رہی تھیں۔

''وہ واقعی بچی تو ہے نہیں کہ اپنا اچھا برا نہ سمجھ سکے اور یہ بھی تو ضروری نہیں کہ وہ کہیں اور گئی ہو۔ وہ سچ مچ ڈاکٹر کے پاس ہی گئی ہو گی...... لیکن اس کی طبیعت اتنی ہی خراب تھی تو اتنی جلدی کیسے بہتر ہو گئی اس کی تو انگلی پر ذرا سا کٹ لگ جائے تو چہرہ چیخ چیخ کر اعلان کرنا شروع کر دیتا ہے جبکہ جب وہ واپس آئی تو بالکل نارمل تھی۔

''شفق...... یار میں نے تمہیں ایک سی ڈی دی تھی سنبھال کر...... ایں تمہیں کیا ہوا؟'' تیمور بولتا ہوا قریب آیا تھا پھر اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی ٹھٹک کر پوچھا تھا۔

''مجھے کچھ نہیں ہوا۔'' اس نے منڈیر پر رکھی ہتھیلی کی پشت ٹھوڑی سے ٹکا دی تھی اور پھر سے سامنے دیکھنے لگی تھی۔

''یہ جو تمہاری شکل ہے نا...... اس کی دونوں سوئیاں بارہ پر اٹکی ہوئی ہیں پھر بھی کہہ رہی ہو تمہیں کچھ نہیں ہوا۔'' تیمور نے طنزیہ انداز میں کہتے ہوئے کمر منڈیر سے لگائی اور سینے پر بازو باندھتے ہوئے بغور اس کی جانب دیکھنے لگا۔ شفق نے نظروں کا زاویہ بدلتے ہوئے اس کی جانب دیکھا پھر آہستگی سے مسکرا دی۔

''مجھے سچ مچ کچھ نہیں ہوا تیمور، کپڑے پھیلانے آئی تھی بس ایسے ہی یہاں رک گئی۔''

تیمور خاموشی سے اس کی جانب دیکھتا رہا ایک پل کے لیے تو وہ یہ بھی بھول گیا کہ اس کے پاس کس مقصد کے لیے آیا ہے۔ دھوپ کا سنہری رنگ جیسے شفق کی آنکھوں میں سمٹا ہوا تھا۔ وہ اس لمحے اسے اتنی دلکش دکھائی دے رہی تھی کہ دنیا کا ہر دوسرا دلکش منظر اپنی دلکشی کھو چکا تھا۔

شفق نے اس کی مسلسل خاموشی پر حیران ہوتے ہوئے سرسری نگاہ اس پر ڈالی پھر ٹپٹا کر بے ساختہ دوسری جانب دیکھنے لگی۔

ایک منفرد و خوب صورت لمحہ بڑی خاموشی سے ان دونوں کے درمیان حائل ہوا تھا اور کچھ لمحات کے پیر نہیں ہوتے۔ انہیں ہوا

اڑائے پھرتی ہے اپنے ساتھ ساتھ جیسے کہ یہ لمحہ......آیا اور ٹھہر گیا اب ہوا کی مرضی تھی جب چاہتی اسے اڑا کر آگے بڑھ جاتی۔

''تم سی ڈی لینے آئے تھے؟'' شفق نے جیسے خود کو اس طلسم بھری گھڑی سے آزاد کروانے کی سعی کی تھی۔

''ہاں......میں اسی لیے آیا ہوں۔ نیچے شاہنواز بھائی انتظار کر رہے ہیں سی ڈی انہی کو دینی ہے۔'' تیمور نے سادگی سے جواب دیا۔ شفق چونکی۔

''تمہارے باس گھر آئے ہیں اور تم اب بتا رہے ہو......انہیں اندر بھی بلایا ہے یا نہیں......چلو میں چائے بناتی ہوں۔' وہ تیزی سے سیڑھیوں کی جانب بڑھی۔

''انہیں واپس آفس جانا ہے وہ اندر نہیں آئیں گے اس لیے اصرار کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔'' تیمور نے سرعت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر روکا پھر سنجیدگی سے بولا۔

''سی ڈی انہیں چند منٹ بعد بھی دی جا سکتی ہے میں بھی ان کے ساتھ ہی واپس آفس جاؤں گا میری کون سی لمبی چوڑی ڈیوٹی ٹائمنگ ہوتی ہے محض دو گھنٹے۔''

''تیمور! ایک بات کہوں؟......'' وہ پرسوچ انداز میں بولی۔

''مجھے تمہارے یہ شاہنواز بھائی کچھ ٹھیک آدمی نہیں لگتے۔ پتہ نہیں ان دو گھنٹوں میں وہ تم سے ایسا کون سا کام لے رہے ہیں میں نے تو آج تک نہیں سنا کسی کو آفس جاب ملے اور ڈیوٹی آورز صرف دو گھنٹے ہوں۔''

''شاہنواز بھائی بہت اچھے انسان ہیں وہ میرے باس نہیں ہیں مجھے اپنا دوست کہتے ہیں۔'' تیمور نے فخریہ انداز میں کہا۔

''دراصل میں کوئی باقاعدہ جاب تو کر نہیں رہا ان کے آفس میں یہ تو پارٹ ٹائم ہے۔ شاہنواز بھائی نے مجھ سے کہا تھا انہیں اپنے پرسنل کمپیوٹر میں ڈیٹا انٹری کروانے کے لیے کوئی لڑکا چاہیے اگر ہو سکے تو میں اپنے کسی کلاس فیلو کو ان سے ملواؤں میں نے کہا کسی کی کیا ضرورت ہے میں جو حاضر ہوں بس میری ڈیوٹی آورز پانچ بجے کے بعد رکھنا ہوں گے تاکہ میں آفس سے واپس آ جاؤں اب دیکھو معاوضہ بھی اچھا دے رہے ہیں اور انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ جیسے ہی میرے ایم کام پارٹ ون کے پیپرز ہو جائیں گے وہ مجھے اپنے آفس میں کوئی جاب دلوا دیں گے۔'' اسے شاہنواز سے متعارف ہوئے سال سے زیادہ کا عرصہ ہو چکا تھا اور وہ اس کا بے حد گرویدہ تھا۔

''چلو میں سی ڈی نکال دیتی ہوں۔'' وہ آگے بڑھی لیکن اس کا ہاتھ چونکہ ابھی تک تیمور کے ہاتھ میں تھا اس لیے رکنا پڑا۔

''تم نے میرے سوال کا جواب اب تک نہیں دیا۔ اتنی رونی صورت کیوں بنائی ہوئی ہے؟''

''بس یونہی......''

''میں نے تفریحاً آج تک کسی کو روتے نہیں دیکھا۔''

''میں رو نہیں رہی تھی۔''

''پھر؟''

شفق آہستگی سے قدم اٹھاتی پھر سے منڈیر کے قریب آرکی اور قدرے دکھی اور سوچ میں بولی۔

''میرا دل بہت اداس ہے۔''

''میں نے عانیہ کو جاتے دیکھا......اس سے جھگڑا ہوا ہے؟'' تیمور نے اندازہ لگایا پھر شفق کی اتری ہوئی شکل دیکھ کر جیسے اسے اپنے سوال کا جواب مل گیا۔

''تم اس کی باتوں کو کیوں اتنا محسوس کرتی ہو؟......یار۔اس کا مزاج مختلف ہے میں نے پہلے بھی تمہیں سمجھایا تھا۔''

''پھر بھی تیمور!'' وہ زچ ہو کر بولی۔

''مجھے لگتا ہے میں کچھ بھی کرلوں عانیہ کبھی مجھے اپنا سمجھ ہی نہیں سکتی۔ وہ میرے خلوص کو بھی سطحی سمجھتی ہے تم خود بتاؤ تیمور، میری جگہ تم ہوتے تو کیا تمہیں اس کے رویے سے دکھ نہیں پہنچتا۔ وہ کسی قیمت پر مجھے اپنی بہن مانتی ہی نہیں ہے۔''

''تو تم یہ چاہتی ہی کیوں ہو وہ تمہیں بہن مانے؟'' تیمور نے الٹا اسی سے پوچھا۔

''عانیہ بہت عقل مند ہے وہ جانتی ہے تمہیں بہن نہیں بھابی بنانا ہے پھر وہ تمہیں بھابی جان بلایا کرے گی اور میں تمہیں صرف جان کہا کروں گا۔''

''تیمور!'' شفق تو ہکا بکا ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگی پہلی بار تیمور کے منہ سے کوئی ایسی بات سنی تھی حیرانی یقینی امر تھا۔

تعلق تو خیر دلوں کے مابین تھا لیکن ایسے الفاظ......توبہ توبہ وہ تو کان کی لو تک سرخ ہوگئی۔

تیمور ہنس دیا۔

''ایسی بات سن کر لڑکیاں تھوڑا بہت شرما جایا کرتی ہیں کچھ اور نہیں تو آنکھیں ہی جھکا لیتی ہیں لیکن تم......چلو خیر عادت بھی بنتے ہی بنتی ہے۔''

''سر توڑ دوں گی اگر دوبارہ ایسی بات کی تو۔'' اس نے ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔ فطری حیا کے سارے ہی رنگ چہرے پر پھیل گئے تھے۔

''تم اتنا حسین گیٹ اپ لے کر میرے سامنے ہی مت آنا۔'' اس نے شریر انداز میں کندھے اچکا دیے۔

''حسین گٹ اپ۔'' وہ چیخی صبح سے واشنگ مشین لگا رکھی تھی اور اس وقت وہ موٹا کھدر کا انتہائی گھسا ہوا سوٹ پہنے ہوئی تھی گھر کا سب سے خراب اور پرانا سوئٹر اس پر سے حسن کو چار چاند بکھرے بالوں نے لگا دیے تھے۔

''ایسی چیختی ہوئی تو اور بھی حسین لگتی ہو یار! یقین نہ آئے تو میرے دل سے پوچھو۔'' وہ چڑانے سے باز ہی نہیں آرہا تھا۔

''تمہارا دل بھی تمہارے جیسا ہی ہے۔'' وہ چڑ کر بولی۔

''احمق اور بے وقوف...... میں ایک بالکل سنجیدہ بات کر رہی ہوں تم پتا نہیں کیا کیا ہانک رہے ہو اس سے تو اچھا تھا میں کشف سے ہی اپنی الجھن ڈسکس کر لیتی تم سے تو بہر حال زیادہ ہی اچھے طریقے سے اس الجھن کو دور کرتی۔''

''ہا...... ہاہ...... قدر نہ جانی بے قدرا۔'' اس نے ٹھنڈی آہ بھری شفق کا پارہ ہائی ہو گیا اس نے کچھ کہنے کا ارادہ کیا پھر پیر پٹختی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔

''یار! ایک تو تمہارے نخرے بہت ہیں لیکن کیا کروں یہ نخرے مجھے دل و جان سے قبول ہیں۔'' وہ لپک کر پیچھے آیا اور ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اپنے مخصوص سنجیدہ مگر شرارتی انداز میں بولا۔

''اب اگر تم نے کوئی فضول بکواس کی تو میں تمہیں سیڑھیوں سے دھکا دے دوں گی۔'' اس نے رک کر غضبناک نظروں سے تیمور کو گھورا۔

''شادی سے پہلے ہی بیوہ ہونے کا اتنا ہی شوق ہے تو ضرور دو دھکا۔'' وہ اطمینان سے بولا۔

''مرو تم۔'' وہ جھنجلا کر آگے بڑھ گئی۔

''میں تو تمہاری بد دعاؤں کے طفیل مر ہی جاؤں گا لیکن جب تمہیں میرے غم میں رونا پڑے گا تو پھر شکوے نہ کرنا یہ میں ابھی سے بتا رہا ہوں تاکہ کل کلاں کو میری روح بے چین نہ ہوتی پھرے۔ اب میری ایک بات دھیان سے سنو۔ عانیہ کی باتوں کو اگنور کر دیا کرو وہ دل کی بری نہیں ہے بس اس کا مزاج ہی کچھ ایسا ہے۔'' وہ ہمیشہ کی طرح عانیہ کی صفائیاں پیش کرنے لگا تھا اور شفق کے لیے بات نئی نہیں تھی۔

''عانیہ تو اب جائے بھاڑ میں، میں کیوں آخر اس کے غم میں ہلکان ہوتی پھروں جب اسے کوئی پرواہی نہیں، مجھے صرف یہ بتاؤ تم اتنی فضول بکواس آج کس خوشی میں کر رہے ہو۔'' اس نے دل ہی دل میں مصمم ارادہ کیا کہ اب عانیہ کے کسی معاملے میں دخل نہیں دے گی۔ وہ تیمور سے الجھنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

''سنو گیتی آرا! غلطی تمہاری ہے۔''

رات کے سینے پر بکھری نقرئی چاندنی کو ہتھیلیوں میں سمیٹنے کی خواہش کہ دل میں دباتے ہوئے اس نے بس یونہی کہہ دیا لیکن گیتی آراء کو یوں لگا اس کے وجود پر کسی نے ٹھنڈا پانی انڈیل دیا ہو۔

وہ بالکل سیدھی لیٹی موبائل فون پر گیم کھیل رہی تھی چند لمحوں کے لیے اس کی انگلیاں بٹن پریس کرنا بھول گئیں۔ ذرا سی ہی تو نظر چوکی تھی یا دھیان کا پرندہ کہیں اور جا بیٹھا تھا لیکن ہوا کچھ یوں کہ ایل سی ڈی پر فلیش ہوتی آخری برک بھی گر گئی پتا نہیں اس گیم کا کیا نام

تھا......؟ شاید زندگی؟ ہاں ہاں، یہی نام تھا ذراسی نظر چوکی اور آخری برک بھی گر گئی اور منظر تاریک ہو گیا اس نے یاد کرنے کی کوشش کی لیکن جس طرح انگلیاں سن ہو رہی تھیں ذہن بھی ماؤف ہو رہا تھا۔

بے ساختہ گردن موڑ کر اس نے رحاب کی جانب دیکھا کھڑکی کے قریب کھڑی وہ اسے دنیا کی بے حس ترین لڑکی لگی تھی۔ وہ جھلائی اس کی پیشانی پر لکیریں نمودار ہوئی تھیں لیکن اسے شبہ گزرا شاید اسے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔

''کیا کہا تم نے؟'' ایک کان میں لگے ہیڈ فون کو کھینچ کر اتارتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''غلطی تمہاری ہے گیتی!......صرف اتنا ہی کہا میں نے۔'' رحاب نے رسان سے کہا ذرا بھی اندازہ نہیں تھا اس کے الفاظ دوسری جانب کیا قیامت ڈھا چکے ہیں۔

''تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو؟'' اس نے دل میں اٹھتے غبار کو دباتے ہوئے پوچھا۔

''کیونکہ اس سارے سلسلے میں واحد میں ہوں جو غیر جانبداری سے تم پر گزرے واقعات کا تجزیہ کر سکتی ہوں کیونکہ میری وجہ سے کسی پر کچھ گزری نہ ہی میں کسی اور کا کیا بھگت رہی ہوں۔'' اس نے بازو باندھتے ہوئے بغور گیتی کی جانب دیکھا جس کا چہرہ غیر معمولی طور پر سنجیدہ تھا۔

''رحاب! تم نے کبھی محبت کی ہے؟'' پورٹیبل سی ڈی پلیر کے ساتھ ہیڈ فون کا تار لپیٹتے ہوئے اس نے اچانک پوچھا تھا۔

رحاب چونکی اسے سمجھ نہیں آئی آخر وہ ایسا کیا کہہ گئی ہے کہ گیتی کا چہرہ تن گیا۔ وہ تو اس کے تاثرات سے یہ اندازہ بھی نہیں لگا پا رہی تھی کہ گیتی خفا بھی ہے یا نہیں کسی قدر گھبراہٹ کا شکار ہوتے ہوئے اس نے وضاحت دینا چاہی لیکن گیتی نے اسے موقع ہی نہیں دیا تھا۔

''اگر کی ہے تو مجھے بے حد حیرانی ہے تم میری اس وقت کی کیفیت جب میں نے مظہر کی باتوں پر یقین کیا تھا اور اب کی پوزیشن کیوں نہیں سمجھ پائیں۔ چلو جو کچھ اب ہے اگر اسے نظر انداز کر بھی دیا جائے تو ہر ایک کی محبت میں ایسا وقت ضرور آتا ہے جب وہ بے بس ہو جاتا ہے اگر میں بھی بے بس ہوئی تو اس میں اتنی حیرانی کی کیا بات ہے؟۔

اور اگر تم نے محبت نہیں کی تو تم سمجھ ہی نہیں سکتیں کہ دراصل محبت ہے کیا؟ میں بتاؤں......دراصل محبت اسفنج کی طرح کی ایک چیز ہوتی ہے جو آنکھوں پر پٹی نہیں باندھتی نہ ہی پیروں میں زنجیریں ڈالتی ہے وہ تو بس حواس کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے جیسے اسفنج پانی چوس لیتا ہے ٹھیک ویسے ہی......انسان کے حواس مصلوب ہوتے ہیں تو وہ خود مصلوب ہو جاتا ہے اور پھر وہی کرتا ہے جو یہ بدبخت محبت اس سے کرواتی ہے۔ خواہ وہ ننگی تلواروں پر چلوائے یا پل صراط پر دھکیل دے۔ انسان مجبور ہو جاتا ہے رحاب! یہ محبت بڑی ظالم شے ہے لیکن تم کیا جانو۔'' اس کے لبوں پر کاٹ دار تبسم ابھرا تھا۔

''ہاں میں کیا جانوں!'' وہ دھیرے سے ہنس دی پتا نہیں اپنی کم فہمی پر یا قسمت کی کم عنایت پر۔

"جو کچھ تم کہہ رہی ہو میں اس سے بالکل انکار نہیں کرتی تم بھی ٹھیک کہہ رہی ہو گی مگر تمہیں ایک بات بتاؤں گیتی! دراصل محبت دو طرح کی ہوتی ہے۔ یہ بات میری نانی اماں کہا کرتی تھیں کہ محبت کی دو اقسام ہوتی ہیں۔ ایک تو شرعی محبت ہوتی ہے اور دوسری قسم کو ہم غیر شرعی محبت کہہ سکتے ہیں۔ شرعی محبت وہ ہوتی ہے جو ہماری پیدائش سے بھی پہلے ہمارے خون میں شامل کردی جاتی ہے ماں باپ، بہن بھائیوں، چچا تایا وغیرہ کی محبت اسی شرعی محبت کے دائرہ کار میں آتی ہے۔ جتنی زیادہ خون کی کشش ہوگی اتنی ہی ان رشتوں کے مابین محبت بڑھے گی پھر جیسے جیسے خون پھیلنا شروع ہوتا ہے ویسے ویسے محبت کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے۔ شوہر سے کی جانے والی محبت بھی اسی کیٹگری سے تعلق رکھتی ہے نکاح کے مقدس اور بابرکت بول ہمارے خون پر کچھ ایسا کیمیائی عمل کرتے ہیں کہ دو انجان لوگ ایک دوسرے کی محبت میں بندھ جاتے ہیں۔ اسکول کالج میں ملنے والی سہیلیاں گو کہ خونی رشتے نہیں ہوتے مگر ان کی محبت بھی شرعی ہوتی ہے تاوقتیکہ کوئی برا خیال ذہن میں جنم نہ لے یا ناقص ارادہ دل و دماغ پر قبضہ جمائے۔

یہ تو ہوئی شرعی محبت...... دوسری قسم میں وہ محبتیں ہوتی ہیں جو جنسی کشش کی وجہ سے مرد و عورت ایک دوسرے سے کرتے ہیں ان میں کوئی خونی رشتہ ہوتا ہے نہ ہی نکاح کے بول ان کا رشتہ پاکیزہ بناتے ہیں اس قسم کی محبت دراصل ظالم ہوتی ہے اور اسے ہی بدبخت کہنا مناسب ہے۔ اسی محبت سے انتشار جنم لیتا ہے اور معاشرے میں جذبوں کی بدامنی پھیلتی ہے۔" رحاب نے چند لمحوں کا توقف کرتے ہوئے بغور گیتی کا چہرہ جانچا۔

وہ بہت دلجمعی سے رحاب کو سن رہی تھی مگر اس کی بات دل پر کتنا اثر کر رہی ہے اندازہ لگانا مشکل تھا۔

"نانی اماں کہتی تھیں جو محبت دل و دماغ پر قبضہ جمالے وہ بھلا کس کام کی کہ انسان دین کا رہے نہ دنیا کا۔ یہ دیوانگی ہے نری اور شرعی محبت کبھی دل و دماغ پر قبضہ نہیں کرتی۔ وہ دل میں بھی موجود ہوتی ہے اور دماغ میں بھی مگر اپنی موجودگی کے باوجود انہیں ان کی مرضی سے کام کرنے دیتی ہے جبکہ غیر شرعی محبت تو بالکل پاگل پن ہے نہ دل اپنا رہتا ہے اور نہ دماغ، ایک وقتی سی کیفیت ہوتی ہے جو جب گزر جاتی ہے تو اپنے پیچھے طوفان کے بعد کی صورتحال چھوڑ جاتی ہے کہ تباہی تو سارا زمانہ دیکھ لیتا ہے لیکن اپنا بکھرا وجود سمیٹنے کے لیے انسان تنہا رہ جاتا ہے۔ مجھے لگتا ہے گیتی! تم بھی تنہا رہ گئی ہو۔ تمہیں بھی غیر شرعی محبت کا سانپ ڈس چکا ہے۔"

"پھر بھی تمہیں مجھ سے ہمدردی محسوس نہیں ہوتی۔" گیتی نے بے حد دل گرفتگی سے پوچھا۔

"محسوس ہوتی ہے لیکن......" وہ جھجک کر خاموش ہوئی۔

"لیکن؟" گیتی کو تجسس جاگا۔

"لیکن جو بھی ہو اس میں غلطی تو تمہاری ہی ہے نا۔"

"میں نے کیا غلطی کی؟" وہ جیسے چیخ تھی۔ "میں تو کٹھ پتلی تھی بلکہ ہوں۔ تمہاری نانی اماں نے تمہیں شرعی اور غیر شرعی محبت کا فلسفہ

سمجھا دیا اب ایک بات میری بھی صرف سنو نہیں سمجھو بھی......شرعی اور غیر شرعی محبت کی کشش بھی نیکی اور بدی کی کشش کی طرح ہوتی ہے یعنی انسان اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور ہو کر نیکی، بدی کے درمیان گیند بنا رہتا ہے کبھی ادھر جاتا ہے تو کبھی ادھر......مگر یہ طے ہے کہ زیادہ تر متوجہ وہ بدی کی جانب ہوتا ہے کیونکہ بدی کی لذت نیکی کی لذت سے زیادہ ہوتی ہے۔اب اگر ایسے میں، میں بھی غیر شرعی محبت کی طرف کھنچتی چلی گی تو اس میں میرا کیا قصور؟"

"اور بھئی! قصور مت پوچھو......کیا روز حشر بھی لوگ یہی سوال اٹھائیں گے کہ ہمارا کیا قصور......بدی کی کشش تھی سو ہم کھنچتے چلے گئے......بھئی یہ عذر قابل قبول ہوتا تو یہ کیوں ارشاد فرمایا جاتا کہ نفس سے لڑی جانے والی جنگ بے حد معتبر ہے۔"

"یعنی کل ملا کر غلطی صرف میری ہے۔" گیتی آگ بگولہ ہوگئی۔

"کسی حد تک تمہاری ہی ہے۔" رحاب نے نرمی سے کہا عجیب بات یہ کہ وہ اپنی موجودہ پوزیشن بھول کر بحث پر اتری ہوئی تھی۔

"اگر تمہارا نفس توانا ہوتا مقابلے کی جرأت رکھتا تو کبھی یہ نوبت نہ آتی۔

"ارے بھئی تم میرے بارے میں جانتی ہی کیا ہو جو بار بار رائے دیے جا رہی ہو۔" گیتی چاروں شانے چت ہوئی تھی کیسے نہ تلملاتی۔

"فی الحال اپنے متعلق سوچو مقابلے بازی کے یہ اسباق خود کو رٹواؤ۔ یہ سوچو یہاں سے نکلنا کیسے ہے اور نکلنا بھی ہے کہ نہیں۔ آپا بیگم نے اس اختر بٹ کی منت سماجت پر پورے پچھتر ہزار میں خریدا ہے تمہیں......پچھتر ہزار وہ بھی کیش......اختر بٹ کے وارے نیارے ہوگئے البتہ تم ماری گئیں......آپا بیگم اب وہ پچھتر ہزار تم سے وصولیں گی۔"

"تم......تم جھوٹ بول رہی ہو نا۔" رحاب کی رنگت بری طرح پیلی پڑ گئی تھی۔

"میں کیوں جھوٹ بولنے لگی یقین نہ آئے تو جا کر آپا بیگم سے خود ہی پوچھ لو۔ بڑے کمرے میں بیٹھ کر باقاعدہ سودے بازی ہوئی ہے آپا بیگم ستر دے رہی تھیں اختر بٹ اسی مانگ رہا تھا سودا طے پایا پچھتر پر لکھت پڑھت کے بغیر تو آپا بیگم کوئی کام کرتی نہیں تمہارے لیے بھی کوئی نہ کوئی ثبوت موجود ہوگا۔ دکھا دیں گی تمہیں۔"

اس نے بے نیازی سے کہتے ہوئے دوبارہ سے ہیڈ فون سیٹ کیا سی ڈی پلیئر آن کیا اور سر دھننے لگی۔ اس کے کانوں میں ہیڈ فون تھا اور ہاتھوں میں سے پھر سے سیل فون آچکا تھا جبکہ لبوں پر دل جلاتی مسکراہٹ تھی۔

کون کہتا ہے زندگی کو از سر نو تعمیر کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اسے تو یہ کام آسان لگا تھا۔

❁ ❁

ناول **بساطِ دل** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات آپ آنے والی ان تاریخوں (15th, 20th, 25th) میں پڑھ سکیں گے۔

''میں سوچ رہی ہوں ٹائم پاس کرنے کے لیے کوئی ملازمت کرلوں۔''

کمرے میں موجود جملہ حاضرین کی سرگرمیوں کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد عانیہ کسی نتیجے پر پہنچی پھر الماری کے ایک دروازے میں نصب آئینے میں اپنا جائزہ لیتے ہوئے اعلان کرڈالا۔ جانے کیوں اپنے ارادے کے اظہار کے لیے اسے یہی وقت مناسب لگا تھا۔

ثانیہ چونکی، ٹی وی اسکرین سے نظر ہٹا کر اس کی جانب دیکھا اور کوفت میں مبتلا ہوئی۔ مانا کہ عانیہ خوب صورت تھی مگر خوب صورت ہونے کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ ہمہ وقت شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی آرتی اتاری جائے۔ کسی قسم کا اظہار رائے کرنے سے بہتر اسے یہ لگا کہ ساری توجہ ڈرامے کی جانب لگادی جائے۔

عانیہ نے شیشے میں اسے اپنی جانب متوجہ ہوتے اور پھر دوبارہ گردن موڑتے دیکھا تھا یکدم اسے ہتک کا احساس ہوا۔ یعنی وہ اس قابل بھی نہیں کہ اس کی بات پر دھیان دیا جائے۔ اس کی پیشانی پر سلوٹیں نمودار ہوئی تھیں مگر ابھی خود کو پرسکون ظاہر کرنا اس کی ضرورت تھی اور اگر بالکل غیر جانبداری سے تبصرہ کیا جاتا تو یہ حقیقت تھی کہ عانیہ اپنی ضرورتوں کی غلام تھی۔ تبھی اس نے پیشانی پر نمودار ہوتی سلوٹوں کو مٹایا اور خاموشی سے پلنگ پر بیٹھ گئی۔ ڈرامہ ختم ہونے میں ابھی دس منٹ باقی تھے اور یہ دس منٹ اسے سکون سے گزارنے تھے۔

جیسے ہی ڈرامہ ختم ہوا ان سب کے تبصرے بھی شروع ہو گئے مگر اس سے زیادہ انتظار عانیہ کی برداشت سے باہر تھا۔

''تمہارا کیا خیال ہے تیمور! میرے لیے کس قسم کی جاب مناسب رہے گی؟'' اس نے تیمور کو مخاطب کیا جو فرش پر لگے بستر پر بیٹھا ریڈیو کے ساتھ کوئی تجربات کرنے میں مصروف تھا۔

''کس کی جاب؟'' اس نے حیرانی سے سر اٹھایا۔ ''کس کی بات کر رہی ہو؟''

''اپنی بات کر رہی ہوں۔''

''لیکن تمہیں جاب کی کیا ضرورت ہے؟'' اس نے لاپروائی سے کہا۔

''ایک دفعہ ثانی نے مشورہ دیا تھا جاب کا تاکہ میری پاکٹ منی پوری ہو جایا کرے۔''

''اور تب تم نے انکار کر دیا تھا۔'' ثانیہ نے یاد دلایا۔ ''زیادہ حیرانی تو مجھے اسی بات پر ہو رہی ہے کہ اب اچانک کیسے خیال آ گیا۔''

''اچانک تو خیر نہیں آیا۔ میں کافی دن سے سوچ رہی تھی کہ تمہارا مشورہ مان لینا چاہیے تھا۔''

''او چھوڑو یار! تم کہاں اس جھنجھٹ میں پڑنا چاہ رہی ہو۔'' تیمور نے کہا۔

''تم بتاؤ تمہیں کتنی پاکٹ منی چاہیے ہوتی ہے میں دے دیا کروں گا۔''

''تم کتنے دو گے؟ پانچ یا چھ سو۔ مجھے سو نہیں ہزار چاہئیں۔ بتاؤ دے سکتے ہو مجھے منتھلی چھ سات ہزار روپے۔'' اس کی اڑان ابھی

یہاں تک ہی تھی۔

''تم نے کیا سونے چاندنی کے گول گپے اور سموسے کھانے ہوتے ہیں؟'' اپنا تعجب چھپانے کے لئے اس نے مصنوعی انداز میں آنکھیں پھیلالی تھیں۔

''اس کے علاوہ بھی کچھ ضروریات ہوتی ہیں۔'' وہ جھلائی۔

''ساری ضروریات امی پوری کرتو دیتی ہیں عانیہ! اور تمہیں کیا چاہیے۔'' تیمور نے رسان سے کہا۔

''افوہ...... تیمور! تم بلاوجہ سوال جواب شروع کر دیتے ہو اگر میں جاب کر لیتی ہوں تو آخر اس میں مضائقہ کیا ہے۔ ثانیہ بھی تو کرتی رہتی ہے۔''

''اب تو نہیں کر رہی۔'' تیمور نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اور جب کر رہی تھی تو ہمیں ضرورت تھی اور ابھی بھی اگر تم لوگوں کو باہر نکل کر خوار ہونا ہے تو میرے دو دو جگہ کام کرنے کا کیا فائدہ ہے؟...... بس کوئی ضرورت نہیں ہے جاب واب کی۔'' اس نے بے حد سنجیدگی سے کہا اور اس کا ایسا انداز بہت کم معاملات میں ہوا کرتا تھا۔

''امی اور شفق بھی تو جاتی ہیں۔''

''میں تو انہیں بھی مجبور کر رہا ہوں کہ اب چھوڑ دیں۔''

''تیمور!''

''بس عانی!'' تیمور نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔ ''مجھ سے پوچھو گی تو نہ ہی سنو گی۔''

''ٹھیک ہے نہیں پوچھتی تم سے، صرف بتا رہی ہوں کہ میں جاب ضرور کروں گی۔''

تیمور نے پہلے حیرانی اور پھر بد دلی سے اس کے مستحکم لہجے کو سنا کچھ کہنا چاہا پھر اپنا سامان سمیٹ کر باہر نکل گیا۔

''میں عانیہ کی ہٹ دھرمی سے تنگ آتی جا رہی ہوں۔ مجال ہے جو یہ لڑکی اپنے اندر کچھ گنجائش رکھ کر کوئی بات سن لے، ہر بات میں ضد ہر بات میں من مانی پتا نہیں اس لڑکی کا کیا بنے گا۔'' بے اختیار اسے چند روز پہلے امی کی کہی ہوئی بات یاد آئی تھی تب اس نے اسے امی کا وہم قرار دیا تھا اس کا تو زیادہ تر وقت گھر سے باہر ہی کٹتا تھا اس لیے عانیہ کے مزاج میں اگر ہٹ دھرمی کا عنصر بڑھ رہا تھا تو اس کے لیے یہ بات محسوس کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔ یوں بھی وہ تو بچپن ہی سے ان سب سے مختلف مزاج رکھتی تھی۔ اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے مزاج میں تبدیلی آ رہی ہے یا اس کی عادات میں شدت آتی جا رہی تھی جو بعض اوقات ان سب کے لیے نا قابل برداشت ہوتا۔

اس وقت بھی تیمور کو اس کی بات نے عجیب سے احساس میں مبتلا کر دیا تھا اس احساس کیا نام تھا وہ سمجھنے سے قاصر تھا البتہ اس کی پیشانی پر پڑی ہوئی لکیریں ذہنی خلفشار کو ظاہر کر رہی تھیں۔

اندر ثانیہ اسے لتاڑنے کی کوشش میں تھی۔

''کیا ضرورت تھی ایسا کہنے کی۔''

''کم آن ثانیہ! تم یہ طے مت کیا کرو کہ مجھے کس وقت کیا کہنا ہے۔'' اس نے ناگواری سے کہا۔

''مجھے جاب کرنی ہے اور بس۔'' اس نے ہٹ دھرمی سے کہا۔

''جب تیمور کہہ رہا ہے کہ وہ تمہیں پیسے دیا کرے گا تو تم مان کیوں نہیں لیتیں۔'' ثانیہ زچ ہو کر بولی۔

''مجھے کسی کا احسان نہیں چاہیے مجھے میرا اپنا پیسہ چاہیے۔'' وہ پرسکون تھی۔

''احسان؟ کس نے جتایا احسان؟'' ثانیہ حیران ہوئی۔

''ہر بات کے لیے الفاظ ضروری نہیں ہوتے بعض اوقات انداز بھی بہت کچھ جتا دیتے ہیں۔''

''سارے انداز اسی کو کیوں سمجھ آتے ہیں۔'' ثانیہ نے جل کر سوچا۔

''اور پھر میں سمجھ نہیں پا رہی تم لوگوں کو اعتراض کس بات پر ہے؟ میں کوئی بہت اہم ڈیوٹیز سرانجام دے رہی ہوں کہ جاب کے متعلق سوچوں بھی نہیں۔'' وہ بھول گئی کہ کچھ عرصہ قبل تک وہ اسی بات کا شور مچاتی رہی ہے۔

''اور ویسے بھی......'' اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا اور خاصی جتاتی نظروں سے ثانیہ کی طرف دیکھا۔

''میری تو ابھی شادی بھی نہیں ہو رہی کہ اسی لیے گھر بیٹھی رہوں۔''

''ہو بھی سکتی ہے۔'' زینب اچانک بولی۔ عانیہ چونکی پھر ناک چڑھا کر بولی۔

''مجھے تو ایسا نہیں لگتا، نہ ثانیہ بی بی کی بات کہیں طے ہو پائے گی نہ ہی ہماری باری آئے گی۔'' اس نے بے حد نخوت سے کہا تھا ثانیہ کا چہرہ خفت سے لال ہو گیا تھا۔

''آپ کو اتنی جلدی ہے تو امی سے کہہ دیں۔ وہ آپ کی شادی کر دیں گی۔'' نرمین تڑخ کر بولی۔

''تم اپنا منہ بند رکھو۔'' عانیہ نے ڈپٹ کر کہا۔

''میرا منہ تو بند ہو ہی جائے گا لیکن اگر اس گھر میں کسی کا منہ بند نہیں ہو سکتا تو وہ آپ ہی ہیں۔'' عانیہ کو کھری کھری سنانے کا حوصلہ صرف وہی کیا کرتی تھی شاید اسی لیے ان دونوں کے جھگڑے بھی زیادہ ہوتے تھے۔ ابھی بھی یہی ہوا تھا ثانیہ تو خیر ایک ہی جملے کی مار نہ سہہ سکی اور چاروں شانے چت ہو گئی لیکن یہ نرمین!...... بدبخت اس نے دانت کچکچائے بس نہیں چلا دانتوں تلے نرمین کی گردن ہی چبا ڈالے۔

''آخر یہ کیا ہو رہا ہے۔'' بالآخر امی کو مداخلت کرنا پڑی۔

''کوئی نیا کام نہیں ہو رہا امی! یہاں تو یہ تماشے ہوتے رہتے ہیں فی الحال تو آپی صاحبہ کا نیا شوق سن لیں...... ہونہہ...... سمپل

ایف اے کے ساتھ بڑی کمال کی نوکری ملے گی انہیں۔'' وہ بے حد چڑ چڑی ہو رہی تھی۔

''نرمین! یہ کیا طریقہ ہے؟ بڑی بہن سے اس طرح بات کی جاتی ہے۔''

''آپ یہاں بیٹھ کر ''بڑی بہن'' کی باتیں سنیے۔ تب آپ کو پتا چلے گا ان سے کس طرح بات کرنی چاہیے۔'' وہ جل کر بولی اور پیر پٹختی باہر نکل گئی۔ عانیہ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے تب تک دیکھا جب تک وہ دروازے میں غائب نہیں ہو گئی پھر اس نے اپنا ارادہ ظاہر کیا اور اسے اس وقت بے حد کوفت کا سامنا کرنا پڑا جب امی نے بھی اسے فوراً ٹوک دیا تھا۔

''لیکن کیوں امی......'' وہ جھنجھلائی۔

''ہر بات پر سوال اٹھانا ضروری ہے؟'' انہوں نے اپنی مخصوص مدھم آواز اور دھیمے لہجے میں کہا۔ عانیہ کو تو مانو آگ ہی لگ گئی تھی۔

''اور کیا یہ ضروری ہے کہ آپ مجھے ہی انکار کریں۔'' اس نے سارا لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے بے حد بدتمیزی سے کہا۔

''ثانیہ کو تو آپ نے منع نہیں کیا۔ شفق کو بھی تو ساتھ ساتھ لگائے پھرتی ہیں اور آپ خود بھی تو...... مجھے کیوں منع کر رہی ہیں۔''

''ثانیہ اور شفق کے لیے میں کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہوں جبکہ تمہارے متعلق کوئی بھی فیصلہ کرتے ہوئے مجھے ہمیشہ ہی عادل اور اس کے گھر والوں کی پسند ناپسند کا خیال رہا ہے۔ میں جانتی ہوں عادل یہ بات بالکل گوارا نہیں کرے گا۔ جو بات اسے اپنی بہن کے لیے ناپسند ہے وہ بات ہونے والی بیوی کے لیے کیسے پسند کر سکتا ہے۔'' انہوں نے رسان سے سمجھایا۔

''امی...... کیا میری پسند ناپسند کوئی اہمیت نہیں رکھتی؟'' اس نے صدمے کی کیفیت میں پوچھا۔

''کیوں اہمیت نہیں رکھتی...... رکھتی ہے بھئی...... لیکن یہ باتیں تب تک اہم ہوتی ہیں جب تک لڑکی ماں باپ کے گھر ہوتی ہے۔''

''میں بھی اپنے ماں باپ کے گھر میں ہی ہوں۔'' اس نے ان کی بات پوری نہیں ہونے دی تھی۔

''تم میری بات پوری ہونے دو گی؟'' انہوں نے ڈپٹ کر پوچھا۔

''تم بے شک اپنے ماں باپ کے گھر میں ہو لیکن تمہارا رشتہ طے ہو چکا ہے اور جب شادی بیاہ کے معاملات طے ہو جاتے ہیں تو لڑکی کے سسرال والوں کی پسند ناپسند کو زیادہ اہمیت دینا پڑتی ہے خواہ وہ سسرالی قریبی رشتے دار ہی کیوں نہ ہوں۔ عادل بہت سلجھا ہوا بچہ ہے میں جانتی ہوں وہ تمہیں نہیں روکے گا لیکن جس بات کو ماننے کے لیے اسے خود پر جبر کرنا پڑے وہ بات کی ہی کیوں جائے...... خوشگوار زندگی گزارنے کے لیے عورت کو بہت سی قربانیاں دینا پڑتی ہیں یہ بات تم ابھی سے اپنے پلو سے باندھ لو۔''

''مجھے یہ سب مت بتائیں۔'' وہ جل کر بولی۔

''ایسی زندگی جائے بھاڑ میں جو مجھے کسی اور کی پسند ناپسند کے مطابق گزارنا پڑے۔''

''عانیہ۔'' امی نے فوراً ٹوک دیا۔

اسے اپنی بے قراری کا احساس ہوا تو خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے تحمل سے بولی۔

''میرے لیے صرف آپ کی پسند اہمیت رکھتی ہے۔ آپ مجھے اجازت دیں۔''

''تو پھر تم یوں سمجھو مجھے ہی یہ بات پسند نہیں۔'' انہوں نے گویا بات ہی سمیٹ دی۔

''کمال ہے...... صرف میرے لیے پسند نہیں...... مجھ میں سرخاب کے پر لگے ہیں یا شفق اور ثانیہ میں؟''

''تمہیں نہیں لگتا عانیہ! تم دن بہ دن بدتمیز ہوتی جا رہی ہو۔''

''میں بدتمیز نہیں ہوتی جا رہی آپ نے ہی فرق کیا ہے مجھ میں اور اپنی اس باقی اولاد میں۔'' اس کا سارا وجود بھڑ بھڑ جلنے لگا تھا۔

''الٹی سیدھی کوئی بھی بکواس کر لو مگر تم ملازمت نہیں کرو گی۔'' حلیمہ نے بمشکل اپنا غصہ ضبط کیا تھا۔

''لیکن کیوں؟''

''کیا کیوں'' وہ جھنجلائیں۔ ایک بات تمہیں طریقے سے سمجھا دی مگر تمہاری عقل میں آ ہی نہیں رہی۔''

''ظاہر ہے آپ کی باقی بیٹیوں جیسی عقل مند جو نہیں ہوں۔'' وہ بدتمیزی سے کہتی باہر نکل گئی تھی۔

''آپ مجھے ملازمت کی اجازت نہ دیں امی! مگر جو آپ چاہتی ہیں وہ بھی میں نہیں کروں گی...... میں بھی دیکھتی ہوں میری مرضی کے بغیر آپ کچھ کیسے کرتی ہیں۔''

مظہر نے دوبارہ ملاقات کی فرمائش نہیں کی تھی یہ اسکا اپنا دل تھا جو ہمکنے لگا تھا۔ ہوتا دراصل یوں ہے کہ پہلی سیڑھی کے بعد دوسری سیڑھی کی باری تو ضرور ہی آتی ہے۔ جو زیادہ جلد باز ہوتے ہیں وہ دو دو، تین تین سیڑھیاں ایک جست میں پھلانگنے کو ترجیح دیتے ہیں مگر ابھی وہ اتنی باحوصلہ تھی نہ ہی جلد باز...... یوں بھی آج کل اس نے اپنے دماغ سے سوچنے کا کام تقریباً ترک ہی کر رکھا تھا وہ اپنے دماغ کی بجائے مظہر کے دماغ سے سوچتی تھی اور مظہر کھچڑی کو ٹھنڈا کر کے کھانے کا قائل تھا۔

دلچسپ بات یہ کہ عانیہ کو اس بات کا احساس تک نہ تھا وہ بڑے آرام سے اپنی زبان سے مظہر کے الفاظ بولتی تھی بدلحاظ اور بدتمیز تو خیر پہلے بھی تھی مگر اب تو اسے برداشت کرنا بھی مشکل لگتا مگر عانیہ کو اس بات کا احساس تک نہ تھا۔ وہ مظہر کی محبت میں صرف ناک تک ہی نہیں پیشانی تک ڈوبی ہوئی تھی یہی وجہ تھی کہ اسے پتا تک نہیں چل پا رہا تھا۔ مظہر نے بڑی مشاقی اور چابکدستی سے اس کے گرد محبت کا جو جال بنا ہے اس کے تار ریشم کے نہیں لوہے کے ہیں اور لوہا جب دہکتا ہے تو وجود پر ایسے نشان لگاتا ہے جن کی تکلیف سہی نہیں جاتی اور نشان کبھی نہیں مٹتے فی الحال تو وہ ایک الگ ہی دنیا میں جی رہی تھی۔

اس دنیا کی تہذیب کو یوں اپنا چکی تھی جیسے پیدا ہوتے ہی اسی تہذیب کے زیر سایہ رہی ہو۔

سونا جاگنا، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، گویا ہر کام اسی دنیا کی روایت کے مطابق انجام دیتی تھی۔

محبوب کی پرستش اس دنیا کا نصب العین تھا اور وہ تو روگردانی کر ہی نہیں سکتی تھی اس کا دل چاہتا لمحہ لمحہ اس کی سنگت میں بتائے۔ کہیں زمانہ ہمیں الگ نہ کردے یا موت کا پنجہ نہ آن دبوچے۔ اسے خدشات ستاتے۔ کتنی مختصر ہے یہ زندگی۔ محبت کرنے کے لیے تو اور بھی کم......

کوئی جادو کی چھڑی کیوں نہیں گھومتی یا کوئی معجزہ کیوں نہیں ہوتا یا یوں ہی ہو کسی روز میری آنکھ کھلے اور میں اور مظہر زمانے کے خوف سے آزاد ہو چکے ہوں۔ راستے خود بخود ہموار ہو جائیں۔ دیواریں آپوں آپ ڈھے چکی ہوں ہمارے درمیان کوئی عادل نہ ہو۔

معجزے بھی تو ہوتے ہیں تو یہ کیوں ممکن نہیں۔

وہ سوچتی اور کڑھتی آخر ہمارے مقدر میں کوئی معجزہ کیوں نہیں؟ کچھ ہو سکتا تو ہوتا کیوں نہیں؟

بھلا ہتھیلیوں کی اوک میں پانی بھی کبھی ٹھہرا ہے؟ لیکن اسے کون سمجھاتا یا شاید سمجھا بھی لیتا بشرطیکہ اس نے کسی کو اس قابل سمجھا ہوتا۔

البتہ مظہر نے سنا تو خوب ہنسا۔

''پاگل ہو تم بالکل۔''

''اس میں پاگل پن کی کیا بات ہے؟'' وہ خفا ئی ہوئی...... ''ہونے کو تو کچھ بھی ہو سکتا ہے امید اچھی ہی رکھنی چاہیے۔''

''ہاں اچھی امید رکھنے میں برائی نہیں ہے مگر خواہش سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے۔''

''آپ کیا کہہ رہے ہیں مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔'' اس نے بے زاری سے کہا۔

''وہ کون سی بات ہے جس نے آپ کی سمجھ کو گروی رکھا ہے؟'' اس نے ہلکے پھلکے لہجے میں پوچھا۔

''امی نے مجھے جاب کی اجازت نہیں دی۔'' اس نے افسردگی سے بتایا۔

''کیوں؟ آئی مین تم نے وجہ نہیں پوچھی۔''

''بہت بے تکی سی وجہ ہے۔'' وہ ہچکچا سی گئی۔

''پھر بھی؟'' وہ بضد ہوا۔

''امی کہتی ہیں عادل کو پسند نہیں۔'' اس نے جیسے اپنی غلطی کا اعتراف کیا تھا بحالت مجبوری، مظہر بڑی دیر تک خاموش رہا۔ عانیہ کو خدشات ستانے لگے تو بولی۔

''کچھ کہیں گے نہیں؟''

''تم اپنی امی کی بات مان لو عانیہ مائیں اولاد کا برا نہیں سوچتیں۔''

''مگر اولاد میں فرق تو رکھ سکتی ہیں یعنی کسی سے زیادہ محبت کسی سے کم۔'' وہ جل کر بولی۔

''ایسا نہیں ہوتا عانیہ!......''

''ہمارے یہاں ہو رہا ہے۔'' اس نے بات قطع کی اور زور دے کر بولی۔

''یہ ہو سکتا ہے کہ آنٹی......ثانیہ کو تم پر اہمیت دیتی ہیں یہ کوئی غیر معمولی بات بھی نہیں ہے بقول تمہارے وہ شروع سے آنٹی کا ہاتھ بٹا رہی ہے گھر کی مالی حالت کو مستحکم بنانے میں اس کا بڑا حصہ ہے ایسے میں اگر آنٹی اس کی بات کو اہمیت دیتی ہیں تو اس میں اتنا ہرٹ ہونے کی کون سی بات ہے۔ تمہیں تو اپنی امی کی مجبوری کو سمجھنا چاہیے وہ ثانیہ کی مخالفت کر کے یا اس کے کسی معاملے میں روک ٹوک کر کے اسے متنفر نہیں کرنا چاہتیں۔ ساتھ ہی ساتھ ان کے دل میں ثانیہ کے لیے جو بھی غصہ ہے وہ تمہاری طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ عانیہ وہ بھی مجبور ہیں تمہیں سمجھنا چاہیے۔'' اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے سمجھایا تھا عانیہ قائل ہونے کی بجائے اور بھڑک اٹھی۔

''میں ہی فالتو ہوں نا اس گھر میں کہ کسی کا بھی غصہ مجھ پر ہی نکالا جائے۔''

''اتنا غصہ نہیں کرتے میری جان!۔'' وہ دھیرے سے ہنس دیا پھر سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔

''اگر میں کبھی تمہیں کسی بات سے منع کروں گا تو تب بھی تم اسی طرح غصہ کیا کرو گی؟'' سنجیدہ لہجے میں رچی شرارت اس کے دل پر شبنم کی طرح برسی تھی اس کے لب مسکرا دیے۔

''آپ مجھے کیوں روکیں گے جب کہ میں کوئی ناحق بات بھی نہیں کر رہی۔'' وہ ناز سے بولی۔

''اور میں جانتی ہوں آپ مجھے کبھی منع نہیں کریں گے......اتنا بھروسہ تو ہو گا مجھ پر۔''

''خود سے بھی زیادہ۔'' وہ جذب سے بولا۔

''اور مجھے آپ سے بھی زیادہ۔'' وہ کھلکھلائی۔

''اچھا سنو اب میں فون نہیں کروں گا۔'' اس نے اچانک کہا تھا۔

''کیوں؟'' وہ چونکی۔

''یار! یوں بات کرنے کا فائدہ نہیں ہے۔ سماعتیں سیراب ہوتی ہیں نہ دل۔ الٹا بے قراری اور بڑھ جاتی ہے۔'' وہ بے بسی سے بولا۔

''اس بچارے کی بات نہیں مانیں گے تو بے قرار ہی ہو گا۔''

''مطلب۔''

''جو آپ کا دل چاہتا ہے اس کی بات مان لیں بے چارا آپ کو دعائیں ہی دے گا۔'' اس نے کھنکتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''دعائیں یونہی تو نہیں ملتیں......آپ کے تعاون کی بھی از حد ضرورت پڑے گی۔''

وہ بھی شرارت سے گویا ہوا۔

''اور آپ کو اپنے تعاون کا یقین دلانے کے لیے مجھے کیا کرنا ہوگا۔'' وہ بھی اسی کے انداز میں گویا ہوئی۔

''عانیہ......'' اس کی آواز میں متبسم سی حیرانی تھی۔ ''آر یو سیریس...... تمہیں پتا ہے میں کیا کہہ رہا ہوں۔''

''ہاں...... پتا ہے۔'' اس نے بے حد سنجیدگی سے جواب دیا۔

''اچھا۔'' وہ ابھی بھی بے یقین تھا۔

''پھر کہیں ملنے آسکتی ہو؟'' اس کا لہجہ شرارتی تھا عانیہ کی خاموشی کو جانے کیا سمجھا اور اگلے ہی پل وضاحتی لہجے میں بولا۔

''میرا مطلب...... کچھ دیر باتیں ہوں گی ساتھ میں لنچ کریں گے...... آپ کو جی بھر کر دیکھیں گے دل کی خواہش خود بخود پوری ہو جائے گی۔''

عانیہ خاموشی سے کسی حساب کتاب میں لگی رہی۔

''بس...... اتنا ہی حوصلہ تھا...... واہ صاحب! خوب ہیں آپ بھی۔'' مظہر ہنس دیا۔

''میں کچھ اور سوچ رہی تھی۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔

''اٹس اوکے۔'' اس نے کہا۔

''میں تمہیں کسی مشکل میں ڈالنا بھی نہیں چاہتا۔''

''ارے مشکل کیسی...... آپ بتائیں کہاں آنا ہے؟''

مظہر تو دنگ ہی رہ گیا۔

''کیا کہہ رہی ہو؟''

''اتنا حیران کیوں ہو رہے ہیں۔'' اس نے یوں پوچھا جیسے جانتی ہی نہ ہو۔

''میں نے سوچ لیا ہے اب میں بھی وہی کروں گی جو میرا دل چاہتا ہے۔ صرف میں ہی خود پر لگی پابندیاں برداشت کروں ثانیہ بھی تو اتنا عرصہ اپنی مرضی سے جاب کرتی رہی ہے اسے باہر جانے کی اجازت دی جا سکتی ہے، مجھے نہیں بس مجھے نہیں پتا...... میں اپنی مرضی کروں گی کسی بھی قیمت پر۔''

عانیہ...... اتنا ایموشنل نہیں ہوتے۔'' اس نے سمجھانا چاہا۔

''اوہو...... مجھے نصیحتیں مت کریں۔'' وہ چڑ ہی تو گئی۔

''صرف یہ بتائیں میں کہاں پہنچوں؟'' وہ بغاوت پر آمادہ تھی۔

''صرف میرے دل تک۔'' وہ جیسے ہتھیار ڈالتے ہوئے چھکا تھا منزل تک پہنچانے والے راستے ان دونوں کو ہی دور دور تک

صاف دکھائی دینے لگے تھے۔

☆......☆......☆

آسمان تو جیسے کہر اوڑھے بیٹھا تھا۔

کئی روز سے سورج کی ایک کرن بھی دکھائی نہ دی تھی۔ دھند سے بوجھل دن نکلتا ذرا جو منظر صاف ہونے لگتا تو بادل چھا جاتے۔ درودیوار سے سرمئی غبار لپٹا رہتا اور فرش کی سطح سے تو برف کی کیلیں جھانکنے لگتی تھیں۔ بعض اوقات تو دہکتے کوئلوں کے سامنے بھی کپکپی محسوس ہوتی۔

اس دفعہ تو سردی عجیب ڈھنگ سے آئی تھی۔

مگر وہ معمول سے مختلف دن تھا۔ آسمان پر پھیلی دھند کے موٹے پردے کی اوٹ سے چند سنہری کرنوں نے جھانکا اور چپکے سے نیچے اتر کر شہتوت کے نیم جان پتوں سے الجھنے لگیں۔

ثانیہ نے سر اٹھا کر آسمان پر مچلتی ہلچل کو دیکھا اور دل ہی دل میں شکر بجا لاتے ہوئے اپنی موٹی جرسی کی کہنی سے پھسلتی آستین کو دوبارہ سے فولڈ کر کے جھاڑو ہاتھ میں لیا اور ادھورا رہ جانے والا کام نبٹانے لگی۔ شڑاپ شڑاپ کی آواز کے ساتھ اینٹیں نکھرتی جا رہی تھیں گو کہ اسے کام سمیٹنے کی جلدی تھی ہاتھ پیر سردی سے سن ہو رہے تھے ساتھ ہی ساتھ اپنے پیروں کو پانی سے بچانے کے لیے وہ قدرے احتیاط سے جھاڑو چلا رہی تھی۔ تاخیر ہونا لازمی امر ٹھہرا۔ ارادہ تو یہی تھا کہ ”شیخ صاحب“ کی قیام گاہ صاف کر دے گی کیونکہ چارے اور غلاظت کی وجہ سے روز ہی صحن کا وہ حصہ دھونا پڑتا تھا پھر تیمور کی تاکید بھی تھی۔

”میرا شہزادہ بہت نفاست پسند ہے اس کا خیال رکھا کریں۔“ گو کہ وہ سب ہی اس معاملے میں محتاط رہتی تھیں خاصی صفائی پسند تھیں لیکن اگر کسی روز تیمور کو کوئی کوتاہی دکھائی دے جاتی تو خوب بگڑتا۔

”شیخ صاحب کو ہم نے قربانی کی نیت سے پالا ہے اور قربانی کے جانور کی جتنی دیکھ بھال کی جائے اور اس کے آرام کا جتنا خیال رکھا جائے اتنا ہی ثواب ملتا ہے مگر اس گھر میں سب ہی اپنے مشترکہ ثواب کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔“

وہ بولنا شروع ہوتا تو مشکل سے خاموش ہوتا اور اس کی جذباتی وابستگی کی بنا پر ان سب کو یقین تھا تیمور عید سے دو روز قبل شیخ صاحب کو بھگا دے گا گھر سے مگر قربان نہیں کرے گا۔

بہرحال وہ یہی سوچ کر آئی تھی صرف یہی کونا دھو دے گی مگر جب دھو چکی تو باقی صحن کو یونہی چھوڑ دینا ٹھیک نہیں لگا اس لیے موسم کی شدت سے خائف ہونے کے باوجود پانی کا پائپ گھسیٹتی چلی گئی۔

وہ اس وقت پرندوں کا دانہ پانی بدل رہی تھی جب عانیہ نے اسے پکارا۔

''کیسی لگ رہی ہوں، اچھی لگ رہی ہوں نا۔'' ثانیہ کے متوجہ ہوتے ہی اس نے بے حد اشتیاق سے پوچھا۔ وہ اس وقت ثانیہ کا سیاہ رنگ کا سوٹ پہنے کھڑی تھی جس کے دامن پر میرون رنگ کی بے حد خوب صورت لیس لگی ہوئی تھی جبکہ دوپٹے کے بارڈر پر لیس کے علاوہ میرون رنگ کے پھول کڑھے ہوئے تھے۔ وہ ثانیہ کا بالکل نیا سوٹ تھا اور شفق نے چند روز قبل ہی سی کر دیا تھا مگر عانیہ کے سراپے پر بہت بچ رہا تھا یوں لگ رہا تھا جیسے اسی کے لیے سلائی کیا گیا ہو۔

''پوچھ رہی ہو یا بتا رہی ہو؟'' پانی کا کٹورا اچھی طرح دھوتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''بتا بھی رہی ہوں اور پوچھ بھی رہی ہوں۔'' عانیہ کھلکھلائی۔ مقامِ حیرت ثانیہ کے تعجب میں اضافہ ہوا سو کر اٹھتے ہی وہ کبھی اتنے خوشگوار موڈ میں نہیں ہوتی تھی پھر آج وہ بستر سے بھی جلد نکل آئی تھی حالانکہ وہ تو دن چڑھے بستر سے نکلتی تھی۔

''اچھا لگ رہا ہے۔'' ثانیہ نے سچے دل سے سراہا۔

''ہے نا......'' وہ خوش ہو گئی پھر فوراً بولی۔ ''لے لوں۔''

''کیا مطلب۔''

''ایک دن کے لیے ادھار دے سکتی ہو؟ کچھ دیر پہنوں گی پھر واپس کر دوں گی۔''

''عادل آرہا ہے؟'' ثانیہ کٹورے میں باجرہ ڈال رہی تھی رک کر اسے دیکھنے لگی۔

''بڑا بورنگ مذاق ہے۔'' اس نے ناک چڑھائی۔

''صرف یہ بتاؤ سوٹ لے لوں۔ میرے پاس تو ایک بھی ڈھنگ کا سوٹ نہیں ہے۔''

''بندہ ناشکرا ہو تو کوئی کیا کرے بہر حال لے لو...... لیکن تیاری کہاں کی ہے؟'' اس نے بالآخر پوچھ ہی لیا۔

''تھیک یو ثانی...... یو آر سو سوئیٹ۔'' وہ چہکی۔

''اچھا سنو تمہارے وہ بلیک ائیر رنگ بھی لے لوں۔''

''وہ میرے نہیں شفق کے ہیں۔''

''ہاں میں تو بھول ہی گئی تم جیسی بڈھی روح کو تو جیولری کا شوق ہی نہیں کم سے کم شفق اس معاملے میں پھر بھی کچھ باذوق ہے...... ویسے مجھے یاد تھا وہ ائیر رنگز شفق کے ہیں تم سے اس لیے پوچھا کیونکہ تم دونوں ایک دوسرے کی چیزیں اکثر استعمال کر لیتی ہو اور میں شفق کو بتانا نہیں چاہتی میں نے اس کے ائیر رنگز لیے تھے دراصل میں اس کا احسان نہیں لینا چاہتی۔ تمہاری خیر ہے تم تو میری بہن ہو۔''

''عانی! وہ بھی ہماری بہن ہے۔'' ثانیہ نے فوراً ٹوک دیا۔

''ہاں ہاں ٹھیک ہے۔'' اس نے بے زاری سے مکھی اڑائی۔

''پھر میں لے لوں ایئر رنگز؟ کہہ دو گی تم نے لیے تھے؟''

''اچھا بابا کہہ دوں گی۔''پریشر کی وجہ سے پائپ نل سے الگ ہو گیا تھا وہ دوبارہ سے لگانے دوڑی۔

''بس اب بلیک جوتا ہوتا تو مزا آجاتا۔''اس کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔

''اتنی میچنگ۔''ثانیہ بری طرح چونکی بلکہ الجھی۔

''آخر تیاری کہاں کی ہے؟''

''ثناء کی طرف جا رہی ہوں......ویسے تو میرا اپنا ریڈ اور اورنج سوٹ بہت کمال کا ہے اس کے ساتھ تو میچنگ جیولری اور جوتا بھی ہے لیکن مظہر کو بلیک کلر زیادہ پسند ہے۔''ثانیہ نے اسے بڑبڑاتے ہوئے پلٹ کر کمرے میں جاتے دیکھا صرف اتنی بات سمجھ آئی کہ ثناء کی طرف جا رہی ہوں اور ریڈ اور اورنج سوٹ کمال کا ہے۔

وہ الجھی الجھی سی جھاڑو اٹھا کر پھر سے متحرک ہو گئی مگر اس بار کام میں بے توجہی نمایاں تھی۔

اس دفعہ سردی سچ مچ عجیب ڈھنگ سے آئی تھی خصوصاً عانیہ کے لیے۔وہ تو سرد ہوا کے پہلے جھونکے کے ساتھ ہی سردی سردی کا شور مچانا شروع کر دیتی تھی سارا موسم وہ کسی ایسے کام کو ہاتھ نہیں لگاتی تھی جس میں پانی کا استعمال زیادہ ہو۔گھر سے نکلنا ترک کر دیتی تھی سارا سارا دن گرم رضائی اوڑھے رہتی جبکہ آج پھر ایک ایسا دن تھا کہ نہ صرف وہ جلدی بے دار ہو گئی تھی بلکہ سخت سردی کی پروا کیے بنا نہانے بھی گھس گئی تھی۔

بات تو خیر معمولی تھی مگر اسے عجیب سی بے چینی نے گھیر لیا۔

کہیں نہ کہیں کچھ تو گڑبڑ تھی مگر کیا؟......یہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

ممکن ہے وہ ہمیشہ سے ایسی ہی ہو مگر اس نے تو جب سے ملازمت ترک کی تھی تب سے اسے عانیہ کی سرگرمیاں مشکوک لگنے لگی تھیں۔

بظاہر تو خیر کوئی واضح علامت دکھائی نہ دیتی تھی مگر شکوک ابھر رہے تھے۔وہ چونک رہی تھی وہ ٹھٹک رہی تھی۔دل چاہتا عانیہ سے دو ٹوک بات کرے مگر کس بنیاد پر؟ کوئی ٹھوس یا واضح ثبوت بھی تو نہیں۔

اور کیا کہہ کر بات شروع کرے؟......مجھے تم بدلی بدلی سی لگنے لگی ہو گو کہ بظاہر تو کچھ بھی نہیں مگر تمہیں دیکھ کر یوں کیوں لگتا ہے جیسے کہیں کوئی زبردست انقلاب رونما ہوا ہے۔

جیسے کوئی بغاوت تمہارے اندر ابھر رہی ہو پھر معدوم ہو رہی ہو۔

اور اگر اس نے میرے ان الٹے سیدھے بے تکے خدشات میں سے کسی ایک کو بھی کوئی واضح نام دے دیا تو میرا ری ایکشن کیا ہو گا بھلا......

نہیں نہیں...... بھلا مجھے کیا ضرورت ہے اس جھنجھٹ میں پڑنے کی...... خواہ مخواہ بے بنیاد بات بھی کروں اور بھرم بھی گنواؤں پتا نہیں انسان خدشات کے درست ہونے سے ڈرتا ہے یا بھرم ٹوٹنے سے خائف ہوتا ہے؟...... بہرحال عانیہ کوئی بچی تو نہیں ہے کہ کوئی غلط کام کر جائے۔ بدتمیز ہے، منہ پھٹ ہے، خودسر اور ہٹ دھرم ہے ناسمجھ یا کم عقل تو بہرحال نہیں ہے۔

میرا دماغ خراب ہو چکا ہے جانے کیوں یہ الٹے سیدھے خیالات میرے دماغ میں ہی آتے ہیں...... دھت تیرے کی۔

اس نے سر جھٹکا اور تیزی سے ہاتھ چلانے لگی۔

دھند دھیرے دھیرے چھٹ رہی تھی دیواروں پر سنہری کرنیں کھیلنے لگی تھیں۔ اس نے جھاڑو ایک طرف رکھی پائپ سمیٹا ہاتھ پیر خوب رگڑ رگڑ کر دھوئے پھر اپنے لیے چائے کا کپ بنا کر کتاب اٹھائی اور چھت پر چلی آئی۔

رات بھر کی اوس سے بھیگی چھت پر نرم گرم کرنیں موتیوں کی طرح پھسل رہی تھیں وہ یونہی منڈیر منڈیر جھانکنے لگی۔ اونچے نیچے گھروں میں چولہے جلنے لگے تھے برتن ''کھڑک'' رہے تھے اور کئی طرح کی خوشبوئیں فضا کو بوجھل کرنے لگی تھیں۔

ننھے منے بچوں کی قلقاریاں، ماؤں کی اونچی آواز میں کیے جانے والے بے ربط تبصرے، بھاگتے دوڑتے بچوں کو دادا دادی کی ڈانٹ...... گلی سے گزرتا پھیری والا اور اس پھیری سے بندھی گھنٹی کی آواز...... مین روڈ سے سنائی دیتا ٹریفک کا شور......

کئی مکانات کی اوپری چھتوں کی منڈیریں تازہ تازہ دھلائی شدہ کپڑوں سے بھرنے لگی تھیں۔

دور بہت دور تن کر کھڑے درختوں کا ہرا رنگ معدوم ہوتی کہر نے ابھی واضح نہ ہونے دیا تھا۔

اس نے چارپائی وسط میں گھسیٹی اور اطمینان سے بیٹھ کر چسکیاں لینے لگی۔ بہت کچھ دیکھ لیا کئی آوازیں بھی سن چکی مگر سوچ تھی کہ کسی ایک نقطے پر ٹکتی ہی نہ تھی۔ تبھی کسی چھت سے کبوتروں کا غول اٹھا اور کہر جذب کرتی سنہری دھوپ کا سینہ بھاری پروں کی آواز سے بوجھل ہو گیا۔

اس کی سوچ بھی منتشر ہو گئی تھی۔

''اکیلے اکیلے چائے پیتے ہوئے کیا سوچا جا رہا ہے۔'' وہ ٹکٹکی باندھے نیلگوں ہوئے آسمان پر قلابازیاں کھاتے کبوتر کو دیکھ رہی تھی جب عانیہ کی آواز سنائی دی۔ وہ چونکی۔ عانیہ جانے کب اوپر آ گئی تھی اسے تو خبر تک نہ ہوئی۔

''کچھ خاص نہیں......بس یوں ہی...... میں تمہاری چائے ڈھک آئی تھی زیادہ ٹھنڈی بھی نہیں ہوئی ہو گی ابھی جا کر لے آؤ۔'' اس نے مشورہ دیا۔

''لے آؤں گی بھی ایسی جلدی بھی کیا ہے۔'' سرسری لہجے میں کہتی منڈیر کے قریب جا رکی اور بڑی متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

''ٹھیک ہے تمہاری مرضی۔'' ثانیہ نے کندھے اچکا دیے۔

''یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔'' وہ بڑبڑائی۔

''کیا مطلب؟'' ثانیہ سپ لیتے لیتے چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔

''یہاں کسی کو ہونا چاہیے تھا؟'' اس نے حیرانی سے پوچھا۔

''یہ تو تم ہی بتا سکتی ہو۔'' وہ معنی خیز لہجے میں اتنی آہستگی سے گنگنائی کہ ثانیہ کے خاک بھی پلے نہ پڑا۔

''میں تو صرف یہ کہہ رہی تھی ہمارے پڑوسی بھی کس قدر خشک مزاج ہیں...... دیکھو فی الحال کوئی چھت پر بھی نہیں، کوئی ہوتا تو انسان بات وات ہی کر لیتا ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے بات بتائی۔

''ویسے میں سیڑھیوں میں کافی دیر سے کھڑی تمہیں ہی دیکھ رہی تھی۔ تم کافی دیر دیوار کے پاس کھڑی رہیں میں نے سوچا کسی سے بات کر رہی ہو۔''

''نہیں، میں تو بس یونہی جھانک رہی تھی۔'' ثانیہ نے سرسری انداز میں کہا۔

''آ...... اچھا۔'' عانیہ اس ایک لفظ کو کھینچتی ہوئی بے سبب ہنس دی۔ ''جھانکا یونہی جاتا ہے۔''

ثانیہ پیر سے چیونٹی جھاڑ رہی تھی پہلی بار اکتا کر اسے دیکھا ہلکے سبز رنگ کے لباس کسی جرسی یا دوپٹے سے بے نیاز اپنے لمبے بالوں کی گیلی لٹوں کو انگلیوں سے سلجھاتی وہ بہت تر و تازہ اور دلکش دکھائی دے رہی تھی۔

ثانیہ اپنی ساری اکتاہٹ، عانیہ کی باتوں بلکہ بے تکی باتوں سے تخلیق شدہ بے زاری کو بھول بھال یک ٹک اسے دیکھے گئی۔ خوب صورت تو وہ بہت تھی ہمیشہ سے اول جلول حلیے میں بھی غضب ڈھاتی مگر آج کل تو اسکے چہرے پر کچھ الگ ہی رنگ دکھائی دینے لگے تھے۔

خوش کن، منفرد، نہ سمجھ میں آنے والے۔

عانیہ منڈیر پر کہنی ٹکائے پڑوس میں جھانک رہی تھی اپنے چہرے پر اس کی نگاہوں کی تپش محسوس کی تو مسکرا دی۔ ثانیہ نے اسے مسکراتے دیکھا تو نظروں کا رخ بدل کر دیوار پر پھدکتی ننھی سی بھوری چڑیا کو دیکھنے لگی۔

''ابھی نو بجے ہیں میں دس ساڑھے دس تک چلی جاؤں گی۔'' عانیہ نے چارپائی پر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے پتا نہیں اطلاع دی تھی یا خود کلامی کی تھی۔

''یہ اس مہینے میں ثناء کے گھر تمہارا چوتھا چکر ہے۔'' ثانیہ نے خود کو روکتے روکتے بھی کہہ ہی دیا۔ وہ اسے ٹوکنا چاہ رہی تھی مگر یہ بھی خدشہ تھا کہیں اسے برا ہی نہ لگ جائے۔ محترمہ نازک مزاج تو بہت تھیں۔

''جانتی ہوں...... پھر؟'' وہ بیٹھے بیٹھے پیچھے کی طرف لیٹ گئی پیر زمین پر ٹکے تھے اور نگاہیں آسمان کی وسعتوں میں بھٹک رہی تھیں۔

ثانیہ نے دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''تمہیں نہیں لگتا اب ثناء کو آنا چاہیے۔'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا اور گردن موڑ کر اس کے تاثرات جانچنے لگی۔ عانیہ نے ذرا سی نظریں موڑ کر اسے سوالیہ انداز میں دیکھا۔

''خود تو وہ آتی نہیں ہے جبکہ تم چوتھی بار جا رہی ہو...... کچھ عجیب نہیں لگتا۔''

''اس میں عجیب کیا ہے؟'' عانیہ نے سرسری انداز میں اسے رد کیا۔

''وہ میری سہیلی ہے ثانیہ! اپنے کسی مسئلے کی وجہ سے اگر وہ مجھ سے ملنے نہیں آ سکتی تو کیا میں بھی نہ جاؤں...... ویسے بھی ثناء کو اس کے بھائیوں نے منع کر رکھا ہے کہیں آنے جانے سے...... تم جانتی تو ہو کتنے کنزرویٹو ہیں۔''

''نئی اطلاع ہے پہلے تو نہیں تھے۔'' ثانیہ نے کہا اسے جیسے یقین نہیں آیا تھا ثناء اور اس کے گھر والے کتنے آزاد خیال ہیں یہ اس سے ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔

عانیہ نے اظہار خیال ضروری نہ سمجھا یونہی پیر جھلاتی رہی۔

''اور اس کے بھائیوں نے ہمارے گھر آنے سے ہی کیوں منع کیا؟...... یہاں ایسی کون سی برائی نظر آ گئی۔''

''بات کا بتنگڑ...... بال کی کھال۔'' عانیہ نے بے زاری سے اس کی بات قطع کی۔

''تمہیں دن بہ دن ہوتا کیا جا رہا ہے ثانیہ! جب دیکھو روک ٹوک میں لگی رہتی ہو اور پتا نہیں تم سے کوئی چیز لیتے ہوئے میں تمہاری اس اعتراض والی عادت کو کیوں بھول جاتی ہوں۔'' اس کا اشارہ سوٹ کی جانب تھا۔

''میں اعتراض نہیں کر رہی۔'' ثانیہ نے رسان سے کہا۔ وہ جھگڑا نہیں چاہتی تھی۔

''اچھا ٹھیک ہے میں کچھ نہیں کہتی...... اب تمہیں ہی اپنی عزتِ نفس کی پروا نہیں تو میں کیا کروں۔'' وہ بھی اکتا گئی تھی۔

عانیہ نے غضب ناک نظروں سے اس کی پشت کو گھورا۔

''بات کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہو۔ تم سے زیادہ ہی پروا ہے مجھے اپنی عزت کی۔ ثناء نے خود فون کر کے درخواست کی تھی کہ میں اس کے ساتھ بشریٰ کی طرف چلوں، اسے کچھ ضروری کام ہے بلکہ بشریٰ کی سالگرہ ہے اور اس کے بھائی اسے تنہا جانے نہیں دے رہے۔ اب تم خود بتاؤ میں کیسے انکار کر دیتی۔ وہ بھی تو اکثر میری مدد کرتی رہی ہے۔'' اس نے بڑے دھڑلے سے جھوٹ بولا۔ بہانوں کی تو اب یوں بھی کمی نہ رہی تھی۔

''کل چلی جانا۔'' ثانیہ نے کچھ سوچ کر کہا۔

''امی، شفق اور کشف فیصل آباد سے واپس آ جائیں گی نرمین اور زینب کا تو تمہیں پتا ہے پریکٹیکل کی وجہ سے لیٹ آئیں گی تم چلی

جاؤ گی تو میں اکیلی کیسے رہوں گی۔‘‘

’’سالگرہ آج ہے جاؤں کل...... کیا بات ہے۔‘‘ اس نے جھنجھلا کر کہا۔

’’اکیلے رہتے ہوئے ڈر لگتا ہے؟ نوکری کرتی رہی ہو گھر سے باہر اکیلی ہی جاتی تھیں اب کون سا کمال ہو گیا کہ آپ کو ڈر لگنے لگا ہے؟‘‘ وہ طنزیہ مسکرائی تھی۔

’’لاحول ولا...... یہ نوکری تو لگتا ہے میرے لیے طعنہ ہی بن گئی ہے۔‘‘

ثانیہ نے جھنجھلا کر سوچا۔ عانیہ ایک طنزیہ و تمسخرانہ نظر اس پر ڈالتی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی تھی۔

ثانیہ کی پرسوچ نظروں نے اس کا تعاقب کیا تھا۔

☆......☆......☆

ماحول نیم تاریک تھا۔

خوشبوؤں بھری بے حد دلکش وہ قیمتی فضا۔

بہت عجلت سے کھسکتے جلد باز لمحے۔

تیزی سے دھڑکتا دل اور عارض پر لرزتی پلکیں۔

گود میں رکھے ہاتھوں کو مسلتے ہوئے اس نے چپکے سے آنکھیں اٹھائیں اور پھر سٹپٹا کر جھکا لی تھیں۔ بند مٹھی مسکراتے ہوئے لبوں پر جمائے مظہر اسے جن نظروں سے دیکھ رہا تھا ان کی تاب لانا عانیہ کے لیے صرف مشکل ہی نہیں کٹھن بھی تھا۔

’’کیا چیز ہو تم۔‘‘ اس کے چہرے پر اترتی سرخی اسے مزید شرارت پر ابھار رہی تھی۔ متبسم و شریر لہجے میں کہتے ہوئے اس نے عانیہ کی گھبراٹ میں مزید اضافہ کیا تھا۔

’’آپ مجھے پاگل کر رہی ہیں...... دیوانہ تو خیر پہلے ہی بنا رکھا ہے۔‘‘ اس کے لہجے میں ذرا تبدیلی نہ آئی تھی۔

’’مظہر......‘‘ نظریں جھکائے جھکائے اس نے التجائیہ انداز میں کہا۔

وہ جاندار طریقے سے ہنس دیا پھر کرسی کی بیک سے کمر لگاتے ہوئے بولا۔

’’کس نے کہا تھا اتنا بن سنور کر آنے کو...... امتحان میں ڈالنے کا تو تمہیں خود شوق ہے اب بندے کو اپنی نظروں پر قابو نہ رہے تو وہ کیا کرے۔‘‘ اس کی نظریں ابھی تک اس پر نگران بنی ہوئی تھیں۔

’’میں بن سنور کر نہیں آئی۔‘‘ وہ احتجاجاً بولی۔

’’ہوں۔‘‘ مظہر نے فوراً تائید کی۔

”ویسے بنا سنگھار تم اتنی خوبصورت لگتی ہو جب سنگھار کرتی ہو گی تو کیسی لگتی ہو گی؟“ شرارت، شوخی، محبت...... عانیہ کے لب خود بخود مسکرانے لگے تھے۔

”جانتی ہو تم کتنی خوب صورت لگ رہی اور میرا دل کیا چاہ رہا ہے؟“ اس نے اگلا سوال کیا۔

”دل چاہ رہا ہے تمہیں کہیں چھپا دوں کسی ایسی جگہ...... جہاں تمہیں کوئی نہ دیکھ سکے میرے سوا......“ اس نے آہستگی سے سرگوشی کی تھی عانیہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

نیم تاریکی میں جیسے شمعیں جل اٹھی تھیں۔

”میں جانتی ہوں۔“ وہ اٹھلا کر بولی۔

”کیا جانتی ہو؟“ اس نے دلچسپی سے پوچھا۔ نگاہیں تو خیر اس پر سے ہٹ ہی نہ رہی تھیں۔ سیاہ دوپٹے کے ہالے میں وہ سچ مچ قیامت ڈھا رہی تھی۔

”یہی میں خوب صورت لگ رہی ہوں۔“

”ہم تو خیر آپ کے دیوانے ٹھہرے اور کس نے بتا دیا...... ثانیہ نے؟“ اس نے اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی۔

”اونہوں......“ عانیہ نے ناگواری سے شکل بنائی۔

”وہ میری تعریف کیوں کرے گی الٹا وہ تو مجھے آنے سے منع کر رہی تھی کہ ثناء کی طرف مت جاؤ مہینے میں چوتھا چکر ہے وغیرہ وغیرہ...... پہلے مجھے شک تھا اب یقین ہو چلا ہے وہ مجھ سے حسد کرتی ہے میری خوب صورتی سے جلتی ہے ہمیشہ مجھ سے آگے نکلنے کی خواہش میں ہلکان ہوتی رہی ہے بے چاری...... امی بھی اسے ہی امپورٹنس دیتی رہی ہیں۔ ثانیہ جانتی تھی اگر وہ امی کو فورس کرے تو وہ مجھے اجازت دے دیں گی مگر وہ خود ہی نہیں چاہتی تھی کہ میں نوکری کروں ظاہر ہے اس کے اپنے نمبر جو کم ہو جاتے۔“ اس کا انداز تمسخرانہ تھا۔

مظہر نے گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔

”تمہارے دل سے ابھی تک بدگمانی نہیں گئی...... حالانکہ پورا مہینہ ہو گیا اس بات کو۔“

”کوئی اور بات کریں پلیز۔“ اس نے بےزاری سے کہا۔

”میں اس موضوع پر بات ہی نہیں کرنا چاہتی اور آپ امی یا ثانیہ کی سائیڈ مت لیں کوئی نہ بھی بتائے میں جانتی ہوں میں کتنی خوب صورت ہوں۔“

مظہر اس کے انداز پر ہنس دیا۔

”آپ ہنسے کیوں۔“ وہ الجھ کر اسے دیکھنے لگی۔

''میں نے ابھی تمہاری تعریف کی لیکن میں جھوٹ بھی تو بول سکتا ہوں۔''

عانیہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا پھر اس کی آنکھوں میں مچلتی شرارت دیکھ کر مسکرادی۔

''آپ جھوٹ بولے سکتے ہیں آپ کی آنکھیں نہیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے بہت وثوق و مان سے کہا جواباً مظہر قہقہہ لگا کر ہنس دیا وہ جیسے بہت محظوظ ہوا تھا۔

اسی وقت ویٹر کھانا سروکرنے آن پہنچا تو وہ دونوں ہی خاموش ہو گئے۔

''اچھا آپ نے آج مجھے کیوں بلایا ہے؟'' ویٹر کے جاتے ہی اس نے پوچھا۔

''کیا مطلب کیوں بلایا؟'' اس نے حیرانی سے الٹا سوال پوچھا۔

''آپ کو دیکھنا تھا دل ونظر کو سیراب کرنا تھا...... تم چیز ہی ایسی ہو ہر بار میری شدتوں کو اور بڑھا دیتی ہو۔ بلیومی عانیہ...... مجھے اپنی زندگی تم سے محبت کرنے کے لیے ناکافی لگنے لگی ہے۔''

عانیہ لب دانتوں تلے دبائے مسکراتی رہی پھر کچھ خیال آتے فوراً بولی۔

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن آپ نے کہا تھا کچھ ضروری بات کرنا ہے۔''

''اونہوں...... آج نہیں پھر کسی روز۔'' اپنی پلیٹ میں فرائیڈ چکن نکالتے ہوئے اس نے جیسے بات پلٹی تھی۔

''نہیں پلیز آج ہی۔'' اس نے اصرار کیا۔

''پھر پتا نہیں میں اتنی جلدی اور آسانی سے آسکوں یا نہیں پہلے ہی ثانیہ صاحبہ اعتراض کررہی تھیں کہ چوتھی بار ثناء کی طرف جارہی ہو۔''

''ہاں تو ٹھیک ہی تو کہتی ہے ثانیہ...... تمہیں ثناء کے گھر اتنا مسلسل نہیں جانا چاہیے۔'' مظہر نے سنجیدگی سے چڑایا۔ عانیہ نے چمچہ پٹخ کر اسے گھورا۔

''میں آپ سے ملنے کے لیے ثناء کے گھر جانے کا بہانہ کرتی رہی ہوں۔'' اس نے جتایا۔

''لیکن اگر آپ چاہتے ہیں میں ثناء کی طرف نہ جاؤں؟ تو نہیں جاؤں گی۔''

اس کے انداز میں بھی شرارت تھی۔ مظہر ہنس دیا۔

''یہ غضب مت کرنا...... ویسے عانیہ!'' وہ جھجک کر خاموش ہوا۔

عانیہ ہاتھ روک کر مڑی توجہ سے اس کی جانب دیکھنے لگی تھی جیسے اس کی اگلی بات کی منتظر ہو۔

''کچھ عجیب نہیں لگتا یوں بہانے بنانا؟

میرا مطلب ہے مجھے یہ بات بہت بری لگتی ہے خصوصاً تمہارے لیے...... یہ جھوٹ بہانے بازیاں...... آخر کب تک یہی سب چلے گا۔''

وہ مایوسی سے کہہ رہا تھا عانیہ کے دل کو کچھ ہوا۔

''کیا کریں مجبوری ہے۔'' اس نے بے اختیار تسلی آمیز انداز میں اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''لیکن آپ فکر نہیں کریں وہ وقت بھی ضرور آئے گا جب ہمیں کسی سے جھوٹ نہیں بولنا پڑے گا۔ انشاء اللہ۔''

''انشاء اللہ۔'' مظہر نے اس کا ہاتھ بے حد محبت سے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔

عانیہ چند لمحے مسکراتی رہی لیکن پھر اس کی جان پر بن آئی۔ مظہر اس کا ہاتھ چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھا وہ دائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا اور بائیں ہاتھ سے اس کا دایاں ہاتھ تھام رکھا تھا۔

عانیہ نے سراسیمگی سے اردگرد نظر دوڑائی۔ اسے لگا آس پاس کی میزوں پر موجود لوگ ان ہی دونوں کو دیکھ رہے ہیں۔ وہ پہلی بار اس کے ساتھ کہیں موجود نہیں تھی پچھلی تین ملاقاتوں میں بھی ان دونوں نے ریسٹورنٹ میں کھانا کھایا تھا۔ ان تین ملاقاتوں کے دوران ہر بار گزارے ہوئے پانچ چھ گھنٹے اس کے اندر موجود جھجک اور شرم کو کم کرنے میں بہت معاون ثابت ہوئے تھے۔ مظہر سے اس کی محبت میں اضافہ ہوا تھا اس کی ذات پر عانیہ کا اعتماد بڑھا تھا۔

لیکن ان سب باتوں کا یہ مطلب بھی نہیں تھا کہ مظہر بھرے مجمع میں اس کا ہاتھ تھامتا، تھامے رکھتا اور وہ سٹپٹاتی بھی نہیں۔ اس کی نظریں خود پر محسوس کر کے عانیہ کے ہاتھ پیر سنسنانے لگے تھے اب تو پھر بھی ہاتھ تھام رکھا تھا۔

''میرا ہاتھ چھوڑیں مظہر۔'' اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں آہستگی سے کہا۔

''کیوں؟'' وہ نوالہ منہ میں ڈالتا اطمینان سے پوچھ رہا تھا عانیہ اس سوال کی توقع نہیں کر رہی تھی اور وہ بھی سٹپٹا گئی۔

''سب لوگ دیکھ رہے ہیں۔'' اس نے احساس دلایا۔

''دیکھنے دو۔'' اس کے اطمینان میں چنداں فرق نہ آیا۔

''میں کھانا کیسے کھاؤں؟'' اس نے پھر کہا۔

''میں کھلا دیتا ہوں۔'' اس نے چمچہ بھر کر عانیہ کی جانب بڑھانے کا ارادہ کیا اس نے بری طرح بوکھلا کر فوراً اپنا ہاتھ کھینچا اور اپنی پلیٹ پر جھک گئی۔

''آپ کچھ کہہ رہے تھے۔''

اس کی بوکھلاہٹ مظہر کے لبوں پر بڑی جاندار سی مسکراہٹ بکھیر گئی تھی۔

''پہلے کھانا کھا لیتے ہیں۔ ساری ضروری باتیں اس کے بعد ہوں گی۔'' اس نے عانیہ کو مزید تنگ کرنے کا ارادہ موقوف کرتے ہوئے کہا تھا۔

عانیہ نے یونہی نظریں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا لیکن اسے کسی غیر معمولی پن کا احساس ہوا تھا۔ شوخی، شرارت، تازگی کی جگہ مظہر کے چہرے پر اضطراب دکھائی دیا تھا۔ اس کا دل چاہا وہ وجہ پوچھے لیکن اس سے قبل ہی مظہر نے اس کی نگاہیں خود پر محسوس کر کے اس کی جانب دیکھا تھا۔

''کیا ہوا؟'' وہ اپنی جگہ متعجب ہوا عانیہ نے کچھ سوچا اور نفی میں سر ہلاتی اپنی پلیٹ پر جھک گئی۔

☆......☆......☆

جس وقت زینب اور زرمین گھر میں داخل ہوئیں سرما کی مرجھائی ہوئی زرد دھوپ پورے صحن کا چکر کاٹ کر بیرونی دیوار پھلانگنے کی کوشش میں تھی جبکہ شہتوت کے پتوں میں چڑیوں نے شور مچا رکھا تھا۔

''کچھ کھانے کو ملے گا۔ بہت بھوک لگی ہے۔'' زرمین فولڈر اور بیگ تخت پر اچھالتی کچن کی طرف مڑ گئی۔

''کپڑے بدل آؤ میں بس روٹی بنا رہی ہوں۔'' ثانیہ نے پرات سے کپڑا ہٹایا اور پیڑے بنانے لگی۔ زرمین اس کی بات نظر انداز کرتی فریج میں جھانکنے لگی۔

''امی کب آئیں گی...... فون نہیں آیا ان کا؟''

''صبح آیا تھا فون۔'' ثانیہ نے چولہا جلاتے ہوئے جواب دیا۔

''کہہ رہی تھیں بارہ بجے تک واپسی کے لیے نکلیں گی...... میرا خیال ہے راستے میں ہی ہوں گی۔''

''اور فوجیں کہاں ہیں؟'' اسے ایک موٹی سی مولی مل گئی تھی چھری تلاش کرتے ہوئے پوچھا۔ ثانیہ کا روٹی بیلتا ہاتھ پل بھر کو رکا تھا۔

''ثناء کی طرف گئی ہے۔''

''ایک تو یہ مجھے ہر دوسرے روز ثناء کے گھر جانے کی تک سمجھ نہیں آتی۔'' زرمین جھنجھلا کر بولی تھی۔

''کہاں تو کئی کئی مہینے اس عزیز سہیلی کی یاد نہیں آتی اور کہاں محبت کا یہ عالم کہ ہر دوسرے دن جایا جا رہا ہے۔ کب سے گئی ہوئی ہیں؟''

''گیارہ بجے سے۔''

''اچھا...... میں آتی ہوں۔'' وہ مولی اور چھری رکھ کر پلٹی۔

''کدھر؟'' ثانیہ نے حیرانی سے پلٹ کر پوچھا۔

''ثناء کی طرف فون کرتی ہوں۔''

''کیا ضرورت ہے...... رہنے دو...... وہ ثناء کے ساتھ اس کی کسی سہیلی کی طرف گئی ہے بس آتی ہی ہوگی۔'' ثانیہ نے عانیہ کی سائیڈ لیتے ہوئے کہا۔

''آپی کو امی سے اجازت تو لینا چاہیے تھی۔'' نرمین پرسوچ انداز میں کہتی واپس آ کر مولی کاٹنے لگی۔

''ثناء کے گھر تو پھر بھی ٹھیک ہے مگر آگے کسی اور سہیلی کے گھر جانا کچھ مناسب نہیں لگتا......زمانہ بھی تو کتنا خراب ہو چکا ہے۔''

اس کے انداز پر ثانیہ کو ہنسی آ گئی۔

''تمہیں کیسے پتا زمانہ خراب ہو چکا ہے؟''

''مذاق تو مت اڑائیں۔'' وہ برا مان گئی۔

''آنکھیں اور کان تو ہم بھی رکھتے ہیں اور خیر سے ایک عدد دماغ بھی جو حالات و واقعات کا بالکل درست تجزیہ کر سکتا ہے۔''

''اچھا تو پھر کیا کہتا ہے آپ کا تجزیہ!'' ثانیہ نے غیر سنجیدگی سے پوچھا۔

''یہی کہ عانیہ آپی کی شادی اب ہو جانا چاہیے۔'' وہ بے حد سنجیدگی سے بولی۔ ثانیہ دھک سے رہ گئی۔

''یہ ایک دم سے عانیہ کی شادی کا خیال کیسے آ گیا؟'' اس نے الجھ کر پوچھا۔

''ایک دم سے نہیں آیا بلکہ میں تو کافی دن سے بات کرنے کا سوچ رہی تھی۔''

''عانیہ نے کچھ کہا ہے؟'' اس نے کسی خیال کے تحت پوچھا نرمین ہنس دی۔

''ان کا بس چلے تو میری شکل بھی نہ دیکھیں آپ پرسنلز ڈسکس کرنے کی بات کر رہی ہیں۔'' پھر کچھ سوچ کر بولی۔

''آپ نے محسوس کیا ہوگا آپی دن بہ دن کتنی خودسر اور سرکش ہوتی جا رہی ہیں۔ کچھ تو خیر وہ فطرتاً ہی ایسی ہیں مگر اب تو بہت ہی من مانی کرنے لگی ہیں۔ جس بھی بات پر ٹوک دو وہ ضد میں وہی کرتی ہیں۔ کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے ہم میں سے کوئی بھی ان کے نزدیک اہمیت نہیں رکھتا چلو ہمیں اہمیت نہ دیں امی کی تو سنیں مگر...... میں سمجھ نہیں پاتی عانیہ آپی میں جو تبدیلی میں محسوس کر رہی ہوں اسے کیا نام دیا جائے یا کس طرح واضح کیا جائے...... حالانکہ ہماری کشف اس عمر میں ہے جہاں بڑھتے ہوئے قد کیساتھ ساتھ رویوں کے اتار چڑھاؤ سامنے آتے ہیں اور عادات میں ہر روز تبدیلی دکھائی دیتی ہے اپنے آپ کو سمجھنے کی کوشش اور ارد گرد سے مطابقت پیدا کرنے کے چکر میں ان میں خودسری اور سرکشی جنم لیتی ہے۔ کشف خودسری دکھائے تو بات سمجھ میں آتی ہے لیکن آپی۔'' وہ الجھ کر خاموش ہو گئی۔

''تم کیسی باتیں کر رہی ہو نرمین...... مجھے لگتا ہے خالی پیٹ کا غبار دماغ پر چڑھ گیا ہے۔'' اس نے گفتگو کو عام رنگ دینے کی سعی کی تھی۔

''ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو......لیکن سیلاب کا خدشہ ہو تو منہ زور دریاؤں پر بند باندھ دیے جاتے ہیں اور عانیہ آپی کو دیکھ کر مجھے کسی منہ زور دریا کا خیال ہی آتا ہے۔'' نرمین نے آہستگی سے کہتے ہوئے چھلکے ڈسٹ بن میں ڈالے اور ہکا بکا کھڑی ثانیہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''پریشان ہوگئی ہیں؟''

''تم نے مجھے ڈرا دیا ہے......سچ سچ بتاؤ نرمین! تم نے یہ سب باتیں کیوں کہیں؟''

''میں آپ کو ڈرانا نہیں چاہتی تھی بس ایک خیال تھا ذہن میں، آپ سے شیئر کرلیا۔ ویسے بھی آج کل مجھے عجیب عجیب سے وہم آتے رہتے ہیں۔ خیر چھوڑیں اس بات کو......لیکن اگر موقع ملے تو امی سے ضرور بات کریں مجھے یقین ہے شادی کے بعد عانیہ آپی کے مزاج میں زبردست تبدیلی آئے گی۔''

وہ باہر نکل گئی ثانیہ سے ہلا بھی نہ گیا۔ نرمین ان میں سے جی دار تھی مگر اس وقت شاید واقعی اپنی ذہنی الجھن دور کرنے کے لیے کہہ گئی تھی مگر ثانیہ کی الجھن میں اضافہ ہوگیا تھا اور توے پر موجود روٹی کوئلہ بن گئی تھی۔

☆......☆......☆

''آنٹی فیصل آباد سے کب آرہی ہیں؟''

مظہر نے اپنے لیے بلیک کافی اور اس کے لیے چائے کا آرڈر کرنے کے بعد پوچھا۔

عانیہ اردگرد کا جائزہ لیتے ہوئے دل ہی دل میں اس رقم کا حساب لگا رہی تھی جو آج اس نے شاپنگ میں خرچ کی تھی۔ اسے تو ٹھیک سے اندازہ بھی نہیں تھا وہ تو بس اپنی پسند کی چیزوں پر ہاتھ رکھتی گئی تھی اور مظہر ادائیگی کرتا رہا تھا۔

ایک مشہور بوتیک سے ایک ساڑھی اور تین بے حد دیدہ زیب سوٹ، میچنگ شوز دلوانے کے بعد وہ اسے ایک جیولری شاپ پر لے آیا تھا۔ عانیہ پہلی بار کسی ایسی دکان پر آئی تھی ہر طرف ایک سنہرا پن دیکھ کر اس کی آنکھیں خیرہ ہونے لگیں۔

پتا نہیں وہ اتنا کیوں گھبرا گئی کہ فوراً ہی وہاں سے چلنے کے لیے کہا۔

''ناممکن۔ اتنی جلدی تو جانے کا سوچنا بھی نہیں۔'' اس نے واضح الفاظ میں انکار کیا۔

''پہلے تم اپنی پسند سے کوئی اچھی سی جیولری لے لو پچھلی بار بھی مجھے افسوس ہوتا رہا کہ میں تمہیں کوئی اچھا گفٹ نہیں دے سکا۔''

''آپ مجھے پہلے ہی کافی کچھ دلوا چکے ہیں......اب گولڈ کی کیا ضرورت ہے۔'' وہ متامل تھی۔

''کافی کچھ......'' اس نے حیرانی سے عانیہ کو دیکھا۔

''وہ تو کچھ بھی نہیں میں صرف تمہاری جھجک کی وجہ سے اس بوتیک سے جلدی سے نکلا میرا بس چلے تو میں تمہارے قدموں میں ڈھیر لگادوں......اور پلیز اب بار بار انکار کرکے مجھے شرمندہ مت کرو۔ حقیقتاً تو یہاں کچھ بھی تمہارے شایان شان نہیں مگر مجبوری ہے جو ہے اسی میں سے کچھ پسند کرنا پڑیگا......شادی کے بعد ہم دبئی جائیں گے پھر تم اپنے لیے وہاں سے گولڈ جیولری خریدنا۔''

ابھی تک عانیہ کی آنکھیں خیرہ تھیں اب سماعت میں بھی ہلچل مچل گئی۔

”ارے میرے اللہ......دبئی......گولڈ کی شاپنگ۔“

لیکن اگلا خیال فوراً آیا۔

”میں یہ ساری چیزیں گھر کیسے لے جاؤں گی......اسی لیے آپ کو منع کر رہی تھی کہ اتنا کچھ مت دلوائیں۔“

”تم یہ سب چیزیں مت لے کر جاؤ ان میں سے کچھ لے جاؤ باقی آہستہ آہستہ لے جانا یا شادی کے بعد استعمال کرنا۔“ مظہر نے چند لمحے سوچنے کے بعد تجویز دی۔ جو عانیہ کو خاصی معقول لگی۔

مظہر نے اسے ایک خوبصورت سا نیکلس دلوایا تھا اور ایک بریسلٹ بھی لینا چاہتا تھا مگر عانیہ نے بصد اصرار اسے روک دیا۔

”لے لیتے ہیں یار......اچھی چیزوں کو مس نہیں کرنا چاہیے۔“ اس نے وہ بریسلٹ لے کر دم لیا۔ گاڑی میں بیٹھ کر مظہر نے وہ بریسلٹ اس کی کلائی میں پہنا دیا تھا۔

”دیکھو یہ اتنا خوبصورت نہیں ہے جتنا تمہاری کلائی میں لگ رہا ہے۔“ اس نے سراہا تھا لیکن یہ پہلی بات تھی جس پر عانیہ کو یقین نہیں آیا۔ وہ بریسلٹ بے حد خوبصورت اور نفیس تھا۔ اس کی انگلیوں نے بڑی آہستگی سے اس کے ڈیزائن کو چھوا۔ ساری زندگی اپنے کانوں میں پہلی بار کان چھدوائے جانے پر جو سونے کی ہلکی سی بالیاں پہنائی گئی تھیں، پہنے رہنے والی عانیہ کے ہاتھ میں ڈیڑھ تولے کا بریسلٹ تھا اس نے آج پینتالیس سے پچاس ہزار تک کی شاپنگ کی تھی اندازاً۔

اسے لگ رہا تھا جیولرز شاپ کا سارا سنہرا پن اس کے وجود پر پھیل گیا ہے۔

”عانیہ۔“ مظہر نے میز بجائی۔ وہ بری طرح چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔

”میں نے کچھ پوچھا ہے۔“

”آں......ہاں کیا؟“ اس نے سوچنے کی کوشش کی۔

”آں......ہاں یاد آیا امی کل آجائیں گی ہو سکتا ہے رات تک واپس آجائیں۔ امی کے چچازاد بھائی کے بیٹے کی شادی ہے اسی میں شرکت کے لیے گئی ہیں۔ آپ کوئی بات کرنے والے تھے۔ پلیز اب ٹالیے گا نہیں مجھے پہلے ہی عجیب سی بے چینی محسوس ہو رہی ہے۔“

مظہر میز پر آڑی ٹیڑھی لکیریں کھینچتا رہا۔

اس کی مسلسل خاموشی عانیہ کے تفکر کو ابھار رہی تھی۔

”مظہر۔“ اس نے آہستگی سے پکارا تب مظہر نے چونک کر اس کی جانب دیکھا اور مسکرا دیا۔ وہ شاید کسی گہری سوچ سے دامن چھڑوا کر آیا تھا، عانیہ کو لگا وہ بدقت مسکرایا ہے۔

”کیا سوچ رہے ہیں؟“ اس نے پوچھا۔ اسے اس خاموشی سے وحشت ہو رہی تھی۔

''میں زندگی میں کبھی مایوس نہیں ہوا۔'' اس نے بڑے عجیب ڈھنگ سے گفتگو کا آغاز کیا تھا۔

''خواہ کیسے بھی حالات رہے ہوں کیسی بھی مشکلات آئی ہوں وہ جو ایک چیز ہوتی ہے نا امید وہ کبھی میری سوچ سے الگ نہیں ہوئی لیکن......زندگی کے اس مقام پر آ کر مجھے مایوسی گھیرنے لگی ہے اور ہر گزرتا دن اس مایوسی میں مزید اضافہ کر رہا ہے۔''

''ایسی کیا بات ہے جو آپ کو مایوس کر رہی ہے۔''

مظہر نے جھکا ہوا سر اٹھا کر اسے دیکھا اس کی آنکھوں میں محبت کا ایک ایسا جہاں بسا دکھائی دیتا تھا مگر جس پر حقیقتاً مایوسی کے سائے منڈلاتے دکھائی دیتے تھے۔

''مجھے لگتا ہے عانیہ!......میں تمہیں کھو دوں گا۔'' اس نے دلگرفتگی سے کہا وہ دھک سے رہ گئی۔

''ایسا کیوں سوچتے ہیں؟......کسی کی مجال کہ ہمیں الگ کرے۔'' عانیہ کے لہجے سے اس کے اٹل عزائم جھلک رہے تھے۔

''ہاں کسی کی مجال نہیں۔'' وہ مسکرا دیا مگر اس کی مسکراہٹ میں بے ساختگی نہیں تھی۔

''محبت کی بنیاد جھوٹ پر نہیں رکھنی چاہیے اور میری غلطی یہ کہ میں نے تم سے جھوٹ بولا......یہ گلٹ میرے اندر سے نہیں نکلتا۔''

''جھوٹ۔'' وہ چونکی۔ ''کیسا جھوٹ۔''

مظہر نے چند لمحے کسی گہری سوچ میں وقف کیے پھر کسی حتمی نتیجے پر پہنچ کر سر اٹھایا۔

''میں نے کہا تھا نا میں کچھ ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔ اس ''ضروری بات'' کو کہنے کا حوصلہ خود میں پیدا کرنے کے لیے میں کس مشکل سے گزرا ہوں تم شاید اس کا اندازہ نہ کر سکو مگر حقیقت یہی ہے عانیہ! تمہیں کھو دینے کا خوف میری زبان پر تالے لگا تا رہا ہے۔ میں ہر روز فیصلہ کرتا کہ تمہیں سچائی بتاؤں اور اپنی زندگی کا وہ رخ تمہارے سامنے پیش کروں جو اب تک مخفی ہے مگر خود اپنا فیصلہ بدل دیتا۔

دھتکارا جانا بہت تکلیف دہ ہوتا ہے اور جب آپ کی محبت آپ کو دھتکارتی ہے تو برداشت کا عمل اور بھی تکلیف دہ ہو جاتا ہے۔

بہت دن تک کسی فیصلے کی کشمکش میں گزارنے کے بعد مجھے یوں لگنے لگا ہے اگر تمہیں نہیں بتایا تو میرا دماغ پھٹ جائے گا۔ سنو عانیہ تم جو بھی فیصلہ کرو مجھے قبول ہوگا لیکن فیصلہ کرنے سے پہلے بالکل غیر جانبدار ہو جانا اور پلیز ایک دم سے کوئی فیصلہ بھی مت کر لینا۔ اسے میری درخواست سمجھ لو......زندگی بھر اس حوالے سے میں نے بہت لعنت ملامت سہی ہے۔ کوئی غلطی نہ ہونے کے باوجود موردِ الزام ٹھہرایا جاتا رہا ہوں اب اگر تم نے بھی مجھے ٹھکرا دیا تو شاید میں زندہ ہی نہ رہ پاؤں۔''

''پلیز۔'' اس نے فوراً ٹوک دیا۔ پھر جھنجھلا کر بولی۔

''آخر جو بھی بات ہے آپ بتا کیوں نہیں دیتے......میرا خون خشک کرنا ضروری ہے۔''

''اللہ نہ کرے کہ تمہیں کبھی اس کیفیت کا سامنا کرنا ہو۔'' وہ آہستگی سے بولا۔

”پلیز مظہر، آپ بتادیں بڑی سے بڑی بات بھی کیا ہوگی؟......میں سہہ لوں گی پھر آپ خود ہی تو کہہ رہے ہیں آپ کی کوئی غلطی نہیں۔“

”دراصل“ اس نے بے چینی سے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور گہری سانس لے کر بولا جیسے مجبور اًبتا رہا ہو۔

”میں نے تمہیں اپنے فادر کے بارے میں بتایا تھا نا......کہ وہ بہت امیر آدمی ہیں اور امارت بعض لوگوں پر الٹا اثر کرتی ہے ان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو سلب کر لیتی ہے......بابا سائیں کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا اور انہوں نے اپنی بے تحاشا دولت کے زعم میں ایک بہت حسین اور طرح دار طوائف سے شادی کی تھی۔“

عانیہ دھک سے رہ گئی۔ اس دھوری بات کے پیچھے کیا مفہوم تھا؟ عانیہ کا دل جیسے دھڑکنا بھول چکا تھا۔

☆......☆......☆

”شادی کے چار سال بعد بابا سائیں نے انہیں طلاق دے دی تھی۔“ مظہر نے آہستگی سے کہا۔

”اس کا مطلب......آپ کی ماں......؟“ اس نے بدقت کہا مظہر نے جھکا ہوا سر شرمندگی سے اثبات میں ہلا دیا۔ عانیہ سمجھ نہ پائی اب کیا کہے۔

”میں اس وقت تین سال کا تھا جب ماں اور بابا سائیں میں علیحدگی ہوئی۔ ماں چلی گئی بابا نے چند روز بعد ہی دوسری شادی کر لی وہ دونوں اپنی اپنی دنیاؤں میں مگن ہوئے تو میرے وجود کو بھلا ہی دیا۔ میں ڈھیٹ تھا اتنی بڑی محرومی سہہ گیا مرا نہیں۔ چونکہ طوائف کا بیٹا تھا اس لیے دادا دادی اور پھوپھیوں کے لیے تو اچھوت تھا وہ لوگ مجھے دیکھتے ہی آگ اگلنے لگتے تھے سات سال تک کی عمر میں نے اس حویلی کے کونوں کھدروں میں یوں سسک سسک کر گزاری جیسے وہاں کے ملازمین بھی نہیں گزارتے تھے۔

دادی تو مجھے بابا سائیں کے سامنے بھی نہیں جانے دیتی تھیں میں بھی ان کے خوف سے ڈرا سہا رہتا لیکن ایک روز نہ جانے کیا ہوا بابا سائیں اپنی جیپ سے اترے تھے۔ سفید بے داغ لباس میں ملبوس، سر پر روایتی پگڑی، مجھے نجانے کیا ہوا تھا بھاگتا ہوا جا کر ان کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔ وہ پہلا دن تھا جب بابا سائیں نے میری طرف دھیان دیا، میرا میلا حلیہ، پھٹا ہوا لباس سب کچھ ان کے لیے حیران کن تھا۔ وہ بڑی دیر تک مجھے خود سے لپٹائے کھڑے رہے۔ اس کے بعد میری کایا پلٹ گئی۔ بابا جان نے مجھے شہر کے بہترین اسکول میں داخل کروا دیا، رہائش کے لیے ایک شاندار سی کوٹھی تھی جہاں میری دیکھ بھال کے لیے ملازمین موجود تھے۔ چند سال وہاں گزارنے کے بعد مجھے مری کانونیٹ بھجوا دیا گیا۔ بابا جان مجھ سے ملنے آتے رہے ماں کا تعارف تو خیر بہت برا تھا باپ سے تعلق بھی واجبی رہا۔

زندگی یونہی گزر رہی تھی کہ ایک عجیب بات ہوئی وہ میرا کانونیٹ کا آخری سال تھا ایک عورت مجھے ملنے چلی آئی۔ جانتی ہو وہ عورت کون تھی......میری ماں میرا دل چاہا انہیں دھتکار دوں کبھی ان کی شکل نہ دیکھوں مگر یہ میرے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی

رونے لگی تھیں اور میرا دل جیسے موم کی طرح پگھلتا چلا گیا۔ میری ساری ضد ساری نفرت دھواں بن کر اڑ گئی۔

میں نے سوچا بابا سائیں کو شاید میرا ان سے ملنا اچھا نہ لگے اس لیے انہیں آگاہ کروں گا لیکن یہ کوئی معمولی بات تو تھی نہیں کہ باآسانی چھپالی جاتی۔ انہیں ہاسٹل انچارج سے اطلاع مل گئی تھی کہ کوئی خاتون مجھ سے ملنے آتی ہیں۔

بابا سائیں کے استفسار پر میں جھوٹ نہیں بول سکا میرا خیال تھا وہ مجھے ڈانٹیں گے جھڑکیں گے اور دوبارہ کبھی ماں سے نہ ملنے کا حکم دیں گے لیکن جانتی ہو انہوں نے کیا کہا؟

انہوں نے کہا۔ ”یہ تمہارا آخری سال ہے ہم چاہتے ہیں دل لگا کر پڑھائی کرو اس کے بعد ہم تمہیں مزید تعلیم کے لیے ابروڈ بھجوا دیں گے۔ تم چاہو تو اپنی ماں سے رابطہ رکھ سکتے ہو۔ ہماری جانب سے کوئی روک ٹوک نہیں ہوگی مگر ایک بات یاد رکھنا وہ عورت تمہیں خود چھوڑ کر گئی تھی اپنی مرضی سے۔“

میں ان کا چہرہ دیکھتا رہ گیا۔ کیا تھا جو وہ مجھے دوبارہ نہ جتاتے کہ میری ماں مجھے خود چھوڑ گئی تھی۔ میرا دل جو ماں کے لیے گداز ہونے لگا تھا پھر سے پتھر ہو گیا۔ اگلی مرتبہ ماں آئیں تو میں نے سیدھے منہ بات بھی نہ کی۔ میں دل ہی دل میں ان سے خفا تھا مگر انہیں منانے کا ڈھنگ آتا تھا کچھ میرا دل بھی ماں کی محبت کے لیے ہمکتا رہتا تھا۔ دل سے ان کی جانب کھنچتا رہا ظاہری طور پر اکڑا رہا۔ میں جب تک مری میں رہا وہ بڑے ذوق وشوق سے ملنے آتی رہیں۔ کہنے کو میری ماں تھیں مگر دیکھنے میں بالکل میری بڑی بہن لگتیں لیکن چونکہ میرے سب دوست جانتے تھے میں اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہوں اس لیے میں ان کا واضح تعارف بھی نہ کروا سکا نتیجتاً میرے اکثر دوستوں نے سمجھنا شروع کر دیا کہ وہ مجھ سے اچانک ملنے کے لیے آنا شروع کرنے والی یہ طرح دار خاتون میری گرل فرینڈ ہے۔

ان میں سے کچھ اپنے سے بڑی عمر کی لڑکیوں میں دلچسپی لیتے تھے اس لیے انہوں نے مجھے بھی اپنا جیسا سمجھا۔ میرے ایک دوست نے یونہی مذاق میں اس بات کی تصدیق چاہی اور میرا دل چاہا زمین پھٹے اور میں اس میں سما جاؤں۔ ہتک کے مارے میرا برا حال تھا۔ پھر وہ ماں کے بارے میں اور باتیں کرنے لگے ان کی ڈریسنگ ان کے ناز وانداز کو ڈسکس کرتے رہے۔ میں ان کی تائید کرتا تو پھنستا انہیں حقیقت سے آگاہ کرتا تو بھی شرمساری میرے حصے میں آتی۔

میں نے ضبط کی بہت کوشش کی مگر جب برداشت سے باہر ہوا تو بے اختیار اپنے دوست کے چہرے پر گھونسا جڑ دیا۔ باقی دوستوں نے چھڑوانا چاہا تو میں سب سے بھڑ گیا مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی اپنے اندر لاوے کی طرح ابلتا غصہ کہاں نکالوں۔

جھگڑا بڑھا سارے اسکول میں پھیلا پرنسپل تک بات پہنچی اور ان سے بابا سائیں تک بھی پہنچ جاتی لیکن ہم دونوں میں تصفیہ ہو گیا تھا اس لیے پرنسپل کے سامنے کسی نے زبان نہ کھولی اور ہمیں وارننگ دے کر چھوڑ دیا گیا مجھے اپنی بے اختیاری کا احساس ہو چکا تھا لہٰذا ایکسکیوز کرتے شرم نہ آئی۔ ویسے بھی میں سمجھ چکا تھا غلطی میرے دوستوں کی نہیں تھی غلطی میری ماں کی تھی یا شاید میری قسمت کی۔

دستور ہے جو آنکھیں دیکھتی ہیں انسان اسی پر یقین کرتا ہے اور میری ماں کے انداز و اطوار سے کوئی ایسی بات ضرور جھلکتی تھی ان پر انگلی اٹھانے کا موقع فراہم کرتی۔ میں نے سوچا انگلی اٹھانے والوں کو نہیں روک سکتا البتہ جس پر انگلی اٹھائی جا رہی ہے اسے تو روک سکتا ہوں۔

یہی سوچ کر میں وہاں گیا جہاں نہ جانے کی قسم کھائی تھی۔

میں سمجھا ماں کی محبت میں اتنی کشش ہے جو مجھے کھینچ رہی ہے یہ تو بعد میں سمجھا کہ ماں کی محبت کے ساتھ ساتھ میری بدبختی تھی مجھے وہاں کھینچے لیے جا رہی تھی۔ میں ماں کو سمجھانے گیا تھا کہ وہ اس دلدل سے باہر آ جائیں لیکن وہاں میری ملاقات اس سے ہو گئی جو میری ماں ہی کی طرح اس دلدل میں دھنسنے کو تیار تھی۔ میں اسے دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ کیچڑ میں کھلا ہوا پھول نہیں دیکھا تھا نا کبھی...... وہ بالکل ایسی ہی دکھائی دی تھی مجھے، جیسے کیچڑ میں کنول دکھائی دیتا ہو گا پاکیزہ اور دلکش۔''

عانیہ کا ہاتھ گلدان سے ٹکرا گیا تھا ذرا سا چھناکا ہوا اور گلدان گھومتا ہوا کنارے تک چلا گیا۔ وہ دونوں بری طرح چونکے جیسے کوئی سحر چھایا ہوا تھا جو اچانک ٹوٹ گیا یا صاف ستھری سڑک پر اچانک ہی اسپیڈ بریکر نمودار ہو گیا تھا۔ تیز رفتار گاڑی بری طرح جھٹکا کھا کر دھیمی رفتار سے چلنے لگی لیکن اندر موجود افراد کی تمام حسیات غیر معمولی طور پر تیز ہو گئی تھیں۔

عانیہ نے مظہر کی جانب دیکھا۔

وہ...... وہ کون؟'' اس نے پہلا سوال اٹھایا۔

''وہ۔'' الفاظ اس کے لبوں پر دم توڑ رہے تھے۔

''گیتی آرا......'' بدقت سر جھکا کر اس نے جیسے اپنے گناہ کا اعتراف کر لیا تھا اور عانیہ کا دل یکدم غیر معمولی رفتار سے دوڑنے لگا تھا وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

ناول **بساطِ دل** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات آپ آنے والی ان تاریخوں (15th, 20th, 25th) میں پڑھ سکیں گے۔

گیتی آرا کمرے میں داخل ہوئی اور ٹھٹکی۔

چہرے پر سراسیمگی سجائے رحاب کھڑکی کے قریب کھڑی تھی۔

گیتی پر نظر پڑتے ہی وہ قدرے پرسکون ہوئی تھی۔

''میں سمجھی تمہاری آپا بیگم آئی ہیں۔'' گیتی آرا کی استفہامیہ نظروں کے جواب میں اس نے پرسکون سانس لیتے ہوئے کہا۔اس کے چہرے پر سراسیمگی یوں چھٹ گئی تھی جیسے سرد ہواؤں کے زور سے بار ہا بادل چھٹ جاتے ہیں۔

''اور اگر میری جگہ سچ مچ میں آپا بیگم ہوتیں تو تم نے تو مجھے مروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔'' وہ صوفے پر نیم دراز ہوتے ہوئے بولی اور گہری نظروں سے رحاب کا جائزہ لیا جو کھلی ہوئی کھڑکی کی دہلیز پر ہتھیلیاں جمائے اچک اچک کر جانے باہر کیا تلاش کر رہی تھی۔

''میں نے منع کیا تھا میری غیر موجودگی میں کھڑکی مت کھولا کرو۔'' اس نے یاد دلانے کی کوشش کی۔رحاب کی سرگرمی میں چنداں فرق نہ آیا۔

گیتی نے اس گستاخی پر پرسوچ انداز میں آنکھیں بند کیں پھر اسے دیکھنے لگی۔

''آخر تم کر کیا رہی ہو؟''

جواب ندارد، گیتی اٹھ کر قریب آ گئی۔

''کیا اس کھڑکی سے کود کر خود کشی کا ارادہ ہے؟'' اس نے طنزیہ لہجے میں کہتے ہوئے کھڑکی سے جھانکا باہر تاریک رات بہہ رہی تھی اور سرد ہوا کا شور سنائی دیتا تھا۔آسمان پر ستاروں کا جال بچھا تھا جبکہ کناروں سے دھند کے مرغولے اٹھ رہے تھے۔

''اگر اس جہنم سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ملا تو یہی کروں گی۔'' رحاب نے بہت آہستگی سے مگر سنگین لہجے میں کہا۔

گیتی آرا نے سرعت سے گردن موڑ کر اس کی جانب دیکھا اور ہنس دی۔

''اس کھڑکی سے کود کر ہاتھ پاؤں تڑوایا جا سکتا ہے خود کشی نہیں کی جا سکتی...... یہ میں تمہیں پہلے سے بتا دوں۔''

وہ صوفے کی جانب پلٹی۔

''تجربہ بول رہا ہے؟'' رحاب نے ٹٹولنا چاہا۔

''اندازاً کہہ رہی ہوں۔'' اس نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا پھر تمسخرانہ انداز میں بولی۔

''ویسے تم کود جانا چاہو تو ضرور کود و۔ہاتھ پاؤں کے بعد آپا بیگم کے کسی کام کی تو رہو گی نہیں ہو سکتا ہے وہ تمہارا گلا ہی دبا دیں۔''

''مشورے کا شکریہ۔'' رحاب کی جان جل کر خاک ہوئی۔

''شکریے کی کیا بات ہے مائی پلیئرز۔'' مسکراتے ہوئے اس نے ٹی وی کا ریموٹ اٹھالیا ایک طرف ٹی وی آن کیا دوسری طرف موبائل پر کوئی نمبر ملا کر کان سے لگالیا۔

رحاب اسے دکھ اور ناگواری سے دیکھتی رہی۔ وہ اب اٹھلا اٹھلا کر جانے کس سے فلرٹ کرنے میں مصروف ہو چکی تھی۔

رحاب کو اپنی کم عقلی کا شدید دکھ لے بیٹھا اسے اندازہ ہوتا کہ گیتی کو موردِ الزام ٹھہرا کر وہ خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہی ہے تو کبھی اتنا غیر جانبدارانہ تجربہ نہ کرتی مگر اب کیا ہوسکتا تھا۔ اتنے دن سے وہ گیتی آراء کو اپنی مدد کی راہ میں ہموار کر رہی تھی۔ گویا چند جملوں سے ساری محنت پر پانی پھر گیا تھا ساتھ ہی ساتھ گیتی کی فراہم کردہ آخری اطلاع نے اس پر تیزاب ڈال دیا تھا۔ گویا وہ بالکل ہی سولی پر ٹنگ گئی تھی اور یہی وہ وقت تھا جب اسے کوئی حتمی فیصلہ لینا تھا۔ قسمت کے کسی احسان کے انتظار میں بیٹھے رہنا نری حماقت ہوتی۔ گیتی آراء سے وابستہ بھی تمام امیدیں ملیامیٹ ہو رہی تھیں اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ کینہ پرور ہے اور اس کے بارے میں رائے دے کر وہ گیتی کے دل میں اپنے لیے کینہ ڈال چکی تھی بدقسمتی سے۔

مگر جانے کیوں اسے اسی تاریک راستے پر جگنو چمکنے کی آس تھی سو ایک دفعہ پھر ہمت کی۔

''گیتی! کیا کبھی تمہارا دل نہیں چاہتا اس جہنم سے نکلو۔'' وہ کھڑکی بند کر کے بیڈ پر آ بیٹھی تھی جب گیتی نے فون بند کیا تو فوراً سوال جڑ دیا۔ اس کے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔

گیتی نے فون بند کرتے ہوئے ایک نظر اسے دیکھا اور نفی میں سر ہلا دیا۔

''نہیں۔''

رحاب کو جھٹکا لگا اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا وہ اتنا کورا جواب دے گی کہ اگلے سوال کی گنجائش ہی نہ رہے۔

''یہ کیسے ہوسکتا ہے...... ریشم اور رائمہ تک یہاں سے نکلنا چاہتی ہیں مجھے یقین نہیں آتا کہ تم نہیں جانا چاہتیں۔''

''نہیں تو نہ سہی...... تمہیں یقین دلا کر مجھے کتنے نفلوں کا ثواب ملے گا؟'' اس نے منہ توڑ جواب دیا۔

''مجھے یہاں سے نکلنے میں مدد دو گی تو ثواب ملے گا نیکی کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔'' رحاب نے پتا چلا۔

''ثواب کا اچار ہوگا نیکی کی چٹنی...... روز جی بھر کر پیٹ بھرا کروں گی۔'' گیتی تڑخ کر بولی۔

''یہ دنیا ہے رحاب بی بی! یہاں خالی خولی باتوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ ثواب اور نیکی جیسے الفاظ سننے میں اچھے لگتے ہیں مگر پیٹ بھرنے کے لیے کچھ اور چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ تمہاری مدد میں کس خوشی میں کروں؟ بقول تمہارے غلطی میری تھی تم یوں سمجھو میں اب بھی غلطی کر رہی ہوں مگر کر رہی ہوں مجھے کوئی شوق نہیں ثواب کمانے کا۔ زیادہ ہڑک ہو تو راستے میں کئی فقیر مل جاتے ہیں ان کی جھولیوں میں کھنکتے سکے ڈالتی ہوں بھوکوں کو کھانا بھی کھلا دیتی ہوں مگر تمہاری طرح مدد نہیں کر سکتی۔

تم تو باہر جا کر عیش کرتی پھرو گی میں یہاں کسی کو کیا منہ دکھاؤں گی ابھی تو مجھے بہت آگے جانا ہے اپنا گول (مقصد) اچیو کرنا ہے تم اپنی مدد آپ کر سکتی ہو تو کرو میری جان مت کھاؤ اور پھر تمہیں یہاں تکلیف کیا ہے تین وقت کا کھانا سجا سجایا مل رہا ہے۔ میری مانو آپا بیگم سے دوستی کر لو تمہاری راہیں خود بخود آسان ہو جائیں گی۔ کسی دفتر میں ملازمت کرتی تب دماغ لگانا پڑتا یہاں جسم کام آئے گا۔ مشقت تو دونوں میں ہی ہے البتہ پیسہ زیادہ اسی پروفیشن میں ہے کچھ عرصہ آپا بیگم کی مانو پھر ماں باپ کو بھی پیسہ بھجواتی رہنا۔''

اس کے جو منہ میں آیا بولتی چلی گئی اور آخر میں بھی مشورہ دے ڈالا۔

''لعنت ہے تمہاری اس شکل پر اور تمہاری ذہنیت پر۔'' رحاب ہکا بکا اسے سن رہی تھی اس کے چپ ہوتے ہی اس کیفیت سے نکل کر غرائی۔

''پتا نہیں اب تک مجھے یہ غلط فہمی کیوں تھی کہ تم میری مدد کرو گی حالانکہ مجھے سمجھ لینا چاہیے تھا جو خود گندگی میں لتھڑی ہے وہ کسی کو باہر نکلنے کا موقع کیونکر دے گی۔''

''زیادہ بکواس مت کرو میں آپا بیگم کو بلواتی ہوں۔ اپنے نادر خیالات انکے سامنے بکنا وہ خود ہی تمہاری طبیعت صاف کر دیں گی۔''

''آپا بیگم، آپا بیگم، آپا بیگم۔'' وہ چلائی۔

''وہ بھی عورت نہیں چڑیل ہے چھلی پیری...... کیا رشتہ ہے تمہارا اس سے جو اس کے نام کی مالا جپتی ہو؟۔ اسی شوہر کی ماں ہے نا جسے برباد کرنے کے تم سپنے دیکھا کرتی ہو؟''

''اور میں سمجھی تمہارے منہ میں زبان نہیں۔'' گیتی ناگواری سے بولی۔

''اور میں سمجھی تمہارے اندر کچھ انسانیت باقی ہے۔'' رحاب کا انداز و لہجہ ہنوز تھا۔

''اب تم نے ایک بھی لفظ کہا تو تمہارا منہ توڑ دوں گی۔'' وہ چلائی۔

''میں کب سے برداشت کر رہی ہوں تمہیں۔ بجائے اس کے کہ میرا احسان مانو تم پر کوئی آنچ نہیں آنے دی تم میرے منہ کو آ رہی ہو۔ کرتی ہوں میں آپا بیگم سے بات تمہیں ڈالیں کسی اور کمرے میں۔'' اس نے دانت کچکچائے۔

''اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔'' رحاب نے سنگین لہجے میں کہا۔

''میں جلد ہی یہاں سے بھاگ جاؤں گی۔'' اس کا لہجہ عزائم سے بھرپور تھا۔

''اللہ تمہیں بھگائے۔'' اس نے طنزیہ انداز میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

''اماں ابا کے گھر پہنچ کر مجھے خیریت کا خط ضرور لکھنا۔'' اس کا لہجہ استہزائیہ تھا۔

''گیتی! تمہیں موت سے خوف نہیں آتا۔ اللہ کو منہ نہیں دکھانا تم نے؟'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''سنو رحاب۔ میں بہت بدلحاظ ہوں خدمت خلق کا تو ذرا بھی شوق نہیں اور اتفاق سے تمہاری فضول کی بکواس نے میرا دماغ بھی خراب کر دیا ہے تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ اب خاموش رہو۔ میں دشمن بن جاؤں تو بہت بری ثابت ہوتی ہوں۔'' اس نے گویا تنبیہ کی تھی۔

''تمہارا دماغ ہی نہیں قسمت اور کرتوت بھی خراب ہیں...... اس بے حسی کا کفارہ تو تمہیں ادا کرنا ہی پڑے گا۔ دیکھ لینا۔'' بے بسی کی آخر انتہا تک خود کو وہ پاگل ہو رہی تھی۔

''ارے بلاوجہ مجھے کوس رہی ہو۔ میں خاموش ہوں کہ چلو بے چاری غم سے پاگل ہو رہی ہے مگر تمہیں تو احساس ہی نہیں وہ سامنے دروازہ کھلا ہے بھاگ سکتی ہو تو بھاگ جاؤ میں نہ تمہیں روکوں گی نہ تمہاری مدد کروں گی۔ میرا بس چلے تو تمہیں خود اٹھا کر باہر پھینک دوں۔''

رحاب نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ بے شک اس نے آمادگی ظاہر کی تھی مگر یہ کوئی کم خوش آئند بات تھی۔ گیتی اس کی بے تحاشا سرخ آنکھیں دیکھ کر جھنجھلا گئی۔

''میں صرف اتنا کر سکتی ہوں کہ جاتے ہوئے دروازہ لاک نہ کروں۔ اسے مذمت سمجھنا میں خود بھی تم سے پیچھا چھڑوانا چاہتی ہوں...... اوب گئی میں تمہاری رونی صورت دیکھ دیکھ کے۔ خواب بھی اتنے ڈراؤنے آنے لگے ہیں کہ...... افوہ...... کس بحث میں الجھ گئی میں۔ ابھی تیار بھی ہونا ہے مجھے۔''

وہ اسی کیفیت میں تیاری کرنے لگی۔

رحاب کو جیسے گہری چپ لگ گئی تھی۔ گیتی نے دھیان نہیں دیا وہ کسی ادھیڑ بن میں ہے لیکن جس وقت وہ تیار ہو کر کمرے سے نکلنے لگی رحاب نے اسے آواز دے کر روک لیا۔

''ناٹ اگین۔'' وہ بدمزا ہو کر پلٹی۔

''میں لاک نہیں لگاؤں گی بے فکر رہو اور پلیز میں مزید دہائیاں سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

رحاب خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

''شکریہ گیتی۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔

''میں نے تمہیں بہت برا بھلا کہا...... مجھے معاف کر دینا...... پلیز۔''

گیتی نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر بنا کچھ کہے خاموشی سے باہر نکل گئی معمول کے انداز میں بالکل لاشعوری پر لاک لگانے کے لیے ہاتھ اٹھایا ذرا سی پلٹی مگر فوراً ہی ناک کی سیدھ میں چلنے لگی۔ چابیاں اس کی مٹھی میں دبی تھیں۔

☆......☆......☆

آج کل فرصت ہی فرصت تھی۔

شروع کے چند دن اس نے امتحانات کی نذر ہو جانے والی نیند پوری کی پھر جب اس سے بھی اکتا گئی تو ثمن کے سنبھال کے رکھے ڈائجسٹ اٹھا لائی۔

اس روز گل بانو اسکول سے سیدھی وہیں آ گئی۔ دادی کی غیر موجودگی میں اس کی آمد میں بھی تسلسل آ گیا تھا وہ اکثر ہی اسکول سے آ جاتی کھانا بھی وہیں کھاتی شام تک رکتی اور رات سے پہلے چلی جاتی۔ اس روز آئی تو مومنہ ڈائجسٹ میں منہ دیے بیٹھی تھی۔

''لوگوں کو اب ہماری ضرورت نہیں رہی۔ پہلے تو پھر بھی پڑھائی کے بہانے حال احوال پوچھ لیا کرتے تھے مگر اب تو لفٹ ہی نہیں کرواتے۔'' وہ اسماء سے مخاطب تھی سنا اسے رہی تھی۔

''ہم سے زیادہ اچھے تو یہ ڈائجسٹ ہیں۔''

''خواہ مخواہ۔'' اس نے ڈائجسٹ ایک طرف اچھالا۔

''آپ سے اچھا تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔''

''سب منہ دیکھے کی باتیں ہیں۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''کیوں؟ کیوں؟''

''اچھا......تو پھر اب مجھ سے ملنے کیوں نہیں آتیں؟......میں ہی ہر روز منہ اٹھائے چلی آتی ہوں۔''

''آپ کا اپنا گھر ہے۔ روز روز آنے کی بجائے یہاں ہی آ جائیں۔ ایمان سے مزا آ جائے گا۔'' وہ پر جوش طریقے سے بولی۔

گل بانو اس معصومیت پر ہنس دی۔ اسماء بولیں۔

''دراصل میں ہی اسے نکلنے نہیں دیتی اماں کی موجودگی میں گھبراہٹ نہیں ہوتی تھی اب اگر یہ بھی چلی جائے تو تنہا گھر کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ یہاں آس پاس گھر بھی تو نہ ہونے کے برابر ہیں گاؤں بھی آہستہ آہستہ شہروں کی روایات اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ میں نے منی کے ابو سے کہا بھی ہے کوئی اور مکان تلاش کریں کسی آباد محلے میں۔ مجھ سے اب اس ویرانے میں نہیں رہا جاتا اردگرد کھیت ہی کھیت ہیں کوئی چور اچکا گھس آیا گھر میں تو ہم تو مدد کے لیے بھی نہیں پکار سکیں گے۔''

''ہمارے ساتھ والا مکان کرائے پر چڑھانے کے لئے خالی پڑا ہوا ہے۔ وہی دیکھ لیں۔'' گل بانو نے مشورہ دیا۔

''ہوں......تمہارے بھائی آتے ہیں تو بات کرتی ہوں۔'' اسماء نے پرسوچ انداز میں کہا۔ اسی پل دروازہ بجنے لگا تھا۔

''منی! ذرا دیکھنا تو......'' چائے کا پانی چولہے پہ چڑھا رکھا تھا پتی ڈالتے ہوئے اس نے پکارا وہ پھر سے کسی ناول میں کھو رہی تھی۔ رسالہ رکھ کر دروازے کی جانب لپکی۔

”مجھے فاروق چاچا نے کھانا لینے کے لیے بھیجا ہے۔“ سائیکل تھام کر کھڑے لڑکے نے کہا۔ مومنہ سوچ میں پڑ گئی۔ یہ لڑکا پہلی بار دکان سے کھانا لینے آیا تھا ہوسکتا ہے ابو نے نیا ملازم رکھا ہو مگر نہ جانے کیوں اسے یہ صورت کچھ جانی پہچانی سی لگی تھی۔

وہ اسی سوچ میں مبتلا واپس آ گئی۔

”دکان کا لڑکا آیا ہے ٹفن دیدیں۔“

ٹفن تیار رکھا تھا اسماء خود چائے نکال رہی تھیں اس سے بولیں۔

”یہ ٹفن دے آؤ اور کہہ دینا تمہارے ابو سے کہہ دے دکان سے واپسی پر تھوڑا سا گڑ لیتے آئیں۔ دال ڈال کر میٹھے چاول بناؤں گی۔“

اس نے ٹفن اٹھایا اور باہر آ گئی۔

”ابو سے کہنا واپسی پر گڑ لیتے آئیں چاول بنانے ہیں۔“

اس نے ٹفن پکڑتے ہوئے سعادت مندی سے سر ہلا دیا پھر بولا۔

”اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟“

”ٹھیک ہے۔“ اسے حیرانی ہوئی بھلا اس کی طبیعت کو کیا ہوا۔

”اس روز بہت زور سے ٹکر ہوئی تھی آپ گر بھی گئیں۔ مجھے بہت افسوس ہوا لیکن یقین کریں غلطی میری نہیں تھی۔“ مومنہ کے ذہن میں دھماکا سا ہوا اسے فوراً ہی یاد آیا وہ اس لڑکے کو کہاں دیکھ چکی ہے۔

”کوئی بات نہیں۔ ویسے غلطی میری بھی نہیں تھی۔“ خود بخود لہجے میں نخوت سی آ گئی آخر وہ ملازم تھا۔

”غلطی آپ کی تھی نہ ہی میری۔ مجھے پھر بھی افسوس ہے۔“ نہ وہ حادثہ ہوتا نہ ہی آپ کی ناک ٹوٹتی۔“ اس نے رنجیدگی سے کہا۔

”میری ناک۔“ مومنہ نے بے اختیار اپنی ناک پر ہاتھ رکھا اگلے ہی پل اس کی جانب دیکھا جس کے چہرے پر سنجیدگی تھی مگر آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں۔

”دفع...... بدتمیز۔“ اس نے جھنجھلا کر دروازہ بند کر دیا۔

”جاہل...... لفنگا۔“ وہ بڑبڑاتی ہوئی اندر آئی تھی۔ ”میں ابو سے اس کی شکایت کروں گی۔“ اس نے دانت کچکچائے تھے۔

”ہیں...... ہیں کس کی شکایت کرتی پھر رہی ہو۔“ گل بانو نے چونک کر اسے دیکھا۔

”وہ جو......“ اس نے زبان دانتوں تلے دبالی۔

”چھوڑیں...... دفع کریں...... آپ بتائیں پھر آج رات رک رہی ہیں ہماری طرف؟“ وہ دھیان بٹاتی گل بانو کی جانب متوجہ ہوگئی۔

☆......☆......☆

''تم کبھی گیتی آرا سے ملتی ہوتیں تو تمہیں اندازہ ہوتا وہ کیا چیز تھی۔''

کپ کے کناروں پر انگلی پھیرتے ہوئے اس نے اتنی بے اختیار اور سرعت سے کہا کہ اپنے جملے کی سنگینی کا احساس تک نہ ہو سکا۔

''خوبصورتی ہر ایک کو متاثر کرتی ہے مجھے بھی اس کی خوبصورتی نے بے حد متاثر کیا۔ پہلی بار اس پر نظر پڑتے ہی جیسے میں ساکت سا ہو گیا تھا مجھے کیا ہوا تھا میں نہیں جانتا بس میں اسے دیکھتا چلا گیا۔ میری نظریں اس کے چہرے سے ہٹ ہی نہیں رہی تھیں۔ میں کم عمر تھا کہ عمری میں عموماً ہر چمکتی چیز سونا ہی لگا کرتی ہے میری غلطی یہ ہے کہ میں نے اسے سونا سمجھا اور اس کا اسیر ہوتا چلا گیا۔'' وہ جیسے کسی خواب کی کیفیت میں تھا۔

''وہ میری خالہ کی بیٹی تھی۔ خالہ نے بھی میری ماں کی طرح ہی شادی کی تھی مگر ماں میں اور ان میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ انہوں نے عزت کی زندگی گزارنے کی خاطر ساری عمر ایک ایسے شخص کے ساتھ بتا دی جس کے نزدیک ان کا ماضی کبھی بھی قابل معافی نہ بن سکا۔ مجھے اپنی ماں کے فیصلوں پر اعتراض تھا ان کا طرز زندگی قابل نفرین لگتا تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا میں خالہ سے متاثر نہ ہوتا۔ خالہ غریب تھیں مگر اچھی تھیں۔ میں ہاسٹل سے اکثر ہی ان کے گھر جانے لگا وہاں خالہ کی سادہ سی محبت تھی جس میں کوئی غرض شامل نہ تھی۔ اس عرصہ میں گیتی آرا سے بھی دوستی بڑھتی چلی گئی اور میں نے اس سے اپنی محبت کا اظہار کیا جواب میں اس نے بھی یہ ہی کیا کہ اسے مجھ سے محبت ہے مگر میں جان نہ سکا کہ وہ محبت نہیں فریب ہے۔

ان ہی دنوں خالہ جان کی طبیعت بگڑ گئی انہیں بلڈ کینسر تھا اور وہ چاہتی تھیں میں گیتی سے نکاح کر لوں تا کہ وہ اس کی ذمہ داری سے آزاد ہو کر اللہ کے پاس جائیں۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ سوائے اس کے کہ میرے دل میں بابا سائیں کا خوف تھا۔'' وہ بولتے بولتے خاموش ہو گیا عانیہ کا دل بڑی غیر معمولی رفتار سے دھڑک رہا تھا۔

''پھر؟......'' اس نے مظہر کے مجرمانہ انداز میں جھکے ہوئے سر کو دیکھتے ہوئے کانپتی آواز میں پوچھا۔

''آپ نے گیتی سے نکاح کیا۔''

مظہر نے لحظہ بھر کو اس کی جانب دیکھا پھر فوراً ہی نظریں چرا کر جھکا ہوا سر اثبات میں ہلا دیا۔ عانیہ نے بے حد تکلیف کے ساتھ آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا تھا۔

''عانیہ! پلیز مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔'' چند لمحوں بعد اس نے مظہر کو کہتے سنا۔

''کوئی اور انکشاف کرنا باقی ہے؟......'' اس نے آنکھیں کھول دیں جھکا ہوا سر نہیں اٹھایا۔

''میں اسے طلاق دے چکا ہوں عانیہ...... مجھے کچھ کہنے کا موقع تو دو۔''

یہ خوش خبری تھی جو اپنے تئیں اس نے دی۔ عانیہ نے ایک لفظ نہ کہا اس کے دل پر گھونسے لگ رہے تھے۔

''ہمارے نکاح کے کچھ دن بعد ہی پتا نہیں کیسے بابا سائیں کو اطلاع پہنچ گئی کہ میں ماں سے ملتا ہوں۔'' اس کی خاموشی سے تقویت پکڑتے ہوئے اس نے پھر سے کہنا شروع کیا۔

''انہوں نے مجھے فوراً لندن بھجوا دیا گو کہ انہوں نے مجھے خود ہی اجازت دی تھی کہ میں چاہوں تو ان سے ملتا رہا ہوں۔ پتا نہیں وہ کون سا خوف تھا جس نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کیا۔ بہر حال وہاں جا کر جو میرا خیال تھا میں ایک آزادانہ زندگی گزاروں گا تو ایسا کچھ بھی ممکن نہ ہو سکا وہاں ملازمین تھے جو مجھ پر چیک رکھتے مجھے ہر کام ہر بات ناپ تول کر کرنا پڑتی مگر اس کے باوجود میں گیتی سے غافل نہیں ہوا۔ میں اسے مہینے میں ایک بار فون ضرور کرتا۔ دو سال میں، میں اسے اخراجات کے لیے کچھ رقم بھی بھجوانے لگا۔ اسی دوران خالہ جان کا انتقال ہو گیا تو ماں گیتی کو اپنے ساتھ لے گئیں۔

مجھے اپنی ماں پر بھروسہ تھا اور گیتی پر بھی۔ سو امانت میں خیانت کا خیال کبھی آیا ہی نہیں مگر میں سال بعد پاکستان واپس آیا تو یہاں سب کچھ بدل چکا تھا۔ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے گیتی اس راستے پر قدم رکھ چکی تھی جس سے مجھے گھن آتی تھی۔ ماں سے باز پرس کی تو وہ رونے لگیں۔ انہوں نے کہا میں لاکھ بری سہی مگر گیتی کو کوئی ایسا کام کرنے پر مجبور کر ہی نہیں سکتی تھی جو بھی ہوا وہ سراسر اس کا ذاتی فیصلہ تھا۔

وہ خود گیتی کی ہٹ دھرمی سے پریشان تھیں میں نے گیتی سے سوال کیا تو وہ اپنی اس روش کا ذمہ دار مجھے ہی ٹھہرانے لگی۔ میں جو بھجواتا اسے کم لگتا تھا اور اپنی ضروریات پوری تو کرنا ہی تھیں اسے۔

مجھے اس لڑکی سے یکدم ہی نفرت محسوس ہوئی وہ اپنی عیاشیوں کے لیے اختیار کیے گئے راستوں کا ذمہ دار مجھے ٹھہرا رہی تھی صرف اس لیے کیونکہ میں نے اس سے محبت کی تھی؟......'' وہ طنزیہ ہنسا۔

''پھر اس نے ایک نیا مطالبہ کیا وہ چاہتی تھی میں بابا سائیں کی جانب سے ملنے والی وراثت کی ساری جائیداد اس کے نام کر دوں صرف اسی صورت میں وہ اپنا راستہ بدل سکتی تھی۔ میں نے ایک عرصہ اس سے محبت کی تھی۔ نبھانا چاہتا تھا مگر اس کا مطالبہ ناقابل عمل تھا میں جائیداد اس کے نام کرتا تو بابا سائیں کو کیا جواب دیتا۔ میرے انکار پر اس نے طلاق کا مطالبہ کر دیا۔'' وہ تھک کر خاموش ہو گیا۔

''مجھے اسٹینڈ تک چھوڑ دیں۔'' عانیہ یکدم اٹھ کھڑی ہوئی۔

''عانیہ......''

''خدا کے لیے مظہر......'' وہ تڑخ کر بولی۔

''میرے ضبط کو نہ آزمائیں۔ آپ چھوڑ دیں گے یا میں خود چلی جاؤں۔''

مظہر نے گہری سانس بھر کر اس کی جانب دیکھا۔ والٹ نکال کر دو ہرے نوٹ گلدان کے نیچے دبائے اور اٹھ کھڑا ہوا۔

سارا راستہ بے حد خاموشی سے کٹ گیا۔ گاڑی رکتے ہی عانیہ دروازہ کھولنا چاہا مگر وہ آٹو میٹک سسٹم کے تحت بند تھا۔

''دروازہ کھولیں۔'' وہ اس سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی تبھی جھنجھلا کر بولی۔

''کیا تم مجھے ایک موقع بھی نہیں دو گی؟''

عانیہ خاموش رہی۔

''میں نے کہا تھا عانیہ! اتنی جلدی فیصلہ مت کرنا۔'' اس نے رنجیدگی سے کہا۔

''کہا تو آپ نے یہ بھی تھا کہ میں آپ کی زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی ہوں۔'' وہ تڑخ کر بولی۔

''مجھے ڈر تھا کہیں تمہیں کھو نہ دوں۔'' وہ سرعت سے بولا۔

''اب آپ کو یہ خوف نہیں رہا؟'' اس نے طنزیہ کہا۔

''تم میرے ماضی کے بارے میں جاننا چاہتی تھیں ہر بار تم اصرار کرتی تھیں اور میں تمہیں اندھیرے میں بھی نہیں رکھنا چاہتا تھا۔'' اس نے بے چارگی سے کہا۔

''جو گزر گیا وہ کل تھا عانیہ! میرا آج تم ہو۔'' اس نے بے حد جذب سے کہا۔

''آپ دروازہ کھولیں۔ میرا ذہن بالکل کام نہیں کر رہا۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔ بصد مجبوری اسے لاک کھولنا پڑا۔

''میں تمہارے فیصلے کا منتظر رہوں گا۔ ایک بات یاد رکھنا عانیہ! میں تم سے محبت نہیں عشق کرتا ہوں اور گیتی میری زندگی میں کہیں نہیں ہے۔''

اس نے بے حد خاموشی سے اتر کر دروازہ بند کر دیا تھا۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ اس کا دل مظہر کی کسی بات پر یقین کرنے کو راضی نہ تھا اسے اس کا ہر لفظ جھوٹ لگا تھا۔

☆......☆......☆

مظہر نے بے حد پچھتاوے کے عالم میں اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارا۔

آخر کیا سوچ کر اس نے عانیہ کو اپنی زندگی کے حقائق سے آگاہ کیا؟ وہ یہ کیوں بھول گیا عورت سب کچھ برداشت کر لیتی ہے رقیب برداشت نہیں کرتی۔ اس سے کتنی بڑی غلطی ہو گئی تھی اسے یاد رکھنا چاہیے تھا۔

ونڈ اسکرین سے عانیہ کو دیکھتے ہوئے وہ جتنا جھنجھلاتا کم تھا۔ وہ اپنے آگے بڑھتے قدم سڑک پر نہیں اس کے دل پر رکھ کر گزر رہی تھی اور ہر اٹھتے قدم کے ساتھ وہ اس سے دور نہیں ہو رہی تھی۔ مظہر کو لگ رہا تھا وہ اس کے لیے ناقابل رسائی ہو رہی ہے اور یہ خیال اسے زیادہ پچھتاوے میں دھکیل رہا تھا اس کی جھنجھلاہٹ میں اضافہ کر رہا تھا۔

”جنہیں جھوٹ بولنے کی عادت ہو انہیں سچ، جھوٹ سے زیادہ مہنگا پڑتا ہے۔“ یہ آج تک سنا تھا۔ آج یقین آ رہا تھا۔ اپنے دل میں عانیہ کے لیے پیدا ہونے والے جذبات کے سامنے سر جھکا کر اس نے جھوٹ سے سچ کی طرف آتے ہوئے وہ تمام دروازے خود بند کیے تھے جو اسے واپس جھوٹ کی جانب پلٹنے میں مدد دیتے۔ وہ جھنجلا رہا تھا اور پچھتا رہا تھا اب شاید اسے یہی دونوں کام کرنے تھے۔

گو کہ وہ کوئی بہت اچھا، با کردار، مخلص قسم کا انسان نہیں تھا وہ خود بھی اپنے لیے بڑی آسانی سے کمینے، بے غیرت اور ذلیل جیسے الفاظ استعمال کر لیتا تھا اور ہنستا تھا۔ اس کے مزاج میں ایک کنویں سے پانی پی کر شاکر ہو جانا نہیں تھا وہ ہر اس کنویں کی جانب لپکتا تھا جس کی مٹھاس کا چرچا ہوتا یا جو کنواں باعث کشش بنتا۔

عانیہ اس کی زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی نہیں تھی اس کی زندگی میں عورتیں آتی جاتی رہی تھیں البتہ اس کا ایک معیار تھا جس سے نیچے آنا وہ پسند نہیں کرتا تھا۔ خوبصورتی اس کی کمزوری تھی معصومیت اس کی پسند۔ یہ دونوں چیزیں یکجا ہوتیں تو وہ پاگل ہونے لگتا مگر آج تک یہ دونوں چیزیں نہ تو اسے دکھائی دی تھیں نہ وہ انہیں حاصل کر سکا تھا۔ یہ دونوں چیزیں عانیہ چودھری میں تھیں۔

بہت سال پہلے وہ جن احساسات کا شکار گیتی آراء کو دیکھ کر ہوا تھا بہت سال بعد وہی احساسات عانیہ کو دیکھتے ہی مظہر کو پھر سے اپنا شکار کرنے آ گئے تھے۔ ان دنوں ایک نئی نئی مصروفیت اس کے ہاتھ لگی تھی عانیہ کو دیکھ کر وہ جس طرح کی کیفیت میں مبتلا ہوا اس کا خیال تھا وہ جلد ہی اثر کھو دے گی مگر اس لڑکی کی بے تحاشا خوبصورتی کے سحر نے اپنے پر سمیٹنے کی بجائے اس پر اپنا شکنجہ مزید مضبوط کر دیا تھا اور وہ پاگلوں کی طرح اپنے دن رات ایک کر کے اسے حاصل کرنے کی جدوجہد میں جت گیا تھا۔ اسے محنت کرنا پڑی مگر اتنی نہیں۔ اس کی توقعات کے برخلاف عانیہ آسان ثابت ہوئی تھی۔

اس کے باوجود وہ اسے وقت دے رہا تھا اتنا جتنا آج تک اس نے کسی کو نہیں دیا تھا کیوں دے رہا تھا؟ وہ نہیں جانتا تھا۔ تیز آنچ پر پکا ہوا کھانا جل جاتا ہے دھیمی آنچ پر پکے کھانے کا ذائقہ مختلف ہوتا ہے۔ وہ سمجھ رہا تھا اس بار وہ دھیمی آنچ پر پکے کھانے کا ذائقہ چکھنا چاہ رہا ہے مگر ہلکی آنچ پر چمچہ ہلاتے ہوئے اسے یکدم احساس ہوا دراصل وہ عانیہ سے محبت کرنے لگا ہے۔ جھوٹی محبت نہیں سچی۔ ایک دفعہ اسے گیتی آرا سے محبت ہوئی تھی مگر وہ غلط انتخاب تھی عانیہ غلط انتخاب ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ گیتی آج تک اپنی بربادی کا ذمہ دار اسے ٹھہراتی تھی حالانکہ وہ مظہر کی بربادی کی ذمہ دار تھی نہ وہ اسے اتنا بڑا دھوکا دیتی نہ وہ ”عورت“ کے لیے پاگل ہوتا۔ وہ زمانہ کوئی اور تھا جب مظہر گیتی آرا نامی کسی لڑکی سے محبت کرتا تھا اب عانیہ آ چکی تھی اور وہ اس کی زندگی کا ”کُل“ تھی۔

اور اپنی بے وقوفی کے ہاتھوں، خود کو سچا کہلوانے کے شوق میں وہ اس ”کُل“ سے ہاتھ دھونے کا بندوبست کر بیٹھا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اسے خود پر غصہ آ رہا تھا اور اتنا آ رہا تھا جتنا کبھی نہیں آیا تھا۔ لعنت ہے ایسے سچ پہ جو آپ کی زندگی کو مشکل بنا دے۔

☆......☆......☆

یہ عجیب دن تھے۔

وہ سارا سارا دن اس نہ سمجھ میں آسکنے والی کیفیت میں گنوا دیتی جہاں بیٹھتی اٹھنے کا نام ہی نہ لیتی ایسا لگتا تھا جیسے کچھ کھو گیا ہے اور وہ خالی ہاتھ رہ گئی۔ خالی ہاتھ تو واقعی رہ گئی تھی۔ مان نہ رہے تو اور رہ بھی کیا جاتا ہے۔

ان دنوں ایک بار پھر رانگ کالز کا سلسلہ شروع ہو گیا کوئی غور کرتا تو با آسانی جان لیتا فون کی گھنٹی اور عانیہ کے رویے کے اتار چڑھاؤ میں بڑا گہرا تال میل تھا مگر پتہ نہیں گھر میں کوئی بھی دھیان نہیں دیتا تھا یا کچھ اور بات تھی۔

شاید کسی کو اس کی پرواہی نہیں تھی۔

اس کا ذہن بٹتا تو اسی نقطے یا اس سے ملتے جلتے جملے میں اٹک جاتا اور آنکھیں بار بار نم ہونے لگتیں اس جہنم میں کوئی کھل کر رو بھی نہیں سکتا۔ پھر سب آجائیں گے باری باری پوچھنے، کیا ہوا؟ کیوں رو رہی ہو؟ کاش دنیا میں کوئی ایسی جگہ ہوتی جہاں انسان سارے آنسو بہا آتا اور کسی کے سامنے جوابدہ بھی نہ ہونا پڑتا۔

بڑی دیر سے بجتی گھنٹی بمشکل خاموش ہوئی تھی ایک بار پھر سے بجنے لگی۔ وہ وہیں رضائی اوڑھے دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف وہی تھا دشمن جان۔ اس کے سکون کا قاتل۔ دل برباد کرنے والا۔

''سنو عانیہ۔ میں جانتا ہوں یہ تم ہو اور اگر اب تم نے فون بند کیا تو جانے میں کیا کر بیٹھوں۔ مجھے وضاحت کا ایک......''

اس نے اسی خاموشی سے ریسیور رکھ دیا۔ اسے کسی بات کی پروا نہیں تھی جو ہوتا ہے وہ ہو جائے دل تو چاہتا تھا اس دھوکا دہی پر کھل کر احتجاج کرے اندر بگولے سے اٹھ رہے تھے مگر باہر سے وہ یوں پرسکون تھی جیسے کوئی بڑے نقصان کے بعد سب کچھ گنوا کر خالی ہاتھ ہو جاتا ہے اور صدمے کی کیفیت میں اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھتا رہتا ہے۔ سب سے قیمتی شے گنوا دی باقی کیا بچا......؟

نرمین آئی تھی پوچھنے کہ کس کا فون تھا اس نے وہی کہا جو اتنے دن سے کہہ رہی تھی۔

''یہ ہر دو چار روز بعد ہمارے گھر اتنی رانگ کالز کیوں آنے لگتی ہیں؟۔ تیمور بھائی میری بات مان لیں جا کر ایکسچینج سے پتا کریں ہو نہ ہو ہمارے تار سے کسی نے تار ملا دیا ہے۔'' وہ زور زور سے بولتی واپس چلی گئی۔

عانیہ نے سوچا کاش ایسا ہی ہوتا مگر سوچنے سے کیا ہوتا ہے۔ وہ ذہن ہٹانے کے لیے باہر آ گئی۔

''ابھی تو مجھے بالکل فرصت نہیں بہنا۔ اب تو جو بھی ہوگا واپسی پر ہوگا۔'' وہ چارپائی پر بیٹھا کینو چھیل چھیل کر نہ صرف خود کھا رہا تھا باقی سب کو بھی کھلا رہا تھا عانیہ کو آتا دیکھ کر آدھا کینو اس کی طرف بڑھا دیا۔

''تم کہیں جا رہے ہو؟'' اس نے بد دلی سے ایک پھانک منہ میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

''لو......تم کو اب تک پتا ہی نہیں۔'' اس نے کینو چھیلتے ہوئے اس کی جانب یوں دیکھا جیسے اس کی لاعلمی پر افسوس کر رہا ہو۔

”حج پہ جا رہے ہو۔“

”وہ بھی جائیں گے۔ انشاء اللہ۔“ اس کا ارادہ مصمم تھا۔

”فی الحال تو کاغان تک کا چکر لگانے جا رہے ہیں۔“

”واقعی۔“ وہ سچ مچ لاعلم تھی۔

”اور نہیں تو کیا۔“ وہ بہت پر جوش انداز میں مسکرایا۔

”کتنے دن کے لیے جا رہے ہو اور...... کس کے ساتھ؟“

”ایک ہفتے کے لیے اور کچھ دوست اور کولیگز کے ساتھ جا رہا ہوں۔“

”اتنی سردی میں؟“

”اتنی سردی میں ہی تو ایڈونچر کا مزا ہے...... انو ڈیئر۔“

تیمور کی ایکسائٹمنٹ دیدنی تھی۔ وہ کچھ دیر بیٹھی سنتی رہی پھر جب ذہن مزید سننے پر آمادہ نہ ہوا تو اٹھ گئی اور کتنی عجیب بات تھی۔ تیمور کی بڑی پرانی خواہش پوری ہونے جا رہی تھی اور اسے خبر تک نہ تھی۔ وہ پہلے بھی اپنے آپ میں مگن رہتی تھی مگر اتنی نہیں کہ اردگرد کی خبر ہی نہ رکھے۔

وہ اوپر آئی۔ چھپایا ہوا موبائل نکالا اس میں ایک ہی نمبر محفوظ تھا نہ بھی ہوتا تو اسے زبانی یاد تھا۔ دس میسجز تھے، سبھی میں وضاحت، ایک بار بات کر لینے کی التجا ڈھیر ساری مس کالز۔

اس کی آنکھوں میں پھر آنسو آنے لگے۔ پتا نہیں کب روتے روتے آنکھ لگ گئی۔ دوبارہ آنکھ کھلی تھی تو ثانیہ اس پر جھکی اس کا کندھا ہلا رہی تھی۔

”اٹھ بھی جاؤ۔ کب تک سوتی رہو گی۔“

”ابھی دل نہیں چاہ رہا ثانیہ۔“ اس نے بوجھل آواز میں کہا۔

”دل کیوں نہیں چاہ رہا؟ طبیعت تو ٹھیک ہے؟“ اس نے عانیہ کی پیشانی کو ہاتھ کی پشت سے چھوا۔

”کچھ نہیں ہے ثانیہ۔“ عانیہ نے اس کا ہاتھ ہٹا دیا۔ ”بس ویسے ہی......“

”یہ بریسلیٹ کس کا ہے؟“ ثانیہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ عانیہ دھک سے رہ گئی پٹ سے آنکھیں کھل گئیں۔ ثانیہ کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے اس کی جرسی کی آستین قدرے کھسک گئی تھی اور بریسلیٹ ثانیہ کی نظروں میں آ گیا تھا۔

”بہت خوبصورت ہے۔“

''ثنا کا ہے۔'' اسے فوراً ہی خیال آیا۔'' اس روز اس نے مجھے پہنا دیا کہ بعد میں لے لے گی۔ واپسی پہ مجھے یاد ہی نہ رہا کہ واپس دے دوں۔''

''اور ثنا کو اتنے دن سے خیال ہی نہیں آیا۔ کمال ہے۔ اسے تو کبھی اپنی آرٹیفشل جیولری نہیں بھولتی یہ تو بہت بھاری گولڈ کا لگ رہا ہے۔''

''ہاں ہے......'' وہ نظریں چرانے لگی۔

''ثنا کو خیال نہیں آیا تم ہی کر لو ابھی فوراً اسے اتار کر سنبھال کر رکھ دو خدانا خواستہ کہیں گر گیا تو مصیبت گلے پڑ جائے گی۔''

''بچی تو میں ہوں نہیں کہ گم کر دوں۔''

''اچھا بابا...... تمہاری مرضی۔ سنو جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر نیچے آ جاؤ اشفاق چچا کی طرف سے سب لوگ آئے ہوئے ہیں۔''

ثانیہ چلی گئی اس کی نظریں بریسلیٹ سے نہ ہٹیں کتنے پیار سے پہنایا تھا اس نے...... لیکن اتنی ہی چاہ کسی اور سے بھی جتائی ہو گی کسی اور کو بھی اپنی آنکھوں میں بسایا ہو گا میں اس نقش کو کبھی مٹا سکوں گی؟...... تم لاکھ دعوا کرو اسے بھولنے کا مگر پہلا نشہ تو پہلا ہوتا ہے جو کبھی نہیں مٹتا۔

اس کی آنکھیں پھر سے بھیگنے لگی تھیں جنہیں اس نے بے دردی سے رگڑ ڈالا اور اپنا ہی امتحان لیتی بوجھل دل کے ساتھ نیچے چلی آئی۔ کچن کے دروازے میں کھڑی اجیہ لپک کر اس کی جانب بڑھی۔

''ہم کب سے آئے ہوئے ہیں اور دلہن صاحبہ تو لگتا ہے ابھی سے مایوں بیٹھ گئی ہیں۔''

اجیہ کی شرارت اس پر بجلی بن کر گری تھی مگر کچھ سوچنے کا موقع ہی نہ ملا لپک جھپک اسے کمرے میں لے جایا گیا اور عادل کے ساتھ والی کرسی پر بٹھا دیا گیا۔

وہ ہراساں کیفیت میں سب کو دیکھ رہی تھی وہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی مگر کوئی اسے موقع دینے کو تیار نہ تھا۔ آن کی آن سب لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے تھے سامنے میز پر مٹھائی کا ڈبہ اور پھولوں کی ٹوکری رکھی تھی۔

اس کا دل یوں لرزنے لگا جیسے خزاں کے موسم میں کسی درخت کی سوکھی شاخ سے لٹکتا تنہا پتا لرزتا ہے۔

''بس تو ٹھیک ہے تیمور اپنے ٹرپ سے واپس آ جائے تو اگلے ہی ہفتے یعنی اس جنوری کی پچیس کو عانیہ اور عادل کا نکاح ہو گا اور رخصتی انشاءاللہ ستمبر میں۔ تب تک عانیہ کی روانگی کے کاغذات بھی تیار ہو جائیں گے۔ بہت مبارک ہو حلیمہ بھابی۔''

جانے کس نے کہا تھا اس کی آنکھ سے پہلا آنسو ٹپکا زندگی اتنی تیز کیوں چلتی ہے؟۔

''یہ تقدیر کا فیصلہ ہے...... اور......'' اسے اپنے وجود سے جان نکلتی محسوس ہوئی تھی۔

''اور یہ فیصلہ مجھے منظور ہے۔ تو مظہر صاحب! آپ کا اور میرا تعلق بس یہیں تک تھا۔'' بالآخر اس کے دماغ نے فیصلہ سنا دیا۔ اس

نے بے حد کرب کے عالم میں آنکھیں موند لی تھیں اور آنسو ایک تواتر سے اس کے گالوں پر بہنے لگے۔ سب ہی اس کے آنسوؤں کو صورتحال کا ردعمل سمجھ رہے تھے۔ چچی نے دلاسا دیتے ہوئے اس کا سر کندھے سے لگا لیا وہ اور شدت سے رونے لگی۔ دل دہائیاں دے رہا تھا دماغ دل کو دلاسا دے رہا تھا خود اسے بھی اب ساری زندگی یہی کرنا تھا۔

''بیٹا! خوشی کے موقع پر آنسو بہانا غلط بات ہے۔ خوشیوں کا استقبال خوشی سے ہی کیا کرتے ہیں چلو شاباش......منہ کھولو۔''

چچی نے مٹھائی کا ٹکڑا اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ عانیہ نے اس ''خوشی'' کا استقبال کرنے کے لیے انتہائی تکلیف دہ کیفیت میں منہ کھول دیا تھا جبکہ اس کا دل سسک اٹھا تھا۔

☆......☆......☆

''ہمیں عانیہ کی والدہ سے ملنا ہے۔'' گیٹ پر موجود اس لڑکی نے اپنا نام بتا کر کہا تھا۔

ثانیہ نے اس پر اعتماد لڑکی کو پہچاننے کی کوشش کی مگر وہ اس لڑکی کو پہچان پائی نہ ہی اس کے عقب میں موجود لڑکے کو، انہیں انتظار کرنے کا کہہ کر وہ اپنے ذہن پر زور ڈالتی ہوئی اندر آ گئی۔

''امی، باہر ایک لڑکا اور ایک لڑکی آئے ہیں وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔''

اس کی پرسوچ نظریں سیدھی عانیہ پر پڑی تھیں۔

''کون ہے! تم نے انہیں اندر نہیں بٹھایا؟'' وہ الماری بند کرتے ہوئے پلٹیں۔

''نام تو دونوں نے ہی نہیں بتایا۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے پوچھنے کا خیال ہی نہیں آیا۔ انہوں نے صرف اتنا کہ انہیں عانیہ کی والدہ سے ملنا ہے۔''

حلیمہ اور عانیہ ایک ساتھ چونکی تھیں اور ایک ساتھ ہی ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔

''وہ کون ہو سکتا ہے؟'' عانیہ نے کندھے اچکا دیے۔

''اچھا میں دیکھتی ہوں۔'' حلیمہ پرسوچ انداز میں کہتی باہر نکل گئیں۔

''تم بھی آ جاتیں۔'' ثانیہ نے اسے پھر سے بال برش کرتے دیکھ کر کہا۔

''آں......ہاں میں آتی ہوں۔''

ثانیہ باہر نکل گئی تب عانیہ نے بے ساختہ گردن موڑ کر کھلے دروازے کی جانب دیکھا کچھ دیر سوچتی رہی پھر بالوں پر بینڈ چڑھا کر کمبل سر تک تان لیا۔ اس کا دل بہت غیر معمولی رفتار سے دھڑک رہا تھا۔

اب کیا ہو گا؟ امی کس قسم کے ردعمل کا اظہار کریں گی؟

ایک بڑا سا سوالیہ نشان اس کے سامنے تن کر کھڑا ہو گیا تھا اور دل جیسے ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں دھڑکنے لگا تھا۔

باہر جو لوگ آئے وہ ان سے واقف نہیں تھی ہاں اتنا ضرور جانتی تھی، انہیں مظہر نے بھیجا ہے وہ مظہر کا دوست اور اس کی بیوی تھے اور مظہر نے ان لوگوں کو اسی کے ایما پر بھیجا تھا۔ عادل سے نکاح کی تاریخ طے ہو جانے والی رات اس کے لیے قیامت کی رات تھی۔ اس سے قبل وہ مظہر کے لیے روتی تھی اس رات وہ اپنی قسمت کے لیے روتی رہی اسے اپنا مستقبل تاریک دکھائی دے رہا تھا اتنا تاریک جس میں روشنی کی ہلکی سی رمق بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

مظہر کے بغیر زندگی کیسی ہو گی! یہ سوال سوچنے میں بڑا عجیب لگتا پچھلے کچھ مہینوں میں جب بھی اپنی آئندہ زندگی کو سوچا مظہر کو اپنے ساتھ پایا۔ عادل سے شادی کر کے صرف اسے مظہر سے الگ نہیں ہونا پڑتا اسے ان سب مراعات سے بھی دست بردار ہونا پڑتا جو مظہر کی زندگی میں شامل ہونے سے اسے حاصل ہوتیں۔

سارے ہی سودے نقصان کے تھے۔

تب اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے مظہر کو خود فون کیا۔ پہلے تو اسے یقین نہیں آیا اور جب یقین آیا تو مشکور ہونے لگا عانیہ نے اس کے سچے جذبوں پر اعتماد کرتے ہوئے تقدیر کے ہیر پھیر کو اس سے الگ ہونے کا جواب نہیں بنایا۔ وہ سنتی رہی، کبھی روتی تو کبھی ہنسنے لگتی۔ وہ مظہر کی محبت پر جتنا بھی ناز کرتی وہ کم تھا پھر اس نے اسے اپنے نکاح کے متعلق بتایا جسے سنتے ہی وہ پریشان ہو گیا اور جھنجھلایا بھی۔

”میں نے تم سے کتنی مرتبہ کہا میں اپنے گھر والوں کو بھیجتا ہوں مگر تم مانی ہی نہیں اور پتا نہیں میں بھی تمہاری بات کیوں مانتا رہا۔ ورنہ اب تک یہ پریشانی ختم ہو گئی ہوتی۔“

وہ جھنجھلاتے ہوئے بولا۔

”تو اب کیا مسئلہ ہے؟۔ ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا۔ آپ اب اپنے گھر والوں کو بھیجیں۔“

مظہر سے بات ہو گئی تھی تو وہ اب خود کو ہلکا پھلکا ہی محسوس کر رہی تھی تبھی تو سب کچھ آسان لگ رہا تھا۔

”یہ سب اتنا بھی آسان نہیں ہے میری جان، جتنا تم سمجھ رہی ہو۔ ڈیٹ فائنل ہو چکی ہے تمہارے گھر میں تیاریاں شروع ہو چکی ہیں تمہیں اس صورتحال میں بھی لگتا ہے تمہاری امی مان جائیں گی۔“

”یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔“ وہ پریشان ہو کر بولی پھر ایک دم اپنا اعتماد بحال کرتے ہوئے پرعزم لہجے میں بولی۔

”عادل سے تو میں کسی قیمت پر شادی نہیں کروں گی...... یہ طے ہے۔“

”ویری گڈ، ڈیٹس دا اسپرٹ۔ لیکن اگر تم کوئی ایسی حماقت کرتیں تو میں دیکھ لیتا اچھی طرح تمہیں بھی اور..... تمہارے اس عادل صاحب کو بھی۔“

''اچھا کیا کرتے آپ؟'' اس کے لہجے میں عادل کے لیے حسد محسوس کر کے وہ محظوظ ہوتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''عادل کو تو گولی مار دیتا اور تمہیں اغوا کر کے لے جاتا اور اگر اغوا نہ کر پاتا تو تمہیں بھی قتل کر کے آلہ قتل سمیت تھانے میں پیش ہو جاتا۔ کیا خیال ہے؟''

اس نے بے حد سنجیدگی سے بتا کر آخر میں اس کی رائے چاہی تو وہ اپنی ہنسی کنٹرول کرتے ہوئے بولی۔

''بہت غلط بات ہے یہاں میرا پریشانی سے برا حال ہے اور آپ کو مذاق سوچ رہا ہے۔''

''مذاق؟...... میں سو فیصد سنجیدہ ہوں بھئی! آزمائش شرط ہے۔''

''لاحول ولا۔ میں آپ کو ایسی آزمائش میں کیوں ڈالنے لگی جس سے زیادہ نقصان بھی میرا اپنا ہی ہے اور آپ فکر نہ کریں میں بھی اپنے نام کی ایک ہی ہوں مر جاؤں گی مگر عادل سے شادی کسی قیمت پر نہیں کروں گی۔''

''اوہو بھئی۔ مریں آپ کے دشمن اور آپ کی اسی ہمت و دلیری نے تو ہمیں جیتا ہوا ہے۔ پتا ہے جب تم مجھ سے خفا ہو گئی تھیں تو میں یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوا کرتا تھا کہ اب محلے میں ہونے والے جھگڑے کون نبٹایا کرے گا؟''

اس کی سنجیدگی مصنوعی تھی۔

''اوہو۔ آپ مجھے سمجھتے کیا ہیں؟'' وہ تلملا کر بولی۔

''اپنی زندگی۔'' وہ برجستگی سے بولی۔ عانیہ پر جیسے حبس زدہ موسم میں ٹھنڈی پھوار پڑنے لگی۔

''تمہاری ناراضی نے تو میری بھوک پیاس اڑائی ہوئی تھی اب سب سے پہلے اچھا سا ڈنر کروں گا پھر سوچوں گا اب کیا کرنا چاہیے۔''

''کیا مطلب؟ آپ اپنے بابا صاحب کو بھیجیں۔ یہاں کا معاملہ میں خود سنبھال لوں گی پھر جب آپ کے بابا صاحب آئیں گے تو امی انکار ہی نہیں کر سکیں گی۔''

''بابا صاحب! یہاں نہیں ہیں انفکیٹ وہ ملک سے ہی باہر ہیں۔ امریکہ میں ان کا بائی پاس ہے۔ تقریباً ایک ماہ تک واپسی کا کوئی چانس نہیں، اب میں سمجھ نہیں پا رہا اپنے بزرگوں کے طور پر کسے بھیجوں میرے تو کوئی چچا تایا بھی نہیں ہیں ڈائریکٹ خود بھی نہیں آ سکتا۔'' وہ کہہ رہا تھا۔

''تم کہو تو آپا بیگم کو بھجوا دوں؟''

''آپا بیگم؟'' اس کے لیے یہ نام نیا تھا۔

''ہوں۔ میری ماں۔'' مظہر نے بتایا پھر بولا۔

’’وہ کراچی میں ہیں لیکن خیر وہاں سے آنا تو کوئی مسئلہ نہیں اصل مسئلہ تو تمہاری امی کا ہے وہ تو بے شک آپا بیگم بھاگی چلی آئیں گی کہ میں انہیں اپنے کسی کام کے لیے پہلی بار زحمت دے رہا ہوں مگر میں ان کا حلیہ اور اطوار تو تبدیل نہیں کروا سکتا تمہاری امی فوراً بھانپ لیں گی کہ وہ کس قسم کی خاتون ہیں اور ان کی وجہ سے میرے نمبر بالکل ہی گھٹ جائیں گے۔‘‘

وہ مایوسی سے کہہ رہا تھا۔

’’نہیں، انہیں نہیں۔‘‘ وہ بھی سوچ میں پڑ گئی۔

’’اچھا ایک کام ہو سکتا ہے۔ میرا ایک کلوز فرینڈ ہے جاوید، ہمارے ان سے فیملی ٹرمز ہیں میں اپنی طرف سے بات کرنے کے لیے جاوید اور اس کی بیوی کو بھجوا دیتا ہوں۔ لیکن بہتر ہوگا ان کی آمد سے قبل تم خود بھی گھر میں ذکر کر دو۔‘‘

میں۔ میں کیسے کہوں گی۔‘‘ وہ گھبرا کر بولی۔

’’او یار! اس میں اتنا گھبرانے کی کیا بات ہے محبت کی ہے یا گناہ؟‘‘

’’اچھا۔ میں کوشش کروں گی۔‘‘ وہ کچھ کچھ آمادہ دکھائی دی۔

’’کل چار بجے ٹھیک رہے گا۔‘‘

’’ہاں ٹھیک رہے گا۔‘‘ اس نے محسوس کیا آنے والے لمحات کا خوف اسکے دل میں سر اٹھا رہا تھا۔ عجیب سی بے چینی، عجیب سا ڈر۔ ساری رات آنکھوں میں کٹی تب ہی وہ اگلی صبح قدرے تاخیر سے بیدار ہوئی تھی۔ شکر ہے آدھا دن تو گزرا، باقی کا دل اس نے ادھر ادھر کے بے سبب کاموں میں صرف کیا اور بالآخر وہ لمحہ آ ہی گیا وہ جو یہ سوچتی رہی تھی کہ یہ کہے گی، وہ کہے گی۔ سب ہی کچھ دماغ میں گڈ مڈ ہونے لگا۔ مظہر سے ہونے والی گفتگو کو از سر نو دوہراتے ہوئے اس نے وہ سب کچھ سوچنا چاہا جو اسے امی سے کہنا تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ دل ہی دل میں اسکرپٹ تیار کر پاتی کسی نے اس پر سے کمبل کھینچ لیا تھا۔

’’یہ کیا بدتمیزی ہے؟‘‘ وہ جھنجھلا کر اٹھ بیٹھی۔ سامنے امی کھڑی تھیں اور ان کے عجیب سے تاثرات نے اسے نظریں چرانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کی جھنجھلاہٹ اور غصہ صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گئے تھے۔

’’تم لوگ باہر جاؤ مجھے عانیہ سے بات کرنی ہے۔‘‘ اس نے امی کو بے حد سنجیدہ لہجے میں کہتے سنا اسے ان کے لہجے سے خوف محسوس ہوا تھا۔

’’لیکن امی!‘‘ یہ ثانیہ کی آواز تھی جو ان کے پیچھے دروازے میں کھڑی تھی۔

’’میں نے کہا ناں جاؤ یہاں سے۔‘‘ وہ غصے سے بولیں۔ عانیہ کی گھبراہٹ میں اضافہ ہوا اسے یاد آیا اس نے کبھی اپنی ماں کو اس لہجے اس انداز میں بات کرتے نہیں سنا۔ اس نے ذرا کی ذرا دروازے کی جانب دیکھا اس کی بہنیں ایک ایک کر کے باہر نکل چکی تھیں اور

کمرے میں خاموشی چھا گئی تھی۔

''مظہر کون ہے؟'' کچھ دیر بعد اس نے امی کی آواز سنی۔ وہ ان کی بات کا جواب دینا چاہتی تھی مگر اس کی آواز حلق میں دب کر رہ گئی تھی۔ یہ مرحلہ اتنا کٹھن ہوگا اسے رتی بھر بھی اندازہ نہیں تھا۔

''تمہیں سنائی نہیں دے رہا؟۔ میں کچھ پوچھ رہی ہوں تم سے۔'' ان کا لہجہ پہلے سے بھی سخت تھا۔

''آپ کیا پوچھ رہی ہیں؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا؟'' بے حد گھبراہٹ کے عالم میں وہ ہاتھ مسلتی پلنگ سے کھڑی ہوئی تھی۔

''ایسا کوئی مشکل سوال نہیں پوچھا کہ جواب نہ دے سکو۔'' انہوں نے بازو سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی جانب موڑا۔

''مجھے صاف صاف بتاؤ مظہر کون ہے؟۔ کہاں ملی تھیں تم اس سے؟۔ کیا تماشا ہے یہ سب۔'' وہ جیسے چیخی تھیں۔

''امی۔'' اس نے کہنا چاہا۔

''مزید کوئی جھوٹ نہیں عانیہ۔ جو بھی کہنا سوچ سمجھ کر کہنا، میری ذہنی سطح اس وقت ایسے ہو رہی ہے کہ شرم سے مر جانے کو جی چاہ رہا ہے۔ میرے اعتماد کا یہ صلہ دیا تم نے۔''

وہ جیسے ضبط کی کڑی منزل سے گزر رہی تھیں۔

''آپ اس بات کو انا کا مسئلہ مت بنائیں امی! کسی کو پسند کرنا کوئی گناہ تو نہیں ہے۔''

اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

''انا کا مسئلہ۔'' وہ گہرے صدمے سے بولیں۔ تمہیں یہ اعتراف کرتے ذرا بھی حیا نہیں آ رہی۔ ان لوگوں نے کہا وہ تمہاری مرضی سے آئے ہیں مجھے یقین تھا وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ اوہ میرے خدا۔ یہ چور دروازے تم نے کہاں سے ڈھونڈ لیے عانیہ!''

''پلیز۔ پلیز امی! مجھ سے خفا مت ہوں۔'' وہ پلٹ کر ایک دم سے پنجوں کے بل ان کے گھٹنے پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔ ''میں آپ کو پہلے بھی بتانا چاہتی تھی مگر میں ڈر گئی تھی۔ مجھے خوف تھا آپ انکار کر دیں گی جبکہ میں مظہر کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ میں اس سے بہت محبت کرتی ہوں امی۔'' اس کے باقی کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے تھے امی نے ایک زوردار طمانچہ اسے رسید کیا تھا۔ وہ پیچھے کی طرف گرتے گرتے سنبھلی۔

''تمہیں اپنی حدود کا پتا نہیں تھا؟ جانتی نہیں تھیں تم کسی اور سے منسوب ہو؟ اس عمر میں بس یہی دیکھنا رہ گیا تھا۔ تمہارے ہی ہاتھوں خاک ڈلنی تھی میرے سر میں۔''

وہ اور بھی کچھ کہہ رہی تھی عانیہ کو سنائی نہیں دے رہا تھا وہ اپنے گال پر ہاتھ رکھے دم بخود اپنی ماں کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے کبھی بھی اس پر ہاتھ نہیں اٹھایا تھا۔ زندگی میں پہلی بار انہوں نے اسے مارا تھا اور اس بات پر مارا تھا جو غلط بھی نہیں تھی۔

''کون سی خاک ڈال دی ہے میں نے آپ کے سر میں؟ جو آپ اتنا واویلا کر رہی ہیں۔''

وہ کھڑی ہوگئی اس کی آواز دھیمی تھی مگر لہجے کی ٹون بدل چکی تھی۔ نہ جھجک نہ خوف۔ حلیمہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا ان کا دل بری طرح سکڑ کر پھیلا تھا۔ خوف زدہ ہونے کی باری اب ان کی تھی۔

''کچھ روز بعد عادل سے تمہارا نکاح ہے اور اب تمہارے لیے رشتہ آ رہا ہے۔ وہ بھی اس شخص کی طرف سے جسے ہم جانتے تک نہیں۔ آسمان سے ٹپکا ہے یا زمین سے اچانک نکلا کچھ پتا نہیں۔ کوئی سنے گا تو کیا کہے گا؟''

''کوئی؟ کوئی کون؟ مجھے کسی کی پروا نہیں ہے۔ جہاں تک عادل سے نکاح کی بات ہے تو یہ سراسر آپ کا فیصلہ ہے آپ نے رشتہ طے کرتے ہوئے مجھ سے پوچھا نہ ہی نکاح طے کرتے ہوئے۔ اپنی باقی بیٹیوں پر آپ نے اپنے شوق پورے کرنے کا نہیں سوچا سارے فیصلے مجھ پر ہی کیوں زبردستی مسلط کرتی رہی ہیں آپ۔ باقی رہی بات مظہر کی، تو وہ آسمان سے ٹپکے ہیں نہ زمین سے نکلے ہیں۔ ہم سے زیادہ شریف، عزت دار اور دولت مند خاندان سے تعلق ہے ان کا۔''

''واہ کیا عزت دار اور شریف شخص ہے۔ ماں باپ نہیں تھے اس کے گھر میں جو رشتہ لے کر آتے۔'' وہ اس کی ساری باتوں میں سے اسی بات کا جواب دے سکتی تھیں سو دیا۔ عانیہ ایک پل کے لیے گڑبڑائی تھی۔

''وہ ملک سے باہر ہیں۔ مظہر کے فادر کا آپریشن ہے۔ وہ یہاں ہوتے تو وہی آتے۔''

''وہ لوگ نہیں آئے خواہ کچھ بھی مجبوریاں تھیں۔ وہ لوگ آتے تو میں شاید سوچنے کا وقت بھی لیتی مگر اب نہیں۔ میں انکار کر چکی ہوں تم اپنا ذہن تیار کر لو چار روز بعد تمہارا نکاح عادل سے ضرور ہوگا۔'' انہوں نے فیصلہ سنایا۔

''یہ ناممکن ہے امی! میں شادی کروں گی تو صرف مظہر سے۔'' وہ بغاوت پر آمادہ تھی ہٹ دھرمی سے بولی۔

''اور میں کیا جواب دوں گی سب کو!'' وہ جھلا کر کچھ بے یقینی سے بولیں۔

''یہ آپ کا دردِ سر ہے میرا نہیں۔'' وہ لاتعلقی سے بولی۔

''تمہارا دماغ چل گیا ہے عانیہ!'' وہ اس کی ہٹ دھرمی کے سامنے اپنی بے بسی ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھیں پھر بھی انہیں لگ رہا تھا وہ کمزور پڑتی جا رہی ہیں۔

''آپ جو بھی سمجھیں فیصلہ میں کر چکی ہوں۔''

''کس نے دیا تمہیں یہ اختیار کہ فیصلہ کرو۔''

''زندگی میری ہے۔'' اس نے جتایا۔

''بس یہی زعم تمہیں ہتھے سے اکھاڑ رہا ہے۔ مجھے صرف اتنا بتا دو تم اس شخص سے کہاں ملیں؟''

''یہ بات آپ نہ پوچھیں۔ اہم بات صرف یہ ہے کہ مظہر میرے لیے بہت اہم ہیں۔''

''عانیہ۔ بے وقوفی مت کرو۔ مجھے یہ احساس مت دلاؤ تم پر اعتماد کر کے میں نے بہت بڑی غلطی کی۔ عادل میں کیا کمی ہے، وہ تمہیں بہت خوش رکھ سکتا ہے۔'' وہ تھک ہار کر منتیں کرنے لگیں۔

''مظہر کے علاوہ مجھے اب اس دنیا کا کوئی شخص خوشی نہیں دے سکتا۔''

''ایسے کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں اس میں؟''

''مظہر کے پاس وہ سب کچھ ہے امی جو مجھے چاہیے۔ دولت، پیسہ، امارت۔ میں اس سسکتی ہوئی زندگی سے تنگ آ چکی ہوں جہاں چھوٹی چھوٹی ضروریات کے لیے ایک دوسرے کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ عادل بھی جو زندگی مجھے دے گا وہ ایسی ہی یا اس سے کچھ ہی بہتر ہوگی۔ مجھے ایسی زندگی نہیں چاہیے۔ سب سے بڑی بات مظہر جیسا محبت کرنے والا شخص نہیں ہوگا۔''

''میں ساری زندگی خوشیوں کو ترسی ہوں عانیہ! بڑی مشکل سے اس گھر کو اور مجھے تمہارے حوالے سے اک خوشی ملنے جا رہی ہے تمہیں اللہ کا واسطہ ہے اسے ہم سے مت چھینو۔''

''آپ کو صرف اپنی خوشیوں کی پروا ہے میری نہیں۔''

''تم میری بیٹی ہو سب سے زیادہ تو تمہاری ہی خوشی اہم ہے میرے لیے۔ مگر تم خود سوچو صرف چند دن رہ گئے ہیں تمہارے نکاح کا جوڑا تک آ چکا ہے۔''

''اور آپ نے وہ جوڑا دیکھا۔ چچی رفعت کو اس سے گھٹیا اور سستا جوڑا پورے لاہور میں نہیں ملا۔''

''تم خلوص کو پیسوں سے کیوں تول رہی ہو؟ ان لوگوں نے تب ہمارا ساتھ دیا جب ہم دنیا میں اکیلے تھے۔''

''اور آپ ان کے احسان کا بدلہ مجھے ان کے بیٹے کی جھولی میں ڈال کر چکانا چاہتی ہیں۔''

''یہ سچ نہیں ہے۔''

''یہی سچ ہے۔''

''میں تمہاری غلط فہمی کیسے دور کروں؟'' وہ زچ ہو کر بولیں۔

''بس اتنی زحمت کریں میری زندگی مجھے میری پسند سے گزارنے دیں۔''

''ناممکن۔'' بہر حال وہ پختہ لہجے میں گویا ہوئیں۔

''میں بتا چکی ہوں تمہاری شادی صرف عادل سے ہوگی۔ تمہارا کوئی بھی احمقانہ فیصلہ مان کر میں سارے خاندان کو خود سے منہ موڑتے نہیں دیکھ سکتی۔''

''اور میں بھی آپ کو بتا رہی ہوں اگر میرے ساتھ زبردستی کی گئی تو میں زہر کھا لوں گی۔ میری قربانی دے کر آپ اپنی زبان کی

پاس داری پر خوش ہوتی رہیے گا۔'' انہیں کمرے سے باہر نکلتا دیکھ کر وہ زور سے چلائی تھی مگر امی نے پلٹ کر نہ دیکھا۔ وہ دلبرداشتہ ہو کر رونے لگی پھر میز پر رکھا گلاس اٹھا کر دیوار میں دے مارا۔

''عانیہ!''

''دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ مجھے کسی کی شکل نہیں دیکھنی۔'' وہ پلنگ پر گر کر زور سے رونے لگی۔ ثانیہ خاموشی سے اس کمرے کی طرف پلٹ گئی جہاں امی گئی تھیں۔

☆......☆......☆

''مجھے سمجھانے کی بجائے اس بے وقوف لڑکی کو سمجھانے کی کوشش کرو ثانیہ! کہ وہ یہ احمقانہ خیال دل سے نکال دے۔''

بے بسی، دکھ، جھلاہٹ سب ہی کچھ تھا حلیمہ کے لہجے میں۔

''کچھ عرصہ پہلے یہ معاملہ اٹھا ہوتا تو شاید کوئی صورت نکل ہی آتی۔ مگر اب...... جبکہ اتنا تھوڑا وقت۔ اوہ میرے اللہ۔ میں کیسے انکار...... لوگ کیا کہیں گے۔'' ان کے ٹوٹے پھوٹے جملے ان کی ذہنی ابتری کی نشاندہی کر رہے تھے۔ ثانیہ کو ان پر ترس آیا۔

''کل شام سے مجھے ایسا لگ رہا ہے میرا دماغ پھٹ جائے گا۔ کتنا اعتماد تھا مجھے اس پر لیکن...... تم نے دیکھا وہ اس لڑکے کے بارے میں کتنے کانفیڈنس سے بات کر رہی تھی۔ وہ ملا کہاں ہوگا عانیہ کو۔ وہ تو ثنا کے گھر کے علاوہ کہیں جاتی بھی نہیں ہے۔ اور پھر پتا نہیں وہ کس قسم کی ذہنیت کا مالک ہوگا۔ تم نے اس سے پوچھا وہ اس سے کہاں ملی؟''

''وہ کچھ بتانے پر راضی ہوگی تب ناں۔'' ثانیہ نے مایوسی سے کہا۔

''بہت ضدی ہے عانیہ! مجھے لگ رہا ہے میرے لاڈ پیار نے اور اس کی ضدیں اپنی محبت میں مان مان کر میں نے ہی اسے سر چڑھایا ہے جو وہ آج یہ دن دکھا رہی ہے مگر اب میں اس کی بات کسی قیمت پر نہیں مان سکتی۔ صرف اسی کو تو نہیں بیاہنا مجھے۔ آج عادل کے لیے خود انکار کر دوں وہ بھی عین وقت پر تو باقی بیٹیوں کے لیے کون آئے گا اس گھر میں۔ لوگ کیا کہیں گے؟ کیا عزت رہ جائے گی ہماری۔''

ان کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔

''امی! عانیہ نے کل شام سے کچھ نہیں کھایا۔ وہ رو رو کر مر جائے گی۔'' ثانیہ نے چند لمحوں کے بعد ڈرتے ڈرتے کہا۔

حلیمہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئی تھیں۔ ان کے دل کو کچھ ہوا تھا اپنی بیٹیوں کے پیٹ بھرنے کے لیے، ایک اچھی پر سہولت زندگی انہیں فراہم کرنے کے لیے انہوں نے اپنی زندگی میں ایک طویل جدوجہد کی تھی۔ اپنی بساط سے بڑھ کر انہیں آسائشات فراہم کرنے کی کوشش کی تھی۔ خصوصاً عانیہ کے تو بچپن سے ہی انہوں نے بہت ناز اٹھائے تھے آج وہ اتنی دیر سے بھوکی تھی تو کیسے ممکن تھا انہیں کچھ محسوس نہ ہوتا۔

''تو کیا کروں؟'' وہ بے بسی سے بولیں۔

''اپنی عزت اتار کر اس کے قدموں میں رکھ دوں کہ جاؤ بی بی جہاں مرضی جیسے دل کرے رولتی پھرو۔''

''میں یہ کب کہہ رہی ہوں۔'' انہیں نرم پڑتا دیکھ کر وہ سرعت سے ان کے قریب آ بیٹھی۔

''لیکن امی! یہ معاملہ آرام سکون سے بیٹھ کر تو سلجھایا جا سکتا ہے۔ عانیہ کم عقل ہے ہم اسے پیار سے سمجھائیں گے تو وہ سمجھ جائے گی۔''

''تم نے اس کے اطوار دیکھے ہیں۔'' وہ جھنجھلا کر بولیں۔

''ہم لاکھ کوشش کریں اسے سمجھانے کی۔ وہ نہیں سمجھے گی، پتا نہیں اس شخص نے کیا گھول کر پلایا ہے اسے۔''

''امی! وہ آپ کی بیٹی ہے ہماری بہن ہے کوئی اسے کچھ بھی پلائے کچھ بھی اس کے دماغ میں ڈالے لیکن مجھے یقین ہے پیار سے سمجھائیں گے تو وہ سمجھ جائے گی۔ وہ بچپن سے ہی ضدی رہی ہے اس سے پہلے بھی تو کتنے معاملات میں اسے سمجھانا پڑتا رہا ہے فرق صرف اتنا تھا کہ وہ چھوٹی اور معمولی باتیں تھیں۔''

''اور وہ کیسے سمجھتی رہتی ہے؟ صرف تب جب اس کے مطالبات مانے جاتے رہے ہیں میں اس کا یہ مطالبہ نہیں مان سکتی ثانیہ! تم خود سوچو کیا کمی ہے عادل میں؟ اس گھرانے میں؟ اگر تم مجھے ایک بھی خامی یا کمی بتا دو تو میں عانیہ کی بات پر غور کرنے کا وعدہ کرتی ہوں۔''

''یہ بات مجھے نہیں عانیہ کو بتانے کی ضرورت ہے امی۔'' وہ عاجزی سے بولی۔

''رہنے دو، کوئی ضرورت نہیں۔ وہ آگ سے کھیلنا چاہے تو میں صرف اسے خوش کرنے کے لیے اسے جانے دوں گی؟ وہ پاگل ہو رہی ہے کم عقل ہے بے وقوف۔

میں نے سوچ لیا ہے اب کیا کرنا ہے۔ اب تک نرمی سے بات کرتی رہی ہوں میری نرمی کو وہ کمزوری سمجھ رہی ہے۔

اس گھر سے بدگمانی دل میں لے کر جانا اس کی پسند ہے تو اس کی مرضی۔ میں اشفاق صاحب سے بات کرتی ہوں اس پچیس کو صرف نکاح نہیں رخصتی بھی ہوگی اس کی نکیل ڈالنے کا ایک یہی طریقہ ہو سکتا ہے۔''

بہت پریشانی کی کیفیت میں بے حد تھک ہار کر آخری آپشن جیسے چنا جاتا ہے ویسے ہی انہوں نے فیصلہ سنایا اور پیر زمین پر رکھ کر چپل کی تلاش میں یہاں وہاں پیر مارنے لگیں عجیب غائب دماغی تھی۔

ثانیہ نے انکی غائب دماغی بھانپی پھر دروازے کے قریب پڑی چپل اٹھا کر انکے پیروں کے قریب رکھتے ہوئے آہستگی سے بولی۔

''اور اگر اس نے عین نکاح کے وقت انکار کر دیا تو؟'' اس کا لہجہ اس خدشے کے تحت کپکپا رہا تھا۔ حلیمہ نے بے ساختہ اس کی جانب دیکھا ان کے چہرے پر سراسیمگی پھیل گئی تھی۔

''مجھے پتا ہے امی! آپ بہت پریشان ہیں ہم سب بھی ہیں۔ مگر صرف پریشان ہونے یا پریشان ہو کر عجلت میں فیصلہ کرنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ عانیہ اتنی ضدی اور خودسر ہے کہ کوئی بھی انتہائی قدم اٹھاتے ہوئے ذرا بھی نہیں سوچے گی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے

پیار سے ٹھنڈا کیا جائے اسے بتایا جائے کہ اس کا فائدہ کس چیز میں ہے۔

اسے اعتماد دلانا پڑے گا کہ ہم اس کا برا نہیں سوچ سکتے میں سوچ رہی تھی کہ اگر ایک بار اس لڑکے سے مل لیا جائے تو۔''

''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگا۔'' گو کہ ثانیہ اپنی طرف سے بہت سنبھل کر منتخب الفاظ کے ساتھ بول رہی تھی پھر بھی حلیمہ اس کی بات سن کر بھڑک اٹھیں جس کی اسے توقع تھی۔

''امی! کم سے کم پتا تو چلے وہ لڑکا مخلص بھی ہے یا نہیں۔ ہوسکتا ہے وہ عادل سے زیادہ ہی اچھا ہو۔'' اس نے جلدی سے اپنا نقطہ واضح کیا۔

''تم تو عانیہ سے بھی بڑھ کر بے وقوف ثابت ہو رہی ہو۔ جاؤ یہاں سے اللہ کے لیے۔ میرا دماغ خراب ہے پہلے ہی اور مت کرو۔ وہ عادل سے ہزار گنا بھی اچھا ہو تو عانیہ کے لیے عادل ہی میری آخری پسند ہوگا۔''

''آپ اپنے پوائنٹ آف ویو میں غلط نہیں ہیں امی! لیکن ایک بات ذہن میں رکھیے گا، اس ضدی لڑکی نے خود کو کوئی نقصان پہنچا لیا تو یہ ملال آپ کے دل سے کبھی نہیں جائے گا۔ آپ اپنی طرف سے درست فیصلہ کرتے ہوئے عادل کو اس کے لیے چنتی ہیں لیکن وہ اس کے ساتھ خوش نہیں رہتی تو کیا آپ خوش رہ سکیں گی؟

دنیا کی پروا مت کریں امی! صرف عانیہ کی خوشی کا سوچیں ہمارا تھوڑا نقصان ہو بھی گیا تو کوئی بات نہیں کم سے کم عانیہ تو خوش رہے گی۔''

وہ کہہ کر رکی نہیں فوراً ہی نکل گئی۔ بلی تھیلے سے باہر آ چکی تھی کڑی سے کڑی مل رہی تھی بہت کچھ سمجھ آ رہا تھا مگر ابھی بہت کچھ ایسا بھی تھا جو مسلسل ذہن میں سوال اٹھا رہا تھا مگر واضح نہ ہوتا تھا۔

اس نے سر جھٹکا ابھی سب سے اہم سوال تو یہی تھا کہ اس ساری صورتحال سے نبٹا کیسے جائے۔

''کیا ہوا؟'' شفق نے اسے کمرے میں داخل ہوتا دیکھ کر جلدی سے پوچھا۔ ثانیہ نے بے حد مایوسی سے کندھے اچکاتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

''عانیہ تو کچھ سننے کو تیار نہیں ہے دوسری طرف امی بھی کسی طرح نرمی نہیں دکھا رہیں۔''

وہ پلنگ پر پیر اوپر کر کے بیٹھ گئی تھی۔ ''ان کا خیال ہے ان کی نرمی عانیہ کو شہ دے رہی ہے۔''

''غلط تو خیر نہیں لگ رہا۔'' فرحین آہستگی سے بولی۔ ان سب کے درمیان خاموشی کا طویل وقفہ حائل ہوا تھا۔

''وہ شخص کون ہوسکتا ہے؟ میں تو دور نزدیک کے تمام رشتہ دار، اہل محلّہ، دوست احباب سب کو سوچ چکی ہوں لیکن بہت زیادہ سوچنے کے بعد بھی نہ تو مجھے اس نام کا کوئی شخص یاد آ رہا ہے نہ ہی کوئی ایسا جس کے متعلق عانیہ نے کبھی پسندیدگی کا اظہار کیا ہو۔'' شفق نے

خود کلامی کے سے انداز میں کہا۔

"وہ کوئی بھی ہو۔سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس کی وجہ سے ہمارے گھر میں اتنی بڑی پریشانی آئی ہے اور جس کا صرف ذکر ہی ہمارے گھر کے سکون کو برباد کر رہا ہے وہ اچھا کیسے ہوسکتا ہے۔" نرمین جلبلا کر بولی۔

"جذباتی مت ہونرمین!" ثانیہ نے کہا۔"یہ ساری باتیں چھوڑ کر ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ اس مصیبت سے نکلنا کیسے ہے۔"

اسی وقت حلیمہ کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ثانیہ خاموش ہوکر ان کا چہرہ دیکھنے لگی وہ بہت تھکی ہوئی لگ رہی تھیں۔

"پکانا کیا ہے؟"

"مکس سبزی بنا رہی ہے شفق!" ثانیہ نے کہا۔

"تقریباً بن گئی۔"اب کی بار شفق نے کہا۔

"ثانیہ،اٹھ کر دال روٹی ڈال دو دوپہر میں کسی نے کھانا نہیں کھایا اب تو بھوک لگ رہی ہوگی اور" وہ جاتے جاتے پلٹیں۔"اور ہاں عانیہ کہاں ہے؟"

"صبح سے اوپر اسٹور میں بند ہے۔" ثانیہ نے کہا۔

حلیمہ وہیں دروازے کے پاس کھڑی سوچتی رہیں پھر آہستگی سے بولیں۔

"جاکر اس سے کہو نیچے آکر کھانا کھائے،اور......اور یہ کہ میں اس لڑکے سے ملنا چاہتی ہوں۔"

ثانیہ کے دل میں جیسے سکون اترا تھا۔امی کی نرمی ظاہر کر رہی تھی کہ معاملہ کسی بڑے نقصان کے بغیر بھی سلجھ سکتا ہے۔

"جی اچھا۔"

حلیمہ پلٹیں اور ٹھٹکیں پتہ نہیں عانیہ کب ان کے عقب میں آکھڑی ہوئی تھی،اس کے چہرے پر بے یقینی سی تھی پھر اچانک وہ ان کے گلے لگ گئی۔

"تھینک یو۔تھینک یو امی۔" وہ کچھ دیر بہت پرجوش طریقے سے انہیں بھینچتی رہی پھر اسے احساس ہوا کہ اس کے جواب میں امی کا انداز بہت سرد تھا۔وہ دل میں قدرے شرمندگی لیے ان سے الگ ہوئی۔

"گو کہ میں یہ نہیں چاہتی تھی لیکن صرف تمہاری خوشی کی خاطر میں اس لڑکے سے مل رہی ہوں مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں نے اسے اوکے کر دیا ہے۔ایک بات تم اپنے ذہن میں رکھو اگر وہ مجھے پسند نہیں آیا یا کسی بھی لحاظ سے تمہارے لائق نہیں لگا تو پھر تمہیں میری بات ماننا ہوگی یعنی عادل سے شادی۔"

"اسکی نوبت ہی نہیں آئے گی۔" وہ انکی بات قطع کرتے ہوئے سو فیصد یقین سے بولی۔حلیمہ کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا تھا۔

”درمیان میں صرف چار دن ہیں تم اس سے کہو وہ کل آکر مجھ سے ملے۔“ وہ آگے بڑھ گئیں پھر رک کر پلٹیں۔

”کل ساڑھے بارہ بجے وہ اسکول آجائے۔ میں اس سے وہیں ملوں گی۔“

”لیکن گھر پر۔“ اس نے کہنا چاہا۔

”نہیں، گھر آنے کی ضرورت نہیں فی الحال اسے اسکول کا کہہ دو۔“ انہوں نے دوٹوک کہا۔ عانیہ نے چند لمحے سوچا پھر سارے خدشات پس پشت ڈالتی تمتماتے چہرے کے ساتھ ٹیلی فون اسٹینڈ کی طرف دوڑ گئی۔ اس کی بہنوں کی نظریں اس پر تھیں مگر اب کسی کا خوف نہیں رہا تھا۔

❁ ❁

ناول **بساطِ دل** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات آپ آنے والی ان تاریخوں (15th, 20th, 25th) میں پڑھ سکیں گے۔

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
امایہ سردار خان کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

اک فسون تو

آپ کو ایک ماہ انتظار کی ضرورت نہیں ہوگی، یہ اقساط ہر **جمعرات** کتاب گھر پر پیش کی جائیں گی۔

http://kitaabghar.com

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
عشنا کوثر سردار کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

مجھے محبت کا قرینہ دو

آپ کو ایک ماہ انتظار کی ضرورت نہیں ہوگی، یہ اقساط ہر ہفتہ کتاب گھر پر پیش کی جائیں گی۔

http://kitaabghar.com

کھانا بے حد خاموشی سے کھایا گیا تھا۔

کچھ نہ کچھ اطمینان تو بہرحال سب نے ہی محسوس کیا تھا آنے والے لمحات میں کسی اچھائی کی امید ہو تو گزرے ہوئے جان لیوا لمحات کا اثر یوں بھی کم لگنے لگتا ہے۔ کچھ ایسی ہی کیفیت سارے گھر پر چھائی ہوئی تھی۔ دوسری طرف عانیہ خوش، مطمئن، شاداں وفرحاں، اپنی فیلنگز ان سب سے شیئر کرنے کو بے تاب تھی۔ جب تک نہیں بتایا تھا ایسی بے چینی نہیں ہوئی تھی ابھی کچھ دیر قبل اس نے ان سب کے سامنے مظہر سے بات کی تھی اب چونکہ کوئی بات راز نہیں رہی تھی تو وہ کھل کر بات کرنا چاہتی تھی۔ خود انہیں تو توفیق نہ ہوئی پوچھنے کی۔

''اچھا ہوتا امی مظہر کو گھر پر ہی بلوا لیتیں۔ اس بہانے تم لوگ بھی مل لیتے۔'' بغیر کسی شرمندگی و پشیمانی کے اس نے بات کا آغاز کیا تھا۔

''ہمیں ملوانے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ ملیں یہی بہت ہے۔''

نرمین کی زبان بھی نہیں رکتی تھی اس وقت بھی بڑے آرام سے طنز کر گئی۔

''کیوں؟۔ کیا تمہیں اپنے بڑے بہنوئی سے ملنے کا شوق نہیں ہے۔'' اتنی خوشی میں چھوٹی موٹی باتیں نظر انداز کی جا ہی سکتی تھیں تبھی انجان بن کر بے تکلفی سے پوچھنے لگی مگر ثانیہ چونکی تھی اور ٹھٹک کر عانیہ کو دیکھا تھا جو بہت مطمئن اور خوش دکھائی دے رہی تھی۔

''اتنی دور کی مت سوچو۔'' اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ ''تم نے سنا نہیں امی نے کیا کہا ہے۔ اگر وہ انہیں پسند نہیں آیا۔''

''اور تم نے سنا نہیں میں نے کیا کہا۔'' عانیہ نے خوش دلی سے اس کی بات قطع کی تھی۔

''اس کی نوبت ہی نہیں آئے گی مظہر میں ایسی کوئی خامی ہے ہی نہیں کہ امی انہیں ریجیکٹ کریں۔ تم دیکھ لینا امی ایک نظر میں انہیں اوکے کر دیں گی۔ وہ اتنی اچھی اور سوفٹ نیچر کے مالک ہیں پھر تمہیں پتا ہے ان کے پاس کتنا پیسہ ہے؟ اتنا جتنا ہم جیسے لوگ خواب میں بھی نہیں دیکھ سکتے۔''

''ہم جیسے لوگوں سے تمہاری کیا مراد ہے؟'' ثانیہ نے قدرے ناگواری سے بات کاٹی۔

''بے شک ہمارے پاس پیسہ نہیں ہے لیکن کیا ہم عزت سے روٹی نہیں کھاتے۔ کیا ہمیں دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑتا ہے؟''

نرمین بے زار ہو کر کمرے سے باہر جا چکی تھی۔

''میرا کہنے کا یہ مطلب نہیں تھا۔'' عانیہ نے تحمل سے کہا۔

''لیکن ہمیشہ کھانا کھانا ہی اہم نہیں ہوتا کچھ اور ضروریات بھی ہوتی ہیں جو انسان کا دل چاہتا ہے کہ ایٹ اے ٹائم پوری ہوں۔'' کچھ تو وہ خوش تھی اور کچھ وہ فی الحال کسی سے بھی اختلاف کر کے اپنے حامی کم کرنا نہیں چاہتی تھی لیکن اپنی بات تو سمجھانا ہی تھی۔

"وہ کون سی ضروریات ہیں جو تمہاری اس گھر میں رہتے پوری نہیں ہوتیں یا انہیں عادل پورا نہیں کر پائے گا؟"

"ثانیہ! میں بہت خوش ہوں اور میری خوشی غارت مت کرو اب تو میں تھک چکی ہوں بتاتے بتاتے کہ مجھ سے دانتوں سے پکڑ پکڑ کر پیسہ خرچ نہیں کیا جاتا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں مارکیٹ جاؤں تو کچھ بھی خریدتے ہوئے مجھے جوڑ توڑ نہ کرنا پڑے۔ بس جو اچھا لگے میں اسے خرید لوں جب میں سڑک سے گزر رہی ہوتی ہوں تو قریب سے گزرتی گاڑیاں دیکھ کر مجھے وحشت ہوتی ہے۔ مجھے اپنا آپ کیڑے مکوڑوں کی طرح لگتا ہے۔ عادل مجھے اتنا پیسہ نہیں دے سکتا مظہر دے سکتے ہیں ان سے شادی کر کے صرف پیسہ نہیں ملے گا مجھے۔ میرا لائف اسٹائل بھی ہائی ہو جائے گا مجھے کسی ڈربے نما گھر میں نہیں رہنا پڑے گا۔"

"بہت سا پیسہ زندگی سے سکون چھین لیتا ہے۔ یاد رہے۔" ثانیہ کے خیالات گو کہ اس کے لیے نئے نہیں تھے پھر بھی اسے دکھ ہو رہا تھا۔ جانے کیوں۔

"بددعائیں تو مت دو۔ اور ایسا ہمیشہ نہیں بھی ہوتا دراصل ٹی وی ڈرامے، فلمیں دیکھ دیکھ کر ہمارے ذہن میں یہ کانسپٹ سا بن گیا ہے کہ دولت کے ساتھ برائیاں بھی ہوتی ہیں مگر جہاں محبت ہو وہاں برائیوں پر قابو بھی پایا جا سکتا ہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ دولت ہر ایک کے ذہن پر غلط ہی اثر ڈالے۔ اچھائی، برائی، غلط درست میں فرق کرنے کی صلاحیت تو ہر ایک کے پاس ہوتی ہے۔ تم مظہر سے ملو گی تو تمہیں پتا چلے گا دولت کے باوجود ان کی شخصیت میں کتنی عاجزی ہے۔"

"اس کا مطلب تم نے اس شخص کا انتخاب صرف اس لیے کیا کہ وہ دولت مند ہے؟" کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے اچانک پوچھا۔

عانیہ کے سر پر جیسے کوئی پتھر گرا تھا اس نے چونک کر ثانیہ کی جانب دیکھا جو بغور اس کی جانب دیکھتی اس کے جواب کی منتظر تھی۔ وہ فوراً جواب نہ دے سکی یہ سوال کے لیے غیر متوقع تھا۔

"نہیں۔ میں نے اس کا انتخاب صرف اس لیے نہیں کیا کہ وہ دولت مند ہے میں نے اس کا انتخاب اس لیے کیا کہ وہ مجھ سے بہت محبت کرتا ہے۔" اس نے سنبھل کر جواب دیا۔

"محبت تو عادل بھی کرتا ہے۔" ثانیہ نے سرعت سے کہا عانیہ ایک بار پھر فوری طور پر کچھ نہ کہہ سکی۔

"میں اتنی خوبصورت ہوں کہ کوئی بھی میری محبت میں مبتلا ہو سکتا ہے۔" چند لمحے بعد اس نے کہا۔

"میں جانتی ہوں عادل مجھ سے محبت کرتا ہے مگر ایک تو یہ کہ کبھی اس نے اظہار نہیں کیا اور مجھے انا پرست مرد پسند نہیں ہیں اور دوسری بات یہ کہ میں اس سے محبت نہیں کرتی۔ یہ بات سب سے اہم ہے۔"

ثانیہ نے پھر تاسف سے اسے دیکھا اتنی خود پسندی۔

”خوبصورت لڑکی! تم ایک اظہار پر قربان ہو رہی ہو؟“ اس کا پرتاسف لہجہ طنزیہ بھی تھا۔

عانیہ ہنسی۔ ”خوبصورت لڑکی اس جذبے پر قربان ہو رہی ہے جو مظہر کے دل میں اس کے لیے ہے۔“

”اپنے دل کی بات کرو ورنہ محبت تو عادل کے دل میں بھی ہے۔“

”یار! تم سب لوگوں کو عادل کی اتنی فکر کیوں ہے؟ بہن میں ہوں تمہاری یا وہ؟“ وہ بے زار ہوئی پھر ایک دم بولی۔

”ویسے ایک آئیڈیا ہے میرے ذہن میں اگر تم اس پر غور کرو تو۔“ اس نے چند لمحوں کا توقف کیا تھا۔

”دیکھو میری شادی تو مظہر سے ہو ہی جائے گی تو عادل کی شادی اگر تم سے......“

”بکواس مت کرو عانیہ۔“ اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا تھا۔

”دیکھو اس میں برا ماننے کی کوئی بات نہیں ہے میں تو صرف ایک آئیڈیا۔“

”سنبھال کر رکھو اپنے آئیڈیاز، پتا نہیں تم کیا چیز ہو، اپنی عزت کروانا تو تمہیں آیا نہیں اب تک۔ کم سے کم کسی دوسرے کی عزت تو کرنا سیکھ لو۔“

”میں نے کس کی بے عزتی کر دی اور کس قدر دوغلی ہو تم۔ عادل کی تعریفوں میں زمین آسمان کے قلابے ملاتی رہی ہو تو جو شخص تمہاری نظر میں میرے لیے اچھا ہو سکتا ہے وہ خود تمہارے لیے کیوں نہیں۔ میں تمہاری طرح تو نہیں ہوں کہ صرف اپنا ہی فائدہ سوچ لوں۔ اور آخر اس میں برائی بھی کیا ہے خود تمہارا ہی بھلا ہے ویسے تو پتا نہیں کب تمہاری نیا پار لگے گی۔“

وہ خود پسند یا مغرور ہی نہیں بے حس اور بے رحم بھی تھی۔ ثانیہ کو اس پر غصہ آنے کی بجائے خود پر ہنسی آئی تھی۔ پتا نہیں وہ ہر بار عانیہ سے کوئی اچھی امید لگا کر کیوں بیٹھ جاتی تھی۔ جسے پتا نہیں اپنے الفاظ کی بدصورتی کا احساس تھا بھی یا نہیں۔ وہ تاسف بھری مسکراہٹ کے ساتھ نفی میں سر ہلاتی کچھ بھی کہے بنا کمرے سے باہر نکل گئی۔ عانیہ نے اسے جاتے دیکھا اور جھنجھلا کر بڑبڑانے لگی۔

”زیادہ ہی محترمہ کا دماغ ساتویں آسمان پر پہنچا ہوا ہے جب اسی گھر میں بیٹھے روپے روپے کو ترستے بوڑھا ہونا پڑے گا تب عقل ٹھکانے آئے گی۔“

☆......☆......☆

”تمہیں کسی نے تمیز نہیں سکھائی۔ یہ کیا منہ اٹھائے اندر گھسے چلے آ رہے ہو۔“

مومنہ دروازہ کھولنے آئی تھی لیکن اس لڑکے کو بے تکلفی سے اندر آتا دیکھ کر بری طرح بھڑک اٹھی تھی۔ جواباً وہ جو اپنی دھن میں سلائی مشین سر پر رکھے اندر آ رہا تھا اس کے اچانک سر پر آ کر چلانے سے ایک لمحے کو تو بری طرح سے ڈر گیا پھر بغور اس کی جانب دیکھا اور اپنی جھینپ مٹانے کو ڈپٹ کر بولا۔

''اور تمہیں کسی نے تمیز نہیں سکھائی کہ بڑوں سے کس طرح بات کی جاتی ہے۔''

''آہا۔تم کہاں سے میرے بزرگ ہوگئے۔اور میں کیوں کروں تم سے تمیز سے بات۔میرے ابو کے ملازم ہو تم۔'' پچھلی چند ملاقاتوں میں وہ اسے اتنا برا لگا تھا اور ابھی بھی اس کا یوں جتانا ناگوار بھی گزرا فوراً ہی نخوت سے ناک چڑھا کر اسے اسکی اوقات یاد دلادی۔

''اوہو، ہو، ہو۔میں تو بھول ہی گیا تھا سارے جاہل، ملازموں سے ایسے ہی بدتمیزی سے بات کیا کرتے ہیں۔'' وہ بھی چبا کر بولا۔

''جاہل ہوگے تم خود۔'' وہ غرائی۔

''ظفر نام ہے میرا۔اب مجھے کسی الٹے سیدھے نام سے پکارا تو بہت بری طرح پیش آؤں گا۔''

مومنہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''تم۔تم۔'' فوری طور پر کیا کہے سمجھ نہ آیا۔''میں ابو سے شکایت لاؤں گی تمہاری۔''

''ارے میں تو ڈر گیا دیکھو کتنی بری طرح سے خوف سے کانپ رہا ہوں۔'' وہ چڑ کر بولا۔مومنہ حیرت سے اس کی شکل دیکھنے لگی کیوں کہ الفاظ لہجے کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

''اب کیا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر میری شکل دیکھ رہی ہو۔ہٹو سامنے سے۔نظر نہیں آتا اتنی بھاری مشین اٹھائی ہوئی ہے میں نے۔''

''ارے ظفر۔لے آئے مشین۔'' اس سے پہلے کہ وہ پھر سے کوئی جواب دیتی عقب سے اسما کی آواز آئی تھی۔

''لے آیا ہوں چاچی! لیکن یہ آپ کی بیٹی تھانیدارنیوں کی طرح راستے میں روک کر کھڑی ہوگئی ہے۔یہ اندر جانے دے تو میں مشین رکھوں۔''

مومنہ امی سے شکایت کرنا چاہتی تھی مگر انہوں نے موقع نہیں دیا۔

''اس کا تو دماغ خراب ہے۔تم آؤ اندر۔'' وہ چڑ کر بولیں۔

''واہ۔چاچی کے اور میرے خیالات کتنے ملتے ہیں۔'' اس کے قریب سے گزرتے ہوئے وہ اتنی دھیمی آواز میں بولا تھا کہ صرف مومنہ ہی سن کی۔اور اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی بس نہیں چلا کہ اس کی گردن ہی چبا ڈالے۔

وہ اسے بہت برا لگتا تھا حالانکہ وہ اسے کچھ کہتا نہیں تھا بس اسے دیکھتے ہی اپنی ناک کھجانا شروع کر دیتا تھا اور مومنہ کو آگ لگ جاتی تھی۔دل چاہتا سو جوتے اس کے سر پر مارے یا اس کی آنکھیں نکال دے جو ہر وقت شرارت سے چمکتی رہتی تھیں۔

تقریباً ایک ہفتہ قبل وہ اس گھر میں شفٹ ہوگئے تھے جس کا ذکر گل بانو نے کیا تھا۔اسما کو اعتراض تھا کیوں کہ یہ مکان پچھلے مکان جتنا وسیع نہیں تھا مگر ابو کو گھر پسند آیا تھا کہ کرایہ بھی مناسب تھا اس لیے یہی لے لیا گیا مومنہ تو بے حد خوش تھی کیونکہ صرف گل بانو ہی

نہیں اس کی باقی سہیلیاں بھی اسی محلے میں رہتی تھیں۔ مسئلہ صرف ظفر کا نظر آ رہا تھا جس نے دوسری ملاقات میں اس کی چھوٹی سی ناک کو مذاق کا نشانہ بنایا تھا اور مستقل یہی کر رہا تھا۔

گھر کا سامان شفٹ کرنے کے لیے ابو دکان کے دو ملازمین کو ساتھ لائے تھے ان میں سے ایک ظفر بھی تھا۔ وہ بڑھ بڑھ کر ہر کام کرتا رہا تھا اور جاتے ہوئے امی سے کہہ گیا تھا۔

''آپ کو کوئی بھی کام ہو بے تکلف ہو کر مجھے بلوا لیجیے گا۔ بالکل سامنے والا تو میرا گھر ہے۔'' اور اب ہوتا یہ تھا کہ واقعی امی کو جب بھی کوئی کام پڑتا وہ اسے بلوا لیتیں۔ دوپہر میں دکان پر کھانا تو وہی لے جایا کرتا تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ جتنا وہ اس سے بے زار رہتی تھی اتنا ہی اس کے اماں، ابا اس کی تعریفوں میں لگے رہتے تھے اللہ جانے بدبخت نے کیا گھول کر پلا دیا تھا انہیں۔

امی باہر کے اکثر کاموں کے لیے اسے یاد کرتی رہتیں اور وہ بھی سعادت مندی سے بڑا شریف بن کر لگا رہتا۔ دوسری طرف ابو کو کسی بھی وقت دکان سے اٹھنا ہوتا تو سارا چارج اسے دے کر آ جاتے اور گھر آ کر تعریف کرتے۔

''بہت ہی اچھا اور محنتی بچہ ہے۔ جلد ہی اپنا کاروبار شروع کرے گا تو بہت ترقی کرے گا۔''

''ہونہہ، ترقی کرے گا، ایسے شکل سے ہی خبیث لگنے والے لوگ کبھی ترقی نہیں کرتے۔'' اس نے ابھی بھی کڑھ کر سوچا۔

''ذرا سی دیر ہو گئی دروازہ کھولنے میں، بدتمیز منہ اٹھائے گھس آیا، ہونہہ خود ہی ہو گا جاہل۔''

''بددعائیں دینا بری بات ہے۔'' اس کی آواز قریب سنائی دی تھی تو وہ بدک کر چند قدم پیچھے ہٹی اور گھور کر بولی۔

''میں اپنی بددعائیں تم پر ضائع نہیں کرتی۔''

''یعنی دعائیں دیتی ہو؟ بڑی بات ہے۔''

خود اپنی مرضی کا مطلب نکال کر متاثر ہونے کا تاثر دیتا وہ مومنہ کو اور بھی برا لگا تھا۔

''ہونہہ۔'' اس نے نخوت سے سر جھٹکا۔

''اوہو۔ ایک تو تم غصہ بہت کرتی ہو میرا خیال ہے اسی غصے کے بوجھ سے تمہاری ناک گھٹتی جا رہی ہے۔''

''دفع ہو جاؤ تم یہاں سے۔'' وہ جلبلا کر چیخی اور بھاگتی ہوئی اندر آ گئی مگر اپنے پیچھے اس نے ایک جناتی قہقہہ سنا تھا جس نے اس کا موڈ اور بھی خراب کر دیا۔

☆......☆......☆

اگلے روز امی کے گھر سے نکلتے ہی اس نے ان کی واپسی کا انتظار شروع کر دیا تھا مگر وہ ایک ایسا دن تھا جس کا ہر پل بڑی مشکل سے کٹ رہا تھا۔ گیارہ بجے کے قریب اس نے مظہر کو فون کیا۔

''میں نے آپ کو بیسٹ آف لک کہنے کے لیے فون کیا ہے۔'' مظہر کی آواز سنتے ہی اس نے کہا جواباً وہ گہری سانس بھرتے ہوئے بولا۔

''تھینک یو سو مچ۔ مجھے اس کی ضرورت بھی تھی۔'' اس نے خوشدلی سے کہا۔

''اگر تم تھوڑی دیر تک مجھے کال نہ کرتیں تو میں کر لیتا۔ مجھے بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے عانیہ! کل رات بھی مارے گھبراہٹ کے مجھے ٹھیک سے نیند نہیں آئی۔ مجھے تو رتی بھر بھی اندازہ نہیں تھا کہ ہونے والی ساس سے ملنے جانا اتنا کنفیوزنگ ہو گا۔''

عانیہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

''ہنس لو یار! جب تم اپنی ساس سے ملنے جاؤ گی تب میں پوچھوں گا۔'' اس نے جل کر کہا۔

''آپ بلاوجہ گھبرا رہے ہیں۔ دیکھ لیجیے گا میری امی آپ کو کچھ نہیں کہیں گی۔ وہ بہت اچھی ہیں۔''

''مجھے ان کی اچھائی پر شک نہیں ہے۔ ڈر صرف اس بات کا ہے کہ اگر انہوں نے مجھے ریجیکٹ کر دیا تو؟'' وہ خاموش ہو گیا۔

عانیہ بھی فوری طور پر کچھ نہ بول سکی خود اس کے اپنے دل میں بھی تو یہی خدشہ تھا مگر پھر فوراً ہی اس نے خدشہ جھٹک دیا۔

''اچھا سوچیں گے تو اچھا ملے گا۔ آپ کو اپنے جذبے پر بھروسہ نہیں ہے۔''

''اس جذبے کا ہی تو آسرا ہے۔'' وہ ہنسا پھر کچھ اور باتوں کے بعد اس نے فون بند کر دیا۔ عانیہ نے اسے واپسی پر کال کر کے صورت حال سے آگاہ کرنے کے لیے کہا تھا کیوں کہ آج اسکول کے کسی ضروری کام کی وجہ سے امی کو ذرا تاخیر سے گھر آنا تھا۔ ریسیور رکھ کر اس نے وہیں بیٹھ کر انتظار شروع کرتے ہوئے منتیں بھی مانگنا شروع کر دی تھیں۔

انتظار کا تجربہ کوئی نیا نہیں تھا مگر ہر بار انتظار پچھلی مرتبہ سے زیادہ جانکسل ثابت ہوتا تھا۔ اس وقت بھی وہ ایک ایک پل انگلیوں کی پوروں پر گنتی ہوئی گزار رہی تھی اور جس وقت ثانیہ نے اسے آٹا گوندھنے کے لیے کہا اگر وہ اس سے وقت پوچھتی تو عانیہ کہتی۔

''ایک گھنٹہ، بارہ منٹ، چوبیس سیکنڈ اور چار پل۔''

''ثانیہ! مجھ سے آٹا بالکل گوندھا نہیں جائے گا۔ ایمان سے اتنی گھبراہٹ ہو رہی ہے کہ بس۔'' ثانیہ نے اس کی گھبراہٹ شیئر کی نہ ہی کوئی حرف تسلی کہا بلکہ جس خاموشی سے آئی تھی اسی کے ساتھ باہر نکل گئی۔ وہ کل سے خفا تھی اور بات چیت تقریباً بالکل بند تھی مگر عانیہ کے پاس فی الحال اس کی خفگی پر غور کرنے کی فرصت نہ تھی۔

وہ چار بجے تک مسلسل مظہر کے فون کی منتظر رہی۔ ملاقات کی ٹائمنگ جس طرح سیٹ تھی اس کے حساب سے اب تک اسے فون کر لینا چاہیے تھا۔ ساڑھے چار بجے اس کی طرف سے مایوس ہو کر عانیہ نے خود اسے فون کیا مگر مسلسل بیل جانے کے باوجود فون ریسیو نہیں کیا گیا۔ اسے پریشانی ہوئی۔ آخر وہ فون کیوں ریسیو نہیں کر رہا؟

چار پانچ مرتبہ مسلسل نمبر ملانے کے بعد بالآخر کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

''ہیلو مظہر، میں کب سے آپ کے فون کا انتظار کر رہی ہوں آپ نے فون کیوں نہیں کیا؟'' وہ بے چینی سے پوچھنے لگی۔

''کیسی رہی میٹنگ؟ کیا ہوا آپ کچھ بول کیوں نہیں رہے؟''

''ہیلو۔ مظہر! آپ سن رہے ہیں ناں؟'' اس کی مسلسل خاموشی اسے گھبراہٹ میں مبتلا کرنے لگی تھی۔

''ہاں میں سن رہا ہوں۔''

''بتائیں ناں کیا رہا؟ میں نے کہا تھا ناں میری امی بہت اچھی ہیں وہ آپ کو کچھ نہیں کہیں گی۔''

''ہاں۔ تم نے ٹھیک کہا تھا انہوں نے واقعی مجھے کچھ نہیں کہا۔''

ائیر پیس میں اس کی سرد آواز ابھری تھی۔

''صرف انہوں نے مجھے گالیاں دیں برا بھلا کہا اور پھر اسکول کے چوکیدار سے دھکے مار کر وہاں سے نکلوا دیا۔ میرا خیال ہے یہ ''کچھ'' نہیں ''بہت کچھ'' ہے۔'' وہ بہت چبا چبا کر بولا تھا۔

''مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ مجھے وہاں بے عزت کرنے کے لیے بلوایا جا رہا ہے۔''

''آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''اور امی بھلا کیوں کریں گی ایسا۔''

''اس سوال کا جواب تم اپنی امی سے مانگنا۔ جتنے اچھے طریقے سے انہوں نے یہ ڈرامہ ڈائریکٹ کیا ہے تمہارے لیے بھی کوئی تسلی بخش جواب موجود ہو گا۔ کوئی ایسا جواب جو تمہیں مجھ سے متنفر کر دے۔ ٹھیک ویسے ہی جیسے انہوں نے اپنے طرز عمل سے مجھے متنفر کرنے کی کوشش کی۔ پتا نہیں میں نے کیسے سوچ لیا کہ وہ کوئی معصوم سی خاتون ہوں گی حالانکہ مجھے سمجھ لینا چاہیے تھا جس عورت نے شوہر کی معاونت کے بغیر بچوں کی پرورش کی، جس نے اپنی آدھی سے زیادہ عمر ملازمت کرتے گزار دی وہ معصوم کیسے ہو سکتی ہے۔ زندگی میں جس جس مقام پر انہوں نے دھوکا کھایا ہو گا اس مقام پر دھوکا دینا بھی سیکھا ہو گا۔

اب وہ یقیناً تمہیں بھی آ کر کوئی جھوٹی سچی کہانی سنا کر مجھے ریجیکٹ کر دیں گی اور تمہاری شادی عادل سے ہی کروائیں گی۔ تم جیسی گھر کی چار دیواری میں رہنے والی لڑکی کو اپنی انگلیوں پر نچانا ان کے لیے کون سا مشکل ہو گا۔ مسئلہ تو تب ہوتا جب تم اپنی باقی بہنوں کی طرح باہر کی ہوا کھا کر شاطر ہو چکی ہوتیں۔''

''آپ میری امی کے بارے میں اس طرح سے بات مت کریں۔'' اس نے خود کو کہتے سنا۔ مظہر خاموش ہو گیا تھا۔

''آئی ایم سوری۔ مجھے واقعی اس طرح نہیں کہنا چاہیے تھا مجھے معاف کر دو میں بھول گیا تھا تم سے محبت میں نے کی ہے اس محبت

کے بدلے میں ہر طرح کی تذلیل سہنا میرا فرض ہے۔''

''اس طرح مت کہیں۔'' اس کی آواز صدمہ کے زیر اثر کانپ رہی تھی۔

''ہاں۔ واقعی مجھے اس طرح نہیں کہنا چاہیے تھا یوں بھی بے عزتی تو میری ہوئی ہے تمہیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔''

کھٹاک کی آواز کے ساتھ ہی رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔ وہ چند لمحے بے یقینی سے ریسیور کو دیکھتی رہی پھر اسے کریڈل پر ڈال دیا اور پلنگ پر گرنے کے انداز میں بیٹھ کر مظہر کی کہی ہوئی باتوں پر غور کرنے لگی مگر اسے احساس ہوا یہ کام آسان نہیں تھا اس کے دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے۔

اسے اندازہ تھا امی مظہر کے معاملے میں کچھ تامل سے کام لیں گی مگر وہ یہ کریں گی اسے اندازہ نہیں تھا نہ ہی اسے یقین آرہا تھا۔

کیا مظہر نے صحیح کہا تھا کہ امی اسے اپنی انگلیوں پر نچانا چاہتی تھیں؟

صرف ایک نہیں کئی سوال تھے جو اس کے ذہن میں ابھر رہے تھے مگر ان سب سوالوں کے جواب اسے صرف امی دے سکتی تھیں اور اس کے لیے امی کا انتظار کرنا تھا۔

بے تحاشا دھڑکتے ہوئے دل اور الجھی ہوئی سوچوں کے ہمراہ وہ امی کا انتظار کرنے لگی تھی۔ گھڑیاں ایک بار پھر رک رک کر گزرنے لگی تھیں۔

☆......☆......☆

''اس لڑکے سے ملے بغیر میں کیا رائے دے سکتی ہوں؟'' اس نے امی کو کہتے سنا تھا۔

''آج اسے اسکول آنے کے لیے کہا تھا مگر وہ آیا ہی نہیں۔ عانیہ! اس سے پوچھو وہ کیوں نہیں آیا۔'' ثانیہ سے کہتے کہتے وہ اس سے مخاطب ہوئی تھیں اور وہ ہکا بکا انہیں دیکھتی رہ گئی تھی۔ کتنے دھڑلے سے وہ جھوٹ بول رہی تھیں۔ عانیہ کے اندر چھناکے سے کچھ ٹوٹ گیا تھا۔ ساری زندگی سچ بولنے کا سبق دلوانے والی ماں جھوٹ بولتی کیسی لگ رہی تھیں کوئی اس سے پوچھتا۔

یکا یک انہیں احساس ہوا عانیہ کے دیکھنے کا انداز بہت عجیب تھا وہ اٹھیں۔

''کیا ہوا؟ کوئی مسئلہ ہے؟'' انہوں نے الجھ کر پوچھا۔

''آپ نے بہت برا کیا ہے امی۔ بہت ہی برا۔'' اس کا لہجہ صدمے سے چور تھا۔

''کیا کیا ہے میں نے؟'' وہ حیرانی سے بولیں۔ پیشانی پر ان گنت لکیریں ابھر آئی تھیں جیسے کچھ بھی سمجھنے سے قاصر ہوں۔ عانیہ کے لبوں پر تمسخرانہ مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

''میرے اعتماد کو توڑا ہے آپ نے۔'' اس نے ایک ایک لفظ چبا کر ادا کیا تھا۔

''آپ نے مظہر کو اس لیے بلوایا تھا تا کہ انہیں بے عزت کر کے وہاں سے نکلوا سکیں؟''

''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔'' حلیمہ کو اس کی بات سن کر دھچکا لگا تھا۔

''وہ آیا ہی نہیں تو میں ایسا کیسے کر سکتی ہوں۔''

''جھوٹ مت بولیں امی۔ کم سے کم میرے سامنے مت بولیں۔'' وہ چیخی تھی۔

''مظہر نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔ آپ نے انہیں گالیاں دیں، برا بھلا کہا اور چوکیدار سے دھکے مار کو نکلوایا۔ پتا نہیں میں آپ کی پلاننگ کو سمجھی کیوں نہیں۔ پہلے آپ نے اچانک مظہر سے ملنے کی خواہش ظاہر کی پھر انہیں گھر کی بجائے اسکول بلوا لیا تا کہ آپ ان کے ساتھ جو بھی سلوک کریں اس کا مجھے علم نہ ہو سکے۔''

حلیمہ ایک دم پرسکون ہوئی تھیں۔

''تو میرا شک صحیح تھا وہ شخص فراڈ ہے۔''

''فراڈ وہ نہیں آپ ہیں۔'' وہ پھر چلائی۔

''بکواس بند کرو اپنی۔'' حلیمہ کا تحمل جواب دے گیا تھا۔

''میں آرام سے تمہاری سن رہی ہوں اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو بھی تمہارے منہ میں آئے وہ تم بولو۔ دو تھپڑ لگیں گے تو یہ جو محبت کا بھوت سوار ہے فوراً اتر جائے گا۔ میرا خیال تھا تم میں کچھ عقل باقی ہے مگر افسوس میرا خیال غلط تھا۔

اس لڑکے سے ملنے کا فیصلہ میں نے اس لیے کیا تھا کہ میں تمہاری خوشی کو اہم سمجھتی ہوں اگر وہ واقعی مجھے تمہارے قابل لگتا تو میں عادل اور اشفاق بھائی صاحب کے سامنے شرمندگی برداشت کر لیتی اور مطمئن رہتی کہ تم تو خوش ہو اور دوسری بات اسے گھر کی بجائے اسکول اس لیے بلوایا تھا کہ ایک غیر مرد کو اپنے گھر کا رستہ دکھانا نہیں چاہتی تھی۔ اس گھر میں صرف تم ہی نہیں ہو میری اور بیٹیاں بھی ہیں اور بیٹیوں کی ماؤں کو ہر قدم بہت سوچ سمجھ کر اٹھانا پڑتا ہے۔

میں سچ کہہ رہی ہوں عانیہ! وہ مجھ سے ملنے نہیں آیا۔ وہ جھوٹ بول رہا ہے تم سے اور اس کا یہی جھوٹ اس کے فراڈ ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے وہ تمہیں مجھ سے متنفر کرنا چاہتا ہے۔''

''اور آپ مجھے اس سے۔'' اس نے دوبدو کہا۔ حلیمہ چند لمحے خاموش رہیں وہ جیسے اپنا غصہ ضبط کر رہی تھیں۔

''پہلی بات تو یہ کہ میں ایسا کچھ نہیں کر رہی۔ میں تمہیں تصویر کا صحیح رخ دکھانا چاہتی ہوں اور بس۔ دھوپ میں پتھر چمک رہا ہو تو وہ سونے کا نہیں بن جاتا تمہارا مسئلہ یہ ہے کہ تم پتھر کو ہی سونا سمجھ رہی ہو۔ ذرا خود سوچو اگر میں ایسا کچھ کرتی تو سب سے پہلے مجھے تمہارے ردعمل کا خدشہ ستاتا۔''

''اپنی طرف سے تو آپ نے پوری پلاننگ درست کی تھی آپ کے تو وہم وگمان میں بھی نہیں ہوگا کہ مظہر مجھے سب کچھ بتا دیں گے۔'' اس نے زہر خند سے کہا۔

''بے وقوف یا کم عقل نہیں ہوں میں۔ جب تم میرے اعتماد کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے میری ناک کے نیچے اتنا بڑا کھیل کھیل سکتی ہو تو مجھ سے ملاقات کے بعد ہی پوری رپورٹنگ تو لینی ہی تھی تمہیں۔ اگر میں ایسا کچھ کرتی تو فوراً سمجھ لیتی کہ اس نے تمہیں بتا دیا ہوگا۔''

''ایسا کون سا کھیل کھیلا ہے میں نے۔'' اس نے جل کر کہا۔

''بات کو مت بڑھاؤ عانیہ! امی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ اسکول کوئی نہیں آیا۔'' شفق نے کہنا چاہا مگر عانیہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

''تم اپنی بکواس بند رکھو۔ تم تو سب سے بڑی چمچی ہو ان کی۔''

''عانیہ! مجھے خود پر ہاتھ اٹھانے پر مجبور مت کرو۔'' وہ ضبط کی آخری حد پر تھیں۔

''ارے یہ تو اچھا موقع ہے آپ کے لیے۔ مجھ پر ہاتھ مت اٹھائیں قتل کر ڈالیں مجھے۔ اتنی بڑی غلطی کی ہے میں نے۔ کسی کو اپنی مرضی سے پسند کیا۔''

''تم اپنے ہوش میں نہیں ہو اس لیے فوراً دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' انہوں نے انگلی اٹھا کر کہا۔

''نہیں دفع ہوں گی میں۔ پہلے آپ کو بتانا ہوگا ایسا کون سا کھیل کھیلا ہے میں نے آپ کی ناک کے نیچے؟۔ پرسوں سے یہی سن رہی ہوں کہ آپ کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی۔ ایسا کیا کیا ہے میں نے؟ کسی کو پسند ہی کیا ہے ناں۔ شادی کرنا چاہتی ہوں عزت کے ساتھ۔ پھر بھی مجھ پر انگلی اٹھائی جا رہی ہے۔ اپنی ان بیٹیوں کو دیکھیں یہ گھر سے باہر جا کر کیا کیا کرتی پھرتی ہیں جانتی بھی ہیں آپ؟'' اس نے خصوصیت سے ثانیہ اور شفق کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''اپنے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کے لیے میری بیٹیوں کو بیچ میں مت لاؤ۔'' انہوں نے سخت لہجے میں تنبیہہ کی تھی۔

''آپ کی بیٹیاں؟'' اس نے نخوت سے دوہرایا۔ ''مجھے کیا کوڑے کے ڈھیر سے اٹھایا تھا۔''

''کاش ایسا ہی ہوا ہوتا۔ میں خود کو تسلی دے لیتی کہ یہ بے حیا لڑکی میری بیٹی نہیں ہے۔''

''واہ امی! میرے لیے آپ ہر طرح سے الفاظ استعمال کر رہی ہیں اور اپنی ان چہیتیوں پر حرف بھی نہیں آنے دے رہیں۔ کمال ہے۔ صرف اسی لیے ناں۔ کہ وہ بھی آپ کی ہی طرح ملازمت کرتی ہیں۔ اگر ان کی بات ہوگی تو پھر آپ کی بھی ہوگی۔ ابو کبھی ہوش میں نہیں رہے، ہم سب چھوٹے تھے۔ آپ نے بھی تو ابو کی ناک کے نیچے کھیل کھیلے ہوں گے۔''

''بکواس بند کرو اپنی۔'' ثانیہ نے اسے زوردار تھپڑ رسید کیا تھا جواباً عانیہ نے اسے بری طرح دھکیلا۔

''خبردار جو اب مجھے ہاتھ بھی لگایا۔ نفرت کرتی ہوں میں تم سب سے۔'' وہ حلق کے بل چلائی تھی۔

”اور آپ۔“ اس نے حلیمہ کی طرف انگلی اٹھائی۔ ”آپ چاہے کچھ بھی کہیں، مظہر کی اہمیت کو میری زندگی سے کبھی ختم نہیں کر سکیں گی۔“

وہ بھاگتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ گئی تھی۔ حلیمہ نے کچھ نہیں کہا۔ وہ بے یقین، دم بخود اسے جاتا دیکھتی رہی تھیں۔ زندگی میں پہلی بار انہوں نے اسے ایک تھپڑ مارا تھا جواباً اس نے انہیں ایک تھپڑ نہیں مارا تھا اس نے انہیں کئی تھپڑ مارے تھے۔

زندگی بھر انہیں دنیا والوں کی زبانوں کا ڈر رہا تھا مگر آج انہیں پتا چل گیا تھا وہ خوف تو کچھ بھی نہیں تھا۔ ان کی بیٹی کی زبان دنیا والوں کی زبانوں سے زیادہ وحشت ناک ثابت ہوئی تھی۔

”وہ پاگل ہوگئی ہے امی! اسے نہیں پتا اس نے کیا کہا ہے۔“ ثانیہ انہیں سہارا دینا چاہتی تھی مگر زمین پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے خود کو کسی دلدل میں دھنستے محسوس کیا تھا۔

☆......☆......☆

”تمہارے ساتھ وقت کا پتا ہی نہیں چلتا۔“

ہمایوں سلیمان نے کھڑکی کے پردے ایک جھٹکے سے ہٹاتے ہوئے کہا۔ بہت تیز روشنی ایک دم سے پورے کمرے میں پھیل گئی تھی۔ گیتی نے ناگواری سے بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔

”پردے گرا دو میں سونا چاہتی ہوں۔“ اس نے کہا مگر ہمایوں کمرے سے جا چکا تھا۔ اس نے کمبل سر تک کھینچ لیا اور سونے کی کوشش کرنے لگی مگر بڑی دیر تک کروٹیں بدلنے کے بعد بھی نیند آ کر نہ دی تب اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا موبائل اٹھا لیا اور حیران ہوئی۔ پچھلی رات کے مختلف اوقات میں موصول ہونے والی ریشم کی بیس مس کالز تھیں چونکہ اس نے موبائل کی بیپ آف کی ہوئی تھی اس لیے پتا نہیں چل سکا۔

کچھ سوچ کر اس نے ریشم کا نمبر ملایا اور سلائیڈنگ ڈور دھکیل کر باہر نکل آئی۔

اونچے اونچے درختوں سے جھانکتی دھوپ بہت بھلی معلوم ہو رہی تھی۔

”کل رات مجھے یاد کرتے برباد کردی، بدبخت۔“ کال ریسیو ہوتے ہی اس نے شرارتی انداز میں کہا تھا۔

”لیکن میری رات برباد نہیں ہوئی ہمایوں نے مجھے گولڈ کا نیکلس دیا ہے بڑا یونیک سا ڈیزائن ہے اور۔ ہیلو ریشم! سن رہی ہو۔“

اس کو ریشم کی غیر معمولی خاموشی نے چونکا دیا تھا مگر چند لمحے بعد جو ریشم نے کہا اس نے اس کے حواس گم کر دیے تھے۔

”گیتی! رحاب مرگئی۔“ اس کی سرسراتی ہوئی آواز گیتی کے کانوں سے ٹکرائی تھی اور وہ دم بخود رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

گھر میں مہیب سا سناٹا چھایا ہوا تھا۔

سوئی بھی گر جاتی تو شور محسوس ہوتا۔

مگر محسوس کرنے کی بات تھی۔ اسے اپنے احساسات سے چھٹکارا ملتا تو کسی اور طرف دھیان دیتی۔

چھوٹا سا دل تھا مگر اس وقت کسی میدان جنگ کا گمان ہو رہا تھا جہاں حقیقتاً گھمسان کا رن پڑا تھا۔ ایک سوچ آتی، دوسری جاتی بلکہ جاتی بھی کہاں تھی۔ چلی جاتی تو سکون نہ آ جاتا۔ بے چینی نہ مٹ جاتی جو ذہن کے کئی سمتوں میں بٹے ہونے کے باعث لاحق ہو رہی تھی۔

اللہ کوئی سبب بن کیوں نہیں جاتا۔

اس نے بڑی آس سے دعا کی تھی۔ فیصلہ تو کر ہی چکی تھی اب تو بس عمل ہی کرنا تھا مگر اس کے لیے بھی تو موقع درکار تھا جو مل کے ہی نہیں دے رہا تھا۔

لوگ اچھے ہوتے ہیں۔ دشوار راستوں پر بھی قدم رکھ دیں تو ساری کٹھنائیاں دور ہو جاتی ہیں۔ ایک ہم ہیں رستہ صاف ستھرا بھی ہو پیر رکھتے ہی دشواریاں یوں نمودار ہونے لگتی ہیں جیسے کاٹن کی قمیص پر رنگ برنگے دھاگوں سے بڑے بڑے پھول کاڑھے جا رہے ہوں۔

مگر......مگر اب نہیں۔

چاند کی چاندنی سب کے لیے ہوتی ہے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ کسی کا حصہ تھوڑا ہو کسی کا زیادہ۔

مجھے بھی اپنے حصے کی چاندنی چاہیے خواہ......

ابھی سوچ یہیں تک پہنچی تھی کہ نچلے پورشن سے کچھ کھٹر پٹر سنائی دی۔

”پہلے امی کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا ہے وہاں سے چچا کی طرف۔“ یہ ثانیہ کی آواز تھی۔ وہ بے ساختہ خوفزدہ ہو کر اٹھ بیٹھی۔

”چچا کی طرف کیوں جانا ہے۔“

ایک بڑا سا سوالیہ نشان آنکھوں کے بالکل سامنے آ رکا۔ کئی اندیشے تھے جو اس کی جانب لپک رہے تھے۔ بڑی سرعت سے اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے الماری کے سب سے نچلے خانے میں چھپایا ہوا موبائل نکال کر مظہر کو فون کرنے کی کوشش کی مگر ہر بار کی طرح اس بار بھی وہ اس سے بات کرنے میں کامیاب نہیں ہوئی۔

مظہر اس سے اس قدر خفا ہو چکا تھا کہ بات کرنے کا روادار بھی نہیں تھا۔

نیچے گیٹ کھلا تھا اس نے گھبرا کر موبائل وہیں الماری کے نچلے خانے میں پھینک دیا اور الماری بند کر دی۔ چند لمحے بعد گیٹ بند ہونے کی آواز آئی اور پھر سے خاموشی چھا گئی۔ عانیہ کے لبوں سے پرسکون سانس خارج ہوئی گویا تقدیر اس پر مہربان ہو ہی گئی تھی۔

کچھ پل اپنا اگلا لائحہ عمل سوچتے رہنے کے بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور چادر اوڑھنے لگی تھی۔ یہ بڑے فیصلہ کن لمحات تھے اور

اسے ان لمحات کا پورا پورا فائدہ اٹھانا تھا۔ سنسنی کی اک تیز سی لہر بار بار اس کے وجود میں دوڑ جاتی تھی۔

چادر اوڑھنے کے بعد اس نے پرس اٹھایا تب کوئی خیال آیا تھا مگر اگلے ہی لمحے اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''مجھے اس گھر سے کچھ نہیں چاہیے۔''

وہ روٹین کے موڈ میں نیچے آ گئی۔ سامنے ہی ساتھ ساتھ بنے دونوں کمروں کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ کچھ سوچ کر وہ اس کمرے کی طرف آئی جہاں زینب موجود تھی۔

''زینب! امی کہاں ہیں؟'' اس نے اپنا لہجہ حتی المقدور ایسا رکھنے کی کوشش کی تھی جو کسی غیر معمولی پن کو ظاہر نہ کرے۔

''ثانیہ آپی اور نرمین انہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر گئی ہیں۔ کل سے ان کا بخار نہیں اترا۔'' زینب نے قدرے سرد مہری سے جواب دیا۔

اس کے گزشتہ رویے کے پیش نظر جو شدید قسم کی خفگی ان سب کے دلوں میں آ چکی تھی اس کی ہلکی سی شبیہ اس وقت زینب کے لہجے میں بھی دکھائی دے رہی تھی مگر اس وقت اس کے رویے پر دھیان دیا جا سکتا تھا نہ اس نے دیا۔

''اچھا...... میں ثناء کی طرف جا رہی ہوں کچھ دیر بعد آ جاؤں گی۔ یہ اس کا بریسلیٹ میرے پاس رہ گیا تھا آج اسے کسی فنکشن میں جانا ہے یہی پہن کر، میں دے کر واپس آتی ہوں۔''

دل میں چور تھا جو برخلاف عادت وضاحت دیتی چلی گئی۔

''امی کو آ جانے دیں پھر چلی جایئے گا۔'' زینب نے کہا۔

''امی کے آنے تک تو میں واپس بھی آ جاؤں گی۔''

''لیکن آپی......'' زینب متردد تھی۔

''اوہو۔ کہہ تو رہی ہوں ابھی آ جاؤں گی اچھا تم اچھی سی چائے بنا کر رکھو میں گھر کے اندر بھی نہیں جاؤں گی باہر سے ہی پکڑا کر آ جاؤں گی۔''

اپنی طرف سے جلدی ظاہر کرتی وہ صحن عبور کر گئی۔ گیٹ بھی خود ہی باہر سے بند کر دیا لیکن باہر نکل کر ثنا کے گھر کی طرف جانے کی بجائے اس نے مین روڈ کی طرف چلنا شروع کر دیا تھا۔ اتنا تیز وہ شاید زندگی میں کبھی نہ چلی ہو۔

مگر ہر بڑھتے قدم کے ساتھ وہ ایک مخصوص خوف کے تحت مڑ کر پیچھے ضرور دیکھتی تھی۔ ابھی شام نہیں ڈھلی تھی مگر گلی میں چہل پہل شروع ہو گئی تھی۔ ایک جگہ بچے فرضی وکٹیں بنائے کرکٹ کھیل رہے تھے۔ دوسری طرف گولے گنڈے کی ریڑھی بھی موجود تھی۔

اس وقت اس نے پلٹ کر دیکھا جب کسی سے بری طرح ٹکرا گئی۔

''اے ہے بیڑہ غرق ہو تمہارا۔'' یہ خوشی بوا تھیں عانیہ کا دل چاہا سر پیٹ ڈالے اپنا یا ان کا۔

''آنکھیں ہیں کہ نہیں؟ اور یہ بھاگی کہاں جارہی ہو؟ میں پوچھتی ہوں۔''

''وہ بوا میں اپنی سہیلی کی طرف جارہی ہوں۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

''تو کیا ٹرین میں سوار ہو کر جانا ہے۔ بتاؤ آج کل کے بچوں میں سکون کہاں؟'' انہوں نے باجماعت سب کو گھسیٹا۔

''اچھا تمہاری اماں گھر پر...... بڑے ضروری کام سے آئی ہوں۔''

''ہاں جی......وہ آپ ہی کا انتظار کر رہی ہیں۔ اچھا بوا! اللہ حافظ۔''

اس سے قبل کہ بوا بات سے بات نکالتی چلی جاتیں اس نے دوڑ لگادی اور اس بار پلٹ کر دیکھنے کی حماقت بھی نہیں کی تھی۔ ہاں گلی کے آخری کنارے پر موجود رکشا میں سوار ہونے سے قبل اس نے گھر کی جانب دیکھا تھا جسے وہ بڑے شوق سے ٹھوکر مار کر جارہی تھی۔

ایک پل کے لیے یوں لگا گویا پوری کائنات مہیب سناٹے کے حصار میں آگئی ہو۔

''مجھے پتا ہے امی، میرے عمل سے آپ کو دکھ ہوگا مگر یہ قدم اٹھانے پر بھی تو آپ ہی نے مجھے مجبور کیا ہے۔ آپ مظہر کے ساتھ وہ نہ کرتیں جو آپ نے کیا تو میں بھی کبھی ایسا نہ کرتی۔ ہو سکے تو میری غلطی معاف کیجیے گا یہ نہیں کہ مجھے آپ سے محبت نہیں......لیکن اس محبت میں، میں آپ کی خوشی کی خاطر......اپنی خوشیاں تو قربان نہیں کرسکتی ناں۔''

ضمیر کو خاموش کروانا کوئی مشکل کام ہے۔ وہ بھی بڑے آرام سے یہ سہل کام انجام دے کر خود کو احساس مجرم سے بری کر چکی تھی اور بہت ہلکی پھلکی ہو کر رکشا میں سوار ہوگئی تھی۔

☆......☆......☆

آج وہ بے تحاشا تھک گیا تھا۔

اسی تھکاوٹ کی وجہ سے اسے نیند بھی ٹھیک سے نہیں آرہی تھی یا شاید وہ بھوک کا احساس تھا جو اسے سونے نہیں دے رہا تھا۔

جس وقت وہ گھر آیا اتنا تھکا ہوا تھا کہ بمشکل عشاء کی نماز ادا کی اور سونے کے لیے لیٹ گیا۔ اس کا خیال تھا بھرپور نیند تھکاوٹ دور کردے گی تب ہی کھانے کے لیے بھی انکار کردیا تھا مگر اس وقت لگ رہا تھا کھائے بنا نیند ہی نہیں آئے گی صبح ابھی آفس کی تیاری بھی شروع نہیں کی تھی کہ باٹا پور والی فیکٹری سے منیجر کی کال آگئی۔ ملازمین ہڑتال کیے بیٹھے تھے۔ پچھلے دنوں ایک ورکر چمڑا کاٹنے کی مشین کے کٹر سے زخمی ہوگیا تھا یونین اسی بات کو اچھال رہی تھی۔ آدھے سے زیادہ غیر جانبدار ملازمین کو بھی انہوں نے اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور اب ان کی ایک ہی ضد تھی کہ مالکان ان سے ''فیس ٹو فیس'' بات کریں۔ منیجر بے چارہ دو دن تک اپنی سی کوشش کرتا رہا تھا لیکن جب معاملہ سنبھلا نہیں تو اسے کال کی۔ شاہنواز آفس کی بجائے وہاں پہنچا تو یونین کا صدر اور ہی مسئلہ کھڑا کیے بیٹھا تھا۔

''اب تو جو بھی بات ہوگی لاشاری صاحب سے ہوگی۔ آپ انہیں بلوائیں۔''

''اواللہ کے بندے! تمہیں کون سی زبان میں سمجھاؤں وہ نہیں آ سکتے۔ ابھی تو بیماری سے اٹھے ہیں ڈاکٹر نے پریشانی اور سفر سے منع کیا ہے......اور بتا تو رہا ہوں مجھے انہوں نے ہی بھجوایا ہے اور ایسے کون سے معاملات ہیں جواب میرے سامنے بیان نہیں ہو سکتے۔ اس سے پہلے بھی تو میں ہی تم سب کی سنتا رہا ہوں۔''

شاہنواز اس سے اسی کے انداز میں بات کر رہا تھا۔

''پہلے کی بات نہ کریں سر جی......آپ ہماری سنتے تھے لیکن اب ہمیں سب سمجھ آ گئی ہے۔ کرسی پر بیٹھ کر کام کرنے والے مشین کے آگے کھڑے ہو کر کام کرنے والوں کے مسئلوں کو نہیں سمجھ سکتے ہیں۔ اگر دعوا کریں تو جھوٹ بولتے ہیں۔'' ایک بولا۔

''بھگو بھگو کے اچھی مار لیتے ہو یار!'' شاہنواز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اچھا جی! شکریہ۔'' وہ عاجزی سے مسکرا دیا لیکن عقیل جو یونین کا صدر تھا اس کے گھورنے پر منہ نیچے کر لیا۔

''بات صاف ہے سر! اس بار ہم کام تب ہی شروع کریں گے جب ہمارے مطالبات مانے جائیں گے۔'' اس کا انداز ابھی بھی جارحانہ تھا اور شاہنواز کو فی الحال تحمل سے کام لینا تھا۔

''مطالبات ماننے کی باری تو تب ہی آئے گی ناں۔ جب تم بتاؤ گے ایک بات تو پکی ہے بڑے صاحب یہاں نہیں آئیں گے۔ ہاں میں ان تک تم لوگوں کی ڈیمانڈ ضرور پہنچا دوں گا جیسے کہ ہمیشہ سے ہوتا رہا ہے مگر جب تک فیصلہ نہیں ہو جاتا تم لوگوں کو کام شروع کرنا پڑے گا۔'' اس نے بھی مطالبہ رکھا۔

''ناممکن......اس بار تو کسی صورت نہیں۔'' عقیل قطعیت سے بولا۔ شاہنواز چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

''ڈیمانڈز بتاؤ؟''

''شاہد کے خاندان کی کفالت کرنا ہو گی۔'' اس نے باقی ساتھیوں کے اشارے پر بات رکھی۔ ''وہ بے چارہ واحد کفیل تھا گھر کا......مشینری کی وجہ سے اپنا ہاتھ گنوا بیٹھا۔'' اس نے بھڑکے ہوئے لہجے میں کہا۔

''یہ کوئی کہنے کی بات نہیں ہے شاہد کے خاندان کی مدد ہو رہی ہے، تم تصدیق کروا لو اس کے گھر والوں سے پھر میں رسیدیں بھی دکھا سکتا ہوں۔ دوسری بات یہ کہ مشینیں ناقص نہیں ہیں شاہد اپنی غلطی سے زخمی ہوا کیونکہ اس وقت وہ نشے میں تھا؟''

کمرے میں ایک منٹ کی خاموشی چھائی رہی عقیل کے ساتھ آئے باقی ملازم اس کی شکل دیکھنے لگے تھے۔

''یہ جھوٹ ہے۔ اپنی غلطی پر پردہ ڈال رہے ہیں آپ۔'' عقیل نے غصے سے کہا۔

''جھوٹ نہیں بول رہا میں یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتے ہو۔'' شاہنواز کا لہجہ اب دوستانہ نہیں رہا تھا۔

''شاہد کی تو خیر رپورٹس ہیں میرے پاس جن سے ثابت ہوتا ہے وہ نشے میں تھا۔ جن مالکان کی خود غرضی کی تم بات کر رہے ہو وہ

چاہتے تو یہی کہہ کر بری الزمہ ہو جاتے۔''

''لیکن ہمیں تو عقیل نے کہا کہ شاہد کے گھر والوں کو کچھ نہیں دیا گیا۔'' ایک ورکر نے حیرانی سے عقیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''مم...... مجھے کیا پتا...... مجھے تو شاہد کی ماں نے کہا تھا۔'' عقیل گھبرا کر بولا۔

''اگلا مطالبہ؟'' شاہنواز نے بات سمیٹی۔

''کچھ نہیں سر جی! ہم سب تو بس یہی چاہ رہے تھے کہ شاہد کو اس کا حق مل جائے ورنہ اور تو کوئی بات نہیں...... اللہ خوش رکھے بڑے صاحب تو بغیر کہے ہی سارے مطالبے پورے کر دیتے ہیں۔''

''اور وہ ہیڈ سپر وائزر کی بات؟'' عقیل نے جلدی سے جملہ احباب کو یاد دلانا چاہا۔

''ہاں جی! ہیڈ سپر وائزر بھی بدل دیں۔''

''اب اس سے کیا شکایت ہو گئی؟''

''تنگ بہت کرتا ہے سر جی! وقتی بے وقتی ڈیوٹیاں لگا دیتا ہے۔ آج چھٹی پر ہے ورنہ ہمیں کہاں بات کرنے دیتا۔''

''اور کیا جی...... ہم تو کہتے ہیں عقیل بھائی کو اس کی جگہ بٹھا دیں یہ ہماری سنتے تو ہیں۔'' اس والے کو اپنی سنانے کا کچھ زیادہ ہی شوق تھا۔

''ہوں۔'' شاہنواز نے پرسوچ نظر عقیل پر ڈالی۔

''اس بارے میں بھی ہم جلد ہی کوئی فیصلہ کریں گے...... لیکن شاہد کا معاملہ تو نبٹ چکا میرا خیال ہے فیکٹری کا تالا کھل جانا چاہیے۔''

ان کے جانے کے بعد شاہنواز فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

''کیا مسئلہ ہے مجیب صاحب! پتا کروائیں ہیڈ سپر وائزر کا؟''

''سر! سپر ہیڈ وائزر کا کوئی مسئلہ نہیں ہے یہ عقیل ہی فساد کی جڑ ہے اسے نکال باہر کریں سارے معاملات خود ہی حل ہوتے رہیں گے۔ ہر دفعہ یہ عقیل ہی سب کو بھڑکا کر ہڑتال کرواتا ہے۔'' منیجر نے کہا۔

''مجھے لاشاری صاحب سے مشورہ کر لینے دیں...... پھر ہی کوئی حل نکالتے ہیں۔'' اس نے معاملہ سمیٹ لیا۔ باٹا پور سے وہ ایک بجے کے بعد ہی نکلا تھا اور یہاں سے سیدھا آفس پہنچنا تھا کیونکہ انٹرویو کے سلسلے میں اس کا انتظار ہو رہا تھا فنانس ڈیپارٹمنٹ میں کچھ نیا اسٹاف بھرتی کیا جا رہا تھا اور وہ انٹرویو پینل کا اہم رکن تھا۔ ابھی راستے میں ہی تھا کہ جہانگیر لاشاری کا فون آ گیا۔ ان کی بہن انگلینڈ شفٹ ہو رہی تھیں اور آج انہیں لنچ پر انوائیٹ کر رکھا تھا انوائیٹڈ تو وہ بھی تھا مگر انٹرویو کینسل کرنا مناسب نہیں لگ رہا تھا۔

"کینسل کرنے کی کیا ضرورت ہے سر! میں سنبھال لوں گا پھر واحدی صاحب بھی موجود ہی ہوں گے۔ ویسے بھی کتنے سارے ضرورت مند لوگ آس لگا کر بیٹھے ہوں گے یوں اچانک انٹرویو کینسل کرنا مجھے ٹھیک نہیں لگ رہا۔"

اس نے بڑے آرام سے سارا بوجھ اپنے کندھوں پر لے لیا تھا۔

پانچ بجے تک انٹرویوز ہوتے رہے کھانا کون کھاتا۔ اس کے بعد وہ میریٹ پہنچ گیا۔ اپنے نئے آفس کی ڈیزائننگ کے لیے جہانگیر لاشاری نے اٹلی سے انٹیرئیر ڈیزائنر بلوائے تھے اور شاہنواز کو انہیں سائیٹ وزٹ کروانا تھا۔ بات صرف وزٹ کروانے تک رہتی تو ٹھیک تھا یہاں تو اسے باقی کے معاملات، یعنی ڈیزائننگ پر اٹھنے والے اخراجات، مطلوبہ سامان کی فراہمی جیسے معاملات کو بھی دیکھنا تھا۔

گیارہ بجے کے قریب جب وہ گھر پہنچا تو سب گھر والے زری آپا کی طرف سے ہی نہیں آئے تھے ولی بابا نے اس سے کھانے کا پوچھا مگر اس نے سونے کو ترجیح دی اور اب دو گھنٹے نیند کے پیچھے خوار ہونے کے بعد اسے اپنے پیٹ میں آگ لگی محسوس ہو رہی تھی۔

وہ بے زار ہو کر اٹھ ہی گیا۔ یہاں لیٹے لیٹے وقت برباد کرنے سے تو یہی بہتر تھا کہ کھانا کھا لیا جائے۔ یوں بھی بہت زیادہ فراغت اسے کبھی بھی راس نہیں آئی تھی۔ کھٹا کھٹ یادوں کے دریچے کھلتے چلے جاتے۔ ٹپاٹپ اداسی برسنے لگتی۔

ان نامساعد حالات میں وہ جتنا بھی خود ترسی کا شکار ہوتا کم تھا۔ کبھی کبھی وہ سوچتا کیا ہی اچھا ہوتا وہ اپنی غلطی مان کر معافی مانگ لیتا اتنی انا بھی کس کام کی؟ جو صدیوں کے خسارے منٹوں میں تقدیر کے کھاتے میں ڈال دے۔

وہ بالوں میں انگلیاں چلاتا کمرے سے باہر آ گیا۔ جو گزر چکا تھا اس پر صرف پچھتایا ہی جا سکتا تھا اور وہ یہ کام خود کو زندگی کے جھمیلوں میں الجھاتے ہوئے بخوبی انجام دے رہا تھا۔

سارا ہی گھر خاموشی و تاریکی کی دبیز تہہ تلے اونگھ رہا تھا۔ نیچے آتے ہوئے اس نے کاریڈور کی ایک لائٹ جلا دی تھی جس کی ہلکی سی سنہری کرنیں یہاں نیچے لاؤنج تک آ رہی تھیں۔

کچن کی طرف جاتے ہوئے وہ بری طرح ٹھٹک کر رک گیا۔ چند لمحے اس نیم تاریکی سے مانوس ہونے میں لگے تھے تب ہی پتا چلا کونے والے سنگل صوفے پر اسوہ ٹیلی فون کا ریسیور کان سے لگائے بیٹھی تھی۔

شاہنواز کو کچھ عجیب سا لگا مگر وہ سیدھا کچن میں چلا آیا۔ بلاوجہ کی ٹوہ میں رہنا اس کی عادت نہ تھی۔ فریج میں چکن بریانی موجود تھی۔ کیک تھا، کسٹرڈ کے علاوہ فروٹس بھی دکھائی دے رہے تھے۔ اس نے بریانی کی پلیٹ مائیکرو ویو میں رکھی اور کوئی ایسی چیز تلاش کرنے لگا جو گریوی کے طور پر بریانی کے ساتھ کھائی جا سکے لیکن رات شاید تازہ کھانا بنا ہی نہیں تھا۔

اس نے صبر سے بریانی کی بھاپ اڑاتی پلیٹ اوون سے نکالی اور کھانے بیٹھ گیا پہلے تین نوالے اس نے بددلی سے کھائے مگر پھر وہ رغبت سے کھانے لگا۔ بھوک ہی اتنی لگی ہوئی تھی کہ سامنے ٹینڈے، کدو جیسی سبزی بھی رکھ دی جاتی تو وہ اسی رغبت سے کھا لیتا۔

وہ پانی لینے کے لئے اٹھا تھا جب عقب میں قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا گرم شال لپیٹے دروازے کے قریب اسوہ کھڑی تھی۔

''آؤ اسوہ!......'' وہ خوشدلی سے کہتا کرسی پر جا بیٹھا۔

''ولی بابا نے بہت مزے کی بریانی بنائی ہے تم بھی ٹیسٹ کرو۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' وہ اندر آتے ہوئے آہستگی سے بولا۔ شاہنواز نے چمچہ منہ میں رکھتے ہوئے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اس کی نظریں ہی نہیں چہرہ بھی جھکا ہوا تھا اور بالکل خاموشی سے میز کے پاس آ کھڑی ہوگئی تھی۔ اسے عجیب سا لگا۔

اسوہ غیر معمولی طور پر سنجیدہ لگ رہی تھی اور اس کی اتنی خاموشی بے حد پراسرار تھی۔

''پھر......؟'' اس نے تمہید باندھی۔ ''میں اپنے لیے کافی بناؤں گا کھانا کھا کر، تمہارے لیے بناؤں؟'' اس نے سابقہ انداز میں پوچھا۔

اسوہ نے آہستگی سے نفی میں سر ہلا دیا۔ شاہنواز کو اس کی خاموشی نے لاجواب کیا تھا۔

''کوئی مسئلہ ہے؟'' چند لمحے کی خاموشی کے بعد شاہنواز نے بغور اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''حارث شادی شدہ ہے اس کا ایک بیٹا بھی ہے۔'' اسوہ نے بے حد سنجیدگی سے جواب دیا لیکن یہ سنجیدگی صرف جملہ مکمل ہونے تک کی تھی۔ جملہ مکمل ہوتے ہی آنسو تواتر سے اس کے گال بھگونے لگے تھے۔

شاہنواز نے چمچہ پلیٹ میں رکھ دیا۔ چند لمحے وہ بھی کچھ نہیں کہہ پایا تھا۔

''بیٹھ جاؤ اسوہ۔'' اس نے آہستگی سے کرسی کھینچ کر کہا۔

''لوگ دھوکا کیسے دے لیتے ہیں؟ ان کا اپنا دل نہیں دکھتا۔'' وہ اب ہچکیوں سے رونے لگی تھی۔ شاہنواز نے اس کے کندھوں سے تھام کر کرسی پر بیٹھا دیا۔

''دل کتنا قیمتی ہوتا ہے مگر لوگوں کو پرواہ ہی نہیں وہ نہ آتا میرے پاس مگر دھوکا تو نہ دیتا۔'' اسوہ میز کی سطح سے سر ٹکائے مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔

شاہنواز کو اس پر ترس آیا۔ محض اسی دکھ سے بچانے کے لئے وہ اس سے حقیقت چھپائے ہوئے تھا ورنہ اسے تو تب ہی پتا چل گیا تھا جب اس نے حارث کے بارے میں چھان بین کروائی تھی۔

اس نے پانی کا گلاس لا کر اس کے سامنے رکھا پھر اس کا سر آہستگی سے تھپتھپا کر بولا۔

''یہ پانی پیو اسوہ اور پلیز رونا بند کر دینا۔ پتا نہیں تم لڑکیاں اتنا رو کیسے لیتی ہو۔ کوئی مسئلہ ہوا، کوئی پریشانی آئی تو بیٹھ کر رونا شروع

کر دیں گی۔ رونے سے مسائل حل ہو جاتے ہیں اگر ہاں تو پھر لوگ اکیلے کیوں روتے ہیں انہیں اجتماعی طور پر رونا چاہیے۔ ہوسکتا ہے اس طرح سے مسائل اور بھی جلد حل ہونے لگیں۔ رکو میں بھی رونے کی کوشش کرتا ہوں۔ کیا پتا ہم دونوں کے آنسو مل کر کوئی جادوئی اثر کریں اور اس اثر سے حارث اپنی بیوی کو طلاق دے۔ اپنے بچے کو یتیم خانے میں ڈلوا دے اور خود آ کر تمہارے قدموں میں مر جائے۔

قدموں سے یاد آیا۔ ہمارے آفس کے بالکل سامنے والے فٹ پاتھ پر ایک ملنگ بیٹھا ہوتا ہے اور اس کے پاس ایک بورڈ پڑا ہوتا ہے جس پر یوں تو اور بھی کافی کرامات کا ذکر ہوتا ہے لیکن سب سے اوپر ''محبوب قدموں میں وہ بھی صرف چند گھنٹوں میں'' کی عبارت لکھی ہوتی ہے۔ کل میں تمہیں اس کے پاس لے چلوں گا لیکن ابھی اس وقت میں رونے کی کوشش کرتا ہوں۔''

اسوہ رونا دھونا بھول کر بے حد حیرانی سے اس کی شکل دیکھ رہی تھی جہاں سنجیدگی تھی مگر الفاظ......

''آپ مذاق کر رہے ہیں؟'' اس کے خاموش ہوتے ہی اس نے حیرانی سے پوچھا۔

میرا کیا دماغ خراب ہے جو اتنی کریٹیکل سچویشن میں مذاق کروں گا۔''

''مجھے پتا ہے آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔'' وہ روہانسی ہوگئی۔

''چلو شکر ہے کم سے کم اتنی عقل تو ہے تم میں۔'' کرسی گھسیٹ کر آرام سے بیٹھتے اس نے اور بھی طنز سے کہا۔

''آپ کہہ سکتے ہیں۔'' وہ استہزائیہ ہنسی۔

''آپ پر گزری نہیں ہے ناں۔ جسے خود ایکسپرینس نہ ہو وہ دوسروں کو باتیں ہی بنا سکتا ہے۔ آئی ایم سوری میں اپنا غم شیئر کرنے آپ کے پاس آگئی۔ پلیز انجوائے یور ڈنر۔''

وہ ہتھیلیاں میز پر ٹکا کر اٹھنے لگی۔ شاہنواز نے سختی سے روک دیا۔

''ڈائیلاگ پورا ہوگیا؟......اب خاموشی سے میری بات سنو۔ پہلی بات تو یہ کہ دھوکا دے کر کسی کا دل دکھانے والوں میں شامل ہونے سے بہتر ہے انسان دھوکا کھالے کم سے کم اس طرح سے کسی کی اذیت کا بوجھ تو روح پر نہیں ہوگا۔ دوسری بات یہ کہ وہ انسان احمق ترین ہوتا ہے جو دھوکا دینے والے کو یاد رکھ کر اس کے لیے آنسو بہاتا ہے۔ آنسو دل کا خزانہ ہوتے ہیں اسوہ۔ اور ہم اپنا خزانہ کسی ایسے شخص کے لئے کیوں لٹائیں جس نے ہمیں دھوکا دیا۔'' وہ بہت ٹھہر ٹھہر دھیمے لہجے میں اسے سمجھا رہا تھا۔

''میں نے کہا ناں آپ کہہ سکتے ہیں کیونکہ آپ نے ایکسپرینس نہیں کیا۔ آپ کو کیا پتا جب کوئی منہ موڑتا ہے تو کیسا لگتا ہے اور کوئی بھی عام شخص نہیں وہ شخص بھی جو آپ کو اپنی زندگی سے بڑھ کر عزیز لگتا ہو۔ دھوکا کھائے بنا دھوکے کا مطلب سمجھ نہیں آتا شاہنواز بھائی۔'' وہ بضد تھی۔

شاہنواز کا دل چاہا ایک زوردار قہقہہ لگائے مگر......

”میرا دل چاہتا ہے میں مر جاؤں۔“ اسوہ پھر سے رونے لگی۔ شاہنواز اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے ساتھ والی کرسی کا رخ اس کی طرف کر کے بیٹھ گیا۔

”دیکھو اسوہ......“ اس نے بہت شفقت سے اسوہ کا ہاتھ تھاما تھا۔

”اوہو...... یہاں لیلیٰ مجنوں ڈیٹ منا رہے ہیں...... بھئی ایکسٹریملی ویری سوری۔“ حنان کی آواز پر وہ دونوں ہی دھک سے رہ گئے تھے۔ شاہنواز کے ہاتھوں سے اسوہ کا ہاتھ بے ساختہ چھوٹ گیا۔

حنان دروازے کے فریم سے کندھا لگائے خباثت سے مسکرا رہا تھا۔

☆......☆......☆

جس وقت گیتی آرا گاڑی سے اتری گلشن نگر کی سفید عمارت پر دوسرے پہر کی سنہری دھوپ تیزی سے پھیلنا شروع ہو چکی تھی مگر عمارت کے اندرونی حصے میں ایسا سناٹا چھایا ہوا تھا جو گہری رات کی خاموشی کو مات دیتا تھا۔

یہاں رات سے پہلے دن کے جاگنے کی روایت نہیں تھی۔

وہ تقریباً بھاگتی ہوئی درمیانی راستہ عبور کر رہی تھی۔ کوشش یہی تھی کہ جلد از جلد ریشم سے مل لے۔ دماغ میں جیسے شرارے پھوٹ رہے تھے۔ بے یقینی تھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت تو لگتا تھا ایک دم صفر ہو چکی ہے۔

تبھی اسے آپا بیگم دکھائی دے گئیں۔ بنی سنوری، سنگل صوفہ پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے بڑے انداز سے براجمان۔

حالانکہ ایسا ہونا نہیں چاہیے تھا مگر وہ آپا بیگم کی طرف یوں کھنچی چلی گئی جیسے مقناطیس لوہے کو کھینچ لیتا ہے۔

”ارے گیتی!......“ آپا بیگم کی نظروں میں تعجب سا چمکا تھا مگر اگلے ہی پل انہیں اپنے مہمانوں کا خیال آ گیا جو اس وقت موجود تھے۔

”ان سے ملیئے...... یہ گیتی آرا ہے میری......“ وہ بڑے طریقے سے تعارف کروا رہی تھیں مگر گیتی نے بات قطع کر دی۔

”رحاب کو کیا ہوا آپا بیگم۔“ ہراس، وحشت...... کسی کی موت کا خوف اسے پاگل کیے دے رہا تھا۔

آپا بیگم نے چونک کر اپنی منظور نظر کی جانب دیکھا ان پر جیسے انکشاف ہوا تھا۔

”تم اپنے کمرے میں چلو۔ میں کچھ دیر میں تمہیں بلواتی ہوں۔“ مسکرانا فی الحال مجبوری تھا مگر آنکھوں سے شرارے نکلنے لگے تھے مگر اس عقل کی اندھی کو کچھ دکھائی دیتا تب ناں......

”میں چلی جاؤں گی۔ آپ صرف اتنا بتا دیں۔ رحاب زندہ ہے ناں...... اسے کچھ ہوا تو نہیں۔“ بے حد سراسیمگی کے عالم میں اس نے غلط سوال جڑ دیا۔ مہمانوں کی موجودگی میں ایسا بے تکا سوال۔ آپا بیگم خفت سے کم غصے سے زیادہ سرخ ہو گئیں۔

وہ بڑے سبھاؤ سے معذرت کرتے ہوئے اٹھیں اور اسے بازو سے گھسیٹتی کونے میں لے گئیں۔

’’کیا دماغ خراب ہو چکا ہے......کوئی عقل ہے کہ نہیں۔‘‘ وہ آواز دبا کر اس پر غرا رہی تھیں۔

’’آپا بیگم رحاب۔‘‘

’’رحاب کی کچھ لگتی مری نہیں ہے وہ کمینی......آدھا خون خشک کرے گی میرا پھر ہی مرے گی۔فی الحال تم اپنی شکل گم کرو تم سے تو میں آکر نبٹتی ہوں۔شک تو خیر پہلے ہی تھا اب یقین ہو گیا ہے، کرتی ہوں بندوبست، کتے بھی رکھوالی کے لیے رکھے جاتے ہیں مگر جب اپنے مالک پر ہی حملہ کرنے لگیں تو زنجیر ڈالنا پڑتی ہے۔‘‘

’’آپا بیگم! ڈپٹی صاحب اجازت چاہ رہے ہیں۔‘‘ طبلہ نواز فدا حسین پیغام لیے چلا آیا۔

’’میرے کمرے میں چل کر انتظار کرو۔‘‘ آپا بیگم ایک چلچلاتی نظر اس پر ڈال کر مہمان خانے کی سمت بڑھ گئیں۔گیتی کو اس نظر سے خوف محسوس ہوا تھا مگر رحاب کی زندگی کی اطلاع بہرحال ایک اچھی اطلاع تھی۔اس نے خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کیا اور آپا بیگم کے کمرے کی طرف چل دی مگر راستے میں ریشم نظر آ گئی۔کاریڈور کے آخری حصے میں کھڑی وہ فون پر بات کرنے میں مصروف تھی۔گیتی رخ بدل کر تیز تیز قدم اٹھاتی اس کی طرف آ گئی۔

ریشم بھی اسے آتا دیکھ کر فون بند کر چکی تھی۔

’’کیا بکواس کی تھی مجھ سے؟‘‘ اس نے تڑخ کر پوچھا۔

’’بکواس؟......کون سی بکواس؟‘‘ ریشم نے تعجب سے اس کے تاثرات ملاحظہ کیے۔

’’یہی کہ رحاب مر گئی......میں آپا بیگم سے پوچھ کر آ رہی ہوں انہوں نے تو ایسا کچھ نہیں کہا۔تمہیں تھوڑی سی حیا ہے کہ نہیں، میری ڈیل تھی پتا ہے کتنی منتیں کر کے آئی ہوں۔‘‘

’’نہ جھوٹ بولا تھا نہ ہی بکواس کی تھی بالکل صحیح اطلاع دی تھی تمہیں، وہ بے چاری مر ہی گئی ہے۔نہ بھی مری تو مر ضرور جائے گی۔‘‘

’’ریشم! پہیلیاں بوجھنے کا شوق ہوتا تو وہیں ہمایوں کے فارم ہاؤس میں بیٹھے بیٹھے نہ پورا کر لیتی یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی مجھے؟......آپا بیگم نے تو کہا کہ وہ زندہ ہے کم سے کم یہ تو بتاؤ ہوا کیا ہے اسے؟‘‘

’’آپا بیگم نے کہا ہے تو جھوٹ تو نہیں بولا ہوگا......شکر ہے اللہ کا۔‘‘ ریشم ایک دم سے پرسکون ہوئی تھی پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

’’کمرے میں چل کر بات کرتے ہیں کسی اور کے کان میں بات پڑ گئی تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔‘‘

گیتی نے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھایا۔

’’مجھے آپا بیگم نے انتظار کرنے کا کہا ہے۔‘‘

’’ذرا اوپر کو آ جاؤ کمرے میں، میرے پیٹ میں ابال اٹھ رہے ہیں، پتا نہیں ان بدبختوں نے اس معصوم لڑکی کے ساتھ کیا سلوک

کیا ہوگا؟'' وہ اس کا ہاتھ پکڑے زبردستی اندر لے گئی۔

''مجھے تو بڑے بڑے وہم آرہے ہیں۔ آپا بیگم کی زبان کا مجھے بھروسہ نہیں۔ ویسے بھی اس الو کی پٹھی کو زندگی موت کا کیا پتا۔ ہماری خیر ہے، ہمیں تو ہماری مجبوریاں لے بیٹھی ہوئی ہیں لیکن یہاں اس چنڈال کے بنائے ہوئے کئی مردے ٹہلتے پھرتے ہیں مگر وہ انہیں زندہ کہتی ہے۔ رحاب کی عقل اور قسمت دونوں ہی خراب نکلیں۔ غلط وقت کمرے سے نکل کھڑی ہوئی بے وقوف کی بچی۔'' ریشم بیک وقت سب کو کوس رہی تھی۔

''مطلب؟'' گیتی الجھی۔

''مطلب یہ کہ دو روز پہلے اس نے بھاگنے کی کوشش کی وہ بھی رات کے گیارہ بجے کے قریب۔ اس وقت یہاں کیسا دن نکلا ہوتا ہے تمہیں تو پتا ہے سارے گارڈز دن بھر چاہے بھنگ چڑھائے رہیں رات کو سارے ہی چاق و چوبند ہوتے ہیں۔ بس پکڑی گئی بے چاری، میں اس وقت نکل رہی تھی، جب فتے کو اسے گھسیٹتے دیکھا۔ ایمان سے بڑا ترس آیا بے چاری پر، میں بھی آج صبح ہی آئی بڑی مشکل سے پتا چلا تھا اس کے بارے میں کہ بیسمنٹ میں رکھا ہوا ہے اور بیسمنٹ میں لے جائی جانے والی لڑکیوں کا کیا حشر ہوتا ہے یہ بات کوئی ڈھکی چھپی ہے۔ یاد نہیں پچھلے سال وہ جو ایک لڑکی آئی تھی چھوٹے چھوٹے بالوں والی۔ اس کا حشر تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔''

گیتی نے بے ساختہ جھرجھری لی۔ بیسمنٹ میں لے جائی جانے والی ایک نہیں وہ کئی لڑکیوں کا حشر دیکھ چکی تھی بہرحال انہیں وہی کرنا پڑتا تھا جو آپا بیگم کی مرضی تھی مگر قائل کرنے کے لیے جو طریقے اختیار کیے جاتے تھے وہ ناقابل بیان اور ناقابل تصور تھے۔

''تم نے مجھے فون پر ہی پوری بات کیوں نہیں بتا دی؟''

''پوری بات ہی تو بتائی تھی۔ گوشی کو پیسے دے کر رحاب کا پتا کروایا۔ وہ بیسمنٹ میں گئی اور آ کر بولی وہ مری ہوئی ہے، شاید بے ہوش ہوگی۔ میرے تو ہاتھ پیر پھول گئے اور کیا کرتی پھر...... تمہیں فون کر دیا۔'' پھر اسے اچانک خیال آیا تو بولی۔

''تم نے آپا بیگم کو بتایا تو نہیں تمہیں رحاب کے بارے میں کس نے بتایا؟''

''انہوں نے پوچھا تو نہیں لیکن ظاہر ہے کسی نہ کسی نے اطلاع دی ہوگی۔ میں نے کون سا موکل چھوڑ رکھے ہیں جو وہاں بیٹھے بیٹھے خبر کر دیتے۔'' اس نے طنزیہ کہا۔

''بیڑہ غرق ہو تمہارا......'' ریشم نے سر پیٹ لیا۔

''وہ خود ہی سمجھ گئی ہوں گی کہ میں نے بتایا ہے کیونکہ اس وقت میں ہی وہاں موجود تھی یعنی جب رحاب کو پکڑا گیا اور آپا بیگم نے تاکید کی تھی یہ بات کسی اور کو پتا نہ چلے کیونکہ ایک کی حرکت باقی سب کو بھی پر پرزے نکالنے کا حوصلہ دیتی ہے۔ اب مصیبت میرے گلے پڑ جائے گی۔ گیتی! عقل کی اندھی! تمہیں ضرورت کیا تھی اس سے پوچھنے کی۔'' وہ بے حد پریشان دکھائی دے رہی تھی۔

گیتی نے گردن موڑ کر اسے بری طرح گھورا اور چبا چبا کر بولی۔

''میں یہاں تمہاری دعوت ولیمہ اڑانے کے لیے بھاگی بھاگی نہیں آئی۔ رحاب کی موت کی خبر سن کر آئی ہوں۔ تمہارے تو اپنے ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔ مجھ سے کسی مصلحت آمیزی کی توقع کیسے کر سکتی ہو بی عقلمند۔''

''پتا ہے بچپن میں، میں نے ایک کہانی پڑھی تھی ڈراؤنی، جس میں ایک چڑیل اپنی خوب صورتی اور جوانی برقرار رکھنے کے لیے جوان لڑکیوں کا خون پیا کرتی ہے۔ یہ گلشن آرا بیگم اسی چڑیل کے خاندان سے ہے تم مانو یا نہ مانو۔''

اتنی پریشانی میں بھی گیتی کو ہنسی آ گئی۔ ریشم کی ہر بات ہر دفعہ ہی نرالی ہوتی تھی۔

''اب سکون سے بیٹھی رہو۔ دیکھی ہوں جا کر کیا ارشاد فرماتی ہیں بڑی بی...... کوشش کروں گی تمہارا نام نہ آئے۔'' کھڑے ہوتے ہوئے اس نے تسلی دینا چاہی۔

''کوئی فائدہ نہیں...... پیشی تو بھگتنا ہی پڑے گی لیکن خیر......'' وہ پریشان تو تھی مگر اتنی بھی نہیں۔

''سنو۔ کوشش کرنا ایک بار رحاب سے ملنے کا موقع مل جائے۔ حالانکہ یہ ممکن تو نہیں مگر پھر بھی...... اصل میں میرا دل کہہ رہا ہے اس غریب کی مدد کرنا چاہیے۔ نکال تو نہیں سکتی یہاں سے مگر سمجھا تو سکتی ہوں کم سے کم یہ اضافی اذیتیں تو بھگتنا نہیں پڑیں گی۔''

گیتی خاموشی سے اپنے بوجھل دل کا بوجھ اٹھائے باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆

''پتا نہیں میری انٹری ہمیشہ غلط وقت پر ہی کیوں ہوتی ہے۔''

حنان نے معصومیت سے باری باری ان دونوں کی جانب دیکھا تھا۔

شاہنواز کو بے حد شرمساری محسوس ہوئی وہ چور نہیں تھا مگر اس وقت ایسی ہی کیفیت کا شکار ہو رہا تھا جیسے چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا ہو۔

''آؤ حنان۔ میں کھانا کھا رہا تھا...... تم کیوں نہیں جوائن کرتے؟'' بے حد سنجیدگی سے اس نے حنان کی بات کا اثر زائل کرنا چاہا۔

''ٹھیک سے تو یاد نہیں لیکن میں نے ایک پاکستانی بلیک اینڈ وائیٹ مووی میں دیکھا تھا۔ ہیروئن ایک ہاتھ سے ہینڈ فین چلا رہی ہوتی ہے اور دوسرے سے ہیرو کے منہ میں نوالے ڈال رہی ہوتی ہے۔ مجھے اس سین پر بڑی ہنسی آئی تھی لیکن ایسا حقیقت میں بھی ہو جاتا ہے۔ ایکچولی میری معلومات اس معاملے میں خاصی کم ہیں۔ میری کسی گرل فرینڈ نے مجھے نوالہ نہیں کھلایا ناں۔ اسوہ! تمہارا ہینڈ فین کہاں ہے؟''

''شٹ اپ حنان۔'' اسوہ نے ناگواری سے کہا۔ مارے خفت کے اسے پسینے آ رہے تھے۔

''اس میں برا منانے کی کیا بات ہے یار! میں کوئی تم سے مانگ تو نہیں رہا۔ صرف پوچھا ہی تو ہے دراصل اس کے بغیر سین مکمل

نہیں لگ رہاناں۔'' اس کی معصومیت کمینگی کی حد کو چھو رہی تھی۔

''اتنامت گروحنان کہ بعد میں اٹھ بھی نہ سکو۔'' شاہنواز نے اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے ناگواری سے کہا تھا۔

''مجھے سمجھ نہیں آرہا آخر تم لوگ اتنا مائنڈ کیوں کر رہے ہو حالانکہ میں ایکسکیوز بھی کر چکا ہوں اور تم کہاں جارہے ہو شاہنواز! میں تو پانی پینے آیا تھا پی کر ابھی چلا جاتا ہوں۔ مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا تم لوگ ڈسٹرب ہو جاؤ گے تو میں کبھی نہ آتا۔''

''بکواس بند کرو حنان!'' شاہنواز غصے سے چلایا تھا۔

''اسوہ بہن ہے تمہاری، کوئی بھی بکواس کرتے ہوئے میری نہیں تو کم سے کم اس کی عزت کا خیال کرلو۔'' اس نے حنان کو اس کے الفاظ و انداز کی خوبصورتی کا احساس دلانا چاہا تھا مگر حنان کو اس کا یوں جلبلانا کس قدر لطف دے رہا تھا کوئی اس سے پوچھتا۔

''چلو مان لیتے ہیں وہ میری بہن ہے لیکن......لیکن تمہاری کیا ہے؟''

بالکل دھیمی آواز میں، بے حد دل جلانے والی مسکراہٹ کے ساتھ شاہنواز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس نے پوچھا تھا۔ جواباً شاہنواز نے الٹے ہاتھ کا گھونسا اسے رسید کر دیا۔ اس کی برداشت بس اتنی ہی تھی۔

حنان ڈائننگ چیئر سے ٹکرا کر نیچے گر گیا۔ اسوہ کے لبوں سے چیخ نکلی تھی۔

''اب ایک بھی گھٹیا بات کی نا تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' شاہنواز نے بے حد غضبناک کیفیت میں انگلی اٹھا کر اسے تنبیہہ کی تھی۔

''یو بلڈی راسکل......'' حنان مغلظات بکتا اس پر جھپٹا تھا۔

''تم کیا مجھے زندہ چھوڑو گے میں ہی تمہیں جنت کی سیر کروا دیتا ہوں۔'' اس نے شاہنواز کے منہ پر گھونسا رسید کیا اور ایک لات پیٹ میں۔

اسوہ اپنا غم بھول کر باہر بھاگی۔ پاپا کے بیڈروم کا دروازہ اس نے بری طرح دھڑ دھڑ اڈالا تھا ساتھ وہ آوازیں بھی دے رہی تھی۔

اگلے ہی پل دروازہ کھل گیا۔ اسے جہانگیر لاشاری کا فکر مند چہرہ دکھائی دیا تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی ان کی نظر ان دونوں پر پڑ گئی تھی، وہ دونوں تقریباً گتھم گتھا ہوئے لاؤنج میں پہنچ گئے تھے۔

جہانگیر لاشاری فوراً لپکے۔ اس وقت حنان زمین پر گرا ہوا تھا اور شاہنواز اسے بری طرح سے پیٹ رہا تھا۔ انہوں نے بمشکل اسے حنان سے الگ کیا تھا۔

''آخر ہو کیا گیا ہے تم دونوں کو؟'' وہ چلائے مگر ابھی جملہ مکمل بھی نہیں ہوا تھا حنان اٹھ کر پھر شاہنواز پر جھپٹا۔ اتنی مار کھا کر بھی اسے سکون نہیں آیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے قیامت آگئی ہو۔ رات کے سناٹے میں ایک دم سے اتنا شور ہوا تھا کہ ملازمین بھی بھاگے چلے آئے۔

وہ دونوں ہی بے قابو ہو رہے تھے بڑی مشکل سے سنبھالنا پڑا۔ اب کیفیت یہ تھی حنان کو زلفی، ولی بابا اور شمسہ نے قابو کیا ہوا تھا شاہنواز کو جہانگیر لاشاری روک رہے تھے یوں بھی اسے کچھ کچھ صورت حال کے بگڑنے کا احساس ہو رہا تھا۔

''آخر ہوا کیا ہے تم دونوں کو! کیوں پاگل ہو رہے ہو؟'' شمسہ نے پریشانی سے دونوں کی شکل دیکھی۔

''مجھ سے مت پوچھیں اپنے اس شہزادے سے پوچھیں۔ اس نے پھر مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے آئی ول کل ہم۔'' حنان غرایا۔

''پھر؟'' شمسہ اسی لفظ پر الجھیں کہ پچھلے واقعے سے قطعی لاعلم تھیں۔

''میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔'' شاہنواز بھی غرایا۔

''مما پلیز، حنان...... جھوٹ بول رہا ہے۔'' شمسہ نے اسوہ کی روتی ہوئی آواز سنی تھی۔

''تم لوگ اللہ کے لیے لڑنا بند کرو۔ میرا دماغ پھٹ جائے گا ورنہ۔'' شمسہ چلائی تھیں۔ لاؤنج میں خاموشی چھا گئی۔

''مجھے بات کرنی ہے۔'' حنان نے خود کو جھٹکے سے چھڑوایا اور شاہنواز کی طرف دیکھتے ہوئے چبا چبا کر بولا۔

''آج یہ معاملہ کلیئر ہو جانا چاہیے۔'' اس کا چہرہ غصے اور گھونسوں کے اثر سے سرخ ہو رہا تھا۔

''تم لوگ پلیز بیٹھ جاؤ جو بھی معاملہ ہے ہم آرام سے بیٹھ کر کلیئر کر لیتے ہیں۔'' یہ استدعا بھی شمسہ کی ہی تھی۔

وہ دونوں بیٹھے تو نہیں البتہ خاموش رہے اور یہ خاموشی ان دونوں کی طرف سے ہی مصالحتی کارروائی کے آغاز کا سگنل سمجھی گئی تھی۔

جہانگیر لاشاری نے پہلے ولی بابا اور زلفی کو جانے کا کہا پھر ان سے مخاطب ہوئے۔

''تم دونوں میں سے کون اس جاہلانہ حرکت کی وضاحت کرے گا؟''

ان کے لہجے میں غصہ بھی تھا اور ناگواری بھی۔

شاہنواز خاموشی سے اپنے ہونٹ سے بہتا خون پونچھتا رہا گو کہ اس وقت وہ غصے سے پاگل ہو رہا تھا مگر چاہ کر بھی اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا وہ اس بات کی کیا وضاحت کرتا جو ان لوگوں تک پہنچی ہی نہیں۔

''آپ دونوں سے وضاحت کیوں مانگ رہے ہیں؟ تینوں سے مانگیں۔''

''کیا مطلب؟'' جہانگیر لاشاری نے ناسمجھی سے اس کی طرف دیکھا۔

''آپ کی بیٹی بھی یہیں موجود تھی۔'' اس نے جتا کہا۔ شمسہ اور جہانگیر لاشاری کی نظریں خود پر محسوس کر کے اسوہ کچھ بولنے کی کوشش میں بری طرح رونے لگی۔ نشوا نے گھبرا کر اسے خاموش کروانے کی کوشش کی تھی۔

''حنان! خدا کے لیے پہلیاں مت بجھواؤ۔'' شمسہ جھنجھلائیں۔

''خالہ! کوئی بات نہیں ہے......'' شاہنواز نے معاملہ سمیٹنے کی کوشش کی تھی کیونکہ وہ حنان کے تیور دیکھ رہا تھا۔ اسے علم ہو گیا تھا وہ

ابھی بھی اپنی کہنے سے نہیں ٹلے گا۔

''کیوں کوئی بات نہیں ہے...... میں آپ کو بتاتا ہوں۔'' حنان نے اپنی پھٹی ہوئی شرٹ کی آستین کھینچ کر ٹھیک کی تھی۔

''میں یہاں پانی پینے آیا تھا لیکن کچن میں یہ دونوں موجود تھے...... میں عین وقت پر پہنچ گیا تو یہ بات انہیں بری لگ گئی۔ اب مجھے کیا پتا رات کے اس پہر یہ دونوں کیا کر رہے تھے۔'' اس کے سادہ الفاظ میں بھی بہت بڑی بات چھپی ہوئی تھی۔

''اتنی مار کھا کر بھی تمہاری طبیعت صاف نہیں ہوئی۔'' شاہنواز نے اشتعال تاسف سے اسے دیکھا۔

''یہ جھوٹ بول رہا ہے مما۔'' اسوہ نے روتے ہوئے چیخ کر کہا۔

''شاہ بھائی کھانا کھا رہے تھے میں ان سے کوئی بات کرنے آئی تھی...... پلیز پاپا بلیومی...... یہ جھوٹ بول رہا ہے۔'' اس نے التجا کی۔

''اوہ کم آن اسوہ! آخر تم گھبرا کیوں رہی ہو شاہنواز میں برائی کیا ہے۔ ہاں ٹھیک ہے یہ تمہارے فادر کے ٹکڑوں پر پلا ہے یہ بھی ٹھیک ہے اسے اس کے پیرنٹس نے گھر سے دھکے دے کر نکال دیا تھا کیونکہ اس نے گل بانو نامی لڑکی کو......''

''بس حنان! اس سے آگے ایک لفظ نہیں۔'' شاہنواز کی برداشت پھر آخری حدود کو چھونے لگی تھی اور اس بار یہ عالم تھا کہ شاید وہ اسے قتل ہی کر ڈالتا۔

''کیوں؟...... سننے میں برا لگتا ہے؟'' حنان نے ایک بار پھر اس کی بے بسی سے حظ اٹھایا تھا۔

''تم ہی مان لو اسوہ! شاہنواز صاحب تو کبھی نہیں مانیں گے کہ ان کا آپ کے ساتھ افیئر چل رہا ہے۔''

''حنان......'' چلائے جہانگیر تھے مگر ہاتھ شمسہ کا اٹھا تھا۔

لاؤنج میں خاموشی چھا گئی۔ حنان بے یقینی سے گال پر ہاتھ رکھے شمسہ کو دیکھ رہا تھا۔ معاً اس کا چہرہ لال ہو گیا۔ اس نے قہر بھری نگاہ جملہ احباب پر ڈالی اور تیز تیز قدم اٹھاتا زینہ عبور کر گیا۔

شاہنواز خاموش تھا وہ اپنے ہونٹوں سے نکلتا خون صاف کرنا بھول گیا تھا مگر ایک بہت کمینی سی خوشی اس کے اندر تک اتر گئی تھی مگر افسوس بھی ہوا تھا۔ حنان اس سے زیادہ کا مستحق تھا۔

''سر! میں......'' اس نے اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہا مگر جہانگیر لاشاری نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

''صبح بات ہو گی...... فی الحال ہمیں اکیلا چھوڑ دو۔'' ان کے سنجیدہ لہجے سے پریشانی جھلک رہی تھی۔ شاہنواز کو ہتک محسوس ہوئی۔ انہیں اسے وضاحت کا موقع دینا چاہیے تھا مگر......

وہ تنے ہوئے اعصاب مگر خاموشی کے ساتھ جس وقت سیڑھیوں کی جانب بڑھا۔ اس وقت اسوہ شمسہ کے گھٹنوں سے سر ٹکائے کارپٹ پر بیٹھی بہت شدت سے رو رہی تھی۔

”میں جھوٹ نہیں بول رہی مما۔ حنان نے جھوٹ بولا ہے شاہنواز بھائی میرے بھائی ہیں۔ آئی سویئر میں اتنی گندی بات کا سوچ بھی نہیں سکتی...... میں بتاتی ہوں آپ کو اصل بات...... میں تو مدد مانگنے آئی...... حارث نے...... حنان غلط کہہ رہا ہے۔“

وہ سسکتے ہوئے انہیں بتا رہی تھی شمسہ نے کچھ بھی نہ سنا، سوائے اس کے کہ ”حنان نے جھوٹ بولا ہے۔“ ان کا دل دکھ سے پھٹ رہا تھا اور اعصاب شل ہو گئے تھے۔ ذرا سا جھکتے ہوئے انہوں نے اسوہ کے سر پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔

”میں جانتی ہوں تمہاری غلطی نہیں ہے میرا اپنا پودا ہی زہریلا نکلا ہے...... حنان! تمہارے ہاتھوں اور کتنی ذلتیں سہنا باقی رہ گئی ہیں؟“

ان کے ہونٹ خاموش تھے مگر آنکھوں سے بہتے آنسو اسوہ کے بالوں میں جذب ہونے لگے تھے۔

ناول **بساطِ دل** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات آپ آنے والی ان تاریخوں (15th, 20th, 25th) میں پڑھ سکیں گے۔

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
امایہ سردار خان کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

اک فسون تو

آپ کو ایک ماہ انتظار کی ضرورت نہیں ہوگی، یہ اقساط ہر **جمعرات** کتاب گھر پر پیش کی جائیں گی۔

http://kitaabghar.com

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
عشنا کوثر سردار کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

مجھے محبت کا قرینہ دو

آپ کو ایک ماہ انتظار کی ضرورت نہیں ہوگی، یہ اقساط ہر ہفتہ کتاب گھر پر پیش کی جائیں گی۔

http://kitaabghar.com

اسے لگ رہا تھا۔ آج تو سر درد سے ضرور ہی پھٹ جائے گا۔ اپنے کمرے میں ہوتی تو ضرور اس درد کو بھگانے کی کچھ تدبیر کرتی مگر اس وقت تو آپا بیگم کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ ان کے متوقع سوالات کے جواب بھی تب ہی ترتیب دے پاتی جب یکسوئی سے سوچتی۔ یہاں تو یہ حال ہو رہا تھا سوچتی کچھ تھی خیال کچھ آتا تھا۔

اس پر اسے رحاب کی التجائیں، جنہیں وہ برابر ہی رد کرتی رہی تھی۔ اس وقت کتنی شدت سے یاد آنے لگی تھیں۔ کیا تھا جو وہ اس کی تھوڑی سی مدد کر ہی دیتی؟ کون سی قیامت ٹوٹ پڑتی؟

کس راجدھانی کے چھن جانے کا خدشہ تھا اسے؟

انگلی تو تب بھی اٹھتی اب بھی اٹھ رہی تھی۔

الزام تو تب بھی لگتا۔ اب کون سا اسے بری قرار دے دیا جاتا؟

تو جب ہر طرح سے شک کے دائرے میں آنا ہی تھا تو کچھ عقل سے کام کیوں نہ لے لیا۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا وہ دروازہ کھلا چھوڑ دینے کے علاوہ کچھ اور باتوں سے بھی خبردار کر دیتی۔

دروازہ کھلا تھا اس کی سوچ کا سلسلہ ایک جھٹکے سے ٹوٹ گیا۔

آپا بیگم ساڑھی کی فال کو نزاکت سے مٹھی میں دبوچ کر کمرے میں داخل ہوئیں اور پلنگ کے کنارے پر ٹک گئیں۔ کھوج لگاتی نظریں گیتی کے آر پار ہو رہی تھیں۔

''مجھے لگتا تھا اور یقیناً غلط ہی لگتا تھا کہ تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتیں۔''

''میں آپ کو دھوکا کیوں دوں گی؟'' اس نے کمال معصومیت سے پلکیں اٹھا کر سوال کیا۔

''مجھ سے مت پوچھو تم خود بھی اچھی طرح جانتی ہو۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر غرائیں۔

''اس لڑکی کو تمہارے کمرے میں اس لیے رکھا تھا کیونکہ تم پر ہی سب سے زیادہ بھروسہ تھا مجھے......لیکن میرے بھروسے کا کیا کیا تم نے؟......اس لڑکی کو بھگا دیا اللہ کا شکر ہے میرے گارڈز تمہاری طرح احسان فراموش نہیں ہیں۔''

''باخدا آقا بیگم! میں نے ایسا کچھ نہیں کیا؟...... مجھے تو خود ساری بات آ کر پتا چلی ہے۔''

''گیتی! میں بچی نہیں ہوں کہ تم مجھے باتوں سے بہلاؤ، سات کنوؤں کا پانی پینے والا گھاگ ہو جاتا ہے میں ستر کنوؤں کا پانی پی چکی ہوں۔'' وہ سرد مہری سے بولیں۔

''لڑکی ہمارے قبضے میں ہے کوئی مائی کا لعل دنیا میں ایسا نہیں جو گلشن آرا کی مرضی کے بغیر گلشن نگر کا مال نکال کر لے جائے۔ مجھے

صرف اس سوال کا جواب چاہیے تم نے اتنی ہمت کیوں کی؟......ایسا کون سا رشتہ نکل آیا تھا اس سے جو اسے بھاگنے میں مدد دی۔"

"قسم اٹھوا لیں مجھ سے مدد نہیں کی میں نے۔" اس نے کہا۔

"اتنی منتیں کرتی تھی کہ کسی طرح اسے باہر نکال دوں مگر میں آپ سے غداری کیسے کر سکتی ہوں۔ بس ایک غلطی ہوئی مجھ سے۔ اس روز جلدی میں، میں کمرے کو لاک کرنا بھول گئی تھی۔"

آپا بیگم کچھ دیر اسے بغور دیکھتی رہیں پھر ٹھنڈے ٹھار لہجے میں بولیں۔

"میں کیسے یقین کر لوں کہ دروازہ غلطی سے کھلا رہ گیا؟"

"کوئی سی بھی قسم کھا سکتی ہوں۔ اسکے علاوہ تو آپ کو یقین دلانے کا کوئی راستہ نہیں ہے میرے پاس۔" اس نے سر جھکا کر کہا۔

"یہ تو خیر مجھے پتا ہے کہ تم تک خبر کیسے پہنچی ہو گی۔" آپا بیگم نے پرسوچ انداز میں کہا۔ "سوال یہ ہے کہ اگر اس لڑکی کو فرار ہونے کا موقع تمہاری غیر ذمے داری کی وجہ سے ملا اور تم نے اس کی مدد بھی نہیں کی تو تم اس کے لیے اتنی فکر مند کیوں تھیں؟"

گیتی نے زبان دانتوں تلے دبائی سامنے بیٹھی عورت واقعی گھاگ تھی۔

"جیتی جاگتی انسان تھی وہ آپا بیگم اور تقریباً ڈیڑھ ماہ میرے ہی کمرے میں رہی۔ اتنا عرصہ کوئی بکری بھی باندھ دی ہوتی تو اس سے بھی انسیت ہو جاتی رحاب تو پھر انسان تھی۔" اس نے بڑے طریقے سے وضاحت دی تھی۔

آپا بیگم ہتھیلیوں کا بوجھ دائیں بائیں ڈال کر اس کی شکل دیکھتی رہیں۔ اس کے بیان پر یقین نہیں آ رہا تھا مگر بظاہر کوئی ایسی وجہ بھی تو دکھائی نہیں دے رہی تھی کہ یقین نہ کیا جاتا۔

وہ کچھ دیر تذبذب کا شکار رہیں پھر بولیں۔

"پہلی غلطی ہے تمہاری اس لیے چھوڑ رہی ہوں ویسے بھی ایک چھوٹی موٹی سی لڑکی گلشن آراء کیلئے مسئلہ نہیں بن سکتی۔ مسئلہ تب ہو گا جب اس کے دیکھا دیکھی اور لڑکیاں ایسی جرأت کرنے لگیں گی۔ خدانا خواستہ اگلی بار کتنا بھی غم کیوں نہ ہو اپنی زبان پر قابو رکھنا خصوصاً مہمانوں کی موجودگی میں، لوگ تو یوں بھی تاک میں رہتے ہیں ہماری...... کاروبار میں سو طرح کی باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے سمجھیں؟...... اب جاؤ یہاں سے......اور ہاں! ذرا ریشم کو میرے پاس بھیج دینا۔"

اس نے اُٹھتے ہوئے آپا بیگم کو کہتے سنا تھا مگر اس وقت ذہن کسی اور نہج پر سوچ رہا تھا۔

"آپا بیگم......" اس نے آہستگی سے کہا۔

"ہوں۔" وہ گاؤ تکیے سے ٹیک لگا رہی تھیں۔

"مجھے معاف کر دیں۔ میری ذرا سی لاپرواہی سے آپ کو بہت پریشانی ہو۔" اس نے بے حد شرمندگی سے کہا۔ بے شک اس

نے ستر تو کیا سات کنوؤں کا پانی بھی نہیں پیا تھا مگر کس وقت، کس طرح کی زبان بول کر، کس سے، کتنا فائدہ حاصل کرنا ہے وہ بہت اچھی طرح سمجھ چکی تھی۔

''گلشن آرا اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان نہیں ہوتی میری جان۔'' آپا بیگم مسکراتے ہوئے اس کے قریب آ گئیں اور کندھوں پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔

''بے فکر ہو جاؤ مجھے تمہاری بات پر بھروسہ ہے۔ پتا نہیں کیوں تم پر اعتماد کر لینے کو جی چاہتا ہے کوئی عجیب سی انسیت محسوس ہوتی ہے تم سے......'' ان کا انداز پرسوچ سا تھا۔

''شاید......'' وہ کچھ کہتے کہتے رکیں۔

''نہیں وہ بات نہیں ہو سکتی، یقیناً مظہر کی وجہ سے ہے......'' انہوں نے وثوق سے کہا اور اس کا گال چھو کر بولیں۔

''اپنے ذہن کو ہر طرح سے آزاد کر لو۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے بس ابھی تمہاری طبیعت میں غیر ذمہ داری اور لاپروائی ہے جو وقت گزرنے کے ساتھ ہی ختم ہو گی...... جا کر کچھ آرام کر لو لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا اس لڑکی کے بارے میں کسی اور کو پتا نہ چلے......سمجھ گئیں ناں......ریشم کی طبیعت بھی صاف کرتی ہوں۔ جا کر بھیجو اسے۔''

وہ سر ہلاتی باہر نکل گئی۔ ایک پل کو دل چاہا رحاب سے ملنے کی خواہش کا اظہار کرے مگر رحاب سے رتی بھر ہمدردی یا اسکے بارے میں کوئی بھی اگلی بات آپا بیگم کو اس کے متعلق شک میں ڈال سکتی تھی۔ اس لیے اس نے اس معاملے کو فی الحال کسی اور وقت پر ٹال دیا تھا۔

☆......☆......☆

ہجر اور ڈوبتے سورج کی قسم
شام کے پار کوئی رہتا ہے
جس کی یادوں سے بندھی رہتی ہے دھڑکن دل کی
اور اسے دیکھ کے سینے میں یہ ہی لگتا ہے
جیسے ویرانے میں بیمار کوئی رہتا ہے۔

مومنہ نے گردن موڑ کر گل بانو کو دیکھا پھر بے حد بے زاری سے گردن موڑ کر نہر کے کنارے اس ویران جگہ میں کوئی ایسی چیز تلاش کرنے لگی جو اسے بوریت سے بچا سکے۔ گل بانو کو آج پھر دورہ پڑا ہوا تھا جیسے ٹیپ خود بخود چلتا رہتا ہے ایسے ہی اس کے منہ سے اشعار نکل رہے تھے مگر ٹیپ میں بھی کبھی وقفہ آ جاتا ہے۔ گل بانو تو جب کبھی ایسی کیفیت کا شکار ہوتی تو نان اسٹاپ بجنے لگی تھی۔ یہ دیکھے بنا کہ سامنے والا کس قدر بے زاریت کا شکار ہو رہا ہے وہ بجے ہی جاتی تھی۔

اس وقت بھی مومنہ بڑی مشکل سے اس کی اس بے خودی کو برداشت کر رہی تھی مگر ٹوکنے کا یارا نہیں تھا۔

تم سے بچھڑ کر میں کیا ہوں
اک ادھوری نظم کا مصرعہ
یا کوئی بیمار پرندہ؟
کاپی میں اک زندہ تتلی؟
یا ایک مردہ پیلا پتا؟
آنکھ ہو کوئی خواب زدہ سی؟
یا آنکھوں میں ٹوٹا سپنا
پلکوں کی دیوار کے پیچھے
پاگل قیدی یا اک آنسو؟
دھوپ میں لپٹا لمبا صحرا؟
یا پھر خوف زدہ سا بچہ؟
ٹوٹی ہوئی چوڑی کا ٹکڑا؟
یا کوئی بھولا بسرا وعدہ؟
تم ہی بتاؤ!
تم سے بچھڑ کر میں کیا ہوں؟
ایک پرانی قبر کا کتبہ
یا کوئی متروک دعا

''اونہہ...... یہ ساری نحوست والی باتیں آپ کو ہی کیوں یاد رہتی ہیں؟'' مومنہ نے چڑ کر کہا تھا۔گل بانو چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔

''ایں؟...... مجھ سے کچھ کہا۔''

''آپ سے کیوں کہوں گی۔ یہاں پر آپ کے ساتھ صرف اسی لیے تو آتی ہوں کہ ان درختوں سے باتیں کر سکوں۔'' وہ جل کر بولی۔گل بانو ہنس دی۔

''بالکل ہی پاگل ہو۔'' اس نے ہلکے سے مومنہ کے سر پر چپت لگائی تھی۔

''ہاں جی عقل مندوں کے ساتھ بیٹھ کر تو ہم پاگل ہی لگتے ہیں۔'' اس کا موڈ بہت خراب ہو چکا تھا۔

''بہت ناراض ہو گئی ہو؟...... میں کیا کروں منی! آج دل بہت اداس ہو رہا ہے اب تو لگتا ہے صدیاں بیت گئیں اسے دیکھے۔ پہلے خود کو بہلا لیتی تھی اب دل نہیں بہلتا پتا نہیں اللہ مجھے اپنے پاس بلا کیوں نہیں لیتا؟......شاید میں واقعی اتنی بری ہوں کہ مجھے دنیا والے برداشت کرنا چاہتے ہیں نہ اللہ۔'' وہ بے حد دلگرفتہ ہو رہی تھی۔

''اوہو......ایک تو آپ بہت جلدی ایموشنل ہو جاتی ہیں۔'' اس نے گل بانو کا ہاتھ تھام کر کہا تھا۔

''ہاں شاید......'' وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

''کوئی اور بات کرتے ہیں۔'' وہ خوشدلی سے مسکرائی۔

''ہوں......'' گل بانو کو کچھ خیال آیا تھا۔

''وہ تم کیا کہہ رہی تھیں اسوقت......ناصر کے بارے میں؟''

''اونہہ......دفع دور۔'' وہ جل کر بولی۔

''میں اس کے بارے میں کیوں بات کروں گی اتنا برا لگتا ہے وہ مجھے۔''

''مگر کیوں؟......'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''وہ تو بیحد اچھا ہے اور...... پھر تمہیں تو پسند بھی بہت کرتا ہے۔'' وہ بے دھیانی میں بولتی ایک دم سے اس پر حیرانی کا پانی انڈیل گئی تھی۔

''یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟......''

''کیا؟''

''یہی کہ ناصر...... مجھے پسند......'' وہ جھجک کر خاموش ہو گئی۔

''اللہ......کیسے لال پیلی ہو رہی ہو؟'' گل بانو نے قہقہہ لگایا منی بالکل ہی جھینپ گئی۔

''میں جا رہی ہوں۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی لیکن گل بانو نے اس کا ہاتھ تھام کر دوبارہ بٹھا دیا۔

''ناراض کیوں ہو رہی ہیں میری جان! میں کون سا جھوٹ بول رہی ہوں۔ وہ واقعی تمہیں پسند کرتا ہے اور کرنا بھی چاہیے اتنی پیاری تو ہو تم۔''

''ایسے مت کہیں۔'' وہ سٹپٹا کر بولی۔

''کیوں نہ کہوں۔'' وہ بضد ہوئی۔

''اچھا نہیں لگتا......کوئی سنے گا تو کیا سمجھے گا؟......'' وہ ہاتھ مسلتے ہوئے بولی۔

''ویسے بھی وہ بدتمیز لڑکا مجھے پسند نہیں کرسکتا ہر وقت تو مذاق اڑاتا رہتا ہے میرا، آپ کو ضرور غلط فہمی ہوئی ہے۔''

''نہیں خیر مجھے غلط فہمی تو نہیں ہوسکتی اتنا تو چہرے پڑھنے کا فن آتا ہے مجھے۔'' گل بانو کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔

''لیکن......اگر تمہیں پسند نہیں کرتا تو ٹھیک ہے اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ تم ٹینشن مت لو میں اس سے کہوں گی تمہیں تنگ مت کیا کرے۔''

''اور میری ناک کا مذاق بھی نہ اڑایا کرے۔'' وہ جلدی سے بولی۔

''دیکھیں باجی جی! میری ناک اتنی چھوٹی تو نہیں ہے ناں؟'' اس کا انداز بے حد معصومانہ تھا گل بانو نے ہنستے ہوئے اس کو اپنے ساتھ لگالیا۔

''بہت پیاری ناک ہے تمہاری، ناصر بکواس کرتا ہے۔ بس یونہی تمہیں چڑانے کے لیے کہتا ہوگا تاکہ تم یونہی جلتی بھنتی رہو اور اس کے متعلق سوچتی رہو۔'' اس نے اندازہ لگایا۔

''بدتمیز۔'' اس نے دانت کچکچائے۔ ''میرا دل چاہتا ہے اسے قتل کردوں۔''

''ہاہاہا......'' گل بانو نے قہقہہ لگایا۔

''پتا ہے تمہیں اور ناصر کو دیکھ کر مجھے اپنا وقت یاد آتا ہے۔ میں اور شاہنواز بھی یونہی ایک دوسرے سے جھگڑا کرتے تھے۔ میں بھی تمہاری طرح اسے ناپسند کرتی تھی لیکن پھر......دراصل یہ محبت بڑی کمینی چیز ہوتی ہے چپکے سے نقب لگالیتی ہے۔'' درختوں کے درمیان کسی پرندے نے اڑان بھری تھی وہ دونوں ہی چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

درختوں کے پار شام ڈھل رہی تھی اور ہلکی ہوا کی سرسراہٹیں ابھر رہی تھیں۔

رات آپہنچی ہے آنکھوں میں نئے زخم لیے\
ہنس رہے ہیں میری ویرانی پہ تارے غم کے\
ایسے ماحول میں تنہائی کے طعنوں سے جگر کٹتا ہے

گل بانو پھر سے گنگنانے لگی مگر اسے علم نہ تھا انجانے میں وہ مومنہ کے احساسات کو چھیڑ چکی ہے۔

☆......☆......☆

''آئی ایم سوری سر! میں بخت انٹرپرائزز کے ساتھ مزید کام نہیں کرسکتا۔ یہ میرا ریزگنیشن ہے۔'' اس نے پورے اعتماد سے کہا تھا۔

جہانگیر لاشاری ہونٹوں پر بند مٹھی دبائے اس پرنٹڈ کاغذ کو دیکھتے رہے پھر انہوں نے اس کاغذ کو کسی بیکار پرزے کی طرح شاہنواز کے سامنے میز پر پھینک دیا تھا۔

''مجھے تم سے اس بے وقوفی کی توقع نہیں تھی۔'' وہ غیر معمولی حد تک سنجیدہ دکھائی دے رہے تھے۔

''یہ بے وقوفی نہیں ہے سر! میں کل ساری رات سوچتا رہا ہوں اور مجھے اس سے زیادہ عقلمندانہ فیصلہ اور کوئی نہیں لگا۔''

جہانگیر لاشاری کو وہ چھوٹا سا بچہ لگا جو نروٹھے پن سے بول رہا تھا انہوں نے اپنی مسکراہٹ چھپائی۔

''سارت رات سوچتے میں گزار کر کسی فیصلے پر درستگی کی مہر ثبت نہیں ہو جاتی بعض اوقات پوری زندگی کا حاصل جو فیصلہ ہوتا ہے اس کے نتائج بھی حسب توقع نہیں نکلتے تو وہ غلط نکلتا ہے...... پوائنٹ سمجھو بیٹے۔''

''میں یہاں ہوں گا تو مسائل بڑھیں گے سر!'' وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا اپنا ماضی الضمیر کس طرح ان تک پہنچائے۔

''زندگی ہے تو مسائل بھی ہوں گے۔ لیکن مسائل کی وجہ سے سب لوگ جینا تو نہیں چھوڑ دیتے۔ ویسے بھی بہت پیس فل زندگی بھی بور کر دیتی ہے۔'' پتا نہیں وہ اسے باتوں سے کیوں بہلانا چاہ رہے تھے۔

شاہنواز دل ہی دل میں جھنجھلایا۔

''سر! کل جو کچھ ہوا اس کا مجھے بے حد افسوس ہے میں نہیں چاہتا ایسا دوبارہ ہو۔''

''اچھی بات ہے...... میں بھی نہیں چاہتا۔'' انہوں نے ہاں میں ہاں ملائی۔

''اور اس مسئلے کا صرف یہی حل ہو سکتا ہے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں حنان کو یہی اعتراض ہے کہ میں یہاں کیوں ہوں۔ میرا خیال ہے میں چلا جاؤں گا تو وہ بکواس کرنا بند کر دے گا ہو سکتا ہے پھر اسے یہ بھی احساس ہو جائے کہ اس آفس میں اسکی کتنی ضرورت ہے۔''

''بے وقوف ہے حنان! تم اس کی باتوں کو سنجیدگی سے مت لو۔''

''کل جو کچھ ہوا وہ بہت شرمناک تھا بلیومی سر! میں اسوہ کے بارے میں کبھی ایسا نہیں سوچ سکتا۔'' وہ سر جھکائے وضاحتوں پہ وضاحتیں دے رہا تھا۔

''تم سے وضاحت کون مانگ رہا ہے شاہنواز۔''

''آپ لوگوں کا کوئی سوال نہ کرنا ہی تو مجھے گلٹ فیل کروا رہا ہے۔ میں خالہ کے پاس گیا تھا تا کہ انہیں اصل بات سے آگاہ کر سکوں مگر وہ ٹرینکولائزرز لے کر سو رہی تھیں کم سے کم آپ تو مجھے وضاحت کا موقع دیں۔''

''کیا تمہارے لیے یہ بات کافی نہیں ہے کہ ہمیں تم پر بھروسہ ہے؟'' انہوں نے بغور اس کی جانب دیکھا۔

''کل اسوہ ہمیں سب کچھ بتا چکی ہے۔ ایسے میں شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں نکلتی اول تو ہمیں تم پر بے حد بھروسہ ہے نہ بھی ہوتا تو

میں اپنی بیٹی کی بات تو کسی صورت نہیں جھٹلا سکتا تم حنان کی باتوں کو دل سے نکال دو۔''

شاہنواز نے اپنے کندھوں سے کوئی بوجھ ہٹتے محسوس کیا تھا۔

''باقی بات رہی اسکی......'' جہانگیر لاشاری نے وہ کاغذ کا پرزہ اٹھایا مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے شاہنواز نے انکی بات قطع کی۔

''آپ کے میری ذات پر اتنے احسانات ہیں سر! کہ میں کوشش کے باوجود نہیں اتار سکتا۔ آپ کے بھروسے کے لیے بھی میں ساری زندگی مشکور رہوں گا لیکن اب میں یہاں کام نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے اپنا الگ مقام بنانا ہے سر...... ویسے بھی جو بات آج حنان نے کہی ہے اس سے پہلے کسی اور کی زبان پر آئے میں الگ ہو جانا چاہتا ہوں۔''

جہانگیر لاشاری یکدم سنجیدہ ہوئے۔

''یہاں سے نکل کر کیا کرو گے؟''

''جاب تلاش کروں گا سر! میری کوالیفکیشن اتنی ہے کہ اچھی جاب مل جائے گی انشاءاللہ۔'' اس نے پورے اعتماد سے کہا۔

''اپنے الگ تشخص کے چکر میں تم بخت انٹرپرائزز کو اچھے ورکر سے محروم کیوں کرنا چاہ رہے ہو یار! یہاں ضرورت ہے ابھی تمہاری۔''

''آپ کا بڑا پن ہے سر! ورنہ میں تو آپ سے سیکھا ہوا ہی چل رہا ہوں۔'' اس نے عاجزی سے کہا۔

''ہوں......'' جہانگیر لاشاری نے کچھ سوچ کر ریزگنیشن لیٹر پر سائن کر دیئے۔

''رولز کے مطابق تمہیں دو ماہ کا نوٹس دینا ہو گا مزید۔ تب تک تمہیں اپنی ڈیوٹیز پہلے کی طرح انجام دینا ہوں گی۔''

''لیکن سر!'' وہ گڑبڑا گیا یہ دو ماہ کی اضافی شرط نا قابل قبول تھی۔

''نو لیکن ویکن......'' وہ مسکرائے جیسے اسے جال میں پھانس لینے پر خوش ہو رہے ہوں۔

''ایک ہم نے تمہاری مان لی دوسری تمہیں ماننا ہو گی او کے۔ میں چلتا ہوں اب......اور ہاں۔'' وہ جاتے جاتے پلٹے۔

''کل جو انٹرویوز کینسل ہوئے تھے وہ آج ہوں گے ناں؟''......زری نے کسی لڑکی کی سفارش کی ہے وہ چار بجے آئے گی تب تک یہ انٹرویوز نبٹ چکے ہوں گے تم پلیز اسے ضرور کہیں ایڈجسٹ کر لینا ضرورت مند ہے بے چاری۔''

وہ حکم دے کر چلتے بنے۔ شاہنواز نے جھنجھلا کر سر ہاتھوں میں گرا لیا۔ وہ کب سے سوچ رہا تھا کہ اسے بخت انٹرپرائزز سے الگ ہو جانا چاہیے کیونکہ اس کی محنت کو جہانگیر لاشاری کے تناظر میں ہی دیکھا جاتا تھا وہ یہاں سے نکل کر کہیں اور جاتا اپنا الگ کام کرتا اور خود کو منواتا تو اسے بھی اچھا لگتا مگر جہانگیر لاشاری نے دو ماہ کی شرط رکھ دی تھی اور وہ بری طرح جھنجھلا رہا تھا۔

وہ اسی سوچ میں تھا کہ اس کی سیکرٹری نے انٹرویو شروع کرنے کے متعلق پوچھا شاہنواز نے او کے کہہ کر سیٹ سنبھالی تھی مگر اس کا

ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔

پہلی امیدوار ایک لڑکی تھی۔

شاہنواز نے اسے بیٹھنے کے لیے کہہ کر اس کی فائل لینے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا کچھ دیر وہ صفحات الٹ پلٹ کرتا رہا پھر اس کی طرف دیکھا۔ سیاہ رنگ کی چادر میں ملبوس لڑکی بے حد کنفیوز لگ رہی تھی۔ اس نے ایک بار بھی نظریں نہیں اٹھائی تھیں اور سر جھکائے مسلسل گود میں رکھے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔

''آپ اس سے پہلے بھی کبھی انٹرویو دے چکی ہیں یا یہ پہلا ہے؟'' اس نے انٹرویو کا آغاز کیا۔

''پہلے بھی دیئے ہیں لیکن سلیکٹ نہیں ہوئی۔'' اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

''پہلے کبھی کسی انٹرویورز نے آپ کو نہیں بتایا کہ آپ کے سی وی میں کتنی غلطیاں ہیں؟'' دوسرا سوال ہوا۔

جواب خاموشی۔

''سی وی اس طرح سے نہیں بنایا جاتا جس طرح آپ نے بنایا ہے۔'' اس کا لہجہ پیشہ وارانہ ہی تھا۔

''اور اگر آپ کو سی وی بنانا ہی نہیں آتا تو باقی آپ کیا کام کر پائیں گی؟''

''سر! میں سیکھ لوں گی۔'' وہ شرمندگی سے بولی۔

''بی بی! ہم یہاں تربیتی کیمپین نہیں چلا رہے کہ پہلے آپ کو سکھائیں پھر کام لیں۔'' اس کا لہجہ بے تحاشا روڈ تھا۔ لڑکی خفت زدہ ہو گئی لیکن شاہنواز کو احساس تک نہیں تھا کہ وہ اپنی فرسٹریشن اس بے چاری پر نکال رہا ہے۔

''اور ہینڈ رٹین Hand Written ایپلیکیشن اتنی بری رائٹنگ میں لکھی ہوئی ہے کہ کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا۔'' اس نے فائل اس لڑکی کے سامنے پٹخ دی تھی۔

''کوالیفکیشن کیا ہے آپ کی؟'' اس نے صرف غلطیاں دیکھی تھیں اور کچھ نہیں۔

''پوسٹ گریجویشن کیا ہے اکنامکس میں۔''

''اور نام کیا ہے آپ کا؟'' اب نام دیکھنے کے لیے دوبارہ سے فائل اٹھانا اسے مناسب نہیں لگ رہا تھا سو اسی سے پوچھ لیا۔

''ثانیہ......ثانیہ چوہدری!'' بمشکل اپنے سوکھے حلق کو تر کرتے ہوئے اس نے جواب دیا تھا۔

''ہوں......تو بات یہ ہے مس چوہدری کہ آپ اس پوسٹ کے لیے بالکل مس فٹ ہیں۔'' بہت روڈ لہجے میں کہتے ہوئے اسے احساس تک نہ ہو سکا کہ ثانیہ کی یہ آخری امید بھی وہ کس بری طرح سے توڑ رہا ہے۔

☆......☆......☆

وہ اس وقت اتنا بے زار ہو چکا تھا کہ سامنے بیٹھی لڑکی کے چہرے پر پھیلتی مایوسی بھی اسے دکھائی نہیں دی۔

''ہم نے اس پوسٹ کیلئے کم سے کم بھی دو سال کا ایکسپرینس مانگا تھا جب کہ آپکے پاس تو ایک ماہ بھی کسی کمپنی میں کام کرنے کا تجربہ نہیں ہے۔ پھر آپکی کوالیفکیشن بھی نا کافی ہے۔ آپ کو تو اپلائی ہی نہیں کرنا چاہیے تھا۔ بلا وجہ ٹائم ضائع ہوا پلیز آپ جا سکتی ہیں۔''

اس کا لہجہ بدتمیز نہیں تھا مگر اتنا خشک اور روڈ تھا کہ ثانیہ کو ایک بھی لفظ کہنا فضول اور بے معنی لگا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر فائل اٹھائی اور عقب میں موجود دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

اور جس وقت وہ جا چکی شاہنواز کو اپنے غیر مناسب طرزِ عمل کا احساس ہوا مگر اس نے سر جھٹک دیا۔

اس طرح ہر ایک کے لیے جذباتی ہو کر سوچنے کا مطلب سراسر نقصان ہی تھا۔

اگلے اور پھر اس سے بھی اگلے امیدوار کو واپس بھیجتے ہوئے وہ سمجھ چکا تھا اس کا ذہن کم سے کم آج اسے کوئی ڈھنگ کا کام کرنے نہیں دے گا۔

بے حد لاچاری سے اس نے انٹر کام پر اپنی سیکرٹری کو انٹرویو کل تک ملتوی کرنے کا کہا اور سر ہاتھوں میں گرا کر بیٹھ گیا۔

اسے اپنی آئندہ زندگی کا لائحہ عمل ترتیب دینا تھا۔

☆......☆......☆

گیتی نے وارڈروب کھول کر کاٹن کا نیوی بلیو کلر کا سوٹ نکالا اور فوراً ہی گوشی کی جانب بڑھا دیا۔

''بالکل نیا ہے ایک بار بھی نہیں پہنا۔''

گوشی نے سوٹ جھپٹ لیا تھا اور اب بڑے اشتیاق سے اسے دیکھ رہی تھی۔ گیتی نے بغور اس کی دلچسپی دیکھی پھر پلٹ کر ڈریسنگ ٹیبل سے پرفیوم کی ایک بوتل اٹھائی، دو تین استعمال شدہ لپ اسٹکس، آرٹی فیشل بندوں کی جوڑی۔

''یہ رکھ لو بازار کا چکر لگا تو میچنگ شوز بھی لا دوں گی۔'' مطلب نہ ہوتا تو وہ اتنی فیاضی کبھی نہ دکھاتی۔

''ہائے بی بی! اتنا کچھ۔'' گوشی کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

گیتی مسکرائی۔ اسے اپنا کام آسان لگ رہا تھا۔

''سنو گوشی!'' اس نے کہا۔

''اتنا کچھ دے رہی ہوں تمہیں تو بدلے میں تمہیں بھی میرا ایک کام کرنا پڑے گا۔''

''سو کام کروا لو بی بی!'' وہ کچھ زیادہ ہی پرجوش ہو گئی تھی۔

''سو تو خیر نہیں ایک ہی کام کر دو۔ میں رحاب سے ملنا چاہتی ہوں اور تم ہی مجھے اس سے ملوا سکتی ہو۔'' گوشی کے جوش پر ٹھنڈا پانی

انڈیل دیا تھا اس نے۔

''آپا بیگم کو خبر ہو گی تو چمڑی نکلوا دیں گی میری۔'' اس نے بے چارگی سے کہا۔

''انہیں کون خبر دے گا؟ جب کہ بات صرف تمہارے اور میرے بیچ رہے گی۔'' اسے کسی قدر آمادہ ہوتا دیکھ کر گیتی نے جلدی سے کہا۔

''نہ بی بی!'' وہ سامنے رکھی چیزوں سے بمشکل نظریں چراتی نفی میں گردن ہلاتی رہی۔ گیتی نے چند لمحے اسے دیکھا پھر قریب رکھے پرس سے ہزار ہزار کے دو نوٹ نکال کر سوٹ پر رکھ دیئے۔

''سوچ لو اچھی طرح تم میرا کام نہیں کرو گی تو یہاں کا کوئی اور ملازم کر دے گا۔ وہ تو مجھے ہی تمہارا خیال آ گیا تھا کہ کسی اور کا بھی تو بھلا کرنا ہے تو تمہارا ہی سہی......'' اس کا ہاتھ ہنوز بیگ پر تھا اور یہ اتنا بڑا لالچ تھا کہ گوشی جیسی ناسمجھ بھی تھوڑے سے تردد کے بعد مان ہی گئی اس نے ساڑھے تین بجے کے قریب گیتی کو تیار رہنے کے لیے کہا تھا۔

''سنو گوشی! یہ بات کسی اور کو پتا نہ چلے ورنہ یاد رکھنا آپا بیگم تو آپا بیگم میں بھی تمہارا حشر خراب کر دوں گی۔''

گوشی کم عمر تھی اسے لالچ دے کر اپنا مطلب نکلوانا ہی نہیں دھمکانا بھی قدرے آسان تھا۔

اس کے کمرے سے نکلتے ہی گیتی صوفے کی بیک سے کمر ٹکا کر سوچنے لگی زندگی میں پہلی بار اسے ایک انجان لڑکی میں اتنی دلچسپی محسوس ہو رہی تھی کہ اس کی خاطر وہ اتنا بڑا رسک لینے پر بھی راضی ہو گئی تھی حالانکہ وہ جانتی تھی آپا بیگم کو بھنک پڑ گئی تو بہت برا ہو گا مگر کوئی انجانی کشش تھی جو اسے کھینچ رہی تھی۔

گوشی کے جاتے ہی اس نے انتظار شروع کر دیا تھا مگر یہ ساڑھے تین، نہ جانے آج کس وقت بجنے تھے۔

☆......☆......☆

''جو بھی ہوا میری وجہ سے ہوا...... نہ میں بات کرنے کے لیے غلط وقت چنتی...... اور نہ ہی حنان کو وہ فضول سی کہانی گھڑنے کا موقع ملتا۔''

صوفے کی بیک پر کہنی ٹکائے ہاتھ بالوں میں پھنسائے اسوہ نے بے حد دل گرفتگی و رنجیدگی سے کہا تھا۔

شمسہ نے ایک ٹیس سی دل میں اٹھتی محسوس کی تھی۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے اسوہ اور نشوا کے بے حد اصرار پر کمرے سے باہر نکلی تھیں ورنہ صبح سے تو یونہی پڑی ہوئی تھیں۔

حنان کی غلطی براہ راست ان کی غلطی تھی، اور اس کی اس گھٹیا حرکت کے جواب میں کوئی ایک بھی لفظ ایسا نہیں تھا جسے وہ اپنے شوہر اور بیٹیوں کے سامنے اس کے حق میں پیش کر سکتیں۔

شرمساری کا یہ عالم تھا کہ مر جانے کو جی چاہنے لگا تھا۔

''وہ کیا نام بتایا تھا تم نے اس لڑکے کا؟'' انہیں اچانک کوئی خیال آیا تو ذہن پر زور دیتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

اسوہ نے لب دانتوں تلے داب لیا۔ کہیں کوئی ٹیس اٹھی تھی۔

''ہونہہ......سکون و چین کھویا...... بدنام ہوئے اور مراد تک بھی نہ پہنچے۔''

پچھلی رات اسے بار بار یہی خیال آ رہا تھا۔

''تم نے مجھے پہلے ہی کیوں نہیں بتایا؟ اتنا بھی اعتبار نہیں تھا اپنی ماں پر؟'' دلگرفتہ تو وہ پہلے ہی بہت ہو رہی تھیں اب آنسو بھی چلے آئے۔

''نہیں مما!'' وہ جلدی سے کہتی ان کے قریب ہوئی اور دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے ان کے آنسو پونچھے۔

''ماں سے زیادہ اور کس پر اعتبار کر سکتی ہوں؟ انفیکٹ میں سب سے پہلے آپ سے ہی بات کرنا چاہتی تھی مگر ان دنوں بھی آپ حنان کی وجہ سے پریشان تھیں مجھے بات کرنے کا موقع نہیں ملا......تب ہی جذباتیت میں، میں نے شاہنواز بھائی سے بات کر دی۔ مقصد انہیں اپنے راز میں شریک کرنا نہیں تھا بلکہ میں تو ان کی مدد چاہتی تھی۔ مگر مجھے اب احساس ہو رہا ہے یہ میری کتنی بڑی غلطی تھی۔ بلاوجہ میں اس شخص کے لیے دکھ پال کر بیٹھ گئی جس کے نزدیک میں کچھ تھی ہی نہیں۔ پھر سب سے بڑی بات یہ کہ صرف اسی کا غم رونے کی پاداش میں سگے بھائی سے زیادہ عزیز اور قابل احترام شخص سے منسوب کی جا رہی ہوں......دنیا میں ایک محبت کے سوا بھی کتنے ہی غم ہیں......رہنے دیں بس آپ......اب اس ذکر کو......تھوڑی سی تکلیف تو ہو گی مگر اس چیپٹر کا پھاڑ دیا جانا ہی بہتر ہے۔'' وہ بہت مصمم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ شمسہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ مین انٹرنس سے حنان تیز تیز قدم اٹھاتا اندر داخل ہوا اور بنا ان پر نظر ڈالے زینے کی جانب چلا گیا۔

شمسہ کی جیسے ساری ہی حسیات بے دار ہوئی تھیں اور بالکل بے ساختہ انہوں نے اسوہ سے نظریں چرائی تھیں جبکہ اسوہ نے منہ موڑ لیا تھا۔

اگلے چند منٹ بے حد خاموشی سے کٹ گئے اور ان ہی چند منٹوں کے توقف سے حنان کی واپسی ہوئی تھی۔ وہ جتنی تیزی سے سیڑھیاں چڑھا تھا اتنی ہی تیزی سے اترا بھی تھا مگر اس بار اس کے ہاتھ میں براؤن کلر کا سفری بیگ بھی تھا۔

شمسہ اسے پکارنا نہیں چاہتی تھیں کل رات کی اس کی حرکت کے بعد وہ طویل سی ناراضی کا ارادہ کیے بیٹھی تھیں مگر سفری بیگ اس کے ساتھ دیکھ کر انہیں کسی خطرے کا احساس ہوا تھا۔

''حنان!'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بے حد ہراساں ہو کر اس کے پیچھے لپکی تھیں۔

''کک......کہاں جا رہے ہو تم؟ کیا ہے یہ؟'' انہیں اسے بازو سے پکڑ کر روکنا پڑا تھا۔ حنان کے چہرے کے سارے اعصاب کھنچے ہوئے تھے۔ وہ رک گیا مگر اس نے جواب دیا تھا نہ ہی شمسہ کی جانب دیکھا تھا۔

''میں کچھ پوچھ رہی ہوں تم سے۔'' انہوں نے دوہرایا۔

''کوئی حق نہیں ہے آپ کو مجھ سے کچھ بھی پوچھنے کا۔'' بے حد چبا چبا کر کہتے ہوئے اس نے بہت بدتمیزی سے اپنا بازو ایک جھٹکے سے چھڑوایا تھا۔

''ماں ہوں میں تمہاری...... کیا کچھ پوچھنے کا حق بھی نہیں ہے مجھے۔'' بہت بے چارگی سے کہتے ہوئے ان کی آواز بھرا گئی تھی۔

''نہیں ہیں آپ میری ماں۔'' اس نے سرد مہری سے کہا۔

''آپ اپنے دوسرے شوہر کی بیٹی کی ماں ہیں اور اس شخص کی ماں ہیں جسے آپ سڑک سے اٹھا کر لائی تھیں...... ان سب ہی رشتوں کے درمیان میں کہاں آتا ہوں؟'' اس کے لفظ لفظ سے زہر ٹپک رہا تھا۔

شمسہ نے کچھ کہنا چاہا مگر آنسو سارے بند توڑ کر بہہ رہے تھے۔ کل رات کی ساری خفگی و ناراضی کہیں پیچھے ہی رہ گئی تھی اب تو صرف خدشات تھے جو ان کی جان کو آ رہے تھے۔

''شاید پہلی بار کسی ماں کو اپنے بیٹے کے سامنے اپنی محبت و خلوص کا ثبوت دینا پڑ رہا ہے اس سے بڑی بدقسمتی اور کیا ہو گی میری۔ تمہیں علم ہے کتنی جدوجہد کی ہے میں نے تمہارے لیے۔ کتنی مصیبتیں اٹھائی ہیں۔ پورے چار سال میں نے قادر کے ساتھ گزارے اس لیے نہیں کہ اس کے گھر میں میرے لیے بہت سکھ تھا بلکہ صرف اس لیے تاکہ تمہیں ایک مضبوط گھر کی بنیاد ملے۔ خلع عورت کی پہلی ترجیح کبھی نہیں ہوتی حنان! خصوصاً تب جب وہ ماں بھی ہو۔ کچھ مجبوریاں ہوتی ہیں جو عورت کو اس حد تک لے جاتی ہیں۔''

''اور آپ کی کیا مجبوریاں تھیں میں بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں۔'' اس کا انداز ہنوز زہریلا تھا۔

شمسہ نے بے اختیار بائیں ہاتھ سے سر تھاما وہ سمجھ نہیں پا رہی تھیں کیا کہہ کر اسے روکیں۔

''میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں۔'' انہوں نے بے چارگی سے کہا۔

''انرجی ویسٹ مت کریں اپنی...... کیونکہ آپ جتنی بھی کوشش کر لیں یقین تو مجھے آنا نہیں ہے۔'' قدرے لاپرواہی سے کہتے ہوئے اس نے باہر کی جانب قدم بڑھائے۔ شمسہ نے بے اختیار سامنے آ کر راستہ روکا تھا۔

''سنو حنان! میں مانتی ہوں مجھے کل تم پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا وہ میری غلطی تھی۔'' مصالحانہ انداز اختیار کرتے کرتے ان کا انداز منت آمیز ہو گیا تھا۔

''مگر غلطی تمہاری بھی......''

''اب تک غلطیاں ہی تو کی ہیں میں نے۔'' بے حد طنزیہ انداز میں اس کی بات قطع کی تھی۔

''اور میری سب سے بڑی غلطی ڈیڈی کو چھوڑ کر آپ کے پاس آنا تھا۔'' اس نے ایک جملے میں ان کی ریاضت پر پانی پھیرا تھا۔ شمسہ کا رنگ فق ہوا تھا مگر حنان کو ان پر رحم نہیں آیا۔

’’اب آپ راستہ چھوڑیں گی پلیز...... میں صرف اپنا سامان لینے آیا تھا۔‘‘
’’کیوں جا رہے ہو؟...... کہاں جاؤ گے؟ یہ تمہارا گھر ہے۔‘‘ انہوں نے پھر التجا کی۔
’’یہ تو میں مر کر بھی نہیں بھول سکتا۔ آپ انہیں یاد دلایا کریں جو بھولے ہوئے ہیں۔ لاشاری صاحب سے کہہ دیجیے گا انتظار شروع کر دیں...... مجھے پراپرٹی وصول کرنا ہے ان سے۔
باقی رہا شاہنواز کا بچہ...... آئی ول سی ہم...... نیا کھاتا کھول دیا ہے حساب بھی نئے طریقے سے چکانا پڑے گا۔‘‘
ایک کٹیلی نظر شمسہ پر ڈال کر وہ ایک طرف سے ہوتا باہر نکل گیا۔ شمسہ کے پچھتاوؤں میں اضافہ ہوا تھا۔

☆......☆......☆

اس روز صحن میں نصب واش بیسن کا نل ٹوٹ کر ہاتھ میں آ رہا اور پانی کی موٹی سی دھار آسمان کی طرف بلند ہو کر چاروں طرف برسنے لگی۔ زینب وضو کرنے کے ارادے سے باہر نکلی تھی یہاں نئی مصیبت گلے پڑ گئی پانی روکنے کی کوشش میں خود بھی بری طرح بھیگ گئی مگر پانی رکنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ اس نے بعجلت اپنا دوپٹہ ہی مضبوطی سے نل پر رکھ کر کشف کو ہاتھ رکھنے کے لیے کہا اور خود تیزی سے اوپر کے کمرے سے اوزار لینے کے لیے بھاگی۔
اسی تیزی سے واپس آئی تھی مگر ایک تو یہ کہ سیڑھیوں میں بھی پانی تھا کچھ وہ بھی عجلت میں تھی نتیجتاً پانچویں سیڑھی سے پاؤں پھسل گیا۔ اس نے فوراً ہی گرل تھام کر خود کو گرنے سے بچالیا مگر ہاتھ میں پکڑے ٹول بکس کو نہ سنبھال سکی۔ ٹول بکس تیسری سیڑھی پر رکھے آرائشی گملے سے ٹکرایا۔ گملا اگلی دونوں سیڑھیوں پر سے پھسلتا ہوا صحن کے فرش پر گرا اور ٹھیکریوں میں تبدیل ہو گیا۔
زینب دم بخود اس ٹوٹے ہوئے گملے کو دیکھتی رہی پھر جانے اسے کیا ہوا کہ وہیں سیڑھیوں میں بیٹھی اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
کشف بے چاری بوکھلا کر اس کی جانب بڑھی پانی پھر سے برسنے کو تیار تھا نا سمجھی کے عالم میں وہیں نل دبائے کھڑی رہی۔
شفق کچھ گرنے کی آواز سن کر باہر نکلی تھی مگر اس کو روتا دیکھ کر بوکھلا گئی۔
’’کیا ہوا؟‘‘ وہ پریشانی سے اس کی طرف بڑھی ساتھ ہی سوالیہ نظروں سے کشف کی طرف دیکھا۔
’’زینب! زیادہ چوٹ لگ گئی کیا؟‘‘ ٹوٹے ہوئے گملے کو دیکھتے ہوئے اسے جیسے ساری صورتحال سمجھ آ گئی تھی۔
’’کوئی چوٹ ووٹ نہیں لگی بس قسمت ہی خراب ہے ہماری۔‘‘ وہ روتے روتے تڑخ کر بولی۔
’’جو مصیبت ہے بس ہماری قسمت میں ہی لکھی گئی ہے۔ کیا دنیا میں اور انسان نہیں ہیں جو اللہ کو نظر نہیں آتے۔ بندہ شکوہ بھی کس سے کرے یہاں تو اللہ بھی اپنا نہیں لگتا۔‘‘
وہ مسلسل بڑبڑائے جا رہی تھی شفق بے حد تاسف سے اسے دیکھے گئی مگر کفریہ کلمات کہنے پر ٹوک سکی نہ ہی کوئی حرف تسلی اس کے

منہ سے نکلا کیونکہ وہ جانتی تھی یہ آنسو اور شکوہ، گملا ٹوٹنے کا صدمہ یا چوٹ کی تکلیف کا ردعمل نہیں بلکہ یہ وہ غبار تھا جو حد درجہ بے بسی کے احساس نے قطرہ قطرہ کر کے اس کے اندر جمع کر دیا تھا۔

ذرا سی ٹیس اور سارا غبار ہی بہہ نکلا۔

بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ سب ہی اتنا رو چکی تھیں کہ اب آنسو بہانے کو بھی دل نہیں چاہتا تھا۔ مانو آنکھیں ہی نہیں دل بھی بنجر ہو چلے تھے۔ یا شاید یہ بھی ان کی اجتماعی غلط فہمی ہی تھی کیونکہ ہر گزرتا دن اپنی جھولی میں ان کے لیے کوئی نہ کوئی ایسی سوغات لے آتا تھا جو اس اکلوتے غم کی یاد کو از سر نو جگا کر احساس بے بسی میں مبتلا کر دیتا تھا جو انہیں عانیہ کے ہاتھوں سہنا پڑا۔

''تم جا کر کپڑے بدلو یہ میں سمیٹ لیتی ہوں۔'' اس نے ٹول بکس اٹھاتے ہوئے آہستگی سے کہا ساتھ ہی کشف کو اشارہ کیا جو دیر سے ہی مگر عقلمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے والو بند کر چکی تھی۔

زینب نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر یونہی آنسو بہاتی خاموشی سے اٹھ کر کشف کی معیت میں اندر چلی گئی۔

شفق بے بسی سے وہیں کھڑی گملے کے ٹوٹے ٹکڑوں کو دیکھنے لگی۔ مٹی ارد گرد بکھری پڑی تھی۔ گملے میں لگی بیل کی شاخیں سیڑھیوں کی گرل سے لپٹی رہ گئی تھیں۔ اس کا دل دکھ و اذیت کی انتہائی حد سے گزرنے لگا تب وہ بری طرح چونکی اور آگے بڑھ کر گملے کے ٹکڑے ڈسٹ بن میں ڈالنے لگی۔

عانیہ کی خود غرضی نے ان سب کی زندگی کو بھی یونہی ٹکڑوں میں بدل دیا تھا۔

موٹر والے نل سے پائپ کا سرا جوڑتے ہوئے اس نے دلگرفتگی سے سوچا اور جھاڑو سنبھال لی۔

کل اپنی کسی گہری سوچ سے نکل کر کشف نے اچانک کہا تھا۔

''آپی! میرا دل چاہتا ہے میں بھی مر جاؤں۔'' اور اس نے بری طرح ہراساں ہوتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔ عانیہ کے طفیل زندگی کی جانب جو بے زاری ان سب کے دلوں میں پنپ رہی تھی اس کا اختتام جانے کس حد پر ہونا تھا۔ کشف کو تو اس نے بہلا لیا مگر زینب کے سامنے اس سے ایک بھی لفظ نہیں بولا گیا۔

حالانکہ ضرورت بھی تھی اور بڑی شدید خواہش بھی۔ مگر اب یہ تسلی آمیز الفاظ بھی اس قدر بے جان اور کھوکھلے محسوس ہوتے تھے۔ جو الفاظ خود اپنے دل کو ہی مطمئن نہ کر سکیں۔ وہ کسی اور کی ڈھارس کیا بندھائیں گے۔ شاید اسی لیے اب کسی بھی دل دکھاتی یاد یا بات بے بات جھلکتے آنسوؤں کے سامنے زبان ہی نہ کھلتی تھی۔

آگے جانے والے لوگ پیچھے رہ جانے والوں کے بارے میں کیوں نہیں سوچتے؟ سوچ لیا کریں تو زندگی کتنی سہل ہو جائے۔

اسے کبھی کا پڑھا ہوا وہ آرٹیکل یاد آنے لگا جس میں افریقہ کے جنگلات میں بسنے والے اس قبیلے کا ذکر کیا گیا تھا جس کے

باشندے اپنے دیوتا کو راضی کرنے کے لیے سال میں ایک مرتبہ کسی جاندار کی قربانی دیتے ہیں اب یہ جاندار کوئی ایسا انمول جانور ہو سکتا ہے جس کی نسل آہستہ آہستہ ختم ہو رہی ہو دوسری صورت میں قبیلے کے سب سے کم رو شخص کو اس قربانی کے لیے منتخب کر لیا جاتا ہے چونکہ یہ سب سے آسان راستہ ہے اس لیے اسے ہی چنا جاتا ہے عام طور سے قربانی دینے کے لیے دیوتا کے مجسمے کے سامنے مخصوص عبادت سے گزارا جاتا ہے۔ پھر اس کم رو شخص کو قریب ترین درخت سے الٹا لٹکا دیا جاتا ہے۔ اب ہر گزرتے دن کے ساتھ اس شخص کے جسم سے کھال کی ایک پرت اتار لی جاتی ہے اور اس اذیت کے ساتھ اس بے چارے کو تب تک رہنا پڑتا ہے جب تک اس کے جسم میں زندگی کی ہلکی سی رمق بھی باقی ہو۔

اب پتا نہیں اس سارے قصے میں کتنی حقیقت تھی اور کتنا مبالغہ مگر اس کی تو روح تک کانپ گئی تھی۔ اول تو اسے یقین ہی نہیں آیا بھلا کوئی انسان ایسا کر سکتا ہے کہ ایک جیتے جاگتے انسان کو مٹی یا پتھر کے بنے ہوئے مجسمے پر فوقیت دے اور اگر دے بھی دے تو اتنی اذیت کیسے دے سکتا ہے۔ مگر اب اسے یقین آ ہی گیا تھا۔ سنی سنائی پر شک کی گنجائش ہوتی ہے البتہ آپ بیتی ہر طرح کے شک وشبہہ سے بالاتر ہو جاتی ہے۔ بیشک طریقہ مختلف تھا مگر بہر حال عانیہ نے اپنی خواہشات کے دیوتا کے قدموں میں ان سب کو قربان کیا تھا اور وہ بھی بڑی خود غرضی و بے حسی سے۔

ڈور بیل بجی تھی مگر اتنی آہستہ جیسے غلطی سے بٹن دبا گیا ہو ساتھ ہی گیٹ پر ہلکی سی دستک سنائی دی تھی۔ امی کی نیند خراب ہو جانے کے ڈر سے اتنی آہستگی سے بیل ثانیہ ہی بجاتی تھی مگر دستک کبھی نہیں دیتی تھی۔

شفق نے تیزی سے پلکیں جھپکیں اور آنسوؤں کو پیچھے دھکیلتی آگے بڑھ کر گیٹ کھول دیا۔ توقع کے مطابق ثانیہ ہی تھی۔

"گرمی بہت ہے آج۔" اس نے دستک کی وجہ بتائی اور اسی مضمحل ودلگرفتہ انداز میں اندر آ گئی۔ شفق نے گیٹ بند کیا پھر واپس آ کر پانی کا پائپ اٹھا لیا۔ لیکن پھر کچھ خیال آیا تو کچن سے ٹھنڈے پانی کی بوتل اور گلاس لے آئی۔ ثانیہ چادر اتار کر اب چارپائی بچھا رہی تھی۔

"وائپر تو لگانے دیتیں۔" اس نے ٹوکا۔

"رہنے دو۔" اس نے بے زاری سے کہا پھر چارپائی بچھاتے ہوئے بولی۔

"یہ ٹیپ کو کیا ہوا؟"

"ٹوٹ گیا۔" اس نے پانی کی بوتل اور گلاس چارپائی پر رکھ دیا اور پائپ اٹھا لیا۔

"کیسے؟" قمیص کی آستین کہنیوں تک فولڈ کرتے ہوئے اس نے ہاتھ پھیلائے۔

"پتا نہیں...... زیادہ پرانا ہو گیا تھا شاید اسی لیے۔"

"امی نے کچھ کھایا؟"

"ہاں، ابھی تھوڑی دیر پہلے تھوڑا سا دلیہ کھایا ہے۔" شفق بغور اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ جس نے پیروں کو اچھی طرح دھونے کے

بعداب منہ پر چھپاکے مارنا شروع کردیے۔

''ثانیہ......''

''ہوں؟'' اس نے ذرا کی ذرا آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

''جاب کا کیا بنا؟''

حالانکہ پوچھنے کی ضرورت نہیں تو نہیں تھی کچھ سوالوں کے جواب، سوالوں کے محتاج نہیں ہوتے مگر اس نے پوچھ ہی لیا۔ جانے کیسے، ثانیہ کے انداز میں شکستگی محسوس کر لینے کے باوجود بھی امید کی کرن باقی تھی۔ کیا پتا، ثانیہ سچ مچ گرمی سے نڈھال ہو۔

''کیا بن سکتا تھا؟'' اس نے مسکرانے کی کوشش کی، بڑی ہی کھوکھلی بے مصرف سی مسکراہٹ تھی۔

''انہیں بھی ایکسپرینس چاہیے جو کہ میرے پاس ہے نہیں، کسی دکان سے تو ملتا نہیں کہ انسان خرید ہی لے۔'' چہرے سے پانی جھاڑتی وہ جیسے اپنا مضحکہ اڑا رہی تھی۔

وہ بے حد تھکے ہوئے انداز میں چارپائی پر بیٹھ گئی تھی۔ شفق کو بے انتہا مایوسی ہوئی پچھلے چند روز سے اس تاریک فضا میں جو امید کی شمع مستقل ٹمٹما رہی تھی بالآخر بجھ ہی گئی۔

''تم کیوں فکر مند ہو رہی ہو...... ہو جائے گا کچھ نہ کچھ۔'' ثانیہ نے اس کی اتری ہوئی صورت دیکھ کر کہا پھر غٹا غٹ پانی کا گلاس چڑھا گئی۔

''تم نے تو کہا تھا مسز شہباز نے بہت امید دلائی ہے۔'' پائپ لپیٹتے ہوئے اس نے کہا۔

''اس سے پہلے ہمارے کون سے کام امیدوں کے مطابق ہوتے رہے ہیں۔''

وہ یاسیت سے بولی۔

''ویسے بھی مقدر میں ہی خواری لکھی ہو تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔'' وہ تھکے تھکے سے انداز میں پیچھے کی طرف لیٹتے ہوئے بولی۔

''مسز شہباز کے بھائی نے خود تمہارا انٹرویو لیا؟'' شفق کو کچھ خیال آیا۔

''اونہہ...... وہ تو آفس میں موجود ہی نہیں تھے۔''

''پھر کس نے لیا انٹرویو؟''

''پتا نہیں......'' وہ بے زاری سے بولی۔

''کیا مطلب...... پتا نہیں؟'' شفق حیرانی سے بولی۔

''مسز شہباز نے تو تمہیں اپنے بھائی کے پاس بھیجا تھا۔''

''میں جہانگیر صاحب کے آفس میں ہی گئی تھی مگران کی سیکرٹری نے کہا کہ انٹرویو چیف اکاؤنٹنٹ صاحب لیں گے اور مجھے پیون کے ہمراہ دوسری طرف بھجوا دیا...... مجھ سے زیادہ کوالیفائیڈ اور ایکسپرینسڈ لوگ موجود تھے وہاں شفق، مجھے کس نے پوچھنا تھا۔'' اس کا لہجہ شکستہ تھا۔ شفق کو دکھ سا محسوس ہوا۔

''چائے مل سکتی ہے؟'' ثانیہ نے بات بدلنے کی شعوری کوشش کی۔

''اتنی گرمی میں بھی تمہیں چائے کا شوق ہو رہا ہے۔''

''تھکاوٹ تو چائے ہی دور کرتی ہے۔'' اس نے اسی پوزیشن میں لیٹے ہوئے ایک ٹانگ موڑ کر پیر چارپائی کے فریم پر رکھا اور دائیں ہاتھ سے اسے دباتے ہوئے بولی۔

''کھانا لاتی ہوں۔'' شفق اس کی بات نظرانداز کرتی کچن کی جانب بڑھی۔

''اونہہ...... شفق! پلیز چائے...... بھوک نہیں ہے مجھے۔'' اس نے فوراً کہا۔

''باہر سے کچھ کھایا تھا؟'' شفق نے جرح کا آغاز کیا۔

''نہیں۔''

''پھر بھوک کیوں نہیں ہے؟ تم نے تو ناشتا بھی نہیں کیا تھا۔''

''دل نہیں چاہ رہا شفق۔'' اس نے لاچاری سے کہا۔

''تم نے دل کی کب سے سننا شروع کر دی؟''

ثانیہ نے بے ساختہ گردن موڑ کر شفق کو دیکھا پھر بڑی دقتوں سے بڑے بھرپور طریقے سے مسکرا دی۔

''ایسا کرو کھانا ہی لے آؤ مجھے پتا ہے تم ابھی لیکچر دینا شروع کر دو گی اور تمہاری اتنی بورنگ باتیں سننے سے بہتر ہے کہ میں زبردستی ہی سہی مگر کھانا کھا لوں۔'' اس کا لہجہ بشاش تھا اور وہ مستقل ہی مسکرا بھی رہی تھی۔ شفق خاموشی سے کچن کی طرف مڑ گئی۔

مگر اس لمحے اسے ثانیہ پر حقیقی معنوں میں رشک آیا تھا جو اس قدر نامساعد حالات میں بھی مسکرانے کا حوصلہ رکھتی تھی۔ غالباً یہ صبر کی وہ اعلا حد تھی جس تک پہنچ کر وہ خود بھی خوش امید رہ لیتی تھی اور ان سب کو بھی اچھے دنوں کی آس دلاتی رہتی تھی۔ یہ نہیں کہ اس کے لہجے سے کبھی مایوسی جھلکتی ہی نہیں یا وہ کبھی دلگرفتہ نہیں ہوئی مگر عموماً وہ باحوصلہ ہی دکھاتی دیتی تھی اس وقت بھی جب کچن میں کھڑی شفق اپنے آنسو پیاز کی نمی میں چھپانے میں ناکام رہی تھی، صحن کی چارپائی پر آڑی ترچھی لیٹی ثانیہ کی آنکھیں بالکل خشک تھیں اور آسمان کی وسعتوں میں جانے کیا تلاش کر رہی تھیں۔

☆......☆......☆

تیز زرد دھوپ میں رنگا ہوا آسمان بالکل خالی تھا۔

گو کہ یہ عصر کی اذان کے کچھ بعد کا ہی وقت تھا مگر دھوپ کی شدت میں کمی آئی تھی نہ ہی شام کے مخصوص رنگوں نے آسمان کے کناروں پر اترنا شروع کیا تھا بلکہ فضا میں وہ بے زار کن کیفیت ہنوز برقرار تھی جو گرمیوں کی طویل دوپہروں کی شناختی علامت ہوا کرتی ہے۔

وہ تنہا تھی اور اس وقت خاموشی بھی بہت تھی گو یا یادوں کو اپنے پر پھیلانے کے لیے جن دو بنیادی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ دونوں یہاں وافر مقدار میں موجود تھیں مگر ثانیہ کو بے حد اکتاہٹ ہوئی۔ ابھی تو اپنے حصے میں آجانے والے خسارے کا حساب کتاب ہی ختم نہ ہوتا تھا اس پر مستزاد یہ کہ اب یہ تنہائی بھی یادوں کی نذر کر دی جاتی تو کتنے نفلوں کا ثواب ملتا؟ مگر بھرپور دلی آمادگی کے باوجود وہ وہاں سے اٹھ پائی نہ ہی سوچوں کا رخ بدل سکا۔

پتا نہیں خارجی ماحول دل کی کیفیت پر اثر انداز ہوتا ہے یا دل کی کیفیت باہر کی دنیا کو بدل دیتی ہے؟ جو بھی تھا وہ بری پھنسی تھی۔

وقت کی جھولی میں گرے ہوئے سکوں کے شمار کے لیے یہ جو آئیڈیل ماحول ترتیب پایا تھا وہ بددلی کے باوجود اسے پوری طرح گھیر چکا تھا۔ غم زندگی میں آئے خواہ کسی بھی رفتار سے مگر یہ طے ہے کہ اس کے بعد کینچوے کی چال اختیار کر لیتا ہے اور عانیہ کا دیا ہوا غم بھی ایسا ہی تھا۔

ذرا سا چونکتے ہوئے اس نے انگلیوں پر حساب لگانے کی کوشش کی اور حیران ہوئی۔ ایک سال دو ماہ...... کہاں گئے یہ چودہ ماہ؟ شاید حالات کے اس ہیر پھیر نے اس کے حساب کتاب کی صلاحیت کو مسخ کر دیا تھا کیونکہ یہ چودہ مہینے صرف چودہ مہینے نہیں تھے بلکہ چار سو چوبیس صدیاں تھیں جو لوگوں کی اٹھی ہوئی انگلیوں کے سامنے سر جھکا کر، نظریں چراتے ہوئے بظاہر بڑے حوصلے سے بسر کی تھیں۔ مگر دل کا حال سوائے اللہ کے کون جان سکتا ہے؟

اس بدبخت غم کی کوئی واضح شکل بھی تو نہیں ہوتی جو لوگوں کو دکھائی دیتی کہ یہ ہے وہ کریہہ المنظر کیفیت جو ہمیں اندر ہی اندر یوں چاٹ رہی ہے کہ کیا ہی دیمک لکڑی کو چاٹتی ہوگی۔ تم دیکھ کر ڈرتے ہو ہمارا حوصلہ دیکھو نہ صرف سہہ رہے ہیں بلکہ جی بھی رہے ہیں۔

ذرا سی کروٹ بدلتے ہوئے اس نے بازو پیشانی پر رکھ لیا مگر آسمان سے نظریں نہ ہٹائیں جو ابھی تک کسی بانجھ عورت کی سونی گود کی طرح ویران اداس دکھائی دے رہا تھا۔

نہ تو کوئی خوش رنگ پتنگ ڈولتی دکھائی دے رہی تھی نہ ہی کسی پرندے کے بھاری پروں کی اڑان سے فضا گونج رہی تھی البتہ کچھ گرد تھی جو دن بھر وقفے وقفے سے چلتی رہنے والی لو نے آسمان کے چہرے پر مل دی تھی مگر یہ گرد اس کی گرد سے بہر حال کئی گنا کم تھی جو عانیہ کی خود غرضی کے ہاتھوں ان کی قسمتوں اور چہروں پر مل گئی تھی۔

”سنا ہے مٹھی برابر دل ہوتا ہے۔ ایک مٹھی کے لیے اتنا تردد؟ کہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے اڑان بھرتے سمے ایک پل کے

لیے بھی ان کے متعلق نہیں سوچا جن سے زندگی بھر کا ساتھ رہا تھا۔

کیا ماں باپ اس لیے اعتبار کرتے ہیں کہ اولاد ان کے اعتبار و مان کو یوں پیروں تلے روندتی ہوئی آگے نکل جائے؟''

آنے والے دنوں میں یہ سوچ بار بار اس کی راہ میں حائل ہوتی رہی تھی مگر عانیہ کی اس خود غرضی کے طفیل زیست کا صفحہ اتنا کالا ہو چکا تھا کہ اس سیاہی کے پار کچھ سوجھتا ہی نہ تھا۔

زندگی اتنی تاریک ہو چکی تھی کہ اب تو اچھے دنوں کی آس بھی نہیں تھی۔

عانیہ کے گھر چھوڑ دینے کے بعد ان پر کیا بیتی؟ تقریباً وہی جو اس طرح سے گھر چھوڑ دینے والی لڑکیوں کے گھر والوں پر بیت سکتی ہے۔ قیامت چاہے دس مختلف صورتوں میں آئے اس کے آفٹر افیکٹس ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں۔

زندگی سے بے زار کر دینے والے اعصاب شکن۔

انہوں نے اپنی ماں کو اتنی پر مصائب زندگی گزارنے کے باوجود کبھی روتے نہیں دیکھا تھا مگر عادل اور اس کے گھر والوں کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی تھیں اور اس قدر شرمساری کے اظہار کے باوجود عادل وہ پہلا شخص تھا جو ان کی معذرت کو ٹھوکر رسید کرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

''تو اس لیے آپ اس قدر رخصتی کے لیے اصرار کر رہی تھیں؟''

کمرے میں پھیلی ہوئی اس بوجھل خاموشی کو رفعت چچی جان کی حیرانی میں ڈوبی آواز نے توڑا تھا۔ ان کے ہاتھ میں کاغذ کا وہ ٹکڑا تھا جو بظاہر تو بے جان تھا مگر عانیہ نے اس پر چند سطروں میں اپنی جانے کی وجہ لکھی تھی اور اپنے اس اقدام کا ذمہ دار اپنی ماں کو ہی قرار دیا تھا۔ خود پر ٹوٹی ہوئی مصیبت کے باعث حلیمہ کے پاس الفاظ کی اتنی قلت ہو چکی تھی کہ انہوں نے وہی خط ان لوگوں کے سامنے پیش کر دیا تھا۔

''میں بھی سوچ رہی تھی یوں اچانک آپ لوگوں کو رخصتی کا کیا خیال آ گیا حالانکہ اس سے پہلے تو ہم منتیں کرتے رہے ہیں۔'' ان کے لہجے میں قطرہ قطرہ گھلتی اس تلخی کو ان سب نے بڑی شدت سے محسوس کیا تھا۔

''وہ کہیں اور راضی تھی تو آپ کو ہمیں بتا دینا چاہیے تھا کم سے کم یہ ذلت تو ہمارے حصے میں نہ آتی...... آپ نے تو ہمیں کہیں منہ دکھانے لائق نہیں چھوڑا۔ نکاح میں جب صرف چند دن باقی ہیں تو......'' چچی تو روہانسی ہو گئیں۔

''الیاس تو کبھی اتنے حواسوں میں رہا ہی نہیں کہ اپنے خزانے کی حفاظت کرتا۔ آپ نے کیوں آنکھیں بند رکھیں؟'' اشفاق چچا نے صرف اتنا کہا۔ زندگی بھر سب سے زیادہ اپنائیت کا احساس دلانے والے چچا بھی اس مصیبت کی گھڑی میں یوں پرائے ہوئے کہ اس صنف میں شامل ہونے میں ایک منٹ بھی نہ لگا یا جسے ''زمانہ'' کہتے ہیں اور زمانہ یہ تھوڑا ہی دیکھتا ہے کہ مصیبت کیوں ٹوٹی اسے تو بس انگلی اٹھانے کے لیے بہانہ درکار ہوتا ہے۔ زندگی مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبنے لگی۔

یوں لگتا جیسے جینے کی امنگ ہی رفتہ رفتہ دم توڑ رہی ہے۔

اشفاق چچا کی مہربانی کہ خاموشی سے ہی لاتعلقی اختیار کر لی البتہ ابو کی مہربانی سے انہیں بھی اطلاع پہنچ گئی جنہیں عام حالات میں ان کے نام تک یاد نہ رہتے تھے۔ابو پہلے ہی اولاد سے نالاں رہتے تھے اب جھولیاں بھر بھر کر کوستے ہوئے یہ بھی بھول گئے کہ بیٹی کا گھر سے فرار ہونا بذاتِ خود ان کی کتنی بڑی تذلیل ہے۔

امی کے آنسو نہ تھمتے۔ ''غلطی میری ہی ہے کیوں کیا میں نے اتنا اعتماد لوگ کہتے تھے بیٹیاں ہیں۔اتنی چھوٹ مت دو کڑی نظر رکھا کرو مگر مجھے اپنی اولاد پر اتنا مان تھا کہ کبھی کوئی نامناسب خیال ذہن میں آیا ہی نہیں...... مجھے اس اندھے بھروسے کی کچھ سزا تو ملنی تھی اولاد کے ہاتھوں میرا چہرہ کالا ہونا ہی تھا۔اپنی ساری زندگی میں نے تم لوگوں کے لیے برباد کر ڈالی......کیوں کی یہ اس کی سزا ہے تم سب پیدا ہوتے ہی کیوں نہ مر گئیں۔'' ان کی ذہنی حالت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا مگر یہ الفاظ کسی آری کی طرح انہیں کاٹ جاتے۔

''آپ ہم سے کیوں ناراض ہیں۔ہم نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔'' کشف سب سے پہلے دلبرداشتہ ہوتی۔

''تم لوگوں سے بھی کوئی اچھی امید میں کیوں رکھوں؟ عانیہ کی ہی بہنیں ہو اسی کے نقشِ قدم پر چلو گی۔'' وہ تڑخ کر کہتیں۔

''صرف اس کی بہنیں نہیں ہیں۔ہم آپ کی بیٹیاں بھی تو ہیں۔'' غیروں نے تو انہیں عانیہ کے تناظر میں دیکھنا ہی تھا مگر جب امی بھی ایسا ہی سوچتیں تو دکھ اپنی آخری حد تک پہنچ کر رُلانے لگتا۔

''کیا وہ نہیں تھی؟'' وہ بے بس ہو جاتیں اور شاید اصل دکھ تو یہی تھا محبت میں کمی نہیں کی، خود سے پہلے اس کا سوچا...... پھر کمی رہی تو کہاں؟

''بڑی اولاد کی حیثیت سے سب سے زیادہ پیار بھی اسی کے حصے میں آیا میں نے ہتھیلی کا چھالہ بنا کر رکھا اسے بنا کہے اس کی خواہشات پوری کیں۔مگر وہ آگ سے کھیلنا چاہتی تھی...... میں کیسے مانتی اس کی بات۔''

سوچ کے اس رخ پر آ کر ان کی ذہنی رو بھٹکنے لگتی۔وہ سب ہراساں ہو کر ایک دوسرے کی شکلیں دیکھتیں، بولتا تو کوئی تھا ہی نہیں بات تک کرتے خوف محسوس ہوتا۔

یہ کس مقام پر لا کر چھوڑ گئی تھی عانیہ انہیں جہاں سے ہر راستہ تاریک اور ہر منزل کی جگہ فقط دھند دکھائی دیتی...... تھی۔اتنی خود غرضی، ایسی بے حسی۔

لوگوں کی نگاہوں کا تمسخر ناقابلِ برداشت محسوس ہوتا۔امی نے اسکول جانا تک چھوڑ دیا اتنی باہمت بھی نہیں تھیں کہ منہ پر ملی ہوئی کالک کے ساتھ دنیا کا سامنا کرتیں۔

شفق تو کچھ عرصہ قبل ہی گھر بیٹھ چکی تھی کہ تیمور کی ضد تھی ابو نے اس واقعے کے بعد زرمین، زینب اور کشف کا باہر نکلنا بھی بند کروا

دیا زمین کا کالج میں آخری سال تھا امی سے التجا کی۔ مگر انہوں نے نظر چرا لی اور سختی و سرد مہری سے بولیں۔

''یہی مناسب ہے کہ گھر بیٹھو۔ ایک پر اندھا اعتماد کر کے بہت بڑا نقصان اٹھا چکی ہوں اب تمہیں بھی کھلا چھوڑ دوں کہ رہی سہی عزت بھی خاک میں ملا دو۔'' عانیہ کے دیے ہوئے زخم نے اور کچھ تو کیا سو کیا۔ ایک احسان یہ بھی تھا کہ بے حد میٹھی زبان بولنے والی ماں کے لہجے میں انگاروں کی تپش آتی تھی۔ اس روز تیمور سے برداشت نہیں ہوا تو بول اٹھا۔

''اس بے چاری کو کیوں ڈانٹ رہی ہیں۔ جبکہ اس کی غلطی ہے ہی نہیں۔'' اس کے لہجے میں کچھ تھا کہ امی خاموش رہ گئیں۔

''تمہارا کیا مطلب ہے؟ پھر کس کی غلطی ہے...... میری؟'' چند لمحے بعد انہوں نے کہا۔ تیمور نے پانی سے بھرے گلاس کو شیلف پر پٹخا اور کچن سے باہر نکل گیا مگر اس کی خاموشی میں جو الزام تھا اس نے امی کے وجود کو اور بھی ریزہ ریزہ کیا تھا۔

گو کہ غلطی کسی کی بھی نہیں تھی مگر عانیہ کے کیے کی سزا ان سب کو ہی کسی نہ کسی صورت بھگتنا پڑ رہی تھی۔

ثانیہ نے امی کو روتے دیکھ لیا تھا وہ انہیں تسلی دینا چاہتی تھی مگر قدم خود بخود باہر کی طرف اور پھر تیمور کے کمرے کی جانب اٹھ گئے۔ وہ پلنگ پر چت لیٹا بے تحاشا سرخ آنکھوں کے ساتھ چھت کو تک رہا تھا اور اس سارے سلسلے میں شاید سب سے بری کیفیت اسی کی تھی کیونکہ گھر چھوڑنے سے قبل اس نے عانیہ کے اطوار نہیں دیکھے تھے۔ غالباً اسی لیے اب تک یقین و بے یقینی کی کیفیت میں تھا۔

''تم امی سے کیوں جھگڑتے ہو تیمور! ان کی تو کوئی غلطی ہی نہیں۔'' ثانیہ نے اسکے قریب بیٹھ کر اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

''کس کی غلطی ہے پھر؟'' اس نے آنکھیں بھینچ کر یوں کہا گویا سینے میں مچلتی سسکیوں کو دبا رہا ہو۔

''وہ میرا انتظار کر سکتی تھیں؟...... میں کسی نہ کسی طرح عانیہ کو سمجھا لیتا۔''

''امی نے اسے گھر سے نہیں نکالا تیمور! وہ خود گئی ہے۔'' ثانیہ نے آہستگی سے کہا۔

''کیوں؟'' تیمور نے دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے آنکھوں کو زور سے دباتے ہوئے بوجھل لہجے میں کہا۔

''وہ کیوں...... چلی گئی میرا انتظار تو کیا ہوتا...... میں خود اس لڑکے سے ملتا اس نے بھروسہ کیوں نہیں کیا ہم پر۔'' حلق میں اٹکے ہوئے آنسو اسے ٹھیک سے بولنے بھی نہیں دے رہے تھے۔ آنسو روکنے کی کوشش میں اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

''مجھے نہیں پتا ایسا کیوں تھا مگر مجھے اس سے بہت محبت تھی۔ اپنی سب بہنوں میں سب سے زیادہ نخرے کرتی تھی چڑتی تھی مجھ سے جھگڑتی تھی مگر مجھے اس کا ہر انداز عزیز تھا...... پھر بھی وہ ہمیں ہماری محبت کو ٹھوکر......'' اس سے جملہ مکمل نہیں ہوا آنکھوں میں امنڈتی نمی کو وہ بار بار رگڑ رہا تھا اسی وجہ سے اس کا چہرہ بھیگ چکا تھا۔

ثانیہ بھی رونے لگی۔ بلاشبہ ان کا درد مشترک تھا اس کے باوجود سب ہی تنہا تھے۔

عانیہ کو ڈھونڈنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی پہلا قدم بڑھانے کے لیے بھی پیروں کے نیچے زمین ہونا چاہیے اور عانیہ تو زمین ہی کھینچ

کر ساتھ لے گئی تھی۔ تیمور نے سارا گھر چھان مارا تھا شاید کوئی ایسا سراغ مل جائے جو عانیہ تک رسائی آسان کر دے مگر سراغ ہوتا تو ملتا۔ صرف وہ موبائل فون ملا تھا وہ بھی دو ہفتے بعد اور جس کا نمبر بند کروایا جا چکا تھا اور فون میموری میں موجود نمبر بھی ضائع ہو چکا تھا۔

''اور کتنی عجیب بات ہے عانیہ ہماری ناک کے نیچے اتنا بڑا کھیل کھیلتی رہی اور ہم میں سے کسی کو پتا چلنا تو دور کی بات شک تک نہ ہو سکا۔'' اس رات ہاتھ میں پکڑے فون کو دیکھتے ہوئے ثانیہ نے دکھ سے کہا تھا۔

''ہم اس کے مزاج کی تبدیلی پر حیران ہوتے تھے پریشان بھی ہوتے تھے۔ مگر دھیان کبھی اس طرف گیا ہی نہیں کہ مزاج کی تبدیلی کسی خاص شخص کی وجہ سے ہے۔''

''اسے عجیب بات نہیں اعتماد کہتے ہیں۔'' شفق نے آہستگی سے کہا۔

''ہمیں سب پر اتنا بھروسہ ہے کہ کبھی لگا ہی نہیں کہ کوئی بھی کچھ غلط کر سکتا ہے۔'' اب کرنے کو اور رہ ہی کیا گیا تھا کہ اندازے لگائے جائیں اور کف افسوس ملا جائے۔

پھر اس روز نرمین نے بھی انکشاف کر ڈالا۔

''میں جانتی تھی کہ وہ کیا کرتی پھر رہی ہیں۔''

عانیہ کے ہاتھوں ملے اس دکھ کے طفیل اس کا نام بھی بڑی مجبوری میں ہی زبان پر لایا جاتا تھا اور اس وقت اس کے اس اچانک کیے جانے والے انکشاف کے جواب میں سبھی کے منہ بے یقینی سے کھلے کے کھلے رہ گئے تھے۔ مگر اس کے بعد جو سوالوں کا سلسلہ شروع ہوا تو نرمین بوکھلا ہی گئی۔

''میں نے ایک مرتبہ انہیں بات کرتے سنا تھا۔ وہ کسی مظہر نامی شخص سے بات کر رہی تھیں ...... آپ کو یاد ہے ثانیہ آپی! میں نے کہا تھا اب ان کی شادی کر دینا چاہیے یہ تب ہی کی بات ہے۔ میں نے انہیں واچ کرنا شروع کر دیا تھا۔''

''تم نے ہمیں بتایا کیوں نہیں؟ ...... تب ہی پتا چل جاتا تو شاید اسے روک ہی لیتے۔'' ثانیہ بے بسی سے بولی۔

''کیا ہم انہیں اب روک پائے؟ ...... اب تو وہ خود بتا چکی تھیں۔'' اس کے لہجے میں گہری کاٹ تھی۔

''جو انسان دھوکا دینا سیکھ لیتا ہے وہ پھر ہر چیز سے بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ میں نے کئی بار سوچا کہ ان کو سمجھانے کی کوشش کروں مگر بھرم ٹوٹ جانے کا خوف آڑے آ جاتا تھا۔ کوئی کام چھپ کر کرنے کا مطلب ہوتا ہے انسان پھر بھی اپنے عمل پر شرمسار ہے۔ میرے یہ بتا دینے کے بعد کہ میں ان کی واقف حال ہوں وہ بالکل نڈر ہو جاتیں بس اسی بات کا خوف تھا مجھے۔''

آنسو آنکھوں میں رکھ کر وہ بتاتی چلی گئی۔ مگر صرف اتنا ہوا کہ اس کا انکشاف اور احساس بے بسی کے بیان نے زندگی میں ایک اور ٹھنڈی آہ کا اضافہ کر دیا جو بالکل خالی ہاتھ ہو کر حرکت و عمل کے مفقود ہو جانے کے بھرپور احساس سے زندگی میں جنم لیتی ہے۔

وہ ایک ایسی ہی مایوسیوں کے گہرے احساس سے لہولہان شام تھی جب بالکل غیر متوقع طور پر ثنا کا فون آ گیا۔ عانیہ کے بعد اگر کسی سے اس کی اچھی بات چیت ہو جاتی تھی تو وہ ثانیہ ہی تھی اور اس نے آج بھی ثانیہ سے بات کرنے کے لیے فون کیا تھا۔

''شکر ہے۔'' ثانیہ نے شکر ادا کیا اگر وہ عانیہ کا پوچھ لیتی تو کس طرح جھوٹ بولتی جبکہ شاید اس تک اطلاع پہنچ ہی چکی ہوگی۔

''میری شادی اتنی ایمرجنسی میں ہوئی کہ تم لوگوں کو بتا بھی نہیں سکی میرے میاں کوئٹہ میں پوسٹڈ ہیں اور شروع شادی کے دن تو دعوتوں کی مصروفیات میں ہی گزر جاتے ہیں، میرا ارادہ بہت پہلے ہی تمہیں فون کرنے کا تھا مگر ایک تو مصروفیات بہت تھیں۔ دوسرا میں خود کو راضی نہیں کر پا رہی تھی کہ تمہیں بتاؤں یا نہیں مگر اب میں فیصلہ کر چکی ہوں کہ عانیہ کی دوستی میں مجھے اس کی بھلائی ہی سوچنا چاہیے۔''

اس نے گہرے جذباتی لہجے میں کہا اور پھر ثانیہ کو سب کچھ بتاتی چلی گئی۔ مظہر سے پہلی ملاقات، عانیہ کی دلچسپی، خود ثنا کا اسے فورس کرنا اور پھر وہ آخری ملاقات جس نے اسے خود بھی پریشان کر دیا تھا۔

''میں مانتی ہوں کہ غلطی میری بھی ہے میں نے اسے مجبور کیا تھا مگر میرا یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ وہ اتنا آگے چلی جائے...... بہرحال جو بھی ہوا میں نے تو تمہیں خبردار کرنے کے لیے کوئٹہ سے فون کیا کہ عانیہ کے بڑھتے قدم روک لو...... میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر۔'' اس مگر کے آگے جو بے بسی تھی اسے سمجھنا ثانیہ کے لیے مشکل نہ تھا۔

پھر اس نے بے حد آہستگی سے ریسیور رکھ دیا۔ اب خبردار کرنے کا کیا فائدہ؟ جب خزانہ ہی لٹ چکا۔

زندگی عجیب سے عجیب تر ہونے لگی۔

بھوک پیاس کا احساس مٹ رہا تھا۔ آسمان سے آٹھ پہر کے رنگ نہیں مایوسی کے بادل اترتے تھے۔

دن سے رات، رات سے دن کرنا مشکل لگتا۔

ایک دوسرے سے بات کرتے بھی خوف محسوس ہوتا۔

اور وہ جو اس غلط فہمی میں مبتلا ہو چکی تھی کہ اس سے بڑا دھچکا اس سے شدید غم دنیا میں مل ہی نہیں سکتا تو وقت نے ان کی غلط فہمی کو اس انداز سے مٹایا کہ پھر ساری زندگی کسی غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا حوصلہ ہی باقی نہ رہا۔

تقدیر کا یہ چرکا، پچھلی ہر بار سے زیادہ گہرا ثابت ہوا۔

☆......☆......☆

اس روز خلاف معمول تیمور سرِشام ہی گھر لوٹ آیا تھا ورنہ اس حادثے کے بعد سے اس کی روٹین میں بڑی واضح تبدیلی آئی تھی۔ چپ تو خیر جو لگی تھی سو لگی تھی وہ صبح کا نکلا رات گئے واپس آتا اور سونے کے لیے لیٹ جاتا مگر اس روز وہ نا صرف گھر جلدی آ گیا تھا بلکہ اپنے کمرے میں جانے کی بجائے وہیں بڑے کمرے میں آ گیا تھا کچھ دیر بعد اس نے شفق سے اپنے لیے کھانا لانے کے لیے کہا۔ شفق جلدی

سے کھانا لینے چلی گئی آج وہ بہت دن بعد گھر پر موجود تھا اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی ذرا سی تاخیر تیمور کا ارادہ بدل دے۔

جس وقت وہ کھانا لے کر واپس کمرے میں آئی تیمور، زینب اور کشف کو پڑھائی میں دھیان لگانے کی تاکید کر رہا تھا۔شفق نے ٹرے اس کے سامنے رکھی تب وہ ٹرے میں رکھی چیزوں کو دیکھتا رہا۔

''تم لوگ بھی کھاؤ۔'' بھوک کسی کو بھی نہیں تھی مگر نجانے کیوں انکار نہ کیا جا سکا۔ثانیہ اپنی پلیٹ میں سالن نکال رہی تھی جب یونہی تیمور پر نظر پڑ گئی اور وہ دنگ رہ گئی۔

وہ نوالہ ہاتھ میں پکڑے اسے دیکھ رہا تھا اور اس کی بے تحاشا سرخ آنکھوں سے ڈھیروں ڈھیروں آنسو نکل رہے تھے۔

''تیمور......'' ثانیہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔تیمور کے ہاتھ سے نوالہ گر گیا تھا اگلے ہی پل پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

اس سانحے کے بعد یہ پہلا موقع تھا جب وہ سب کے سامنے رو رہا تھا اور چند آنسوؤں سے نہیں باقاعدہ ہچکیوں سے۔

اور ان میں سے کسی کو بھی اس کے یوں رونے پر سوال اٹھانے کا حق نہیں تھا وہ سب جانتی تھیں یہ پچھلے چار ماہ میں ضبط کیے ہوئے آنسو ہیں جو آج برداشت کا بند توڑ کر بہہ نکلے ہیں۔

''اس نے کیوں کیا ہمارے ساتھ ایسا؟ کیا اسے ہماری محبت پر شک تھا۔میں کیسے مان لوں یہ بات،اسے ایک بار تو سوچنا چاہیے تھا ہم دنیا کا سامنے کیسے کریں گے۔مجھ سے نہیں ہوتا امی! اللہ کی قسم نہیں ہوتا۔'' وہ کہتا جاتا اور روتا جاتا تھا۔مگر وہ تنہا نہیں تھا اس کی ماں اور بہنیں بھی رو رہی تھیں۔

اور زندگی میں اب ان آنسوؤں کے سوا رہ بھی کیا گیا تھا۔عانیہ نے پھول سمیٹنے کے شوق میں ان کے لیے کانٹوں کی فصل کاشت کی تھی جسے انہیں ساری زندگی سنبھالنا تھا اور لہولہان ہونا تھا۔

''آپ کو پتا ہے امی! میں روز جیتا ہوں روز مرتا ہوں...... مجھے یقین ہی نہیں آتا کہ میں اپنی بہن کی حفاظت نہیں کر پایا......مجھ میں اتنی سکت کیوں نہیں آئی کہ میں اس کی خواہشات پوری کرتا...... میں پوری کر دیتا تو اسے کسی اور کا منہ کیوں دیکھنا پڑتا......اسے دولت چاہیے تھی میں نہیں دے سکا۔میں کیوں نہیں دے سکا امی!......لیکن مجھ سے دنیا کا سامنا بھی نہیں ہو رہا میرا دل چاہتا ہے میں کہیں چھپ جاؤں جہاں کوئی مجھ پر انگلی نہ اٹھا سکے۔مجھے بتائیں میں کہاں جاؤں گھر سے باہر نکلتا ہوں تو لوگ ہنستے ہیں مجھ پر...... انگلیاں اٹھاتے ہیں طعنے دیتے ہیں میں کیوں گیا۔اگر یہاں ہوتا تو کبھی عانیہ کو اتنا بڑا قدم اٹھانے نہ دیتا۔''

وہ بڑی دیر تک روتا رہا اور جب سارا غبار نکل گیا تو اس نے چہرہ پونچھ ڈالا پھر ہاتھ بڑھا کر امی کے آنسو پونچھ ڈالے۔

''آپ کیوں رو رہی ہیں امی! آپ تو بہت بہادر ہیں۔''

''تم مت رو تیمور! تم تو مجھ سے زیادہ بہادر ہو۔'' وہ بوجھل لہجے میں دلگرفتگی سے بولیں۔

"آپ کا بیٹا ہوں بہادر ہوں۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

"عانیہ ہماری کوئی نہیں تھی اور اگر تھی تو مرگئی ہمارے لیے ہم اب اسے کبھی یاد نہیں کریں گے۔" پتا نہیں انہوں نے تیمور کو تاکید کی تھی یا خود کو، تیمور چند لمحے سوچتا رہا پھر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ہاں......ہم اسے کبھی یاد نہیں کریں گے۔" اس نے کھانے کی ٹرے اپنے نزدیک کھینچی اور بے حد رغبت سے کھانے لگا ساتھ ہی اس نے ثانیہ سے چائے کی فرمائش کی تھی۔

اس کے بعد وہ بہت دیر تک بیٹھا ان سے باتیں کرتا رہا اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھیں متورم تھی مگر وہ مسکراتا رہا تھا یوں لگتا تھا جیسے سچ مچ سارا غبار بہہ نکلا ہے اور مطلع صاف ہو چکا ہے۔

ایک بجے کے قریب وہ جمائیاں لیتا اٹھ کھڑا ہوا۔ ثانیہ کو اوپر کے کمرے سے رات کے بستر نکالنے تھے وہ اس کے ساتھ ہی اوپر چلی آئی۔

"امی کہہ رہی تھیں میں بہادر ہوں۔" جس وقت وہ واپسی کے لیے پلٹ رہی تھی تیمور نے اچانک کہا۔

"لیکن مجھے لگتا ہے تم مجھ سے زیادہ بہادر ہو۔" ثانیہ سے نظر ملتے ہی اس نے مسکرا کر کہا تھا۔

ثانیہ نے مسکرانے کی کوشش کی مگر وہ الجھی تھی۔

"کیا مطلب؟"

"کچھ نہیں۔" اس نے سادگی سے کہا اور لیٹتے ہوئے بولا۔

"لائٹ آف کر جانا اور پلیز صبح مجھے جلدی مت جگانا، آفس جانے کا ارادہ نہیں ہے میرا۔"

ثانیہ نے اثبات میں سر ہلایا اور لائٹ بجھاتی باہر نکل آئی مگر اس کی الجھن میں اضافہ ہو گیا تھا۔

کیا کوئی اور انہونی زندگی میں جگہ بنانے جا رہی ہے؟

اس نے بڑی شدت سے اپنے خدشات کو رد کیا تھا اور دو دو سیڑھیاں پھلانگتی نیچے آ گئی۔

اگلی صبح معمول کے انداز سے ہی بے دار ہوئی تھی۔

وہی پھیکا پن، وہی بے زاری۔

بے دار ہونے کی خواہش بھی جوں کی توں تھی مگر آج بہت دن کے بعد امی اسکول چلی گئی تھیں۔ زندگی چاہے سو مسائل کے ہمراہ ہی میں بسر ہو معاشی مسائل سرفہرست رہتے ہیں۔

صفائی ستھرائی ہو گئی، کھانا بھی بن چکا۔ دھوپ دیواروں سے اتر کر صحن میں پھیل چکی تھی مگر شہتوت کے پتوں میں چھپی چڑیوں کا

شور ابھی باقی تھا۔

شفق نے روٹیاں بنانا شروع کی تھیں تب ہی ڈور بیل سنائی دی۔

''اس وقت کون آ گیا۔'' ثانیہ نے دروازہ کھولا پوسٹ مین تھا اور تیمور کے آفس کی جانب سے وہ نوٹس لایا تھا۔ جس میں پچھلے بائیس دنوں کی مسلسل غیر حاضری پر جواب طلبی کی گئی تھی اور فوری طور پر حاضر ہو کر اس غیر ذمہ داری کی وضاحت پیش کرنے کا حکم دیا گیا تھا بصورت دیگر......

''نرمین! تیمور کو جگا کر آؤ۔'' ثانیہ نے نوٹس کو بغور پڑھتے ہوئے نرمین سے کہا تھا۔

''یہ کیا ہے؟'' اس نے جاتے جاتے پوچھا۔ ثانیہ نے متفکر انداز میں اس کی طرف دیکھا پھر بولی۔

''پہلے اسے جگا کر آؤ۔ بتاتی ہوں پھر۔'' وہ کچن کی طرف آ گئی۔ ذہن ایکدم سے الجھ گیا تھا۔ پچھلے بائیس روز سے تیمور باقاعدگی سے آفس جا رہا تھا کم گھر سے تو وہ اسی مقصد کے لیے نکلتا تھا لیکن اگر وہ آفس نہیں گیا تو پھر کہاں جاتا رہا ہے۔

''ہو سکتا ہے کوئی اور مصروفیت ہو۔'' اس کی بات سن کر شفق نے خیال ظاہر کیا۔

''اب کیا کہا جا سکتا ہے...... جگانے بھیجا ہے نرمین کو...... آتا ہے تو پوچھتی ہوں۔'' ثانیہ نے پرسوچ انداز میں کہا۔

اسی وقت اوپر سے کسی چیز کے گرنے کی آواز سنائی دی تھی پھر انہوں نے نرمین کی آواز سنی۔ وہ چیخ چیخ کر انہیں پکار رہی تھی۔ شفق اور ثانیہ ہراساں ہو کر باہر کی طرف لپکیں اور بھاگتے ہوئے سیڑھیاں عبور کی تھیں۔

نرمین کمرے کے باہر کھڑی رو رہی تھی اور اس کی چیخیں رکنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔

''کیا ہوا ہے نرمین؟'' شفق نے اسے جھنجھوڑا۔

''تیمور بھائی...... تیمور بھائی کو پتا نہیں...... وہ اٹھ نہیں رہے۔'' وہ شفق کے گلے سے لگی سسکنے لگی۔

ثانیہ پر کوئی عذاب اترا تھا۔ وہ پلٹ کر کمرے میں داخل ہوئی۔ کمرہ نیم روشن تھا اور روشن دان سے آنے والی دھوپ کی لکیریں فرش پر نقش بنا رہی تھیں۔

ثانیہ دہلیز پر ہی ٹھٹک کر رک گئی تھی۔ اس سے ایک بھی قدم آگے بڑھایا نہیں گیا کیونکہ اتنے فاصلے سے بھی یہ بات اسے بخوبی سمجھ آ چکی تھی کہ پلنگ پر اوندھے منہ لیٹا تیمور کا وجود بالکل بے حس و حرکت اور زندگی کی معمولی سی رمق سے بھی خالی ہو چکا تھا۔

موت اپنا شکار لے کر کب کی رخصت ہو چکی تھی مگر زندگی کے چہرے پر موت کے ہاتھوں سے لکھی سفاکی ابھی باقی تھی۔

☆......☆......☆

رات کے کسی پہر تیمور نے زہریلی گولیاں کھا کر زندگی کی قید سے خود کو آزاد کر لیا تھا۔

یادیں تھیں یا کھولتا ہوا پانی؟

ثانیہ نے انتہائی کرب سے آنکھیں بھینچ لیں مگر آنسوؤں کے اس ریلے کو روکنے میں وہ اتنی ہی ناکام رہی تھی جتنا ان اذیت ناک یادوں کے سامنے ہو جاتی تھی۔

گو کہ ان مفاد پرستوں کو یاد کرنا اسے اچھا نہیں لگا اس لیے نہیں کہ اب تک زخموں سے خون رستا تھا بلکہ اس لیے کہ زخم بھی تو انہی کے ہاتھوں لگے تھے جن سے اتنے بڑے دھوکے کی توقع بھی نہیں تھی پھر آخر کیوں ان خودغرضوں کی یاد میں وقت برباد کیا جاتا جنہوں نے اپنے لیے آسانیاں چنتے ہوئے ان کی راہ میں اتنے کانٹے بچھا دیے کہ ساری زندگی بھی چنتے رہیں تو ختم نہ ہوں۔

پہلے ابو پھر عانیہ اور اس کے بعد بالآخر تیمور بھی۔

اللہ جانے ابھی زندگی میں اور کتنے خودغرضوں سے ملاقات ہونا باقی تھی۔

نرمین کہتی تھی عانیہ بھی ابو کی طرح خودغرض ہے وہ بھی خود سے ہٹ کر کسی اور کے متعلق نہیں سوچتی۔ اُس کی ذات ہمیشہ اُس کے لیے مقدم رہتی ہے باقی دُنیا جائے بھاڑ میں چاہے اس ''دنیا'' میں خود اس سے وابستہ لوگ ہی کیوں نہ آتے ہوں۔

وہ باقی سب کو مشکلات و مصائب میں جھونک کر آسانیاں اور سہولیات مول لے لیتی ہے۔

مگر اسے عانیہ کے متعلق نرمین کے اس تجزیے پر کبھی یقین نہیں آیا۔ زندگی کے چھوٹے موٹے معاملات اور بہنوں کی معمولی باتوں میں ہونے والے جھگڑوں سے کسی کی شخصیت کو جج کرنا نہایت ہی حماقت تھی اس کے نزدیک......

لیکن شاید وہ ٹھیک ہی کہتی تھی۔ عانیہ نے جو کیا وہ نرمین کے کیے ہوئے تجزیے کے عین مطابق تھا مگر......مگر نرمین نے تیمور کے متعلق تو کبھی کچھ نہیں کہا تھا۔

پھر اس نے عانیہ کی روش کیسے اختیار کر لی؟

تیمور نے تو کبھی محض اپنے متعلق سوچا بھی نہیں تھا وہ تو ہمیشہ اسی فکر میں رہتا کہ کیسے سب کے لیے زیادہ سے زیادہ آسانیاں تلاش کرے۔ دوسروں کے مسائل دوسروں کی پریشانیاں اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرتا تھا۔

پھر اس بار اس نے صرف اپنے متعلق سوچ لیا؟

اپنے لیے آسان راستہ چنتے ہوئے اپنے کندھوں کی ساری ذمہ داریاں اس کے شانوں پر دھر دیں۔

گلہ یہ نہیں کہ ذمہ داری کیوں سونپی۔ شکوہ تو یہ تھا کہ اس خاموشی سے منہ کیوں موڑ لیا۔

کیا ان پر نہیں بیت رہی تھی؟

کیا عانیہ کے دیے ہوئے زخم کی ٹیسیں صرف اس کے دل میں اٹھتی تھیں؟

کیا دنیا کا مقابلہ کرنے کے لیے وہ تنہا تھا؟

یا اللہ! کس کس سے گلہ کریں، کس کس کا گریبان نوچیں یہاں تو ہر کوئی ایک سے بڑھ کر ایک مظلوم معلوم ہوتا ہے۔

اسے یاد آیا تیمور نے لکھا تھا۔

”مجھے پتا ہے یہ خود غرضی کی انتہا ہے......مگر...... میری برداشت کی حد بس یہیں تک تھی ثانی......اتنے دن تک جو میں نے صبر کیا وہ میرے لیے بہت تھا۔ بہت کوشش کی میں نے خود کو روک لوں۔ مگر تمہیں پتا ہے میں نے عانیہ کو ڈھونڈنے کی کتنی کوشش کی......مگر...... یہ زندگی میں اتنے اگر، مگر نہ ہوتے تو شاید گزر ہی جاتی۔

اور پتا نہیں...... میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔ مجھے معاف کر دینا ثانی! چاہے اسے میری کمزوری کہو یا بزدلی۔ مگر اس مشکل زندگی کو تم لوگوں کے ساتھ نہیں نبھا سکتا۔ میرے اندر اتنا صبر اور برداشت ہی نہیں کہ دنیا کی اٹھی ہوئی انگلیاں اور آنکھوں کا تمسخر سہہ جاؤں۔ پچھلے چار مہینے اسی کوشش میں گزارے ہیں میں نے لیکن......لیکن......تم بہت اچھی ہو ثانی! بہت بہت اچھی اور باحوصلہ......معاف کر دینا مجھے۔ اپنا مجرم سمجھ کر نہیں، اپنا چھوٹا بھائی سمجھ کر......اور سب کا خیال رکھنا ثانی......! حالانکہ مجھے یہ کہنے کا حق تو نہیں ہے مگر اسے میری گزارش سمجھ لو۔ امی سے، نرمین، زینب اور کشف سے کہنا مجھے ضرور معاف کر دیں اور شفق......ہاں اسے بھی کہنا......اس بے چاری پر تو دوہرا ظلم کر رہا ہوں میں......لیکن مجھے پتا ہے صرف تم ہو ثانی! جو میرا مقدمہ لڑ سکتی ہو۔“

آگے کی تحریر آنسوؤں سے بالکل مٹی ہوئی تھی۔ ثانیہ وہ خط پڑھ کر چیخ چیخ کر روئی تھی۔ یہ خط لکھتے وقت وہ کس کرب سے گزرا ہو گا اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا۔

ساری زندگی بڑے حوصلے سے بیماری کا مقابلہ کرنے والا شخص اس مقام پر آ کر کچھ اس طرح ہارا کہ زندگی سے ہی آزاد ہو گیا۔

تیمور کی خودکشی کی خبر اشفاق چچا جان کی مہربانی سے دب گئی۔ پولیس دروازے تک تو آئی مگر جلد ہی پلٹ گئی۔

ابو نے ساری عمر تیمور سے پرخاش محسوس کی تھی۔ وہ اسے اپنے لیے باعث آزار سمجھتے تھے مگر اس کی اچانک موت نے انہیں بھی بے قابو کر دیا۔ میت کو کندھا دیتے وقت وہ سر پیٹ پیٹ کر رو رہے تھے۔

اس کے بعد کی وہی روایتی داستان رہی۔

آنسو، آہیں، سسکیاں، نہ ختم ہونے والے خسارے کا حساب، وقت نے گزرنا چھوڑ دیا۔

نیند آنکھوں سے روٹھ گئی اور چین وقرار دل سے......

زندگی کا اگلا پل کیا دکھاتا ہے؟ اس کی فکر کسی کو نہ تھی بس دن سے رات کرنا تھی اور رات سے دن۔

غلطی کسی کی نہ تھی مگر ہر ایک دوسرے سے یوں نظریں چراتا جیسے سب سے زیادہ غلطی اسی کی ہو۔

وہ گھر جہاں زندگی سے بھرپور قہقہے گونجا کرتے تھے پر ہول سناٹے کی زد میں آ گیا۔
امی کی آنکھیں خشک نہ ہوتی تھیں اور لبوں کی چپ نہ ٹوٹتی تھی۔ ایک شام وہ بیٹھے بیٹھے ایک طرف کو لڑھک گئیں۔ ان کے جسم کے بائیں حصے پر فالج کا اٹیک ہوا تھا۔

مایوسی، مایوسی اور صرف مایوسی۔ وہ سب بے یقین، دم بہ خود۔

آخر ایسی کون سی خطا ہو گئی کہ یہ آزمائش در آزمائش کا سلسلہ رک ہی نہیں رہا۔

اور پتا نہیں یہ سزا ہے یا آزمائش...... کچھ سوالوں کے جواب نہیں ہوتے صرف سوال ہوتے ہیں۔

اصل واقعہ تو یہ تھا کہ ان میں سے کوئی سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ دراصل یہ مایوسی اور ناامیدی ہے جس نے پہلے تیمور کو نگلا پھر امی پر اپنا پنجہ جمایا اور اس کے بعد نرمین کو اپنی گرفت میں لینا شروع کر دیا تھا۔

خوش امیدی سے کم سے کم زندگی کی چاہ تو آتی ہے۔

”میں بہادر نہیں ہوں ورنہ کب کی تیمور بھائی کی طرح مر چکی ہوتی۔“

نرمین کو السر ہو گیا تھا جب بھی معدے میں جلن ہوتی یونہی ہانکا کرتی۔

”زیادہ مشکل نہیں ہو گی تم ایک بار کوشش تو کر کے دیکھو۔“

یہ شاید زینب کا جملہ تھا۔ ثانیہ اس کی شکل دیکھتی رہ گئی۔

یونہی لڑتے جھگڑتے نہ جانے کیسے وقت کٹ رہا تھا۔ زندگی مشکل پہلے بھی تھی بہت آسانیاں کبھی نصیب ہی نہیں ہوئیں مگر یوں زندگی سے بے رغبتی تو کبھی محسوس نہیں ہوئی۔

وہ سوچنے لگی تو سوچتی چلی گئی۔

یہی کیفیت رہی تو زندگی کس نہج پر پہنچے گی۔ نجات کے دو راستے تھے ایک عانیہ نے دکھایا دوسرے سے تیمور کے توسط سے ملاقات ہو گئی۔ اس سے قبل کہ اس کی چھوٹیں بہنیں انہی دو راستوں میں سے کسی ایک کو چن کر اپنی اپنی زندگی کا لائحہ عمل ترتیب دے لیتیں۔ اسے انہیں زندگی کے مثبت رخ پر لانا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی تیمور کی طرح وہ سب بھی حرام موت کو گلے لگائیں۔ زندگی تو اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے اور اس نعمت کی ناشکری بھی بذات خود کتنا بڑا گناہ تھا۔

غم تب تک شدید اور ناقابل برداشت ہوتا ہے جب تک اس کا بوجھ انسان کو تنہا اٹھانا پڑے اسے یقین تھا وہ سب مل کر کوشش کریں گی تو اس بوجھ کو اٹھا لیں گی۔

کوئی مانتا یا نہیں مگر اس کا یقین کامل تھا اگر مشکل دن آتے ہیں زندگی میں تو جاتے بھی ضرور ہیں اور یہی یقین، تصویر کا ہی مثبت رخ اسے اپنی بہنوں کو دکھانا تھا۔

لہٰذا اٹھتے بیٹھتے وہ ان کو سمجھانے کی کوشش کرنے لگی۔ اچھے دنوں کی آس، اچھی اچھی خوش آئند باتیں اس کا سب سے بڑا ہتھیار تھیں مگر مالی مسائل سب سے اہم اور قابل توجہ تھے۔

تیمور کیلئے ایک بائیک خریدنے کی غرض سے جو کمیٹی ڈالی تھی اس کی رقم تیمور کے جانے کے کچھ روز بعد اسے ملی تھی۔ زخم بھرنے سے پہلے کھل گیا تھا تکلیف دوہری ہوئی۔ اس نے وہ رقم بے مصرف جان کر بینک میں ڈلوادی تھی۔ اب اسی رقم کو استعمال میں لایا گیا۔

تینوں چھوٹیوں کو دوبارہ ایڈمیشن دلوادیے۔ خیال تھا پڑھائی میں ذہن بٹ جائے گا تو مایوسی کی قید سے نکلیں گی۔

''رہنے دیں آپی! ضرورت نہیں ہے ایڈمیشن لینے کی اور سو طرح کے اخراجات نکل آئیں گے۔ پہلے ہی امی کے علاج پر اتنا خرچ ہورہا ہے۔'' تینوں ہی معترض تھیں۔ ثانیہ نے سختی سے ٹوک دیا۔

''تم لوگ صرف اپنی پڑھائی پر دھیان دو۔ باقی سارے مسائل پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ جب تک میں ہوں، کسی بھی معاملے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ بس ایک بات کا دھیان رہے، ہم لوگ پہلے بھی بہت صدمے اٹھا چکے ہیں اب مزید کوئی صدمہ برداشت نہیں کر پائیں گے۔'' بڑے سہل طریقے سے اس نے انہیں انکی ذمے داری سونپ دی تھی اور خود فکر معاش میں لگ گئی تھی۔

مگر اس سارے سلسلے کے دوران اس بارِ مصائب سے گزرتے ہوئے، ٹوٹتی ہوئی امید کے ستون کو سہارا دیتے ہوئے ثانیہ چوہدری اپنی عمر کے چند سال نہیں کئی سال عبور کرگئی تھی۔

زندگی کے تجربے نے وقت سے پہلے اسے بوڑھا کردیا تھا۔

❁ ❁

ناول **بساط دل** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات آپ آنے والی ان تاریخوں (15th, 20th, 25th) میں پڑھ سکیں گے۔

یہ نہیں تھا کہ اس نے ارادہ کیا اور راستے ہموار ہوتے چلے گئے۔ یہاں تو قدم قدم پر اتنی مایوسی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا کہ وہ بمشکل ہی اس ٹوٹتی ہوئی امید کو توانا رکھ پاتی۔

شفق کھانے کے لیے آوازیں دے رہی تھی۔ دل نہ چاہنے کے باوجود محض خود کو اس بے کار موڈ سے نکالنے کے لیے اسے اٹھنا ہی پڑا مگر دل اتنا بوجھل اور آنکھیں اتنی متورم ہو رہی تھیں کہ وہ جو منہ دھونے کی غرض سے باتھ روم میں گھسی تھی نہا کر ہی نکلی وہ بھی کشف کے مسلسل دروازہ بجانے پر۔

''توبہ ہے آپی! آپ کیا سال بھر کا آج ہی نہانے لگی تھیں۔ میں اتنی دیر سے دروازہ کھٹکھٹا رہی ہوں اب تو مسز شہباز فون بند بھی کر چکی ہوں گی۔''

ثانیہ جو اس کی بات بے پروائی سے سنتی اپنے بال تولیے سے جھاڑنے لگی تھی ایک دم چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔

''مسز شہباز کا فون؟''

''پچھلے پندرہ منٹ سے ہولڈ پر رکھا ہوا ہے۔'' اس نے کہا۔ ثانیہ تیزی سے اندر کی جانب لپکی۔

فون اٹھایا مسز شہباز نے انٹرویو کے متعلق پوچھنے کے لیے ہی فون کیا تھا۔ انہوں نے تو اپنی طرف سے اسے سو فیصد یقین دلا کر بھیجا تھا کہ نوکری مل جائے گی مگر اس سے ساری روداد سن کر بولیں۔

''میں نے تو لالا جان کو بہت تاکید کی تھی۔ اچھا میں ان سے دوبارہ بات کرتی ہوں ہوسکتا ہے کوئی مس انڈراسٹینڈنگ ہوگئی ہو۔''

''آمین۔'' ثانیہ نے دل ہی دل میں کہا۔ مسز شہباز فون بند کر چکی تھیں تو وہ دل ہی دل میں دعائیں کرنے لگی۔

شفق سب سے پہلے تھک کر گھر بیٹھ گئی تھی۔

مجھ سے نہیں ہوتا ثانیہ! وہاں اسکول میں بھی عانیہ کے متعلق ساری بات پھیل چکی ہے۔ لوگ تیمور کے انتقال کی تعزیت کے لیے نہیں آتے بلکہ زخم کریدنے آتے ہیں۔''

اس روز اسکول جانے سے انکار کرتے ہوئے وہ سسک اٹھی تھی۔ ثانیہ کو مایوسی تو ہوئی مگر شفق کو بھی تیمور کی طرح حالات کی نذر کر دینے سے بہتر یہی لگا کہ اسے مجبور نہ کرے۔ اس وقت تک وہ اپنی سابقہ اکیڈمی کا چکر لگا آئی تھی اور یہ اس کی یہ آس بھی بری طرح ٹوٹی تھی۔ اس کے ملازمت ترک کر دینے کے دو ماہ بعد ہی فاروق صاحب فیصل آباد شفٹ کر چکے تھے اور اکیڈمی کی عمارت کی جگہ اب ایک پلازہ تعمیر ہو رہا تھا جو کہ تقریباً تکمیل کے مراحل میں تھا۔ اس کے بعد اس نے ان گھرانوں کا قصد کیا جہاں وہ پڑھاتی رہی تھی ان ہی گھرانوں میں سے ایک گھر مسز شہباز کا تھا لیکن مسز شہباز بنگلہ چھوڑ چکی تھیں جب کہ دیگر گھرانوں میں اسے مختلف وجوہات کی بنا پر نہیں رکھا

گیا البتہ موجودہ ٹیوٹر کی غیر موجودگی میں اسے رکھ لینے کی آس دلائی تھی محض آس سے پیٹ تو نہیں بھرے جاسکتے۔ سو وہ نوکری کی تلاش میں حقیقتاً ماری ماری پھرنے لگی۔

اچھے اور بڑے معیار کے اسکولز کے اپنے رولز اینڈ ریگولیشن تھے زیادہ تر جگہوں پر اسے یہ ہی جواب ملا کہ یہ سیشن کا مڈ چل رہا ہے اور نیو اپائنمنٹ تو سال کے شروع میں ہی کیے جاتے ہیں یا نوکری نہ دینے کی کچھ اور وجوہات تھیں۔ بالآخر اس نے ایک چھوٹے اور اپنے معیار سے کہیں کم تنخواہ والے اسکول میں نوکری کرلی جہاں کام زیادہ اور پیسے انتہائی کم تھے۔ وہ مطمئن تو خیر نہیں تھی مگر کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے ساتھ ہی ساتھ اس نے اپنی کوششیں بھی جاری رکھیں۔ اسکولز یا اکیڈمیز کا خیال تو اس نے چھوڑ دیا تھا جبکہ آفس جابز کے لیے کہیں بھی وہ موزوں نہ تھی۔ نامکمل تعلیم، تجربے کی کمیابی اور اکثر ہی ماحول اس کی راہ میں رکاوٹ بنتے رہے۔

ایسے ہی ایک مایوسی بھرے دن میں مسز شہباز سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے بصد اصرار اسے اپنی کار میں بٹھا لیا تھا۔

''کہاں ہو بھئی تم! ایسی گئیں کہ پلٹ کر خبر تک نہ لی۔ دوسری طرف میرے بچے ہیں کہ اب تک تمہیں یاد کرتے ہیں۔ اتنے ٹیوٹر بدلے مگر مجال ہے جو تمہاری طرح پڑھا سکا ہو۔''

میں آپ کے پرانے گھر گئی تھی مگر پتا چلا آپ گھر تبدیل کرچکی ہیں۔ آج کل کس ٹیوٹر سے ٹیوشن لے رہے ہیں بچے؟ ایکچوئلی میں آج کل فارغ ہی ہوتی ہوں۔'' ثانیہ نے جلدی سے کہا مبادا موقع ہاتھ سے نکل ہی نہ جائے۔

''ہیں ہیں...... فارغ ہوتی ہو سے کیا مراد ہے؟ تمہارے تو بھائی نے منع کر رکھا تھا ناں؟'' انہوں نے اسی بات کا حوالہ دیا جس کی بنیاد پر اس نے ملازمت ترک کی تھی اور ان کے بے حد اصرار پر بھی وہ ملازمت جاری نہیں رکھ سکی تھی۔

ثانیہ کو انہیں تیمور کے انتقال کے متعلق وہی فرضی سی کہانی سنانا پڑی جواب تک سب ہی لوگوں کو سنائی گئی تھی اور جس پر بہتوں کو یقین بھی نہیں تھا۔

''اوہ ویری سیڈ۔ بچپن سے بیمار تھا تمہارا بھائی؟''

''جی، دل میں سوراخ تھا اس کے۔'' اس جھوٹی کہانی میں بس یہی بات سچی تھی۔

''تو علاج نہیں کروایا؟'' انہوں نے اگلا سوال کیا۔

''بہت کروایا لیکن موت کو کون ٹال سکتا ہے۔''

مسز شہباز تاسف سے سر ہلاتی رہیں پھر بولیں۔

''آج کل کہاں جاب کررہی ہو؟''

ثانیہ نے بتادیا۔

''مجھے بہت خوشی ہوتی ثانیہ کہ تم پھر سے میرے بچوں کو پڑھانا شروع کرتیں مگر مسئلہ یہ ہے کہ ہم لوگ تو بس کچھ ہی دنوں تک یو اے ای شفٹ ہو رہے ہیں۔ میرے ہزبینڈ کا بزنس بھی وہیں ہے۔ بچے بھی اب وہیں پڑھیں گے، اس لیے کم سے کم اس معاملے میں، میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتی۔''

انہوں نے بڑے آرام سے اسے مایوس کیا پھر اچانک بولیں۔

''البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ میں تمہیں اپنے لالا جان کے آفس میں کام دلوادوں۔ کیا خیال ہے کسی آفس میں کام کرنے کی اجازت مل جائے گی تمہیں؟'' اور وہ انکار کیسے کرسکتی تھی۔ مسز شہباز نے اسے وزیٹنگ کارڈ دے کر دو روز بعد جانے کے لیے کہا تھا اور اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ بتانے کی ضرورت تو نہیں تھی۔

''اب آجاؤ ثانی۔ سب کچھ پھر سے ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' شفق کی آواز پر وہ چونکی۔ چٹائی پر کھانا لگائے وہ اسی کے انتظار میں تھی۔

''امی کو سلام بھی نہیں کیا میں نے۔''

''سو رہی ہیں بعد میں کر لینا۔'' شفق نے ہاٹ پاٹ سے روٹی نکالتے ہوئے کہا۔ ثانیہ سر ہلاتی دسترخوان پر آبیٹھی لیکن ذہن مسلسل ہی مسز شہباز کی جانب لگا رہا تھا۔

''کم سے کم اب تو امید بر آئے۔'' اس نے بہت صدق دل سے دعا کی تھی۔

☆......☆......☆

شمسہ اتنی گہری سوچ میں تھیں کہ جہانگیر لاشاری کے کمرے میں داخل ہونے کا علم بھی نہیں ہوسکا حالانکہ وہ تو ایک ایک پل کی خبر رکھنے والی اور قدم قدم پر نچھاور ہونے کا جذبہ رکھنے والی بیوی تھیں۔ وہ گھر میں بعد میں داخل ہوتے ان کا دل پہلے مطلع کر دیتا۔ آج یہ عالم تھا وہ سر پر پہنچ چکے تھے اور وہ ان کی موجودگی سے لاعلم تھیں۔ وہ اس غیر معمولی بات پر جی بھر کر حیران ہوتے اگر ان کی دلی کیفیت سے آگاہ نہ ہو چکے ہوتے۔

چند لمحے منتظر رہنے کے بعد انہیں متوجہ کرنے کے لیے جہانگیر لاشاری کو کھنگارنا پڑا۔ شمسہ نے غائب دماغی سے گردن موڑ کر انہیں دیکھا اور پھر بری طرح سے چونکیں۔

''ارے......آپ......؟ کب آئے؟ السلام علیکم۔''

''اب تو بہت دیر ہوگئی جناب! لیکن آپ کو علم ہی نہیں۔ ویسے بھی اس عمر میں وہ پہلے جیسی بات کہاں رہتی ہے۔'' ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے وہ بڑے ہلکے پھلکے انداز میں قدرے خوشگواریت سے کہہ رہے تھے۔ شمسہ بوجھل دل اور متورم آنکھوں کے ساتھ پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر بولیں۔

''عمر تو اتنی ہی ہوتی ہے جتنی انسان محسوس کرے۔ ویسے آپ کیا محسوس کرتے ہیں؟''

''ایک دم ینگ اور فریش...... بلکہ اگر آپ ہمارا ساتھ دیں تو آپ کا ہاتھ تھام کر کسی سبزہ زار میں محبت بھرے گیت بھی گا سکتا ہوں۔ میری تو بڑی خواہش ہے۔'' ان کے انداز میں شریری سنجیدگی تھی۔ اتنی بوجھل کیفیت کے باوجود بھی شمسہ کو ہنسی آ گئی۔

جہانگیر لاشاری کا مقصد پورا ہو گیا تو خود بہ خود ایک طمانیت بھرا احساس اندر تک اترنے لگا۔ انہوں نے بڑی چاہ سے اپنی شریک حیات کو دیکھا جن کا چہرہ کچھ ہنسی اور کچھ اس انوکھی فرمائش کے احساس سے سرخ ہو رہا تھا۔

''جو کام جوانی میں نہ کیے وہ اس عمر میں کرتے کیسے لگیں گے؟ دنیا خوب ہنسے گی کہ بڈھا بڈھی پاگل ہو گئے ہیں جوان اولاد کے سامنے خوب ہی تماشا لگے گا۔''

وہ تو ایسے ہو رہی تھیں جیسے معمولی سی بھی لچک دکھائی تو جہانگیر صاحب زبردستی ہاتھ پکڑ کر لے جائیں گے۔

''ہمارے بچے بہت خوش ہوں گے کہ ہمارے پیرینٹس کتنے زندہ دل ہیں۔ ویسے یہاں بیٹھ کر تو ہم صرف اندازے ہی لگا سکتے ہیں کیوں نہ پریکٹیکل کر کے دیکھا جائے۔'' ان کا انداز ہنوز تھا۔ شمسہ کی ہنسی میں اضافہ ہوا تھا۔

''آپ بھی بس...... کھانا لگواؤں؟ ویسے آپ آج دیر سے آنے والے تھے ناں؟'' بات بدلنے کی شعوری کوشش کرتے ہوئے انہیں اچانک یاد آیا تھا۔

''بس موڈ نہیں بن رہا تھا اس لیے آ گیا۔ کچھ ویک نیس بھی فیل ہو رہی تھی۔'' ان کا جملہ مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ شمسہ کو تشویش لاحق ہو گئی۔

''کیا ہوا؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نا...... اسی لیے منع کر رہی تھی کہ کچھ روز آفس نہ جائیں۔''

''میں ٹھیک ہوں شمسہ! کہا نا صرف ویک نیس فیل ہو رہی ہے۔'' انہوں نے اطمینان دلانا چاہا مگر شمسہ کا ان کی صحت کے معاملے میں مطمئن ہو جانا اتنا آسان نہیں تھا۔

''اور اب تو بہت دن کیا کچھ دن تک بھی گھر میں رکا نہیں جا سکتا۔ باقاعدگی سے ہی آفس جانا پڑا کرے گا۔ گو کہ کچھ اور بھی قابل بھروسہ لوگ ہیں لیکن ان میں کوئی ایک بھی شاہنواز جیسا نہیں ہے۔ میرا خیال ہے شاہنواز کے بعد میں کسی دوسرے شخص پر اتنا اعتماد نہیں کر سکتا۔'' ان کا انداز پرسوچ تھا۔

''شاہنواز کے بعد؟'' شمسہ نے چونک کر ان کی شکل دیکھی۔ ''کیا مطلب؟''

جہانگیر لاشاری چند لمحے سامنے والی دیوار کی طرف دیکھتے رہے پھر ان کی طرف دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے بولے۔

''اس نے ریزائن کر دیا ہے۔''

شمسہ کچھ لمحے کچھ بول ہی نہ سکیں۔

”حنان گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے۔“ انہوں نے گہرے دکھ کے ساتھ اطلاع دی۔ جہانگیر ذرا بھی نہ چونکے کیونکہ اسوہ انہیں پہلے ہی اطلاع دے چکی تھی۔ وہ گھر بھی اسی لیے جلدی آئے تھے تاکہ شمسہ کا دکھ بانٹ سکیں۔

”ایک بات کہوں شمسہ! میری بات سے کوئی غلط مطلب اخذ مت کرنا۔ تمہیں پتا ہی ہے میں نے حنان اور اسوہ میں کبھی کوئی فرق روا نہیں رکھا۔ حنان جو بھی کہے یا سمجھے مگر اس معاملے میں کم سے کم میرا ضمیر بالکل مطمئن ہے کہ حنان کے معاملے میں، میں نے بالکل سگے باپ کی طرح اپنی ذمے داریاں نبھائی ہیں۔ اور اس کے گھر کے جانے پر مجھے بھی تشویش ہے لیکن میرا خیال ہے ہمیں ریلیکس رہنا چاہیے۔ حنان کا یہ رویہ ہمارے لیے کوئی نیا تو نہیں ہے، اس سے پہلے بھی وہ بغیر بتائے گھر سے غائب ہوتا رہا ہے اس بار فرق صرف اتنا ہے باقاعدہ اعلان کر کے گیا ہے۔ مجھے یقین ہے شمسہ! وہ واپس لوٹ کر یہاں ہی آئے گا۔“

”وہ نہیں آئے گا جہانگیر! آپ نے اس کے تیور نہیں دیکھے۔“ وہ یک دم سسک اٹھی تھیں۔ جہانگیر لاشاری نے بے ساختہ ان کے شانوں پر اپنا بازو پھیلایا۔

”مجھ پر آپ کو تھوڑا سا بھی یقین ہے تو بھروسہ رکھیں۔ وہ واپس ضرور آئے گا، اتنا تو میں اس کے مزاج کو سمجھتا ہی ہوں۔ ہم کچھ عرصہ اس کی واپسی کا انتظار کرتے ہیں بالفرض میرا اندازہ غلط ثابت ہو جاتا ہے اور وہ نہیں آتا تو میں اسے ضرور لے آؤں گا خواہ مجھے ہاتھ ہی کیوں نہ جوڑنا پڑیں۔“

”اللہ کرے آپ کا اندازہ درست ہو۔“ شمسہ نے بڑے صدق دل سے دعا کی تھی پھر کچھ خیال آیا تو ان کی شکل دیکھنے لگی۔

”اور شاہنواز؟“

”میں سمجھتا ہوں اس کا ردعمل بھی بالکل درست ہے۔ حنان ہمارا بیٹا ہے وہ کیوں اس کی الٹی سیدھی برداشت کرے لیکن نوکری چھوڑنے کا فیصلہ سراسر جذباتی ہے۔ میں نے اسے دو ماہ کا نوٹس دینے کے لیے کہا ہے۔ خیال تو یہی ہے کہ اس دوران اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ گو کہ میں نے شاہنواز کو بھی اپنے بیٹے سے کم نہیں سمجھا لیکن جو حیثیت اس کی آفس میں ہے اس کو کسی صورت نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ مجھے ایسا لگتا ہے اس کی مدد کے بغیر میں بزنس چلا ہی نہیں سکتا۔ بہت انحصار کرتا ہوں میں اس پر...... اور اس کے جانے کے بعد کیا ہو گا میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔“ ان کی آواز شکستہ تھی۔

”میں شاہنواز سے بات کروں؟“ شمسہ نے کہا۔

”نہیں بالکل نہیں......“ انہوں نے فوراً ٹوک دیا۔

”میں چاہتا ہوں چند دن میں وہ تھوڑا ریلیکس ہو جائے پھر اسے راضی کرنا قدرے آسان ہو جائے گا اگر ابھی سے کوئی بات کی تو وہ اسے ایموشنل بلیک میلنگ بھی سمجھ سکتا ہے...... خیر یہ تو اب مستقل مسائل ہیں ہو سکتا ہے آخری سانس تک چلیں۔ ایک اچھی سی کافی

پلوائیں آپ؟" انہوں نے فرمائش داغ دی۔

"میں ولی بابا سے کہتی ہوں۔" شمسہ فوراً مستعد ہوئیں۔

"ولی بابا سے نہیں بھئی۔ آپ کے ہاتھ کی کافی پینا ہے آج، زیادہ شوگر اور کم کریم کے ساتھ...... میں تب تک فریش ہولوں۔"

جہانگیر کا مقصد انہیں بھی سابقہ موڈ سے نکالنا تھا۔ شمسہ فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئیں اتنی مدت بعد شوہر نے کوئی فرمائش کی تھی کیسے پوری نہ کرتیں۔

لیکن کافی بنانے تک بھی ان کے ذہن میں حنان اور شاہنواز ہی چکراتے رہے تھے۔ بے شک حنان انہیں زیادہ عزیز تھا مگر شاہنواز سے محبت بھی کچھ کم نہ تھی اور اب اس کی خفگی کا احساس بھی مارے دے رہا تھا ورنہ حنان کے چکر میں وہ تو اسے بھول ہی گئی تھیں۔

کافی لے کر بیڈروم میں آئیں تو جہانگیر گیلے بالوں میں تولیہ رگڑتے موبائل پر بات کر رہے تھے۔

"زری کا فون تھا۔" چند لمحے انہوں نے موبائل رکھتے ہوئے اطلاع دی۔

"خیریت؟"

"ایک تو یہ کہ کسی لڑکی کی جاب کے لیے کہا تھا حالانکہ میں شاہنواز کو تاکید بھی کر آیا تھا پھر بھی پتا نہیں کیا ہوا کہ اس نے اس لڑکی کو مایوس لوٹا دیا زری اب اصرار کر رہی تھی کہ اس لڑکی کو کہیں ایڈجسٹ کر لیں بہت ضرورت مند ہے......"

"یہ زری کو لوگوں سے اتنی ہمدردی کب سے ہونے لگی؟" شمسہ نے متبسم سی حیرانی کے ساتھ کہا۔ "اسے تو کسی انجان لڑکی کا نام آتے ہی شہباز پر شک ہونے لگتا ہے۔"

جہانگیر بھی زری کی شکی فطرت سے آگاہ تھے مسکرانے لگے۔

"بچوں کی پرانی ٹیوٹر ہے کوئی...... ثانیہ نام بتا رہی تھی...... میرا خیال ہے زری سے پہلے بھی اس کا ذکر اور تعریف سنی ہے۔ میری تو کبھی ایک آدھ ملاقات ہی ہوئی ہوگی زری کے گھر میں۔"

"شاید میں بھی ملی ہوئی ہوں اس سے۔" شمسہ نے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے کہا۔

"زری تعریف تو بہت کرتی رہی ہے خیر رکھ لیں بے چاری کو، کسی کی تھوڑی سی مدد کریں گے تو اس کے دل سے دعا ہی نکلے گی اور ہمیں دعاؤں کی ضرورت ہے۔" وہ پھر سے آزردہ ہونے لگیں۔

"زری آپ کے متعلق بھی پوچھ رہی تھی۔ آپ نے شاید آج اس کی طرف جانے کا وعدہ کیا تھا۔" جہانگیر نے سپ لیا۔

"ارے ہاں مجھے تو یاد ہی نہیں رہا۔ دراصل وہ کل کا واقعہ پھر آج حنان کا طرز عمل۔ کل انشاء اللہ چکر لگاؤں گی وہ بے چاری بھی کیا سوچتی ہوگی اتنے کم دن رہ گئے ہیں جانے میں اور بھابھی بیگم نے بات تک نہ پوچھی......" وہ دانستہ اپنا موڈ بدلنے کی کوشش میں لگی تھیں۔

☆......☆......☆

گلشن نگر میں ایک دنیا بستی تھی اور اس دنیا کی نظروں سے چھپ چھپا کر یہاں تک پہنچ جانا بھی کسی کارنامے سے کم نہ تھا۔

لہٰذا تہہ خانے کی سیڑھیاں اترتے ہوئے، پکڑے جانے کے خوف کے باوجود وہ اچھی خاصی مسرت محسوس کر رہی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ اسے وہ ساری نشانیاں بھی مسرور کر رہی تھیں۔ جو اگلی بار اسے گوشی کی مدد کے بغیر یہاں تک پہنچنے میں سنگ میل کی طرح مدد دیتیں۔

آپا بیگم کے خوف کے باوجود سارا ہی راستہ وہ بڑی حاضر دماغی کا ثبوت دیتی آئی تھی۔

''اور کتنی دور تک جانا ہے گوشی؟'' نیم تاریک راستے سے گزرتے ہوئے اس نے گوشی سے سرگوشی میں پوچھا۔ یہاں آتے ہوئے اس نے ربر کے آرام دہ سلیپر پہن لیے تھے جن کی چاپ نہ ابھرے اور اگر فرار ہونا پڑے تو بھی دقت نہ ہو ساتھ ہی ساتھ دوپٹہ سر پر اس انداز سے اوڑھ لیا تھا کہ ایک نظر میں تو اسے پہچانا بھی نہیں جا سکتا تھا۔

گوشی اس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے دائیں راہداری کا موڑ کاٹ کر دوسرے ہی دروازے کے سامنے رک گئی۔

''بہت احتیاط سے کام کرنا پڑے گا بی بی! میں جتنی دیر میں دوسری طرف سے ہو کر آتی ہوں۔ آپ کو جو بات کرنا ہے کر لو۔ میں پندرہ منٹ بعد واپس آ جاؤں گی اور دروازے پر آہستہ آہستہ تین بار انگوٹھی سے دستک دوں گی۔ آپ تب ہی باہر نکلنا اس کے علاوہ کوئی بھی کھٹکا محسوس ہو تو فوراً کہیں چھپ جانا...... حالانکہ میرے علاوہ کوئی ادھر آتا تو نہیں ہے لیکن اگر پکڑے گئے تو تمہیں تو شاید آپا بیگم بخش دیں۔ میری تو کھال میں بھس بھروا دیں گی۔''

حالانکہ گیتی جانتی تھی پکڑے جانے پر اس کا بھی وہی حال ہو گا جس کا ذکر گوشی نے کیا مگر محض رحاب کے لیے اسے یہ رسک لینا ہی تھا۔

وہ سر ہلاتی احتیاط سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔

ہلکی سی روشنی موجود تھی مگر اتنی ہی ہلکی کہ فوراً ہی دور تک نظر جا بھی نہیں رہی تھی۔

احتیاط سے اپنے پیچھے دروازہ بند کر کے اس نے چٹخنی بھی چڑھا دی ساتھ ہی ساتھ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اپنی بینائی کو اس نے ناکافی روشنی سے مانوس کرنے کی کوشش کی۔

منظر دھیرے دھیرے بینائی کی گرفت میں آیا تھا۔ چھوٹا سا کمرہ تھا مگر وال ٹو وال قالین بچھایا گیا تھا ایک پلنگ اور ایک میز کرسی...... بس یہی کل فرنیچر تھا دیواریں گو کہ آرائشی سامان سے پاک تھیں مگر ایسا شاندار قید خانہ تو اس نے پہلی ہی بار دیکھا تھا اس لیے بے اختیار دل سے ستائش نکل رہی تھی۔

تب ہی اس نے دیکھا پلنگ کے دوسری جانب دیوار کے بالکل ساتھ وہ گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی۔ گیتی کا دل پوری شدت سے سکڑ کر پھیلا۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر سوئچ بورڈ کے سارے بٹن دبا دیئے۔ کمرے کا واحد انرجی سیور بھی روشن ہو گیا۔

''رحاب۔'' گیتی بنا وقت ضائع کیے اس کی طرف بڑھی مگر رحاب کے وجود میں ہلکی سی بھی جنبش نہیں ہوئی تھی۔

''رحاب! میں ہوں گیتی۔'' گیتی نے اسکے قریب بیٹھتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور دبی ہوئی آواز میں اطلاع دی۔

اس نے اس بار بھی سر نہیں اٹھایا تھا گیتی کے پاس وقت اتنا کم تھا کہ مزید ایک پل کا انتظار بھی بھاری گزرتا۔ اس نے رحاب کو جھنجھوڑا تھا اس بار رحاب نے سر اٹھا کر اس کی جانب اتنی عجیب نظروں سے دیکھا کہ گیتی آرا تھرا ہی گئی۔

''اب کیوں آئی ہو؟'' اس کے خشک پپڑی جمے ہونٹوں میں جنبش ہوئی تھی۔ گیتی کو اس کی آواز اجنبی لگی تھی بلکہ آواز پر ہی کیا موقوف اسے تو پوری کی پوری رحاب ہی اجنبی لگ رہی تھی۔

آج چادر سر کی بجائے کندھوں پر تھی اور لاپروائی کے سے انداز میں پیروں تک پھیل گئی تھی۔ اس کے بال بری طرح بکھرے ہوئے تھے اور آنکھیں بے تحاشا سرخ ہو رہی تھیں جبکہ چہرے پر ہلکی سی سوزش کا گمان ہو رہا تھا۔

گیتی کو اس کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت دکھائی دی تھی لیکن جس چیز نے اسے اپنی گرفت میں لیا وہ اس کی آنکھوں کی نفرت نہیں بلکہ اس کی گردن پر دکھائی دیتا ایک سرخ نشان تھا۔

گیتی کا دل پھر کسی نے مٹھی میں جکڑا۔

بدترین خدشے کے درست ہو جانے کا خوف اس وقت اس پر پوری طرح حاوی ہو چکا تھا اس نے لرزتی انگلیوں سے اس کی گردن سے چادر سرکائی تھی۔ وہ سرخ نشان اپنی وحشت سمیت اس پر کچھ اور واضح ہوا۔

''یہ...... یہ کیا ہوا ہے رحاب؟'' اس کی آواز میں بھی لرزش تھی۔

''یہ انعام ملا ہے مجھے...... تم پر بھروسہ کرنے کا۔'' وہ نفرت سے بھرپور آواز میں پھنکاری۔

''اتنا حیران کیوں ہو رہی ہو...... تم بھی تو یہی چاہتی تھیں ناں۔ دیکھو میری طرف۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں رہا۔ تمہاری آپا بیگم نے کتے چھوڑے تھے مجھ پر...... دیکھو کس طرح میرے وجود کا ایک ایک حصہ نوچ ڈالا ہے انہوں نے......'' وہ رونے لگی تھی لیکن روتے ہوئے بھی اپنی ادھڑی آستینوں سے جھانکتے بازو دکھاتی رہی تھی جن پر کسی کا وحشی پن زخم بن کر ٹھہر گیا تھا۔

''میں نے کہا تھا...... کہا تھا رحاب۔ ان کی بات مان لو۔''

اس کے سینے میں طوفان اٹھ رہا تھا اور آنسو حلق میں اٹک گئے تھے۔

''میں نے کیوں کیا تم پر بھروسہ؟ میں کیسے بھول گئی تم بھی انہی میں سے ہو......'' وہ اب سر پر ہاتھ رکھے رو رہی تھی۔

گیتی کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔ اپنی مرضی سے دلدل میں اترنا اور بات ہے جب کہ دلدل میں زبردستی دھکیلے جانے والے کو اپنی زندگی بچانے کی جدوجہد میں ناکام ہوتے دیکھنا ایک بالکل ہی الگ تجربہ۔

”میں نے کچھ نہیں کیا رحاب! اللہ کی قسم۔ میں تو تمہیں بچانے آئی......“

اس نے کہنا چاہا مگر رحاب نے اسے زور سے دھکا دیا تھا وہ پیچھے الٹ گئی تھی۔

”جھوٹی...... کمینی، بدذات...... تم ہو ہی گندی نالی کا کیڑا...... جب بچا سکتی تھیں تو بچایا نہیں...... اب کون سی نئی چال چلنے آئی ہو۔ دروازہ کھلا چھوڑ کر اپنی اس ذلیل سگی کو اطلاع دے دی۔ مر جاؤ تم گیتی! اللہ کرے تمہیں ایسی سسکتی ہوئی موت آئے کہ دنیا عبرت پکڑے...... کیڑے پڑیں تمہاری میت کو...... مجھ غریب نے تمہارا کیا بگاڑا تھا صرف مدد ہی تو چاہی تھی لیکن تم...... تم ہو ہی پتھر...... دل بھی سینے میں دھڑکتا ہے یا نہیں؟......

میں نے آج تک کسی کو بددعا نہیں دی مگر یہ دیکھو...... جھولیاں بھر بھر کر بددعائیں نکل رہی ہیں تمہارے لیے۔ کتنے لوگوں کا قرض ہے تمہارے کندھوں پر...... ساری زندگی بھی چکاتی پھرو تو ہلکی نہیں ہو گی۔ مرنے کی دعا مانگو گی تو موت نہیں آئے گی......“

وہ جھولی پھیلائے اسے بددعائیں دے رہی تھی۔

گیتی کا دل چاہا اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دے مگر اس میں ہمت ہوتی تو ایسا کرتی اس کے سارے وجود پر لرزہ طاری ہو چکا تھا۔ اس نے بھاگ جانا چاہا مگر اٹھنے کی کوشش میں وہ دوبارہ گر گئی تھی اس کے ہر مسام سے پسینہ بہہ رہا تھا اور رحاب کی شکل کسی ڈائن کی شکل اختیار کر چکی تھی۔

گیتی نے زندگی میں پہلی بار اتنا خوف محسوس کیا تھا۔ وہ رحاب کے بگڑے ہوئے نقوش سے خائف تھی یا اس کے لبوں سے نکلے الفاظ سے اسے پتا نہیں تھا۔ بس وہ رونے لگی تھی خوش سے کانپتی ہوئی وہ اپنے آنسوؤں سے بالکل بے نیاز تھی البتہ اس کے دل میں طوفان اٹھا ہوا تھا مگر اس کی ساری حرکت و عمل کی قوتیں بے کار ہو چکی تھیں۔

”میری بربادی کی ذمہ دار تم ہو گیتی!...... صرف تم...... تم پچھتاؤ گی اللہ کرے تم پچھتاؤ......“ وہ حلق کے بل چنگھاڑتی ہوئی اس پر جھپٹی تھی۔

گیتی نے خوفزدہ ہو کر آنکھیں بھینچ لیں اگلے ہی پل اپنی ساری ہمت مجتمع کر کے اس نے رحاب کو دھکیلا اور بھاگ کھڑی ہوئی۔ دروازے سے ٹکرائی مگر اتنی ہی سرعت سے چیختی گراتی باہر نکلی اور آنکھیں بند کیے اسی طرف بھاگتی چلی گئی جہاں سے چلی آئی تھی۔

اپنے پیچھے لپکتی عفریت کے خوف نے اسے سامنے آ جانے والے ہر خوف سے بے نیاز کر دیا تھا جبکہ گوشی تالا لگاتی اس کے عقب میں دوڑی تھی۔

☆......☆......☆

جہانگیر لاشاری کے منع کرنے کے باوجود شمسہ نے شاہنواز سے بات کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر اس روز شاہنواز کی واپسی اتنی تاخیر

سے ہوئی کہ وہ تقریباً مایوس ہی ہو چکی تھیں۔

رات ڈھائی بجے کا عمل تھا اور انہیں اس کے انتظار میں بیٹھے تقریباً تین گھنٹے گزر چکے تھے۔ پچھلی رات سے جو ذہنی الجھن تھی اس نے یوں بھی انہیں مضمحل کر رکھا تھا اس پر سے یہ اوور ٹائم...... چونکہ نماز کے لیے اٹھنا ہوتا تھا اس لیے وہ گیارہ بجے تک ہی سو جانے کی عادی تھیں مگر آج جاگتے ہوئے اتنی دیر گزر چکی تھی لہٰذا اعصاب بھی اسی حساب سے چیخ رہے تھے لیکن شاہنواز کی گاڑی کا ہارن سن کر وہ جیسے از سر نو تازہ دم ہوئی تھیں۔

مگر شاہنواز نے انہیں اپنا منتظر پا کر اچھی خاصی ندامت محسوس کی تھی۔

''آپ اب تک جاگ رہی ہیں؟''

''اصل میں تم سے کچھ بات کرنا تھی بس اس لیے......'' انہوں نے آہستگی سے جواب دیا۔

''ایسی کون سی ضروری بات تھی جس کے لیے آپ کو اتنی دیر تک جاگنا پڑا...... حکم فرمایئے......'' ان کے پیروں کے قریب فلور کشن گھسیٹ کر بیٹھتا وہ معمول کے انداز میں کہہ رہا تھا۔

شمسہ کی ندامت میں اضافہ ہوا تھا انہوں نے آہستگی سے اس کے گھنے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

''مجھے حنان کے عمل کی معافی مانگنا تھی......'' انکی آواز میں اتنی شرمساری اور آواز اتنی آہستہ تھی کہ جیسے اپنے گناہ کا اقرار کر رہی ہوں۔

''چھوڑیں خالہ! یہ تو معمول کی بات ہے۔'' اس نے بے زاری سے کہا۔

''اور آپ کیوں معافی مانگ رہی ہیں؟ آپ کی غلطی تو ہے ہی نہیں اور میں حنان کی طرح بے وقوف بالکل نہیں ہوں کہ خفگی کسی سے ہو جتاؤں کسی کے ساتھ یا غلطی کسی اور کی ہو اور سزا کسی اور کو دوں...... اللہ اتنی ذہانت اسی کو مبارک کرے۔ الحمدللہ مجھے حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ انسانوں کو پرکھنا بھی آتا ہے۔'' وہ بے حد سرد مہری سے کہہ رہا تھا۔

شمسہ کے دل کو کچھ ہوا تھا مگر حنان کا مقدمہ لڑنے سے بہتر تھا وہ بات کی جائے جس کیلئے وہ اتنی رات گئے تک اس کی منتظر تھیں۔

''ایسی بات ہے تو استعفیٰ کیوں دیا ہے؟ آفس کیوں چھوڑ رہے ہو؟

جبکہ جانتے ہو جہانگیر کو تمہاری کتنی ضرورت ہے......'' انہوں نے سرعت سے کہا۔

''میں احسان فراموش نہیں ہوں خالہ امی! نہ ہی مطلب پرست ہوں۔'' شاہنواز نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا۔

''جب میرے اپنوں نے مجھے ٹھکرایا تھا تو آپ اور سر تھے جنہوں نے مجھے سہارا دیا تھا۔ اپنے محسن کو میں کیسے بھول سکتا ہوں میری زندگی بھی کسی کام آسکی تو وہ بھی دوں گا، بخت انٹر پرائز میں اپنی خدمات پیش کرنا تو بے حد معمولی بات ہے۔

استعفیٰ دینے کا فیصلہ میں نے ضد یا غصے میں آ کر نہیں بلکہ یہ فیصلہ تو میں بہت پہلے کر چکا تھا البتہ اب اس فیصلے پر عمل کرنے کی ایک ٹھوس وجہ بھی مل گئی۔ مجھے لگتا ہے خالہ! اس گھر کے بہت سے مسائل صرف میرے یہاں رہنے کی وجہ سے بھی ہیں۔ حنان کو یہی تو شکایت ہے کہ جو اختیارات اسکے پاس ہونا چاہئیں وہ میرے پاس کیوں ہیں۔ میں تو بخت انٹر پرائیزز کا ایک معمولی سا ایمپلائی ہوں خالہ! اگر میرے جانے سے مسائل حل ہو سکتے ہیں تو میرا خیال ہے مجھے چلے ہی جانا چاہیے۔

حالانکہ میں نے حنان سے خود کو کبھی کمپیئر نہیں کیا لیکن اگر پھر بھی وہ مجھے اپنا Competitor سمجھتا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں سوائے اس کے کہ یہاں سے چلا جاؤں میرا خیال ہے یہاں سے چلے جانے کے بعد وہ کافی اچھا محسوس کرے گا۔''

''کیا مطلب؟'' شمسہ نے حیرانی سے اس کی جانب دیکھا۔

''تم کہاں جا رہے ہو؟...... اللہ کے لیے شاہنواز اب کوئی ایسی بات نہ کہہ دینا کہ میرا ہارٹ فیل ہو جائے۔ حنان کیا کم ہے مجھے دکھ دینے کے لیے۔''

''خوشی کے مارے ہارٹ فیل ہو تو دوسری بات ہے۔ وگرنہ ابھی تو آپ کو میری شادی میں بھی شریک ہونا ہے۔'' اس نے بات کو ہلکا پھلکا تاثر دینے کی کوشش کی تھی۔

''ٹاؤن شپ میں، میں نے قسطوں پر ایک چھوٹا سا اپارٹمنٹ لے لیا ہے اور کل تک میں انشاء اللہ وہیں شفٹ ہو جاؤں گا...... ویسے تو میرا ارادہ تھا کہ گھر کو اچھی طرح مینٹین کر کے پھر آپ سب کو اسپیشلی انوائیٹ کروں گا لیکن اگر کل ہی آپ میرے ساتھ میرا گھر دیکھنے چلیں تو مجھے بہت خوشی ہو گی......'' اس نے ان کا ہاتھ تھام کر بڑی محبت سے کہا تھا۔ شمسہ اسکی جانب دیکھتی رہیں پھر گہرا سانس بھر کر اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا لی۔ کچھ کہنے کو منہ کھولا پھر بند کر لیا۔ وہ چہرے اور انداز سے بے حد مضطرب لگ رہی تھیں جیسے خود بھی سمجھ نہ پا رہی ہوں کس قسم کے ردعمل کا اظہار کریں۔

''تم نے گھر لے لیا ہے یہ بہت خوشی کی بات ہے لیکن وہاں جانے کا فیصلہ سراسر جذباتی ہے......'' وہ روہانسی ہو کر بولیں۔

''جذباتیت ہے تو بھی ٹھیک ہے۔'' اس نے ایک بار پھر رسان سے کہا۔

''یہاں سے جانے کا فیصلہ تو مجھے بہت پہلے ہی کر لینا چاہیے تھا۔ حنان اکثر طنز کرتا ہے باہر والے کیا کچھ نہ کہتے ہوں گے۔ ویسے بھی میں اب کوئی سولہ، سترہ سال کا لڑکا تو ہوں نہیں کہ خود کو سنبھال نہ سکوں...... ہو سکتا ہے ابھی آپ کو میرا فیصلہ جذباتی اور احمقانہ لگ رہا ہو لیکن کچھ دن گزریں گے تو آپ پر خود بخود میرے یہاں سے جانے کے فیصلے کے مثبت پہلو نمایاں ہو جائیں گے۔''

شمسہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے شاہنواز نے ہاتھ بڑھا کر آنسو پونچھ ڈالے۔

''میں آپ کی محبت اور احسان کی بہت قدر کرتا ہوں خالہ! اور یہ آپ کی محبت ہی تھی جس نے حنان کی بدتمیزیوں کے باوجود مجھے

یہاں سے جانے نہیں دیا کئی بار ایسا ہوا کہ میں نے جانے کا ارادہ کیا اور آپ کی محبت نے میرے پیروں کو جکڑ لیا۔ مگر اب میں یہاں نہیں رک سکتا۔ حنان کے گھٹیا پن کی انتہا آپ دیکھ ہی چکی ہیں۔ میں جانتا ہوں یا میرا اللہ کہ میں نے خود کو کس طرح روکا ہے بلیومی اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑتا۔ میں یہاں رہوں گا تو پھر کوئی نہ کوئی ایسی بات ہوگی جس پر حنان کو تماشا کرنے کا موقع ملے گا۔ میں نے اس بار خود کو روک لیا تھا خالہ! مجھے یقین ہے اگلی بار نہیں روک سکوں گا۔"

وہ اپنے سابقہ ٹھہرے انداز میں کہہ رہا تھا۔ شمسہ کے آنسوؤں میں روانی آ گئی اور پھر وہ فوری طور پر قائل ہوئیں یا نہیں لیکن اتنا ضرور سمجھ چکی تھیں کہ شاہنواز کو اس کے مؤقف سے ہٹانا تقریباً ناممکن ہے وہ بھی اس صورت میں حال میں جبکہ وہ غلط بھی نہیں کہہ رہا تھا۔

لیکن ان کے دکھ میں بے حد اضافہ ہوا تھا جس کے فوری طور پر ختم ہونے کا کوئی امکان بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

☆......☆......☆

اگلی صبح خود کو پوری طرح چاق و چوبند ظاہر کرنے کی شعوری کوشش کے باوجود اچھی خاصی مضمحل لگ رہی تھیں۔ جہانگیر لاشاری نے تو فوراً ہی محسوس کر لیا لیکن جتانا یا اس کے متعلق استفسار کرنا مناسب نہ سمجھا اور ناشتے کے دوران ہی زری کی طرف جانے کا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے انہیں بھی تیار ہونے کا کہا۔

"آپ ہو آئیے پلیز! میرا تو بالکل بھی موڈ نہیں بن رہا۔" انگلیوں کی پوروں سے کنپٹی پر دباؤ ڈالتے ہوئے انہوں نے تھکے ہوئے انداز میں کہا۔

"ایسا لگ رہا ہے سر میں دھماکے ہو رہے ہیں۔ شاید نیند نہ پوری ہونے کا اثر ہے ابھی کوئی ٹرینکولائزر لیتی ہوں اور کم سے کم بھی بارہ گھنٹے تو ضرور سوؤں گی (شاید اس طرح دل کو قرار آ جائے)۔"

"بارہ گھنٹے؟...... مائی گاڈ۔" نشوی نے آنکھیں پھیلائیں۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے کسی الٹی سیدھی میڈیسن کا سہارا لینے کی۔" جہانگیر لاشاری نے فوراً ہی سختی سے ٹوک دیا۔

"کسی پریشانی یا تکلیف میں ٹرینکولائزر جیسا عارضی سہارا لینے کا مطلب ہے ساری زندگی کے لیے اسے اپنے ساتھ چپکا لینا اور یہ انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہوتی ہے۔ آپ بس تیار ہو جائیں زری کی طرف ہم ضرور جائیں گے۔"

"لیکن آپ کو آج کہیں اور جانا تھا۔" شمسہ نے اس ارادے سے یاد دلایا کہ شاید کسی طرح بات ٹل جائے۔

"میں آپ کو زری کی طرف ڈراپ کر کے چلا جاؤں گا زیادہ سے زیادہ بھی بیس پچیس منٹ کا کام ہے۔ زری کو باتیں کرنے کا اتنا شوق ہے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی اس کی کمپنی میں بوریت محسوس کرے۔"

"بالکل۔" اسوہ نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔

''آئی ایم شیور، واپسی پہ آپ بہت فریش فیل کریں گی۔''

''اور ویسے بھی صرف پریشان ہونے سے تو کچھ نہیں ہوتا اس پریشانی کا حل سوچا جائے جیسا کہ میں نے ڈھونڈا ہے۔'' نشوٰی نے گلاس میں جوس انڈیلتے ہوئے بڑے آرام سے سب کو حیران کیا۔

''کیا حل ڈھونڈا ہے؟'' اسوہ سب سے پہلے چونکی۔

''بڑا آسان سا حل ہے مجھے حیرت ہے مما! کہ اب تک یہ خیال آپ کو کیوں نہیں آیا۔'' وہ کچھ زیادہ ہی تجسس پھیلانا چاہ رہی تھی اسوہ اکتا گئی۔

''اب بتا بھی چکو۔''

''حنان بھائی کی شادی۔'' اس نے بڑے طریقے سے بلی تھیلے سے باہر نکالی تھی۔ میز کے گرد موجود تینوں نفوس حیرانی سے اس کی شکل دیکھنے لگی۔

''حنان بھائی کی شادی سب مسائل کا حل ہوسکتا ہے...... مجھے اتنی عجیب نظروں سے مت دیکھیں، میں بہت سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں اگر حنان بھائی کی شادی کر دی جائے اور کوئی بہت اچھا لائف پارٹنر ان کو مل جائے تو ان کی سوچ کا انداز اور طرز زندگی بدل سکتا ہے۔''

''یہ تو بہت لانگ ٹرم پلاننگ ہے......'' شمسہ نے گہری سانس بھرتے ہوئے مایوسی سے کہا۔

''اول تو ''اچھی'' لڑکی کی تلاش کرنا ایک مسئلہ ہے اور دوسری اور سب سے اہم بات یہ کہ بالفرض اچھی لڑکی مل بھی گئی تو حنان کو اس سے شادی پر راضی کون کرے گا۔ یہاں تو وہ کسی اور کا پسند کیا ہوا کھانا بھی ایک وقت میں نہیں کھاتا شادی تو پھر پوری زندگی کا معاملہ ہے......''

''تو خود کو تھکانے کی ضرورت ہی کیا ہے......'' جہانگیر لاشاری نے بھی بے حد دلچسپی سے گفتگو میں حصہ لیا۔

''آپ حنان سے کہیے وہ اپنی پسند کی لڑکی بتا دے۔ میرا خیال ہے نشوٰی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔ شادی کے بعد اس کے رویے میں مثبت تبدیلی ضرور آئے گی امید تو اچھی ہی رکھنا چاہیے۔''

''کاش میں بھی آپ کے ہی جتنی خوش امید ہوسکتی۔'' شمسہ نے بے حد افسردگی سے سوچا مگر کہا نہیں اور خاموشی سے اپنے کمرے میں آگئیں مگر اس روز اتنی بددلی سے تیار ہوئیں کہ شاید ہی پہلے کبھی ہوئی ہوں۔ انگوری رنگ کی سفید کڑھائی سے مزین ساڑھی، جیولری وہی جو وہ روٹین میں پہنے رکھتی تھیں۔ میک اپ کے نام پر بے حد ہلکی بالکل نیچرل لک دیتی پنک کلر کی لپ اسٹک۔

جہانگیر لاشاری کو یہ تیاری کچھ خاص پسند نہیں آئی مگر ٹوکا بھی نہیں۔ البتہ گاڑی مین روڈ پر لاتے ہی اپنی ذمہ داری نبھانے کا آغاز ضرور کر دیا۔

''منہ کیوں اتنا لٹکا ہوا ہے؟'' گھما پھرا کر بات کرنا تو ان کی عادت بھی نہ تھی پھر ازدواجی زندگی کا وہ موڑ آچکا تھا جب گھما پھرا کر باتیں کی بھی نہیں جاتیں۔

''مجھے اتنی افسردہ شکل والی شمسہ بالکل پسند نہیں۔'' انہوں نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہتے ہوئے گردن موڑ کر ایک گہری نظر ان پر ڈالی تھی۔

''عادت ڈال لیں اسی شکل کی۔ کیونکہ اب تو کافی دن اسی افسردہ شکل کے ساتھ گزارا کرنا پڑے گا۔'' شمسہ نے شکایتی نظروں سے انہیں دیکھا۔

''میرا ایک بیٹا گھر سے چلا گیا دوسرا جانے کی تیاری میں ہے اتنی افسردگی تو فرض بھی بنتی ہے۔'' ان کا خفا خفا سا انداز جہانگیر لاشاری کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر رہا تھا جسے انہوں نے شمسہ کی مزید خفگی کے ڈر سے فوراً ہی چھپا لیا۔

''لیکن میں نے تو دونوں میں سے کسی سے بھی جانے کے لیے نہیں کہا۔ پھر مجھ سے جھگڑے کی وجہ؟'' شمسہ صبح ہی انہیں شاہنواز کے متعلق بتا چکی تھیں۔

''جھگڑا کب کر رہی ہوں؟'' وہ خفیف سا جھنجھلائیں۔

''اور میں نے یہ کب کہا کہ آپ نے جانے کیلئے کہا ہے؟ میں تو صرف اتنا چاہتی ہوں کہ آپ ایک بار شاہنواز سے بات کریں۔''

''مجھے ایک فیصد بھی یقین ہوتا کہ وہ مان جائے گا تو ضرور بات کرتا۔''

وہ تحمل سے بولے پھر آہستہ آہستہ وہی باتیں دوہرانے لگے جو پچھلی رات سمجھاتے رہے تھے نتیجتاً جس وقت گاڑی رکی وہ ذہنی طور پر حالات سے سمجھوتہ کرنے کے لیے تیار ہو چکی تھیں البتہ دل ابھی بھی بوجھل تھا۔

☆......☆......☆

جہانگیر صاحب کو جلدی تھی وہ کچھ دیر آنے کا کہہ کر گیٹ سے ہی پلٹ گئے اور جب ان کی گاڑی کالونی کا موڑ مڑ چکی تب چوکیدار نے بتایا کہ زری بی بی تو گھر پر موجود ہی نہیں ہے۔ شاپنگ کے لیے گئی ہیں۔ شمسہ کو بے حد اکتاہٹ ہوئی۔

''عقلمند آدمی...... ! پہلے نہیں بتا سکتے تھے۔'' انہیں انتظار کے احساس سے ہی کوفت ہونے لگی تھی۔

''امارا غلطی نہیں اے بی بی!'' چوکیدار نے لاچاری و بے زاری سے کہا۔

''اتنا دیر سے وہ لڑکی بحث کر رہا تھا ہم بالکل بھول گیا۔''

شمسہ نے ان کے اشارے پر برآمدے کی طرف دیکھا جس کی سیڑھیوں میں واقعی کوئی لڑکی موجود تھی۔

''یہ کون ہے اور اسے وہاں کیوں بٹھا رکھا ہے؟'' شمسہ نے بغور دیکھتے ہوئے پہچاننے کی کوشش کی مگر ناکام رہیں۔

''پتا نہیں...... بولتا اے بیگم صاحب سے ملنا چاہتا اے۔ ام سمجھایا بی بی کہ بیگم صاحب گھر پر نہیں اے۔ مگر وہ منتا ای نہیں بڑی منت کر رہا تھا کہ موسم خراب اے بیگم صاحب کا انتظار کرنے دو۔ پتا نہیں کون اے ام نے تو پہلے کبھی دیکھا نہیں۔ اسی لیے اندر بی جانے

نہیں دیا۔“

”اچھا...... میں دیکھتی ہوں۔“ شمسہ نے پرسوچ انداز میں کہا۔

”اور سنو تم بالکل الرٹ رہنا شکل کتنی بھی معصوم ہو یونہی کسی پر بھروسہ تو نہیں کیا جا سکتا۔ حالات اتنے خراب ہو چکے ہیں بالکل سیدھی سادی دکھائی دینے والی لڑکیاں بھی پورے پورے گھر لوٹ کر لے جاتی ہیں۔“ ان کے اندیشے بھی درست تھے۔

بہرحال ناپ تول کر قدم اٹھاتی اس کی طرف آ گئیں قریب پہنچ کر گلا کھنکھار کر اسے متوجہ کیا۔ وہ چادر اوڑھے ہوئے تھی اور اس کا رخ بھی دوسری طرف تھا۔ شمسہ کی طرف دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی اور بے حد شائستگی سے سلام کیا۔

”بیٹا۔ میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔“ اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے شمسہ نے پوچھا اس کے چہرے پر ضرور کوئی ایسی بات تھی کہ وہ سختی سے بات نہیں کر پائیں۔

”جی میں ثانیہ ہوں۔ ایہا اور ایبک کی پرانی ٹیوٹر......“ اس نے جلدی سے کہا ساتھ ہی وضاحت دینے لگی۔

”اوہ ثانیہ!...... ہاں میں پہچان گئی ہوں، زری سے بہت ذکر سنا ہے تمہارا۔“ انہیں تو یہی سوچ کر اطمینان ہو رہا تھا کہ اب تنہا بیٹھ کر کوفت کا شکار نہیں ہونا پڑے گا۔

ثانیہ نے تعجب سے انہیں دیکھا۔ یہ کون تھیں جنہوں نے اس جیسی بے حیثیت لڑکی کو فوراً پہچان لیا۔

”آپ۔“

”میں زری کی بڑی بھاوج ہوں شمسہ۔“ انہوں نے مسکرا کر اپنا تعارف کروایا پھر بولیں۔

”اور تم یہاں کیوں بیٹھی ہوئی ہو؟“

”یہاں بھی بیٹھی ہوئی ہوں تو یہ چوکیدار اور گھر کے باقی ملازمین کی مہربانی ہے ورنہ یہ لوگ تو مجھے گیٹ بھی کراس کرنے نہیں دے رہے تھے۔“ اس نے تکلیف کے باوجود مسکراتے ہوئے کہا پھر جیسے تھک کر واپس بیٹھ گئی اور پیر سے رستا خون ٹشو پیپر سے صاف کرنے لگی۔

”تم نے بتایا نہیں کہ تم کون ہو؟...... اور یہ پیر پر کیا ہوا ہے؟“

ان کی نظر اچانک اس کے پیر پر پڑی تو تشویش سے پوچھا۔

”آتے ہوئے راستے میں چوٹ لگ گئی...... میں نے بتایا تھا یہ بھی کہ میں کون ہوں اور یہ بھی کہ مسز شہباز نے مجھے خود بلوایا ہے لیکن کسی کو یقین ہی نہیں آیا۔ وہ چوکیدار کو میرا زخم دیکھ کر رحم آ گیا اور یہاں بیٹھنے کی اجازت دے دی۔“

چوکیدار شاید انٹرکام پر اندر ”مہمان“ کی آمد کی اطلاع دے چکا تھا۔ کل وقتی ملازمہ فوراً ہی باہر آ گئی۔ شمسہ اس پر خفا ہونے لگیں پھر

اسے اندر دوڑایا اور ثانیہ کو سہارا دے کر اندر لے جانا چاہا۔ مگر وہ خود ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ چوٹ تو لگی تھی مگر اتنی گہری بھی نہیں کہ چل ہی نہ پاتی۔

اندر آ کر اسے کرسی پیش کی گئی۔ ساتھ ہی ملازمہ شمسہ کی ہدایات پر نیم گرم پانی میں ڈیٹول ملا کر لے آئی۔

ثانیہ کو ہنسی آنے لگی یہی ملازمہ خاتون کچھ دیر پہلے تک اس کی بات تک سننے کی روادار نہ تھیں اور اب اس کا پیر تپائی پہ رکھوا کر اپنے ہاتھوں سے اس کا زخم صاف کرنا چاہ رہی تھیں۔

ثانیہ نے بے حد شرمندگی سے پیر سمیٹ لیا۔

''میں خود کر لوں گی۔'' اس نے روئی ان کے ہاتھ سے لی اور پانی میں بھگو کر زخم صاف کرنے لگی۔

''دیکھو نا اس بے چاری کو اتنا گہرا زخم لگا ہوا ہے اور تم نے اسے باہر ہی بٹھا دیا چلو اندر نہ بھی لاتے کوئی مرہم پٹی تو کرنا چاہیے تھا اتنا تو انسان انسانیت کے ناتے بھی کر ہی لیتا ہے۔'' شمسہ مستقل ہی ملازمہ پر خفا ہو رہی تھیں...... ثانیہ کو کہنا پڑا۔

''ان کی تو کوئی غلطی نہیں۔ دراصل میں پہلی مرتبہ یہاں آئی ہوں اس لیے کسی نے بھی مجھے نہیں پہچانا...... تقریباً دو سال پہلے میں ایہا اور ایبک کو پڑھایا کرتی تھی اس دوران گھر بھی تبدیل ہو گیا اور ملازم بھی...... ویسے بھی قسمت ہی خراب ہو تو اپنا سایا تک نہیں پہچانتا کسی اور سے کیا شکوہ؟'' اس نے ہنس کر کہا تھا مگر اس ہنسی میں اتنی تلخی تھی۔ جو چھپائے نہ چھپتی تھی۔

شمسہ نے بے اختیار بے حد دلچسپی سے اس لڑکی کو دیکھا جس کی ہنسی میں بلاشبہ بے حد جاذبیت تھی چہرے پہ معصومیت و سادگی اور بڑی بڑی آنکھیں اتنی بے ریا...... کہ خواہ مخواہ ہی اس کی طرف دیکھتے رہنے کو دل چاہ رہا تھا۔

ثانیہ نے اس چند لمحوں کی خاموشی کو محسوس کیا تو نظریں اٹھائیں۔

شمسہ سے نگاہ ملتے ہی وہ مسکرا دی۔

''لگتا ہے تقدیر سے بہت ناراضی چل رہی ہے؟''

''ناراض تو اس سے ہوا جاتا ہے جس پر کوئی مان ہو۔ تقدیر سے خفا ہونا بالکل ایسا ہی ہے جیسے راستے میں آئے پتھر سے ٹھوکر کھا کر انسان اس سے خفا ہونے لگے حالانکہ جانتا ہے کہ پتھر پر کوئی اثر نہیں ہو گا۔ تقدیر جیسی بے جان چیز سے کیا خفا ہونا۔'' وہ لاپروائی سے بولی۔

''پھر اس تلخی کی وجہ؟'' پتا نہیں انہیں ایک دم سے اس لڑکی میں اتنی دلچسپی کیوں محسوس ہونے لگی تھی۔

ثانیہ نے ان کی جانب دیکھا پھر روئی کا بھیگا پھاہا یونہی ہاتھ میں پکڑے کرسی کی بیک سے کمر ٹکا دی۔

''میری امی کہا کرتی تھیں۔ حالات کی تلخی کو صبر کے ساتھ اپنے اندر اتار لو، یہ چیز تمہیں مصائب سے مقابلہ کرنے کی ہمت دے گی...... اور جو انسان اتنی مشقت کر لیتا ہے وہ کامیاب انسان ہوتا ہے...... میرا خیال ہے مجھے کامیاب انسان بننے کے لیے بہت محنت کرنا پڑے گی۔'' پتا نہیں یہ شمسہ کی بے تکلفی تھی یا گھر میں خاموش رہ رہ کر وہ اکتا چکی تھی جو یہاں بولے چلی جا رہی تھی۔

’’تھیں؟‘‘ شمسہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

’’بیمار ہیں وہ، پچھلے سال فالج کا اٹیک ہوا تھا لیکن علاج کے باوجود کوئی خاص امپروومنٹ نہیں ہے بول بھی نہیں سکتیں۔‘‘

’’اوہ ویری سیڈ۔‘‘ شمسہ نے تاسف سے کہا۔

’’اللہ تمہاری والدہ کو صحت وتندرستی عطا کرے۔ میں ان کی بات کورد تو نہیں کررہی البتہ میرا خیال ہے زندگی میں حد سے زیادہ تلخی بڑھ جائے تو بھی، انسان بے بس ہوجاتا ہے ایسی بے بسی جو اسے پاگل بھی کرسکتی ہے۔‘‘

دائیں ٹانگ کو بائیں ٹانگ پر رکھتے ہوئے انہوں نے اظہار خیال کیا۔

’’آپ غلط سمجھ رہی ہیں میں پاگل نہیں ہوں۔‘‘ اس نے بے ساختہ ہی ان کی بات قطع کردی مگر شمسہ کے لبوں پر ہلکی مسکراہٹ نے اسے بے حد خفت زدہ کردیا تھا۔

’’وہ تو بس یونہی......کبھی کبھی......‘‘ قدرے شرمساری سے وضاحت دینے کی کوشش میں ناکام ہوتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

’’واش روم کہاں ہے؟‘‘

شمسہ نے اشارے سے بتایا وہ جلدی سے واش روم میں گھس گئی پہلے زخم والا پیر دھویا پھر چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے اور اس دوران مستقل ہی خود کو لتاڑتی رہی۔ ’’آخر ضرورت کیا تھی کچھ بھی بولنے کی یعنی کہ حد ہے۔‘‘ خود کو زبان بند رکھنے کی تاکید کرتی وہ باہر نکلی تو شمسہ موجود نہیں تھیں۔ وہ وہیں اسی کرسی پر بیٹھ کر ان کا انتظار کرنے لگی۔ کل کی بے تحاشا گرمی اور حبس کا نتیجہ آج بارش کی صورت میں نکلا تھا گوکہ ہلکی پھلکی کن من ہی تھی لیکن چونکہ اسے ایک آس سی بندھی ہوئی تھی سو گھر سے نکل آئی۔ بس اسٹاپ سے تھوڑا آگے تو لگتا تھا سیلاب آیا ہوا ہے دور تک پانی ہی پانی تھا وہ بڑی احتیاط سے بچتی بچاتی راستہ عبور کررہی تھی کہ کسی جگہ غلط پاؤں پڑ جانے کی وجہ سے پھسلتے پھسلتے بچ تو گئی البتہ پیر پر بڑی بری چوٹ آئی تھی۔

’’یہ آئنٹمنٹ زخم پر لگالو۔‘‘ شمسہ کی آمد نے اس کی سوچ کا سلسلہ توڑ دیا تھا اس نے خاموشی سے ٹیوب لی اور سعادت مندی سے ان کے کہنے پر عمل کرنے لگی۔

شمسہ کی نظریں مستقل ہی اس کا جائزہ لیتی رہی تھیں اور بڑے دھیان سے تفکرات کے سائے میں موجود اس خفت کو دیکھا تھا جو اس لمحے اس چہرے کے نقوش پر گویا ثبت ہی ہوگئی تھی۔

اپنی محظوظ کن مسکراہٹ کو چھپاتے ہوئے انہوں نے ادھر ادھر کے موضوعات چھیڑ دیئے تھے جنہوں نے ثانیہ کے اعتماد کو بحال ہونے میں خاصی مدد دی تھی۔

☆......☆......☆

وہ بھاگتے بھاگتے ٹھٹک کر رک گئی تھی۔

بری طرح ہانپتے ہوئے اس نے ادھر ادھر دیکھا اور حیران ہوئی وہ طویل وسنسان سڑک جسے وہ اپنی منزل پر پہنچنے کا راستہ سمجھ رہی تھی اس جنگل تک آ کر جانے کہاں غائب ہوگئی تھی۔

واپسی کے راستے تو وہی ہوتے ہیں جن سے سفر کا آغاز ہوتا ہے۔ مگر سڑک کہیں دکھائی ہی نہ دے رہی تھی یہاں تو درخت ہی درخت تھے جن کے گھنے پتوں نے آسمان کا چہرہ چھپا دیا۔

سڑک کہاں گئی؟

پیچھے مڑ کر دیکھنے پر جب کچھ دکھائی نہ دیا تو اس نے حیرانی سے خود سے پوچھا مگر تشویش میں مبتلا نہیں ہوئی۔ اس اجنبی جنگل میں مانوسیت کا احساس بہر حال موجود تھا۔

مگر اسے بے چینی لاحق ہوئی گھنے درختوں میں سائیں سائیں کرتی شام تاریکی میں ڈھل رہی تھی اس نے سوچا مکمل اندھیرا ہونے سے پہلے اسے پہنچ جانا چاہیے۔ کہاں پہنچ جانا چاہیے؟ اس نے خود سے یہ نہیں پوچھا اور ناک کی سیدھ میں چل پڑی لیکن چند قدم چلتے ہی اسے پھر رکنا پڑا۔

جنگلی پھولوں کے جھنڈ میں اسے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔

گو کہ اسے آگے جانے کی جلدی تھی مگر تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ اس طرف آ گئی۔ اس نے دیکھا سفید رنگ کے لباس میں سر جھکائے اپنے خوب صورت بال پشت پر بکھرائے وہ ایک دلکش نقوش والی لڑکی تھی۔ مگر اس کے نقوش میں تکلیف کے آثار نمایاں تھے۔

''تم کون ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''میں؟'' اس نے اپنی بڑی بڑی نظریں اٹھائیں۔

''میں تمہاری دوست ہوں۔''

''اونہہ......لیکن میں تمہیں نہیں جانتی۔'' اس نے نخوت سے اپنی ناک چڑھائی۔

''میری مدد کرو میں یہاں پھنس گئی ہوں۔'' وہ لجاجت سے بولی۔

''میں کسی کی مدد نہیں کرتی۔'' اب کی بار اس نے لاپروائی سے کہا پھر ایک سمت میں اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

''وہ سفید روشنی دیکھ رہی ہو مجھے اس روشنی کے پیچھے جانا ہے یہ روشنی مجھے میری منزل تک پہنچائے گی۔ تمہاری مدد کرنے میں وہ روشنی غائب ہوگئی تو میں کیا کروں گی؟''

''نہیں تم ایسے نہیں جا سکتیں میری مدد کرو۔ اللہ کے لیے میری مدد کرو مجھے یہاں سے نکلنے میں مدد دو گی تو ثواب ملے گا نیکی کبھی

رائیگاں نہیں جاتی۔"

اسے جھٹکا لگا وہ جو آگے بڑھ رہی تھی تڑپ کر پلٹی۔ سفید لباس والی کے نقوش رحاب کی شکل میں ڈھل چکے تھے۔

اس کا دل کسی نے اپنی مٹھی میں جکڑ لیا۔

"مم...... میں تمہاری مدد نہیں کرسکتی۔" وہ الٹے قدموں پیچھے کی طرف کھسکی۔

"میری مدد نہیں کرو گی تو مرو گی...... اس بے حسی کا کفارہ تمہیں ادا کرنا پڑے گا...... دیکھ لینا۔"

کہیں بجلی کڑکی تھی اور بادل پوری قوت سے کڑکے تھے۔ ساتھ ہی گھپ اندھیرے نے اس پر قبضہ جمالیا۔ صرف رحاب تھی جس کے سفید لباس کی روشنی اس تک آرہی تھی مگر اس کا چہرہ مسخ ہو چکا تھا۔ لمبے لمبے دانت، پگھلی ہوئی جلد، باہر کو ابلتی آنکھیں۔

وہ قدم قدم گیتی کی جانب بڑھ رہی تھی۔

اس نے بھاگنا چاہا نہیں بھاگ پائی چیخنا چاہا نہیں چیخ سکی۔

"تم مرو گی گیتی!...... سچ مچ مرو گی...... تم نے مجھے مار دیا اب تمہاری باری ہے۔" اس نے اپنے لمبے لمبے ناخن اس کی گردن پر مارے گیتی پوری قوت سے چیخی اور اس کی آنکھ کھل گئی۔

کمرہ روشن تھا لیکن کھلی کھڑکی سے جھانکتے آسمان پر بادل کڑک رہے تھے۔ وہ بدحواس ہو کر اٹھی اور کھڑکی بند کردی۔

"کیا ہوا گیتی؟" ریشم حیران پریشان اس کا ہراساں چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"وہ آجائے گی ریشم...... وہ مجھے مار دے گی۔" اس نے سراسیمگی سے کہا۔

"کون؟" ریشم اسکے قریب آئی لیکن تب تک گیتی کسی حد تک صورت حال سمجھ چکی تھی۔ اس نے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ بدحواسی کے عالم میں ہی سہی اسے بہت کچھ یاد آرہا تھا۔ رحاب سے ملنے جانا اور پھر ہراساں ہو کر بھاگنا لیکن اسکے بعد کیا ہوا اسے یاد نہیں آرہا تھا۔

"مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی ریشم! بہت بڑی میں اس کی مدد کرسکتی تھی لیکن میں نے نہیں کی۔ آپا بیگم نے بہت برا کیا اس کے ساتھ۔" یکدم وہ سسکنے لگی۔

"کس کے ساتھ؟" ریشم چونکی۔ "رحاب کی بات کررہی ہو؟" اس کا ذہن فوراً اسی طرف گیا۔

"تم اس سے ملنے گئی تھیں مگر کیسے...... اور اگر پکڑی جاتیں تو؟"

"میری کوئی غلطی نہیں ہے ریشم! لیکن اسے اب کون سمجھائے گا یہ بات۔

وہ مجھے کوس رہی تھی اتنی بددعائیں دے رہی تھی۔ مم...... میں۔ کک...... کیا کروں۔" اس کی باقاعدہ ہچکیاں ہی بندھ گئی تھیں۔

"فی الحال تو آہستہ بولو۔ شکر مناؤ پکڑی نہیں گئیں۔ اس جسارت کی ہلکی سی بھی بھنک آپا بیگم کو پڑ گئی تو سمجھو خیر نہیں، مجھے تو صرف

سنائی تھیں کہ تمہیں رحاب کے متعلق کیوں بتایا۔تمہاری اس حرکت کا پتا چلا تو کھال ہی نکلوا دیں گی۔‘‘اس کی الگ ہی فکر تھی۔

گیتی یونہی گھٹ گھٹ کر روتی رہی۔جانے اسے کون سا خوف رلا رہا تھا۔

ریشم کو حیرت ہونے لگی۔بڑی سے بڑی بات پر بھی اس نے کبھی گیتی کو آنسو بہاتے نہیں دیکھا تھا۔اکثر تو وہ اسے بے حس لگتی مگر آج وہ رو رہی تھی اور صرف رو نہیں رہی تھی اس کے آنسوؤں سے بے حد پچھتاوا جھلک رہا تھا یہ پشیمانی کے آنسو تھے۔

ریشم کو اس پر ترس آنے لگا۔

’’تم بلاوجہ پریشان ہو رہی ہو۔رحاب زخمی تھی خود بھی دکھی اور پریشان اسے تو اندازہ بھی نہیں ہو گا اپنی پریشانی میں اسکے منہ سے کیا الفاظ نکل رہے ہیں۔دکھی انسان جذباتی ہوتا ہے رحاب نے بھی جذباتیت میں کچھ الٹا سیدھا کہہ دیا ہو گا اور تم دل سے ہی لگا کر بیٹھ گئیں۔‘‘

وہ اسے اس کی موجودہ کیفیت سے نکالنے کے لیے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ نہیں جانتی تھی جن کے دماغ پر ان کے دل کی حکمرانی ہو وہ کسی اور کی بات نہیں سمجھتے۔

☆......☆......☆

شمسہ کو ثانیہ اچھی لگی تھی۔

اور گو کہ وہ کسی کے بارے میں اتنی جلدی رائے قائم نہیں کرتی تھیں نہ ہی اتنی جلدی بے تکلف ہو جانا ان کی عادت تھی مگر اس لڑکی کی شخصیت میں کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ وہ اس سے بے تکلف ہو کر گفتگو کرتی رہیں بلکہ دل ہی دل میں اسے پسندیدگی کا سرٹیفکیٹ بھی دے چکی تھیں۔

وہ انہیں بالکل سادہ مزاج و معصومانہ فطرت کی حامل لگی۔مخلص و محنتی زندگی سے تھوڑی سی خفا مگر اچھی خاصی شکر گزار۔

یہ ان کا ذاتی خیال تھا کہ ایسے لوگوں میں زندگی کے مصائب کو جھیلنے کا حوصلہ بہت ہوتا ہے۔آزمائش کی کسی بھی بھٹی میں ڈال دیے جائیں باہر نکلیں گے تو کندن ہی ہو جائیں گے جلے ہوئے کوئلے کی راکھ نہیں۔

انہیں کچھ اور بھی خیال آ رہا تھا وہ کچھ کہہ رہی تھی یہ دھیان سے اس کا جائزہ لیتی رہیں۔

اچھی خاصی خوش شکل تھی۔پریشانیوں کا بوجھ کندھوں پر اور مصائب کا تفکر چہرے پر نہ ہوتا تو بلاشبہ خوب صورت کہلائی جاتی ان کا دل پسیجنے لگا۔

یہ اللہ بھی کیا کرتا ہے؟خوش بختی کا ایک معیار تو خوب صورتی بھی ہے پھر اس معیار پر پورا اترنے والے خوش بخت کیوں نہیں ہوتے؟وہ نرم دل تو تھیں ہی۔آج کل دعا کی آس بہت رہنے لگی تھی سوچ لیا کسی بھی طرح اس لڑکی کو ملازمت ضرور دلوانی ہے خواہ اس کے لیے جہانگیر صاحب سے اصرار ہی کیوں نہ کرنا پڑے مگر اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔جہانگیر لاشاری پہلے ہی سوچ چکے تھے بہن کی بات تو

ساری زندگی رد نہیں کی تو اب کیونکر کر سکتے تھے۔ وہیں زری کے گھر پر ہی اس لڑکی کا غیر رسمی انٹرویو لے کر اگلے دن آفس بلوالیا۔

لیکن شمسہ کی تسلی ہی نہیں ہو رہی تھی۔

''آپ نے ثانیہ کو کس پوسٹ کے لیے سلیکٹ کیا ہے؟

میں چاہتی ہوں آپ اسے جہاں بھی ایڈجسٹ کریں بس اس کی سیلری بہت اچھی ہونی چاہیے۔'' انہوں نے فوراً ہی کہہ دیا زری بھی تائید کرنے لگیں۔

''بالکل! بے چاری بہت ضرورت مند ہے۔''

جہانگیر لاشاری نے باری باری دونوں کو دیکھا اور بولے۔

''ضرور محترمہ نے اپنی نام نہاد مجبوریوں اور ضروریات کے قصے سنائے ہوں گے۔''

''مجھ سے تو اس بے چاری نے کچھ بھی نہیں کہا دراصل آپ کے یہاں جاب دلوانے کا آئیڈیا بھی میرا ہی تھا۔'' زری نے فوراً ثانیہ کی سائیڈ لی۔

''ورنہ وہ تو بہت خوددار لڑکی ہے جتنا بھی عرصہ ایبک اور ایبہا کو پڑھاتی رہی ہے مجال ہے جو کوئی مطالبہ کیا ہو حتیٰ کہ کبھی ایڈوانس فیس بھی نہیں مانگی جبکہ باقی ٹیوٹرز......اللہ ہی بچائے۔''

''زری بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔ میں نے تقریباً اس کے ساتھ دو گھنٹے گزارے اور ان دو گھنٹوں میں ہی اندازہ لگا پائی ہوں کہ وہ بہت سلجھے ہوئے مزاج کی، مہذب اور خوددار لڑکی ہے ایک بار بھی مجھ سے اپنی مدد کرنے کے لیے نہیں کہا نہ ہی کوئی فیور مانگی ایک بار بات کرتے ہوئے تھوڑی سی ایموشنل ہوگئی مگر پھر سارا ہی وقت اسی بات پر شرمندہ ہوتی رہی۔'' شمسہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ وہ جیسے کسی گہری سوچ کے زیر اثر تھیں پھر چونکیں اور مسکراتے ہوئے پر اصرار لہجے میں بولیں۔

''اللہ نے ہمیں صاحب حیثیت بنایا ہے تو ہمارا بھی فرض بنتا ہے کہ انسانوں کی مدد کریں۔ انسان ہم سے خوش ہوں گے تو اللہ خوش ہوگا۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے یہ بظاہر چھوٹے چھوٹے مسائل اللہ کی ناراضی کا نتیجہ بھی تو ہو سکتے ہیں۔''

''اوہو بھابھی جان! اللہ کیوں ناراض ہونے لگا؟......اچھا اچھا سوچا کیجیے تبھی اچھا ہوتا ہے۔'' زری نے بروقت مداخلت کی پھر ان کا دھیان بٹانے کی غرض سے بولیں۔

''حنان کس وقت گھر پر موجود ہوتا ہے؟...... مجھے پتا ہے خود تو وہ ملنے آئے گا نہیں میں سوچ رہی تھی کسی وقت خود ہی جا کر مل لوں۔'' وہ چونکہ حقیقت حال سے لاعلم تھیں سو پوچھ لیا۔

شمسہ نے سٹپٹا کر جہانگیر کی طرف دیکھا وہ پہلے ہی ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

”اس کا تو تمہیں پتا ہی ہے اپنی مرضی کا مالک ہے آج یہاں تو کل کہیں اور...... چند روز پہلے ذکر کر رہا تھا آزاد کشمیر جانے کا ارادہ ہے۔ تیاری تو اسی دن سے کر رہا ہے لیکن کس وقت سفر پر نکل کھڑا ہو کچھ نہیں کہہ سکتی۔ تم ضرور آؤ پلیز اس نیت سے نہیں کہ اس سے ملاقات ہو پائے گی۔“ انہوں نے طریقے سے بات بنائی۔

”مجھ سے ملاقات ہو یا نہیں۔ مگر پلیز اسے آزاد کشمیر مت جانے دیجیے گا اسے تو یوں بھی مار دھاڑ والے کام کرنا پسند ہیں۔ بارود باندھ کر مقبوضہ کشمیر کی طرف نکل گیا تو......“ زری نے خدشہ ظاہر کیا۔ شمسہ کے دل کا بوجھ اور بھی بڑھ گیا۔ حنان کے معاملے میں تو وہ اتنی بے بس تھیں کہ اگر وہ یہ بھی کرنا چاہتا تو شمسہ روک نہ پاتیں۔

”میری بات مانیں......حنان کی شادی کر دیں گھر میں بیوی ہو گی تو کم سے کم اسے نت نئے ایڈونچرز سے تو روکے گی۔“

”آج نشویٰ بھی یہی کہہ رہی تھی کہ بھائی کی شادی کر دیں۔“

”اسے کہتے ہیں ذہنی ہم آہنگی۔ میں تو پہلے ہی کہتی ہوں آپ کی دونوں بچیاں مجھ پر ہیں۔ شکلاً بھی اور عقلاً بھی۔“ زری چہکیں اور ایک اچھا خاصا سنجیدہ و گمبھیر موضوع اس ہنسی کی نذر ہو گیا۔

شمسہ نے بے اختیار سکون کی سانس لی تھی۔

☆......☆......☆

جس وقت آپا بیگم کمرے میں داخل ہوئیں گیتی آڑی ترچھی لیٹی کھڑکی کے شیشے سے بنا آواز کڑکتے بادلوں کو دیکھ رہی تھی۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے نظروں کا زاویہ بدل کر دروازے کی طرف دیکھا اور اس کی طبیعت بے زار ہوئی۔

آپا بیگم سے ایسی نفرت آج سے پہلے کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔

”اب کیسی طبیعت ہے گیتی!“

”ٹھیک ہوں۔“ اس نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا لیکن آپا بیگم کی جانب دیکھنے سے دانستہ گریز کیا۔

”تمہیں ہوا کیا تھا۔ مجھے تو گوشی نے ہی اطلاع دی کہ تم کاریڈور میں بے ہوش پڑی ہوئی ملیں...... کہیں نشہ وشہ تو نہیں شروع کر دیا۔“ یہ مذاق تھا یا سنجیدگی۔ گیتی سمجھی نہیں سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کی۔

”ایسی بات نہیں ہے۔“ اس نے سرعت سے نفی میں سر ہلایا۔

”جس روز زیادہ تھکاوٹ ہو جائے اس روز نیند میں چلنے لگتی ہوں عموماً جلدی آنکھ کھل جاتی ہے آج صبح بھی شاید یہی ہوا تھا لیکن آنکھ نہیں کھلی اور پتا نہیں کیسے۔“

چہرے سے پسینے پونچھتے ہوئے اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اس کے حلق میں کوئی گولہ سا اٹک رہا تھا۔ وحشت کا

ایک طوفان تھا جس نے اندر باہر سے اسے اپنی لپیٹ میں لینا شروع کر دیا تھا۔

اس کا دل چاہ رہا تھا اس عورت کا چہرہ نوچ ڈالے اس کے وجود پر تیل چھڑک کر آگ لگا دے مگر......

''گیتی تم ٹھیک ہو؟'' اس نے آپا بیگم کو کہتے سنا جواب نہیں دیا اس کی نظریں اپنے ہاتھوں پر تھیں اس کے ہاتھوں میں لرزش تھی۔

اس کے ہاتھ اس عورت کی گردن کی طرف لپکنا چاہتے تھے جو چند قدموں کے فاصلے پر کھڑی اس کے لیے فکرمند ہو رہی تھی۔

''گیتی۔''

''میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے اپنے ہاتھوں پر ضبط کرتے ہوئے بمشکل کہا۔

''میں......میں ڈاکٹر کو بلواتی ہوں۔'' آپا بیگم کی تشویش بڑھ رہی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں......میں نے کہا نا میں ٹھیک ہوں۔'' وہ یکدم حلق کے بل چنگھاڑی تھی۔

اس کا ردعمل اتنا غیر متوقع تھا کہ آپا بیگم چند لمحوں کے لیے دم بخود ہی رہ گئیں۔ ان کی پرسوچ نظریں گیتی کے چہرے پر تھیں اس کے چہرے پر وحشت اور آنکھوں میں نمی تھی۔

کمرے میں چند لمحے بڑی خاموشی مگر معنی خیزی سے گزر گئے۔

''آئی ایم سوری......پلیز۔''

اس نے آہستگی سے کہتے ہوئے اپنا چہرہ پونچھا آنکھیں رگڑیں مگر آنسو امڈتے چلے آ رہے تھے۔ اسے خود پر ضبط مشکل ہونے لگا۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپا! پلیز آپ مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔'' رندھی ہوئی آواز میں اس نے جیسے التجا کی تھی۔

''ڈاکٹر......'' آپا بیگم نے کہنا چاہا گیتی نے سختی سے نفی میں سر ہلا دیا۔

''مجھے ڈاکٹر کی ضرورت نہیں ہے......بس مجھے نہیں پتا میں کیا چاہتی ہوں آپ مجھے اکیلا چھوڑ دیں اللہ کے لیے۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

آپا بیگم کی الجھن سوا ہونے لگی۔ انہوں نے کچھ کہنا چاہا پھر ارادہ بدل دیا۔

''ٹھیک ہے تم آرام کرو۔'' الجھن زدہ لہجے میں کہتی وہ دروازے کی طرف چلی گئیں مگر دروازے میں رک کر ایک مرتبہ پھر پلٹ کر اسے دیکھا اپنے ہاتھوں میں سر گرائے وہ مستقل رو رہی تھی۔

دروازہ بند ہونے کی آواز اس نے سنی مگر سر نہیں اٹھایا اس کا دل اتنا بوجھل ہو رہا تھا کہ وہ دن بھی روتی رہتی تو ہلکا نہ ہوتا۔

مگر یہ اس کی غلط فہمی تھی کچھ دیر اچھی طرح رو چکنے کے بعد اس نے سر اٹھایا۔ کمرے میں حبس تھا اور وحشت بھری خاموشی کمرے کی دیواروں سے سر ٹکراتی پھر رہی تھی۔

اس نے بے حد سراسیمگی کے عالم میں اٹھ کر کھڑکی کا شیشہ ہٹا دیا۔ یخ نم ہوا اس کے وجود سے ٹکرا کر کمرے میں بکھرنے لگی۔

گیتی آرام دتوں بعد سانس لے رہی تھی۔

باہر بادلوں کی گرج تھی اور بجلی کی چمک سر پھری ہوا درختوں کے پتوں پر تلواریں چلاتی گزر رہی تھی۔

''میری بربادی کی ذمہ دار تم ہو گیتی۔'' کوئی اس کے قریب چلایا تھا۔

''تم پچھتاؤ گی......اللہ کرے تم پچھتاؤ۔'' وحشت ناک ہوا پھنکاری۔ گیتی خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹی۔

''اللہ کرے تمہیں ایسی سسکتی ہوئی موت آئے کہ دنیا عبرت پکڑے۔'' رحاب کی آواز اس کا گلا گھونٹنے چلی آئی تھی۔

''کیڑے پڑیں تمہاری میت کو......''

''مرنے کی دعا مانگو تو موت نہیں آئے گی۔''

''میں نے کچھ نہیں کیا۔'' وہ سسکی۔ باہر بادل گرج رہے تھے۔ بجلی کی کڑک سے دل کانپنے لگتا۔ درختوں کی شائیں شائیں، ہوا کا طوفان۔

''تم مرو گی گیتی......تم پچھتاؤ گی۔''

''اللہ کرے تم پچھتاؤ۔'' آوازیں اتنی تیز تھیں کہ اسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہونے لگا۔

''میں نے کچھ نہیں کیا رحاب! مجھے بددعائیں مت دو۔'' اس نے اپنے کانوں پر سختی سے ہاتھ رکھے کہ ہاتھوں کی رگیں کھنچ گئیں۔

اب سناٹا چھا گیا تھا اس کی سماعت سے کوئی آواز نہیں ٹکرا رہی تھی۔

اس نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولیں۔ آہستہ آہستہ ہاتھ ہٹائے۔

''ہمارا ایک اصول ہے وعدے سے نہیں پھرتے اور میرا تم سے وعدہ ہے تم جب بھی یہاں سے جانا چاہو گی تمہیں جانے دیا جائے گا۔'' اسے ایک بازگشت سنائی دی تھی۔

وہ چونکی اور دیوار کے ساتھ لگی نیچے بیٹھتی چلی گئی۔

''جھوٹ بولا تھا اس نے وہ مجھے کیوں جانے دیں گے۔ رحاب کو جانے دیا؟ میرا بھی وہی حشر ہو گا۔ وہی حشر آپا بیگم میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔''

باہر کھل کر مینہ برس رہا تھا بادل گرج رہے ہوا شور مچا رہی تھی۔ اندر اس کی مایوسی اپنی آخری حدود کو چھونے لگی تھی۔

رحاب کے انجام نے اس کو ایک نئے موڑ کر لا کھڑا کیا تھا اور یہ موڑ کون سا تھا وہ نہیں جانتی تھی۔

معاً اسے کچھ خیال آیا تھا۔ ذہن میں کوئی کوندا سا لپکا تھا۔ وہ تیزی سے بیڈ کی جانب لپکی۔ ادھر ادھر ہاتھ مارنے کے بعد بالآخر اسے اپنا موبائل فون مل گیا۔ وہ بڑی بے فکری سے ایک نمبر ملانے لگی تھی۔

☆......☆......☆

آج کچن میں مصروفیت خوب تھی۔

ایک طرف بریانی دم پر تھی دوسری طرف قورمہ تقریباً تیار تھا۔ شفق کباب تلنے کے لیے انڈے اور بیسن کا آمیزہ پھینٹ رہی تھی نرمین سلاد کاٹ رہی تھی۔

''اتنا اہتمام کس خوشی میں؟...... میری دعوت تو نہیں ہوسکتی...... پھر؟'' ادھوری حیرانی میں پورا سوال تھا ساتھ ہی ساتھ فطری سی مسرت کا احساس اس کے چہرے سے صاف چھلک رہا تھا۔

''ابو کے دوست آج کھانے پر آرہے ہیں یہ سارا اہتمام انہوں نے ہی کروایا ہے۔'' شفق نے بتایا۔ ثانیہ کا منہ چند لمحے حیرانی سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''ابو کے دوست؟'' اس نے زیرلب دہرایا۔ ''یہاں تو کئی کئی دن والد صاحب خود تشریف نہیں لاتے تھے کجا کہ ان کے دوستوں کی آمد۔''

''ہے نا حیرانی کی بات۔'' شفق اس کی شکل دیکھ کر مسکرائی۔

''اب ایک اور حیرانی کی بات بھی سن لو دعوت کے لیے یہ سارا سامان بھی ابو خود ہی لائے تھے ایک بھی چیز گھر کے راشن سے استعمال نہیں ہوئی۔''

''نا صرف یہ بلکہ اپنے کپڑے بھی خود ہی استری کیے ہیں اور نہا دھو کر زیب تن بھی کرلیے ہیں...... قیامت آنے والی ہے۔'' نرمین نے ساتھ ہی پیش گوئی بھی ضروری سمجھی۔

''تم کیوں اتنی جلی بھنی ہوئی ہو؟''

''ابو کے دوست بھی ان کے جیسے ہی ہوں گے......'' نرمین نے چھری پٹخی اور سابقہ انداز میں بولی۔ ''اب اس شہر کا ہر نشئی ہمارے گھر مہمان بن کر آیا کرے گا۔ پہلے عانیہ صاحبہ کے کارنامہ کی بدولت پورے محلے میں ہماری کم شہرت ہوئی ہے اب اس شہرت میں اضافہ ہوگا اور چار چاند لگیں گے۔''

''خواہ مخواہ اپنی جان جلانے سے کیا فائدہ؟ ایک کام کرو سارے گھر میں جتنی بھی چپلیں ہیں سب اکٹھی کرکے کسی باسکٹ میں ڈالو اور دروازے کے پاس رکھ آؤ جیسے ہی وہ لوگ گھر میں داخل ہوں گے ہم ان کی جوتوں سے پٹائی شروع کردیں گے۔ نشئی بھی ہوئے تو

میرا خیال ہے اتنے غیرت مند تو ہوں گے کہ ایک بار مار کھا کر دوبارہ نہ آئیں...... کیا خیال ہے؟'' ثانیہ نے بے حد سنجیدگی سے باری باری دونوں کو دیکھا۔ نرمین بے چینی سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی۔

''مذاق کر رہی ہیں؟'' چند لمحے بعد اسے خیال آیا۔

''نہیں...... بالکل سیریس ہوں۔''

''آپی......'' وہ جھنجلائی ثانیہ نے ہنستے ہوئے اس کے سر پر چپت لگائی۔

''کیوں اپنا خون خشک کر رہی ہو۔ جس چیز پر تمہارا بس چل ہی نہیں سکتا اس کے بارے میں یوں جل کڑھ کر کیا حاصل ہوگا...... یہ ہم سے پہلے ابو کا گھر ہے۔'' اس نے بے حد سہولت سے اسے سمجھانا چاہا۔

''یہ بھی کوئی بتانے کی بات ہے...... لیکن سچ بتائیں کیا آپ کو پریشانی نہیں ہو رہی یہ سوچ کر کہ ابو کے پتا نہیں کس قسم کے دوست ہوں گے۔''

''ہو رہی ہے۔'' اس نے بے حد سچائی سے کہا۔

لیکن پھر وہی بات جلنے کڑھنے سے کیا ہوگا؟ اپنی انرجیز کا پوزیٹو استعمال کرنا سیکھو۔ ویسے بھی مجھے جاب مل گئی ہے۔'' اس نے دانستہ موضوع بدلا۔

''واقعی۔'' ان دونوں کے منہ سے اکٹھے ہی نکلا تھا اور اتنے سارے دنوں میں یہ پہلا دن تھا جس نے انہیں خوش ہونے کا موقع دیا تھا اور ان میں سے کوئی بھی اس موقع کو گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ اسی سرخوشی کے عالم میں بنا کسی اگلے اعتراض کے ابو کے مہمان بھی بھگتا لیے گئے۔ دوپہر سے شام، شام سے رات...... شکر ہے دن تو گزرا لیکن رات...... رات تھی کہ کٹتی ہی نہ تھی۔

شفق جس وقت اپنی چارپائی پر آکر لیٹی وہ پوری آنکھیں کھولے نامکمل چاند کی پھیکی چاندنی میں ستارے تلاش رہی تھی۔

''تم سوئی نہیں اب تک...... صبح آفس بھی جانا ہے پہلے ہی دن لیٹ ہو گئیں تو بہت برا امپریشن پڑے گا۔''

''نیند نہیں آرہی شفق۔'' اس نے بے چارگی سے کہا۔

''عجیب سی بے چینی ہو رہی ہے ایسا لگ رہا ہے صبح مجھے ایگزام دینے جانا ہے۔ میٹرک تک پہلے پیپر کی رات میں اسی طرح جاگتے ہوئے گزارا کرتی تھی۔ عجیب سی بے چینی ہوتی تھی اور بے نام سا خوف۔ آج بھی بالکل ویسی ہی کیفیت ہو رہی ہے۔''

نیند یوں بھی اس پر حرام ہو چکی تھی آج صرف اتنا فرق پڑا تھا کہ ٹھوس وجہ بھی تھی۔

''پتا نہیں مجھے کس قسم کا کام کرنا پڑے گا اور پتا نہیں میں کر بھی پاؤں گی یا نہیں۔''

''کیا مطلب؟'' شفق چونکی۔ ''تمہیں جاب کی نوعیت نہیں بتائی؟''

''فی الحال تو مجھے ٹیلی فون آپریٹر کا کام کرنا پڑے گا اور اگر وہی کام میں ٹھیک طریقے سے کر پائی تو مجھے مستقل رکھ لیا جائے گا۔''

امی کو کھانسی ہو رہی تھی وہ دونوں ہی برآمدے میں ان کی چار پائی کی طرف دیکھنے لگیں لیکن چند لمحے بعد ہی حلیمہ پرسکون ہو کر سو چکی تھیں۔

''امی کو کچھ دن سے بہت کھانسی ہو رہی ہے سکون سے سو بھی نہیں پائیں۔'' شفق نے دھیمی آواز میں کہا۔

''پہلے کیوں نہیں بتایا؟'' ثانیہ نے تشویش سے کہا۔ ''میں کل ہاسپٹل کا چکر لگا آؤں گی اور ڈاکٹر انوار سے کوئی میڈیسن لکھوا لاؤں گی، تم صبح یاد سے مجھے امی کا Prescripition دے دینا۔''

شفق سیدھی ہو کر لیٹ گئی اس کی چار پائی بری طرح چرچرائی تھی اور بے حد خاموش پراسرار رات میں یہ آواز دیر تک گونجی۔

ان دونوں کے مابین خاموشی کچھ دیر حائل رہی۔ رات کی مدھم ہوا شہتوت کے پتوں سے شرارتیں کرتی تھی اور رات کے پرسکون غلاف پر سلوٹیں ڈالتی تھی۔

ان دونوں کی نظریں اب آسمان پر تھیں۔

''ثانی۔''

''ہوں۔''

''عانیہ کہاں ہو گی؟'' اس کی آواز سرگوشی کی مانند سرسرائی۔

''پتا نہیں۔'' ثانیہ نے بہت دیر بعد زبان کھولی۔

''میں کبھی اس کے بارے میں نہیں سوچتی۔'' اس کی آواز بے تاثر تھی۔ شفق کو یقین نہیں آیا ذرا سی گردن موڑ کر اس کی جانب دیکھا۔ مدھم چاندنی میں اس کے تاثرات واضح نہ ہوئے تھے۔ اس نے واپس گردن موڑ لی۔

''تم نے اسے معاف کر دیا؟'' چند لمحے بعد اس نے دوبارہ پوچھا۔

''تم نے کر دیا؟'' ثانیہ نے اسی کا سوال لوٹا دیا۔

''میرے معاف کرنے نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا وہ مجھے اپنا کچھ نہیں سمجھتی تھی۔'' اس کے لہجے میں ایک دکھی اور پھیکے سے تبسم کا تاثر تھا۔ ثانیہ نے اپنی آنکھوں میں مرچیں سی چبھتی محسوس کیں۔

''ہم سب غلط فہمی میں مارے گئے وہ ہمیں بھی اپنا کچھ نہیں سمجھتی تھی۔'' ایک تلخ سچائی رات کی فضا میں چپکے چپکے بہنے لگی۔ ان کے مابین پھر خاموشی حائل ہوئی۔

''تم اسے دعا دیتی ہو؟'' شفق کو جانے آج کیا ہوا تھا کہ سوال پر سوال کیے جا رہی تھی۔

''کس بات کی؟''

''یہی کہ وہ خوش رہے۔ جہاں بھی رہے۔''شفق نے وضاحت کی۔

''نہیں۔'' ثانیہ نے پوری صداقت سے کہا لیکن شفق کو اس بار بھی یقین نہیں آیا۔ جانے کیوں اسے یقین تھا ثانیہ چپکے چپکے دل ہی دل میں اس کی خوشحالی کی دعا کرتی ہوگی۔

''تم تو اتنی اچھی ہو ثانی۔''اس نے یاد دلایا ثانیہ تلخی سے ہنسی۔

''لیکن اس اچھائی نے کیا فائدہ دیا......؟ مجھے؟ میرے گھر والوں کو؟ میں بری بننے کی کوشش کر رہی ہوں تھوڑی سی پریکٹس سے ہو جاؤں گی انشاءاللہ۔''

شفق کو ہنسی آئی دل چاہا اس سے کہا۔''بی بی! ساری زندگی کوشش کرتی رہو پھر بھی یہ نہیں ہوگا۔''

''اچھا بددعا دی ہے کبھی اسے؟''اس نے اگلا سوال پوچھا۔ اس کے انداز میں اتنی دلچسپی تھی جیسے سوالوں کی کدال سے اس کے دل کی زمین کھود کھود کر حال جاننا چاہتی ہو۔

ثانیہ دیر تک خاموش رہی۔

''بتاؤ نا ثانی!''

''نہیں۔''اس نے مایوسی سے گردن ہلائی۔

''دل بہت چاہتا ہے کہ اسے بددعا دوں مگر......'' وہ جیسے خود سے نالاں تھی۔ حلق میں آنسوؤں کا نمک سا گھل رہا تھا۔ ضبط کی کوشش میں اسے خاموش ہونا پڑا۔

شفق نے ندامت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''میں تو بس یونہی پوچھ رہی تھی۔''

''عانیہ نے ہمارے ساتھ بہت برا کیا ہے شفق۔ کبھی وہ میرے سامنے آئی تو شاید میں اسے معاف کر دوں بشرطیکہ اس کے جانے کے بعد جو جو عذاب ہم پر ٹوٹے جو مشکلات ہم نے سہیں ان کی تکلیف بھلا پائی تو......''

اس نے آنکھوں میں آئی نمی کو بے دردی سے رگڑ ڈالا تھا۔ شفق نے چاہا کہ اس کا درد بانٹے مگر بعض اوقات الفاظ بھی ساتھ چھوڑ دیتے ہیں پھر ثانیہ کے لب و لہجے سے بہت اجنبیت محسوس ہو رہی تھی یوں لگتا تھا جیسے حد سے زیادہ غم نے اس کی شخصیت میں کوئی انقلاب بپا کر دیا ہو۔

وہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر یونہی بددلی سے آسمان کو تکنے لگی۔

سچے موتیوں سے سجا سیاہ تھال ان پر جھکا چلا آتا تھا جبکہ نرم گرم رات چپکے چپکے بہنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

''صاحب۔ یہ والی تصویر کس دیوار پر لگانی ہے؟''

''یہ......'' شاہنواز سوچ میں پڑ گیا۔ زلفی کے ہاتھوں میں پکڑی ہوئی وہ بڑی سی فریمڈ سینری اس نے چند روز قبل اپنے گھر کے لیے کچھ آرائشی سامان لیتے ہوئے خریدی تھی مگر اتنے دن گزر جانے کے باوجود اس کے لیے کوئی مناسب جگہ سمجھ نہ آنے کی بنا پر وہ یونہی پڑی تھی۔

''کہیں بھی لگا دو یار! جہاں تمہیں مناسب لگے۔'' اس نے جھنجھلا کر کہا اور دوبارہ سے ٹی وی اسکرین پر نظریں جما دیں جہاں برازیل اور فرانس کی ٹیموں کے درمیان فٹ بال میچ کی ہائی لائیٹس دکھائی جا رہی تھیں۔

''صاحب! اس دیوار پر لگا دوں۔ یہ تو بالکل خالی ہے۔'' چند لمحے کے بعد اس نے پھر زلفی کی آواز سنی تھی۔ ٹی وی اسکرین پر اب ایڈ چلنا شروع ہو گئے تھے۔ اس نے والیم بند کر کے اپنی ساری توجہ اس دیوار کی طرف لگا دی جس کی بابت سوال کیا گیا تھا۔

یہ ٹی وی لاؤنج کی مرکزی دیوار تھی گھر کے کسی بھی حصے سے اندر داخل ہوا جاتا تو سیدھی نظر اسی دیوار سے آن ٹکراتی تھی۔

''میں نے پہلے بھی کہا تھا اس دیوار پر کچھ نہیں لگانا اسے یونہی خالی چھوڑ دو کہیں اور کا سوچو۔'' سر کے نیچے ہتھیلیوں کا تکیہ رکھتے ہوئے اس نے کہا۔

''یہاں یہ اچھی لگے گی صاحب۔ باقی ہر دیوار پر آپ نے کچھ نہ کچھ لگوایا ہے اور اسے خالی چھوڑ رہے ہیں۔ کل نشوا بی بی بھی کہہ رہی تھیں اس دیوار پر کوئی بڑی پینٹنگ لگنی چاہیے۔'' چونکہ شاہنواز نے اسے اپنی مرضی کا حق دیا تھا چنانچہ وہ اس حق کا خوب اچھی طرح استعمال کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کر رہا تھا۔ وہ قصر بلند کا ملازم تھا لیکن شمسہ نے شاہنواز کے آرام کے خیال سے اسے ساتھ بھیجا تھا۔

''کس نے کہا خالی چھوڑیں گے۔'' شاہنواز نے پوچھا پھر خود ہی بولا۔

''اس سینری کے لیے کوئی اور جگہ سوچتے ہیں۔ میرا خیال ہے فرنٹ لابی میں یہ اچھی لگے گی۔''

شکر ہے زلفی موجود تھا ورنہ اگر گھر سجانے کی ذمہ داری بھی صرف اسی کے کندھوں پر ہوتی تو بڑی مشکل ہو جاتی۔ سچ تو یہ ہے کہ شاہنواز نے اپنی ساری آرٹسٹک صلاحیتوں کا رخ جہانگیر لاشاری کے کاروبار کی طرف موڑ رکھا تھا۔ گھر کس طرح سجایا جا سکتا ہے اور اس کی خوبصورتی و کشادگی میں کس طرح اضافہ کیا جا سکتا ہے اس کے متعلق اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا مگر اب چونکہ صاحب مکان ہو چکا تھا لہٰذا اسے سجانا بھی ضروری تھا۔

''وہاں بھی اچھی لگے گی صاحب! لیکن اس دیوار پر کیا لگائیں گے؟ یہ خالی دیوار تو ایسے لگ رہی ہے جیسے بہت ساری فلمی

ہیروئینوں کے درمیان صائمہ بغیر میک اپ کے کھڑی ہو۔'' زلفی کی سنجیدگی دیکھنے سے تعلق رکھی تھی۔شاہنواز محظوظ ہوا تھا۔

''تم مثال بھی اپنے جیسی ہی دیا کرو۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اس دیوار پر میں اپنے گھر والوں کی تصویریں لگاؤں گا۔'' اس کی نظریں دیوار پر تھیں۔

''بڑی بی بی اور صاحب لوگوں کی؟'' زلفی نے اشتیاق سے پوچھا۔

''نہیں......اپنی ماں اور باقی گھر والوں کی۔'' وہ جیسے دیوار پر تصویریں تلاش رہا تھا۔

''صاحب! آپ کے پاس ان سب کی تصویریں ہیں؟'' زلفی کے اشتیاق میں اضافہ ہوا۔

''ہوں۔'' وہ چند لمحے خاموش رہا پھر اس مختصر سی ہوں میں پورا جواب دے دیا۔

''صاحب! مجھے دکھائیں گے۔'' اس نے سابقہ انداز میں پوچھا۔شاہنواز اپنے جھوٹ پر بے ساختہ پچھتایا مگر پھر کچھ خیال آنے پر والٹ کھول کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

''ابھی تو صرف اماں کی تصویر ہے باقی سب پھر کسی دن دکھاؤں گا۔''

زلفی نے جلدی سے والٹ اس کے ہاتھ سے لیا اور دلچسپی سے دیکھنے لگا اپنے پراسرار صاحب کی ذات کا کوئی سرا پہلی بار ہاتھ لگ رہا تھا سو اس کی دلچسپی بھی اسی حساب سے تھی۔

تصویر بلیک اینڈ وائٹ تھی سر پر دوپٹہ اوڑھے بے حد دلکشی و نرمی کا تاثر چہرے پر سجائے خاتون نے ایک چھوٹے سے بچے کو گود میں اٹھا رکھا تھا۔

''صاحب! بی بی جی کی گود میں آپ ہیں؟'' اسے فطری تجسس ہوا۔

''نہیں......میری چھوٹی بہن ہے۔''

''آپ کے اور کتنے بہن بھائی ہیں صاحب!''

''تین......ایک بھائی اور بہن مجھ سے بڑے ہیں ایک بہن چھوٹی ہے۔''

''ایک بات پوچھوں صاحب!'' والٹ اسے واپس کرتے ہوئے زلفی نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''ہوں۔'' اس نے مختصراً کہا۔

''آپ غصہ تو نہیں کریں گے؟'' اسے جانے کیا تجسس تھا۔

''پیسے چاہئیں؟'' اسے یہی خیال آیا۔

اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا اور سوچ میں پڑ گیا۔صاحب اچھے مزاج کے تھے بلاوجہ غصہ کرتے نہ حنان صاحب کی طرح بلاوجہ

چلاتے تھے مگر کیا پتہ اس کی بات کا برا ہی منا جاتے۔

''کیا ہے زلفی؟'' وہ بےزار ہوا۔

''آپ نے......آپ نے اپنے گھر والوں کو کیوں چھوڑ دیا صاحب......''

اس نے ڈرتے ڈرتے بالآخر پوچھ ہی لیا۔ یہ وہ اہم سوال تھا جو گھر کے ملازمین میں اکثر گردش کیا کرتا تھا۔شاہنواز نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا وہ سر کے نیچے ہاتھوں کا تکیہ رکھے چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔

زلفی خائف ہونے لگا اس کا خیال تھا بس ابھی ڈانٹ پڑی معاً شاہنواز نے سر کے نیچے سے ہاتھ نکال کر والٹ کھولا اور ایک سرخ نوٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''تم آج باہر سے کھانا کھالو۔''

''اور صاحب آپ......؟''

''مجھے بھوک نہیں ہے۔اور سنو۔''

زلفی جاتے جاتے پلٹا۔

''جس معاملے سے آپ کا تعلق نہ ہو اس کے متعلق سوچا نہیں کرتے صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔کچھ سمجھے۔''

اس کا لہجہ سرد تھا۔

''جی صاحب!'' زلفی کی آواز جیسے حلق سے بمشکل نکلی تھی۔

''ٹھیک ہے اب تم جاؤ۔''

''جی صاحب......''

چند لمحے بعد دروازہ بند ہونے کی آواز آئی تھی۔شاہنواز وہیں لیٹا رہا پھر اس نے والٹ کھولا اور تصویر کو بڑی عقیدت سے دیکھنے لگا۔

''سنا آپ نے؟ لوگ کہتے ہیں میں نے آپ کو کیوں چھوڑ دیا......میں آپ کو کبھی چھوڑ سکتا ہوں؟''

اس نے تصویر کو بے حد محبت و عقیدت سے چوما پھر اسی عقیدت سے والٹ کو میز پر رکھ دیا اور کچن میں آ کر اپنے لیے چائے بنائی۔حسب معمول ڈھیر ساری چائے کی پتی اور چند قطرے دودھ کے واپس آ کر سگریٹ کی ڈبیا اور لائیٹر جیب میں رکھا اور سیڑھیاں عبور کر کے چھوٹے سے ٹیرس پر آ گیا۔

رات گہری نہیں تھی لیکن گہری رات کا سکوت چھایا ہوا تھا۔

اس نے مگ رکھ کر سگریٹ سلگاتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا ننھی ننھی چنگاریوں جیسے ان گنت ستارے وہاں بکھرے ہوئے

تھے اور مدقوق سا چاند آسمان کے کنارے سے بلند ہو رہا تھا۔

اس کا تنہائی کا احساس مزید گہرا ہونے لگا۔

تب اس نے گہرا کش بھرا اور اپنے خیالات کو ان کی مرضی کے رخ پر بہنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا۔

جس روز جہانگیر لاشاری نے اس کا استعفیٰ مسترد کیا اسی روز اس نے اپنا آئندہ کا لائحہ عمل طے کر لیا تھا مگر ذاتی گھر خریدنا اس کی پلاننگ کا حصہ نہیں تھا۔ اس نے اسی روز آفس سے کچھ روز کی چھٹی لی تھی اور کرائے پر کوئی اپارٹمنٹ حاصل کرنے کے لیے ایک پراپرٹی ڈیلر سے رابطہ کیا تھا۔ وہ اس دوران کوئی اور ملازمت تلاش کرنا چاہتا تھا۔

ملازمت ملنا باقی تھا البتہ گھر مل گیا تھا اور گھر ملتے ہی گھر والوں کی یادوں نے اسے بے چین کر دیا تھا۔ وہ جتنا ان یادوں سے دور بھاگتا وہ اتنا ہی اس کے تعاقب میں آتی تھیں۔

اور سچ تو یہ ہے کہ اس کی زندگی میں اور تھا بھی کیا سوائے یادوں کے۔ اپنے گاؤں کی وہ گلیاں، جن میں بھاگتے دوڑتے بچپن گزرا۔ غازی کا کنواں جہاں وہ اور اس کے دوست اپنی بہادری دکھانے کو اترا کرتے۔

نواب دین حلوائی کی دکان سے چرائے ہوئے پکوڑوں کا ذائقہ۔

اپنے گھر کا سب سے اونچا چوبارہ۔ جو پورے گاؤں میں واحد ہونے کی وجہ سے مشہور تھا اور شاہنواز کے احساس برتری میں اضافہ کرتا تھا۔ اماں جی کے لاڈ، باجی کی ڈانٹ۔

بہنوں کی شرارتیں اور بھائی کے جھگڑے۔

زندگی کی ساری کشش وخوبصورتی تو اپنوں کے دم سے ہوتی ہے اور اس کی زندگی کا سارا حسن تو یہ دس سال لے اڑے تھے۔

اس کے ہاتھ کیا آیا؟ مفت کی رسوائی اور ڈھیر سارا پچھتاوا ساتھ میں کبھی ختم نہ ہو سکنے والی تنہائی کا احساس۔

اسے اسی لیے یادوں سے نفرت تھی۔ دل پر بوجھ بڑھ جاتا تھا اور آج تو سب ہی بے حد یاد آ رہے تھے...... حتیٰ کہ گل بانو بھی۔

ہوا کا تیز جھونکا سگریٹ کا سرا سلگانے لگا تھا بالکل اس کے دل کی طرح۔

❁ ❁

ناول **بساطِ دل** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات آپ آنے والی ان تاریخوں (15th, 20th, 25th) میں پڑھ سکیں گے۔

جس وقت اس کی آنکھ کھلی دروازے سے دکھائی دیتے آسمان پر گرمیوں کی ایک اور طویل دوپہر دم توڑ رہی تھی۔

اس نے دوپٹے کے آنچل سے پسینہ پونچھا کمرے میں حبس نہیں تھا لیکن در و دیوار سے تپش لپٹی تھی۔اس نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے پیر پلنگ سے نیچے رکھ دیئے حلق میں کانٹے سے چبھ رہے تھے اور طویل نیند کی کسلمندی ٹوٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

سامنے ہی تپائی پر گلاس اور جگ رکھا تھا اس نے سستی سے اٹھ کر لبا لب گلاس بھرا اور لبوں سے لگا لیا مگر اگلے ہی پل برا سا منہ بنا کر گلاس واپس رکھ دیا۔پانی بے حد گرم تھا۔

''اسما باجی!منی گھر پر ہے؟''

دروازے سے آتی آواز نے یکدم اس کے حواس کو چاق و چوبند کر دیا۔جواب میں امی نے کہا تھا وہ سن نہ سکی اور سرعت سے پلنگ پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔گل بانو نے آہستگی سے اندر جھانکا اسے دو تین بار پکارا پھر اسے سوتا ہوا سمجھ کر دروازے سے ہی پلٹ گئی۔

مومنہ کچھ دیر یونہی بے حس و حرکت پڑی رہی جب یقین ہو چکا کہ گل بانو جا چکی ہے تب آنکھیں کھولیں۔

شام کی ہوا کچے آموں کی خوشبو اپنے دامن میں سمیٹے کمرے میں بکھر گئی تھی۔وہ کچھ دیر یونہی لیٹی در و دیوار کو دیکھتی رہی پھر اٹھ کر کمرے سے باہر آ گئی۔صحن میں لگے دستی نلکے سے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے پھر صحن کے ایک طرف کھڑا پلنگ بچھانے لگی۔

''اٹھ گئی منی!میں کب سے آوازیں دے رہی ہوں۔ابھی گل بانو بھی آئی تھی تم سے ملنے۔کہہ گئی ہے منی جاگ جائے تو آواز دے دینا۔اب تم جاگ گئی ہو تو خود ہی آواز دے لو۔''

امی کہہ رہی تھیں اور وہ ان سنی کر کے وہیں لیٹ گئی اور آسمان میں ڈولتی سنہری پتنگ کو دیکھنے لگی۔اس کا ذہن الجھا ہوا تھا اور اس الجھن کے سلجھ جانے تک وہ گل بانو کا سامنا کرنا نہیں چاہتی تھی۔

گل بانو اس کے لئے کیا تھی۔یہ آج تک اسے سمجھ نہیں آ سکی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس نے کبھی یہ سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔

مقناطیس میں کشش نہ ہو تو وہ لوہے کو نہیں کھینچ سکتا۔لوہے کے کھینچنے کے لئے مقناطیس میں کشش ہونا ضروری ہے اور گل بانو میں یہ کشش کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی وہ خوبصورت تھی اتنی کہ پہلی نظر کے بعد دوسری نظر خود بخود اس پر جا رکتی تھی پھر اسے اپنی پر خلوص گفتگو سے دلوں کو جیتنے کا فن آتا تھا۔

یہ دونوں ہی ایسی خصوصیات ہیں جو یکجا ہو جائیں تو بڑے بڑے زیر ہو جاتے ہیں مومنہ تو پھر بھی کم عمر سی بچی تھی۔جسے خلوص متاثر کرتا تھا اور وہ تو تھی بھی بلا کی حسن پرست، چنانچہ گاؤں آنے کے چند روز بعد ہی اس کی گل بانو سے اچھی خاصی گاڑھی چھننے لگی تھی۔گو کہ گل بانو سے متعلق کبھی اس نے اچھی رائے نہیں سنی۔

دادی تو خیر کھلم کھلا اس کی مخالفت کرتی تھیں جبکہ ثمن وہ واحد لڑکی تھی جو عموماً گل بانو کے ذکر پر چپ سادھ لیتی تھی مگر اس کے ایک ایک انداز سے گل بانو کے لیئے ناپسندیدگی کا اظہار ہوتا تھا۔ دادی نے ہمیشہ اسے گل بانو سے متنفر کرنے کی کوشش کی مگر اس نے بھی اپنے دل میں تنفر محسوس نہیں کیا۔ ایسا ہوتا بھی کیوں؟ جبکہ اس نے کبھی گل بانو کے خلوص و محبت میں کھوٹ محسوس نہیں کی۔ پہلی بار وہ تب ٹھٹکی جب ناصر نے کہا۔

''تمہارا دماغ بھی خراب ہے اور تمہاری اس باجی جی کا بھی۔ میں نے تمہیں بچی سمجھ کر ذرا بات کیا کر لی تم نے الٹے سیدھے خواب بھی دیکھنا شروع کر دیئے۔''

اس نے کتاب میز پر پٹختے ہوئے کہا اس کے انداز میں حد درجہ تحقیر تھی۔

مومنہ کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

''کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ کسی کی بد قسمتی ہی ہو گی جو وہ تمہارے متعلق خواب دیکھے مجھے لگتا ہے تم نے کبھی اپنی شکل نہیں دیکھی آئینے میں۔ تب ہی ایسا کہہ رہے ہو۔''

وہ جو بولنا شروع ہوئی تو پھر یہ نہیں دیکھا کہ ناصر کا منہ کیسے مارے حیرت کے کھلتا ہی جا رہا ہے۔ دراصل وہ جذباتی بہت تھی۔ اپنی طرف سے اسے وارن کرنے کی کوشش میں جانے کیا الٹا سیدھا بول گئی۔ ناصر نے بھی اپنی مرضی سے مطلب اخذ کیا اور خوب کھری کھری سنائیں۔

''میں نے کچھ بھی اپنی طرف سے نہیں سوچا بلکہ اگر گل بانو باجی جی مجھے نہ کہتیں تو میں تو تمہارے متعلق اتنا سوچنا بھی پسند نہ کرتی۔''

''اب تم بدتمیزی کر رہی ہو، آخر کیا کمی ہے مجھ میں، ہینڈسم ہوں کہ کوئی بھی حسین لڑکی مجھ پر فدا ہو سکتی ہے البتہ...... تمہاری بات دوسری ہے۔''

وہ غصے میں بھی اسے چڑانا نہیں بھولا تھا۔

''اور ایک بات میں تمہیں بتا دوں اپنی بھلائی چاہتی ہو تو جتنی جلدی ہو سکے اپنی اس باجی جی سے کنارہ کشی اختیار کر لو۔ وہ خود تو جو ہے سو ہے الٹی سیدھی پٹیاں پڑھا کر اب تمہارا دماغ خراب کرے گی۔''

''مجھے تو لگتا ہے تمہارا دماغ خراب ہے۔ باجی جی کیوں مجھے پٹیاں پڑھائیں گی؟''

وہ جل کر بولی۔

''کیونکہ جو خود برباد ہو وہ دوسرے کو آباد ہوتا دیکھ ہی نہیں سکتا۔ تمہاری باجی جی کا بھی یہی مسئلہ ہے۔''

''تم باجی جی کے بارے میں بکواس کرنا بند کرو۔''

اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"میں بکواس نہیں کر رہا بلکہ یہی سچ ہے کہ تمہاری باجی جی تمہیں بے وقوف بنا رہی ہے۔ ساری زندگی جو خود کمایا ہے اب اسی کے لئے تمہارا کھاتا کھول رہی ہے۔"

ناصر نے سنجیدگی و تحمل سے کہا تھا۔

"اگر ایسی ہی بات ہے تو تم خود کیوں ان سے ملتے ہو۔ اتنی ہی بری ہیں تو ان سے بات کیوں کرتے ہو؟"

اس نے سابقہ انداز میں کہا تھا۔

"آرائیوں کا خون ہوں اور خوش مزاجی اور ملنساری آرائیوں کے خون کا لازمی جزو ہوتی ہے۔ دل میں چاہے کتنی ہی ناپسندیدگی کیوں نہ ہو۔ منہ پھیر کر گزر جانے کا رواج نہیں ہے ہمارے یہاں، لیکن کسی سے ہنس کر اور تمیز سے دو گھڑی بات کر لینے کا مقصد یہ بھی نہیں ہے کہ اسے استاد بنا کر سر پر ہی بٹھا لیا جائے اور اس کی ہر صحیح غلط کو حرف آخر مانا جائے۔ جیسا کہ تم کر رہی ہو۔"

"ہونہہ......"

مومنہ نے منہ پھیر لیا اور کتابیں سمیٹنے لگی۔

"کھسیانی بلی کھمبا نوچے...... بلکہ کھسیانہ بلا......"

وہ زیر لب بڑبڑائی اسے ناصر کی کسی بات پر یقین نہیں تھا۔

"دیکھو...... مجھے گالیاں مت دو۔ میں جو بھی کہہ رہا ہوں اس میں تمہارا ہی بھلا ہے اس چالاک ماسی سے جتنی جلدی پیچھا چھڑوا لو اتنا ہی بہتر ہے۔"

ناصر نے پھر کہا۔

"تم کہاں سے آ گئے میرا بھلا سوچنے والے۔"

وہ پھاڑ کھانے کو دوڑی۔ ہتک کے بھرپور احساس نے اسے بری طرح مشتعل کر دیا تھا۔

"اور خبردار جو دوبارہ باجی جی کے متعلق ایک بھی غلط لفظ کہا تو......"

"سنو...... مجھے تمہاری باجی جی سے کوئی خاص دشمنی ہے اور نہ تم سے کوئی دوستی...... میں تو صرف اتنا چاہتا ہوں ایک بری لڑکی کی صحبت میں رہ کر راستے سے نہ بھٹکو۔"

"اس ہمدردی کی وجہ؟"

اس نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔

"محض انسانیت۔"

ناصر نے لاپروائی سے کہا۔

''مجھے عادت ہے لوگوں کی مدد کرنے کی۔''

مومنہ پر پانی پڑا تھا۔ وہ چند لمحے لب کچلتی رہی پھر جیسے جھنجلا کر بولی۔

''تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو کہ باجی جی مجھے مس گائیڈ کر رہی ہیں۔ بہکا رہی ہیں۔''

''اسکی اصلیت تو اسی بات سے ظاہر ہو جاتی ہے جو اس نے تم سے میرے بارے میں غلط بیانی کی......یہی کہ......میں......تم سے''

وہ بری طرح ہچکچا رہا تھا۔

''توبہ توبہ......استغفار......ابا جی کو پتہ چل گیا تو انہوں نے آج ہی میری کھال نکلوا دینی ہے۔ ویسے تم اپنی باجی جی سے پوچھنا ضرور کہ اس نے جھوٹ کیوں بولا۔ اول تو میرے دل میں ایسا کوئی خیال نہیں اور خدانا خواستہ اگر ہوتا بھی تو میں اسے ہی جا کر کیوں بتاتا جس کی اہمیت میرے نزدیک گاؤں کی ایک بدنام عورت سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ زمانہ ہی خراب ہے۔ معصومیت کی تو دنیا میں قدر رہی ہی نہیں۔ اگر آپ کو زمانے کے قدم سے قدم ملانا ہیں تو ضرور تھوڑا مغرور ہونا پڑے گا۔ میں نے تو سوچ لیا ہے آئندہ سے اس عورت کو سلام بھی نہیں کرنا۔''

وہ چلا گیا مومنہ الجھ گئی۔ ایک ایسی الجھن میں جو سلجھتی ہی نہ تھی۔ وہ کس سے کہتی کوئی اس کا ہم راز بھی تو نہ تھا۔ یہ نہیں کہ اسے ناصر سے کوئی محبت وحبت ہو گئی تھی۔ بس احساسات میں ہلکی سی ہلچل مچی تھی۔ نوعمری کے نوخیز جذبات منتشر ہوئے تھے اور وہ تسلیم کرتی یا نہیں مگر سچائی یہی تھی کہ یہ انتشار بڑا بھلا محسوس ہوا تھا۔ ایک میٹھی سی کسک چپکے چپکے دل میں جنم لیتی تھی۔

کسی کی نگاہ التفات کا احساس اپنے ہونے کا یقین دلا رہا تھا وہ خود بخود ہواؤں میں اڑنے لگی۔ ایک احساس تفاخر اس کے ذہن پر چھانے لگا تھا۔ مگر پھر کیا ہوا؟ ناصر کے چند جملوں نے نا صرف اسے منہ کے بل گرا دیا بلکہ ایک اچھے دوست کو بھی اس نے خود سے دور ہوتے محسوس کیا تھا۔ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا؟ جو ناصر نے کہا وہ صحیح ہے یا اسے گل بانو کی بات پر یقین کر لینا چاہیے۔

گرم کمرے میں پلنگ پر لیٹی وہ اسی نہج پر سوچے چلی گئی۔ چکی کی آواز ہتھوڑے کی طرح اس کے دماغ پر برس رہی تھی اور شام کے رنگوں نے آسمان پر بکھرنا شروع کر دیا تھا۔ اگلے روز علی الصبح دادی کی گاؤں واپسی تھی۔

☆......☆......☆

''فنانس کی مس صوفیہ کو اندر بھجوایئے۔''

جہانگیر لاشاری رسیور رکھ کر اس کی طرف متوجہ ہوئے جس کے چہرے پر کنفیوژن کی ہلکی سی جھلک دیکھی جا سکتی تھی۔

''زری نے بتایا تھا یہ جاب آپ کا پہلا ایکسپرینس ہے۔'' یہ سوال تو نہیں تھا نہ ہی اطلاع۔ ظاہر ہے گفتگو کا آغاز کیا جا رہا تھا اور

سچ تو یہ ہے کہ ثانیہ کو اس گھبراہٹ کے ماحول میں بڑا آسرا ملا۔

''جاب کا پہلا ایکسپرینس نہیں ہے سر! آفس جاب کا پہلا ایکسپرینس ہے اس سے پہلے میں مختلف اکیڈمیز میں پڑھاتی رہی ہوں۔''

اس نے سادگی سے جواب دیا۔

''خیر آپ کی ٹیچنگ ابیلیٹیز پر تو ہمیں کوئی شک نہیں ہے۔''

انہوں نے بڑی بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جو ڈیوٹی ہم آپ کو سونپیں گے اسے آپ کتنے اچھے طریقے سے نباہتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ شروع میں تھوڑی مشکل تو ہوگی مگر ہر مشکل بہرحال آسان ہو جاتی ہے۔ اٹس ٹوٹل اپ ٹو یو کہ آپ کام کتنی جلدی سیکھتی ہیں۔''

ان کے دوستانہ انداز میں بے حد تقویت کا احساس تھا۔ پتا نہیں زری کی وجہ سے یا یہ نرمی ان کے مزاج کا حصہ تھی بہرحال ثانیہ کی گھبراہٹ خود بخود زائل ہونے لگی مگر اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتی میز پر رکھے مختلف ٹیلی فونز میں سے کوئی ایک بڑی مدھر سی دھن بجانے لگا۔ اسی وقت پیون بھی ٹرے لئے اندر داخل ہوا۔ جہانگیر لاشاری نے اسے ہاتھ کے اشارے سے ثانیہ کو سرو کرنے کا کہا اور ریسیور کان سے لگا لیا۔

پیون نے ثانیہ کے سامنے نفیس سے گلاس میں سافٹ ڈرنک رکھا اور بھاپ اڑاتا کپ جہانگیر لاشاری کے سامنے۔

ثانیہ کا تو جیسے مدتوں سے حلق خشک ہو رہا تھا بے ساختہ گلاس کی طرف ہاتھ بڑھایا پھر جھینپ کر ہاتھ کھینچ لیا اور دزدیدہ نظروں سے جہانگیر لاشاری کی جانب دیکھا وہ پورے انہماک سے مصروف گفتگو تھے اور بالکل بھی اس کی جانب متوجہ نہ تھے۔ ثانیہ نے جلدی سے دو گھونٹوں سے حلق تر کیا اور چپکے چپکے آفس کا جائزہ لینے لگی۔

''اللہ! اللہ کیا شاندار آفس ہے جیسے کسی ڈرامے کا شاندار سیٹ۔''

اس کی نظریں قدم قدم پر ٹھٹک رہی تھی۔

معاً عقب میں موجود دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر کسی نے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ ثانیہ اپنی ساری توجہ سمیٹ کر الرٹ ہو کر بیٹھ گئی۔ جہانگیر لاشاری نے سر کو خفیف سا ہلا کر اجازت دی ساتھ آنے والی لڑکی کو ہاتھ کے اشارے سے کرسی پر بیٹھنے کا کہا۔

''ہیلو۔''

ثانیہ نے دیکھا وہ الٹرا ماڈرن سی لڑکی بے حد اسٹائلش لباس زیب تن کئے ہوئے تھی جس کی مسکراہٹ سے خوش اخلاقی چاندنی کی کرنوں کی مانند پھوٹ رہی تھی۔

ثانیہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کا ''ہیلو'' قبول کیا۔ جہانگیر لاشاری ریسیور رکھ کر پھر متوجہ ہوئے۔

''مس صوفیہ! یہ ثانیہ چوہدری ہیں۔ایک مہینہ یہ آپ کی سپرویژن میں رہیں گی اس دوران آپ کو انہیں ٹرینڈ کرنا ہے۔ ہم نہیں چاہتے آپ کے جانے کے بعد ہمیں ایک اچھے ورکر کی کمی محسوس ہو۔''

جہانگیر لاشاری سنجیدگی سے مسکرا رہے تھے۔

''یہ تو پاسبل نہیں ہے سر!''

صوفیہ کی برجستگی نے ان کی مسکراہٹ کو ہنسی میں تبدیل کیا تھا۔

''البتہ میں پوری کوشش کروں گی کہ اپنی ڈیوٹیز مس ثانیہ کو ہینڈ اوور کرتے ہوئے اچھی طرح سے گائیڈ کردوں۔''اس نے ثانیہ کی طرف خیر سگالی مسکراہٹ اچھالی۔

''دیٹس گڈ......مس ثانیہ......! آپ ان کے ساتھ چلی جائیے یہ آپ کو آپ کا کام سمجھا دیں گی۔مس صوفیہ کی موجودگی میں آپ کو کوئی مسئلہ تو نہیں ہوگا لیکن اگر کوئی پریشانی ہو تو آپ شاہ......''

وہ بے ساختہ رکے شاہنواز چھٹی پر ہے انہیں اچانک یاد آیا تھا۔

''آپ بلاجھجک میرے پاس آسکتی ہیں۔مجھے امید ہے کہ آپ ہمارے آفس میں بہت اچھا اضافہ ثابت ہوں گی۔''

''ان شاءاللہ......''

اس نے زبان سے ہی نہیں بلکہ صدق دل سے کہا۔

''تھینک یو......!''

اس نے شکریہ ادا کیا اور نشست سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور صوفیہ کی معیت میں باہر آگئی۔

''تمہارے آفس جوائن کرنے سے کسی کو خوشی ہوئی ہو یا نہیں۔البتہ میں بہت خوش ہوں۔''

روم سے باہر نکل کر چند قدم چلتے ہی صوفیہ نے خوش دلی سے کہا۔

ثانیہ نے ناسمجھی سے اسے دیکھا اس بالکل انجان لڑکی کی اتنی خوشی اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔

''اس پورے مہینے کے دوران میں تمہیں تمہارا کام سکھاؤں گی۔میری سیٹ تم سنبھالو گی اس کے بعد میں آزاد ہو جاؤں گی یعنی یہ آفس چھوڑ دوں گی۔''

وہ کھنکتے ہوئے لہجے میں کہتی ثانیہ کی الجھن بڑھا گئی تھی۔

''آزاد......مطلب......؟''

اس نے زیرلب کہا جواباً صوفیہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

''اپنی ایکسائیمنٹ میں، میں پتا نہیں کیا بول رہی ہوں۔''

اس نے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔

''دراصل میں دو ماہ پہلے ریزگنیشن دے چکی ہوں۔ دیگر فرمز کی طرح بخت انٹر پرائزرز کے بھی کچھ رولز ہیں جس میں سے ایک یہ ہے کہ نیو اپائمنٹ ہو جانے سے قبل ایمپلائی اپنی سیٹ نہیں چھوڑ سکتا۔ اب تم آ گئی ہو تو مجھے جلد از جلد اس ''مصیبت'' سے چھٹکارا ملے گا۔ ویسے ''مصیبت'' تو میں محاورتاً کہہ رہی ہوں تم اس لفظ کو سنجیدگی سے مت لینا۔ ہمارے آفس کا ماحول بہت اچھا ہے بہت کواپریٹو اور فرینڈلی اسٹاف ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے باس بہت اچھے ہیں۔ تم نے ابھی دیکھ ہی لیا ہے ان کی نیچر کتنی اچھی ہے۔ اچھا باس وہی ہوتا ہے جو ایمپلائز کو سہولیات دیتا ہو اور ان کی ضروریات کا خیال رکھتا ہو۔ سرلاشاری یہ سب کرتے ہیں جواباً یہاں کا اسٹاف اپنی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتا ہے اور سر کو ڈھیروں دعائیں دیتا ہے۔ میں تو کہتی ہوں اسٹاف کی جانفشانی سے کام کرنے کی عادت اور دعاؤں کا ہی نتیجہ ہے کہ سر کا کاروبار مسلسل ترقی کر رہا ہے ماشاءاللہ......

لیکن زندگی کے کچھ پہلو ایسے ہوتے ہیں جہاں دعائیں بھی کام نہیں آتیں۔ مادی دولت ہی تو خوش قسمتی کی نشانی نہیں ہوا کرتی کچھ اور چیزیں بھی خوش قسمتی کے پیمانوں کا کام کرتی ہیں۔ خیر چھوڑو تمہیں ان باتوں سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔''

صوفیہ کو اچانک موضوع سے ہٹ جانے کا احساس ہوا تھا۔

''یہاں بہت زیادہ اسٹرکنیس نہیں ہے۔ بس وقت کی پابندی کا ضرور خیال رکھنا۔ وقت کی پابندی کو شاہنواز سر کی کمزوری سمجھ لو۔ ایک منٹ کام آگے پیچھے ہونا بھی آپ کو عتاب کا نشانہ بنا سکتا ہے......''

وہ اب بھی کھلکھلائی۔

''شاہنواز سر......؟''

''سیکنڈ باس سمجھ لو۔ فنانس ڈپارٹمنٹ کے ہیڈ ہیں۔ اتنے اسٹرکٹ نہیں ہیں لیکن اصولوں کے پکے ہیں سو یو ہیو ٹو بی کیئرفل۔ کیونکہ سب سے زیادہ تمہارا ہی سابقہ ان سے پڑا کرے گا بشرطیکہ وہ آفس آتے رہے تو۔ تین دن سے سر آفس نہیں آ رہے تو سارے اسٹاف میں یہ بات گردش کر رہی ہے کہ اب وہ نہیں آیا کریں گے شاید ان کا سرلاشاری سے کوئی اختلاف ہو گیا ہے اور اس بات میں کتنی صداقت ہے اس کا علم سر کی آمد سے ہو سکتا ہے یا نئے ہیڈ کے آنے سے ہو سکتا ہے اور نیا ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ کون ہو گا اور کیسا ہو گا اس بارے میں، میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتی۔

لیکن میں تمہیں یقین دلاتی ہوں جتنا بھی عرصہ تم یہاں کام کرو گی بہت اچھا ایکسپرینس گین کرو گی۔ میں خود چار سال سے یہاں کام کر رہی ہوں اس سے پہلے دو اور بزنس گروپس کے ساتھ کام کیا لیکن میری پروفیشنل لائف کا بہترین دور یہی چار سال ہیں۔''

''اگر آپ یہاں اتنی مطمئن اور خوش ہیں تو جاب چھوڑ کیوں رہی ہیں؟''

ثانیہ نے پوچھا۔

''اس کی دو وجوہات ہیں۔''

وہ عادتاً لمبی بات کرتی تھی مگر اس وقت چھوٹے سے جملے کے بعد توقف کیا کھل کے مسکرائی اور بولی۔

''ایک وجہ تو یہ ہے کہ میری شادی ہو رہی ہے اور میرے منگیتر کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ میں جاب کروں اور دوسری وجہ......''

اس نے ایک دم سے زبان دانتوں تلے دبالی۔ صوفیہ کی ملازمت ترک کرنے کی اصل وجہ حنان کا غیر مہذبانہ رویہ تھا۔ جس روز اس نے آفس میں آکر شاہنواز کے روم میں توڑ پھوڑ مچائی اور جاہلانہ رویے کا مظاہرہ کیا اس کے چند روز بعد ہی اس نے استعفیٰ دے دیا تھا۔ وہ بری طرح ہراساں ہوگئی تھی۔ اسے یقین تھا سر لاشاری کا بیٹا اس روز نشے میں تھا اس حالت میں وہ کسی کو بھی نقصان پہنچا سکتا تھا۔ پھر اس کا بات کرنے کا انداز اتنا فضول تھا کہ صوفیہ کی خودداری بری طرح ٹھیس کا شکار ہوئی۔ اب جذباتیت تھی یا کچھ بھی۔ مگر اس نے استعفیٰ دے دیا تھا۔ پھر اس کی کوئی مالی مجبوری تو تھی نہیں کہ وہ یہ بے عزتی کا رویہ برداشت کرتی۔

اسے سر لاشاری کی قسمت پر بھی افسوس ہوا تھا اتنا کامیاب انسان اور اولاد......

''اب اس بے چاری کو پہلے ہی دن اس خوبصورت مگر جاہل آدمی کے بارے میں بتا کر کیا ڈرانا اور پھر کیا پتا دوبارہ ایسی نوبت آئے ہی نہیں۔''

اس نے چند لمحے سوچا اور بولی۔

''دوسری وجہ بھی یہی ہے کہ میری شادی ہو رہی ہے اور شادی کے بعد میں سیالکوٹ چلی جاؤں گی بالفرض جاب جاری رکھنا بھی ہوئی تو روزانہ لاہور آنا ممکن نہیں ہوگا۔ ساری باتیں یہاں ہوں گی؟ چلو آؤ میں تمہیں تمہارا آفس دکھاتی ہوں۔''

وہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولی۔ ثانیہ خاموشی سے اس کے ساتھ قدم ملاتی رہی۔

☆......☆......☆

''اپنے پروفیشنل کریئر کے آغاز میں جو چیز مجھے سب سے زیادہ مشکل لگی وہ رپورٹ رائٹنگ تھی۔''

صوفیہ نے ہاتھ میں موجود فائل کے صفحات پلٹتے ہوئے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

''اتنی غلطیاں ہو جاتی تھیں مجھ سے کہ بس کیا بتاؤں۔ سچ کہوں تو کئی مرتبہ بڑی زوردار ڈانٹ کھا چکی ہوں۔''

اس نے ہنستے ہوئے اپنا کارنامہ بتایا۔

''تمہاری رپورٹ میں اگرچہ کچھ غلطیاں ضرور ہیں لیکن پہلی بار کے حساب سے تم نے بہت اچھی رپورٹ تیار کی ہے۔''

ثانیہ کو بے پایاں مسرت وتوانائی کا احساس اپنے اندر اترتا محسوس ہوا تھا۔

صوفیہ نے غالباً اسے آزمانے کیلئے چند ہدایات دے کر ٹیکسٹائل مل کے اعداد وشمار سے متعلق رپورٹ تیار کرنے کے لیے کہا تھا۔ کمپیوٹر میں Saved ڈیٹا کو ایک پچھلی رپورٹ کی مدد سے نئے سروے کے اعداد وشمار سے ٹیلی کرتے ہوئے پرسنٹیج کے مطابق رپورٹ تیار کرنا تھی۔ ثانیہ نے بڑی محنت سے چار صفحات پر مشتمل رپورٹ تیار کی تھی اور اب تعریف سن کر مسرور ہونا بالکل بجا تھا۔

''ویسے مجھے اندازہ تھا کہ تم رپورٹ اچھی ہی تیار کرو گی۔''

صوفیہ نے اپنی مخصوص چاند کی کرنوں سی مسکراہٹ اچھال کر اسے چونکایا۔

''تم کتنی باصلاحیت ہو اس کا اندازہ تو خیر تب ہی ہو گیا تھا جب پتا چلا کہ تم کو سر لاشاری نے اپوائنٹ کیا ہے مگر اتنی باصلاحیت ہو اتنی جلدی پوائنٹس پک کر و گی یہ نہیں پتا تھا۔''

اب تعریف کچھ زیادہ ہو گئی تھی اس کے چہرے پر بالکل جھینپی ہوئی سی مسکراہٹ آ گئی۔

''پوت کے پاؤں پالنے میں نظر آنا...... غالباً اسی کو کہتے ہیں۔''

وہ سامنے والی الماری کی طرف چلی گئی۔

''صوفیہ! میری تعریف کچھ زیادہ نہیں ہو گئی۔''

''اس نے سادگی سے کہا۔

''ایں......''

صوفیہ نے پلٹ کر اسے دیکھا اور حسب عادت زور سے ہنس دی۔

''کمال ہے یار! تم اتنی تعریف سن کر گھبرا گئیں۔ میں تو تعریف کے حق میں طرح وصولتی ہوں بلکہ باقاعدہ فرمائش کر کر کے اپنی تعریفیں سنتی ہوں۔

تمہیں پتا ہے سر لاشاری بہت جوہر شناس ہیں۔ جس شخص کو وہ سلیکٹ کریں اس کی صلاحیتوں کو پہلے دن ہی ہمارے آفس میں تسلیم کر لیا جاتا ہے اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ وہ شخص امیدوں پر پورا نہ اترے۔ تمہارے اندر جو اسپارک ہے اسے دیکھتے ہوئے ہی سر نے تمہیں سلیکٹ کیا ہو گا۔''

وہ کہہ رہی تھی ثانیہ دل ہی دل میں ہنس رہی تھی۔ صوفیہ اپنے باس کی جوہر شناسی کے متعلق زمین آسمان کے قلابے ملا رہی تھی اور اس بات سے قطعی لاعلم کہ اسے اس کی نظر نہ آنے والی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر نہیں بلکہ اپنی بہن کی سفارش پر سلیکٹ کیا گیا ہے۔

''ہاں میں بہت باصلاحیت ہوں تب ہی پہلی بار جب میں اس آفس میں انٹرویو دینے آئی تو نا صرف مجھے رد کر دیا گیا بلکہ بے

عزت بھی کیا گیا۔''

ثانیہ نے سادگی سے کہا مگر دلگرفتگی اس کی مسکراہٹ سے بھی ظاہر تھی۔

''تم بھولی نہیں اب تک؟''

صوفیہ مسکرا ہی۔ چند روز پہلے کی ہی تو بات تھی اتنی جلدی کیسے بھول جاتی۔

''اوہ یار! اتنی معمولی بات کو دل سے لگا کر بیٹھو گی تو زندگی گزارنا مشکل ہو جائے گا، ملازمت تلاش کرنے نکلو تو ایسے کئی ناگوار واقعات کا سامنا کرنا پڑ جاتا ہے پھر ہر ایک کے پاس جوہر شناس نظر بھی تو نہیں ہوتی۔ نہ ہر شخص صحیح وقت پر درست فیصلے کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے میرا مشاہدہ تو یہی کہتا ہے کہ ایسے لوگ پھر ساری زندگی ہی پچھتاوے کا شکار رہتے ہیں۔

میں کافی عرصہ سے یہاں کام کر رہی ہوں میں نے کبھی شاہنواز سر کو اتنا آؤٹ آف کنٹرول نہیں دیکھا کہ وہ کسی کی بے عزتی کر ڈالیں، ہوسکتا ہے کوئی ذاتی الجھن ہو۔ خیر چھوڑو ہم بھی کس بحث میں الجھ رہے ہیں۔ اب تو تم بخت انٹرپرائزز کی ایمپلائی ہو اور اب کوئی تمہیں ہرٹ نہیں کرے گا۔ لنچ آور شروع ہونے میں بیس منٹ ہیں۔ چلو آؤ تمہیں باقی اسٹاف ممبرز سے بھی ملواتی ہوں۔''

صوفیہ کو ایک ہی سانس میں تین چار باتیں کرنے کی عادت تھی اب بھی یہ ہی ہوا۔ ثانیہ خاموشی سے اس کے ساتھ ہوئی۔

☆......☆......☆

''اتنے دن کے بعد آپ آئی ہیں۔ بس اب میں آپ کو کہیں جانے نہیں دوں گی۔''

مومنہ نے دادی کی گود میں سر رکھتے ہوئے استحقاق سے کہا۔ دادی مسکراتے ہوئے اس کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگیں۔

''جانا تو پڑے گا بیٹی! سچ کہوں تو میرا تو اپنا جی بھی تم لوگوں سے اداس ہو رہا تھا وحید نے کہا دو دن کے لیے گاؤں جا رہا ہوں کسی کام کے سلسلے میں، میں نے یہ دو دن غنیمت سمجھے اور چلی آئی کہ جانے پھر کب موقع ملے۔ اللہ تمہاری چھوٹی چچی کے دن خیریت سے پورے کروائے تو میں بھی بہت سے دنوں کے لیے آؤں گی۔''

مومنہ کو اس ساری بات کا مطلب بخوبی پتا تھا اس لیے خاموشی سے اپنی چوٹی کے بال انگلی پر لپیٹتی رہی۔ دن کا دوسرا پہر تھا آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور خوب حبس تھا۔

''دادی!''

''ہوں۔''

''یہ کیسے پتا چلتا ہے کہ کوئی انسان اچھا ہے یا برا......؟ اور یہ کہ ہمیں اس سے تعلق رکھنا چاہیے یا نہیں؟''

اس نے الجھے الجھے لہجے میں پوچھا۔

دادی نے بغور اس کی طرف دیکھا پھر بولیں۔

"دیکھو بیٹی! اصل میں تو سب ہی انسان اچھے ہوتے ہیں ان کے اعمال انہیں برا بنا دیتے ہیں۔ باقی بات رہی تعلق رکھنے کی؟ تو اس انسان سے تعلق و دوستی رکھنی چاہیے جس پر دل راضی ہو۔"

دادی نے اپنی سمجھ کے مطابق اس کے خیالات صاف کیے۔

"دادی! میرا دل کہتا ہے کہ گل بانو اچھی ہیں اور مجھے ان سے دوستی رکھنا چاہیے لیکن آپ نے ہمیشہ مخالفت کی...... کیوں؟"

وہ ایک دم منہ اٹھا کر ان کا چہرہ دیکھنے لگی کچھ اس انداز میں جیسے جواب لیے بنا نہ ٹلے گی۔

"تمہیں گل بانو کی اصلیت نہیں معلوم۔ اس لیے تمہارا دل راضی ہے۔ اچھی شکل ہی سب کچھ تھوڑا ہی ہوتی ہے کوئی کرتوت بھی تو ڈھنگ کا ہو۔ تمہیں اس کی اصلیت پتا ہو تو کبھی اس سے دوستی پر دل راضی نہ ہو۔"

دادی کے لہجے میں نفرت و جھنجلاہٹ نمایاں تھی۔

"اور مجھے اصلیت کون بتائیگا؟"

مومنہ نے چڑ کر کہا۔

"ہر کوئی یہی کہتا ہے کہ وہ بری ہیں مگر ان کی برائی کیا ہے یہ کوئی نہیں بتاتا...... نہ آپ نہ ٹمن اور نہ......"

اس نے زبان دانتوں تلے دبائی۔

"کوئی کیوں بتانے لگا میں ہی بتاتی ہوں حالانکہ تمہاری ماں کو بھی سب علم ہے مگر جان بوجھ کر آنکھیں بند کیے بیٹھی ہے تو کوئی کیا کرے۔"

دادی کو امی کی برائی سے زیادہ دلچسپی تھی۔ تب ہی آواز دبا کر کہا مبادا باورچی خانے میں کام کرتی بہو تک آواز پہنچ جائے۔

مومنہ کے لیے یہی بہت تھا کہ دادی اسے کچھ بتانے پر آمادہ ہیں وہ ہر خیال پس پشت ڈالتی ہمہ تن گوش ہوگئی۔

"گل بانو کے باپ نے اس کی ماں سے دوسری شادی کی تھی۔ اللہ بخشے سلطان کو گھومنے پھرنے کا بڑا شوق تھا پورا سال کاروبار میں باپ کا ہاتھ بٹاتا اور ساتھ ساتھ پیسے جمع کرتا رہتا اور گرمیوں کے کسی ایک مہینے میں پہاڑی علاقوں کی سیر پر نکل جاتا۔ کہا کرتا تھا بیدی آپا! میرا دل چاہتا ہے پوری دنیا گھوموں ایسا صابر وشاکر، باادب بچہ تھا کہ کیا بتاؤں مجال ہے جو کبھی پورے گاؤں میں سے کسی ایک بھی شخص سے اس کے خلاف کوئی بات سنی ہو۔ جس کے بھی منہ سے سنی تعریف ہی سنی۔ خوشحال گھرانہ، ماں باپ خوش، خوب صورت بیوی، صحت مند اولاد...... ہر طرح سے خوش بخت مانا جاتا تھا مگر بد قسمتی کبھی اطلاع دے کر تھوڑا ہی آتی ہے۔

ایک مرتبہ سلطان کی واپسی ہوئی تو شاید ماگھ چل رہا تھا، گندم کی فصل کی کٹائی ہو رہی تھی ان دنوں، تمہارے دادا اللہ انہیں جنت

نصیب کرے ہر صبح کو صاف کرتا شلوار پہن کر کھیتوں میں جاتے اور مزارعوں کے سر پر بیٹھ کر اپنی نگرانی میں کام کروایا کرتے تھے۔

ایک صبح کھیتوں کی طرف جاتے ہوئے دیکھا شہر کی سڑک پر سلطان چادر میں لپٹی کسی عورت کے ساتھ چلا آ رہا ہے۔ سچ کہوں تو سلطان اور تمہارے دادا میں بھائیوں کا سا پیار تھا۔ سلطان پورے مہینے بعد آیا تھا یہ ملنے کے لیے آگے بڑھے تب پتا چلا چادر میں لپٹی عورت سلطان کی دوسری بیوی تھی۔ بدبختی مار، گلگت کے پہاڑوں میں بسنے والی کسی کافرن کو بیاہ لایا تھا۔ اس وقت یہ گاؤں بھی چھوٹا سا تھا بمشکل دس بارہ گھر ہوں گے جو یہاں آباد تھے۔

رات تک سلطان کے کارنامے کی اطلاع سب کو مل گئی۔ اس وقت اجمل کوئی سات آٹھ سال کا ہو گا اس کی ماں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اختر آباد اپنے بھائی کے گھر چلی گئی۔ سلطان کو نئی نئی محبت چڑھی تھی پروانہ کی اور سچ کہوں تو گل بانو کی ماں ناز بانو تھی بھی ایسی کہ جس کا جادو سر چڑھ کر بولے۔ ایسی حسین، یہ بڑی بڑی آنکھیں، چمکتی ہوئی رنگت، گھنگھریالے بال کالے سیاہ گھٹنوں تک آتے تھے۔ یہ گل بانو اس کے آگے کچھ بھی نہیں۔

جب میں پہلی بار اس سے ملی تو سرخ رنگ کی پشواز پہنے بال کنگھی کر رہی تھی۔ آنکھوں میں سرمہ تھا اور سنگھار کی کوئی چیز نہ تھی پھر بھی ایسا غضب ڈھا رہی تھی کہ میں بھی دنگ رہ گئی۔ سنا تو تھا کہ پہاڑوں میں خوبصورتی بہت ہوتی ہے مگر خوبصورتی ایسی ہوتی ہے یہ علم نہ تھا۔

بہر حال ناز بانو میں صرف خوبصورتی ہی نہ تھی ناز و انداز بھی تھے۔ سلطان نے اسے مسلمان کر کے نکاح کیا تھا اردو اس نے یہاں آ کر ہی سیکھی۔ چند ہی دنوں میں اردو تو اردو پنجابی بھی ایسے فراٹے سے بولنے لگی تھی کہ کیا کہوں۔ کچھ ہی روز میں اس نے گاؤں میں ہر گھر میں آنا جانا شروع کر دیا۔ کون تھا جو اس کی خوش اخلاقی کا کلمہ نہ پڑھتا ہو۔ ایک سال بعد گل بانو پیدا ہوئی بالکل ماں کا سا نقشہ ویسا ہی رنگ روپ...... مگر بچی باپ کے لئے خوش بخت ثابت نہ ہوئی۔ اس کی پیدائش کے دس دن بعد سلطان کی موٹر سائیکل ٹرک سے ٹکرا گئی اور وہ عین موقع پر اللہ سے جا ملا۔

تقریباً ایک مہینہ پہلے وہ اپنی پہلی بیوی یعنی اجمل کی ماں کو بھی منا کر واپس لے آیا تھا ہو سکتا ہو اپنے پیچھے آتی موت کی اطلاع مل گئی ہو۔ بہر حال اب ایک ہی گھر میں دونوں عورتیں صبر شکر کر کے رہنے لگیں لیکن صبر صرف اجمل کی ماں نے کیا تھا ناز بانو کی اصلیت تو اس کے بعد ہی کھلنا شروع ہوئی۔ گاؤں کے ہر گھر میں پہلے ہی اس کا آنا جانا تھا۔ شوہر کی موت کے بعد اسے آزادی مل گئی۔ گاؤں کا ہر مرد اس کا بھائی تھا۔

اسی بھائی، بہن کی گردان میں وہ ہر طرح کا فائدہ حاصل کرتی اور وہ بھی ڈھکے چھپے طریقے سے نہیں بلکہ کھلم کھلا۔ اللہ جھوٹ نہ بلوائے تو گاؤں کا کون سا ایسا مرد تھا جس کے ساتھ ناز بانو کا معاشقہ نہ چلا ہو۔ گل بانو کی تربیت بھی اسی نے کی تھی اور وہ بھی تن تنہا۔ یہ کیسے ممکن ہے جس کی ماں سیر ہو وہ سوا سیر نہ نکلے۔ سب کا خیال تھا گل بانو اپنی ماں سے بھی چار ہاتھ آگے ہو گی مگر جوں جوں گل بانو بڑی ہوتی گئی۔ سچ کہوں تو سب کی امیدوں پر پانی پھرتا گیا۔"

''کیا مطلب؟''

مومنہ بری طرح چونکی۔

''مطلب یہ کہ گل ناز جتنی بے لگام اور چھچھوری تھی گل بانو اتنی ہی سلجھے ہوئے مزاج کی ثابت ہوئی۔نہ ماں کی طرح سارا سارا دن مٹر گشت کرتی نہ ہی یہاں وہاں دوستیاں گانٹھتی ......اب کوئی کچھ بھی کہے تربیت بہر حال اہم ہوتی ہے لیکن کچھ اثر تو خون کا بھی ہوتا ہی ہے۔''

دادی نے گہری سانس بھر کر کہا۔

''بھائی احمد نے تو اسے اپنی بیٹی بنا رکھا سارا سارا دن خدیجہ کی رسوئی میں گھسی رہا کرتی تھی۔''

''بھائی احمد......''

مومنہ ایک دفعہ پھر چونکی اور ذہن پر زور دیتے ہوئے بولی۔

''ثمن کے ابا کی بات کر رہی ہیں؟''

''اور نہیں تو کیا۔تایا، تایا کرتے تو تمہاری زبان نہیں سوکھتی اور اصل نام ہی بھول گئیں۔''

دادی کو یوں بیچ میں ٹوکا جانا بڑا ناگوار گزرا تھا۔

''سلطان اور بھائی احمد میں بڑی دوستی ہوا کرتی تھی۔ بلکہ جہاں تک مجھے یاد ہے دونوں دور پرے کی رشتہ داری میں پھوپھی زاد بھائی تھے۔''

دادی نے حافظے پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''دور پرے کی رشتہ داری کی اہمیت نہ سہی دوستی تو بھلا دینے کی چیز نہیں ہے۔حیرت ہے ثمن نے کبھی مجھ سے ذکر ہی نہیں کیا۔''

اس نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

''کوئی قابل فخر حوالہ ہو تو انسان یاد بھی رکھے ثمن تو اس وقت بہت چھوٹی ہوگی۔ہوسکتا ہے اسے تو یاد بھی نہ ہو۔''

دادی نے ایک بار پھر ذہن پر زور ڈالتے ہوئے کہا۔

''اور ویسے بھی ہر کوئی تمہاری اور تمہاری ماں کی طرح عقل سے پیدل تو ہوتا نہیں کہ نا صرف زمانے بھر کی بدنام لڑکی سے رابطہ رکھے بلکہ بڑے فخریہ انداز میں بتاتا بھی پھرے۔تھوڑی عقل تو ہر ایک میں ہوتی ہے بیٹی۔''

''اچھا پھر......''

مومنہ کی جان وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''ہاں، ہاں......تو میں کیا کہہ رہی تھی۔''

''اماں! غضب ہو گیا۔''

معاً پچھلے کمرے سے اسما ہانپتی ہوئی باہر نکلی تھیں۔

''ہمیں ابھی اسی وقت پتوکی جانا پڑے گا خالہ فاطمہ کا ٹیلی فون سن کر آ رہی ہوں شازیہ سیڑھیوں سے پھسل گئی بہت چوٹیں آئی ہیں اسے۔ ہسپتال میں ہے۔''

''ہائے میرے اللہ۔''

دادی وہیں دل تھام کر رہ گئیں۔

''حوصلہ کریں اماں۔''

اسما نے جلدی سے آگے بڑھ کر سہارا دیا۔

''کیسے پھسل گئی۔ ہائے میری بچی۔ کچھ بتایا نہیں فاطمہ نے۔''

''کچھ بھی پوچھنے کا وقت کہاں تھا اماں، میں تو اطلاع ملتے ہی ادھر دوڑی ہوں۔ چلیے آپ اٹھیے۔ ہمیں ابھی چلنا پڑے گا۔ تفصیل تو وہیں جا کر پتا چلے گی۔''

خود ان کے ہاتھ پیر پھول رہے تھے مگر کمال ضبط کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔

''ارے کوئی وحید کو تو اطلاع کر دو۔''

دادی نے با قاعدہ آنسو بہانہ شروع کر دیے تھے۔

''وحید......''

اسما پل بھر کو سوچ میں مبتلا ہوئیں پھر مومنہ سے مخاطب ہوئیں۔

''منی! جا کر سامنے سے ناصر کو بلا لاؤ۔ بلکہ یوں کرو اس سے کہو تمہارے ابو کو دکان سے بلا لائے۔ ان سے کہے جتنی جلدی ممکن ہو گھر پہنچیں۔ ہزار مرتبہ کہہ چکی ہوں ٹیلی فون ہی لگوا دیں گھر میں اب ذرا ذرا سی بات کے لئے پڑوسیوں کے گھر جا کر فون کرتا ہوا انسان اچھا لگتا ہے؟ وحید بھی جانے کن دھندوں میں لگا ہو گا۔''

انہوں نے تشویش سے دیور کا نام لیا۔

''کمال ہے اسما! یہ کوئی معمولی بات ہے۔''

دادی کو اماں سے پرخاش تھی سو اس وقت بھی نہ بھولیں۔

مومنہ ساری ناراضی بھلا کر ناصر کو پیغام دینے دوڑی۔ صورت حال نازک تھی ناصر نے بھی جتانا مناسب نہ سمجھا اور فوراً ہی دکان

کی راہ لی۔

''میرا جانا بھی از حد ضروری ہے منی! تم چھوٹے بھائی کا خیال رکھنا اسے دھوپ میں تو بالکل باہر نہ نکلنے دینا اور اپنے ابو کے کھانے پینے کا خاص خیال رکھنا، تمہیں پتا ہی ہے کھانے کا وقت تھوڑا سا بھی آگے پیچھے ہو جائے تو بھڑک اٹھتے ہیں اور سنو اکیلے میں ڈر لگے تو گل بانو کو اپنے پاس بلا لینا یا خود اس کے پاس چلی جانا میرا تو اپنا ذہن تم لوگوں میں لگا رہے گا۔ بس اللہ خیر کا دن دکھائے۔ نا معلوم اب وہاں کتنے دن لگ جائیں تم اپنی چچی کی صحت یابی کے لئے دعا کرتی رہنا۔''

اسما دروازے تک تاکید کرتی رہیں اور محض بیس منٹ میں گھر خالی ہو گیا۔ وحید چچا، دادی اور امی پتو کی سدھارے۔ ابو کچھ دیر کے پھر دکان کی راہ لی۔

وہ کچھ دیر تو بیٹھی چچی کی خیریت کی دعا مانگتی رہی پھر جب تنہائی کا احساس شدید ہوا اور پتوں کی سرسراہٹوں سے بھی غضب کا اسرار ابھرنے لگا تو چھوٹے بھائی کے پاس جا بیٹھی وہ ہوم ورک کر رہا تھا یہ دیکھتی رہی۔ خود کو تو بھوک نہ تھی اسے کھانا کھلایا۔ بے مقصد مکان کا طول و عرض ناپا۔

دوپہر ڈھلی شام نے آسمان کے کناروں پر دستک دی۔ نوید نے بیٹ اٹھایا مومنہ منتیں کرتی رہ گئی۔ تنہائی کے خوف کا رونا رویا، ابو سے شکایت لگانے کی دھمکی دی، اگلی پچھلی ساری فرمائشیں پوری کرنے کا وعدہ کیا مگر وہ ایک ہی جست میں گھر سے باہر تھا۔

مومنہ نے تھک ہار کر بیرونی دروازہ مقفل کیا کوئی پرانا ڈائجسٹ نکالا اور کمرے کے کونے میں دبک گئی۔ ڈائجسٹ کا تو صرف آسرا تھا ورنہ ایسی خوف ناک تنہائی میں کس بدبخت سے پڑھا جاتا تھا۔

باہر اندھیرا بڑھتا رہا۔ اندر اس کا خوف، پھر پتا نہیں کیسے اسے بیٹھے بیٹھے اونگھ آ گئی۔ معاً دروازے پر زوردار دستک ہوئی مومنہ ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی تھی اور ہراساں نظروں سے دروازے کی جانب دیکھا تھا۔ گہری ہوتی تاریکی میں دستک کا یہ جارحانہ انداز بے حد خوف ناک تھا۔ اسے اپنے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے تھے۔

☆......☆......☆

اس روز مہینے کی پچیس تھی اور ہفتہ تھا رات ڈھائی بجے حدید نے اپنے موبائل پر حنان کی کال رسیو کی۔

''سنا ہے الو رات کو سویا نہیں کرتے۔ پھر اتنی دیر سے کال رسیو کرنے کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔''

رات کے اس پہر بھی وہ ہشاش بشاش تھا۔

''لاہور کے الوؤں کا تو پتا نہیں البتہ کراچی کے الو سو جاتے ہیں۔''

حدید کی آواز میں نیند کا خمار اور تبسم کی جھلک تھی۔ حنان نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔

''چلو یہ تو کنفرم ہوا کہ لاہور اور کراچی کے الوؤں میں کچھ فرق ضرور ہوتا ہے لیکن جہاں تک مجھے یاد ہے تم تو خود پکے ''لاہوری'' ہوا کرتے تھے۔''

''بڑی پرانی بات ہے میرے بھائی! پھر تم نے وہ نہیں سنا جب آپ روم میں ہوں تو do as romans do......''

وہ بھی برجستگی سے بولا۔

''گویا رومنز کی تقلید کی جا رہی ہے۔ سنا ہے رومنز مچھلیاں پکڑنے کے بہت شوقین ہوتے ہیں۔''

''بالکل بالکل......''

اس نے فوراً اثبات جواب دیا۔

''میں تو خود اس وقت سمندر میں فشنگ اسٹک ڈال کر بیٹھا ہوا ہوں۔ ہک پر ایک انرجی سیور بھی لٹکا دیا ہے۔ ممکن ہے مچھلیاں روشنی کی طرف زیادہ اٹریکٹ ہوتی ہوں۔''

حدید بھی اس سے کم نہیں تھا۔ اس نے فوراً ثابت کیا۔

''ویری گڈ...... تمہیں پتا ہے مجھے تو خود فشنگ کا بہت شوق ہے ایسا کرو اسٹک کو کسی پتھر کے سہارے لگا رہنے دو اور اپنی لینڈ کروزر میں ائیرپورٹ پہنچو۔ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں میں تمہیں مچھلی کے شکار کے ایک سو ایک طریقے سکھاؤں گا وہ بھی بالکل مفت...... انرجی سیور کی طرف مچھلیاں متوجہ ہوں یا نہیں مجھے یقین ہے میری وجاہت کی روشنی کی طرف ضرور متوجہ ہوں گی۔''

''کیا مطلب......؟ تم نے لڑکیوں کی بجائے اب مچھلیوں کو بھی ٹریپ کرنا شروع کر دیا ہے...... لاحول ولا...... یار! کسی کو تو بخش دو۔''

حنان کی اطلاع پر تقریباً حیرانی سے اچھلتے ہوئے بھی اس نے جملہ مکمل کر ہی لیا۔

''شٹ اپ...... میں انتظار کر رہا ہوں۔''

کال ڈسکنکٹ ہوگئی۔ حدید نے تعجب سے موبائل کو دیکھا تین سے ذرا پہلے کا وقت تھا اور اس وقت حنان سے کسی مذاق کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔

اس نے موبائل تکیے پر اچھالا اور پھرتی سے واش روم میں گھس گیا۔ چینج کر کے باہر آیا تو موبائل پر حنان کا میسج موجود تھا۔

''میں ڈنر میں فرائیڈ مٹن کھاؤں گا۔''

حدید نے ضروری چیزیں جیب میں رکھیں اور گاڑی کی چابی اور موبائل ہاتھ میں لئے کمرے سے باہر آ گیا۔ ابھی ملازم کو جگا کر فرائیڈ مٹن تیار کروانا بھی ایک مسئلہ تھا۔

☆......☆......☆

گو کہ گیتی آرا نے زندگی سے بہت کچھ سیکھا تھا لیکن اگر کچھ نہیں سیکھا تھا تو وہ صبر کرنا تھا۔

چنانچہ نمبر ڈائل کر کے وہ ضبط کی کڑی منزل سے گزری۔ ایک بیل بجی۔ دوسری بیل بجی۔ تیسری بیل بجی اور پھر چوتھی بھی۔ چار پل، چار صدیوں میں گزرے تھے۔ دل پر پیر رکھتے، رگِ جاں کو مسلتے، پھر اس نے مظہر کی آواز سنی، خبیث آواز، نیند سے بوجھل، کوئی اور وقت ہوتا تو یقیناً وہ اس آواز پر ہزار دل سے لعنت بھیجتی مگر اس وقت ایک پل کو ایسا لگا جیسے سمندر کی وسعتوں میں بھٹک جانے والی کشتی کے مسافر نے جزیرے کا پتا پالیا ہو۔

''گیتی......! میرے جان......! رات کے اس پہر ایسا پلیزنٹ سرپرائز۔ شریمتی جی! کچھ تو سامنے والے کی برداشت کا خیال کرتے ہیں۔''

اس کی آواز میں نیند کا خمار تھا اور وہی خاص تاثر جو اسے پوری جان سے جلا کر رکھ دیتا تھا۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا۔ گیتی آرا نے ہمیں یاد کیا۔ اب کچھ تو بولو میری جان! پتا تو چلے بیدار ہو چکا ہوں یا ابھی تک خواب کی کیفیت ہے۔''

''مظہر......''

اسے لگا اس کے لبوں سے سسکی نکلی ہے۔

''واللہ......آج سے قبل کبھی اپنا نام اتنا اچھا نہیں لگا۔''

وہ جیسے جھومتے ہوئے گیتی کے ضبط کو آزمانے لگا۔

''مجھے تم سے ملنا ہے مظہر......! تم کہاں ہو......''

اس نے اپنی ناگواری کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سرعت سے کہا۔

''نظریں جھکا کر دیکھ لو......تمہارے دل میں ہوں۔''

''مجھے گھٹیا فلموں کے گھٹیا اور واہیات ڈائیلاگ نہیں سننے۔''

وہ تڑخی اور پچھتائی کم سے کم اس وقت اسے مظہر سے اس طرح بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔

''گھٹیا فلموں کے گھٹیا اور واہیات ڈائیلاگز......''

اس نے جیسے مزا لیتے ہوئے دوہرایا۔

''کبھی ان ہی ڈائیلاگز کا تم دم بھرتی تھیں اتنی جلدی کیسے بھول سکتی ہو ان ہی گھٹیا اور واہیات ڈائیلاگز پر تم نے خود کو نچھاور کیا تھا۔ بس اتنی سی ہے تمہاری اوقات۔''

''مجھے میری اوقات یاد مت دلاؤ۔''

اس نے خود کو گالیاں بکنے سے بمشکل روکا تھا۔(اپنی اوقات پہچانو گھٹیا آدمی)

''میں تم سے ملنا چاہتی ہو مظہر! ابھی اسی وقت۔''

''اس نے اپنی آواز میں حتی المقدور لجاجت پیدا کی۔

''کیوں......؟ طعنے جمع ہو گئے ہیں یا بھولی بسری محبت جوش مار رہی ہے۔''

''جو بھی سمجھو......مگر مجھے تم سے ملنا ہے پلیز مظہر! یہ بہت ضروری ہے۔''

اس نے اس کا طنز نظر انداز کیا۔

''ایسی کون سی قیامت آ گئی۔''

اب مظہر چونکا تھا یہ ناگزیر بھی تھا۔ جو اس کی شکل تک نہ دیکھنے کی روادار تھی وہ اس سے ملاقات کے لئے اصرار کر رہی تھی۔

''تم ملو گے تو بتاؤں گی۔فون پر نہیں۔ بتاؤ آ سکتے ہو گلشن نگر......؟''

اس کا اضطراب اس کی گفتگو سے ظاہر تھا۔

''ہاں میں آ سکتا ہوں تین چار دن میں......''

''تین چار دن نہیں مظہر......پلیز......؟''

''تین چار دن کا انتظار تو کرنا پڑے گا گیتی! کیونکہ میں کراچی میں نہیں ہوں میں نے تمہیں بتایا تھا کسی ضروری کے سلسلے میں پنجاب آیا ہوا ہوں اور اتنی جلدی میری واپسی ممکن بھی نہیں ہو سکتی۔''

''تم......'' اس کے آنسو چھلک گئے اور حلق میں پھندہ سا اٹک گیا۔

''رومت گیتی! کم سے کم مجھے یہ تو بتاؤ کہ ہوا کیا ہے۔''

مظہر نے حیرانی سے کہا۔

''میری قسمت ہی خراب ہے مظہر! میری پوری تقدیر سیاہ ہے۔''

''گیتی! میری جان......میری زندگی......کسی بھلے آدمی کے ضبط کو یوں نہیں آزمایا کرتے۔ تمہیں پتا ہے تمہارے آنسو مجھے کتنی تکلیف دیتے ہیں۔اس سے اچھی تو تم گالیاں دیتی ہی لگتی ہو۔ تمہارے آنسو میرے دل پر اثر کر رہے ہیں اڑ کر پہنچ سکتا تو پہنچ جاتا۔ ذاتی پر تو ہیں نہیں میرے پاس، ہوائی جہاز کے پروں پر ہی گزارا کرنا پڑے گا۔ منگل آنے میں پورے تین دن باقی ہیں۔ منگل کی رات دو بجے کی فلائٹ سے میں کراچی پہنچ جاؤں گا اور تین بجے تک گلشن نگر میں تمہارے پاس......میرا وعدہ ہے میری جان۔ بلیومی۔''

’’بلیو۔‘‘

اس کے بے حد اپنائیت ومحبت کے اظہار نے گیتی کو پتنگے لگا دیے۔

’’یہ ’’بلیو‘‘ ہی تو لے ڈوبا ہمیں۔‘‘

اس نے اشتعال آمیز افسردگی سے کہا۔

’’تم پر یقین کرنا تو میری زندگی کی فاش غلطی ہے مظہر! میں ساری زندگی بھی خود کو اس غلطی کے لیے معاف نہیں کر سکتی۔ کاش میں مرجاتی مگر تمہاری بات نہ مانتی۔ تم جیسے جانور کو کیا پتا محبت کیا ہوتی ہے جسے انسانیت کا مطلب بھی نہیں معلوم......‘‘

’’بکواس بند کرو۔‘‘

مظہر نے سخت لہجے میں کہا۔

’’میری باتیں گھٹیا، واہیات ڈائیلاگز اور اپنے ان ایموشنل ڈائیلاگز کے بارے میں کیا خیال ہے......؟ صرف یہ ہی بکواس سنانے کے لیے فون کیا تھا......؟‘‘

اس نے اکتا کر پوچھا۔

’’نہیں...... میں تمہیں بتانا چاہتی تھی کہ میں تمہیں قتل کر دوں گی۔‘‘ اس کا لہجہ سنگین تھا۔ مظہر پر رتی بھر بھی اثر نہ ہوا۔

’’شوق سے......‘‘

اس نے سابقہ لہجے میں کہا۔

’’اب میں منگل کی بجائے بدھ کی صبح گلشن نگر آؤں گا تم تلوار لے کر گیٹ پر کھڑی رہنا اور جیسے ہی میں اندر داخل ہوں میرا سر قلم کر دینا لیکن پلیز ابھی میری جان چھوڑ دو۔ کب سے ڈور بیل بج رہی ہے، میں پتا نہیں کیوں تمہاری بکواس سننے کیلئے بیٹھا رہا۔‘‘

ایسا لگا جیسے اس نے دروازے کا ہینڈل گھمایا ہو۔

’’اور ہاں۔ آئندہ کبھی ایسا پاگل پن کا دورہ پڑے تو مجھے فون کرنے کی ضرورت نہیں ہے دیواروں سے سر پھوڑنا ورنہ سمندر میں کود جانا۔ صبح تک زندہ بچ گئیں تو دماغ ضرور درست ہو جائے گا۔ گڈ نائیٹ۔‘‘

کال کٹ گئی گیتی نے دم بخود ہو کر اپنے موبائل کو دیکھا۔ لعنت ملامت کرنے اور کوسنے کا حق صرف اسے حاصل تھا مظہر نے کیا بکواس کی تھی۔

’’حرامی، کتا۔‘‘

اس نے موبائل دور اچھال دیا وہ صوفے سے ٹکرا کر کارپٹ پر گر گیا۔

گیتی بیڈ پر گر کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

☆......☆......☆

ائیر پورٹ پر فلائیٹ کی آمد کے بعد کی مخصوص گہما گہمی تھی مگر اتنا رش بھی نہیں تھا کہ حنان کو تلاش کرنے میں دقت پیش آتی۔

"حدید! میرے دوست۔"

وہ ایک پلر سے ٹیک لگائے سگریٹ پھونک رہا تھا اسے دیکھتے ہی بازو پھیلا کر لپکا۔ ایسا والہانہ پن حدید کو شک گزرا وہ نشے میں ہے۔ اس پر مستزاد اس کا عجیب وغریب حلیہ۔

سیاہ رنگ کی میلی گھسی ہوئی جینز پر وہ جینز سے بھی زیادہ میلی نارنجی رنگ کی شرٹ پہنے ہوئے تھا جس کے ایک جانب انگریزی اور دوسری طرف ہندی رسم الخط میں غالباً "اوم" لکھا ہوا تھا۔ بال پہلے بھی اس کے لمبے ہی تھے اب تو بالکل ہی کندھوں کو چھونے لگے تھے۔ شیو لگتا تھا کئی دن سے نہیں کی۔ گلے میں رنگ برنگے بڑے بڑے موتیوں کی تسبیح نما مالائیں پہن رکھی تھیں۔ ایک کان میں چار بالیاں۔ وہ حنان کم ہپی زیادہ لگ رہا تھا۔

"تمہارا سامان کہاں ہے؟"

حدید نے اس کے حلیے کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔ جواباً حنان نے اپنا چھوٹا سا لیدر بیگ اس کے سامنے کر دیا۔

"یہ......"

حدید کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

"تم جیسا ہر وقت اپنی ڈریسنگ کا خیال رکھنے والا شخص اور اتنا سا سامان۔ جیل سے تو نہیں آ رہے۔"

حنان نے اس کی بات کو بہت انجوائے کیا تھا۔

"جاپان سے آ رہا ہوں۔ ٹوکیو......"

"ٹوکیو......" حدید نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"کس سلسلے میں؟"

اس کا لہجہ و انداز سرسری تھا۔

"بس یونہی......جسٹ فار انجوائے منٹ۔"

حنان نے کندھے اچکا دیے اور کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بولا۔

"کچھ دن ٹوکیو کے ایک Rehabilitation centre میں گزارے اس کے بعد......"

"Rehabilitation centre"

حدید کا پاؤں بے اختیار بریک پر جا رکا۔

"وہاں بھی انجوائے منٹ کے لیے گئے تھے۔"

"وہاں کون انجوائے منٹ کے لیے جاتا ہے؟"

حنان نے اس کی طرف یوں دیکھا جیسے اس کی عقل پر افسوس کر رہا ہو۔

"شاید تمہیں پتا نہیں، میں تمہاری معلومات میں اضافہ کرتا ہوں۔

"Rehabilitation centre" میں ڈرگز ایڈکٹس کو صحت یاب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔"

"جن" (نشہ کی ایک قسم) ٹرائی کیا بس سمجھو بلا ہی گلے پڑ گئی۔ پہلے خود چھوڑنے کی کوشش کی کامیابی نہیں ہوئی تو Centre چلا گیا۔" Rehabilitation centre "میں "مورفین" لیتا تھا وہ ایک بار Rehabilitation centre

وہ اتنے عام اور سرسری لہجے میں کہہ رہا تھا گویا بے حد معمولی بات ہو۔

"انکل آنٹی کو پتا ہے۔"

حدید نے دکھ و ناگواری کی کیفیت سے پیچھا چھڑاتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔" جواب آیا۔

"کیونکہ مجھے ان کا گھر چھوڑے ہوئے تقریباً ایک مہینہ گزر چکا ہے۔"

"کیا۔"

حدید کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔

"تمہاری گاڑی کا ہارن خراب ہے کیا؟"

حنان نے اچانک پوچھا۔

"نہیں......کیوں؟" حدید متعجب ہوا۔

"تم اتنی زور سے چلائے۔ میں سمجھا آج کل ہارن کی کمی چیخوں سے پوری کر رہے ہو۔" وہ مزے سے بولا۔

"حدید پلیز۔ ذرا گاڑی کی اسپیڈ بڑھاؤ۔ میرے پیٹ میں چوہے ناچ رہے ہیں۔ پلین میں بھی جوس پیا ہے اسکے علاوہ کچھ نہیں کھایا۔ جس رفتار سے تم گاڑی چلا رہے ہو، لگتا ہے کل ہی گھر پہنچیں گے۔ وہ دیکھو ایک سائیکل بھی ہمیں اوورٹیک کر کے آگے نکل گیا ہے۔"

اس کی الٹی سیدھی بکواس سے تنگ حدید نے مزید کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا اور اسپیڈ بڑھا دی۔ حنان نے سی ڈی پلیئر میں سی

ڈی سیٹ کی اور فاسٹ میوزک پر سر دھنتے ہوئے شیشے پر نمایاں ہوتی رات کھوجنے لگا۔

''میں نے گھر کسی اور نیت سے چھوڑا تھا مگر پھر خیال آیا میرا ان کی زندگی سے نکل جانا ہی تو ان کے سکون کی سب سے بڑی علامت ہے۔ جنہوں نے مجھے آگ کے کنویں میں دھکیل دیا ان کے لئے تو زندگی بھر کے اطمینان وسکون کا بندوبست کرنا ہے اینڈ اٹس اے پرامس۔''

اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں خائف کر دینے کی حد تک خوفناک چمک۔

☆......☆......☆

دستک متواتر بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے خوف سے ڈوبتے دل کو تسلی دی اور اپنا سارا حوصلہ جمع کرتی کمرے سے باہر آگئی۔ صحن میں تاریکی کے قدم بھی لڑکھڑا رہے تھے اور گاؤں کی مساجد سے مغرب کی اذان کی پکار ابھرنا شروع ہو گئی تھی۔

''کک......کون؟''

اس نے بیرونی دروازے سے آنکھ لگا دی۔

''دروازہ کھولو منی! میں ہوں گل بانو۔''

کھٹاک سے کنڈی کھول کر اس نے دروازہ وا کر دیا۔

''کہاں تھیں تم۔ میں اتنی دیر سے دروازہ بجا رہی ہوں اور ایں......تمہیں کیا ہوا؟''

گل بانو نے اس کے چہرے پر اڑتی ہوائیاں دیکھ کر تعجب سے پوچھا۔

''ہونا کیا تھا۔ اتنا بڑا گھر اور میں اکیلی۔ ڈر کے مارے جان نکل رہی تھی۔''

اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔

''اتنا ڈر لگ رہا تھا تو ایک آواز ہی دے دی ہوتی۔ اسما باجی مجھے بتا کر گئی تھیں کہ وہ جا رہی ہیں اور میں تمہارے پاس آجاؤں مگر میں اس وقت ہنڈیا بھون رہی تھی بس کام میں لگی رہی اور ذہن سے ہی نکل گیا۔ مگر تم ایک بار آواز دیتیں تو سہی۔ کون سا کہیں دور جانا پڑتا یہ دیوار سے دیوار ملی ہے۔''

''میں کیوں آواز دیتی۔'' وہ چیخ کر بولی۔

''آپ کو خود آنا چاہیے تھا۔ ویسے بھی تو بہت دم بھرتی ہیں کہ تم ہی میری سہیلی تم ہی میری بہن......''

''کس منہ سے آتی۔'' گل بانو نے سنجیدگی سے کہا۔

''پچھلے کئی روز سے تم مجھے مسلسل نظر انداز کر رہی ہو۔ ملنے سے کترا رہی ہو۔ میں نے سوچا ہو سکتا ہے میری غلط فہمی ہو، تب ہی کل

دوبارہ ملنے چلی آئی اور تم نے میرے ساتھ کیا کیا۔ مجھے دیکھتے ہی آنکھیں بند کرلیں۔ میں نے تمہیں پھر بھی پکارا مگر تم......''

مومنہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اس کی چوری اتنی آسانی سے پکڑی جا چکی تھی اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔

''ناراضی کی وجہ پوچھ سکتی ہوں۔''

گل بانو نے خاموشی توڑی۔

''وجہ......کوئی وجہ نہیں۔''

مومنہ اس طرح اچانک استفسار پر گڑبڑا گئی۔

''اور آپ سے کس نے کہا میں ناراض ہوں بھلا میں کیوں ناراض ہونے لگی۔''

''مومنہ فاروق! میں کوئی بے وقوف یا کم عقل نہیں ہوں۔ رویے کی تبدیلی تو دودھ پیتا بچہ بھی بھانپ لیتا ہے۔''

گل بانو نے ذرا تیز لہجے میں کہا۔

''نہیں ملنا، کوئی تعلق نہیں رکھنا تو صاف صاف کہو یہ منہ چھپا کر بیٹھ جانے کا کیا مطلب ہے؟ بہت سارے رشتوں کو گنوایا ہے میں نے سچی اور خالص محبت میری قسمت میں ہی نہیں ہے۔ جہاں باقی سب سے ہاتھ دھوئے وہاں تم بھی سہی......مگر کوئی وجہ بھی ہو تو جو کم سے کم میرے علم میں بھی ہو۔ قسمت کی خرابی پر آنسو بہانے کے لیے ایک ٹھوس وجہ تو میرے پاس ہونی ہی چاہیے۔''

''آپ......آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے باجی......''

اس نے کمزور سے لہجے میں کہنا چاہا۔

''تم نے زندگی دیکھی ہے منی! میں نے برتی ہے۔ رویوں کے معاملے میں کتنی حساس ہوں اس کا تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتیں۔ چلو وجہ نہیں بتاتی تو کم سے کم اتنا ہی بتادو کہ اس دوستی کو نباہنا ہے یا میں سمجھ لوں کہ ایک رشتہ اور تعلق گیا میرے ہاتھ سے۔''

اس کے سنجیدہ لہجے سے دکھ کی آنچ آرہی تھی۔

مومنہ کا معصوم سا دل پسیجنے لگا لیکن ناصر کی باتیں رہ رہ کر یاد آرہی تھیں لیکن ساتھ ہی دادی کی باتیں یاد آنے لگیں۔

''اب بھلا اگر باجی جی کی امی بری تھیں تو اس میں ان بے چاری کا کیا قصور......دادی کی بات ادھوری رہ گئی لیکن خیر......یہ تو پتا چلا کہ باجی جی کے کردار میں کوئی کجی نہیں ہے۔''

بلی دیوار پھلانگتی تھی دیوار کے ساتھ رکھا پانی کا مٹکا زمین پر گر کر چکنا چور ہوا تب اس کا ارتکاز ٹوٹا۔ گل بانو مٹکے کی ٹھیکریاں سمیٹ رہی تھی۔

مومنہ لپک کر اس کے پاس آئی اور اس کی مدد کرنے لگی۔

''میں آپ سے ناراض نہیں ہوں۔ اللہ کی قسم۔ وہ تو بس ناصر کے بچے نے دماغ میں کچھ الٹا سیدھا ڈال دیا تھا بس سارا اثر اسی کا ہے۔''

جلدی جلدی نظریں جھکائے ٹھیکریاں سمیٹتی وہ وضاحت دینے لگی۔ گل بانو کے ہاتھ سے ٹھیکری چھوٹ گئی۔

''ناصر نے......''

اس نے ناسمجھی میں دوہرایا۔

''کیا کہا اس نے؟'' اس نے پوچھا۔

''چھوڑیں نا۔ رہنے دیں۔ ایسے ہی کوئی بکواس کر رہا تھا مگر میں نے کون سا یقین کیا ہے۔''

''پھر بھی...... پتا تو چلے۔''

گل بانو کے اصرار پر اسے بتانا ہی پڑا گل بانو کچھ دیر حیرانی سے اس کا منہ تکتی رہی پھر اس کے چہرے پر موجود تاثرات میں غصہ امنڈنے لگا۔

''مرد کی فطرت کو ہم عورتیں سمجھیں بھی تو کیسے...... میرے سامنے قسمیں کھائیں اور تمہارے سامنے مکر گیا۔ میں فوراً اس کی طبیعت صاف کرتی ہوں۔''

وہ ٹھیکریاں وہیں پھینک کر دروازے کی طرف لپکی مگر مومنہ نے سرعت سے اس کا بازو دبوچ لیا۔

''بات بڑھانے کا کیا فائدہ؟''

''بات بڑھائے بنا تمہیں حقیقت کا علم بھی تو نہیں ہوگا۔''

گل بانو نے تیزی سے کہا۔

''مجھے پتا چل گئی حقیقت۔''

مومنہ نے مصلحت آمیزی سے کہا۔

''کچھ لوگوں کی فطرت میں ہی فساد ہوتا ہے وہ لوگوں کو خوش باش تو دیکھ ہی نہیں سکتے۔ یہ ناصر بھی انہی میں سے ایک ہے۔ شکر ہے مجھے تو پہلے ہی پسند نہیں تھا۔''

''سچ کہہ رہی ہو۔''

گل بانو نے اسے ٹٹولتی نظروں سے دیکھا مومنہ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔

''بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔ جھوٹ کی تو گنجائش ہی نہیں ہے۔''

''اور کیا کہا اس نے میرے بارے میں؟''

''جو بھی کہا۔ میں نے یقین نہیں کیا۔ جو انسان اچھا نہ لگے اس کی بات پر یقین بھی کیسے کیا جا سکتا ہے۔'' اس نے کہا۔

''بہت وقت ہو گیا ابو اور نوید آتے ہوں گے۔ چلیں آئیں کچھ کھانے کا بندوبست کرتے ہیں۔''

مومنہ گل بانو کا ہاتھ پکڑ کر باورچی خانے کی طرف جاتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

''دادی نے جو کہانی سنائی وہ ادھوری تھی۔ ہر کسی نے اس کہانی پر اپنی اپنی پسند کا عنوان لگا رکھا ہے۔ میں بھی عنوان لگاؤں گی۔ مگر اس ادھوری کہانی کو گل بانو باجی پورا کریں گی۔''

☆......☆......☆

اس نے دروازہ اپنی ہی کسی جھونک میں کھولا تھا مگر سامنے موجود شخصیت کو دیکھ کر چند لمحے کیلئے تو جیسے وہ ہکا بکا ہی رہ گیا۔

''عا...... عانیہ۔''

اس نے زیر لب کہتے ہوئے فوراً اپنی آنکھوں کو رگڑا۔ اسے خدشہ تھا شاید وہ نیند میں کوئی خواب دیکھ رہا ہے۔

''عانیہ......! تم...... یہاں...... اس وقت۔''

اسے یکدم احساس ہوا یوں دروازے میں کھڑے ہو کر بات کرنا مناسب نہیں ہے۔

''تم اندر آؤ۔''

اس نے عانیہ کو اندر آنے کے لیے راستہ دیا اور دروازہ بند کرنے سے قبل باہر جھانک کر کاریڈور کا جائزہ لیا وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس نے دروازہ لاک کیا اور پلٹ کر دیکھا عانیہ وہیں کھڑی تھی۔

''یہاں کیوں کھڑی ہو۔ اندر چل کر بیٹھو۔''

وہ عانیہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے اندر لے آیا۔ اس کا ہاتھ بے حد ٹھنڈا تھا۔

اب بتاؤ۔ اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو۔ اس وقت تمہیں گھر پر ہونا چاہیے تھا۔''

اس نے عانیہ کو صوفے پر بٹھایا اور خود سامنے کی نشست سنبھال لی۔

''میں وہ گھر چھوڑ آئی ہوں ہمیشہ کے لیے۔ کیونکہ میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ مجھے اپنی زندگی آپ کے ساتھ گزارنا ہے مظہر...... وہ لوگ عادل سے میرا نکاح کر رہے تھے اسی لیے میں نے انہیں چھوڑ دیا۔''

اس کی آواز کانپ رہی تھی اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

''عانیہ! تمہیں یہاں آتے ہوئے کسی نے دیکھا تو نہیں۔''

چند لمحے بعد اس نے تشویش سے پوچھا۔

عانیہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا وہ اس سے کیا پوچھ رہا تھا۔

''اس کی خیریت......؟ نہیں......اپنی خیریت......''

عانیہ کو سانس اپنے سینے میں اٹکی ہوئی محسوس ہوئی۔ مظہر کا چہرہ وہ چہرہ نہیں تھا جس کی کشش میں وہ اپنوں کی محبت کو قدموں تلے روند آئی تھی۔

اس کی آنکھیں وہ آنکھیں نہیں تھیں جن کی چمک اس کے خوابوں کی محتاج لگا کرتی تھیں۔

کچھ لمحے کچھ پل بڑے واضح ہوتے ہیں کسی قسم کے جھوٹ سے مبرا۔ جو خوش فہمی میں مبتلا ہونے نہیں دیتے۔ ہاں رہی سہی خوش گمانی کا گلا ضرور گھونٹ دیتے ہیں۔ عانیہ کو لگا وہ بھی ایسا ہی لمحہ ہے۔

اسے اپنے ہاتھوں میں سنسناہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھوں کو مسلا۔

''میں کیا پوچھ رہا ہوں عانیہ! تمہیں کسی نے دیکھا تو نہیں۔''

مظہر نے سوال دوہرایا۔ عانیہ کا دل کسی نے مٹھی میں جکڑا۔

''نن......نہیں مجھے کسی نے نہیں دیکھا۔''

اس نے بدقت کہا۔

مظہر کے لبوں سے پرسکون سانس خارج ہوئی۔ اپنے ذہن میں اگلا لائحہ عمل ترتیب دیتے ہوئے اس نے بغور عانیہ کا جائزہ لیا۔ اس نے نظروں کے ساتھ ساتھ چہرہ بھی جھکا رکھا تھا مگر وہ دیکھ سکتا تھا اس کے چہرے پر آنسوؤں کے نشانات ہیں۔

''تم نے بہت اچھا کیا عانیہ! جو یہاں آ گئیں۔ انہیں کوئی حق نہیں تھا کہ تمہاری زندگی کا فیصلہ کرتے......''

مظہر نے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو پونچھے۔ عانیہ بے ساختہ پیچھے ہٹی تھی۔

''بہرحال مجھ پر اعتماد کرنے کا شکریہ لیکن ابھی ہمیں جانا ہوگا۔''

''کہاں......''

''شہر سے کچھ دور میرے دوست کا فارم ہاؤس ہے۔ ابھی ہم وہاں جائیں گے۔''

مظہر نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ عانیہ نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''لیکن وہاں کیوں......؟ یہاں کیوں نہیں؟''

الجھا الجھا سا سوال لبوں پر مچلا تھا مظہر چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر یکدم اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھوں سے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"تم نے جو اتنا بڑا قدم اٹھایا ہے عانیہ! تو یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے اب تک تو سارے گھر والوں نے قیامت مچادی ہوگی۔ ممکن ہے تمہاری گمشدگی کی ایف آئی آر بھی درج کرادی گئی ہو اور اس صورتحال میں تمہارا اس گھر میں رہنا کسی خطرے سے خالی نہیں ہے۔ پہلا شک مجھ پر ہوگا اور مجھے اپنی بالکل بھی پرواہ نہیں ہے۔ پرواہ صرف تمہاری ہے اس سے پہلے کہ وہ لوگ مجھ تک پہنچیں میں تمہیں منظر سے ہٹا دینا چاہتا ہوں۔ وہ مجھے دھرلیں یہ میں برداشت کرلوں گا لیکن کوئی تم پر انگلی اٹھائے یہ کسی قیمت پر برداشت نہیں کروں گا۔"

اس کا لہجہ اتنا سچا، اتنا ٹھوس اور مستحکم تھا کہ عانیہ کے محض چند لمحے پہلے کے تمام خدشات پانی پر تحریر ثابت ہوئے تھے۔ اطمینان خوشی کی بھرپور لہر بن کر اس کے اندر اترا تھا۔ اس کی آنکھوں سے بھی آنسو ابھی بھی ٹپک رہے تھے مگر لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس نے ہمیشہ لفظوں سے مات کھائی تھی وہ آج بھی مات کھا گئی تھی۔

☆......☆......☆

اگلی صبح وہ حسب معمول تاخیر سے بے دار ہوا تھا اس وقت تک حدید آفس جاچکا تھا اور گھڑی کی سوئیاں دو اور ڈھائی کے درمیان حرکت کررہی تھیں۔

"لگتا ہے حدید صاحب کو آفس جانے کا بہت شوق ہے۔ یہ کیا بات ہوئی میں اتنی دور سے آیا ہوں کم سے کم ایک دن تو ضرور اسے آف کرنا چاہیے تھا۔"

وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا تھا دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بال سنوار رہی تھیں اور اس کے ہر انداز سے کسی گہری سوچ کی عکاسی ہورہی تھی۔

ملازم نے آگے بڑھ کر بڑے مؤدب انداز میں کارڈلیس اس کی خدمت میں پیش کردیا۔

"یہ کیا ہے' میں جاگتے ہوئے لیچی کا جوس لیتا ہوں فون نہیں۔"

اس نے ڈپٹ کر کہا۔

"سر! صاحب نے کہا تھا آپ جاگتے ہی ان سے بات کرلیں۔"

ملازم نے کہا۔ حنان نے چند لمحے سوچا پھر کارڈلیس اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"چلو......فیس ٹو فیس نہ سہی فون پر ہی سہی۔"

"سر! آپ بریک فاسٹ میں کیا لیں گے......؟ اور لنچ میں آپ کے لیے کیا بنایا جائے یہ بھی بتادیں۔ حدید صاحب نے کہا تھا کھانا آپ کی پسند کا بنایا جائے۔"

"بریک فاسٹ کا تو یہ ٹائم نہیں ہے اب لنچ ہی کریں گے۔"

اس نے نمبر ملاتے ہوئے کہا۔

''فی الحال تو تم ذرا فریش سا لیچی کا جوس لے آؤ جتنے بھی دن میں یہاں رہوں گا ارلی مورننگ مجھے لیچی کا جوس چاہیے ہوتا ہے۔ اس لیے چائے، کافی جیسی چیز میرے سامنے مت لانا۔ اب تم اپنی شکل گم کرو، لنچ کے بارے میں بھی کچھ بتاتے ہیں۔''

''ہیلو......حدید صاحب سے بات کروائیں۔''

''حدید صاحب بذات خود آپ سے مخاطب ہیں۔''

حدید کا لہجہ متبسم تھا۔

''تم اپنی فون کالز خود ریسیو کرتے ہو؟'' حنان نے اچنبھے سے پوچھا۔

''کوئی خوب صورت سیکریٹری نہیں ہے تمہارے پاس جو کالرز کی سماعت میں رس گھول سکے۔''

''سیکریٹری تو ہے اور بہت سوفٹ وائس بھی ہے اس کی بٹ ہی از اے میل۔'' حدید کا لہجہ شریر و متبسم تھا۔

''تمہارے گھٹیا ذوق سے مجھے یہی امید تھی۔''

اس نے جل کر کہا حدید کا قہقہہ زبردست تھا۔

''یقیناً تمہارے باقی اسٹاف کا بھی یہی حال ہوگا۔''

''خیر اب اتنا بھی بدذوق نہیں ہوں میں۔''

''اس کا مطلب ایک آدھ بار تمہارے آفس کا چکر لگایا جا سکتا ہے۔''

حنان نے ذرا پرجوش ہو کر کہا۔

''موسٹ ویلکم......ویسے آج تمہاری صبح کچھ جلدی نہیں ہو گئی؟'' حدید نے چڑایا۔

''کچھ......''

حنان ہنسا حدید نے اس کا ساتھ دیا تھا۔

''ویسے یہ اچھا طریقہ ہے مہمان گھروں میں نوکروں کی شکلیں دیکھ رہا ہے اور صاحب خانہ آفس تشریف لے جا چکے ہیں۔ ویری بیڈ یار! کم سے کم ایک دن تو مجھے کمپنی دیتے۔''

''بورڈ آف ڈائریکٹرز کے ساتھ میری میٹنگ تھی۔ کینسل کروا سکتا تو ضرور کرواتا۔'' حدید نے ذرا شرمندگی سے کہا۔

''آل رائیٹ......آل رائیٹ......لنچ تو ساتھ میں کریں گے۔''

حنان نے پوچھا۔ وہ حدید سے کچھ ضروری بات کرنا چاہ رہا تھا۔

"ایکسٹریملی سوری حنان! اتنی جلدی تو میں نہیں آسکتا۔"

حدید نے پھر قدرے شرمندگی سے کہا۔

"مجھے تمہارے پلان کا پتا ہوتا تو میں آفس کا شیڈول ہی اس حساب سے بناتا۔ آج شام تک تو میں پھر بھی فری ہوں لیکن اگلے دو دن بہت مصروف گزریں گے۔ ہوپ یو انڈراسٹینڈ۔"

"یس......آئی کین۔"

"اوکے تھینکس آلاٹ۔ تم اپنا لنچ انجوائے کرو میں پانچ ساڑھے پانچ تک آتا ہوں۔ مجھے تھوڑی سی شاپنگ بھی کرنا ہے وہ بھی کر لیں گے اور ڈنر بھی باہر کریں گے۔ کیا خیال ہے؟"

"ٹھیک ہے میں انتظار کر رہا ہوں۔"

اب کے حنان نے خوش دلی سے کہا۔

"اگر کہیں باہر جانا چاہ رہے ہو تو میں ڈرائیور کے ساتھ گاڑی بھجوا دیتا ہوں۔" حدید نے اس کی بوریت کے خیال سے کہا۔

"نہیں......آج کہیں جانے کا موڈ نہیں بن رہا۔"

حنان نے کسملندی سے پیر پھیلائے پھر اچانک خیال آیا تو پوچھا۔

"یہاں قریب کوئی سیلون ہے؟ آئی تھنک آئی نیڈ اے ہیر کٹ۔ واٹ ڈو یو تھنک......؟ (میرا خیال ہے مجھے بال کٹوانے کی ضرورت ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟)" حدید کو سن کر ہنسی آ گئی۔

"نیک خیال ہے اور میرا خیال ہے تمہیں صرف ہیر کٹ کی ضرورت ہی نہیں شیو کروانے کی بھی ضرورت ہے۔ میں ڈرائیور کو بھجوا رہا ہوں وہ تمہیں اسی سیلون پر لے جائے گا جہاں میں ریگولر جاتا ہوں۔

بال بھی کٹواؤ اور شیو بھی بنواؤ۔ تمہاری گرل فرینڈز تو شاید تمہیں اس حلیے میں برداشت کر لیں شمسہ آنٹی کو تو بہت صدمہ پہنچے گا۔"

حنان کچھ کہنے لگا تھا ایک دم لب بھینچ گیا۔

"لنچ میں جو بھی کھانا چاہو بابر کو بتا دو۔ ہی از اے ویری گڈ شیف۔"

"اب اچھا ہو یا برا۔ کھانا تو اسی کے ہاتھ کا کھانا پڑے گا۔" حنان نے کہا۔

"حدید......"

"ہوں......"

"تمہاری مام سے بات ہو یا کسی اور سے۔ تو پلیز یہ مت بتانا کہ میں یہاں ہوں۔ تمہارے گھر میں۔"

کسی اور سے مراد ظاہر ہے کہ بخت نگر کے مکین تھے۔

''لیکن......'' حدید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

''اوکے ایز یو وِش...... بابر کو لنچ کے متعلق بتا ضرور دینا۔'' حدید نے تاکید کے ساتھ فون بند کر دیا۔ حنان نے کارڈ لیس بیڈ پر اچھال دیا۔

''فی الحال ہیڈ لائن ہی کافی ہے۔ تفصیل پھر کبھی سنیں گے۔'' وہ مطمئن سا ہو کر اٹھا اور وسلنگ کرتا ہوا واش روم میں گھس گیا۔

☆......☆......☆

''چھڈ وی باجی، ایتھے تے ایہوای ہندااے۔ اک کڑی گئی نے دوجی آ گئی دوجی گئی، تے تیجی آ گئی۔ تسی کدوں تکراوسی اک کڑی داغم دل نوں لائی رکھنا اے۔''

گیتی نے گھٹنوں پر رکھا سر اٹھا کر گوشی کو دیکھا۔ کھانے کے برتن میز پر رکھ کر اب بڑی پھرتی سے کمرے میں بکھرا سامان سمیٹنا شروع کر دیا تھا۔ وہ تمام سامان جو گیتی کی ابتر ذہنی حالت کا شکار بن کر اسی کے ہاتھوں وقتاً فوقتاً بکھرا تھا۔

''اک واری شیشے وچ اپنی شکل دیکھو لگدا ای نئیں پیا کہ تسی اوہوای گیتی او...... اچی لمبی...... رج کے سوہنی...... تہاڈے ورگی تے اک وی پورے گلشن نگر وچ نئیں۔''

پتا نہیں وہ کیا کیا کہہ رہی تھی وہ تو بس گوشی کو دیکھ رہی تھی جو کبھی کبھی موڈ میں ہوتی تو پنجابی میں بات کرتی۔ آج تعریفیں بھی کر رہی تھی شاید وہ جانتی تھی کہ گلشن نگر میں کوئی بھی ایسا نہیں جو گیتی آرا کی ذہنی حالت سے آگاہ ہو اور اس کا دکھ بانٹ سکے۔

''کیا تھی گوشی......؟ گلشن نگر کی معمولی سی ملازمہ...... جس کی بدصورتی اور جسمانی کمزوری نے اسے آپا بیگم کے ہاتھ کا مہرہ بننے نہیں دیا۔

لیکن یہ مجھ سے تو اچھی ہے، کالی ہے، اس کے نقوش عجیب ہیں، پستہ قد ہے، پیر اور بازو میں لنگڑاہٹ ہے مگر اس کا دل اچھا ہے۔ بلکہ یہ زیادہ درست ہے کہ اس کے پاس دل ہے۔ کم سے کم میرے درد کو محسوس تو کر سکتی ہے مجھے دلاسا تو دے سکتی ہے اور میں...... میں نے کیا کیا رحاب کے ساتھ؟''

قطرہ قطرہ ابلتا درد یکدم پھر جوار بھاٹے کی طرح ابلا تھا اور اسے اپنا سارا وجود ایک ان دیکھی آگ میں جلتا محسوس ہوا۔

''گوشی......'' اس نے آہستگی سے پکارا۔

گوشی اپنے دوپٹے کے پلو سے ڈریسنگ ٹیبل کی سطح پر جمی گرد صاف کر رہی تھی رک کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''رحاب کیسی ہے؟''

بیڈ شیٹ کے پرنٹ پر انگلی پھیرتے ہوئے اس نے سرگوشی کی تھی۔

''رب جانے جی۔'' گوشی نے لاپرواہی سے کہا۔

''میں نے اوناں تین دناں نوں نئیں ویکھیا۔ ہوسکدا اے آپا بیگم اوناں کتھے ہور گھل دتا ہوئے۔ (میں نے انہیں تین دن سے نہیں دیکھا ہوسکتا ہے آپا بیگم نے انہیں کہیں اور بھجوا دیا ہو۔)''

گیتی کے اندر ایک سرد سی لہر اترتی چلی گئی۔

''تو رحاب چلی گئی...... کہاں......؟ پتا نہیں...... پتا نہیں اس کا کیا حشر ہوا ہوگا اور اللہ جانے......وہ زندہ بھی ہوگی...... یا......''

اور اس ''یا'' سے آگے ایک بڑا سا سوالیہ نشان منہ پھاڑے اسے نگلنے کو تیار کھڑا تھا۔

اس کی بھٹکتی ہوئی نظر آئینے تک چلی گئی جہاں اس کا پورا کا پورا عکس دکھائی دے رہا تھا۔ تھکا ہوا مضمحل وجود جس نے آپا بیگم کی جنت کی ہوس میں اپنی اصلی جنت قربان کر ڈالی تھی اور اسے کیا ملا تھا اب تک...... بددعائیں، کوسنے، ذلت، عزت نفس کی آبروریزی، بے حسی، تنگ دلی......

آئینے میں منعکس ہوتا اس کا وجود...... رحاب کے سراپے میں ڈھل چکا تھا۔ وہ دیکھتی رہی، سوچتی رہی۔ دراصل اسے رحاب کا غم نہ تھا اسے تو اپنا غم ستاتا تھا۔ اپنے آنے والے کل کی فکر مارے دیتی تھی۔ آج رحاب تھی جس مقام پر، کل کو وہاں گیتی ہوسکتی تھی۔

اور یہی اندیشہ اس کی جان کو آرہا تھا۔ اس نے اب تک آپا بیگم کی زبان پر اعتبار کیا تھا لیکن ایسی عورتیں جو اپنا کاروبار جاری رکھنے کے لیے کسی کی جان لینے سے بھی گریز نہیں کرتیں، ان کی زبان پر کب تک بھروسا کیا جاسکتا تھا۔

یہی اندیشہ مستقل اسے پریشان کیے دے رہا تھا اور سچ بات تو یہ ہے کہ اس اندیشے کی ساری کارفرمائی اس کے حسین چہرے پر اب نمایاں بھی ہونے لگی تھی۔ رنگت پھیکی پڑ رہی تھی، آنکھوں کے گرد کی جلد گہری ہو رہی تھی، بال بالکل روکھے اور بے جان سے اور ہونٹ ایسے خشک جیسے مدتوں سے پیاسے ہوں۔

گیتی آرا کو پتا نہ تھا گوشی بظاہر کام میں مگن چپکے چپکے اس کا جائزہ لیتے ہوئے اب اسے سمجھانے کا ارادہ بھی ترک کرچکی تھی۔ آخر کوئی کہاں تک کوشش کیے جائے؟

تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ گلشن نگر کی ایک اور ملازمہ آپا بیگم کا پیغام لیے اندر آئی تھی۔

''آپا بیگم آپ کو بڑے ہال میں بلا رہی ہیں اور انہوں نے کہا ہے اپنا حلیہ درست کرکے آنا...... پارٹی آئی ہے۔''

یہاں پارٹی کن معنوں میں استعمال ہوتا ہے وہ خوب سمجھتی تھی۔

''میں آتی ہوں تم جاؤ۔''

ملازمہ الٹے قدموں پلٹ گئی۔

''گوشی! یہ کھانا تم کھالو۔'' اس نے پلنگ سے اترتے ہوئے کہا اور وارڈروب کھول کر کھڑی ہوگئی۔

''نہ جی نہ......آپا بیگم کو پتا چلا کہ میں نے کام کے وقت ادھر دعوت اڑائی ہے تو شامت آجائے گی۔'' گوشی نے کانوں کو ہاتھ لگایا تب تک گیتی ایک سفید رنگ کا لباس منتخب کر کے پلنگ پر ڈال چکی تھی۔

''میں تو جی بس ایک بات کہنے آئی تھی اور وہ یہ کہ بھول جاؤ کوئی رحاب تھی۔ آگے جا کر آپ کو زندگی میں سو ایسے لوگ ملیں گے تو کیا ہر ایک کی دفعہ آپ نے یونہی سوگ منانا ہے۔ بھول جائیں جی اس لڑکی کو آپ کا فائدہ بس اسی میں ہے۔''

''میرا فائدہ کس میں ہے یہ تو میں خود بھی نہیں جانتی۔ حتیٰ کہ میں تو یہ بھی وثوق سے نہیں کہہ سکتی کہ رحاب کو بھلا پاؤں گی یا نہیں۔ مجھے خود پر اتنا اختیار ہوتا تو کیا یہ دن دیکھنا پڑتا؟''

اس نے کڑھ کر سوچا اور کچھ بھی کہے بنا واش روم میں گھس گئی۔ بالوں کو شیمپو کی ضرورت تھی مگر اس پر ایسی بےزاری طاری تھی کہ منہ دھو کر باہر نکل آئی تب تک گوشی کھانے کے برتن سمیٹ کر جا چکی تھی۔ دروازہ بند تھا۔ اس نے پلنگ پر رکھا لباس اٹھایا پھر بددلی سے واپس رکھ دیا اور آئینے کے سامنے رک کر ایسی ہی بددلی سے اپنا جائزہ لیا۔ اس کے کپڑے ملگجے سہی مگر ٹھیک ٹھاک ہی تھے۔ اس نے بال برش کیے، نہ چاہتے ہوئے بھی تھوڑی سی فاؤنڈیشن لگائی اور چہرے کی پفنگ کی، لپ اسٹک اٹھائی تو دیر تک خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہی پھر یکدم فیصلہ کن انداز میں لپ اسٹک ڈریسنگ ٹیبل پر لڑھکا دی۔

گرم شال اٹھا کر اپنے گرد لپیٹی اور کمرے سے باہر آگئی۔

آپا بیگم تک پہنچنے کے لئے اسے اپنے کمرے میں سے نکل کر زینہ عبور کرنا تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی نیچے اترنے لگی۔ سیڑھیوں پر دبیز کارپٹ بچھا تھا لہٰذا چاپ تو کیا ابھرتی قدم قدم پر پیروں میں پڑی پازیب کا ساز بکھرنے لگا۔

وسیع و عریض لاؤنج کے چار اطراف میں کھلنے والی بڑی بڑی کھڑکیوں سے چھن چھن کر آنے والی روشنی نے ایک خوابناک سا پراسرار ماحول پھیلا رکھا تھا۔

اس اسرار کو اکثر ابھرنے والے نقرئی قہقہے مٹا رہے تھے۔

اس نے ایک اچٹتی سی نظر فرشی نشست سنبھالے لڑکیوں پر ڈالی اور آپا بیگم کی طرف آگئی۔ آخری زینے سے پندرہ قدموں کے فاصلے پر صوفہ ارینج منٹ تھی۔ وہیں آپا بیگم براجمان تھیں۔

اس وسیع و عریض اور بیش قیمت لاؤنج میں سب سے زیادہ لش لش کرتی ہوئی۔ کبھی کبھی تو ایک دم فینسی لائیٹ لگنے لگی تھی۔

''یہ گیتی آرا ہے۔'' آپا بیگم نے اپنے ساتھ بیٹھی عورت سے اس کا تعارف کروایا تب وہ چونکی اور اسی انداز میں وہاں موجود اس

دوسری عورت کو دیکھا۔وہ ایک اور آپا بیگم تھی۔اتنی ہی ڈھیر ساری تیاری کے ساتھ،اتنی ہی عمر اور اتنا ہی حجم۔

''آداب......'' اس نے فریضہ نباہ کر آپا بیگم کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا اسے اندازہ نہ ہو سکا کہ وہ عورت بہت گہری نظروں سے اس کا جائزہ لے رہی ہے ایسی نظریں جن میں اچنبھا صاف صاف لکھا تھا۔

''ہاں۔ہم پہلے بھی مل چکے ہیں بلکہ تم نے ہی تو مجھے گیتی سے ملوایا تھا یاد ہے گیتی......؟ میں نینا ہوں۔''

اس عورت نے دوستانہ لہجے میں کہا تو وہ چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔یہ چہرہ......ہاں شاید......کبھی ملاقات ہوئی تو تھی۔

لیکن یاد کی چوکھٹ خالی تھی دراصل اسے چہرے یاد نہ رہتے تھے سرسری ملاقاتوں کے تو نقش بھی دھیمے بنتے تھے اسکے ذہن پر......

''ہاں میں نے ملوایا تھا......گیتی!وہ بخت پیرزادہ کا فون آیا تھا کہتا تھا گیتی آرا کو ڈنر پر لے جانا چاہتا ہوں میں نے کہا ضرور لے جاؤ۔گیتی سو کر اٹھتی تو بات کروا دیتی ہوں۔اب تم ذرا اسے فون تو کر لو۔پروگرام سیٹ ہو جائے گا۔''

آپا بیگم کی باتوں میں حکمیہ تاثر تھا وہ سر ہلا کر وہیں سائیڈ ریک میں پڑے فون کی طرف متوجہ ہو گئی۔دو تین بار ٹرائی کیا مگر پیرزادہ صاحب کا نمبر مسلسل بزی ٹون دے رہا تھا اس نے پلٹ کر آپا بیگم کو مطلع کیا۔

''اچھا کچھ دیر بعد کر لینا۔'' اس نے کسی روبوٹ کی طرح اس حکم کی تعمیل کی اور اٹھ کر زینے کے قریب پڑے آبنوسی جھولے پر آ کر بیٹھ گئی پھر لیٹ گئی۔اب پوزیشن یہ تھی کہ پیر زمین پر تھے اور سر......کروٹ پر گاؤ تکیے پر دھرا تھا

فرشی نشست کے قریب جو موسیقی کے آلات دھرے تھے کسی کی مشاق انگلیاں حرکت کرتیں تو دیر تک سر ابھرتے رہتے۔

دھیمی سرگوشیوں میں کی جانے والی گفتگو پر اونچے اونچے قہقہے ابل رہے تھے کسی نے آپا بیگم کے کسی ''نام لیوا'' کا قصہ چھیڑا تو یہ کوٹھی بھی زیر بحث آ گئی جو انہیں اچھے وقتوں میں تحفتاً ملی تھی اور آج کل ان کا خرچہ پانی چلا رہی تھی۔

''بے چاری آپا بیگم۔'' اس نے ترحم سے سوچا۔

''چلو کچھ تو ہے جو انہیں خوشی دینے کا سبب بنتا ہے۔ہمارے پاس تو یہ بھی نہیں۔نہ تو تابندہ ماضی نہ روشن مستقبل۔''

اس کے سر پر لٹکتے فانوس کی روشنیاں ایک جھماکے سے جھلملائیں تو اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

چند لمحے گزرے تو اندر باہر کوئی الاؤ روشن ہو گیا ہو۔

وہ سوچنے لگی بلکہ کڑھنے لگی۔آخر یہ چکر کیا ہے؟

کون سی اذیت ہے میرے اندر جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی۔

جھیلنا تو وہی ہے جو تقدیر بن کر لکیروں میں دوڑ رہا ہے پھر یہ اٹھا پٹخ کیوں؟

جانے کتنی ہی دیر وہ یونہی لب بستہ فانوس کے جھومر گنتی رہی پھر چونکی تب جب آپا بیگم نے کندھا جھنجوڑا۔

’’تم سے بھی تو حد ہے گیتی...... گھنٹہ بھر سے آوازیں دے رہی ہوں مگر مجال ہے جو تمہارے کان پر جوں بھی رینگی ہو۔ کانوں میں روئی ٹھونس رکھی ہے کیا؟‘‘ وہ بری طرح جھنجھلائی ہوئی لگ رہی تھیں۔ گیتی نے خفت سے دیکھا وہاں موجود سب لوگ اپنی اپنی دلچسپیاں ترک کر کے ان دونوں کی جانب متوجہ تھے۔

’’میں نے کہا تھا کچھ دیر بعد فون کر لینا یہ نہیں کہا تھا کہ کرنا ہی مت...... وہ بے چارا تو بے شک انتظار میں سوکھ بھی چکا ہو۔‘‘

وہ آپا بیگم کے عتاب سے بچنے کے لیے جلدی سے اٹھ کر ٹیلی فون اسٹینڈ کی جانب دوڑی۔ انڈیکس کھلی چھوڑ گئی تھی اس لئے اب کی بار نمبر تلاش نہیں کرنا پڑا۔

’’مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا کہ یہ گیتی آرا ہے۔‘‘ ریسیور کان سے لگائے کال ریسیو ہونے کا انتظار کرتے ہوئے اس نے نینا کی آواز سنی تھی۔

’’یہ وہ والی گیتی تو نہیں لگتی جس سے تم نے ملوایا تھا بہت مختلف لگتی ہے اُس والی سے۔ بھئی مان گئے گلشن آرا تمہیں، نقشہ ہی بدل ڈالا ہے۔‘‘ اس کے لہجے میں بے حد ستائش تھی۔

’’ہم نے کسی کو کیا بدلنا ہے نینا!‘‘ آپا بیگم نے گہری سانس بھر کر کہا۔

’’تبدیلی وہیں آتی ہے جہاں گنجائش ہوتی ہے اور اس لڑکی میں گنجائش تھی مجھے ایک ہی نظر میں اندازہ ہو گیا تھا۔‘‘

’’لیکن پہلے تو تم کہتی تھیں کہ بہت تنگ کرتی ہے۔‘‘

’’اتنا تو ہر نئی آنے والی تنگ کرتی ہے مگر یہ سنبھل بھی جلد ہی گئی تھی میں نے کہا نا۔ اس میں گنجائش تھی۔‘‘

’’بات یہ ہے گلشن کہ عزت کا چسکہ ہوتا ہی برا ہے ہم جیسوں کو لگ جائے تو اور بھی برا......‘‘ نینا کی ہنسی میں زہر شامل تھا۔

ایسا ہی زہر اس کی رگوں میں پھیل گیا۔ فون ریسیو کیا جا چکا تھا دوسری طرف سے بڑی واضح ’’ہیلو، ہیلو‘‘ سنائی دینے لگی مگر وہ جواب دینے سے قاصر تھی کیونکہ اس کے دماغ پر تو ایک ہی جملہ ہتھوڑے برسا رہا تھا۔

’’تبدیلی وہیں سے آتی ہے جہاں گنجائش ہوتی ہے اور اس لڑکی میں گنجائش تھی۔‘‘ اس نے سلگتی ہوئی نگاہ آپا بیگم پر ڈالی۔ اس کے وجود کو کوئی دہکتے کوئلوں سے داغ رہا تھا اور چیخیں اس کے لبوں پر آ کر دم توڑنے لگی تھیں۔

☆......☆......☆

’’ہاں بھئی یہ جو نیا ڈرامہ شروع کیا ہے ذرا اس پر تو روشنی ڈالو۔‘‘ آپا بیگم نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے گویا اس پر دھاوا بول دیا تھا اور ظاہر ہے کہ اس کے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا تب ہی بالکل خاموشی سے گود میں رکھے ہاتھوں پر نظریں جما کر بیٹھی رہی۔ آپا بیگم نے چند لمحے اس کے جواب کا انتظار کیا اور انہی چند لمحوں میں کڑی نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔ روکھے بال، بے رونق چہرہ،

کچھ کچھ رنگت میں گھلی زردی...... بظاہر جو تبدیلی رونما ہوئی تھی وہ اتنی اہم نہ تھی اصل چیز وہ تھی جو اس کے ذہن میں کلبلا رہی تھی اور آپا بیگم کو اسی ایک چیز کا سراغ لگانا تھا۔

''گیتی......!'' انہوں نے سابقہ انداز میں اسے مخاطب کیا۔

''مجھے تمہاری خاموشی سے کوئی مطلب نہیں ہے جو پوچھا ہے اس کا جواب چاہیے۔ تمہیں پتا ہے میں اتنی فارغ نہیں ہوں کہ گھنٹوں تک بیٹھ کر تم سے سوال و جواب کرتی رہوں اور نہ ہی اتنی برداشت ہے مجھ میں کہ تم مسلسل تماشے کیے جاؤ اور میں خاموشی سے سہہ جاؤں۔ اس لیے بہتر ہوگا کہ مجھے یہاں وہاں الجھانے کی بجائے سیدھے سبھاؤ اصل وجہ بتا دو اپنے اس غیر معمولی رویے کی؟''

گیتی کچھ کہنے کی کوشش میں اپنے لب کچلنے لگی۔ وہ آپا بیگم کی نفی کر دینا چاہتی تھی مگر جانتی تھی اس جیسی زیرک نگاہ اور شاطر عورت سے جھوٹ بولنا آسان نہیں ہے وہ بھی اس صورت میں جبکہ وہ ایک مرتبہ اس سے اچھی خاصی بدتمیزی کر چکی تھی اور اس پر مستزاد بخت پیرزادہ کے ساتھ جانے سے بھی انکار کر دیا تھا۔

اصل میں تو اس دوسری وجہ کی بدولت ہی اس سے جواب طلبی کی جا رہی تھی۔

''گیتی......!'' آپا بیگم کی آواز میں تحکم تھا۔

''میرا رویہ آپ کو غیر معمولی کیوں لگ رہا ہے آپا بیگم...... ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' اس نے تھوک نگل کر حلق تر کیا۔

''آپا بیگم کو سمجھنے میں تم نے غلطی کی ہے گیتی...... جو عورت اڑتی چڑیا کے پر گن سکتی ہو وہ کیا تمہارا جھوٹ نہیں پکڑ سکتی؟'' آپا بیگم نے جھنجھلا کر کہا۔

''مجھے صرف اتنا ہی بتا دو کہ بخت پیرزادہ کے ساتھ کیوں انکار کیا ہے۔ ہاتھ آئی لکشمی اپنے ہاتھوں سے گنگا میں بہا دینے والے کی عقل پر افسوس نہ کیا جائے تو اور کیا کیا جائے۔''

''میں تھک گئی ہوں آپا بیگم! تھوڑا آرام کرنا چاہتی ہوں۔'' بے ساختہ کہتے ہوئے اس نے اپنا سر ہاتھوں میں گرا لیا۔

''ایسی کون سی کڑی مشقت کر لی بی بی! کہ آرام کرنے کے خواب دیکھنے لگیں۔'' بڑی گہری کاٹ تھی لہجے میں۔

''یہ جو زندگی ہے نا...... اس کی مثال سمندر کی طرح ہے۔ ہم انسانوں کو خود زندہ رکھنے کے لئے خود کو ڈوبنے سے بچانے کے لیے ہاتھ پیر مارنا ہی پڑتے ہیں۔ جو تھک گیا وہ ڈوب گیا۔ کیوں خود کو غرق کرنے کی تیاری کر رہی ہو گیتی......!'' اب کے لہجہ ذرا نرم تھا شاید اس کی کوئی پچھلی اچھائی یاد آ گئی تھی۔

''میں تھکی ضرور ہوں مگر بالکل ہاتھ پیر چھوڑ کر نہیں بیٹھ گئی۔ مجھے صرف چند دنوں کی رہائی چاہیے آپا بیگم! کچھ سکون کے سانس لینا چاہتی ہوں کھلی فضا میں......'' اس نے التجا کی۔

''ہاں تو ٹھیک ہے یہ بخت پیرزادہ تمہیں بھوربھن لے جانا چاہ رہا ہے۔فضا بدلے گی تم بھی فریش ہو جاؤ گی۔'' آپا بیگم نے فوراً حل ڈھونڈ نکالا۔

گیتی نے بے ساختہ سر اٹھا کر اس بے حس عورت کو دیکھا۔

''اور بھوربن کی اس بدلی ہوئی فضا میں مجھے کیا کرنا ہوگا......؟اس بڈھے کا دل بہلانا ہوگا۔کہاں کا سکون کہاں کا اطمینان۔''

آپا بیگم کو اس کا انداز سخت ناگوار لگا۔

''یہی بڈھا تمہاری قسمت بدل سکتا ہے عقل کی اندھی......حکومت کا بندہ ہے اس کے ذریعے کیا کیا کام نکلوائے جا سکتے ہیں تمہیں اندازہ بھی نہیں۔''

''مجھے اندازے لگانے کا شوق بھی نہیں ہے جو بندہ مجھے اس جہنم سے نہیں نکال سکتا اس کی ''پاور'' کا اندازہ لگا کر میں کروں گی بھی کیا۔'' اس نے کڑھ کر سوچا اور آپا بیگم کے سامنے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیے۔

''مجھے بخشیں آپا بیگم! میری ذہنی حالت اس وقت اس سطح پر ہے کہ اگر مجھ سے کوئی کام کروایا گیا تو کچھ الٹا سیدھا کر بیٹھوں گی۔ مجھے اپنا وجود ہی متعفن لگنے لگا ہے کراہیت ہوتی ہے مجھے اس کام سے......''

وہ باقاعدہ سسک اٹھی۔آپا بیگم کو پتے اپنے ہاتھ سے نکلتے محسوس ہو رہے تھے۔کوئی اور ہوتا تو شاید وہ گیتی کی بات مان بھی لیتیں لیکن بخت پیرزادہ کو انکار کرنا کسی مصیبت کو مول لینا تھا۔

بدبخت اس بڈھے کا دل بھی تو صرف گیتی پر آیا تھا۔ہمایوں سلیمان کے شناسا میں سے تھا۔اسی کے کسی فنکشن میں گیتی کو دیکھا اور فدا ہو گیا۔

ایسے میں گیتی کی بے جا ضد انہیں تاؤ دلا رہی تھی۔ہو تو یہ بھی سکتا تھا کہ اس سے زبردستی کام نکلوایا جاتا مگر ہر کام کا کوئی نہ کوئی سلیقہ ہوتا ہے۔انہوں نے گیتی کے ہاتھ تھام کر اس کے قریب نشست سنبھال لی۔

''اچھا بس یہ آخری کام۔اس کے بعد تمہیں لمبی چھٹی ملے گی کم سے کم تین مہینے کی۔تین مہینے کم نہیں ہوتے۔نوے دن تو ہوتے ہی ہیں اور پھر......''

''آپ سچ کہہ رہی ہیں۔'' وہ جو آپا بیگم کے یوں اچانک راضی ہو جانے پر بے یقینی سے ان کا چہرہ دیکھ رہی تھی بات قطع کرتے ہوئے بولی۔

''سچ نہ بولنے کی کوئی وجہ؟'' آپا بیگم نے الٹا اسی سے پوچھا۔

''بس تم یہ کام اچھے طریقے سے سنبھال لو۔اس کے بعد تمہارے عیش ہی عیش۔''

''لیکن......'' وہ ابھی بھی بے یقین تھی۔

”آپ بعد میں مکر تو نہیں جائیں گی۔“اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

”یہ گلشن آرا کی زبان ہے میری جان! دنیا ادھر سے ادھر ہو سکتی ہے مگر گلشن آرام اپنی زبان سے نہیں پھر سکتی۔“ آپا بیگم نے ایک متکبرانہ تبسم اس کی نذر کیا۔

”بہت کم لوگ ایسے ہیں دنیا میں جو”کام“ کے ہیں یہ بخت پیرزادہ بھی انہی چند لوگوں میں سے ہے۔ یوں سمجھو پراجیکٹ ہے یہ تمہارا۔ مٹھی میں آ گیا تو وارے نیارے ہو جائیں گے ہمارے، تمہارے۔

لیکن ایک بات ہے گیتی! مت بھول جانا کہ یہ تین ماہ والی چھوٹ میں صرف تمہیں دے رہی ہوں وہ بھی صرف اس لیے۔ کیوں کہ کچھ خاص رشتہ ہے تم سے۔ دل سے قریب محسوس ہوتی ہو ورنہ تم جانتی ہو اتنے نخرے میں کسی کے برداشت نہیں کرتی۔“

آپا بیگم نے نخوت سے کہا۔

”اور ہاں۔ آج تو پھر بھی میں نے تمہارا یہ الٹا سیدھا حلیہ برداشت کر لیا مگر آئندہ میں ایسی لاپرواہی نہ دیکھوں۔ گلشن نگر کا کوئی معیار ہے۔ سمجھیں؟“

آپا بیگم نے کہا اس نے دھیان نہ دیا۔ قفس سے وقتی ہی سہی مگر رہائی کی نوید، جنت کی بشارت سے کم نہ تھی۔ اس کے سارے وجود میں توانائی از سر نو دوڑ گئی تھی۔

❁ ❁

ناول **بساط دل** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات آپ آنے والی ان تاریخوں (15th, 20th, 25th) میں پڑھ سکیں گے۔

سوہنی ڈائجسٹ کے قارئین کے لیے......لکھا گیا فرحین اظفر کا خوبصورت ناول

ردائے وفا

اس ناول کی اقساط ایک ماہ میں دوبار (15 دن بعد) سوہنی ڈائجسٹ پر پیش کی جائیں گی۔

SohniDigest.com

حدید نے ساڑھے پانچ تک کا وقت دیا تھا مگر اس کی واپسی سوا آٹھ بجے ہوئی تھی اس وقت تک حنان ٹی وی دیکھ کر ٹائم پاس کرتے کرتے بھی اکتا چکا تھا۔

''ماشاءاللہ کیا پنکچوئلٹی ہے۔ ذرا اپنی ریسٹ واچ پر نظر ڈالیے محترم! آپ کے ساڑھے پانچ بہت دیر میں بجے ہیں۔''

اس کے مسلسل شرمندہ کرنے والے جملوں کے جواب میں حدید مسکراتا رہا تھا۔

''ویسے اس انسانوں والے حلیے میں خاصے اچھے لگ رہے ہیں۔'' جب حنان مسلسل طعنے دے چکا تو حدید نے شرارت سے کہا۔ ''کل جب میں نے تمہیں دیکھا تو تم ایک عجیب وغریب چیز لگ رہے تھے تم خود آگے بڑھ کر میرے گلے نہیں لگے ہوتے تو شاید میں پہچانتا بھی نہیں۔''

اب ہنسنے کی باری حنان کی تھی، وہ اس کے کمنٹس بہت انجوائے کر رہا تھا۔

''تم ہیر کٹ کے لیے گئے تھے لیکن تمہاری پونی ویسے کی ویسی ہے۔ شارٹ کیوں نہیں کروائے بال؟'' وہ گاڑی مین روڈ پر لے آیا تھا۔

''کیوں۔ اچھے نہیں لگ رہے۔'' حنان نے اس سے پوچھتے ہوئے بیک مرر میں خود کو دیکھا۔

''اگر کل کے مقابلے میں دیکھا جائے تب تو بہت اچھے لگ رہے ہیں۔''

حدید کا انداز اب بھی شرارتی تھا لیکن وہ سچ کہہ رہا تھا بلیک ہائی نیک میں حنان آج بہت اسمارٹ لگ رہا تھا۔ اس نے اپنے بال کھلے چھوڑ رکھے تھے جو اس کے کندھوں سے کچھ اوپر تھے اور ایک ہیر بینڈ بائیں کلائی میں پہن رکھا تھا۔

''پہلے مارکیٹ چلتے ہیں۔ کل وریشہ کا برتھ ڈے ہے اور مجھے اس کے لئے کوئی گفٹ لینا ہے۔''

''وریشہ کے لیے۔'' حنان کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔

''ہاں وریشہ کے لیے۔'' حدید اس کی حیرانی سے محظوظ ہوا۔

''لیکن تم اتنا حیران کیوں ہو رہے ہو کیا میں وریشہ کے لیے گفٹ نہیں لے سکتا؟''

''گفٹ کیوں نہیں لے سکتے۔ بالکل لے سکتے ہو مگر کہاں تم جیسا اٹھارویں صدی کا شرمیلا ہیرو اور کہاں یہ پیار محبت کی باتیں۔''

حنان نے اس پر طنز کیا تھا وہ برا منائے بغیر مسکراتا رہا۔

''شرمیلا تو خیر میں بالکل نہیں ہوں البتہ میری کچھ لمٹس (حدود) ہیں جنہیں کراس کرنا میں مناسب نہیں سمجھتا۔''

''اوہ گاڈ...... تمہارا یہ بورنگ فلسفہ......'' حنان نے بیزاری سے کہا۔ ''چھوڑو یہ بوگس باتیں...... تم سے مجھے کسی لمبے چوڑے

افیئر کی توقع تو ہے نہیں یہ بتاؤ دعوت ولیمہ کب کھلا رہے ہو۔"

اپنی طرف سے اس نے ابھی بھی طنز کیا تھا۔

"ان شاءاللہ......جلد ہی......" حدید کا جواب اسے ہکا بکا کر گیا۔

"اس منتھ کے لاسٹ ویک میں تو میری اور وریشہ کی باقاعدہ منگنی ہو رہی ہے۔"

"واقعی؟" حنان کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

"خیر بہت اچھی خبر ہے۔ مبارک ہو بورنگ لو اسٹوری ہی سہی مگر کسی کی لو اسٹوری تو انجام کو پہنچی۔"

حدید نے ہنستے ہوئے گاڑی تیسرے گیئر میں ڈال دی تھی۔

☆......☆......☆

"تمہارا گھر بہت پیارا ہے تم نے ڈیکوریٹ بھی بہت اچھا کیا ہے۔ لیکن مجھے یہاں گریزی کی بہت کمی محسوس ہوتی ہے اس لیے میں یہ تھوڑے سے ان ڈور پلانٹس لائی ہوں۔"

اس کی سوالیہ نظروں کے جواب میں شمسہ نے کہا ساتھ ہی دروازہ کھولتے ہوئے ڈرائیور کو ہدایات دینے لگیں۔

"جلدی سے گملے لا کر یہیں لابی میں رکھ دو خورشید! پھر دیکھتے ہیں انہیں کہاں سیٹ کرنا ہے اور سنو بہت احتیاط سے گملے لے کر آنا۔ اتنے خوبصورت اور نفیس گملے ہیں ذرا سی خراش بھی آ گئی تو ساری خوب صورتی ماند پڑ جائیگی۔"

شاہنواز نے گہری سانس بھرتے ہوئے بڑی بے بسی سے پہلے لابی کے فرش پر رکھے گملے کو دیکھا پھر شمسہ کو دیکھا۔ اس کے منع کرنے کے باوجود وہ اس بار بھی اس کے گھر کی آرائش کے لیے اچھا خاصا خرچہ کر آئی تھیں۔

"اور یہ کیا ہے؟" اس نے لنچ بکس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا جو شمسہ نے آتے ہی اسے پکڑا دیا تھا۔

"ولی بابا نے آج اسپیشلی تمہارے لیے چکن چاؤمن بنایا تھا لیکن پھر بھی یاد آیا کہ اب تو تم ہمارے یہاں ہوتے ہی نہیں۔ تو میں سارا کا سارا تمہارے لیے پیک کروا لائی ہوں۔"

شاہنواز ایک دفعہ پھر گہری سانس بھر کر رہ گیا تھا۔ ولی بابا نے غلطی سے اس کی پسند کی ڈش تیار نہیں کی ہوگی بلکہ شمسہ خالہ نے ان سے یہ ڈش تیار کروائی ہوگی۔ وہ جب سے الگ گھر میں شفٹ ہوا تھا شمسہ کا یہی معمول تھا ڈنر تو تقریباً روز ہی وہی لاتی تھیں جس دن کسی وجہ سے نہ آسکتیں تو ملازم کے ہاتھ بھجوا دیتیں اور کہتی یہ تھیں کہ یہ ڈش بنی ہوئی تھی مجھے یاد آیا تمہیں پسند ہے تو لے آئی۔

وہ شمسہ کو مصروف چھوڑ کر اندر آ گیا۔ جہانگیر لاشاری پہلے ہی اندر آ چکے تھے اور اس وقت نظر کا چشمہ لگائے فلور کشن پر آرام دہ انداز میں بیٹھے نیوز بلیٹن سن رہے تھے۔ کیمل کلر کے شلوار سوٹ میں بہت اسمارٹ لگ رہے تھے۔

''آپ خالہ جان کو منع کیوں نہیں کرتے۔''

جہانگیر لاشاری نے نا سمجھی سے انداز سے اسے دیکھا تو وہ بولا۔

''خالہ آپ کے گھر کا بجٹ، میرا گھر سجا سجا کر اور مجھے اچھے اچھے کھانے کھلا کھلا کر خراب کر رہی ہیں۔'' شکایتی انداز میں کہتا وہ کچن میں آ گیا تھا۔

''یہ تمہارا اور تمہاری خالہ کا آپس کا معاملہ ہے۔ میں اس میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' اس نے جہانگیر لاشاری کی متبسم آواز سنی تھی۔

شاہنواز نے ملازم کو باہر بھیج دیا اور خود ہی لنچ بکس کھول کر نوڈلز نکالنے لگا۔

''بالکل ٹھیک۔'' اس نے شمسہ کی آواز سنی۔ ''اور تم بلاوجہ مت ہانکو کوئی بجٹ وجٹ خراب نہیں ہوتا۔'' وہ وہاں لابی میں کھڑی اپنی نگرانی میں گملے رکھواتی اسے ڈپٹ رہی تھیں۔

شاہنواز نے گردن موڑ کر ایک نظر انہیں دیکھا پھر خاموشی سے اپنا کام کرنے لگا۔ اس نے تین پلیٹیں تیار کیں تینوں کو ٹرے میں رکھا گارلک سوس کی بوتل اور گلاس بھی رکھا اور ٹرے لے کر باہر آ گیا۔

''آخر میں کب تک آپ ہی کے گھر کا کھاتا رہوں گا۔'' ٹرے اس نے تپائی پر رکھی اور تپائی اٹھا کر جہانگیر لاشاری کے سامنے رکھ دی اور خود بھی کشن گھسیٹ کر دوسری طرف بیٹھ گیا۔

''کیا غیروں جیسی بات کر رہے ہو شاہنواز۔'' جہانگیر لاشاری نے ٹی وی کی آواز کم کرتے ہوئے کہا۔

''اس میں غیریت کی کوئی بات نہیں۔ جب آپ کے گھر میں تھا تو وہیں کا کھاتا تھا لیکن اپنے گھر میں ہوں تو مجھے یہ بات کچھ مناسب نہیں لگتی کہ ہر روز آپ کے گھر سے کھانا آئے۔''

اس نے ایک پلیٹ جہانگیر لاشاری کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

''بہت خوب...... تمہاری ماں پکا پکا کر بھیجتی تب بھی یہی کہتے؟''

شمسہ نے کمر پر ہاتھ رکھ کر کڑے تیوروں سے اسے گھورا اور وہ جو نوالہ منہ میں رکھ رہا تھا ان کے اس انداز پر بے ساختہ ہنس دیا۔

''وہ دوسری بات ہے خالہ۔'' اس نے رسان سے کہا۔

''تو مجھے پہیلی بنا دو۔'' شمسہ نے اس سے بھی زیادہ رسان کا مظاہرہ کیا۔ شاہنواز نے کہنی تپائی اور مٹھی لبوں پر رکھی۔

''آپ میری بات نہیں سمجھ رہیں۔'' اس کے انداز میں مبہم سی بے بسی تھی۔

''تم سمجھا دو...... میں سمجھ جاؤں گی۔'' وہ سابقہ انداز میں بولیں۔

''تمہیں پتا ہے شاہنواز! تمہارا مسئلہ کیا ہے؟'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد شمسہ نے کہا وہ ہاتھ دھو کر وہیں تپائی کے گرد آ بیٹھی تھیں۔

''تم نے آج تک ہم لوگوں کو اپنا تسلیم کیا ہی نہیں۔ گورنمنٹ ہاسٹلز میں لوگ جیسے رہتے ہیں ان کے ساتھ ساتھ تو رہے ایک دوسرے کے غم، خوشی میں بھی تھوڑا بہت ساتھ دیا لیکن جب الگ ہونے کا وقت آیا تو چپکے سے الگ ہوگئے۔ بالکل ایسے ہی تم ہمارے ساتھ رہتے رہے......''

''ایسی بات نہیں ہے خالہ!'' اس نے جلدی سے ان کی بات روکی۔

''ایسی ہی بات ہے۔'' وہ بہت پر یقین تھیں۔

''اگر ایسی بات ہوتی تو تم یوں وہ گھر نہیں چھوڑتے۔''

''یونہی نہیں چھوڑا بہت بے عزت ہو کر چھوڑا ہے۔'' اس نے کڑھ کر سوچا لیکن یہ بات وہ ان لوگوں کو سمجھا نہیں سکتا تھا۔

''یہ موضوع چھوڑ دیں خالہ! کبھی نہ کبھی تو مجھے اپنا گھر بنانا ہی تھا اب اس کے پیچھے کوئی بھی وجہ رہی ہو لیکن اہم چیز یہ ہے کہ گھر بن تو گیا۔'' اس نے طریقے سے بات سمیٹی۔

''گھر؟...... یہ گھر ہے؟'' شمسہ نے کہا۔

''ایک اکیلا انسان گھر نہیں بنا سکتا شاہنواز! گھر فیملی بناتی ہے۔ میری بات مانو تو شادی کرلو۔ تمہاری بیوی آئے گی تو خود بخود اس بیابان میں زندگی کے آثار نمایاں ہوں گے۔ مجھے تو یہاں آ کر بہت عجیب سی فیلنگ ہوتی ہے تم پتا نہیں کیسے رہ رہے ہو۔''

''یہ بڑا اچھا آئیڈیا ہے۔'' جہانگیر لاشاری نے بے ساختہ شمسہ کو سراہا پھر شاہنواز سے مخاطب ہوئے۔

''کیوں برخوردار! کوئی لڑکی ہے نظر میں۔'' ان کا انداز شریر تھا شاہنواز مسکرانے لگا۔

''میری نظر میں کوئی لڑکی نہیں ہے انفیکٹ میں نے کبھی اپنی شادی کے متعلق نہیں سوچا۔''

''کیوں نہیں سوچا؟ سوچنا چاہیے تھا۔'' جہانگیر لاشاری نے سابقہ انداز میں کہا۔ ''اس عمر میں تو ہر لڑکے کی زندگی میں کوئی نہ کوئی لڑکی ضرور ہوتی ہے۔ انفیکٹ جب میں تمہاری عمر کا تھا تو تین تو میری ہی نظر میں تھیں۔''

''اتنی پرانی بات کیوں بتا رہے ہیں یہ بتائیں اب کتنی ہیں'' شمسہ نے فوراً حساب برابر کیا تھا جواباً دونوں مرد حضرات کا زوردار قہقہہ گونجا۔

''سیریسلی شاہنواز! ہے کوئی لڑکی تو بتاؤ۔ ہم بات چلاتے ہیں ویسے بھی یہی پرفیکٹ عمر ہے شادی کی۔ اب نہیں کرو گے تو کب کرو گے۔''

شمسہ کچن سے پانی لینے گئی تھیں جب جہانگیر لاشاری نے اس سے کہا۔

''میں نے بتایا نا سر! میں نے کبھی اس بارے میں سوچا ہی نہیں۔''

"بڑی عجیب سی بات ہے کہ تم نے شادی کے متعلق نہیں سوچا حالانکہ آج کل تو لڑکے قد بعد میں نکالتے ہیں اور شادی کے متعلق پہلے سوچنا شروع کر دیتے ہیں۔" وہ دونوں ہنسنے لگے۔

"کس بات پر ہنسا جا رہا ہے؟" شمسہ پانی لے آئی تھیں۔

"نتھنگ اسپیشل......" جہانگیر نے کہا۔

"میں سوچ رہا تھا شاہنواز کی تو کسی لڑکی سے دوستی بھی نہیں ہے ورنہ ہم اسی سے اس کی پسند ناپسند کا اندازہ لگا لیتے......"

"اس کی ضرورت نہیں ہے سر!" شاہنواز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرے اگلے تین چار سال کی پلاننگ میں شادی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ سب سے پہلے تو مجھے اماں کو اس گھر میں لانا ہے وہ آئیں گی تو خود ہی اس بیابان کو گھر بنا دیں گی۔"

"ویری گڈ......" شمسہ نے پرجوش ہو کر کہا وہ اس بات پر حیران تھیں کہ یہ خیال اس کے ذہن میں آیا کیسے؟

"آپا کو لانے کا سوچ رہے ہو...... بہت خوب...... کب جا رہے ہو انہیں لینے؟" ان کی ایکسائٹمنٹ شاہنواز کو شرمندہ کر گئی۔

"اتنی جلدی کیسے جا سکتا ہوں ابھی تو ارادہ کیا ہے...... ابھی تو کتنی ساری کٹھنائیاں عبور کرنا پڑیں گی تب کہیں جا کر منزل تک پہنچوں گا۔"

شمسہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور تھپکتے ہوئے بولیں۔

"ارادہ کر لیا ہے نا تو منزل تک بھی ضرور پہنچو گے ان شاء اللہ۔" پھر جہانگیر لاشاری سے مخاطب ہوئیں۔

"آپ نے شاہنواز کو اسوہ کے بارے میں بتایا؟"

"اسوہ کے بارے میں کیا؟" پھر انہیں اچانک یاد آیا۔

"ہاں ہاں...... میرے تو ذہن سے ہی نکل گیا تھا۔ موحد علی کو تو تم جانتے ہی ہو حدید کا چھوٹا بھائی۔ علی حسن کا بیٹا......؟"

"جانتا ہوں مگر بہت اچھی طرح نہیں۔" شاہنواز نے کہا۔

"کیونکہ میری زیادہ دوستی حدید سے ہی رہی ہے۔ ویسے بھی موحد پچھلے پانچ چھ سال سے لندن میں تھا اپنی پڑھائی کے سلسلے میں......"

"وہ پچھلے مہینے ہی پاکستان آیا ہے۔" جہانگیر لاشاری نے کہا۔

"اور علی حسن نے اس کا پرپوزل دیا ہے ہماری اسوہ کے لئے۔ بظاہر کوئی خامی نہیں۔ مجھے اور تمہاری خالہ کو تو رشتہ پسند ہے۔ لڑکا بھی اچھا ہے اور فیملی بھی۔ تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟"

''فیملی تو خیر اچھی ہے لڑکا بھی اچھا ہے۔ میری ملاقات ہوئی ہے اس سے کچھ روز پہلے، میرا خیال ہے پرپوزل اوکے کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن......'' وہ پل بھر کو جھجکا۔

''لیکن آپ لوگ ایک بار اسوہ کی مرضی معلوم کرلیں۔ جب زندگی اسے گزارنا ہے تو پسند ناپسند بھی اسی کی ہونا چاہیے۔''

''اس کی تم فکر مت کرو۔ تمہاری خالہ اس سے پوچھ چکی ہیں اور اس نے فیصلے کی ذمہ داری ہمیں سونپی ہے۔''

شاہنواز نے بے ساختہ سکون کی سانس لی کیونکہ اسوہ کی طرف سے وہ ابھی تک فکر مند تھا اسے حارث کی ساری حقیقت سے آگاہ کر دینے کے باوجود اسے لگتا تھا کہ اسوہ اب تک اس کے دام سے نہیں نکل سکی۔

''جب آپ دونوں مطمئن ہیں تو میرے کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''ٹھیک ہے پھر کوئی اسی مہینے کی اچھی سی تاریخ دیکھ کر منگنی کر دیتے ہیں اور شادی اسوہ کی پڑھائی مکمل ہونے کے بعد......کیا خیال ہے؟'' جہانگیر لاشاری نے سوال دونوں سے کیا تھا لیکن دیکھا شمسہ کی طرف تھا۔

''ہاں ٹھیک ہے۔ ظاہر ہے شادی کی تیاری کے لئے بھی کچھ وقت چاہیے ہوتا ہے۔'' شمسہ نے پر سوچ انداز میں کہا پھر شاہنواز سے مخاطب ہوئیں۔

''تم آفس کب جوائن کر رہے ہو؟''

''آفس؟'' شاہنواز نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔

''ہاں......ہمارا آفس۔''

''آپ کو سر نے نہیں بتایا۔'' اس نے تائید طلب نظروں سے جہانگیر لاشاری کو دیکھا۔ ''مجھے ایک کمپنی کی مین برانچ میں سینئر منیجر کی جاب مل گئی ہے۔ آج کل میں وہیں ہوتا ہوں۔''

''میں جانتی ہوں۔'' شمسہ نے کہا۔

''لیکن میں چاہتی ہوں تم جہانگیر لاشاری کا ساتھ بھی نہیں چھوڑو۔ گو کہ یہ بہت بڑی خود غرضی ہے۔ تم بہت پریشرائز ہو جاؤ گے۔ لیکن پھر بھی......پلیز شاہنواز!......پچھلے ایک مہینے میں جہانگیر کام کے پیچھے پاگل ہو گئے ہیں۔ نہ آرام کرنے کا وقت ملتا ہے نہ اپنی صحت کا خیال رکھتے ہیں۔ پلیز شاہنواز! اسے میری ریکویسٹ سمجھ لو حنان سے تو خیر کوئی توقع کرنا ہی فضول ہے......'' ان کا انداز ایسا تھا شاہنواز مجبور سا ہو گیا۔

''میری جاب بھی نئی نئی ہے......بہت کوشش بھی کروں تو دو دن ہفتے میں نکال سکتا ہوں......'' اس نے چہرے پر دونوں ہتھیلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔ ''آئی ایم سوری سر! اتنی جلدی تو بس......''

’’دو دن بھی بہت ہیں یار!‘‘ جہانگیر لاشاری نے پرجوش طریقے سے اس کا ہاتھ دبایا۔’’آئی ایم ویری تھینک فل......تمہارے ساتھ کام کرنے کی اتنی عادت ہوگئی ہے کہ اب میں خود کو لاچار محسوس کرتا ہوں ایسا لگتا ہے میرا دایاں ہاتھ ہی کٹ گیا ہے......‘‘

’’کیوں شرمندہ کررہے ہیں سر!‘‘ شاہنواز نے جھینپ کر کہا۔

’’میں کیوں شرمندہ کرنے لگا۔تم میری فیلنگز نہیں سمجھ سکتے یہ سن کر کہ تم پھر سے آفس آیا کرو گے میں اتنی ریلیکسیشن فیل کررہا ہوں کہ......‘‘ وہ ہنستے ہوئے کہہ رہے تھے۔

’’اور مجھ سے زیادہ تو تمہارا اسٹاف خوش ہوگا ہر روز کوئی نہ کوئی کسی بہانے سے پوچھنے آجاتا ہے کہ شاہنواز سر کب آئیں گے......کل ہی بھٹی صاحب کہہ رہے تھے۔اگر چند روز کے اندر شاہنواز واپس نہیں آیا تو فنانس ڈیپارٹمنٹ کی کارکردگی بالکل زیرو ہوجائے گی۔‘‘

’’تھینک یو شاہنواز۔‘‘ شمسہ بے حد مشکور ہورہی تھیں۔شاہنواز نے مسکراتے ہوئے ان کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔

’’بہت خوب......حنان یہ سب کرتا تب بھی آپ یہی کہتیں؟‘‘ اس نے جملہ لوٹایا۔

’’حنان نے جو کیا اسی کا قرض تو اتار رہی ہوں۔‘‘ مسکراتے لبوں کے ساتھ انہوں نے دکھی دل سے سوچا۔

’’میں اپنے اور سر کے لئے کافی بنا رہا ہوں۔آپ کیا لیں گی خالہ!‘‘

شاہنواز پوچھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

☆......☆......☆

وہ کسی گہری سوچ میں تھی۔

یعنی حشر ساماں وجود حاضر، دماغ غائب۔

سوچ، جو ماضی کے کسی تاریک کنویں میں بھٹک رہی تھی ہلچل کا شکار تب ہوئی جب اسے اپنے ہاتھ پر ڈھیروں سوئیاں حرکت کرتی محسوس ہوئیں۔

یہ کسی کن کھجورے کا لمس تھا جو اپنے ڈھیروں نوکیلے پیروں کے ساتھ اس کے برہنہ بازو کی طرف بڑھ رہا تھا۔

انتہائی چونک کر اس نے بالکل لاشعوری طور پر دائیں جانب دیکھا۔

’’کیا سوچ رہی ہیں؟‘‘

’’بخت پیرزادہ نے بھرپور تبسم اس کی جانب اچھال کر دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ پر ٹکا دیے۔

گیتی آرا نے بے ساختہ اپنے ہاتھ کی جانب دیکھا ابھی چند لمحے پہلے اسی شخص کا ہاتھ اس کے ہاتھ پر تھا۔

’’کیا ہوا؟......آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟‘‘ بخت پیرزادہ نے اب کے قدرے پرتشویش نظر اس کے چہرے پر ڈالی تھی۔وہ

ایک ایسا سجا سنورا بے حد خوبصورت مجسمہ دکھائی دے رہی تھی جس کے چہرے پر کسی نے زرد رنگ پھیر دیا ہو۔

''یس......آف کورس۔'' وہ اپنے ماتھے پر چمکتے پسینے کو غیر محسوس انداز میں پونچھتے ہوئے بدقت مسکرائی۔

''نہیں مجھے آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ یوں کرتے ہیں پہلے ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں پھر میں آپ کو گلشن نگر ڈراپ کر دوں گا۔'' اس نے تائید لینے والے انداز میں اسے دیکھا تب وہ پل بھر کو گڑبڑا گئی گو کہ خود بھی وہ یہی چاہتی تھی مگر اتنی جلدی واپس جا کر جو آپا بیگم کے ایک سو ایک سوالوں کا جواب دینا پڑنا تھا وہ بہت بڑی مصیبت تھی۔ پھر ان کی نصیحتیں بھی یاد آ گئی تھیں اور وہ آزادی کا احساس۔

''آہ......'' اس نے بے ساختہ گہری سانس لی جیسے سچ مچ کھلے آسمان تلے کھڑی ہو اور قید سے رہائی پا چکی ہو۔

''شاپنگ نہ کروانے کا اچھا بہانہ ڈھونڈا ہے آپ نے۔'' آپا بیگم کے پڑھائے ہوئے سارے اسباق ذہن میں تازہ ہوئے تو آپوں آپ ایک دلکش مسکراہٹ لبوں پر آن رکی۔

''ارے خوب......'' وہ گویا محظوظ ہوا۔

''میں تو آپ کے خیال سے کہہ رہا تھا ورنہ کون بدبخت آپ کی ہم سفری سے اتنی جلدی محروم ہونا چاہتا ہے۔ یہ شاپنگ اور ڈنر تو محض ایک بہانہ ہے صاحب! اصل مقصد تو آپ کی خوبصورت سنگت میں کچھ وقت بتانا ہے۔''

گیتی آرا نے سرسری سی نظر اس شخص پر ڈالی جسے الفاظ کے استعمال کا سلیقہ تو تھا مگر اس کے الفاظ جادو سے یکسر خالی تھے۔ وہ پچاس سے بچپن کی عمر کا رہا ہوگا۔ لباس اچھا تھا مگر اس پر جچتا نہ تھا۔ سفید پڑتے بالوں کو خوب جما جما کر ڈائی کیا گیا تھا۔ بار بار ہنستا تھا اور ہنستے ہوئے اوپر کے جبڑے میں لگا سنہری دانت صاف دکھائی دیتا تھا اور اس کی شخصیت کے تاثر کو کچھ اور ناگوار بنا دیتا تھا۔ گیتی جواب دینے کی بجائے سی ڈیز کا کلیکشن دیکھنے لگی۔

''لگتا ہے آپ کو غزل کا بہت شوق ہے۔'' اس نے ایک سی ڈی کور کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''ارے بہت......'' اس نے احتیاط سے موڑ کاٹا تھا۔

''کسی زمانے میں ہم بھی فاسٹ میوزک کے شیدائی ہوا کرتے تھے۔ مگر اب ہمیں دھیمے سر اچھے لگتے ہیں۔ آپ کی طرح۔'' یہ دو آخری الفاظ بے حد اہتمام سے اس کی سماعت میں انڈیلے گئے تھے۔ وہ ناز سے مسکرا دی۔

''مجھے منی بیگم کی آواز پسند ہے۔''

''صرف سنتی ہیں یا خود بھی طبع آزمائی کرتی ہیں؟''

''ہوں......اکثر......'' وہ سرسری بتا کر ایک سی ڈی لگانے لگی مگر درانی نے ہاتھ پکڑ کر روک دیا۔

''تو پھر آج ہمیں فیض یاب ہونے کا موقع دیجیے۔'' فرمائش بہت لگاوٹ سے کی گئی تھی۔

''ارے نہیں......'' اس نے جھینپ کر ہاتھ چھڑوایا اور سی ڈی رکھ کر ٹھنڈی ہو بیٹھی۔

''میں تو بس یونہی کبھی کبھار تنہائی میں گنگنا لیتی ہوں اس سے زیادہ تو کچھ بھی نہیں کہ فرمائش پوری کرسکوں......''

''میں تو یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ فی الحال خود کو تنہا سمجھ لیں اس میں بھی سراسر ہمارا ہی نقصان ہے مگر محض دو چار اشعار......پلیز۔''

(''چھوڑیے پیرزادہ صاحب! اللہ نے ہمیں یہ گن دیا ہوتا تو کیا ہی بات تھی کم سے کم پیٹ بھرنے کے لئے روح تو رہن نہ رکھنا پڑتی ایک شکل اچھی دی تھی اللہ نے ساتھ میں بری قسمت سے بھی نواز دیا۔ اور شکل کے وسیلے سے کام پر لگا دیا۔ کاش! میں لولی لنگڑی ہوتی لوگ میرے چہرے سے کراہیت محسوس کر کے منہ موڑ لیا کرتے میں کسی کچرے کے ڈھیر پر گل سڑ کر مرجاتی پر یہ تو نہ ہوتا جواب ہو رہا ہے'')

''ایک تو آپ سوچتی بہت ہیں۔ بھئی میں ہمہ تن گوش ہوں۔'' بخت پیرزادہ کی آواز اسے پھر سے کھینچ لائی۔

''کیوں شرمندہ کرتے ہیں پیرزادہ صاحب!'' اس نے جل کر کہا۔

''باخدا پھٹا ہوا ڈھول ہوں میں۔ کبھی آپ گلشن نگر آئیے گا فرصت سے۔ پھر ہم آپ کو ریشم کی آواز سنوائیں گے۔ بہت سر میں گاتی ہے یوں لگتا ہے۔ روح تک سیراب ہوگئی۔'' جانے کس دل سے اس نے تلخی ہضم کی تھی۔

''ہم تو ایک ہی بار آئے تھے فرصت سے۔ پھر فرصتیں کچھ ایسی ''مصروف'' ہوئیں کہ کچھ سجھائی ہی نہیں دیا آپ کو شاید وہ دن یاد نہ ہو ہمیں یاد ہے اس روز آپ نے زرد رنگ کا لباس پہن رکھا تھا۔''

''آہا......'' گیتی نے قدرے تعجب سے گردن موڑ کر اسے دیکھا ''کمال ہے میں تو اب تک یہ سمجھے بیٹھی تھی کہ حضور الفاظ کے مناسب استعمال سے ناآشنا ہیں بھئی یہ تو پکا کھلاڑی لگتا ہے۔''

''کچھ کہیں گی نہیں؟''

''کیا کہوں؟......'' اس نے بے بسی سے کہا۔

''آپ اتنی خوبصورت باتیں کرتے ہیں کہ اپنے سارے الفاظ ان کے سامنے کمتر لگنے لگے ہیں۔'' اس نے بھی بڑی مہارت سے پتا پھینکا۔

''ہماری خوبصورت گفتگو کا سہرا بھی آپ ہی کے سر ہے۔ ہم سفر خوبصورت ہو تو گفتگو خوبصورت ہو ہی جاتی ہے۔ ویسے آج آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں میں بہت دیر سے آپ کی تعریف کے لئے مناسب الفاظ تلاش کر رہا تھا جو آپ کے شایان شان بھی ہوں۔''

بخت پیرزادہ نے اس کے پیارے سے چہرے کو جی بھر کر دیکھنے کی تمنا کو بڑی مشکل سے روکا کہ گاڑی طارق روڈ کے اژدہام میں تھی۔

گیتی کے لب دلکشی سے مسکرانے لگے۔ آج تو خیر وہ تعریف کی حق دار بھی تھی کہ آپا بیگم کی ہدایت کے مطابق بڑے دل سے تیار

ہوئی تھی۔ نیوی بلیو اور لائٹ بلیو کنٹراس کی ساڑھی، جس کے سلیولیس بلاؤز نے اس کے بازوؤں کی خوبصورتی کو بہت نمایاں کر دیا تھا۔ نفاست سے کیا گیا میک اپ، جدید انداز میں ترشے ہوئے بال جو اس کے کندھوں تک آ رہے تھے۔ کانوں میں جدید فیشن کے مطابق لمبے آویزے۔ کلائیاں بالکل خالی تھیں۔ البتہ بائیں کلائی میں بڑی نازک اور اسٹائلش سی ریسٹ واچ تھی۔

کار پارک کرنے کے بعد پیرزادہ اسے سب سے پہلے ایک بوتیک میں لے آیا تھا۔ اس نے پانچ زبردست سے سوٹ لئے جن میں سے دو تو قطعی بخت پیرزادہ کی پسند کے تھے۔ پھر میچنگ شوز اور میک اپ کا سامان دلوا کر وہ اسے ایک بڑی سی جیولری شاپ پر لے آیا تھا۔

''بس بھی کریں پیرزادہ صاحب! میرے پاس بہت جیولری ہے۔ آپا بیگم نے آج تک کسی چیز کی کمی ہونے ہی نہیں دی۔''

''آپ کو اندازہ نہیں ہے گیتی! ہم آپ کے لئے کیا کچھ خرچ کر سکتے ہیں اور آپ ان معمولی چیزوں سے گھبرا گئیں۔ آپ کی خالہ جان نے بے شک آپ کو کسی چیز کی کمی نہ ہونے دی ہو مگر میرا دل چاہ رہا ہے کہ آپ کو کوئی گفٹ دیا جائے۔''

بخت پیرزادہ نے پھر بے پناہ لگاوٹ کا اظہار کیا۔ گیتی نے اس کے اصرار پر قدم بڑھائے لیکن اس کی آنکھوں میں جو چمک تھی وہ سراسر اس دکان کے شوکیسز میں سجے زیورات کے سبب تھی۔

''میں نے کچھ روز پہلے یہاں ایک نیکلس پسند کیا تھا۔'' پیرزادہ نے منیجر سے فارغ ہو کر اسے مخاطب کیا۔

''لیکن یہ سوچ کر نہیں خریدا کہ جسے پہننا ہے پسند بھی اسی کی ہونا چاہیے لہٰذا اب آپ خود پسند کیجئے۔''

سیلز مین کھٹاک کھٹاک کر کے کئی ڈبے شوکیس کی سطح پر ترتیب وار سجا رہا تھا۔ ایسی خیرہ کن چمک نے اس کی آنکھوں کے ساتھ ساتھ سماعت پر بھی اثر کیا تھا۔ بخت پیرزادہ کی آواز کہیں پس منظر میں چلی گئی۔ وہ ایک ایک نیکلس پہن پہن کر دیکھ رہی تھی گو کہ اس کے پاس سچ مچ قیمتی زیورات کی کمی نہیں تھی۔ اتنا دیکھ چکی تھی کہ اس کی جگہ کوئی صابر و شاکر قسم کی لڑکی ہوتی تو اب تک اوب چکی ہوتی مگر وہ جو ایک ہوس ہوتی ہے نا۔ وہ اس کے اندر سے نکلتی ہی نہ تھی۔ اور سے اور زیادہ کی ہوس اسے بے چین رکھتی تھی۔

''میں بھی کتنی بیوقوف ہوں۔'' پیرزادہ کے ہاتھ سے ایک نیکلس لے کر اپنی گردن سے لگاتے ہوئے اس نے بڑے تمسخرانہ انداز میں سوچا۔ دیوار میں نصب قد آدم آئینے میں اس سمیت ساری شاپ کا جگمگ کرتا منظر دکھائی دے رہا تھا۔

''ابھی تھوڑی دیر پہلے میں کیا اول فول سوچ رہی تھی؟...... کہ اللہ نے مجھے کوڑے کے ڈھیر پر پیدا کیا ہوتا...... لوخواہ مخواہ ہی...... میں کیوں گل سڑ کر مرتی...... اللہ نے مجھے اس لئے پیدا نہیں کیا اس نے تو مجھے شہزادیوں کی طرح زندگی گزارنے کے لئے پیدا کیا ہے......''

وہ سوچ رہی تھی مسکرا رہی تھی۔ اس کی گردن بے حد خوبصورت لگ رہی تھی اس کی نگاہ اپنے عکس کے عقب میں دوسرے کاؤنٹر کے قریب کھڑے اس لڑکے پر پڑی جو بلیک ہائی نیک میں ملبوس تھا اور اپنے لمبے بالوں کی اس نے پونی بنا رکھی تھی اور وہ مسلسل اسی طرف دیکھ رہا تھا۔

آئینے میں نظر ملتے ہی اس نے بھرپور دوستانہ مسکراہٹ گیتی کی طرف اچھال دی تھی۔

''یہ نیکلس اتنا خوبصورت نہیں ہے مگر آپ کی گردن میں آکر اس کی خوبصورتی بڑھ گئی ہے۔'' بخت پیرزادہ نے کہا۔گیتی کے فخرو انبساط میں اضافہ ہوا تھا۔تب ہی لاشعوری طور پر رخ بدلتے ہوئے اس کی نظر پھر اسی لڑکے پر چلی گئی جو اپنے دوست سے کچھ کہہ رہا تھا پھر اس نے بھی نظر اٹھا کر گیتی کی طرف دیکھا اور کوئی کمنٹ پاس کیا تھا۔اس کے بعد وہ دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنے لگے تھے۔گیتی کو کیا پروا؟ اسے تو لوگوں کی ایسی حرکتوں اور نظروں کی عادت ہو چکی تھی مگر ذرا دیر کو دل جلا ضرور۔

''اونہہ...... بہت ہنسی آرہی ہے۔کیڑے پڑیں تمہاری خوشیوں کو ہماری خوشی خاک میں ملاتے ہو دفع دور...... میں کیوں جل جل کر اپنا خون خشک کروں بھئی ہماری تو یہی زندگی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ کیا مزے کی زندگی...... ہاں تھوڑی مشقت زیادہ ہے مگر۔ خوشی بھی تو زیادہ ہے......''

اس کی خوشی کا معیار جو تھا وہ اس کے سامنے شوکیسوں میں سجا ہوا تھا اور اس وقت وہ ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔

☆......☆......☆

''قسمت ہو تو ہمارے جیسی...... جہاں جاتے ہی انٹرٹینمنٹ کا سامان ہمارے لیے پہلے سے وہاں موجود ہوتا ہے۔''

حدید بڑی توجہ سے ایک لیڈیز بریسلٹ دیکھ رہا تھا جب اس نے حنان کو کہتے سنا اور سر اٹھا کر تعجب سے اس کی طرف دیکھا۔

''لک ایٹ یور لیفٹ سائیڈ۔'' حنان نے آنکھوں سے دائیں جانب اشارہ کرتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا تھا۔حدید نے فوراً اس کی طرف دیکھا دائیں طرف والے کاؤنٹر کے آخری کونے میں نیوی بلیو کلر کی ساڑھی میں ایک لڑکی موجود تھی جو زیور پہن پہن کر دیکھ رہی تھی۔

''کیسی ہے؟'' اس نے پھر حنان کی آواز سنی جس میں ہلکا سا اشتیاق اور شرارت تھی۔

''اچھی ہے......'' حدید نے کاؤنٹر کی جانب پلٹتے ہوئے کہا۔

''لیکن جن انکل کے ساتھ آئی ہے وہ زیادہ ہینڈسم ہیں۔اسپیشلی ان کی توند تو بہت ہی کیوٹ ہے۔'' وہ دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنے لگے۔

''نا صرف انکل کی توند کیوٹ ہے بلکہ بہت لکی بھی ہیں انکل......اتنی خوبصورت بیٹی جو دی ہے اللہ نے......''

''کم آن......'' حدید نے شریر سے انداز میں اختلاف کیا تھا۔

''وہ اس کی بیٹی نہیں ہوسکتی۔کوئی باپ اپنی بیٹی کو اس انداز میں جیولری کیسے پہنا سکتا ہے۔''

''پہنا لینے دو۔'' حنان نے بات قطع کی۔

''کیونکہ چند روز بعد یہ لڑکی میرے ساتھ ہوگی پھر انکل کو اسے جیولری پہنانے کا موقع کہاں ملے گا۔'' حنان نے اتنے پریقین انداز میں دعوا کیا تھا کہ حدید ٹوک بھی نہیں سکا۔ ویسے بھی ٹوکنے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ اسے پتا تھا حنان کہہ رہا ہے تو واقعی چند روز بعد ایسا ہی ہوگا۔

''کیا بکواس کر رہے ہو...... اور اسے بار بار دیکھنا بند کرو۔ دوسروں کی بیویوں کو یوں گھور گھور کر دیکھنے پر جوتے بھی پڑ جاتے ہیں۔''

''یہ اس کی بیوی نہیں ہے۔'' حنان نے بے ساختہ کہا۔

''تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو؟'' حدید نے حیرانی سے پوچھا۔

''اس معاملے میں میری آبزرویشن اسٹرانگ ہے۔ بیویوں کو تو میں ایک نظر میں پہچان لیتا ہوں۔'' اس کا انداز جتنا سنجیدہ تھا حدید کا قہقہہ اتنا ہی بے ساختہ تھا۔

''بکومت اور اس طرف دھیان دو۔ میں تمہیں...... جس کام کے لیے یہاں لایا ہوں پلیز وہ کرو۔ مجھے تو یہ ساری جیولری آئٹمز ایک سے لگ رہے ہیں۔'' اس نے قدرے بے زاری سے کہا تھا اور اس بار حنان سچ مچ اس کی طرف متوجہ ہو ہی گیا تھا۔

☆......☆......☆

''لو اب یہ نئی مصیبت۔''

اپنی کار کے قریب بالکل غلط طریقے سے پارک کی ہوئی کار کو دیکھ کر حدید نے جھنجلاتے ہوئے کہا ساتھ ساتھ کار کے مالک کی تلاش میں نظریں دوڑائی تھیں۔

''مجھے لوگوں کی غیر ذمہ داری پر بہت غصہ آتا ہے۔'' حنان نے کہا۔

جواباً حدید نے اسے طنزیہ نظروں سے دیکھا۔

''اسی لیے ہر بار اپنی گاڑی غلط پارک کرتے ہو۔''

''وہ تو اس لیے کیونکہ مجھے لوگوں کو Tease کرنے میں مزا آتا ہے۔'' حنان نے قہقہہ لگایا تھا۔

''بھٹا کھاؤ گے؟''

''تم ہی کھاؤ۔'' حدید نے کار کے بند دروازے سے کمر ٹکاتے ہوئے جیکٹ کی جیب سے موبائل نکال لیا تھا۔

حنان کندھے اچکا کر کچھ فاصلے پر موجود پٹھان کی طرف بڑھ گیا۔ حدید کے انکار کے باوجود وہ دو بھٹے لایا تھا ایک اس نے حدید کو پکڑا دیا دوسرا خود لے کر گاڑی کے بونٹ پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور دانا دانا ٹونگتے ہوئے اطراف کا جائزہ لینے لگا۔ انتہائی پررونق جگہ تھی۔ آنا جانا خوب لگا ہوا تھا بچوں کی شرارتیں تھیں بڑوں کی اپنی الجھنیں۔ جس جگہ ان کی کار پارک تھی اس کے عین سامنے بڑی بڑی جیولری شاپس تھیں تیز روشنیوں نے ہر چیز کو اجال رکھا تھا۔

عقب میں ٹریفک کا شور۔

''یہ شعوری عمل تھا یا لاشعور کی کسی خواہش کی تکمیل۔ یونہی گردن گھماتے ہوئے اس کی نظر سامنے کی اس شاپ پر جا رکی جہاں سے وہ دونوں کچھ دیر پہلے باہر آئے تھے۔ شفاف شیشے کی دیواروں کے اندر باہر کے منظر کو کسی طرح بھی پوشیدہ نہیں رہنے دیا تھا اور بلیو کلر کی ساڑھی میں ملبوس وہ قاتل سراپا اس کی نگاہوں کی زد میں تھا وہ کھانا بھول کر چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

بلا شبہ وہ اس جگمگ کرتی شاپ کی سب سے قیمتی اور خوبصورت شے لگ رہی تھی۔

''حدید......'' اس نے یکدم حدید کو متوجہ کیا۔

''اگر ایک منٹ کے لیے ہم یہ فرض کرلیں کہ وہ لڑکی اس شاپ کا حصہ ہے۔ یعنی فور سیل ہے تو تمہارے خیال میں اس کی قیمت کیا ہوگی۔''

''پتا نہیں......'' حدید نے بے زاری سے کہا۔ ''میں نے کبھی ایسی شاپنگ......نہیں کی۔''

حنان بے ساختہ ہنس دیا اور پھر سے دانے منہ میں اچھالنے لگا۔

''حنان......'' چند لمحے کی خاموشی کے بعد حدید نے سلسلہ کلام جوڑا تھا۔

''اب کیا ہوا ہے؟'' اس نے بہت سوچ سمجھ کر سوال کیا تھا۔ حنان نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''میرا مطلب ہے اب تم نے کون سا کارنامہ انجام دیا ہے جس کی وجہ سے شمسی آنٹی نے تمہیں گھر سے نکال دیا ہے۔''

''کسی میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ مجھے ہی گھر سے نکال دے۔'' حنان نے زہر خند انداز میں کہا۔ ''میں نے خود گھر چھوڑا تھا۔''

''یہی تو میں پوچھ رہا ہوں کہ......'' حدید نے جھنجلا کر کہا۔ ''چلو انہوں نے تمہیں نہیں نکالا تم نے خود گھر چھوڑا مگر کیوں......؟''

حنان نے لب بھینچ لیے ظاہر ہے اصل بات تو اسے نہیں بتائی جاسکتی تھی کہ بہرحال اس کا گھر چھوڑنے کے پیچھے جو محرک تھا وہ اس کے لیے اچھی خاصی سبکی کا باعث تھا۔

''تمہیں پتا تو ہے حدید ہمارا تو وہی مسئلہ زیر بحث ہے میں نے اپنے فادر کی پراپرٹی کی ڈیمانڈ کی تھی انہوں نے حسب معمول اور حسب توقع انکار کیا میں نے ذرا ایموشنل ہو کر گھر چھوڑ دیا مگر بعد میں خیال آیا کہ یہی تو وہ لوگ چاہتے ہیں کہ میں درمیان سے نکل جاؤں مگر میں بھی انہیں اتنے آرام سے اپنا حصہ ہڑپ کرنے نہیں دوں گا۔ لوہے کے چنے نہ چبوا دیے تو حنان قادر نام نہیں میرا۔'' اس نے اچھی خاصی جھوٹی کہانی سنا کر اپنے ارادے ظاہر کیے اور حدید کو اس سے یہ ہی توقع تھی۔

''کیا کرو گے تم؟'' اس نے پوچھا حنان نے کندھے اچکا دیے۔

''ابھی کچھ خاص سوچا نہیں۔ لیکن تم دیکھ لینا میں کچھ ایسا کروں گا کہ یہ لوگ سر پکڑ کر روئیں گے۔'' اس کا انداز گو کہ لاپروا تھا مگر

اس لاپروائی سے بھی اس کے مصمم ارادے ظاہر ہو رہے تھے۔

''حنان! مجھے تمہارے ذاتی معاملات میں دخل دینے کا حق نہیں ہے لیکن ایک دوست کی حیثیت سے میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ تمہیں تمہارے غلط ارادوں سے باز رکھوں۔'' حدید نے سنجیدگی سے کہا۔

''غلط ارادے؟......کون سے غلط ارادے؟......'' حنان نے اس سے بھی زیادہ سنجیدگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

حدید نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

''جہانگیر انکل پہلے بھی تمہاری وجہ سے ہاسپٹلائز ڈ رہے ہیں۔''

''آئی ڈیم کیئر۔'' اس نے سابقہ انداز کے ساتھ کچھ بے حسی سے بھی کہا۔ ''اس شخص نے میری زندگی برباد کی ہے میں اس کا سکون برباد کروں یہ میں اپنی ذمہ داری سمجھتا ہوں حالانکہ جو اس نے کیا یہ اس کی بہت سی معمولی قیمت ہے۔''

''حنان......'' اس نے کچھ کہنا چاہا حنان نے روک دیا۔

''میں اس ٹاپک پر بات نہیں کرنا چاہتا پلیز...... میں چند روز تمہارے گھر میں رہوں گا لیکن اگر تمہیں کوئی پرابلم ہے تو میں کہیں اور بندوبست کر لیتا ہوں۔'' اس نے دوٹوک کہا حدید بوکھلا گیا۔

''میں نے یہ کب کہا...... بدگمانی کی کوئی حد ہے۔'' وہ تو کہہ کر پچھتا رہا تھا۔ ''ٹھیک ہے بھائی!...... تمہیں اپنی بھلائی منظور نہیں تو ہم کون ہوتے ہیں زبردستی کرنے والے...... جو مرضی کرتے رہو میں اب دوبارہ کچھ نہیں کہوں گا۔''

اس نے جلدی جلدی کہا۔ حنان جیسے شخص سے تو کچھ بعید بھی نہیں تھا خفا ہو کر جاتا اور پھر ساری عمر شکل نہ دیکھتا۔

''دیٹس گریٹ...... تھینکس اے لاٹ......اور میری ممی کو بھی نہیں بتاؤ گے کہ میں یہاں ہوں۔'' اس نے پھر تاکید کی تھی۔

''اوہ آئی ایم رئیلی ویری سوری......'' اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتا ایک آواز نے ان دونوں کو ہی متوجہ کیا تھا۔ انکل ان کے سامنے کھڑے تھے اور معذرت خواہانہ انداز میں کہہ رہے تھے۔

''آپ کو ہماری وجہ سے بہت زحمت ہوئی میں ابھی اپنی کار ہٹا لیتا ہوں۔''

''اٹس اوکے سر! ہمیں کوئی خاص زحمت نہیں ہوئی۔'' حدید نے کمال خندہ پیشانی کا مظاہرہ کیا تھا وگرنہ چند لمحے پہلے وہ بے حد غصے میں تھا۔

''اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو آپ حدید علی ہیں...... مارکو گلاس کمپنی کے چیف ایگزیکٹو۔'' انکل اپنی یادداشت کھنگال رہے تھے۔

''شاید آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ آئی ایم بخت پیرزادہ۔ ہمایوں سلیمان صاحب کے فارم ہاؤس پر آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔''

''اوہ یس۔''

ان دونوں کی گفتگو سے بے نیاز حنان اس کا جائزہ لے رہا تھا جو لاپروائی سے انکل کی کار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئی تھی اور حنان کو اعتراف کرنا پڑا کہ فاصلے کی کمیابی نے اس کی خوبصورتی کے تاثر کو کئی گنا بڑھا دیا تھا۔

حنان کی دلچسپی یکدم اس لڑکی میں بڑھ گئی تھی۔ عجیب سی بے نیازی تھی اس کے انداز میں اور سب سے بڑی بات ایک بار بھی پلٹ کر حنان کو نہیں دیکھا تھا حالانکہ وہ جس قدر مردانہ وجاہت کا شہکار تھا یہ ممکن ہی نہ تھا کہ صنف مخالف اس کی طرف متوجہ نہ ہو۔ بڑی غیر معمولی بات لگ رہی تھی اسے۔

ایک تو خوبصورتی دوسرے ادائے بے نیازی۔

''آیئے گیتی آرا۔'' انکل نے کار کا دروازہ کھولا وہ کھلے دروازے میں سما گئی۔ احتیاط سے دروازہ بند ہوا اور اس کے دیکھتے ہی دیکھتے گاڑی ٹریفک کے اژدہام میں داخل ہوگئی۔

حدید نے گاڑی اسٹارٹ کی تھی حنان نے اپنی طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے زیر لب دوہرایا۔

''گیتی آرا۔'' پھر حدید سے مخاطب ہوا۔

''کہیں روکنا۔ مجھے سگریٹ لینا ہے۔'' حدید نے اثبات میں سر ہلا کر گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

☆......☆......☆

اور پھر اگلے روز تو نہیں لیکن دو دن بعد آفس گیا تو اسے جہانگیر لاشاری کی بات پر فوراً ہی یقین آ گیا تھا۔ اس کے اسٹاف نے اس کا اتنے پرجوش طریقے سے استقبال کیا تھا کہ یقین نہ کرنے یا ان کے خلوص و محبت پر شک کرنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔

''سر! ہم نے آپ کو بہت مس کیا۔'' یہ فرمان حمید تھا۔

''آپ کی غیر موجودگی میں میرا تو آفس آنے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ سر۔ ایسا لگتا تھا آفس میں رونق ہی نہیں ہے۔'' سجاد نقوی کے بے حد معصومیت سے کہنے پر ایک زبردست قہقہہ بلند ہوا تھا۔

''آپ کچھ دن اور نہ آتے سر جی! تو میں نے تو استعفیٰ دے دینا تھا۔'' یہ اسلم تھا آفس بوائے جو چائے وغیرہ لانے پر مامور تھا۔

اسی طرح کے کئی جملے اس نے سب سے سنے تھے اپنے کیبن میں داخل ہوا تو یہاں کا منظر ہی بدلا ہوا تھا۔ حنان کے ہنگامے نے جو تباہی کی تھی اس کے نشانات سرے سے غائب تھے اور اسٹاف ممبرز کی جانب سے کئی تازہ پھولوں کے گلدستے رکھے ہوئے تھے۔

اتنی محبت، اتنا خلوص...... اسے تو آج تک اپنی قدر نہ ہوئی تھی اور یہاں ہر کوئی اسے اپنی پلکوں پر بٹھانے کو تیار تھا اس کا موڈ خود بخود خوشگوار ہو گیا۔

''مے آئی کم ان سر!'' وہ ایک گلدستے سے لگا کارڈ دیکھ رہا تھا جب دروازے پر ہلکی سی دستک کے ساتھ آواز سنائی دی۔ اس نے

گردن موڑ کر دیکھا۔ صوفیہ دروازے میں کھڑی اجازت مانگ رہی تھی۔

''مس صوفیہ......'' اس نے خوشگوار حیرانی کے زیر اثر کہا۔ ''پلیز کم ان۔''

''السلام علیکم سر!......''

''وعلیکم......کیسی ہیں مس صوفیہ! اور آپ ابھی تک یہیں ہیں میں تو سوچ رہا تھا آفس میں کسی اچھے ممبر کا اضافہ ہو چکا ہوگا۔'' اس کا انداز شریر تھا۔ صوفیہ مسکراتی رہی۔

''ڈونٹ یو وری سر! آپ کے اسٹاف میں اچھے ممبر کا اضافہ ہو چکا ہے اور آج میرا آخری دن ہے۔ تھینک گاڈ آج آپ آ گئے میں جانے سے پہلے آپ کو اللہ حافظ ضرور کہنا چاہتی تھی۔''

''ارے آئی ایم جسٹ گڈ لک......آج واقعی آپ کا آخری دن ہے۔'' اس نے پوچھا۔

''جی سر! اسی لیے میں کچھ لیٹ بھی آئی ہوں ورنہ روٹین میں آپ جانتے ہیں میں آفس ٹائم سے کبھی لیٹ نہیں ہوتی تھی۔''

''آپ کے ساتھ بہت اچھا وقت گزرا مس صوفیہ! میرا نہیں خیال کہ آپ کے جتنا ایکٹو اور ایفیشنٹ ایمپلائی ہمیں مل سکے گا۔ یو آر سچ اے نائس ورکر۔''

''تھینکس آلاٹ سر! میں بھی یہاں سے بہت اچھا ایکسپرینس لے کر جا رہی ہوں۔'' صوفیہ نے کہا پھر بولی۔

''ویسے میرا دل نہیں چاہتا کہ اپنے آگے کسی اور کی تعریف کروں لیکن میری جگہ جس ایمپلائی کو جہانگیر سر نے ہائر کیا ہے۔ وہ بھی بہت محنتی اور ٹیلنٹڈ لڑکی ہے آپ کو اس کے ساتھ کام کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔''

''مجھے سر نے بتایا تو تھا لیکن ابھی میری ملاقات نہیں ہوئی۔'' شاہنواز نے کہا۔

''آئی تھنک وہ بھی آج لیٹ ہو گئی ہے ورنہ میرا خیال تھا وہ میرا ریزگینشن سائن کروا چکی ہوگی۔'' صوفیہ نے ریسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''ویری گڈ۔'' شاہنواز نے سراہنے والے انداز میں سر ہلایا۔

''آپ کو پتا ہے مجھے ان پنکچوئلیٹی سے کتنی الجھن ہوتی ہے اور جو ایمپلائی پنکچوئیل نہیں اس کی باقی کارکردگی کیسی ہوگی اس کا مجھے اندازہ ہو رہا ہے۔''

''ایک آدھ بار کی غلط معاف کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہوتا سر! اور پلیز سر! بے چاری کو اتنا مت ڈانٹیے گا جتنا آپ مجھے ڈانتے تھے۔'' صوفیہ اپنے آخری دن کا پورا طرح فائدہ اٹھا رہی تھی اور جو کچھ اتنے عرصے میں نہیں کہہ سکی اب بڑے آرام سے کہہ رہی تھی۔

شاہنواز ہنس دیا۔ اب کہتا بھی کیا۔

اسی پل دروازے پر دستک دے کر کسی لڑکی نے جھانکا اور اندر آنے کی اجازت مانگی۔

''یہ مس ثانیہ چوہدری ہیں سر۔'' اسکے اندر آتے ہی صوفیہ نے جلدی سے تعارف کروایا۔''اور میری جگہ انہی کو اپائنٹ کیا گیا ہے۔''

''آپ آفس ٹائمنگ سے پورے پینتالیس منٹ لیٹ ہیں مس چوہدری۔'' وہ اپنے مخصوص روڈ اور دبنگ انداز میں بولا۔

مس چوہدری نے اپنی ٹانگوں میں لرزش محسوس کی۔ باس کی اچھائی اور نرم دلی کے قصے سنے تھے تو غصے کی کہانیاں بھی سنی تھیں اب گھبراتی بھی نہیں تو اور کیا ہوتا۔ حالانکہ گھر سے جلدی نکلنے کی کتنی کوشش کی تھی مگر بھلا ہو ابو کے مہمانوں کا جو عین وقت پر ٹپک پڑے۔

''سس......سوری سر!'' اس نے محسوس کیا اس کی آواز بھی لڑکھڑا رہی تھی۔

''اٹس اوکے......لیکن اگلی بار یہ غلطی نہیں ہونا چاہیے۔'' اس نے تاکید کر کے پوچھا۔''آپ مس صوفیہ کی ریزگنیشن فائل لائی ہیں؟''

''جی سر۔'' اس نے فائل کھول کر جلدی سے باس کے سامنے میز پر رکھ دی۔

''سر! آپ کو یاد ہے لاسٹ ٹائم آپ نے جو انٹرویوز لیے تھے ان کینڈیڈیٹس میں ایک مس ثانیہ بھی تھیں اور آپ نے انہیں ریجیکٹ کر دیا تھا۔''

وہ سائن کر رہا تھا جب صوفیہ نے اچانک پوچھا۔ اس نے بالکل لاشعوری طور پر بے ساختہ نظر اس پر ڈالی جو دل ہی دل میں صوفیہ کی اس حرکت پر پیچ و تاب کھا رہی تھی۔

''یہ لڑکی آخر کب یہ بات بھولے گی؟'' اس نے کڑھ کر سوچا۔

شاہنواز کو چہرے کبھی نہیں بھولتے تھے اسے مس چوہدری کا چہرہ بھی یاد آ گیا تھا۔

''اسے کس نے اپائنٹ کیا؟'' یہ سوال اس کے چہرے پر لکھا تھا۔

''انہیں سر لاشاری نے اپائنٹ کیا ہے سر! اور آپ کو ان کے ساتھ کام کر کے اندازہ ہو گا کہ یہ کتنی قابل ہیں۔ شکر ہے سر لاشاری کے پاس جوہر شناس نظر ہے ورنہ آپ کو ساری زندگی پچھتاوا رہتا۔''

ثانیہ کا دل چاہا اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دے۔

''ویسے مان لیجیے سر! آپ کے پاس جوہر شناس نظر نہیں ہے پہلی بار آپ نے مجھے بھی ریجیکٹ کر دیا تھا۔'' اس نے منہ بنا کر کہا شاہنواز نے بمشکل اپنا قہقہہ روکا اور فقط مسکراتا رہا۔

''ماشاءاللہ......سیلف کانفیڈنس تو آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔''

''تھینک یو سو مچ سر! آپ کا یہ فقرہ بھی میں نے نوٹ کر لیا ہے کیونکہ جتنا عرصہ میں نے یہاں کام کیا زیادہ سے زیادہ پانچ بار آپ نے میرے کام کی تعریف کی ہو گی اور پانچوں جملے مجھے بڑے تاریخی لگتے ہیں۔''

’’مائی گاڈ!‘‘ اب کی بار اس نے ہنسنے میں کنجوسی نہیں کی۔

’’مجھے بھی بالکل اندازہ نہیں تھا مس صوفیہ! کہ آپ اتنا بولتی ہیں۔‘‘

’’اور مجھے بھی اندازہ نہیں تھا سر! کہ آپ ہنس بھی سکتے ہیں اور وہ بھی اتنا مسلسل......‘‘ اس نے حساب برابر کیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

’’یہ میری شادی کا کارڈ ہے سر! آپ آئیں گے تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔ ایک آخری بات کہوں سر! پلیز......میں خود کو کہنے سے روک نہیں پارہی۔‘‘

شاہنواز نے کارڈ ہاتھ میں لیتے ہوئے سوالیہ واستفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

’’آپ مسکراتے ہوئے بہت اچھے لگتے ہیں سر! مسکراتے رہا کیجیے۔ مسائل کا کیا ہے وہ تو زندگی کے ساتھ ساتھ چلتے ہی رہتے ہیں لیکن انسان کو مسکرانا نہیں بھولنا چاہیے۔ یہ ثانیہ بھی بالکل آپ کے جیسی ہے میں اسے آفس ورک کے ساتھ ساتھ ہنسنا سکھاتی رہی ہوں مگر یہ نہیں سیکھتی، ہنسنا تو اسے آتا ہی نہیں البتہ غلطی سے کبھی کبھی مسکرا لیتی ہے۔‘‘

صوفیہ اپنی جھونک میں بول رہی تھی ثانیہ کا چہرہ خفت سے لال ہوگیا۔ شاہنواز سے غلطی ہوئی اس نے ثانیہ کے چہرے پر پھیلے رنگوں کو بہت دلچسپی سے دیکھا۔

اسی پل ثانیہ نے شرمساری سے مغلوب ہوتے ہوئے شاید لاشعوری طور پر اسکی جانب دیکھا تھا اور اگلے ہی لمحے نظریں جھکالی تھیں۔

ایک لمحہ......فقط ایک لمحہ، جوان دونوں کے مابین آیا اور بنا اپنی چاپ ان دونوں کی سماعت سے ٹکرائے گزر گیا مگر اسی ایک لمحے کو تقدیر نے چپکے سے اپنی مٹھی میں قید کرلیا تھا۔

اور اپنے آپ میں مگن شاہنواز ملک نہیں جانتا تھا کہ اسے اس آفس میں دوبارہ آنے پر شمسہ یا جہانگیر کے اصرار نے مجبور نہیں کیا بلکہ اس کی بدبختی اسے یہاں گھسیٹ لائی تھی۔

محبت، بدبختی کا ہی تو دوسرا نام ہے۔

☆......☆......☆

بند شیشے سے کوئی چیز ٹکرائی تھی۔

شاید کوئی پرندہ یا کوئی اور، وہ ہراساں ہوکر پیچھے ہٹی پھر ہوش میں آئی اور حیرانی سے ادھر ادھر دیکھا۔ شاید اسے اونگھ آگئی تھی اور گاڑی......گاڑی انجان راستوں پر اندھیرے کو چیرتی بڑے سکون سے آگے بڑھ رہی تھی۔

اس نے دیکھا اس کے ہراس سے قطعی ناواقف مظہر اپنے دوست سے آہستہ آواز میں باتیں کررہا تھا۔

عانیہ نے کمر سیٹ پر ٹکائی اور گردن موڑ کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی جہاں گہری تاریک رات ان کے ساتھ ساتھ سفر کررہی تھی۔

آسمان پر ستارے تو تھے مگر دکھائی نہ دیتے تھے اور تیزی سے گزرتے سنہری قمقمے کہتے تھے وہ شہر کی حدود سے باہر نکل آئے ہیں۔

اس نے ایک بار پھر پلٹ کر دیکھنے کی زحمت نہ کی تھی کہ کیا کچھ چھوڑے جاتی ہے۔اس کے اندر تو فقط خاموشی تھی، گہرا سناٹا تھا جس میں کوئی سوچ بھی نہ ابھرتی تھی۔

ہاں ایک بوجھ ضرور تھا اس کے ذہن پر، اس کے ضمیر پر۔

''مگر کتنے دن؟ اسے مظہر کی سنگت میں اب سب کچھ بھول جانا تھا۔اپنا ماضی، اپنا وہ چھوٹا سا گھر، اس گھر کے مکین...... بلکہ نہیں میں کسی کو نہیں بھول سکی۔وہ سب میرے اپنے ہیں میں نے جو اتنا بڑا قدم اٹھایا ہے تو صرف اپنی زندگی سنوارنے کے لیے، زندگی سنوارنے کا حق کسے نہیں ہوتا...... مجھے پتا ہے امی آپ مجھے اتنی جلدی معاف نہیں کریں گی لیکن جب میں مظہر کی ہمراہی میں خوش باش آپ سے ملنے آؤں گی تو آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہوگا۔ایک صحیح کام جو درست طریقے سے ہوسکتا تھا آپ کی جذباتیت نے اسے غلط راستہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔مظہر غلط انتخاب نہیں ہیں یہ آپ کو ماننا ہوگا۔آج نہیں تو کل۔کل نہیں تو پرسوں۔'' گاڑی رک گئی تھی اس کی سوچ کا سلسلہ بھی وہیں رک گیا۔

پھاٹک نما گیٹ چوکیدار نے پورا کا پورا کھول دیا گاڑی پانی کی سطح پر کسی کشتی کی مانند بہتی اندر داخل ہوئی اس نے دیکھا جب گاڑی چوکیدار کے پاس سے گزری تو اس نے ہاتھ ماتھے تک لے جا کر سلام کیا تھا عانیہ کے دل تک ایک عجیب سا احساس سرائیت کرنے لگا۔

گیٹ کے قریب ترین لیمپ پوسٹ روشن تھا مگر اس کی روشنی اتنی ناکافی تھی کہ دور تک کے منظر واضح نہ ہوتے تھے۔گاڑی ایک مرتبہ پھر رک گئی اب کی بار فرنٹ سیٹوں پر براجمان دونوں مرد حضرات باہر نکل گئے چند لمحے بعد مظہر نے اس کی طرف کا دروازہ کھولا۔

عانیہ نے آہستگی سے باہر قدم رکھا۔رات گہری تھی اور تاریکی بھی...... کچھ خیالات کی یورش...... بے دھیانی میں پیر غلط پڑ گیا اور وہ بری طرح لڑکھڑائی مگر اس سے پہلے کہ گر جاتی مظہر نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''آؤ'' وہ اس کا ہاتھ تھامے آگے بڑھنے لگا۔

عانیہ کے دل میں خوف سا امڈنے لگا یوں لگ رہا تھا جیسے کسی جنگل میں آ گئی ہو جس روش پر وہ چل رہے تھے اس کے دائیں بائیں لمبے لمبے درخت تھے، گھنی گھاس اور خودرو جھاڑیاں، جھینگروں کی آوازیں اس کی سماعت کے قریب تھیں۔

وہ بے ساختہ مظہر کی طرف کھسک کر چلنے لگی۔مظہر کے دوست نے ہی دروازہ کھولا اور لائٹس جلائیں، تب اسے یوں لگا جیسے بچپن میں پڑھی ہوئی کہانیوں کے طلسماتی محل کا کوئی منظر نگاہوں کے سامنے آ گیا ہو، سجا سجایا، بیش قیمتی اشیا سے بنا محل......

مظہر رکا نہیں یونہی اس کا ہاتھ تھامے ایک لابی سے گزر کر کمرے میں آ گیا۔

''تم بیٹھ کر ریلیکس کرو میں دیکھتا ہوں داؤد کیا کر رہا ہے۔کچھ کھاؤ گی؟'' وہ جاتے جاتے پلٹا عانیہ نے آہستگی سے نفی میں سر ہلایا

پھر اچانک بولی۔

''ایک کپ چائے مل جائے تو......''

مظہر سر ہلاتا باہر نکل گیا۔ عانیہ وہیں کھڑے کھڑے کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ محل کا کمرہ کیسا ہو سکتا ہے؟ وہ کمرہ بس ایسا ہی تھا۔ وہ صوفے پر بیٹھ گئی بڑی مرعوب سی کیفیت میں پھر اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

اتنے نرم و ملائم صوفے پر پہلی بار تو بیٹھی تھی اس قسم کا ردِعمل فطری تھا۔ وہ صوفے کو دیکھتے ہوئے ڈرتے ڈرتے جا کر پلنگ پر بیٹھ گئی۔

☆......☆......☆

''مجھے آج تک اپنی خوش قسمتی پر شک نہیں ہوا جس چیز کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھ لیتا ہوں اس کی خواہش کرنے سے پہلے وہ مجھے مل جاتی ہے۔ بچپن سے لے کر آج تک یہی ہو رہا ہے۔ اب یہی دیکھ لو اس لڑکی نے مجھے پہلی ہی نظر میں اٹریکٹ کیا تھا اور پچھلے تین دن سے مسلسل یہ کسی نہ کسی طرح مجھ سے ٹکرا رہی ہے کبھی کسی شاپنگ مال میں دکھائی دے جاتی ہے تو کبھی کسی سگنل پر اور آج یہاں ریسٹورنٹ میں، تمہیں ایسا نہیں لگتا حدید! قدرت چاہتی ہے یہ لڑکی اس موٹے انکل کی بجائے میری گرل فرینڈ بنے؟''

بڑی سنجیدگی سے اپنی خوش قسمتی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈال کر اس نے حدید سے پوچھا مگر نظریں ابھی تک گیتی آرا پر ٹکی تھیں جو اس ہال کے بالکل متضاد کونے کی میز پر بخت پیرزادہ کے ساتھ کینڈل لائٹ ڈنر کر رہی تھی مگر بھلا ہو حنان کی تیز نظروں کا جنہوں نے اتنی دور سے اور اتنی کم روشنی میں بھی اسے پہچان لیا تھا۔

''نہیں...... مجھے ایسا نہیں لگتا۔'' حدید نے اپنی پلیٹ میں کچھ اور سوس ڈالتے ہوئے اس سے زیادہ سنجیدگی سے کہا۔

''ظاہر ہے تمہیں ایسا لگ بھی کیسے سکتا ہے۔ قدرت تو مجھے اشارے دے رہی ہے۔'' اس کی سنجیدگی اور خود اعتمادی میں چنداں فرق نہ آیا تھا۔

''فارگاڈ سیک حنان! اب اس کے پیچھے نہ پڑ جانا۔'' حدید چونکہ اس کی فطرت سے واقف تھا سو فوراً اسے روکنا مناسب سمجھا۔

''کیوں......تمہاری نظر ہے اس پر۔'' وہ ہنسا اور رازداری سے پوچھا۔

''شٹ اپ۔'' حدید نے ڈپٹ کر کہا۔

''یہ تمہارے ٹائپ کی لڑکی نہیں ہے۔ دوسرے ٹائپ کی ہے ہماری کلاس کو سوٹ نہیں کرتی۔'' اس نے مناسب الفاظ میں سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر وہ حنان ہی کیا جو ڈھکے چھپے الفاظ میں بات سمجھ لے۔

''اتنی گڈ لکنگ لڑکی تھی اگر ہماری کلاس کو سوٹ نہیں کرتی تو پھر فائدہ کیا ہے ہماری کلاس کا؟ میں آج ہی اس کلاس کو ڈس اون کرتا ہوں۔'' وہ سنجیدہ نہیں تھا بالکل بھی۔

''ایک تو تم بات سمجھتے نہیں ہو۔'' حدید نے نیپکن سے لبوں کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

''یہ جس لڑکی کو تم پلٹ پلٹ کر دیکھ رہے ہو یہ ان لڑکیوں جیسی نہیں ہے جنہیں تم اپنی گرل فرینڈ بناتے ہو۔ ٹرائے ٹو انڈر اسٹینڈ یار! دوسرے ٹائپ کی ہے جس کے ساتھ وقت بتانے کے لئے بس آپ کی جیب کو ہر وقت بھرا ہوا ہونا چاہیے۔''

''کالج میں گرل فرینڈز تو تمہاری بھی ہوتی تھیں حیرت ہے تمہیں پھر بھی نہیں پتا کہ سب لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں...... والٹ پر نظر رکھنے والی جس روز انہیں کھلانا چھوڑ دو۔ یہ پلٹ کر آپ کی طرف دیکھتی بھی نہیں ہیں، مجھے جس سے پیچھا چھڑوانا ہو اس کے ساتھ یہ ہی ٹرک آزماتا ہوں لیکن اس پر خرچ کرنے کا موڈ ہے میرا۔''

''حنان۔'' حدید نے صدمے کی کیفیت میں اسے دیکھا۔

''she is a prostitute...... دو دن میں تمہیں بیچ کر کھا جائے گی۔'' حنان نے بے ساختہ گردن موڑ کر اس لڑکی کو دیکھا پھر شک بھری نظروں سے حدید کو دیکھا۔

''تمہیں کیسے پتا؟''

''بس پتا چل گیا۔''

''بہت خوب...... سارے زمانے میں خود کو زاہد مشہور کر رکھا ہے اور یہاں کراچی میں اس طرح کی دلچسپیاں پال رکھی ہیں...... بتاتا ہوں وریشہ کو۔''

''خبردار اس سے کچھ مت کہنا۔'' حدید نے فوراً ٹوک دیا حنان کا تو کچھ پتا بھی نہ تھا سچ مچ ہی وریشہ سے کہہ دیتا اور اس کا گھر بننے سے پہلے ہی اس میں آگ لگا کر تماشا دیکھتا۔

''ہمایوں سلیمان ہیں ایک میرے جاننے والے...... تھوڑا بہت بزنس ریلیشن شپ ہے ہمارا ان کے ساتھ انہی کے یہاں ایک تقریب میں ملاقات ہوئی تھی۔ بس وہیں سے جو معلومات ملیں وہ تمہیں بتا رہا ہوں۔ پیرزادہ سے بھی وہیں ملاقات ہوئی تھی لیکن اس وقت یہ لڑکی ہمایوں کی خاص مہمان تھی آج پیرزادہ کی ہے۔'' اس نے تفصیلی بتا دیا۔ حنان اس لڑکی کو دیکھتا رہا پھر گہری سانس بھر کر بولا۔

''اتنی خوب صورت Prostitute مہنگی تو ہو گی۔'' یہ انداز تھا یا سوال حدید سمجھا نہیں حنان کہہ رہا تھا۔

''اور مجھے آج تک سستی اور کم قیمت چیز پسند ہی نہیں آئی...... تم دیکھنا حدید! چند روز بعد یہ لڑکی میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا رہی ہو گی۔'' حدید کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے چڑ کر بولا۔

''مرضی ہے تمہاری، میں نے تو تمہیں وارن کرنا تھا کر دیا اب اگر تم خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا چاہ رہے ہو تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔ مگر اتنا ضرور یاد رکھنا اس قسم کی لڑکیاں کبھی کسی کی نہیں بنتیں...... جس کی جیب زیادہ بھاری دیکھیں گی پہلے والے کو اپنی زندگی سے کک آؤٹ کر کے اس کی طرف متوجہ ہو جائیں گی۔''

’’کم آن حدید! میرے باپ بننے کی کوشش مت کرو۔‘‘ حنان ہنسنے لگا۔

’’مجھے اس لڑکی کے ساتھ شادی نہیں کرنا اگر کوئی سلسلہ بنا بھی تو زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ گزار لوں گا اس کے ساتھ۔ مگر اس سے زیادہ نہیں...... تمہیں پتا ہی ہے شیو کرنا اور لڑکیوں سے دوستی کرنا میرے لئے ایک برابر ہے...... اور پھر میں یہاں کتنے دن ہوں؟ سبرینہ سے رابطہ نہیں ہو پا رہا ورنہ اب تک تو میری بوریت دور بھی ہو گئی ہوتی۔‘‘ حدید نے کچھ کہنا چاہا پھر سر جھٹک کر خاموشی سے کھانا کھانے لگا۔

☆......☆......☆

مظہر کچھ دیر بعد کمرے میں داخل ہوا اس وقت عانیہ پلنگ پر آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی اور ٹکر ٹکر کمرے کی ہر چیز کو دیکھ رہی تھی۔

’’تم ابھی تک اسی طرح بیٹھی ہو۔‘‘ اس نے عقب میں دروازہ پورا کھولتے ہوئے کہا۔ بوڑھا ملازم کھانے کی ٹرالی دھکیلتا اندر لے آیا تھا۔

’’بیس منٹ بعد چائے بھی لے آنا...... اور بات سن دوبے! تم چائے لے کر مت آنا صوبان کے ہاتھ بھجوا دینا۔‘‘ مظہر نے ملازم کو تاکید کی وہ سعادت مندی سے سر ہلاتا باہر نکل گیا تب وہ اس طرف متوجہ ہوا۔

’’اتنے لمبے سفر میں بیٹھ بیٹھ کر تھکی نہیں ہو؟...... اچھا کم سے کم اٹھ کر منہ تو دھو لو۔‘‘ اس نے کہا، عانیہ خاموشی سے سر جھکائے اپنے ہاتھوں کو دیکھتی رہی جانے کیوں دل نہیں چاہ رہا تھا بات کرنے کا۔

مظہر نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام کر زبردستی اسے کھڑا کر دیا۔

’’چلو شاباش...... اٹھ کر منہ دھو اور اس پیارے سے چہرے پر تھوڑی مسکراہٹ لاؤ...... مجھے تمہیں اس طرح شرمندہ اور پشیمان دیکھنا بالکل اچھا نہیں لگ رہا...... بہت بھوک لگ رہی ہے مجھے اور تمہارے بغیر میں ایک بھی نوالہ حلق سے نہیں اتاروں گا۔‘‘ اس کا انداز ہی ایسا تھا کہ وہ نہ چاہتے بھی واش روم میں گھس گئی۔ چند لمحے بعد منہ دھو کر باہر آئی تو مظہر پلیٹ اپنے سامنے رکھے اس کا منتظر تھا۔

’’اب جلدی سے آ جاؤ ایمان سے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں۔ اتنے شارٹ نوٹس پر جو کچھ مل سکتا تھا سب لے آیا ہوں۔ تم نے سرپرائز بھی تو ایسا دیا کہ صحیح معنوں میں میرے تو حواس ہی گم ہو گئے۔ اگر ہلکا سا بھی اشارہ دے دیتیں تو کم سے کم تمہارے شایان شان استقبال تو کرتا۔ اب وہیں کیوں کھڑی ہو آ بھی چکو یار! میں واقعی بھوک سے مرنے والا ہوں۔‘‘

اس کی خوش مزاجی رات کے اس پہر بھی اپنے عروج پر تھی عانیہ کو بے اختیار اس پر رشک آیا تھا۔

’’مجھے بھوک نہیں ہے مظہر! آپ کھانا کھا لیں۔‘‘ اس نے آہستگی سے کہا۔

’’میں جانتا ہوں تم اس وقت ڈسٹرب ہو۔ ڈپریسڈ ہو مگر کھانے سے کیسی ناراضی۔‘‘ مظہر نے اسے لا کر صوفے پر بٹھایا اور پلیٹ اٹھاتے ہوئے بولا۔

”کیا لوگی؟ چائنز رائس ہیں، چکن کڑاہی ہے اور یہ کٹلس بھی ہیں۔“

”مجھ سے نہیں کھایا جائے گا مظہر بالکل بھی نہیں...... میرا دل...... میرا دل چاہ رہا ہے میں مر جاؤں۔“ وہ دونوں ہتھیلیوں سے چہرہ ڈھانپ کر سسک اٹھی۔

”عانیہ...... نیا! میری جان۔“ مظہر اس کے شانوں کے گرد بازو پھیلا کر اس کا سر اپنے کندھے سے لگا کر تھپکنے لگا۔ وہ کچھ اور شدت سے رو دی۔

”اس طرح مت رو عانیہ! مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔“

”مجھے بھی تکلیف ہو رہی ہے مظہر...... ایسا لگ رہا ہے دل پھٹ جائے گا...... امی نے ایسا کیوں کیا؟ وہ آپ کے ساتھ برا نہ کرتیں تو مجھے کبھی اتنا بڑا اقدم نہ اٹھانا پڑتا...... انہوں نے برا کیوں کیا...... اس گھر میں کوئی ایک بھی شخص تو میرا خیر خواہ نہیں تھا پھر میں وہاں کیوں پیدا کر دی گئی مجھے بتائیں مظہر...... میں نے ٹھیک کیا نا...... مجھے یہی کرنا چاہیے تھا۔“ بے تحاشا روتے ہوئے وہ اٹک اٹک کر بول رہی تھی۔

”تم نے بالکل ٹھیک کیا عانیہ!...... یہی صحیح تھا۔“ اس نے عانیہ کے آنسو پونچھے۔ عانیہ نے سر اٹھا کر بے یقینی سے اسے دیکھا جیسے اس کی بات کا یقین نہ آ رہا ہو۔

”میں جانتی ہوں مظہر! میں نے ٹھیک کیا اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی تو نہ تھا لیکن پھر مجھے سکون کیوں نہیں آ رہا۔ اتنا بوجھ سا کیوں محسوس ہو رہا ہے مجھے اپنے ضمیر پر۔“ وہ خود کلامی کے سے انداز میں کہہ رہی تھی۔

”تم نے جن حالات میں اپنا گھر چھوڑا ان حالات میں کوئی بھی عقلمند انسان یہی فیصلہ کرتا، باقی بات رہی بوجھ کی تو ہر حساس انسان یہی سب محسوس کر سکتا ہے...... تمہیں فکر ہے نا کہ تمہارے گھر والے تمہارے اقدام کو کیسے سہیں گے؟ مائی گاڈ نیا! تم میری توقعات سے زیادہ حساس ہو جن لوگوں نے ایک بار بھی تمہاری خوشیوں کے متعلق نہیں سوچا انہی کے لئے سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہی ہو...... میری خوشی کو ان لوگوں کے لئے برباد نہ کرو عانیہ! تم جانتی ہو تمہارے اس فیصلے نے مجھے کتنی انرجی دی ہے مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا کہ محض میری خاطر تم اپنا سب کچھ چھوڑ آئی ہو۔“

”اپنا؟“ اس نے تلخی سے دوہرایا۔

”وہاں کچھ بھی میرا نہیں تھا سب کچھ امی کا تھا یا ان کی بیٹیوں کا۔“ اس نے پر تپش لہجے میں کہا۔ مظہر کو اچھا لگا سر جھٹک کر بولا۔

”چھوڑو ساری باتیں اب تم میرے ساتھ ہو ہم مل کر نئی زندگی شروع کریں گے۔“ وہ بہلا رہا تھا۔

”ہاں...... ہم نئی زندگی شروع کریں گے۔“ وہ بہل گئی اور کھانا کھانے لگی۔

☆......☆......☆

شاہنواز نے سائن کر کے فائل بند کی اور ثانیہ کی طرف بڑھادی۔

''اسے انصر شیرازی کو بھجوا دیں اور...... اور وہ جو ورکرز کے نئے سیلری پیکج کی فائل ہے...... فائل نمبر سکس...... وہ لے کر آئیں۔''

اس نے ٹیلی فون پر ایک نمبر ڈائل کرتے ہوئے ہدایت جاری کی تھی۔

جی سر!'' ثانیہ نے کہا ضرور مگر ساتھ ہی مناسب الفاظ تلاش کرنے لگی جن کے ذریعے اپنا مدعا اس سخت گیر باس کے سامنے رکھ سکے۔ اسے یہاں کام کرتے تقریباً دو ماہ گزر چکے تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنی پیشہ وارانہ ذمہ داریاں بہت خوش اسلوبی سے نباہ رہی تھی۔ اس کے کام میں اگر کچھ جھول تھا بھی تو وہ اتنا معمولی ہوتا تھا کہ تھوڑی سی پریکٹس سے اس میں خاطر خواہ بہتری لائی جاسکتی تھی اور اس جھول کی پکڑ بھی انتہائی غیر ضروری تھی اور یہ غیر ضروری کام اس کے باس صاحب انتہائی جانفشانی سے کر رہے تھے۔

اب یہ بھی ہوسکتا تھا کہ جہانگیر لاشاری کی طرف سے زری کی وجہ سے ملنے والی چھوٹ پر ہی وہ مطمئن ہو کر بیٹھ جاتی مگر ایک تو اپنے اوپر لگا ہوا سفارشی کا دھبا اتارنے کا اسے بڑا شوق تھا دوسرا یہ کہ جس کی ماتحتی میں کام کر رہی تھی جب وہ ہی مطمئن نہ ہوتا تو کیا فائدہ تھا اس کی اتنی جان توڑ محنت کرنے کا...... جہانگیر لاشاری صاحب کو اس کے کام کی تعریف کرنے کی۔

مگر باس صاحب کو متاثر تو بڑی دور کی بات مطمئن کرنا ہی اسے دنیا کا مشکل کام لگ رہا تھا۔ وہ ہفتے میں دو دن آتے تھے اور کبھی کبھار بقول اس کی کولیگ شازمہ کے، شام میں چھاپہ مارنے بھی آجاتے تھے۔ ایسے میں باقی اسٹاف ممبرز میں کھلبلی مچی تھی سو مچی تھی ثانیہ کی جان مصیبت میں آجاتی تھی کیونکہ شاہنواز صاحب معمولی غلطیوں کو بھی معاف کرنے کے قائل نہ تھے۔ سخت گیر باس کے ہر معیار پر پورا اترتے تھے اس روز اگر اس نے باس کو صوفیہ کی موجودگی میں ہنستے ہوئے نہ دیکھ لیا ہوتا تو یقیناً یہی سمجھتی اس شخص کو مسکراہٹ کا مطلب بھی نہیں پتا۔

''مس چوہدری...... اینی پرابلم؟'' شاہنواز یکدم اس کی طرف متوجہ ہوا تب وہ گڑبڑا ہی گئی۔

''سر! پیکجز کی فائل تو سر لاشاری کے آفس میں گئی ہوئی ہے اپروول کے لئے۔'' کہنا کچھ تھا گڑبڑاہٹ میں منہ سے نکلا کچھ اور۔

''تو اس میں اتنی پریشانی کی کیا بات ہے؟'' شاہنواز نے ریسیور دوبارہ کان سے لگاتے ہوئے کہا۔

''آپ پیون کو بھجوا کر فائل منگوالیں۔ میں آج سارا دن یہیں ہوں۔ فائل آنے میں تھوڑی دیر بھی ہوئی تو نو پرابلم۔''

''سر!'' اس نے بات قطع کی۔

''سر! مجھے آج ہاف لیو چاہیے۔'' اس نے اپنی بدتہذیبی پر غور کیے بنا جلدی سے کہہ دیا کیونکہ ذرا سی بھی دیر کرتی تو زبان تالو سے چپک جاتی۔

''ثانیہ بی بی آپ کو پتا ہے ابھی آپ کو جوائن کیے کتنا عرصہ ہوا ہے اور اس عرصہ میں یہ آپ کی کون سی چھٹی ہے؟'' ریسیور کریڈل

پر رکھتے ہوئے اس نے بڑی سنجیدگی سے روئے سخن اس کی طرف موڑا۔

''کل آپ فل لیو پر تھیں اور آج آپ کو ہاف لیو چاہیے۔ کل کو آپ آفس ٹائمنگ ختم ہونے سے دو ڈھائی گھنٹہ پہلے جانا چاہیں گی مجھے بتایئے یہ سلسلہ آخر کب تک چلے گا؟ ملازمت کے آغاز میں آپ کا یہ حال ہے کچھ عرصہ گزرے گا تب آپ کیا کریں گی۔''

اسے طنز کرنے میں ملکہ حاصل تھا اور اس بات کا ٹھیک ٹھاک اندازہ وہ اس قلیل مدت میں لگا ہی چکی تھی۔ اس وقت بھی ٹھنڈے ٹھار لہجے میں کہتا وہ اسے ہر بار سے زیادہ کھڑوس اور برا لگا تھا۔ مگر کیا کرتی اپنی غلطی کا احساس تھا سو باس کی پھٹکار سننا مجبوری ٹھہری۔

''آپ کسی اور آرگنائزیشن سے وابستہ ہوتیں تو اب تک تو آپ کو لیگل وارننگ نوٹس بھی مل چکا ہوتا۔''

''میری کچھ مجبوری ہے سر! لیکن میں آپ کو یقین دلاتی ہوں آئندہ ایسا نہیں ہوگا مگر آج ...... پلیز سر! مجھے چھٹی کی بہت ضرورت ہے۔'' پتا نہیں اب اس کے لہجے میں بے بسی و لاچاری زیادہ تھی یا شاہنواز ہی اکتا گیا تھا جان چھڑوانے والے انداز میں بولا۔ (کم سے کم ثانیہ کو ہی لگا)

''ٹھیک ہے جو فائل میں نے آپ کو کہی ہے وہ لے کر آئیں اس کے بعد آپ جا سکتی ہیں۔''

''تھینک یو سر! تھینک یو سو مچ۔'' اس سے پہلے کہ باس کوئی اور حکم دے وہ جلدی سے باہر نکل گئی۔

شاہنواز نے چند لمحے خالی الذہنی کی کیفیت میں گزارے پھر ریسیور اٹھا کر کال ملانے لگا۔ کال مل گئی اس نے چند منٹ بات کی مگر اس دوران بالکل لاشعوری طور پر اس کی نظر سامنے والے ٹنٹڈ گلاس سے دکھائی دیتے منظر کے ایک جزو پر ٹکی رہی تھیں۔

ثانیہ نے فائلز سمیٹی تھیں...... فون پر بات کی تھی...... اس کے بعد وہ میز پر بکھری چیزیں اپنے بیگ میں رکھنے لگی تھی...... اس نے پیون کو ہدایت دی تھی...... مس شازمہ سے بھی کچھ بات کی تھی۔

شاہنواز نے بات مکمل کر کے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ چند لمحے بیک سے پشت لگائے بیٹھا رہا پھر خود کو ڈپٹتے ہوئے ایک فائل کھول لی مگر کچھ ہی دیر میں اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اپنی توجہ سمیٹنے کی کوشش بے وجہ کر رہا ہے۔

''آخر مجھے یاد کیوں نہیں آ رہا کہ میں اس لڑکی سے کہاں مل چکا ہوں۔''

جھنجھلا کر فائل بند کرتے ہوئے اس نے خود سے سوال کیا تھا۔

یہ تو خیر اسے یقین تھا آفس میں ہونے والی اس پہلی ملاقات کے علاوہ وہ اس سے کبھی نہیں ملا۔ اگر ملا ہوتا تو یہ ممکن ہی نہ تھا کہ وہ اس کا چہرہ بھول جاتا اسے چہرے کبھی نہیں بھولتے تھے خواہ ملاقات سرسری سی ہی کیوں نہ ہوئی ہو۔ مگر ثانیہ کا چہرہ...... ایک عجیب اور ناقابل فہم سی مانوس کشش تھی اس کے چہرے میں، اس کی آنکھوں میں اور اس کے بات کرنے کے انداز میں۔

وہ جب بھی اس سے بات کرتا تب تب الجھتا۔

''آخر کیا ضرورت ہے ایک غیر متعلق لڑکی کے بارے میں اتنا زیادہ سوچنے کی...... ہوسکتا ہے کبھی ملاقات ہوگئی ہو ممکن ہے کبھی راہ چلتے...... کسی شاپنگ مال میں...... یا کسی پارک میں لیکن۔''

اور اس ایک لفظ پر آ کر وہ ہمیشہ ہی اٹک جاتا تھا کوئی کڑی تو ملتی نہ تھی البتہ دن بہ دن جھنجھلاہٹ میں اضافہ ہونے لگا تھا۔ دروازے کی سطح پر کسی نے انگلی سے دستک دی تھی۔

''چیف اکاؤنٹنٹ صاحب! اگر اجازت دیں تو میں اندر آ جاؤں؟'' شمسہ مسکراتے چہرے کے ساتھ بہت فریش لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔

''آپ کو اجازت مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔ تشریف لائیے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا تھا۔ شمسہ مسکراتے ہوئے اندر آ گئیں۔

''کیسی ہیں آپ؟ بہت دن سے گھر کا چکر بھی نہیں لگایا؟ میں آج خود آپ کی طرف آنے کا سوچ رہا تھا۔''

''زہے نصیب...... شاہنواز صاحب اور ہمارے گھر آنے کا سوچیں بڑی بات ہے۔'' شمسہ کے طنزیہ انداز پر وہ کھل کر ہنسا۔

''آپ کو پتا ہے میں کتنا مصروف آدمی ہوں...... پھر بھی ایسا شکوہ؟''

''کون احمق شکوہ کر رہا ہے؟ میں تو تمہیں ڈانٹنے کے ارادے سے آئی ہوں۔'' شمسہ نے اپنا پرس ٹیبل پر رکھتے ہوئے نشست سنبھالی۔

''ٹھہر جائیں...... پہلے میں آپ کے لئے کولڈ ڈرنک منگواتا ہوں پھر آپ اطمینان سے ڈانٹ لیجیے گا۔'' اس نے سابقہ خوشگواریت کے ساتھ جواب دیا اور انٹر کام پر ہدایت دینے لگا۔

''فنکشن کی تیاریاں کیسی ہو رہی ہیں؟'' انٹر کام واپس رکھتے ہوئے اس نے شمسہ سے پوچھا۔

''بس ہو رہی ہیں تیاریاں...... تمہیں پتا ہی ہے ہمارے گھر کے کسی فنکشن کی تیاریاں تمہارے بغیر مکمل نہیں ہوسکتیں...... کل ہی نشوی کہہ رہی تھی شاہنواز بھائی آئیں تو ہم مل کر کوئی انویٹیشن کارڈ سلیکٹ کر لیں۔''

''میری نشوی سے فون پر بات ہوئی تھی اور میں نے اس سے وعدہ بھی کیا تھا کہ جلد ہی گھر آؤں گا مگر پھر مصروفیات میں ذہن سے ہی نکل گیا۔'' اسے جیسے اچانک یاد آیا تھا پھر فوراً بولا۔

''آپ نشوی اور اسوہ سے کہیے گا شام میں تیار رہیں میں انہیں پک کر لوں گا اور ہم کسی آؤٹ لٹ سے کارڈ پسند کر لیں گے۔''

پیون کولڈ ڈرنک لے آیا تھا اور جس وقت وہ واپس جا رہا تھا اسی وقت ثانیہ اندر داخل ہوئی تھی۔

''سر! یہ پیکجز کی فائل۔'' اس نے فائل شاہنواز کے سامنے رکھ دی تب ہی اس کی نظر شمسہ پر پڑی تھی۔

''السلام علیکم۔''

وعلیکم السلام کیسی ہو ثانیہ!'' اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے شمسہ نے خوشدلی سے پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں میم! آپ کیسی ہیں؟'' گو کہ وہ جلدی میں تھی مگر اتنا تہذیب کا مظاہرہ کرنا اس کا اخلاقی فرض بھی تھا اور پیشہ وارانہ ذمہ داری بھی، ظاہر ہے شمسہ، جہانگیر لاشاری کی بیوی تھیں اور جہانگیر لاشاری اس کمپنی کے سی او۔

بگ باس کی بیگم کو نظر انداز کرنے کی غلطی وہ کیسے کرسکتی تھی وہ بھی اس صورت میں جبکہ بیگم صاحبہ بہت اچھے مزاج کی تھیں سارا ہی اسٹاف ان کے اخلاق کی تعریف کرتا تھا جبکہ ثانیہ کے ساتھ تو زری کی وجہ سے وہ اور بھی اچھے طریقے سے پیش آتی تھیں۔ جس بھی روز آفس آتیں ثانیہ کا احوال بطور خاص معلوم کرتیں۔ ابھی بھی حال احوال دریافت کر کے کہہ رہی تھیں۔

''لگتا ہے تمہارے باس نے تم پر کام کا بہت بوجھ ڈال دیا ہے۔ پہلے سے بہت ویک لگ رہی ہو؟''

ثانیہ نے بے ساختہ باس کی جانب دیکھا جس نے فائل کھول لی تھی مگر شمسہ کی بات پر اس کے لبوں پر بڑی طنزیہ مسکراہٹ آگئی تھی۔ اسے شرمساری نے گھیر لیا۔

''بھئی شاہنواز! ثانیہ بے چاری سے اتنا کام مت لیا کرو۔ اچھے ایمپلائز قسمت سے ملا کرتے ہیں ایسا نہ ہو یہ ڈر کر بھاگ جائے۔'' ان کا لہجہ خوشگوار تھا۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں ہے میم! میں بھی اتنا ہی کام کرتی ہوں جتنا کہ باقی سب لوگ۔'' اس نے جلدی سے کہا مبادا باس صاحب کچھ فرمادیں۔

''کل میری زری سے بات ہوئی تھی تمہارا پوچھ رہی تھی۔''

''آپ کی دوبارہ بات ہو تو انہیں میرا اسلام کہیے گا۔'' اس نے کہا پھر شاہنواز سے بولی۔

''سر! ڈھائی بج رہے ہیں اب میں گھر چلی جاؤں؟'' اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ شاہنواز نے صرف سر اثبات میں ہلا کر گویا اجازت مرحمت فرمادی۔

''او کے میم! اللہ حافظ۔''

''میں بھی گھر جا رہی ہوں...... آؤ تمہیں بھی ڈراپ کردوں گی۔'' شمسہ نے اسے پیشکش کی مگر اس نے سہولت سے منع کر دیا اور اللہ حافظ کہتی باہر نکل گئی۔ شاہنواز کی نظریں بے ساختہ اٹھی تھیں اگلے ہی پل وہ بری طرح جھنجلایا اور خود کو ڈپٹتے ہوئے شمسہ کی جانب متوجہ ہو گیا۔

☆......☆......☆

وہ بہت بڑا کھلاڑی تھا الفاظ کی کرامات سے آگاہ۔

یہ اس کے الفاظ کی سحر انگیزی ہی تھی جس نے عانیہ کو اپنے گھر اور عزت کو لات مارنے پر مجبور کر دیا تھا اب یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اس

کے ساتھ ایک ڈیڑھ گھنٹہ گزارتا اور اس کے دل و دماغ سے وہ ساری ندامت و پشیمانی جو اسے اپنوں کو دھوکا دینے پر ہو رہی تھی اسے نوچ کر پھینک نہ دیتا؟

بوڑھی ملازمہ چائے لے آئی تھی مظہر رومال سے ہاتھ پونچھتے ہوئے بتانے لگا۔

''یہ صوباں ہے یہاں کی کل وقتی ملازمہ گونگی ہے مگر سنتی ہے اور اشاروں سے اپنی بات بھی سمجھا لیتی ہے۔ تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو اسی سے کہہ دینا اور ہاں تمہیں اکیلے ڈر نہ لگے اس لئے میں اسے یہاں ہی سونے کا کہہ دیتا ہوں۔''

وہ کھانا کھانے کے دوران ہی اسے بتا چکا تھا کہ اسے یہاں تنہا رہنا ہوگا تاکہ اگر اس کے گھر والوں کو مظہر پر شک بھی ہو تو اس کے اپنے گھر میں اس کی موجودگی اسے شک کے دائرے سے نکال دے گی اور اسی لئے اس کا آج رات ہی واپس جانا ضروری تھا۔

''آپ کل آئیں گے نا......'' اس نے تصدیق چاہی۔

''اڑ کر آؤں گا میری جان۔'' اس نے گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بے حد جذب سے کہا تھا۔

''ویسے بھی اب یہاں نہیں آؤں گا تو کہاں جاؤں گا میرے تو سارے رستے ہی بس تم تک آتے ہیں اور تم تک آ کر دم توڑ دیتے ہیں۔''

اس کی نگاہوں میں وارفتگی تھی عانیہ ناز سے مسکراتی نظریں جھکا گئی اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ بہت دیر تک اس کی نظروں کا مقابلہ کر سکے دونوں کے مابین چند لمحوں خاموشی حائل ہوئی۔

ایسی خاموشی جو بہت کچھ کہتی تھی۔

پرسکون ماحول، تنہائی اور جذبات سے بوجھل فضا۔

عانیہ کا دل انجانی لے پر دھڑکنے لگا۔

مظہر نے آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کا نازک سا ہاتھ تھام لیا اور بڑی محبت و چاہت سے دبایا۔ عانیہ کو اپنے سارے وجود میں لرزش محسوس ہونے لگی مظہر کے لہو کی حرارت اس کی ہتھیلی میں جذب ہو رہی تھی۔

''تمہیں پتا ہے میں تم سے اتنی محبت کیوں کرتا ہوں؟ کیونکہ تم ہو ہی اس قابل کہ تم سے محبت کی جائے۔ تمہارے گھر والوں نے تمہاری قدر نہیں کی ہیرے کی قدر جوہری جانتا ہے اناڑی نہیں۔ تم دیکھنا عانیہ تم ان لوگوں کو بہت جلد بھول جاؤ گی...... تمہیں ان کو بھول ہی جانا چاہیے میں تمہیں اتنی محبت دوں گا اتنی چاہت سے رکھوں گا کہ تم سب کچھ بھول جاؤ گی۔'' سرگوشی کے انداز میں کہتا وہ اس کے نازک ہاتھ سے کھیل رہا تھا۔ اسے پرکھ رہا تھا اسے لمس سے آشنا کر رہا تھا پھر وہ چپکے سے اس کا ہاتھ اپنے بالکل قریب لے گیا مگر اس سے پہلے کہ جھک کر اس کے ہاتھ پر بوسہ دیتا دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

''اجازت ہو تو اندر آ جاؤں؟'' داؤد کی آواز سن کر وہ جیسے ہوش میں آئی تھی۔ بری طرح سٹپٹا کر اپنا ہاتھ مظہر کی گرفت سے نکالنا

چاہا مگر وہ آمادہ نہ تھا۔

''اگر کھانا کھالیا تو چلیں؟...... جیسے جیسے رات گہری ہوگی راستے اور بھی ان سکیور ہو جائیں گے۔''

داؤد کہہ رہا تھا۔ عانیہ کی جان مظہر کی مٹھی میں دبی تھی۔

''ہاں...... تم چلو میں پانچ منٹ میں آرہا ہوں۔'' مظہر نے کہا۔

''اچھا بھابھی۔ اللہ حافظ...... آپ یہاں آرام سے رہیں اسے اپنا ہی گھر سمجھیں۔ دوبے اور صوباں آپ کی خدمت کے لئے ہر وقت موجود رہیں گے۔''

داؤد اس سے مخاطب تھا لیکن اس پر گھبراہٹ کے عالم میں بھی خوشی کی پھوار برسنے لگی۔

''بھابھی...... اف کتنا معتبر بنا دیا ہے داؤد بھائی!''

''مجھے افسوس ہے آج کی رات تو آپ کو تنہا ہی گزارنا پڑے گی...... لیکن قیامت مظہر پر گزرے گی ہوسکتا ہے صبح ہونے سے پہلے ہی واپس آپ کے پاس پہنچ جائے۔'' اس کا لہجہ متبسم تھا۔ عانیہ کیا کہتی البتہ مظہر کا قہقہہ اس کی سماعت سے ٹکرایا تھا۔

''تم ذرا اپنی بھابھی کو دیکھو کیا یہ ایسی ہیں کہ انہیں تنہا چھوڑا جائے...... میں تو کہتا ہوں زمانے کی نظروں سے چھپا کر، کہیں قید کر کے رکھنا چاہیے۔''

''میں گاڑی نکال رہا ہوں تم جلدی آجاؤ کوئی نہ کوئی کل بھی بہر حال ہوگی۔'' وہ اسے شرارتی انداز میں کہتا باہر نکل گیا۔

دروازہ کھلنے اور پھر بند ہونے کی بڑی واضح آواز سنائی دی پھر گہری خاموشی چھا گئی۔ ویسی ہی خاموشی جیسی داؤد کی آمد سے قبل کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔

عانیہ کا دل اب اپنے تنہا رہنے کے خیال سے کانپ کانپ کر دھڑکنے لگا تھا۔

''تمہارا موبائل کہاں ہے؟'' مظہر نے اس خاموشی کو توڑا۔

''وہ تو میں گھر پر ہی بھول آئی۔'' اسے اچانک یاد آیا۔

''ٹھیک ہے میں کل آتے ہوئے تمہارے لیے موبائل لے آؤں گا۔'' مظہر نے اچانک جھک کر اس کی پیشانی پر لب رکھ دیے۔

عانیہ دھک سے رہ گئی۔ سٹپٹا کر پیچھے ہٹنا چاہا مگر مظہر کا بازو اس کے شانوں کے گرد حائل ہو چکا تھا۔

وہ نوخیز کھیتی تھی نو دریافت شدہ۔

جس نے کبھی بارش کا لمس نہیں چکھا۔

آج کن من، کن من پھوار برس رہی تھی اور اس کے دل میں عجیب جلترنگ بجا رہی تھی۔

محبت کا احساس کچھ اور ہوتا ہے یہ تجربہ کچھ اور تھا۔

اجنبیت کے باوجود وہ مزاحمت نہ کرسکی۔

مظہر کا حوصلہ بڑھنے لگا تب وہ گھبرا کر دور جا کھڑی ہوئی۔ نظریں ملانے کی تاب نہ تھی اپنے ہی قدموں میں گڑی جاتی تھی۔

مظہر نے اس کی کیفیت محسوس کی اور ہنس دیا۔

''تمہیں عادت نہیں ہے نا، بالکل چھوئی موئی سی ہو مگر ہمارے ساتھ رہو گی تو عادی ہو جاؤ گی ...... میں چلتا ہوں۔ اپنا خیال رکھنا میری خاطر۔'' وہ نرمی سے اس کا گال تھپتھپاتا باہر نکل گیا۔ عانیہ نے اس کے ہر قدم کو پوری شدت سے محسوس کیا پھر دروازہ کھلا اور بند ہو گیا۔ تب وہ گرنے کے انداز میں گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گئی اور اپنے اتھل پتھل دل کو سنبھالنے لگی۔

❋ ❋

ناول **بساطِ دل** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات آپ آنے والی ان تاریخوں (15th, 20th, 25th) میں پڑھ سکیں گے۔

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
سعدیہ عابد کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

جیتوں تو تجھے پاؤں

ہر ماہ کی 16 تاریخ کو کتاب گھر پر نئی اقساط پیش کی جائیں گی۔

kitaabghar.com

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
سحرش علی نقوی کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

ہم نوا تھے جو

ہر ماہ کی 10 تاریخ کو کتاب گھر پر نئی اقساط پیش کی جائیں گی۔

kitaabghar.com

وہ گھر میں داخل ہوئی تو بے حد سناٹا چھایا ہوا تھا۔

''مہمان نہیں آئے؟'' اس نے تعجب سے پوچھا۔

''نہیں...... دس بجے کے قریب ابو نے بتایا کہ وہ لوگ اب رات کے کھانے پر آئیں گے۔ شکر ہے میں نے کھانا نہیں بنایا تھا ورنہ رات تک سارا باسی ہو جاتا۔'' شفق کے اطمینان کی وجہ اس کی اکتاہٹ کو مٹا نہیں سکتی تھی۔

''آخر یہ ابو کے کون سے خاص مہمان ہیں جن کا آنا بار بار کینسل ہو جاتا ہے پچھلے ہفتے بھی یہی ہوا اور آج پھر اور اب یہ بھی نہیں پتا رات میں بھی تشریف آوری ہوتی ہے یا نہیں۔

اور تمہیں پتا چل ہی گیا تھا کہ ان لوگوں نے رات میں آنا ہے تو کم سے کم مجھے انفارم ہی کر دیتیں۔ ہمارے سڑیل باس کے مزاج کا پتا بھی ہے ایک ذرا سی چھٹی کیا مانگ لی ایسے احسان جتا رہے تھے جیسے سوتیلی ماں اولاد کو کھانا کھلاتے ہوئے جتاتی ہوگی۔''

وہ اتنا زیادہ جھنجھلائی ہوئی تھی کہ شفق پر ہی برس پڑی۔ رہ رہ کر افسوس ہو رہا تھا کہ خواہ مخواہ چھٹی کا احسان بھی لیا اور مہمان بھی نہ آئے۔

''کیسے انفارم کرتی؟ کبوتر کی چونچ میں خط دبا کر بھجواتی یا تار کرتی...... دس مرتبہ کہہ چکی ہوں کوئی سستا سا موبائل ہی لے لو کچھ اور نہیں تو کسی پریشانی میں انسان رابطے میں تو رہتا ہے۔ لینڈ لائن بل کی عدم ادائیگی کی وجہ سے کٹ گئی اب مجھے بتاؤ میں تمہیں کیسے انفارم کرتی۔'' شفق نے اس سے زیادہ چڑ کر کہا ثانیہ خاموشی سے ناخن کھرچتی رہی۔

''کیا کہہ رہی ہوں میں؟ کیوں نہیں لے لیتیں کوئی چھوٹا سا موبائل۔'' شفق نے کہا۔

''چھوڑو رہنے دو...... کیا ضرورت ہے موبائل فون کے بغیر کیا زندگی نہیں گزرتی۔''

''مرضی ہے تمہاری...... مگر اگلی بار پھر سے اس طرح خوار ہونا پڑے تو مجھ پر مت برسنا۔'' اس نے اکتا کر کہا ثانیہ سوچنے لگی۔

''موبائل فون خریدنے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں تھا لیکن سستے سے سستا موبائل سیٹ بھی ڈھائی تین ہزار سے کم میں تو نہیں آئے گا اور جو ڈھائی تین ہزار میں نے اپنی معمولی سی سہولت کی نذر کرنا ہیں اس میں گھر کی دس ضروریات پوری ہو سکتی ہیں...... اس لئے رہنے ہی دو۔ کھانا ملے گا؟'' شفق کمرے میں جا رہی تھی اس نے پکار کر پوچھا۔

''کیوں نہیں ملے گا۔'' وہ وہیں سے کچن کی طرف چل دی۔

ثانیہ کچھ دیر بیٹھی پیر جھلاتی رہی پھر واش بیسن کے پاس جا کر منہ دھونے لگی۔ پانی ٹھنڈا تھا اور دھار تیز۔ خوب رگڑ رگڑ کر منہ پر صابن لگا لیا۔ آنکھیں بند تھیں تختہ سیاہ جیسے منظر پر یکایک ایک تصویر ابھر آئی اچھا چہرہ تھا، نقوش میں بڑی کشش تھی لیکن سنجیدگی ایسی کہ بات کرنے کی ہمت بھی نہ ہو مگر اس روز کی وہ مسکراہٹ...... وہ اب تک بھولی نہ تھی اس نے سٹپٹا کر آنکھیں کھول دیں اور حیران ہو کر سوچا۔

”یوں تو بڑے سخت گیر بنے پھرتے ہیں اس پر بے تکلفی ایسی کہ بنا اجازت خیالات میں گھسے چلے آئے۔“ آنکھوں میں صابن گھس رہا تھا سارے خیالات بھک سے اڑ گئے اس نے جھنجھلا کر آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

”اونہہ...... اس سے تو اچھا تھا لاشاری صاحب مجھ سے اپنے ڈپارٹمنٹ میں ہی کوئی چھوٹا موٹا کام کروا لیتے۔ کم سے کم ہر دوسرے دن جناب کی سڑی ہوئی شکل تو نہ دیکھنا پڑتی۔“

”کسے گالیاں دے رہی ہو؟“

”اپنے باس کو۔“

”کس خوشی میں؟“ شفق نے ٹرے تپائی پر رکھی۔

”ہمارے سڑیل باس کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی اس خوشی میں۔“ اس نے تولیے سے چہرہ تھپتھپاتے ہوئے جواب دیا۔ شفق کا منہ بے یقینی سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

”ثانی! دال میں کچھ کالا ہے۔“

”دال کا تو پتا نہیں البتہ میری دعائیں ساری کی ساری کالی ہیں۔“ اس نے جل کر جواب دیتے ہوئے موڑھا تپائی کے قریب رکھا۔

”میری دلی دعا ہے بلکہ بددعا ہے کہ ہمارے باس کی شادی کسی بدمزاج سڑیل، نخریلی اور بدصورت لڑکی سے ہو جائے صرف انہی خصوصیات کی حامل لڑکی ان کی اکڑ نکال سکتی ہے...... ایمان سے شفق! غصہ تو اس شخص کے ناک سے اترتا ہی نہیں۔ کل مجھ سے اینول رپورٹ چار بار لکھوائی اور چاروں مرتبہ بے حد معمولی معمولی غلطیاں پوائنٹ آؤٹ کر کے ڈانٹا...... جو چیز کسی کو دکھائی نہ دے۔ ان کی نظریں رپورٹ میں اس تک پہنچ جاتی ہیں اور پھر جو طنز شروع ہوتے ہیں جناب! کہ بس اللہ ہی بچائے۔“ وہ کچھ زیادہ ہی دل جلائی بیٹھی تھی۔

”صبر کرو بچہ!“ شفق ہنسنے لگی۔

”باس تو باس ہوتا ہے اور سارے باسز ایسے ہی ہوتے ہیں۔“

”سر لاشاری بھی تو ہیں...... اتنے اچھے اور پولائٹ نیچر کے...... کبھی بات کرو تو دل خوش ہو جاتا ہے۔“

”جب انہوں نے کہا تھا کوئی مسئلہ ہو تو ان کے پاس آنا۔ تو تم چھٹی کی درخواست لے کر ان کے پاس چلی جاتیں۔“ شفق نے یاد کرواتے ہوئے کہا ثانیہ خاموشی سے نوالے توڑتی رہی پھر بولی۔

”اب بار بار ان کے پاس جانا بھی تو اچھا نہیں لگتا۔ ان بے چاروں نے تو مروت میں کہہ دیا ہوگا۔“ وہ دلجمعی سے کھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

☆......☆......☆

محبت مزاج کا حصہ ہو تو الگ بات ہے۔

البتہ عشق کو بے بس کرنے کا ہنر آتا ہے۔

ہوتا یوں ہے کہ زندگی بڑے سکون سے گزر رہی ہوتی ہے جیسے کوئی پرسکون ندی پھر کسی کی نگاہوں سے انکشاف کے پتھر ساکت سطح سے ٹکراتے ہیں بھونچال آتا ہے بھنور بنتے ہیں، پرشور لہریں دور تک جاتی ہیں۔ رکتی نہیں، تھمتی نہیں۔

کناروں سے ٹکراتی ہیں پھر واپس آتی ہیں۔

جب تک بے مصرف ذات کو ادراک نہ مل جائے یہ عمل جاری رہتا ہے۔

خود آگاہی کا پہلا درس بڑا موثر ہوتا ہے۔

خوابوں کا نیا جہان آباد ہوتا ہے۔

وعدوں سے نئی تاریخ لکھی جاتی ہے۔

پھر اپنا کچھ نہیں رہتا جس کا دل، اسی کی نیندیں اسی کا چین۔

وہ کہے تو دن وہ کہے تو رات۔

اس کی نگاہوں سے دنیا دکھائی دے تو سب کچھ وگرنہ اس رنگوں سے عاری دنیا میں رکھا کیا ہے۔

اس کا ہاتھ تھام کر ساری دنیا قدموں تلے روندی جائے تو غم نہ ہو، پچھتاوا چھو کر بھی نہ گزرے۔

خواہ سب کچھ داؤ پر لگ جائے، کھو دینے کا خیال بھی نہ آئے۔

کوئی مانے یا نہ مانے، محبت فطرت ہو سکتی ہے مگر عشق......

عشق سراسر پاگل پن ہے۔

اور عانیہ نے اسی پاگل پن کے تحت اپنی ساری زندگی داؤ پر لگا دی تھی۔

ابھی سفرِ آغاز ہوا تھا اور چونکہ عشق کا دعوا بھی تھا اس لئے ہر اس عمل کو جس پر معاشرے کی انگلی اٹھ سکتی ہے، سے لاپرواہ ہو کر اور اپنا فرض سمجھ کر نباہ رہی تھی۔

نیا سفر تھا۔ رازوں سے پردہ اٹھ رہا تھا۔

ایک نئے تجربے کا پہلا باب تو کل رات ہی کھلا تھا۔

وہ مسرور سی تھی جیسے کوئی خزانہ دگنا ہو کر مل رہا ہو۔

گھر سے نکلتے وقت یہ تھوڑا ہی سوچا تھا۔

اب پتا چل رہا تھا عشق کی کوئی ایک منزل نہیں ہوتی ہے۔

من کو کبھی تن سے الگ کیا جاسکتا ہے؟

جسے من دے ہی دیا اس پر تو پوری زندگی واری جاسکتی ہے یہ تن کیا چیز ہے؟

وہ سارا دن اس نے اس اجاڑ ویران فارم ہاؤس پر یوں گزارا جیسے سمندر کے قیدی کو کمک پہنچ جانے کا سو فیصد یقین ہو۔

مظہر کی واپسی رات سے بھی پہلے ہوئی۔ وہ توقع سے زیادہ بے چین اور پرجوش تھا۔

''میں نے تمہارے لئے کچھ ڈریسز لئے ہیں۔ آج یہ پہن کر دکھاؤ۔'' اس نے ایک سیاہ لباس اس کی جانب بڑھا دیا۔

عانیہ جھجکی، شرمائی...... مگر فرمائش پوری کرنے کے سوا کوئی اور چارہ بھی تو نہ تھا۔

''تم اتنی خوبصورت ہو کہ جنت کی حوریں بھی تمہارے سامنے ماند پڑ جاتی ہیں۔'' اس نے عانیہ کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

''تمہیں دیکھتا ہوں تو چودھویں کی چاندنی کا خیال آتا ہے تم میری زندگی کی روشنی ہو عانیہ! دیکھو میری طرف...... میرے اردگرد کتنی روشنی ہے...... اور یہ صرف تمہاری وجہ سے ہے...... مجھے یقین نہیں آرہا عانیہ تم صرف میری ہو۔''

عانیہ کی ہنسی اس ویرانے میں مروا کی خوشبو کی طرح بکھرتی چلی گئی۔ مظہر پر گویا کسی نے سحر پھونک دیا آج سے پہلے وہ اتنی حسین تو کبھی نہیں لگی تھی۔ وہ پاگل ہونے لگا۔

بس پھر شمع گل ہوگئی اور عانیہ نے تاریکیوں کو اپنے گھر کا راستہ دکھا کر کسی اور کی تنہائی روشن کردی وہ رات تنہا نہیں تھی اس کی ہنسی خوشبو کی مانند ہر طرف بکھر چکی تھی۔

☆......☆......☆

اور اس رات گیتی آراء نے مظہر سے وابستہ اپنی آخری امیدوں کا دامن بھی چھوڑ دیا تھا۔

اس نے دو روز بعد آنے کا وعدہ کیا تھا مگر تین دن اور تین راتیں گزر گئیں اور اس نے پلٹ کر خبر تک نہ لی تھی۔ گیتی کو خود پر ہنسی آنے لگی۔ جس کو محبت کے تقاضے نباہنے نہ آئے اس سے لاپرواہی کے زمانے میں کوئی امید وابستہ کرنا سراسر بے وقوفی نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ بھی نہیں کہ اسے محبت کا دعوا نہیں تھا۔

محبت کے دعوا تو وہ گیتی کو ازبر کروا چکا تھا۔

مگر اس رات گیتی آرا نے ہر توقع چھوڑ دی۔

''تم دیکھنا مظہر! اب میں تمہارے ساتھ کیا کرتی ہوں۔ تمہیں محبت تو کرنا آئی نہیں مگر نفرت تو سلیقے سے کرتے...... خوشحالی میں تو پرائے بھی ساتھ دے لیتے ہیں تم کسی پرانے وعدے کسی پرانی یاد کا مان ہی رکھ لیتے۔'' اس نے بڑھ کر کھڑکی کھول دی سرد ہوا اس کے

وجود سے ٹکرا کر کمرے میں بکھر گئی تھی۔

''کتے کی موت ماروں گی میں تمہیں ان شاء اللہ...... محبت کے نام پر دو کوڑی کا کر کے چھوڑ دیا۔ نکاح کر کے بھی داشتاؤں جیسی زندگی گزاری ہے میں نے...... اور کس کے لئے؟ تمہارے لئے نا اتنی بڑی قربانی کا یہ صلہ...... کرتے رہو عیش مجھے یقین ہے تم کسی کی راتیں کالی کر رہے ہو گے کرتے رہو...... جب قدرت نے میری پرواہ نہیں کی تو میں خود کو کسی اور کے غم میں ہلکان کیوں کروں مگر تم اپنی الٹی گنتی شروع کر دو مظہر تم سے بدلہ لینا تو میری زندگی کا اولین مقصد ہے۔''

چاندنی اس کے چہرے پر منعکس ہو رہی تھی۔ جبڑے بھنچے ہوئے تھے جبکہ خوبصورت ودلکش خدوخال پر اشتعال کی لکیریں نمایاں تھیں۔ اس کی سرخ آنکھیں اندھیرے میں بھی نمایاں ہو رہی تھیں۔

☆......☆......☆

''میں کچھ روز کے لئے لاہور جا رہا ہوں۔''

حدید نے ٹائی کی ناٹ لگاتے ہوئے اسے مطلع کیا تھا۔ حنان نے ٹی وی اسکرین سے لمحہ بھر کیلئے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا تھا۔

''کب؟'' وہ صوفے پر اوندھے منہ لیٹا چینل سرچنگ کر رہا تھا۔

''کل شام تک یا پھر پرسوں......''

''لیکن......'' حنان کا انداز ہ کچھ سوچتا ہوا تھا۔ ''تمہاری انگیجمنٹ تو نیکسٹ ویک ہے نا۔''

''ہاں فنکشن تو نیکسٹ ویک ہے۔'' حدید نے مسکراتے ہوئے جواب دیا، وہ اب پرفیوم اسپرے کر رہا تھا۔

''لیکن میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں فنکشن کی تیاری میں حصہ لوں، ویسے بھی اب تو دو، دو فنکشنز ایک ساتھ ہوں گے۔ تیاریاں بھی ذرا وسیع پیمانے پر کرنا ہوں گی۔''

''کیا مطلب؟ منگنی کے ساتھ ساتھ نکاح کر رہے ہو؟'' حنان نے پوچھا۔

''صرف نکاح......؟ میرا ارادہ رخصتی کروانے کا بھی تھا، لیکن وریشہ کے پیرنٹس کا خیال ہے وہ اپنی اسٹڈیز کمپلیٹ کر لے پھر شادی کی جائے، کسی کو ہمارے دل کا خیال ہی نہیں ہے۔'' اس کی بے بسی بڑی دلچسپ تھی۔

''تو پھر دوسرا فنکشن؟''

''موحد کی بھی انگیجمنٹ ہے...... اسوہ کے ساتھ۔'' گو کہ حدید نے بہت عام سے انداز میں بتایا تھا، مگر حنان کا ردعمل ایسا تھا گویا اس نے کان کے قریب دھماکہ کر دیا ہو۔

''کیا کہا تم نے؟ کس کے ساتھ؟''

حدید کو اس کے اس قدر اچنبھے سے پوچھنے پر حیرت ہوئی تھی۔

"اسوہ کے ساتھ۔" اس نے بتایا، ساتھ ہی کہنے لگا۔

"تم تو پتا نہیں کب سے گھر سے نکلے ہوئے ہو۔ ظاہر ہے تمہیں تو اس کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ہو گی۔ مما بہت عرصے سے اسوہ کے متعلق ارادہ کیے بیٹھی تھیں کہ کب موحد کی اسٹڈیز کمپلیٹ ہوں اور کب وہ اسوہ کے لئے پرپوزل لے کر جائیں۔ جو بھی ہوا......"

"لیکن اسوہ کی انگیجمنٹ موحد سے کیسے ہو سکتی ہے؟" حنان نے ایک دم اس کی بات قطع کرتے ہوئے بے ساختگی سے کہا۔

"وہ تو شاہنواز میں انٹرسٹڈ ہے......"

"کیا......" اچھلنے کی باری حدید کی تھی۔

"ہاں...... مجھے تو خود تھوڑا عرصہ پہلے ہی پتہ چلا ہے۔ نا صرف اسوہ شاہنواز میں انٹرسٹڈ ہے بلکہ شاہنواز کا بھی پورا انٹرسٹ ہے۔ میرے گھر چھوڑنے سے کچھ روز پہلے اس نے اس بارے میں مما سے بات بھی کی تھی۔ اس کا اپنے فادر کے ساتھ جوڈس پیوٹ (جھگڑا) ہے۔ اس کا تو تمہیں پتہ ہی ہے کسی گھر سے نکالے ہوئے شخص کے ساتھ لاشاری صاحب اپنی بیٹی کی شادی کیسے کر سکتے ہیں...... اس شخص نے بہت بڑا گیم کھیلا ہے۔ ہو نہ ہو اسوہ کی منگنی زبردستی کی جا رہی ہے۔ مائی گاڈ! میں سمجھتا تھا یہ شخص صرف میرا حق مار رہا ہے۔ اب پتہ چلا اسے تو اپنی سگی اولاد کی خوشیاں بھی منظور نہیں۔ وہ اتنا کامیاب اداکار ہے یہ مجھے نہیں پتہ تھا۔" اس کی فطرت کی کمینگی فوراً ہی عود آئی تھی۔

"لیکن...... شاہنواز نے تو کبھی ذکر نہیں کیا۔" حدید کا انداز الجھا سا تھا۔

"اب یہ تو پتہ نہیں کہ اس نے تمہارے سامنے ذکر کیوں نہیں کیا۔ اونچے خواب دیکھنے کے لئے اوقات بھی تو ہونا چاہیے۔ مجھے شاہنواز سے ہمدردی نہیں ہے۔ فکر ہے تو صرف اسوہ کی۔ لاشاری صاحب سے میرے تعلقات خواہ کیسے بھی ہوں اسوہ کو میں اپنی بہن سمجھتا ہوں اس کی خوشیاں مجھے ویسے ہی عزیز ہیں جیسے نشوئی کی ہو سکتی ہیں...... شاہنواز نے تو غالباً تمہیں یہ بھی نہیں بتایا کہ آج کل وہ اپنے الگ گھر میں رہ رہا ہے۔ اپنی اوقات سے بڑا خواب دیکھنے کے بعد لاشاری صاحب اسے قصر بلند میں کیسے رہنے دے سکتے تھے۔" اس نے بڑی سہولت سے ساری صورت حال کو اپنی پسند کے معنی میں ڈھال دیا تھا۔

"اوقات سے بڑا خواب......" حدید اس کی بات سن کر اچنبھے میں تو خیر مبتلا ہوا تھا، مگر نکتہ اعتراض بھی فوراً ہی اٹھا دیا۔

"شاہنواز میں آخر برائی کیا ہے حنان! میری کوئی بہن ہوتی تو میں اس کے لئے شاہنواز کو بالکل پرفیکٹ چوائس سمجھتا......"

"میں ذاتی طور پو چاپلوسی اور مطلب پرستی کو بہت برا سمجھتا ہوں اور شاہنواز نے اسی چاپلوسی کے ذریعے اور لاشاری صاحب کی برائی کو سراہ سراہ کر اپنا الو سیدھا کیا ہے بارہا...... زندگی تو ایک ہی بار ملتی ہے وہ بھی اپنی پسند کی اور پسند کے لائف پارٹنر کے ساتھ نہ گزاری تو کیا فائدہ۔"

"صاحب! آپ سے کوئی صاحب ملنے آئے ہیں۔" ملازم نے آکر اطلاع دی تھی، حدید چونک کر متوجہ ہوا۔

"ٹھیک ہے تم چلو میں آرہا ہوں۔" اس نے ملازم کو جانے کے لئے کہا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا پھر یونہی الجھا الجھا سا باہر نکل گیا۔

حنان نے اس کو باہر جاتے دیکھا پھر بائیں بازو کا تکیہ سر تلے رکھتے ہوئے مسرور ہو کر کوئی دھن گنگنانے لگا۔ میسج ٹون نے تسلسل توڑ دیا اس نے گردن موڑ کر دیکھا حدید اپنا سیل فون میز پر بھول گیا تھا۔ حنان نے ہاتھ بڑھا کر سیل اٹھایا۔

"میرا کیا قصور ہے۔ تقدیر خود چاہتی ہے جس نے میرا سکون برباد کر رکھا ہے۔ جس نے میرے پیرنٹس کی میرڈ لائف کو آگ لگا دی، میں اسے سکون سے نہ رہنے دوں۔ کیا بات ہے ہماری۔ جہاں بھی قدم رکھ دیں راستے خود بخود بن جاتے ہیں۔"

حدید کے سیل فون سے موحد کا کانٹیکٹ نمبر کاپی کرتے ہوئے وہ اپنی ذہانت پر رشک کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

مظہر نے عقب میں دروازہ بند کرتے ہوئے گہری نظروں سے گیتی آرا کو دیکھا جو اس وقت گہری نیند میں تھی۔ گھنی پلکیں کسی بے چینی سے لرز رہی تھیں۔ پیشانی بے شکن تھی اور لب خاموش۔ اس کے چہرے پر کتنی معصومیت تھی۔ جاگ رہی ہوتی تو جنگلی بلی کی طرح پنجے مارنے لپکتی۔

گو کہ پرانی ہو گئی تھی، مگر کچھ تو ایسا تھا اس میں کہ دل سے اترتی ہی نہ تھی۔ وہ کچھ دیر یونہی کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ دل میں طلب تھی، نگاہوں میں شوق، ذرا سا جھک کر انگلیوں کی پوروں سے اس کے تلوؤں کو گدگدایا۔ گیتی نے کسمسا کر آنکھیں کھول دیں۔

چند لمحے خوابیدہ نظروں سے اسے دیکھتی صورت حال سمجھنے کی کوشش کرتی رہی، پھر بند آنکھوں کو نرمی سے سہلاتے ہوئے بولی۔

"مجھے جاگ تو لینے دو۔ میں بھی تو دیکھوں میرے پیر پکڑ کر معافی مانگتے تم کیسے لگتے ہو۔" مظہر نے بے ہنگم قہقہہ لگایا۔

"دیکھو میری جان! جی بھر کر دیکھو...... ہو سکتا ہے ہم تمہیں ایسے ہی اچھے لگ جائیں......"

"اچھا لگنے کی بات مت کرو۔ وہ تو اب قیامت تک نہیں لگ سکتے۔"

"جب دیکھو طنز...... جب سنو طعنے...... حالانکہ مجھ غریب نے کیا ہی کیا ہے۔ لیکن ایک بات بتاؤں؟ تمہاری یہی باتیں مجھے اٹریکٹ کرتی ہیں۔ یوں طنز کرتی، آگ برساتی بالکل کسی ٹی وی ڈرامے کی ہیروئن لگتی ہو، جس کے دل میں تو محبت ہے، لیکن لبوں پر......" مظہر نے اس کے قریب نیم دراز ہوتے ہوئے اسی کا کمبل اپنے اوپر پھیلا لیا، نا صرف یہ بلکہ اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے خود سے نزدیک بھی کر لیا۔

گیتی نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

"تم سے کس نے کہا کہ مجھے تم سے محبت ہے؟"

"تو کیا نہیں ہے؟" اس نے اک ادا سے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

گیتی نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ مظہر اس کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگا، گیتی نے بالکل مزاحمت نہ کی، چپ چاپ لیٹی اشتعال دباتی رہی۔ مظہر کا ہاتھ بالوں سے ہوتا گالوں تک آ گیا۔

"اتنے دن بعد آیا ہوں کچھ کہو گی نہیں......کوئی شکوہ؟......کوئی گالی؟ ان لبوں سے گالی سننا بھی اچھا لگتا ہے......" گیتی نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"لگاوٹ کے یہ مظاہرے تم ان کے سامنے کیا کرو جو تمہاری فطرت سے ناواقف ہوں۔ مجھے تمہارے جھوٹ پر اب اعتبار نہیں آ سکتا۔" مظہر پر رتی بھر بھی اثر نہ ہوا۔ سرد آہ بھر کر بولا۔

"میرے ساتھ قدرت نے بڑی ناانصافی کی ہے، جس سے بھی سچی محبت کرتا ہوں اسے میری محبت دھوکا اور باتیں جھوٹ لگتی ہیں۔ تم بتاؤ گیتی! اپنی محبت کی سچائی ثابت کرنے کے لئے کیا کروں۔ جان دے دوں اپنی؟"

گیتی سچ مچ اس کی لگاوٹ کا ذرا اثر نہ ہوا۔ اکتاہٹ سے جمائی روکتی اٹھ بیٹھی اور بال سمیٹتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"کب آئے؟"

"تھوڑی دیر پہلے۔"

"تم تو منگل کو آنے والے تھے۔"

"کچھ ضروری کام تھا، لیکن میں نے تمہیں بہت یاد کیا۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر گیتی کے بال پھر بکھیر دیے۔

"کسی اور کو پہلو میں لے کر مجھے یاد کرتے رہے۔ بہت خوب۔" گیتی نے صاف تمسخر اڑایا تھا۔

"اوہو......ایک تو تم بدگمان بہت ہو۔" مظہر نے اس کا ہاتھ تھامنا چاہا، گیتی نے جھٹک دیا۔

"بدگمان ان سے ہوا جاتا ہے جن کے متعلق کوئی گمان ہو دل میں اور تم سے متعلق کوئی گمان پالنے کی غلطی میں نہیں کر سکتی...... ہاتھ چھوڑو میرا۔"

"چھوڑ دوں گا! اتنی جلدی کیا ہے۔ فون پر تو بڑی منتیں ہو رہی تھیں۔ اب آ گیا ہوں تو تمہیں پروا نہیں۔ نہیں گیتی ڈارلنگ! یوں مت کرو۔"

"جب ضرورت تھی تب نہ آئے۔ اب تو تمہاری بلی بھی چڑھا دوں تو فائدہ نہ ہو گا۔" اس کے اندر جیسے آتش فشاں ابل رہا تھا لیکن لہجے میں دھواں محسوس نہ ہوتا تھا۔ البتہ الفاظ تلخ ہی تھے۔ حسب عادت اور حسب معمول۔

"میں تمہارے لیے آیا ہوں گیتی۔ صرف تمہارے لیے......ایسی بھی کیا ناراضی! اور پوچھ تو رہا ہوں کیا کروں۔ میری محبت کا

امتحان لے لو، تمہارے لئے کچھ بھی کر سکتا ہوں۔'' وہ سنجیدہ تھا۔

''میری زندگی سے نکل سکتے ہو؟''

''اس کے علاوہ سب کچھ کر سکتا ہوں۔'' اس کی آنکھیں شرارت سے چمک اٹھیں۔

''اونہہ......'' گیتی نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑوایا اور پلنگ سے اتر گئی۔ مظہر کا قہقہہ چھت پھاڑ تھا، پھر وہ اونچی آواز میں گانے لگا۔

''ہمیں تم سے پیار کتنا......

یہ ہم نہیں جانتے......

مگر جی نہیں سکتے تمہارے بنا......

گیتی سر جھٹکتی واش روم میں گھس گئی۔ تقریباً آدھ گھنٹہ بعد باہر آئی تو مظہر کمبل گردن تک اوڑھے ہنوز موجود تھا۔ اس نے آئینے کے سامنے رک کر موائسچرائزر لوشن چہرے اور ہاتھوں پر لگایا۔ پھر وارڈ روب کھول کر کھڑی ہوگئی۔ سفید رنگ کا فیروزی دھاگے کی کڑھائی والا سوٹ منتخب کر کے صوفے کی پشت پر پھیلا دیا۔ پھر بالوں میں لپٹا تولیہ کھول کر بال اچھی طرح جھاڑے اور آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوگئی اور روٹین کا میک اپ کرنے لگی۔

مظہر کی نظر اس کے ایک ایک عمل پر تھی۔ گیتی بظاہر اپنے کام میں مگن آئینے میں ہی اس کی توجہ خود پر محسوس کر رہی تھی۔

''کہاں کی تیاری ہے؟'' بالآخر اس نے پوچھ ہی لیا مگر گیتی نے جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔

''میں یہاں تمہارے ساتھ وقت گزارنے آیا ہوں......''

''بہت خاص کلائنٹ ہے مظہر......'' گیتی نے مسکراتے ہوئے اس کی جان جلائی۔

''مجھے کچھ نہیں پتا۔ میں نے لاہور جاتے ہوئے بھی تم سے کہا تھا واپس آؤں گا تو تمہیں کچھ روز میرے ساتھ رہنا ہوگا۔ آج تم کہیں نہیں جا رہیں۔'' اس نے کمبل دور پھینک کر پیر کارپٹ پر رکھے۔

''میں کیا کہہ سکتی ہوں، اپنی ماں سے جا کر پوچھ لو۔ انہوں نے ہی کہا تھا۔ پیرزادہ کو خفا نہیں کرنا۔'' آئینے میں ہی اس کی طرف دیکھتی وہ طنزیہ لہجے میں بول رہی تھی۔

''پیرزادہ...... بخت پیرزادہ؟'' مظہر نے چونک کر سوال کیا۔

''ہاں۔''

''غلطی میری ہے مجھے بتا کر آنا چاہیے تھا۔'' گیتی اس کے یوں اچانک پینترا بدلنے پر یکدم اور بے ساختہ ہنس دی اور طنزیہ لہجے میں بولی۔

''چلو......کم سے کم اسی بہانے زندگی میں پہلی بار تم نے اپنی کوئی غلطی تسلیم کی۔'' اس نے ہیر ڈرائیر چلاتے ہوئے کہا۔

مظہر نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ پلنگ پر دائیں بائیں ہاتھ رکھے وہ بغور گیتی کو دیکھتا رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں کسی گہری سوچ کا عکس تھا۔

☆......☆......☆

اس روز وہ بے حد عجلت میں لفٹ سے نکل رہی تھی جب کسی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ ڈانٹ پڑ جانے کے خدشے سے ہاتھ پیر بھی پھولے جا رہے تھے۔ اتنی عجلت سوار تھی کہ رک کر دیکھنے کی زحمت بھی نہ کی کہ کسے بوکھلائے جاتی ہے۔

وہ تو شمسہ لاشاری نے آواز دے ڈالی تب محترمہ کے بھاگتے دوڑتے قدم رکے۔

''السلام علیکم'' جہانگیر لاشاری بھی ہمراہ تھے۔ اس نے مشترکہ سلام کر ڈالا۔

''وعلیکم السلام۔ کیسی ہو ثانیہ؟'' شمسہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں اور آپ؟''

''میں بھی ٹھیک ہوں۔ تمہارا آفس کیسا جا رہا ہے۔ کوئی دقت تو نہیں ہو رہی کام سیکھنے میں۔''

''ناٹ ایٹ آل میم! دقت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، سارا اسٹاف بہت کاپریٹو ہے بس.....'' بے ساختگی سے کہتی وہ یکدم رک گئی تھی۔

''ہوں۔'' شمسہ نے اس کے اچانک رک جانے کا بڑے دھیان سے جائزہ لیا تھا۔ ثانیہ کو فوراً ہی اپنی جذباتی غلطی کا شدت سے احساس ہو گیا۔ بھلا باس کی برائی بگ باس اور باس صاحبہ کی خالہ کے سامنے کس طرح کی جا سکتی تھی۔

''میں یہ کہہ رہی تھی کہ آفس کا ورکنگ اینوائرنمنٹ بہت اچھا ہے کوئی پرابلم ہو تو اسٹاف ممبرز ایک دوسرے کو گائیڈ کر دیتے ہیں تو کوئی دقت نہیں ہوتی۔'' اس نے زبان لبوں پر پھیر کر جیسے اپنا اعتماد بحال کرنا چاہا اور رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے بات بنائی۔

''آئی تھنک مس ثانیہ جلدی میں ہیں۔'' جہانگیر لاشاری اسکی عجلت کو بھانپتے ہوئے بولے اور ثانیہ پر جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا تھا۔

''آئی ایم سوری سر!......''

''اٹس اوکے بھئی......آپ کو مجھ سے ایکسکیوز کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' جہانگیر لاشاری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ویسے بھی مجھے آپ کی پریشانی کا اندازہ ہو رہا ہے۔ شانہواز ام پنکچوئیلٹی کو بہت ناپسند کرتا ہے۔ تھوڑی بہت ڈانٹ تو آپ کو کھانا ہی پڑے گی۔'' ان کا انداز بہت دوستانہ اور نرمی لیے ہوئے تھا۔ ثانیہ سے مسکرایا بھی نہیں گیا۔ اس کی سوئی تو ''تھوڑی بہت ڈانٹ'' پر ہی اٹک گئی تھی۔

''کتنا لیٹ ہو؟'' شمسہ نے پوچھا۔

''چار منٹ۔'' ثانیہ نے بے چارگی سے کہا، شمسہ ہنس دیں۔

''اور یہ چار منٹ بھی یقیناً ہماری وجہ سے لیٹ ہوئی ہو ورنہ جس اسپیڈ سے تم جا رہی تھیں اب تک یقیناً اپنی سیٹ پر ہوتیں۔ میرا خیال ہے مجھے خود جا کر شاہنواز کو ثانیہ کے لیٹ پہنچنے کی وجہ بتا دینا چاہیے کیوں جہانگیر......''

''نو میم......'' اس سے قبل کہ جہانگیر کوئی جواب دیتے ثانیہ نے جلدی سے کہا۔

''کیوں بھئی......'' شمسہ حیران ہوئیں۔

''اور آخر اس میں مضائقہ بھی کیا ہے؟'' ثانیہ نے بے بسی سے دونوں کو دیکھا پھر بے چارگی سے بولی۔

''کل میں نے غلطی سے ان کے سامنے اپنی رسٹ واچ پر مسلسل دو بار ٹائم دیکھ لیا تھا۔ اس وقت وہ مجھے ایک فائل کے متعلق بتا رہے تھے لیکن میرے ٹائم دیکھنے پر غصے میں آ گئے اور کہنے لگے۔ آپ بار بار ٹائم دیکھ کر خود کو بہت پنکچوئل ثابت کرنا چاہتی ہیں یا یہ کہ میں آپ کا وقت برباد کر رہا ہوں۔

اب ایسا نہ ہو کہ آپ کے جانے پر بھی غصے میں آ جائیں۔ شاہنواز سر! کس بات پر غصے میں آ جائیں، کچھ پتہ بھی تو نہیں چلتا۔''

مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق اس نے سب کچھ اگل ہی دیا تھا اور شمسہ اور جہانگیر نے ہنستے ہوئے اسے جانے کی اجازت دے دی تھی۔

پھر اس روز تو اسے ڈانٹ پڑی سو پڑی مگر اس کے بعد شمسہ جب بھی آفس آتیں شاہنواز سر سے بھی ملنے آتیں اور اس سے باس کی سخت گیر طبیعت کے ماند پڑ جانے کے متعلق ضرور پوچھتیں۔

بات تو خیر مذاق مذاق میں ختم ہو جاتی مگر ان بے حد معمولی اور بے ضرر ملاقاتوں کے طفیل ثانیہ کی شمسہ سے جھجک کافی حد تک کم ہو گئی تھی۔ ان کے اخلاق کی تو خیر وہ اسی روز قائل ہو گئی تھی جس روز زری کے ہاں ان سے ملاقات ہوئی تھی۔

اس روز بھی وہ سر جھکائے کسی فائل میں منہمک تھی جب میز کی سطح پر کسی نے انگلی کی پور سے دستک دی۔ ثانیہ نے مصروفیت بھرے انداز میں سر اٹھایا۔ سامنے شمسہ کھڑی تھیں اپنے دلکش چہرے اور فریش مسکراہٹ کے ساتھ۔

''میم! شاہنواز سر تو آج نہیں آئے۔'' چھوٹتے ہی اس نے انہیں مطلع کر دیا تھا۔

''میں جانتی ہوں۔'' شمسہ کے جواب نے اسے حیران کیا اور اس سے اگلی بات نے اور بھی زیادہ۔

''آج میں اسپیشل تم سے ملنے آئی ہوں۔'' ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے جواب دیا۔

''پوچھو گی نہیں۔ میں تم سے کیوں ملنے آئی ہوں۔''

''پوچھوں گی لیکن پہلے آپ یہ بتایئے آپ کیا لیں گی؟ چائے، کافی یا کولڈ ڈرنک؟'' اس نے اپنی حیرانی پر قابو پاتے ہوئے حق

میز بانی ادا کیا۔

''اونہہ...... کچھ بھی نہیں...... موڈ ہی نہیں ہے۔''

''آپ اسپیشل مجھ سے ملنے آئی ہیں اور یہ میرے لیے آنر کی بات ہے اور چونکہ آج آپ میری گیسٹ ہیں تو میں آپ کو کچھ کھائے پیئے بغیر تو نہیں جانے دے سکتی۔''

''چلو ٹھیک ہے پھر کولڈ ڈرنک منگوا لو۔'' انہوں نے آمادگی ظاہر کی۔ ثانیہ نے مسکراتے ہوئے انٹرکام پر آرڈر دیا تھا اور پھر ان کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

''دراصل پرسوں میری بڑی بیٹی اسوہ کی انگیجمنٹ ہے اور میں تمہیں اسی سلسلے میں انوائیٹ کرنے آئی ہوں۔'' انہوں نے کارڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''کوئی بہت بڑا فنکشن تو ہے نہیں۔ بس آناً فاناً ہی سب کچھ طے پا گیا اس لئے کوئی گرینڈ فنکشن نہیں کر رہے ورنہ جہانگیر یقیناً سارے اسٹاف کو انوائیٹ کرتے۔ میں نے کہا بھئی آپ کسی کو انوائیٹ نہ کریں میں تو اپنی فرینڈز کو ضرور انوائیٹ کروں گی اور میرا خیال ہے ہم دونوں فرینڈز ہی ہیں۔'' شمسہ نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''میرا خیال ہے ہماری عمروں کے فرق کے باوجود تمہیں میری فرینڈ بننے پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا؟'' ثانیہ ان کے اتنی معصومیت سے پوچھنے پر ایکدم ہنس دی تھی۔

''آپ کی فرینڈ بننا میرے لئے بہت فخر کی بات ہے۔'' اس نے کارڈ پکڑتے ہوئے کہا۔

''لیکن آئی ایم سوری میم! فنکشن میں نہیں آسکوں گی۔'' اسے گھما پھرا کر بات کرنا مناسب نہ لگا تو صاف ہی کہہ دیا۔

''کیوں بھئی؟''

''رات کا فنکشن ہے اور رات میں میرے لیے تنہا گھر سے نکلنا بہت مشکل ہوتا ہے۔'' اس کا خیال تھا یہ ایک معقول بہانہ ہے لیکن شمسہ نے اس کا بہانہ فوراً ہی رد کر دیا۔

''ڈونٹ وری۔ تمہارے پک اینڈ ڈراپ کی ذمہ داری میری ہے۔''

''لیکن میم!'' اس نے کہنا چاہا۔

''اوہو ثانیہ! نو ایکسکیوزز...... تمہیں آنا ہی ہوگا، میں تمہیں اپنی بیٹیوں سے ملواؤں گی۔ وہ بہت خوش ہوں گی تم سے مل کر۔''

وہ اتنا اصرار کر رہی تھیں ناچار ثانیہ کو اثبات میں سر ہلانا ہی پڑا۔

☆......☆......☆

''میں نہیں جاؤں گی۔'' شفق بڑے اشتیاق و دھیان سے انویٹیشن کارڈ دیکھ رہی تھی۔ جب ثانیہ نے کہا۔

''ایں......لیکن کیوں؟'' شفق نے تعجب سے اسے دیکھا۔

تمہیں جانا چاہیے ثانیہ! انہوں نے اتنے پیار سے انوائیٹ کیا ہے۔''

''اور نہیں تو کیا۔'' زینب بولی۔

''پیار سے تو کیا ہمیں تو کوئی اب غصے سے بھی اپنے فنکشن میں انوائیٹ نہیں کرتا...... جب سے عانیہ گئی ہے مجھے ایسا لگتا ہے ہم سب کو چھوت کی بیماری ہوگئی ہے۔ آپ ضرور جائیں ثانیہ آپی۔ اتنے عرصے کے بعد کوئی فنکشن اٹینڈ کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ آپ کو چانس مس نہیں کرنا چاہیے......آپ کی جگہ میں ہوتی تو ضرور جاتی۔''

ثانیہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ اتنے دن بعد کسی نے عانیہ کا نام لیا تھا۔ یوں لگا جیسے ساری فضا میں کوئی زہریلی گیس بھر گئی ہو۔ بڑی دیر تک ان سب کے درمیان خاموشی رہی پھر زرمین نے اس خاموشی کو توڑا۔

''واقعی آپی! آپ ضرور جائیں۔ پھر پتا تو چلے۔ آخر اتنے امیر لوگوں کے فنکشنز آخر ہوتے کیسے ہیں۔'' اس نے ماحول کو تکدر دور کرنے کی کوشش کی تھی۔

''کیسے ہوں گے؟'' زینب نے بھی حصہ لیا۔

''ویسے ہی جیسے ٹی وی ڈراموں اور فلموں میں ہوتے ہیں۔'' اس نے خود ہی جواب بھی دے دیا تھا۔

''سوال یہ نہیں کہ فنکشن کیسا ہوگا؟'' ثانیہ نے تحمل سے کہا۔

''سوال یہ ہے کہ انہوں نے پورے اسٹاف میں صرف چند لوگوں کو انوائیٹ کیا ہے اور ان چند لوگوں میں سے میں بھی ایک ہوں اور جواب یہ ہے کہ میں نہیں جانا چاہتی۔''

''کیوں؟'' ان سب نے جھنجلا کر پوچھا۔

''دوستیاں اور تعلق اپنے جیسے لوگوں کے ساتھ ہی رکھنے چاہئیں۔ پتا نہیں تم لوگوں کو میری بات سمجھ کیوں نہیں آرہی۔'' وہ اپنا ماضی الضمیر نہیں سمجھا پارہی تھی اس لیے اور بھی جھنجلا گئی۔

''وہ بڑے لوگ ہیں، بڑے لوگ بعض اوقات مروت اور بعض اوقات فیشن میں چھوٹے لوگوں کو دوست بنا بھی لیتے ہیں اور انہیں اپنے فنکشنز میں انوائیٹ بھی کرلیتے ہیں۔ مگر ان دوستوں کا نقصان سراسر ہم جیسے چھوٹے اور مڈل کلاس لوگوں کو ہوتا ہے۔ ان امیروں کے درمیان میں کتنی ہونق لگوں گی اور میں جتنا بھی مہنگا گفٹ لے جاؤں پتہ نہیں ان کی امارت کی ناک کے نیچے آئے گا یا نہیں۔''

''چھوٹے ذہن کے لوگ گفٹ کی قیمت تلاش کرتے ہیں ورنہ خلوص بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔'' زینب کو اسکی بات ناگوار گزری تھی۔

''امیر لوگوں میں تحفے کی قیمت سے خلوص کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔''

''ضروری تو نہیں۔'' یہ زمین تھی۔

''ہاں ضروری تو نہیں۔'' اس نے بیڈ شیٹ پر انگلی پھیرتے ہوئے سادگی سے کہا۔

''لیکن پتہ نہیں کیوں میرا دل نہیں چاہ رہا جانے کو......اور پھر وہاں شاہنواز سر بھی تو ہوں گے اور مجھے ان سے بہت ڈر لگتا ہے۔'' اس نے منہ بگاڑ کر کہا۔

''جن ہیں کیا؟'' کشف نے کہا۔

''چھ فٹ کا جن تو ہوں گے......اتنے سڑیل اور مغرور لگتے ہیں کہ بس اللہ ہی بچائے۔'' اس نے باقاعدہ کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔

''اگر شمسہ میڈم نے نہ آنے کی وجہ پوچھی تو کیا کہو گی؟'' شفق نے کارڈ رکھتے ہوئے کہا، جواب میں وہ لاپروائی سے بولی۔

''دیکھا جائے گا۔ کوئی بہانہ بنا دوں گی۔'' اس نے لیٹتے ہوئے کہا اور جیسے کوئی بوجھ کندھوں سے ہٹ جانے کے خیال سے پرسکون ہو کر آنکھیں موند لیں۔

ایک روز بعد اتوار تھا اور اسی روز وہ فنکشن تھا جس کا اسے دعوت نامہ دیا گیا تھا۔ لیکن چونکہ وہ نہ جانے کا تہیہ کر چکی تھی سو اطمینان سے اتوار کے لئے چھوڑے جانے والے کام نبٹا رہی تھی کہ بالکل غیر متوقع طور پر شمسہ میڈم کا فون آ گیا۔

''ہاں ثانیہ! میں نے یہ کہنے کے لیے فون کیا تھا کہ تم تیار رہنا میں ساڑھے سات تک تمہیں لینے کے لئے گاڑی بھجوا دوں گی اور اپنی والدہ سے کہہ دینا تمہارے لیے بالکل فکرمند نہ ہوں، واپسی پر میں خود تمہیں ڈراپ کرنے آؤں گی۔''

وہ جو کوئی بہانہ سوچ رہی تھی کچھ بھی نہ کہہ سکی اور ''او کے میم'' کہہ کر بے بسی کے عالم میں ریسیور رکھ دیا۔

☆......☆......☆

ڈرائیور نے استقبالیہ تک اس کی رہنمائی کی تھی۔

''آپ یہاں سے اندر چلی جایئے۔''

وہ کہہ کر تیزی سے دوسری طرف چلا گیا۔ ثانیہ کے پیر زمین میں دھنس گئے۔ اتنے لوگ تھے ایک بھی شناسا چہرہ نہیں۔ آخر کس سے شمسہ میڈم کے متعلق پوچھے۔ یہاں کتنی اجنبیت و بے گانگی تھی۔

زینب نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ اتنی دور سے بھی وہ دیکھ سکتی تھی۔ ٹی وی ڈراموں اور فلموں میں دکھائے جانے والے فنکشنز جیسا فنکشن ہی تھا۔

روشنیوں اور رنگوں سے بھرپور۔

ثانیہ کا دل چاہا واپس چلی جائے۔ اپنی کم مائیگی کا بڑی شدت سے احساس ہو رہا تھا۔ اس کا لباس وہاں موجود خواتین کے لباس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھا۔ نہ کوالٹی نہ قیمت، نہ کوئی شاندار ڈیزائن، کہاں وہ سب ڈیزائنر کپڑے پہننے والے لوگ اور کہاں اس کا عام سا شلوار سوٹ، پھر وہ تحفہ جس کی قیمت نے بے شک مہینے بھر کا بجٹ بگاڑ دیا تھا اور اگلی تنخواہ مل جانے تک باقی بچ جانے والے روپے اسے بہت سوچ سمجھ کر بلکہ بچا بچا کر خرچ کرنا تھے۔ مگر وہ جانتی تھی سینکڑوں قیمتی تحائف کے دوران اس کا لایا ہوا گفٹ بہت بے چارا سا لگے گا۔

وہ کچھ دیر بیزاری سے کھڑی رہی پھر یکا یک اس کی ازلی بے نیازی لوٹ آئی۔

''کیا ہوا جو میں مڈل کلاس ہوں؟ کیا ہوا جو میرے پاس ان کی طرح بے حد شاندار اور بیش قیمت لباس اور جیولری نہیں ہے۔ ویسے بھی میں خود تو نہیں آئی مجھے بلایا گیا ہے، وہ بھی بے حد اصرار سے۔'' وہ خود کو مطمئن کرتی بڑے اعتماد کے ساتھ اندر کی جانب بڑھی۔ اگلے ہی پل سارا اعتماد زمین بوس ہو گیا۔ شاہنواز تعجب سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''السلام علیکم سر۔'' آفس کی عادت پڑی ہوئی تھی سو اب بھی سٹپٹا کر سلام ہی داغ دیا۔

شاہنواز نے سر ہلا کر سلام وصول کر لیا پھر بولا۔

''مس ثانیہ! آپ یہاں......'' ابھی آدھا سوال منہ میں تھا کہ اس نے بوکھلا کر جملہ اچک لیا۔

''سر! مجھے شمسہ میم نے انوائیٹ کیا ہے۔ میرے پاس انویٹیشن کارڈ بھی ہے، بلیومی سر! میں بن بلائے نہیں آئی۔'' شاہنواز کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ثانیہ کی بوکھلاہٹ بڑی دلچسپ تھی۔

''رہنے دیں کارڈ مت دکھائیں۔'' شاہنواز نے اسے پرس میں سے کارڈ نکالتے دیکھ کر کہا۔

''میں نے آپ سے کارڈ دکھانے کے لیے کہا بھی نہیں ہے۔ ظاہر ہے کسی نے تو انوائیٹ کیا ہوگا تب ہی تو آپ آئی ہیں۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں آپ اتنی دیر سے یہاں ہی کیوں کھڑی ہیں۔ گفٹ دیے بغیر یہاں سے ہی واپس جانے کا ارادہ ہے؟'' ثانیہ شرمندہ سی ہو گئی۔ حیرانی الگ تھی۔ باس صاحب مسکرا بھی رہے تھے۔ لہجہ بھی خوشگوار تھا۔ اس کے لیے تعجب لازمی ٹھہرا۔

''آپ میرے ساتھ آیئے۔''

ثانیہ کو خاموش کھڑا دیکھ کر اس نے آرڈر دیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا چل دیا۔ ثانیہ چونک کر اس کے پیچھے دوڑی۔

ایک لمبی روش تھی جس کے دونوں جانب گھاس کے وسیع و عریض قطعے تھے، نظر جہاں تک جاتی زرق برق کپڑوں پر مصنوعی قمقموں کی روشنیاں منعکس ہوتی تھیں۔

یہ وہ ماحول تھا جس کی چکا چوند آنکھوں کو بڑا نقصان پہنچاتی ہے......کچھ ذہن کے لیے بڑی کشش ہوتی ہے اس میں۔

لیکن ثانیہ کے لیے یہاں کچھ معنی نہ تھے۔

بہت چھوٹی سی عمر سے اپنی انگلی خود ہی پکڑ کر چل رہی تھی، پریکٹیکل لائٹ میں تب قدم رکھا جب اس کی ہم عمر لڑکیاں ماؤں کے آنچل کی اوٹ سے دنیا دیکھ رہی تھیں اور دنیا کے ہر ہر چلن کو انہی کے ذہن سے پرکھ رہی تھیں۔ ثانیہ نے تب ہی سمجھ لیا۔ دنیا میں آنکھوں کو خیرہ کرنے کی قوت بہت ہے مگر یہ روشنی ایسی ہی ہے جیسے پانی کی سطح پر ہوا کا بلبلہ جہاں مرعوب ہوگی نقصان اٹھائے گی۔ سوایک محسوس کن بے نیازی اس کی شخصیت کا حصہ بنتی چلی گئی۔

لہٰذا اس وقت وہ جہاں تھی وہاں آکر متاثر ضرور ہوئی تھی مگر مرعوب نہیں۔ لیکن شاید اس کی قسمت بری تھی یا دن ہی خراب تھا۔

اردگرد کا جائزہ لیتی سر کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی حالانکہ اتنا بھی اپنی توجہ کو ادھر ادھر بکھیر رہا تھا کہ سامنے نظر ہی نہ جاتی۔ شاہنواز نے اچانک بازو سے پکڑ کر گھسیٹ لیا۔

''کیا ہو گیا ہے مس ثانیہ! دیکھ کر چلیں۔'' ثانیہ اس افتاد پر متعجب ہوئی، پھر چونک کر پہلے سر کی شکل دیکھی پھر صورتحال کا جائزہ لیا اور مانو دماغ بھک سے اڑ گیا۔ ستون نما گلدان پر بڑے سے پیالے میں بالکل اصلی کوئلے سلگ رہے تھے۔ وہ ٹکرا جاتی تو ایک منٹ بھی نہیں لگنا تھا اسے بری طرح جھلس جانے میں۔

''پپ...... پتہ نہیں سر! یہ اچانک کیسے سامنے آ گیا۔'' اس نے سراسیمگی سے کہا۔

''یہ سامنے نہیں آیا آپ اس کے سامنے آئی ہیں ورنہ یہ بے چارا تو کب سے یہیں پڑا ہوا ہے۔ چوٹ تو نہیں لگی۔'' اس نے ڈپٹ کر پوچھا۔ ثانیہ نے شرمندگی و آہستگی سے نفی میں سر ہلایا۔

شاہنواز نے اس کی زرد پڑتی رنگت پر غور کیا پھر قریب رکھی کرسی گھسیٹ کر سامنے کی۔

''بیٹھیں۔'' قریب سے گزرتے ویٹر سے کولڈ ڈرنک کا گلاس لے کر اسے دیا۔ ثانیہ کے حواس سچ مچ بحال نہ تھے۔ گلاس پکڑا اور غٹا غٹ چڑھا گئی۔

''تھینک یو سر!''

''اب کیسا فیل کر رہی ہیں؟'' اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی شاہنواز کو کسی نے آواز دے کر اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

''دوستوں کے لیے تو ہمارے پاس وقت ہی وقت ہے تم یہ اپنے زنانہ شکوے سنبھال کر رکھو۔'' ثانیہ سر جھکائے سر کو متبسم لہجے میں کہتا سن رہی تھی۔

''تین دن سے تم رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن تم ہاتھ ہی نہیں آ رہے۔ لگتا ہے میری نہیں تمہاری منگنی ہے۔ کچھ ضروری بات کرنا تھی، اب ہاتھ آئے ہو تو چاہے پوری بات نہ سو، اپائنمنٹ ہی دے دو...... لیکن تم تو شاید مصروف ہو۔''

ثانیہ نے دیکھا نہیں مگر شاہنواز نے ایک زبردست ٹھوکر حدید کو رسید کی تھی اور زبان بند رکھنے کا اشارہ بھی کیا تھا۔

''یہ مس ثانیہ ہیں ہمارے آفس میں کام کرتی ہیں۔ بخت انٹر پرائزرز سے وابستہ ہیں۔ثانیہ! آپ یہیں بیٹھیں میں خالہ امی کو آپ کی آمد کے متعلق بتادیتا ہوں۔''

ثانیہ کہنا چاہتی تھی میں خود ان سے مل لیتی مگر کچھ سوچ کر خاموش رہی۔ اتنے انجان چہرے تھے وہ کہاں میڈم کی تلاش میں خوار ہوتی۔ وہیں بیٹھی ارد گرد دیکھتی رہی تب ہی نظر اسی گلدان پر جارکی۔ بڑی بےزاری ہوئی۔

اس نے دیکھا وہاں ہر طرف تھوڑے تھوڑے فاصلے پر اسی طرح کے گلدان اور پیالے نظر آ رہے تھے۔

''کوئی ان امیروں سے پوچھے۔اچھے بھلے پلرز کو آدھا آدھا کاٹ کران پر تسلوں جیسے پیالوں میں کوئلے سلگانے کی کیا تک بنتی ہے؟ اتنی سردی لگ رہی ہے تو اندر ہال میں ارینجمنٹ کیوں نہیں کیا۔'' سوچ اپنی تھی اور فراغت بھی وافر۔سو سوچے چلی گئی۔

''ویسے لگتا تو نہیں کہ یہاں کسی کو سردی لگ رہی ہو گی۔ کیسے بیشتر خواتین سلیولیس شرٹس اور باریک باریک کپڑے پہن کر گھوم رہی ہیں۔'' اسے شمسہ کی آواز نے متوجہ کیا تھا۔وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بہت پیاری لگ رہی ہو اور سچ کہوں تو تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے خوشی بھی بہت ہو رہی ہے۔ پتہ نہیں کیوں لیکن مجھے لگ رہا تھا تم نہیں آؤ گی۔'' بہت محبت سے اس کے گال پر بوسہ دیتے ہوئے وہ اپنی فطری بےتکلفی و محبت سے کہہ رہی تھیں۔ثانیہ کو اپنے خیالات پر شرمساری سی محسوس ہونے لگی۔

''آپ نے اتنے پیار سے بلایا تھا میں کیسے نہ آتی۔'' اس نے جھوٹ سے کام لیا۔شمسہ اور بھی مسکرانے لگیں۔

''تھینک یو سو مچ۔آؤ میں تمہیں اپنی بیٹیوں سے ملواتی ہوں۔ میں نے انہیں بتایا تھا میری بہت پیاری سی فرینڈ آنے والی ہے۔ نشوئی کہنے لگی۔مما آپ کی فرینڈ کتنی پیاری ہے وہ تو جب وہ آئیں گی تب ہی پتہ چلے گا۔ مجھے یقین ہے آپ کی فرینڈ میری فرینڈ سے زیادہ پیاری نہیں ہو سکتی۔لیکن اب اسے پتہ چل جائے گا میری فرینڈ کتنی گڈ لکنگ ہے۔ ریئلی ثانیہ! تم بہت پیاری لگ رہی ہو یہ کلر بہت سوٹ کر رہا ہے۔'' وہ بہت خوش تھیں اور خوشی ان کے ہر انداز سے پھوٹ رہی تھی۔ ثانیہ جھینپ سی گئی۔

''آپ بھی بہت اچھی لگ رہی ہیں۔'' شمسہ ہنسنے لگیں۔

''میں نے تمہاری تعریف اس لیے نہیں کی کہ جواباً تم بھی میری تعریف کرو......تم تو ادھار میں بھی نہیں رہیں۔''

''میں بدلہ نہیں چکا رہی آپ سچ مچ بہت اچھی لگ رہی ہیں۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

''میں تمہاری بات کا یقین کر لیتی ہوں۔ ویسے یہاں اکثر لوگوں نے میری تعریف کی ہے، لیکن مجھے کسی بات پر یقین نہیں آیا۔ دراصل میں اچھی لگ رہی ہوں تو جہانگیر سب سے پہلے سراہتے ہیں، آج وہ ہماری بیٹی کی منگنی کے سلسلے میں اتنے مصروف ہیں کہ تعریف کرنا تو دور کی بات میری طرف دیکھا بھی نہیں ہے۔'' ان کا انداز شکایتی نہیں شرارتی تھا، ثانیہ مسکراتے ہوئے بولی۔

”لیکن آپ بہت لکی ہیں میم! کہ آپ کو سر جیسا لائف پارٹنر ملا......وہ بہت نائس ہیں۔“

”جانتی ہوں۔“ شمسہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”لیکن میرا خیال ہے تمہارے سر لکی ہیں۔ میں ان کی بیوی ہوں ان کی خوش قسمتی کہ اس سے بڑی نشانی اور کیا ہو سکتی ہے۔“

”فریق ثانی کی غیر موجودگی میں ہم کوئی حتمی فیصلہ نہیں کر سکتے۔“ اس کے مزے سے کہنے پر شمسہ ہنسنے لگی تھیں۔ پھر نشوی کو آواز دے کر بلایا۔

”ثانیہ! یہ میری چھوٹی بیٹی نشوی ہے۔“ شمسہ نے تعارف کروایا۔ نشوی نے جملہ اچک لیا۔

”اور یہ یقیناً ثانیہ ہیں۔“ اس کا انداز سوالیہ تھا۔ اثبات میں جواب ملنے پر فوراً بولی۔

”میں نے انہیں دور سے ہی پہچان لیا تھا کیونکہ آپ کی کوئی بھی فرینڈ اتنی پیاری اور کم عمر تو ہے نہیں۔“ اس کا انداز شرارت لیے ہوئے تھا۔

”یعنی تم مانتی ہو کہ میری فرینڈ خوبصورت ہے۔“

”بالکل مانتی ہوں۔“ نشوی نے جھٹ سے کہا۔

”یہ بالکل سامنے تو کھڑی ہیں شک کی گنجائش ہی نہیں ہے۔“

”میں اتنی خوبصورت تو نہیں ہوں۔“ اس نے شرمندگی سے کہا۔ تعریف......وہ بھی اتنی ساری......اور مسلسل......اس کا جھینپ جانا لازمی امر تھا۔ وہ دونوں ماں بیٹی ہنسنے لگیں۔

”تمہیں کیسے پتہ تم خوبصورت نہیں ہو۔ یہ تو دیکھنے والی آنکھ بتا سکتی ہے۔“

”ایگزیکٹلی۔“ نشوی نے تالی بجا کر کہا پھر اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔

”مما! میں انہیں اسوہ کے پاس لے جاتی ہوں ان کی اردو بھی ہم دونوں سے زیادہ اچھی ہے اور ان کا تعریف کرنے کا انداز بھی بہت اٹریکٹو ہوتا ہے۔ ہماری بات پر تو انہیں یقین نہیں آ رہا۔ اس کی بات پر ضرور آ جائے گا۔“

”میری فرینڈ کو بور مت ہونے دینا۔“ شمسہ نے تاکید کی۔

”یو ڈونٹ وری......آیئے ثانیہ۔“

وہ نشوی کے ساتھ کھنچتی چلی گئی۔ اسوہ اپنی فرینڈز کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ ثانیہ سے بہت خوش اخلاقی سے ملی۔ اس کا تحفہ بھی خوشدلی سے وصول کیا۔ وہ بہت پیاری لگ رہی تھی مگر روایتی طرز سے سر پر دوپٹہ نہیں اوڑھا تھا۔

”کیوں اسوہ! ثانیہ بہت خوبصورت نہیں ہیں۔“ جب اسوہ اس کا تعارف اپنی سہیلیوں سے کروا چکی تب نشوی نے کہا۔ ثانیہ کا

دل چاہا سر پیٹ لے وہ اب تک بھولی نہ تھی اور ثانیہ بے چاری کا مسئلہ یہ تھا کہ اسے تعریفیں سننے کی عادت نہ تھی۔

''صرف خوبصورت۔'' اسوہ نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''یہ بہت سوبر اور گریس فل بھی ہیں۔ مما نے جب آپ کا ذکر کیا تو خوبصورتی کا بتایا تھا مگر ان دو خوبیوں کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔'' وہ مسکراتے ہوئے اپنائیت سے کہہ رہی تھی۔ ثانیہ صرف مسکرا دی، اس کے پاس اس بات کا جواب تھا بھی نہیں۔

نشوی دوسری طرف چلی گئی۔ ثانیہ کو کمپنی دینے کی ذمہ داری اب اسوہ کی تھی اور ثانیہ نے دیکھا وہ اس ذمہ داری کو بخوبی نباہ رہی تھی۔ ثانیہ کے لیے گو کہ وہ سب اجنبی تھیں مگر کچھ ہی دیر بعد اسوہ کی توجہ کی بدولت اسے اجنبیت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ کچھ دیر قبل جب وہ یہاں آئی تو کس قدر گھبرائی ہوئی تھی مگر اب وہ گھبراہٹ بھی دور ہو گئی اور وہ مسکراتے ہوئے یہ بھی سوچ رہی تھی۔

''میں تو سمجھی تھی جہانگیر سر اور شمسہ میڈم ہی خوش اخلاق ہیں لیکن یہاں آ کر پتہ چلا پوری فیملی ہی ایک دوسرے سے دو چار قدم آگے ہے۔ تہذیب اور شائستگی ان کی فطرت کا حصہ ہے ورنہ مجھ سے انہیں کیا غرض ہو سکتی ہے کہ بار بار مجھے سراہیں جبکہ میں تو ہوں بھی اتنی عام سی...... کسی کا دل اچھا ہو تو اسے ہر انسان میں خوبیاں دکھائی دیتی ہیں تو بات صرف اتنی ہے یہ سب لوگ ہی بہت اچھے ہیں پتہ نہیں...... پتہ نہیں شاہنواز سر کس پر چلے گئے۔''

وہ مسلسل مسکراتے ہوئے سوچ رہی تھی آخری جملے پر حلق کڑوا بھی ہوا مگر مسکراہٹ لبوں سے جدا نہ ہوئی جبکہ کچھ فاصلے پر حدید کے ساتھ بیٹھا شاہنواز جیسے لاشعوری طور پر سوچے چلا جا رہا تھا۔

''آخر اس لڑکی کو کہاں دیکھا ہے، کیوں مجھے اس کا چہرہ اتنا جانا پہچانا اور مانوس لگتا ہے۔'' وہ اسے دیکھتا تھا اور سوچتا تھا لیکن جو یاد کرنے کی کوشش کرتا تھا وہ تو اتنے دنوں میں یاد نہ آ سکا اب کیا آتا، تب ہی کچھ ہوا تھا کچھ اجنبی اور انجان سا۔

ثانیہ ہنستے ہوئے اسوہ سے کہہ رہی تھی۔ شاہنواز اس پر نظریں نہیں ہٹا سکا کیونکہ بہت دیر ہو چکی تھی۔

ثانیہ چوہدری کے آویزے سے یکے بعد دیگرے کئی ستارے نکل کر شاہنواز ملک کی بصارت میں جذب ہو چکے تھے اور تقدیر نے اپنی چال چل دی تھی۔

☆......☆......☆

کبھی کبھی اسے لگتا تھا گھنی تاریکی میں ہاتھ پیر مار رہی ہے۔ بارہا جسمانی تھکن کے ساتھ ساتھ ذہنی اضمحلال بھی گھیرنے لگتا تھا۔ مایوسی اتنی کہ حد نہیں۔

جیسے کوئی بند گلی ہو جس سے باہر نکلنے کی تمنا تو بہت تھی مگر راستہ سجھائی نہیں دیتا تھا۔

جو تھوڑی بہت آس آپا بیگم نے دلائی تھی مظہر کی شکل دیکھ کر وہ بھی زائل ہو گئی۔ اس نے بڑی مشکل سے خود کو اس کے سامنے

بھڑکنے سے روکا تھا ورنہ الاؤ تو اندر مستقل ہی بھڑکتا رہتا تھا۔

اب سوچ رہی تھی آخر اس کے سامنے اتنی برداشت کا مظاہرہ کیوں کیا؟ اس بے غیرت اور بے حس کو کون سا فرق پڑ جاتا۔ بھڑاس نکال دی ہوتی کم سے کم کچھ سکون محسوس ہو جاتا۔

یکا یک اسے احساس ہوا کل تک جہاں رحاب تھی آج اس مقام پر وہ خود کھڑی تھی۔ انکشاف تھا کہ مصیبت۔ اس کا دماغ پھٹنے لگا۔ قریب ہی کوئی کھڑا قہقہے لگا رہا تھا۔

''لوگ اتنا ہنستے کیوں ہیں۔'' اس نے بیزاریت سے اسے گھورا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس طرف چل دی جہاں بے ضرر لہریں ساحل کا دامن چھوڑ کر گہرے پانیوں کی طرف کھسکتی تھیں۔

وہ دل میں خود کو کوستی، خود سے ہی خفا چلتی رہی، چلتی رہی، پیروں کے نیچے پھسلتی ریت میں پیر رپٹ رہا تھا اسے رکنا پڑا۔

سمندر کی سطح پر عجب سی پراسراریت چھائی تھی اور کناروں پر شام کے رنگے چیکے چیکے جذب ہو رہے تھے۔

وہ وہیں کھڑی الجھتی رہی تب ہی ایک تیز لہر آئی اور اسے پنڈلیوں تک بھگو گئی۔ اس نے پیر مضبوطی سے جمائے نہ ہوتے تو ضرور گر جاتی۔ حماقت کا احساس ہوتے ہی وہ واپسی کے ارادے سے پلٹی۔ تب ہی اسے اپنے پیر پر کچھ حرکت سی محسوس ہوئی تھی۔

اس نے گردن جھکا کر دیکھا۔ کالے رنگ کا انگلی برابر کیکڑا اس کے پاؤں پر چڑھا بیٹھا تھا۔ اگلے ہی پل اس کی چیخوں نے سمندر کی سطح پر پھیلے سکوت کے پردے پر دراڑیں ڈال دیں۔ کیکڑا اس کے مسلسل اچھلنے سے ہراساں ہو کر پانی کی طرف دوڑ گیا اور گیتی سامنے پتھروں کی طرف۔

کچھ حواس بحال ہوئے جان میں جان آئی تو پیر کا جائزہ لیا۔ کم بخت جاتے جاتے زخم تو لگا ہی گیا تھا۔ انگوٹھے سے خون بھی بہہ رہا تھا۔ گیتی نے ادھر ادھر دیکھا تا کہ کسی کو مدد کے لیے پکار سکے مگر وہاں دور دور تک پتھر تھے یا پانی، اگر کچھ لوگ دکھائی دے بھی رہے تھے تو یہاں سے اتنا دور تھے کہ اس کی چیخیں بھی سن کر متوجہ نہ ہوئے تو اب کیا خاک آتے۔

غلطی اس کی اپنی تھی۔ تنہا رہنے کے شوق میں اس طرف نکل آئی تھی اور اب جان نکل رہی تھی۔

''کیا ہوا؟'' وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ اب کیا کرے کہ اپنے بے حد قریب اس نے آواز سنی تب ہی بری طرح اچھل پڑی۔ گردن موڑ کر دیکھا اس کے عقب میں کچھ پتھر چھوڑ کر ایک خوش شکل بلکہ بے حد وجیہہ لڑکا بیٹھا پاپ کارن کھا رہا تھا اور وہیں سے تھوڑا سا آگے کو جھکا اس کے پیر کا معائنہ کر رہا تھا۔

گیتی کو حیرت ہوئی یہ پہلے کیوں دکھائی نہیں دیا۔

''کیکڑے نے کاٹ لیا ہے۔'' وہ شاید اس کی مدد کر سکتا تھا۔

''ظاہر ہے اتنے گہرے پانی میں خزانے تو صرف ہالی ووڈ کی پھٹیچر فلموں میں ہی مل سکتے ہیں۔ یہاں تو کیکڑے ہی ملیں گے۔''
وہ بڑے اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

''ویسے آپ اتنے گہرے پانی میں کرنے کیا گئی تھیں۔''اس نے دوستانہ انداز میں پوچھا۔گیتی کو اس کی پہلی بات پر حیرت ہوئی تھی۔اب ناگواری سے جان ہی جل گئی۔

''خودکشی کرنے گئی تھی۔''وہ چیخ کر گویا ہوئی۔

''واقعی۔''اس کی آواز میں تعجب تھا۔اگلے ہی پل اس تعجب کی جگہ بے پناہ مسرت نے لے لی۔

''میں بڑی دیر سے یہاں بیٹھا آپ کو اتنی گہرائی کی طرف جاتے دیکھ رہا تھا اور میرا اندازہ صحیح تھا کہ آپ خودکشی کرنے جارہی ہیں ورنہ کوئی بھی انسان میرا مطلب ہے عقل مند انسان جسٹ فار انجوائے منٹ اتنے گہرے پانی میں اترنے کا رسک نہیں لے سکتا۔ تھینک گاڈ۔میں نے آپ کو ڈسٹرب نہیں کیا۔''

گیتی بے یقینی سے اسے دیکھے گئی،شکل سے تو اچھا بھلا لگ رہا تھا،لیکن شاید دماغ ٹھیک نہیں تھا۔

''عجیب انسان ہو تم،اگر دیکھ ہی لیا تھا کہ میں گہرے پانی کی طرف جارہی ہوں تو انسانیت کے ناتے ہی ایک مرتبہ مجھے روکنے کی کوشش تو کرتے۔وہ تو میں لاعلمی میں......''

''میں کس خوشی میں روکتا آپ کو۔''اس نے بات قطع کی۔

''وجود آپ کا،زندگی آپ کی،جئیں یا مریں میں کون ہوتا ہوں منع کرنے والا۔ویسے بھی میں شخصی آزادی کا قائل ہوں۔''

''بیڑہ غرق ہو ایسی شخصی آزادی کا جو کسی کی جان بھی نہ بچاسکے۔اونہہ...... پتہ نہیں میں یہاں بیٹھی دماغ کیوں کھپارہی ہوں،سچ کہوں تو آپ بہت بے حس انسان ہیں۔''

''اب اتنا بھی بے حس نہیں ہوں۔''اسے برا لگا۔

''آپ ہی دیکھ لیں مجھے پورا احساس ہو رہا ہے کہ آپ کو بھوک لگی ہے اور آپ کا یہ پاپ کارن کھانے کا بہت دل چاہ رہا ہے۔یہ لیجیے کھائیے اور مجھے دعائیں دیجیے۔''عجیب آدمی تھا گیتی کو سچ مچ پاگل لگا۔

''زہر ہے تمہارے پاس،وہی دے دو۔''وہ تڑخ کر بولی۔

''دیکھ نہیں رہے اتنا خون بہہ رہا ہے میرے پاؤں سے،یہ نہیں کہ میری کچھ مدد ہی کردو......اونہہ...... پاپ کارن کھائیے۔''ہوا سے اڑتے بالوں کو ایک ہاتھ سے سنبھالے وہ بھڑکی۔

''اس میں اتنا غصہ کرنے کی کیا بات ہے پاپ کارن ہی تو آفر کیے ہیں کوئی کیکڑا کھانے کو تو نہیں کہہ دیا۔''

''اوں...... کتنے گندے ہو تم۔'' اس کو ابکائی آنے لگی۔ ساتھ ہی اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔

وہ چھلانگ لگا کر پتھروں سے اترا اور اس کے سامنے آ کر بولا۔

''پاؤں پر رومال باندھ لیں اور آئیں میں آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے جاتا ہوں ورنہ ساری زندگی طعنے دیتی رہیں گی کہ تکلیف میں دیکھا اور علاج بھی نہ کروا سکے۔'' گیتی نے رومال جھپٹ لیا۔ پوری بات پر غور نہیں کیا۔

''رومال کے لیے شکریہ۔ لیکن مجھے تمہارے ساتھ نہیں جانا، مجھے بے حسی سے سخت نفرت ہے۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''یہ بے حس کون ہے؟ ویسے مجھے حنان کہتے ہیں۔'' وہ اس کے ساتھ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''کون کہتے ہیں۔'' گیتی نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

''سب یہی کہتے ہیں میری مام، میری سسٹر اور فرینڈز۔''

''اور جو تمہارے فرینڈز نہ ہوں وہ کیا کہتے ہیں۔'' گیتی کا انداز جتاتا ہوا تھا اور اس کا خیال تھا اس بار تو اسے لاجواب کر ہی دیا ہے مگر وہ بھی اپنے نام کا ایک ہی تھا اس نے ثابت کیا۔

''جو فرینڈز نہ ہوں وہ گرل فرینڈز ہوتی ہیں اور میری گرل فرینڈز مجھے ہنی کہتی ہیں۔ اب آپ خود فیصلہ کر لیں آپ مجھے حنان کہنا پسند کریں گی یا ہنی۔''

''ویری اسمارٹ۔'' باوجود ضبط کے اسے ہنسی آ گئی۔

''اپنی گرل فرینڈز کی اصل تعداد بتا سکتے ہو؟'' یکایک اسے دلچسپی محسوس ہوئی۔

''اتنی فرصت کسے ہے کہ اصل تعداد یاد رکھتا پھرے۔'' اس نے اپنی سابقہ لاپروائی اور سنجیدگی سے کہا۔

''مجھے تو بس اتنا ہی یاد ہے کہ میرا پہلا بریک اپ نو سال کی عمر میں ہوا تھا۔ مشعال میری کلاس میٹ تھی اور بہت کیوٹ لڑکی تھی۔''

''اس کا مطلب تمہیں کیوٹ لڑکیاں اچھی لگتی ہیں۔''

''لگتی ہیں نہیں لگتی تھیں...... اب مجھے بولڈ اینڈ بیوٹی فل لڑکیاں اچھی لگتی ہیں۔''

''اور تمہاری پسند کتنے عرصے کے بعد بدل جاتی ہے؟''

''کبھی حساب نہیں رکھا لیکن میرا خیال ہے پانچ، چھ سال تو باآسانی نکل جاتے ہیں۔''

گیتی نے گردن موڑ کر اسے دیکھا اور بے ساختہ دل میں سراہا۔ اس کا چہرہ لاکھوں میں ایک تھا۔ ایک شاہانہ سی بے نیازی اس کے تمام نقوش سے چھلک رہی تھی مگر......

''کوئی ٹیکسی روک دو گے؟'' اس نے اچانک کہا۔

''کیوں؟''

''پہلے کسی کلینک پر جا کر بینڈ یج کرواؤں گی پھر گھر جاؤں گی۔''

''میرے پاس میری گاڑی ہے۔آیئے میں لفٹ دے دیتا ہوں۔''

''نہیں شکریہ۔ مجھے تیز رفتار لوگ اچھے نہیں لگتے۔''اس نے سادگی سے جتا دیا۔

''اوہ رئیلی۔سیم ہیر۔ویسے ہماری پسند آپس میں کتنی ملتی ہے نا؟ اپنے بارے میں آپ کو ایک اور بات بتا دوں میں بالکل بھی تیز رفتار نہیں ہوں، اسپیشلی جو انسان مجھے اچھا لگے اس کے تو قدم سے قدم ملا کر چلتا ہوں، دیکھیں آپ کے بالکل ساتھ ہی چل رہا ہوں۔'' گیتی نے بڑی مشکل سے اپنی ہنسی روک کر سنجیدگی اختیار کی۔

''تم جاؤ۔ مجھے تمہارے ساتھ کلینک نہیں جانا۔ٹیکسی میں خود لے لوں گی۔''

''کیوں؟''احتجاجاً وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہو گیا۔

''کیا میں آپ کو شکل سے اغوا برائے تاوان گروپ کا رکن لگتا ہوں۔''اس کا انداز کسی بچے کی طرح ناراضی لیے ہوئے تھا اور اس بار باوجود کوشش کے گیتی اپنی ہنسی روک نہیں پائی تھی۔

''میں نے یہ کب کہا ہے......تمہاری شکل تو اچھی خاصی ہے......''

''اتنی کم تعریف......پھر بھی شکریہ......تو پھر؟''

''تو پھر یہ کہ کسی کی شکل پر تو نہیں لکھا ہوتا کہ وہ کیسا ہے۔اچھی شکل کا مطلب یہ تو نہیں کہ میں تم پر بھروسہ کر لوں۔''اس نے متبسم لہجے میں کہا تھا۔

''بھروسہ کیوں نہیں ہے؟''اس نے پھر خفگی سے پوچھا۔

''کیونکہ میں تو تمہیں جانتی ہی نہیں ہوں، بھروسہ کیسے کر سکتی ہوں۔''اس نے اس دلچسپ لڑکے کے سامنے بڑے آرام سے اپنی معذوری ظاہر کر دی۔

''جاننے میں کون سا دیر لگتی ہے؟ میں ابھی آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤں گا واپسی پر آپ کو آپ کے گھر ڈراپ کرتے ہوئے کل لنچ کے لئے انوائیٹ کروں گا جس روز آپ میرے ساتھ لنچ کریں گی اس روز میں آپ کو ڈنر پر انوائیٹ کروں گا اور جس روز آپ میرے ساتھ ڈنر کریں گی اس روز ہو سکتا ہے میں آپ کو پرپوز کر دوں۔اب اتنا سارا وقت ہم ساتھ گزاریں گے جان پہچان تو خود بخود ہو جاتی ہے۔''

وہ اتنا بڑا فلرٹ تھا یہ ممکن ہی نہ تھا کہ اس کی زنبیل سے متاثر کن جملے برآمد نہ ہوتے۔ساحل کی ہوا نے اس لڑکی کی کھلکھلاتی ہنسی

کوسنا تو چونک کر اس کی پیشانی پر لکھی تقدیر کی تحریر پڑھی اور خاموشی سے سمندر کی وسعتوں میں جذب ہوگئی۔

☆......☆......☆

اسوہ کو رسم کی ادائیگی کے لیے اسٹیج پر لایا جا رہا تھا اور اس ساری کارروائی کے دوران اسوہ کی سہیلیاں پیش پیش رہی تھیں۔نشوی تو اسے بھی اسٹیج پر ساتھ لے جانا چاہتی تھی مگر ثانیہ نے سہولت سے انکار کر دیا۔اسے مرکز نگاہ بننا پسند نہیں تھا۔لہٰذا وہیں بیٹھی دلچسپی سے دیکھتی رہی۔تب ہی اس نے شمسہ کو اسٹیج سے اتر کر اپنی طرف آتے دیکھا تھا۔

''تمہارا فون ہے۔'' انہوں نے اپنا سیل فون اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''میرا؟'' ثانیہ متعجب ہوئی۔شمسہ کے سیل پر اس کے لیے کال...... بات عجیب تھی۔

''تمہاری بہن کا ہے۔''

ثانیہ نے سیل کان سے لگالیا۔

''ہیلو۔''

''ثانیہ آپی!'' کشف اس کی آواز سنتے ہی رونے لگی تھی۔ثانیہ کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

''ہوا کیا؟'' بوکھلاہٹ میں وہ اپنی جگہ سے ہی کھڑی ہوگئی۔

''امی کی طبیعت بہت خراب ہوگئی ہے۔شفق آپی اور نرمین انہیں ہسپتال لے گئی ہیں۔'' اس نے روتے ہوئے بتایا۔

''کیا......'' ثانیہ کے اعصاب جواب دینے لگے،اس نے بایاں ہاتھ سر پر رکھا شمسہ اس کا کندھا تھپتھپا رہی تھیں۔

''تم فکر مت کرو کشف! میں بس ابھی آ رہی ہوں۔'' اس نے کال ڈسکنکٹ کر کے شمسہ کی طرف سیل بڑھایا تھا۔

''میم! میری امی......''

''تمہاری بہن نے بتایا ہے مجھے۔تم پریشان مت ہو ثانیہ! ان شاء اللہ تمہاری امی بالکل خیریت سے ہوں گی۔'' وہ اسے تسلی دیتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔مگر ثانیہ کیسے پریشان نہ ہوتی اس کا دل ڈوب ڈوب کر ابھر رہا تھا۔

''آئی ایم سوری میم! مجھے جانا ہوگا۔'' اس کے حلق میں جیسے الفاظ پھنس رہے تھے۔

''میں نے ڈرائیور سے گاڑی نکالنے کے لیے کہہ دیا ہے۔میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔خدانخواستہ تمہاری مدر کو اسپتال لے جانے کی ضرورت پڑی تو......'' کشف نے انہیں ادھوری بات بتائی تھی۔

''امی اسپتال میں ہی ہیں، میں یہاں سے سیدھی اسپتال ہی جاؤں گی۔لیکن آپ فکر نہ کریں میں اکیلی چلی جاؤں گی۔یہاں آپ کی موجودگی زیادہ ضروری ہے۔'' اس نے عجلت میں کہا۔

”وہ تو ٹھیک ہے لیکن میں تمہیں تنہا جانے نہیں دوں گی۔“ ابھی وہ کہہ ہی رہی تھیں کہ جہانگیر لاشاری بھی آ گئے۔ غالباً شمسہ انہیں بھی آگاہ کر چکی تھیں کیونکہ ثانیہ نے ان کے چہرے پر ویسا ہی تفکر دیکھا جیسا شمسہ کے چہرے پر تھا۔

”آپ خود بتایئے جہانگیر! میں اتنی رات کو اسے اکیلے کیسے جانے دے سکتی ہوں جبکہ میں نے وعدہ بھی کیا تھا کہ واپسی پر میں ہی اسے ڈراپ کرنے جاؤں گی۔“ کوئی اور وقت ہوتا تو یقیناً ثانیہ ان کے اتنے کیئرنگ رویے کو محسوس کرتی، فی الحال تو اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اس کے راستے میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہیں۔ جبکہ اس کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ اڑ کر ماں کے پاس پہنچ جائے۔ لاشاری سر بھی شمسہ میم کی تائید کر رہے تھے۔

”آئی ایم ویری تھینک فل میم! کہ آپ میرا اتنا خیال کر رہی ہیں۔ لیکن ابھی تو رسم ہونا باقی ہے۔ آپ یہاں موجود نہ ہوئیں تو کیا سوچیں گے لوگ...... آپ میری فکر مت کریں میں آپ کے ڈرائیور......“

”پاگل ہوئی ہو۔“ شمسہ نے ڈپٹ کر کہا۔

”ذرا اپنی گھڑی پر نظر ڈالو اتنی رات ہو گئی ہے۔ ہمارا ڈرائیور لاکھ قابل بھروسہ سہی مگر اتنی رات گئے تو میں اپنی بیٹیوں کو بھی ڈرائیور کے ساتھ نہ جانے دوں تو تمہیں کیسے جانے دے سکتی ہوں۔ البتہ......“ شمسہ کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔

”اگر تم مناسب سمجھو تو شاہنواز کے ساتھ چلی جاؤ وہ تمہیں اسپتال پہنچا دے گا۔“

ڈرائیور ہو یا شاہنواز سر...... اس کے لئے تو دونوں ہی ایک سے اجنبی تھے۔ پھر جانے وقت کیسے گزرا اسے صرف اتنا پتا تھا جہانگیر سر اور شمسہ میم اسے پارکنگ تک چھوڑنے آتے تھے اور جب تک وہ گاڑی میں بیٹھ نہیں گئی اسے پریشان نہ ہونے کی تاکید کرتے ہوئے تسلی دیتے رہے تھے۔ شاہنواز نے ایک نظر اس کے متفکر چہرے پر ڈالی اور کار آگے بڑھا دی تھی۔

ثانیہ کے خیالات گڈمڈ ہو رہے تھے۔ زندگی میں خوشیوں کی تو یوں بھی کمی تھی۔ بھائی کو کھو دیا مگر اب ماں کو کھونے کا حوصلہ نہیں تھا۔

”پلیز سر! تھوڑا جلدی چلایئے۔“ اپنے ہاتھوں کو مسلتے ہوئے اس نے گویا التجا کی تھی۔

شاہنواز کی نظریں اس وقت بیک مرر پر تھیں جہاں ثانیہ کی متفکر آنکھیں منعکس ہو رہی تھیں۔ لاشعوری سی حرکت تھی مگر اسے لگا چوری پکڑی گئی ہے۔ خاموشی کا طویل وقفہ دونوں کے مابین حائل ہوا لیکن جب پانچویں مرتبہ ثانیہ نے اپنی التجا دوہرائی تو اسے کہنا پڑا۔

”آپ دعا کریں مس ثانیہ! ان شاء اللہ آپ کی مدر کو کچھ نہیں ہوگا۔“

”آمین......“ اس نے صدق دل سے کہا تھا۔

شاہنواز نے گردن موڑ کر اس کی جانب دیکھا وہ آنکھیں بند کیے کوئی دعا مانگ رہی تھی اور گود میں رکھے اپنے ہاتھ بری طرح مسل رہی تھی۔ وہ خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔

اسپتال کے کاریڈور میں وہ مخصوص چہل پہل مفقود تھی جو دن کے اوقات کا حصہ ہوتی ہے۔ باہر لان اور انٹرنس پر بھی سناٹا تھا۔ شاہنواز کچھ سوچ کر اس کے ساتھ ہی اندر چلا آیا۔

ریسپشن سے معلومات لینے کے لیے وہ دونوں رکے تھے، جب شاہنواز نے دیکھا، ایک لڑکی بھاگتی ہوئی آئی اور ثانیہ کے گلے لگ کر رونے لگی۔ کسی خدشے کے درست ہو جانے کے احساس سے ثانیہ کی ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔

''امی ٹھیک ہیں نا نرمین! انہیں کچھ نہیں ہوا نا۔'' پتہ نہیں الفاظ کیسے اس کے لبوں سے ادا ہوئے تھے۔

''ہمیں آئے ہوئے آدھا گھنٹہ ہو گیا ہے آپی! ڈاکٹر اجمل ڈیوٹی پر نہیں اور کوئی ڈاکٹر امی کو چیک کرنے پر راضی ہی نہیں ہو رہا۔ وہ کہتے ہیں ڈاکٹر اجمل خود ہی آ کر چیک کریں گے، اپنی پیشنٹ کو......'' نرمین نے رو رو کر آنکھیں سوجا لی تھیں۔

''اس وقت کون سا ڈاکٹر ڈیوٹی پر ہے؟'' شاہنواز نے آگے بڑھ کر پوچھا۔ نرمین نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

''ڈاکٹر......ڈاکٹر نثار انصر......''

''آپ کی مدر کو ایڈمٹ کر لیا ہے؟'' اس نے پھر پوچھا۔ نرمین نے سر ہلا کر اثبات میں جواب دیا۔

''ٹھیک ہے آپ لوگ وہاں جائیں۔ میں ڈاکٹر سے بات کرتا ہوں۔ مس ثانیہ! آپ میرے ساتھ آئیں۔''

اور پھر اس کے بعد کا سارا کام شاہنواز کی وجہ سے آسان ہوتا چلا گیا۔ وہی ڈاکٹر جو ڈاکٹر اجمل سے کسی ذاتی چپقلش کی بناء پر مریض دیکھنے پر راضی نہ تھا۔ اب وہی بڑے مہذب اور نرم لہجے میں انہیں تسلی دے رہا تھا۔

''فکرمندی کی کوئی بات نہیں ہے۔ اصل میں ان کا بی پی بہت لو ہو گیا تھا جس کی وجہ سے ان کی حالت بگڑ گئی۔ لیکن اب ہم نے انہیں ٹریٹمنٹ دے دیا ہے تو آپ کیئر فری ہو جائیں۔''

''کیا ہم انہیں گھر لے جا سکتے ہیں؟'' ثانیہ نے پوچھا۔

''نہیں......ابھی نہیں۔ ویسے تو ان کی حالت نارمل ہے لیکن احتیاطاً ہم انہیں کم سے کم اٹھائیس گھنٹے انڈر آبزرویشن رکھیں گے۔ مجھے ایسا لگتا ہے آپ کی والدہ کو کوئی پریشانی ہے جس کی وجہ سے ان کا بلڈ پریشر شوٹ کر رہا ہے۔ آپ یہ کچھ میڈیسن لے آئیں اور کوشش کریں کہ یہ ٹینشن فری رہیں۔''

''بہت بہت شکریہ سر! آپ نے جتنی ہماری مدد کی ہے اس کے لیے میں آپ کی شکر گزار ہوں، مگر یہ پریسکرپشن مجھے دے دیں۔ اسپتال کے میڈیکل اسٹور سے میں میڈیسن لے لیتی ہوں۔''

''میں خود بھی بے حس نہیں ہوں مس ثانیہ! کہ کسی کو مشکل میں چھوڑ کر چلا جاؤں اور دوسرا یہ کہ خالہ شمسہ نے بھی بہت تاکید کی تھی مجھے ان کی تاکید پر عمل کرنے دیں۔''

وہ اعتماد سے کہتا چلا گیا۔ ثانیہ کی نظروں نے تب تک اس کا تعاقب کیا جب تک وہ کاریڈور کا موڑ نہیں مڑ گیا۔

''میں گئی تب تو امی بالکل ٹھیک تھیں۔ طبیعت بگڑ کیسے گئی؟'' کچھ حواس بحال ہوئے تو بنیادی سوال فوراً ہی ذہن میں آ گیا۔ لیکن اس سے قبل کہ کوئی جواب ملتا ابو آ گئے۔ پریشان، حواس باختہ، اللہ جانے انہیں کیسے اطلاع مل گئی تھی۔

''کیا ہوا......کیسی ہے تمہاری ماں؟'' جواب پا کر مطمئن ہوئے۔

''چلو تم لوگوں کو گھر چھوڑ آؤں رات کو میں اسپتال میں رک جاتا ہوں۔'' ثانیہ کو ان کا احساس ذمہ داری اچھا لگا، یوں بھی کچھ دن سے ابو کے اطوار بدل رہے تھے لیکن امی پرائیویٹ روم میں نہیں وارڈ میں تھیں۔ ثانیہ نے ان کے ساتھ رکنے کا ارادہ کیا تھا۔

شاہنواز دوائیاں لے کر آیا، ابو سے بھی ملا اور جاتے ہوئے نرمین کا سر بہت شفقت سے تھپتھپا کر بولا۔

''اب رونا نہیں......آپ کی امی بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔''

نرمین تو جھینپ کر سادگی سے مسکرا دی البتہ ثانیہ کا تعجب دوچند ہو گیا۔ آفس کے سخت گیر باس نے آج بے حد حیران کیا تھا اور وہ جو رائے ان کے بارے میں رکھتی تھی اس میں بھی خاطر خواہ تبدیلی آئی تھی۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ اس رات جب شاہنواز صاحب سونے کے لیے لیٹے تو دو سحر انگیز آنکھیں انہیں ساری رات ڈسٹرب کرتی رہی تھیں۔

پتہ نہیں ثانیہ کی آنکھیں ہمیشہ سے اتنی خوبصورت تھیں یا ہراس نے اس کی آنکھوں کو خوبصورت بنا دیا تھا۔ جانے انجانے وہ ساری رات بیٹھا یہی گتھی سلجھاتا رہا۔

☆......☆......☆

''خوامخواہ کے وہم نہ پالیں، گیتی کے اطوار بدلے ہوئے ضرور ہیں مگر اتنے بھی نہیں کہ اسکی فکر میں راتوں کی نیند بھلا دی جائے۔'' مظہر پلنگ پر لیٹا ہوا تھا اور انگلیوں میں سیل فون کو گھماتے ہوئے لاپرواہی سے کہہ رہا تھا۔

''اتنا بڑھا چڑھا کر ساری بات بتائی تھی آپ نے۔ میں سمجھا اللہ جانے گیتی آرا بیگم کے کون سے سینگ نکل آئے ہوں گے۔ وہ بے چاری تو ویسی ہی ہے خوبصورت اور بے وقوف۔ کوئی کچرے کے ڈھیر پر رہے اور وہاں سے نکلنے کا نہ سوچے یہ کیسے ممکن ہے۔ لیکن گیتی آراء یہ نہیں جانتی مظہر کی گرفت سے نکلنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ اس کچرے کے ڈھیر نے اسے کیا کیا عطا کیا ہے جب ہاتھ سے گنوا دے گی تب احساس ہوگا۔'' وہ پیر جھلاتے ہوئے مزے سے کہہ رہا تھا۔

''میں نے کوئی بڑھا چڑھا کر بات نہیں بتائی۔ جو صورتحال تھی اس سے آگاہ کر دیا، بعد میں اعتراض کرتے کہ بتایا نہیں، میں تنگ ہی آ گئی ہوں اس کے نخروں سے۔'' آپا بیگم کے لہجے میں اکتاہٹ ہی اکتاہٹ تھی۔

''کرنے دیں نخرے۔ آپ کا کیا لیتی ہے۔ ویسے بھی نخرے کرنے پر کون سا خرچ آتا ہے کہ ہم فکر کریں۔'' اس نے سابقہ

لاپروائی سے کہا اور قہقہہ لگایا۔

"جب کلائنٹ کے ساتھ جانے سے انکار کرے گی تو خرچ نہیں مگر نقصان تو ہوگا۔"

"میں ابھی کچھ دن ہوں یہاں، چیک رکھتا ہوں اس پہ۔ ویسے مجھے اس میں کوئی خاص تبدیلی محسوس تو نہیں ہوئی۔" اس کا لہجہ پرسوچ تھا۔

"لیکن اگر میرا اندازہ غلط ہے تو بھی دفع کریں۔ اس میں اتنا فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایک تو اس کی اڑان اتنی نہیں خواہ کتنا بھی اونچا سوچ لے۔ دوسرا یہ کہ اسے اڑنا کس نے سکھایا تھا؟ میں نے نا؟ تو جو اڑنے کے لیے پنکھ فراہم کرسکتا ہے کیا ضرورت پڑنے پر وہ انہیں کاٹ نہیں سکتا۔

گیتی کو پیرزادہ کے ساتھ لگائے رکھیں وہ جو ائیرپورٹ کے قریب دو کنال زمین ہے۔ اس پر بڑے عرصے سے نظر ہے میری۔ وہ بابا چاہے کچھ نہ دے گیتی کے صدقے دو کنال تو دے...... زمین ایک بار میرے ہاتھ آجائے تب اس بابے کو چلتا کردینا ہے، ایسے لوگ خوبصورت اور کم عمر لڑکیوں کے عشق میں پاگل ہوکر خود کو نقصان پہنچاتے ہیں سو پہنچاتے ہیں ہمارا کاروبار بھی خراب کرتے ہیں۔"

وہ کہہ رہا تھا آپا بیگم چپ چاپ سنے گئیں۔ جس کی ملکیت تھی جب اسے ہی پروا نہیں تو ان کا کیا دماغ خراب تھا کہ اپنی جان ہلکان کرتیں۔ البتہ گیتی کو تین مہینے کی چھٹی دینے کی بات دانستہ چھپا گئیں۔

مظہر کا کچھ پتہ نہیں تھا ہتھے سے اکھڑ جاتا تو ان کی ہی شامت آجاتی۔ اور وہ یہی نہیں چاہتی تھیں۔ ایک زمانے کو اپنی انگلیوں پر نچا لینے والی عورت اولاد کے سامنے ماند پڑ جاتی تھی۔

☆......☆......☆

"یہ حنان نے کہا ہے؟" شاہنواز نے بے یقینی سے گردن موڑ کر حدید کو دیکھا۔

"ظاہر ہے میں خود سے تو نہیں بول رہا۔" حدید نے کچی گاجر کھاتے ہوئے جواب دیا۔ جواباً شاہنواز تاسف سے سر ہلانے لگا۔

"حنان کی فطرت میں اتنا گھٹیا پن ہے کہ ہمیں اس سے گھٹیا بات اور حرکت کی توقع رکھنی چاہیے۔ اس کی ہر نئی حرکت پر میں خود کو یہی سمجھاتا ہوں اس کے باوجود مجھے شاک ضرور لگتا ہے۔" کٹی ہوئی سبزیاں، نان اسٹک پین میں ڈالتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا اور بے حد بے زار اور کوفت زدہ لگ رہا تھا۔

"محض جہانگیر سر کو نیچا دکھانے اور انہیں ٹیز کرنے کے لیے وہ کسی بھی حد تک جاسکتا ہے۔ بلیومی۔ اب تو مجھے حیرت ہونے لگی ہے کہ کسی دوسرے کو نقصان پہنچانے کے لیے وہ خود کو نقصان کیسے پہنچا سکتا ہے۔"

"ایگزیکٹلی۔" حدید نے بھی تائید کی۔

''مجھے تو لگتا ہے اس نے ڈرگز لینا بھی اسی لیے شروع کیا تھا تاکہ آنٹی اور انکل کو پریشان کر سکے۔''

''تمہیں لگتا ہے اور مجھے یقین ہے۔'' سبزیوں میں مسالا جات شامل کرتے ہوئے اس نے کہا۔

''تمہیں کیسے پتہ چلا کہ وہ ڈرگز لیتا ہے؟''

''اس نے خود بتایا؟''

''ہاں......'' حدید نے جواب دیا۔

''بلکہ وہ تو بتا رہا تھا کچھ دن کسی Rehabiliation Centre میں بھی گزارے ہیں۔''

''یہ بھی اچھا ہے کہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا ہے تو اسے سدھارنے کی کوشش ضرور کرتا ہے۔''

''غلطی کرنے کے بعد غلطی کا احساس ہوا تو کیا فائدہ؟'' حدید غالباً بہت زچ ہوا تھا۔

''خالہ امی کو بتا دوں کہ وہ تمہارے گھر میں رہ رہا ہے؟'' شاہنواز نے پوچھا۔

''وہ بے چاری بہت پریشان رہتی ہیں اس کی وجہ سے۔''

''اونہوں......رہنے دو۔'' حدید نے فوراً ٹوک دیا۔

''شمسہ آنٹی کو پتہ چلا تو اس سے کانٹیکٹ کرنے کی کوشش کریں گی اور حنان فوراً سمجھ جائے گا کہ میں نے انہیں انفارم کیا ہے اور اس کے بعد ناممکن ہی ہے کہ میرے گھر میں بھی ٹکے۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ میرا گھر بھی چھوڑ کر جائے اور کسی اور غلط ایکٹویٹی میں مبتلا ہو۔ میرے گھر میں ہوگا تو کم سے کم کانٹیکٹ میں تو ہوگا۔ جیسا بھی ہے میرا بچپن کا دوست ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا پھر موضوع تبدیل کرتے ہوئے بولا۔

''تمہارا کھانا کب تک بنے گا یا آج مجھے بھوکا ہی رہنا پڑے گا۔''

''بس پانچ منٹ۔'' شاہنواز کے ہاتھ اور بھی تیزی سے چلنا شروع ہو گئے۔

''ویسے تمہارا گھر بہت اچھا ہے۔'' حدید نے چاروں طرف گردن گھماتے ہوئے سراہا۔ شاہنواز نے بہت مسکراتے ہوئے اور خوش ہو کر اس کی تعریف وصول کی تھی۔

''لیکن ایک فرد کے لیے بہت بڑا نہیں ہے۔''

''میں اکیلا ہوں اس لیے بڑا لگ رہا ہے، اماں، ابا اور بہنیں آجائیں گی تو بڑا نہیں لگے گا۔ ممکن ہے گنجائش سے کم ہی لگے۔''

حدید نے دیکھا، گھر والوں کا ذکر آتے ہی اس کے لبوں پر بڑی اچھی مسکراہٹ آگئی تھی۔

''اوپر کا پورشن میں رینٹ پر دینے کا سوچ رہا ہوں، گھر والے آجائیں گے تو خالی کروا لوں گا۔ میرے لیے تو یہ دو کمرے بھی

بہت ہیں۔"

"گھر میں رابطہ ہوا ہے کسی سے؟" حدید نے پوچھا، جواب میں وہ بڑی دیر تک خاموش رہا پھر پھیکی سی ہنسی ہنس دیا۔

"نہیں یار!......لیکن امید رکھنے میں کیا برائی ہے۔" حدید نے سنا پھر کرسی کی بیک سے پشت لگا کر ادھر ادھر کا جائزہ لینے لگا۔

"سرونٹ؟" کچھ خیال آیا تو پوچھا۔

"کوئی ٹکتا ہی نہیں۔" شاہنواز نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کسی کو میں پسند نہیں آتا تو کوئی مجھے......"

"کھانا روز خود ہی بناتے ہو؟"

"روز تو نہیں۔" شاہنواز نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"جس روز زیادہ تھکن نہ ہو اور موڈ ہو تو آ کر خود بنا لیتا ہوں ورنہ فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ زندہ باد......خالہ امی بھی اکثر بنا کر بھجوا دیتی ہیں۔"

"اس کا مطلب کھانا بنانے کا اتنا زیادہ ایکسپیرینس نہیں ہے تمہارا۔اور بھائی! کچھ الٹا سیدھا کھلانے لگے ہو تو ابھی بھی زیادہ دیر نہیں ہوئی، بے شک تم نے دو گھنٹے سے مجھے کھانے کے انتظار میں بٹھایا ہوا ہے لیکن میں آدھا گھنٹہ اور بھی انتظار کر سکتا ہوں۔ یہاں آتے ہوئے راستے میں پزا ہٹ کی برانچ دیکھی تھی میں نے۔"

"بکو مت اور خاموشی سے بیٹھے رہو کھانا تو وہی پڑے گا جو میں بنا رہا ہوں۔" شاہنواز نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بلکہ ایسا کرو تھوڑا بہت تم بھی مجھ سے سیکھ لو......شادی کے بعد کام آ سکتا ہے سنا ہے وریشہ کو کھانا بنانا نہیں آتا۔" اس نے حدید کو چھیڑتے ہوئے کہا۔ جواباً وہ اطمینان سے بولا۔

"کوئی مسئلہ نہیں ہے میں اپنے گھر میں ایک کوالیفائیڈ بٹلر رکھ لوں گا، البتہ تم کھانا بنانے کی پریکٹس کرتے رہو ممکن ہے یہی پریکٹس تمہاری شادی کے بعد کام آ جائے۔"

"ظاہر ہے بھئی میں تمہاری طرح کسی بزنس مین باپ کی اولاد تو ہوں نہیں......غریب سا تنخواہ دار آدمی ہوں تمہاری طرح کوالیفائیڈ بٹلر نہیں رکھ سکتا۔ سارے کام مجھے خود ہی کرنا پڑیں گے۔" وہ دونوں ہی ہنس رہے تھے۔

"آج کل غریبوں کے پاس اتنے اچھے گھر ہوتے ہیں؟......مجھے پتہ نہیں تھا۔" اس کا انداز شرارتی تھا۔

"حدید......دعا کرو اماں آ جائیں......کسی روز اچانک......مجھے بہت تنہائی محسوس ہوتی ہے اس گھر میں۔"

فریج سے چیز نکالتے ہوئے اس نے بڑی حسرت سے کہا تھا۔ بعض اوقات ایک بظاہر مکمل و مطمئن دکھائی دینے والا انسان کتنی

ساری حسرتیں لے کر جی رہا ہوتا ہے اس کا پتہ نہیں چلتا۔ یوں بھی دلوں میں جھانکنے کی فرصت کسے ہے۔

اور شاہنواز کو تو ہمیشہ ہی اپنی ذات کو چھپا کر رکھنے کا شوق تھا بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ اس نے کھل کر دل کی کوئی بات کی ہو۔

''شادی کر لو شاہنواز! تنہائی دور ہو جائے گی۔'' چمچہ سے پین میں موجود فرائیڈ سبزیاں چکھتے ہوئے اس نے بے حد سنجیدگی سے مشورہ دیا تھا۔

شاہنواز چیز کش کرنے لگا تھا، مصروفیت سے بولا۔

''اس سے کیا ہوگا؟...... تنہائی دور ہو جائے گی...... لیکن بیوی ماں کی جگہ تو نہیں لے سکتی۔''

''ہاں بیوی ماں کی جگہ نہیں لے سکتی مگر تمہارے پکائے ہوئے اس بدمزا کھانے میں ذائقہ ضرور لا سکتی ہے۔'' اس نے ناک چڑھا کر کہا۔

''شٹ اپ...... اتنا برا بھی نہیں ہے۔'' تصدیق کے لیے اس نے خود بھی نوالہ لے کر دیکھا، حدید نے ہنستے ہوئے اس کے ایپرن سے ہاتھ پونچھے اور بولا۔

''میں سیریس ہوں شاہنواز! تم شادی کر لو ایک تو یہ کہ تمہارے گھر کو کسی عورت کی وجود کی ضرورت بھی ہے، دوسرا تمہاری بیوی آ جائے گی تو حنان کو مزید کوئی الٹی سیدھی ہانکنے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔'' وہ بڑے خلوص سے مشورہ دے رہا تھا۔ شاہنواز سوچ میں پڑ گیا پھر سادگی سے بولا۔

''میں نے کبھی شادی کے متعلق نہیں سوچا۔''

''وہ لڑکی...... کیا نام تھا اس کا...... ہاں...... گل بانو...... نکلی نہیں ابھی تک تمہارے دماغ سے؟''

''چھوڑو...... اس کا یہاں کیا ذکر؟'' وہ بے زاری سے بولا۔

''اچھا تو پھر تم مجھے اپنی ریکوائرمنٹ بتاؤ۔ میں مما سے کہوں گا ان کا سوشل سرکل اتنا وسیع ہے بہت جلد تمہارے لیے کوئی اچھی لڑکی ڈھونڈ لیں گی۔''

''نہیں حدید! مجھے ابھی شادی ہی نہیں کرنی۔'' اس نے انڈے پھینٹتے ہوئے کہا۔

''کوئی خاص وجہ؟'' وہ فریج میں کچھ تلاش کر رہا تھا۔

''کچھ خاص نہیں۔'' اس نے پرسوچ انداز میں کہا۔

''میں جب بھی اپنی آئندہ زندگی کو سوچتا ہوں تو میری شادی شدہ زندگی کی تصویر نہیں ابھرتی۔ ابھی تو بہت سے ادھورے کام سمیٹنے ہیں مجھے۔ اتنی بکھری ہوئی ہے میری زندگی، پہلے اسے تو سمیٹ لوں۔ ویسے بھی کبھی کوئی لڑکی اتنی اچھی لگی ہی نہیں کہ میں شادی

کرنے کے متعلق سوچنے لگوں۔''

''واقعی......'' حدید نے اچنبھے سے کہا۔

''بڑا مایوس کیا ہے تم نے مجھے۔ میرا دوست اور اتنا نکما......ہم نے تو آنکھیں پوری طرح کھلتے ہی پہلی محبت سلمٰی ہائیک سے کر ڈالی تھی اور ایک تم ہو ابھی تک یونہی پھر رہے ہو۔''

منگنی کیا ہوئی اس کی تو جون ہی بدل گئی تھی۔

''ویسے میرا دل یہ بات نہیں مانتا۔ یونیورسٹی میں سینکڑوں لڑکیاں جس کے اردگرد بہت شوق سے پھرتی ہوں اور ان سینکڑوں میں سے کوئی ایک بھی تمہیں اچھی نہ لگے۔ مجھے پتہ ہے تم جھوٹ بول رہے ہو۔'' اس کا انداز اتنا دلچسپ تھا شاہنواز ہنسنے لگا۔

''کیا عورتوں کی طرح شک کر رہے ہو۔ یونیورسٹی کے دنوں میں تمہاری سی آئی ڈی اتنی تیز ہوتی تھی ''لمس'' کے اسٹوڈنٹس ہو کر پنجاب یونیورسٹی کی ساری خبریں رکھتے تھے کہ آج کل کون کس کے ساتھ کمیٹڈ ہے اور کس کا کس کے ساتھ بریک اپ ہو چکا ہے۔ میں تمہارا دوست ہوں۔ یہ ممکن ہے کہ جو غیروں کی اتنی خبر رکھے اسے دوست کا پتہ نہ چلا۔''

''کیوں ممکن نہیں ہے؟'' حدید نے فوراً اختلاف کیا۔

''مقابلے پر تم جیسا گھنا شخص ہو تو سب کچھ ممکن ہے۔'' شاہنواز نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔

''چلو شاباش......اچھے بچوں کی طرح بتاؤ اس لڑکی کا نام؟'' اس کی تان وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''او بھائی! جب کوئی ہے ہی نہیں تو کیا فرضی نام بتا دوں؟'' اس نے متبسم لہجے میں کہا۔

''یہ ٹھیک ہے۔'' حدید فوراً راضی ہو گیا۔

''بلکہ ایسا کرو آنکھیں بند کرو۔ ہے تو بڑی فلمی سی بات لیکن فارمولہ میرا آزمایا ہوا ہے۔ تم آنکھیں بند کرو۔ جس لڑکی کا چہرہ سب سے پہلے نظر آئے اسی کا نام بتا دو۔ یقیناً اس لڑکی کے لیے تمہارے دل میں کچھ نہ کچھ فیلنگز ضرور ہوں گی۔''

شاہنواز کا رخ برنر کی طرف تھا اور حدید اس کی پشت پر تھا۔ حدید کی بات احمقانہ ہی سہی مگر اسے دلچسپ لگی۔ مسکراتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ لیکن چند ہی لمحے بعد ششدر ہو کر کھول دیں، اس کی سوچ کے پردے پر دو ساحر آنکھیں روشن تھیں۔ وہ آنکھیں جن کی پریشانی چرا لینے کو دل سے بے چین ہوتا تھا۔

اور یہ آنکھیں کس کی تھیں۔ وہ بخوبی جانتا تھا۔

سٹپٹا کر اس نے حدید کی جانب دیکھا، کہیں چوری پکڑی تو نہیں گئی مگر حدید میز پر چاپنگ بورڈ رکھے بڑی توجہ اور نفاست سے بند گوبھی کاٹ رہا تھا۔

''مجھے لگتا ہے حنان کی بات پر تمہیں یقین آ گیا ہے اسی لیے بار بار پوچھ رہے ہو۔'' پتہ نہیں اس نے حدید کا دھیان بٹایا تھا یا اپنا، حدید نے اسے غضبناک نظروں سے گھورا۔

''یقین کیا ہوتا تو تمہارے خیال میں، میں اسوہ اور موحد کی انگیجمنٹ ہونے دیتا؟''

شاہنواز نے ایپرن اتار کر اسٹینڈ پر لٹکایا اور بولا۔

''موحد کو وارن کر دینا تھا، کل کو پتا چلے حنان نے اس کے بھی کان بھرے ہوئے ہیں۔''

حدید نے تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''بتا چکا ہوں اسے بھی حنان کی نیچر کا۔ لیکن شاہنواز مجھے واقعی حیرت ہوتی ہے صرف انکل جہانگیر کو ٹیز کرنے کے لیے وہ باقی سب کی زندگیاں کیسے برباد کر سکتا ہے۔''

حدید کہہ رہا تھا۔ شاہنواز نے اس کے سامنے والی نشست سنبھالتے ہوئے شکر ادا کیا۔ کم سے کم حدید موضوع سے تو ہٹا۔

☆......☆......☆

وزیٹنگ آور شروع ہوتے ہی کاریڈور میں چہل پہل شروع ہو گئی تھی۔ اسپتال کی فضا پر چھائی ہوئی پژمردگی دم توڑ چکی تھی۔ حتیٰ کہ یہاں کاریڈور میں تو خنکی کا تاثر بھی ماند پڑ چکا تھا۔

اس نے دور سے ہی دیکھ لیا۔ شفق اور نرمین وہیں کاریڈور میں گرل کے پاس کھڑی نیچی آواز میں کسی سے الجھ رہی تھیں۔ اتنی دور سے اندازہ لگانا تو مشکل تھا کہ اصل صورتحال کیا ہے، مگر ان کے چہروں پر جو تناؤ تھا وہ با آسانی دیکھا جا سکتا تھا۔

ثانیہ حیران ہوئی اور بڑے بڑے قدم اٹھاتی ان کے سر پر پہنچ گئی۔

''کیا ہوا؟'' اس نے باری باری دونوں کی شکل دیکھی۔ مگر اس کے قریب پہنچتے ہی نا صرف وہ دونوں خاموش ہو گئی تھیں بلکہ شفق تو رخ موڑ کر نیچے لان میں دیکھنے لگی۔ نرمین نے بے زاری سے سر جھٹک دیا۔

''میں نے پوچھا کیا ہوا ہے؟'' ثانیہ نے سوال دوہرایا۔ ''دونوں میں سے کوئی تو جواب دو۔''

''کچھ نہیں ہوا ثانیہ......'' شفق نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''تم بتاؤ ڈاکٹر نے کیا کہا ہے، امی کو کب ڈسچارج کریں گے۔''

''ڈرپ ختم ہو جائے اس کے بعد۔''

ثانیہ نے بغور اسے دیکھا۔

''میں کیسے مان لوں کچھ نہیں ہوا......تم دونوں کی شکلوں سے صاف پتا چل رہا ہے۔ تم بتاؤ نرمین!......''

''کیا مصیبت ہے ثانیہ۔'' شفق نے جھنجھلا کر پھر اس کی بات قطع کی۔
''کیا تم ہر بات کے پیچھے پڑ جاتی ہو، کہہ تو دیا ہے کہ کچھ نہیں ہوا۔''
ثانیہ کے شک پر یقین کی مہر ثبت ہوئی۔ اس طرح سے بولنا شفق کی عادت نہ تھی اور اس درجہ اکتاہٹ ہی اس کی پریشانی ظاہر کر رہی تھی۔

ثانیہ نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر اسی وقت شمسہ وہاں آ گئیں اور ایک معاملہ شمسہ کی آمد سے دب گیا۔
ثانیہ نے انہیں شفق اور نرمین سے متعارف کروایا، پھر امی کے پاس لے گئی، شمسہ بڑی محبت سے حال احوال دریافت کرتی رہیں، حلیمہ نے منہ سے تو خیر کیا بولنا تھا، آنکھوں کے اشاروں سے جواب دیتی رہیں۔
شمسہ کی ملازمہ فروٹس کے کئی لفافے چند منٹ بعد آ کر پہنچا گئی، ثانیہ نے اعتراض کرنا چاہا تھا جسے شمسہ نے ہنس کر ٹال دیا۔ جتنی دیر وہ بیٹھی رہیں لگا ہی نہیں کہ وہاں کوئی مریض بھی ہے، اتنی خوشگوار صورت حال میں باتیں ہوتی رہیں۔ چونکہ امی کی حالت سنبھل چکی تھی سو وہ بہنیں بھی خاصی ریلیکس تھیں۔
''مجھے اب اجازت دیجیے حلیمہ! یقین کیجیے آپ کو صحت یاب ہوتا دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ہے مجھے، مگر اس سے بھی زیادہ خوشی تب ہوگی جب آپ مکمل طور پر صحت منداور تندرست ہو کر میرے گھر آئیں گی۔''
انہوں نے حلیمہ کا ہاتھ اپنائیت و محبت سے دباتے ہوئے کہا تھا پھر ان سب کی جانب دیکھ کر بولیں۔
''آئی تو میں یہاں حلیمہ کی عیادت کے لیے تھی مگر مجھے اندازہ نہیں تھا کہ مجھے یہاں اتنی اچھی کمپنی ملے گی۔ بلیومی! تم سب سے مل کر بہت اچھا لگا۔''
خوبصورت مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا پھر وہ اللہ حافظ کہتی باہر نکل آئیں، ثانیہ انہیں باہر تک چھوڑنے آئی تھی۔
''کیا کہا ہے ڈاکٹر نے؟...... کب تک ڈسچارج کر دیں گے؟'' شمسہ نے پوچھا۔
''بس دو تین گھنٹوں تک۔'' اس نے ان کے ساتھ چلتے ہوئے جواب دیا۔
''تم لوگ گھر کیسے جاؤ گے؟ ٹیکسی ہائر کرو گے یا ایمبولینس؟...... اگر تم کہو تو میں گاڑی بھجوا دیتی ہوں۔''
شمسہ نے بے حد خلوص سے کہا مگر ثانیہ نے سہولت سے منع کر دیا۔ ابھی تو کل کی خریدی ہوئی دوائیوں کا قرض اس پر باقی تھا، اتنی جلدی اس خاندان سے کوئی اور فیور لینے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔
وہ شمسہ کو اسی سلسلے میں آگاہ کر رہی تھی اور شمسہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بہت کچھ سوچ رہی تھیں۔ وہ بتا رہی تھی، ابھی امی کو لے کر گھر جانا ہے پھر آفس...... بے حد معمولی بات تھی مگر شمسہ کے لبوں پر ستائشی مسکراہٹ آ گئی، اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔

”تم بہت بہادر ہو ثانیہ! تمہاری امی بہت خوش قسمت ہیں کہ انہیں تم جیسی باحوصلہ بیٹی ملی ہے۔“

ثانیہ پہلے حیران ہوئی، اسے آج تک کسی نے نہیں سراہا تھا پھر سادگی سے مسکرادی۔

”میں زیادہ خوش قسمت ہوں کہ مجھے میری امی جیسی باہمت اور باحوصلہ ماں ملیں۔ وہ نہ ہوتیں تو میں ان مصائب کا سامنا نہیں کر سکتی تھی۔ اللہ کرے میری امی جلدی صحت یاب ہوجائیں۔“

”آمین......“ شمسہ نے صدق دل سے کہا پھر بولیں۔

”کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بلا جھجک فون کردینا۔“ انہوں نے تاکید کی ثانیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا اور انہیں تب تک دیکھتی رہی جب تک وہ کاریڈور کے موڑ پر غائب نہیں ہوگئیں۔ اس کے بعد چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی واپس چل دی۔

☆......☆......☆

وہ صبح شاہنواز کے لیے ایک مختلف صبح تھی۔ ہلکی پھلکی، دلچسپ اور پراسرار۔

اچھی بات یہ کہ اس نے اپنی طبیعت پر چھائی خوشگواریت کو نا صرف بھانپ لیا تھا بلکہ اس سے پوری طرح محظوظ بھی ہورہا تھا مگر اس وقت وہ چونک گیا جب اس نے خود کو سی ایم ایچ کی بلڈنگ کے سامنے کھڑا پایا۔

”میں...... یہاں؟......“ اس نے متعجب ہوکر زیرلب کہا اگلے ہی پل اس کے قدم خود بخود اندر کی جانب اٹھ گئے۔

ثانیہ رسیپشن کے قریب کھڑی فارم بھر رہی تھی۔

شاہنواز کے قدم سست پڑ گئے، اس نے چاہا پلٹ جائے مگر......

”السلام علیکم سر۔“ وہ اسے دیکھ چکی تھی۔

”اب آپ کی مدر کی طبیعت کیسی ہے؟“ اس نے سلام کا جواب دیتے ہوئے پوچھا۔

”امی اب بالکل ٹھیک ہیں بلکہ انہیں تو ڈسچارج بھی کردیا ہے۔ میں ڈیوز کلیئر کررہی تھی۔“

”اوہ۔“ جانے کیوں اسے افسوس ہوا تھا۔

”میرے دوست کی مدر بھی یہاں ایڈمٹ ہیں۔، میں ان کی خیریت معلوم کرنے آیا تھا، سوچا آپ کی والدہ کو بھی دیکھتا چلوں۔ خالہ امی نے تاکید کی تھی۔“ اس نے جھوٹ کا پل باندھا۔

ثانیہ نے چونک کر اسے دیکھا مگر اگلے ہی پل نظریں جھکالیں۔

”ہاں۔ کچھ گھنٹے پہلے آپ کی خالہ امی آئی تھیں تو بتارہی تھیں کہ آپ کو تاکید کی ہے۔“ شفق نے مسکرا کر کہا۔ شاہنواز کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ بے اختیاری کتنا شرمندہ کرواتی ہے۔

ثانیہ نے بے اختیار شفق کو گھورا اور بات بدلنے کی غرض سے بولی۔

''سر! یہ میری بہن ہے شفق۔''

''بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔'' پتا نہیں وہ کتنی دقت سے مسکرایا تھا۔کوئی صاف گو انسان آج سے پہلے کبھی اسے اتنا برا نہیں لگا جتنا کہ یہ شفق صاحبہ لگ رہی تھیں۔

''اوکے مس ثانیہ! آفس میں ملاقات ہوگی۔''

اس کے کاریڈور عبور کرتے ہی ثانیہ، شفق پر برسنے لگی۔

''کیا ضرورت تھی جتانے کی۔''

''کیوں ضرورت نہیں تھی۔'' شفق نے الٹا اسی سے سوال کیا۔

''جھوٹ بول رہے تھے شاہنواز صاحب اور جھوٹ بولنا بری بات ہے۔جب تمہیں تمہاری چھوٹی سے چھوٹی غلطی جتا سکتے ہیں تو ہم انہیں کیوں بخشیں۔''

''کیا پاگل ہو شفق! وہ جھوٹ کیوں بولیں گے؟''

''چلو میں پاگل ہی سہی مگر تمہاری طرح کی بدھوں ہوں نہ آنکھیں بند کر کے زندگی گزار رہی ہوں۔اتنا سب کچھ تمہارے سامنے ہوا اور تمہیں پتا ہی نہیں چلا۔''

''کیا پتا نہیں چلا؟'' اب کی بار وہ اکتا کر بولی۔

''یہی کہ تمہاری شمسہ میڈم ایک دم سے جو تم پر فدا ہو گئی ہیں تو یہ یونہی نہیں ہے۔وہ ایک عدد جوان بھانجے کی خالہ بھی ہیں اور بھانجا بھی وہ جو شادی کی عمر کو پہنچ چکا ہے۔''

شفق نے تو مزے سے کہہ دیا۔ثانیہ جیسے تھم سی گئی۔پھر سر جھٹک کر بولی۔

''بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔''

''یہ بے وقوفی کی بات نہیں ہے ثانی!'' وہ خفگی سے بولی۔

''بلکہ میرا خیال ہے اگر ایسا کچھ ہو جاتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ بھی نہیں۔اتنی پیاری ہو تم۔ہو سکتا ہے شمسہ میڈم کو اپنے بھانجے کے لیے پسند آگئی ہو اور شاہنواز صاحب کو اپنے لیے۔'' وہ قیاس آرائی کر رہی تھی۔

''شفق۔'' ثانیہ نے بے ساختہ اسے ڈپٹا۔

''تم کیوں میرا دماغ کھا رہی ہو......ان لوگوں کے اپنے سرکل میں اچھی اور پیاری لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں ہے جو وہ اپنے آفس

میں کام کرنے والی ایک معمولی لڑکی کو پسند کریں۔''

''خبردار۔'' شفق نے اس کی بات قطع کی۔

''خبردار جو خود کو معمولی کہا...... میری نظر سے دیکھو تب پتا چلے تم کتنی خاص ہو۔'' اس نے خفگی سے کہا ثانیہ ہنس دی۔

''تمہاری بہن ہوں اس لیے تمہیں خاص لگتی ہوں۔ ویسے کوئی خاص بات نہیں ہے مجھ میں۔''

''کچھ لوگوں کو بہت ''خاص لوگ'' درکار بھی نہیں ہوتے۔ وہ ہمیشہ عام لوگوں کی تمنا کرتے ہیں۔'' پتا نہیں کیوں وہ بضد تھی۔

''غلط۔'' ثانیہ نے ایک ہی لفظ میں اس کی بات رد کر دی۔

''خاص لوگ ہمیشہ خاص لوگوں کو پسند کرتے ہیں۔''

''اب تم غلط کہہ رہی ہو۔'' شفق نے اس کی بات قطع کی اور دو بدو کہا۔

''خاص لوگ جن لوگوں کو پسند کرتے ہیں وہ ان کے لیے خاص ہوتے ہیں۔''

''شفق۔'' ثانیہ نے آہستگی سے کہا۔ ''جن باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے ہم ان میں وقت کیوں برباد کر رہے ہیں۔'' اس کے لہجے میں بے زاری نہیں تھی مگر ایک مدھم سی التجا ضرور تھی۔ التجا بھی ایسی جس کے وجود سے آنچ آتی تھی۔

''کیونکہ یہ ایک اچھا چانس ہے ثانی! اور میں چاہتی ہوں تم یہ چانس مس نہ کرو۔'' شفق نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ناصحانہ انداز میں کہا مگر ثانیہ دنگ رہ گئی۔

''شفق۔'' اس نے بے یقینی سے کہا۔

''یہ چانس نہیں ہے محض ایک خیال ہے جو پتا نہیں کیسے تمہارے اس دماغ میں آ گیا ہے۔'' اس کا انداز ڈپٹنے والا تھا۔ شفق پراسرار طریقے سے مسکرانے لگی۔

''صرف خیال...... یہ میری پیش گوئی ہے میری جان! شاہنواز صاحب تمہاری زندگی میں بہت اہم کردار ادا کریں گے۔''

''تمہیں کیسے پتا......'' اس نے اکتاہٹ دکھائی۔

''ہم تو چہرہ دیکھ کر دل کا حال بتا سکتے ہیں، تم اتنی سی بات پر حیران ہو رہی ہو۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''تم نے شاید شاہنواز صاحب کی آنکھوں پر غور نہیں کیا؟ ان کی آنکھوں میں جو جذبہ دکھائی دیتا ہے نا، وہ بالکل حقیقی ہے۔ سو فیصد سچا۔'' وہ خود بھی سو فیصد پر یقین لہجے میں بول رہی تھی۔

''پہلی بات تو یہ کہ میں آفس میں کام کرنے جاتی ہوں، سر کی آنکھوں پر غور کرنے نہیں، اور دوسری بات یہ کہ اتنی سی دیر میں تم نے سر کی آنکھیں بھی دیکھ لیں۔ کیا بات ہے۔''

شفق مجال ہے جو رتی برابر بھی شرمندہ ہوئی ہو، فوراً ہنسنے لگی۔

''چھوڑو ساری باتیں۔ یہ بتاؤ سر کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

''کوئی خیال نہیں ہے۔''

''یہ کیسے ممکن ہے۔''

''ممکن ہے۔'' وہ بال پوائنٹ انگلیوں میں گھماتی رہی۔ (مجھے مجبور مت کرو شفق! زندگی میں پہلے ہی بہت مشکل ہے، کہیں اور مشکل نہ ہو جائے) لاشعوری طور پر اس کی نظریں اسی راستے پر لگی تھیں جہاں شاہنواز کے قدموں کے نشان بھی نہیں تھے۔

''تمہیں نہیں پتا ہوگا شفق۔ جب کوئی انسان بڑی محنت سے اپنے گرد دیواریں کھڑی کرتا ہے تو وہ ان دیواروں میں نقب لگ جانے سے ڈرتا ہے اور......اور میں تو بہت ہی ڈرپوک ہوں شفق! مجھے اس گاؤں کا رستہ مت دکھاؤ جہاں مجھے جانا ہی نہیں ہے۔''

وہ سوچے چلی گئی تبھی کاؤنٹر گرل نے کاؤنٹر پر دستک دی۔ وہ چونک کر متوجہ ہوئی۔

''پلیز ذرا جلدی کریں۔'' اکتائی ہوئی لڑکی نے کہا، ثانیہ جیسے جاگ کر فارم کی طرف متوجہ ہوگئی۔

شفق کہہ رہی تھی۔

''ویسے تم نے سر شاہنواز کی دہشت کے قصے ہی سنائے ہیں کبھی یہ تو بتایا ہی نہیں کہ وہ اتنے ہینڈسم ہیں۔''

ثانیہ نے اس کی طرف دھیان نہ دینا ہی مناسب سمجھا۔

☆......☆......☆

زندگی مشکل نہیں ہوتی، زندگی سے وابستہ لوگ اسے مشکل بنا دیتے ہیں۔ ثانیہ نے ہاتھ میں پکڑے نوالے کو دیکھتے ہوئے سوچا اور ابو کی جانب دیکھا جن کے کرخت چہرے پر اپنائیت کا کوئی ایک تاثر بھی نہیں تھا۔

''آپ نے کیا کہا ابو؟ دوبارہ کہیں؟'' وہ جیسے بے خودی کی کیفیت میں گویا ہوئی تھی۔

''تمہیں ایک بار کہی ہوئی بات سمجھ کیوں نہیں آتی۔'' الیاس چوہدری نے غضبناک ہو کر کہا۔ کمرے میں سناٹا چھا گیا تھا۔

''آپ نے شفق کے متعلق ابھی کیا کہا ہے؟ دوبارہ کہیں......'' اس کی بے یقینی نے الیاس چوہدری کے غصے کی چنداں پروانہ کی تھی مگر اس نے صاف دیکھا، اس کی بہنوں کے چہروں پر ہراس بڑھ گیا تھا۔

الیاس چوہدری کی آنکھوں سے خون ٹپکنے لگا۔

''میں نے کہا میں نے شفق کا رشتہ طے کر دیا ہے۔ کل رات تک تم لوگوں کو جو تھوڑی بہت تیاریاں کرنی ہیں کرلو، کل شفق کے سسرال والے چھوٹی سی رسم کرنے گھر آرہے ہیں۔ کل ہی یہ بات میں تمہاری ماں کو بتا چکا ہوں، اب تمہارے اس سوال جواب کا کیا مقصد

ہے آخر؟'' انہوں نے ایک ایک لفظ دانتوں سے کچکچاتے ہوئے کہا تھا اور ثانیہ کو جیسے سب کچھ سمجھ آنے لگا، کل امی کا بی پی شوٹ کر جانا، شفق کے چہرے پر چھایا ہراس، نرمین کی اور اس کی بحث اور پھر اسے ان سب باتوں سے لاعلم رکھنا۔

زندگی کے ہر اہم واقعے کی کڑیاں اس پر بہت بعد میں واضح ہوتی تھیں۔

''آپ نے شفق سے پوچھا ہے؟'' اسکا ذہن سرعت سے کام کرنے لگا تھا۔ نوالہ بناتے ہوئے اس نے سرسری لہجے میں پوچھا۔

الیاس کے اشتعال میں اضافہ ہوا تھا۔

''شفق سے کیا پوچھوں؟''

''یہی کہ وہ آپ کو اپنی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ کرنے کا حق دے بھی رہی ہے یا نہیں۔'' وہ اطمینان سے کھانا کھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''شفق کے باپ نے اس کی ذمہ داری مجھے سونپی تھی۔ اس کے بارے میں ہر فیصلہ کرنے کا حق بھی مجھے ہے۔'' الیاس نے چبا چبا کر کہا۔

''آپ شفق سے......'' اس نے کہنا چاہا۔

''مجھ سے زبان مت چلاؤ'' وہ غرائے۔

''ایک پہلے ہی منہ پر کالک مل کر چلی گئی۔ میں اس انتظار میں نہیں بیٹھ سکتا کہ باقی سب بھی اسی بدذات کے نقش قدم پر چلیں۔ میں جلد ہی تم سب کو اس گھر سے دفعان کر دوں گا مگر شفق میری سب سے اہم ذمہ داری ہے اسے اچھے طریقے سے رخصت کر دوں گا۔ میرے کندھوں کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔''

''ابو! میری بات......''

''میں تمہاری زبان کھینچ لوں گا، اب اگر مجھ سے بحث کی تو......'' الیاس نے بے ساختہ اس کی جانب لپکتے ہوئے کہا اور بے انتہا پُراعتماد ثانیہ نے اپنا دل ڈوبتے پایا تھا، سٹپٹا کر وہ پیچھے کی طرف کھسک گئی تھی۔

اس کے دل میں گڑا ہوا خوف ابھی تک گیا نہیں تھا۔

پھر جتنی دیر الیاس وہاں رہے ثانیہ سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ الیاس نے ان سب کو گالیاں دیں، حلیمہ کی تربیت کو کوسا اپنی بدقسمتی کا واویلہ کیا اور اگلے روز بہترین انتظام کرنے کی تاکید کر کے چلے گئے۔

ثانیہ نے شرمساری اور فکرمندی سے سر ہتھیلیوں میں گرا لیا۔ شفق سسک اٹھی۔

''مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟'' اس نے سر اٹھا کر دیکھا، سب کے چہروں پر دکھ تھا۔ تقدیر کی ستم ظریفی کا شکوہ تھا۔

''تمہیں بتانے سے کیا ہوتا؟'' اس نے گال رگڑتے ہوئے کہا۔

''تم بھی پریشان ہوتیں ثانیہ...... دکھ جس کا ہو اسے ہی سہنا پڑتا ہے۔''

''دو تھپڑ لگیں گے۔'' ثانیہ نے بے ساختگی سے کہا۔

''ہم مر گئے ہیں کہ تم اکیلی دکھ سہتی پھرو۔''

''جسے دکھ سکھ کا ساتھی بننا تھا وہ تو خاموشی سے چلا گیا...... میں تو شکوہ بھی نہیں کر سکتی۔'' اس نے بے پناہ اذیت سے کہتے ہوئے لب دانتوں تلے دبا کر آنکھیں بھینچ لیں۔

خاموشی کا طویل وقفہ پورے کمرے میں چکرانے لگا۔

پھر ثانیہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کے سامنے دوزانو بیٹھ کر اپنی انگلیوں سے اس کے آنسو پونچھ ڈالے۔

''اسے مت کوسو شفق۔ وہ بھی مجبور تھا۔''

شفق خاموشی سے اپنی سسکیاں دباتی رہی۔

''اور تم بے فکر ہو جاؤ میں جب تک ہوں تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہونے دوں گی۔ مگر کوئی بھی اقدام کرنے سے پہلے میں ایک بار اس لڑکے کو دیکھنا چاہتی ہوں جسے ابو نے تمہارے لیے پسند کیا ہے۔ پتا نہیں کیوں میرا دل کہتا ہے کہ ابو کم سے کم تمہارے معاملے میں کوئی خود غرضی نہیں دکھائیں گے۔''

''مجھے شادی ہی نہیں کرنی ثانیہ!'' شفق نے ڈپٹ کر کہا۔

''تیمور کی جگہ تھی میری زندگی میں۔ مگر وہ نہیں تو کوئی بھی نہیں۔''

''پاگل مت بنو۔'' ثانیہ نے اسے جھڑک دیا۔

''جو چلے جاتے ہیں ان کی جگہ کسی نہ کسی کو تو بھرنا ہی ہوتی ہے اور یہ بھی تو سوچو زندگی میں کوئی بہترین انسان شامل ہو جائے تو تیمور کو کتنی خوشی ہوگی۔''

''تیمور کو ہماری خوشی یا غم کی پرواہ ہوتی تو وہ یوں ہمیں بیچ راستے میں تنہا چھوڑ کر نہیں جاتا۔'' شفق نے کہا اور ثانیہ کو لگا اس کی زبان تالو سے چپک گئی ہے۔ وہ بہت دیر تک کچھ نہیں بول سکی۔

پھر اک تمسخرانہ ہنسی کے ساتھ شفق نے اس خاموشی کو توڑ دیا۔

''میرے لیے فکر مند مت ہونا ثانیہ! میری تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے میں اسے خاموشی سے قبول کر لینا چاہتی ہوں، بنا کسی احتجاج، بنا آنسوؤں کے، پہلے سگے ماں باپ نہیں ملے، جو ملے ان کی خوشیوں اور آسانیوں کی دعائیں بھی اللہ نے قبول نہیں کیں۔ جس سے دل کا رشتہ بنا،

وہ زندگی کے مصائب سے گھبرا کر منہ موڑ گیا۔ یہ آنسو تو مجھے اپنا پاگل پن لگتے ہیں، پتا نہیں خود بخود آنکھوں میں کیوں آ جاتے ہیں۔ میں نے سوچ لیا ہے اب خود کو تقدیر کے ہاتھوں میں ڈال دینا ہے، جہاں تھکوں وہیں سے موت کو گلے لگالوں گی۔ تم دیکھ لینا ثانیہ...... میں بھی......"

شفق بے خودی کی کیفیت میں بول رہی تھی، ثانیہ نے بے ساختہ خوفزدہ ہو کر اسے جھنجھوڑ ڈالا...... شفق خواب سے جاگ گی تھی اور ٹکر ٹکر اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ ثانیہ نے اس کے دونوں ہاتھ نرمی سے دبائے اور اٹھ کر امی کے کمرے میں آ گئی۔ وہ حسب معمول خاموشی سے چھت کو گھور رہی تھیں۔ ثانیہ چند لمحے دروازے میں کھڑی رہی، پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ان کے پلنگ تک آئی اور کسی چھوٹے بچے کی طرح ان کی گردن میں بازو ڈال کر لیٹتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔

☆......☆......☆

آسمان پر بادلوں کا محض عکس نہیں، پانی سے لبالب بھرے ہوئے کالے سیاہ بادلوں کی پوری کھیپ تھی، جو منٹوں میں ساری کائنات میں پھیل گئی تھی۔

ٹھنڈی یخ ہوا درختوں کے پتوں سے مل کر شور مچانے لگی تھی۔

عانیہ نے اپنے اڑتے بالوں کو کانوں کے پیچھے اڑسا اور شال کو اپنے گرد اچھی طرح لپیٹتے ہوئے پلر سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی اور بے زاری سے قدرت کے تخلیق کردہ منظر کو دیکھنے لگی۔

ایک دم پھیکا منظر تھا، بالکل بے کار، بے رنگ......

بادل پھیل رہے تھے، ہوا چل رہی تھی، سامنے جنگلی پھول لہرا رہے تھے۔ کچھ خوشبوئیں تھیں جو اس کے اطراف میں پھیلی تھیں۔ اور کیا تھا یہاں؟ ممکن ہے مظہر اس کے ساتھ ہوتا تو اسے اس موسم کی خوبصورتی کا احساس ہوتا مگر وہ تو جیسے اس کی ساری حیات اپنے ساتھ ہی لے گیا تھا۔ پچھلے دو ہفتوں سے اس نے عانیہ کو اپنی شکل نہیں دکھائی تھی۔ البتہ دو تین بار فون کر کے اس کی خیریت ضرور معلوم کی تھی، جلد آنے کا وعدہ کیا تھا اور ظاہر ہے اچھے اچھے خواب بھی دکھائے تھے۔

عانیہ نے وحشت بھرے انداز میں چاروں طرف دیکھا۔ تنہائی، تنہائی اور صرف تنہائی۔

ہوا تیز ہو رہی تھی تبھی کہیں بجلی چمکی اور بادل پوری شدت سے کڑکے اور تیز ہوا کے ساتھ کئی ٹھنڈی بوندیں اس کے چہرے سے ٹکرائیں، تب وہ اندر چلی آئی۔ صوباں کو دروازہ بند کرنے کی تاکید کی اور زینہ عبور کر کے کمرے میں آ گئی۔ میز پر پڑا اس کا موبائل بج رہا تھا اس نے جھپٹ کر اٹھا لیا۔ مظہر کے دیے ہوئے پچھلے موبائل کی طرح اس موبائل پر بھی صرف ایک نمبر سے کال کی جاتی تھی اور وہ نمبر مظہر کا ہی ہوتا تھا۔

"مظہر! آپ کہاں چلے گئے ہیں۔" اس کی آواز سنتے ہی وہ سسک اٹھی۔

”کیا آپ مجھے اپنے ساتھ اسی لیے لائے تھے کہ میں یہاں تنہائی کی موت مر جاؤں۔“

”اتنی خطرناک باتیں مت کرو میری جان!“ اس کا وہی مخصوص لہجہ تھا۔ جس پر وہ ہزار جان سے فدا تھی مگر اس وقت آنسو امڈے چلے آ رہے تھے۔ شکوے پر شکوہ کیے چلی گئی۔ ”آپ ہرجائی، بے وفا، میں تنہا، اکیلی...... بات تک کرنے کو ترس گئی ہوں۔“

وہ دلچسپی سے سنتا رہا پھر دلجوئی کرنے لگا۔ اپنی مصروفیت کے قصے سنانے لگا۔

”میں کچھ روز میں چکر لگاؤں گا، تب تک......“ وہ رکا۔

”تب تک تم صوباں اور دوبے سے باتیں کر کے دل بہلا لو۔“

”ان سے کیا باتیں کروں میں؟“ اس نے جل کر کہا۔

”ایک بہرہ دوسری گونگی...... مظہر میں مر جاؤں گی یہاں۔“

”تمہیں مرنے نہیں دوں گا میں۔“ اس نے محبت سے کہا۔

”میں نے تمہیں بتایا تھا نا، میرا اپنے گھر میں ٹھہرنا ضروری ہے۔ مجھے پتا ہے تم وہاں تنہا ہو اور پریشان ہو، لیکن کیا میری پریشانی کا اندازہ لگا سکتی ہو؟...... پتا ہے تین بار پولیس میرے گھر پوچھ گچھ کرنے کے لیے آ چکی ہے، اگلی بار وہ اچانک آ گئے اور میں انہیں گھر پر نہ ملتا تو تمہاری گمشدگی سے متعلق سیدھا مجھ پر شک کیا جائے گا، ہو سکتا ہے فوراً ہی مجھے گرفتار کر بھی لیا جائے اور پھر ساری زندگی تم میری شکل نہیں دیکھ سکو گی۔“

”اللہ نہ کرے......“ بالکل دہل کر اس نے بے بسی سے کہا۔

”یہی تو میں کہہ رہا ہوں اللہ نہ کرے۔“ وہ آہستگی سے بولا۔

”ہمیں ساری زندگی ساتھ گزارنی ہے عانیہ! اور اس کے لیے تھوڑا صبر کرنا پڑے گا۔ تمہیں نہیں پتا تم سے دور رہ کر میں بھی خوش نہیں ہوں عانیہ! دل چاہتا ہے اڑ کر تم تک پہنچ جاؤں...... میرے خواب تمہارے بنا ادھورے ہیں تو زندگی کیسے مکمل ہو سکتی ہے...... تم میری زندگی ہو اور زندگی کو دھوکا کیسے دیا جا سکتا ہے۔“

اسے بہلانا کون سا مشکل کام تھا وہ اب بھی بہل گئی تھی۔

❋ ❋

ناول **بساطِ دل** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات آپ آنے والی ان تاریخوں (15th, 20th, 25th) میں پڑھ سکیں گے۔

"میرے خواب تمہارے بنا ادھورے ہیں تو زندگی کیسے مکمل ہو سکتی ہے، تم تو میری زندگی ہو اور زندگی کو دھوکا کیسے دیا جا سکتا ہے۔"

گیتی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے سنا، مظہر فون پر بات کرتے ہوئے بڑے جذب سے کہہ رہا تھا۔

وہ وہیں دروازے کے قریب کھڑی اسے دیکھتی رہی اور سنتی رہی، مظہر سر کی پشت پر دایاں ہاتھ رکھے صوفے کی بیک سے ٹیک لگائے پھر کسی کو خواب دکھا رہا تھا بلکہ خواب کیا دکھا رہا تھا پھر کسی کی زندگی برباد کر رہا تھا۔

وہ آگے بڑھی اور اس کے ہاتھ سے سیل فون لے کر آف کر دیا۔

"وہی انداز، وہی خواب...... وہی گھسے پٹے ڈائیلاگ...... کچھ بھی تو نہیں بدلا...... مظہر! تم تھکتے نہیں ہو، ایک سے ڈائیلاگ دوہراتے دوہراتے؟ میرے اللہ، اب تو ان فضول باتوں میں کوئی چارم بھی محسوس نہیں ہوتا۔"

تمسخرانہ انداز میں کہتے ہوئے گرنے کے انداز میں وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

مظہر نے اس کی حرکت کو ناپسندیدگی سے دیکھا تھا۔

"تم بھی تو نہیں تھکتی تھیں میرے ڈائیلاگ سنتے سنتے...... بھولا مت کرو گیتی آرا بیگم! انہی ڈائیلاگز سے متاثر ہو کر تم نے اپنا دل ہارا تھا۔" بڑے مزے سے اس نے گیتی کی دکھی رگ پر پیر رکھ دیا تھا۔

"بے وقوف تھی میں۔" گیتی نے تڑپ کر کہا۔

"اچھے برے کی پہچان ہوتی تو کیا میں اپنا دل تم پر ہارتی؟"

"اب پچھتاوے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔" وہ پیر میز پر رکھ کر مزے سے گنگنانے لگا۔ گیتی کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس نے الٹے ہاتھ سے موبائل مظہر پر کھینچ مارا۔

"شرم نہیں آتی تمہیں معصوم لڑکیوں کی زندگیاں برباد کرتے۔"

وہ حلق کے بل چلائی تھی۔

"آواز نیچی رکھو۔ اس لہجے کی عادت نہیں ہے مجھے۔" مظہر نے انگلی اٹھا کر سخت لہجے میں کہا تھا۔

"معصوم لڑکیاں۔" اس نے طنزیہ ہنکارا بھرا تھا۔

"جب یہ "معصوم لڑکیاں" اپنے ماں باپ کو دھوکہ دے رہی ہوتی ہیں تب ان کی معصومیت کہاں ہوتی ہے۔ جب انجان لوگوں سے راہ و رسم بڑھا رہی ہوتی ہیں تب انہیں اپنی معصومیت یاد کیوں نہیں رہتی...... یہ اچھا طریقہ ہے ہر کام کروا اپنی مرضی سے اور بعد میں ڈھنڈورا پیٹتے پھرو کہ جی ہم تو معصوم تھے، ہمیں پھانس لیا گیا۔ جتنی میری عمر ہے اس سے زیادہ لڑکیوں کو جانتا ہوں میں یقیناً۔ لیکن ان میں

سے کتنی میری خاطر اپنے ماں باپ کی عزتیں داؤ پر لگا چکی ہیں یہ ٹھیک سے یاد نہیں مجھے۔

بھئی ہمارا تو کام ہے۔ کسان گندم بوئے گا، نہیں تو کاٹے گا کہاں سے؟ کسان سے تو کوئی پوچھتا نہیں کہ بھئی تم گندم کیوں کاشت کرتے ہو۔ معصوم۔ بہت بڑا لطیفہ سنا دیا آج تو تم نے مجھے...... چلو سب کی چھوڑو اپنی کہو تم اتنی ہی معصوم تھیں تو کیوں میری باتوں پر یقین کیا......؟''

''میں نے کہا نا مظہر! میری بات مت کرو جن کی قسمت خراب ہو ان پر اللہ بھی مہربان نہیں ہوتا۔'' اس نے طیش بھرے انداز میں اپنے ائیر رنگز اتار کر ڈریسنگ ٹیبل پر اچھال دیے۔

''ارے جاؤ...... اللہ مہربان نہیں ہوتا۔'' مظہر نے سر جھٹکا پھر آئینے میں ہی اس کے عکس کو دیکھتے ہوئے معنی خیز انداز میں بولا۔

''تم پر اللہ بڑا مہربان ہے آج کل۔''

''مطلب؟'' گیتی نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

''مطلب......'' وہ ہنسا۔ ''نام حنان قادر۔ پنجاب کے ایک بے حد دولت مند کاروباری گھرانے کا سوتیلا چشم و چراغ ہے۔ پہلا باپ مر چکا ہے مگر اتنی دولت چھوڑ کر گیا ہے کہ بیٹا دونوں ہاتھوں سے اڑا رہا ہے۔ خوبصورت ہے، شوقین مزاج ہے...... خوب صورت لڑکیوں کے درمیان بہت خوش رہتا ہے۔ ابھی تم اس کے ساتھ ڈنر کر کے آ رہی ہو اس نے تمہیں ڈراپ کیا ہے۔ کیا میں یہ بھی بتاؤں کہ تم لوگوں نے ڈنر میں کیا کچھ آرڈر کیا۔'' وہ دل جلانے والی مسکراہٹ لبوں پر سجائے پوچھ رہا تھا۔

جبکہ گیتی ہکا بکا اسے دیکھ رہی تھی جس شخص سے وہ آج پہلی بار ملی اور جس کے بارے میں وہ نام کے سوا کچھ نہیں جانتی تھی اس کے متعلق مظہر اتنی معلومات اکٹھی کر چکا تھا۔

''حیران ہو رہی ہو کہ مجھے اتنی معلومات کہاں سے مل گئیں......؟ جو محبت کرتے ہیں وہ محبوب کے ایک ایک پل کی خبر رکھتے ہیں۔ مگر ابھی مجھے صرف اتنا بتاؤ تمہارے اس لڑکے سے تعلقات کہاں تک ہیں۔ آپا بیگم کے پاس تو اس کا کوئی ریکارڈ نہی ہے اور جس کو آپا بیگم نہیں جانتیں اس کی پہچان ہی غیر واضح اور کسی حد تک مشکوک ہے۔ اس لیے تم بتاؤ تم اس سے کہاں ملی اور تعلقات کی نوعیت کیا ہے۔'' مظہر نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

''شٹ اپ۔'' گیتی نے حیرت سے نکل کر نفرت سے کہا۔

''کوئی تعلقات نہیں ہیں میرے اس کے ساتھ، باقی سب تمہیں نظر آ جاتا ہے میرے پیر پر بندھی پٹی دکھائی نہیں دی۔ اس بے چارے نے مدد کی تھی میری اور تم...... گندہ ذہن ہمیشہ گندگی ہی سوچے گا۔''

اشتعال و دہشت سے اس کا برا حال تھا اور تنفس بے حد تیز ہو رہا تھا۔

مظہر نے اس کی بات کا رتی بھر برا نہ منایا اور زوردار قہقہہ لگا کر بولا۔

''اوہو پاکیزہ ذہن والوں کو تو دیکھو، منہ در منہ جھوٹ بولتے ان کی نظریں بھی نہیں جھکتیں۔ اس بے چارے نے مدد کی اور ''بے چارے'' کا قرض اتارنے اس کے ساتھ آوارگی پہنچ گئیں۔ واہ بھئی واہ...... ابھی میں نے دیکھا گاڑی کے بونٹ سے ٹیک لگائے خوب ہنس ہنس کر باتیں ہو رہی تھیں پہلی ہی ملاقات میں ''دوستانے'' کا یہ عالم ہے تو چند روز بعد نہ جانے کیا ہو گا۔'' وہ سگریٹ کا دھواں اڑاتا تمسخرانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

گیتی نے تیکھی نظروں سے آئینے میں دکھائی دیتے اس کے عکس کو گھورا اور اشتعال دبائے بڑے تحمل سے بولی۔

''غیر مردوں سے ہنس ہنس کر باتیں کرنا تم نے ہی سکھایا ہے مجھے۔''

''اچھا......'' مظہر کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ ''تو پھر کیا...... مجھ سے ہنس ہنس کر تمہاری ماں باتیں کیا کرتی تھی؟''

''میری ماں کو بیچ میں مت لاؤ مظہر!'' وہ حلق کے بل چنگھاڑی تھی۔

''میری ماں بہت شریف النفس عورت تھی ساری زندگی اس نے اپنے شوہر کے گھر گزار دی، تمہاری ماں کی طرح جس تھالی میں کھایا اس میں چھید نہیں کیا۔'' غصے کی شدت سے اس کا سارا وجود ہی نہیں آواز بھی کپکپا رہی تھی۔ آنکھوں سے نفرت کے شعلے نکل رہے تھے جو مظہر کو بھسم کر دینا چاہتے تھے۔

''شریف النفس ماں کی شریف النفس بیٹی نے کوئی سبق نہیں سیکھا، شوہر کو دھوکا دیتی پھرتی ہے اور شرمسار بھی نہیں ہوتی۔'' مظہر کا لہجہ بدل گیا۔ آگ کی تپش وہاں بھی تھی۔

''شرمساری کیسی......؟'' گیتی نے طنزیہ ہنکارا بھرتے ہوئے کہا۔

''دھوکے باز کو دھوکا دینا تو عین ثواب ہے......''

''گویا اس لڑکے سے اپنے تعلق تسلیم کرتی ہو؟'' مظہر نے سلگ کر کہا۔

''ہاں۔'' گیتی نے جیسے بے حد مشتعل ہوتے ہوئے دوٹوک کہا۔

''تمہاری خوشی اسی میں ہے تو سن لو میں اس سے پچھلے چھ ماہ سے مل رہی ہوں پہلے وہ مجھے صرف اچھا لگتا تھا مگر اب میں اس سے محبت کرتی ہوں ہمارے درمیان ہر وہ تعلق ہے جو تم سوچ سکتے ہو۔ وہ ایک اچھا انسان ہے اچھا مرد ہے تمہاری طرح گھٹیا اور بے غیرت نہیں ہے۔ میں اس سے محبت کرتی ہوں کرتی رہوں گی۔ باقی بات رہی آپا بیگم کے پاس اس کا ریکارڈ ہونے کی تو میں نے...... آپا بیگم کو اس کے متعلق بتایا ہی نہیں۔ تمہاری ماں ہے تمہاری طرح اس سے بھی میری خوشی کہاں برداشت ہونا تھی۔'' ابلتے ہوئے لاوے کی طرح اس کے منہ میں جو آیا بولتی چلی گئی۔ غصے کی انتہا ہی تھی جس نے اسے ہر مصلحت سے آزاد کر دیا تھا۔

’’بے وقوف ہو تم۔ تمہیں پتا ہی نہیں کون تمہاری خوشی چاہتا ہے اور کون نہیں۔‘‘ مظہر نے سرد و سپاٹ لہجے میں کہا۔

’’افسوس تو اس بات کا ہے کہ بہت اونچا اڑنے کے لیے پر فراہم کیے تھے تمہیں۔ مگر تمہاری اڑان تو بہت نیچی نکلی گیتی آرا......‘‘ اس نے تمسخرانہ تاسف سے گیتی کو دیکھا جواباً وہ لاپروائی سے خود ساختہ ہنسی ہنس دی۔

’’میری فکر مت کرو۔ نیچی اڑان بھرنے سے اگر محبت مل جاتی ہے تو یہ اتنا برا سودا نہیں ہے۔‘‘

’’محبت تو تمہیں مجھ سے بھی تھی۔‘‘ اس نے تڑخ کر کہا۔

’’نہیں۔ وہ غلطی تھی میری۔‘‘

’’تم اب بھی غلطی کر رہی ہو۔‘‘ اسکا لہجہ سرد و سنگین تھا۔ گیتی پر ذرا برابر اثر نہ ہوا۔

’’کیا کہا جا سکتا ہے۔‘‘

’’اگلی بار اس کے ساتھ نظر آئیں تو نتائج کی ذمہ دار تم خود ہوگی۔‘‘

گیتی کے اعتراف نے جیسے اسے بالکل آؤٹ کر دیا تھا۔ گیتی کو گدگدی سی ہونے لگی۔

’’جانے دو مظہر! تمہارے منہ سے یہ ذمہ داری قبول کرنے کی تلقین کچھ اچھی نہیں لگ رہی۔ مجھ سے محبت کے جھوٹے وعدے کر کے میری زندگی برباد کر دی۔ کبھی اس بات کی ذمہ داری قبول کی ہے؟‘‘ اس نے مسکرا کر پوچھا مظہر کو آگ لگ گئی۔

’’زبان بہت چلنے لگی ہے تمہاری۔‘‘

’’شکریہ۔ ویسے وقت سب کچھ سکھا دیتا ہے میں تو پھر بھی آپا بیگم کی سپرویژن میں رہی ہوں۔‘‘

’’جو نئے سبق سکھا سکتا ہے اسے پرانے سبق بھلانے کا طریقہ بھی آتا ہے۔‘‘

’’کم آن مظہر! دھمکیاں مت دو۔ مجھے اب تمہاری کسی بات سے ڈر نہیں لگتا حتیٰ کہ تمہاری خفگی سے بھی نہیں البتہ تمہاری اس نئی محبوبہ کو شاید فرق پڑے۔‘‘

’’ڈرنا پڑے گا۔‘‘ مظہر نے سگریٹ فرش پر پھینکا اور شوز کی ٹو سے مسل دیا۔

’’میں نے جو کہہ دیا اس سے ایک انچ نہیں ہٹوں گا دوبارہ اس کے ساتھ نظر آئیں تو دیکھ لینا۔‘‘

’’ارے بہت دیکھ چکی تمہیں۔ اب تو ان شاء اللہ حنان کو دیکھتے دن رات کٹیں گے۔‘‘

’’بے حیا عورت! شوہر کے سامنے محبوب کا نام لیتے شرم نہیں آتی؟‘‘ وہ چاروں شانے چت ہو کر جیسے ہار کے احساس سے بلبلا رہا تھا۔

’’شوہر کو بھی تو بیوی کے سامنے دوسری عورت کا نام لیتے شرم نہیں آئی۔‘‘ اس نے دوبدو کہا۔

”میرا مقابلہ کرو گی۔“ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا گیتی آرام سے بولی۔

”اونہوں......قطعاً نہیں......میں مر کر بھی تمہارے جتنی بے غیرت نہیں ہو سکتی اور مقابلہ ہمیشہ برابری کی اہلیت پر ہوتا ہے۔“

”چہ چہ......تمہیں پتا نہیں ہے گیتی! تم کیا غلطی کر رہی ہو......ایسا مزا چکھاؤں گا اس بکواس کا کہ ساری عقل ٹھکانے آجائے گی۔ شوہر ہوں میں تمہارا پتا نہیں تم کیوں بھول جاتی ہو۔“

”تم سے کس نے کہا میں بھول جاتی ہوں......؟ بھول ہی نہیں سکتی۔“ گیتی نے بے خوفی سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

”بے غیرت کی بیوی دن کے آٹھ پہر کے ہر لمحے میں یاد رکھتی ہے اور اسکی روح ماتم کرتی ہے۔“ اس نے زہر خند لہجے میں کہا۔

”بولنا آگیا ہے مگر احسان نہیں مانو گی۔ ذرا دیکھو اپنی طرف۔ اتنے سے عرصے میں تمہیں کیا سے کیا بنا دیا ہے ہم نے۔“

”مانتی ہوں ہر احسان مانتی ہوں۔ میری روح میں تھکن ہی تمہاری وجہ سے اتری ہے۔“ اس کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔

مظہر نے نفرت سے تھوک دیا۔

”مجھے جو کہنا تھا کہہ دیا۔ اچھی طرح سمجھ لو ہم اپنا مال دوسرے کے ہاتھ دیتے ضرور ہیں مگر اپنی مہر کے ساتھ۔“ وہ خطرناک لہجے میں کہتا باہر نکل گیا۔

گیتی نے اسے جاتے دیکھا پھر لاپروائی سے سر جھٹک دیا کیونکہ اسے احساس تک نہیں تھا کہ اپنی جذباتیت میں وہ کیا کر چکی ہے۔

☆......☆......☆

اور آنکھیں بند کرنے سے کیا ہوتا ہے بھلا؟ کچھ ہو سکتا تو آدھی دنیا آنکھیں بند کر کے زندگی بسر نہ کر رہی ہوتی؟ اگلے روز مہمانوں کی آمد نے ان لوگوں کی رہی سہی امیدوں پر بھی پانی پھیر دیا تھا۔ ان کے لباس، ان کی گفتگو کے واہیات انداز ان لوگوں کی کلاس کا چیخ چیخ کر اظہار کر رہے تھے۔ زینب نے تو شفق سے صاف ہی کہہ دیا۔

”ان لوگوں کے یہاں شادی کرنے سے بہتر ہے آپ واقعی خودکشی کر لیں۔“ اس کے مشورے میں ہار بھی تھی مایوسی و بے بسی بھی اور ایسی ہی مایوسی ان سب کے دلوں میں جگہ بنا چکی تھی شفق نے تو پہلے ہی ہتھیار ڈال دیے تھے اور جب وہی احتجاج نہیں کرنا چاہتی تھی تو باقی سب کیا کر سکتی تھیں۔

مگر ”لڑکے“ کی ”رونمائی“ نے گویا تابوت میں آخری کیل کا کام دیا تھا۔ جسے اب تک وہ لڑکے کا باپ سمجھتی رہیں پتا چلا دراصل وہ خود ہی ”لڑکا“ ہے۔

”ہمارے خورشید کو لڑکیوں کی کمی تھوڑا ہی ہے۔ مگر سچ کہوں تو مجھے پہلی نظر میں ہی شفق پسند آگئی تھی۔ حالانکہ دیکھا جائے تو تم بھی بری نہیں ہو مگر دراصل ہم سب بہن بھائیوں کے دل میں رحم دلی اور خوفِ خدا بہت ہے۔ بھائی الیاس نے بتایا تھا کہ بچی کے ماں باپ اس

کے بچپن میں ہی مر گئے۔ میں نے خورشید سے کہا پتا نہیں یتیم بچی نے ساری زندگی میں کوئی خوشی دیکھی ہے یا نہیں، ہم ہی اس کے لیے کچھ کر دیتے ہیں ہو سکتا ہے اللہ ایسے ہی میرا مطلب اس نیکی کے بدلے ہم سے راضی ہو جائے۔''

بھاری بھرکم جثے والی عورت کو اپنی نیک فطرت کے قصے سنانے سے فرصت نہ تھی اور ثانیہ ششدر سی کبھی اسے تو کبھی اس کے بھائی کو دیکھ رہی تھی۔ جو آیا شفق کے لئے تھا مگر بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنی گندی سرمہ لگی آنکھوں سے ثانیہ کا ایکسرے ہی کر ڈالے۔

''شفق کو تو خورشید شہزادی بنا کر رکھے گا، بھلا اسے کوئی تھوڑا تھوڑا ہی ہے خیر سے دس مرلوں کا مکان ہے ڈبل اسٹوری پکی ٹھٹی میں...... اوپر کے حصے میں اس کی پہلی بیوی رہ لے گی اور نیچے کے حصے میں شفق رہے گی اپنی......''

''پہلی بیوی......؟'' ایک اور جھٹکا۔

''ہاں......پہلی بیوی...... ہے پاگل نہ ہو تو...... کیسے دیدے نکال کر دیکھ رہی ہے۔ تین بھی ہوتیں تو شفق کو خورشید نے مہارانی بنا کر رکھنا تھا۔'' انہوں نے شاید اپنی طرف سے مذاق کیا تھا ثانیہ کو لگا اس کے دماغ میں دھماکے ہو رہے ہیں۔

شفق سر جھکائے ان خاتون کے نرغے میں تھی۔

''خورشید کی پہلی بیوی بانجھ نکلی۔ حالانکہ بڑا علاج کروایا اس کا۔ کون سا ڈاکٹر، وید، حکیم ہوگا جس کے پاس نسیم کو لے میں نہ گئی ہوں مگر نہ جی اصل میں زمین بانجھ ہو تو جتنے مرضی جتن کر لو جتنے مرضی ترلے لے لو کوکھ ہری نہیں ہوتی وارث......''

''دیکھیں...... آپ پلیز یہاں سے تشریف لے جائیں......'' ثانیہ کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

''ایں......'' خاتون کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

ثانیہ آگے بڑھی، شفق کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھایا اور اسے اپنے عقب میں کر لیا۔ اس کے ہر عمل میں جیسے ایک بے ساختگی اور حتمی پن تھا۔ شفق خود دم بخود اسے دیکھ رہی تھی۔

''آپ لوگ یہاں سے چلے جائیں۔ ہمیں اپنی بہن کی شادی آپ کے بھائی سے نہیں کرنی۔'' وہ خوف کی آخری حد سے کیا گزری گویا ہر خوف مصلحت سے آزاد ہو گئی۔

''کیا بکواس کر رہی ہو......'' خاتون جلال میں آ گئیں۔ تمام حاضرین محفل حیرانی سے ثانیہ کی شکل دیکھ رہے تھے۔

''بکواس نہیں کر رہی بہت تمیز سے آپ سے درخواست کر رہی ہوں کہ آپ لوگ یہاں سے چلے جائیں ہمیں شفق کی شادی آپ کے بھائی سے نہیں کرنی۔ شفق! تم باہر جاؤ۔'' اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

''ارے ایسے کیسے باہر چلی جائے۔ شگن کے پیسے رکھے ہیں ہم نے اس کے ہاتھ پر......'' خاتون چلائیں۔

''شفق! تم باہر جاؤ اور ان کے پیسے بھجوا دو۔'' اس نے پلٹ کر شفق سے کہا اور اس کے انداز میں کچھ ایسی بات ضرور تھی کہ شفق فوراً

باہر نکل گئی۔

مہمان ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ جب تک شفق پیسے لے کر آئی کمرے میں خاموشی رہی۔

''اپنے باپ کو بلاؤ...... ہم اس سے بات کریں گے۔'' خاتون نے ثانیہ کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظر انداز کرتے ہوئے سختی سے کہا۔

''ابو گھر پر نہیں ہیں۔ وہ آئیں گے تو میں بتادوں گی آپ لوگ جا چکے ہیں۔ یہ آپ کے پیسے۔'' خاتون نے پیسے جھپٹ لئے۔

''بیڑہ غرق ہو تیرا مردودنی! جھوٹ بولتے تیری زبان نہیں جلے گی؟ اپنے باپ کو بتانا تو نے ہمیں بے عزت کر کے نکالا ہے۔''

''اس میں بے عزتی کی تو کوئی بات نہیں۔ میں نے بہت تمیز سے آپ سے جانے کے لئے کہا ہے۔''

''اے جا...... بہت دیکھی ہیں تجھ جیسی تمیز والیاں۔'' خاتون نے اٹھتے ہوئے نخوت سے کہا۔

''اچھا ہوا رشتہ جڑنے سے پہلے ہی ہمیں تم ساریوں کا علم ہو گیا۔ اللہ معاف کرے ایسی دیدہ ہوائی چھوریاں...... اچھے جھوٹ بولے تھے تمہارے باپ نے تمہارے متعلق......''

وہ عورت خوب ہاتھ نچا نچا کر بول رہی تھی۔ ثانیہ نے پسینہ پونچھتے ہوئے اپنی جھنجلاہٹ پر قابو پانے کی کوشش کی مگر وہ ناکام رہی تھی۔

''غلط بیانی آپ لوگوں نے کی ہے۔'' اس نے چیخ کر کہا۔

''پہلے کیوں نہیں بتایا کہ آپ کا بھائی شادی شدہ ہے......''

''یہ بات اپنے باپ سے پوچھو۔'' اب کی بار وہ شخص خود بولا۔

''اسے سب پتا تھا ہم نے کوئی غلط بیانی نہیں کی...... وہ جانتا تھا میں شادی شدہ ہوں۔''

''اور نہیں تو کیا...... اس نشئی کو سب علم تھا۔ نشے پورے کرتا تھا میرے بھائی کی جیب سے۔ ہم نے تو نہیں کہا تھا ایک روز خود ہی آ کر اپنی لڑکی پیش کردی۔ وہ تو ہمارا حوصلہ تھا کہ بیاہنے آ گئے ورنہ تم جیسوں نے تو ساری زندگی منہ کالے کرتے پھرنا ہے اپنی بڑی بہن کی طرح......''

ثانیہ کو لگا اس نے طمانچہ کھینچ کر مارا ہے۔ اسے اپنے اعصاب جھنجھناتے محسوس ہوئے تھے۔

''نکلو یہاں سے۔'' اس نے تڑخ کر کہا۔

''اے دیدے کیسے نکال رہی ہے۔ منہ توڑ دوں میں تیرا......''

''اگر چار منٹ میں تم یہاں سے دفع نہ ہوئیں تو میں تیری ٹانگیں توڑ کر تجھے زندہ دفن کر دوں گی موٹی بھینس...... چل نکل یہاں سے۔''

اس نے تقریباً عورت کو دھکا دیتے ہوئے کہا تھا اور جس انداز میں اس نے کہا تھا اس انداز نے اسکی بہنوں کو دم بخود کیا تھا اس عورت کو نہیں۔ وہ واویلا کرتی، ثانیہ کو کوستی اور اس بدتمیزی پر خطرناک نتائج کی دھمکیاں دیتی رخصت ہوئی تھی۔

کچھ دیر گھر کی فضا میں وہ شور گونجتا رہا پھر خاموشی چھا گئی۔ اتنی خاموشی ایسا سناٹا۔ جس کی سطح پر ہر احساس زیاں اپنی تمام تر

بدصورتی کے ساتھ ابھرتا ہے۔

ثانیہ کو اپنے سارے وجود سے چنگاریاں نکلتی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ اسے اپنا سر کسی پھوڑے کی مانند دکھتا محسوس ہو رہا تھا اور اس کا دل چاہ رہا تھا ساری دنیا کو تہس نہس کر کے رکھ دے مگر...... بعض اوقات بے بسی کی جو آخری حد ہوتی اصل میں وہی ڈپریشن کی ابتدائی حد ہوتی ہے۔

وہ چاہتی تھی وہ چیخے، چلائے، دیواروں سے سر ٹکراتی پھرے۔ جس جس نے آج تک عانیہ کی وجہ سے ان سب پر عرصہ حیات تنگ کیا ان سب کا گریبان نوچ ڈالے۔ کچھ تو ایسا ہو کہ اندر لگی آگ بجھ جائے۔ سکون کی سانس آئے۔ زندگی قید سے آزاد ہو حبس کا موسم چھٹے، اس کی آنکھوں میں آنسو سمٹ رہے تھے۔ سینے میں سسکیاں اودھم مچا رہی تھیں۔

اس نے دل ہی دل میں خود کو پر سکون رہنے کی تلقین کی اور آنسو پیتی اور گہرے سانس لیتی اندر آ گئی۔ کمرے میں شفق نے سب سے پہلے اس کی جانب دیکھا تھا۔

''تم نے کیا کر دیا ثانیہ...... ابو...... ابو...... ہم سب کو......'' سراسیمگی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

''میں نے وہ کیا جو تمہیں کرنا چاہیے تھا۔'' ثانیہ نے آنسو ضبط کرتے ہوئے اور نظریں چراتے ہوئے کہا۔

''ابو نے کچھ سوچ کر ہی فیصلہ کیا ہوگا۔'' شفق نے آہستگی سے کہا۔

''شفق! پاگل مت بنو۔'' ثانیہ جو خود کو ریلیکس رکھنے کی کوشش کر رہی تھی ایک دم پھٹ پڑی۔

''تم نے اس آدمی کی شکل دیکھی......؟ تمہارے باپ کی عمر کا ہے وہ، ابو نے کیا سوچ کر فیصلہ کیا ہوگا؟ انہوں نے آج تک کچھ سوچا ہے؟ اگر وہ کچھ سوچ سکتے تو ہمیں عانیہ نہ سمجھتے...... ہمیں کب تک اس کی بہن ہونے کی سزا ملے گی......؟ آخر کب......'' اس کے حلق میں آنسو اٹک گئے تھے پھر وہ سسک سسک کر رونے لگی۔

اس کی بہنیں ششدر اسے دیکھ رہی تھیں۔ وہ بھی اس طرح اپنے ردعمل کا اظہار نہیں کرتی تھی۔ نہ وہ اس طرح چیختی تھی نہ اس طرح روتی تھی۔ لیکن شاید وہ تھک چکی تھی سب کچھ تنہا سہتے سہتے۔

''اب تم کچھ بھی کہتی رہو شفق......!'' چند لمحے بعد اس نے اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے اور ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتے ہوئے حتمی لہجے میں کہا۔

''میں نے سوچ لیا ہے میں ابو کو مزید کوئی زیادتی نہیں کرنے دوں گی۔ عانیہ کا کیا وہ خود بھگتے ہمیں کس چیز کی سزا دی جا رہی ہے اور ابو کون ہوتے ہیں ہماری زندگیوں کا فیصلہ کرنے والے، جس شخص نے ساری زندگی اپنی ذمہ داریاں نہیں سنبھالیں وہ اب کیوں......'' آنسوؤں نے پھر اس کی آواز کو نگلا۔

''کیا بکواس کر رہی ہو؟'' الیاس نے اشتعال بھرے انداز میں اس کا رخ اپنی جانب موڑا تھا اور ثانیہ کچھ بولنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ نفرت، جھنجلاہٹ، بے بسی، اشتعال اپنی جگہ اور باپ کا خوف اپنی جگہ اس کی زبان تالو سے چپک گئی تھی۔

''کیا کہہ رہی تھی میرے بارے میں......؟'' الیاس چنگھاڑے۔

''ابو......وہ ثانیہ......'' شفق گھبرا کر آگے بڑھی۔

''تم اپنا منہ بند رکھو میں اس سے پوچھ رہا ہوں اسے بکواس کرنے دو۔''

الیاس کی آنکھیں خون رنگ ہو رہی تھیں ثانیہ کے اشتعال پر بچپن کے خوف کے چھینٹے پڑ گئے تھے اس نے بے ساختہ لبوں پر زبان پھیری جن پر آنسوؤں کا ذائقہ تھا۔

''اور مہمانوں کے ساتھ کس نے بدتمیزی کی ہے۔ تمہاری ماں نے تم لوگوں کو کچھ نہیں سکھایا۔'' الیاس کا لہجہ و انداز۔ ثانیہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''امی کو کچھ نہ کہیں ابو......! آپ کے مہمانوں کو میں نے......''

الیاس نے ایک کرارا تھپڑ اسے رسید کیا تھا۔

''وہ تو مجھے خورشید نے ہی بتا دیا تھا مگر......'' الیاس نے دوسرا تھپڑ اس کے بائیں گال پر رسید کرنا چاہا مگر اس سے پہلے شفق ان دونوں کے درمیان گھبرا کر آ گئی تھی۔

''اس کو ان لوگوں سے معافی مانگنا پڑے گی۔'' شفق کی منت سماجت کے جواب میں الیاس نے نفرت سے ثانیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جسے ایک ہی تھپڑ نے ساکت و صامت کر دیا تھا۔

''میں معافی نہیں مانگوں گی۔'' اس سے قبل کہ شفق اس کی طرف سے حامی بھرتی ثانیہ نے الیاس پر سے نظریں ہٹائے بنا بے تاثر لہجے میں کہا تھا۔

''معافی تو تیری ماں بھی مانگے گی۔'' الیاس نے دائیں طرف تھوک دیا۔

''آپ ثانیہ کی بات نہ سنیں ابو! وہی ہوگا جو آپ چاہتے ہیں۔''

''میں معافی نہیں مانگوں گی وہ لوگ دوبارہ آئے تو میں دوبارہ انہیں گھر سے نکال دوں گی اور میں شفق کی شادی بھی وہاں نہیں ہونے دوں گی۔''

''زبان کھینچ لوں گا میں تیری۔'' الیاس نے شفق کو دائیں طرف دھکیل دیا اور ثانیہ کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا۔ ثانیہ تکلیف کی شدت سے بے حال ہوئی تھی مگر اس نے مزاحمت نہیں کی۔ ''کماتی ہے تو سر پر احسان نہیں کرتی۔''

الیاس گالیاں دیتے ہوئے اسے ٹھوکریں رسید کر رہے تھے ثانیہ اپنی چیخوں کو روک نہیں پائی تھی۔ مگر الیاس کی تسلی اس کے لبوں سے نکلتی چیخوں سے نہیں ہوئی انہوں نے اپنے پیر سے ربڑ کی چپل نکالی اور اس کے سر اور کمر پر برسانے لگے۔

ثانیہ نے اپنا سر گھٹنوں میں دے لیا تھا اب کوئی ضرب اس کے چہرے پر نہیں لگ رہی تھی اس کی روح پر لگ رہی تھی۔

بچپن میں اس نے اپنے باپ کے ہاتھوں مار کھائی تھی اور اس کے بعد اس نے اپنے باپ کے سامنے بولنے کی ہمت نہیں کی۔ وہ اپنے بہن بھائیوں کو بھی ان کے سامنے بولنے سے روکتی تھی مگر آج اس نے صرف احتجاج بلند کیا تھا آج پھر وہ پٹ رہی تھی۔

''تم جیسی بیٹیاں تو پیدا ہوتے ہی مرجانی چاہئیں۔'' اس کے باپ نے اسے مارتے ہوئے کہا تھا۔

''جو باپ کے لئے کچھ نہیں کر سکتیں۔ کہاں سے لاؤں گا میں ڈیڑھ لاکھ..... خورشید تو مجھے مار ڈالے گا۔ تم چاہتی ہو تمہارا باپ مر جائے..... مر جائے تم جیسی اولاد جو باپ کے کام نہیں آسکتی۔'' الیاس اب ہانپنے لگے۔

تب..... ہاں تب..... ثانیہ نے اپنا سر اٹھا کر اس شخص کو دیکھا جو اس کا باپ تھا اور جس کے لئے اس کے دل میں نفرت کے سوا کچھ نہیں تھا۔

''ڈیڑھ لاکھ روپے.....'' تو یہ تھا اصل قصہ.....

''آپ جیسے باپ کی بیٹیاں ہونے سے بہتر تھا ہم مر ہی جاتیں۔''

اس نے نفرت انگیز لہجے میں کہا۔

الیاس نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ اتنا پٹنے کے بعد بھی بولنے کی توقع نہیں تھی انہیں۔

''میں آپ کو ایک بات بتادوں شفق کی شادی میں اس آدمی سے نہیں ہونے دوں گی۔ آپ مجھے جتنا بھی مار لیں۔'' اس نے روتے ہوئے چیخ کر کہا تھا۔

''اپنی بیٹی کو فروخت کرتے شرم نہیں آتی آپ کو۔''

''میں تجھے زندہ ہی نہیں چھوڑوں گا۔ مجھے دھمکیاں دیتی ہے۔''

اس نے اپنے باپ کو پھر اپنی جانب لپکتے دیکھا۔ وہ اسے پھر مارنے لگے وہ اسے اتنی گالیاں دے رہے تھے۔ اتنے وحشیانہ انداز میں مار رہے تھے کہ اس کی چیخیں بھی دم توڑ گئیں۔

مارتے ہوئے وہ دروازے کی طرف لپکے تھے جس کے پیچھے پردے لٹکانے کے لئے لگایا جانے والا ٹوٹا ہوا راڈ پڑا تھا۔ وہ راڈ اٹھا کر اس کی طرف لپکے۔

چیخنے کی باری اب ان سب کی تھی۔ شفق ایک دم ثانیہ کے آگے آگئی اور الیاس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

’’نہیں ابو......! ابو پلیز...... ثانیہ کو مت ماریں۔‘‘ نیم بے ہوش ثانیہ کو اپنے عقب میں تقریباً چھپائے وہ روتے ہوئے ان کی منتیں کر رہی تھی۔

’’اللہ کے واسطے ابو......! اسے مت ماریں۔‘‘

’’سامنے سے ہٹو شفق! بہت زبان چلتی ہے اس کی...... میں آج اس کی طبیعت ٹھیک کردوں گا۔‘‘

’’اس سے غلطی ہوگئی ہے ابو! اسے معاف کردیں۔ ثانیہ ان لوگوں سے بھی معافی مانگ لے گی اور...... اور میں تو راضی ہوں نا ابو! مجھے آپ کے کسی فیصلے سے اختلاف نہیں ہے آپ...... آپ جہاں کہیں گے میں وہیں شادی کروں گی۔‘‘

الیاس نے راڈ دور اچھال دی اور گہری سانس لیتے ہوئے بولے۔

’’سمجھا دینا اسے۔ اگلی بار کوئی گھٹیا حرکت کی یا مہمانوں سے بدتمیزی کی تو جان سے ماردوں گا اسے۔ یہ اس عورت کی دی ہوئی ڈھیل ہے جو یہ منہ کو آرہی ہے مگر مجھے ساری اکڑ نکالنا آتی ہے۔ سن لو تم سب کان کھول کر۔ اگلی بار کسی نے مجھ سے زبان چلائی یا میرے کسی فیصلے کو ماننے سے انکار کیا تو تمہاری ماں سمیت تمہیں اچھا مزا چکھاؤں گا۔‘‘ انہوں نے قہر بھری نظر ثانیہ پر ڈالی۔

’’صرف اس کی وجہ سے مجھے ان لوگوں کے آگے ہاتھ جوڑنا پڑے۔ میرا دل چاہ رہا ہے اسے قتل......‘‘ وہ مشتعل ہو کر پھر اس پر جھپٹے مگر شفق نے جلدی سے ثانیہ کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا۔ جیسے اسے چھپا لینا چاہتی ہو۔

’’میں آپ سے معافی مانگ تو رہی ہوں ابو......! میں...... ثانیہ کو سمجھا دوں گی وہ اب دوبارہ نہیں بولے گی۔‘‘ اس نے روتے ہوئے کہا۔ الیاس نے نفرت سے ثانیہ کو دیکھا اور دروازہ زور سے دھکیلتے باہر نکل گئے۔

شفق نے آنسو پونچھتے ہوئے ثانیہ کو دیکھا جس کی آنکھوں سے ابھی بھی آنسو نکل رہے تھے اور لب کپکپا رہے تھے۔ اس کا دل دکھ اور ترحم سے بھر گیا مگر اب کیا ہوسکتا تھا۔

☆......☆......☆

ہمیں خبر ہے
تمام دکھ ہے
یہ زندگی کو، جو آسمانوں کی وسعتوں سے
ہزاروں صدیوں سے مل رہا ہے
پیام دکھ ہے
جو کارزار زوال ہستی کو

دھوپ چھاؤں کی آہٹوں سے چلا رہا ہے

نظام دکھ ہے

سحر تو ایک مختصر سا غم ہے

طویل دن کی حویلیوں کو

جو راستوں میں ٹھہر گئی ہے

وہ شام دکھ ہے

یہ شام دکھ ہے

ہمیں خبر ہے، تمام دکھ ہے

یہ آس دکھ ہے، نراس دکھ ہے

اداسیوں کا لباس دکھ ہے

یہ تشنگی جو عذاب بن کر ٹھہر گئی ہے

بدن کے بوسیدہ ساحلوں پر

تو اس کا عہد دوام دکھ ہے

یہ شور کرتی ہوا کا سارا خرام دکھ ہے

ہمیں خبر ہے، تمام دکھ ہے

اور ایسی وحشت نما فضا میں

خموشی رہنا بھی ایک سزا ہے

مگر کسی سے کلام دکھ ہے

ہمیں خبر ہے، تمام دکھ ہے

گمبھیر خاموشی تھی جس پر سوگ کا تاثر گہرا تھا۔

آنسو بھی کتنی دیر بہائے جا سکتے ہیں۔ درد تھمے نہ تھمے آنسوؤں کو بہر حال خشک ہونا ہی ہوتا ہے۔

رات چپکے سے آئی۔ اس گھر پر چھائی مردنی کو دیکھا اور اپنے چہرے پر کالا سیاہ آنچل اوڑھ کر ان کے غم میں شریک ہو گئی۔

شفق سارا وقت ثانیہ کے پاس بیٹھی اسے بہلاتی اور سہلاتی رہی تھی۔ اس دوران ثانیہ بالکل خاموش رہی۔ ایک سرد سی کیفیت

بھی، عجب سی بے حسی تھی، جو اس پر چھائی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ پھر نہ جانے کون سا پہر تھا جب اسے اونگھ آ گئی، مگر صرف چند لمحوں کی بے خبری تھی، جو اسے راس آئی، ذرا دیر بعد کسی عجیب سے احساس نے اسے ہڑبڑا کر جاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔

پہلی نظر سامنے گئی، جہاں زینب اور کشف اوندھی سیدھی سو رہی تھیں، دائیں طرف نرمین تھی، شفق کی اگلی نظر اپنی بائیں طرف اٹھی اور پھر جیسے وہ دھک سے رہ گئی۔ ثانیہ وہاں نہیں تھی۔

شفق نے بے ساختہ دروازے کی جانب دیکھا جو تھوڑا سا یوں کھلا تھا جیسے کوئی جاتے جاتے غلطی سے کھلا چھوڑ گیا ہو۔ ٹھنڈی یخ ہوا اس پٹ کو ہولے ہولے لرزا رہی تھی۔

شفق نے اپنے دل کو یونہی لرزتے محسوس کیا۔

''ہائے میرے اللہ......'' ایک ہاتھ سے اپنا سر تھامتے ہوئے دوسرے سے اس نے لحاف ایک طرف ہٹایا، مگر اس سے پہلے کہ پیر بھی زمین پر رکھتی، ثانیہ احتیاط سے دروازہ کھولتی اندر داخل ہوئی۔

شفق نے بے ساختہ سکون کا سانس لیا۔

''ثانیہ! کیا کر رہی ہو۔'' دل ہزار خدشات سے آزاد ہوا تھا، بڑا اطمینان محسوس ہو رہا تھا۔

''نیند نہیں آ رہی تھی۔'' ثانیہ نے آہستگی سے کہا، ساتھ ہی کرسی کی پشت پر پھیلا تولیہ اٹھا کر چہرا اور بازو خشک کرنے لگی۔ وضو کر کے آئی تھی اور اتنی سردی میں کسی سوئیٹر یا گرم شال حتیٰ کہ دوپٹے سے بھی بے نیاز تھی۔

شفق اسے دیکھتی رہی، پھر وال کلاک پر نظر ڈالی، رات کے تین کا عمل تھا۔

''ابھی تو تین بجے ہیں، اذان تو نہیں ہوئی۔'' اس نے جیسے ثانیہ کو اطلاع دی تھی، ثانیہ ان سنی کرتی دوپٹہ نماز کے انداز میں لپیٹنے لگی، پھر الماری سے قرآن پاک نکال کر کرسی پر بیٹھ گئی، قرآن پاک گود میں رکھا اور دھیمی آواز میں تلاوت کرنے لگی۔

شفق نے لحاف خود پر اوڑھ لیا، مگر نظریں ثانیہ پر سے نہ ہٹا سکی۔ کتنی سادہ دل تھی وہ، بے ریا اور پر خلوص، اس کی خاطر باپ سے بحث کرنے لگی، حتیٰ کہ مار بھی کھائی، ''زندگی کی تاریکیوں میں اب تمہارا یہی خلوص میری مسرت کا باعث بنے گا ثانیہ! پتا نہیں میں اس پر خلوص احسان کا بدلہ اتار بھی سکوں گی یا نہیں۔''

ذہن لامتناہی سوچوں کی آماجگاہ بنا رہا۔ وہ موجود تھی، مگر دماغ کہیں اور اڑان بھر رہا تھا۔ اذان کی صدا بلند ہوئی، تب وہ ہڑبڑا کر بستر سے نکلی۔ ثانیہ جائے نماز بچھا رہی تھی۔

وہ وضو کر کے کمرے میں آئی، تب ثانیہ جائے نماز پر اپنے گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے جانے کس دھیان میں تھی۔ شفق نے دوسری جائے نماز اٹھا کر اس کے برابر بچھائی، وہ تب بھی خاموش رہی، شفق نے اسے متوجہ کرنا چاہا، مگر پھر خاموشی سے نیت باندھ لی۔

نماز ادا کر کے دُعا کی باری آئی تو بڑے خشوع وخضوع سے اپنی جھولی اللہ کے آگے پھیلا دی، زمانے کا ستایا ہوا انسان اللہ سے رجوع بھی نہ کرے تو اور کیا کرے۔

تبھی ثانیہ نے اسکے گھٹنے پر ہاتھ رکھ دیا۔ شفق نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

''تمہارے والدین مر گئے شفق! مگر سگے رشتہ داروں میں کوئی اور تو ہوگا...... چچا، تایا...... خالائیں یا ماموں......''

کیا مطلب؟'' شفق نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''تم ان میں سے کسی کے پاس چلی جاؤ۔ شفق...... ورنہ...... ورنہ ابو تمہیں بیچ دیں گے۔'' اس کا خوفزدہ وسراسیمہ لہجہ شفق کے دل پر گھونسا بن کر لگا۔ یہ وہ سچ تھا جسے ان میں سے کسی نے اپنی زبان پر آنے نہیں دیا تھا۔

''پلیز شفق! ابو نے مجھے دوبارہ مارا تو میں مار کھا لوں گی مگر تم چلی جاؤ۔ وہ بے غیرتی کی آخری حد تک آچکے ہیں۔ اب کوئی منت، کوئی سماجت ان پر اثر نہیں کرے گی۔ تم ہی چلی جاؤ شفق! بچا لو خود کو۔'' اس کا انداز التجائیہ تھا۔ شفق کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتی ہوئے بولی۔

''تم لوگوں کو مصیبت میں چھوڑ کر چلی جاؤں؟'' باقی سب کی نیند خراب ہونے کے ڈر سے وہ دونوں ہی دبی ہوئی آواز میں بول رہی تھیں۔

''ہماری فکر مت کرو ہمارے لیے تو سمجھو ڈائریکٹ اللہ کا عذاب ہے کہ وہ ہمارے باپ ہیں، جو وہ کریں گے سہنا ہی پڑے گا۔ مگر تم پر تو کوئی ایسی پابندی نہیں ہے۔ وہ تمہارے ابو نہیں ہیں، نہ تم ان کی بیٹی...... تمہیں سگی بیٹی سمجھتے تو کبھی تمہارے ساتھ ایسا سلوک نہ کرتے۔ سچ یہ ہے کہ انہوں نے کبھی تمہیں بیٹی سمجھا ہی نہیں تو تم بھی ان کی عزت کی پرواہ مت کرو...... ہم کب تک سہیں گے شفق۔ کب تک۔ خدارا! تم چلی جاؤ...... تیمور نے کہا تھا میں تمہارا خیال رکھوں گی...... میں اسے کیا منہ دکھاؤں گی شفق!''

معاً شفق نے ثانیہ کا ہاتھ دونوں ہاتھوں سے تھام کر اپنی آنکھوں سے لگا لیا۔ وہ بے آواز رو رہی تھی اور ثانیہ دم بخود ہو کر اسے دیکھ رہی تھی جس کے آنسوؤں نے اس کا ہاتھ نم کر دیا تھا۔

جانے کتنی دیر وہ یونہی زار و زار روتی رہی پھر اس نے ثانیہ کے ہاتھ کو بوسہ دے کر اپنا چہرہ پونچھا۔ جائے نماز سمیٹ کر اس کی جگہ پر رکھی اور جا کر اپنے بستر پر بیٹھ گئی۔

''میں اتنی خود غرض نہیں ہوں ثانیہ! کہ اپنی زندگی میں آسانیاں پیدا کرنے کے لیے اس گھر میں ایک اور جہنم دہکا جاؤں۔ ابو نے بھلے ہی مجھے اپنی بیٹی نہ مانا ہو، میں نے اس گھر کے ہر فرد کو اپنا سب کچھ مانا ہے۔ تم لوگوں کے سوا میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے ثانیہ! کوئی بھی نہیں......'' اس کی نظریں اپنے پیروں پر تھیں۔

''تمہارے ایک تایا......'' ثانیہ نے بے ساختگی سے اسے یاد دلانا چاہا، شفق نے تمسخرانہ ہنسی کے ساتھ اس کی بات قطع کر دی۔

''جنہوں نے ساری زندگی پلٹ کر خبر نہ لی، وہ زندگی کی اس کٹھن اسٹیج پر مجھے کیوں اپنائیں گے۔ میں اتنی خوش گمان نہیں ہوں ثانی! کہ ان سے کوئی امید وابستہ کروں۔'' اس نے لحاف سر تک اوڑھ لیا۔

وہ بنا مقابلہ کتنے ہی ہتھیار ڈال چکی تھی۔

ثانیہ کو مایوسی ہوئی وہ کچھ دیر اسی طرح بیٹھی رہی پھر اچانک جائے نماز کا کونا موڑ کر اٹھی اور الماری میں سر دے کر سب الٹ پلٹ کرنے لگی۔

☆......☆......☆

اچھی خاصی خاموشی تھی جو مکینوں کی غیر موجودگی میں تخلیق پاتی ہے یا آدمی رات کے مخصوص خوابیدہ تصور سے منسوب ہوتی ہے۔ معاً ہوا بلکہ ٹھنڈی یخ ہوا کے تیز جھونکے دروازے سے ٹکرانے لگے اور دروازہ ہولے ہولے لرزنے لگا۔

ایک دم سے خاموشی کے دبیز پردے میں سلوٹیں نمودار ہو گئی تھیں۔ شفق کی آنکھ کھل گئی مگر چونکہ حواس ابھی پوری طرح سے بیدار نہ ہو سکے تھے لہٰذا کمرے میں آتی روشنی کو دیکھتی رہی۔ دھندلی سی صبح تھی کھلے ہوئے دروازے سے کہر کے بادل اندر چلے آ رہے تھے۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں بلکہ خود بخود آنکھیں بند ہو گئیں رات بھر کی جاگی ہوئی تھی اور اس وقت تو یوں نیند اسے جکڑے ہوئی تھی جیسے مدتوں بعد اپنا شکار ہاتھ لگا ہو۔

مگر اسی وقت بند آنکھوں کے پیچھے فلم سی چلنے لگی پچھلی شام کا ایک ایک منظر واضح ہونے لگا اس نے تڑپ کر آنکھیں کھول دیں ساتھ ہی اٹھ بیٹھی اور کمرے میں نظریں دوڑائیں۔ بستر اور لحاف سمٹے ہوئے تھے کمرے میں رات کی بے ترتیبی کا کوئی منظر نہ تھا گویا سب بیدار ہو چکیں صرف وہی تھی جو اب تک لمبی تانے سو رہی تھی۔

اس خیال کے آتے ہی وہ سرعت سے بستر سے نکلی رضائی تہ کر کے ایک طرف رکھی۔ کھینچ کھانچ کر قمیص درست کی اور عجلت میں سوئیٹر پہنتی باہر کی جانب لپکی۔

سب لوگ جاگ چکے اب تک صرف وہ خواب خرگوش کے مزے لے رہی تھی۔ کہنا تو خیر کوئی کچھ نہیں تھا کہ اپنا گھر اپنے لوگ تھے مگر ایک گلٹ مسلسل محسوس ہو رہا تھا۔ کل اسی کی وجہ سے اتنی ہنگامہ آرائی ہوئی اور وہی پر سکون ہو کر سو رہی ہے۔ یہ خیال ہی شرمندہ کرنے والا تھا حالانکہ سوئی تو وہ رات بھر نہیں ایک تو جو ابو نے ثانیہ کے ساتھ کیا اس کی شرمساری اور جو مستقبل کی تصویر بن رہی تھی وہ عذاب الگ، باہر نکلی تو ٹھنڈی یخ ہوا اور بادلوں سے گھرے آسمان نے استقبال کیا وہ گرم بستر چھوڑ کر آئی تھی۔ کپکپی سی طاری ہونے لگی تو فوراً دونوں ہاتھ بغلوں میں دبا لیے۔

ثانیہ واش بیسن کے قریب کھڑی بڑی سنجیدگی سے چٹیا بنا رہی تھی شفق ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگی کریم کلر کی قمیص جس کے دامن پر گہرے براؤن ریشم کی کڑھائی تھی اور اسی رنگ کی شلوار، سادہ چہرہ، گندم کی سنہری بالیوں جیسی رنگت اور بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں...... اس کے چہرے کا قدرتی سنگھار...... دیکھنے والی نگاہ میں محبت ہو تو عام سے عام چہرہ بھی دلکش دکھائی دیتا ہے ثانیہ تو پھر بھی اچھی خاصی تھی۔ دل کی اچھائی چہرے سے جھلکتی ہے اس کا چہرہ بھی ایسا ہی چہرہ تھا اور ان سب باتوں سے ہٹ کر ایک خاص طرح کا گریس تھا اس کی شخصیت میں، جو بہت خاص و منفرد محسوس ہوتا تھا۔

وہ وہیں کھڑی اسے پیار بھری نظروں سے دیکھتی رہی مگر اک ہوک سی اٹھتی تھی دل میں...... اک وحشت سی جاگتی تھی دل میں...... کاش اللہ شکلیں اچھی بنائے تو تقدیر کے کھاتے میں بھی کچھ سنہرے سکے ڈال دیا کرے۔

اس نے گہری سانس بھری اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ثانیہ کے قریب آگئی۔

''آفس جا رہی ہو۔'' شفق کی بے ساختہ زبان پھسلی حالانکہ صاف دیکھ رہی تھی ثانیہ بظاہر چٹیا بنا رہی ہے مگر نظریں اور سوچ دونوں ہی کسی غیر مرئی نقطے مرکوز ہیں۔ اسے تو غالباً شفق کی آمد کا بھی پتا نہیں چلا تھا تب ہی چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔ پھر بے ساختگی سے صرف اتنا کہا۔

''ظاہر ہے۔'' اس کے ہاتھوں میں تیزی آگئی تھی۔

''آج مت جاؤ ثانیہ!'' شفق نے آہستگی سے کہا۔ ''کیوں؟...... آج تو تمہارا نکاح نہیں ہے۔'' دماغ میں جو خیالات کی اٹھا پٹخ جاری تھی اسی کے طفیل تھوڑی سی تلخی لہجے میں در آئی۔ شفق بے چاری کے دل پر جیسے کسی نے پتھر دے مارا تھا۔

''تم میرے نکاح کے روز بے شک آفس چلی جانا مگر آج مت جاؤ۔'' شفق نے آہستگی سے اس کا گال چھوتے ہوئے التجائیہ لہجے میں کہا ساتھ ہی اس کا چہرہ آئینے کی طرف موڑ کر آنکھوں سے عکس کی طرف اشارہ کیا۔

ثانیہ نے بے ساختہ آئینے میں دیکھا اس کے دائیں گال پر ابو کے استخوانی ہاتھ کا ''پرنٹ'' موجود تھا۔ ثانیہ دھک سے رہ گئی مگر اگلے ہی پل سر جھٹک دیا۔ دکھن تو سارے جسم میں تھی مگر درد کی جو لپٹیں دل میں اٹھتی تھیں ان کے آگے ہر تکلیف ہیچ تھی۔

''نشان تو ہے مگر اتنا واضح نہیں، مجھے تو خود تمہارے احساس دلانے پر نظر آیا کسی کو کیا پتا چلے گا۔'' اس نے لاپرواہی سے چٹیا میں ربر بینڈ ڈالتے ہوئے کہا۔

''لوگوں کی نظریں بہت تیز ہوتی ہیں روح کے راز تک پا جاتے ہیں۔'' شفق نے دکھی لہجے میں کہا۔ ثانیہ تلخی سے ہنس دی۔

''مدتیں گزر گئیں...... اتنا بڑا دل لے کر گھوم رہے ہیں...... پورا کا پورا لہولہان...... آج تک کسی کو پتا نہ چلا...... جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ اپنی ذات پر پردے ڈالنے کا ہنر ہمارے خون میں شامل ہے۔ ساری زندگی ہماری ماں اپنے دل کے زخم چھپا کر مسکراتی رہی پھر

ہماری باری آ گئی..... اب تو مجھے یاد بھی نہیں میں نے پہلی بار اتنے زبردست جھوٹ کا مظاہرہ کب کیا تھا۔'' اس کے لفظ لفظ سے جیسے زہر کے چھینٹے اڑ رہے تھے۔

''پھر بھی ثانیہ.....'' شفق بے بسی سے انگلیاں مسلنے لگی۔

''کیوں خود کو ہلکان کر رہی ہو شفق۔ آفس تو بہر حال مجھے جانا ہی ہے۔'' اس کے لہجے میں بے زاری و قطعیت تھی۔

''جن کی قسمتوں میں ہمارے ابو جیسا باپ ہو انہیں مرتے دم تک پیٹ پالنے کی فکر میں خوار ہونا پڑتا ہے تم بے فکر رہو اول تو کوئی اس نشان کے متعلق پوچھے گا نہیں، پوچھ لیا تو کچھ بھی کہہ دوں گی۔ جھوٹی کہانیوں کی کمی نہیں ہے میرے پاس، اتنی چھوٹی سی تھی تب سے امی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سارے زمانے کو سب اچھا ہے کی بھرپور تصویر دکھا رہی ہوں۔ اب تو اتنی صفائی سے جھوٹ بولتی ہوں کہ بعض اوقات تو خود بھی حیران رہ جاتی ہوں۔

ایک آس بندھی ہے۔ دعا کرنا کامیابی نصیب ہو۔ اتنے دکھ جھیل لیے ہیں کہ اب تو کسی خوشی کی آہٹ پر ہی کان کھڑے ہو جاتے ہیں مگر یوں لگتا ہے مدتیں گزر گئیں اس کیفیت سے بھی گزرے ہوئے۔ اللہ آزمائش میں ڈالتا ہے تو کوئی نہ کوئی راستہ ضرور کھلا چھوڑ دیتا ہے مگر مجھے لگتا ہے بالکل ہی بند گلی میں کھڑے ہیں اب تو دیوار پھلانگ کر روشنی کا راستہ تلاش کرنا پڑے گا۔

میرا انتظار نہ کرنا ہو سکتا ہے واپسی میں دیر ہو جائے اچھی خبر کے لیے تھوڑی محنت تو کرنا پڑے گی مگر میں اچھی خبر لاؤں گی ضرور..... ورنہ آج واپس ہی نہیں آؤں گی۔'' وہ آرام سے کہتی اندر کی طرف چل دی۔ شفق پر تو جیسے قیامت کا نزول ہوا۔ دہل کر اس کے پیچھے دوڑی۔

''کیا اول فول بک رہی ہو۔ دماغ تو خراب نہیں ہو گیا تمہارا؟''

ثانیہ اطمینان سے پرس میں ضروری چیزیں بھرنے لگی۔

''یہاں پوری کی پوری زندگی برباد ہونے لگی، تمہیں دماغ کی پڑی ہے۔'' اس نے دوپٹہ جھاڑ کر اچھی طرح اوڑھا پھر اس کی طرف پلٹی۔

''بے فکر ہو جاؤ آج کی تاریخ میں میری قضا نہ آئی تو واپس گھر ضرور آؤں گی اور میرے وثوق سے ہی اندازہ لگا لو کہ تمہاری رہائی کا پروانہ لے کر ہی آؤں گی..... ان شاء اللہ تم تھوڑی سی ہمت دکھا دیتیں تو تین فیصد مقدمہ تو یوں بھی ہم نے جیت ہی لیا تھا لیکن خیر بزدلوں کے مقدمے بھی تو کوئی نہ کوئی لڑتا ہی ہو گا۔ امی کو اللہ حافظ کہہ دینا میں کل سے ان کے سامنے نہیں گئی واپسی پر اچھی خبر لاؤں گی پھر ان کے سامنے جاؤں گی کل جو تماشا گھر میں ہوا۔ اس کی اطلاع امی کو بھی مل ہی گئی ہو گی پورے محلے کو خبر ہو گئی امی کیسے بے خبر رہ سکتی ہیں۔ اس سے تو اچھا تھا انسان جنگلوں میں ہی رہا کرتا کم سے کم وہاں محلے دار تو نہیں ہوتے ہوں گے۔''

شفق نے بے چارگی سے اسے جاتے دیکھا مگر دوبارہ روکنے کی ہمت نہ کرسکی۔

☆......☆......☆

ریشم کو کچھ خریداری کرنا تھی۔ اصرار کر کے گیتی کو بھی ساتھ لے آئی۔

گیتی نے کیا لینا تھا؟ اب تو اس کام بلکہ مشغلے میں ذرا دلچسپی محسوس نہ ہوتی تھی خیالات کا ایک اژدھام ساتھ چلتا تھا۔ سود وزیاں کی جمع تفریق ہمہ وقت جاری رہتی اور افسوس یہ کہ ہر بار سب سے زیادہ نقصان بھی اپنے ہی کھاتے میں رقم کرنا پڑتا۔ کیسی کیسی وحشتیں نہ جاگتی تھیں ان لمحوں میں۔ سارے زمانے کی حسرتیں من میں پچھاڑیں مارنے لگیں۔

''اکنی کا ہی سہی کبھی تو اپنا بھی نفع ہاتھ آئے۔

ہم بھی کھل کر سانس لیں، جی بھر کر قہقہے لگائیں۔

ایسی خوشی محسوس کریں جس کی کرنیں براہ راست دل سے پھوٹتی ہوں مگر...... ہاہ...... ہا...... ہماری قسمت میں اسی سرخوشی کی سی نعمتیں کہاں؟ کھل کر سانس لینا تو دور کی بات ...... اپنی مرضی سے سانس نہیں لے سکتے قوت پرواز ہے مگر جرأت پرواز نہیں۔

سر سے پیر تک بکاؤ ہیں ...... کب قیمت لگ جائے کچھ علم نہیں۔

بیڑہ غرق ہو میرا ...... اپنے ہاتھ سے اپنی تقدیر لکھنے کی کوشش کرنیوالوں کو کچھ سزا تو ملتی ہے۔''

''گیتی......'' ریشم نے اس کا کندھا ہلا دیا۔

وہ چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔

''کہاں گم ہو۔'' وہ شورمہ اس کی طرف بڑھائے کھڑی تھی اور تعجب سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''ہم نے کہاں گم ہونا ہے۔'' گیتی نے اس کے ہاتھ سے شورمہ لیتے ہوئے گہری سانس بھر کر کہا۔

''گم وہ ہوتے ہیں جنہیں یقین ہو ڈھونڈ لیے جائیں گے ہمیں ایسی کوئی خوش فہمی نہیں، نہ ہی حسرت۔'' اس کا لہجہ اس کی بات کی نفی کر رہا تھا۔

''ہائے ...... کیا کہہ دیا گیتی ...... دل تو چاہتا ہے نا۔'' ریشم نے جانے کس جذبے کے تحت کہا۔ فوڈ کاؤنٹر پر ادائیگی کی اور دونوں شورمہ کھاتے ہوئے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی فوڈ کارنر کی مخالف سمت چل دیں۔

گیتی کسی گہری سوچ میں تھی۔

''ساری خرابیاں اس دل کی ہی تو ہیں۔ جو ذرا اس بدبخت نے عقل سے کام لیا ہوتا تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔'' وہ کسی خیال سے چونک کر اچانک اور پرسوچ انداز میں بولی۔

''کاش اس پر بھی کوئی دفعہ لگ سکتی۔ ایسی سزا دیتی کہ پتا چل جاتا۔'' اس نے کڑھ کر کہا۔ ریشم کے ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ گئے۔

''ہائے میں مر جاؤں...... ایسی شدت وہ بھی بے چارے دل کے لیے۔ حالانکہ اس کا بھی کیا قصور؟ جو تقدیر میں لکھا ہے وہ تو ہونا ہی ہے خواہ اچھا ہو یا برا...... ہم غلطی کریں یا سدھاریں۔ ہماری تقدیر میں پہلے سے طے ہے پھر آخر حالات سے جنگ کیسی؟ سہنا ہے تو صبر اور شکر سے کیوں نہیں۔''

''ارے واہ...... آج تو رائمہ کا لہجہ بول رہا ہے۔'' گیتی نے اسے چڑایا مگر مسکراتی رہی۔

''بس ایسے ہی...... آج آنکھ کھلتے ہی رائمہ یاد آ گئی۔ تمہیں یاد ہے ہمیں کیسے شکر گزاری کے درس دیا کرتی تھی۔'' وہ اسے اس وقت بھی یاد کرتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''کیسے بھول سکتی ہوں۔'' گیتی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''گلشن نگر میں ایک وہی تو تھی جس کے لبوں سے شکر گزاری الگ نہ ہوتی تھی پتا نہیں اللہ نے اسے کس مٹی سے بنایا تھا۔''

''خیر جہاں رہے خوش رہے۔ کوئٹہ جا کر اس نے کوئی خیر خبر ہی نہ دی۔'' اسے اچانک خیال آیا۔

''گیتی! تمہیں کچھ اندازہ ہے آپا بیگم نے رحاب کو کہاں بھیجا ہوگا؟'' ریشم کی رو بھٹک کر کہیں اور جا پہنچی تھی۔ گیتی بھی لحظہ بھر کو ٹھٹک سی گئی پھر کندھے اچکا کر لاچاری سے بولی۔

''کیا کہا جا سکتا ہے۔''

''ویسے اچھی لڑکی تھی۔'' ریشم کو نہ جانے وہ کیوں یاد آئے چلی جا رہی تھی جبکہ گیتی کا احساس ندامت عود کر آیا تھا جھنجھلا کر بولی۔

''یہاں بری لڑکی کون ہے؟...... ہر کسی کو کوئی نہ کوئی مصیبت جکڑے بیٹھی ہے۔''

''تم میری بات سمجھی نہیں۔'' اس نے نرمی سے کہا۔

''مجھے سمجھنا بھی نہیں۔'' وہ رک کر بولی۔ ''اور تمہیں وہ کیوں یاد آئے جا رہی ہے۔''

''پتا نہیں کیوں؟'' وہ بے بسی سے بولی۔

''اصل میں نا گیتی! رحاب بڑے غضب کی لڑکی تھی۔ تم نے کبھی اس کی آنکھوں پر غور نہیں کیا ہوگا۔ میں نے کیا تھا، اس میں پارسائی بہت تھی۔ تمہیں پتا ہے بازاری عورت پر مرد دل نہیں ہارتا نیت ہار دیتا ہے جبکہ پارسا عورت پر وہ دل ہارتا ہے۔ رحاب میں وہ کشش تھی گیتی جو مرد کے دل کو کھینچ سکتی ہے۔ میرا بھی دل چاہتا ہے گیتی! بالکل ویسے جیسے رحاب...... پارسائی بڑی خوبی ہوتی ہے گیتی...... تمہیں نہیں پتا۔'' وہ بے ڈھنگے پن سے ہنس دی۔ گیتی ششدر سی اسے دیکھ رہی تھی۔ ریشم نے انگلی کی پور سے آنکھ کا کونا پونچھ دیا۔

''آج مجھے دورہ پڑا ہوا ہے۔ بڑا فلسفہ بولنے کا موڈ ہو رہا ہے اور یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ لگتا ہے رات کو نیند کی گولی کھا کر

سونا پڑے گا۔ آؤ ذرا سامنے والی دکان سے کچھ اچھی اچھی موویز کی سی ڈیز لیتے ہیں گولی کھانے کا موڈ نہ بنا تو رات گزرنے کا کچھ تو سامان ہو۔" وہ خود ہی پٹڑی بدل گئی مگر گیتی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تم دیکھ لو میں یہیں ہوں۔"

ریشم سر ہلاتی سامنے والی دکان میں گھس گئی۔ گیتی یونہی چھوٹے چھوٹے قدم رکھتی دکانوں کے بیرونی شوکیسز میں ڈسپلے کیا ہوا سامان دیکھنے لگی۔ مگر ذہن تھا کہ ایک لفظ کی تسبیح پڑھے جا رہا تھا۔

پارسائی...... پارسائی...... پارسائی

اس کی تو گویا روح تک بھونچال کی زد میں تھی آنسو تھے کہ ٹپکنے کو بے تاب۔

"پتا نہیں میری فیلنگز زیادہ اسٹرونگ اینڈ پیور ہیں یا قدرت کسی اور وجہ سے مجھ پر مہربان ہے۔ کچھ تو بات ہے جو آج پھر تم سے بائے چانس ملاقات ہو رہی ہے ورنہ تم نے تو شکل نہ دکھانے کی قسم کھائی تھی۔"

کسی نے اس کے بالکل قریب پہنچ کر کہا تھا۔ گیتی نے چونک کر سر اٹھایا اور مسکراہٹ خود بخود اس کے لبوں پر پھیل گئی۔ حنان اس کے سامنے سرو قد کھڑا مسکرا رہا تھا۔

☆......☆......☆

وہ سوچوں میں مبتلا اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

منہ میں سگریٹ تھا ایک ہاتھ میں موبائل فون تھا دوسرے ہاتھ سے جیب میں لائیٹر ٹٹول کر سگریٹ سلگانے کی تیاری تھی مگر اس سے پہلے ہی نگاہ سامنے سے آتے جوڑے پر پڑ گئی۔ وہ گویا ٹھٹک کر رک گیا بلکہ سگریٹ سلگانا بھول گیا۔

گیتی آرا کا ہاتھ حنان کے ہاتھ میں تھا۔ وہ دونوں کسی بات پر ہنس رہے تھے۔

مظہر کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

حنان نے فرنٹ سائیڈ کا دروازہ کھول دیا۔ گیتی بڑے ناز سے سوار ہو گئی۔ حنان گھوم کر دوسری طرف آ گیا۔ مظہر نے سگریٹ مسل کر دور پھینک دی۔ اس نے جیب سے موبائل نکال کر ایک نمبر ملانا شروع کر دیا، اتنی دیر میں وہ گاڑی زن سے اس کے سامنے سے نکل گئی اس کی نظریں نمبر پلیٹ پر تھیں۔

"بابو بھائی! ایک ضروری کام ہے۔ فٹا فٹ نوٹ کرو۔" اس کے عزائم ہی نہیں آواز بھی اس وقت خطرناک ہو رہی تھی۔ بلکہ یہی نہیں آواز کے اتار چڑھاؤ سے بھی دماغی کھولن کا پتا چل رہا تھا۔

"یہ کام ابھی ہو جانا چاہیے۔ ہڈیاں سرمہ نہیں کرنی مگر کم سے کم تین چار مہینے بستر سے اٹھنے نہ پائے اور......اور ہاں لڑکی کو ہاتھ

نہیں لگانا......یاد رہے۔‘‘

ساری بات سمجھا کر اس نے آخر میں تاکید کی۔موبائل کان سے ہٹا کر اسکرین کی جانب چند لمحے دیکھتا رہا پھر موبائل جیب میں رکھتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھولا۔

’’چہ چہ......تم نے ہمیں سمجھا ہی نہیں گیتی بیگم......لیکن خیر بھگتو گی۔آج ٹریلر دیکھوان شاء اللہ فلم بھی دکھائیں گے۔‘‘ وہ دل ہی دل میں مخاطب تھا۔

☆......☆......☆

اس نے نمبر ملا کر ریسیور کان سے لگایا اور دم سادھ کر بیٹھ گئی۔

رنگ مسلسل پاس ہو رہی تھی اور ہر بار اس کا دل ڈوب ڈوب کر ابھر رہا تھا۔

’’یا اللہ! اس بار مایوس نہ کرنا۔‘‘ کئی بار کی مانگی ہوئی دعا اس نے اس بار بھی کر ڈالی مگر نتیجہ وہی صفر، صبح سے کئی بار یہ نمبر ٹرائی کر چکی تھی مگر سچ تو یہ ہے کہ اپنی بے انتہا خوش امیدی کے باوجود اس بار مایوس ہونے لگی تھی۔

مسلسل بجتی بیل خاموش ہو چکی تھی اور اب ’’ٹوں ٹوں‘‘ کی آوازیں آ رہی تھیں اس نے بد دلی سے ریسیور رکھ دیا۔

امی کی وہ چھوٹی سی ڈائری جس میں وہ سب ملنے ملانے والوں اور رشتہ داروں کے فون نمبر اور ایڈریس سنبھال کر رکھتی تھیں اس ڈائری میں سے یہ نمبر ملا تھا۔جو آخری اطلاع کے مطابق شفق کی کسی دور پرے کی خالہ کا تھا گو کہ اس فون نمبر سے نہ تو شفق کے لیے کبھی کوئی فون آیا تھا نہ شفق نے کبھی رابطہ کرنے کی کوشش کی۔اللہ جانے امی نے کس مصلحت کے تحت اب تک سنبھال رکھا تھا۔

مگر اب یہی فون نمبر تھا جس سے ثانیہ کی ساری امیدیں وابستہ تھیں۔لیکن نمبر تھا کہ مل کر ہی نہیں دے رہا تھا۔ایک مرتبہ پھر نمبر ملا کر انتظار کی کڑی منزل سے گزرتے ہوئے اس نے مایوسی کا کالا سیاہ دھواں اپنے اندر اترتا محسوس کیا تھا۔

معاً کسی نے میز کی سطح پر آہستگی سے دستک دی۔

ثانیہ نے اپنی پریشانی سے فرصت نکالتے ہوئے نظریں اٹھائیں جہانگیر لاشاری متعجب سے اسے دیکھ رہے تھے۔ثانیہ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ریسیور بھی ہاتھ سے پھسل گیا۔

’’ایزی......‘‘ جہانگیر لاشاری نے اسکی بوکھلاہٹ کو حیرانی سے دیکھتے ہوئے کہا۔ثانیہ کی شرمندگی میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔سوری کہا سلام کیا اور گڈ آفٹر نون کہا۔

’’اتنی ساری باتیں ایک ساتھ۔‘‘ جہانگیر لاشاری کے لبوں پر دلچسپ مسکراہٹ تھی۔

’’سب خیریت ہے؟‘‘ خود انہوں نے بھی ایک سوال میں دو معاملات نبٹا لیے۔

"جی سر......الحمدللہ۔" اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

جہانگیر لاشاری کو اس کی بات پر یقین نہیں آیا۔ "اب خیریت نہیں ہے۔" یہ اس کے چہرے پر لکھا تھا۔

"آر یو شیور؟" انہوں نے شعوری طور پر گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

"آف کورس سر۔" وہ خود پر قابو پا کر اعتماد سے بولی۔

"ہوں۔" جہانگیر لاشاری نے مزید سوال جواب مناسب نہ سمجھے۔ سر ہلا کر شاہنواز کے آفس کی طرف قدم بڑھائے پھر رک کر اس کی طرف پلٹے۔

"لنچ آورز ہیں۔" انہوں نے کوٹ کی آستین ہٹا کر ریسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ "آپ اب تک یہاں کیوں بیٹھی ہیں، لنچ نہیں کریں گی۔"

ثانیہ نے چونک کر وال کلاک کی طرف دیکھا اور جیسے اپنی بے دھیانی پر حیران ہوئی۔

"میں تھوڑا بزی تھی میرا دھیان ہی نہیں گیا اس طرف۔"

"یہ تو بہت بری بات ہے۔ زیادہ محنت کرنے والوں کو تو اپنی ڈائیٹ کا بہت خیال رکھنا چاہیے۔ ویسے مجھے اندازہ نہیں تھا کہ شاہنواز اپنے اسٹاف کو لنچ آورز میں بھی ریلیف نہیں دیتا۔ خیر آپ آئیے۔ آج ہمارے ساتھ لنچ کیجیے۔"

"اٹس او کے سر، میں......"

جہانگیر لاشاری نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے منع کر دیا اور تحکمانہ لہجے میں بولے۔

"آپ کو جو بات کرنا ہے کھانا کھاتے ہوئے کیجیے گا۔"

وہ کہہ کر اندر چلے گئے ثانیہ بند دروازہ دیکھتی رہ گئی۔ پھر فائلیں سمیٹ کر ایک طرف کیں اور اندر کی طرف چل دی۔ بھوک تو خیر نہیں تھی مگر باس کا حکم کسی طور ٹالا نہیں جا سکتا تھا۔

روم میں داخل ہوئی تو داہنی سائیڈ میں بڑی سی گلاس وال کے عین سامنے جو صوفہ ارینجمنٹ تھی اسکی سینٹرل ٹیبل پر کھانا چنا ہوا تھا اور دونوں مرد حضرات اسی کے منتظر تھے۔

وہ اندر داخل ہوئی تو شاہنواز نے تو خیر نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا لیکن جہانگیر لاشاری نے بڑی اچھی مسکراہٹ کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا تھا۔

"آیئے مس ثانیہ! ہم آپ ہی کا انتظار کر رہے تھے۔"

وہ تکلف سے سنگل صوفہ پر بیٹھ گئی۔

''ہمارے لئے پرہیزی کھانا میری وائف اپنی نگرانی میں بنوا کر بھیجتی ہیں۔ اب یہ پرہیزی کھانا کھانا بھی بڑی حوصلہ مندی کا کام ہوتا ہے وہ بھی اس صورت میں جب کہ مقابل بریانی ہو۔ آپ یہ بریانی ٹرائی کیجئے۔ شاہنواز کی خالہ نے اسپیشلی اس کے لئے اور اس کی پسند کے مطابق بنوا کر بھیجی ہے لیکن آپ کو بھی بہت پسند آئے گی۔ یہ پرہیزی کھانا تو میں آپ کو مروتاً بھی چکھنے کے لئے نہیں کہوں گا میں نے کہا نا۔ بہت حوصلہ مندی کا کام ہوتا ہے یہ کھانا کھانا۔ ویسے بھی جب مجھے کسی کو سزا دینا ہوتی ہے تو اسے اپنے کھانے میں شریک کر لیتا ہوں۔'' وہ اس کی طرف پلیٹ بڑھاتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ وہ عادتاً مسکرائی تھی مگر اس وقت بے ساختہ ہنس دی اور خاموشی سے پلیٹ پکڑ کر چاول نکالنے لگی یہ جانے بنا کہ کسی کو اس کی ہنسی کتنے سروں میں محسوس ہوئی ہے۔

''کیوں بھئی شاہنواز! میں نے سنا ہے تم اپنے اسٹاف سے بہت کام لیتے ہو؟ حتیٰ کہ لنچ آوور میں بھی ریلیکس ہونے نہیں دیتے۔''

وہ کسی گہری سوچ میں تھا چونک کر انہیں دیکھا اور حد درجہ تعجب و بے یقینی سے کہا۔

''کون؟...... میں؟''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے سر! شاہنواز سر تو سارے اسٹاف کا بہت خیال رکھتے ہیں۔'' اس سے قبل کہ جہانگیر لاشاری کچھ کہتے وہ اچھے ایمپلائز کی طرح اپنے باس کے حق میں بولنے لگی۔

''اچھا......'' جہانگیر لاشاری نے گلاس میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

''تو پھر آپ اس وقت لنچ کرنے کی بجائے فائلز میں سر دیئے کیوں بیٹھی تھیں؟''

''سر! مجھے بھوک نہیں تھی تو میں نے سوچا۔''

''بھوک کیوں نہیں تھی۔'' وہ تو جرح پر ہی اتر آئے تھے ثانیہ لب کچل کر رہ گئی اب کیا بتاتی انہیں جن کے پیٹ پریشانیوں نے بھر دیئے ہوں انہیں ٹھوس غذا کی ضرورت نہیں رہتی۔

جہانگیر لاشاری اسکی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر شاہنواز سے اگلی کنسائمنٹ ڈسکس کرنے لگے۔ وہ پلیٹ میں برائے نام نکالے چاولوں اور سلاد کو کانٹے سے ادھر ادھر کرتی رہی۔

جہانگیر لاشاری کی توجہ ہٹی ہوئی تھی اڑتی پڑتی سی نگاہ اس پر بھی ڈال لیتے۔

شاہنواز نے ایک بار بھی اس کی جانب نہیں دیکھا مگر جن کی طرف دل ہمکنے لگے تمام حسیات خود بخود ان کی طرف متوجہ رہتی ہیں۔ بالآخر اس نے ٹوک ہی دیا۔

''مس ثانیہ، آپ کھا رہی ہیں یا کھیل رہی ہیں۔''

اس نے شرمندہ ہو کر چمچہ پلیٹ میں رکھ دیا۔

''ایکچوئیلی سر! مجھے سچ مچ بھوک نہیں ہے۔ وہ تو سر نے کہا تو میں انکار نہیں کر سکی۔'' اس نے جہانگیر لاشاری کی طرف دیکھتے ہوئے وضاحتی لہجے میں کہا۔ وہ اس کی وضاحت پر ہنس دیئے۔

''اور میں سمجھا آپ کو بریانی پسند نہیں آئی۔''

''بریانی تو بہت اچھی ہے سر! میں ناشتا ڈٹ کر کر لوں تو لنچ ٹائمنگ میں بالکل بھوک نہیں لگتی۔''

''سوری ٹو سے...... لیکن آپ کو دیکھ کر لگ تو نہیں رہا کہ آپ نے ناشتا بھی کیا ہوگا بہت ڈل لگ رہی ہیں آج آپ۔''

جہانگیر لاشاری نے غیر ارادی سی نگاہ شاہنواز پر ڈالی وہ اپنی پلیٹ پر جھکا ثانیہ سے مخاطب تھا۔ انہوں نے دوسری نظر ثانیہ پر ڈالی انہیں تو وہ ڈل نہیں لگ رہی تھی۔

ثانیہ الگ حق دق رہ گئی۔ ''کسی اور نے تو نہیں کہا۔ پتا نہیں میں سر کو کہاں سے ڈل لگ رہی ہوں۔ اللہ جانے ان کی نظر زیادہ تیز ہے یا میرے چہرے پر آزردگی زیادہ ہی جھلک رہی ہے۔''

''آئی ایم ناٹ فیلنگز ویل سر...... تھوڑا سا ٹمپریچر ہے......'' اسے کچھ اور نہ سوجھا تو یہی کہہ دیا۔

''یہ تھوڑا سا ٹمپریچر کیا ہوتا ہے؟ اگر طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو آج آپ کو آف کر لینا چاہیے تھا اور ہاں...... یہ آپ کے چہرے پر نشان کیسا ہے؟''

ثانیہ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

''لوگوں کی نظریں بہت تیز ہوتی ہیں روح کے راز تک پا جاتے ہیں۔''

وہ شفق کی کہی ہوئی بات پر فوراً ایمان لے آئی۔

''سر! میں سیڑھیوں سے گر گئی تھی چوٹ لگ گئی۔''

شاہنواز نے چونک کر اسے دیکھا اس نے آج تک بہت رویے سہے تھے جھوٹ اور سچ کی تقسیم اسے آتی تھی اب بھی ثانیہ کا ٹھٹکنا پھر بوکھلا کر جواب دینا اس نے پوری طرح محسوس کیا تھا مگر ٹوکنا مناسب نہ سمجھا۔

''آپ کی مدر اب کیسی ہیں؟'' جہانگیر لاشاری نے پوچھا۔

''الحمدللہ وہ بالکل ٹھیک ہیں...... ایک مستقل بیماری ساتھ چل رہی ہو تو وہ تو زندگی کا حصہ محسوس ہونے لگتی ہے بیماری نہیں لگتی۔''

''آپ ایسا کیجئے گھر جانا چاہیں تو چلی جایئے۔ کل بھی طبیعت ٹھیک نہ ہو تو آفس مت آیئے گا۔'' جہانگیر لاشاری نرمی سے کہہ رہے تھے۔ مگر اس نے رد کر دیا اور اجازت لے کر باہر آ گئی۔

شاہنواز نے کچھ دیر بعد اس سے کوئی فائل منگوائی تھی اور کافی کا آرڈر پلیس کرنے کے لئے کہا۔ اس نے پہلے آرڈر دیا پھر فائل نکال کر بالکل اپنے سامنے رکھ لی۔ اس دوران ذہن ٹیلی فون کے اردگرد ہی اڑان بھر رہا تھا۔

''اگر شفق کی خالہ سے بات ہو جائے تو مسئلہ حل ہوسکتا ہے مگر کوئی کال ریسیو کرے تب نا۔''

فائل اندر لے جانے میں ابھی وقت تھا اس نے ایک بار پھر نمبر ملا لیا اور اس بار غیر یقینی طور پر کال ریسیو کر لی گئی۔ کسی مرد نے فون ریسیو کیا تھا۔ لہجہ نرم تھا مگر آواز بھاری۔ ثانیہ کا دل بے ہنگم انداز میں دھڑک رہا تھا۔

''دیکھیے مجھے کوثر خاتون سے بات کرنا ہے۔ آپ ان سے کہیے ثانیہ کا فون ہے۔ لاہور سے۔'' اس نے بڑے نپے تلے الفاظ میں کہا۔

''کوثر خاتون؟'' آواز میں استعجاب سمٹ آیا تھا۔

''کون کوثر خاتون؟''

ثانیہ کو لگا اس کے دماغ میں کوئی دھماکہ ہوا ہے۔ اس قدر زور سے کہ اردگرد کی ہر آواز پس منظر میں چلی گئی۔

''دیکھیں بی بی! مجھے لگتا ہے آپ نے غلط نمبر ملا لیا ہے۔ یہاں کوئی کوثر خاتون نہیں رہتیں۔'' اسے مستقل خاموش پا کر اس آدمی نے کہا۔

''نمبر تو بالکل ٹھیک ہے......کوثر خاتون نے خود مجھے دیا تھا۔''

کسی سراغ کی آس میں اس نے اتنی سی غلط بیانی مناسب سمجھی۔

''ممکن ہے آپ سے نمبر لکھنے میں یا ملانے میں غلطی ہوگئی ہو......آپ دوبارہ ٹرائی کر لیں ویسے بھی آج کل ٹیلی فون لائنز بہت خرابی کر رہی ہیں۔ کہیں کی کال کہیں مل جاتی ہے کبھی کبھی تو لوگ ہمارے یہاں پیاز کا تھوک ریٹ معلوم کرنے کے لئے بھی کال کر لیتے ہیں۔''

''اچھا جی شکریہ...... بلکہ میں معذرت چاہتی ہوں۔ آپ کو بہت زحمت دی اللہ حافظ۔'' اس نے ریسیور رکھ کر سر ہاتھوں میں گرا لیا۔ کچھ دیر اپنے اعصاب کو پرسکون کرنے کی کوششوں میں لگی رہی پھر بڑی امید سے نمبر ڈائل کیا۔

ایک بیل بجی، پھر دوسری اور تیسری پر فون اٹھا لیا گیا۔

''ہیلو......'' وہی آواز وہی لہجہ۔ ثانیہ سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔

''ہیلو......ہیلو۔'' دوسری طرف سے مسلسل کہا جا رہا تھا۔

''بیٹے! آپ ثانیہ بات کر رہی ہیں نا۔'' وہ ریسیور کریڈل پر رکھنے ہی والی تھی اس شخص نے پوچھا۔

''وہی جنہوں نے ابھی فون کیا تھا۔''

"جی۔" بے حد مایوسی سے وہ فقط یہی کہہ سکی۔

"بیٹا! فون بند نہ کیجئے اصل میں میرے پاس آپ کے لئے دو خبریں ہیں ایک اچھی خبر ہے ایک بری۔"

"میں سمجھی نہیں۔" اس نے ناسمجھی سے کہا۔ "کیا آپ کوثر خاتون کو جانتے ہیں؟"

"آپ کے سوال کا جواب دینے سے پہلے کیا میں جان سکتا ہوں آپ کی کوثر خاتون سے کیا تعلق داری ہے یا آپ ان سے کس سلسلے میں بات کرنا چاہتی ہیں۔"

ثانیہ کو اس انکوائری کی وجہ تو سمجھ نہ آئی مگر چونکہ پوچھا جا رہا تھا اور اسے ادھر سے کوثر خاتون کا سراغ ملنے کی آس بھی تھی اس لئے بتانے لگی۔

"کوثر خاتون میری رشتے کی خالہ لگتی ہیں اور مجھے ایک ضروری کام کے سلسلے میں ان سے بات کرنا ہے۔ اصل میں قرابت داری چوں کہ بہت دور کی ہے اس لئے کئی سالوں بعد میل ملاقات ہو پاتا ہے۔ چند سال قبل انہوں نے مجھے یہ فون نمبر دیا۔ اب چونکہ مجھے کچھ ضروری کام تھا تو میں نے اسی نمبر پر رابطہ کرلیا۔"

"اوہ میں سمجھ گیا فی زمانہ تو لوگ قریبی رشتہ داروں کو یاد نہیں رکھتے آپ تو پھر بھی کوثر خاتون کی دور کی رشتہ دار ہیں غالباً اسی لئے آپ کو ان کے بارے میں پوری اطلاعات نہیں ملیں۔"

"آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں...... پلیز کھل کر بات کیجئے۔"

"دیکھئے یہ مکان ہم نے چند ماہ پہلے ہی خریدا ہے۔ اندازاً پانچ چھ ماہ پہلے اور جن صاحب سے ہم نے یہ مکان خریدا ہے انہوں نے پہلے اسے کرائے پر چڑھا رکھا تھا۔ مجھے تو خیر اتنا علم نہیں ہے مگر میری بیگم ان کرائے داروں سے ایک دو بار مل چکی ہیں ابھی انہوں نے ہی بتایا ہے کہ جو لوگ یہاں رہائش پذیر تھے ان کی والدہ کا نام بھی کوثر خاتون ہی تھا۔"

"واقعی......" ثانیہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"تو کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں وہ لوگ اب کہاں رہ رہے ہیں...... یا ان کا کوئی کانٹیکٹ نمبر؟"

وہ صاحب گہری سانس بھر کر بولے۔

"بیٹے! ان باتوں کا اب کوئی فائدہ نہیں ہے۔ میں نے آپ کو بتایا نا میرے پاس آپ کے لئے اچھی خبر بھی ہے اور بری بھی۔"

"میں سمجھی نہیں؟"

"جب ہم نے یہ گھر خریدا تو کوثر خاتون اور ان کے اہل خانہ اسی مکان میں مقیم تھے اور ان کے مکان خالی کرنے سے چند روز پہلے کوثر خاتون کا انتقال ہو گیا تھا۔ ان کی آخری رسومات بھی اسی مکان میں ہوئی تھیں اور میں نے ان کے جنازے میں بھی شرکت کی تھی۔

مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو اتنی افسوسناک خبر سنا رہا ہوں اتنے عرصے بعد آپ نے ان سے رابطہ کرنا چاہا وہ بھی تب جب وہ اس دنیا میں رہی ہی نہیں۔ اللہ مرحومہ کو جنت نصیب کرے۔ آمین۔''

''اور ان کے گھر والے؟'' بڑی دیر بعد ثانیہ اتنا ہی پوچھ سکی۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے لبوں سے الفاظ ہی اتنے نکل سکے۔

''ایک ان کی بیوہ بیٹی اور ایک ہی بیٹا جو ذہنی طور پر معذور تھا ہمارا رابطہ تو ان سے تب تک ہی تھا جب تک وہ لوگ اس مکان میں رہ رہے تھے۔ دراصل اپنی والدہ کے چہلم سے پہلے ہی ان لوگوں نے مکان خالی کر دیا تھا اور اب وہ لوگ کہاں ہیں مجھے علم نہیں یہ ٹیلی فون بھی ہم نے مکان کے ساتھ ہی اپنے نام ٹرانسفر کروا لیا تھا آپ کو علم ہوگا۔ ٹیلی فون لگوانا بھی ایک دردسر ہوتا ہے۔'' ثانیہ نے خاموشی سے ریسیور رکھ دیا۔

☆......☆......☆

پرائیویٹ ہسپتال کے کاریڈور میں ٹہلتے ٹہلتے اس کی ٹانگیں شل ہو چکی تھیں۔ آناً فاناً ایسی افتاد پڑی تھی کہ اعصاب بھی جواب دے رہے تھے۔ یوں لگتا تھا سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی مفقود ہو چکی ہے بار بار آنکھوں کے سامنے منظر تازہ ہو جاتا۔ کچھ لوگ حنان کو اسلحے کے زور پر گاڑی سے نکال رہے ہیں پھر بری طرح زدوکوب کر رہے ہیں۔

اسے سوچ کر جھرجھری آ گئی۔

ریشم دیوار کے ساتھ رکھے اسٹول پر بیٹھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اسے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں بال پھنسا کر بے چین ہوتے دیکھا تو خود کو ٹوکنے سے روک نہ سکی۔

''تم کہیں ٹک کر بیٹھ کیوں نہیں جاتیں...... ممکن ہے دماغ کچھ کام کرنے لگے۔''

''دماغ کیا خاک کام کرے گا مجھے تو یہی سمجھ نہیں آ رہا۔ یہ سب کچھ جو ہوا ہے۔ یہ ہوا کیا ہے۔'' وہ اسٹول پر گرنے کے انداز میں بیٹھتے ہوئے بولی۔ وہ بار بار ناخن چبا رہی تھی اور انگلیاں مسل رہی تھی یہ اس کی انتہائی پریشانی و بے چینی کی واضح علامت تھی۔

''جب اس آدمی نے اچانک سامنے آ کر گاڑی رکوائی پھر ریوالور دکھا کر حنان کو باہر آنے کے لئے کہا تو گھبرا تو میں بھی گئی تھی۔ لیکن میرا خیال تھا یہ معمول کی ہی کوئی واردات ہوگی موبائل، والٹ، جیولری حد بھی ہوئی تو گاڑی چھین کر وہ لوگ بھاگ جائیں گے لیکن انہوں نے تو حنان کو مارنا شروع کر دیا۔ تین لڑکے تھے دو اسے پیٹ تھے اور ایک میرے سر پر ریوالور تانے کھڑا تھا...... بیس منٹ تک یہی ہوتا رہا پھر وہ لوگ حنان کو وہیں پھینک کر ایک طرف کھڑی بائیک پر سوار ہو کر بھاگ گئے......

میں مدد کے لئے چیختی رہ گئی مگر مجال ہے جو اتنے مجمع میں سے کوئی ایک بھی شخص آگے بڑھا ہو...... بے حسی کا ایسا عظیم مظاہرہ دیکھا ہے آج کہ اب کچھ اور دیکھنے کی تمنا نہیں۔ جیسے تیسے اسے کار میں ڈالا اور یہاں لے آئی۔ سرکاری ہسپتال لے جانے کی غلطی نہیں کی۔ وہاں

تو ویسے ہی سوسوال سامنے کھڑے ہو جاتے۔ پولیس آئے گی یہ ہوگا وہ ہوگا۔ وہ تو شکر ہے حنان کا والٹ بھرا ہوا تھا جیب میں پیسہ ہو تو سو مسائل خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔ ویسے ایک بات ہے ریشم! بندہ رئیس ہے۔''

اس نے سابقہ انداز میں بات برائے بات کہا ریشم کی جان جل کر خاک ہو گئی۔

''صرف رئیس نہیں ہے، خیر سے دشمنوں کے معاملے میں بھی خود کفیل لگ رہا ہے۔''

''یعنی؟'' گیتی نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''او عقل والی بی بی...... تم کہاں سے آ گئی ہو۔'' ریشم نے سر پیٹ لیا۔

''تمہیں اتنی سی بات سمجھ نہیں آ رہی کہ اس شخص کو کسی نے ذاتی دشمنی کی بنا پر ہی ٹارچر کیا ہے ورنہ خود سوچو وہ لوگ کچھ تو لے کر جاتے۔ اب جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے نکلنے کی کرو۔ ایسا نہ ہو اس کی مدد کرتے کرتے تم خود کسی مصیبت میں پھنس جاؤ۔ ظاہر ہے پولیس کا معاملہ ہے۔ اسکے گھر والے آئیں گے تو پولیس بھی آئے گی بلکہ ممکن ہے ہاسپٹل والوں نے ہی پولیس کو اطلاع دے بھی دی ہو۔''

ریشم نے اسے صورت حال کی سنگینی کا احساس دلانے کی کوشش کی تھی۔

''نہیں خیر...... یہاں سے تو کسی نے انفارم نہیں کیا ہوگا۔'' اس نے پرسوچ انداز میں وثوق سے کہا۔

''حنان کے والٹ سے میں نے ایڈوانس ڈیوز جمع کروائے ہیں اور اوپر سے بھی پیسے دیئے ہیں۔''

''اچھا اب اٹھو یہاں سے نکلتے ہیں۔''

ریشم نے حتمی انداز میں اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا اور کھڑی ہو گئی۔

''اسے ہوش میں تو آنے دو ریشم!'' گیتی نے بے چارگی سے التجا کی تھی۔ ریشم نے بے زاری سے اسے دیکھا اور اس کا ہاتھ چھوڑ کر اور گہری سانس بھر کر بیٹھ گئی۔ پتھر تو نہیں تھی اس کے پاس بھی دل تھا لہٰذا حنان سے فطری سی ہمدردی تو اسے بھی محسوس ہو رہی تھی مگر جو کیفیت گیتی کی تھی وہ اسے درپیش نہ تھی۔

گو کہ گیتی کو خراش بھی نہ آئی تھی لیکن چونکہ جائے وقوعہ پر موجود تھی سو ایک خاص طرح کی نفسیاتی کیفیت میں تھی۔

''ایکسکیوزمی......'' سفید براق لباس میں ملبوس نرس عجلت چہرے پر سجائے ان کے قریب چلی آئی۔

''ابھی ابھی جو پیشنٹ ایمرجنسی میں......'' معاً گیتی کے مٹھی میں دبا موبائل بج اٹھا نرس کی بات میں خلل پڑ گیا تھا اس نے ناگواری سے گیتی کے موبائل کو دیکھا۔ وہ جو بڑے انہماک سے اس کی بات سننے کھڑی ہوئی تھی۔ سٹپٹا کر موبائل کی طرف دیکھا اسکرین پر ''مظہر کالنگ'' کے الفاظ جگمگا رہے تھے۔ اس نے فوراً کال ریجیکٹ کر دی اور نرس کی طرف دیکھا۔

''کیا آپ اس پیشنٹ کے ساتھ ہیں؟''

"جی......" گیتی نے جلدی سے جواب دیا۔

"ایسا ہے کہ آپ کے پیشنٹ کے سر پر بہت گہری چوٹ آئی ہے بلیڈنگ بھی بہت ہو رہی ہے۔ آپریٹ کرنا پڑے گا لیکن اس سے پہلے آپ جتنی جلدی ہو سکے او نیگیٹو گروپ کا انتظام کر لیں۔ ہمارے بلڈ بینک میں جو او نیگیٹو تھا وہ ان سے پہلے ایک مریض کو دیا جا چکا ہے۔ اوکے پلیز بی کوئیک......اور یہ سامان بھی کسی میڈیکل اسٹور سے جلد از جلد لے آئیں۔"

نرس جلدی جلدی بولتی اس طرف پلٹ گئی جہاں سے آئی تھی۔

معاً گیتی کا موبائل پھر بجنے لگا جسے اس نے سرعت سے پھر کاٹ دیا۔ البتہ مظہر کا نام ضرور دیکھ لیا تھا۔

"اور ہاں......" نرس دو قدم واپس آئی۔

"اللہ کے لئے اسے ضرور بند کر دیں یا کم سے کم سائیلنٹ پر ہی لگا دیں کسی سینئر ڈاکٹر یا میٹرن کی نظر پڑ گئی تو آپ کے ساتھ ہماری بھی شامت آئے گی کہ آگاہ کیوں نہیں کیا موبائل استعمال کرنا منع ہے۔ اب آپ خود بتائیں ہم کسی کو کیسے منع کر سکتے ہیں۔ یہ دیکھیں نو اسموکنگ کے ساتھ ساتھ نو موبائل فون بھی لکھا ہوا ہے۔ اتنا بڑا بڑا کر کے۔ مگر کسی کو نظر آئے تب نا۔"

اس کی اپنی مصیبت تھی بڑبڑ کرتی واپس چلی گئی۔

"تو اب یہ ایک نئی مصیبت۔" ریشم جھنجلائی کھڑی تھی۔

"اب ہم خون کہاں سے لائیں۔"

گیتی خود سوچ رہی تھی جواب کیا دیتی۔

"میں تو کہتی ہوں گیتی! دوسروں کے معاملے میں پڑنا نری حماقت ہے۔ میڈیسن لینے کے بہانے نکلتے ہیں۔"

"اور خون؟" گیتی نے پرسوچ انداز میں اسے دیکھا۔

"ہاسپٹل والے خود ہی ارینج کر لیں گے۔ ان کے بلڈ بینک میں سب کچھ ہوتا ہے بس روپے بٹورنے کی باتیں ہیں ساری۔"

"میرا خیال ہے میرا بلڈ گروپ او نیگیٹو ہی ہے......ایک دفعہ چیک کروایا تھا۔ مگر ٹھیک سے یاد نہیں۔"

"تمہیں بڑا ہمدردی کا بخار چڑھا ہے۔" ریشم اور جھنجلائی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے خون وون دینے کی۔ چہرے کی ساری فریش نیس ختم ہو جائے گی۔"

موبائل پھر بجا گیتی نے جھنجلا کر کاٹ دیا۔

"یہ کہاں کی انسانیت ہے؟ ایک مرتے ہوئے انسان کو چھوڑ کر چلے جائیں۔"

"مجھے صرف پولیس کا خدشہ ہے......ہم پھنس جائیں گے گیتی!" ریشم نے کہا۔ گیتی بھی سوچ میں پڑ گئی۔

''اچھا یوں کرتے ہیں ریسپشن پر اور جس میڈیکل اسٹور سے میڈیسن لینا ہے وہاں سے پتا کرتے ہیں۔ اگر بلڈ کا انتظام جلدی ہو جاتا ہے تو بہتر۔ ورنہ میڈیسن پکڑا کر چلے جائیں گے۔''

تجویز گیتی کے دل کو لگی تھی۔

وہ دونوں جلدی جلدی قدم اٹھاتی خارجی دروازے کی طرف چل دیں۔ گیتی کے موبائل پر پھر مظہر کی کال آ رہی تھی اس نے پہلے تو کال سائیلنس موڈ پر لگائی پھر اکتاہٹ سے مظہر کا نام دیکھا۔

''اسے بھی ابھی میری یاد آنا تھی۔'' اس نے کچھ سوچ کر بٹن دبا کر موبائل کان سے لگایا اور دبے لہجے میں بولی۔

''مظہر! میں ابھی تم سے بات نہیں کر سکتی۔ دیکھو بہت ایمرجنسی ہے میں بہت پریشان ہوں۔''

''پریشان کیوں؟ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے تھا۔''

گیتی اگلی بات کے لئے منہ کھول رہی تھی الجھ کر رہ گئی۔

''وہ کس لئے؟''

''ارے میرا اتنا اچھا تحفہ تمہیں پسند نہیں آیا؟'' اس نے نرمی سے پوچھا۔

''بائے داوے کتنی ہڈیاں سلامت ہیں تمہارے محبوب کی؟ کوئی سلامت بھی ہے یا سب پچک گئیں...... چہ چہ حالانکہ میں نے تاکید بھی کی تھی کہ ہاتھ ہلکا رکھنا ہے دراصل نئے لڑکے ہیں ابھی پوری طرح ٹرینڈ نہیں ہیں۔ لیکن خیر آہستہ آہستہ سب سیکھ لیں گے۔ ہیلو گیتی! سن رہی ہو نا یا غم سے آواز کے ساتھ ساتھ کان بھی بند ہو گئے۔''

اس نے مضحکہ اڑایا۔

گیتی وہیں ٹھٹک کر رک گئی انکشاف تھا کہ آسمان ٹوٹ کر گرا تھا۔

اسے مظہر کا وہ دھمکی آمیز لہجہ یاد آنے لگا جسے اس نے قطعاً اہمیت نہ دی تھی۔

''میں نے تمہیں خبردار کیا تھا گیتی! اب شکوہ مت کرنا پلیز...... اچھا ٹیک کیئر تم تو ابھی بات کرنے کے موڈ میں نہیں لگ رہیں پھر بات ہو گی۔''

گیتی نے موبائل کان سے ہٹا کر آنکھوں کے سامنے کر لیا۔ ساری کائنات یکایک ایک گمبھیر سناٹے کی زد میں آ گئی تھی۔

آنکھوں کے سامنے مناظر تیز تیز گزرنے لگے۔ جیسے کسی نے ریوائینڈ کا بٹن دبا دیا ہو...... حنان سے پہلی ملاقات...... اس کی باتیں، زندگی سے بھرپور قہقہے اور آخری ملاقات یکایک حنان کی شکل، مظہر کے چہرے میں گڈمڈ ہونے لگی پھر اچانک اس نے اپنے کندھے پر دباؤ محسوس کیا۔ ریشم پریشانی سے اسے گم صم دیکھ رہی تھی۔

''رک کیوں گئی ہو؟ کس کا فون تھا چلو باہر نکل کر بات کرتے ہیں۔'' ریشم نے قدم بڑھائے مگر گیتی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

''یہ پکڑو ریشم تم میڈیسن لے آؤ۔''

''ایں......اور تم!'' اس نے الجھ کر گیتی کی شکل دیکھی جس کے تاثرات ناقابل فہم تھے۔

''تم نے سنا نہیں حنان کو خون کی ضرورت ہے۔ میں اسے ایسی حالت میں اکیلا کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔''

اس نے سلگتے ہوئے لہجے میں کہا۔ پلٹی اور تیز تیز قدم اٹھاتی کاریڈور کے موڑ پر غائب ہوگئی۔

❁ ❁

ناول **بساطِ دل** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات آپ آنے والی ان تاریخوں (15th, 20th, 25th) میں پڑھ سکیں گے۔

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
سعدیہ عابد کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

جیتوں تو تجھے پاؤں

ہر ماہ کی 16 تاریخ کو کتاب گھر پر نئی اقساط پیش کی جائیں گی۔

kitaabghar.com

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
سحرش علی نقوی کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

ہم نوا تھے جو

ہر ماہ کی 10 تاریخ کو کتاب گھر پر نئی اقساط پیش کی جائیں گی۔

kitaabghar.com

ڈھلتی ہوئی شام کے رنگ زمین پر اتر آئے تھے کچھ سرمئی بادلوں کی وجہ سے بھی تاریکی کا احساس شدت سے ہوتا تھا۔
کچھ تو سخت سردی کا موسم اور پھر صبح سے متواتر برستی بارش۔ سڑکوں پر ٹریفک معمول سے کم تھی۔
اس نے سر اٹھا کر دور تک دیکھا۔ جیل روڈ پر نظر جہاں تک جاتی تھی مایوسی کا کہر پھیل چکا تھا۔ یا شاید اسکی بصارت ہی دھندلا گئی تھی۔
آفس کی طرف سے پک اینڈ ڈراپ کی سہولت تھی مگر وہ جلدی اٹھ آئی تھی اب دیر تک اپنے روٹ کی بس کا انتظار کرنا تھا اور اچھا ہی تھا کہ یہ انتظار طویل ہوتا چلا جاتا۔

گھر کس منہ سے جاتی؟ شفق کا سامنا کیسے ہوگا؟ امی کی آنکھوں کی جوت کیسے بجھانی ہے؟ اپنی باقی بہنوں کو ایک ایک کر کے اپنے باپ کی خود غرضی کی بھینٹ چڑھتے کیسے دیکھنا ہے۔

زندگی کیسے گزارنی ہے؟

انسان ایک ہی بار کیوں نہیں مر جاتا...... بار بار کیوں مرنا پڑتا ہے...... یہ زندگی کی قیمت ہے تو کیسی قیمت ہے۔

آزمائش ہے تو کیسی آزمائش ہے۔

ہم کہاں کے ولی ہیں؟ ہمیں کہاں کی ولایت نصیب ہو جانی ہے کہ پرکھے جا رہے ہیں۔

اتنے مصائب، اتنے کشٹ۔

کس لیے...... کس کے لیے۔

اے میری مولا تو سنتا ہے...... تو سنتا کیوں نہیں؟

دل دکھ کی شدت سے کرلا رہا تھا اللہ سے بھی شکوہ کناں نہ ہوتی۔ تو کیا کرتی آنکھوں میں آنسو امڈے چلے آ رہے تھے جنہیں کوشش کے باوجود وہ روک نہیں پا رہی تھی۔

اپنا تماشا بن جانے کے خیال سے یکا یک وہ اٹھی اور تیز تیز قدم اٹھاتی ناک کی سیدھ میں چل دی۔

سینے میں سسکیوں کا طوفان اٹھا تھا اور اٹھتے گرتے قدموں میں اتنی تیزی تھی جیسے کسی سے خوفزدہ ہو کر بھاگ رہی ہو۔

اس کا خوف تھا تیمور کے الفاظ اس کے تعاقب میں تھے۔

''شفق کا خیال رکھنا ثانیہ!'' ہوا اس کے ساتھ ساتھ دوڑتی چلا رہی تھی۔

''ثانیہ!...... شفق کا خیال۔'' لیمپ پوسٹ نے اسے آواز دینا شروع کی پھر کسی گاڑی کا ہارن بھی اس کا ہمنوا ہو گیا۔

معاً ثانیہ کو ٹھوکر لگی تیز تیز بھاگتی بلکہ پاگلوں کی طرح بھاگتی وہ گیلی سڑک پر گھٹنوں کے بل گری تھی۔

اس کے قریب ٹائر بری طرح چرچرائے تھے مگر اسے اتنا ہوش ہی کہا تھا کہ صورت حال کی سنگینی کا احساس کرتی۔اس کی سانس پھولی ہوئی تھی اور اس کے اردگرد کی ہر چیز ٹی وی ڈراموں کے کسی منظر کی طرح فیڈ آؤٹ ہو چکی تھی۔

وہ خلا میں معلق تھی اپنے اردگرد جمع ہوتے ہجوم سے لاتعلق۔اپنی وجہ سے ٹریفک کے تسلسل میں پڑتے خلل سے لاپرواہ، خود پر برستی پھوار سے لاعلم۔

''مجھے معاف کردو تیمور! میں نہیں کرسکتی شفق کا خیال۔''اس کے حلق میں سسکیوں کا گولا سا اٹک رہا تھا۔بارش کا پانی اس کے چہرے پر پھسل رہا تھا۔اس پانی نے اس کی آنکھوں میں مرچیں سی بھر دی تھیں۔

مایوسی کی آخری حد تک انسان جو سوچ سکتا ہے وہ ہی سوچ رہی تھی۔جو چاہ سکتا ہے وہی چاہ رہی تھی یعنی موت، تبھی اس نے دیکھا اس کے اردگرد ہجوم اکٹھا ہو چکا ہے۔

اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر اس کے وجود میں جیسے جان نہیں تھی۔اسی وقت اس نے کسی کو اپنے قریب بیٹھتے دیکھا۔اس نے اپنے ہاتھ اور پھر کندھے پر کوئی لمس محسوس کیا۔

''ثانیہ......مس ثانیہ! پلیز لسن ٹو می......آر یو اوکے؟''

اس نے گردن موڑ کر دیکھا اور اس شخص کو پہچاننے کی کوشش کی اسے یاد آیا۔اس شخص سے وہ خائف رہتی ہے وہ اس سے واقف ہے۔

''دیکھیے......یہ میری غلطی نہیں ہے یہ خود ہی اچانک سامنے آگئی تھیں۔''اس نے کسی کو کہتے سنا۔

''کہتے تو ایسے ہی ہیں۔خدانخواستہ یہاں کس کی ڈیڈ باڈی پڑی ہوتی آپ تو تب بھی یہی فرماتے۔''اس آواز میں طیش تھا۔

''بحث کا بھلا کیا فائدہ ہے۔خون تو نظر نہیں آرہا لیکن لگتا ہے اس لڑکی کو چوٹ آئی ہے شدید قسم کی۔ہوش میں نہیں لگ رہی۔ جتنی جلدی ہوسکے اسے ہاسپٹل لے جائیں۔''مجمع میں سے کسی اور نے آواز بلند کی۔

شاہنواز نے سرعت سے ثانیہ کی طرف دیکھا وہ سچ مچ ہوش میں نہیں لگ رہی تھی۔اردگرد سے لاتعلق اپنی گود میں رکھے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی اور آنسو تواتر سے اس کے گالوں پر بہہ رہے تھے۔بارش کے پانی اور آنسوؤں کی ظاہری شکل میں فرق نہیں ہوتا، فرق ہوتا ہے اس کیفیت میں جو ایک دل سے دوسرے تک پہنچتی ہے۔

''میری گاڑی اس طرف کھڑی ہے۔پلیز آپ ذرا انہیں سہارا دے کر وہاں تک لے آئیں۔''شاہنواز نے قریب کھڑی ایک خاتون سے عاجزانہ لہجے میں کہا۔وہ عورت جلدی سے ثانیہ کی طرف لپکی شاہنواز گاڑی کی طرف۔

اس کا دماغ اس وقت بڑی تیزی سے چل رہا تھا جس نے اس کے سارے وجود میں پھرتی سی دوڑا دی تھی۔

وہ بڑے بڑے قدم اٹھاتا اپنی گاڑی تک پہنچا۔دروازے میں چابی لگا کر اسے کھولتے ہوئے شعوری طور پر گردن موڑ کر اس نے

ہجوم کی جانب دیکھا اور اس کے ہاتھ ایک دم سست پڑ گئے۔

ثانیہ کسی موٹر سائیکل سوار کے پیچھے سوار ہو رہی تھی۔

شاہنواز اس کی شکل تو نہیں دیکھ پایا صرف اتنا ہی دیکھا ثانیہ کے بیٹھتے ہی اس نے کک لگادی تھی اسی پل ثانیہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا کیسی ویرانی تھی اس کی نگاہ میں۔

جب تک بائیک نظروں سے اوجھل نہیں ہوگئی اس نے نظریں تعاقب میں لگائے رکھیں۔

''وہ اپنے بھائی کے ساتھ چلی گئی ہے۔'' کوئی اس کے قریب سے گزرتا ہوا کہہ گیا تھا۔

شاہنواز نے گہری سانس ہوا کے سپرد کی گاڑی میں بیٹھا اگنیشن میں چابی گھمائی چند لمحے بعد گاڑی سڑک پر یوں رواں ہوگئی جیسے سطح آب پر جہاز تیر رہا ہو۔

گاڑی میں ہیٹر کی گرمائش تھی۔ باہر وہی دنیا تھی جو ٹھٹھر رہی تھی۔ وہی مناظر، وہی بارش......بس دل تھا جو خالی خالی سا محسوس ہونے لگا تھا پتا نہیں کیوں؟ ایک عجیب سا خیال آئے چلا جا رہا تھا جیسے کوئی بہت عزیز......بہت قیمتی چیز کھوگئی ہو۔

اسے خود اپنے ہی خیال پر ہنسی آگئی۔

''بھلا یہ کیا بات ہوئی؟ جو چیز اپنی ہی نہیں اسے کھو دینے کا ڈر، خدشہ یا تاسف کیسا؟''

سگنل سے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالے دوسرے ہاتھ کی بند مٹھی لبوں پر جمائے وہ سارا ہی راستہ پتا نہیں دل کو بہلاتا رہا یا خود کو......ایک خالی پن کوئی ویرانی سی مستقبل ہی محسوس ہو رہی تھی۔

سیل فون کی بیل نے سوچ کو منتشر کر دیا۔

اس نے گاڑی کی اسپیڈ قدرے کم کرتے ہوئے جیکٹ کی جیب سے ٹٹول کر سیل فون نکالا۔ ایل سی ڈی پر ''حدید کالنگ'' کے الفاظ جگمگا رہے تھے۔

اس نے بٹن دبا کر فون کان سے لگایا۔

''ہیلو۔''

''شاہنواز......یار! ایک پرابلم ہوگئی ہے۔'' حدید پر جیسے بے حد عجلت و پریشانی سوار تھی۔

''پرابلم تو پرابلم ہوتی ہے میرے بھائی۔ کیا بڑی کیا چھوٹی۔'' اس نے احتیاط سے موڑ کاٹتے ہوئے کہا۔ ''خیر ارشاد ہو۔''

''وہاں کراچی میں حنان کے ساتھ کوئی حادثہ ہوگیا ہے۔ ہسپتال میں پڑا ہے۔''

''کیا؟'' ایک پل کو شاہنواز دھک سے رہ گیا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا؟" ایک فطری سا سوال فوراً ہی اس نے جڑ دیا۔

"پولیس انکوائری کرتے ہوئے پہنچ گئی میرے گھر پر، ملازم نے گھبرا کر مجھے فون کر دیا۔ وہ بے چارہ تو اتنا گھبرایا ہوا تھا کہ ٹھیک طرح سے بات بھی نہیں کر پایا، پتا نہیں کیا کہہ رہا تھا، ایکسیڈنٹ نہیں ہوا کسی نے مار پیٹ کی ہے۔ میں نے انسپکٹر سے بات کرنا چاہی تو پتا چلا پولیس کا آدمی تو صرف اطلاع دینے آیا تھا بتا کر چلا گیا۔

ویسے میں پتا کروا چکا ہوں۔ حنان واقعی ہاسپٹلائزڈ ہے اور سیریسلی انجرڈ ہے۔ لیکن یہ پتا نہیں چلا کہ ہوا کیا ہے؟ ایکسیڈنٹ ہے یا کوئی واردات...... اصل صورتحال کا علم تو جا کر ہی ہوگا۔"

"واردات کیا ہونی ہے کسی نے ٹارچر ہی کیا ہوگا۔" شاہنواز نے خیال ظاہر کیا۔ "سارے زمانے کے احساسات سے تو کھیلتا پھرتا ہے، اس بار مل گیا ہوگا کوئی اپنے ہی جیسا...... ویسے مجھے یہ سوچ کر دلی مسرت ہو رہی ہے کہ کسی جی دار نے اس سر پھرے کو مزا چکھانے کا بیڑہ تو اٹھایا۔"

"حد ہوگئی یار...... کم سے کم اس وقت تو بدلے نہ چکاؤ۔"

"ارے جانے دو ہم نے کہاں بدلے چکانے ہیں۔ اللہ گواہ ہے حنان صاحب تو خالہ امی اور سر کی وجہ سے ہمیشہ بخشے ہی گئے ہیں ورنہ جناب میں اتنی صلاحیت تو ہے کہ اچھے خاصے انسان کا ٹمپر لوز کروا دیں۔"

"میں سیٹ کروا رہا ہوں کراچی...... تم چل رہے ہو۔؟" حدید نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"سچ کہوں تو جانا تو نہیں چاہتا لیکن بخت منزل جا کر پہلے اطلاع دینا ضروری ہے پھر صورتحال کے مطابق فیصلہ ہوگا، خالہ نے اس لڑکے کے لیے بہت آنسو بہائے ہیں اب تھوڑے اور سہی۔"

"تمہیں اطلاع پہنچانے کی ضرورت نہیں...... انہیں خبر ہو چکی ہے۔"

"تم نے دی؟"

"اطلاع دینے ہی گیا تھا پتا چلا وہاں پہلے ہی فون آچکا ہے۔ شمسہ آنٹی کے سیل فون پر کسی لڑکی نے حنان کے سیل سے کال کی تھی۔ حنان کے متعلق بتانے کے لیے۔"

"لڑکی نے حنان کے سیل سے کال کی......" وہ الجھا۔

"نام نہیں بتایا؟"

"میں نے پوچھا نہیں...... یار! اتنی تو اس کی فرینڈز ہیں۔"

"حدید۔" شاہنواز نے پرسوچ انداز میں کہا۔ "کوئی شرارت تو نہیں؟"

”میرا مطلب ہے کسی کی شرارت۔“

”اونہیں...... میں نے پتا کروالیا ہے بلکہ وہاب صاحب کو فون بھی کر دیا ہے کہ وہ ہسپتال جا کر ساری معلومات لیں۔“ اس نے اپنے اسسٹنٹ منیجر کا نام لیا۔

”پھر میں پہلے بخت منزل ہی جا رہا ہوں۔ تھوڑی دیر میں تمہیں کال کرتا ہوں۔“ اس نے سیل فون بند کر کے جیب میں ڈالا اور گاڑی چوتھے گیئر میں ڈال دی۔

☆......☆......☆

سفیدے کے درختوں میں گھری روش پر ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ریشم اور گیتی ہسپتال کے Exit کی طرف جا رہی تھیں۔

”میرا تو یہ سوچ سوچ کر دماغ پک گیا آخر تمہیں ضرورت ہی کیا تھی اسے خون دینے کی۔ رنگت دیکھو کیسی پیلی پھٹک ہو رہی ہے۔ اللہ کی قسم اگر تم میری سہیلی نہ ہوتیں تو میں کب کی واپس جا چکی ہوتی۔ لاؤ ہاتھ پکڑاؤ اپنا مجھے...... کہیں گر ور ہی نہ جانا۔“ ریشم نے بے حد اپنائیت و فکر مندی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

زندگی کے ٹیڑھے میڑھے راستوں پر سفر کرتے ہوئے جہاں ساری متاع گنوا دی وہاں بس یہی ایک خلوص تو تھا جو موجود بھی تھا اور بے حد عزیز بھی۔

گیتی نے آہستگی سے ہاتھ چھڑوایا اور اپنے پرس میں کچھ تلاش کرتے ہوئے بولی۔

”اب اتنی بھی نقاہت نہیں ہے کہ میں بچوں کی طرح ہاتھ پکڑ کر چلوں...... میرا موبائل تمہارے پاس ہے کیا؟“

”ہاں...... یہ لو۔“ ریشم نے اپنے پرس میں سے موبائل نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

”پلیز ذرا ٹیکسی تو...... ارے یاد آیا تم تو اپنی گاڑی میں آئی تھیں نا۔“ اسے جیسے اچانک یاد آیا تھا۔

”ہاں۔ گاڑی تو اپنی ہے لیکن پارکنگ یہاں سے کافی دور ہے۔ اگر تم کہو میں گاڑی یہیں لے آتی ہوں۔“

”یہاں اکیلی کھڑی رہ کر کیا کروں گی تمہارے ساتھ ہی چلتی ہوں۔“ گیتی نے موبائل سے کھیلتے ہوئے کہا ساتھ ہی ریشم کے ساتھ قدم بڑھائے۔

”کسے فون کر رہی ہو؟“

”ہے ایک...... ہمارا خیر خواہ۔ بخت پیرزادہ۔“

وہ تلخی سے ہنستے ہوئے گویا ہوئی ساتھ ہی موبائل کان سے لگا لیا۔

ریشم نے قدرے تعجب سے اسے دیکھا کہاں تو وہ اس شخص کی شکل دیکھنا گوارا نہیں کرتی تھی اور کہاں یہ عالم کہ خود رابطہ کر رہی

تھی۔تعجب برحق تھا۔

اس نے اپنے تعجب کا اظہار کرنا چاہا مگر گیتی کی سماعت ہی نہیں ساری حسیات بھی فون کی طرف متوجہ تھیں۔اس نے خاموشی سے کار میں بیٹھ کر گیتی کے لیے دروازہ کھول دیا۔

''ہیلو۔جی......! گیتی آرا عرض کر رہی ہوں......کیوں شرمندہ کرتے ہیں پیرزادہ صاحب......کہاں گیتی آرا اور کہاں آپ،کوئی مقابلہ کوئی جوڑ بھی تو ہو......ارے جانے دیجیے سب منہ دیکھے کی باتیں ہیں۔ایسا ہی آپ کو ہم سے بات کرنے کا شوق ہوتا تو خود رابطہ نہ کر لیتے۔''

اپنے مخروطی انگلیوں والے ہاتھ کو الٹے پلٹ کر دیکھتے ہوئے اس نے ایک ادا سے کہا۔

''بجا فرما رہے ہیں آپ......لیکن ہر بار ملاقات التوا میں پڑی رہی......ذرا اس بات پر بھی تو غور فرمایئے......زہے نصیب......ہم ابھی سے انتظار کی سولی پر لٹک رہے ہیں۔سوچ لیجیے کہیں ایسا نہ ہو وعدہ ایفا ہونے کی نوبت ہی نہ آئے۔آپ کہتے ہیں تو مان لیتے ہیں ارے......ہاہاہا،آپ کی بات سے میں انکار نہیں کر سکتی۔جی۔جی ابھی تو دو بج رہے ہیں تو کیا ساڑھے پانچ بجے تک،جیسے آپ کی مرضی میں انتظار کروں گی۔جی ہاں کچھ ضروری بات کرنا ہے ارے نہیں پلیز یہ بات فیس ٹو فیس ہوگی ان شاءاللہ......بالکل بالکل......میں انتظار کروں گی۔''

گیتی نے بٹن دبا کر نظریں ونڈ اسکرین سے باہر نکال دیں مگر اس کے چہرے پر کسی گہری سوچ کا عکس اتنا واضح تھا کہ سرسری نظر ڈال کر بھی پہچانا جا سکتا تھا۔

☆......☆......☆

''آٹھ بجنے والے ہیں اور ثانیہ آپی ابھی تک نہیں آئیں......مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' کشف نے اپنی سمجھ کے مطابق اپنی پریشانی و گھبراہٹ کا اظہار کیا تھا۔شفق نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا پھر سر جھکا کر ہتھیلیاں مسلنے لگی اس کی اپنی حالت بھی کچھ اچھی نہیں تھی کبھی کانوں میں ثانیہ کی صبح کی باتیں گونجنے لگیں۔کبھی طرح طرح کے خدشات ستانے لگتے۔

ثانیہ کی کوئی خیر خبر نہ تھی۔کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟

پریشانی حد سے سوا ہوئی جا رہی تھی مگر اس وقت کھل کر اپنی پریشانی کا اظہار کرنے کا مطلب باقی سب کی پریشانی میں اضافہ کرنا تھا۔حالانکہ وہ سب سے زیادہ کمزور دل تھی۔کسی بھی پریشان کن صورتحال میں سب سے پہلے اسی کے ہاتھ پیر پھولتے تھے مگر اس وقت جانے کیسے خود کو سنبھالے بیٹھی تھی۔

''پریشان مت ہو......ثانیہ آتی ہی ہوگی......لاہور کی ٹریفک کا تو تمہیں پتا ہی ہے۔'' اس نے بڑے باحوصلہ طریقے سے اسے

تسلی دی۔ کشف نفی میں سر ہلانے لگی۔

''میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔''

''شفق آپی! ثانی آپی کے آفس فون کر کے پتا ہی کر لیں...... کیا پتا وہ اب تک آفس سے ہی نہ نکلی ہوں۔'' زمین نے کہا۔

''کئی بار فون کر چکی ہوں مگر وہاں کوئی ریسیو ہی نہیں کر رہا۔ ویسے بھی یہ کون سا وقت ہے آفسز کے کھلنے رہنے کا۔''

اس نے جھلا کر کہا اور انگلیوں کے پوروں سے پیشانی مسلنے لگی۔ صبح کیسی عجیب عجیب باتیں کر رہی تھی۔

میں کسی بھی طرح اسے روک لیتی۔

یا شاید میرے دل کے اندر کی کوئی آس بندھ گئی تھی۔

''یا اللہ! یہ کیسی آزمائش ہے...... تو نے کہا تھا انسان کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا اس پر...... پھر یہ کیا ہے......؟ یا میرے مولا...... ہم کون سے درجات پا لیں گے اتنے حقیر ہیں کہ تیرے پیاروں کے قدموں کی دھول سے بھی نامعتبر نہ آزمانا اتنا میرے مولا کہ کراہ اٹھیں...... اس سے زیادہ آزمائش برداشت نہیں ہوتی۔

سزا ہے تو معاف کر دے۔

آزمائش ہے تو آزاد کر دے۔

بخش دے میرے مالک...... بخش دے۔''

اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے اور دل کراہوں سے بھر گیا تھا۔

''کیوں رو رہی ہیں آپی...... ثانیہ آپی بس آ ہی رہی ہوں گی۔'' زینب کو اس کی تشفی کے لئے آگے بڑھنا پڑا۔

''اتنی مرتبہ کہا ہے ثانیہ آپی سے...... کوئی بہت سستا سا ہی موبائل خرید لیں مگر انہیں تو ایک ایک روپیہ بچانے کا خبط ہو چلا ہے۔'' زمین مستقل بڑبڑائے جا رہی تھی۔

اسی پل دوسرے کمرے میں رکھا ٹیلی فون بج اٹھا۔ انتہائی پریشانی میں ایک امید کی گھنٹی۔

''ثانیہ آپی کا ہوگا۔'' زمین دوڑی۔

''میں بھی دیکھتی ہوں۔'' زینب اس کے پیچھے لپکی چند منٹ بعد واپس آ گئی۔

''حنا خالہ کا فون ہے۔'' وہ مایوسی سے کہتی شفق کے قریب ہی گر گئی۔

''یا اللہ! ثانیہ کو خیریت سے رکھنا...... اتنے صدمے سہہ چکے ہیں ضروری نہیں کہ کوئی نیا صدمہ بھی سہار جائیں۔'' وہ مستقل دعائیں کیے جا رہی تھی۔

''حنا خالہ کا فون تھا۔'' نرمین واپس آ کر بولی۔

''پاکستان آئی ہوئی ہیں کہہ رہی تھیں ایک دو روز میں چکر لگائیں گی ممکن ہے کل ہی آجائیں۔''

''لو انہیں امریکہ میں سکون کا سانس نہیں آ رہا تھا۔ جو یہاں آگئیں۔'' زینب نے سب سے پہلے ناگواری کا اظہار کیا۔

''اور کیا کہہ رہی تھیں؟'' ساتھ ہی پوچھ لیا۔

''اپنی جیٹھانی کے بارے میں بتا رہی تھیں کہ سخت بیمار ہیں ڈاکٹر جواب دے چکے تھے گھر والوں نے اطلاع دے کر سارا خاندان جمع کر لیا کہ کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اطہر خالو بھی اپنا خاندان لے کر پہنچ گئے ہیں مگر تب تک جیٹھانی کی طبیعت سنبھل چکی تھی۔''

''اللہ انہیں صحت دے آمین اور تم کسی کے آنے جانے پر اعتراض اٹھا کر نحوست پھیلا رہی ہو۔'' شفق نے زینب کی خبر لی۔

''بلکہ اچھا ہی ہے ایک طرح سے...... ممکن ہے خالہ سے مل کر امی کی طبیعت بھی بہتر ہو جائے۔''

''ابو کی مہربانی سے تماشا ہو رہا ہے اس گھر میں...... خالہ کی فیملی بھی محظوظ ہو لے گی۔'' نرمین کاٹ دار لہجے میں بولی۔

شفق خاموشی سے لب دانتوں سے کچلتی رہی۔ کوئی جواب تھا ہی نہیں۔

ڈور بیل بج رہی تھی ساتھ ہی دروازے پر بھی دستک ہونے لگی جیسے کوئی بہت جلدی میں ہو۔

''ثانیہ ہو گی۔'' وہ نرمین کو ہاتھ کے اشارے سے روکتی ننگے پیر ہی باہر نکل گئی۔

ٹھنڈ بے حد تھی اس نے تیزی سے لاک ہٹا کر گیٹ سے منسلک دروازہ کھول دیا پھر دو قدم پیچھے ہٹی۔

دروازے کے بالکل سامنے سیڑھی پر باذل کھڑا تھا اور مسکرا رہا تھا اسے دیکھ کر شوخی سے بولا۔

''ہیلو...... السلام علیکم...... آداب تسلیمات ایسے ٹکر ٹکر کیا دیکھ رہی ہیں آگے سے ہٹ کر راستہ دیجیے محترمہ! دروازے سے پلٹنے والے نہیں ہیں ہم۔ پوری تو نہیں البتہ آدھی بارات تو لے ہی آئے ہیں ہم۔ وہ بھی دولہا سمیت...... چلیں شاباش! آپ تو جا کر کسی کونے میں چھپ جائیں اور اپنی کنیزوں سے کہیں آ کر ہمارا استقبال کریں شاندار سا...... ورنہ دولہا خفا ہو کر واپس بھی جا سکتا ہے۔'' وہ مسلسل بولے جا رہا تھا اور شفق ناسمجھی و بے یقینی سے کبھی باذل کو تو کبھی اس کے عقب میں مسکراتے ہوئے چہروں کو دیکھ رہی تھی۔

ثانیہ نے خود سے پہلے اشفاق چچا کو اندر آنے کا راستہ دیا تھا۔

☆......☆......☆

کبھی رات کی گھور تاریکی سے جنم لیتی صبح کو دیکھا ہے؟

سنا ہے جب ساری کائنات ایک گمبھیر سناٹے کی زد میں آجاتی ہے اور رات کی سیاہی اتنی گہری ہو جاتی ہے کہ ساری دنیا کے ستارے ایک مرکز پر سمٹ کر بھی اس تاریکی کو ختم نہیں کر پاتے اور ایسے لگنے لگتا ہے کہ اب کبھی روشنی بے دار نہ ہو گی۔ مایوسی و بے یقینی کا یہی

لمحہ دراصل وہ عظیم پل ہوتا ہے جب سورج کی پہلی کرن سیاہی کے پردے کو چیر کر نکلتی ہے اور ساری کائنات کو اللہ کی رحمت کے احساس سے ازسرِنو روشناس کروا دیتی ہے۔

ثانیہ کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کی مایوسی کا وہ انتہائی پل اسے امید کی کرن دکھانے کے لئے تاریک ہوا ہے۔

اسے سڑک سے اپنے ساتھ لے جانے والا باذل تھا۔ ثانیہ کو اس حال میں دیکھ کر وہ خود بھی پریشان ہو گیا تھا اور اصرار کر کے اسے اپنے گھر لے گیا تھا گو کہ ثانیہ وہاں جانا نہیں چاہتی تھی اسے پتا تھا اتنے عرصے بعد بھی اس گھر کے کسی فرد کے دل سے ان کے لیے کدورت نہ نکلی ہو گی جہاں سے محبت واپنائیت نہ ملے وہاں سے سردمہری اور لاتعلقی وصول کرنا بھی بڑا مشکل کام ہوتا ہے۔

لیکن اس کے خدشات بے بنیاد نکلے۔ چچی جان اور اجیہ بہت اچھے طریقے سے اس سے ملیں بلکہ اجیہ تو بڑی دیر اسے گلے لگائے رہی۔ عادل بھی چھٹی پر پاکستان آیا ہوا تھا وہ بھی یوں ملا گویا کوئی بات ہی نہ رہی ہو بیچ میں، چچا جان اس وقت گھر پر موجود نہیں تھے۔

باذل اس کی پریشانی کی وجہ جاننے کے لیے بے چین تھا اس کی دیکھا دیکھی باقی لوگ بھی اصرار کرنے لگے مگر ثانیہ ٹال مٹول کرتی رہی لیکن جس وقت اشفاق چچا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا وہ خود پر ضبط نہ کر سکی اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ صورتحال ایسی تھی کہ اسے چچا جان کو اپنی پریشانی سے آگاہ کرنا ہی پڑا۔

''الیاس سے کوئی اچھی امید تو کبھی بھی نہیں رہی مگر وہ اتنی ذلالت اور گھٹیا پن دکھا سکتا ہے، میں خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔''

کمرے میں چھائی خاموشی کو توڑتے ہوئے اشفاق چچا نے تاسف وغصے سے کہا تھا۔

''آپ لوگوں نے تو ہمیں بالکل ہی پرایا کر دیا ثانیہ آپا۔ کسی خوشی میں نہ سہی کسی پریشانی میں ہی شریک کر لیا ہوتا۔'' باذل نے بڑے دکھ سے کہا۔ ثانیہ کے دل پر چوٹ لگی تھی۔

''ہم لوگوں کی وجہ سے اس گھرانے کی اتنی سبکی ہوئی کس منہ سے پریشانی بتانے آتے۔'' اس نے بوجھل لہجے میں کہا تھا۔

''جو کچھ ہوا اس میں تم لوگوں کی کیا غلطی تھی؟'' عادل نے بے ساختگی سے کہا اور کہہ کر پچھتایا کیونکہ ثانیہ کی اگلی بات نے اسے بری طرح سے شرمندہ کر دیا تھا۔

''یہ تو مجھے تم سے پوچھنا چاہیے کہ ہماری کیا غلطی تھی؟ قطع تعلق تو آپ لوگوں نے کیا تھا۔''

''وہ وقتی غصہ تھا ثانیہ!'' اجیہ بولی۔

''بالکل......'' چچی جان نے بھی حصہ لیا۔

''تم خود سوچو جس گھرانے کی بہو شادی سے چند روز پہلے گھر سے بھاگ جاتی ہے اس گھرانے پر کیا بیتی ہو گی...... ہم لوگوں کا نقصان تم لوگوں سے کم نہیں تھا ثانیہ۔ تمہاری بہن نے گھر چھوڑا تھا تو وہ ہماری ہونے والی بہو تھی...... انگلیاں ہماری طرف بھی اٹھی

تھیں......سوال ہم سے بھی ہوئے تھے۔"

"چھوڑیں نا امی......جو گزر گیا اسے بھول جائیں۔" عادل نے بے زاری سے کہا۔

"فی الحال جو مسئلہ درپیش ہے اس کا حل سوچیں۔ابو آپ تایا جان سے بات کر کے دیکھیں۔ممکن ہے وہ آپ کی بات سمجھ لیں۔"

"جس نے ساری زندگی نہ سمجھی وہ اب کیا سمجھے گا۔" اشفاق چچا تاسف سے بولے اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میں مسجد جا رہا ہوں۔"

"اللہ حافظ چچا جان......میں بھی گھر چلتی ہوں۔بہت دیر ہو گئی ہے۔" ثانیہ نے اٹھتے ہوئے کہا مگر اشفاق چچا نے روک دیا۔

"تم بیٹھو کچھ دیر......میں تمہیں خود چھوڑ کر آؤں گا۔نماز ادا کر آؤں پہلے۔"

"میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں ابو۔" عادل بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

تقریباً پچیس منٹ بعد ان دونوں کی واپسی ہوئی تھی چچا نے آتے ہی اجیہ سے چائے بنانے کا کہا تھا۔

"ثانیہ بیٹی! میں نے اور عادل نے اس مسئلہ کا ایک حل سوچا ہے تمہیں مناسب لگے تو بتا دو۔" انہوں نے تمہید باندھی ثانیہ ہمہ تن گوش ہو گئی۔

"ہمارا خیال ہے چونکہ شفق کا کوئی سرپرست نہیں ہے اس لیے الیاس اس کے متعلق ہر طرح کا جائز و ناجائز فیصلہ کرنے کا حق دار خود کو سمجھتا ہے جبکہ شفق کی جگہ اگر اس کی سگی بیٹی ہوتی تو وہ اس طرح کا فیصلہ کبھی نہ کرتا۔" انہوں نے رک کر سانس لی۔

"میرا اور عادل کا خیال ہے اگر شفق اپنی مرضی سے کسی بہتر شخص سے شادی کر لے تو الیاس اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکے گا۔"

"مسئلہ تو یہی ہے چچا جان! اتنے شارٹ نوٹس پر شفق کے لیے اتنا بہتر انسان کہاں سے لایا جائے۔" اس کے لبوں پر پھیکا سا تبسم بکھر گیا۔

"شفق بیٹی کیلیے ایک بہتر شریک حیات تلاش کرنے کیلئے تمہیں کہیں جانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔یہ سامنے تو کھڑا ہے عادل۔" چچا جان نے متبسم لہجے میں کہا۔ثانیہ ہکا بکا رہ گئی بے یقینی سے عادل کی طرف دیکھا۔وہ لبوں پر جاندار تبسم سجائے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

شفق نے اپنے بال دونوں ہاتھوں کی مٹھیوں میں جکڑ رکھے تھے۔

ثانیہ نے پلیٹیں صاف کرتے ہوئے اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا پھر اطمینان سے بولی۔

"تم دماغ پر اتنا بوجھ مت ڈالو......بلکہ بالکل ایزی ہو جاؤ......مصیبت ٹلنے کا سبب بن رہا ہے اس سے بڑی خوشی کی بات اور کیا

ہوسکتی ہے۔'' وہ جلدی جلدی پلیٹیں صاف کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''پتا نہیں......مصیبت ٹل رہی ہے یا آرہی ہے۔'' شفق نے جھنجلا کر کہا۔

''خوشیوں کا استقبال خوش دلی سے کرنا چاہیے پاگل لڑکی، تم بالکل ریلیکس ہو جاؤ اور اپنے ذہن کو قبول ہے، قبول ہے کرنے کے لیے تیار کرو۔ عادل کا دوست قاضی کو لے کر پہنچنے والا ہی ہوگا۔''

شفق نے ثانیہ کو دیکھا پتا نہیں وہ اتنی پرسکون کیسے نظر آرہی تھی۔

''تم اپنا راستہ خود مشکل بنا رہی ہو ثانیہ! دیکھ لینا ابو کو جب پتہ چلے گا تو وہ بالکل آؤٹ ہو جائیں گے۔ گھر سے نکال دیں گے ہمیں۔'' شفق نے اسے صورتحال کی نزاکت کا احساس دلانا چاہا تھا۔

''عادل کی بدولت اتنی بڑی پریشانی سر سے ٹل رہی ہے کہ اب تو مجھے کسی بات سے بھی ڈر نہیں لگ رہا......ابو نے اگر گھر سے نکال دیا تو کوئی بات نہیں ہم کرائے کے گھر میں رہ لیں گے۔ زندگی میں اتنی جدوجہد کی ہے تھوڑی اور سہی۔''

وہ سب کچھ سوچے بیٹھی تھی اسی حساب سے اچھی خاصی مطمئن تھی اور شفق کو اس کے اطمینان پر حیرانی ہو رہی تھی۔

''عادل بھائی کو کیسے راضی کیا تم نے؟'' اس نے اچانک پوچھا۔

''پاؤں پکڑے تھے ان کے؟'' اس کے دکھی لہجے میں طنز نہیں تھا بس سوال ہی تھا۔

''میرے ذہن میں تو ایسا کوئی خیال نہیں آیا یہ تو چچا جان کا آئیڈیا تھا......ویسے اگر میرے دماغ میں ایسی کوئی بات ہوتی تو شاید نہیں یقیناً میں عادل کے پاؤں بھی پکڑ لیتی۔''

''چچا جان نے عادل بھائی کو مجبور کیا ہوگا۔'' شفق نے بوجھل لہجے میں کہا۔

تمہیں یاد نہیں عادل بھائی کتنا پسند کرتے تھے عانیہ کو۔''

''تمہیں یہ پریشانی بے چین کر رہی ہے؟'' ثانیہ نے بے یقینی سے کہا۔

''عانیہ اب ہماری زندگیوں میں نہیں ہے شفق! بھول جاؤ اسے۔''

''مجھے اپنی پراوہ نہیں ہے ثانیہ!'' شفق نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے صرف تم لوگوں کی فکر ہے۔ ابو اسے اپنی ہار سمجھیں گے۔ ویسے بھی میری شادی عادل سے ہو یا ابو کے پسند کیے ہوئے کسی شخص سے۔ مجھے تو دونوں صورتوں میں ہی زیر بار رہنا ہے......تو پھر ابو کی خوشی کو ہی پورا کیوں نہ کروں۔''

''جنہوں نے تمہاری پروا نہیں کی تم ان کی خوشی کی خاطر خود کو قربان کروگی۔''

''کیا فرق پڑتا ہے۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔

’’ایسی بزدلی......تف ہے تم پر۔‘‘

’’آپی! قاضی صاحب آ گئے ہیں۔‘‘ نرمین دوڑی چلی آئی۔

’’شفق آپی! آپ چادر اوڑھ لیں۔ پندرہ منٹ میں قاضی صاحب آپ کی رضامندی لینے آئیں گے۔‘‘

ثانیہ نے نرمین سے پلیٹیں اٹھانے کو کہا جلدی سے اسے کچھ تاکید کی پھر شفق کے قریب بیٹھ کر اس کا ہاتھ تھام کر نرمی سے بولی۔

’’یہ بھول جاؤ کہ ابو نے تم پر کوئی احسان کیا ہے۔ صرف اتنا یاد رکھو تم عاقل و بالغ ہو اور تمہارا مستقبل صرف تمہارے ہاتھ میں ہے۔ آج اگر تم ابو کے فیصلے کے آگے سر جھکاؤ گی تو کل کو وہ تمہاری باقی بہنوں کے ساتھ بھی وہی کریں گے۔ اپنے لیے صرف احتجاج بلند کرنا نہیں چاہتی تو ہمارے لیے کرو......خود کو برباد مت ہونے دو شفق! میں تمہارے لیے جو کر سکتی تھی کر رہی ہوں اب آگے تمہاری ذمہ داری ہے۔‘‘ ثانیہ نے اس کا ہاتھ تھپتھپایا اور باہر نکل گئی۔

شفق کی آنکھوں سے ٹپاٹپ آنسو گر رہے تھے۔

☆......☆......☆

’’مجھے سب پتا ہے۔ تم میں سے کوئی بھی میرا خیر خواہ نہیں ہے۔ یہ جو بھی تم لوگوں نے کیا ہے صرف مجھے ذلیل کروانے کے لیے کیا ہے۔ نیچا دکھانا چاہتے ہو تم لوگ مجھے۔‘‘

الیاس چودھری نے جلے پیر کی بلی کی طرح کمرے میں چکرانا شروع کر دیا تھا۔

یہ بھی شکر ہے کہ جس وقت انہوں نے گھر میں قدم رکھا شفق اور عادل کا نکاح ہو چکا تھا اور قاضی اور گواہان کے طور پر آئے ہوئے عزیز رخصت ہو رہے تھے۔ الیاس چودھری اپنے چھوٹے بھائی کے خاندان کو یوں اچانک اپنے گھر میں دیکھ کر حیران ہوئے تھے لیکن کسی قسم کا استفسار نہیں کیا۔ مہمانوں کے رخصت ہوتے ہی اشفاق چچا نے مناسب الفاظ میں ساری کارروائی انکے گوش گزار کر دی تھی۔

الیاس چودھری ہکا بکا ان کی شکل دیکھنے لگے۔ کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ بازی پلٹ جاتی تو بھی اور بات تھی یہاں تو پوری کی پوری بساط ہی الٹ گئی تھی۔ انہوں نے سچ مچ شفق کا رشتہ طے نہیں کیا تھا قرض کے شکنجے میں جکڑی ہوئی اپنی گردن چھڑوانے کی ایک راہ نکالی تھی مگر چونکہ اس وقت سارا کھیل ان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا سو احساس شکست سے دیوانہ ہو کر طوفان مچا دینا فطری سا عمل تھا۔

ان کے منہ میں جو جو آیا بولتے رہے۔ اپنی بیوی، بیٹیوں سمیت انہوں نے اپنے بھائی اور اس کے خاندان کو گالیاں دی تھیں، کوسا تھا۔ اپنی محرومیوں کا واویلا مچایا تھا ایک وقت وہ بھی آیا جب انہوں نے اپنے سر کے بال نوچنا شروع کر دیے تھے اور سینہ کوبی کرنے لگے تھے۔

عادل نے ان کے پاگل پن سے گھبرا کر آگے بڑھ کر انہیں سنبھالنا چاہا اشفاق چچا نے روک دیا۔

''کسی کی کوئی غلطی نہیں ہے الیاس! تم نے خود کو جان بوجھ کر ذلیل کروایا ہے۔'' ان کا لہجہ سرد تھا۔

'' بکواس بند کرو۔'' الیاس چودھری نے دیوانگی کے عالم میں جل کر کہا۔

''تم اپنی بکواس بند کرو۔'' اشفاق چچا کی آواز الیاس سے زیادہ بلند اور غیض و غضب سے بھرپور تھی۔

''ساری زندگی ہم نے اپنی غلطی نہ ہوتے ہوئے بھی صرف تمہاری ہی سنی ہے وہ بھی صرف اس امید پر کہ شاید تمہیں کسی کی قدر کرنا آجائے مگر تم تو چکنا گھڑا ہی رہے اور......'' وہ جیسے جھنجلاتے ہوئے رکے۔

''اور یہ کہ مجھے تو اب تم سے کوئی بات کرنا ہی نہیں ہے۔ شفق اب ہماری بہو ہے تم نے اسے کسی قسم کا بھی نقصان پہنچانے کی کوشش کی یا اس کی مرضی کے خلاف کوئی فیصلہ کرنا چاہا تو پھر ہم دیکھ لیں گے۔''

''واہ واہ...... دھمکیاں کسے دے رہے ہو...... وہ کہاں سے تمہاری بہو ہو گئی...... زبردستی کا فیصلہ تو تم لوگوں نے کروایا ہے اس بچی سے...... میں پولیس کو لے آؤں گا۔'' انہیں کچھ نہ سوجھا تو یہی کہہ دیا مگر اشفاق چچا پر بالکل اثر نہ تھا۔

''ہاں تو لے آؤ...... ہم بھی تو دیکھیں کسی نشئی کی رپورٹ پر پولیس آتی ہے تو کیسی لگتی ہے...... پہلے تو میں تمہیں ہی جیل بھجواؤں گا ایک یتیم لڑکی کو فروخت کرتے تمہیں رتی بھر شرم نہیں آئی۔ جن کی اپنی بیٹیاں ہوتی ہیں ان کی تو آخرت تک سنور جاتی ہے تمہاری عقل کہاں ہے۔'' انہوں نے جیسے زچ ہو کر کہا تھا۔

''بیٹیاں...... بیٹیاں۔'' الیاس نے روتے ہوئے چلا کر کہا۔

''جان کی مصیبت بن گئیں یہ بیٹیاں ان کی جگہ بیٹے ہوتے تو یہ دن دیکھنا نہ پڑتا ڈیڑھ لاکھ کہاں سے لاؤں میں؟ وہ خورشید تو پورا قصائی ہے جان سے مار دے گا مجھے۔'' ان کی آواز یکا یک خوف سے کانپنے لگی تھی۔

''جب غلطی کی ہے تو بھگتو بھی۔'' اشفاق چچا نے سرد مہری اور لاتعلقی سے کہا۔

''شاید اسی طرح تمہیں تھوڑی سی عقل آجائے...... اچھا بھابھی اب اجازت دیں ہمیں۔ ان شاء اللہ میں کل چکر لگاؤں گا اور اگلے ہفتے تک رخصتی کی بھی تیاری کر لیتے ہیں نیک کام میں دیر نہیں ہونا چاہیے ویسے بھی عادل دو ماہ کی چھٹی پر آیا ہوا ہے۔ پھر شفق کے پاسپورٹ، ویزہ کا کام بھی کرنا ہے۔''

''یہ، یہ تم کیا کر رہے ہو اشفاق۔'' الیاس ان کی طرف لپکے۔

''کیا مطلب...... کیا کر رہا ہوں، اپنی بہو کی رخصتی کی بات کر رہا ہوں۔'' اشفاق چچا نے سابقہ انداز میں کہا۔

''میں تمہارا بڑا بھائی ہوں اشفاق...... میرے ساتھ تم ایسا کیسے کر سکتے ہو۔'' الیاس نے خوف اور پریشانی سے کانپتی آواز میں کہا تھا۔

''مم...... میں...... مجھے پتا ہے میں نے غلطی کی ہے مگر خورشید سچ مچ مجھے مار دے گا۔ کیسے دوں گا میں اس کو ڈیڑھ لاکھ۔ خود کو بیچ

بھی دوں تو اتنے روپے جمع نہیں کر سکتا۔ اللہ کے لئے مجھ پر رحم کرو۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا شفق کی شادی اس سے ہی کروں گا۔‘‘

’’تمہارے الٹے سیدھے وعدوں کے لئے یہاں کوئی ذمہ دار نہیں ہے۔‘‘ اشفاق چچا نے سرد مہری سے کہا۔

’’اور ایک بات میری کان کھول کر سن لو۔ باقی بچیاں بے شک تمہاری سگی بیٹیاں ہیں لیکن اگر اپنے مقاصد کے لئے تم نے ان میں سے کسی کو استعمال کرنے کی کوشش کی تو پھر دیکھ لینا...... میں بھی بھول جاؤں گا تم میرے سگے بھائی ہو۔‘‘

’’مجھے معاف کر دو اشفاق...... مجھ سے غلطی ہو گئی۔‘‘ الیاس نے روتے ہوئے اپنے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

’’میں شفق سے بھی معاف مانگ لیتا ہوں۔ اللہ کے لئے مجھے خورشید سے بچا لو۔‘‘ خوف نے ان کی حالت بالکل غیر کر دی تھی جس صورت حال کو وہ اپنے غصے سے سنبھال لینا چاہتے تھے وہی صورت حال اتنی بگڑ گئی تھی ان کے حق میں کہ انہیں منتیں کرنا پڑ رہی تھیں۔ یوں بھی موت...... سر پر کھڑی نظر آ رہا ہو تو انسان سب کچھ کرنے پر راضی ہو جاتا ہے۔

’’اپنے ہی تو اپنوں کی غلطیوں کو معاف کرتے ہیں تم لوگ تو میرے اپنے ہو تمہیں اماں کا واسطہ ہے اشفاق مجھ پر رحم کھاؤ...... عا...... عادل بیٹے۔‘‘

اشفاق چچا کو ٹس سے مس نہ ہوتا دیکھ کر وہ عادل کی جانب لپکے عادل بوکھلا کر اپنی جگہ سے اٹھا۔

’’یہ نہ کریں تایا جان کیا کر رہے ہیں آپ!‘‘ اس نے انہیں اپنے پاؤں کو ہاتھ لگانے سے بمشکل روکا۔

’’مجھے بچا لو عادل بیٹے!...... وہ جان سے مار دے گا مجھے۔‘‘ وہ زار و زار رو رہے تھے اور منتیں کر رہے تھے۔

’’اچھا ٹھیک ہے......‘‘ عادل نے ان کے انداز سے پریشان ہو کر کہا۔

’’میں آپ کی مدد کرتا ہوں...... لیکن آپ میرے پیر چھوڑ دیں...... میں آپ کو ڈیڑھ لاکھ روپے دوں گا لیکن۔‘‘

عادل نے جیسے سب کے سروں پر دھماکہ کر دیا تھا خود الیاس کو بھی اتنی جلدی امید بر آنے کی توقع نہ تھی۔

’’تت...... تم سچ کہہ رہے ہو؟‘‘ عادل نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

’’لیکن پھر آپ کو وعدہ کرنا ہو گا کہ آپ نشہ کرنا چھوڑ دیں گے اور دوبارہ کوئی ایسی حرکت کر کے اپنے گھر والوں کو تنگ نہیں کریں گے۔‘‘

’’تم پاگل ہو گئے ہو عادل...... کس سے وعدے لے رہے ہو۔‘‘ ثانیہ نے بوکھلا کر کہا۔

’’یہ کبھی اپنا وعدہ پورا نہیں کریں گے۔ آج تم نے ان کی مدد کی تو کل کوئی اور مسئلہ کھڑا کر دیں گے۔‘‘

’’نہیں...... نہیں میں ایسا کچھ نہیں کروں گا۔‘‘

’’ٹھیک ہے کل تمہیں پیسے مل جائیں گے۔‘‘ اب کی بار اشفاق چچا نے کہا۔

’’لیکن چچا جان۔‘‘ ثانیہ نے کہنا چاہا۔

’’تم بھی مجھے معاف کر دو ثانیہ بیٹی...... میں نے تم پر ہاتھ اٹھایا ساری زندگی مجھے شرمندگی رہے گی۔‘‘ الیاس نے اس کا ووٹ بھی اپنے ہاتھ میں کرنے کی کوشش کی۔

’’بیٹی......‘‘ ثانیہ نے ناگواری سے انہیں دیکھا جنہوں نے کبھی اسے بیٹی کہہ کر مخاطب نہیں کیا تھا وہ ہمیشہ ان کے لئے گالی تھی۔

’’جانے دیں ابو! جو کام آپ سے ہو نہیں سکتا اس کا ذکر بھی کیوں کر رہے ہیں۔ شرمندگی محسوس کرنے کے لئے باضمیر ہونا ضروری ہوتا ہے۔‘‘ وہ کہہ کر رکی نہیں فوراً کمرے سے باہر نکل گئی۔ اصل مقصد آنکھوں کی نمی کو چھپانا تھا لیکن شفق نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی وہ اسی طرح سر جھکائے آنسو بہاتی رہی تھی بس یہ ہوا تھا کہ دل میں موجود دکھ کا حجم بڑھ گیا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اس نے خود کو حقیر محسوس کیا تھا۔

☆......☆......☆

’’آپا بیگم سے میری شکایت کرنے آئی ہو؟‘‘

مظہر نے اسے آپا بیگم کے کمرے میں داخل ہوتا دیکھ کر دل جلانے والے انداز میں پوچھا۔

گیتی نے نفرت سے اسے دیکھا دل تو چاہا فوراً پلٹ جائے لیکن وہ باآسانی اس کے کمرے میں آ سکتا تھا یا پھر آپا بیگم ہی اسے پیغام بھجوا کر بلوا سکتی تھیں۔ لہٰذا یہاں سے چلے جانے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا وہ خاموشی سے اندر چلی آئی اور پرس صوفے پر اچھال دیا۔

’’کبھی سنا ہے کسی نے گرو کی شکایت چیلے سے کی ہو؟ اتنی بھی کم عقل نہیں ہوں۔‘‘ اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ مظہر ہنس دیا۔

’’یہ بات آپا بیگم کے سامنے بالکل مت کہنا۔ خود کو چیلا کہنے پر برا بھی منا سکتی ہیں۔‘‘

گیتی نے اس کی بات کا کوئی نوٹس نہ لیا اور صوفے کی بیک سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔ وہ خود کو ریلیکس رہنے اور بالکل مشتعل نہ ہونے کی تلقین مستقل کر رہی تھی۔

’’بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہو...... مرہم پٹی خود کرنے بیٹھ گئی تھیں۔‘‘ اس کی آواز میں ہنسی اور لہجے میں تمسخر تھا۔ گیتی نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

’’تم ابھی تک دفع نہیں ہوئے یہاں سے؟‘‘

’’اب کہاں دفع ہونا ہے ہم نے...... اب تو کچھ عرصہ یہاں ہی قیام کریں گے میری جان! آپ کے آگے پیچھے پھریں گے آپ کو جی بھر کر دیکھیں گے۔‘‘ وہ بڑے مزے سے کہہ رہا تھا۔

’’تمہیں پتا ہے مظہر۔‘‘ گیتی خود پر قابو نہیں رکھ سکی اور اس کی بات کاٹتے ہوئے غرائی۔

’’تم ایک گھٹیا...... کمینے اور ذلیل انسان ہو...... بلکہ تمہیں تو انسان کہنا بھی انسانیت کی توہین ہے۔ پتا نہیں میں نے کیوں...... تم

میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہو۔"

"بس بھی کرو گیتی!" مظہر نے اکتا کر کہا۔

"میں کیا ہوں بڑی اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ تم کیوں اپنی انرجی ویسٹ کر رہی ہو......تم تو شکر ادا کرو میں نے تمہیں نکاح میں رکھا ہوا ہے ورنہ تم جیسی کی اوقات ہی کیا ہے۔" اس نے حقارت سے کہا تھا۔ گیتی کا سارا خون چہرے پر سمٹ آیا۔

"ایک مہربانی کرو مجھ پر......طلاق دے دو مجھے، مجھے یقین ہے میری اوقات تمہارے نام کے بغیر زیادہ معتبر ہو گی۔"

"آہا......اپنی سونے کی چڑیا اڑ جانے دوں وہ کس لئے، اس امیر زادے کے لئے اونہہ۔"

"اڑنا تو مجھے ہے۔" گیتی نے حتمی انداز میں کہا۔

"میری بات مان لو گے تب بھی اور نہیں مانو گے تب بھی۔"

"میرا خیال تھا گیتی!......تمہارے محبوب کی جو اتنی حالت خراب کی ہے تو تمہیں عقل آ جائے گی......مگر نہ جی چلو جیسے تمہاری مرضی......پہلے ٹریلر دکھا رہے تھے اب پوری فلم دیکھو......فاتحہ پڑھنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

مظہر نے سنگین انداز میں کہتے ہوئے آگے بڑھ کر میز پر سے اپنا موبائل فون اٹھایا۔ گیتی کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"خبردار مظہر......تت، تم کچھ نہیں کرو گے۔"

"ہا، ہا......حکم دے رہی ہو یا درخواست کر رہی ہو؟" وہ آہستہ آہستہ بٹن دبا رہا تھا۔

گیتی ہر بار خود کو مظہر کے سامنے مشتعل ہونے سے روکتی تھی اور ریلیکس نظر آنے کی تلقین کرتی تھی مگر مظہر ہر بار اس کے ارادے خاک میں ملاتا تھا۔

وہ جتنا خود کو پرسکون کرنا چاہتی تھی اتنا بھڑکتی تھی۔

اس وقت بھی یہی ہوا تھا اسے اپنے اندر لاوٴ بھڑکتا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے مظہر کو فون کرنے سے روکنے کی کوشش کی مگر وہ باز نہیں آیا تب اچانک گیتی نے آگے بڑھ کر اس کے کان سے لگا موبائل جھپٹنا چاہا۔

مظہر غالباً اس ردعمل کے لئے تیار تھا اس نے بے ساختہ گیتی کی کلائی تھام کر اسے اس عمل سے باز رکھا۔ گیتی کے غصے میں اضافہ ہوا۔ مظہر مسلسل ہنستے ہوئے اسے سیل فون تک رسائی حاصل کرنے سے روک رہا تھا اور جیسے اس کی بے بسی سے حظ اٹھا رہا تھا۔ اسی چھینا جھپٹی میں گیتی تپائی سے ٹکرائی۔ اس نے خود کو گرنے سے بچانے کے لئے ہاتھ پیچھے رکھ کر خود کو سہارا دینا چاہا اس کوشش میں تپائی پر رکھا گلدان اس کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔

جیسے ہی مظہر نے ہیلو کہا گیتی نے گلدان اس کے سر پر کھینچ مارا۔ صرف چند سیکنڈز کا کھیل تھا۔ گلدان کی کرچیاں ادھر ادھر بکھر گئیں

اور مظہر سر پر ہاتھ رکھ کر پیچھے کی طرف الٹ گیا۔

☆......☆......☆

مظہر کے ہاتھ سے موبائل چھوٹ کر دور جا گرا اور خود وہ سر پکڑ کر پیچھے کی طرف الٹ گیا۔

وہ تو وہ خود گیتی بھی اپنی اس جسارت پر دنگ رہ گئی۔ بیشک وہ مظہر سے شدید نفرت کرتی تھی۔ بارہا اس نے اسے جان سے مار دینے کے خواب دیکھے تھے لیکن کبھی اتنی بہادری سے مظہر پر ہاتھ اٹھائے گی یہ خیال کبھی اس کے ذہن میں پنپنے نہیں پایا اسے ہمیشہ اپنے ہاتھ مظہر کے سامنے بندھے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔

''کتے کی......'' معاً مظہر اس کی جانب لپکا تھا۔ وہ یوں بھی اس سے خاصا نالاں تھا اس حرکت پر تو بالکل ہی آؤٹ ہو گیا اور اس کے نازک وجود کو روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیا۔

وہ اسے گالیاں بک رہا تھا اور ٹھوکریں رسید کر رہا تھا۔

تبھی آپا بیگم کمرے میں داخل ہوئیں اور ہکا بکا رہ گئیں۔ گیتی زمین پر گری کراہ رہی تھی جبکہ مظہر اسے پے در پے لاتیں رسید کر رہا تھا۔

''ہوش کے ناخن لو مظہر...... یہ کیا کر رہے ہو؟'' وہ سرعت سے ان دونوں کی جانب لپکی تھیں اور مظہر کو کھینچ کر گیتی سے دور کیا تھا۔

''وہ کر رہا ہوں جو بہت پہلے کرنا چاہیے تھا۔'' اس نے نفرت وقہر سے گیتی کو دیکھتے ہوئے دائیں طرف تھوک دیا۔

''یہ بدذات...... نیچ لڑکی زیادہ ہی میرے سر پر چڑھنے کی کوشش کر رہی ہے۔ پہلے صرف زبان چلاتی تھی اب ہاتھ بھی چلانے لگی۔ یہ دیکھو ذرا کیا حشر کیا ہے (گالی) نے۔''

''ہائے میرے اللہ......'' آپا بیگم بیٹے کا زخم دیکھ کر دھک سے رہ گئیں ویسے بھی مظہر کے سر سے خون نکل رہا تھا اور اس کی ساری شرٹ داغ دار ہو رہی تھی۔

''یہ...... یہ کیا ہوا ہے مظہر۔'' ان کی آواز کپکپا رہی تھی۔

''اس گھٹیا لڑکی...... کی وجہ سے۔'' اس نے جھنجھلا کر پھر گالی دی۔

''ڈلوائیں اسے بیسمنٹ میں...... ایک ہفتہ بھوکی پیاسی رہے گی تو ساری عقل ٹھکانے آجائے گی۔'' اس نے غصے سے گیتی کے آئندہ دنوں کا شیڈول ترتیب دیا۔ اتنی دیر میں آپا بیگم کہیں سے ایک رومال اور ٹشو پیپرز نکال لائی تھیں۔

''یہ رکھو اپنے زخم پر...... میں ڈاکٹر کو بلواتی ہوں۔''

''نہیں رہنے دیں۔ میں خود ہی جا رہا ہوں البتہ اس ''بے غیرت'' کو ابھی قید خانے میں ڈلوائیں، نخرے بہتیرے اٹھا لیے اب اسے اس کی اوقات یاد دلاتے ہیں۔'' وہ سر کے زخم کو رومال سے دباتے ہوئے فرعونیت بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''کچھ پتا تو چلے......آخر ہوا کیا ہے؟ادھر یہ تڑپ رہی ہے، تم الگ زخمی ہو۔''

''یہ آپ کی لاڈو رانی اپنے اصل رنگ دکھا رہی ہے......آپ کو ہی شوق تھا نرمی برتو......سختی نہ کرو......دیکھ لیں نتیجہ......باہر یاریاں لگائے بیٹھی ہے اور آپ کو علم تک نہیں، کسی دن پھر سے اڑ جاتی اور آپ منہ دیکھتی رہ جاتیں۔'' وہ انہیں ان کی کوتاہی کا احساس دلا رہا تھا آپا بیگم نے سر پیٹ لیا۔

''مجھے سمجھ نہیں آتی مظہر، تمہیں صرف اس کی اتنی فکر کیوں رہتی ہے کوئی خاص محبت بھی نہیں کہ بندہ سوچے اسی لئے اتنی جذباتی رہتے ہو......یہاں کون ہے ایسی جس نے باہر ایک ایک معاشقہ نہ پال رکھا ہو اور ہمیں فرق بھی کیا پڑتا ہے۔ ہمارا کام تو ہو رہا ہے کسی سے پیار کے ساتھ، کسی کو دھمکا کر......پھر اتنا بھڑکنے کی آخر ضرورت کیا ہے۔ بیٹے! زیادہ غصہ کرنے سے خون جلتا ہے میری طرف دیکھو اس عمر میں اتنی کامیابی یونہی حاصل نہیں کی......ہر کاروبار میں برداشت و تحمل پہلی شرط ہے۔''

''شاباشے آپا بیگم......یہاں میرے سر سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا ہے۔آپ کو نصیحتوں کی پڑی ہے۔'' وہ سلگ کر بولا۔

''تو اور کیا کروں؟'' آپا بیگم نے پریشانی بھری جھنجلاہٹ سے کہا۔

''باہر پیرزادہ آیا بیٹھا ہے اسے ساتھ لے جانے کے لئے......اور یہاں تم نے اس کا کیا حشر کیا ہے۔ وہ اتنی بری طرح اس پر فریفتہ ہے کہ اسے لگی خراش دیکھ کر ہی قیامت اٹھا دے گا۔''

''مجھے کچھ نہیں پتا......یہ آپ کا ہیڈک ہے دفع کریں فی الحال اس بڈھے کو یہاں سے اور تم......'' اس نے نفرت سے گیتی کو دیکھا۔

''پہلے تو صرف دھمکی دی تھی اب دیکھو میں تمہارے اس عاشق کا کیا حشر کرواتا ہوں۔ یہ جو حرکت تم نے کی ہے نا......اس کا ہرجانہ تو بھرنا پڑے گا......اور ہمیں تو ہرجانے بھی سود سمیت وصولنے کی عادت ہے۔فار یور کائنڈ انفارمیشن۔''

''اللہ کے لئے......مظہر اسے کچھ مت کہنا۔'' گیتی تکلیف سے دوہری ہوتی گڑگڑائی تھی۔

''بکواس بند کرو......تم سے پوچھا نہیں ہے میں نے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے کیا نہیں۔'' وہ غرایا۔

''میں قسم کھا کر کہتی ہوں وہ بے چارہ بالکل بے قصور ہے۔ دوست بھی نہیں ہے میرا عشق و عاشقی تو بہت دور کی بات ہے۔'' وہ سسک اٹھی تھی۔

''کل بھی غصے میں میرے منہ سے جانے کیا نکل گیا اور تم پتا نہیں کیا سمجھے، اسے سمجھائیں نا آپا بیگم......پلیز۔'' وہ گڑگڑائی۔

''مجھے حیرانی ہوتی اگر تم ابھی بھی اپنی وابستگی کا اظہار کرتیں۔'' مظہر نے طنزیہ ہنکارہ بھرتے ہوئے نفرت سے کہا۔

''میں جا رہا ہوں آپا بیگم......لیکن آپ سے جو کہا ہے وہ کریں۔'' وہ حکم جاری کرتا دروازے کی طرف چل دیا۔گیتی تکلیف سے دوہری ہوتی ہوئی اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔

آپا بیگم کی اپنی پریشانی تھی مظہر کی بات نہ ماننے کا مطلب اسے خود سے متنفر کرنا تھا جبکہ اس کے بنا بھی کوئی چارہ نہ تھا۔ایک پل کے لیے گیتی کو سہارا دینے کے آگے بڑھیں مگر اگلے ہی لمحے ہزار جان سے اس پر لعنت بھیج کر مظہر کے پیچھے دوڑیں۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا سیڑھیوں کی طرف جا رہا تھا آپا بیگم نے اسے وہیں کاریڈور میں جا لیا۔

''سمجھنے کی کوشش کرو مظہر! گیتی کا پیرزادہ سے ملنا بے حد ضروری ہے جب وہ ہمارا ہر طرح کا مطالبہ مان رہا ہے تو ہم اسے کس طرح ٹرخا سکتے ہیں۔''

''یہ آپ کا مسئلہ ہے...... میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔'' مظہر نے رکے بنا اکھڑے انداز میں کہا۔

''کہا تم نے......سن بھی لیا میں نے؟ لیکن وہ نہیں سنے گا جسے گیتی سے سب سے زیادہ مطلب ہے۔

مجھے نہیں خبر تمہارے اور گیتی کے درمیان کیا ان بن ہوئی ہے صرف اتنا جانتی ہوں اگر اس وقت پیرزادہ کو ناراض کر دیا تو ہمارا سارا کھیل بگڑ جائے گا۔وہ اپنا پورا کا پورا فارم ہاؤس گیتی کے نام کرنے کو تیار ہے۔تم اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔گیتی سے اپنے حساب کتاب چکتا کرنا زیادہ اہم ہے یا اس کے ذریعے سے حاصل ہونے والے فوائد......''

''یہی تو بات ہے......اس......کو اپنی اہمیت پتا چل گئی ہے......ورنہ ہے کیا وہ۔'' مظہر جیسے احساس بے بسی سے بلبلا رہا تھا۔

''اب تو جو ہے سو ہے۔'' آپا بیگم نے اپنی جھنجھلاہٹ چھپاتے ہوئے تحمل سے کہا۔

''مجھے صرف اتنا بتا دو اب کرنا کیا ہے؟''

''ٹھیک ہے آپ ملاقات کروا دیں گیتی کی......مگر ایک بات کا خیال رہے۔ملاقات گلشن نگر میں ہی ہوگی اور گیتی پیرزادہ کے ساتھ نہیں جائے کم سے کم دو دن تک......ابھی تو مجھے اس سے معافی منگوانا ہے اپنے سامنے گڑگڑانے پر مجبور نہیں کیا تو میرا نام بھی مظہر نہیں۔'' اس کے ایک ایک لفظ سے نفرت واشتعال ٹپک رہا تھا۔

''اسے پتا نہیں ہے مظہر پر ہاتھ اٹھانے کی غلطی...... غلطی نہیں گناہ ہے۔اب تو اسکی کھال میں بھس بھی بھروا دوں تو جائز ہوگا...... اور اسے اچھی طرح سمجھا دیجیے گا اپنی زبان کھولی تو کھال میں بھس بعد میں بھرواؤں گا پہلے زبان ہی کھینچ لوں گا۔''

''بے فکر رہو......وہ اب میری ذمہ داری ہے۔'' آپا بیگم نے کہا اور اطمینان کے بھرپور احساس کے ساتھ واپس پلٹ گئیں۔

☆......☆......☆

ہسپتال کے پرائیویٹ روم کا منظر تاریکی کے باوجود واضح ہو رہا تھا۔

بالکل سامنے بیڈ پر حنان مسکن دواؤں کے زیر اثر گہری نیند سو رہا تھا اس کے ماتھے پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔دائیں ہاتھ میں ڈرپ لگی تھی جبکہ بایاں ہاتھ کلائی سے لیکر دائیں شانے تک پٹیوں میں لپٹا ہوا تھا اس کے کندھے اور ہنسلی کی ہڈی پر بڑی گہری چوٹ آئی تھی جبکہ

پاؤں کے ٹخنے کا حال بھی کچھ ایسا ہی تھا۔

بیڈ کی داہنی سمت میں صوفہ ارینجمنٹ تھی یہی ایک ٹیبل لیمپ جلائے شمسہ اس رخ سے بیٹھی ہوئی تھیں کہ حنان بالکل ان کی آنکھوں کے سامنے تھا اور لیمپ کی روشنی بھی اس تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ ان کی گود میں قرآن پاک تھا۔ آنکھوں پر چشمہ اور اس کے پیچھے آنکھوں سے آنسو ایک تواتر سے بہہ رہے تھے۔ وہ دھیمی آواز میں تلاوت کررہی تھیں اور گاہے بگاہے حنان پر بھی نظر ڈال لیتی تھیں۔

اسی وقت حنان کے وجود میں کچھ حرکت سی ہوئی تھی شمسہ نے تڑپ کر اس کی جانب دیکھا مگر اس سے پہلے کہ وہ اٹھ کر اس کے قریب جاتیں وہ پرسکون ہو چکا تھا۔

کیا بھرپور صحت مند تھا اس وقت پٹیوں میں لپٹا اور پلنگ پر لیٹا کتنا بے بس لگ رہا تھا۔ شمسہ کا دل کچھ اور بھر آیا اور آنسوؤں کی روانی میں شدت آگئی۔ انہوں نے چشمہ اتار کر آنسو پونچھے مگر کوئی خیال سا مستقل ذہن میں آرہا تھا اور آنسوؤں پر جیسے قابو نہیں رہا تھا۔

تبھی آہستگی سے دروازہ کھول کر شاہنواز اندر داخل ہوا اور حنان کی طرف دیکھتے ہوئے دبے قدموں ان کے قریب آگیا۔

"خالہ امی میں ذرا...... آپ پھر رو رہی ہیں۔" وہ اپنائیت سے کہتا ان کے قریب بیٹھ گیا۔ شمسہ چادر کے پلو سے آنکھیں خشک کرتے ہوئے بے بسی سے بولیں۔

"تو اور کیا کروں؟" انہوں نے دھیمی آواز میں کہا ساتھ ہی نشانی لگا کر قرآن پاک بند کر دیا۔

"اس طرح مستقل آنسو بہانے سے پریشانی دور تو کسی قیمت پر نہیں ہوگی۔" اس نے دبی ہوئی آواز میں رسانیت سے کہا۔

"جانتی ہوں۔" انہوں نے افسردگی سے کہا۔

"لیکن میں اپنے دل کا کیا کروں جسے کسی بھی طرح سکون ہی نہیں آرہا۔" انہوں نے حد درجہ بے بسی سے کہا۔

"ڈاکٹر تسلی تو دلا رہے ہیں......"

"ماں کے دل کو ڈاکٹرز کی باتوں سے سکون واطمینان نہیں آسکتا شاہنواز! جب تک حنان مجھ سے باتیں نہیں کر لیتا میں اسے چلتا پھرتا نہ دیکھ لوں مجھے ایسی ہی بے اطمینانی رہے گی۔" ان کے آنسو پھر نکل آئے تھے۔

"حنان بے ہوش نہیں ہے خالہ! ڈاکٹر نے خود اسے مسکن ادویات کے زیر اثر رکھا ہے وہ بھی صرف اس لیے تاکہ وہ تکلیف زیادہ محسوس نہ کرے۔ زیادہ ہلنے جلنے سے ویسے بھی زخم کھلنے کا خدشہ ہوتا ہے آپ بے فکر ہو جائیں حنان ان شاءاللہ چند ہی روز میں آپ کو بھاگتا دوڑتا نظر آئے گا...... بس آپ اس کے لئے دعا کیجیے۔"

شمسہ کے کندھوں کے گرد بازو پھیلائے وہ انہیں یوں ساتھ لگائے بیٹھا تھا اور یوں سمجھا رہا تھا جیسے وہ کوئی چھوٹی بچی ہوں اور وہ خود ان کا بزرگ......

شمسہ کے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ آ گئی۔

''تمہاری جہانگیر سے بات ہوئی؟'' آنکھوں کو اچھی طرح خشک کرتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

''صبح نو بجے ہوئی تھی تقریباً...... کسی وجہ سے آج کی تاریخ میں سیٹس نہیں مل رہیں۔ کہہ رہے تھے چانس پر ڈومیسٹک کی شاید تین سیٹیں مل جائیں لیکن سیکنڈ کلاس کی...... دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔ دوبارہ میری بات نہیں ہوئی...... ویسے وہ کہہ رہے تھے یہاں پہنچنے کے لئے سی کلاس میں بھی سفر کرنا پڑا تو کرلیں گے۔'' اس نے آہستگی سے بتایا۔

''بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہو۔ کچھ دیر حدید کی طرف جا کر آرام ہی کر لیتے۔ رات بھر سے سوئے بھی تو نہیں۔'' انہوں نے محبت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں آپ کو دراصل یہی بتانے آیا تھا کہ میں حدید کی طرف جارہا ہوں کچھ دیر کے لئے...... کینٹین میں ایک بچے نے میرے کپڑوں پر جوس گرادیا۔ بڑی چپچپاہٹ محسوس ہو رہی ہے۔ کپڑے بدل کر زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے میں واپس آ جاؤں گا۔''

''کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' شمسہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''اب جا ہی رہے ہو تو دو چار گھنٹوں کی نیند پوری کر لینا۔ میں ہوں یہاں بے فکر ہو کر جاؤ۔''

''آپ یہاں اکیلی ہوں گی تو کیا آپ کے خیال میں وہاں اطمینان سے سو سکوں گا۔ میں تو کہتا ہوں آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔ حنان کے لیے اٹینڈنٹ ہائیر کر لیتے ہیں...... دو چار گھنٹوں میں ہم واپس آ جائیں گے۔''

''اونہوں...... میرا دل نہیں مانتا کہ حنان کو اکیلا چھوڑوں۔'' انہوں نے قطعیت سے کہا۔

''تم چلے جاؤ پلیز۔ میں یہیں آرام کرلوں گی۔''

''جو آپ مناسب سمجھیں۔'' شاہنواز سر ہلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''شاہنواز! پولیس والے معاملے کا کیا بنا؟'' انہیں اچانک یاد آیا۔

''اوہ اچھا یاد دلایا...... کل تو فرصت ہی نہیں ملی، میں اور حدید واپسی پر پولیس اسٹیشن جائیں گے ایف آئی آر درج کروانے۔ آپ اس معاملے میں بالکل بے فکر ہو جائیں جس نے بھی یہ کیا ہے سزا تو اسے ضرور ملے گی۔'' وہ تسلی آمیز لہجے میں کہتا باہر نکل گیا۔

شمسہ نے قرآن مجید کو چوم کر غلاف میں لپیٹا اور ٹیبل لیمپ والی تپائی پر رکھ دیا اور ٹانگوں کو آرام پہنچانے کے لئے پاؤں زمین پر رکھ دیے۔

بڑی عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی دل کی، سر الگ بھاری بھاری تھا۔ جوان صحت مند بیٹے کو یوں لاچاری سے پلنگ پر پڑے دیکھنا بھی اصل میں ایک آزمائش ہوتی ہے۔

اس کی پیدائش سے لے کر اب تک کے واقعات ایک فلم کی طرح آنکھوں کے سامنے چلنے لگے۔ کتنے ناز و نعم سے پالا تھا انہوں نے، گو کہ ہر باشعور انسان اپنی حیثیت، اپنی استطاعت کے مطابق اپنی اولاد کو سہولیات فراہم کرتا ہے اور بہتر سے بہترین معیار زندگی دیتا ہے مگر انہوں نے ہمیشہ حنان کو خود سے بڑھ کر اہمیت دی تھی۔ سہولیات یا بہتر معیار زندگی فراہم کرنا تو پھر بھی ایک الگ چیز ہے۔ خود اپنی زندگی کے بیشتر اور اہم ترین فیصلے انہوں نے حنان کے مستقبل کو سامنے رکھتے ہوئے کیے۔

ایک تلخ و با مشقت زندگی وہ اپنے سابقہ شوہر کے گھر میں گزار رہی تھیں لیکن یہ خیال آتے ہی کہ ان کا بیٹا اس جاہلانہ ماحول سے کیا تربیت لے گا۔ انہوں نے بڑی بہادری سے علیحدگی کا فیصلہ کر لیا۔

وہ خود متوسط طبقے سے تھیں اور خاندان بھر میں بیٹیوں کو سسرال میں سسک سسک کر مر جانے کی اجازت تو تھی۔ علیحدگی یا خلع جیسا بولڈ قدم اٹھانے کی اجازت قطعاً نہ تھی۔

اس پر مستزاد علیحدگی کے فوراً بعد ملازمت کرنے جیسا ایک اور جرأت مندانہ فیصلہ۔ ان پر تو با آسانی پھانسی کی حد جاری کی جا سکتی تھی۔

زمانے کی باتیں ایک طرف، میکے والوں کی بے رخی ایک طرف، باپ بھائی کسی نے بھی تو ساتھ نہ دیا بس ایک اماں جان تھیں جنہیں وہ حق بجانب لگ رہی تھیں دوسرے شاہنواز کی والدہ جو پکی سہیلیوں کی طرح ان کے ساتھ ساتھ تھیں جہاں یہ حوصلہ ہارنے لگیں خدیجہ کی مؤثر باتیں آگے بڑھنے کی امنگ سی جگا دیتیں۔ جہانگیر لاشاری سے شادی کا فیصلہ بھی صرف اور صرف حنان کے بہتر مستقبل کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا گیا۔

وہ تنہا ہوتیں تو شاید کبھی شادی جیسا رسک نہ لیتیں۔ ان کا تو پہلا تجربہ ہی ناکام رہا ایسے میں دوسرے کا سوال چہ معنی دارد دیا شاید...... شادی کو تجربہ نہیں کہا جا سکتا...... یہ تو زندگی ہے۔

تو ان کی زندگی ناکام ہوئی تھی اور جب زندگی ناکام ہوتی ہے تو انسان کسی قابل نہیں رہتا۔

لیکن وہ حنان کو بہتر نہیں بہترین مستقبل دینا چاہتی تھیں اور انہیں فخر تھا جہانگیر لاشاری سے شادی کا فیصلہ غلط نہیں تھا لیکن......

لیکن حنان کو ان سے اتنی شکایتیں تھیں کہ......

انہوں نے صوفے کی پشت پر سر رکھ دیا اور آنکھیں موند لیں۔ پتا نہیں لاہور سے کراچی تک کا سفر انہوں نے کیسے کیا وہ نہیں جانتی تھیں۔

حنان کو ایک طرف دیکھنے کی خواہش...... کتنا مشکل مرحلہ تھا انہوں نے کیسے طے کیا۔ کوئی ان کے دل سے پوچھتا۔

ڈاکٹر کے الفاظ نے انہیں ایک گونہ سکون ضرور دیا تھا مگر مکمل اطمینان تو نہیں ہو سکتا تھا نا۔ البتہ وہ لڑکی جس نے کہا تھا...... انہیں معاً وہ یاد آئی جو پریشانی کے ان لمحات میں دماغ سے محو ہو چکی تھی۔

''مجھے شاہنواز کو اس لڑکی کے متعلق بتانا چاہیے تھا۔'' انہوں نے پیشانی مسلتے ہوئے سوچا۔ خود وہ تو کل اس سے ڈھنگ سے

بات بھی نہ کرسکیں۔ اپنی اتنی بری حالت تھی کہ اس وقت کسی بات کا دھیان نہیں رہا اب سارے تقاضے یاد آرہے تھے۔

حدید اور شاہنواز جانے کس بھاگ دوڑ میں تھے انہوں نے نرس کا پیچھا لیا۔ انہیں یہ بھی جاننا تھا ان کے لخت جگر کی اس حالت کا ذمہ دار کون ہے...... وہ اس حال تک کیسے پہنچا؟

نرس بے زار ہوگئی۔ اسے یہ پتا تھا مریض کے جسم میں کتنے فریکچرز ہوئے ہیں۔ یہ فریکچرز کس طرح ہوئے ہیں یہ وہ نہیں جانتی تھی نہ ہی اسے اس بات کی معلومات رکھنا تھیں۔

''آپ کے بیٹے کو ہسپتال لے کر ایک لڑکی آئی تھی ممکن ہے ان سے آپ کو ساری معلومات مل جائے...... آیئے میں آپ کو ان سے ملوا دیتی ہوں۔''

''کیا وہ بھی زخمی ہے۔'' شمسہ نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے بے تابی سے پوچھا۔

''نہیں۔'' نرس لاپروائی سے بولی۔

''دراصل بلڈ ڈونیٹ کرنے کے بعد تھوڑی بہت کمزوری ہوتی ہے تو ڈونر کو کچھ دیر وارڈ میں رکھا جاتا ہے۔ وہ لڑکی خیر بہت ہی ویک ہے لیکن اتنی ایمرجنسی میں اس کا بلڈ گروپ آپ کے بیٹے کے بلڈ گروپ سے میچ ہو رہا تھا۔'' شمسہ تو جیسے پور پور اس لڑکی کے احسان تلے دب گئیں۔

نرس دروازہ کھول کر اندر داخل ہو چکی تھی شمسہ نے بھی تقلید کی۔ سامنے بیڈ پر ایک خوبصورت لڑکی آنکھیں موندے نیم دراز تھی۔ ایک اور لڑکی کھڑکی کے پاس کھڑی تھی۔

''یہ روم نمبر تین کے پیشنٹ کی مدر ہیں۔'' نرس ان کا تعارف کروا کر چلتی بنی۔

شمسہ کی تمام حسیات اس وقت چاق و چوبند نہیں تھیں ورنہ فوراً محسوس کر لیتیں بیڈ پر جو لڑکی تھی اس کے چہرے پر کتنی گھبراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

انہوں نے تو بس آگے بڑھ کر اسے گلے لگالیا۔

''بے حد شکریہ بیٹے...... آپ نے حنان کی مدد کر کے جو احسان ہم پر کیا ہے گو کہ اس کے لیے شکریہ کے الفاظ بے حد کم ہیں مگر میں اس کے سوا اور کیا کہہ سکتی ہوں...... مجھے نہیں پتا ہم آپ کا یہ احسان کیسے اتار پائیں گے بلکہ یہ ناممکن ہے آپ...... آپ کو نہیں پتا آپ نے ہمیں ساری زندگی کے لئے اپنا مقروض کر دیا ہے۔'' وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''پلیز...... پلیز آنٹی! اس طرح نہ کہیں۔'' اس نے گھبرا کر کہا۔

''حنان کی فرینڈ ہوں میں...... اتنا تو فرض بنتا تھا میرا۔''

’’غالباً آپ ہی نے ہمیں انفارم کیا تھا۔‘‘

’’جی۔‘‘

’’لیکن بیٹے! کیا آپ کو علم ہے یہ سب ہوا کیسے؟‘‘

’’تو......انہیں کیسے معلوم نہیں ہوگا۔ یہ محترمہ بھی تو آپ کے بیٹے کے ہمراہ تھیں۔‘‘ دوسری لڑکی نے کہا۔

’’کیا واقعی۔‘‘ شمسہ ششدر سی اس کی شکل دیکھنے لگیں۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

’’لاء اینڈ آرڈر کی صورتحال کا تو آپ کو علم ہے آنٹی! روڈ پر کچھ لڑکوں نے گاڑی چھیننے کی کوشش کی، والٹ، موبائل، میری جیولری بھی اتروالی۔ حنان نے مزاحمت کرنا چاہی تو انہوں نے مار پیٹ شروع کر دی۔ لیکن جب ارد گرد لوگ اکٹھا ہونے لگے تو وہ لوگ بھاگ گئے۔ اسلحہ بھی تھا ان کے پاس لیکن شکر ہے اس کا استعمال نہیں کیا انہوں نے......آپ فکر مند بالکل نہ ہوں آنٹی! ان شاء اللہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔ ڈاکٹر سے میری بات ہوئی ہے وہ کہہ رہے تھے حنان کی بلیڈنگ بہت ہوئی ہے لیکن شکر ہے کوئی اسٹرونگ سریس انجری نہیں ہوئی۔‘‘

’’میں چلتی ہوں بیٹے! آپ ابھی آرام کیجیے۔ ممکن ہے اب وہ مجھے حنان سے ملنے دیں۔‘‘ شمسہ نے طویل خاموشی توڑتے ہوئے کہا۔

’’آنٹی! آپ سے ایک ریکوسٹ تھی۔‘‘ اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

’’ہاں......کہو۔‘‘

’’اس واردات کی رپورٹ ظاہر ہے آپ لوگ پولیس میں بھی کریں گے لیکن ریکوسٹ تھی آنٹی! پلیز پولیس کے سامنے یہ ذکر مت کیجیے گا کہ اس وقت میں بھی حنان کے ساتھ تھی......دراصل تھانے کچہریوں کے بہت چکر ہوتے ہیں اور میں ان معاملات میں پڑنا نہیں چاہتی تو کائنڈلی آپ......‘‘

’’ڈونٹ وری......تم نے کہہ دیا اتنا کافی ہے۔ آگے میں سنبھال لوں گی۔‘‘

ان کے قریب رکھا موبائل وائبریٹ کر رہا تھا ان کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ موبائل پر نشوٰی کی کال تھی انہوں نے ایک نظر حنان کو دیکھا اور دبے قدموں باہر آ گئیں۔

’’مما! ہم کراچی ائیرپورٹ پر پہنچ گئے ہیں۔ بس تھوڑی دیر میں ہسپتال آ رہے ہیں۔‘‘ دوسری طرف سے نشوٰی کہہ رہی تھی۔

☆......☆......☆

’’میں پیرزادہ سے ہرگز نہیں ملوں گی......آپا بیگم! آپ کوئی بہانہ بنا کر اسے ٹال دیں۔‘‘

گیتی آرا نے اپنے کسی پھوڑے کی مانند دکھتے بدن کو سہلاتے ہوئے نحیف سی آواز میں کہا البتہ اس کے لہجے کی قطعیت آواز کی کمزوری پر پوری طرح حاوی تھی تبھی آپا بیگم ہکا بکا رہ گئی تھیں۔

گو کہ مظہر کے بعد اب وہ گیتی سے اسی قسم کی ہٹ دھرمی کی توقع کر رہی تھیں ان کو واثق یقین تھا وہ ٹال مٹول کرے گی مگر اتنا صاف انکار منہ پر مارے گی اس کی توقع نہیں تھی۔

''دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا...... پتا ہے کیا کہہ رہی ہو؟'' بے تحاشا حیرانی و بے یقینی کے بعد اشتعال و غضب کی منزل ہی آتی ہے۔ آپا بیگم نے غضبناک لہجے میں پوچھا۔

''میری حالت دیکھیں......کیا اس طرح میں کسی سے بھی مل سکتی ہوں؟ اتنی بری طرح مارا ہے آپ کے بیٹے نے کہ جوڑ جوڑ میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی ہیں بایاں بازو تو ہل بھی نہیں رہا مجھے تو لگ رہا ہے فریکچر ہوا ہے اللہ کی قسم بہت درد ہے آپا بیگم۔''

وہ سسک اٹھی تھی۔ تھپڑ کھائے ہوئے گالوں پر موٹے موٹے آنسوؤں کی دھار بہہ رہی تھی ہونٹ پھٹ کر خون بھی جم گیا تھا اور رنگت بالکل زرد ہو رہی تھی۔

''تو تمہیں ضرورت ہی کیا تھی اس پر ہاتھ اٹھانے کی؟''

''کیوں......کیا میں انسان نہیں ہوں مجھے غصہ نہیں آ سکتا۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''اور آپ کو تو شکر گزار ہونا چاہیے آپ کے بیٹے کو قتل کرنے سے روکا ہے میں نے۔''

اس کا خیال تھا آپا بیگم اس کی کارگزاری سے ضرور متاثر ہو کر احسان مندی ظاہر کریں گی مگر ادھر تو جیسے کوئی لطیفہ سنایا گیا تھا۔

اس نے تعجب و ناسمجھی سے آپا بیگم کو دیکھا وہ اپنی ہنسی کی وجہ بتانے کی بجائے پوچھنے لگیں۔

''کسے قتل کرنے جا رہا تھا مظہر؟''

گیتی نے فوراً انہیں حنان کے متعلق سب کچھ بتا دیا اور یہ بھی کہ کس طرح اس نے محض مظہر کو جلانے کے لئے حنان سے اپنی وابستگی کا اعتراف کیا تھا۔

''یقین کریں آپا بیگم! ایسی کوئی بات ہے ہی نہیں...... میں نے بتایا نا میں تو اس بے چارے کو کچھ خاص جانتی بھی نہیں وہ تو بس مظہر کو جلانے کے لئے میں نے کہہ دیا کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں۔ وہ اتنے میں ہی حنان کا دشمن بن گیا۔ آپ کہہ رہی ہیں نا کہ میں پیرزادہ سے ملوں۔

میں آپ کی بات مان لیتی ہوں لیکن ایک بات آپ بھی مان لیں...... جس بے ضرر انسان نے آپ کا کچھ بگاڑا نہیں، جس سے ہمیں کوئی غرض نہیں آخر اسے نقصان پہنچانے کی وجہ؟ آپ مظہر سے کہیں۔ وہ حنان کو نقصان نہ پہنچائے...... آپ کو یاد ہو گا آپا! رحاب کو

آپ نے میرے کمرے میں رکھا تھا وہ صبح شام میری منتیں کرتی تھی کہ اسے بھاگنے میں مدد دوں۔لیکن میں نے اس کی مدد نہیں کی کیونکہ میں نے آپ کو دھوکہ دینا مناسب نہیں سمجھا،......مگر، مگر آج بھی اس کی سسکیاں اور آہیں مجھے تنگ کر رہی ہیں۔

میں نہیں چاہتی جس طرح رحاب کی آہیں مجھے جھنجھوڑتی ہیں کل کو کسی اور کی چیخیں مجھے سنائی دینے لگیں۔آپ اللہ کے لئے مظہر کو روک دیں اس نے حنان کو نقصان پہنچایا تو میں خود کو معاف نہیں کر سکوں گی۔لیکن آپ کو یقین دلاتی ہوں دوبارہ اس سے نہیں ملوں گی...... وہ تو میرا دوست بھی نہیں ہے آپا بیگم......میں بھلا کیوں ملنا چاہوں گی اس سے۔''

آپا بیگم اس کی جانب بغور دیکھتے ہوئے گویا اس کا ہر لفظ تول رہی تھیں۔اس کے خاموش ہوتے ہی گہری سانس بھر کر بولیں۔

''ایک بات تو ماننی ہوگی گیتی کہ اپنی سخت طبیعت اور اصولوں کے باوجود میں نے تمہیں بہت سہولت میں رکھا ہے۔اور اس کی واحد بڑی وجہ یہی ہے کہ تم مظہر کے نکاح میں ہو یعنی بہو ہو میری۔میں نے ہمیشہ یہ چاہا کہ تم یہ کام نہ کرو جو یہاں کی دوسری لڑکیاں کرتی ہیں مگر تمہارے شوہر کی یہی مرضی ہے تو میں کیا کر سکتی ہوں......لیکن اتنی سہولیات اور نرمی کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم مجھے اتنا زچ کرو......آخر مظہر جو کہتا ہے وہ مان کیوں نہیں لیتیں؟''

''اب مانوں گی آپا بیگم......اپنی اوقات سمجھ آ گئی ہے نا۔'' اس نے دکھی لہجے میں کہا۔

''میرا خیال تھا مظہر کے دل میں کہیں نہ کہیں تو تھوڑی محبت باقی ہوگی آج وہ خوش فہمی جمع غلط فہمی بھی دور ہوگئی۔آپ مظہر کو سمجھائیں نا آپا بیگم! کسی ماں کی آہ لے گا تو اسے کیا ملے گا۔خود میں تو پہلے ہی بددعاؤں کے زیر اثر ہوں۔''

''ٹھیک ہے......بے فکر رہو......میں مظہر سے بات کرتی ہوں۔تم اٹھ کر حلیہ درست کرو اور سنو جو اس کمرے میں ہوا اس کی خبر باہر نہیں جانا چاہیے سمجھیں۔''

آپا بیگم کے خطرناک تیور دیکھ......اس نے آنکھیں پونچھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆......☆......☆

''ہم تین ہی بہن بھائی تھے سب سے بڑی تمہاری امی تھیں پھر ایک بھائی جمال اور سب سے چھوٹی میں...... بھائی کے بارے میں تو بہت کم لوگ واقف ہیں خود میرے سسرال میں بھی بہتوں کو تو علم ہی نہیں کہ میرا کوئی بھائی بھی ہے۔دراصل سولہ سترہ سال کی عمر میں بھائی جمال کسی ایجنٹ کے ہتھے چڑھ کر غیر قانونی طریقے سے دبئی پہنچ گیا۔حالانکہ ابا میاں نے بہتیرا سمجھایا، اماں نے تو یہاں تک کہہ دیا۔ ہمیں چھوڑ کر گئے تو آج ہی خودکشی کر لوں گی مگر جوان خون تھا اور کہتا تھا آسمان فتح کروں گا ڈھیر سارا پیسہ کماؤں گا تاکہ کل کو بڑھاپے میں آپ کی طرح خوار نہ ہونا پڑے۔

بہرحال شروع کے چند سال تو باقاعدگی سے اطلاعات آتی رہیں کہ پتھر ڈھونا پڑتے ہیں روڑی کوٹنا پڑتی ہے۔ہاتھوں میں

چھالے پڑ گئے کھانا صرف ایک وقت ملتا ہے وغیرہ وغیرہ...... چند سال بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا۔ ابا میاں بے چارے بڑا خوار ہوئے جیسے تیسے بھی ہو سکتا تھا ساری معلومات کروائیں لیکن بھائی جمال کا پتا نہ لگنا تھا نہ لگا یہاں تک کہ ابا میاں تھک ہار کر بیٹھ گئے۔

اماں کو اسی غم نے پلنگ سے لگا دیا اس صورت حال میں ابا میاں کو یہی مناسب لگا کہ جتنی جلدی ہو سکے دونوں بیٹیوں کے ہاتھ پیلے کر دیں سچ تو یہ ہے کہ انہیں اپنی زندگی کا بھروسہ نہیں رہا تھا یہ تو خیر مجھے اور آپا کو بہت بعد میں علم ہوا کہ انہیں جگر کا کینسر ہو گیا تھا۔ تمہاری امی کے لئے جو پہلا رشتہ آیا وہ تمہارے ابا کا تھا اور میرے لئے تمہارے خالو اطہر کا رشتہ آ گیا۔

سچ کہوں تو ابا میاں نے جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا انتہائی دانش مندی اور چھان پھٹک کے بعد ہم دونوں بہنوں کے رشتے طے ہوئے تھے۔ باقی میں سمجھتی ہوں کہ کچھ فیصلے انسان نہیں اس کی قسمت کرواتی ہے۔ میری قسمت نے یاوری کی اور میں بیاہ کر امریکہ پہنچ گئی...... میں یہ نہیں کہہ رہی کہ صرف امریکہ پہنچ جانا کسی کی خوش بختی کی نشانی ہے۔''

''میں سمجھ سکتی ہوں خالہ۔'' ثانیہ نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا۔ رات کے تقریباً دو ڈھائی کا وقت ہو گا سارا گھر سو چکا تھا اور وہ دونوں خالہ، بھانجی کچن میں انگیٹھی جلائے بیٹھی تھیں۔

حنا خالہ آج دوپہر میں آئی تھیں اور ثانیہ نے ان سے کوئی بات نہیں چھپائی تھی۔ جھوٹ کا کوئی فائدہ بھی نہ ہوتا آج یا کل انہیں اردگرد سے خبر مل ہی جاتی یہ بھی اچھا تھا کہ حنا خالہ مزاج کی بہت اچھی تھیں ان کی جگہ کوئی تنگ دل اور تنگ ذہن کی خاتون ہوتیں تو یقیناً اس وقت صورت حال کچھ اور ہوتی۔

''اچھا یہ بتاؤ تم نے کبھی مجھ سے ذکر کیوں نہیں کیا اپنی پریشانیوں کا فون پر بات چیت تو ہوتی ہی رہتی تھی ہماری۔''

''کیا فائدہ ہوتا خالہ...... آپ بھی پریشان ہوتیں۔'' اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

''بہت خوب......'' حنا خالہ نے جھنجھلا کر کہا۔

''یہاں میری بہن اور بھانجیاں اتنی مشکل زندگی گزار رہی ہیں اور میں وہاں سہولت سے بھرپور آرام دہ زندگی گزارتی رہی ہوں یقین کرو یہ احساس مجھے بری طرح کچوکے لگا رہا ہے۔'' حنا خالہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تھا۔

''آپ کیوں شرمندہ ہو رہی ہیں۔'' ثانیہ نے ان کے ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

''ابھی آپ خود ہی تو کہہ رہی تھیں۔ کچھ چیزیں تقدیر کا حصہ ہوتی ہیں۔ تو ہم پر جو آزمائشیں آ رہی ہیں میں انہیں تقدیر کا حصہ سمجھتی ہوں خالہ...... آپ ہماری خوشیوں میں شریک ہو رہی ہیں ہمارے لئے تو یہ بھی بہت خوشی کی بات ہے۔''

اس نے نرمی سے کہا، حنا محبت بھرے تعجب سے ان کا چہرہ دیکھنے لگیں وہ انہیں بہت اعلیٰ ظرف اور خود سے بہت بلند نظر آئی تھی۔

''اچھا آپ نے اطہر خالو کو فون کر کے تاکید تو کر دی نا کہ کل وہ ہماری طرف ضرور آئیں...... ہماری طرف سے تو آپ اور خالو

جان ہی ہوں گے ابو کے رشتے داروں میں پھپھو خالدہ اور تایا جان ہیں جنہوں نے ہماری غربت اور ابو کے رویے کی وجہ سے کبھی ہم سے ملنا گوارہ ہی نہیں کیا۔

اشتیاق چچا ہیں تو وہ تو لڑکے والے ہیں ویسے وہ کہہ رہے تھے تاریخ طے کرنے کے لئے رفعت چچی کے دونوں بھائیوں کو بھی ساتھ لائیں گے اور اگر تایا جان اور پھپھو نے آنا گوارا کیا تو انہیں بھی...... ماشاء اللہ کل گھر میں خوب رونق ہوگی...... خالہ! میں سوچ رہی تھی فرنی تو ہم تیار کر ہی چکے ہیں۔ بریانی کی تیار دیگ بازار سے منگوانا تھی اور قورمہ گھر میں تیار کرنا تھا کیوں نہ قورمہ بھی کسی ہوٹل سے تیار کروالیں۔ پیسے تو لگیں گے مگر وقت کی بچت ہو جائے گی۔ آپ کا کیا خیال ہے۔'' اس نے بڑی خوبصورتی سے موضوع بدل دیا تھا۔

''پاگل ہوئی ہو کیا...... سارا سامان آیا پڑا ہے اور ویسے بھی اتنے شارٹ نوٹس پر کون آرڈر لے گا۔'' حنا خالہ نے فوراً نکتہ نکالا۔

''اس بات کی فکر نہ کریں یہاں کئی ایسے ہوٹل ہیں جہاں سے شارٹ نوٹس پر کھانا بنوایا جا سکتا ہے۔''

''پھر بھی ثانیہ...... اتنا سامان بے کار جائے گا۔'' وہ شش و پنج کا شکار تھیں۔

''بے کار کیوں ہوگا۔ ہم یہی سامان دے کر کھانا بنوا لیتے ہیں صرف پکوائی کے پیسے دینا پڑیں گے اور صبح جلدی اٹھنا پڑے گا تا کہ علی الصباح آرڈر دیا جا سکے۔ میں نماز پڑھ کر باذل کو فون کر دوں گی جہاں سے اس نے بریانی اور نان کا آرڈر دیا ہے وہیں سے قورمہ بھی بنوا لے گا۔''

''باذل......'' حنا خالہ نے تعجب سے کہا۔

''بہت اچھا لڑکا ہے باذل! کہہ رہا تھا عادل بھائی میرے بھائی ہیں تو کیا ہوا۔ میں آپ لوگوں کا بھی تو بھائی ہوں وہ سب کام جو تیمور کو نبٹانے تھے وہ میں نبٹاؤں گا بس ایک ہی شرط ہے جب کھانا شروع ہوگا تو کوئی مجھے ٹوکے گا نہیں کہ اتنی پلیٹیں کیوں کھا رہے ہو۔

اصل میں بریانی کا بہت شوقین ہے بلکہ عادل تو اسے چڑا رہا تھا کہ اس کی اپنی شادی پر اگر دلہن کے گھر والوں نے بریانی تیار کروالی تو باذل فوراً ان مہمانوں میں شریک ہو جائے گا۔'' اس نے ہنستے ہوئے بتایا۔

''اللہ انہیں ہنستا بستا رکھے ماشاء اللہ بڑے اچھے اور نیک بچے ہیں۔ خصوصاً اس گھر کے لئے تو فرشتہ ہی ثابت ہو رہے ہیں ورنہ عانیہ نے تو......''

''اب ہمیں سو جانا چاہیے خالہ! صبح اٹھنا بھی جلدی ہے بے حد مصروفیت بھی رہے گی۔'' ثانیہ نے یوں ظاہر کیا گویا ان کی بات سنی ہی نہ ہو۔ حنا یہ بات سمجھتی تھیں سو خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

☆......☆......☆

گھنے تاریک جنگل میں روشنی کی رمق تلاش کرنا بھی ایک مرحلہ تھا گو کہ اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا مگر وہ جانتا تھا وہ کسی گھنے

جنگل کے سب سے وحشت ناک گوشے میں ہے۔اس کے پیروں میں بار بار لپٹتی خودرو گھاس، اس کے راستے میں بار بار حائل ہوتے درختوں کے تن آور تنے اور جنگلی جھاڑیوں کے اس کے جسم کو چھیدتے کانٹے اس بات کی دلیل تھے۔

یا شاید وہ کسی قبر کی گہرائی میں اپنا وجود اپنی زندگی کھو رہا تھا۔

اس نے محسوس کیا وہ سانس نہیں لے پا رہا تھا اس نے پوری قوت سے سانس لینے کی کوشش کی اس کی کوشش کے نتیجے میں ڈھیر ساری مٹی اسے اپنے نتھنوں میں گھستی محسوس ہوئی تھی۔

اس کا سارا وجود دکھ رہا تھا وہ حرکت نہیں کر پا رہا تھا اس نے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی وہ ناکام رہا۔

اس کا دم گھٹ رہا تھا تاریک کھائی کی گہرائی اسے نگل رہی تھی۔حنان نے چیخنا چاہا کسی کو مدد کے لئے پکارنا چاہا مگر اس کے حلق سے آواز نہیں نکلی۔

تبھی اسے سورج چمکتا دکھائی دیا سانس لینے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے سورج کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر جس طرح سورج کی روشنی اس کی دسترس میں نہیں تھی اسی طرح سورج بھی دور ہوتا چلا گیا۔

اس کا دل خوف سے بھر گیا۔ ہمیشہ کے لئے اسی تاریکی میں رہ جانے کا خوف۔اس نے اس بار پوری قوت لگا کر آنکھیں کھولنا چاہیں۔

''حنان......حنان۔'' روشنی کی کرنوں سے آواز نکل رہی تھی۔

خوف، بے بسی، تکلیف اور اب بے چینی۔معاً وہ روشنی اس کے چاروں جانب پھیل گئی۔

''حنان...... یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔'' ایک چہرہ اس پر جھکا ہوا تھا۔

''میری غلطی...... میں تمہیں بچا نہیں سکی...... مجھے معاف...... میں کیا...... تم تو بہت...... میں نے جان بوجھ کر...... میری وجہ سے ہوا...... میری غلطی میری لاپرواہی...... مجھے معاف میں......'' اس کا ذہن ایک بار پھر غنودگی میں ڈوب گیا تھا۔

اگلی بار اسکی آنکھ اس وقت کھلی جب اس نے ایک مانوس اور مہربان لمس کو اپنے ہاتھ کی پشت پر محسوس کیا۔یہ اسکی ماں کا لمس تھا۔

اس نے دیکھا وہ اس کے سرہانے بیٹھی تلاوت کر رہی تھیں ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔وہ آیات پڑھ پڑھ کر اس پر پھونک رہی تھیں۔اسے آنکھیں کھولتا دیکھ کر وہ بے چین ہوئی تھیں۔حنان نے محسوس کیا اسکی آنکھوں سے پانی کی دھار اس کی کنپٹیوں پر بہہ رہی تھی۔

اسے حیرانی ہوئی۔وہ آخر کیوں رو رہا تھا؟ شاید اپنی چوٹ کیوجہ سے یا...... یا اپنی ماں کی وجہ سے؟

جنہیں ہمیشہ اس نے تکلیف پہنچانے اور پریشان کرنے کی کوشش کی تھی۔

''ممی......'' اس نے آہستگی سے کہتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کی۔شمسہ لپک کر اس کے قریب آئی تھیں۔

”لیٹے رہو حنان...... تمہیں آرام کی ضرورت ہے میری جان!“ وہ اسے دوبارہ لٹانے کی کوشش کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

مگر حنان نے جیسے ان کی بات سنی ہی نہیں۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا وہ چند لمحے ان کی جانب دیکھتا رہا پھر بالکل غیر متوقع طور پر وہ ان سے لپٹ گیا اور رونے لگا۔

”آئی ایم سوری ممی......سوری فار ایوری تھنگ۔“ وہ چھوٹے بچے کی طرح ان سے لپٹا رو رہا تھا۔

شمسہ نے اپنے بیٹے کو بہت محبت سے اپنے بازوؤں میں لے کر تھپکنا شروع کر دیا مگر اسکی کیفیت سمجھنے میں انہیں کچھ وقت لگا تھا اور جب وہ اس کی کیفیت کا راز پا چکیں تو انہوں نے کچھ اور شدت و محبت سے اسے لپٹا لیا تھا۔ پہلے صرف حنان رو رہا تھا پھر وہ دونوں ماں بیٹا رونے لگے۔

ناول **بساطِ دل** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات آپ آنے والی ان تاریخوں (15th, 20th, 25th) میں پڑھ سکیں گے۔

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
سعدیہ عابد کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

جیتوں تو تجھے پاؤں

ہر ماہ کی 16 تاریخ کو کتاب گھر پر نئی اقساط پیش کی جائیں گی۔

kitaabghar.com

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
سحرش علی نقوی کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

ہم نوا تھے جو

ہر ماہ کی 10 تاریخ کو کتاب گھر پر نئی اقساط پیش کی جائیں گی۔

kitaabghar.com

اگلا دن ان سب کی توقعات سے کہیں زیادہ مصروف اور خوشگوار ثابت ہوا تھا۔

چونکہ ان کے یہاں شادی کی تاریخ طے کرتے ہوئے خاندان کے سبھی بڑے بزرگوں کی موجودگی ضروری ہوتی تھی اس لئے آج بھی گھر میں کسی چھوٹی موٹی تقریب کا سا اہتمام لگ رہا تھا۔ گو کہ اشفاق چچا نے بے حد اصرار کیا تھا کہ آپس میں ہی بیٹھ کر کوئی تاریخ مقرر کر لینا چاہیے مگر ثانیہ اور حلیمہ قطعاً ایسا نہیں چاہتی تھیں ان کا خیال تھا کہ جب ایک جائز اور نیک کام کیا جا رہا ہے تو کیوں نہ اسے زمانے کی روایات کے مطابق انجام دیا جائے۔

یوں بھی ثانیہ، شفق کے معاملے میں بہت حساس ہو رہی تھی۔ اس طرح آناً فاناً نکاح پر اس کی کیا کیفیت ہے وہ کم و بیش اس سے آگاہ تھی اور بالکل نہیں چاہتی تھی کہ کل کو وہ کسی قسم کے احساس کمتری کا شکار ہو۔ وہ اسے اس گھر سے رخصت کرتے ہوئے ویسا ہی اہتمام کرنا چاہتی تھی جیسا کہ وہ اپنی دوسری بہنوں کے لئے کرتی۔

رفعت چچی کے دونوں بھائی اور ان کی بیگمات آئی تھیں جبکہ خالدہ پھپھو اور احسان تایا جان بھی اپنی اپنی قسموں کو توڑتے ہوئے آ ہی گئے تھے۔ آخری بار وہ لوگ تیمور کی وفات پر آئے تھے اور غیروں کی طرح کچھ دیر بیٹھ کر چلے گئے تھے۔

اس روز بھی وہ لوگ آئے ضرور تھے مگر پر تکلف مہمانوں کی طرح بیٹھے رہے۔ تائی جان اور خالدہ پھپھو نے تو ان کے گھر کھانا کھانا بھی پسند نہیں کیا تھا وہ لوگ شاید اشفاق چچا کے اصرار پر صرف احسان کرنے آئے تھے اور وہی کر رہے تھے۔ ثانیہ جانتی تھی تائی اور خالدہ پھپھو یہاں سے جاتے ہی اشفاق چچا اور عادل کو اپنے فیصلے پر نظر ثانی کے لئے اکسائیں گی مگر اسے پرواہ نہیں تھی۔

نظر ثانی بھی ہمیشہ حتمی فیصلے سے پہلے کی جاتی ہے اور حتمی فیصلہ نکاح کی صورت میں ہو چکا تھا۔

امی کی طبیعت بھی آج بہت خوشگوار تھی انہوں نے آج بولنے کی کوشش بھی کی تھی اور جس طرح بھی ہو سکا حنا خالہ سے باتیں بھی کرتی رہی تھیں۔ اس وقت بھی وہ سب کے درمیان موجود تھیں اور حنا خالہ کے سہارے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

''اسی مہینے کی سترہ اور چاند کی بارہ تاریخ کیسی رہے گی ٹھیک دو ہفتے بعد......'' اشفاق چچا کہہ رہے تھے۔

حلیمہ نے بائیں طرف بیٹھی ثانیہ کے گھٹنے پر دباؤ ڈال کر اسے بولنے کے لئے اکسایا۔ خود تو وہ بول نہیں سکتی تھیں جس طرح ان کی باقی ذمہ داریاں یا فرائض ثانیہ کو منتقل ہو گئے تھے اسی طرح بولنے کا فریضہ بھی اب اسی کو انجام دینا تھا۔

''ایک ہفتہ مزید آگے کر لیں چچا، تب تک کشف کے پیپرز بھی ختم ہو جائیں گے اور ہمیں شادی کی تیاریاں کرنے کے لئے کچھ وقت بھی مل جائے گا۔''

''یہ کشف کے ایگزام والی بات تو دل کو لگتی ہے مگر تیاریوں والی بات کچھ حلق سے اتر نہیں رہی۔'' چچا نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔

''میری بات غور سے سنو ثانیہ! عادل نے بھی خصوصیت سے پیغام بھجوایا ہے کہ ہمیں جہیز کے نام پر سوئی تک نہیں چاہیے اللہ کا دیا سب کچھ ہے ہمارے گھر میں۔ ویسے بھی شفق تو کچھ عرصہ بعد ہی عادل کے ساتھ جاپان چلی جائے گی تو اس کے جہیز کا سامان کون استعمال کرے گا البتہ اپنے کپڑے وغیرہ بنانا چاہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ گو کہ ضرورت تو اس کی بھی نہیں ہم اپنی بہو کے جوڑے خود تیار کروائیں گے۔'' رفعت چچی کہہ رہی تھیں۔

''کیا مطلب...... شفق عادل کے ساتھ جاپان چلی جائے گی؟'' خالدہ پھپھو نے اچھنبے سے پوچھا۔

''ظاہر ہے آپا!'' رفعت چچی نے مسکرا کر کہا۔

''جہاں اس کا شوہر رہے گا وہیں وہ بھی رہے گی نا۔''

''شاباش ہے بھئی تم لوگوں سے بھی...... بڑی بہو کو اٹھا کر وہاں بھجوا دو گی...... باذل کی شادی میں تو ابھی کافی سال ہیں۔ بڑی بہو کے تو سو چاؤ لاڈ ہوتے ہیں یا زبردستی کی بہو کو سر سے اتار پھینکنے کا بہانہ ڈھونڈ رہی ہو۔'' خالدہ پھپھو نے بظاہر لطیف سے انداز میں کہا مگر ان کے طنز نے سب کو ہی خاموش کروا دیا تھا۔

''کیسی باتیں کر رہی ہیں آپا!'' اشفاق چچا نے گڑبڑا کر کہا۔

''ہم شفق کو پوری دلی آمادگی سے اپنی بہو بنا رہے ہیں۔ زبردستی کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا...... آپ پلیز دوبارہ اس طرح کی فضول بات نہ کریں۔'' انہوں نے خفگی سے کہا۔

''ارے ہم کیوں فضول باتیں کرنے لگے...... اونہہ...... بھلائی کا تو زمانہ ہی نہیں ہے۔'' وہ منہ پھلا کر بیٹھ گئیں۔

''تو پھر تیئس کو فائنل سمجھیں؟'' حنا خالہ نے فٹافٹ موضوع بدل دیا۔

''کیوں بھائی صاحب! بائیس کی مہندی، تیئس کی بارات اور چوبیس کا ولیمہ...... مگر خدارا اس سے زیادہ لیٹ نہ کیجیے گا چھبیس کی تو ہماری واپسی کی سیٹیں کنفرم ہیں۔''

''بالکل فائنل سمجھیں۔ اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ آپ لوگ بھی شفق بیٹی کو اپنی دعاؤں کے سائے میں رخصت کریں۔'' چچا جان نے خوشدلی سے کہا۔

''مبارک ہو...... لیجیے منہ میٹھا کیجیے۔'' ثانیہ نے جلدی سے مٹھائی کی قاب کی جانب ہاتھ بڑھایا مگر حنا خالہ نے اسے روک دیا۔

''ایک منٹ ثانیہ! میں اور اطہر ایک ضروری بات کرنا چاہتے ہیں۔'' انہوں نے کہا۔ ثانیہ رک کر ان کی طرف دیکھنے لگی شعوری لاشعوری طور پر سب ہی ہمہ تن گوش ہو گئے تھے۔

''گو کہ میرا اور اطہر کا خیال تھا ابھی یہ بات نہ کی جائے بچے کچھ بڑے ہو جائیں اپنی ذمہ داریوں کو بہ احسن طریقے سے سمجھنے لگیں

تبھی یہ بات چھیڑی جائے مگر یہاں ماشاء اللہ اتنا خوشی کا ماحول بنا ہوا ہے کہ میں خود کو بات کرنے سے روک نہیں پا رہی۔ ویسے بھی مجھے لگتا ہے حلیمہ آپا کو بیٹیوں کی ذمہ داری پورے ہونے کا احساس سے زیادہ اور کوئی بات خوشی نہیں دے سکتی۔''

''اے بہن! اب بول بھی چکو...... اور کتنی لمبی تمہید باندھو گی۔'' تائی جان نے اکتا کر کہا۔ حنا خالہ شرمندہ سی ہو گئیں۔

''اصل میں، میں یہ کہنا چاہ رہی تھی بہن جی کہ کشف کو اپنی بیٹی بنانا چاہتی ہوں اگر حلیمہ آپا اور الیاس بھائی کو کوئی اعتراض نہ ہو تو۔''

ثانیہ تو بے یقین ہو کر ان کا چہرہ دیکھنے لگی خود حلیمہ کی یہی کیفیت تھی۔ اتنی بڑی خوشی۔ وہ بھی اچانک۔

''اے لو بی بی! یہ خوب کہی۔'' خالدہ پھپھو کی طرح تائی جان کو بھی لوگوں کو شرمندہ ہوتا دیکھنا بڑا اچھا لگتا تھا سو اس بار بھی نکتۂ اعتراض انہی کی جانب سے اٹھایا گیا تھا۔

''ہم تو سمجھے اتنی لمبی چوڑی تمہید بہن کا بوجھ بانٹنے کی غرض سے کر رہی ہو وہ تو اب سمجھے یہاں بھی چھانٹی ہو رہی ہے باقاعدہ......''

''اور نہیں تو کیا...... ابھی تو بڑی بیٹھی ہیں تم نے تو حد کر دی۔ چلو منجھلی کو ہی مانگ لیتیں مگر یہاں تو سوال ہی سب سے چھوٹی کا کیا جا رہا ہے۔'' اب کی بار حنا خالہ کو ان کا انداز ناگوار لگا۔

''اللہ نہ کرے جو میں یہ چھانٹی شانٹی جیسا جاہلانہ کام کروں اور جہاں تک کشف کا سوال ہے تو میں آپ کو بتا دوں۔ میرا بڑا بیٹا تو ابھی خود اے لیولز کر رہا ہے زیادہ بھی ہوا تو کشف سے ڈیڑھ سال بڑا ہو گا اور زینب سے تقریباً دو سال چھوٹا...... اب آپ خود ہی بتایئے جس کا جوڑ بیٹھتا ہے اس کا عندیہ نہ دوں تو کیا کروں؟

ویسے بھی میرا کوئی بڑا بیٹا بھی ہوتا تو میں بخوشی اس کی شادی اپنی بھانجیوں سے کرتی...... اتنی تنگ دل نہیں ہوں کہ کسی مشکل میں اپنی بہن کو اکیلا چھوڑ دیتی۔ یہ کم ظرفوں کی نشانی ہے میں تو ایسے لوگوں کو بھی جانتی ہوں جو مشکل گھڑی میں اپنوں کو چھوڑ کر الگ ہو جاتے ہیں اپنا اچھا مال پہلے ہی ایک طرف لگا دیتے ہیں اور دوسروں کو نصیحتیں کرتے نہیں تھکتے۔''

واہ خالہ کیا بولی تھیں۔ ثانیہ کو تو اندر ہی اندر گدگدی ہو رہی تھی۔ خالدہ پھپھو اور تائی جان کی شکل دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

''آپ لوگ کس بحث میں الجھ رہے ہیں۔'' اطہر خالو کو کہنا پڑا۔

''بتایئے بھائی صاحب! آپ لوگ بڑے ہیں جو بھی فیصلے کریں گے بچی کی بھلائی کے لئے کریں گے ہمارے بیٹے ہارون سے تو آپ مل ہی چکے ہیں۔''

''جی جی...... ماشاء اللہ بہت سلجھی ہوئی طبیعت کا بچہ ہے مگر ہم فیصلہ کیسے کر سکتے ہیں۔ کشف کے ماں باپ موجود ہیں۔ حتمی فیصلہ تو انہی کا ہو گا۔'' تایا جان نے پہلی بار دلچسپی لی تھی۔

''میں کیا کہہ سکتا ہوں...... کشف کی ماں سے ہی پوچھ لو۔'' الیاس تو سب کا رخ اپنی طرف دیکھ کر گھبرا ہی گئے۔ حلیمہ پہلے ہی

ثانیہ کا ہاتھ دبا کر اپنا عندیہ دے چکی تھیں۔

''ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے خالو جان۔'' اس نے کھل کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''چلیں بھئی...... پھر سب کو بے حد مبارک ہو۔ بچے ذرا تعلیمی مدارج طے کر لیں پھر باقاعدہ منگنی ونگنی بھی کر لیں گے۔'' خالو جان نے مٹھائی کی قاب اٹھاتے ہوئے کہا۔

گھر مبارک سلامت کے شور سے گونج اٹھا۔ تقریب ایک تھی خوشیاں ڈبل ہو گئیں۔

اس نے امی کو گلے لگا کر مبارک باد دی پھر حنا خالہ کو ان کا خیال رکھنے کی تاکید کرتی باہر آ گئی۔ نرمین چائے کی ٹرے سنبھالے اندر داخل ہو رہی تھی۔

''شفق کہاں ہے؟''

''اوپر اسٹور میں۔''

ثانیہ نے کچن میں جا کر دو کپوں میں چائے نکالی ایک پلیٹ میں چند ٹکڑے مٹھائی کے رکھے اور سیڑھیاں عبور کر کے اوپر آ گئی۔

اسٹور روم کی لائٹ بند تھی اور شفق سامنے والی منڈیر پر اوپر نیچے ہتھیلیاں رکھے اور ان پر ٹھوڑی ٹکائے نیچے صحن میں پودے تلاش رہی تھی۔ آسمان پر اکا دکا بادلوں کے ٹکڑے تھے اور ڈھیروں ستارے، چاند کی آخری تاریخیں تھیں، سو چاند بڑے جتن کے بعد دنیا کو رونق بخشتا۔

ٹھنڈی یخ ہوا کے قدموں سے گل چین کی پائلیں بندھی تھیں۔

''یہاں اندھیرے میں کیوں کھڑی ہو؟...... نیچے سب تمہیں پوچھ رہے ہیں۔'' ثانیہ لائٹ جلانے کے ارادے سے سوئچ بورڈ کی طرف بڑھی۔

''ثانیہ! لائٹ مت جلانا۔'' شفق نے اس کا ارادہ بھانپ کر اسی پوزیشن میں کھڑے روک دیا۔

ثانیہ نے اس کے قریب آ کر پہلے اس کا کپ منڈیر پر رکھا پھر اپنا کپ اور مٹھائی کی پلیٹ بھی رکھ دی ساتھ ہی ایک گلاب جامن اس کی طرف بڑھاتے ہوئے خوشدلی سے بولی۔

''لو منہ میٹھا کرو...... تیئیس فائنل ہو گئی ہے۔''

شفق نے نظروں کا زاویہ بدلتے ہوئے گلاب جامن کی طرف دیکھا۔ چند لمحے وہ اسی طرح دیکھتی رہی اس کی آنکھیں بالکل بے تاثر تھیں۔

اس نے آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر گلاب جامن لے لیا اور ثانیہ کی طرف دیکھ کر بے بسی سے بولی۔

''مجھے تیمور بہت یاد آ رہا ہے۔''

''مجھے بھی......'' وہ مٹھائی کا ایک اور ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے سادگی سے بولی ساتھ ہی کپ لبوں سے لگالیا۔

''پتا ہے ثانیہ! تیمور نے کبھی مجھ سے نہیں کہا تھا کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے...... میں نے بھی کبھی نہیں کہا...... کبھی کہنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی...... جیسے کچھ باتیں...... یا کچھ چیزیں...... عادتیں کہہ لو ہماری تخلیق کے ساتھ ہی ہمارے خمیر میں ڈال دی جاتی ہیں۔ ہم کوشش کریں یا نہ کریں۔ وہ کام جو عادتیں ہمیں نبھانا ہی پڑتی ہیں۔ زبردستی یا خود پر جبر کر کے نہیں...... خود بخود آٹومیٹکلی جیسے سانس لینے کا عمل۔

تیمور کے لیے میری محبت بھی ایسی ہی تھی جیسا میرا سانس لینا ضروری ہے ویسے ہی محبت بھی ضروری ہے تیمور سے۔ اللہ کو تو یہ سب باتیں پتا تھیں ثانیہ...... وہ جانتا تھا تیمور میرے لئے کتنا ضروری ہے پھر بھی...... پھر بھی اس نے۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں تھے مگر آواز رندھ گئی تھی۔

''وہ اس لیے کیونکہ اللہ تمہیں تیمور سے بہتر شخص...... نوازنا چاہتا تھا۔'' ثانیہ نے محبت سے کہا لیکن شفق ششدر سی ہو کر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''تم کہنا چاہتی ہو تمہارا بھائی بہتر نہیں تھا؟''

''نہیں میں یہ نہیں کہنا چاہتی۔'' اس نے نرم لہجے میں کہا۔

''میں یہ کہنا چاہتی ہوں اگر تیمور زندہ ہوتا تو یقیناً وہی تمہارے لئے بہترین چوائس ہوتا لیکن اب وہ نہیں ہے شفق! تو تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ نے یقیناً تمہارے لیے اس سے بہتر شخص کا انتخاب کیا ہوگا...... ہم اپنا برا چاہ سکتے ہیں اللہ تو کبھی ہمارا برا نہیں چاہتا ہمارے فیصلے غلط ہو سکتے ہیں لیکن اللہ کا فیصلہ کبھی غلط نہیں ہوتا اور تم مان لو شفق! تمہارا اور عادل کا رشتہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ ایک منٹ کے لئے تم خود سوچو اگر ہم انسانوں کو کوئی اختیار دیا جاتا تو کیا ہم اتنا بہترین فیصلہ کر پاتے۔''

''پتا نہیں کیا کہہ رہی ہو...... مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی۔'' شفق نے اکتا کر کہا۔

''اچھا...... تم نے عادل بھائی کو راضی کیسے کیا؟'' بہت دیر سے دل میں دبا ہوا سوال زبان پر آہی گیا۔

''میں نے راضی نہیں کیا۔'' ثانیہ نے چائے کا سپ لیتے ہوئے کہا۔

''یہ چچا جان اور عادل کا اپنا فیصلہ تھا ان دونوں نے مجھ سے خود کہا میں تو خود تمہیں بچانے کے لیے کوئی حل ڈھونڈ رہی تھی۔ یقین کرو جب چچا جان نے مجھ سے کہا کہ تمہارا اور عادل کا نکاح کر دیا جائے تو میں اتنی خوش ہوگئی تھی کہ اگر اس وقت کوئی مجھے خوشی میں کسی بلند مینار سے کودنے کا بھی کہہ دیتا تو شاید میں کر گزرتی۔'' وہ اپنی اس وقت کی کیفیت کو یاد کرتے ہوئے خود ہی ہنس رہی تھی۔

''اور چچی جان...... میرا مطلب انہوں نے اعتراض نہیں کیا؟''

''قطعاً نہیں۔'' اس نے ایک ہی لفظ میں معاملہ نبٹایا۔

”وہ لوگ ہم سے خفا ضرور تھے بلکہ اسے خفگی بھی نہیں کہنا چاہیے۔ عانیہ کی وجہ سے ان لوگوں کی بھی بے عزتی ہوئی تھی اور وقتی طور پر انہیں غصہ ضرور آیا تھا مگر وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو گیا اور ویسے بھی ہماری تو کوئی غلطی نہیں تھی۔“

”اگر ان لوگوں کی خفگی دور ہو گئی تھی تو ہم سے دوبارہ ملنا ملانا کیوں شروع نہیں کیا۔ امی اتنا بیمار رہیں کوئی عیادت کے لیے بھی نہیں آیا۔“

”ان کے اپنے گھر کی کچھ پریشانیاں تھیں عادل کی جاب چھوٹ گئی تھی چچا جان خود بہت بیمار رہے۔ جس طرح ان کی بیماری کی اطلاع ہم تک نہیں پہنچی اسی طرح ان تک بھی نہیں پہنچی۔ ویسے بھی ٹوٹے ہوئے رشتوں کو دوبارہ سے جوڑنے کے لئے بھی بڑی ہمت چاہیے ہوتی ہے۔ ایک پارٹی اپنی طرف سے کوئی فیصلہ کرے تو معاملے نہیں نبٹتے۔ دونوں پارٹیوں کا ایک پوائنٹ پر آمادہ ہونا اور پیش رفت کرنا ضروری ہوتا ہے۔“

”تم اتنی جلدی اپنے دل کو مطمئن کیسے کر لی ہوتی ثانیہ! میں تو نہیں کر پاتی۔“

”پتا نہیں شاید اللہ کا کوئی خاص کرم ہے مجھ پر۔“ اس کا انداز بے حد سادہ تھا۔

”بلکہ اللہ تو ہر ایک پر ہی کرم کرتا ہے۔“ اس کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔

”سنو..... تم بھی کر سکتی ہو شفق! زندگی کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں یہ بھی تو سوچو جو مر جائے اس کے ساتھ مرا نہیں جاتا خدانخواستہ تیمور کی جگہ تم...... اور تمہاری جگہ وہ ہوتا تو وہ بھی شادی ضرور کرتا ہاں تمہاری یادوں کو دل کے کسی کونے میں ضرور رکھتا۔“

”مسئلہ صرف میری شادی کا نہیں ہے ثانیہ!“ اس نے لاچاری سے کہا۔

”مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ عادل بھائی کے ساتھ بہت زیادتی ہو رہی ہے۔ وہ عانیہ کو پسند کرتے تھے۔“

”تم اس بڈھے کھوسٹ سے شادی ہونے پر خوش تھیں۔ عادل اس سے سو درجہ بہتر ہے بے وقوف لڑکی۔“

”جانتی ہوں۔“ وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دی ایسی ہنسی جس میں دکھ کی جھلک صاف دکھائی دیتی تھی۔

”مگر میری شادی اسی سے ہو جانا چاہیے تھی۔ اس نے مجھے پیسوں سے حاصل کرنا تھا۔ عادل بھائی کا اور میرا تعلق بھی روپوں کی بنیاد پر ہو رہا ہے۔ میرے لیے تو ایک سی صورتحال ہے۔ ساری زندگی کسی نہ کسی کے احسان کا بوجھ تو اٹھانا ہی تھا۔ اس سے شادی ہوتی تو کم سے کم کسی کے سر زبردستی تھوپ دیے جانے کا احساس تو نہ ہوتا۔“ وہ اداسی سے بول رہی تھی۔

”شفق! تم پاگل ہو بالکل۔“ ثانیہ نے جھنجھلا کر کہا۔

”بالکل ٹھیک......“ ان کے عقب سے آواز آئی تھی وہ دونوں تڑپ کر پلٹیں۔ عادل عین سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

”اگر اجازت ہو تو شفق کی اس آخری بات کا جواب میں دے دوں؟“ وہ شگفتہ انداز میں ثانیہ سے مخاطب تھا جبکہ شفق پر گڑھوں

پانی پڑ چکا تھا یہ خیال ہی کس قدر شرمندہ کرنے والا تھا کہ عادل سب باتیں سن چکا تھا۔

''مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔'' ثانیہ نے کچھ سوچتے ہوئے شفق کی جانب دیکھا جس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور ثانیہ کی بات سن کر تو گویا اس کے ہاتھ پیر ہی پھول گئے۔

اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے کرتے ہوئے اور بڑے غیر محسوس انداز میں گردن ہلاتے ہوئے ثانیہ کو اس کے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر وہ بے حد ''چالاک، بدتمیز'' اور فضول لڑکی تھی کم سے کم شفق کو اس وقت یہی لگا۔

''مگر یاد رہے گھر میں کافی سارے مہمان موجود ہیں۔ خالدہ پھپھو اور تائی جان بھی...... دونوں خواتین میں سے کسی ایک کو بھی بھنک پڑ گئی کہ تم دونوں اوپر ہو تو قیامت آ جائے گی۔'' شفق کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے شرارتی انداز میں عادل کو گویا وارن کیا تھا۔

''میں ان چھوٹی موٹی قیامتوں سے نہیں ڈرتا...... بلکہ یوں سمجھو خود کو ذہنی طور پر تیار کر رہا ہوں آخر کچھ روز بعد چار چار قیامتوں کا سامنا کرنا ہے جو میرا جوتا چھپا کر اچھا خاصا نیگ وصول کریں گی۔'' اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ثانیہ ہنسنے لگی۔ شفق نے اس بار اس کا ہاتھ دبا ڈالا تھا۔

''گھر میں اتنے سارے مہمان ہیں، مجھے کئی کام نبٹانے ہیں۔'' شفق سے ہاتھ چھڑواتے ہوئے اس نے بڑے مزے سے کہا اور ہنستے ہوئے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

''تھینک یو سو مچ سالی صاحبہ! یہ جو فیور آپ ہمیں دے رہی ہیں ساری زندگی یاد رہے گی۔ دیکھ لینا تمہاری دفعہ سود سمیت واپس لوٹاؤں گا۔'' عادل نے متبسم لہجے میں کہا۔

''واقعی؟...... چلو اسی وعدے کے بدلے میں تمہیں اچھی سی چائے پلواتی ہوں۔'' اس نے گویا احسان کیا تھا۔

''میں کھانا بھی کھاؤں گا۔'' عادل نے اسے آواز دیتے ہوئے کہا پھر شفق کی طرف متوجہ ہوا جس کے چہرے پر لکھی بدحواسی و گھبراہٹ اس نیم تاریکی میں بھی بخوبی پڑھی جا سکتی تھی۔

''اب بتاؤ...... کیا کنفیوژنز ہیں تمہارے؟'' منڈیر پر کہنیاں رکھتے ہوئے اس نے گہری نظر سے شفق کا چہرہ دیکھا۔

''کک...... کوئی کنفیوژن نہیں ہے عا...... عادل بھائی۔'' ہاتھ میں پکڑے گلاب جامن پر نظریں ٹکائے اس کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی۔ عادل نے کچھ نہیں کہا وہ سامنے دیکھنے لگا۔

ان دونوں کے مابین چند لمحوں کے لئے خاموشی اتنی گمبھیرتا سے حائل ہوئی کہ ہوا سے ہولے ہولے لرزتے پتوں کی سرسراہٹیں بھی شور بن گئیں۔

پھر عادل نے کہنا شروع کیا۔

''سنو شفق! میں بہت عام سا اور سادہ مزاج انسان ہوں۔ ٹیڑھے میڑھے راستے نہ آج تک مجھے اچھے لگے ہیں نہ میں کسی اور کے راستوں میں کانٹے بونے کی کوشش کرتا ہوں۔

میں آج یہاں صرف تمہارے لیے آیا ہوں کیونکہ مجھے کل ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ تم خوش نہیں ہو اور شاید احساس کمتری کا شکار ہو رہی ہو حالانکہ تمہیں نہیں ہونا چاہیے شفق! میں مانتا ہوں ہم دونوں بڑے عجیب انداز سے ایک دوسرے کی زندگی میں داخل ہوئے ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں نے کوئی احسان کیا ہے اور تم خود کو میرا احسان مند سمجھتے ہوئے احساس کمتری کا شکار ہو جاؤ۔

انسان جب کسی کو خود پر برتری دیکھتا ہے تو احساس کمتری میں مبتلا ہوتا ہے۔ تم اور میں تو برابر ہیں شفق...... میں تم سے کسی معاملے میں برتر نہیں ہوں۔ میں معمولی شکل و صورت کا ہوں بہت ہینڈسم نہیں ہوں۔ مالی اعتبار سے گو کہ بہت سوں سے اچھا ہوں مگر تمہاری ہر خواہش پوری کرنے کا دعوا میں نہیں کر سکتا۔ البتہ ایک دعوا میں کر سکتا ہوں اور وہ یہ کہ میں ساری زندگی تم سے مخلص رہوں گا میری زندگی میں کوئی دوسری عورت اپنی جگہ نہیں بنا پائے گی۔

گو کہ میں ابھی یہ نہیں کہوں گا میں تم سے والہانہ محبت کرتا ہوں لیکن میں تم سے محبت کروں گا۔ یہ وعدہ ہے تم سے، اپنی بیوی سے محبت نہیں کروں گا تو کس سے کروں گا؟

دوسری بات یہ کہ تایا جان کو پیسے دے کر میں نے کوئی احسان نہیں کیا۔ تایا جان مجھ سے ویسے بھی پیسے مانگتے تو میں دے دیتا۔ اگر کسی کو میرا احسان مند ہونا چاہیے تو وہ تایا جان ہیں تم نہیں۔ باقی بات رہی۔ عانیہ کی تو؟'' اس نے توقف کیا۔ شفق نے اپنا دل کسی کی مٹھی میں سکڑتا محسوس کیا۔ گو کہ وہ جانتی تھی جلد یا بدیر عانیہ ان کے درمیان موضوع گفتگو بنے گی مگر پتا نہیں کیوں اس وقت عجیب سا لگا تھا۔

''بچپن سے جس کا نام اپنے نام کے ساتھ سنا ہو اس سے محبت ہو جانا بڑی فطری بات ہے۔'' عادل نے آہستگی سے کہنا شروع کیا مگر اس کا لہجہ بے تاثر تھا۔

''میں نے کبھی کسی دوسری لڑکی کی طرف نہیں دیکھا کبھی کسی اور کو نہیں سوچا وقتی یا جذباتی طور پر بھی نہیں...... کیونکہ میں خود کو اخلاقی طور پر عانیہ کا پابند محسوس کرتا تھا۔ کسی اور لڑکی کے متعلق سوچنا اسے دھوکہ دینے کے برابر ہوتا۔ میں خود کو خائن محسوس کرتا۔ مجھے اس سے محبت تھی شفق...... یہ نہیں کہ نہیں تھی، تھی ضرور تھی اب نہیں ہے۔'' اس نے کندھے اچکا کر لاپروائی سے کہا۔

''جتنا اس نے مجھے ذلیل کروایا ہے اس کے بعد کوئی خبطی ہوتا اگر اس سے محبت کرتا رہتا۔ ممکن ہے تمہیں یہ میری خود غرضی یا تنگ دلی لگے۔ لیکن جو انسان آپ کی محبت کی قدر نہیں کر سکتا وہ آپ کی محبت بھی ڈیزرو نہیں کرتا۔ عانیہ اس گھر سے جاتے ہوئے اپنے ساتھ عزت نہیں لے کر گئی وہ اس محبت کو بھی لے گئی جو میرے دل میں اس کے لیے تھی۔ میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔ کبھی بھی نہیں۔

اس نے مجھے چھوڑ دیا تو مجھے اس کے جوگ میں تنہا زندگی نہیں گزارنا تھی۔ تم سے شادی نہ کرتا تو کسی اور سے کرتا۔ کسی انجان لڑکی

کے ساتھ بنا محبت کے ایک نئی زندگی کا آغاز کرتا اور اس زندگی کو محبت سے خوبصورت بناتا۔ دنیا میں ہر انسان محبت کی شادی نہیں کرتا شفق! بہت سے لوگ شادی کے بعد محبت کرتے ہیں۔

ہم بھی یہیں کریں گے اور تم دیکھ لینا ہم بہت سے اور دوسرے لوگوں سے زیادہ اچھی اور خوشگوار زندگی گزاریں گے۔ ان شاء اللہ۔'' بے حد صدق دل سے کہتے ہوئے اس نے گردن موڑتے ہوئے شفق کی طرف دیکھا۔ وہ سر جھکائے ہاتھ میں گلاب جامن پکڑے بیٹھی تھی اور آنسو لگاتار اس کے گالوں پر بہہ رہے تھے۔

''کیا میں یہ سمجھوں تم مجھ سے شادی پر خوش نہیں ہو؟'' عادل نے سنجیدگی سے پوچھا اس نے سابقہ انداز میں شدت سے نفی میں سر ہلا دیا۔

''تو پھر؟''

''مجھے نہیں پتا عادل بھائی! میں کیا محسوس کر رہی ہوں۔'' اس نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا۔

''مجھے لگتا ہے اللہ نے مجھے پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ میں ساری زندگی اپنے اردگرد رہنے والوں کی احسان مند رہوں۔ میرے ماں باپ نہیں تھے تو اس گھر نے مجھے پناہ دی...... اب آپ نے مجھے بچا لیا۔ میں جانتی ہوں آپ نے جو وعدے کیے ہیں انہیں ضرور پورا کریں گے اور مجھے اچھی زندگی فراہم کریں گے...... اور اس کے لیے بھی میں ساری زندگی آپ کی احسان مند رہوں گی۔''

عادل اس کی بات سن کر مسکرایا تھا۔

''تم مجھ سے مخلص رہنا...... مرد کو عورت کی احسان مندی نہیں اس کی پاکیزگی اور خلوص چاہیے ہوتا ہے۔''

''آ...... آپ جانتے ہیں۔'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''میں تیمور کو پسند میرا مطلب۔''

''ہاں جانتا ہوں۔'' عادل نے سہولت سے کہا۔

''اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تیمور اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ جب ایک جگہ خالی ہوتی ہے تو اس جگہ کو پر کرنے کے لیے کسی دوسرے کو آنا پڑتا ہے۔ تمہارے دل کی پوسٹ خالی تھی اور مجھے یہ پوسٹ بنا درخواست کے ہی مل چکی ہے۔ مجھے یقین ہے اس پوسٹ سے وابستہ مراعات بھی مجھے جلد ہی مل جائیں گی۔'' اس کا انداز خوشگوار تھا۔

''تیمور تمہارا کل تھا شفق! ہمیں آج میں زندگی گزارنا ہے۔ مجھے ایک ایسے شخص سے کیا پرخاش ہو سکتی ہے جو اب اس دنیا میں ہے ہی نہیں البتہ یہ ضرور چاہتا ہوں کہ تم مجھے یقین دلاؤ میں تمہاری زندگی میں آنے والا آخری مرد ہوں گا اور یہ بھی کہ تم ساری زندگی مجھ سے مخلص رہو گی۔ عانیہ نے مجھے ان سیکیور کر دیا ہے۔ مجھے تم سے وعدہ چاہیے۔'' عادل نے ہاتھ بڑھایا۔ شفق نے اثبات میں سر ہلاتے

ہوئے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''تھینکس ......'' عادل ہنس دیا شفق اور شدت سے رونے لگی۔

''اب کیوں رو رہی ہو؟'' عادل نے حیرانی سے پوچھا۔

''کوئی اور بات ہے دل میں؟ پلیز ابھی کہہ دو، میں زندگی میں بار بار یہ باتیں دوہرانا نہیں چاہتا۔'' اس نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے عادل بھائی مجھے خود نہیں پتا میں کیا محسوس کر رہی ہوں یہ آنسو، یہ تو خود بخود آنکھوں میں آ رہے ہیں مصیبت کہیں کے۔'' اس نے بے حد معصومیت و لاچاری سے کہا اور پہلی بار...... ہاں پہلی بار عادل کو اپنا دل اپنے ہاتھوں سے نکلتا محسوس ہوا تھا۔

''لیکن مجھے ایک بات پتا ہے۔''

شفق نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔

''سنا ہے بھائی کہنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور تم اب تک تین بار مجھے بھائی کہہ چکی ہو ایک بار اور کہا تو......'' اس نے معنی خیز انداز میں بات ادھوری چھوڑ دی۔

شفق جھینپ کر ہنس دی۔ تب عادل چند قدم آگے بڑھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر گلاب جامن کا ایک ٹکڑا لے لیا۔

''یہ ہماری شادی کی تاریخ طے ہونے کی خوشی میں تھا میں نے اس خوشی میں سے اپنا حصہ لے لیا ہے باقی تمہارا ہے۔ ہم ساری زندگی اپنی خوشیاں اپنے غم اس گلاب جامن کی طرح آپس میں بانٹتے رہیں گے انشاء اللہ۔''

اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ شفق اس کی اس درجہ بے تکلفی پر ہکا بکا رہ گئی اتنا خیال بھی نہ رہا کہ بے تحاشا حیرانی سے کھلا ہوا اپنا منہ ہی بند کر لے۔

''میں نے کہا تھا ہم دونوں برابر ہیں کوئی کسی سے برتر نہیں ہے۔'' وہ جاتے جاتے ایک پل کے لئے رکا اور پلٹا۔

''میں نے غلط کہا تھا...... ہم برابر نہیں ہیں تم بہت خوبصورت ہو۔'' اس نے مبہم لہجے میں کہا اور سیڑھیاں عبور کر گیا۔

شفق کا منہ حیرانی سے کھلا رہ گیا تھا اب حد درجہ حیرانی سے بند ہو گیا۔ چند لمحے وہ اسی طرح کھڑی رہی پھر اس نے گلاب جامن کے باقی ٹکڑے کو دیکھا جو اس کے ہاتھ میں تھا اور جس سے عادل اپنا حصہ لے جا چکا تھا۔

شفق نے جھجکتے ہوئے وہ ٹکڑا اپنے منہ میں رکھ لیا اور سابقہ انداز میں دیوار سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ آخری تاریخوں کا بے ڈھب سا چاند آسمان کے کنارے تیزی سے بلند ہو رہا تھا اور دودھیا کرنوں کا جال سا ہر طرف پھیلنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

گیتی دم بخود، بخت پیرزادہ کو دیکھ رہی تھی جو اپنی بات مکمل کر کے اب سگار سلگا رہا تھا۔

''اتنی بے تکلفی سے کیوں دیکھ رہی ہو؟'' پیرزادہ نے گہرا کش لگا کر دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے بے حد سنجیدگی سے پوچھا۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں۔ میں اس شخص کے ہاتھ کٹوا دوں گا جس نے تمہارا یہ حشر کیا ہے۔ اس کی ہمت کیسے ہوئی کہ تمہیں ٹارچر کرے۔'' اس کا لہجہ برہم و سنگین تھا۔

''اور تمہیں بھی ہماری محبت...... ہمارے جذبوں کا اعتبار نہ آیا گیتی آرا بیگم! ایک دفعہ کہہ کر تو دیکھا ہوتا کہ اس دو ٹکے کے انسان کی جرأت اتنی بڑھ چکی ہے۔ ایسا مزا چکھاتا کہ دوبارہ کبھی تمہیں ہاتھ لگانے کی ہمت نہ کرتا۔''

گیتی کا دل اس وقت بلیوں اچھل رہا تھا اس نے شکل سے ہی بے وقوف اور ناکارہ دکھائی دینے والے اس شخص کو آخری امید کے سہارے پکارا تھا۔

اس کے پاس کوئی بہتر چوائس ہوتی تو یقیناً وہ کبھی پیرزادہ سے مدد نہ لیتی۔ مگر اس کو اپنی کامیابی کی امید محض دس فیصد تھی۔ مظہر کی مہربانی سے اس کی جھوٹی کہانی میں حقیقت کے رنگ بھر گئے تھے اور یہ کہانی اتنی حقیقی دکھائی دینے لگی تھی کہ پیرزادہ اس کے زخم دیکھ کر تڑپ اٹھا تھا۔

''جذبوں پر اعتبار کی بات نہ کریں پیرزادہ صاحب!...... اگر اعتبار نہ ہوتا تو کیا میں آپ کو اپنا شریک غم کرتی...... یہ تو آپ کی بڑائی ہے کہ ہمیں یاد رکھتے ہیں ورنہ کہاں آپ اور کہاں میں، آپ کے جذبات سر آنکھوں پر، مگر یقین کیجئے آپ اس شخص کا کچھ بگاڑ نہیں پائیں گے...... سمندر کی گہرائیوں میں بسنے والا آکٹوپس ہے وہ...... ایک ہاتھ کاٹیں گے تو وہیں سے دوسرا نکل آئے گا۔'' اس نے نفرت انگیز لہجے اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''میں بہت بددل ہوگئی تھی۔ سمجھ ہی نہیں آیا کہ اپنا غم کس سے کہوں سو آپ سے رابطہ کرلیا۔ بڑی مہربانی کی آپ نے جو مجھ سے ملنے چلے آئے۔ ورنہ وہ وحشی تو جانے میرا کیا حشر کرتا آپ میرے لئے کیا کر سکتے ہیں؟ جب اللہ ہی نہ چاہے تو بندہ بھلا کیا کرسکتا ہے؟'' اس نے کمال دکھ سے کہا تھا اور آنکھوں میں آنسو بھر لیے تھے۔

''اللہ بندوں کو ہی وسیلہ بناتا ہے گیتی آرا......'' پیرزادہ نے بے حد محبت سے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''جو اس نے کیا ہے۔ اس کی سزا تو اسے ضرور ملے گی۔ تم بتاؤ کیا چاہتی ہو۔''

''چھٹکارہ؟'' اس کا لہجہ حتمی تھا کہ ایک منٹ کے لئے تو گیتی کو یقین ہی نہیں آیا۔ پھر اس نے ایک فیصلہ کیا۔

''ہاں۔''

''طلاق؟''

''میری خوش قسمتی...... طلاق کے ساتھ ساتھ عمر بھر کی رہائی...... ساری زندگی آپ کی احسان مند رہوں گی۔'' اس نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔ پیرزادہ نے ایک بے ہنگم سا قہقہہ لگایا۔ وہ گیتی آرا پر اتنی بری طرح عاشق تھا کہ اسے گیتی کی ہر بات سچ، ہر بات دلچسپ

اور ہرادا خوبصورت لگتی تھی۔

''آپ کی احسان مندی ہمارے کس کام کی...... کچھ تو ملنا چاہیے۔''

''جو آپ چاہیں۔''اس نے دونوں ہتھیلیاں پیچھے کی طرف رکھتے ہوئے اور اپنا سارا وزن پیچھے کی طرف ڈالتے ہوئے کہا۔

پیرزادہ زیادہ سے زیادہ کیا مانگ لیتا۔ یوں بھی ایک عام عورت کے نزدیک جو چیز سب سے قیمتی متاع تھی۔ وہ اس کے نزدیک کم سے کم کے زمرے میں آتی تھی۔

''پھر بھی؟''وہ بدبخت بھی جانے کیا سننا چاہتا تھا۔

''میری دعائیں۔''اس نے ناز سے اٹھلا کر کہا۔

''بس......؟''

''ٹھیک ہے...... جو مرضی مانگ لیں میں دوں گی۔ بتایئے کیا چاہتے ہیں آپ......''اس نے سابقہ انداز میں کہا۔

''آپ کی زلفوں کا سایہ۔''پیرزادہ نے برجستگی سے کہا۔

''عمر بھر کے لئے......''

گیتی کے لبوں سے مسکراہٹ غائب ہوئی اسے ''زلفوں کا سایہ'' دینے پر اعتراض نہ تھا۔عمر بھر دینے پر اعتراض تھا اور حقیقتاً وہ اتنی بڑی فرمائش کی توقع بھی نہیں کر رہی تھی۔ فی الحال ''آزادی'' اس کی پہلی ترجیح تھی مگر، مگر یکایک اسے محسوس ہوا ''آزادی'' نہیں مظہر سے چھٹکارہ اس کی اولین ترجیح تھی۔

''ٹھیک ہے...... مجھے منظور ہے۔''اس نے گہری سانس بھرتے ہوئے لبوں پر مسکراہٹ سجا کر کہا۔

☆......☆......☆

ایک دم سے بے حد شور کی آوازیں بلند ہوئی تھیں۔

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی صرف چند سیکنڈ لگے تھے اسے یہ سمجھنے میں کہ یہ شور دروازہ کھٹکھٹائے جانے کا بلکہ دھڑ دھڑانے سے بلند ہو رہا ہے۔اس نے سرعت سے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔

''مظہر......'' اتنے دن کے بعد مظہر کو اپنے سامنے پا کر اس کی جو کیفیت ہو سکتی تھی وہی ہوئی مگر ابھی وہ ٹھیک سے خوش بھی نہ ہو پائی تھی کہ مظہر نے اسے آگے سے ہٹایا اور کمرے میں داخل ہو گیا۔

''آپ کہاں تھے مظہر...... اتنے دن سے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔ آپ نہ آتے ہیں نہ فون کرتے ہیں اور جب میں نے فون کیا تو......تو سنا نہیں آ......آپ کیا کر رہے ہیں۔'' بے قراری سے بولتے بولتے وہ الجھ سی گئی تھی۔

مظہر نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا سفری بیگ بیڈ پر رکھ دیا تھا اور اس کے بعد دیوار میں نصب الماری کا لاک کھولنے لگا۔ اس الماری کے پیچھے اس کا لاکر تھا جہاں عانیہ کے سامنے وہ وقتاً فوقتاً نقد رقم اور کبھی مختلف فائلز رکھتا رہا تھا۔

لاکر کھول کر اس نے بعجلت رقم کی گڈیاں بیگ میں بھرنا شروع کر دی تھیں۔

''مظہر...... آپ مجھے کچھ بتا کیوں نہیں رہے......؟'' اس نے حیران ہوتے ہوئے اور نا سمجھی سے دوبارہ پوچھا۔ اس بار مظہر نے محض چند لمحوں کے لئے اپنی مصروفیت ترک کر کے ایک نظر اسے دیکھا تھا۔

''سوال جواب کے لئے وقت نہیں ہے سویٹ ہارٹ...... جو بھی کرنا ہے اس وقت فوراً کرنا ہوگا۔'' مظہر کا موبائل بجنے لگا تھا اس نے جیب سے موبائل نکال کر نمبر دیکھا۔

''تمہیں اپنا کوئی سامان سمیٹنا ہے تو سمیٹ لو...... ہمیں ابھی یہاں سے نکلنا ہے۔ ہیلو ہاں خان۔'' عانیہ کچھ اور الجھ گئی۔ اسے مظہر کی بات سمجھ میں آئی بھی اور نہیں بھی۔

تقریباً پچیس روز بعد وہ اس سے ملنے آیا تھا اور وہ بھی اس صورت حال میں کہ عجیب بھاگ دوڑ مچا رہا تھا۔

''تم اتنے آرام سے کیوں بیٹھ رہی ہو۔ میں نے تم سے کیا کہا ہے؟ اٹھ کر سامان سمیٹو اپنا۔'' فون بند کرتے ہوئے اس نے عانیہ کو ڈپٹ کر کہا۔

''سامان سمیٹ لیتی ہوں لیکن ہمیں یہاں سے کیوں جانا ہے اور کہاں۔'' اس نے عالم پریشانی میں پوچھا۔

''اپنے گھر سے نکل کر جب میرے پاس آئی تھیں تب تو نہیں پوچھا کہ کہاں لے کر جا رہا ہوں اب کون سی حس جاگ اٹھی ہے؟'' مظہر نے جھنجلا کر کہا عانیہ کچھ بول نہیں سکی۔

''یہاں سے نکلیں گے تو کہیں تو جائیں گے۔ ایک بات کان کھول کر سنو میرے ساتھ رہنا ہے تو سوال جواب کی عادت کو تالا لگانا ہوگا۔ مجھے ایسی عورتوں سے سخت چڑ ہے جنہیں ایک بار میں بات سمجھ نہیں آتی ہمارے پاس یہاں سے نکلنے کے لئے صرف دس منٹ ہیں۔ دس منٹ بعد یہاں پولیس ریڈ ہونے والی ہے تم اپنا ضروری سامان لے لو۔''

عانیہ کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

''پپ...... پولیس ریڈ۔'' وہ بوکھلا ہی گئی۔

''مم...... مگر کیوں؟'' بنیادی سوال فوراً ذہن میں آیا۔

''کسی نے رپورٹ کر دی ہے کہ یہاں غیر قانونی کام ہوتے ہیں...... بلیک منی، ہیروئن، چرس وغیرہ اور عورتوں کی خرید و فروخت۔'' مظہر جلدی جلدی بول رہا تھا۔

عانیہ سے تو اپنی جگہ سے ہلا تک نہ گیا۔ حیرانی اور پریشانی کی شدت نے گویا حواس ہی غائب کر دیے تھے۔

''لل......لیکن کسی نے ایسا کیوں کہا؟''

''عانیہ...... میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ میں تمہارے سوالوں کا جواب دیتا رہوں...... تمہیں اپنا سامان نہیں سمیٹنا، مت سمیٹو...... مگر کچھ دیر بالکل خاموش رہو...... اس وقت میرے دماغ میں آگ لگی ہوئی ہے کوئی چنگاری تم پر گری تو پچھتاؤ گی۔'' اس نے کرخت لہجے میں تنبیہہ کی۔

عانیہ پہلی بار مظہر سے خائف ہوئی اس کی بے تحاشا سرخ آنکھوں سے آگ کی چنگاریاں نہیں خون نکل رہا تھا۔

''اور ہاں......'' مظہر کو معاً کچھ یاد آیا اس نے کوٹ کی جیب میں سے ٹٹول کر کچھ کاغذ برآمد کیے۔

''یہ پکڑو......ان پیپرز پر سائن کرو۔''

اس نے کاغذات اس کے سامنے پھینکنے کے بعد بال پوائنٹ بھی اس کی طرف اچھال دیا۔

''یہ کیا ہے؟'' اس نے کاغذات اٹھاتے ہوئے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''یہ ہمارے نکاح کے پیپرز ہیں۔ ان میں جہاں جہاں نشان لگا ہے سائن کر دو۔'' مظہر نے عجلت بھرے انداز میں اس کے ہاتھ سے پیپرز لے کر نشاندہی کرتے ہوئے کہا۔

''نکاح۔'' عانیہ پر جو پہلے حیرانی پریشانی طاری تھی، اب شادی مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی اس نے جھک کر سائن کرنے میں بس ایک ہی پل لگایا تھا۔

وہ بے حد خوش تھی۔

اتنے دن سے مظہر کی جانب سے برتی جانے والی بے اعتنائی نے جو تفکرات اور اندیشے اس کے دل میں جگا دیے تھے۔ وہ سب کے سب بھک سے اڑ گئے تھے۔ اسے یہ دن اپنی زندگی کے بہترین دنوں میں سے ایک لگ رہا تھا۔ مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ دن دراصل اس کی زندگی کے بدترین دنوں میں سے ایک ہے۔

اپنی خوشی کے بھرپور احساس نے اسے مظہر کے چہرے پر موجود تفکر کی طرف بھی متوجہ ہونے نہیں دیا۔

پیپر سائن کر کے اس نے مظہر کے حوالے کر دیئے اور اس کی ہدایت پر الماری میں ہینگ کیے اپنے چند جوڑے ایک دوسرے بیگ میں بھرنے لگی۔

مظہر نے لاکر خالی کر کے بیگ ملازم کے حوالے کر دیا اور اسے کچھ ہدایات جاری کیں۔ اس کے بعد اس نے اپنے موبائل پر کوئی نمبر ملایا اور بات کرنے لگا۔

عانیہ تب تک اپنا سامان سمیٹ کر اور چادر اوڑھ کر تیار کھڑی تھی۔

''چلیں......'' مظہر نے پوچھا۔ عانیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ایک تو تم عورتوں کی تیاریاں......اس میں کیا پتھر بھرے ہیں۔'' اس کا بیگ اٹھاتے ہوئے مظہر نے چڑچڑے پن سے کہا عانیہ مسکراتی رہی۔

یہ لمحہ کسی خوش باش فیملی کا منظر معلوم ہو رہا تھا۔ میاں بیوی اسٹیشن جانے کو تیار کھڑے ہیں۔ شوہر بیوی کو ڈپٹ رہا ہے۔ سب کمروں میں جھانک کر اور تسلی کر کے دروازوں کو تالے لگائے جا رہے ہیں۔

معاً مظہر کی نظر کھڑکی سے باہر چلی گئی اور منظر کا پردہ تار تار ہو گیا۔ نیچے ڈرائیو وے پر یکے بعد دیگرے پولیس کی گاڑیاں آ کر رک رہی تھیں۔

☆......☆......☆

حنان کی اس کایا نے شمسہ کو ہی نہیں خود حنان کو بھی حیران بلکہ کسی قدر کھسیاہٹ میں مبتلا کر دیا تھا۔ گو کہ اس کا یہ رویہ کوئی نئی یا انوکھی بات تو نہیں تھی کم سے کم خود اس کے اپنے لئے تو قطعاً نہیں۔ وہ ہمیشہ سے پہلے خود کو برحق سمجھتے ہوئے غلط فیصلے کرتا تھا پھر ان پر غلط فیصلوں کے نتائج سامنے آنے پر پچھتاتا تھا اور اگلی بار اسی دھڑلے سے ان غلطیوں کو دوہراتا تھا جن کے نتائج پہلے بھی اسے شرمسار یا پریشان کر چکے تھے۔

وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنی غلطیوں سے کبھی سبق نہیں سیکھتے ہاں وقتی طور پر متاسف ضرور ہو جاتے ہیں۔

اس وقت بھی اس نے خود کو موت کی قربت میں محسوس کیا تھا اور موت تو اچھے بھلوں کے کس بل نکالنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

اسے بھی اپنا اگلا پچھلا حساب کتاب یاد آ رہا تھا۔ ماں کے ساتھ کی ہوئی زیادتیاں، اپنا ناروا سلوک اور صرف ماں کے ساتھ ہی کیوں اسے تو ہر ایک سے کی ہوئی بدتمیزیاں یاد آ رہی تھیں۔ خصوصاً جہانگیر لاشاری، شاہنواز اور اسوہ کو اپنے پاس پا کر اس کی فیلنگز بہت عجیب ہو رہی تھیں جنہیں کوئی نام وہ خود بھی نہیں دے پا رہا تھا۔ شمسہ اور نشوئی سے تو پھر بھی خون کا رشتہ تھا باقی لوگوں کو زچ کرنے کے لئے اس نے جو جو بھی حربے آزمائے تھے وہی جانتا تھا۔

اس کا بس نہیں چلتا تھا جہانگیر لاشاری کا ذہنی سکون تباہ و برباد کر کے رکھ دے۔ انہیں ایسے ایسے چرکے لگائے کہ ساری زندگی ان کے زخم نہ بھریں محض اسی مقصد کے لئے اس نے اس رات اسوہ اور شاہنواز پر کیچڑ اچھالا تھا اور پھر اسوہ کے متعلق حدید کے دل میں شک ڈالنے کا سبب بھی فقط یہی تھا۔

اور اب بیٹھا شرمندہ ہو رہا تھا۔ جہانگیر لاشاری اور شاہنواز نے باقاعدہ اس کا احوال پوچھا تھا جبکہ اسوہ نے خاموشی کی بکل

مارے رکھی تھی۔ اس کے تاثرات بھی بہت خراب تھے شاید وہ کسی کے مجبور کرنے پر یہاں آئی تھی اور یہ بھی حنان کو اس کی اعلیٰ ظرفی لگ رہی تھی وہ خود اس کی جگہ ہوتا تو خود کو اذیت پہنچانے والے کی طرف تھوکنا بھی پسند نہ کرتا۔

چونکہ ابھی جسم پر لگے زخم تازہ تھے اور درد کی ناقابل برداشت ٹیسیں اٹھ رہی تھیں اسے ان سب کے رویے درست معلوم ہو رہے تھے اور وہ ان کی اعلاظرفی کا قائل ہو رہا تھا جب تک زخم تکلیف دیتے اس کی سوچوں کا رخ مثبت ہی رہنا تھا۔

اور بھلے ہی یہ کیفیت یا اس کا مثبت رویہ وقتی تھا مگر شمسہ بے حد خوش تھیں۔ ایک تو یہ کہ بیٹے کی جان بچ گئی اور دوسرا یہ کہ وہ کتنا اچھا ہو رہا تھا۔ ہمیشہ سے وہ اسے جتنا محبت کرنے والے انداز میں دیکھنا چاہتی تھی وہ اس وقت ایسا ہی ہو رہا تھا۔

پولیس اس کا بیان ریکارڈ کرنا چاہتی تھی ڈاکٹرز کی طرف سے اجازت ملتے ہی پہلے یہ معاملہ نبٹایا گیا۔ سب انسپکٹر کے پوچھنے پر ''آپ سے کسی کی کوئی ذاتی دشمنی...... یعنی یہ کارروائی کسی دیرینہ دشمنی کی بنا پر بھی انجام دی جاسکتی ہے۔'' اس کی نظریں خود بخود جہانگیر لاشاری اور شاہنواز کی طرف اٹھ گئی تھیں۔

''نہیں...... میری کسی سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔'' اس نے صاف لہجے میں کہا۔

''اچھی طرح سوچیے...... ممکن ہے کوئی دور نزدیک کا دشمن ہو؟'' انسپکٹر بضد تھا۔ حنان جھلا گیا۔

''نہیں انسپکٹر صاحب۔ کوئی دشمنی نہیں ہے میری...... میں تو اس شہر میں ہی کچھ روز پہلے آیا ہوں دشمنی کہاں سے پالتا پھروں گا...... حدید کے علاوہ جانتا ہی نہیں ہوں کسی کو...... ہاں البتہ مجھے اس بات کی حیرانی ضرور ہے کہ انہوں نے مجھ سے کوئی چیز چھیننے کی کوشش نہیں کی۔ بس ٹارچر کیا اور چلے گئے...... اس وقت تو خیر مجھے ہوش نہیں تھا لیکن اب میں چیکنگ کروا چکا ہوں میرا والٹ، اس میں موجود کرنسی، چین، واچ...... گاڑی میں بھی کوئی کمی بیشی نہیں۔'' وہ بولتے بولتے تھکنے لگا۔

اور شمسہ حیرانی سے اس کی شکل دیکھ رہی تھیں انہیں اس لڑکی کی باتیں یاد آئیں۔ ان کا دل چاہا حنان کو ٹوک کر آگاہ کریں مگر خاموش رہیں۔ اس کی تاکید یا گزارش بھی یاد آ گئی تھی۔

''اچھا آپ ان لڑکوں کا حلیہ بتا سکتے ہیں؟''

''سب کا تو نہیں...... صرف ایک کی شکل یاد ہے۔'' حنان نے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر بعد پولیس رخصت ہوئی تب جہانگیر بھی حنان کو اللہ حافظ کہتے چلے گئے۔ انہیں آج ہی ہر حال میں لاہور پہنچ کر بورڈ آف ڈائریکٹرز کی میٹنگ اٹینڈ کرنا تھی۔

حنان کو ڈاکٹر نے پھر نیند کا انجکشن دیا تھا۔ شمسہ اور شاہنواز باہر آ گئے اور کاریڈور میں آ کر شمسہ نے کہا۔

''ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی...... حنان تو کچھ اور ہی کہہ رہا ہے حالانکہ وہ لڑکی تو کہہ رہی تھی کچھ لڑکوں نے ہم سے گاڑی

چھیننے کی کوشش کی تھی اور مزاحمت پر حنان کو ٹارچر کیا...... پتا نہیں کون سچ بول رہا ہے اور کون جھوٹ......'' وہ الجھی ہوئی تھیں۔

''کون لڑکی؟ کس کی بات کر رہی ہیں؟'' شاہنواز نے چونک کر پوچھا۔

''وہی جس نے حنان کو ہسپتال پہنچایا اور اسے خون بھی دیا۔''

''آپ کی ملاقات ہوئی ہے اس سے؟'' اس نے کسی قدر متعجب ہو کر پوچھا۔ جہانگیر لاشاری، حنان کی مدد کرنے والے شخص کو ذاتی طور پر شکریہ کہنا چاہتے تھے لیکن ہسپتال کے اسٹاف نے انہیں کسی بھی قسم کی معلومات فراہم کرنے سے انکار کر دیا تھا کیونکہ ڈونر نے اپنی پہچان مخفی رکھنے کی درخواست کی تھی۔

''ہاں...... پرسوں جب ہم یہاں پہنچے اسی وقت میری اس سے ملاقات ہوئی تھی اور اسی نے مجھے بتایا تھا کہ کچھ لڑکوں نے بیچ راستے میں ان لوگوں سے گاڑی چھیننے کی کوشش کی تھی حنان نے مزاحمت کی تو وہ لوگ مار کٹائی پر اتر آئے مگر حنان تو کچھ اور ہی کہہ رہا ہے۔''

''آپ کو یہ بات اس وقت بتانا چاہیے تھی جب پولیس حنان کا بیان لے رہی تھی۔ کمال ہے خالہ! اتنی اہم بات آپ اب بتا رہی ہیں...... ممکن ہے اس واردات میں خود وہ لڑکی ہی ملوث ہو۔'' اس نے خدشہ ظاہر کیا۔ شمسہ پریشان نظر آنے لگیں۔

''یہی خیال مجھے آیا تھا مگر...... اصل میں اس لڑکی نے مجھ سے ریکویسٹ کی تھی کہ اسکا نام ڈس کلوز نہ کیا جائے کہ وہ بھی واردات کے وقت حنان کے ساتھ تھی...... وہ کورٹ کچہری کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتی۔ شریف گھرانہ...... وغیرہ وغیرہ۔'' وہ جھنجلاسی گئیں۔

''کتنی بے وقوف ہوں میں...... مجھے اس وقت یہ خیال کیوں نہیں آیا کہ وہ خود کو بچانے کے لئے بھی اپنا نام چھپانا چاہ رہی ہو۔'' انہوں نے ملال بھرے لہجے میں کہا۔

''لیکن ایک اور بات بھی ہے۔ حنان کو نقصان میں اگر اسکا ہاتھ ہوتا تو وہ اسے ہسپتال تک بھی کیوں پہنچاتی اور پھر خون بھی......''

''پریشان نہ ہوں خالہ! اس کے بارے میں پتا کروانا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ حنان کے ساتھ تھی تو اس کا مطلب اس کے حلقہ احباب سے ہی ہو گی۔ نام کیا تھا اس کا...... ہسپتال والے تو کچھ نہیں بتا رہے۔''

''آں...... اس وقت میں اتنی پریشان تھی شاہنواز کہ نام پوچھنے کا خیال ہی نہیں آیا۔'' انہوں نے خجالت سے کہا۔

''اس کی سہیلی نے نام لیا تھا...... آں...... ہاں یاد آیا...... شاید اس کا نام گیتی تھا۔'' شمسہ نے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے کہا۔

''شاہنواز! زیادہ بہتر ہو گا ابھی پولیس کو اس کے متعلق انفارم نہ کرو ہو سکے تو پہلے اپنے طور پر انکوائری کروا لو...... میں موقع اور حنان کی کنڈیشن دیکھ کر اس سے بھی پوچھوں گی۔''

''جیسے آپ مناسب سمجھیں۔'' شاہنواز نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

☆......☆......☆

شاہنواز کے منہ سے گیتی کا نام سن کر حدید کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا اس کے خبردار کرنے کے باوجود حنان گیتی آرا جیسی لڑکی سے رابطہ رکھ سکتا ہے۔

شاہنواز ٹھیک کہتا تھا حنان سے ہر وقت ہر چیز کی توقع رکھنا چاہیے۔

''تم نے ٹھیک سے سنا تھا؟ یہی نام تھا؟'' حدید نے گیتی کا نام دوہراتے ہوئے پوچھا۔

شاہنواز بے حد تکان زدہ انداز میں صوفے کی بیک پر سر رکھے آنکھیں موندے تقریباً نیم دراز تھا۔ حدید کے سوال پر انداز نشست بدلے بغیر گردن موڑ کر اسکی طرف دیکھا۔ وہ ایک ہینگر میں پریس کی ہوئی شرٹ ہاتھ میں پکڑے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''تم جانتے ہو اسے؟''

''ناٹ ایگزیکٹلی ......'' حدید نے شرٹ نکال کر ہینگر واپس وارڈروب میں رکھا۔

''ہمارے ایک بزنس فرینڈ ہیں۔ ہمایوں سلمان صاحب! پاپا بھی انہیں بہت اچھی طرح جانتے ہیں...... انہی کے فارم ہاؤس پر کسی گیدرنگ میں ایک گیتی آرا نام کی لڑکی سے ملاقات ہوئی تھی لیکن وہ تو یار! اس کی ریپوٹیشن...... وہ تو ریڈ لائٹ ایریا سے تھی۔'' وہ پرسوچ انداز میں جھجکتے ہوئے بول رہا تھا۔

''پھر......؟'' شاہنواز نے سستی سے کہا۔

''پھر یہ کہ میری اس لڑکی سے دوسری ملاقات کسی ریسٹورنٹ میں ہوئی تھی یا شاید مارکیٹ میں...... مجھے ٹھیک سے یاد نہیں...... لیکن اس وقت حنان بھی میرے ساتھ تھا اور اسے وہ لڑکی اچھی لگی تھی مگر میں نے حنان کو بھی محتاط رہنے کے لیے کہا تھا ایسے لوگوں سے رابطہ رکھنا بھی بذات خود ایک حماقت ہوتی ہے۔''

''لیکن یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ یہ گیتی وہ نہ ہو جس کا ذکر تم کر رہے ہو۔'' شاہنواز نے خیال ظاہر کیا۔

''یہ تو حنان ہی بتا سکتا ہے کہ میرا شک صحیح ہے یا نہیں۔ وہ محترمہ تو بڑی ہوشیاری سے سب ثبوت سمیٹ کر لے گئیں۔'' حدید نے شرٹ پہن کر میچنگ ٹائی ناٹ لگاتے ہوئے کہا۔

''لیکن بلی کے گلے میں گھنٹی باندھے گا کون؟'' شاہنواز نے سر کے پیچھے دونوں ہاتھ باندھتے ہوئے متبسم لہجے میں کہا۔

''حنان صاحب اسے ذاتیات میں مداخلت نہ سمجھ لیں۔''

''آف کورس شمسہ آنٹی......'' حدید نے بال برش کرتے ہوئے کہا وہ کسی فنکشن میں جانے کی تیاری کر رہا تھا۔

''اور ویسے بھی ہم کوئی اپنے فائدے کے لئے کچھ تھوڑا ہی کر رہے ہیں حنان کی خیریت کے لیے ہی ہے...... یوں بھی میرا نہیں

خیال کہ وہ ایسی کوئی بے وقوفانہ بات یا اعتراض کرے گا تم نے دیکھا نہیں وہ آج کل کتنا ہمبل اور پولائیٹ ہو رہا ہے۔''

''موت کے ہاتھوں سے بچ کر نکل آیا ہے اس بات کا حنان کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا...... جس دن اسے یقین آ جائے گا کہ وہ زندہ سلامت ہے اسی روز اپنی پرانی جون میں لوٹ آئے گا۔ دیکھ لینا۔''

''نجومی صاحب پیشن گوئی کر رہے ہیں؟'' حدید نے متبسم لہجے میں کہتے ہوئے آئینے میں اس کی جھلک دیکھی۔ شاہنواز انگلیوں کی پوروں سے اپنی گردن سہلاتے ہوئے زیرِ لب مسکراتا رہا۔

''بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہو۔''

''تین دن سے نیند پوری نہیں ہو رہی یار...... ابھی بھی تھکا ہوا نہ لگوں۔'' وہ جمائی لیتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں کہیں انوائیٹڈ نہ ہوتا تو ضرور آج ڈنر میں تمہارا ساتھ دیتا۔ تم پلیز کچھ کھا پی لینا اور پھر آرام کرنا۔ مجھے تو اب نکلنا پڑے گا آل ریڈی لیٹ ہو چکا ہوں۔''

''پرسوں تمہاری واپسی کنفرم ہے؟'' اس نے دروازے کے قریب رک کر پوچھا۔

''پرسوں کیا ہے؟'' شاہنواز کی غائب دماغی اس کی تھکن کا پتا دے رہی تھی۔

''ہفتہ......''

''اتوار کو سیٹس کنفرم کروائی ہیں...... شمسہ خالہ بھی ساتھ جانا چاہ رہی ہیں...... اصل میں وہ تنہا سفر کرنے سے گھبراتی ہیں اسی لیے میں ایک دن مزید رک رہا ہوں۔''

''اور وہ فنکشن؟''

''وہ تو شاید نیکسٹ ویک ہے...... میں نے تو یونہی ذکر کیا تھا یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی ہفتے شادی ہے...... یار! اصل پریشانی تو مجھے آفس کی ہے ابا جی کا آفس تو ہے نہیں کہ چھٹیوں پر چھٹیاں کرتا رہوں۔''

''تم نے جان بوجھ کر اپنی پریشانی کا سبب بنا رکھا ہے۔ بخت انٹر پرائزرز میں اچھا خاصا کام کر تو رہے تھے۔ جہاں تک مجھے علم ہے جہانگیر انکل تمہیں پے اسکیل بھی بہت اچھا دے رہے تھے پھر بیٹھے بٹھائے ایک اور نوکری کی ضرورت کیا پیش آ گئی تھی۔''

''حنان کی وجہ سے میں بخت انٹر پرائزرز کے ساتھ کام نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ریزائن کرنے سے پہلے پرائیویٹ کمپنی میں بھی جاب کر لی یہ سوچ کر کہ کہیں ایسا نہ ہو یہ نوکری بھی ہاتھ سے جائے اور کوئی اور بھی نہ ملے...... تمہاری طرح جدی پشتی رئیس بھی نہیں ہوں بھائی! غریب آدمی ہوں کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے اگلے وقت کا سوچنا پڑتا ہے۔

جہانگیر سر نے کہا ایسے ملازمت نہیں چھوڑ سکتے نوٹس دینا ہوگا۔ میں نے نوٹس تو دیا تھا لیکن...... اب میں آفس چھوڑنا نہیں چاہ رہا۔''

’’کیوں؟......حنان کے رویے سے متاثر ہو گئے ہو؟‘‘ حدید نے بے ساختگی سے پوچھا۔

’’نہیں......‘‘ شاہنواز کے لبوں پر بڑی دلکش مگر جھجکی ہوئی سی مسکراہٹ تھی۔ جیسے کوئی یاد آ گیا ہو۔

’’پھر؟‘‘

’’بس یونہی......‘‘ اس نے گول مول سا جواب دیا۔

’’چلو خیر اس پر بھی تفصیل سے بات کریں گے تم اطمینان سے دوست کی شادی بھگتاؤ......تمہیں خود تو شادی کرنی نہیں ہے دوست کو دولہا بنے دیکھ کر ہی خوش ہو لینا۔‘‘

’’تمہارے منہ میں خاک......‘‘ اس نے متبسم لہجے میں جتنی بے ساختگی سے کہا اتنا ہی بے ساختہ اور جاندار حدید کا قہقہہ تھا۔

’’بڑی مثبت تبدیلی ہے۔ بہرحال اچھی لگی یہ تبدیلی، اب ذرا اس تبدیلی کے محرکات پر بھی روشنی ڈال دو۔‘‘

’’تم اب لیٹ نہیں ہو رہے؟‘‘

’’آہا خوب یاد دلایا۔ واپس آ کر تمہارا راز اگلواتا ہوں۔‘‘ وہ دھمکی دینے کے انداز میں کہتا چلا گیا۔

شاہنواز کا ارادہ پہلے نہانے اور پھر ڈنر کرنے کا تھا کیونکہ بھوک کے باوجود وہ جانتا تھا نہائے بنا تھکاوٹ نہیں اترے گی......لیکن دوبارہ پلنگ پر گرنے کے انداز میں لیٹ گیا اور سر کے نیچے دونوں ہاتھوں کا سرہانہ جما لیا۔ کچھ لوگوں کے خیال میں ہی کتنی مثبت طاقت ہوتی ہے کہ تھکن لمحوں میں اڑن چھو ہو جاتی ہے۔

اچانک اسے یاد آیا کہ وہ اسے کس حال میں چھوڑ کر آیا تھا۔ یاد آتے ہی بے چینی لاحق ہو گئی۔ مگر اس بے چینی کا تدارک توفی الحال کسی طرح ممکن نہ تھا تاوقتیکہ وہ واپس لاہور جاتا اور اس کی پریشانی کے دور ہونے کا اندازہ نہ لگا لیتا۔ ابھی تو ذہن کے پردے پر اس کی آنکھیں روشن تھیں اور وہ سوچ رہا تھا۔

بے کشش مکانوں میں
جیسے چاندراتیں تھیں
خوشگوار آنکھیں تھیں

اسے یاد آیا گل بانو کی مہربانی سے ہی چند بھولے بسرے مصرے یاد رہ گئے تھے اور پہلی بار گل بانو کا خیال آتے ہی اس کی طبیعت مکدر نہیں ہوئی تھی کیونکہ وہ کسی اور کا سوچ رہا تھا وہ اسی کو سوچتا رہنا چاہتا تھا۔

☆......☆......☆

گو کہ کسی نے اسے خاص طور سے روک کر اطلاع نہیں دی تھی مگر آفس میں داخل ہوتے ہی سارے اسٹاف میں پھیلی ہوئی

گھبراہٹ بھری ہلچل اور ان سب کے چہروں پر پھیلے کام، کام اور بس کام والے تاثرات دیکھ کر اسے منٹوں میں اندازہ ہو گیا تھا کہ سر شاہنواز تشریف لا چکے ہیں۔ باقی سب کو چھوڑ کر اسے اپنی فکر لاحق ہوگئی ایک تو یہ کہ آفس ٹائمنگ سے کچھ لیٹ پہنچی تھی اور دوسرا یہ کہ کل سے ایک ہفتے کی چھٹی پر روانہ ہو رہی تھی۔ گویا کل ملا کر اپنی کھنچائی کا سامان تو وہ خود ہی تیار کیے بیٹھی تھی۔

شاہنواز سر کی غیر موجودگی میں ذکاء الدین صاحب ان کی جگہ سنبھالتے تھے یہ بھی شکر تھا کہ وہ دو دن پہلے ہی چھٹی کی درخواست دے چکی تھی اور عادت کے برخلاف ذکاء صاحب نے اسی روز درخواست منظور کر لی تھی۔ وگرنہ شاہنواز سر سے چھٹی منظور کروانا بلکہ ان کے سامنے تو عرض پیش کرنا بھی ایک مسئلہ ہوتا۔ گو کہ یہ نہیں کہ وہ بہت سخت گیر تھے اصل شرمساری تو اس روز کی تھی جس روز وہ اسے سڑک کنارے روتا دیکھ چکے تھے۔

اس کا خفت کے مارے برا حال تھا۔ سر کا سامنا کرنے کے خیال سے ہی ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے مگر شاہنواز سر نے تو استفسار کیا نہ ہی آنکھوں میں کوئی عجیب تاثر ابھرنے پایا۔ یہاں تک کہ وہ چند لمحوں میں ہی ریلیکس ہو گئی۔

''میں تو خوامخواہ گھبرا رہی تھی۔ سر کو یاد بھی نہیں ہوگا۔ ویسے بھی ہم مڈل کلاس لوگوں کی زندگی کے بڑے بڑے واقعات ان امیروں کے لیے بہت معمولی ہوتے ہیں اور معمولی چیزوں کو تو سب ہی بھول جاتے ہیں۔''

وہ نوٹ پیڈ پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچتے ہوئے سوچنے لگی تو سوچتی ہی چلی گئی جب تک کہ شمسہ کو اس کا کندھا ہلا کر متوجہ کرنا پڑا۔

''آج آپ صبح صبح یہاں کیسے؟'' اس نے مسکرا کر شمسہ سے پوچھا۔

شمسہ سے تو خیر اس کی بڑی اچھی صاحب سلامت تھی مگر اسوہ کی منگنی کے بعد آج ہی ملاقات ہو رہی تھی۔ شاہنواز سر اپنے سیل فون پر کال ریسیو کر رہے تھے وہ شمسہ سے اطمینان سے باتیں کرنے لگی۔

''ہم لوگ ایئرپورٹ سے سیدھا یہیں آ رہے ہیں۔ شاہنواز کو کچھ ضروری کام تھا کہنے لگا یہاں سے گھر جا کر آفس آنے میں بہت وقت لگے گا میں نے کہا بھائی! تم اپنا کام نبٹا لو پھر گھر چلے جائیں گے۔ میں کچھ دیر انتظار کر لوں گی اور اتنی دیر ثانیہ سے گپ شپ لگا لوں گی...... ورنہ تو ڈرائیور تھا وہ مجھے گھر ڈراپ کر دیتا؟''

''مجھے علم ہوتا آپ آفس آئی ہوئی ہیں تو یقیناً وقت پر ہی آفس پہنچتی ویسے تو میں روزانہ ٹھیک وقت پر ہی آتی ہوں لیکن آج ذرا جیولر کے پاس جانا تھا اسی سلسلے میں دیر ہو گئی...... آگے گئی تو پتا چلا شاپ تو گیارہ بجے سے پہلے نہیں کھلتی میں خوامخواہ خوار ہوئی۔''

''ایسا کرو گیارہ بجے آفس کے ڈرائیور کے ساتھ چلی جانا...... میں تاکید کر دیتی ہوں۔'' شمسہ نے فراغ دلی سے آفر کی۔

''ارے نہیں...... اب تو جس دن سے چھٹی کروں گی اسی دن جیولر شاپ کا چکر لگاؤں گی۔''

''تمہاری امی کی طبیعت اب کیسی ہے؟...... بلیو می میں ان کی عیادت کے لئے تمہارے گھر بھی آنا چاہتی تھی مگر کچھ ایسا مسئلہ ہو گیا

کہ خواہش کے باوجود چکر نہیں لگا سکی۔'' یہاں حنان کے اس حادثے کے بارے میں سوائے چند لوگوں کے سب کو بے خبر رکھا گیا تھا تبھی انہوں نے گول مول سے انداز میں کہا۔

''تم اپنی امی کو میری طرف سے ضرور پوچھنا...... میں ان شاء اللہ پہلی فرصت میں چکر لگانے کی کوشش کروں گی۔''

''الحمدللہ...... امی بالکل ٹھیک ہیں بلکہ آج کل تو ماشاء اللہ صحت بھی بہت اچھی ہو رہی ہے۔ اب تو دو تین دنوں سے تھوڑی بہت باتیں بھی کر رہی ہیں شاید اطمینان و خوشی کی وجہ سے ہے۔ ویسے بھی بہت عرصے کے بعد ہمارے گھر کو کوئی خوشی نصیب ہو رہی ہے۔'' ایک گہری سانس لیتے ہوئے جیسے وہ اپنی جھونک میں بولتی چلی گئی۔ چونکی اس وقت جب شمسہ نے استفسار کیا۔

''خوشی؟''

''میری بہن کی شادی ہے یہ چھٹیاں بھی اسی سلسلے میں لے رہی ہوں۔''

''اوہ...... بہت بہت مبارک ہو۔'' شمسہ نے خوشدلی سے مبارکباد دی پھر سادگی سے بولیں۔

''بہن کی شادی کر رہی ہو ہمیں انوائیٹ نہیں کرو گی؟''

ثانیہ ہکا بکا رہ گئی۔

''آپ آئیں گی؟'' اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا کیونکہ اسے یقین تھا وہ اس کے گھر کبھی نہیں آئیں گی۔ امی کی عیادت کے سلسلے میں گھر آنے کی بات بھی انہوں نے یونہی کہہ دی ہے۔ بھلا کون غریبوں کے یہاں آنا پسند کرتا ہے مگر شمسہ نے اسکی غلط فہمی فوراً دور کر دی۔

''تم بلاؤ گی تو ضرور آؤں گی۔'' شمسہ نے مسکرا کر کہا۔ ثانیہ بھی مسکرا دی۔

''میرا خیال تھا آپ نہیں آئیں گی ورنہ پہلے ہی آپ کو انوائیٹ کرتی۔'' اس نے تھوڑی سی خجالت محسوس کی۔

''تو ابھی بھی تو دیر نہیں ہوئی۔ تم چاہو تو ابھی مجھے انوائیٹ کر لو...... کیا انویٹیشن کارڈ ختم ہو گئے ہیں؟'' شمسہ نے بے تکلفی سے کہتے کہتے اچانک شرارت بھری سنجیدگی سے پوچھا تو وہ ہنس دی اور سادگی سے وضاحت کرنے لگی۔

''دراصل کارڈز کا تکلف ہم نے کیا ہی نہیں ہے۔ میرے چچا زاد بھائی جاپان میں ہوتے ہیں انہی سے شفق کی شادی ہو رہی ہے۔ وہ آج کل پاکستان آئے ہوئے ہیں اور تقریباً ایک ماہ بعد واپس چلے جائیں گے اسی لیے یہ شادی اتنی اچانک اور جلدی میں ہو رہی ہے کہ ان کی چھٹی کی مدت بہت مختصر ہے...... کارڈز وغیرہ کے تردد میں پڑتے تو ایک اور دردسر ہوتا۔ قریبی رشتہ داروں کو تو فون کر کے یا خود جا کر باضابطہ طور پر انوائیٹ کر لیا ہے اور آپ کو اب میں سمجھ نہیں پا رہی کہ اسپیشل کال کر کے انوائیٹ کروں یا یہیں انوائیٹ کر لوں؟'' اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور ہلکی سی الجھن بھی۔ شمسہ خوبصورتی سے مسکرا دیں اور اس کا کندھا تھپتھپا کر بولیں۔

''دیکھو یہ تو طے ہے کہ مجھے آنا ضرور ہے۔ تم فون کر کے انویٹیشن دو یا یہاں ہی...... اٹس ٹوٹل اپ ٹو یو...... ہاں لیکن بہتر یہ ہوگا

کہ اتنا فارمل ہو کر مت سوچو آخر میں بھی تو خود کو زبردستی انوائیٹ کروا رہی ہوں۔" آخر میں انہوں نے چھوٹا سا قہقہہ لگایا تھا۔

"آپ ایسا مت کہیں۔ سچ کہوں تو مجھے آپ کی بے تکلفی بہت اچھی لگی ہے بلکہ میں تو آپ کو پہلے ہی انوائیٹ کرنے کا سوچ رہی تھی لیکن پھر خیال آیا کہ شاید...... آپ آنا پسند نہ کریں۔" شمسہ نے اس کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا بلکہ خاموشی سے مسکراتے ہوئے اسے کچھ لکھتے ہوئے دیکھنے لگیں۔ ثانیہ نے ایک صفحے پر کچھ لکھ کر اسے پھاڑا اور ان کی طرف بڑھا دیا۔

"میں نے اس پر فنکشنز کا دن اور ٹائم لکھ دیا ہے، سر، اسوہ اور نشوئی کو بھی ساتھ لے کر آئیے گا۔ بلیومی میم، آپ لوگ آئیں گے تو ہمیں بے حد خوشی ہوگی۔"

"تمہارے سر کے متعلق تو کچھ نہیں کہہ سکتی تمہیں علم ہے ان کی مصروفیات کا۔ اتنے مصروف رہتے ہیں اپنے بزنس میں...... بلکہ اب تو پھر بھی کچھ فراغت ہو جاتی ہے، ہماری شادی کے شروع دنوں میں تو اکثر کئی کئی دن ڈھنگ سے بات بھی نہیں ہو پاتی تھی ہماری، اور کبھی جو میں شکوہ کر دیتی تو ہنس کر کہتے۔" بیگم! جتنا بھی میسر آ رہے ہیں اسی وقت کو غنیمت سمجھیے ورگرنہ ہم تو اتنے مصروف آدمی ہیں کہ شادی والے روز بھی بڑی مشکل سے تھوڑا سا وقت نکال کر نکاح کروانے پہنچے تھے۔"

وہ بڑے مزے سے اسے بتا رہی تھیں۔ شاہنواز سر کافی دیر ہوئی اپنا سیل فون لے کر باہر نکل گئے تھے۔ تبھی وہ اطمینان سے بیٹھی دلچسپی سے سنتی رہی۔

☆......☆......☆

"ہیں سچ...... شمسہ میڈم نے خود ہی کہا کہ وہ شادی میں آنا چاہتی ہیں۔" شفق کا تو حیرانی کے مارے برا حال تھا۔ ثانیہ اس وقت اس کے جہیز کا سوٹ کیس سیٹ کر رہی تھی اس کا جوش اور حیرانی دیکھ کر مسکرانے لگی۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے میں جھوٹ بول رہی ہوں؟"

"آج تک تو یہی سنا تھا کہ امیروں کے بڑے نخرے ہوتے ہیں اپنے سے کم درجہ لوگوں میں گھلنا ملنا پسند نہیں کرتے آج کا کہ ان کی تقریبات میں شریک ہونا...... یہ تمہاری میڈم کیسی امیر ہیں...... امی کی عیادت کے لیے ہسپتال بھی پہنچ گئیں اور اب خود ہی شوق سے شادی کا انویٹیشن بھی لے لیا۔"

"تم مل تو چکی ہو ان سے...... اندازہ نہیں ہوا کہ کتنی اچھی نیچر کی خاتون ہیں وہ اور صرف میڈم ہی کیا۔ جہانگیر سر بھی بہت اچھے ہیں۔ اتنا خیال رکھتے ہیں اپنے ورکرز کا کہ کیا بتاؤں۔" وہ مصروف سی کہہ رہی تھی۔

"نہیں ثانیہ بی بی...... آپ پر یہ خاص عنایت بے سبب نہیں ہے۔" چند لمحے بعد شفق نے پراسرار لہجے میں کہا۔

"تم مانو یا نہ مانو دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔" اس نے پیر جھلاتے ہوئے کہا۔ اس کا لہجہ اتنا پر یقین تھا کہ ثانیہ جھلا ہی گئی۔

''مجھے پتا تھا تمہارا دماغ اس سے آگے کی سوچ ہی نہیں سکتا اسی لئے میں بتا ہی نہیں رہی تھی۔ او اللہ کی بندی اپنے دماغ اور اپنی ان آنکھوں کا علاج کرواؤ سامنے کوئی بھی دال رکھ دو تمہیں کالی ہی نظر آتی ہے۔'' شفق نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔

''اور تمہیں گہرائی میں اترنے کی تو عادت ہی نہیں ہے صرف وہ ہی دیکھتی ہو جو سطح پر نظر آتا ہے۔ ذرا غور کرو اس بات پر کہ تمہاری یہ شمسہ میڈم تم پر اتنی مہربان کیوں ہو رہی ہیں......؟''

''دادی اماں! ہوش میں آیئے......'' ثانیہ نے جھنجھلا کر ہیئر برش اسے کھینچ مارا۔

''سچ کہتے ہیں فارغ دماغ شیطان کا کارخانہ ہوتا ہے پتا نہیں فارغ بیٹھی تم کیا کیا سوچتی رہتی ہو۔ کہاں کہاں دماغ چلتا ہے تمہارا؟''

''میرا کہاں چلتا ہے یہ تو پتا نہیں البتہ اتنا ضرور پتا ہے کہ تمہارا دماغ وہاں نہیں چلتا جہاں بے وقوف سے بے وقوف لڑکی کا دماغ بھی دوڑنے لگتا ہے......تم نے کبھی اپنے شاہنواز سر کی آنکھوں پر غور کیا ہے۔'' مایوسی سے کہتے کہتے اس نے اچانک پوچھا ثانیہ کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

''سنا تھا اپنی شادی پر لڑکیاں بہت خوش ہوتی ہیں۔ لیکن خوشی کا اثر دماغ پر ہوتے پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔ میں کسی سے کہہ کر ڈاکٹر کو بلواتی ہوں۔''

''تم نے اگر ان کی آنکھوں پر غور نہیں کیا تو غلطی کی ہے......تمہیں غور کرنا چاہیے......'' ثانیہ کے دھمکانے کے باوجود وہ اطمینان سے پاؤں جھلاتی بول رہی تھی ثانیہ کی جان جل کر خاک ہو گئی۔

''کیوں......کتنے نفلوں کا ثواب ملے گا؟'' اس نے سلگ کر کہا۔

شفق مزے سے ہنسنے لگی۔

''نہیں ثواب تو نہیں ملے گا البتہ اجر ضرور ملے گا۔ خواب دیکھو گی تو تعبیر ملے گی......خواہش کرو گی تو منزل ملے گی۔ یقین کرو ثانیہ......اس شخص کی آنکھوں میں تمہارے لئے وہ سب کچھ تھا جو کوئی بھی لڑکی ایک بہترین شخص کی آنکھوں میں اپنے لئے دیکھنے کی خواہش کر سکتی ہے......اور یہ بات میں نے ایک ہی ملاقات میں بھانپ لی تھی۔''

''یہی تو مجھے حیرانی ہے۔ اتنی مختصر سی ملاقات میں تم نے ان کی آنکھوں میں بھی دیکھ لیا کمال ہے۔'' اس نے جل کر کہا مگر شفق کی سنجیدگی میں فرق نہ آیا۔

''تم دیکھ لینا میری شادی کے کچھ روز بعد ہی شمسہ میڈم اپنے بھانجے کا پرپوزل لے کر آئیں گی۔ انشاء اللہ اور بات سنو تمہیں ذرا بھی اکڑ دکھانے کی ضرورت نہیں ہے فوراً سے پیشتر ہاں کر دینا۔''

''اگر تمہیں دو روز بعد دلہن نہ بننا ہوتا تو اتنی بکواس کرنے پر اب تک میں تمہارا سر پھاڑ چکی ہوتی۔'' ثانیہ نے سنگین لہجے میں کہا اور کھٹاک سے سوٹ کیس بند کر دیا۔

''اس میں برائی کیا ہے ثانی!'' اس بار شفق جھنجھلائی۔

''دیکھو برائی، اچھائی والا تو یہاں کوئی کام ہی نہیں۔'' ثانیہ نے تحمل سے کہا۔

''لیکن جو بات ہے ہی نہیں وہ ہم اپنی طرف سے فرض کر کے کیوں بیٹھیں۔ ان بے چاری کی اچھائی کو ہم اپنی غرض کے معنی کیوں پہنائیں۔ ابھی تم خود ہی تو کہہ رہی تھیں امیروں کے بہت نخرے ہوتے ہیں اپنے سے کم درجہ لوگوں میں وہ گھلنا ملنا پسند نہیں کرتے تمہیں ایک بات بتاؤں......''

''کچھ کھانے کو ملے گا۔؟'' ثانیہ ایک دم خاموش ہوگئی لیکن اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ الیاس انگلیاں مسلتے دروازے میں کھڑے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

''میں آپ کے لئے کھانا نکال دیتی ہوں ابو؟'' شفق کو بزرگ خواتین نے کسی بھی کام کو ہاتھ لگانے سے منع کیا تھا مگر ثانیہ اور الیاس کے مابین حائل سرد مہری دیکھتے ہوئے اس نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے کہا۔

''نہیں شفق! تم رہنے دو۔'' الیاس بولے۔

''ثانیہ بیٹی! شفق تو مایوں بیٹھ چکی ہے اور مایوں بیٹھی لڑکی سے کام نہیں کرواتے۔ تمہیں زحمت نہ ہو تو میرے لئے کھانا نکال دو۔'' الیاس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

ثانیہ انہیں مخاطب نہیں کرتی تھی وہ مخاطب کرتے تو، ہوں ہاں، کر کے ہٹ جاتی تھی۔ زینب، کشف اور نرمین کے رویے بھی ان کے ساتھ ایسے ہی تھے۔ ایک وقت تھا وہ اپنی بیٹیوں سے بات نہیں کرتے تھے اور آج ان کی بیٹیاں ان سے بات نہیں کرنا چاہتی تھیں وقت کتنی جلدی بدل جاتا ہے۔

الیاس نے ثانیہ کو خاموشی سے کچن کی طرف جاتا دیکھ کر دلگرفتگی سے سوچا تھا۔

☆......☆......☆

''کیا میں آسکتی ہوں؟'' حنان کھڑکی کے پاس کھڑا نیچے لان اور کاریڈورز میں آتے جاتے لوگوں کو دیکھ رہا تھا جب اس نے کسی کی آواز سنی گردن موڑ کر دیکھا گیتی آرا ہاتھوں میں سفید پھولوں کا گلدستہ پکڑے اور لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ سجائے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

حنان اسے اچانک سامنے پا کر حیران ہوا جس طرح وہ اچانک غائب ہوگئی تھی اور جس طرح اس نے شمسہ کو اپنا نام لینے سے منع

کیا تھا حنان کا خیال تھا وہ دوبارہ اسے اپنی شکل نہیں دکھائے گی لیکن اس وقت وہ اس کے سامنے تھی اور حادثے کے کئی روز بعد اسے اپنے سامنے دیکھ کر وہ صرف حیران نہیں ہوا تھا بلکہ بے حد خوشگواریت بھی محسوس کی تھی۔ خوبصورت چہرہ، دیکھنے والے کے لئے بھی بہت بڑی نعمت ہوتا ہے اور ذہن و دل پر خوش گواریت کا اثر چھوڑتا ہے۔

''آپ کو اجازت مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔ تشریف لایئے۔''

گیتی مسکراتے ہوئے اندر آ گئی۔

''اب کیسی طبیعت ہے؟'' اس نے بوکے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

''تمہاری مہربانی سے بچ گیا ورنہ ان لوگوں نے دنیا سے اٹھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔' وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا پلنگ تک آیا اور احتیاط سے بیٹھتے ہوئے بغور گیتی کی جانب دیکھا۔

''تم نے ممی کو منع کیوں کیا تھا کہ پولیس کے سامنے تمہارا نام نہ لیا جائے۔ ہمیں اس سے کیس میں کافی مدد ملتی۔''

''میں نے منع کرنے کے ساتھ ساتھ وجہ بھی تمہاری ممی کو بتا دی تھی۔'' ٹانگ پر ٹانگ رکھتے ہوئے گیتی نے بے تاثر لہجے میں کہا۔

حنان کچھ کہہ نہیں سکا وہ اسے دیکھتا رہا۔ گیتی آر اکل بھی اسے کسی معمے کی طرح لگتی تھی وہ آج بھی اسے معمہ ہی لگ رہی تھی۔ پتا نہیں اس کی شخصیت اتنی پراسرار کیوں تھی؟

''تم نے میری ممی سے جھوٹ بولا تھا۔'' بالآخر حنان نے اس سے دوٹوک بات کرنی کی ٹھانی۔

''تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟'' گیتی اس بار بھی پرسکون تھی۔

''کیونکہ بے ہوشی کی حالت میں، میں نے خود تمہیں کہتے سنا تھا کہ یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا۔''

''بے ہوشی کی حالت میں تم نے کیسے سنا؟'' اس بار گیتی کا انداز تمسخرانہ تھا حنان کو برا لگا۔

''بات کو گھماؤ نہیں گیتی! مجھے میرے سوال کا جواب چاہیے۔ تم میری ذہنی حالت کا اندازہ کر سکتی ہو؟ جس دن سے ہوش میں آیا ہوں ہر وقت یہی سوچتا ہوں کہ ان لوگوں نے مجھے ٹارچر کیوں کیا...... اس سارے سلسلے میں تمہارا کیا رول ہے اور میرا قصور کیا تھا...... میں مر بھی سکتا تھا۔'' اس کے لہجے میں سراسیمگی تھی گیتی کو حیرانی نہیں ہوئی موت کے نام پر اتنا خوفزدہ ہو جانا کوئی انہونی بات نہ تھی۔ حنان کی جگہ وہ خود ہوتی تو اس سے زیادہ خوفزدہ ہوتی۔

''ہائپر مت ہو حنان!'' گیتی نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''میں نے سوچا تھا میں دوبارہ تم سے کبھی نہیں ملوں گی لیکن میرا ضمیر مجھے اس کی اجازت نہیں دے رہا تھا کہ تمہیں اس مشکل میں پھنسا کر ایک طرف ہو جاؤں۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ تمہیں ٹارچر کروانے میں مظہر کا ہاتھ ہے اور مظہر وہ شخص ہے جو ہمیشہ مجھے اپنی زرخرید بنا کر رکھنا چاہتا ہے...... تم اندازہ نہیں کر سکتے وہ کتنا گھٹیا اور گندہ انسان ہے۔ صرف عورت ہی نہیں اسے کسی انسان کی عزت کرنا بھی نہیں آتا۔

پچھلے ڈھائی سال سے میں اس کے ساتھ ایسی زندگی گزار رہی ہوں جیسے یہ زندگی نہ ہو دوزخ کی آگ ہو۔ کوئی اپنے غلاموں کے ساتھ بھی ویسا سلوک نہیں کرتا ہو گا جیسا وہ میرے ساتھ کرتا ہے۔ یہ میرے چہرے اور بازوؤں پر نشان دیکھ رہے ہو؟ تم سے دوستی کرنے کا انعام ملا ہے یہ مجھے، اس نے ہم دونوں کو مارکیٹ میں دیکھ لیا تھا اور اس کا خیال تھا ہم دونوں آپس میں انوالو ہیں۔ یونو محبت وغیرہ حقیقت معلوم کیے بغیر مجھے سزا دینے کے لئے اور تمہیں مجھ سے دور کرنے کے لئے اس نے تمہیں ٹارچر کروایا میرے استفسار پر اس نے مجھے بھی بری طرح مارا پیٹا تین دن تک مجھے اندھیرے کمرے میں بھوکا پیاسا رکھا۔ وہ بہت برا ہے حنان! بہت زیادہ۔'' اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی تھی۔

''تم مجھے اس کا پورا ایڈریس بتاؤ اقدام قتل کا کیس بنتا ہے اس پر دو دن میں پولیس اس کی ساری اکڑ نکال دے گی۔''

حنان کے غصے اور جذباتی پن سے کہنے پر وہ آنسو بھری آنکھوں سے ہنسنے لگی۔

''اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟'' حنان جھنجھلایا۔

''اس نے تمہیں قتل کروانے کی کوشش کی مگر تم بچ گئے...... وہ ان لوگوں میں سے ہے جو قتل کرتے ہیں تب بھی پولیس ان کا کچھ نہیں بگاڑ پاتی۔ وہ بہت کرپٹ انسان ہے تم جیسے شریف لوگ تو اس کی کرپشن کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے...... صرف یہی دیکھ لو کہ معمولی سی غلط فہمی کی بنا پر......''

''غلط فہمی۔'' حنان نے سرعت سے اس کی بات کاٹ دی۔

''میرا خیال ہے غلط فہمی اسے نہیں تمہیں ہے۔ میں سچ مچ تم سے محبت کرتا ہوں گیتی۔'' گیتی کچھ بول نہیں سکی وہ بے یقینی سے حنان کا چہرہ دیکھتی رہی۔

''حنان! کیا تمہارے سر پر بھی چوٹ لگی ہے؟''

حنان بے ساختہ ہنس دیا۔

''سر پر تو نہیں لگی لیکن تمہاری اتنی بے اعتباری دیکھ کر میرے دل پر چوٹ ضرور لگ رہی ہے۔ میں اپنی فیلنگز کا اظہار اس طرح اچانک نہیں کرنا چاہتا تھا مجھے اس خاص وقت کا انتظار تھا جب تم مجھے اپنا بہترین دوست سمجھنے لگو گی اور مجھ پر اعتبار بھی کرو گی...... مگر ہمیشہ وہ نہیں ہوتا جو ہم سوچتے ہیں شاید میری تقدیر میں یہی لکھا تھا کہ میں اپنی فیلنگز سے تمہیں اس طرح اچانک انفارم کروں۔'' وہ جیسے خود کلامی

کے انداز میں بول رہا تھا۔

''سنو گیتی آرا تم میری زندگی میں آنیوالی پہلی لڑکی نہیں ہو۔ہاں لیکن تم وہ پہلی لڑکی ہو جسے دیکھتے ہی مجھے اس سے محبت ہوگئی تھی۔ لو ایٹ فرس سائیٹ، کتنی عجیب بات ہے ناں کہ آپ کسی کو دیکھیں اور پھر آپ کو لگے کہ اس کی ساری زندگی اس انسان کے بغیر نامکمل ہوگی تمہیں دیکھ کر مجھے یہی لگا تھا گیتی!...... تمہیں تو شاید یاد بھی نہیں ہوگا لیکن اس لمحے نے میری ساری زندگی کے سارے سیٹ اپ کو بدل کر رکھ دیا تھا اس روز تم نیوی بلیو کلر کے ڈریس میں تھیں اور ایک موٹا اور ایجڈ آدمی تمہارے ساتھ تھا اس نے تمہارا ہاتھ پکڑا ہوا تھا میرا دل چاہا تھا میں اس کا ہاتھ کاٹ دوں۔وہ جیسی نظروں سے تمہیں دیکھ رہا تھا میرا دل چاہتا تھا اس کی آنکھیں نکال لوں۔''

''یہ کب کی بات ہے۔'' گیتی نے کسی خواب سے جاگتے ہوئے پوچھا۔

''نو فروری......شام ساڑھے سات بجے۔'' حنان نے دو ماہ پہلے کی ایک تاریخ کا نام لیا تھا گیتی سوچ میں پڑ گئی مگر پھر سر کو جھٹک کر کھڑی ہوگئی۔

''مجھے نہیں پتا تم کیا کہہ رہے ہو۔'' اس نے جھنجھلا کر کہا۔

''میں تمہیں صرف وارن کرنے آئی تھی مظہر کے پیچھے آج کل ویسے ہی پولیس لگی ہوئی ہے یہ کچھ دن تو تم سمجھو وہ خود چھپتا پھر رہا ہے لیکن اگر ایسا نہ ہوتا تو یقیناً اب تک تمہیں مروا چکا ہوتا تمہارا تو یہ گولڈن چانس ہے یہاں سے غائب ہو سکتے ہو تو ہو جاؤ۔''

''اور تم......'' حنان نے پوچھا۔

''وہ تمہیں بھی نقصان پہنچا سکتا ہے۔''

''اس کی تم فکر نہ کرو۔میں اپنی آزادی کا راستہ تلاش کر چکی ہوں۔'' گیتی نے آہستگی سے کہا۔

''مجھے تمہاری فکر تھی اس لئے بتانے چلی آئی۔تمہاری مدر بہت اچھی ہیں تمہارے لئے بہت فکر مند تھیں وہ......اپنے لیے نہیں تو ان کی خاطر خود کو بچا لو...... مجھے مظہر سے کوئی اچھی امید نہیں ہے۔''

''اس فکر مندی کے لئے بنڈل آف تھینکس ......محبت نہیں، محبت کی ادا ہی سہی۔'' حنان نے متبسم لہجے میں کہا وہ چڑ گئی۔

''شٹ اپ......'' اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

''اچھا سنو......خفا ہو کر مت جاؤ میری فیلنگز تو تمہیں قابل بھروسہ نہیں لگ رہیں۔مگر پلیز ناراض مت ہو۔میں اپنے خیالوں میں تمہاری ہنستی مسکراتی تصویر رکھنا چاہتا ہوں۔'' حنان نے اداسی سے کہا۔

''گیتی تذبذب میں پڑ گئی۔

''میں ناراض ہو کر نہیں جا رہی حنان! ایک تو یہ کہ مجھے یقین ہے مظہر بھلے ہی منظر سے غائب ہو اس کے کتے میری بو سونگھتے

پھرتے ہیں...... میں نہیں چاہتی کہ مجھے تمہارے ساتھ دیکھ کر وہ پھر کسی غلط فہمی کا شکار ہو اور تمہیں نقصان پہنچائے اور دوسری بات یہ کہ......" وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی اپنا مافی الضمیر کس طرح واضح کرے۔ گو کہ حنان کوئی پہلا مرد نہیں تھا جو اس سے اچانک محبت کا اظہار کر رہا تھا کئی لوگ اس سے ملتے تھے اور بیشتر پہلی ملاقات میں ہی اس سے اپنی محبت کا اظہار کر دیتے تھے مگر حنان کی آنکھوں اور لہجے کی سچائی نے اسے عجیب سی کیفیت میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ خواہش کے باوجود اسے کوئی سخت جواب نہیں دے پا رہی تھی۔

"تم نے جو کچھ بھی ابھی کہا وہ میرے لئے بہت Unexpected ہے میں یقین کروں بھی تو کیسے؟...... مجھ سے کئی مرد ملتے ہیں اور میری محبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔"

"پلیز......" حنان نے تلخی سے اسے ٹوک دیا۔

"تمہیں میری بات کا یقین نہیں ہے تو مت کرو...... مگر اللہ کے لئے مجھے ان جاہل اور نفس پرستوں سے بھی کمپیئر مت کرو۔" اس نے غصے اور صدمے سے بے قابو ہوتا اپنا تنفس بحال کیا اور رسان سے بولا۔

"تمہیں جانا ہے؟ چلی جاؤ، میں صرف اتنی ریکویسٹ کرنا چاہتا ہوں کہ تم یہاں سے مسکراتی ہوئی جاؤ تا کہ کل کو جب میں تمہیں یاد کروں تو تمہاری خفگی سے بھری صورت میرے سامنے نہ آئے...... آج نہیں تو کل...... تمہیں میری محبت پر یقین آ جائے گا گیتی...... تمہیں یقین کرنا ہوگا۔"

وہ سر جھکائے بول رہا تھا گیتی بے ساختہ آگے بڑھی اس کے ہاتھ کو بڑی محبت سے اپنے دونوں ہاتھوں سے تھپکا اور دروازے کی طرف پلٹ گئی۔

"سنو گیتی۔" اس نے پھر بے ساختگی سے پکارا۔

وہ رکی اور پلٹ کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔

"تمہیں جب بھی زندگی میں کسی مشکل کا سامنا کرنا پڑے اور ایک اچھے دوست کی ضرورت ہو تو مجھے ضرور یاد کرنا۔ یقین کرو تم جب بھی مجھے پلٹ کر دیکھو گی حنان کو اپنا راستہ دیکھتا ہوا پاؤ گی۔" اس نے جذب سے کہا اور وہ اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے اس آخری ملاقات میں اس کا چہرہ اپنی آنکھوں میں ہمیشہ کے لئے قید کر رہا ہو۔ گیتی نے اپنے آنسو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا اور کمرے سے باہر آ گئی۔ وہ حنان کو محتاط رہنے کی تاکید کرنے آئی تھی اسے علم ہوتا کہ یہاں سے واپس جاتے ہوئے اتنا بوجھل دل لے کر جائے گی تو کبھی نہ آتی۔

"اے اللہ...... یہ اتنا اچھا، فرشتوں جیسا خوبصورت دل رکھنے والا انسان کیا مجھے اب ہی ملنا ضروری تھا...... زندگی کے اس مقام پر جب میں خواہش کے باوجود اس کی محبت قبول نہیں کر سکتی۔" پارکنگ کی طرف جاتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی اور آنسو صرف اس کے

گالوں کو ہی نہیں اس کے دل کو بھی بھگو رہے تھے۔اسکی حسرتوں بھری زندگی میں ایک اور حسرت کا اضافہ ہو گیا تھا جبکہ اسی ہسپتال کے اس پرائیویٹ روم میں بیٹھا حنان قادر پٹیوں میں لپٹا ہونے اور ہنسنے سے ہونے والی تکلیف محسوس کرنے کے باوجود پیٹ پر ہاتھ رکھے ہنس رہا تھا۔

''اوہ گاڈ! ان لڑکیوں کو بے وقوف بنانا کتنا آسان ہوتا ہے۔''اس نے ہنستے ہوئے سوچا پھر موبائل اٹھا کر حدید کا نمبر ملانے لگا مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ دروازے کے دوسری طرف کھڑا ہوا حدید اس کی گیتی سے ہونے والی ساری گفتگو سن چکا ہے۔

ناول **بساطِ دل** ابھی جاری ہے۔بقیہ واقعات آپ آنے والی ان تاریخوں (15th, 20th, 25th) میں پڑھ سکیں گے۔

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
سعدیہ عابد کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

جیتوں تو تجھے پاؤں

ہر ماہ کی 16 تاریخ کو کتاب گھر پر نئی اقساط پیش کی جائیں گی۔

kitaabghar.com

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
سحرش علی نقوی کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

ہم نوا تھے جو

ہر ماہ کی 10 تاریخ کو کتاب گھر پر نئی اقساط پیش کی جائیں گی۔

kitaabghar.com

''سنا ہے مایوں بیٹھی ہوئی دلہن کی دعائیں جلدی قبول ہوتی ہیں۔ دیکھا جائے تو میں بھی ابھی مایوں کی دلہن ہی ہوں لیکن اب تم سب کے پاس بس آخری چانس ہے۔ کسی نے کوئی دعا کروانی ہو تو مجھے بتا دے۔''

''تم پلیز پہلے جا کر نہا لو صرف ڈیڑھ گھنٹہ رہ گیا ہے تمہارے پالر جانے میں اور کسی پیرنی کی طرح یہاں بیٹھی مایوں کی دلہن کی کرامات پر روشنی ڈال رہی ہو۔'' ثانیہ کو ٹرنک کی چابیاں نہیں مل رہی تھیں جھلا کر بولی۔

''نہانے میں زیادہ سے زیادہ بھی پندرہ منٹ لگیں گے اور پالر جانے میں ابھی پورا ڈیڑھ گھنٹہ باقی ہے۔ تم بے فکر رہو عین وقت پر پالر پہنچ جاؤں گی۔'' شفق نے لاپروائی سے کہا اور الماری کے کھلے پٹ سے ٹیک لگاتے ہوئے بولی۔

''تم بتاؤ کوئی دعا کروانی ہے؟''

ثانیہ الماری میں سر دیئے چابیاں تلاش کر رہی تھی۔ اسی کمرے میں نرمین وغیرہ دیگر کزنز کے ساتھ ڈھولک رکھے بیٹھی تھیں۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی ایسے میں ایک ثانیہ بی بی تھیں جنہیں کبھی کوئی کام یاد آتا کبھی کوئی، کئی بار ان سب کی منتیں کر چکی ڈھولک کا پیچھا چھوڑ کر شام کی تیاری کرو۔ جس کے کپڑے استری ہونا ہیں وہ استری کر لے، جسے نہانا ہے نہا لے۔ بجلی چلی گئی تو آدھے کام چوپٹ ہو جائیں گے مگر ہر کوئی اپنی مرضی کا مالک ایک کان سے سنا دوسرے سے نکال دیا اور ان سب سے ہٹ کر دلہن صاحبہ کی اپنی ہی لن ترانی تھی۔

''تمہیں اور کوئی کام نہیں ہے جو منتیں کر کر کے ہر ایک کی دعائیں معلوم کر رہی ہو؟''

''کسی کا میری وجہ سے بھلا ہو جائے اس سے مجھے کیا نقصان ہو سکتا ہے۔'' شفق نے آرام سے کہا۔

''اور تم چھوڑو ساری باتیں اپنی دعا بتاؤ کیا پتا قبول ہو ہی جائے یہاں سب مجھے اپنی دعائیں بتا چکے ہیں تم بھی بتا دو۔ اور بات سنو ایسی اچھی پیرنی تمہیں کہیں نہیں ملے گی جو بغیر پیسوں کے دعائیں کرتی ہو۔''

''اچھا......'' اس کے اقرار پر ثانیہ مجبوراً سوچنے لگی۔

''اگر دعا کی قبولیت کی گارنٹی ہے تو تم دعا کرو کہ میری بہنیں جلد از جلد بیاہی جائیں اللہ ان کی قسمتیں اچھی کرے اور زندگی میں انہیں کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔''

شفق چند لمحے اسے گہری نظروں سے دیکھتی رہی پھر آہستگی سے بولی۔

''میں یہ دعا کیوں نہ کروں کہ تمہاری شادی جلد از جلد ہو جائے اللہ تمہاری قسمت اچھی کرے اور زندگی میں تمہیں کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے اور یہ کہ زندگی میں تمہیں ڈھیر ساری خوشیاں ملیں؟''

''میری خوشیاں میری بہنوں کی خوشیوں سے مشروط ہیں۔'' اس نے رسان سے کہا۔ شفق چند لمحے خاموش رہی۔

''لیکن میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں تمہارے لیے وہ دعا کروں جو صرف تمہاری ذات سے تعلق رکھتی ہو اور جو صرف تمہاری خوشی ہو۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔'' ثانیہ کو چابیاں مل گئی تھیں مسکرا کر بولی۔

''پھر جو تمہارے دل میں ہے میرے لئے وہی اللہ سے مانگ لو۔'' اس نے الماری بند کرتے ہوئے کہا۔

''یہ ٹھیک ہے پھر میں اللہ سے تمہارے لیے...... شاہنواز صاحب کو...... مانگ لیتی ہوں...... میں دعا کرتی ہوں کہ اللہ انہیں تمہاری قسمت بنا دے۔'' دزدیدہ نظروں سے ثانیہ کو دیکھتے ہوئے شفق کہہ رہی تھی۔

ثانیہ نے غضبناک نظروں سے اسے گھورا اور زور سے دوسرا پٹ بھی بند کرتی کمرے سے باہر نکل گئی۔ یہ اس کی ناراضی و ناپسندیدگی کا اظہار تھا۔

''اللہ جانے شفق کے دماغ میں یہ خیال کہاں سے جڑ پکڑ گیا تھا جب دیکھو یہی رٹ لگائے رکھتی۔'' وہ جتنا اس ذکر سے بھاگتی شفق اتنا ہی بار بار پٹاری کھول کر سامنے رکھ دیتی۔

اب بھی ثانیہ کو غصہ تو بہت آیا لیکن کچھ تو مصروفیت بہت تھی دوسرے اس کی شعوری کوشش کا بھی دخل تھا۔ ذہن بٹ ہی گیا۔

مہندی کے لیے اشفاق چچا پہلے ہی منع کر چکے تھے۔ یہاں لڑکیوں نے بارات سے ایک روز قبل ہی خوب ڈھولک بجائی، گانے گا کر آوازیں بھدی کر لیں۔ شفق کو مہندی لگائی گئی۔ مہندی کھیلی بھی گئی اور یوں یکطرفہ طور پر ہی رسم کر کے اپنا شوق پورا کیا۔

آج بارات آنا تھی خوب مصروفیت بھرا دن تھا شادی ہال میں سارا انتظام تھا۔ چونکہ منیجمنٹ اظہر خالو کی تھی سو سب کچھ بہترین تھا احمد اور عمر (حنا خالہ کے بیٹے) میں اپنے والد کی طرح ہی احساس ذمہ داری خوب تھا۔ گو کہ ابھی کم عمر تھے لیکن بیرونی کام نبٹانے میں پیش پیش اور انتظامی صلاحیت عروج پر، باذل بھی باقی تمام دن تو ہر کام نبٹانے میں آگے آگے رہا تھا مگر کل وہ بھی کہہ گیا۔

''کوئی بھی کام ہو تو بلا جھجک بلوا لیجیے گا لیکن بارات سے تین گھنٹے پہلے تک، یاد رہے میں دولہا کا اکلوتا بھائی ہوں اور جب تک بارات کے آگے آگے دولہا کا بھائی بھنگڑا نہ ڈال لے رنگ کچھ جمتا نہیں ہے۔ اس لیے عین وقت کے لیے پیشگی معذرت۔''

شمسہ بارات سے کچھ دیر پہلے پہنچیں۔ ثانیہ کو بڑی خوشگوار سی حیرت ہوئی کیونکہ وہ تو ان کی آمد کے متعلق ہی شش و پنج کا شکار تھی یہاں اسوہ اور نشوی بھی ہمراہ تھیں۔ ثانیہ نے انہیں سب مہمانوں سے متعارف کروایا پھر دلہن کیلیے مخصوص کیے گئے کمرے میں لے آئی۔

''ماشاءاللہ...... دلہن بہت پیاری ہے۔''

شمسہ نے ساتھ لائے ہوئے تحائف شفق کو دیتے ہوئے کہا اور انہوں نے تعریف کر کے محض فارمیلٹی نہیں نبھائی تھی شفق سچ مچ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ شاکنگ پنک اور پیرٹ گرین کلر اس کی رنگت پر خوب جچ رہا تھا کچھ دلی اطمینان بھی تھا جس نے چہرے پر نکھار سا پیدا کر دیا تھا۔

''بارات آگئی ہے اور آپ سب لوگ یہاں بیٹھی ہیں۔ کسی نے بارات کا استقبال بھی کرنا ہے یا نہیں...... آپی، پھول کہاں رکھے ہیں؟'' زینب کے حواسوں پر افراتفری سوار تھی۔

''مما! ہم بھی باہر جا رہے ہیں آپ چلیں گی یا یہاں ہی رکیں گی۔'' نشوئ نے شمسہ سے پوچھا۔

''نہیں بھئی...... یہاں بیٹھے رہنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہم تو لڑکی والے ہیں بارات کا استقبال تو ضرور کریں گے۔''

ثانیہ بھی باہر جانے لگی تو شفق نے روک لیا اس کے دوپٹے کی پن ٹھیک سے نہیں لگی تھی۔

''ابھی بھی ناراض ہو؟'' جس وقت وہ شفق کے دوپٹے کی پن ٹھیک کر رہی تھی شفق نے آہستگی سے شرارتی لہجے میں پوچھا۔

ثانیہ نے ترچھی نظروں سے اسے دیکھا پھر سنجیدگی سے بولی۔

''اگلی بار ایسی بات کرو گی تو سچ مچ ناراض ہو جاؤں گی۔''

شفق اس کی سنجیدگی کو خاطر میں لائے بنا ہنسنے لگی۔

''تھوڑی سی شرم کر لو شفق...... کہاں تو رو رو کر آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا اور اب جب سچ مچ رونے کا ٹائم ہے تو دانت نکال رہی ہو۔

''اب چپ چاپ بیٹھی رہو۔ میں کسی کو بھیجتی ہوں تمہارے پاس۔''

''سنو، ہو سکے تو نشوئ کو بھجوا دینا۔ وہ مجھے شکل اور اپنی باتوں سے کافی معصوم لگی ہے۔ اسی سے اگلوانے کی کوشش کرتی ہوں کہ آخر اس کی والدہ صاحبہ تم پر اتنی مہربان کیوں ہو رہی ہیں۔'' وہ باز کسی صورت نہیں آ رہی تھی۔ ثانیہ نے سر ہی پیٹ لیا۔

''خبردار تم نے نشوئ...... یا کسی اور سے کوئی بات کی تو...... میری بے عزتی کرواؤ گی تم۔'' وہ جھنجھلا کر کہتی باہر نکل گئی۔ گو کہ جانتی تھی شفق ایسی بے وقوفانہ حرکت کبھی نہیں کرے گی مگر اس دل کا کیا کرتی جسے اس خیال سے ہی خوامخواہ گھبراہٹ ہونے لگتی تھی۔

باہر بارات کی رونق اپنے عروج پر تھی خوب آتش بازی ہو رہی تھی ڈھول کی تھاپ پر لڑکے رقص کر رہے تھے۔ باذل نے اپنا کہا پورا کیا۔ بھنگڑا ڈالنے میں سب سے پیش پیش تھا۔ ساتھ ساتھ اس کے اور عادل کے دوستوں اور کزنز نے بھی پورے پینتالیس منٹ تک حق دوستی ادا کرتے ہوئے بھنگڑا ڈالا یہاں تک کہ چچا جان کو انہیں ڈانٹ کر آگے بڑھنا پڑا ورنہ ان سب کا تو بس نہیں چل رہا تھا ساری رات یونہی آتش بازی کرتے اور بھنگڑے ڈالتے گزار دیں۔

کشف اسے دوپٹہ لانے کے لیے کہہ رہی تھی جو انٹرنس پر انہیں دولہا کا راستہ روکنے کے لیے پکڑنا تھا اور پھر نیگ وصول کرنا تھا۔ ثانیہ سر ہلا کر پلٹنے لگی لیکن اسی وقت اسے عادل کے ساتھ آتے شخص کو دیکھ کر حیرانی کا جھٹکا لگا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ لیکن اتنی روشنیوں میں اسے غلط فہمی کیسے ہو سکتی تھی جبکہ منظر بھی واضح تھا۔ عادل کے ساتھ آتا شخص کوئی اور نہیں شاہنواز سر تھے۔

☆......☆......☆

''دیکھیے انسپکٹر صاحب! آپ کو کسی نے بالکل غلط اطلاع دی ہے سارے بنگلے کی آپ تلاشی لے چکے ہیں۔ کوئی غیر قانونی چیز آپ کو نہیں ملی۔ ہیروئن...... افیم تو بہت دور کی بات ہے آپ کو تو یہاں نکوٹین سے بھری ایک سگریٹ بھی نہیں ملی ہوگی۔ باقی رہی بات اس لڑکی کی......تو میں اسے کہیں سے اغوا کر کے نہیں لایا وہ میری قانونی وشرعی بیوی ہے......آپ اس کا بیان بھی لے چکے ہیں۔

ساڑھے تین ماہ قبل ہماری شادی پتوکی میں انجام پائی تھی اہل محلہ نے دعوت ولیمہ میں الحمدللہ دونوں ہاتھوں سے رزق اڑایا تھا۔ ہم تو آپ کو بھی دعوت نامہ بھجواتے مگر وہ کیا ہے ناں کہ سب کام بہت عجلت میں کرنا پڑا۔ کچھ ذاتی مجبوریوں کی وجہ سے۔ کئی یار دوست تو اب تک ناراض ہیں کہ غیروں کو بلوالیا انہیں کیوں شرکت کی دعوت نہ دی۔ یہ رہا نکاح نامہ آپ چاہیں تو پتوکی کی جامعہ مسجد کے امام سے انکوائری کر سکتے ہیں انہوں نے ہی ہمارا نکاح پڑھوایا تھا یقین کیجیے ہمارے دشمنوں نے آپ کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔''

''کیوں شرمندہ کر رہے ہیں مظہر صاحب! بھلا آپ پر یقین نہیں کریں گے تو اور کس پر کریں گے۔ مگر آپ جانتے ہیں ضابطے کی کارروائی تو مکمل کرنا ہی ہوتی ہے۔'' انسپکٹر نے خوشدلی سے کہا۔

''بجا فرمایا آپ نے۔'' مظہر نے سگریٹ کیس کھول کر اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

''حکم کیجیے تو پھر کیا خدمت کی جائے آپ کی؟'' اس کا لہجہ وانداز معنی خیز تھا۔

''خدمت کا موقع تو آپ ہمیں دیجیے۔ کیا ہی اچھا ہو اگر کل رات کے کھانے پر آپ اور بھابی جان۔ ہمیں شرف میزبانی بخشیں۔''

''ضرور......ضرور۔''

کمرے کے ادھ کھلے دروازے سے آنے والی آوازیں قہقہوں میں بدل گئی تھیں مگر عانیہ کو اتنی فرصت کہاں تھی کہ ان آوازوں اور ان کے ماضی الضمیر پر غور کرتی وہ تو بنا پنکھ ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔ آسمان کی وسعتوں میں گردش کرنے والی کہکشائیں اسے اپنی دسترس میں لگ رہی تھیں۔

پچھلے کئی روز سے کسی خوفناک سانپ کی طرح پھن پھیلاتے خدشات اپنی موت آپ مر گئے تھے۔ وہ خوش کیوں کر نہ ہوتی۔

کمرے میں تنہا بیٹھے جانے کتنی دیر گزر گئی تب مظہر کمرے میں داخل ہوا اور پلنگ پر گرنے کے انداز میں لیٹتے ہوئے اسے بھی اپنی طرف کھینچ لیا۔

''وہ لوگ چلے گئے؟''

''ہوں......'' اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے اس نے مبہم سا جواب دیا۔

''انہیں کس نے اطلاع دی؟''

”ہمارے دشمنوں نے۔“

”دشمن……؟“

”ہوتے ہیں……سب امیر اور کاروباری لوگوں کے۔“

”آپ کو کیسے پتا آپ امیر ہیں۔“ اس کے بٹنوں سے کھیلتے ہوئے اس نے شوخی سے پوچھا جواباً وہ ہنسنے لگا۔

”میں امیر ہوں……اس کی سب سے بڑی نشانی تو یہ ہے کہ تم میرے پاس ہو۔“

”مطلب؟“ وہ چونکی۔

”مطلب یہ کہ تم میرے پاس اسی لیے آئی ہو کیونکہ میں امیر ہوں……میں غریب ہوتا تو تم میرے پاس کبھی نہ آتیں۔“

عانیہ دھک سے رہ گئی وہ کیا کہہ رہا تھا۔

”یہ سچ نہیں ہے……میں محبت کرتی ہوں آپ سے……اسی لیے۔“

”ہاں یہ بھی ایک حقیقت ہے۔“ اس نے عانیہ کی بات قطع کی۔

”لیکن دولت اس سے بھی بڑی حقیقت ہے۔کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟“

”نہیں……“ عانیہ نے سر اٹھانے کی کوشش کی مگر مظہر نے اسے ایسا کرنے نہیں دیا۔

”اچھا ایک منٹ کے لیے سوچو اگر میں کبھی بھی غریب ہو گیا……یہ دولت میرے پاس نہ رہے……تو کیا تم تب بھی میرا ساتھ دو گی۔“

عانیہ خاموش رہی کیونکہ جو جواب اس کے دل میں تھا وہ اسے زبان پر نہیں لا سکتی تھی۔

”بتاؤ نا عانیہ!“ اس نے اصرار کیا۔

”ہاں……“ اس نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔

وہ پھر ہنسنے لگا اور دیر تک ہنستا رہا۔

”لیکن اس کی نوبت نہیں آئے گی۔میں کبھی غریب نہیں ہوں گا……جس کے پاس تم جیسی خوبصورت بیوی ہو وہ کبھی غریب ہو ہی نہیں سکتا۔“

”کیا مطلب۔“

”مطلب یہ کہ دولت کمانے کے لیے تمہیں میرے شانہ بشانہ کام کرنا ہوگا۔ہمیں اپنا کل مضبوط بنانا ہے عانیہ۔“

وہ خاموش رہی۔

”بتاؤ……دو گی میرا ساتھ۔“

آنے والا کل...... روشن مستقبل...... وہ مہنگی گاڑیوں میں گھومے گی۔ بیش قیمت لباس اور جیولری پہنے گی...... اس کا بیگ ہمہ وقت نوٹوں کی گڈیوں سے بھرا ہوگا۔

تھوڑی سی محنت...... کچھ عرصہ کی جدوجہد کا۔

ایک شاندار مستقبل کے لیے یہ سودا کچھ مہنگا نہ تھا۔

اس نے چند سیکنڈز میں سب سوچ ڈالا اور خوابناک مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

''ہاں...... میں آپ کا ساتھ دوں گی...... میں ہر وہ کام کروں گی جو آپ کہیں گے۔''

''دیٹس لائیک اے گڈ گرل...... مجھے تم سے یہی امید تھی۔''

''لیکن مجھے کام کیا کرنا ہوگا؟'' اس نے پوچھا۔

''وہ انسپکٹر...... جو ابھی یہاں آیا تھا رات تمہیں اسے کچھ دیر کمپنی دینا ہوگی۔''

عانیہ کے منہ پر صحیح طمانچہ لگا تھا اور اتنا شدید کہ وہ کچھ بول ہی نہیں سکی۔

☆......☆......☆

''مجھے پتا ہے ہم بہت لیٹ ہو چکے ہیں لیکن فکر کی کوئی بات نہیں آج کل فنکشن دیے گئے وقت سے خاصا لیٹ شروع کرنا ٹرینڈ بن چکا ہے۔ تم پلیز جلدی پہنچنے کے چکر میں گاڑی تیز مت چلانا...... تمہیں پتا ہی ہے مجھے کتنی گھبراہٹ ہوتی ہے ریش ڈرائیونگ سے۔'' شمسہ نے کار میں بیٹھتے ہی کہنا شروع کیا تھا۔

''دیر سے پہنچنے پر میں خود ان لوگوں سے معذرت کرلوں گی۔ حالانکہ میں تو بالکل ٹھیک وقت پر تیار ہوگئی تھی بس وہ مسز لغاری اچانک آگئیں وہ بھی بنا اطلاع دیے۔''

شاہنواز نے زن سے گاڑی بیک کر کے گیٹ سے نکالی پھرتی سے ٹرن لیا اور ایسی تیزی سے آگے بڑھائی کہ شمسہ کا دل ہولنا لازمی امر ٹھہرا گھبرا کر اس نے شانے پر چپت لگادی۔

''اس اسپیڈ سے چلاؤ گے تو پہنچ چکے ہم عادل کے ولیمہ میں انشاءاللہ ہسپتال ہی جائیں گے کیونکہ اگلے دس منٹ تک میرا ہارٹ فیل ہو ہی جائے گا۔'' انہوں نے جل کر کہا۔

''توبہ ہے خالہ! کس قدر ڈرپوک ہیں آپ۔'' شاہنواز نے ان کی گھبراہٹ سے مزا لیتے ہوئے اسپیڈ کم کی پھر بولا۔

''اسوہ اور نشوئی کو بھی ساتھ لے لیتیں۔''

''اسوہ کو ٹمپریچر تھا نشوئی کا پہلے تو ارادہ تھا پھر کہنے لگی اسوہ کے بغیر جا کر بور ہو جاؤں گی اور اس لیے اس کا پلان بھی بدل گیا۔''

آج وہ لوگ عادل کی طرف سے انوائیٹڈ تھے اور اس نے بے حد اصرار سے بلایا تھا پھر شاہنواز نے بھی مجبور کیا کچھ ان کی اپنی غرض بھی تھی سو تیار ہو گئیں ورنہ تھکاوٹ تو اتنی تھی کہ کوئی مناسب بہانہ بنا کر ٹال بھی سکتی تھی۔

''شاہنواز......'' شمسہ نے کچھ سوچ کر اس کو پکارا۔

''تمہاری دوبارہ حدید سے بات ہوئی؟'' انہوں نے پوچھا۔

''کل ہوئی تھی......لیکن آپ کو پتا ہے آفس کی اتنی ہیکٹک روٹین چل رہی ہے کہ تفصیل سے بات ہو ہی نہیں پائی......ویسے بھی حدید کہہ رہا تھا اس لڑکی کے متعلق کچھ پتا چلا تو خود انفارم کر دے گا۔ آپ واپس کراچی کب جا رہی ہیں؟''

''ہوسکتا ہے اگلے ہفتے چلی جاؤں......اصل میں مجھے حنان کی بہت فکر ہے ہر وقت عجیب عجیب سے وہم ستاتے رہتے ہیں۔ اس سے بھی کچھ پوچھتے ہوئے ڈر لگتا ہے اللہ اللہ کر کے تو اس کے مزاج میں کچھ بہتری آئی ہے پھر کہیں ہتھے سے اکھڑ گیا تو میں کیا کرلوں گی۔''

''ایک بات کہوں خالہ! اگر آپ کو برا نہ لگے تو......'' چند لمحے توقف کے بعد اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''ارے یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ بے فکر ہو کر کہو۔''

''آپ کی اسی حد سے زیادہ بلکہ کسی حد تک غیر ضروری توجہ نے دراصل حنان کا یہ حال کیا ہے۔ وہ بچپن سے آپ کی اتنی اٹینشن کا عادی ہو چکا تھا کہ بڑے ہونے پر آپ کی توجہ کا تقسیم ہو جانا اس سے برداشت ہی نہیں ہوا تبھی پہلے وہ وقتاً فوقتاً اور پھر مسلسل ایسی حرکتیں کرنے لگا جو آپ کے لیے ذہنی اذیت کا سبب بنتی ہیں مگر حنان کو اطمینان حاصل ہوتا ہے کہ آپ مسلسل اس کی طرف متوجہ ہیں۔ دراصل آپ نے اس کی طرف سے ملنے والی ہر پریشانی کو پہلے ہی دماغ پر سوار کر رکھا ہوتا ہے حالانکہ...... ہر دفعہ اس کی حرکتیں یا کام اتنے پریشان کن نہیں ہوتے۔

ویسے بھی وہ جس عمر میں ہے اس عمر میں اکثر و بیشتر لڑکے ایسے ہی لاپروا ہوتے ہیں جن کی زندگیوں میں مشکلات کم ہوں وہ ساری زندگی اپنے لیے مشکلات خود پیدا کرتے رہتے ہیں۔ حنان انہی لوگوں میں سے ایک ہے۔''

''یہ عمر والی بات تم نے خوب کہی......کیا تم اس کی عمر کے نہیں ہو؟'' اس کے خاموش ہوتے ہی شمسہ نے سوال اٹھا دیا۔ شاہنواز تلخی سے ہنس دیا۔

''میری بات نہ کریں خالہ! جو کچھ میں نے سہا ہے وہ حنان کو سہنا نہیں پڑا، جتنی ٹھوکریں میں نے کھائی ہیں حنان کے حصے میں قطعاً نہیں آئیں......ممکن ہے ابا جی یہاں موجود ہوتے تو میری بات کی نفی کرتے مگر میرے شب و روز کی آپ گواہ ہیں۔'' وہ تلخی سے کہہ رہا تھا شمسہ نے ہمدردی و تاسف سے اس کا شانہ تھپکا اور بولیں۔

''ماں باپ کے دل اتنے سخت نہیں ہوتے شاہنواز! بعض اوقات صورتحال ایسی ہو جاتی ہے کہ انسان وہ فیصلہ نہیں کرنا چاہ رہا

ہوتا مگر حالات اس سے کوئی فیصلہ کروا لیتے ہیں...... اب تو اس بات کو وقت بھی بہت گزر چکا۔ بھائی صاحب اگر بڑے پن کا مظاہرہ نہیں کر پا رہے تو تم ہی جھک کر مل لو...... آخر اس ضد کا فائدہ بھی کیا ہے؟''

''ضد؟'' شاہنواز کو جیسے سو والٹ کا جھٹکا لگا تھا۔

''یہاں ضد جیسی تو کوئی چیز ہے ہی نہیں خالہ اور جھک کر ملنے یا نہ ملنے کا کیا سوال...... ابا جی ہی مجھ سے ملنا نہیں چاہتے تھے۔ ان کے نزدیک میں نے گناہ کیا تھا اور ان کے خیال میں اللہ کی بجائے اس گناہ کی سزا دینے کا حق انہیں حاصل تھا۔'' وہ بے بسی سے بولتے بولتے تلخ ہو گیا تھا شمسہ کو افسوس ہوا جب وہ جانتی تھیں کہ یہ موضوع اس کیلیے اذیت کا باعث ہے تو انہیں یہ ذکر چھیڑنا ہی نہیں چاہیے تھا۔

''میں تمہیں ٹینس کرنا نہیں چاہتی تھی۔'' شمسہ نے بے چارگی سے کہا۔

''لیکن جب بھی میں حنان کے لیے فکر مند ہوتی ہوں تو خود بخود مجھے تمہاری ماں کا خیال آ جاتا ہے وہ بھی تمہارے لیے اسی طرح فکر مند ہوتی ہو گی۔ تمہیں یاد کرتی ہو گی۔''

''چھوڑیں خالہ! کوئی اور بات کریں۔'' اس نے بددلی سے کہا۔

''میں جانتا ہوں وہ میرے لیے فکر مند ہوتی ہوں گی مجھے یاد کرتی ہوں گی۔ کوئی رات ایسی نہیں جب میں نے انہیں یاد نہ کیا ہو، کوئی دن ایسا نہیں جب آنکھ کھلتے ہی مجھے ان کا خیال نہ آیا ہو۔ ابا جی سے صرف یہی شکوہ تھوڑا ہی ہے کہ انہوں نے مجھ پر اعتبار نہیں کیا۔ یہ بھی گلہ ہے کہ مجھے میری اتنی شفیق ماں سے دور کر دیا۔'' وہ تلخی سے سوچتا چلا گیا۔

''اچھا سنو...... کیا تم جانتے تھے کہ عادل کی شادی ثانیہ کی بہن سے ہو رہی ہے؟'' بڑی سوچ بچار کے بعد انہوں نے ایک بالکل الگ موضوع ڈھونڈ ہی لیا۔

شاہنواز نے غائب دماغی سے گردن موڑ کر انہیں دیکھا پھر دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے پیشانی مسلتے ہوئے نفی میں گردن ہلا دی۔

''اور جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے کبھی تم سے عادل کا ذکر بھی نہیں سنا۔ یہ تمہارا کوئی نیا دوست ہے کیا؟'' انہوں نے اور ایک سوال اٹھایا۔

''عادل میرا یونیورسٹی کے دنوں کا دوست ہے۔ ہم نے پنجاب یونیورسٹی سے بی بی اے ایک ساتھ کیا تھا۔ پھر ایم بی اے بھی وہیں سے کیا صرف ہماری فیلڈز ڈفرنٹ ہو گئی تھیں میں نے فائنانس میں ایم بی اے کیا اس نے مارکیٹنگ میں، یونیورسٹی میں تو اچھی دوستی تھی لیکن پڑھائی ختم ہوئی تو ملنا ملانا بھی آہستہ آہستہ ختم ہو گیا۔ اب چند سال پہلے عادل سے اتفاقاً پھر ملاقات ہو گئی تو دوستانہ بھی بحال ہو گیا۔

اتفاق بھی یہ کہ ثانیہ کے چھوٹے بھائی تیمور کا میری گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا اسی حوالے سے میری تیمور سے بہت اچھی دوستی ہو گئی۔ گو کہ وہ مجھ سے عمر میں کئی سال چھوٹا تھا مگر...... بہت اچھا بچہ تھا۔'' شاہنواز جیسے تیمور کو یاد کرتے ہوئے افسردگی سے مسکرا رہا تھا۔

"معصوم، سادہ دل......میں نے اس سے اپنے پرسنل کمپیوٹر میں ڈیٹا انٹری کا کچھ کام بھی کروایا تھا۔"

"تھا سے کیا مراد ہے؟" شمسہ نے چونک کر پوچھا۔

"تیمور کا انتقال ہو چکا ہے۔" اس نے آہستگی وافسردگی سے کہا۔

"مجھے بھی اس کے دوست سے اطلاع ملی تھی اور اس خبر کو سن کر مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ بس...... تیمور اتنا زندہ دل تھا کہ میں خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا وہ بیمار ہوگا۔ میں اس کے جنازے میں شرکت کرنے اس کے گھر گیا تھا وہیں عادل سے ملاقات ہوگئی اور بس وہیں سے اتنے عرصے سے بنا کسی وجہ سے منقطع ہوئی دوستی بحال ہوگئی۔ اور یہ بات مجھے خود بھی کل ہی سمجھ آئی ہے کہ ثانیہ کا چہرہ مجھے اتنا جانا پہچانا اور مانوس کیوں لگتا تھا۔" شمسہ کو تفصیل سے بتاتے ہوئے اس نے سوچا۔

"کتنی دلچسپ بات ہے نا۔" شمسہ مسکرا رہی تھیں اور حیران تھیں۔

"شاید اسی لیے کہتے ہیں کہ دنیا گول ہے۔ تم عادل کو طویل مدت سے جانتے تھے پھر تم ثانیہ اور تیمور سے الگ الگ ملے اور اب پتا چلتا ہے کہ سب لوگ تو ایک ہی مرکز سے تعلق رکھتے تھے۔"

وہ بھلا کیا کہتا مسکراتا رہا۔

"ویسے ثانیہ اچھی لڑکی ہے۔" معاً شمسہ نے کہا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگیں۔ شاہنواز اب بھی خاموش رہا البتہ اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

"مجھے نہیں پتا خالہ! وہ اچھی ہے یا نہیں...... میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ جب میں اسے دیکھتا ہوں تو مجھے زندگی اچھی لگنے لگتی ہے۔

میں نہیں جانتا خوب صورت چہرے کیسے ہوتے ہیں...... لیکن جب وہ میرے سامنے ہوتی ہے تو پھر مجھے کوئی اور چہرہ خوبصورت نہیں لگتا لگ ہی نہیں سکتا۔

آپ نے اس کی آنکھیں دیکھی ہیں؟...... میں نے دیکھی ہیں۔ جب وہ مسکراتی ہے نا...... تو اسکی آنکھوں میں جگنو چمکتے ہیں۔

مجھے ان جگنوؤں کو اپنی ہتھیلیوں میں قید کرنا ہے۔

مجھے لگنے لگا تھا ان جگنوؤں سے زیادہ دلکشی دنیا میں اور کہیں نہ ہوگی۔ لیکن کل میں نے اسے ہنستے دیکھا۔ پہلی بار جب وہ عادل سے نیگ وصول کرنے کے لیے جھگڑ رہی تھی۔ تب میں نے اسے کھلکھلاتے دیکھا۔"

بالکل خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتے وہ کہیں اور ہی تھا یہاں تک کہ شمسہ کو کندھا ہلا کر متوجہ کرنا پڑا۔

"کہاں گم ہو؟"

وہ جھینپ کر ہنس دیا۔

"کچھ سوچ رہا تھا۔"

"اچھا......مگر کیا؟"

"تمہارے دوست نے تو شادی کرلی اب تم بھی کرلو۔"

"یہ آپ اور حدید میری شادی کے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہیں۔ کیا میں بوڑھا لگنے لگا ہوں۔" اس نے متبسم و شریر لہجے میں پوچھا۔

"وہ اس لیے کیونکہ ہمیں تمہاری تنہائی کا پورا احساس ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ تمہاری زندگی میں بھی کچھ خوشیوں کا اضافہ ہو۔" شمسہ نے سرعت سے کہا۔

"تھینکس اے لائٹ مائی ڈیئر لیڈی!......لیکن کیا آپکو میری آزادی پسند نہیں ہے؟" اس کا موڈ کچھ زیادہ ہی خوشگوار ہو گیا تھا۔

"بکومت۔" شمسہ نے سنجیدگی سے ڈپٹا۔

"جو میں کہہ رہی ہوں اس پر دھیان دو اور سنجیدگی سے اس پر سوچو...... یہ شادی کے لیے نہایت مناسب عمر ہے اور ویسے بھی ابھی نہیں کرو گے تو کیا بڑھاپے میں کرو گے۔ کل کو پتا چلے شاہنواز صاحب سفید داڑھی لے کر پرام میں اپنے بچے کو سیر کروا رہے ہیں۔ ساری دنیا دلچسپ تماشا دیکھے گی۔ ذرا اس پہلو پر بھی غور کرلو۔" شاہنواز کے قہقہے زبردست تھے۔

"کیا خوفناک نقشہ بنایا ہے خالہ...... میں ابھی قاضی کی تلاش میں نکل رہا ہوں۔"

"یاد رہے قاضی کی آمد سے قبل ایک عدد لڑکی کی ضرورت بھی ہوتی ہے...... بہتر ہوگا پہلے اسے تلاش کرلو۔" وہ بھی مزے سے طنز کر رہی تھیں۔

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر...... میں پہلی فرصت میں شادی کر رہا ہوں۔" اس نے شرارت بھرے تبسم کے ساتھ کہا۔

"کیا کہنے تمہاری تابعداری کے۔" انہیں رتی بھر بھی جو یقین آیا ہو۔

"کمال ہے...... آپ کو میری بات کا یقین کیوں نہیں آرہا۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اچھا بتاؤ لڑکی پسند کرلی؟" انہوں نے اپنی طرف سے اسے مشکل میں ڈالا تھا مگر وہ زیر لب مسکراتے ہوئے بولا۔

"بالکل۔"

"واقعی؟" شمسہ کو اس بار بھی یقین نہیں آیا۔ وہ ہنستا رہا اور شمسہ کو خوشگوار سی حیرانی نے گھیر لیا۔

"یہ تو بہت ہی خوشی کی بات ہے...... ویسے کتنے گھنے ہو تم۔ کیسے چھپا کر رکھی ہوئی تھی یہ بات...... چلو اب جلدی سے یہ بھی بتا دو کون ہے؟ کیسی ہے؟ کیا میں اسے جانتی ہوں؟" شمسہ ایک ہی سانس میں سب اگلوا لینا چاہتی تھیں۔

"سب کچھ بتاؤں گا خالہ! لیکن ابھی نہیں...... تھوڑا سا انتظار کرلیں۔" اس نے رسان سے کہا۔

”جیسے تمہاری مرضی...... لیکن ایک بات سن لو...... جو بھی فائنل سیٹلمنٹ کرنا ہے جلد از جلد کرلو ادھر میں حنان کا پیچھا لیتی ہوں......دو دو بارا تیں اکٹھی کریں گے انشاء اللہ۔“ وہ بے حد پر جوش تھیں۔

”حنان نے بھی کسی کو پسند کرلیا ہے؟“ اس نے سوال برائے سوال پوچھا۔

”حنان نے تو نہیں البتہ میری نظر ٹھہری ہے ایک لڑکی پر مجھے تو خیر بہت ہی پسند ہے حنان بھی مان جائے تو کیا ہی بات ہے۔ ویسے بھی مجھے لگتا ہے حنان جیسے سرکش کو صرف وہی لگام ڈال سکتی ہے۔“ وہ پرسوچ انداز میں کہہ رہی تھیں اور شاہنواز ہال کے پارکنگ میں مناسب جگہ تلاش کررہا تھا۔

☆......☆......☆

ہال کی انٹرنس پر ایک قد آدم آرائشی آئینہ نصب تھا۔

شاہنواز نے اپنے قدموں کی رفتار سست کرتے ہوئے اور ”یہ بھی دیکھتے ہیں کہ کوئی دیکھتا نہ ہو۔“ کے مصداق اپنا تنقیدی جائزہ لیا پھر خود ہی جھینپ کر ہنس دیا۔

وہ آج خود کو سولہ، سترہ سال کے ٹین ایجر لڑکے کی طرح محسوس کررہا تھا جو ”کسی“ کی نظروں میں نمایاں ہونے کے لئے اپنی آؤٹ لک پر بے حد توجہ دیتا ہے۔ گو کہ وہ خوش لباس تھا ساتھ ہی ساتھ لاپروائی بھی اس کی فطرت کا حصہ رہی تھی وہ اپنی وارڈروب کھول کر پہلی بار ہاتھ میں آنے والے کپڑے پہن لیا کرتا تھا مگر آج اپنے لیے کپڑے سلیکٹ کرتے ہوئے اس نے بے حد سوچ بچار کی تھی کہ ساری زندگی میں محض کپڑوں کے انتخاب پر اتنا وقت صرف نہیں کیا ہوگا۔

لیکن ہال میں داخل ہوتے ہی اسے احساس ہوا کہ اس کی ساری تیاری ماند پڑ گئی ہے۔ بالکل ہی سامنے کھڑی ثانیہ کسی سے باتیں کررہی تھی اور اتنی خوبصورت لگ رہی تھی کہ شاہنواز کے لیے اس پر سے نظریں ہٹانا مشکل ہوگیا۔

ثانیہ معذرت کرتی ان لوگوں کی طرف آگئی۔

”بہت بہت پیاری لگ رہی ہو ثانیہ! بلکہ میں تو فیصلہ بھی نہیں کرپارہی کہ تم کل زیادہ پیاری لگ رہی تھیں یا آج لگ رہی ہو۔“ شمسہ نے ثانیہ کے گال سے گال ملا کر بوسہ دیتے ہوئے بے تکلفی سے کہا۔

”کاش! میں شمسہ خالہ ہوتا۔“ اس نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے اور شمسہ کو بنا کسی جھجک کے رائے دیتے ہوئے دیکھ کر بڑی حسرت سے سوچا۔ اس کی فیلنگز سچ مچ ایک ٹین ایجر جیسی ہورہی تھیں۔ اس کا دل ثانیہ پر سے نظریں ہٹانے کو نہیں چاہ رہا تھا وہ نیوی بلیو کلر کا لباس پہنے ہوئے تھی اور شاہنواز نے یہ رنگ آج سے پہلے کسی اور پر اتنا اچھا نہیں دیکھا تھا وہ اسے دیکھتا رہنا چاہتا تھا۔

شمسہ عادل کی امی سے ملنا چاہتی تھیں انہوں نے اپنی راہ لی ثانیہ کا خیال تھا شاہنواز بھی آگے بڑھ جائے گا مگر اسے وہیں جما دیکھ

کر وہ شش و پنج میں پڑ گئی۔ آخر کو اس کا باس تھا وہ منہ اٹھا کر بداخلاقی کا مظاہرہ کرتی آگے بھی نہیں بڑھ سکتی تھی۔

''سر...... عادل اس طرف ہے۔'' آخر اسے وہاں کھڑے رہ کر کچھ تو کہنا ہی تھا۔

''میں دیکھ چکا ہوں۔'' شاہنواز نے متانت سے کہا اب ثانیہ کا وہاں کھڑے رہنا قطعاً بے کار تھا۔ یہ بھی شکر ہے کہ اسی وقت اسے کسی نے آواز دے لی اور اسے وہاں سے ہٹنے کا بہانہ مل گیا۔

اسی وقت شاہنواز نے ایک فیصلہ کیا تھا وہ جو ہر معاملے میں بہت محتاط رہتا تھا اس وقت جیسے بے اختیار ہوا۔ اس نے بے اختیار ثانیہ کو سراہا تھا۔

''آپ بہت گریس فل لگ رہی ہیں ثانیہ...... یہ کلر بہت سوٹ کر رہا ہے۔ اکثر پہنا کیجیے۔''

وہ تو کہہ کر عادل کی طرف آ گیا ثانیہ بے یقین سی وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ شاہنواز بنا دیکھے بھی جانتا تھا ثانیہ کے چہرے پر کیسے تاثرات ہوں گے وہ دل ہی دل میں محظوظ ہو رہا تھا۔

''یار! تم نے اپنے اسٹاف میں اچھی دہشت پھیلائی ہوئی ہے کہ شاہنواز صاحب وقت کے بہت پابند ہیں لیکن ہمارے تو کسی کام نہ آئی تمہاری یہ پنکچوئیلٹی......'' عادل نے اسے دیکھتے ہی شکوہ بلند کر دیا تھا۔

''آفس کی بات دوسری ہے فنکشنز میں چیف گیسٹ کی طرح پہنچنے کا مزا ہی کچھ اور ہے۔'' عادل سے گلے ملتے ہوئے اس نے بھرپور بشاش لہجے میں کہا۔

''بہت خوب...... لیکن کیا اپنے سارے شوق میرے ہی ولیمہ میں پورے کرنے ضروری تھے؟...... ویسے خوب جچ رہے ہو۔ ایسا لگ رہا ہے میرے نہیں اپنے ولیمے میں شرکت کرنے آئے ہو۔''

''واہ کیا پیاری بات کی ہے۔ یونیورسٹی کے دنوں کی یاد دلا دی تب بھی تم میری وجاہت سے یونہی جلا کرتے تھے اور اتنے ہی جلے بھنے انداز میں تعریف کیا کرتے تھے۔''

شاہنواز نے جتنی سنجیدگی سے کہا اتنا ہی زوردار ان دونوں کا قہقہہ تھا۔ ہنستے ہوئے شاہنواز کی نظریں ثانیہ پر پڑی تھیں وہ ابھی تک وہیں کھڑی تھی مگر اسے اپنی جانب دیکھتا پا کر وہ جلدی سے وہاں سے ہٹ گئی تھی لیکن پھر سارا ہی وقت وہ ایک عجیب سی کیفیت محسوس کرتی رہی جیسے کوئی مسلسل اس پر نظریں جمائے ہوئے ہے۔ ممکن ہے یہ اس کی غلط فہمی ہو مگر دلچسپ بات یہ تھی کہ اسے یہ چیز بری نہیں لگ رہی تھی البتہ وہ تھوڑی سی نروس ضرور ہو رہی تھی۔

متضاد کیفیات کا شکار ہوتی وہ کسی کونے میں الگ تھلگ ہو کر بیٹھ جانا چاہتی تھی مگر اتنے لوگوں کی موجودگی میں یہ بھی ممکن نہ تھا۔ اصل مصیبت اس وقت ہوئی جب شفق نے اسے اپنے ساتھ کھانا کھانے کے لیے بلوا لیا۔ میز پر اس وقت عادل اور شفق کے ساتھ ساتھ

شمسہ، بازل اور شاہنواز بھی موجود تھا۔

''جلدی سے آجاؤ ثانیہ! ہم سب نے تمہارے انتظار میں کھانا شروع نہیں کیا۔''

شفق بظاہر سنجیدگی و لاپروائی سے کہہ رہی تھی مگر اس کی آنکھوں سے جھانکتی شرارت ثانیہ سے مخفی نہیں رہی تھی۔ بدلہ لینے کا خیال فی الحال ملتوی کرتے ہوئے اس نے اپنے لیے اس میز کے گرد جگہ تلاش کی اور اس بار اس کا دل چاہا سچ مچ وہاں بیٹھ کر کھانا کھانے سے انکار کر دے اس لیے نہیں کہ اسے شاہنواز کی ساتھ والی کرسی پر بیٹھنا پڑ رہا تھا اس لیے کیونکہ وہ جانتی تھی اس بات پر شفق اس کا کتنا ریکارڈ لگانے والی ہے۔

''مرتے کیا نہ کرتے......'' کے مصداق اسے وہی نشست سنبھالنا پڑی سب لوگ سچ مچ اسی کے انتظار میں تھے اس کے بیٹھتے ہی سب نے اپنی اپنی پلیٹیں سنبھال لی تھیں۔

ثانیہ دل ہی دل میں شفق کی اس حرکت پر پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ اپنی ہی سوچ میں گم اسے احساس تک نہ ہو سکا کہ شاہنواز نے ایک کی بجائے دو پلیٹیں اٹھائی تھیں۔ ایک پلیٹ اپنے سامنے رکھنے کے بعد دوسری پلیٹ اس نے ثانیہ کی طرف کھسکا دی تھی۔ ثانیہ نے اپنی پلیٹ میں سالن نکالنے سے پہلے باؤل شاہنواز کی طرف بڑھا دیا وہ ابھی باؤل پکڑے ہوئے تھی کہ شاہنواز نے اپنی پلیٹ میں سالن نکالنا شروع کر دیا۔

یہ سلسلہ یہیں نہیں رکا اسی طرح جاری رہا جس طرح دو قریبی ساتھی ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہیں وہ دونوں بالکل لاشعوری طور پر اسی طرح ایک دوسرے کا خیال رکھ رہے تھے۔

وہ سب آپس میں باتیں کر رہے تھے اور کھانا کھا رہے تھے۔

ثانیہ اپنے گلاس میں پانی نکالنے کے بعد شاہنواز کے گلاس میں پانی ڈالتے ہوئے ٹھٹک سی گئی۔

یہ جو ہو رہا تھا......اسے کیا نام دیا جا سکتا تھا۔

غیر محسوس انداز میں گلاس کو بھرے بنا اس نے جگ میز پر رکھ دیا اور میز کے گرد بیٹھے ہوئے لوگوں کا چپکے سے جائزہ لیا۔ شکر ہے کوئی بھی ان کی طرف متوجہ نہیں تھا تبھی اس کی نظریں شاہنواز سے ملیں وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا اور اس کی مسکراہٹ مسلسل گہری ہو رہی تھی۔

ثانیہ کا شرمندگی کے مارے برا حال تھا وہ جلدی سے بہانہ بناتی اٹھ گئی لیکن شاہنواز کی مطمئن و شانت نگاہوں نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔

عجیب تعلق سا ہو گیا ہے\
تمہاری آنکھوں کے جلتے بجھتے ان آئینوں سے

یہ کیا مراسم نکل پڑے ہیں
تمہارے دل کی اداس گلیوں میں رہنے والے
دکھوں کے سارے ہی موسموں سے
کمال رشتے میں بندھ رہے ہیں
جو درد کا ہے جو روح کا ہے
جو زندگی کی شکستگی کے عذاب کا ہے
یہ لگ رہا ہے کہ جیسے آنکھوں میں
سارا منظر ہی خواب کا ہے
سراب کا ہے
عجیب تعلق سا ہو گیا ہے
تمہاری آنکھوں کے جلتے بجھتے ان آئینوں سے

☆......☆......☆

حدید نے اسے حنان کے متعلق بتانے کے لیے فون کیا تھا۔
''مجھے حیرانی ہے کوئی ایسی لڑکی سے محبت کیسے کر سکتا ہے۔ جس کا کردار ہی مشکوک ہو۔'' وہ تاسف بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔
''میں مانتا ہوں وہ خوبصورت ہے مگر وہ کس کیٹگری کی عورت ہے یہ اس کے چہرے پر لکھا ہے۔ مجھے حیرانی ہے حنان کی عقل کون سی گھاس چرنے چلی گئی ہے۔''
''تم نے کنفرم کیا ہے؟ کہ وہ وہی لڑکی ہے؟'' شاہنواز نے پوچھا۔
''غلطی کی تو گنجائش ہی نہیں ہے یار! وہ حنان سے ملنے ہسپتال آ چکی ہے کسی کی شکل دیکھ کر میں اسے پہچاننے میں غلطی کیسے کر سکتا ہوں۔
سیٹلائٹ ٹاؤن کی طرف پرانے طرز کی حویلی نما بنگلہ ہے جو یہاں گلشن نگر کے نام سے جانا جاتا ہے۔ گلشن آرا نام کی کوئی عورت ہے جس نے کئی لڑکیاں گلشن نگر میں جمع کر رکھی ہیں کسی کی وہ خالہ ہے کسی کی پھپھی۔ یہ گیتی بھی انہی میں سے ہے امیروں کو بلیک میل کر کے مال بنانا بھی ان کا سائیڈ بزنس ہے...... تم پلیز شمسہ آنٹی کو یہ ساری بات بتا دو۔ میں تو حنان کو سمجھا بھی نہیں سکتا وہ اتنی بری طرح اس لڑکی کے عشق میں مبتلا ہے کہ مجھے ڈر ہے کوئی غلط قدم نہ اٹھا لے۔ معمولی سی جذباتیت زندگی بھر کا آزار بن جائے گی۔''

”حنان فلرٹ کر رہا ہوگا یار! اسے عادت ہے ہر لڑکی سے اتنی ہی شدت سے اظہار عشق کرتا ہے۔“ وہ پر یقین ہو کر بولا۔

”میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بہرحال تم آنٹی کو انفارم کر دو آگے وہ جانیں اور ان کا کام۔“

”پلیز......ایک فیور کرو میرے لیے......میں آج اتنا خوش ہوں کہ کسی کو بھی کوئی بری اطلاع دے کر اس کی افسردہ شکل دیکھ کر اپنا موڈ غارت نہیں کرنا چاہتا۔“ شاہنواز نے بے زاری سے کہا۔

”خالہ یہیں ہیں......رکو میں بات کرواتا ہوں۔“

شمسہ اسی طرف آ رہی تھیں شاہنواز نے سیل انہیں پکڑا دیا۔

”حدید آپ سے بات کرنا چاہتا ہے۔“

اپنی گاڑی کے قریب کھڑا ہو کر وہ متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا لیکن ثانیہ اسے دکھائی نہیں دی وہ جھینپی ہوئی سی ہنسی ہنس دیا اور آسمان کی طرف دیکھنے لگا پورے دنوں کا بڑا سا چاند تھا......اور نرم روئی جیسی چاندنی چاروں اور......

آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے وہ آج کی تقریب کے متعلق سوچنے لگا۔ تبھی دل و دماغ کی بھرپور آمادگی سے اس نے ایک حتمی فیصلہ کیا تھا۔

وہ اس فیصلے سے خوش تھا اور خوشی کا بھرپور احساس اس کی روح میں سرائیت کر رہا تھا۔

عین اسی لمحے متفکر سی شمسہ نے بھی اپنے فیصلے پر مہر لگا دی تھی اور تقدیر وہیں کہیں ان کے درمیان کھڑی مسکرا رہی تھی۔

☆......☆......☆

کئی دن گزر گئے۔

مظہر قانون سے بچنے کی خاطر یہاں وہاں مارا مارا پھرنے کے بعد پھر گلشن نگر واپس آ چکا تھا اور اب پھر بضد تھا کہ گیتی چل کر اس کے ساتھ کچھ دن گزارے۔

گیتی آرا کی یاسیت و دلگرفتگی میں جی بھر کر اضافہ ہو گیا اس کی وہ ساری دعائیں، جو وہ مظہر کی غیر موجودگی اور آپا بیگم کی موجودگی میں چپکے چپکے کرتی رہی تھی ایک مرتبہ پھر جوں کی توں لوٹا دی گئی تھیں۔

بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی......

ہر روز ہزاروں نہیں تو سینکڑوں لوگ مر ہی جاتے ہوں گے۔ کوئی سیڑھی سے پھسل گیا، کسی پر چھت آن گری۔

کسی نے بے دھیانی میں ٹرین کی پٹڑی عبور کرنے کی حماقت کی تو اس کے پیر تیز گام نے اکھاڑ دیئے۔ کچھ اور نہیں تو بجلی کے ننگے تاروں پر ہاتھ پڑ جانے سے بھی کوئی نہ کوئی تو مرتا ہی ہوگا نا۔

توجب اتنے لوگ ہرروز...... دھڑادھڑ مرہی رہے ہیں تو کسی روزانہی لوگوں میں مظہر کی باری کیوں نہیں آجاتی۔ مردود! جانے کس کس کی زندگیاں برباد کرتا پھرتا ہے۔ مگر پھر بھی اس کے چہرے پر کتنا سکون ہے۔ خباثت ہے وہ الگ بات ہے۔ میرا دل چاہتا ہے یہ تڑپے...... کسی طاعون زدہ چوہے کی طرح کسی کونے کھدرے میں ایڑیاں رگڑتا ہوا مرے، تب میرے دل کوسکون ملے گا، راحت نصیب ہو گی۔ میری آنکھوں میں چھپے خوابوں کو کیسے کیسے تعبیر کے راستے دکھائے تھے اس نے...... پھر کیا کیا......؟ مجھے بازاری بنا دیا۔ میرا مول لگایا۔ چلو یہ بھی معاف...... مگر محبت......؟ اسے بھی کہیں کا نہ چھوڑا تم نے۔ میری روح بھی زخموں سے چور، میرے پیروں میں گر کر بھی معافی مانگو گے تو قیامت تک بھی نہ بخشوں گی۔ ان شاءاللہ۔

''جو کام پیار محبت سے ہو جائے وہ بہتر۔ تم کیوں چاہتی ہو میں زبردستی کروں۔'' گیتی تھک ہار کر ایک صبح بخت پیرزادہ کے سرہانے جا پہنچی۔

''آپ کے بھی کیا کہنے پیرزادہ صاحب۔ اصل میں یہ مرد ذات ہوتی ہی دوغلی ہے۔'' اس نے رقت آمیز لہجے میں کہا بڈھے کی جان پر بن آئی۔

''اس لہجے میں بات نہ کیا کرو گیتی......! یوں لگتا ہے چراغوں سے روشنی رخصت ہو چکی ہے اور اب ساری زندگی اندھیرے میں بسر کرنا پڑے گی۔''

''ارے بھاڑ میں جھونکیے اپنے چراغ...... زمانہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا آپ کو سرسوں کے تیل کے دیے جلانے سے فرصت نہ ملی۔ کیا کیا خواب دکھا ڈالے مجھے۔ میں بھی بے وقوف ہواؤں میں اڑنے لگی۔ اب خوب گزرے گی بس ہم دونوں ہوں گے کوئی ظالم سماج نہیں۔ مگر آپ کو تو ہم سے محبت ہی نہ تھی۔''

''کون کہتا ہے...... نامعقول؟'' اس نے تڑپ کر پوچھا۔

''کہے گا کون......'' گیتی نے ناک رگڑی۔

''کیا میں نہیں سمجھتی۔ آپ کے سب وعدے محض دل بہلاوے کے لیے تھے۔ وہ مظہر اب تک دھونس جماتا ہے۔''

''اب نہیں جمائے گا...... یہ لیجیے۔''

پیرزادہ نے عمر رسیدہ عاشقوں کے مخصوص بے وقوفانہ پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے کچھ کاغذات نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔

گیتی نے بے دھیانی سے ان کاغذات کو دیکھا پھر اس کی آنکھوں میں روشنی کے کوندے سے لپکے۔

یہ طلاق کے کاغذات تھے۔

☆......☆......☆

''حنان! تم نے اپنے فیوچر کے بارے میں کیا سوچا ہے؟'' سوپ کا پیالہ حنان کے سامنے رکھتے ہوئے شمسہ نے گفتگو کا آغاز کیا۔

''مطلب......؟ میں آپ کی بات نہیں سمجھا ممی!'' وہ ایک ہاتھ سے نیپکن کھولنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

''تمہارے فیوچر پلانز پوچھ رہی ہوں بھئی۔'' شمسہ اس کی مدد کرنے کے لئے آگے بڑھیں۔

''کمال ہے ممی......! میں آپ کا اکلوتا بیٹا ہوں اور آپ کو میرے بارے میں اتنا بھی نہیں پتا کہ میں کبھی فیوچر پلان نہیں کرتا۔ بس جو کرنا ہوتا ہے وہ کر لیتا ہوں۔''

شمسہ چند لمحے کے لئے کچھ بول نہیں پائیں۔ حنان جوں جوں صحت یاب ہو رہا تھا۔ اپنی پرانی روش پر لوٹ رہا تھا۔ ایک دفعہ پھر اس کی گفتگو میں طنز کی آمیزش محسوس ہونے لگی تھی۔

''یہ تو زندگی گزارنے کا نہایت نامناسب طریقہ ہے۔'' شمسہ نے نرمی سے کہا۔

''کچھ نہ کچھ پلاننگ تو ہونا چاہیے۔ منزل کا پتا ہو تو منزل تک پہنچنے کے راستوں کا تعین خود بخود ہو جاتا ہے ورنہ انسان ساری زندگی بھٹکتا رہتا ہے۔''

''آپ چاہتی ہیں میں فیوچر پلان کروں؟'' اس نے رغبت سے سوپ پیتے ہوئے سرسری انداز میں پوچھا۔

''مکمل طور پر نہ سہی لیکن اگلے چار پانچ سالوں کا......کم سے کم......ہاں چار پانچ سال تک کا تو پتا ہو کہ آخر تم کیا کرنا چاہتے ہو۔''

''میں نے کبھی اس بارے میں نہیں سوچا۔'' کچھ دیر خاموشی سے سوچنے کے بعد حنان نے کہا۔ ''ویسے آپ کا کیا خیال ہے مجھے کیا کرنا چاہیے۔''

شمسہ کو امید تھی کہ وہ ان سے پوچھے گا لیکن اس کے اچانک پوچھ لینے پر ایک دم وہ پر جوش ہو گئی تھیں۔

''میں تو چاہتی ہوں تم آفس جوائن کر لو......اتنا پھیلا ہوا کاروبار ہے ماشاءاللہ اور کل کو تمہیں ہی سنبھالنا ہے۔ ابھی سے اسرار و رموز سیکھو گے تو کل کو تمہیں سہولت رہے گی۔''

''ٹھیک ہے۔'' ایک مرتبہ پھر چند لمحوں کی پر سوچ خاموشی کے بعد حنان نے سابقہ سنجیدگی سے کہا۔

''اگر آپ چاہتی ہیں میں آفس جوائن کروں تو میں کر لوں گا۔''

شمسہ حیران ہوئیں انہیں حنان سے اتنی بھی تابعداری کی توقع نہیں تھی۔ انہوں نے محتاط انداز میں بغور اس کا چہرہ جانچا۔ وہ بے حد سنجیدہ لگ رہا تھا۔

''پھر......؟'' انہوں نے جھجکتے ہوئے اگلی بات کا آغاز کیا وہ ناسمجھی سے انہیں دیکھنے لگا۔

''میرا مطلب ہے۔ اس سے آگے کا کیا پلان ہے؟''

حنان یکدم ہنسنے لگا۔

''آپ کو آج کیا ہوا ہے ممی! کیا آپ چاہتی ہیں میں اپنی ساری زندگی آج ہی پلان کرلوں۔'' وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''ابھی تم میرے سامنے ہو مجھے جو بھی کہنا ہے یا تم سے جو بھی پوچھنا ہے اس کے لیے بھی وقت مناسب ہے۔ تمہارا کیا پتا پھر کسی معمولی بات پر خفا ہو کر غائب ہو جاؤ۔''

''وہ معمولی بات نہیں تھی۔'' حنان نے بے تاثر لہجے میں مگر سرعت سے کہا۔ شمسہ کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اللہ اللہ کر کے تو ان کے ''نازک مزاج'' بیٹے کا رویہ بہتر ہوا تھا۔ وہ بہت سوچ سوچ کر محتاط انداز میں اس کے سامنے بات کرتی تھیں کہ کہیں پھر سے مزاج نہ بگڑ جائے۔

''آپ بتائیں ممی! آفس جوائن کرنے کے علاوہ اگلے چند سالوں میں مجھے اور کیا کرنا چاہئے؟'' وہ ابھی سوچ ہی رہی تھیں کہ حنان نے سابقہ انداز میں پوچھا۔ شمسہ نے اپنے دل سے کوئی بوجھ ہٹتا محسوس کیا۔

''اگلے چند سالوں میں نہیں۔ اگلے چند مہینوں میں۔'' انہوں نے تصحیح کرنے کے سے انداز میں کہا۔

''اوکے۔'' حنان نے متبسم لب و لہجے میں کہا۔ ''تو آپ ہی بتائیں اگلے چند مہینوں میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔'' وہ قدرے غیر سنجیدہ تھا۔

''میں چاہتی ہوں تم شادی کرلو۔''

''شادی......؟'' حنان کا قہقہہ زبردست تھا۔

''آپ کیوں میری آزادی کی دشمن ہو رہی ہیں۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''کیونکہ صرف میں ہی تمہاری سب سے بڑی خیر خواہ ہوں اور یہ بات بہت اچھی طرح سمجھ سکتی ہوں کہ یہ ''آزادی'' ہی دراصل تمہاری سب سے بڑی دشمن ہے۔ تمہیں میری بات اچھی لگے یا بری مگر سچ یہی ہے زندگی کی طرف تمہارا یہ لاپروا رویہ اسی آزادی کا مرہون منت ہے۔''

حنان نے خاموشی سے پیالہ پرے کھسکا دیا۔ اسکے چہرے سے یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ کیا محسوس کر رہا ہے۔ شمسہ پھر پچھتائیں۔

''حنان......'' انہوں نے کہنا چاہا حنان نے ان کی بات جیسے سنی ہی نہیں۔

''آپ چاہتی ہیں میں شادی کرلوں......؟ ٹھیک ہے میں شادی کرلوں گا۔'' اس نے بے حد اطمینان بھرے انداز میں شمسہ کو دنگ کر دیا۔ پھر ان کا حیرانی و بے یقینی سے کھلا منہ دیکھ کر ہنس دیا۔

''اس میں اتنا حیران ہونے کی کیا بات ہے ممی۔ آپ چاہتی ہیں نا تو میں شادی کرلوں گا اب میں اتنا بھی برا نہیں ہوں کہ آپ کی

معمولی سی خواہش بھی پوری نہ کر سکوں۔ لڑکی آپ پسند کریں گی یا مجھے ہی اس سلسلے میں کچھ کرنا ہوگا؟''

''تمہیں کوئی پسند ہے تو بتا دو اہمیت تو ظاہر ہے تمہاری پسند کو ہی دی جائے گی۔'' شمسہ نے حیرانی سے نکل کر پر جوش ہوتے ہوئے کہا۔

''میری گرل فرینڈز میں تو کوئی ایسی نہیں ہے جسے میں نے لائف پارٹنر بنانے کا سوچا ہو۔'' اس نے پر جوش مگر سرسری انداز میں کہا۔

''ممی! آپ جس لڑکی کو پسند کریں گی میں اس سے شادی کرلوں گا۔ ان فیکٹ جب میں آپ کی خواہش پوری کرنے کے لیے شادی کر رہا ہوں تو لڑکی بھی لازماً آپ کی ہی پسند کی ہونا چاہیے۔ بس یہ خیال رکھیے گا کہ وہ کوئی ڈری جھجکی گاؤدی سی لڑکی نہ ہو۔ اسے میری ہی طرح بولڈ ہونا چاہیے۔''

''میرے خدایا! مجھے یقین نہیں آرہا حنان! تم نے اتنی آسانی سے میری بات مان لی ہے۔''

''میں تو آپ کی بات ہمیشہ ہی مان لیتا ہوں۔'' اس نے آرام سے جتایا۔

شمسہ اتنی پر جوش ہو رہی تھیں کہ انہوں نے اس کی بات سنی ہی نہیں۔ اپنا موبائل فون اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولیں۔

''اچھا...... دیکھو میں نے تمہارے لیے ایک لڑکی پسند کی ہے۔ مجھے یقین ہے تمہیں بھی پسند آئے گی۔'' حنان نے ایک نظر دیکھ کر موبائل انہیں پکڑا دیا۔

''کیسی لگی؟'' شمسہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

''ٹھیک ہے۔''

''صرف ٹھیک ہے......؟'' شمسہ کو مایوسی ہوئی۔

''تمہیں اچھی نہیں لگی؟ اتنی پیاری تو ہے۔''

''آپ کو پسند ہے تو ٹھیک ہی ہوگی۔''

''یہ کیا بات ہوئی۔'' شمسہ نے کہا۔

''کیا صرف میرا دل رکھنے کے لیے ہاں کہہ رہے ہو۔''

''امی......'' حنان نے ان کی بات قطع کی۔

''میں شادی کرنے کے لیے راضی ہوں اور آپ کی پسند کی لڑکی سے شادی کرنے کے لیے راضی ہوں پھر آپ سوال جواب کیوں کر رہی ہیں؟''

''کیونکہ میں تمہیں بھی خوش دیکھنا چاہتی ہوں حنان! بے شک تم شادی میری پسند سے ہی کرو گے لیکن اس میں تمہاری خوشی بھی

شامل ہونا چاہیے۔“

”میں خوش ہوں ممی!“ اس نے اکتا کر کہا۔

”جہاں تک اس تصویر والی لڑکی میں دلچسپی نہ لینے کی بات ہے تو وہ اس لیے کیونکہ مجھے آپ کی پسند پر بھروسہ ہے یقیناً آپ میرے لئے غلط لڑکی منتخب نہیں کریں گی۔ ویسے لڑکی اچھی ہے مجھے پسند ہے۔“

اتنا سننے کی دیر تھی شمسہ نے بے حد محبت سے اس کا چہرہ تھام کر پیشانی پر بوسہ دیا جس کام کو وہ بے حد مشکل سمجھ رہی تھیں وہ بہت آسان ثابت ہوا۔

☆......☆......☆

یہ طلاق نامہ دراصل گیتی آرا کی پر مصائب زندگی کے ایک اور باب کا آغاز تھا۔

وہ جواب تک یہ سمجھ رہی تھی کہ مظہر سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لیے اسے بہت پاپڑ بیلنا پڑیں گے تو ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ مظہر اتنی آسانی سے اسے طلاق دینے پر آمادہ ہو جائے گا یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ ایک صبح پیرزادہ نے اپنے تیار کروائے ہوئے کاغذات اسے دکھائے اور اسی شام کو مظہر نے ان پر دستخط کر کے اسے آزاد کر دیا۔

گیتی کتنی ہی دیر بے یقینی سے ان کاغذات کو ہاتھوں میں لے کر بیٹھی رہی۔ اس بے یقینی کی اتھاہ میں جو ناقابل بیان سی خوشی تھی وہ اسے بھی پوری شدت سے محسوس کرتی رہی۔

”لیکن آپ نے مظہر کو طلاق دینے پر راضی کیسے کیا؟“ بنیادی سوال فوراً اس کی زبان پر آ گیا۔

”کوئی خاص محنت نہیں کرنا پڑی۔“ پیرزادہ نے اس کے خوبصورت چہرے کو دلجمعی سے تکتے ہوئے جواب دیا۔ بس مجھے اسے تھوڑا سا دھمکانا پڑا...... وہ تو تمہارے بارہ لاکھ مانگ رہا تھا لیکن ہماری ڈیل سات پر فائنل ہوئی۔ ساتھ ہی مجھے تھوڑی زمین وین بھی اس کے نام کرنا پڑی۔“ پیرزادہ اسے اطمینان سے بتا رہا تھا۔

”سات لاکھ......“ گیتی ہکا بکا رہ گئی۔ اس نے ”سات لاکھ“ کے خواب ضرور دیکھے تھے مگر سات لاکھ کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھے تھے۔ مظہر کہا کرتا تھا۔

”جو عورت یہ سمجھتی ہے کہ وہ کبھی نہیں بک سکتی وہ سب سے بڑی بے وقوف اور کم عقل ہوتی ہے۔ ہر ایک کی قیمت ہوتی ہے کسی کی تھوڑی کسی کی زیادہ...... عقلمند انسان وہ ہوتا ہے جو کم اور زیادہ قیمت والی اس حقیر چیز کی کوالٹی کو مدنظر رکھے۔ تم خود کو بڑی چیز سمجھ رہی ہو۔ شاید تمہیں علم نہ ہو بعض عورتیں پچاس روپے کی خاطر بھی بک جاتی ہیں۔“ وہ گھٹیا اور رزیل انسان، جو شاید انسان کہلانے کا بھی مستحق نہیں تھا، اپنے گرے ہوئے متعفن ذہن کی بھرپور عکاسی کرتا اس کی معلومات میں اضافہ کرتا رہتا تھا۔

اس وقت یہ سب سن کر گیتی کی روح کانپتی تھی لیکن آج اپنی قیمت لگتے دیکھ کر اسے کچھ بھی نہیں ہوا۔ نہ اس کی روح کانپی نہ دل تڑپا...... کیونکہ اسے اس خرید وفروخت کی عادت ہوچکی تھی وہ بھی مظہر کی مہربانی سے...... بہرحال......

یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ وہ خوش تھی طلاق پا کر...... آزادی کا احساس اس سے بھی سوا۔

پیرزادہ کے ساتھ جا کر وہ گولڈ اور ڈائمنڈ جیولری کے علاوہ اپنی چیک بک بھی لے آئی تھی۔ یہ چند چیزیں تھیں جو گلشن نگر میں اس کی کل متاع کی حیثیت رکھتی تھیں۔ گلشن نگر میں اس نے پندرہ منٹ گزارے۔ ان پندرہ منٹوں میں اس نے اپنے کمرے سے اپنا ضروری سامان سمیٹا لیکن پھر اسے احساس ہوا کہ باہر ہر چیز بے کار تھی اسے وہاں سے صرف قیمتی چیزیں سمیٹ لینا چاہئیں۔ اس نے یہی کیا اور واپس آگئی۔ ریشم، رائمہ وغیرہ سے ملنے کی اس نے کوشش نہیں کی۔ آپا بیگم سے البتہ ملاقات ہوئی مگر انہوں نے خود اس سے کوئی بات نہیں کی اور نفرت سے منہ موڑ لیا۔

گیتی کو ان کی حرکت پر ہنسی آئی۔ شاید وہ سوچ رہی تھیں گیتی ان کے اس طرح منہ موڑ لینے پر افسردہ ہو جائے اور ان کی منتیں کرے گی۔ کتنی بڑی بے وقوف تھیں وہ......

اب گیتی، پیرزادہ کے ساتھ رہنے لگی۔

پیرزادہ کو تو خیر پہلے ہی اس سے نکاح میں دلچسپی نہیں تھی خود گیتی نے بھی ایسی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی۔ جو آسائشات جو تحفظات اسے نکاح کے بغیر حاصل ہو رہے تھے انہیں پانے کے لیے وہ نکاح کا طوق ازسرنو اپنے گلے میں کیوں ڈالتی؟

پیرزادہ کی ہمراہی میں ہی اسے احساس ہوا کہ اب تک اس نے جتنی زندگی گزاری ہے وہ دراصل خوشی سے نہیں تھی۔ خوشی تو وہ چیز یا جذبہ تھی جس کی لہریں آج کل اس تک آرہی تھیں۔ وہ ہر روز اپنا پرس نوٹوں سے بھر کر مارکیٹ جاتی واپس آتی تو اس کا پرس خالی ہوتا اور گاڑی مختلف نوع کے سازوسامان سے بھری ہوتی۔ ایسا سامان جن پر وہ دوبارہ نظر بھی نہیں ڈالتی تھی۔

پیرزادہ نے ساحل سمندر پر ایک بہترین کاٹیج اس کے تصرف میں دے دیا تھا۔ ایک ذاتی ملازمہ چوبیس گھنٹے اس کی خدمت میں حاضر رہتی، ساتھ ہی ساتھ ایک ماہر ڈرائیور بھی اسے فراہم کر دیا گیا جو ہر وقت اسے گھمانے پھرانے کے لیے تیار رہتا تھا۔

زندگی مکمل لگنے لگی تھی۔ بے تحاشہ پیسہ، آسائشات اور آرام...... اس کے خیال میں اس نے زندگی سے کچھ زیادہ تقاضا تو نہیں کیا تھا تبھی اس کی ملاقات مظہر سے ہوگئی۔

پتا نہیں...... خوشیاں اسے راس کیوں نہیں آتی تھیں۔

یہ شاپنگ مال میں داخل ہو رہی تھی وہ نکل رہا تھا۔ گیتی تو شاید اس پر دوسری نظر بھی نہ ڈالتی لیکن مظہر نے بڑھ کر ایسی شائستگی کا مظاہرہ کیا کہ وہ ناچار رک گئی۔

”میرا وقت برباد مت کرو مظہر!“ بالآخر اس نے اکتا کر اس کے مطلب کی بات قطع کر دی۔

”مجھے اچھی طرح پتا ہے محض میرا حال احوال پوچھنے کے لیے تو تم میرا راستہ روک کر نہیں کھڑے ہو نہ ہی ہمارے تعلقات اتنے اچھے رہے ہیں کہ ہم ایک دوسرے سے یہ پوچھیں زندگی کیسی گزر رہی ہے۔ برائے مہربانی مطلب کی بات کرو اور میرا راستہ چھوڑو۔“ گوگلز بالوں میں اٹکاتے ہوئے اور بے زاری سے اردگرد نظریں دوڑاتے ہوئے اس نے بے گانگی سے پوچھا۔

”قیامت تو تم پہلے ہی تھیں اس بڈھے کے ساتھ رہتے رہتے ظالم بھی ہو گئی ہو۔“ اس نے لوفرانہ انداز سے گیتی پر نظریں ڈالیں۔

گیتی کی جان جل کر خاک ہو گئی۔

”مر کیوں نہیں جاتے تم......؟ اس دنیا میں کسی کو تمہاری ضرورت نہیں ہے مظہر۔“ اس نے نفرت سے کہا۔

”ضرورت تو تمہاری بھی نہیں ہے پھر تم کس خوشی میں زندہ ہو۔“ مظہر نے سابقہ انداز میں کہا۔ ”لیکن تم بے فکر رہو ہمیں بہت فکر ہے اس دنیا کی۔ جلد ہی اس کا بوجھ ہلکا کر دیں گے۔“

”دھمکا رہے ہو؟“ گیتی نے پوچھا۔

”ارے نہیں صرف آگاہ کر رہا ہوں۔“ مظہر نے بظاہر دوستانہ انداز میں کہا۔ ”وہ کیا ہے نا کہ سب کچھ برداشت ہو جاتا ہے بس دغابازی برداشت نہیں ہوتی۔ دغابازی کی سزا موت سے کم لیکن موت کے قریب ترین ضرور ہونا چاہیے۔“

”تمہاری بات پر کون یقین کرے۔“ گیتی نے تمسخر سے کہا۔

”تم تو اس روز یہ بھی کہہ رہے تھے کہ مجھے کسی قیمت پر نہیں چھوڑو گے۔ مجھے آزاد نہیں کرو گے وغیرہ وغیرہ...... یہ دیکھو میری طرف...... تمہارے سامنے کھڑی ہوں مگر تمہاری دسترس سے کتنی دور...... چہ چہ بے چارہ مظہر۔“

اب مظہر یوں ہنسا جیسے کسی بچے کی بات پر محظوظ ہوا جاتا ہے۔

”مائی گاڈ......اس وقتی جیت نے تمہیں کتنا بے قابو کر دیا ہے گیتی۔“ وہ ہنستے ہوئے دوستانہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔

”جانتی ہو تم میری زندگی کی وہ پہلی لڑکی ہو جسے پرکھنے میں مجھ سے غلطی ہو گئی۔ مجھے لگا تھا تم میں بہت ٹیلنٹ ہے تھوڑی سی کوشش کی جائے تو اس ٹیلنٹ اور میری ذہانت کے سہارے ہم دونوں مل کر بڑے بڑے کام کر سکتے ہیں مگر افسوس میں نے اپنا قیمتی وقت اس غلطی کے پیچھے برباد کر دیا۔ تم تو دراصل خالی برتن نکلیں۔“ اس کا انداز تمسخرانہ تھا۔

”ہاں ایک بات ماننا پڑے گی تمہاری قسمت اچھی تھی۔ وہی قسمت جس سے اب تک تمہیں اتنے شکوے رہے ہیں۔ مظہر کی گرفت سے نکلنا اتنا آسان نہیں ہے تمہیں کیا لگتا ہے ہم گھاس چرتے ہیں......؟ خیر دعا کیا کرو یہ قسمت آگے بھی تمہارا ساتھ دیتی رہے دراصل خود سے دھوکہ کرنے والوں کو ہم معاف نہیں کرتے۔“

وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بول رہا تھا۔

گیتی نے محسوس کیا خوف کی ایک تیز لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑنے لگی ہے مگر نفرت اس خوف پر ابھی تھی حاوی رہی۔

''بکے جاؤ۔'' وہ نفرت سے منہ موڑتی آگے بڑھنے لگی۔

''جو حکم میرے آقا...... تم ہمیں اپنا دوست نہ مانو یہ الگ بات ہے مگر ہم تو تمہیں خبردار کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ رات کو ذرا احتاط ہو کر سویا کرو۔ پیرزادہ صاحب سے کہو تمہارے کاٹیج کے باہر دو چار گارڈز بٹھا دیں گو کہ اس کا کوئی فائدہ تو نہیں ہے لیکن اپنی طرف سے تو انسان کوشش کرتا ہی ہے نا...... وہ کیا ہے کہ آج کل شہر میں کچھ لوگ آئے ہوئے ہیں جو کئی گارڈز کی موجودگی میں بھی کسی مکان میں گھس جاتے ہیں اور ہتھوڑے مار مار کر اچھی خاصی شکلیں بگاڑ دیتے ہیں۔ میرا تو تمہیں پتا ہی ہے کس قدر نرم دل کا مالک ہوں کسی کو تکلیف میں دیکھ ہی نہیں سکتا۔ کل اس شاپنگ سینٹر کے سامنے ایک موٹر سائیکل سوار نے راہ چلتی نہایت خوبصورت لڑکی کے چہرے پر تیزاب پھینک دیا۔ یقین مانو اس کا جھلسا ہوا چہرہ دیکھ کر میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا تم اپنا خیال رکھا کرو گیتی...... جب سے اس جلی ہوئی لڑکی کو دیکھا ہے اللہ جانے کیوں بار بار تمہارا خیال آ جاتا ہے۔ اچھی شکل بھی ایک مصیبت ہوتی ہے۔ اچھا سولانگ۔''

وہ جس طرح اچانک سامنے آ کھڑا ہوا تھا اسی طرح سامنے سے غائب بھی ہو گیا۔ گیتی کے پیروں کو زمین نے جکڑ لیا۔

☆......☆......☆

''گیتی۔''

''ہوں......؟'' وہ بڑی مگن سے ٹی وی دیکھ رہی تھی۔

''میں پاکستان جا رہا ہوں۔'' بخت پیرزادہ نے بے حد اطمینان سے اسے ''بریکنگ نیوز'' سنائی۔

گیتی بے ساختہ گردن موڑ کر بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔

''مجھے یہاں اکیلا چھوڑ کر......'' اس کا لہجہ خوف و سراسیمگی کا مجموعہ معلوم ہوتا تھا جواباً پیرزادہ نے اخبار سے نظریں ہٹا کر تیکھے انداز میں اس کو دیکھا۔

''مجھے اور بھی کئی کام ہوتے ہیں ہر وقت تمہارے گھٹنے سے لگ کر بیٹھا نہیں رہ سکتا۔'' اس نے سرد مہری سے کہتے ہوئے صفحہ پلٹ دیا۔

''میں آپ سے کب کہہ رہی ہوں میرے گھٹنے سے لگ کر بیٹھے رہیں۔'' وہ حواس باختہ سی اٹھ بیٹھی۔ ''میں یہاں اکیلی کیسے رہوں گی۔ آپ جانتے ہیں میں اکیلی نہیں رہ سکتی۔''

''پہلے بھی تو اکیلی رہتی ہو۔''

''ہر دن ہر رات خوف میں گزرتا ہے میرا۔'' وہ جیسے رو دینے کو تھی۔ ''ایک ایک پل صدی کی طرح گزرتا ہے۔ چھت پر،

دیواروں سے...... پنکھے سے ہاتھ لٹکتے رہتے ہیں۔ شکلیں ہوتی ہیں خوفناک...... جو میری طرف لپکتی رہتی ہیں۔ نہیں بخت میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی۔" خود کلامی کے انداز میں بولتی وہ منت بھرے لہجے میں بولی کہ پیرزادہ کو اس پر ترس آنے لگا۔

"دیکھو گیتی۔" وہ اس کے قریب آ بیٹھا اور پیار سے سمجھانے لگا۔ "یہ سب تمہارا وہم ہے اس شہر کے بہترین علاقے میں ہے یہ فلیٹ...... بہترین سیکورٹی سسٹم ہے یہاں کا...... الارم لگے ہوئے ہیں اس جگہ تب تک کوئی اجنبی داخل نہیں ہو سکتا جب تک تم خود اسے اندر نہ آنے دو۔ اس صورتحال میں کوئی نقب لگا کر گھر میں کیسے داخل ہو سکتا ہے باقی کوئی قبرستان میں تو رکھا نہیں ہے میں نے تمہیں کہ چھت اور دیواروں سے بدروحیں لٹکتی رہیں۔" آخر میں وہ بری طرح جھنجھلا گیا تھا۔

"مجھے پتا ہے کہ یہ وہم ہے۔ لیکن میں اس وہم کو اپنے دل و دماغ سے نہیں نکال سکتی۔ آپ کو کیا لگتا ہے میں نے کوشش نہیں کی؟ کی ہے کوشش مگر...... مجھے نہیں پتا...... میں آپ کے ساتھ جاؤں گی۔ میں یہاں اکیلی نہیں رہ سکتی۔"

"ہاں میں تمہیں واپس پاکستان لے چلوں تاکہ پھر چوبیس گھنٹے میری جان کھاتی رہو۔ یہ کہہ کر کوئی ہے جو میرا تعاقب کرتا ہے۔ یا دروازہ توڑ کر گھر میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ وہاں تھیں تو وہاں جان عذاب کیے رکھتی تھیں یہاں تو یہاں یہی بھی رٹ لگا رکھی ہے۔ کیا عذات مسلط ہو گیا ہے میرے سر پر......"

"بخت! پلیز۔"

"خاموش رہو بھی عورت......! تم دنیا کے کسی کونے میں چلی جاؤ اپنے اس خود ساختہ وہم سے چھٹکارہ حاصل نہیں کر پاؤ گی۔ ایک بات کان کھول کر سن لو۔ میں تمہیں اپنے ساتھ کسی قیمت پر واپس پاکستان نہیں لے جاؤں گا۔ میری بیوی اور بچوں کو بھنک بھی پڑ گئی کہ میں نے کسی لڑکی کو اپنے ساتھ رکھا ہے تو وہ قیامت اٹھا دیں گے۔"

وہ پیر پٹختا چلا گیا۔ گیتی گرنے کے انداز میں پیچھے کی طرف لیٹ کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ اب صرف خوف ہی نہیں انتہا درجے کی بے زاری بھی محسوس ہو رہی تھی۔ یہ نہیں کہ وہ بخت پیرزادہ کے عشق میں مبتلا ہو کر اس کی غیر موجودگی کے خیال سے دہل رہی تھی۔ اصل مسئلہ مظہر کی دی ہوئی وہ دھمکیاں تھیں جو اس کے حواس پر سوار رہتی تھیں اس طرح پیرزادہ اس کی روحانی ضرورت نہیں بلکہ نفسیاتی مجبوری بن کر رہ گیا تھا۔

پچھلے پانچ ماہ سے وہ دبئی میں رہ رہی تھی۔

مظہر کے ملنے کے چند روز قبل پیرزادہ نے اسے اپنے ساتھ دبئی چلنے کے لیے کہا تھا مگر اس نے فوراً انکار کر دیا وہ ابھی اسی شہر میں رہتے ہوئے آزادی کا مزا لینا چاہتی تھی لیکن مظہر سے ملاقات کے کچھ روز بعد اس نے خود پیرزادہ سے کسی اور ملک جانے کی خواہش کا اظہار کیا گو کہ اسنے مظہر کی دھمکیوں کو...... درخور اعتنا نہیں سمجھا تھا لیکن اس کی دھمکیاں بڑی خاموشی سے گیتی کے حواس پر سوار ہوتی چلی گئیں۔

وہ اچھی بھلی مارکیٹ میں شاپنگ کے دوران یا کسی پارٹی میں چل پھر رہی ہوتی اپنے حسن کی تعریفیں وصول کر رہی ہوتی کہ یکا یک اسے محسوس ہوتا اس کے ساتھ کھڑا شخص یا کچھ قدم دور کھڑا شخص کوئی بوتل پکڑے اس کی طرف لپک رہا ہے۔ وہ ہر کسی کو شک کی نظر سے دیکھتی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا تھا مگر سکون تو وہاں بھی نہ تھا اسے خواب میں بڑے بڑے ہتھوڑے دکھائی دیتے۔ یہ ہتھوڑے ساری رات اس کے دماغ پر برستے۔ اس کی نیندیں اچاٹ ہوتی چلی گئیں۔ اس کا خیال تھا مظہر کے سائے سے دور ہوتے ہی اس کا خوف بھی کہیں پیچھے رہ جائے گا مگر یہ بھی اس کی غلط فہمی ہی رہی۔

پیرزادہ کو اس سے عشق تھا لہٰذا اس نے قدم قدم پر گیتی کا ساتھ دینے کی کوشش کی۔ یہ جانے بنا کہ گیتی اس سے کتنی نفرت محسوس کرتی ہے اور جب رات کو وہ سو رہا ہوتا ہے تو اسے قتل کرنے کے بہانے سوچتی ہے۔

پیرزادہ سے اسے مظہر کے مقابلے میں کم نفرت محسوس ہوتی تھی اس کے مقابلے میں پیرزادہ سے کم گھن آتی تھی لیکن بہر حال مظہر کی ہی طرح وہ بھی اس کے لیے ناقابل برداشت وجود بنتا جا رہا تھا۔

وہ ساری رات جاگتی پیرزادہ کو قتل کرنے کے علاوہ گزرے وقت کو یاد کرتی۔ گلشن نگر...... گلشن نگر کی مکین لڑکیاں، اپنا گھر...... اپنی ماں...... اپنے بہن بھائی، وہ غربت جو اس کا نصیب بنی۔ وہ آزمائشیں جو اس پر نازل ہوئیں۔ مظہر کا نفرت انگیز وجود...... اور...... اور ہاں...... حنان...... حنان بھی اسے اکثر یاد آتا۔ بہت شدت سے۔ وہ کہاں ہوگا۔ کیا وہ اسے یاد کرتا ہوگا؟ یا بھول چکا ہوگا؟ یہ کہنا ہرگز غلط نہ ہوگا کہ تنہائی کے اس عذاب میں مبتلا اپنے خوف سے چھٹکارہ حاصل کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے اس نے جتنا مظہر کو یاد کیا کم و بیش اتنا ہی حنان اسے یاد آتا رہا۔ یاد کی نوعیت مختلف تھی وہ الگ بات ہے۔

اگلے کچھ روز وہ بڑی جانفشانی سے پیرزادہ کی منتیں کرتی رہی کہ وہ اسے تنہا چھوڑ کر نہ جائے مگر اس کی اپنی مجبوریاں تھیں اور یوں بھی گیتی کی ہی وجہ سے اس کی واپسی پچھلے کئی ہفتوں سے التوا کا شکار ہو رہی تھی۔

اسے جانا تھا سو وہ چلا گیا۔

گیتی احساس بے بسی سے ہی نہیں غصے سے پاگل ہونے لگی۔

”پیرزادہ...... گھٹیا خبیث انسان...... اس قابل بھی نہیں ہے کہ کوئی اس کے ساتھ دو دن گزارے۔ میں کیسے بسر کر رہی ہوں میں ہی جانتی ہوں اور اس بڈھے کی اتنی ہمت کہ مجھ جیسی خوبصورت جوان لڑکی کی بات رد کرے۔ مر جاؤ اللہ کرے...... اتنا بوجھ ہے زمین پر...... یا اللہ! مجھے دوبارہ اس منحوس کی شکل نہ دکھانا۔“

اسے چھوٹی چھوٹی معمولی باتوں پر لوگوں کو مر جانے اور عذاب میں مبتلا ہو جانے کی بد دعائیں دینے کی عادت تھی۔ اسے بھی اپنی عادت سے مجبور ہوتے ہوئے وہ یہ بھول گئی تھی کہ بخت پیرزادہ کا زندہ رہنا خود اس کے لیے کتنا ناگزیر ہے۔ ٹھیک اسی طرح جیسے اس کی

بخت پیرزادہ کے لیے مانگی ہوئی دعا یا بددعا قبول ہوگئی تھی۔

اس کے پاکستان جانے کے تین روز بعد گیتی کو اس کی وفات کی اطلاع ملی۔ اپنے کاروبار میں ہونے والے خسارے کی اطلاع ملتے ہی بخت پیرزادہ کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور اس نے وہیں اپنے آفس میں دم توڑ دیا تھا۔

اس ناگہانی موت کی خبر سنتے ہی گیتی نے افسردہ ہونے کی کوشش کی مگر اسے احساس ہوا یہ کوشش بے سود تھی۔ بخت پیرزادہ کی موت دراصل اس کی آزادی کا پروانہ تھی۔

وہ ان تمام پابندیوں سے آزاد ہو چکی تھی جو بخت پیرزادہ نے اس پر عائد کی تھیں مگر اسے جلد ہی پتا چلا کہ اس کی اس خوشی و اطمینان کی مدت کتنی مختصر تھی۔ دو ہفتے آزادی کے احساس سے لطف اندوز ہولینے کے بعد وہ ایک بار پھر عدم تحفظ کا شکار ہونے لگی تھی۔ اس کی راتیں پھر سے بے خواب ہوگئیں وہ کمرے کا دروازہ کھڑکیاں بند کیے ساری ساری رات آہٹوں پر سماعت لگا کر بیٹھی رہتی۔

پتا نہیں وہ کون تھا جس کی بددعائیں اسے دیمک بن کر چاٹ رہی تھیں۔ کسی کی نفرت اسے خوشیاں راس آنے نہیں دے رہی تھی۔

”شاید......شاید وہ رحاب تھی۔“ اس روز اچانک اسے خیال آیا۔

☆......☆......☆

ان چند مہینوں میں صرف گیتی آرا نے زندگی کے کچھ نئے رخ نہیں دیکھے۔ کوئی اور بھی تھا جس کی زندگی کے کینوس پر مختلف رنگ نئے منظروں کی علامت بن کر بکھرے تھے۔

اور یہ کوئی، کوئی اور نہیں حنان قادر تھا۔

صحت یاب ہونے کے بعد اس نے شمسہ کی خواہش پوری کرتے ہوئے آفس جوائن کرلیا تھا۔ جہانگیر لاشاری سے اس کے تعلقات قدرے مثبت سمت اختیار کر چکے تھے وہ بھی صرف اس طرح کہ حنان ان کے ساتھ آفس جاتا تھا اور بصد مجبوری ان سے تحمل سے بات کرلیتا تھا وہ بھی صرف اس لیے کیونکہ وہ کاروبار کی ابجد سے قطعی نابلد تھا اور یہ بات اسے سمجھ آچکی تھی کہ مالی فوائد حاصل کرنے کے لیے یہ سب سیکھنا کس قدر ضروری ہے۔

ان دنوں شاہنواز کو اپنی پرائیویٹ کمپنی کی طرف سے کوئی کورس کرنے کے لیے لندن بھجوایا گیا تھا۔ جانے سے پہلے اسنے کئی بار سوچا کہ ثانیہ کو اپنے دل کے حال سے آگاہ کر کے جائے۔ وہ ہر بار سوچتا اور ہر بار اپنی محتاط طبیعت کے ہاتھوں مجبور ہو کر خود اپنے ہی خیال کو رد کر دیتا۔ مناسب وقت سے پہلے سچے جذبوں کا اظہار ان کی تاثیر کہیں ضائع نہ کر دے۔ بس یہی سوچ کر وہ خاموشی سے چلا گیا۔ لیکن اگر اسے ذرا سا بھی خدشہ ہوتا کہ اس کی یہ احتیاط خود اس کے حق میں کس قدر نقصان دہ ثابت ہوگی تو ایسا کبھی نہ کرتا۔

جہانگیر لاشاری کے لیے یہ کوئی مسئلہ نہ تھا کہ وہ حنان کے لیے ایک نیا روم سیٹ کروائے مگر شدید خواہش کے باوجود وہ جانتے

تھے کہ حنان اپنی فطرت کی سرکشی کی وجہ سے یہاں زیادہ دن ٹکنے والا نہیں ہے لیکن چونکہ وہ چاہتے تھے حنان سچ مچ اس کاروبار کو سنبھالے چنانچہ انہوں نے کچھ سینئر اسٹاف کو اسے سپروائز کرنے اور ٹرینڈ کرنے پر مامور کیا تھا ساتھ ہی ساتھ شاہنواز کا آفس روم اس کے تصرف میں دے دیا تھا یہ سوچ کر اگر حنان دلجمعی سے کام کرتا رہا تو شاہنواز کی واپسی تک اس کے لئے دوسرا روم سیٹ کروا دیں گے۔

یہیں اس نے دوسری بار ثانیہ کو دیکھا اور اسے اندازہ ہوا کہ یہ لڑکی اپنی تصویر سے کہیں زیادہ خوبصورت تھی جو اس نے شمسہ کے موبائل میں کچھ ہفتے پہلے دیکھی تھی۔

اسی شام اس نے شمسہ سے ثانیہ کے متعلق استفسار کیا۔

''آپ نے ثانیہ کے گھر والوں سے بات کی؟''

''کس بارے میں؟'' شمسہ نے الٹا اسی سے پوچھا۔

''میری اور ثانیہ کی شادی کے بارے میں؟''

''ابھی تک تو نہیں کی۔'' شمسہ نے دل ہی دل میں حیران ہوتے ہوئے کہا۔ ''میں نے سوچا تھا تم آفس جوائن کر لو پھر ہی بات چھیڑوں گی اصل میں لڑکی والوں کو بھی تو لڑکے کے متعلق کوئی گارنٹی چاہیے ہوتی ہے میں اب کچھ روز میں اس کے گھر جاؤں گی۔''

''آپ نے بتایا نہیں کہ وہ ہمارے ہی آفس میں کام کرتی ہے؟''

چند لمحے بعد حنان نے کہا۔

''میں نے ضروری نہیں سمجھا۔'' شمسہ نے سرسری انداز میں کہا پھر ایک نظر اسے دیکھ کر بولیں۔

''کیوں......؟ تمہیں اس کی ملازمت کرنے پر اعتراض ہے؟''

''اوہ کم آن۔ مجھے اعتراض کیوں ہوگا۔'' اس نے کہا۔

''لیکن آپ ابھی اس کے گھر والوں سے بات نہ کریں۔''

''کیوں؟'' شمسہ نے دہل کر پوچھا ثانیہ انہیں اتنی پسند آ چکی تھی کہ اب اسے اپنی بہو نہ بنانے کا خیال ہی ناگوار تھا۔

''میں اسے خود پرپوز کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے بڑے آرام واطمینان سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ شمسہ سوچ میں پڑ گئیں پھر بولیں۔

''گو کہ اس میں کوئی مضائقہ تو نہیں ہے لیکن ہوسکتا ہے ثانیہ انکار کر دے۔''

''مگر کیوں؟'' وہ حیران ہوا۔ ''کیا برائی ہے مجھ میں کہ وہ انکار کر دے۔'' کچھ لوگوں کو اپنی برائیاں اور خرابیاں کبھی دکھائی نہیں دیتیں وہ بھی انہی لوگوں میں سے ایک تھا۔

''کچھ لوگ ہر کام تھرو پراپر چینل کرنا پسند کرتے ہیں اور جس کلاس سے ثانیہ کا تعلق ہے اس کلاس میں اس قسم کے معاملات

پیرنٹس طے کرتے ہیں لڑکیاں خود نہیں۔'' شمسہ نے اس کے سوال کا آدھا جواب گول کر دیا۔

''کیا بات کر رہی ہیں آپ......؟'' حنان نے اختلاف کیا۔

''میں کئی ایسی لڑکیوں اور لڑکوں کو جانتا ہوں جو مڈل کلاس سے ہیں اور اپنے معاملات خود طے کرتے ہیں۔''

''وہ اور طرح کے لوگ ہوں گے بہر حال میں جتنا ثانیہ کو جان پائی ہوں اس کے بارے میں یہی کہہ سکتی ہوں کہ وہ روایات کی بہت پابند ہے۔کوئی ایسی ویسی لڑکی نہیں ہے وہ۔''

''میں بھی کوئی ایسا ویسا لڑکا نہیں ہوں۔'' حنان نے ناگواری سے کہا۔

''میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ میں ثانیہ سے ہی شادی کروں گا اور آپ بے فکر رہیں۔وہ انکار نہیں کرے گی۔''

اسے صد فیصد یقین تھا اور کچھ ایسا غلط بھی نہ تھا اسے آج تک کسی لڑکی نے ''نہ'' نہیں کیا تھا لہٰذا اس کا اوور کانفیڈنس ہو جانا کچھ ایسا غلط نہ تھا۔مگر وہ نہیں جانتا تھا اس بار اس کا سابقہ ایک مختلف لڑکی سے پڑا ہے۔

اگلے روز اس نے لنچ آوور سے چند منٹ پہلے ثانیہ کو آفس میں بلوایا اور کچھ ہدایات نوٹ کروائیں۔

''اب آپ کیا کریں گی مس ثانیہ۔'' اپنی بات ختم کر کے اس نے آخر میں اچانک ایک غیر متوقع سوال کیا۔

''سر! لنچ آوور شروع ہو چکا ہے میں لنچ کرنے کینٹین چلی جاؤں گی۔'' اس نے جواب دیا۔

''آج آپ کینٹین مت جائیں آپ میرے ساتھ چلیں ہم کسی اچھے ریسٹورنٹ میں لنچ کریں گے۔'' حنان نے اپنی نظریں اس کے چہرے پر ٹکائے ہوئے کسی قدر حاکمانہ اور تھوڑے سے بے تکلف لہجے میں کہا تھا اور اس بار اس نے ثانیہ کی پیشانی پر ایک سلوٹ نمودار ہوتے دیکھی تھی۔

''سوری سر! میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔'' چند لمحے اس نے ٹھوس لہجے میں کہا حنان دل ہی دل میں مسکرایا وہ اس سے اسی جواب کی توقع کر رہا تھا۔

''کیوں......؟ میں آپ کا باس ہوں اور آپ کو آرڈر دے رہا ہوں کہ آپ میرے ساتھ چلیں۔''

''سر! میں ہر وہ کام کر سکتی ہوں جو آفیشل ڈیوٹیز میں شامل ہو۔آپ کو لنچ پر کمپنی دینا میری آفیشل ڈیوٹی نہیں ہے۔'' اس بار اس کا لہجہ سخت تھا۔

''آل رائیٹ......پھر آپ مجھے اپنا باس نہ سمجھیں دوست سمجھیں۔ایک دوست کو تو آپ لنچ پر کمپنی دے سکتی ہیں نا؟'' اس بار اس نے دوستانہ لہجے میں کہا۔

''قطعاً نہیں۔'' وہ سابقہ انداز میں بولی۔

”کیوں؟“ وہ ہار نہ ماننے کی ٹھان کر آیا تھا۔

”میں لڑکوں سے دوستی نہیں کرتی۔“

اس بار حنان نے بے ساختہ ہنسنا شروع کر دیا تھا اور یوں ہنستا ہوا وہ ثانیہ کو پچھلی ہر بار سے زیادہ برا لگا تھا۔

”سر! کیا اب میں جا سکتی ہوں؟“ کوشش کے باوجود وہ اپنی ناگواری چھپا نہیں سکی۔

”نہیں۔“ حنان نے اپنی آنکھیں اس پر مرکوز کرتے ہوئے دلچسپی سے کہا۔

”ابھی مجھے آپ سے ایک اور سوال کا جواب چاہیے۔“

”مس ثانیہ! کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی؟“

اطمینان سے کہتے ہوئے اس نے ثانیہ کا بھیجا بھک سے اڑا دیا تھا۔

”نہیں۔“ وہ پلٹی اور تیز تیز قدم اٹھاتی کمرے سے باہر نکل گئی۔ یہ بخت انٹرپرائزرز میں ثانیہ چوہدری کا آخری دن تھا اسی شام اس نے ریزائن کر دیا تھا۔

ناول **بساطِ دل** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات آپ آنے والی ان تاریخوں (15th, 20th, 25th) میں پڑھ سکیں گے۔

رنگا رنگ کہانیوں سے سجا، خوبصورت اور دلکش

سوہنی ڈائجسٹ

SohniDigest.com

اگر آپ بھی لکھ رہے ہیں اور اُردو قارئین کی تلاش میں ہیں تو اپنی کہانیاں Inpage میں کمپوز (ٹائپ) کر کے پورے اعتماد کے ساتھ سوہنی ڈائجسٹ میں بھیجیے۔ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

ابھی sohnidigest@gmail.com پر ای میل کریں۔

اسی رات حنان نے شمسہ سے اصرار کیا کہ وہ اگلے روز ثانیہ کے گھر جا کر اس کے والدین سے ان دونوں کی شادی کی بات کریں۔ شمسہ کو کسی قدر حیرانی ہوئی، آخر وہ ہتھیلی پر سرسوں جمانے والی بات کیوں کر رہا ہے، آخر شادی کی بات آرام و تحمل سے بھی تو کی جا سکتی ہے لیکن اس حیرانی میں کسی قدر مسرت کا عنصر بھی شامل تھا۔ ثانیہ کو بے شک انہوں نے پسند کیا تھا مگر حنان کی اس میں دلچسپی بلکہ شادی کی حد تک دلچسپی اس کی سنجیدگی کو ظاہر کر رہی تھی۔

سنجیدگی ہی اصلاح میں سب سے اہم کردار ادا کرتی ہے، اس وقت تک ان کی رائے تھی۔

''حنان! کیا ثانیہ نے تمہیں مثبت جواب دیا ہے؟'' ان کے اصرار کے آگے اگلے روز ہی ثانیہ کے گھر جانے کے لیے راضی ہوتے ہوئے شمسہ نے یونہی پوچھ لیا مگر حنان کو جواب دینے کی فرصت نہ تھی وہ ٹی وی دیکھنے میں مگن ہو چکا تھا۔

یہی بات شمسہ نے رات گئے جہانگیر لاشاری کے گوش گزار کی تو وہ فوراً کسی ردعمل کا اظہار کرنے کی بجائے سوچ میں پڑ گئے، کچھ دیر بعد اپنے ازلی تحمل و تدبر کے ساتھ بولے۔

''ثانیہ واقعی بہت بہترین لڑکی ہے اور اس میں ہر وہ خوبی ہے جو ہم اپنے بیٹے کی بیوی میں دیکھنا پسند کرتے، گو کہ حنان کے کسی بھی معاملے میں میری رائے کی اہمیت تو نہیں ہے کہ وہ مجھے اہمیت ہی نہیں دیتا۔''

شمسہ نے تڑپ کر ان کی تردید کرنا چاہی مگر ایک تو یہ کہ درست الفاظ پاس نہ تھے، دوسرا جہانگیر بھی انہیں موقع دیے بغیر بول رہے تھے۔

''پھر بھی میں آپ کو کہہ رہا ہوں کہ حنان کی رائے اچھی طرح معلوم کر لیں۔ آج وہ ثانیہ کے لیے پسندیدگی کا اظہار کر رہا ہے، کل کو دل بھر جانے پر اپنا بوجھ آپ کے کندھوں پر ڈال کر چلتا بنا تو آپ کیا کر سکیں گی، اس لیے بہتر ہے کہ کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے ہی اس کی دلچسپی کی صداقت کو اچھی طرح پرکھ لیا جائے۔

وہ بھی کسی کی بیٹی ہے اور کسی کی بیٹی کو ہمارے گھر آ کر کوئی تکلیف پہنچے، یہ مجھ سے قطعاً برداشت نہیں ہو گا۔ آخر کو ہماری بھی دو بیٹیاں ہیں۔ کسی اور کی بیٹی کے نصیب سے کھیلنے کا مطلب اپنی بیٹیوں کے مقدر داؤ پر لگانا ہے۔''

کچھ اسی قسم کے خدشات خود شمسہ کو بھی تھے لیکن چونکہ وہ ماں تھیں اور مائیں اولاد کے معاملے میں کچھ زیادہ ہی خوش فہم ہوتی ہیں لہٰذا انہیں مطمئن ہونے میں کم وقت لگا تھا۔

''مجھے یقین ہے وہ ایسا کچھ نہیں کرے گا اور مجھے خوشی بھی ہے کہ وہ ثانیہ میں دلچسپی لے رہا ہے، اب ثانیہ اس گھر میں آئے گی تو صرف میری پسند نہیں ہو گی، حنان کی پسند بھی ہو گی...... میں جانتی ہوں آپ حنان کی سرکشی کی وجہ سے پریشان ہیں لیکن آپ نے دیکھا نہیں

ان چند مہینوں میں اس میں کتنی تبدیلی آئی ہے اور سچ کہوں تو اس کے لیے ثانیہ جیسی لڑکی کو پسند کرنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ مجھے اس کی فطرت کے صبر و برداشت نے بہت متاثر کیا ہے۔ اسے پہلی بار دیکھتے ہی مجھے لگا تھا کہ صرف یہی وہ لڑکی ہے جو حنان جیسے خودسر کو راہ راست پر لا سکتی ہے۔ آپ پوچھا کرتے ہیں تا کہ میری ثانیہ سے دوستی کی وجہ کیا ہے۔

تو یہ وجہ تھی کہ میں اسے اپنی بہو بنانے کے لیے جانچ رہی تھی۔ وگرنہ میری اور اس کی عمر میں اتنا فرق ہے کہ دوستی ہونا قدرے مشکل ہے۔ اب آپ دعا کیجیے کہ یہ معاملہ بخیر و خوبی نبٹ جائے اور ثانیہ کے پیرنٹس ہاں کر دیں۔''

''اللہ نے چاہا تو ایسا ہی ہوگا۔ ویسے سنا ہے لڑکے کے گھر والوں کو لڑکی والوں سے ہاں کہلوانے کے لیے ان کی دہلیز کی مٹی لینا پڑتی ہے۔ اگر میں غلط نہیں کہہ رہا تو...... یہ محاورہ ایسے ہی ہے نا۔'' جہانگیر لاشاری نے سابقہ انداز ترک کرتے ہوئے متبسم و شریر لہجے میں کہا۔ شمسہ خوب ہنسیں۔

''بے فکر رہیے جناب! دہلیز کی مٹی لینا پڑے یا جوتیاں گھسنا پڑیں، ہاں تو کروا کر ہی دم لوں گی۔ ایک تو یہ کہ میرے بیٹے کی خواہش ہے اور دوسرا یہ کہ خود مجھے بھی ثانیہ بہت پسند ہے، اتنی موہنی سی تو صورت ہے اس کی پیشانی بھی روشن ہے۔ سچ کہتی ہوں کچھ نا قابل فہم سی روشنی ہے اس کے اردگرد...... جو انسان کو فوراً متوجہ کر لیتی ہے۔'' شمسہ سادگی سے کہہ رہی تھیں۔

''لڑکیوں کو اپنے محبوب کی محبت میں شاعر بنتے دیکھا ہے لیکن ایک عورت کو اپنی متوقع بہو کی شان میں قصیدہ پڑھتے پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔'' جہانگیر لاشاری نے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔ شمسہ نے بھی ان کا ساتھ دیا۔

''بس اب تو یہی دعا ہے کہ ثانیہ کی خوش بختی سے حنان راہ راست اختیار کرے۔ اور ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا بھی۔ آپ یہ بتائیے، آپ کو ثانیہ پسند ہے نا؟'' انہیں اچانک خیال آیا۔

''آپ کی اور میری پسند آج تک مختلف ہوئی ہے جو اس معاملے میں ہم آپ سے اختلاف کریں۔''

شمسہ نے ایک چھوٹا سا خوبصورت قہقہہ لگایا۔

''یقین کریں جہانگیر! ہماری شادی شدہ زندگی کو کامیاب بنانے میں اسی فیصد آپ کا ہاتھ ہے۔ آپ اتنے کمپرومائزنگ نہ ہوتے تو ہم کبھی اتنی اچھی زندگی نہ گزار پاتے۔''

وہ خوش تھیں اور خوشی ان کی ایک ایک ادا، ایک ایک بات سے چھلک رہی تھی۔

ان کی بات پر اس بار جہانگیر لاشاری نے قہقہہ لگایا اور کہا تو صرف اتنا۔ ''مجھے بھی ثانیہ بہت پسند ہے۔ اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ حنان میری پسند کی ہوئی لڑکی کو فوراً ریجیکٹ کر دے گا تو میں اس کے لیے ثانیہ کا ہی نام لیتا۔''

''آپ ایسا کیوں سوچ رہے ہیں؟'' شمسہ نے کہا۔

"آپ یہی سمجھیں حنان نے آپ کی پسند کی ہوئی لڑکی کے لیے ہی آمادگی ظاہر کی ہے۔ آخر کو وہ آپ کی پسند ہی تو ہے کیونکہ مجھ سے بھی پہلے اسے آپ نے پسند کیا تھا۔"

وہ کسی چھوٹے بچے کی طرح انہیں بہلا رہی تھیں۔ جہانگیر لاشاری نے یہ بات شدت سے محسوس کی مگر کہاں کچھ نہیں اور خاموشی سے مسکراتے رہے۔

پوری رات شمسہ باتیں کرتی رہیں۔ وہ دونوں بار بار سونے کے لیے لیٹتے اور لائٹ بجھا دیتے مگر لیٹنے کے چند منٹ بعد شمسہ کوئی اور بات شروع کر دیتیں۔ حنان کی شادی، شادی کی تیاریاں، دلہن کے کپڑے، شادی کی تقریبات...... اس رات ایک ہی نکتے کے گرد گھومتے ہوئے ان کے پاس بات کرنے کے لیے کئی موضوع تھے۔

اگلے روز شمسہ بڑے اہتمام سے ثانیہ کے گھر پہنچیں۔

اسکی امی اب تقریباً صحت یاب ہو چکی تھیں اور واضح الفاظ میں گفتگو کرنے لگی تھیں، البتہ اپنا دایاں بازو ہلانے میں انہیں ابھی بھی خاصی دقت ہوتی تھی۔ وہاں ثانیہ کی حنا خالہ بھی موجود تھیں جو دبئی سے چند روز قبل اپنی جیٹھانی کی وفات کے سلسلے میں پاکستان آئی تھیں۔

ثانیہ بھی موجود تھی حالانکہ اس وقت اسے آفس میں ہونا چاہیے تھا۔

"تم آج آفس نہیں گئیں؟" انہوں نے پوچھا جواب میں ثانیہ نے بتایا۔

"میں ریزائن کر چکی ہوں۔"

اس سے پہلے کہ وہ کوئی اگلا سوال کرتیں، ثانیہ چائے لانے کے لیے باہر نکل گئی۔ شمسہ نے اپنے جوش میں اس کی بات پر غور کیا، لہجے پر نہیں۔ اس کے باہر نکلتے ہی شمسہ نے دونوں خواتین کے سامنے اپنا مدعا بیان کیا۔ حلیمہ اور حنا جیسے ہکا بکا رہ گئیں یا شاید اسے شادی مرگ کہنا چاہیے، اس کے بعد حنا نے ہی حاضر دماغی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان سے ضروری معلومات لینا شروع کیں۔

"آپ ہمیں سوچنے کے لیے کچھ وقت دیجیے۔ ان شاءاللہ ہم جلد ہی آپس میں صلاح مشورے کے بعد آپ کو کوئی جواب دیں گے...... اور یہ مٹھائی وغیرہ کا تکلف آپ نے خوامخواہ کیا، کوئی بات بن جاتی تو یہ سب بھی ہوتا رہتا۔"

حلیمہ نے ان کے لائے ہوئے مٹھائی اور پھلوں کی ٹوکریوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس میں تکلف کی تو کوئی بات نہیں، ۔ یہ تو میرے دل کی خوشی تھی۔ بھرے پرے خاندان میں رہتے ہوئے بہت سی نزاکتوں کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔ آپ لوگ آپس میں ڈسکس کر کے اطمینان سے ہمیں جواب دیجیے گا۔ لیکن پلیز انکار مت کیجیے گا۔ ثانیہ ہمارے گھر کی بہو بنے یہ بہت اعزاز کی بات ہوگی ہمارے لیے...... یوں بھی لڑکا، لڑکی جب راضی ہیں تو......"

شمسہ طنز نہیں کر رہی تھیں، صرف اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے یہ بات کہی تھی لیکن کمرے میں داخل ہوتی ثانیہ جیسے تڑپ ہی گئی۔

''ایک منٹ آنٹی! ایسی کوئی بات نہیں ہے، آپ کو یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے، میری آپ کے بیٹے سے کوئی کمٹ منٹ نہیں ہے۔''

اس کا ٹھوس، دوٹوک لہجہ شمسہ کو ششدر ہی کر گیا۔

''لیکن...... مجھے تو یہاں حنان نے ہی بھیجا ہے۔'' انہوں نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

''تو پھر یقیناً انہوں نے آپ کو پوری بات نہیں بتائی۔'' ثانیہ نے ٹرے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب؟ کون سی بات؟''

''کل حنان صاحب نے مجھے پرپوز کیا تھا مگر میں نے انکار کر دیا۔'' ثانیہ نے گہری سانس بھرتے ہوئے نا صرف شمسہ کے سامنے بلکہ اپنی ماں اور خالہ کے سامنے بھی راز سے پردہ اٹھایا۔

''لیکن......'' شمسہ دم بخود تھیں۔

''لیکن حنان...... نے مجھے نہیں بتایا۔''

''پھر تو انہوں نے یقیناً آپ کو یہ بھی نہیں بتایا ہوگا کہ میں ریزائن کر چکی ہوں۔''

''لیکن کیوں؟''

''دراصل مجھے ایک اور اچھی ملازمت مل گئی ہے۔ کہیں زیادہ سیلری پیکج کے ساتھ۔ باقی بات رہی پرپوزل رد کرنے کی تو......''

اس نے لاشعوری طور پر ماں اور خالہ کو دیکھا۔

''دیکھیے آنٹی!'' اس نے جھجکتے ہوئے سلسلہ کلام جوڑا، بہت دن سے شمسہ کے اصرار پر وہ انہیں میڈم کے بجائے آنٹی کہنے لگی تھی۔

''میں آپ کی بہت عزت کرتی ہوں اور آپ کے جذبات کی قدر بھی کرتی ہوں مگر...... مگر میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں شادی ہی نہیں کرنا چاہتی۔ مجھ پر اس گھر کی بہت ذمہ داریاں ہیں۔ خصوصاً جب تک میں اپنی تینوں بہنوں کی شادیاں نہیں کروا دیتی، اپنی شادی کے متعلق تو سوچوں گی بھی نہیں۔''

اس نے مستحکم لہجے میں کہا تھا۔

شمسہ کو نامراد لوٹنا پڑا مگر آتے ہی وہ حنا اور حلیمہ سے کہہ آئی تھیں۔

''ثانیہ بچوں کی طرح جذباتی ہو کر سوچ رہی ہے، آپ لوگ اس کی بڑی ہیں، پلیز مجھے سوچ سمجھ کر جواب دیجیے گا...... میں آپ کی طرف سے ''ہاں'' سننے کی منتظر رہوں گی۔''

وہ جتنے جوش میں گئی تھیں واپس آئیں تو اتنی ہی نڈھال تھیں۔

''تم نے ثانیہ سے کیا کہا تھا؟'' انہوں نے حنان سے پوچھا۔

''مجھے اسے گرل فرینڈ تو بنانا نہیں تھا کہ گھما پھرا کر بات کرتا۔ بیوی بنانا تھا اس لئے ڈائریکٹ ہی پوچھا کہ وہ مجھ سے شادی کرے گی۔''

''اور اس نے کیا جواب دیا۔''

''کیوں؟'' حنان پہلی بار چونکا۔

''اگر وہ انکار کر چکی تھی تو تمہیں مجھے بتانا چاہیے تھا حنان۔'' شمسہ نے جھنجلا کر کہا۔

''میں نے ضروری نہیں سمجھا۔'' اس نے اطمینان سے کہا۔

''بہت خوب......تم نے ضروری نہیں سمجھا۔'' شمسہ نے غصے سے کہا۔

''تمہیں اندازہ ہے مجھے وہاں جا کر کتنی سبکی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔''

''آپ ایک ہی بار میں تھک گئیں۔'' حنان نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے ہنس کر کہا۔

''حالانکہ ابھی تو آپ کو کئی بار ان کے گھر جانا پڑے گا۔ کم سے کم تب تک جب تک وہ ''ہاں'' نہ کہہ دیں۔'' وہ ان کے پیروں کے قریب کشن گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''آپ کو انہیں راضی کرنا ہوگا ممی! کسی بھی قیمت پر......مجھ سے غلطی ہوگئی کہ آپ کی بات نہیں مانی۔ بس بات اتنی تھی جو ذہن میں چبھ رہی تھی ثانیہ کے انکار سے، وہ پن نکل گئی، اب کوئی چبھن نہیں ہے۔

وہ پہلی لڑکی ہے جس کو دیکھتے ہی میں نے اس سے فلرٹ کرنے کے بارے میں نہیں سوچا کیونکہ میں ایک ہی نظر میں جان گیا تھا وہ ان لڑکیوں میں سے نہیں ہے جو فلرٹ ہو جاتی ہیں۔ مجھ سے ملے ہوئے کچھ دن ہوئے ہیں لیکن مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے وہ میرے لیے بہت ضروری ہے۔ مجھے ثانیہ چاہیے ممی، مجھے ثانیہ لے دیں۔''

خود کلامی کے انداز میں بولتے ہوئے اس نے اچانک کہا۔ شمسہ اسے تعجب سے دیکھ رہی تھیں، انہیں ذرا بھی توقع نہیں تھی کہ حنان ان کی پسند کی ہوئی کسی لڑکی کے لیے اتنی بے اختیاری کا اظہار کر سکتا ہے۔ انہیں یاد آیا کئی سال پہلے ایک گڑیا خریدنے کے لیے حنان نے ان سے اسی طرح فرمائش کی تھی۔

''مجھے وہ گڑیا چاہیے ممی! مجھے گڑیا لے دیں۔''

وہ مسکرائیں۔ وہ گڑیا اتنے سال بعد بھی حنان کے کمرے میں موجود تھی، گویا ثانیہ سے ان کی توقعات غلط نہیں تھیں، وہ شاید نہیں یقیناً حنان پر مثبت اثر ڈال سکتی تھی۔

یہ سوچتے ہوئے انہیں اتنا بھی یاد نہ رہا کہ ثانیہ ایک جیتا جاگتا وجود ہے کوئی گڑیا نہیں۔

☆......☆......☆

آج دن بھر بارش ہوتی رہی۔

تیز ہوا اور گرجتے چمکتے بادلوں نے سارا ہی دن خوب رونق لگائے رکھی تھی اس وقت بھی آدھی رات کا تاریک آسمان گھرے بادلوں کی سفیدی سے عجیب پراسرار سا دکھائی دیتا تھا۔

ہلکی ہلکی سی پھوار ابھی تک برس رہی تھی اور ہوا کے تیز و سرد جھونکے شہتوت کے پتوں کے ساتھ تالیاں بجاتے یہاں برآمدے تک بے تکلفی سے چلے آرہے تھے۔

اندر کمروں میں گھر کے سب افراد سو چکے تھے، صرف وہ تھی جو سارے گھر کی لائٹیں بجھا کر یہاں برآمدے کے ٹھنڈے فرش پر آ بیٹھی تھی اور اب کچن کے دروازے کی معمولی سی جھری سے آتی نامکمل سی روشنی میں صحن میں جا بجا بکھرے پتوں پر برستی بوندوں کو دیکھتے ہوئے یہیں کہیں آئندہ زندگی کا نقشہ تلاش کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

قریب رکھا ہوئے چائے کا کپ کب کا ٹھنڈا ہو چکا تھا، اسے تو شاید یاد بھی نہیں تھا کہ کچھ دیر پہلے اتنے اہتمام سے اپنے لیے چائے بنا کر لائی تھی۔

اور سوچوں کے سلسلے کم تھے کہ چائے یاد رہتی؟

ہر دفعہ حماقت کا احساس ہوتا تھا۔ گھر میں بڑھتی ہوئی مالی پریشانیاں اسے ندامت میں مبتلا کر دیتیں۔

اس نے اپنی پیشانی مسلتے ہوئے سر کو دونوں ہاتھوں سے دبایا۔ جو ان گنت سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

گزرے ہوئے مہینے اس پر بھی عجیب انداز سے اثر انداز ہوئے تھے۔

شفق کا بار بار احساس دلانا رنگ لا چکا تھا مگر ثانیہ نے یہ حقیقت اب تک تسلیم نہ کی۔ شفق کے سامنے کچھ کہنا تو دور کی بات وہ خود سے اعتراف پر بھی راضی نہ تھی۔

"جس گاؤں نہیں جانا اس کے کوس گننے کا کیا فائدہ۔" کے مصداق، وہ جس قدر ہو سکتا اس موضوع سے گریز برتتی۔ جس طرح بھی ممکن ہوتا خود کو لاتعلق ظاہر کرتی، ہاں مگر یہ ضرور تھا کہ لاشعوری طور پر اس نے کئی بار شاہنواز کو سوچا ضرور تھا اور ہر بار اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی بری طرح شرمندہ بھی ہوئی تھی۔

"یہ سوچوں کا بھی عجیب سلسلہ ہے۔" وہ سوچتی۔

"کچھ بھی کر کے ان کے بہاؤ پر بند تو باندھا جا ہی نہیں سکتا۔ اللہ جانے یہ لایعنی سوچیں کہاں کہاں سے آئے چلی جاتی ہیں۔" محض اپنی جھینپ مٹانے کو وہ کئی بار سوچتی۔

مگر اس کا یہ مطلب بھی قطعاً نہیں کہ حنان کیلئے انکار اس نے شاہنواز کی وجہ سے کیا تھا۔ بنیادی وجوہات دو تھیں۔ ایک کا اظہار

وہ شمسہ کے سامنے کر چکی تھی، دوسری وجہ حنان خود تھا جس کے آفس جوائن کرتے ہی سارے اسٹاف میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئی تھیں۔ ثانیہ بے شک اپنے کام سے کام رکھنے والی لڑکی تھی مگر کان بہرحال کھلے رکھتی تھی لہٰذا اس نے بھی حنان کی سرکشی اور بگڑی ہوئی طبیعت کے کچھ قصے سنے۔ نتیجتاً اس کے بارے میں ثانیہ کی رائے کچھ خاص اچھی نہ بنی، رہی سہی کسر حنان کے دیکھنے کے انداز نے پوری کردی۔

کبھی کبھی ثانیہ سوچتی، کیا اسے پتا نہیں چلتا اس کے دیکھنے کا انداز سامنے والے کو کتنا ناگوار گزرتا ہے یا گزر سکتا ہے۔

آناً فاناً ملازمت چھوڑنے کا فیصلہ بھی اس نے اسی لیے کیا کیونکہ وہ جانتی تھی حنان جیسا اپنی طاقت کے زعم میں مبتلا انسان اسے اب سکون سے وہاں ٹکنے نہیں دے گا۔

''ثانیہ...... یہاں کیا کر رہی ہو۔'' گہری خاموشی میں ہلکی سی آواز اس نے اپنے عقب میں سنی، تب بدک کر پلٹی۔ حنا خالہ چادر لپیٹ کر کھڑی اسے حیرانی سے تک رہی تھیں۔

''توبہ ہے خالہ!'' اس نے دل پر ہاتھ رکھ کر سانس برابر کی پھر خفت سے ہنس دی۔

''آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔''

''تم نے تو خود مجھے ڈرا دیا۔'' خالہ نے اپنے عقب میں احتیاط سے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔ ''ہوا سے تھوڑا سا دروازہ کھل گیا تھا کروٹ بدلتے ہوئے باہر نظر پڑی تو تمہارا دوپٹہ لہرا رہا تھا۔ میں سمجھی پتا نہیں آدھی رات کو کون سی بدروح یہاں ڈیرہ جما کر بیٹھ گئی۔''

''مگر تم یہاں کر کیا رہی ہو......سوئی کیوں نہیں اب تک؟'' وہ اس کے قریب ہی فرش پر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

''بس یونہی......نیند نہیں آ رہی تھی اس لیے یہاں آ کر بیٹھ گئی۔ میں آپ کے لیے کرسی لاتی ہوں۔''

''ارے رہنے دو یہاں ہی ٹھیک ہوں میں۔'' انہوں نے شال اچھی طرح لپیٹتے ہوئے کہا۔

''اور یہ چائے کیا تکلفاً بنائی تھی؟ پی کیوں نہیں؟''

''ٹھنڈی ہوگئی ہے۔ ٹھنڈی پینے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا۔ آپ پئیں گی خالہ؟ میں اور بناتی ہوں......تازہ؟''

''ہاں پی لوں گی مگر سنو بہت بھرا ہوا کپ مت بنانا۔''

ثانیہ کپ اٹھا کر کچن میں چلی آئی اور بہت احتیاط سے چائے بنانے لگی تاکہ برتن کی کھڑپٹر سے کسی کی نیند خراب نہ ہو۔

''ہاں......اب بتاؤ کیا پریشانی ہے؟'' وہ چائے لے کر آئی تو حنا خالہ نے اس کے بیٹھتے ہی آہستگی سے پوچھا۔

''کوئی پریشانی نہیں ہے خالہ!'' اس نے ٹھٹک کر کہا کیونکہ اپنے دل کی کیفیت تو دل میں چھپائے رکھنے کے لیے وہ ہمہ وقت جدوجہد میں لگی رہتی تھی۔

''خیر پریشانی تو ہے......اور یہ بات صرف میں ہی نہیں تمہاری ماں، بہنیں بھی محسوس کر رہی ہیں۔'' انہوں نے چائے کا سپ

لیتے ہوئے کہا۔

''سنو......شیئر کرنے سے بوجھ ہمیشہ کم ہوتا ہے بڑھتا نہیں ہے۔'' ان کا لہجہ......ان کی اپنائیت......اسے بڑی تقویت ملی۔

''کوئی خاص بات نہیں ہے خالہ! جاب چھوڑ دی میں نے۔ اب جب تک نئی جاب نہیں مل جاتی پریشانی تو رہے گی۔'' اس نے گہری سانس ہوا کے سپرد کرتے ہوئے آہستگی سے کہا اور اپنا مگ لبوں سے لگالیا۔

''جاب کیوں چھوڑ دی؟'' انہوں نے پوچھا، ثانیہ خاموش رہی۔

''شمسہ بیگم کے بیٹے کی وجہ سے؟'' ثانیہ نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''کیا کسی اور کو پسند کرتی ہو؟''

ثانیہ نے تڑپ کر انہیں دیکھا، بالکل ایسے جیسے اس کی نیک نامی پر کسی نے کالک پھیر دی ہو۔

''کیسی باتیں کر رہی ہیں خالہ! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''گو کہ یہ بھی کوئی غلط بات تو نہیں......آگے کی زندگی اپنی مرضی سے کٹ جاتی ہے اور کسی بدمزگی کی صورت میں لڑکی یا لڑکا کسی دوسرے کو الزام بھی نہیں دے پاتے کہ ہماری زندگی آپ کی وجہ سے خراب ہوگئی۔ میں تو اس بات کو قطعی برا نہیں سمجھتی کہ لڑکا، لڑکی خود ایک دوسرے کو پسند کریں۔ بس یہ ہے کہ ہر کام شرع کی روشنی میں اور اخلاقی قدروں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہو۔'' وہ غالباً ثانیہ کو اصل پوائنٹ کی طرف لانے کے لیے لمبی بات کر رہی تھیں۔

''اچھا بتاؤ......کسی اور میں دلچسپی نہیں ہے تو انکار کیوں کر دیا، حالانکہ میرے خیال میں تو رشتہ بہت ہی اچھا ہے، وہ بھی اس صورت میں کہ لڑکا خود دلچسپی رکھتا ہے، اب اگر صرف لڑکے کی دلچسپی ہوتی تو ہم کوئی اعتراض اٹھاتے بھی۔ شمسہ بیگم کتنے مان و چاہت سے تمہارا ہاتھ مانگ رہی ہیں۔ میں تو یہی کہوں گی ثانیہ! اس طرح سے انکار کر دینا بے وقوفی ہے۔ شمسہ کئی بار فون کر چکی ہیں۔ دوبارہ آنے کے لیے بھی کہہ رہی تھیں۔''

''میں وجہ بتا چکی ہوں خالہ! ایک تو یہ کہ میں شادی ہی نہیں کرنا چاہتی۔ مجھ پر اتنی ذمہ داریاں ہیں کہ شادی وادی کے متعلق سوچنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔ تیمور زندہ ہوتا تو اور بات تھی لیکن اس کی غیر موجودگی میں، میں ہی اس گھر کا بیٹا ہوں خالہ! میری بات سمجھنے کی کوشش کریں شادی کے بعد میں اپنی ماں اور بہنوں کے لیے وہ سب نہیں کر پاؤں گی جو بنا شادی کے کر سکتی ہوں۔ دوسری بڑی وجہ خود حنان ہے۔ آنٹی شمسہ بلاشبہ ایک آئیڈیل خاتون ہیں، جہانگیر سر، ان کی بیٹیاں......سب بہترین ہیں۔'' وہ شاہنواز کا نام دانستہ گول کر گئی۔

''لیکن حنان کے متعلق میں نے کچھ اچھی رائے نہیں سنی۔ اس کی بدتمیزیوں اور فساد کے تو اتنے قصے مشہور ہیں آفس میں کہ لوگ باقاعدہ انگلیوں پر گنتے ہیں۔''

''بس اتنی سی بات۔'' حنا خالہ کا اطمینان دیدنی تھا۔

''یہ اتنی سی بات نہیں ہے خالہ!'' وہ اکتا کر بولی۔

''ویسے بھی میرا دل کہتا ہے کہ وہ اچھا لڑکا نہیں ہے۔''

''کیوں؟ اس کی شکل اچھی نہیں ہے کیا؟'' حنا خالہ کے معصومیت سے پوچھنے پر اسے ایک دم ہنسی آ گئی۔

''اچھی شکل بھی کبھی اچھی فطرت کی دلیل ہوا کرتی ہے؟'' اس نے نگ ایک ہاتھ سے دوسرے میں منتقل کرتے ہوئے پوچھا۔

''اور آپ نے شمسہ آنٹی کو نہیں دیکھا؟ جس کی ماں اس عمر میں بھی اتنی خوبصورت لگتی ہے کہ کیسے ممکن ہے کہ اس کی اپنی شکل اچھی نہ ہو۔''

''نہیں، خیر...... ماں کی شکل تو کوئی دلیل نہ ہوئی، اکثر بچے باپ پر بھی چلے جاتے ہیں۔'' وہ شرارت بھری سنجیدگی سے بولیں۔

''ہمارے سر بھی اتنے ہینڈسم ہیں کہ کیا بتاؤں...... سنا ہے کسی زمانے میں آپ ''عابد علی'' کی بڑی فین ہوا کرتی تھیں۔ ہمارے سر، عابد علی سے بھی زیادہ گریس فل ہیں۔''

''لو آدھی رات کو بھی کیا یاد کروادیا۔ نہ ہوئے یہاں تمہارے خالو جان۔ ورنہ عابد علی کے ذکر پر ہی اب تک اچھی خاصی لڑائی ہو چکی ہوتی۔'' حنا خالہ مزے سے بولیں۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ کل ملا کر لڑکے کی شکل تو اچھی ہے۔''

''خالہ! آپ میری بات سمجھ نہیں رہیں، شکل کی اہمیت نہیں ہے میرے نزدیک...... اس کا خاندان بہترین ہے، مال و دولت کی حد نہیں۔ یعنی کل ملا کر معاشرے میں بہترین قرار پائے جانے کے لیے جو، جو کچھ ضروری ہوتا ہے وہ سب کچھ ہے اس کے پاس...... مجھے تو خیر شادی کرنا ہی نہیں ہے، لیکن اس کی ریپوٹیشن کی طرف سے میں تھوڑا بھی مطمئن ہوتی تو اپنی بجائے انہیں نرمین کے لیے قائل کرنے کی کوشش کرتی...... بلکہ ضرور کرتی۔''

''جو لوگ تمہارے لیے اتنے دیوانے ہو رہے ہیں کیا وہ نرمین کے لیے راضی ہو جاتے؟'' حنا نے بنیادی سوال فوراً ہی اٹھایا۔

''وہ ایک الگ معاملہ ہے، میں تو صرف مثال دے رہی ہوں کہ اگر میں ہر طرح سے مطمئن ہوتی تو نرمین کا نام ضرور ان کے سامنے رکھتی، آگے ان کی مرضی۔'' اس نے تحمل سے جواب دیا۔

''ثانیہ! تمہیں اندازہ ہے اس روز شمسہ کے سامنے جب تم نے یہ کہا کہ تم کبھی شادی نہیں کرو گی، تب سے اب تک حلیمہ آپا کتنی پریشان ہیں۔'' حنا نے اب اصل نقطہ اٹھایا تھا۔

''وہ کیوں پریشان ہیں؟'' اس نے تعجب سے انہیں دیکھا۔

”امی کو پریشانی سے بچانے کے لئے ہی تو میں یہ سب کر رہی ہوں۔“

”اور تمہیں لگتا ہے تمہارا یہ شاندار فیصلہ سن کر تمہاری ماں کو خوشی سے پاگل ہوتے ہوئے تمہارے لیے تالیاں بجانی چاہئیں...... کہ بھئی واہ میری بیٹی نے کیا زبردست فیصلہ کیا ہے اور کل کو جب ساری دنیا اس پر انگلیاں اٹھائے کہ اس عورت نے اپنی باقی بیٹیوں کو پالنے کے لئے اپنی ہی بڑی بیٹی کی خوشیوں کی قربانی دی، تب بھی وہ اسی طرح تالیاں بجاتی رہی......تمہارا نام تو دیوی ہونا چاہیے بھئی۔“

ثانیہ ششدر ہی رہ گئی۔ بری طرح گھبرا گئی، ایسا تو کبھی نہ سوچا تھا اس نے۔

”پلیز خالہ! میں نے ایسی باتیں کبھی نہیں سوچیں۔“ وہ منمنائی۔

”تم نے نہیں سوچا، مگر تمہاری ماں بہت دور اندیش ہے، آج سے دس سال بعد اسے جو، جو کچھ سننا پڑ سکتا ہے وہ ابھی سن رہی ہے۔“ ثانیہ نے بے چارگی سے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔

”دیکھو میرا مقصد تمہیں شرمندہ کرنا نہیں ہے۔“ حنا خالہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”دراصل نہ تو مجھ سے حلیمہ آپا کی پریشان شکل دیکھی جا رہی ہے، اور نہ ہی مجھ سے برداشت ہو رہا ہے کہ تم صرف آج پر نظر رکھتے ہوئے اپنا مستقبل خراب کرو۔ کچھ فیصلے، فیصلہ کرنے کے وقت تو درست معلوم ہوتے ہیں، مگر وقت گزرنے کے ساتھ ان کی بے کاری واضح ہوتی ہے۔ چلو اپنے لیے نہ سہی ایک اور فیصلہ اپنی ماں کی خوشی کے لیے ہی کر لو۔ میں نہیں چاہتی کہ میری بہن باقی کی ساری زندگی پچھتاوے کی آگ میں جلے، وہ بھی اس صورت میں کہ اس نے پہلے ہی کوئی خاص خوشی نہیں دیکھی۔“

”خالہ! میں نے یہ تو نہیں کہا کہ میں کبھی شادی کروں گی ہی نہیں۔“ اس نے آہستگی سے کہا۔ ”آپ امی سے کہیں، وہ میرے لئے فکرمند نہ ہوں۔ ہم لوگ نرمین، زینب اور کشف کے فرض سے سبکدوش ہو جائیں تو انشاء اللہ میں اپنے لئے سوچوں گی۔“

”اور اس وقت تک تمہاری عمر کیا ہو چکی ہو گی؟ کبھی یہ سوچا ہے تم نے؟ پھر کون آئے گا تمہیں بیاہنے کے لئے؟“ حنا خالہ نے اسے آئینہ دکھانے کی کوشش کی۔

”آج سے کچھ سال پہلے، جب امی میرے رشتے کے لئے فکرمند رہتی تھیں، تب بھی میری وہ عمر نہیں تھی خالہ! جواب کچھ سال بعد ہو گی......لیکن تب بھی مجھے بیاہنے کے لئے کوئی نہیں آیا تھا۔“ ایک تلخ حقیقت اس نے بے حد آرام سے بیان کی۔

”شاید آپ کو علم نہیں، لیکن عانیہ کو امی سے ایک شکایت یہ بھی تھی کہ جب میری شادی نہیں ہو رہی تو امی اس کی شادی کیوں روک رہی ہیں۔ اسے لگتا تھا میری وجہ سے اس کی شادی التوا کا شکار ہے۔“

”عانیہ کا یہاں کیا ذکر؟“ حنا خالہ نے بگڑ کر کہا۔

”خود ہی تو کہتی ہو اس کے مسائل، اس کی ترجیحات کچھ اور تھیں، میں تو سمجھتی ہوں اس گھرانے کو جتنی بھی مشکلات کا سامنا ف

الحال کرنا پڑ رہا ہے ان کی اسی فیصد ذمہ دار وہی ہے۔“

”اس ذکر کو چھوڑ دیں خالہ! ہم سب کے پاس اپنے اپنے عمل کی کوئی نہ کوئی توجیہ ضرور ہوتی ہے۔ کل کو وہ بری الذمہ ہو جائے گی۔“ اس نے تلخی سے کہا۔

”مجھے تمہاری ماں نے کہا تھا تمہیں سمجھانے کی کوشش کروں۔ اپنے سے وابستہ لوگوں کا احساس کرنا، اپنی ذمہ داریاں سمجھنا، اچھی بات ہے، لیکن خود اپنے لیے صحیح وقت پر صحیح فیصلہ کرنا کتنا ضروری ہے یہ تمہیں وقت ہی بتائے گا۔ اور یہ کیا ضروری ہے کہ تمہارے سسرال والے شادی کے بعد تم پر کوئی پابندی لگائیں۔

تم شادی کے بعد بھی نوکری کر سکتی ہو، اپنی بہنوں کے اچھے بر تلاش کر سکتی ہو...... بلکہ......“ وہ ایک پل کو جھجکتے ہوئے رکیں۔

”جس دن سے شمسہ بیگم یہاں سے ہو کر گئی ہیں، اس دن سے میرے دماغ میں ایک ہی بات گردش کر رہی ہے...... میں مانتی ہوں حنان میں کچھ برائیاں ہیں، بلکہ خامیاں کہنا زیادہ مناسب ہے...... بقول تمہارے...... لیکن اگر ان خامیوں کو کچھ دیر کے لیے نظر انداز کر دیا جائے تو یہ شادی تمہاری بہنوں کے لئے بہت فائدہ مند بھی ہو سکتی ہے۔ ذرا اس پہلو پر بھی غور کرو۔“

”میں سمجھی نہیں خالہ؟“ اس نے ناسمجھی سے انہیں دیکھا۔

”ہو سکتا ہے تمہیں میری باتیں عجیب لگیں، لیکن اگر کچھ دیر ٹھنڈے دماغ سے اس پر غور کرو گی تو تمہیں یہ باتیں قطعاً عجیب نہیں لگیں گی۔

دولت، عزت اور خوبصورتی...... یہ وہ تین چیزیں ہیں جو اس معاشرے میں مقام حاصل کرنے کے لئے سب سے ضروری ہیں اور ان میں سب سے ضروری ہے دولت...... جس کے پاس دولت ہو گی وہ خواہ عزت والا نہ ہو خواہ اس کے پاس خوبصورتی نہ ہو، لیکن اگر اس کے پاس دولت ہے تو کوئی اسے بدصورت نہیں کہہ سکتا، کوئی اسے بے عزت نہیں کر سکتا...... دولت اس دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہے اور جو لوگ تمہیں بہت چاہ سے مانگ رہے ہیں ان کے پاس دنیا کی یہ سب سے بڑی طاقت موجود ہے۔ تم کسی اور بات کو نہ مانو، صرف ان کی طاقت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس شادی پر رضامند ہو جاؤ، دیکھو دولت کی کرامات تمہیں کیا، کیا دکھاتی ہے۔ تمہارے شوہر کا پیسہ، تمہارا بھی ہو گا، تم اپنی ماں کا بہتر علاج کروا سکو گی۔

تمہارا لیونگ اسٹینڈرڈ ہائی ہو گا تو تم اپنی بہنوں کے لئے بہتر رشتے تلاش کر سکو گی، انہیں بہتر طریقے سے بیاہ سکو گی...... خیر میں کشف کی بات نہیں کر رہی، اسے تو انشاء اللہ ہم دو کپڑوں میں ہی بیاہ کر لے جائیں، بات یہاں نرمین اور زینب کی ہے...... یہ ٹھیک ہے کہ روپے سے تقدیر نہیں خریدی جا سکتی...... مگر ایک چیز تدبیر بھی ہوتی ہے۔ میں تمہیں ایک صلاح دے سکتی تھی جو میں نے دے دی...... فیصلہ کرنا مکمل طور پر تمہاری ذمہ داری ہے۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ خوش بختی بار بار دروازے پر دستک نہیں دیتی...... حنان میں کچھ برائیاں

ہیں، لیکن لاابالی پن تو لڑکوں میں ہوتا ہی ہے، بیوی پُر اعتماد ہو تو چند روز میں شوہر کو راہ راست پر لے آتی ہے...... جو بھی فیصلہ ہو جتنی جلد کر لو اتنا بہتر...... الیاس بھائی کا حال میں ان چند دنوں میں دیکھ چکی ہوں، شفق کی شادی میں جیسے میں نے انہیں شرمندہ ہوتے دیکھا تھا تو یہی امید تھی کہ سدھر جائیں گے مگر آفرین ہے ان پر...... مجال ہے جو اس عمر میں بھی کچھ عقل استعمال کر رہے ہوں...... پھر وہی لاپروائیاں، پھر وہی اپنی ذمہ داریوں سے پہلوتہی...... اچھی طرح سوچ سمجھ کر فیصلہ کر لو ثانیہ! گولڈن چانس زندگی میں بار بار نہیں ملا کرتے، اور...... اور ہاں۔"

وہ اس کا ہاتھ دبا کر جاتے جاتے بولیں۔

"جو بھی فیصلہ کرو اسے کرتے وقت اپنی ماں کے متعلق ضرور سوچ لینا، پریشانیوں نے پہلے ہی اس کی آدھی عمر کھا لی ہے۔" خالہ نے کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔ ثانیہ نے اپنے اندر بے تحاشا سناٹا محسوس کیا، وہ جیسے خلا میں معلق ہو چکی تھی۔ اس نے خالی خالی نظروں سے سامنے دیکھا۔

بارش کب کی رک چکی تھی، مگر آسمان پر بادل پھر سے برسنے کو تیار تھے اور تیز سرد ہوا شہتوت کے پتوں میں شائیں شائیں کرتی گزر رہی تھی۔

☆......☆......☆

گاڑی کے انجن میں کوئی گڑبڑ تھی جو عین سڑک کے بیچ میں پہنچ کر چلنے سے انکار کر دیا۔ اے سی پہلے ہی خراب تھا، ایسے میں جب پیچھے سے آئی گاڑیوں نے ہارن پر ہارن بجانا شروع کیے اور رکشا اور موٹر سائیکلوں کے دھویں نے ناک میں دم کر کے رکھ دیا تو آپا بیگم کی برداشت بالکل ہی جواب دے گئی۔

"بھلا بتاؤ...... یہ بھی کوئی بات ہے تمہارے مالکوں کے پاس گلشن آرا کو ریسیو کرنے کے لئے یہی کھٹارا رہ گئی تھی...... باقی ہر چیز ٹاپ کلاس چاہیے، ایک ڈھنگ کی گاڑی نہ خرید سکے اب تک۔"

وہ بے چارا بھلا کیا جواب دیتا۔ جلدی جلدی یہاں وہاں سے دو چار لوگ پکڑ کر دھکا لگوایا، گاڑی چند کوس چلی پھر بند۔

"بات سنو، تمہارے مالکوں میں تو خیر اتنی عقل نہیں ہے، تم ہی گاڑی سروس پہلے کروا کر نہیں رکھ سکتے تھے۔ بتاؤ خود ہی منتیں کر کر کے بلوایا، اب خود ہی خوار کروا رہے ہیں...... اوفوہ...... ایک تو گرمی بھی اس قدر ہے۔" انہوں نے ٹشو پیپر نکال کر نزاکت سے پسینہ پونچھا۔

"بھئی آئندہ کے لئے میری تو توبہ ہے جو کبھی دوبارہ اس شہر میں قدم بھی رکھوں...... کیسی منتیں کی تھیں بشارت صاحب نے...... تمہارے بنا تو محفل ادھوری ہوگی آپا بیگم! تم نہ آئیں تو رونق خاک لگے گی...... میری بھی مت ماری گئی تھی جو آ گئی اس کی باتوں میں۔ اب لگ رہی ہے سڑک پر ہی رونق...... ایسی خبر لوں گی اس بشارت کی...... دیکھنا ذرا...... بے غیرت نہیں تو......"

آپا بیگم کا رومال سے پنکھا جھلاتے ہاتھ تھک گیا تھا اور اب غصہ بھی سوا نیزے پر پہنچ رہا تھا۔

ریشم جو اتنی دیر سے ان کے غصے کے آگے دم سادھے بیٹھی تھی مجبوراً بول ہی پڑی۔

''کیوں اپنا ٹیمپر لوز کر رہی ہیں آپا بیگم! وہ دیکھئے......ڈرائیور بے چارہ مکینک کو لے بھی آیا ہے۔''

''اونہہ......'' آپا بیگم نے ناگواری سے سر جھٹکا، اپنی طرف کا شیشہ کچھ اور سرکا کر باہر دیکھنے لگیں، بلکہ توجہ باہر بھی کہاں تھی، اصل مقصد تو اپنی جھلاہٹ پر قابو پانا تھا، تبھی نگاہیں سڑک کے دوسری طرف تربوز کے ٹھیلے کے قریب کھڑے بدحال سے آدمی پر جا رکیں۔ آپا بیگم کا دل جیسے ایک پل کے لئے کسی نے مٹھی میں جکڑا۔ شناسائی کی چمک ایک بند پوٹلی کی طرح دھیان کی دہلیز پر ٹھک سے آن گری تھی۔

''ڈرائیور......'' انہوں نے فوراً ڈرائیور کو پکارا۔

''سنو......وہ جو اس ٹھیلے کے قریب آدمی کھڑا ہے......بھوری قمیض میں......ذرا اسے تو بلا کر لاؤ۔''

ڈرائیو فوراً حکم کی تعمیل کرتا اس طرف چل دیا۔ درمیان میں دو سڑکیں حائل ہو رہی تھیں، اسے ٹھیلے تک پہنچنے میں چند منٹ لگے۔ آپا بیگم تجسس کے ہاتھوں مجبور ادھر ہی متوجہ تھیں۔ ڈرائیور نے اس سے بات کرتے ہوئے گاڑی کی طرف اشارہ کیا، مگر اتنی دور سے بھی اندازہ ہو رہا تھا وہ تذبذب کا شکار ہو رہا ہے، بہرحال ڈرائیور کے اصرار پر وہ آ ہی گیا۔ پہلے ایک سڑک عبور کی، پھر دوسری۔

فاصلہ سمٹا۔ آپا بیگم کو اپنی یادداشت پر بے ساختہ رشک آیا۔ گہری سانس بھرتے ہوئے انہوں نے پرسکون انداز نشست اختیار کیا اور انتظار کرنے لگیں۔

ڈرائیور نے پہلے جھک کر اطلاع دی، آپا بیگم نے اسے ہاتھ کے خفیف اشارے سے منظر سے ہٹنے کا حکم دیا، پھر معمولی سا آگے جھکتے ہوئے گویا اپنا دیدار کروایا۔

وہ جو گاڑی والی میڈم کو دیکھنے کے لیے کھڑکی پر ذرا سا جھکا تھا۔ بوکھلا کر دو قدم پیچھے ہٹا۔

''گل......گلشن آرا......'' اس نے ہکلاتے ہوئے بے یقینی سے کہا۔

''ارے واہ......تم تو ایک ہی نظر میں پہچان گئے، میں تو سوچ رہی تھی تفصیلی تعارف کروانا پڑے گا، مگر بھئی مان گئے......تمہاری یادداشت کا بھی جواب نہیں ہے، الیاس چوہدری!''

آپا بیگم نے بے حد خوشگواریت سے داد دینے کے انداز میں کہا تھا۔

☆......☆......☆

اگلے روز سویرے ہی سویرے شفق کا فون آ گیا۔

''پھر کیا فیصلہ کیا ہے تم نے؟'' ساری رات کشمکش کی نذر ہو چکی، توقع کا دامن پھر بھی کسی فیصلے سے خالی۔ اور اب پھر وہی سوال۔ ثانیہ کو لگا اس کا دماغ پھٹ رہا ہے۔

"کوئی فیصلہ نہیں کیا۔"

"پھر بھی ثانی کچھ تو سوچا ہی ہوگا تم نے؟" شفق کو جانے کیا کھد بد لگی ہوئی تھی، ثانیہ جھنجھلا ہی تو گئی۔

"کیا مصیبت ہے؟ کیا میں ہر وقت بس یہی سوچتی رہتی ہوں؟ اور کوئی کام نہیں ہے مجھے؟"

"تم بھڑک کیوں رہی ہو؟ مجھے تو صرف یہی فکر ہے، کہیں تم "ہاں" نہ کہہ دو۔ پرسوں حنا خالہ سے بات ہوئی تھی میری۔ وہ بتا رہی تھیں شمسہ آنٹی کے بار، بار فون آ رہے ہیں۔"

"ہوں......" اس نے فقط اتنا کہا۔

"مجھے تو اب تک یقین نہیں آ رہا کہ وہ شاہنواز بھائی کے لئے نہیں بلکہ اپنے بیٹے کے لئے تمہیں نظر میں رکھے ہوئے تھیں...... ویسے اب اتنا تو مانو کہ آدھا ہی سہی مگر اندازہ درست تھا۔"

"کیا بات ہے۔" اس نے موڈ بدلنے کی شعوری سی کوشش کی تھی۔

"ثانی!" شفق یکدم پرجوش ہو کر بولی۔

"اب تم مانو یا نہ مانو، لیکن میرا دل کہہ رہا ہے کہ یہاں معاملہ کچھ گڑبڑ ہے ہو نہ ہو "خالہ صاحبہ" شاہنواز بھائی اور تمہارے معاملے میں ظالم سماج کا رول پلے کر رہی ہیں۔"

"اب ایسی بھی حور، پری نہیں ہوں میں۔ نہ ہی کوئی بہت اعلیٰ صفات رکھتی ہوں کہ کوئی میرے لئے مرتا پھرے اور کوئی ظالم سماج بنے۔"

"خیر...... تمہیں تو عادت رہی ہے ہمیشہ سے خود کو انڈر اسٹیمیٹ کرتے رہنے کی۔ کبھی کسی کے دل سے پوچھو تو پتا چلے۔"

"عادل کیسا ہے؟" اس نے پھر موضوع بدلا۔

"ٹھیک ہیں۔ کل ہی فون پر بات ہوئی تھی۔ تم سب کو سلام کہہ رہے تھے۔"

"والسلام......اور تمہارے ویزے کا کیا بنا؟"

"پتا نہیں۔ میں تو گھبراہٹ کے مارے پوچھتی ہی نہیں ہوں کہ اگر ویزا لگ گیا تو سب سے دور جانا پڑے گا۔ لیکن جب عادل بہت زیادہ یاد آتے ہیں تو خود ہی دعا کرنے لگتی ہوں کہ اللہ جی جلدی ویزا لگوا دیں...... ساری بیویاں اپنے شوہروں کے پاس رہتی ہیں تو میں کیوں جدائیاں سہوں۔"

"اللہ رے...... جدائیاں......" ثانیہ کے ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ گئے۔

"ہنس لو جی بھر کے...... کبھی خود پر پڑے گی تو میں بھی پوچھوں گی۔" وہ بناوٹی خفگی سے بولی۔ شادی کے فوراً بعد اس میں بڑی

مثبت تبدیلی آئی تھی۔ وہ بہت پر اعتماد ہوگئی تھی اور بہت خوش بھی رہنے لگی تھی۔ عادل کا ذکر بہت محبت واحترام سے کرتی اور تفصیلی گفتگو کے دوران ہر پانچ، چھ منٹ کے بعد یہ ضرور کہتی۔

''میں تو دعا کرتی ہوں کہ اللہ تمہیں بھی میرے میاں جیسا محبت اور احترام کرنے والا میاں دے۔ آمین۔''

مگر ثانیہ کو کبھی کبھی عانیہ کی کم عقلی پر بڑا تاسف ہوتا۔ پتا نہیں اب وہ کہاں اور کس حال میں تھی۔ ثانیہ کو تو یہی خیال آتا کہ وہ، وہ سب کچھ اپنے ہاتھوں سے گنوا چکی تھی، جواب شفق کو مل رہا تھا۔ وہ محبت، وہ عزت اور وہ رتبہ۔

''ایک بات کہوں ثانی؟''

''ہوں......'' وہ چونکی۔

''اگر تم اجازت دو تو میں عادل سے کہتی ہوں ان کی اور شاہنواز بھائی کی اتنی اچھی دوستی ہے کہ وہ باآسانی ان سے تمہارے بارے میں پوچھ لیں گے۔''

''خبردار......'' ثانیہ کا بھیجا بھک سے اڑ گیا۔

''میں اتنی گئی گزری بھی نہیں ہوں کہ تم لوگ میرے رشتے کے لئے ادھر ادھر بھیک مانگتے پھرو...... کچھ تو میری عزتِ نفس کا خیال کرو شفق!''

''ثانی...... میں تو یونہی...... دیکھو میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' وہ سخت ردعمل پر گڑبڑا ہی گئی۔

''پھر کیا مطلب تھا تمہارا۔'' وہ الٹ پڑی۔

''سمجھ تو میں یہ نہیں پارہی ہوں۔ تم مجھے شاہنواز سر کے لیے قائل کیوں کررہی ہو، جبکہ وہ لائن میں بھی نہیں ہیں۔''

میں ان سے کئی بار مل چکی ہوں اور مجھے وہ تمہارے حوالے سے پسند بھی ہیں اور ان کی آنکھیں۔''

''بھاڑ میں جھونکو ان کی آنکھیں۔'' اس نے جل کر کہا۔

پھر خود پر ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ ''سوری شفق! میں اس وقت بات نہیں کرسکتی۔ آج انٹرویو ہے میرا، اللہ حافظ......'' اس نے بنا اگلی بات سنے فون بند کردیا اور جاکر تیار ہونے لگی۔ مگر اسے ایسا محسوس ہورہا تھا اس کا خون کھول رہا ہے۔ اس نے چند لمحے سوچنے کی کوشش کی، آخر اسے اتنا غصہ کس بات پر آرہا تھا؟ مگر وہ ناکام رہی، اسے جواب نہیں ملا تھا۔

جس وقت وہ گھر سے نکل رہی تھی اس نے دیکھا ابو بڑی سی چمکتی ہوئی گاڑی سے نکل رہے تھے۔

اس نے پرواہ نہیں کی اور ناک کی سیدھ میں چلتی چلی گئی۔

☆......☆......☆

الیاس چودھری کی آنکھیں ہی نہیں حیرانی و بے یقینی کی شدت سے منہ بھی تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔

''ارے تم تو یوں دیکھ رہے ہو جیسے کسی مرے ہوئے کو دوبارہ زندہ دیکھ لیا ہو......ارے بھائی! میں ہی گلشن آرا......وزیر آباد کی شہزادی......کیسے بھول سکتے ہو؟ حالانکہ گئے وقتوں میں ہر جمعرات کو تم اور تمہارے دوست باقاعدگی سے حاضری لگوانے آیا کرتے تھے......ریشم! تم ذرا آگے چلی جاؤ۔''

آپا بیگم نے ریشم کو ٹہوکا دیا وہ تابعداری سے اگلی سیٹ پر شفٹ ہوگئی، آپا بیگم نے الیاس کی طرف کا کلچ دبا کر دروازے کو ہولے سے دھکیلا اور خود دوسری طرف کھسک گئیں۔

''کیسے بھول سکتا ہوں تمہیں۔'' الیاس چودھری نے اندر بیٹھ کر دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

''دو ہی تو چیزیں مشہور تھیں وزیر آباد کی......ایک وہاں کے چاقو، چھریاں اور دوسری گلشن آرا۔''

''بہت خوب......کوئی مشہور ہوتا ہے تو کوئی بات تو ہوتی ہے۔تم نے پھر بھی ساری زندگی آپا جہاں آرا کے چہرے سے نظریں ہٹا کر ہمیں نہ دیکھا۔ حالانکہ کچھ ایسی بری بھی نہیں تھی میں۔''

آپا بیگم کو جوانی کے شناسا نے آدھا جوان تو کر ہی ڈالا تھا، خوب ٹھنک کر شکوہ کیا۔

''میری اتنی مجال کہ تمہیں برا کہوں۔'' الیاس چودھری نے بھی خوشگواریت سے کہا۔

''لیکن یہ جو دل ہے......اس کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں، جس پر ٹھہر جائے بدبخت! پھر اس کی ضد نہیں چھوڑتا، جہاں آرا کی ضد ہوگئی تھی میرے دل کو۔'' انہوں نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے جیسے گئے دنوں کو یاد کیا۔

آپا بیگم سر جھکا کر جیسے اعترافاً مسکرائیں۔ ان سے بہتر بھلا یہ کون سمجھ سکتا تھا کہ دل ضد پر اتر آئے تو کیا ہوتا ہے۔کوئی ایک آدھ نہیں کم سے کم پانچ چھ زوردار عشق تو انہوں نے بھی کیے ہی تھے زندگی میں۔ ہر طوائف کرتی ہے۔

''اور تمہیں ہماری نظروں کی کیا پروا......وہ ظہیر کیا کافی نہیں تھا تمہیں پوجنے کے لیے۔ بدبخت ایسا عاشق ہوا تم پر کہ اب تک وزیر آباد کی گلیوں میں بھٹکتا ہے، کہتا ہے ان گلیوں سے گلشن آرا کی یادیں جڑی ہوئی ہیں، اب تو یہاں سے مر کر ہی نکلوں گا۔''

''ہائے سچ......ویسے بڑا پیارا آدمی تھا ظہیر بھی۔ لیکن میں کیا کرتی، میں تو ہر وقت تمہیں ہی یاد کرتی تھی۔''

''لو اب بول رہی ہو تب ہی کہہ دیا ہوتا تو جہاں آرا کی طرف پھر دیکھتا بھی نہیں۔'' وہ دونوں پرانے جگری دوستوں کی طرح شریر ہو رہے تھے۔

''ارے جانے بھی دو......جیسے میں تمہیں جانتی نہیں۔'' آپا بیگم نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''کس قدر دیوانگی تھی ان دنوں تم میں۔ ہمارے چوبارے کی سیڑھیوں میں بیٹھا کرتے تھے جب تک آپا وہاں سے گزر نہ جاتیں تم اٹھنے کا نام نہ لیتے تھے۔ اب بیٹھے باتیں بنا رہے ہو۔''

''ہاں بڑے اچھے دن تھے وہ بھی۔ دیوانگی ہی سہی کم سے کم اپنی زندگی تو جی رہے تھے، اب تو لگتا ہے ادھار کی زندگی جی رہے ہیں۔'' الیاس چودھری نے گہری افسردہ سانس بھرتے ہوئے کہا۔

''ہاں میں دیکھ رہی ہو تم میں اب وہ پہلے کی سی بات نہیں رہی۔ نہ آنکھوں میں وہ زندہ دلی کی چمک، نہ چہرے پر تازگی۔ کپڑے بھی کس قدر فضول پہن رکھے ہیں۔ وہ تو تمہارے چہرے کو کئی بار بڑی چاہ سے دیکھا ہوا تھا اس لیے اب بھی پہچان گئی۔ ورنہ ایسا حلیہ تو بہت ہی بدحال لوگوں کا ہوا کرتا ہے، مجھے یاد ہے سیاہ رنگ کی پتلون کے ساتھ آسمانی رنگ کی قمیض پہن کر جب تم ہمارے چوبارے کی سیڑھیاں چڑھتے تھے تو سامنے والے چوبارے کی افشاں اور ثریا کے دل تھم جاتے تھے...... کسی اور کی کیا بات کہوں، میرا اپنا یہ حال ہوتا تھا۔''

''بس کسی کا دل ہم پر آ کر نہ تھما تو وہ تمہاری آپا جہاں آرا ہی تھی، باقی تو سب کا یہی حال تھا۔'' الیاس افسردگی سے تبسم اچھالا۔

''نہ تمہاری آپا نے ہماری قدر کی، نہ زندگی نے...... زمانے کے ٹھوکروں پر رکھا تو اس حال کو پہنچے ہیں، وگرنہ ہمارے ٹھسے سے تم بھی واقف ہو۔''

''تم بھی تو آپا کے سہارے بیٹھے رہے۔ شادی نہیں کی کیا؟'' آپا بیگم نے ہمدردی سے پوچھا۔

''اپنے بس میں ہوتا تو کبھی نہ کرتا، وہ تو ابا نے زبردستی کروادی۔'' اب الیاس نے اور بھی رنجور لہجے میں کہا۔

''میں تو ساری زندگی جہاں آرا کی یادوں کو سینے سے لگائے رکھنا چاہتا تھا۔ وہ نہیں اس کی یادیں ہی سہی...... بیوی سے اتنا بھی برداشت نہ ہوسکا، یوں بھی اسے اپنی کمائی کا زعم تھا...... اب فالج زدہ ہو کر گھر میں پڑی ہے، مگر اکڑ نہیں جاتی...... میں حوصلہ مندی سے کیا، کیا سہوں؟ ابھی کچھ سال پہلے جوان بیٹے کی میت کو کندھا دینا پڑا تو سمجھو کمر بالکل ہی ٹوٹ گئی...... تم خود ہی کہو اب بھی بدحال نہ ہوتا تو کب ہوتا؟''

''چہ چہ...... مجھے بے حد افسوس ہوا! یہ سن کر۔'' آپا بیگم نے تاسف سے کہا۔ ''آپا جہاں آرا کی فوتگی کی اطلاع تو تم تک پہنچ ہی گئی ہوگی؟''

''ہاں...... کئی سال پہلے یہ صدمہ بھی سہہ لیا ہم نے۔ کتنا سمجھایا تھا جہاں آرا کو...... مگر اس نے ایک نہ سنی۔ تب ہی میری بات مان لی ہوتی تو نہ اسے ناقدری کا عذاب سہنا پڑتا، نہ مجھے۔ بہادر خان کی نالائقی تو اس کی شکل پر لکھی تھی، مگر اللہ جانے جہاں آرا نے اس میں کیا دیکھ لیا تھا۔ کوئی اولاد نہیں ہے اس کی؟''

''ایک ہی بیٹی تھی، آٹھ، نو سال کی تھی کہ آپا چل بسی...... میں نے ہی پالا ہے اسے؟''

''یہ؟'' الیاس نے ریشم کی طرف دیکھا، جو ان کی باتوں سے بے نیاز سامنے چھوٹی سی اسکرین پر کوئی گانا دیکھ رہی تھی۔

''جہاں آرا کی تو نہیں لگ رہی۔ تمہاری بیٹی ہے کیا؟'' الیاس نے پوچھا۔

''ہم دونوں میں سے کسی کی بھی نہیں ہے لیکن اپنی ہی بچی ہے۔تم بتاؤ یہیں رہتے ہو کیا؟'' آپا بیگم نے ٹالتے ہوئے پوچھا۔

''اب تو مدتیں ہوگئیں وزیر آباد کا چکر لگے میں تو ہمیشہ سے اسی شہر میں رہ رہا ہوں۔لیکن جو انسیت وزیر آباد کی فضاؤں سے ہے وہ یہاں کہاں نصیب ہوسکتی ہے۔میرا گھر یہاں سے قریب ہے تم آؤ۔ہمیں خدمت کا موقع دو۔''

''آج تو نہیں آسکتی۔ دراصل ایک فنکشن میں شرکت کرنے آئی ہوں، گاڑی خراب ہوگئی تو تم سے ملاقات ہوگئی۔ بڑا اچھا لگا میں نے تو کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ تم سے دوبارہ مل سکوں گی۔''

''کچھ ایسی ہی کیفیت میری بھی ہے۔لیکن میں لفظوں میں بیان نہیں کرسکتا۔بات سنو اب ہمیں ملنا ترک نہیں کرنا چاہیے، پرانی یادیں تازہ کرکے خوشی ہوتی ہے۔''

''ہاں کیوں نہیں۔ میں تو خود یہی کہنے والی تھی جب تک لاہور میں ہوں مل سکتی ہوں۔تم میرا یہ کارڈ رکھ لو۔اس پر میرے کانٹیکٹ نمبر لکھے ہوئے ہیں اور کراچی والی کوٹھی کا پتا بھی ہے۔اور اس دوسرے کارڈ کی پچھلی طرف اپنا ایڈریس لکھ دو۔ میں اگر ممکن ہوسکا تو جلد ہی تمہارے گھر آؤں گی۔بشرطیکہ تمہاری بیوی کو برا نہ لگے۔''

''لگتا ہے تو لگتا رہے مجھے پروا نہیں ہے اس کی۔اس نے ساری زندگی مجھے دیا ہی کیا ہے کہ میں اس کے اچھا یا برا لگنے کی فکر کروں۔تم جب دل چاہے آنا۔میں انتظار کروں گا۔''

الیاس نے جھک کر کارڈ کے پیچھے پتا لکھتے ہوئے کہا۔ڈرائیور مکینک کو فارغ کرکے انتظار میں ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

☆......☆......☆

شمسہ نے اسے بس اسٹاپ پر کھڑے دیکھ کر گول چکر سے گاڑی واپس موڑ لی۔

''یہاں بس کے انتظار میں کب تک کھڑی رہوگی۔آؤ میں تمہیں گھر تک لفٹ دے دیتی ہوں۔''

''آپ کو بالکل اپوزٹ روڈ سے جانا پڑے گا۔رہنے دیجیے۔میری مطلوبہ بس آتی ہی ہوگی۔'' وہ حد درجہ تکلف سے گویا ہوئی۔

''نو پرابلم......تمہیں ڈراپ کرکے مجھے اسی طرف کچھ کام ہے آج کی تاریخ میں وہ بھی نبٹا لوں گی۔کم آن ثانیہ! اب بیٹھ بھی چکو۔کوئی اتنے پیار سے اصرار کررہا ہو تو انکار نہیں کرتے۔''

اسے بیٹھنا ہی پڑا۔

''اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو کیا ہم کہیں رک کر چائے، کافی...... یا جوس وغیرہ پی سکتے ہیں؟ دراصل مجھے تم سے کچھ بات بھی کرنا ہے۔'' شمسہ نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ثانیہ فوراً انکار کردینا چاہتی تھی مگر کچھ سوچ کر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔شمسہ اسے ایک شاپنگ مال سے ملحق کیفے میں لے آئی تھیں۔انہوں نے اپنے لیے جوس اور ثانیہ کے لئے چائے کے ساتھ اسنیکس آرڈر کیے تھے۔

''تمہیں اندازہ تو ہوگا میں تم سے کیا بات کرنے کیلئے تمہیں یہاں لائی ہوں۔'' شمسہ نے ویٹر کے جانے کے بعد بات شروع کی۔

''اگر آپ انکار کی وجہ جاننا چاہتی ہیں تو وہ میں آپ کو پہلے ہی بتا چکی ہوں۔'' اس نے اعتماد سے جواب دیا۔

''کیا صرف ایک یہی وجہ ہے؟''

''جی۔صرف یہی وجہ ہے۔'' اس نے اب بھی سابقہ انداز میں کہا۔

''اور اگر میں اس وجہ کو ختم کرنے کے لیے کوئی حل تجویز کروں تو کیا تب بھی تمہارا جواب یہی ہوگا۔''

ویٹر ان کا آرڈر سرو کرنے آپہنچا تھا۔اس کے جانے کے بعد ثانیہ نے کہا۔

''یہ تو حل کی نوعیت پر منحصر ہوگا۔''

''شادی کے بعد حنان بھی تو تمہاری فیملی کو فنانشلی سپورٹ کرسکتا ہے۔''

''ہوسکتا ہے آپکو میری بات بری لگے،لیکن میں اپنی فیملی کو کسی کی بھیک یا خیرات کا آسرا نہیں دینا چاہتی۔'' اس نے دوٹوک کہا۔

''ہر چیز کے دو پہلو ہوتے ہیں،مثبت بھی منفی بھی......تم منفی پہلو کی بجائے مثبت پہلو پر اپنی نظر کیوں نہیں رکھ رہیں۔''

انہوں نے پراسرار لہجے میں کہا۔

''شادی کے بعد جو کچھ حنان کا ہے وہ تمہارا ہوگا،پھر تم جس طرح چاہو اپنی فیملی کو سپورٹ کرسکتی ہو۔میں تمہیں یقین دلاتی ہوں ہماری طرف سے اس معاملے میں کوئی اعتراض نہیں کیا جائے گا۔''

ثانیہ نے بغور انہیں دیکھا،اسے بے اختیار حنا خالہ کی باتیں یاد آئی تھیں۔

''آپ مجھے لالچ دے رہی ہیں؟'' اس نے جھجکتے ہوئے مگر مشکوک لہجے میں پوچھا۔آخر یکایک اس میں وہ کون سی خوبی پیدا ہو گئی تھی کہ شمسہ جیسی خاتون اس سے اصرار کرنے پر مجبور ہوئیں۔

''ہاں۔'' شمسہ نے سرعت سے متبسم لہجے میں کہا۔ثانیہ کی حیرانی دگنی ہوگئی۔

''لیکن کیوں......؟''

''کیونکہ صرف میں ہی نہیں میرا بیٹا بھی تمہیں بہت پسند کرنے لگا ہے۔'' شمسہ نے مسکراتے ہوئے اس پر انکشاف کیا۔

''گوکہ اس کے لئے تمہیں میں نے پسند کیا تھا لیکن اگر بات صرف میری پسند و ناپسند کی ہوتی تو شاید تمہارا انکار سن کر میں پیچھے ہٹ جاتی مگر تم سے ملنے کے بعد حنان نے مجھ سے خود اپنی پسندیدگی اور خواہش کا اظہار کیا کہ وہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔اس نے مجھ سے فرمائش کی ہے ثانیہ۔اور اس کی فرمائش پوری کرنے کی خاطر تمہیں کونس کرنے کے لیے میں کچھ بھی کرسکتی ہوں۔'' انہوں نے جوس کا سپ لیتے ہوئے مزے سے کہا۔

"حنان تم سے بہت محبت کرتا ہے ثانیہ! وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا۔ میرا خیال ہے تمہیں کنونس کرنے کے لیے مجھے اب اور کچھ نہیں کہنا چاہیے۔ "محبت" سے بڑا لالچ اور کیا ہوسکتا ہے۔"

ثانیہ بے یقینی اور خاموشی سے انہیں سنتی رہی۔ اس کے پاس الفاظ جیسے ختم ہو چکے تھے اور...... اور شاید شمسہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھیں۔ "محبت" سے بڑا لالچ اور کیا ہوسکتا تھا؟

☆......☆......☆

جس وقت وہ گھر پہنچی صبح والی چمکدار "لیانا" دروازے کے بالکل سامنے پارک تھی اور مہمان نے بے تکلفی سے گھوم پھر کر گھر اور سارے گھر والوں کا جائزہ لینے کے بعد دوبارہ ڈرائنگ روم کا قصد کیا تھا۔ اس کا سامنا عین کچن کے دروازے میں ہوا اور ثانیہ پہلی نظر میں ہی چونک گئی۔

باخدا کیا غضب کی خاتون تھیں۔ خوبصورتی میں بے مثال...... انہیں دیکھ کر بے ساختہ کسی نازک سی لچکدار شاخ کا خیال خود بخود دماغ میں آرہا تھا۔ تیاری بھی بڑی زبردست تھی، گلابی ساڑھی، جس کے بارڈر پر سفید ریشم اور موتیوں کا کام تھا، ایسی نفیس اور بے پردہ...... کہ اس نے شمسہ آنٹی کے یہاں بھی نہ دیکھی۔ (حالانکہ وہ تو انہی کے مہمانوں کی تیاریاں اور بے پردگیاں دیکھ کر شرم سے لال پیلی ہورہی تھی۔) وائٹ گولڈ اور ڈائمنڈ سے مزین جیولری، کلائیوں میں سفید کڑے۔ میک اپ بے حد نیچرل اور نفیس۔ وہ ابو کی مہمان کم، ٹی وی پر چلتی پھرتی قدرے بڑی عمر کی کوئی ماڈل زیادہ محسوس ہوئیں۔ اس پر مستزاد گفتگو کا انداز...... ثانیہ الجھ سی گئی۔

دو باتیں کر کے ایک شعر سنایا۔

انجان نگاہوں کی یہ مانوس سی خوشبو
کچھ یاد سا پڑتا ہے کہ پہلے بھی ملے ہیں

وہ خوبصورتی سے مسکراتے ہوئے اور بغور ثانیہ کا جائزہ لیتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"معذرت چاہتی ہوں...... شعروشاعری کبھی میری سمجھ میں نہیں آتی۔" ثانیہ نے کہا۔ آپا بیگم نے زبردست سا قہقہہ لگایا۔

کمال ہے...... حالانکہ الیاس چودھری کی بیٹی سے یہ توقع قطعاً نہیں کی جاسکتی۔ اسے تو پورے پورے دیوان یاد ہوتے تھے۔ ہمیں تو خیر کبھی موقع نہیں ملا مگر سنا ہے۔ "ولی دکنی" کے بہت بڑے مداح تھے موصوف اور بڑی وضاحت سے ان کا کلام سنایا کرتے تھے۔"

"میں اس بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ دراصل اس معاملے میں میری معلومات صفر ہیں۔" اس نے رکھائی سے کہا۔

"ہماری قدر کسی نے نہ کی گلشن آرا بس ایک تم ہی ہماری قدر دان تھیں۔" اس نے ابو کی آواز اپنے عقب سے سنی جو ایک مشہور بیکری کا شاپر اٹھائے کچن میں گئے تھے اور فوراً ہی خالی ہاتھ واپس آگئے۔

''شاید اسی لیے یہ سزا ملی کہ تم میری قدر نہ پہچان سکے۔ کیوں؟'' آپا بیگم نے بے ساختگی سے کہا اور دونوں ہنسنے لگے۔ ثانیہ خاموش کھڑی تھی۔

''تم یہاں کیوں آ گئیں۔ بھئی بہت گرمی ہے۔ چل کر اندر بیٹھو۔'' ابو کا اصرار ثانیہ کو ایک آنکھ نہ بھایا۔

''اچھا ثانیہ...... میں تو تمہاری بہن کے ہاتھ کی چائے پینے رک گئی تھی۔ کیا پتا تھا تم سے ملاقات ہو جائے گی لیکن اچھا ہی ہوا اچھی شکلوں سے مل کر بڑی خوشی ہوتی ہے ہمیں...... بہت خوشی ہوئی تم سے مل کر قصہ سیف الملوک کی بدر منیر بھی تمہارے جیسی ہی ہو گی مجھے کامل یقین ہے۔'' وہ اس کا گال تھپتھپا کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئیں ثانیہ کچن میں آ گئی۔

''یہ محترمہ کیا چیز ہیں بھئی؟'' اس نے پانی کا گلاس بھرتے ہوئے پوچھا۔

''بڑی زبردست چیز ہیں۔ دیکھا نہیں آپ نے۔ ویسے آپی۔ ان کی باتوں پر یقین مت کرنا۔ یہ جب سے آئی ہیں ہم سب کو اسی طرح سراہ رہی ہیں۔'' نرمین نے چائے کی پتی ساس پین میں ڈالتے ہوئے شرارت سے کہا۔

''اچھا۔ تو ہم انہیں اتنے ہی پیارے لگ رہے ہوں گے۔ تمہیں کیا تکلیف ہے آخر۔'' زینب نے چڑ کر کہا۔

''محترمہ! بچہ اگر بندر کی شکل کا بھی ہو تو اس کی ماں کو ہی پیارا لگ سکتا ہے اور ان خاتون کے انداز میں مجھے کچھ کچھ مادرانہ شفقت محسوس ہو رہی ہے۔ مجھے تو خدشہ ہے کہیں ابو نے نکاح تو نہیں کر لیا۔''

''لاحول ولا۔'' ثانیہ کو پانی پیتے بڑی زور سے کھانسی آ گئی۔

''اللہ کے لیے آہستہ بولو۔ تم کبھی کوئی ڈھنگ کی بات نہیں کر سکتیں۔''

''یہ بھی ڈھنگ کی بات ہی ہے۔ ویسے بھی اتنی خوبصورت ہیں۔'' نرمین ذرا بھی سنجیدہ نہیں تھی۔

''جی نہیں۔ ہماری امی بھی ساڑھی باندھ لیں تو ان سے زیادہ خوبصورت لگیں گی۔'' کشف کو اس کا خیال سب سے زیادہ واہیات لگا۔

''اور ویسے بھی ان کی خوبصورتی پر تو کسی کو بھی اعتراض نہیں بس یہ ہے کہ ان جیسی خوبصورت خاتون سے میں تو اتنی بدذوقی کی توقع نہیں کر سکتی البتہ ابو کی اعلیٰ ذوقی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔'' ثانیہ کی بات پر ایک زبردست قہقہہ پڑا۔

''اب یہ چائے کی ٹرے پکڑیں اور اندر کی سن گن لے کر آئیں۔ صبح سے محترمہ آئی ہوئی ہیں تو کس خوشی میں؟''

''نرمین میں نہیں جا رہی۔ بہت تھکی ہوئی ہوں۔'' اس نے یہ نہیں بتایا تھکن ذہنی ہے جسمانی نہیں۔

نرمین نے زبردستی ٹرے پکڑا دی تھی۔ ثانیہ ناچار باہر آ گئی تھی۔ دل تو چاہ رہا تھا سر منہ لپیٹ کر کسی کونے میں لیٹی رہے۔

ڈرائنگ روم کا دروازہ پورا کھلا تھا مگر پردہ گرا ہوا تھا۔ اس کے قدم اندر سے آتی ''محترمہ'' کی آواز نے جکڑ لیے۔

''تم بھی نرے بے وقوف انسان ہو الیاس! خزانہ گھر میں دبا رکھا ہے اور کسمپرسی کے رونے یہاں وہاں روتے پھرتے ہو۔''

''کیا مطلب؟''

''تمہاری بیٹیوں کی بات کر رہی ہوں۔ اللہ کی قسم! ایک سے بڑھ کر ایک لاجواب اور بیش قیمت ہیرا ہے۔ اگر آج ہی کام پر لگا دو تو دنوں میں مالا مال ہو سکتے ہو۔''

''گلشن آرا! منہ سنبھال کر بات کرو۔''

''دیکھو الیاس! غصہ مت کرو اور ٹھنڈے دماغ سے سوچو یہ کوئی نقصان کا سودا نہیں ہے۔ تمہارا بڑھاپا سنور جائے گا۔ میں تمہیں مجبور نہیں کر رہی صرف ایک صلاح دے رہی ہوں۔ یقین کرو تمہیں اس بدحالی میں دیکھ کر بڑا سخت دکھ ہوا ہے مجھے۔ اتنی پرانی دوستی ہے ہماری۔ اگر چاہو تو میں تمہاری بیٹیوں کو گلشن نگر میں دیکھ سکتی ہوں۔''

خاموشی...... گہری خاموشی۔

ثانیہ کے اردگرد کائنات ایسے ہولناک سناٹے کی زد میں آ چکی تھی کہ اسے اپنے خوف سے کانپتے دل کی دھڑکن بھی سنائی دینے لگی تھی۔

''دیکھو گلشن آرا......'' الجھے الجھے لہجے میں گہرا تذبذب تھا۔

''تمہاری تجویز میرے دل کو لگی ہے لیکن...... میں ابھی کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ مجھے سوچنے کے لیے کچھ وقت دو۔''

سوچنے کے لیے وقت مانگنا۔ مطلب آدھی رضامندی۔ ثانیہ نے بے اختیار آنکھیں بھینچ لیں۔ اسے یوں لگا جیسے کوئی دہکتا ہوا خنجر اس کے دل میں اتار دیا گیا ہو۔

کائنات کا ہولناک سناٹا چوٹ کھائے پرندوں کے بھاری پروں کی پھڑپھڑاہٹ سے گونج اٹھا۔

وہ اندر جانے کی بجائے دروازے سے ہی پلٹ آئی اور برآمدے میں بچھے تخت پر بیٹھ کر اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرا کر سوچنے لگی۔ مگر اس بار اسے زیادہ سوچنا نہیں پڑا۔ چند منٹ بعد وہ کسی ٹھوس واضح نتیجے پر پہنچ چکی تھی اور اسی شام اس نے شمسہ کو فون کر کے حنان سے شادی کرنے کے لیے اپنی رضامندی ظاہر کر دی تھی اس کے بعد اس نے شمسہ سے ایک مکان کا مطالبہ کیا تھا جہاں وہ کچھ مدت تک اپنی ماں اور تین چھوٹی بہنوں کے ساتھ قیام کر سکے۔

☆......☆......☆

شفق پر دکھ اور مایوسی کی کیفیات بیک وقت طاری ہو رہی تھیں اور وہ سمجھتی تھی باعث مصیبت و پریشانی صرف اس کی ذات ہے۔ اس کے منظر سے ہٹتے ہی اس گھر میں بسنے والوں کی زندگی سہل ہو جائے گی، کتنی بے وقوف تھی وہ، بھلا یہ کیوں نہیں سوچا جو کسی کی بیٹی بیچ سکتا ہے اسے اپنی بیٹی کی قیمت لگانے میں کیا عار محسوس ہوگا۔

انسانیت پتھر کے دور سے نکل آئی مگر ابھی بھی بہت سے انسان سینوں میں دل کی جگہ پتھر لیے گھومتے ہیں اور الیاس چودھری اس کی سب سے بڑی مثال تھا۔

اس نے بھرائی ہوئی آنکھوں سے ثانیہ کی طرف دیکھا جو بے تاثر چہرہ اوپر کی طرف اٹھائے ستارے گن رہی تھی۔

شفق نے اپنے دل کی سرزمین پر درد کو خودرو بیل کی طرح پھیلتے محسوس کیا۔

''پھر بھی ثانیہ...... مجھے لگتا ہے تم نے بہت غلط فیصلہ کیا ہے۔ بالکل غلط۔'' چند لمحے کے بعد اس کی بوجھل آواز نے ان دونوں کے مابین حائل خاموشی کو توڑ دیا تھا۔

''میں یہ فیصلہ نہ کرتی تو ابو کا فیصلہ ماننا پڑتا۔ دونوں میں سے جو زیادہ قابل قبول اور مناسب لگا میں نے وہی فیصلہ اپنا لیا۔ یہ نہ کرتی تو ابو ہم سب کو ایک ایک کر کے بیچ دیتے۔'' اس نے سابقہ انداز میں کہا۔

''ابو کو سمجھانے کی کوشش......''

''تمہاری دفعہ کی تو تھی...... کیا ہوا پھر؟'' ثانیہ نے سرعت سے اس کی بات قطع کرتے ہوئے کہا۔

''میں عادل سے بات کرتی ہوں۔ وہی کوئی راستہ نکالیں۔''

''بالکل نہیں۔'' ثانیہ نے فوراً ٹوک دیا۔

''وہ پہلے بھی ہماری مدد کر چکا ہے اور اگر اس بار بھی اس سے مدد لی تو ابو کو ایک نیا راستہ مل جائے گا، اس گھر میں چار، چار بیٹیاں ہیں...... عادل بے چارہ کب کب مدد کرے گا ہماری۔''

''اب تک میں اسے اپنی غلط فہمی سمجھتی تھی مگر اب...... زندگی کے اس مقام پر پہنچ کر مجھے یقین آ چکا ہے کہ ابو کو اپنا سائبان سمجھنا ہماری امی کی سب سے بڑی غلطی تھی، ابو کسی کا سائبان نہیں ہو سکتے، حتیٰ کہ خود اپنا بھی نہیں...... ہمیں پیسے چاہئیں شفق، اور ایک مضبوط چھت...... جہاں مرد کے بغیر بھی ہمیں تحفظ کا احساس ملے...... میں یہ دونوں چیزیں حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہوں شفق......'' گہری رات کے سناٹے میں اس کی آواز ہوا کی سرگوشیوں کی مانند سرسرا رہی تھی۔

''اور......'' شفق نے اس کی شکل دیکھتے ہوئے جھجکتے ہوئے کہا۔

''اور شاہنواز بھائی......؟''

''کیا......؟'' ثانیہ نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''تم انہیں پسند کرتی ہو؟'' شفق نے دوٹوک بات کرنے کی ٹھانی۔

''وہ باس ہیں میرے اور بحیثیت باس میں انہیں پسند کرتی ہوں۔'' اس نے گول مول سا جواب دیا مگر مضبوط لہجے میں۔

''ثانی! مجھے ادھر ادھر کی باتوں میں مت الجھاؤ۔'' شفق قدرے زچ ہو کر بولی۔

''تمہیں اچھی طرح پتا ہے میں کیا پوچھ رہی ہوں؟''

ثانیہ دیر تک خاموش رہی۔

''اب اس بات کا فائدہ۔'' اس کے لہجے میں کچھ تھا جس کا اگرچہ کوئی نام نہ تھا مگر شفق نے دکھ محسوس کیا۔ اس کا دل چاہا وہ ثانیہ کے اس فیصلے پر خوب روئے اور جی بھر کر احتجاج کرے۔

''میں مانتی ہوں حالات ایسے تھے کہ تمہیں فوری فیصلہ کرنا پڑا مگر کوئی اور حل بھی تو سوچا جا سکتا تھا ثانی۔''

''اتنے ''اگر، مگر'' کیوں کر رہی ہو شفق! تمہیں کیا اندیشے ہیں؟ دیکھ لینا میں اور حنان بہت اچھی زندگی گزاریں گے، اسکے پاس وہ سب کچھ ہے جس کا خواب ہماری کلاس کی کوئی بھی لڑکی دیکھ سکتی ہے۔ وہ سب سہولیات...... وہ سب آسائشات...... ڈھیر سارا پیسہ۔''

''آسائشات اور پیسہ اپنی جگہ اہم سہی، محبت کا متبادل نہیں ہو سکتا، مجھے صرف اتنا بتا دو، کیا تم حنان سے محبت بھی کر سکو گی۔''

''ہاں تو اور کیا۔'' جتنا بے ساختہ شفق کا سوال تھا اتنا ہی زوردار ثانیہ کو جھٹکا لگا تھا۔

''میں حنان سے محبت کیوں نہیں کروں گی؟ سر شاہنواز کو پسند کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ میں ان سے محبت کرتی ہوں۔''

''چلو، خیر تم نے یہ تو مانا کہ تم انہیں پسند کرتی ہو، تھوڑی دیر پہلے تک تو تم یہ اعتراف بھی نہیں کر پا رہی تھیں۔''

شفق نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ جتایا۔ ثانیہ چپ کی چپ رہ گئی۔

''اللہ کرے تم حنان کے ساتھ بہت خوش رہو مگر میرے دل سے تمہارا اور شاہنواز بھائی کا خیال کبھی نہیں جائے گا، تمہیں کیا پتا تم دونوں ساتھ ساتھ کھڑے کتنے اچھے لگتے تھے اور تمہیں تو یہ بھی نہیں پتا جب مجھے یہ پتہ چلا کہ شاہنواز بھائی عادل کے دوست ہیں تو مجھے کس قدر خوشی ہوئی تھی۔'' اس نے دکھ سے ہنستے ہوئے کہا۔

''میں نے عادل سے کہا تھا کہ ثانیہ اور شاہنواز بھائی کی شادی کروا دیتے ہیں، انٹرسٹنگ بات بتاؤں؟ عادل بھی یہی سوچتے تھے اور جانتی ہو میں اور عادل تم دونوں کے بارے میں ایسا کیوں سوچتے ہیں؟ کیونکہ تم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ جچتے ہو۔ ایسا لگتا ہے تم دونوں ایک دوسرے کے لیے ہی بنے ہو اور پھر...... اور اللہ! ثانیہ تم نے اتنی جلد بازی میں فیصلہ کیوں کیا؟''

''اب ان باتوں کا کیا فائدہ؟'' ثانیہ نے اکتا کر کہا۔

''اور ویسے بھی ملتا تو وہی ہے جو قسمت میں ہو۔''

''تم تھوڑا سا انتظار ہی کر لیتیں، مان لو ثانی! اس معاملے میں تم نے جلد بازی سے کام لیا ہے۔'' شفق تاسف سے ہاتھ ملتی اندر چلی گئی جبکہ ثانیہ دم بخود سی وہیں بیٹھی رہی۔ کتنی دلچسپ بات تھی چند روز قبل اسی جگہ بیٹھ کر حنا خالہ نے اسے ایک سبق پڑھایا تھا اور آج شفق

اسے ایک اور رخ دکھا گئی تھی مگر اب کیا فائدہ؟ یا شاید ان باتوں کا تو کبھی بھی فائدہ نہ ہونا تھا۔

وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔ پرتاسف اور بے مصرف......اور برآمدے کے ستون سے ٹیک لگا کر سوچنے لگی۔

''انتظار کرلیتی؟ کس کا انتظار؟ اور کس کے سہارے......انتظار کسی کیفیت کا نہیں سفر کا نام ہے۔

منزل واضح ہو تب بھی سفر کے لیے زادِ راہ درکار ہوتا ہے۔

اور میرے پاس کیا تھا؟ ایک عام سا تعریفی جملہ اور چند بھولی بسری ستائشی نظریں۔

یقین کا ایک مختصر سا لمحہ بھی میری مٹھی میں قید نہ ہوسکا۔ آنکھوں کی گفتگو پر کون اعتبار کرے۔ لفظوں کی حیثیت تو ہے۔

اور شفق کہتی ہے مجھے انتظار کرلینا چاہیے تھا......اونہہ......اور کل کو وہ مکر جاتا......میری خوش فہمی پر ہنستا تو میں کیا کرلیتی، ابھی وقت میرے ہاتھ میں ہے۔

میں نے بھی وہی کیا جو نوے فیصد لوگ کرتے ہیں......یعنی اپنے مفاد میں فیصلہ......اور کیوں نہ کرتی، جبکہ ساری دنیا ہی یہ کررہی ہے لیکن......لیکن یہ دل اتنا بوجھل کیوں ہے؟

مجھے یوں کیوں لگتا ہے جیسے کوئی نقصان کا سودا طے پا گیا، نہیں...... یہ میری غلط فہمی ہے......دل کے پاس دماغ نہیں ہوتا۔ مجھے اتنی فرصت کہاں کہ اس نادان دل سے وفا نبھاتی پھروں۔ اس کی ٹوٹی بکھری کرچیاں سمیٹ کر از سرِ نو ترتیب دوں......اونہہ...... پاگل، بے وقوف، ناسمجھ دل۔''

☆......☆......☆

مظہر کا مطالبہ سن کر عانیہ کچھ دیر کے لیے ہکا بکا رہ گئی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کا شوہر نکاح کے فوراً بعد اس سے کسی دوسرے مرد کے پاس جانے کے لیے کہہ سکتا ہے۔

لیکن اس کا شوہر تو مظہر تھا جس کی ہر بات اسے باقی ساری دنیا سے ہٹ کر لگتی تھی، جس کی غیر متوقع اور جادوئی تاثیر والی باتوں نے اسے اپنا اسیر بنالیا تھا اور اسیری کی بھی کچھ قیمت تو ہوتی ہے۔

اس نے ایک بار پھر مظہر کی جانب بغور دیکھا تاکہ اس کے تاثرات سے اپنی غلط فہمی دور کرسکے مگر مظہر کا چہرہ بے تاثر تھا اور اسے احساس ہوا کہ جسے وہ اپنی غلط فہمی سمجھ رہی ہے وہ غلط فہمی نہیں ہے، اس نے جو سنا مظہر نے وہی کہا تھا، وہ چاہتا تھا کہ اسے مالی فائدہ پہنچانے کے لیے عانیہ اس ڈی ایس پی کے ساتھ کچھ وقت گزارے۔

عانیہ کو لگ رہا تھا مظہر کے منہ سے یہ الفاظ سن کر وہ ایک ناقابل بیان قسم کی اذیت میں مبتلا ہوئی ہے مگر مظہر کے پاس اس کی ہر اذیت، ہر تکلیف کا مرہم موجود تھا، وہ اسے جہاں ضرورت پڑتی محبت اور جہاں ضرورت ہوتی لالچ سے قائل کرنے کی کوشش کرتا، اسے

کون سا عانیہ سے کوئی غضب ناک قسم کا عشق ہوا تھا کہ وہ اس سے عام لڑکیوں کا سا سلوک کرنے سے چوکتا۔

ہاں یہ درست ہے کہ شروع شروع میں اسے عانیہ میں عام لڑکیوں سے زیادہ کشش محسوس ہوئی تھی۔ اس وقت اس نے اپنے جذبات کو عشق سمجھا لیکن اس کے دسترس میں آتے ہی عشق، محبت جیسے خیالات پانی کا بلبلہ ثابت ہوئے۔ اس نے کبھی عانیہ سے شادی کرنے یا اسے بھگا کر لے جانے کے متعلق نہیں سوچا تھا، وہ کچھ عرصہ اس سے فلرٹ کرتا اور اپنی مرضی کے مطابق اسے استعمال کرنے کے بعد تو چھوڑ دیتا یا جسم فروشی پر لگا دیتا مگر عانیہ اس کی زندگی میں آنے والی وہ پہلی لڑکی تھی جس کے متعلق اس کی پلاننگ بے کار ثابت ہوئی، سب سے پہلے عانیہ نے اسے اپنی ماں کی ان دونوں کی شادی کے متعلق رضامندی کے بارے میں بتایا، تب اسے ایک پورا ڈرامہ ترتیب دینا پڑا، عانیہ سے وعدہ کرنے کے باوجود وہ اس کی ماں سے ملنے نہیں گیا اور عانیہ کے استفسار پر اس نے عانیہ کی ماں کو جھوٹا قرار دیا، وہ جس قسم کا انسان تھا، جھوٹ بولتے ہوئے اسے کبھی دقت کا سامنا نہیں ہو سکتا تھا۔

پھر عانیہ کا گھر چھوڑنا اور مظہر کا اس کی خاطر چھپتے پھرنا اس کے اندازے کی غلطی کا ہی نتیجہ تھا۔ اس کے بعد عانیہ سے نکاح بھی ایسی ہی کسی ناگوار صورت حال کا نتیجہ تھا ورنہ اس کے لیے کیا مسئلہ ہو سکتا تھا کہ وہ ایک لڑکی کو نکاح کے بغیر اپنے ساتھ رکھتا۔

عانیہ اس کے لیے ان باقی لڑکیوں جیسی ہی تھی جو اس کی چکنی چپڑی باتوں پر اپنا سب کچھ ہارنے پر راضی ہو جاتی تھیں، کوئی ایسی لڑکی کی عزت کیسے کر سکتا ہے؟ اس نے بھی نہیں کی۔

عانیہ کا حشر بھی ان لڑکیوں والا ہونے جا رہا تھا جنہیں اب تک مظہر استعمال کرتا رہا تھا۔ وہ اسے پیار محبت سے سمجھاتا رہا۔ اس نے عانیہ کو وہ تمام مثبت پہلو دکھائے جو اس کی مرضی کا کام کرنے کی صورت میں عانیہ کی زندگی میں در آتے۔

عانیہ کو دولت چاہیے تھی، خواہ یہ دولت کیچڑ کے تالاب میں اتر کر ہی حاصل کیوں نہ کرنی پڑتی لہٰذا تھوڑا بہت رونا دھونا مچانے کے بعد وہ راضی ہو گئی لیکن پہلی بار مظہر کا کہا ''ماننے'' کے بعد اسکی حالت بہت خراب تھی۔ شاید ضمیر نام کی کوئی چیز اس کے اندر باقی رہ گئی تھی ابھی۔ احساس گناہ اس پر بڑی شدت سے اثر انداز ہوا تھا۔

اور چونکہ مظہر اس کی کمزوری سے واقف تھا اس لیے اس بار بھی اس نے عانیہ کو پیسے کی چمک سے بہلانے کی کوشش کی اور شاید وہ کسی قدر بہل بھی گئی، تبھی اس نے بڑی خاموشی سے مظہر کے ساتھ مل کر اپنے مستقبل کو سنوارنے کی تگ و دو شروع کر دی۔ مستقبل اس کا تھا، محنت اس کی تھی لیکن اس کی ڈور مظہر کے ہاتھ میں تھی۔ وہ چاہتا تو عانیہ کو پچاس ہزار میں فروخت کرتا، وہ چاہتا تو اس کی قیمت پانچ روپے طے کرتا، عانیہ احتجاج نہیں کر سکتی تھی کیونکہ اسے اس کی محنت کا صلہ روپوں کی صورت میں مل جاتا تھا۔

لیکن اس نے محسوس کیا، ہر گزرتے دن کیساتھ اس کے دل میں مظہر کی محبت ختم ہو رہی تھی۔

کوئی عورت اس مرد سے کتنا عرصہ محبت کر سکتی ہے جو ہر روز اس کی قیمت طے کرے؟

اوراس نے محسوس کیا، اس کے دل سے صرف مظہر کی محبت ختم نہیں ہو رہی تھی اس کے دل میں مظہر کے لیے نفرت پیدا ہونے لگی تھی، وہ جتنا اس نفرت کو دبانے کی کوشش کرتی وہ اتنی ابھر کر سامنے آتی، وہ جتنا اپنے دل کو مظہر کے حق میں دلائل دے کر قائل کرنا چاہتی اتنے ہی ہتھے سے اکھڑتا اور جب نفرت حد سے بڑھنے لگی تو مظہر نے کہا۔

''تم بلاوجہ مجھ سے خفا رہتی ہو، میں نے دل سے تمہیں اپنی بیوی تسلیم کیا ہے، نکاح کوئی معمولی بات نہیں ہوتی، اچھا تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں ہے نا...... تو چلو آؤ میں آج تمہیں اپنی ماں سے ملواتا ہوں، آپا بیگم بھی تم سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔''

❁ ❁

ناول **بساطِ دل** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات آپ آنے والی ان تاریخوں (15th, 20th, 25th) میں پڑھ سکیں گے۔

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
سعدیہ عابد کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

جیتوں تو تجھے پاؤں

ہر ماہ کی 16 تاریخ کو کتاب گھر پر نئی اقساط پیش کی جائیں گی۔

kitaabghar.com

بطورِ خاص کتاب گھر قارئین کے لیے لکھا گیا
سحرش علی نقوی کا بہت خوبصورت اور طویل ناول

ہم نوا تھے جو

ہر ماہ کی 10 تاریخ کو کتاب گھر پر نئی اقساط پیش کی جائیں گی۔

kitaabghar.com

اس روز حلیمہ بہت بے کل تھی۔

ثانیہ کی شادی طے پا جانے سے......طمانیت محسوس ہو رہی تھی اور اپنے کندھوں کا بوجھ ہلکا محسوس ہو رہا تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی شوہر کا گھر چھوڑ دینے کا خیال ان کے دل پر بھاری سل کی طرح دھرا تھا، الیاس چودھری نے ان کے ساتھ بری بھلی جو بھی کی، مگر یہ ہی سچ تھا کہ خالصتاً مشرقی عورت کی طرح محض اس خوف سے مغلوب ہوتے ہوئے کہ کہیں زمانہ ان پر انگلیاں نہ اٹھانے لگے، انہوں نے الیاس چودھری کے مظالم سہے تھے، کیونکہ وہ جانتی تھیں اس چار دیواری سے باہر کی دنیا، کہیں زیادہ ظالم ہے جو انہیں اور ان کی اولاد کو نگل لے گی۔

ثانیہ نے مصلحتاً ان سے گلشن آرا اور الیاس چودھری کے مابین ہونے والی گفتگو مخفی رکھی تھی، یہی وجہ تھی کہ اس عمر میں، جوان بچیوں کے ساتھ گھر چھوڑنے کا خیال انہیں بے چین کیے دے رہا تھا، گو کہ وہ الیاس چودھری کو حق بجانب نہیں سمجھتی تھیں اور یہ بھی مانتی تھیں کہ ساری زندگی الیاس چودھری کی ناانصافیاں اور ہٹ دھرمی برداشت کرتے کرتے ان کی بیٹیاں اس مقام تک پہنچی ہیں، جب انہوں نے گھر چھوڑنے جیسا بڑا فیصلہ کیا، مگر اس کے باوجود وہ چاہتی تھیں کہ وہ سب خصوصاً ثانیہ اپنا ارادہ بدل دے، ایک تو انہیں ثانیہ کے سسرال والوں کا احسان لینا منظور نہیں، دوسرے ابھی ان کی دو بیٹیاں مزید تھیں، انہیں خدشہ تھا کہ کہیں گھر چھوڑنے کا فیصلہ ان دونوں کے مستقبل پر اثر انداز نہ ہو۔ انہوں نے سوچا تھا وہ ثانیہ کو قائل کرنے کی کوشش کریں گی، مگر اس کی نوبت الیاس چودھری نے نہیں آنے دی، پتا نہیں انہیں کہاں سے اطلاع مل گئی تھی اور انہوں نے گھر میں داخل ہوتے ہی ہنگامہ شروع کر دیا تھا۔

''میں پوچھتا ہوں تمہاری اتنی ہمت کیسے ہوئی کہ گھر سے نکلنے کا فیصلہ کرو، چار پیسے کیا کما کر لا رہی ہو تمہیں لگتا ہے تم ساری دنیا خرید سکتی ہو......''

''نہ میں اتنی بے وقوف ہوں کہ چار پیسے کمانے پر غرور میں مبتلا ہو جاؤں، اور نہ اتنی کم عقل کہ دنیا خریدنے کا ارادہ کروں...... یہ آپ جیسے لوگ ہوتے ہیں جو نشے میں دھت ہو کر اس طرح غلط فہمیوں میں مبتلا ہوتے ہیں، باقی بات رہی گھر چھوڑنے کا فیصلہ کرنے کی تو ہونا یہ چاہیے تھا کہ آپ کو اس گھر سے دھکے دے کر نکال دیا جاتا، کیونکہ زمین بھلے ہی آپ کے نام پر ہو، یہ گھر بنایا میری ماں نے تھا...... لیکن یہ گھر آپ ہی کو مبارک ہو، آپ کے اور گلشن آرا کے درمیان طے پانے والے سودے کے بعد تو یہ ممکن ہی نہیں کہ میں اپنی ماں اور بہنوں کو یہاں رہنے دوں۔''

کچھ تو الیاس چودھری کے گھٹیا پن نے اور کچھ ان کے ہاتھ اٹھا لینے نے ثانیہ کے دل سے ان کی عزت بالکل ہی رخصت کر دی تھی، لہٰذا اب وہ مزید اپنی ماں کی طرح مسلسل خاموشی اختیار کیے رکھنے کی بجائے دوبدو مقابلہ کر رہی تھی۔

''میں زبان کھینچ لوں گا تمہاری...... کیا بکواس کر رہی ہو؟'' الیاس چودھری کو تو پتنگے ہی لگ گئے۔

”جانے دیں ابو! اب اتنے معصوم تو ہیں نہیں آپ...... کہ جو میں کہہ رہی ہوں وہ آپ سمجھ ہی نہ سکیں۔“

”لو سن لو...... یہ تربیت کی ہے تم نے اپنی اولاد کی۔“ الیاس چودھری نے غصے سے حلیمہ کی طرف رخ موڑا۔

”امی سے کچھ نہ کہیں ابو۔“ ثانیہ نے ترنت کہا۔

”اور تربیت کی بات تو قطعاً نہ کریں، ورنہ مجھے بلاوجہ مرحومہ دادی کی تربیت کا ذکر کرنا پڑے گا۔“ اس کا لہجہ سخت تھا۔

”تم...... تم......“ غصے کی شدت سے الیاس چودھری کف اڑانے لگے۔ ”تم...... تم تو ابھی دفع ہو جاؤ میرے گھر سے، سارے فساد کی جڑ اصل میں ہو ہی تم۔“

”اکیلی تو دفع نہیں ہوں گی، آپ کی باقی بیٹیاں اور بیوی بھی میرے ساتھ جائیں گی۔“

”میری غلطی ہے اس عورت کو بہت پہلے ہی طلاق دے دینا چاہیے تھی۔“ الیاس چودھری حلیمہ کی طرف دیکھ کر غرائے۔

”مگر مجھے ترس آ گیا تھا اس بدصورت عورت اور اس کی بیٹیوں پر...... مگر...... لیکن مجھے یہ تھوڑا ہی پتا تھا یہ ایسی زبان دراز نکلیں گی، ایک نے گھر سے بھاگ کر میرے منہ پر کالک مل دی، باقی جس ڈگر پہ چل رہی ہیں وہ بھی بدنامی کی طرف جاتی ہے۔“

”واللہ! کیا خوش فہمی ہے...... آپ تو یوں کہہ رہے ہیں جیسے اس سے پہلے آپ کا چہرہ چاند کی طرح روشن تھا۔“ اس نے بھی حساب بے باق کیا۔

”اور یہ جو طلاق نہ دینے کا احسان آپ بار بار جتاتے رہتے ہیں، پلیز...... اسے تو آپ بھول ہی جائیں، کیونکہ طلاق نہ دے کر بھی آپ نے اپنا ہی مفاد دیکھا تھا۔ ظاہر ہے، پھر آپ کو اپنے نشے پورے کرنے کے لیے روپے کہاں سے ملتے۔“

”میں...... میں تمہیں قتل کر دوں گا۔“ الیاس چودھری اسے مارنے کو لپکے اور اس بار بڑی بے خوفی سے ثانیہ نے انکا ہاتھ پکڑ لیا۔

”مجھ پر دوبارہ ہاتھ نہ اٹھائیں، ابو! ایک دفعہ آپ کے ہاتھوں پٹنے کا مطلب یہ نہیں کہ میں ہر دفعہ یہ برداشت کروں گی۔ یہ ہماری ماں کا حوصلہ تھا جو آپ کی زیادتیاں سہہ گئیں، مگر میں اب کچھ بھی برداشت نہیں کروں گی۔“

”نہیں تو کیا کرو گی تم۔“

”وہ ہی جو کر رہی ہوں۔ ہم یہ گھر چھوڑ رہے ہیں، آپ سمجھ لیجئے گا ہم آپ کے لیے مر گئے۔“

”خوب سمجھتا ہوں کس بنیاد پر اتنا اکڑ رہی ہو، اپنے سے اونچے لوگوں میں رشتہ جوڑ کر میں بھی دیکھوں گا کتنا عرصہ تم اور تمہاری ماں اترا لیتی ہو، بالآخر لوٹ کر تو تم لوگوں کو یہیں آنا پڑے گا، مرد کے سہارے کے بغیر یہ دنیا تمہیں کتنی عزت دیتی ہے پتا چل جائے گا...... تم......“

اس سے آگے الیاس چودھری نے اتنی گالیاں دیں کہ مجبوراً ثانیہ کو انہیں کمرے میں بند کرنا پڑا۔ اس کے بعد ان لوگوں نے عجلت میں سامان سمیٹنا شروع کر دیا، جو کام انہیں کچھ روز بعد کرنا تھا الیاس کے واویلے نے چند روز پہلے کروا دیا اور اس بار حلیمہ نے بھی اعتراض نہیں کیا۔

☆......☆......☆

''ممی! مجھے ثانیہ کا موبائل نمبر چاہیے۔'' اس روز حنان نے شمسہ سے کہا۔

''اس کا موبائل نمبر تو نہیں ہے میرے پاس۔'' شمسہ نے پرسوچ انداز میں کہا۔ ''بلکہ میرا خیال ہے اس کے پاس موبائل فون ہی نہیں ہے۔''

''ڈونٹ ٹیل می۔'' حنان نے اچنبھے سے انہیں دیکھا۔

''یہ کس دور کی لڑکی ہے، جس کے پاس موبائل فون ہی نہیں ہے، آج کل تو ہر لڑکی کے پاس ہوتا ہے، چاہے اس کا بل کس اور کی جیب سے ہی کیوں نہ ادا ہو رہا ہو۔'' اس نے تمسخرانہ انداز میں کہتے ہوئے جیسے خود اپنی بات کو بھی انجوائے کیا۔

''اسکے پرانے گھر کا لینڈ لائن نمبر تھا میرے پاس، لیکن اب وہ تمہارے کس کا کام۔'' شمسہ نے ایک بار پھر پرسوچ انداز میں کہا۔

''ویسے میں نے کبھی پوچھا تو نہیں، خیال بھی نہیں آیا، لیکن میں کل اسے شاپنگ پر لے جا رہی ہوں، پوچھوں گی، ممکن ہے مجھے غلط فہمی ہوئی ہو۔''

''ہاں......اور اگر اس کے پاس واقعی موبائل نہ ہو تو پلیز اسے اسی کی پسند کا ایک موبائل خرید دیجیے گا، ویسے بھی میں نے اسے ابھی تک کوئی گفٹ نہیں دیا۔''

''تم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ میرے بجائے اسے تم ہی شاپنگ کے لیے لے جاؤ، شادی کی شاپنگ بھی ہو جائے گی اسی بہانے تم اسے موبائل فون بھی گفٹ کر دینا۔''

''شاپنگ......'' اس نے سوچنے میں چند لمحے صرف کیے۔

''آج کل میری روٹین اتنی ٹف چل رہی ہے کہ مجھے نہیں لگتا ہے شاپنگ کے لئے وقت نکال سکوں گا، البتہ میں کسی روز اسے ڈنر پر لے جاؤں گا۔ آپ ہی اسے شاپنگ کروا دیں، میں تو بزی ہوں۔''

''ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔''

''پرسوں سنڈے ہے نا؟ ٹھیک ہے میں پرسوں ہی اسے ڈنر پر لے جاؤں گا، آپ، اس سے کہیے گا آٹھ بجے تک ریڈی رہے، میں اسے پک کر لوں گا۔''

شمسہ نے محض اثبات میں سر ہلا دیا، پھر جھجکتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

''کہاں مصروف ہو آج کل؟ گھر پر بھی نظر نہیں آتے، تمہارے پاپا بتا رہے تھے آفس بھی نہیں جا رہے۔''

''میرے پاپا؟'' اس نے اچنبھے سے شمسہ کو دیکھا۔

''قبر سے آ کر بتا گئے تھے؟'' اس کا انداز صاف مذاق اڑاتا تھا، شمسہ کچھ بول نہیں سکیں۔

''جہانگیر کی بات کر رہی ہوں۔'' چند لمحے بعد انہوں نے کہا۔

''اوفو......ایک تو آپ کے شوہر نامدار ہمیشہ میری جاسوسی میں لگے رہتے ہیں، بائی داوے انہیں اور کوئی کام نہیں ہوتا۔''

''اس میں جاسوسی والی تو کوئی بات نہیں ہے۔'' شمسہ نے اس بدتمیزانہ رویے کو نظرانداز کرتے ہوئے تحمل سے جہانگیر کا دفاع کرنا چاہا۔

''آپ کے نزدیک نہیں ہوگی، میرے لیے تو ہے۔'' اس نے پھر سابقہ انداز میں کہا۔

''اور میں یہ بالکل برداشت نہیں کرسکتا کہ کوئی میرے معاملات میں مداخلت کرے، میں کہاں جاتا ہوں، کہاں نہیں، اس سے لاشاری صاحب کا کوئی تعلق نہیں ہے، آپ نے کہا تھا آفس جوائن کرلو، میں نے کرلیا، لیکن اگر آپ یہ چاہتی ہیں کہ اس کاروبار کے لیے میں اپنی ذاتی دلچسپیوں کو اگنور کردوں تو آئی ایم رئیلی ویری سوری......میں یہ نہیں کرسکتا۔''

وہ گوکہ تحمل سے بول رہا تھا، مگر شمسہ نے محسوس کیا، اس کے لہجے میں وہی سرکشی تھی، جو اس کا خاصہ رہی تھی اور جو ایکسیڈنٹ کے بعد سے اس کے انداز میں مفقود ہوتے ہوئے پھر سے نمایاں ہونے لگی تھی، انہوں نے فی الفور سر جھٹکتے ہوئے اپنے اندازے کے غلط ہونے کی صدق دل سے دعا کی تھی۔

☆......☆......☆

''پھر......؟'' شفق نے سوالیہ نظروں سے ثانیہ کو دیکھا، جو برنر کے قریب کھڑی مگوں میں چائے نکال رہی تھی۔

''پھر کیا؟'' اس نے ساس پین میں سنک میں رکھتے ہوئے بات جاری رکھی۔ ''پھر ایک لمبی بحث ہوئی، ابو نے حسب معمول دھمکیاں اور گالیاں دیں، اس کے بعد میں نے ابو کو کمرے میں بند کیا اور ہم لوگ اسی روز یہاں شفٹ ہوگئے۔'' اس نے شفق کا مگ اسے پکڑاتے ہوئے بتایا۔

''زینب بتارہی تھی تم نے ابو سے بہت بحث کی، ان کی ہر بحث کا جواب دیا۔''

''صرف جواب نہیں منہ توڑ جواب دیے۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

پھر اپنا مگ لے کر کچن کی کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی، جو بلڈنگ کے کمپاؤنڈ میں کھلتی تھی اور باہر دیکھتے ہوئے بولی۔

''میں تھک چکی ہوں شفق! اپنی ذمہ داریوں سے نہیں اپنے اردگرد رہنے والوں کے خودغرضانہ رویوں سے اور آخر ہر دفعہ ہم ہی بے قصور ہونے کے باوجود قصوروار ٹھہرائے جاتے ہیں، امی نے ساری زندگی ہمیں زبان بند رکھنے کا درس دیا، صبر کے سارے اسباق ہمیں گھول گھول کر پلاتی رہیں، لیکن اب مجھ سے صبر نہیں ہوتا، مجھے لگتا ہے برداشت تو جیسے میرے اندر ختم ہوتی جارہی ہے، معمولی معمولی باتوں پر لوگوں سے الجھنے لگتی ہوں، دوبار تو بس اسٹاپ پر جھگڑا کرچکی ہوں، ایک بار انٹرویو دینے گئی تو ریسپشنسٹ سے الجھ پڑی۔'' اس نے چند

لمحے توقف کیا۔ جیسے خود اپنے آپ سے الجھ رہی ہو۔

''ابو اور عانیہ کی وجہ سے اب تک اتنے طعنے سن چکی ہوں کہ اب کوئی ایک بات کہتا ہے تو میں جواب میں چار سناتی ہوں۔ میں ایسی تو نہیں تھی شفق! اتنی جھگڑالو، اتنی بدزبان، لیکن شاید یہی ٹھیک ہے، ہماری اسی خاموشی نے لوگوں کی زبانیں کھول دی ہیں...... شروع میں ہی منہ چھپا کر مجرموں کی طرح بیٹھنے کی بجائے اگر دوبدو مقابلہ کر لیا ہوتا تو کسی کی ہمت نہ ہوتی، ہم پر بار بار انگلی اٹھانے کی...... اور صرف غیروں سے کیا شکوہ...... دراصل تو ابو کو بھی امی کی خاموشی اور صبر و برداشت نے شہ دی ہے، یا شاید...... اوفو...... پتا نہیں میں کیا کہنا چاہتی ہوں، لیکن یقین کرو شفق! میں عاجز آ چکی ہوں، ہماری ہی زندگی میں اتنے مسائل کیوں ہیں، ہم بھی تو نارمل انسانوں کی طرح زندگی گزار سکتے تھے، زمانے بھر کے خودغرض لوگ ہمارے حصے میں آ گئے، آخر ایسی کون سی غلطی سرزد ہوئی ہے ہم سے کہ پہلے ابو اور پھر عانیہ کا کیا ہم بھگتتے پھریں...... میں...... میں شاید پاگل ہو رہی ہوں۔''

''ایسا کیوں سوچتی ہوں۔'' شفق بس یہی کہہ سکی۔

''قصور تمہارا نہیں ہے ثانیہ! قصور ان حالات کا ہے جو اب تک تمہیں درپیش رہے، وہ سب کچھ جو تم نے برداشت کیا اور ہمیشہ اپنے دل میں دبا کر رکھا، اب لاوا بن کر ابل رہا ہے اور تمہاری شخصیت کو مسخ کر رہا ہے۔'' وہ سوچے چلی گئی، یہاں تک کہ ثانیہ کو اسے متوجہ کرنا پڑا۔

''کیا سوچ رہی ہو؟''

''کچھ نہیں۔'' اس نے ٹالا۔ ''بس یہی کہ تمہاری ساس نے بہت اچھا فلیٹ لے کر دیا ہے تمہیں۔''

''کرایہ بھی اتنا ہی اچھا ہے۔''

''کیا مطلب؟ وہ تم سے کرایہ وصول کریں گی؟'' شفق کو اچنبھا ہوا۔

''وہ تو منع کر رہی تھیں، میں نے بڑی مشکل سے راضی کیا ہے، اب اتنے احسانات بھی نہیں لے سکتی ان کے...... ویسے بھی جیسے ہی ہمیں کسی چھوٹے علاقے میں مناسب کرائے پر مکان ملے گا، ہم یہ فلیٹ چھوڑ دیں گے۔''

''ہاں یہی ٹھیک رہے گا شمسہ آنٹی ابھی تو خیر بہت اچھا رویہ دکھا رہی ہیں، لیکن شادی کے بعد اگر روایتی ساس ثابت ہوئیں تو بہت باتیں سننا پڑیں گی۔'' شفق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اللہ نہ کرے کہ وہ روایتی ساس ثابت ہوں، میں نے خود کو داؤ پر لگا کر یہ بازی کھیلنے کا رسک لیا ہے، ناکامی کی تو گنجائش ہی نہیں نکلتی۔'' اس نے دل میں سوچا اور شفق کے سوال کا جواب دینے لگی۔

''کل آئی تھیں شمسہ آنٹی...... خیریت سے ہیں...... کہہ رہی تھیں مجھے شاپنگ پر لے جانا چاہتی ہیں، برائیڈل ڈریس کا کلر پوچھ رہی تھیں۔''

''پھر؟'' شفق نے پوچھا۔ ''کہیں تم نے بوبو بنتے ہوئے یہ تو نہیں کہہ دیا کہ جو آپ کی پسند ہوگی وہی میری پسند ہوگی اس لئے مجھے شاپنگ پر لے جانے کا خیال دل سے نکال دیں۔'' ثانیہ دلچسپی سے ہنسنے لگی۔

''نہیں میں نے ایسا کچھ نہیں کہا اور میں کل ان کے ساتھ شاپنگ کے لئے جا بھی رہی ہوں۔''

''ویری گڈ۔'' شفق نے تالی بجا کر سراہا۔ ''دیکھو عمر میں، میں بے شک تم سے چھوٹی ہوں، مگر شادی میری پہلے ہوئی ہے اور اس معاملے میں، میں ہی سینئر ہوں، اس لیے تم سارے معاملات میرے مشورے سے حل کیا کرو۔''

''اچھا جی......اور کوئی حکم؟'' ثانیہ سنجیدہ نہیں تھی۔

''فی الحال تو میں تمہیں اپنے سسرال والوں کو مٹھی میں کرنے کا گر بتاتی ہوں، وہ لوگ جو بھی کہیں چپ چاپ مانتی رہو، وہ تمہاری تابعداری سے بہت متاثر ہوں گے اور اپنی طرف سے کوئی رائے دینے کی کوشش مت کرو......سمجھ گئیں۔''

''یس باس۔'' وہ دونوں ہنسنے لگیں۔

پھر شفق ادھر ادھر کی باتیں کرتی کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی اور کچھ خیال آنے پر بولی۔

''میں کبھی آئی تو نہیں ہوں، لیکن میرا خیال ہے شاہنواز بھائی کا گھر بھی اسی ایریے میں ہے، ایک دفعہ عادل نے ذکر تو کیا تھا۔'' وہ سرسری انداز میں کہتی باہر دیکھ رہی تھی۔

ثانیہ بالکل خاموش رہی، پھر بات پلٹنے کو بولی۔

''اچھا سنو تم عادل سے کہنا اپنے سرکل میں اگر ممکن ہو تو نرمین اور زینب کے لئے رشتے تلاش کرے، میرا مطلب ہے کوئی اچھا لڑکا ہو تو نظر میں رکھے، اچھے رشتے ملنا تو آج کل ویسے بھی ایک مسئلہ ہے۔''

''ثانی! مجھے ایک آئیڈیا آیا ہے۔'' شفق یکدم چلائی۔

ثانیہ نے حیران نظروں سے اسے دیکھا۔

''شاہنواز بھائی اور نرمین کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟'' وہ بہت پر جوش ہو کر بولی۔

''مطلب؟''

''مطلب یہ کہ ان دونوں کی جوڑی کیسی رہے گی؟'' ثانیہ چپ رہ گئی مگر اس نے محسوس کیا کہ اس کے دل پر اس خیال نے ہی صدمے کا سا اثر کیا ہے۔

''ہاں......خیال تو اچھا ہے۔'' اس نے دلی کیفیت چھپاتے ہوئے کہا۔

''اگر یہ میری غلط فہمی تھی کہ وہ تم میں انٹرسٹڈ ہیں تو یقیناً وہ نرمین کے لئے راضی ہو جائیں گے، اور پھر وہی بات کہ اچھے لڑکے تو

جیسے ناپید اہی ہوتے جارہے ہیں، تم شمسہ آنٹی سے بات کر کے تو دیکھو۔''

''ابھی نہیں شفق ابھی تو ہم اس خاندان کو ٹھیک سے جانتے بھی نہیں ہیں، میری شادی ہو جائے سر کے گھر والوں سے بھی ملنا ملانا ہو جائے، تب میں یہ ذکر ضرور چھیڑوں گی، آخر اس سے اچھی بات اور ہو بھی کیا سکتی ہے۔''

اس نے اپنے دل کو ایک چپت لگا کر اور خاموش رہنے کی تاکید کرتے ہوئے مصمم لہجے میں کہا تھا۔

☆......☆......☆

انہیں ولی بابا نے اطلاع دی کہ شاہنواز بیٹا آئے ہوئے ہیں اور بڑے صاحب کے ساتھ اسٹڈی روم میں ہیں۔

شمسہ سیدھی وہیں چلی آئیں اور بے حد پر جوش ہو کر ملیں۔

''بھئی تم بھی خوب ہو......اچانک آ گئے، اطلاع تو دی ہوتی۔''

''کورس تو کب کا کمپلیٹ ہو چکا تھا خالہ! کچھ اور کام تھے جو وہاں نپٹانا ضروری تھے، بس جیسے ہی ختم ہوئے میں چلا آیا اور اطلاع نہ دینے کی بھی کوئی خاص وجہ نہیں، گھر میں دو، دو شادیوں کی تیاریاں ہو رہی ہیں، مجھے لگا آپ لوگ مصروف ہوں گے۔'' اس نے اپنی مخصوص، دھیمی، باوقار مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

''تو گویا تمہیں اطلاع مل گئی۔'' شمسہ مسکرائیں۔

''جی ہاں...... بہت بہت مبارک ہو آپ کو...... مجھے حدید نے حنان کی شادی کا بتایا تھا، سوچا پاکستان پہنچ کر ہی آپ کو مبارک دوں گا۔'' اس نے خوشدلی سے کہا۔

''اچھا ہوا تم آ گئے، تمہاری موجودگی میں نفسیاتی طور پر میں بہت ریلیکس فیل کرتی ہوں، مگر سنو اب ہمیں بھی مبارکباد دینے کا موقع فراہم کرو، وہ بھی جلد از جلد۔'' وہ خاموش رہا۔

''سنیے جہانگیر! شادی سے فارغ ہوتے ہی شاہنواز کے لیے لڑکی تلاش کرنا ہے...... بالکل ثانیہ جیسی شاندار، سمجھیے یہ آپ کا نیکسٹ پروجیکٹ ہے۔''

زبردست قہقہہ بلند ہوا۔

''ضرور ضرور......کیوں نہیں؟'' جہانگیر نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ثانیہ جیسی......'' اس کے دل میں ہوک سی اٹھی تھی۔

''وہ تو دنیا میں ایک ہی ہے، جسے آپ لوگوں نے مجھ سے اپنے بیٹے کے لیے چھین لیا، اب اس جیسی اور کہاں سے لائیں گے۔''

اس نے دل ہی دل میں تمسخر سے سوچا اور بوکھلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”اوکے سر! میں چلتا ہوں۔“

”اتنی جلدی؟ ڈنر ہمارے ساتھ کرو۔“

”نہیں خالہ! بالکل گنجائش نہیں ہے، تھکاوٹ بہت ہو رہی ہے، میں گھر جا کر بہت سارا سونا چاہتا ہوں۔“

”ٹھیک ہے، پھر کل لنچ پر ہم تمہارا انتظار کریں گے؟“

”کن تکلفات میں پڑ رہی ہیں خالہ! میرا اپنا گھر ہے، جب دل چاہے گا لنچ، ڈنر کرنے پہنچ جاؤں گا۔“

”بس، بس میں خوب جانتی ہوں تم کتنا ”اپنا گھر“ سمجھ کر بے تکلفی برتو گے...... سیدھے سبھاؤ پہنچ جانا، ورنہ آفس سے کان پکڑ کر لے آؤں گی۔“ انہوں نے محبت بھری دھونس دکھائی۔

شاہنواز مسکرانے لگا اور اثبات میں سر ہلا کر بولا۔

”میں آپ لوگوں کے لیے کچھ گفٹس لایا تھا، بیگ ولی بابا کو دیا ہے، آپ دیکھ لیجیے گا۔“

”گفٹس کے لیے تو شکریہ...... میں دیکھ لوں گی، لیکن تم لائے ہو تو یقیناً اچھے ہی ہوں گے، تم پلیز ایک فیور کرو۔ میں ثانیہ کو آج شاپنگ پر لے گئی تھی، واپسی پر تنویر (ڈرائیور) کو ایمرجنسی میں اپنے گھر جانا پڑا۔ صابر بھی چھٹی پر ہے، تم پلیز ثانیہ کو بھی ڈراپ کرتے جانا۔“

”میں......“ شاہنواز شش و پنج میں پڑ گیا، دل چاہ رہا تھا فوراً انکار کر دے، شمسہ اس کی خاموشی سے جانے کیا سمجھیں فوراً بولیں۔

”تمہیں آؤٹ آف وے نہیں پڑے گا ثانیہ، اور اس کے گھر والے بھی کچھ روز پہلے سیٹلائٹ ٹاؤن میں شفٹ ہوئے ہیں، تمہارے گھر سے تھوڑا پہلے توقیر اپارٹمنٹس میں جو ہمارا اپارٹمنٹ ہے، وہیں۔“

شاہنواز انکار کرتا بھی تو کس بنیاد پر، ناچار اسے حامی بھرنا ہی پڑی، دوسری طرف لاؤنج میں میگزینز کھنگالتی اور شمسہ کی منتظر ثانیہ بھی اس کا سامنا کرنے کیلئے تیار تھی لہٰذا اچانک اسے سامنے پا کر چونکی ضرور، اور کسی قدر دل ہی دل میں شرمندہ بھی ہوئی، چونکہ دل میں چور تھا، سو اس طرح کی سوچ ذہن میں آ جانا کچھ ایسی غیر معمولی بات نہیں، لیکن بڑے باکمال طریقے سے اس نے اپنی سوچ پر قابو پا لیا۔

زندگی بڑے امتحان لیتی ہے اور جب یہ طے ہے کہ دنیا میں رہنا ہے تو امتحان تو دینا ہی پڑے گا۔

گاڑی میں وہ دونوں ساتھ ساتھ خاموشی سے بیٹھے اپنی اپنی سوچوں میں مگن رہے، پھر شاہنواز نے سی ڈی پلیئر آن کر دیا۔ مغنیہ کی آواز میں غزل کے اشعار گونجنے لگے، ایک شعر اس نے بار بار سنا۔

تم آئے ہو تو آؤ وفا کی بات کریں

وفا کی بات میں ہر بے وفا سے کرتا ہوں

ہر لفظ ثانیہ کے حواس پر پتھر بن کر برسنے لگا۔ وہ، جو خود کو پُراعتماد ظاہر کرنے کی خاطر دل ہی دل میں اپنا احساس شرمساری مٹا

رہی تھی، بالکل ہی چور بن گئی۔

شاہنواز کے لبوں پر البتہ مسکراہٹ بکھر بکھر کر غائب ہوتی رہی، حتیٰ کہ اس نے خود ہی سی ڈی پلیئر بند کر دیا۔

''کانگریجولیشنز مس ثانیہ! مجھے انگلینڈ میں ہی آپ کی منگنی کی اطلاع مل گئی تھی، تب ہی آپ کو وش کرنا چاہتا تھا، لیکن چونکہ رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا، اس لیے اپنی سوچ کو عملی جامہ نہیں پہنا سکا، ویل دیر سے ہی سہی آپ کو مبارک دینے کا موقع مل تو گیا۔ شادی کا کب تک ارادہ ہے؟'' اس کا لہجہ کسی قسم کے جذبے سے عاری اور لاتعلق سا تھا۔

ثانیہ نے خود کو کمپوز کرتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا اور متوازن لہجے میں بولی۔

''شاید آپ کے علم میں نہیں ہے سر! شادی کی تاریخ بھی فائنل ہو چکی ہے، اسی مہینے کی چوبیس۔''

''اوہ کانگریجولیشنز اگین۔'' اس نے گاڑی ٹرن کرتے ہوئے کہا۔

''خالہ جان نے مجھے بتایا تھا کہ حنان شادی جلدی کرنا چاہ رہا ہے اور ایک طرح سے یہ ٹھیک بھی ہے، اس سے پہلے کہ آپ لوگوں کی سوچ ایک دفعہ پھر بدلے، آپ لوگوں کو شادی کر لینا چاہیے۔''

''جی......؟'' وہ دھک سے رہ گئی اور گردن موڑ کر شاہنواز کی شکل دیکھنے لگی، جس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔

''میں آپ کی بات سمجھی نہیں سر!''

''اس میں نہ سمجھنے والی تو کوئی بات ہی نہیں مس ثانیہ!'' اب کی بار وہ مسکراتے ہوئے دوستانہ انداز میں کہنے لگا۔

''میں تو آپ کے فائدے کی ہی بات کر رہا ہوں، دیکھیے حنان کو تو میں اچھی طرح جانتا ہوں، اس کی پسند ناپسند، فیصلے کتنی جلدی بدل جاتے ہیں، یہ بھی اچھی طرح جانتا ہوں، پھر آج کل کی لڑکیاں خصوصاً مڈل کلاس لڑکیاں، ہمیشہ اسی تاک میں رہتی ہیں کہ کسی طرح اپنے سرکل اپنی کلاس سے پیچھا چھڑوا کر اپر کلاس میں شامل ہونے کا چانس مل جائے، آج ایک سے کمیٹڈ ہیں تو کل کسی دوسرے کو خواب دکھا رہی ہوتی ہیں، کیونکہ یہ ''دوسرا'' پہلے والے سے زیادہ فنانشلی اسٹرونگ ہوتا ہے۔

اب آپ خود سوچیے، ایسی صورت حال میں بھروسہ تو کسی پر بھی نہیں کیا جا سکتا، ہوپ یو انڈرسٹینڈ۔''

ثانیہ کو لگا وہ بات نہیں کر رہا، اس پر نیزے برسا رہا ہے۔

وہ صدمے سے اسے دیکھ رہی تھی، کیونکہ وہ ہر کسی سے ایسی گھٹیا بات سننے کی توقع کر سکتی تھی، سوائے شاہنواز کے، پھر یہ صدمہ غصے میں بدلنے لگا۔

اخلاقیات کا سجا سجایا بت پارہ پارہ ہوا تو دل کی دھڑکن بھی کپکپانے لگی۔

گو کہ کسی قدر اس کی بات میں سچائی تھی۔

مگر اسے کیا حق پہنچتا تھا کہ وہ اس طرح کی بات کہے۔

''آپ......سر......آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟''اس نے غصے سے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

''آپ کا کیا خیال ہے؟ میں کیا کہنا چاہتا ہوں؟''اس کی آواز میں سخت غرور اور طنز تھا۔

ثانیہ کا دماغ جیسے پھٹنے لگا۔

''آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ آپ اس طرح کی بات کہیں۔''اس نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا اور اس کی طرف دیکھنے سے احتراز برتا۔

''تماشا دیکھنے والے سے آپ رائے دینے کا حق کسی طرح نہیں چھین سکتیں۔''اس نے سابقہ انداز میں کہا۔

''گاڑی روکیے۔''اس نے غصے سے بے حال ہوتے ہوئے کہا۔احساس توہین نے جیسے اس کے حواس ہی مصلوب کر لیے تھے،شاہنواز نے لب بھینچ کر رفتار بڑھا دی۔

''میں آپ سے کہہ رہی ہوں گاڑی روکیے۔''اس نے دانت کچکچاتے ہوئے تقریباً چلاتے ہوئے کہا۔

''معذرت چاہتا ہوں۔''اس نے سختی سے کہا۔

''آپ کو گھر تک پہنچانے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔جب تک اپنی ذمہ داری پوری نہ کر دوں، گاڑی نہیں رک سکتی، ویسے بھی کسی کو بھی راستے میں چھوڑ دینے کی عادت نہیں ہے مجھے۔''اس نے تمسخرانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''آپ......''غصے کی شدت سے اس کی آواز گھٹ کر رہ گئی۔

باقی سارا راستہ خاموشی سے کٹا اور وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتی رہی۔

''اچھا ہی ہوا بھرم ٹوٹ گیا، ورنہ ساری زندگی اسے ''اچھا انسان'' سمجھتے ہوئے دل توڑ دینے کی خلش بن بن کر دل میں کھٹکتی رہتی۔''اس نے سلگتے ہوئے سوچا اور پھر جب گاڑی اس کی منزل کے سامنے جا رکی تو وہ ایک پل ضائع کیے بنا اتر گئی، پچھلی سیٹ پر رکھے شاپنگ بیگز نکالے اور کھٹاک سے دروازہ بند کر دیا، پھر یاد آیا پرس تو اگلی سیٹ پر ہی پڑا رہ گیا، اس نے ناچار اگلا دروازہ کھول کر پرس نکالا، اور اسی زوردار آواز سے بند کر دیا۔

شاہنواز اس دوران مضبوطی سے اسٹیئرنگ پر ہتھیلیاں جمائے ونڈ اسکرین سے نظریں چپکائے بیٹھا رہا۔

ثانیہ نے جاتے جاتے پل بھر کو سوچا، پھر پلٹ کر کھڑکی میں خفیف سا جھکی۔

''اپنی ذمہ داری پوری کرنے کا بے حد شکریہ سر! اور تماشائی کی حیثیت سے جو رائے آپ نے دی ہے اس کے لیے اور بھی زیادہ شکریہ۔کم سے کم آج کے بعد مجھے خود کو آپ کی عزت کرنے کے لیے مجبور نہیں کرنا پڑے گا، حیرت تو اس بات کی بھی ہے کہ جس کا اپنا

گھر شیشے کا ہو وہ دوسرے کے گھر پر پتھر برسانے کی ہمت کیسے کر لیتا ہے، اللہ حافظ سر! امید ہے آپ کو اپنی ذمہ داری ادھوری رہ جانے کا افسوس نہیں ہوگا۔'' وہ پلٹی اور تیز تیز قدم اٹھاتی چلی گئی۔

شاہنواز نے تنتے ہوئے اعصاب کے ساتھ اسے جاتے دیکھا اور مٹھی بھینچ کر اسٹیئرنگ پر ہاتھ دے مارا۔

☆......☆......☆

اس روز ثانیہ بڑی بددلی سے تیار ہوئی تھی۔

اس لیے نہیں کہ اسے حنان کے ساتھ جانا پڑ رہا تھا، بلکہ صرف اس لیے کیونکہ آج کل، ایسی ہی بددلی اس پر ہمہ وقت چھائی رہتی تھی، وجہ معلوم کرنے کی اس نے از خود کوشش نہیں کی، اب اپنی ہی ٹوہ میں کون رہے؟

حنان پورے وقت پر اسے لینے پہنچ گیا، کھڑے کھڑے حلیمہ کی خیریت معلوم کی اور الٹے قدموں گھر سے نکل گیا، ثانیہ بات طے پا جانے کے بعد اس سے پہلی بار مل رہی تھی، بے شک بددلی سے تیار ہو کر آئی تھی اور جانے کے لیے حامی بھی بددلی سے بھری تھی، مگر اس کی طرف سے کونشس ضرور ہو رہی تھی۔

اس کا خیال تھا حال احوال معلوم کرنے کے بعد وہ اس کے لاتعلقی کے رویے کا شکوہ کرے گا اور وغیرہ وغیرہ، لیکن حنان نے گفتگو کا آغاز ہی بالکل مختلف بات سے کیا۔

''تم نے موبائل فون لینے سے انکار کیوں کیا؟''

ثانیہ کے لیے یہ سوال چونکہ غیر متوقع تھا، اس لیے فوری طور پر کچھ کہہ نہیں سکی۔

''یہ میری طرف سے گفٹ تھا جو تم نے لینے سے انکار کر دیا، ایک تو تم پتا نہیں کیسی بیک ورڈ لڑکی ہو، جانتی ہو مجھے کتنی حیرت ہوئی، جب یہ پتا چلا کہ تمہارے پاس سیل فون نہیں ہے۔''

ثانیہ کو اس کے ''اعتراضات'' پر اعتراض نہیں تھا، البتہ حنان کا انداز اسے ناگوار گزر رہا تھا، مگر مجبوری یہ تھی کہ اسے کوئی اچھا سا تڑختا ہوا جواب بھی نہیں دے سکتی تھی۔

''کبھی ضرورت نہیں پڑی سیل فون کی۔'' اس نے تحمل سے جواب دیا۔

''اب ضرورت پڑے گی۔'' حنان نے گلوا پارٹمنٹ کھولتے ہوئے کہا۔

''کیونکہ تمہارے پاس سیل فون نہیں ہوگا تو میں تم سے کیسے رابطہ کروں گا، مجھے تم سے بہت ساری باتیں کرنا ہیں ثانیہ! یہ لو جس موبائل کو کل تم نے لینے سے انکار کیا تھا آج میں وہی تمہارے لیے گفٹ لایا ہوں، آئی ہوپ اس بار تم انکار نہیں کرو گی۔'' اس نے موبائل فون کا پیک ڈبہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ثانیہ تذبذب میں پڑ گئی۔

”آئی ایم سوری۔ میں یہ نہیں لے سکتی، کچھ روز میں لینڈ لائن کا بندوبست ہو جائے گا یا میں گھر کے لیے ایک سیل فون خرید لوں گی، آپ اسی پر مجھ سے رابطہ کر لیجیے گا۔“ اس نے سبھاؤ سے کہا۔

”یعنی اگر تم مجھ سے کوئی گفٹ لو گی تو تمہاری توہین ہو جائے گی۔“ اس نے سنجیدگی سے پوچھا، ثانیہ بوکھلا گئی۔

”میرا یہ مطلب نہیں تھا۔“

”پھر کیا مطلب تھا؟“

”میں آپ سے گفٹ ضرور لوں گی۔ مگر ابھی نہیں، شادی کے بعد۔“

”ہاہاہا......شادی کے بعد کیا خاص بات ہو جائے گی جو آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا؟ یار! ایک تو یہ مڈل کلاس مینٹلیٹی مجھے آج تک سمجھ نہیں آسکی، اتنا دوغلا پن کسی اور کلاس میں نہیں ہے، خیر گفٹ تمہارے لیے ہے تمہیں لینا ہی پڑے گا۔“

اب کی بار ثانیہ بالکل خاموش ہو کر رہ گئی۔

”دیکھو مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنا ہیں، اپنے بارے میں بتانا ہے، تمہارے بارے میں پوچھنا ہے۔“ اسی وقت اس کے موبائل کی بیپ بجنے لگی تو وہ اس طرف متوجہ ہو گیا۔ ”ہیلو......کیتی!“

ثانیہ کھڑکی کے بند شیشے سے باہر ابھرتی ہوئی رات میں بے دار ہوتی روشنیاں دیکھنے لگی۔ بالکل خاموشی سے دل میں پھیلتے سناٹے کی وحشت کو محسوس کرتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی ”ایک انسان کی رائے سے اختلاف کیا جا سکتا ہے، دو لوگوں کی رائے صائب ہوتی ہے۔

کل جو کچھ شاہنواز سر نے کہا، کم و بیش وہی کچھ آج حنان کہہ رہا تھا، غالباً میں ہی زیادہ بری ہوں۔

لیکن یہ شخص...... جو میرے ساتھ بیٹھا ہے، میرا سائبان بنے گا، زندگی بھر کا ساتھی، اسے تو مجھے سمجھنا چاہیے، اور، اور اگر یہ بھی مجھے نہ سمجھ سکا تو؟“

آگے ایک بڑا سا سوالیہ نشان تھا، جس کا حجم لحہ بہ لحہ پھیل رہا تھا، تبھی فون آف کر کے حنان نے اسے عجلت میں پکارا۔

”ثانیہ! مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔ پلیز ڈونٹ مائنڈ، آج میں تمہیں ڈنر پر نہیں لے جا سکوں گا اور نہ ہی واپس تمہارے گھر ڈراپ کر سکتا ہوں، تم پلیز یہاں سے خود ہی گھر چلی جاؤ۔“ اس نے بٹن دبا کر اسکی طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ ثانیہ ہکا بکا رہ گئی۔

”میں......اکیلی کیسے جاؤں گی۔“ اس نے سراسیمگی سے کہا۔

”تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے کبھی اکیلی نکلی ہی نہیں۔“ حنان بے زار ہوا۔

”دن کی بات اور ہے حنان! رات کے اس وقت۔“ وہ ہکلا کر رہ گئی، حنان کی بے زاری میں اضافہ ہوا، مگر مصلحت سے بولا۔

”اوکے، اوکے......وہ دیکھو سامنے ٹیکسی کھڑی ہے تم اس پر چلی جاؤ، پلیز ہری اپ ثانیہ......میں بہت جلدی میں ہوں۔“

ثانیہ کو لگا اس نے گاڑی سے اترنے میں ایک بھی پل کی دیر کی تو حنان اسے ہاتھ پکڑ کر نیچے اتار دے گا لہٰذا وہ خاموشی سے باہر نکل گئی۔

”تھینک یو سوچ ثانیہ! اور ہاں......“

معاً اسے خیال آیا تو والٹ سے ایک ہزار روپے کا نوٹ نکال کر زبردستی ثانیہ کے ہاتھ میں تھما دیا۔

”یہ ٹیکسی کا کرایہ رکھ لو، اور ڈنر ڈیو رہا۔“

ہوا کے جھونکے کی طرح وہ گاڑی بھگا لے گیا۔ ثانیہ چپ چاپ، دم بخود وہیں کھڑی رہ گئی...... احساس توہین نے جیسے اس کے سارے وجود کو ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیا تھا، دراصل احساس توہین بہت چھوٹا لفظ ہے، اس وقت اپنی مٹھی میں دبے نوٹ کو دیکھتے ہوئے وہ جو کچھ محسوس کر رہی تھی وہ توہین کے احساس سے آگے کا جذبہ تھا۔

”کاش زمین پھٹ گئی ہوتی اور وہ اس میں سما جاتی۔“

اپنی آنکھوں میں جمع ہوتے پانی کو ضبط کرتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔

☆......☆......☆

مومنہ اپنی دھن میں چلی جا رہی تھی کہ اچانک پیر کے نیچے آ جانے والے پتھر کی وجہ سے بری طرح لڑکھڑا گئی۔

وہ سنبھلی ضرور، مگر اپنی نظروں کا زاویہ بدل نہیں سکی، تبھی اسے احساس ہوا کہ اس کے لڑکھڑانے کی اصل وجہ وہ پتھر نہیں جو پیر کے نیچے آ گیا، بلکہ وہ منظر تھا جو اس وقت نگاہوں کی زد میں تھا، اس منظر میں ایک ندی تھی، جس کا پانی دھیمے سروں میں بہہ رہا تھا، ندی کے کنارے درخت تھے آم کے، جن کے پتے ہوا کے جھونکوں سے لرز رہے تھے اور ان درختوں کے سائے تلے بیٹھی گل بانو، حیران کن اس کی وہاں موجودگی نہیں تھی، حیران کن اس کا وہ رویہ تھا جس کا اظہار وہ درختوں کے سائے میں بیٹھی کر رہی تھی، گو کہ وہ وہاں تنہا تھی مگر یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی سے باتیں کر رہی ہو، اس کے قہقہوں کی آواز تو مومنہ تک بخوبی پہنچ رہی تھی۔

مومنہ نے ذرا تجسس سے آگے بڑھ کر سننے کی کوشش کی کہ آخر وہ بول کیا رہی ہے، مگر اس کے خاک بھی پلے نہ پڑا۔ مومنہ کا دل چاہا خود ہی اسے بڑھ کر مخاطب کرے مگر اس کا بھی حوصلہ نہ ہوا، ایک تو سناٹا پھر تنہائی، اوپر سے درختوں کی قربت، دادی اماں کہتی تھیں گھنے اور پرانے درختوں پر آسیب بستے ہیں اور ہمیشہ جوان اور خوبصورت لڑکیوں کی تاک میں رہتے ہیں، مومنہ کو فکر ہونے لگی، کہیں گل بانو کو بھی تو کسی آسیب نے نہیں جکڑ لیا، ویسے بھی گاؤں واپس آتے ہی جس قسم کی عجیب و غریب اطلاعات گل بانو کے بارے میں ملی تھیں ان کی روشنی میں کوئی ایسی ویسی سوچ ذہن میں آ جانا کوئی ایسی غیر معمولی بات تو نہیں۔ مومنہ تاسف سے ہاتھ ملنے لگی، جب یہاں سے واپس جا رہی تھی تو گل بانو اچھی بھلی تھی لیکن اب جو اس کی حالت دکھائی دے رہی تھی وہ ایک الگ ہی کہانی سنا رہی تھی۔

وہ بہت دن کے بعد سندھ سے واپس آئی تھی، اب تک اس کے ایف اے کے امتحانات ہو چکے تھے اور آج کل وہ اپنے رزلٹ کے انتظار میں تھی، ابا کے کاروبار میں اچانک ہونے والے خسارے نے انہیں یہاں سے چلے جانے پر مجبور کر دیا تھا، سندھ کے شہر نواب شاہ میں ان کا آبائی گھر تھا اور دادا ابا کی کچھ زمینیں بھی تھیں، جب قرض خواہوں کے تقاضوں سے گھبرا کر دکان بند کرنا پڑی تو ابا نے نواب شاہ جانے کا فیصلہ کر لیا لیکن چونکہ اب حالات خاصے بہتر ہو چکے تھے تو ابا نے انہیں واپس بلوا لیا تھا۔

یہاں آ کر پتا چلا کہ اس عرصہ میں گل بانو تقریباً تقریباً مخبوط الحواس ہو چکی ہے، کبھی تو بالکل نارمل لگتی ہے اور کبھی بیٹھے بیٹھے رونے یا ہنسنے لگتی ہے، کچھ لوگ اس پر ترس کھا رہے تھے اور یہ وہی لوگ تھے جو پہلے بھی اس کے خیر خواہ تھے جبکہ بیشتر لوگوں کا خیال تھا کہ یہ گل بانو کا نیا تماشا ہے۔

حقیقت کیا تھی مومنہ کو علم نہ تھا، وہ صرف اتنا جاننا چاہتی تھی کہ خوف محسوس کرنے کے باوجود وہ اس سے ہمدردی محسوس کر رہی تھی، ہمدردی...... جو بعض اوقات بہت مہلک ثابت ہوتی ہے۔ ہمدرد کے لیے۔

☆......☆......☆

معاً اس کے قریب آ کر ایک گاڑی رکی اور مسلسل ہارن بجانے لگی، اس نے احساس توہین و بے بسی سے جھکا سر اٹھا کر دیکھا پھر سرعت سے اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے لاتعلقی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

شاہنواز کچھ دیر تو تحمل سے ہارن بجاتا رہا لیکن جب اسے خود سے بھی زیادہ ڈھیٹ اور مستقل مزاج پایا تو گاڑی سے نکل کر اس کی طرف آ گیا، نا صرف یہ بلکہ آتے ہی پسنجر سیٹ کا دروازہ بھی کھول دیا۔

''تشریف رکھیے۔''

''جی نہیں شکریہ...... میں ابھی کوئی ٹیکسی ہائیر کر لوں گی۔'' اس نے آواز کے بوجھل پن پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''بیٹھ جائیں ثانیہ! جسے چھوڑ کر جانا تھا وہ جا چکا، اب اگر آپ اس بات کی منتظر ہیں کہ وہ اپنی ذمہ داری نبھانے آئے گا تو یہ آپ کی غلطی ہے۔'' اس نے سخت لہجے میں کہا۔

''غلطیاں تو بہت ہوئی ہیں زندگی میں، ہمیشہ غلط انسان سے غلط توقع وابستہ کی۔'' اس نے تلخی سے کہا۔

''بہر حال آپ کی ذمہ داری کل پوری ہو چکی تھی، میرا خیال ہے جتنا طنز فرمانا تھا وہ بھی آپ کل فرما چکے یا اب بھی پٹاری میں کچھ باقی ہے۔''

''یقین کیجیے میں کل سے بہت شرمندہ ہوں، مجھے وہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا، جس بے ساختگی میں......''

''بے ساختگی میں سچائی ہوتی ہے سر! سوچ سمجھ کر تو صرف منافقت کی جا سکتی ہے۔ بہر حال آپ کا شکریہ...... کل آپ کی بے

ساختگی نے جو سبق مجھے پڑھایا وہ ان شاء اللہ ساری زندگی یاد رہے گا۔ کچھ لوگوں کو ہم ایسے اونچے مقام پر بٹھا دیتے ہیں جہاں تک سوائے احترام کی نظر کے اور کوئی نظر نہیں جاسکتی۔ آپ کی وجہ سے مجھے سبق مل گیا کہ دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں جسے اتنا اونچا درجہ دیا جا سکے، خواہ کوئی کتنا بھی معتبر دکھائی کیوں نہ دے رہا ہو، یوں بھی ہر انسان اپنے ذہن سے سوچتا ہے، آپ نے بھی اتنا ہی سوچا، جتنا آپ کے ذہن نے آپ کو اجازت دی، مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں، شکایت تو خود سے ہے، ساری زندگی رہے گی۔“

اس نے ہاتھ دے کر ٹیکسی روکی اور یہ جا وہ جا۔

شاہنواز وہیں کھڑا رہا، کل جس مقام پر اس نے ثانیہ کو چھوڑا تھا، آج وہاں خود کھڑا تھا اور اس مقام پر تنہا کھڑے رہنا کتنا مشکل اور تکلیف دہ تھا، کوئی اس سے پوچھتا۔

☆......☆......☆

تقدیر اور تدبیر میں ازل سے جنگ رہی ہے۔

ایک کھینچا تانی، ایک لاحاصل بحث۔

تقدیر پر بھروسہ کیا جائے یا تدبیر پہ...... یہ کوئی نہیں بتاتا۔

حالانکہ جو لکھ دیا گیا اس سے انکار ممکن نہیں۔

لیکن ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنا بھی تو دانشمندی نہیں۔

سوال یہ ہے کہ تدبیر سوچنے والا گمراہ ہے یا تقدیر پر قناعت کرنے والا۔

رات کے اس پہر جب آسمان سے اوس بوند بوند برس رہی تھی وہ بالکونی کی دیوار سے ٹیک لگائے گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے اردگرد سے بے نیاز اسی سوال کا جواب تلاش کرنے میں سرگرداں تھی۔

جب حنان نے اس کی ہتھیلی پر نوٹ رکھا تو اس نے ثانیہ پر احسان نہیں کیا تھا صرف اس کے وجود کو زلزلوں کی زد میں دے دیا تھا اور زلزلے کی زد میں صرف خوف ہوتا ہے جو جسم و جاں کو جکڑ لیتا ہے......نقصان کا صحیح اندازہ تو زلزلہ تھمنے کے بعد ہی لگایا جا سکتا ہے۔

وہ بھی اندازہ لگا رہی تھی کیا کچھ بکھر گیا، کیا کچھ مسمار ہو گیا۔ شاید سب بکھر گیا سب مسمار ہو گیا۔ اب تو اپنے وجود کے کھنڈرات میں آثار تلاش کرنا ہوں گے۔

ایک نے طمانچے کی طرح الفاظ کی مار ماری۔

دوسرے نے نوٹ ہتھیلی پر رکھ کے اوقات سمجھا دی۔ گویا ہم ہی برے، ہم ہی قابل گردن زنی۔

فی زمانہ غریب ہونا بھی ایک جرم ہے۔ غیرت مند ہونا اس سے بھی بڑا جرم اور ایسا ناقابل معافی جرم کہ چودہ سال قید بامشقت

ہوتب بھی کم۔

اور غم منائیں بھی تو کس بات کا، کس کس بات کا؟ عزت نفس وخودداری کا بیچ چوراہے میں تماشا لگنے کا؟ یا چند لفظوں کی کرامت سے محبت کے مرجانے کا؟

''محبت......'' یکدم اسے بڑا عجیب سا احساس ہوا کیونکہ اسے تو دل کی سرزمین پر اک ننھی سی کونپل کا احساس ہوا تھا جسے حقیقت کے سورج کی اولین کرنوں نے جھلسا کر رکھ دیا۔

اور کتنی افسوس ناک بات ہے یہ بھی۔

اور اس کی زندگی میں تو ہمیشہ ساری باتیں ہی افسوس ناک رہی تھیں فرق صرف اتنا تھا کہ آج رات اس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو نئے تھے۔ محبت کی موت کا واقعہ بھی تو نیا تھا صرف یہ بلکہ اس کی تو شاید خودداری بھی اپنے آخری سانسوں پر تھی۔ لہٰذا وہ رو رہی تھی اور کہر اس پر قطرہ قطرہ بن کر برس رہی تھی۔

☆......☆......☆

اس روز وہ رات گئے تک سڑکوں پر خوار ہوتا رہا۔

گھر جانے پر دل راضی نہ تھا تبھی جان بوجھ کر ایسی سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا رہا جہاں سے کوئی رستہ غلطی سے بھی اس کے گھر تک نہ جاتا ہو۔

اور گھر بھی کیا تھا؟ محض ایک سجا سجایا مکان۔

اکثر چار دیواریاں، گھروں کا شائبہ ہوتی ہیں گھر نہیں ہوتیں۔

ان چار دیواریوں میں تنہائی کے آسیب بسیرا کرتے ہیں۔ وحشتوں کو مالکانہ حقوق حاصل ہوتے ہیں۔

مایوسی و دلگرفتگی ہمیشہ استقبالیہ پر منتظر ملتے ہیں تاکہ جیسے ہی کوئی انسان یہاں داخل ہو اچھے میزبانوں کی طرح اسے آن دبوچیں اور جب تک انسان اس گھر میں قیام کرے اس کو ایک پل کے لیے بھی تنہا نہ چھوڑیں۔

تو شاہنواز ملک بھی ایسا ہی گھر بنا چکا تھا جس کی دہلیز عبور کرتے ہی کسی سرائے کے در و دیوار سے لپٹی نامانوس اور اجنبی خوشبو اس کے رگ وپے میں سرائیت کر جاتی تھی۔

وہ تنہائیوں کا مارا ہوا، اپنوں سے محروم انسان تھا۔ کم عمری میں لگنے والی جذباتی ٹھیس نے تو خواب بننے کا ہنر ہی بننے نہیں دیا۔ وہ حد سے زیادہ پریکٹیکل انسان تھا جو ممکن ہوتا اس پر نظر کرتا۔

''کاش، ہوسکتا ہے اور شاید'' کے الفاظ اس کی لغت کا حصہ نہ تھے۔ پھر تقدیر نے اپنی چال چلی اور سب کچھ درہم برہم ہوتا چلا گیا۔

وہ جو اپنے آپ میں مگن رہنے والا انسان تھا پہلی بار کسی اور کو سوچنے لگا پہلی بار اس نے فیوچر پلان کیا پہلی بار خیالوں ہی خیالوں میں اس نے اپنے مکان کو گھر بنتے دیکھا۔

پہلا خیال، پہلا خواب اور پہلی محبت۔

پھر ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور تاش کے پتوں سے بنا محبت کا تاج محل بنا آواز گرتا چلا گیا۔

نہ وہ حیران ہوا اور نہ ہی بے یقین بس کچھ ایسی کیفیت وارد ہوئی کہ وہ ڈھنگ سے شکوہ بھی نہ کر سکا۔

لیکن جب ہوش آیا تو ریت ہاتھوں سے پھسل چکی تھی اور بند مٹھیوں میں زندگی بھر کے پچھتاوے تقدیر کی مرضی بن کر باقی رہ گئے تھے۔

اب کسی کا دل دکھا دینے کی خلش تھی جس نے ساری زندگی اسے تنگ کرنا تھا۔

''جب یہ طے تھا کہ زندگی بھر کا ساتھ ہمارے مقدر میں نہیں تو یہ زندگی بھر کا پچھتاوا ضرور مول لینا تھا۔''

کئی روز بعد بھی آفس میں بیٹھا شیشے کے پار دکھائی دیتی خالی میز کو دیکھتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا اور زندگی کے سیٹ اپ کو اب تا زندگی یونہی چلنا تھا۔ وہ جو ایک مدت بعد اپنے اور اپنی زندگی کے متعلق سوچنے لگا تھا اسے اب خود کو بھی فراموش کر دینا تھا اور یاد رکھنا تھا تو صرف ان لوگوں کو جنہوں نے دس سال پہلے اس پر احسان کیا تھا اسے دنیا کی ٹھوکروں سے بچانے کے لیے پناہ دی تھی اور اب بڑے آرام سے اس کی خوشیوں کو تہ و بالا کر دیا تھا۔

اس نے سوچا وہ سب کچھ بھول جائے گا خود کو، اپنی خوشیوں کو، اتنے احسانات کے بدلے میں ایک معمولی سی خود غرضی تو بھلائی جا ہی سکتی ہے۔

''معمولی سی؟'' اس کے دل نے ششدر ہو کر پوچھا۔

وہ خاموش رہا، کیا کہتا؟ خود اپنے سامنے شرمندہ ہونا بھی بڑے حوصلے کا کام ہے۔

''ہاں تم بھول سکتے ہو؟'' معاً اس کے اندر دل کی بہت گہرائی میں ایک آواز گونجی۔

''تم بے حد احسان شناس شخص ہو شاہنواز ملک! شاباش...... لیکن کم سے کم ایک بار تو میرے متعلق بھی سوچا...... ہاں ...... ہاں...... اب کہہ دو تم نے مجھے پہچانا نہیں۔ ظاہر ہے تم مجھے پہچانو گے بھی کیسے؟ تمہیں تو شاید یاد بھی نہیں کہ تمہارے سینے میں ایک دل بھی ہے۔ حالانکہ میں ہوں تو تم ہو مگر آج تک تم نے میرے بارے میں نہیں سوچا، میں کیا چاہتا ہوں میری کیا خواہشات ہیں۔ میری جو ضروریات ہیں وہ پوری ہوتی بھی ہیں یا نہیں...... تم نے تو مجھے بے کار بنا کر ایک کونے میں ڈال رکھا تھا۔ تمہاری لاپروائی اور بے اعتنائی نے مجھے اتنا بے بس و لاچار کر دیا تھا کہ میں خود بھی اپنا وجود فراموش کرتا جا رہا تھا۔

پھر ایک وہ لڑکی آ گئی۔ سچ کہتا ہوں شاہنواز ملک! اسے اللہ نے تمہارے لیے نہیں میرے لیے بھیجا تھا لیکن جب میں نے تمہاری

آنکھوں سے اسے دیکھا تب مجھے احساس ہوا کہ میں بھی کچھ ہوں۔ میں جو زندگی سے بے زار ہوتا جا رہا تھا تو مجھے مدت بعد زندگی میں کشش محسوس ہوئی۔ مگر...... مگر تم نے ایک بار بھی میرے بارے میں نہیں سوچا۔ اچھے احسان شناس ہو یار! ہر فیصلہ خود ہی کر لیا۔ مہربانی فرما کر ایک بار مجھ سے بھی پوچھ لو کیا میں اس لڑکی کو بھول سکوں گا۔

جو میری خوشی کا باعث تھی۔ جس نے مجھے میرے ہونے کا احساس دیا۔ تمہارے تو جو منہ میں آیا بول کر آ گئے مجھ سے پوچھو مجھ پر کیا بیتی ہے اللہ جانے کس نے تمہیں احسان شناس مشہور کر رکھا ہے۔ تم تو بڑے ہی بودے نکلے یار...... چہ چہ لیکن میری بھی ایک بات کان کھول کر سن لو۔ میں اسے کبھی نہیں بھول سکتا کبھی بھی نہیں...... اور صرف یہی نہیں مجھے جب جب بھی موقع ملے گا میں تمہیں اس کی یاد دلاتا رہوں گا۔ جب تمہاری وجہ سے میری ساری زندگی لاحاصلی کا کرب سہتے گزرے گی تو میں تمہیں کیوں مطمئن وشاد رہنے دوں...... جب تم نے میری فکر نہیں کی تو میں تمہاری پرواہ کیوں کروں۔''

''اوہ شٹ اپ۔'' وہ جھنجلا ہی گیا اور اس جھنجلاہٹ میں اسے اپنی آواز بلند ہو جانے کا احساس بھی نہ ہو سکا۔

''معاف کیجیے گا سر...... کیا آپ نے مجھ سے کچھ کہا۔'' سامنے بیٹھے خاموشی سے کسی فائل کو چیک کرتے رضوی نے تعجب سے پوچھا تھا اس پر گڑھوں پانی پڑ گیا۔ بڑی مشکل سے صورتحال سنبھالی۔

پتا نہیں وہ کس جھونک میں اپنے دل کو اتنی اونچی آواز میں ڈپٹ گیا تھا...... وہ بھی کیا کرتا ذہنی الجھن ہی اس قدر تھی ضمیر کی ملامت کیا کم تھی جو یہ دل بھی کہیں سے آن ٹپکا۔

آج کی کوئی خاص مصروفیت نہ تھی مگر پچھلے کچھ روز سے وہ چن چن کر ایسی مصروفیات نکال رہا تھا جن میں ذہن زیادہ سے زیادہ مصروف رہے اور کچھ اور سوچنے کی فرصت ہی نہ ملے۔ تبھی رضوی صاحب کو لے کر فیکٹری وزٹ پر چل دیا۔ واپسی پر فیکٹری کا منیجر بھی ساتھ تھا پہلے اسے ڈراپ کیا پھر رضوی کو اس کے گھر تک پہنچانے کی ذمہ داری بھی لے لی۔

راستے میں ایک سگنل پر اچانک رضوی نے اس سے کہا۔

''سر! وہ دیکھیے...... حنان صاحب اپنی نئی گرل فرینڈ کے ہمراہ ہیں۔''

''ہوں......'' اسے کون سی دلچسپی تھی تبھی سرسری انداز میں دیکھ کر فقط اتنا ہی کہا لیکن رضوی کو شاید کچھ اگلنے کی جلدی تھی۔ اشتیاق و تحسین بھرے لہجے میں پوچھنے لگا۔

''سر! آپ حنان صاحب کی گرل فرینڈ کو جانتے ہیں؟''

''وہ حنان کی فرینڈ ہے رضوی! میں اسے کیسے جان سکتا ہوں۔'' اس نے قدرے اکتا کر کہا۔

''ایسی لڑکیوں کو جاننے کے لیے انہیں فرینڈ بنانا ضروری نہیں ہوتا سر...... یہ تو جگت سہیلیاں ہوتی ہیں۔'' رضوی نے قہقہہ لگاتے

ہوئے خاصے عامیانہ ڈھنگ سے کہا۔

''رضوی۔'' شاہنواز کا ہنکارہ اس کا مزاج پوچھ گیا۔

''سوری سر! دراصل سر اب آپ سے کیا چھپانا میں اس لڑکی کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ کراچی کی بڑی مشہور کال گرل ہے۔ ہم جیسے تنخواہ دار ملازم تو اسے افورڈ نہیں کر سکتے البتہ امیروں کے مزے ہیں۔ میرے ایک دوست نے بتایا تھا کہ آج کل گیتی آرا ہمارے شہر آئی ہوئی ہے مگر مجھے یہ نہیں پتا تھا کہ اسے حنان صاحب نے بلوا رکھا ہے۔ ویسے سر! میں نے تو سنا تھا حنان صاحب کی شادی ہو رہی ہے۔'' رضوی نے انکشاف کرنے کے بعد اس سے تصدیق چاہی۔

شاہنواز کے پاس اس کے سوال کا جواب نہیں تھا وہ صدمے کی کیفیت میں کچھ کچھ بے یقینی سے حنان کو تو کبھی گیتی آرا کو دیکھ رہا تھا اس کے ضمیر کا بوجھ کئی گنا بڑھ گیا تھا۔

☆......☆......☆

گلشن نگر...... عانیہ کی اگلی اور شاید حتمی منزل، وہ ٹکر ٹکر ایک ایک چیز کو دیکھ رہی تھی۔

اسرار میں لپٹی ہوئی سفید حویلی...... جسکی دیواروں پر سہرے کے پھولوں کی مانند بیلیں لٹکتی تھیں۔

چمچماتے فرش...... یہ بڑی بڑی لکڑی کی کھڑکیاں اور دریچے، اونچی چھتیں...... جس سے لٹکتے فانوس بار بار اس کی توجہ کھینچ لیتے سامان آرائش ایسا جس کی قیمت اس کی چمک کی زبانی معلوم ہوتی۔

اور وہ مورتیاں چھوٹے بڑے سائز کی، جو اس گول وضع کے کمرے یا ہال میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر رکھی ہوئی تھیں اللہ جھوٹ نہ بلوائے تو اچھی خاصی بے ہودہ تھیں اور یہ واحد چیز تھی جس سے عانیہ نے کئی بار دانستہ نظریں چرائی تھیں اور اس کی مرعوبیت میں یہ واحد چیز تھی جو ناگواری کا سبب بنی تھی۔

''توبہ! کیا یہاں کافر بستے ہیں...... بت پرست؟'' وہ سوچ رہی تھی تبھی مظہر کی معیت میں آپا بیگم آ گئیں تو بہ کیا حسن تھا۔ رعب حسن ہی تھا کہ اس کی زبان گنگ رہ گئی البتہ آپا بیگم نے خوب اس کی بلائیں لیں لپٹا لپٹا کر پیار کیا۔

''ایسی موہنی صورت...... میں تو دیکھتے ہی سمجھ گئی تھی کہ یہ عانیہ ہے۔'' انہوں نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئی اپنی کلائی سے ایک نفیس سا کنگن اتار کر اس کے ہاتھ میں پہنا دیا اور دعائیں دینے لگیں۔ ''سدا سہاگن رہو...... پھلو پھولو...... وغیرہ وغیرہ۔''

اور اس دوران مظہر پہلو بدلتا رہا۔ نہ عانیہ کی نظر پڑی نہ آپا بیگم کی۔

''مظہر نے مجھے پہلے ہی تمہارے بارے میں بتایا ہوتا تو خوب دھوم دھام سے تم دونوں کی شادی کرتی۔ یوں کہ سارے زمانے کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتیں لیکن تم فکر مند نہ ہو ہم جلد ہی ایک فنکشن......''

”آپا بیگم......“ معاً مظہر کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

”مظہر! تم نے مجھے آنے سے پہلے اطلاع دی ہوتی تو وہ والا بنگلہ خالی کروا لیتی...... یہ جگہ میری بہو کے شایان شان نہیں ہے۔“

”آپا بیگم......آپ ذرا میری بات سن لیں۔“ اب کی بار مظہر نے سختی سے کہا۔ آپا بیگم تو چونک ہی گئیں لیکن عانیہ بھی حیران ہو کر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

”تم اطمینان سے بیٹھو۔ مجھے ذرا آپا بیگم سے کچھ ضروری بات کرنا ہے۔“ وہ دونوں آگے پیچھے چلتے باہر نکل گئے۔ عانیہ اب تک گلشن نگر کے اسرار میں گم تھی۔

☆......☆......☆

”میں پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے محسوس کر رہا ہوں تم اس آفس میں موجود ہو، بڑی حاضر دماغی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ڈسکشن میں حصہ بھی لے رہے ہو مگر ایکچو ئیلی تم یہاں موجود نہیں ہو اور اب تم مجھے بتاؤ گے کہ تم کہاں ہو اور تمہارا دماغ کہاں الجھا ہوا ہے؟“

حدید نے اچانک فائل بند کر کے میز پر رکھ دی تھی اور بند مٹھی لبوں پر جما کر بے حد سنجیدگی سے شاہنواز کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

شاہنواز کے لیے سوال غیر متوقع تھا وہ چونک کر حدید کی شکل دیکھنے لگا اور دل میں از حد شرمندہ ہوا۔

”تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے حدید! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ اس نے میز پر پڑی فائلز کے پلندے میں ہاتھ مارتے ہوئے حقیقتاً اپنی کیفیت چھپانے کی کوشش کی تھی۔

”بتانا نہیں چاہتے تو اور بات ہے مگر یہ مت کہو کہ مجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔“ حدید نے سابقہ انداز میں کہا۔

”اور اگر مجھے غلط فہمی ہوئی بھی ہے تو کیا وجہ ہے کہ تمہاری آنکھیں بار بار اس ٹیبل تک جاتی ہیں۔ ایسا کیا ہے اس ٹیبل کے پیچھے جسے تم دیکھنا چاہتے ہو۔“ حدید نے شیشے کی دیوار کے اس طرف ویران پڑی میز کی طرف اشارہ کیا تھا۔

”اس ٹیبل پر اب ایسا کچھ نہیں ہے جسے میں بار بار دیکھنا چاہوں۔“ گہری سانس بھرتے ہوئے اس نے دل ہی دل میں سوچا لیکن اس بار اس نے میز پر سے اپنی نظریں نہیں ہٹائی تھیں۔ وہ اپنی کرسی کی بیک سے یوں ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا جیسے بہت تھک چکا ہو۔

حدید نے کچھ کہنے کا ارادہ کیا مگر پھر خاموش رہا اسے شاہنواز کی کیفیت تعجب میں ڈال رہی تھی مگر کوئی بھی سوال کرنے سے پہلے وہ شاہنواز کو کچھ وقت دینا چاہتا تھا اور وقت تو وہ اسے کئی روز سے دے رہا تھا۔

جب سے وہ اسے اپنے پرانے خول میں واپس بند ہوتے دیکھ رہا تھا شاہنواز اس کا عزیز دوست تھا اور یہ سچ تو ہے کہ اسے اپنے اس دوست سے محبت بھی بہت تھی۔

بظاہر وہ پتھر سا محسوس ہوتا تھا مگر حدید جانتا تھا وہ پتھر نہیں البتہ حوادث زمانہ نے اسے پتھر بنانے کی کوشش پوری کی ہے۔ چند ماہ

پیشتر اس کی زندگی میں کوئی انقلاب رونما ہوا تھا اس نے اس کی آنکھوں کی سنجیدگی میں مسرت واطمینان کے رنگ بھر دیے تھے مگر اب وہ پھر محسوس کر رہا تھا کہ یہ رنگ پھیکے پڑ رہے ہیں۔

''حدید! ایک کام کر سکتے ہو؟'' معاً شاہنواز نے اسے مخاطب کیا حدید سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

شاہنواز مضطرب سا پیپر ویٹ میز کی چکنی سطح پر گھما رہا تھا۔

''کسی طرح حنان کی شادی رکوا سکتے ہو؟''

حدید کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ اسے ایسی کیفیت میں بات کی توقع قطعاً نہیں تھی۔ اس نے بغور شاہنواز کی جانب دیکھا، کہیں وہ مذاق تو نہیں کر رہا لیکن وہ اس مزاج کا آدمی نہیں تھا جو ایسا بے ہودہ مذاق کرے۔

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے شاہنواز...... یہ کس قسم کی فرمائش ہے؟''

''میرا دماغ بالکل ٹھیک ہے اور میں مذاق بھی نہیں کر رہا، میں واقعی چاہتا ہوں کہ حنان کی شادی نہ ہو۔'' اس نے پہلے سے زیادہ سنجیدگی سے کہتے ہوئے حدید کو مزید پریشانی میں دھکیل دیا۔

''لیکن کیوں؟'' اس نے الجھ کر پوچھا شاہنواز نے پیپر ویٹ اور تیزی سے گھمانا شروع کر دیا۔

''کوئی وجہ بھی تو ہو۔'' حدید نے پھر کہا۔

''ہے۔'' شاہنواز نے فقط اتنا کہا۔

''کیا؟'' ایک لفظ میں اس سے زیادہ مربوط سوال اور کیا ہو سکتا تھا۔

''حنان کی منگیتر۔'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد شاہنواز نے کہا۔

''کیا وہ اچھی لڑکی نہیں ہے؟''

شاہنواز نے بے ساختہ گھومتے ہوئے پیپر ویٹ پر اتنی زور سے ہاتھ مارا کہ ٹیبل کا شیشہ دور تک تڑختا چلا گیا۔

''اس سے زیادہ اچھی لڑکی اس پوری دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔'' اس نے سختی سے کہا۔

''اور سچ تو یہ ہے کہ اس جیسی اچھی لڑکی حنان جیسا عیاش اور بدکردار انسان ڈیزرو نہیں کرتا۔'' اس کے لہجے میں سے جیسے آگ کی لپٹیں نکل رہی تھیں۔

حدید اتنا متعجب تو اس کی فرمائش سن کر بھی نہیں ہوا تھا جتنا اسے شاہنواز کے اس ردعمل نے حیران کیا۔ وہ کچھ نہ سمجھ میں آنے والی کیفیت کے تحت کبھی ٹیبل کے تڑخے ہوئے شیشے کو تو کبھی شاہنواز کی پیشانی پر تنی ہوئی رگوں کو دیکھ رہا تھا۔

وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرائے جیسے خود بھی کسی دقت میں گرفتار تھا۔ چند منٹ بعد اس نے آہستگی سے کہنا شروع کیا۔

''مجھے کچھ روز پہلے پتا چلا ہے کہ حنان نے اپنی پرانی دلچسپیاں پھر سے ڈھونڈ لی ہیں۔ وہ ڈرگز پھر سے لینے لگا ہے وہ پھر سے انہی لوگوں کی کمپنی میں رہنے لگا ہے جن کے ساتھ کچھ عرصہ قبل رہتا تھا صرف یہی نہیں اس نے گیتی آرا نام کی اس کال گرل کو بھی یہاں بلوا رکھا ہے جس کے بارے میں تم نے مجھے بتایا تھا۔''

''گیتی آرا......؟''

''ہاں...... مجھے رضوی نے بتایا کہ وہ لڑکی گیتی آرا ہے میں نے اگر ان دونوں کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہوتا تو کبھی یقین نہ کرتا۔''

حدید خاموش رہا۔

''تمہیں حیرانی نہیں ہوئی...... بتاؤ اس معاملے میں کچھ کر سکتے ہو۔''

''حیرانی ہوئی ہے۔'' حنان نے کہا۔

''لیکن حنان کے بارے میں جان کر نہیں وہ تو ہمیشہ سے ایسا ہی ہے ہمیشہ سے اس کی صحبت خراب رہی ہے وہ ہمیشہ سے الٹے سیدھے ایڈونچرز کرتا ہے حتیٰ کہ ہمیشہ ہی وہ لڑکیوں کی زندگیاں انہیں محبت کے جھانسے دے کر خراب کرتا رہا ہے اس دفعہ شرعی طریقے سے برباد کرنے لگا ہے۔ حیرانی تو مجھے تم پر ہو رہی ہے، آخر ایک انجان لڑکی کے لیے تم اتنے ایموشنل اور ایگریسو ہو رہے ہو؟'' حدید نے لاپروائی سے بولتے بولتے یکدم جیسے اس کی نبض پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ جذباتیت ایک جذباتی انسان کو اتنا شرمندہ نہیں کرتی ہو گی جتنا ایک سلجھے ہوئے انسان کو کر سکتی ہے۔

شاہنواز بے ساختہ گلاس وال کے پاس جا کھڑا ہوا جو مین روڈ کا منظر دکھاتی تھی۔

''حنان کی زندگی میں سینکڑوں لڑکیاں آئیں سینکڑوں گئیں۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں تم صرف اسی لڑکی کے معاملے میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہو؟'' حدید نے جرح کا آغاز کیا۔۔

''کوئی خاص وجہ نہیں ہے حدید؟'' شاہنواز نے اپنے تاثرات چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''وہ میرے ایک مرحوم دوست کی بہن ہے پھر اس نے کچھ عرصہ میرے ساتھ کام کیا ہے جتنا میں اسے جانتا ہوں تو وہ ایک اچھی لڑکی ہے میرا دل کہتا ہے کہ اس اچھی لڑکی کو حنان کی وجہ سے برباد نہیں ہونا چاہیے۔''

''کیا صرف یہی وجہ ہے؟''

''ہاں۔''

''آر یو شیور۔'' حدید نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

''ہاں۔''

''جھوٹ بول رہے ہونا۔'' حدید کا لہجہ پریقین تھا اور اس بار شاہنواز تھک گیا۔

''ہاں۔'' اس ٹھنڈی اور تھکی ہوئی گہری سانس میں اس کی ہار کا اعتراف تھا۔

ان دونوں کے مابین خاموشی کا طویل وقفہ حائل ہوا پھر حدید نے تاسف سے کہ ''گھامڑ آدمی! تم پہلے نہیں بول سکتے تھے؟'' اس کے لہجے میں غصہ بھی تھا۔

''پہلے بولتا تو کوئی فائدہ نہ ہوتا۔'' شاہنواز نے آہستگی سے کہتے ہوئے کندھا شیشے کی دیوار سے لگا کر ایک نظر اسے دیکھا۔

''وہ میری قسمت میں ہی نہیں تھی۔'' اس کے لبوں پر پھیکی استہزائیہ ہنسی تھی اور لہجے میں لاحاصلی کا کرب۔

''ایک بار کوشش تو کی جاسکتی تھی۔'' حدید نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔ شاہنواز لب بھینچ کر رہ گیا پھر دھیمے لہجے میں بولا۔

''ہاں میں نے سوچا تھا...... انگلینڈ سے واپسی پر...... مگر یار مجھے کیا پتا تھا۔ بعض اوقات ہم خود ہی اپنی خوشیوں کے راستے میں حائل ہو جاتے ہیں۔ غلطی ہو جاتی ہے یار! تمہیں پتا ہے میں کتنا اکیلا انسان ہوں۔ بڑی مدت سے سارے چھوٹے بڑے فیصلے خود ہی کیے خواہ وہ صحیح ہوں یا غلط...... اب بھی کوئی صلاح دینے والا نہیں تھا۔'' وہ خود اپنا مذاق اڑا رہا تھا۔

''کیوں میں مر گیا تھا؟'' حدید نے تڑخ کر کہا۔

''کیا میرے گھر والوں سے تمہارا کوئی رشتہ کوئی تعلق نہیں تھا۔ تم ایک بار کہتے تو سہی میرے پیرنٹس تمہارا پرپوزل لیکر جاتے ہر کام تھرو پراپر چینل ہوتا تو وہ لوگ کسی قیمت پر انکار نہ کرتے۔ مگر تمہارے دماغ میں تو چھوٹے چھوٹے ٹین ایجرز کی طرح آئی لو یو کہنے کی رسم نبھانے کا خناس بھرا ہوا تھا۔ حد ہو گئی شاہنواز ملک کم سے کم تم سے تو مجھے یہ توقع نہیں تھی۔''

''اب شرمندہ تو نہ کرو یار۔'' وہ سچ مچ شرمساری سے پانی پانی ہوتے ہوئے بولا۔ حدید شدت غیض سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''تمہیں تو جوتے پڑنے چاہئیں۔'' بالکل مولا جٹ اسٹائل تھا۔

''مجھے تم پر اتنا غصہ آرہا ہے کہ شاید ٹھیک سے بیان بھی نہ کرسکوں ایک بار مجھ سے کہا تو ہوتا اس لڑکی کو تمہاری زندگی میں لانے کے لیے کچھ بھی کر گزرتا مگر...... مگر تم...... تمہیں تو میری دوستی اور محبت پر بھروسہ ہی نہیں تھا۔''

''واہ واہ...... سبحان اللہ۔'' حدید نے تو منٹوں میں ہی امیتابھ اور دھرمیندر کی یاد دلا دی۔ یوں محسوس ہوا انیس کی دہائی کی کسی فلم کا سیٹ لگا ہے ایک دوست دوسرے کے سامنے اپنی محبت کا اظہار کر رہا ہے۔ شاہنواز اش اش کر اٹھا لیکن اسے دیکھ کر جو خیال دماغ میں آرہا تھا اس کا اظہار کر کے حدید کو مزید خفا تھوڑا ہی کرنا تھا۔ لہٰذا نہایت سنجیدگی سے مگر شرارت بھرے لہجے میں بولا۔

''معاف کردو یار! تمہاری دوستی پر تو خیر مجھے ہمیشہ بھروسہ رہا ہے لیکن ان دنوں میرے دماغ نے ٹھیک مشورے دینا بند کر رکھے تھے تم بھی کراچی میں تھے۔ عقل والا مشورہ آتا بھی تو کہاں سے۔''

حدید نے غضبناک نظروں سے گھورا۔

''شٹ اپ۔''

''جو آپ کا حکم، لیکن اس سے پہلے تمہیں اپنا موڈ ٹھیک کرنا ہوگا اور مدد کا وعدہ کرنا ہوگا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کرسی سنبھال لی۔

''تمہاری سزا تو یہی ہونا چاہیے کہ ساری زندگی اسے اپنی بھابھی بنا دیکھو اور ٹھنڈی آہیں بھرتے رہو۔'' حدید نے تڑک کر کہا۔

''دل پر پتھر رکھ کر یہ دونوں باتیں برداشت کرلوں گا مگر شرط یہی ہے کہ یا تو حنان سے اس کی شادی نہ ہو اور اگر ہو تو حنان کے راہ راست اختیار کر لینے کی کوئی پراپر گارنٹی ہو۔'' اس نے سادگی سے کہا۔

حدید خاموش رہا۔

''حدید! کچھ تو بولو یہ کیا مراقبے میں چلے گئے ہو۔''

''مجھے سوچنے دو۔''

''سوچنے کے لیے ایک گھنٹہ کافی رہے گا؟'' شاہنواز نے بے چینی سے پوچھا۔

''تم تو یوں پوچھ رہے ہو جیسے مجھے لوگوں کی شادیاں رکوانے کا بڑا تجربہ ہے اور میں دن رات یہی کام کرواتا رہتا ہوں جو جلد از جلد کوئی آئیڈیا تمہارے سامنے رکھ دوں۔'' وہ اور بھی بھڑک کر بولا۔ شاہنواز نے اس بار خاموش رہنا مناسب سمجھا۔

''تم ایسا کیوں نہیں کرتے۔'' چند لمحے بعد حدید نے پرسوچ انداز میں کہا۔

''کہ حنان کی ساری حقیقت ثانیہ کو بتا دو۔ تمہاری بات کی تصدیق کردوں گا میں...... اب وہ لڑکی اتنی عقلمند تو ضرور ہوگی کہ اپنے لیے صحیح اور غلط کا فیصلہ کرلے۔ اس کا یہ فائدہ بھی ہوگا کہ ہم دونوں پر کوئی حرف نہیں آئے گا اور......''

''بیڈ آئیڈیا......'' ابھی حدید بول ہی رہا تھا کہ شاہنواز نے مایوسی سے کہا۔

''ثانیہ میری کسی بات پر کسی قیمت پر یقین نہیں کرے گی۔''

''وجہ؟''

شاہنواز نے ایک نظر اسے دیکھا پھر پوائنٹر سے سر کھجاتے ہوئے دھیمی آواز میں بولا۔

''یار! بہت ہرٹ کیا ہے میں نے اسے۔''

''محبت کے خواب دکھا کر مکر گئے تھے کیا؟''

''یہ بھی کیا ہوتا تو اتنی شرمندگی نہ ہوتی۔'' اس نے منہ بنا کر کہا۔

''کسی بات پر بحث ہوگئی تھی ہماری، کچھ الٹا سیدھا نکل گیا میرے منہ سے، مجھے یقین ہے اس کے اختیار میں ہوا تو وہ کبھی دوبارہ میری شکل نہیں دیکھے گی۔''

”شاباش۔“ حدید کا بس نہیں چلا کہ اس کے سر پر کچھ دے مارے۔

”جو بات کہنے میں جلدی کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا وہ کہنے میں اتنی تاخیر کردی کہ تمہاری خوشیاں کوئی اور لے اڑا اور بات نہیں کہنا چاہیے تھی اسے کہنے میں اتنی جلدی دکھائی......شاہنواز! شاہنواز......میں سمجھ نہیں پا رہا تمہارے اس کارنامے پر تمہیں کیسے خراج تحسین پیش کرنا چاہیے۔“

”حدید یار طنز پھر کر لینا۔“ شاہنواز نے بے چارگی سے کہا۔

”فی الحال اس مسئلے کا کوئی حل بتاؤ۔“

”ہاں حل بتاؤ۔“ حدید نے جھپٹنے والے انداز میں فائل اٹھائی۔

”تم نے واقعی مجھے شادیاں رکوانے والا سمجھ لیا ہے گو کہ میرا ضمیر مجھے اس چیز کی اجازت نہیں دیتا کہ میں کسی کی شادی میں رکاوٹ ڈالوں......مگر میں کیا کروں تمہاری محبت میں مجھے یہ گھٹیا کام بھی کرنا پڑے گا۔“ اس نے ہزار احسان جتاتے ہوئے کہا۔

”اور یہ کام اتنا آسان بھی نہیں ہے جتنا آسان بظاہر لگ رہا ہے۔ اچھی خاصی لمبی چوڑی پلاننگ کرنا پڑے گی اور اس مقصد کے لیے مجھے بہت سوچنا پڑے گا۔ آخر فساد ڈلوانا کوئی معمولی کام تھوڑا ہی ہے۔“ وہ بڑبڑاتا ہوا آفس سے نکل گیا۔

اور شاہنواز نے بڑی دیر بعد کھل کر متبسم و پرسکون سانس لیا کیونکہ اسے یقین تھا حدید اب کوئی نہ کوئی حل ضرور نکال لے گا۔

ناول **بساط دل** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات آپ آنے والی ان تاریخوں (15th, 20th, 25th) میں پڑھ سکیں گے۔

سوہنی ڈائجسٹ کے قارئین کے لیے......لکھا گیا فرحین اظفر کا خوبصورت ناول

ردائے وفا

اس ناول کی اقساط ایک ماہ میں دوبار (15 دن بعد) سوہنی ڈائجسٹ پر پیش کی جائیں گی۔

SohniDigest.com

اس صبح، جب دھوپ دیواروں پر سے رینگتی صحن میں اتر رہی تھی مومنہ فاروق عرف منی نے پالتو بکریوں کے آگے چارہ ڈالتے ہوئے امی سے گل بانو کے گھر جانے کی اجازت طلب کی تھی جس کے جواب میں اسے سختی سے ٹوک دیا گیا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے اس کے گھر جانے کی۔ بلکہ کہیں راستے میں بھی نظر آئے تو ''سہیلی پنا'' تازہ کرنے نہ کھڑی ہو جانا۔''

''لیکن کیوں امی...... اتنے دن ہو گئے ہیں ہمیں گاؤں آئے۔ مگر ایک بھی دن میں ان سے نہیں مل سکی۔'' اس نے احتجاجاً کہا۔

''ہاں تو کوئی اس سے ملاقات کر لینے سے نعوذ باللہ تمہارا مذہب تازہ نہیں ہو جائے گا جو اتنی بے چین ہو رہی ہو۔'' امی نے غصہ سے کہا۔

''لیکن امی......'' وہ الجھ سی گئی۔

''اب دوبارہ میرے سامنے اس کا نام مت لینا۔ ایسی عورتوں سے تو دور ہی رہا جائے تو بہتر۔''

''ایسی عورتیں...... کیسی عورتیں...... وہ بے چاری تو اتنی بے چاری سی ہے خود آپ کی بھی کتنی دوستی تھی ان سے۔'' منی نے یاد دلایا امی کو پتنگے لگ گئے۔

''وہ دوستی نہیں بے وقوفی تھی میری اور وہ بے چاری کتنی بے چاری ہے اچھی طرح جان گئی ہوں میں...... اس لیے تم اس کی طرف داری نہ کرو بلکہ اس کا ذکر بھی نہ کرو۔''

منی کو لگا اس کے سامنے دادی کھڑی ہیں۔ وہ بھی اسی طرح سے اظہار خیال کیا کرتی تھیں گل بانو کے بارے میں۔

''امی! انہیں ہماری ضرورت ہے آپ نے شاید دیکھا نہیں ہے کیسی پاگل سی ہوئی پھر رہی ہیں۔۔۔ سنا ہے جب سے ان کا بھائی شہر منتقل ہوا ہی ان کی یہی حالت ہے۔''

''بس اب تم میرا منہ نہ کھلواؤ...... ہر بات تمہیں بتانا ضروری بھی نہیں ہے۔ یہی پاگل پن کے ڈرامے کر کر کے اس نے آدھا گاؤں پیچھے لگا رکھا ہے۔ ایسی تو ڈرامہ باز ہے۔ بس تم کو کہہ دیا، تم نہیں جاؤ گی اس سے ملنے۔''

امی کے اس قدر سختی برتنے پر وہ حیران ضرور تھی مگر اس نے سوچا جب تک امی کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہو جاتا یہ قصہ نہ ہی چھیڑے۔ لیکن دوپہر میں جب امی ستانے کے لئے لیٹیں تب وہ خنک کمرے سے نکل کر صحن میں لگے نلکے تک وضو کرنے کے ارادے سے آئی تھی کہ اس نے دیکھا گل بانو دونوں گھروں کے درمیان سانجھی دیوار پر سے ادھر جھانک رہی ہے۔

''اے...... ششش۔'' وہ اسے دیکھتے ہی متوجہ کرنے لگی منی نے احتیاط سے اپنے پیچھے دروازہ بند کیا اور دبے قدموں دیوار تک چلی آئی۔

''آپ اتنی سخت دھوپ میں دیوار پر کیوں چڑھی بیٹھی ہیں؟'' اس نے آواز دبا کر پوچھا۔

''منی، کچھ کھانے کو مل سکتا ہے۔'' گل بانو نے اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے عجلت میں پوچھا۔اس کی رنگت اڑی اور ہونٹوں پر سخت قسم کی پپڑیاں جمی تھیں۔

''میں نے تین دن سے کچھ نہیں کھایا۔ اگر رات کی باسی روٹی بھی ہے تو اچار کی پھانک کے ساتھ دے دو۔ ورنہ شاید آج میں مر جاؤں۔'' وہ منت آمیز لہجے میں کہہ رہی تھی۔ ''آدھی روٹی ہے تو وہی دے دو۔ میں تمہاری احسان مند رہوں گی۔'' منی کو متذبذب دیکھ کر اس نے کہا۔

اور منی جو سچ مچ اسے ٹالنے کا کوئی بہانہ سوچ رہی تھی ایک دم پسپا ہوگئی۔

''میں آپ کے لئے کھانا لے کر آتی ہوں، بلکہ آپ ایسا کریں دیوار سے ہٹ جائیں میں کھانا لے کر آپ کے گھر آتی ہوں مگر دیوار کے ساتھ رکھی میز نہ ہٹانا میں دیوار پھلانگ کر آتی ہوں۔''

اس نے جلدی جلدی کہتے ہوئے گل بانو کو وہاں سے ہٹایا پھر احتیاط سے کمرے میں جا کر تسلی کی۔ امی تقریباً سو چکی تھیں۔ اس نے باورچی خانے میں آکر ٹرے تیار کی۔ ٹینڈوں کا سالن تھا۔ آدھی روٹی ہاٹ پاٹ میں رکھی تھی اور کل رات کے چاول فریج میں تھے۔ اس نے سب چیزیں ٹھنڈی ہی پلیٹوں میں نکالیں اور دیوار پھلانگ کر گل بانو کی طرف آگئی۔ میز پر مضبوطی سے پیر جما کر دیوار پر رکھی ٹرے اٹھائی اور اس کمرے کی طرف آگئی جہاں گل بانو کی موجودگی کا سو فیصد امکان تھا۔

وہ چارپائی پر بیٹھی اس کی منتظر تھی۔ اسے اندر آتا دیکھ کر تیزی سے اس کی طرف لپکی اور وہیں زمین پر بیٹھ کر ندیدوں کی طرح کھانے لگی۔ منی نے اسے ٹوکنا چاہا۔ پھر لاشعوری طور پر کمرے کا جائزہ لیا جس کی حالت صحن جیسی ہی تھی۔ در و دیوار سے ویرانی و وحشت لپٹی تھی جبکہ بکھراوا جی بھر کر تھا۔

منی نے وہیں سے پلٹ جانا چاہا مگر گل بانو نے روک لیا۔

''کچھ دیر تو رکو۔''

''نہیں پھر آؤں گی......امی کو بتائے بغیر آئی ہوں۔''

''اونہوں......اب گئی تو پھر نہیں آؤ گی۔'' اس کا لہجہ پر یقین تھا۔ ''اسما میرے پاس آنے سے روکتی ہے ناں۔''

منی کو یاد آیا وہ اس کی امی کو آپا کہتی تھی لیکن اس کے اس قدر درست اندازے پر اتنی زور کا حیرانی کا جھٹکا لگا کہ باقی ہر بات بھول گئی۔

''آ......آپ کو کیسے پتا؟''

''تبھی تو تم ملنے نہیں آئیں۔'' وہ ہنس دی۔ ''اتنے دن ہوگئے واپس آئے مگر ایک بار بھی تم مجھ سے ملنے نہیں آئیں۔''

''میں نہیں آئی تو آپ ہی آجاتیں۔'' اس نے شکوہ کر ڈالا وہ ترنت بولی۔

”میں نہیں آسکتی...... مجھ پر پابندی ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”کچھ نہیں۔“ وہ جیسے ہوش میں آئی۔

”کھانے کے لیے شکریہ میں واقعی دو دن سے بھوکی تھی۔“

”اس میں شکریہ کی کیا بات ہے۔ مجھے شرمندہ نہ کریں۔“

”شرمندگی تو میرا مقدر ہے۔“ وہ بڑبڑائی پھر گہری سانس بھر کر بولی۔

”سنو منی! ایک احسان اور کرو مجھ پر، مجھے کچھ روپے چاہئیں۔“

”کتنے؟“

”دو ہزار۔“

”دو ہزار۔“ اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں پھر شرمندگی سے بولی۔

”اتنے تو نہیں ہیں میرے پاس۔“

”اچھا۔“ وہ مایوس نظر آئی۔

”تمہارے پاس جتنے ہیں اتنے ہی دے دو۔ میں کام چلا لوں گی اور جلد واپس کر دوں گی۔ یہ وعدہ ہے میرا۔ دراصل گھر میں کھانے کی ایک چیز نہیں ہے۔ بھابی جاتے ہوئے سارا باورچی خانہ صاف کر گئیں اور میرے پاس راشن کے لیے ایک روپیہ بھی نہیں ہے۔“

”اجمل بھائی نے آپ کو کچھ نہیں دیا۔“ اس کے ذہن میں فوراً سوال آیا۔

”وہ کیوں دیتے۔ تب میں خود کماتی تھی۔“

”تھی سے کیا مراد ہے۔“

”میں نے نوکری چھوڑ دی۔“ اس نے سر جھکا کر جواب دیا۔ گویا غلطی کا اعتراف کیا۔

”لیکن کیوں...... وہ تو سرکاری نوکری تھی اور سرکاری نوکری کے تو بڑے فائدے ہوتے ہیں۔“ اسے سخت صدمہ پہنچا تھا۔

”زمانے بھر کے خسارے ہماری قسمت میں لکھے گئے ہیں مومنہ! میں کہاں تک فوائد کے پیچھے بھاگوں۔“ وہ یکدم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ”اور یہ سب اس کی وجہ سے ہوا ہے۔ شاہنواز کی وجہ سے، اس نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا سارے نقصان مجھے سونپ کر خود فرار ہو گیا بزدل، دھوکے باز۔“ اتنا روئی کہ مومنہ کے لیے اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

”اتنا ہی بڑا دھوکے باز تھا تو اسے بھول کیوں نہیں جاتیں آپ۔“ اس نے تڑپ کر پوچھا۔

’’نہیں بھول سکتی......نہیں بھول سکتی۔‘‘ وہ بلکنے لگی۔

’’اس کی یادیں میرے لیے سانس لینے جیسی ضروری ہیں۔ کیسے بھول جاؤں......تم بتاؤ کوئی سانس لیے بغیر زندہ رہ سکتا ہے...... خواب بن کر میری آنکھوں میں بس رہا ہوتا تب بھی بھول جاتی......وہ تو خون بن کر میری رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ کیسے بھول جاؤں اسے۔‘‘

مومنہ اسے ترحم سے دیکھتی رہی پھر جب اس کی حالت ذرا قابو میں آئی تو بولی۔

’’میں چلتی ہوں باجی جی۔ امی کی آنکھ کھل گئی تو مجھے نہ پا کر غصہ کریں گی۔‘‘

’’ہاں تم بھی چلی جاؤ......سب مجھے اکیلا چھوڑ دو......اس کے بغیر زندہ ہوں تو سب کے بغیر رہ لوں گی۔ دفع ہو جاؤ......سب چلے جاؤ۔‘‘ وہ ہسٹریک انداز میں چیخنے لگی اور برتن اٹھا کر دور پھینک دیے۔

مومنہ کو پہلے ہی گھر کی ویرانی سے وحشت ہو رہی تھی اب تو بالکل ہی خوفزدہ ہو کر بھاگی تو پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔

☆......☆......☆

’’مجھے ایک بات اب تک سمجھ نہیں آ رہی۔ یہاں آ کر تم لوگوں نے صرف چہل قدمی ہی کرنی تھی تو اس مقصد کے لیے کوئی پارک زیادہ مناسب رہتا۔ مارکیٹ آنے کی کیا ضرورت تھی؟‘‘ ٹھنڈے ٹھار لہجے میں طنز کرتے ثانیہ کی ہمت جواب دے گئی تھی۔

’’ڈھائی گھنٹے سے ہم مارکیٹ میں خوار ہو رہے ہیں مگر مجال ہے جو کوئی ایک بھی چیز خریدی گئی ہو۔ کراکری کی دکان پر گئے تو خالی ہاتھ آ گئے۔ سوٹ ایک بھی پسند نہیں آیا......کوئی مجھے یہ بتا دو آخر وہ کون سے شاہکار ہیں جن کی تم لوگوں کو تلاش ہے۔‘‘ اس نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

’’کمال ہے......اب ہم صرف اس لیے تو کوئی بھی چیز نہیں خرید سکتے نا کہ ثانیہ بی بی کا موڈ نہیں ہے۔ یا انہیں چھان پھٹک کر خریداری کرنے سے اکتاہٹ ہو رہی ہے۔‘‘ شفق نے لاپروائی سے کہا۔

’’اور نہیں تو کیا۔‘‘ نرمین نے شفق کی ہاں میں ہاں ملائی۔

’’اور ثانی آپی! آپ تو پلیز خاموش ہی رہیں، شفق کی شادی میں بھی ہمیں اپنے شوق پورے کرنے کا موقع نہیں ملا یوں سمجھیں ساری کسر آپ کی شادی میں پوری کرنا ہے اچھے اچھے کپڑے بنانا ہے، میچنگ جیولری اور شوز اور ہاں آپی! مجھے تینوں فنکشنز کے لیے ڈریسز کے ساتھ میچنگ پرس بھی چاہئیں......اور ابھی تو دولہا بھائی کے لیے خوب ایکس پینسو اور امیرانہ گفٹ بھی خریدنے ہیں۔‘‘

’’یہ امیرانہ گفٹ کیسے ہوتے ہیں......ذرا وضاحت فرماؤ۔‘‘

وہ لوگ ایک بوتیک کے باہر کھڑی تھیں اور شفق ڈسپلے کیے ہوئے ڈریسز کو خوب غور و خوض سے دیکھ رہی تھی۔

’امیرانہ گفٹ وہ ہوتا ہے جس پر پہلی نظر ڈالتے ہی پتا چل جائے کہ اس کی قیمت بہت زیادہ ہوگی۔‘‘

نرمین نے یوں جواب دیا جیسے کوئی محقق برس ہابرس کی تحقیق کے بعد اپنی تحقیق کا نچوڑ پیش کرتا ہے۔

''اچھا......واقعی۔''شفق خاصی متاثر نظر آئی۔

''پھر تو تحفے میں ایک ہاتھی کا بچہ خرید لیتے ہیں۔ ہاتھی کا بچہ بھی سائز میں اتنا بڑا ہوتا ہے کہ اس کے متعلق کوئی کہہ ہی نہیں سکتا کہ یہ کم قیمت ہے۔ کیوں ثانی؟''

''ہاں کیوں نہیں۔'' ثانی کے لہجے سے شیرینی ٹپک رہی تھی۔

''ساری جمع پونجی میری شادی میں لگا دو باقی تین کو ہمیں بیاہنا تھوڑا ہی ہے، ساری زندگی ماں کے گھر بٹھائے رکھنا ہے۔'' لہجہ ابھی بھی شیریں تھا لیکن کہنے والی بے وقوف تھی نہ سننے والی۔ نرمین کا منہ بن گیا دبی آواز میں بولی۔

''یہ اطلاع سارے زمانے تک پہنچانا ضروری ہے؟؟؟ چلو شفق! ہم وہ سامنے والی شاپ سے کچھ جیولری پسند کر لیتے ہیں۔ ساٹھ ستر ہزار میں ہمیں کوئی سستا سا سیٹ مل ہی جائے گا۔''

نرمین نے مسکرا کر قریب کھڑی خاتون کو دیکھا اور پھر دونوں بہنیں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے جیولری شاپ کی طرف چل دیں۔ خاتون کا حیرانی سے کھلا منہ کچھ اور کھل گیا اور اسی کیفیت میں ثانیہ کی جانب دیکھا۔ ثانیہ جھنجھلاتی ہوئی ان دونوں کے پیچھے لپکی اور پیر پٹخ کر بولی۔

''نرمین......''

''آ......''شفق کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا اور اس میں سے عجیب نا قابل فہم سی آوازیں برآمد ہونے لگیں۔

ثانیہ اور نرمین نے تعجب سے اسے دیکھا اور کان لگا کر ان آوازوں کا مفہوم سمجھنے کی کوشش بھی کی مگر......

''تمہیں کیا ہوا ہے شفق؟ میں نے تو نرمین کو آواز دی تھی، تم نے اتنی خوفناک شکل کیوں بنالی ہے اور سنو یہ منہ تو بند کر لو پلیز منہ میں مکھی چلی گئی تو بھرے بازار میں ایک اور تماشا ہوگا۔''

''مم......میرا پاؤں؟''

''چپل اسٹور میں تو نہیں بھول آئیں۔'' خاصی پریشانی سے دریافت کیا گیا۔

''میرے پاؤں سے اپنا پاؤں ہٹاؤ بے وقوف۔''شفق تکلیف سے دوہری ہوئی جا رہی تھی۔

ثانیہ بدک کر دو فٹ دور اچھلی۔

''بیڑہ غرق ہو ثانیہ......میرے پاؤں کا ستیاناس کر دیا ہے۔'' وہ پیر پر جھکی واویلا مچا رہی تھی۔

''لیکن......لیکن میرا پاؤں تو تمہارے پاؤں پر آیا ہی نہیں۔ پھر تم اتنا چلا کیوں رہی ہو۔'' اس نے وثوق سے کہتے ہوئے حیرانی سے شفق کو دیکھا۔

"یعنی آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ شفق جھوٹ بول رہی ہے۔" نرمین نے خفگی سے اسے دیکھا۔

"ایک تو اس بے چاری کا پاؤں مسل دیا اوپر سے دروغ گوئی کا الزام...... بہت غلط بات ہے آپی۔"

"واقعی غلط بات ہے اور میں تمہاری یہ گستاخی بھی معاف نہیں کروں گی ثانیہ۔" شفق روہانسی ہو کر بولی۔

ثانیہ نے تیوری چڑھا کر دونوں کو باری باری گھورا۔

"تم دونوں اپنا ڈرامہ بند کرو اور گھر چلو...... مجھے امی سے بہت ضروری بات کرنا ہے۔"

"ایک تو پاؤں مسل دیا اور اب اسے ڈرامہ کہہ رہی ہو۔ تم بہت خراب ہو ثانیہ!"

"اچھا بابا معاف کرو مجھے اور گھر چلو۔" وہ بے زاری سے بولی۔

"جی نہیں ابھی ہمیں جیولری بھی لینا ہے۔ میں تو کہتی ہوں تم بھی اپنے لیے کچھ پسند کر لو۔"

"شفق پلیز مجھے واقعی امی سے بہت ضروری بات کرنا ہے۔"

اچھا ناں...... گھر جائیں گے تو بات کر لینا۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔

"اچھا صرف آدھا گھنٹہ اور۔۔۔ میرا پاؤں مسلنے کی کچھ سزا تو ملنی چاہیے تمہیں۔" وہ شرارت سے مسکرائی۔

"یہ بریسلیٹ دیکھو کتنا نفیس ہے تمہاری کلائی میں بہت اچھے لگے گا۔" ثانیہ نے بریسلیٹ کی طرف کیا دھیان دینا تھا نرمین اور شفق کو دیکھنے لگی۔ کتنی خوش اور مطمئن لگ رہی تھیں دونوں۔ کتنا شوق و دلچسپی جھلکتی تھی ان کے ہر عمل میں، یوں لگتا تھا مدتوں بعد حبس کا موسم ٹلا ہے اور کھل کر سانس لینے کی نوید ملی ہے۔

"زندگی میں خوشیوں کی عمر ویسے بھی کم ہوتی ہے۔ میں کیسے ان کی خوشیوں کی لو بجھا پاؤں گی؟ یااللہ میری مدد فرما۔"

اس نے گہری سانس بھرتے ہوئے بریسلیٹ کلائی میں پہن لیا۔ سفید نگینوں سے سجا بے حد نازک سا بریسلیٹ تھا اسے اچھا لگا، کلائی ایک دم سج سی گئی تھی لیکن جب پرائز ٹیگ پر نظر پڑی تو جیسے ہوش ٹھکانے آ گئے اس نے اسی وقت بریسلیٹ اتار کر احتیاط سے ایک طرف رکھ دیا۔

"کیا ہوا...... پسند نہیں آیا؟"

"پسند تو آیا ہے۔" وہ مسکرائی۔

"تو پھر لے لو اپنے جہیز میں رکھنا۔" شفق نے کہا۔

"پسند آنے کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ ساڑھے تین ہزار اس معمولی سے بریسلیٹ پر ضائع کر دوں۔" اس نے قطعیت سے کہا۔

"یہ دیکھو...... یہ والا بریسلیٹ اس والے سے کہیں زیادہ خوبصورت اور ہمارے بجٹ کے عین مطابق صرف ڈھائی سو روپے۔"

اس نے ہنستے ہوئے بریسلیٹ کلائی میں پہن لیا اور شفق کے سامنے کرتے ہوئے بولی۔ ''دیکھو......اچھا لگ رہا ہے ناں۔''

''برا لگ ہی نہیں سکتا لیکن میں فیصلہ نہیں کر پا رہا یہ بریسلیٹ خوبصورت ہے یا آپ کے ہاتھ میں لگ رہا ہے۔'' شاہنواز نے سادگی سے کہا ثانیہ کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

وہ اس سے چند قدموں کے فاصلے پر وہاں کھڑا تھا جہاں چند لمحے قبل شفق کھڑی تھی جبکہ شفق کئی قدموں کے فاصلے پر کھڑی حدید سے باتیں کر رہی تھی۔

ثانیہ کے اعصاب تن گئے اور پیشانی پر ہلکی سی سلوٹ نمودار ہو گئی اس نے بریسلیٹ اتار کر سیلز مین کے سامنے شوکیس میں رکھا اور بنا شاہنواز پر دوسری نظر ڈالے نرمین سے ساتھ چلنے کا کہتی شفق کے پاس آ گئی۔

''شفق! گھر چلو امی انتظار کر رہی ہوں گی۔'' اس کا موڈ اس حد تک خراب ہو چکا تھا کہ حدید کے سلام کا جواب بھی رکھائی سے دیا اور شفق سے کہا۔

شفق نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بات جاری رکھی۔

ثانیہ کو یہ بات ختم ہو جانے تک کے چند لمحے بھی بڑے گراں گزر رہے تھے۔

''ہماری شاپنگ بھی مکمل ہو چکی ہے۔ اب آپ لوگ کہاں ٹیکسی کے انتظار میں خوار ہوں گی۔ آیئے ہم آپ لوگوں کو ڈراپ کر دیتے ہیں۔'' حدید نے کہا۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں شاپنگ بیگز تھے اور دونوں ہی آفس کے فارمل ڈریس کی بجائے سادہ حلیے میں نظر آ رہے تھے۔

''جی نہیں شکریہ......ہم ٹیکسی سے چلے جائیں گے۔'' اس سے پہلے کہ شفق حامی بھرتی ثانیہ نے سرعت سے کہا۔

شفق جو ہاں کہنے والی تھی جیسے اس کا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ یہ الگ بات کہ اس کا مایوس ہونا شاہنواز کی نظروں میں آ چکا تھا۔

''آپ فارمل نہ ہوں بھابھی! مجھے بھی تو اسی طرف جانا ہے۔ بلکہ آپ کی امی کا گھر تو میرے گھر سے بھی پہلے آ جاتا ہے۔'' اس نے کہا۔

''ارے یہ تو میں بھول ہی گئی تھی۔'' شفق نے خوش ہو کر کہا۔

''میں نے تمہیں بتایا تھا ثانیہ! شاہنواز بھائی کا گھر بھی اسی طرف ہے۔ چلو چلو ہم انہی کے ساتھ چلتے ہیں میں اتنا تھک چکی ہوں کہ ٹیکسی کے لیے مزید خوار نہیں ہوا جاتا۔''

ثانیہ کا بس نہیں چلا کہ شفق کی گردن ہی مروڑ ڈالتی۔

''شفق......ہم ٹیکسی سے چلے جائیں گے۔'' اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے شفق کو کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

''اوہو ثانیہ...... ٹیکسی والا شاہنواز بھائی سے زیادہ قابل اعتبار تو نہیں ہو سکتا۔ شاہنواز بھائی بالکل میرے بھائیوں کی طرح ہیں تم آ جاؤ پلیز۔''

شفق تیز تیز بولتی آگے چل دی۔ ناچار ثانیہ کو اس کی پیروی کرنا پڑی لیکن جو بات اپنے انداز سے وہ شفق کو سمجھانے میں ناکام رہی وہی بات شاہنواز کو بخوبی سمجھا دی تھی اور شاہنواز کے لیے اپنی ہنسی چھپانا مشکل ہو رہا تھا اور یہی بات ثانیہ کو اور زیادہ بے زاری و ناگواری میں مبتلا کر رہی تھی۔

اس کی ناگواری و بے زاری میں اس وقت اور اضافہ ہوا جب اس نے شاہنواز کو بیک ویو مرر خود پر مرکوز کرتے دیکھا۔

''کس قدر فضول انسان ہے یہ شخص...... اسے یہ بھی احساس نہیں کہ میرا اس سے کیا رشتہ بننے جا رہا ہے اور کچھ نہیں تو اس رشتے کے تقدس کا مان رکھتے ہوئے میری عزت کر لے لیکن وہ میری عزت کرے بھی تو کیوں؟ میں تو پہلے ہی ان کے نزدیک ناقابل بھروسہ لڑکی ہوں جو پیسے کے لیے شاید سب کچھ کر سکتی ہے۔'' دکھ کی بادِ سموم چلی تھی جو اس کا تن من جھلسا گئی۔

اس نے لب بھینچ کر اپنی نظریں تیزی سے گزرتے مناظر پر ٹکا دیں جبکہ دل کی سرزمین پر آنسو ٹپاٹپ گر رہے تھے اور وہ اس بات سے بے خبر تھی کہ کسی نے اس کی آنکھوں کے کونوں میں چمکتی نمی کا راز پا لیا ہے۔

☆......☆......☆

''شفق! تمہیں اس کی گاڑی میں بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی۔'' ثانیہ نے گھر کے دروازے پر ہی اس کے لتے لینا شروع کر دیے۔

''تو اس میں اتنا خفا ہونے کی کیا بات ہے۔ میں نے تو انہیں نہیں کہا تھا کہ وہ ہمیں گھر تک لفٹ دیں۔ تم نے دیکھا نہیں تھا شاہنواز اور حدید بھائی کتنا اصرار کر رہے تھے۔'' شفق نے اس کے ردعمل پر کسی قدر حیران ہوتے ہوئے کہا۔

''اصرار۔'' ثانیہ نے پھاڑ کھانے والے انداز میں کہا۔ ''اس نے ایک بار مروتاً کہہ دیا تم تو اس طرح بی ہیو کرنے لگیں جیسے کبھی گاڑی میں بیٹھی ہی نہیں ہو اور یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا تو دوبارہ کبھی موقع ہی نہیں ملے گا۔''

اب کی بار شفق کو برا لگا۔

''شاہنواز بھائی نے کوئی ایک بار کہا تھا؟ یہ نرمین بھی تو ساتھ تھی اس سے پوچھ لو۔''

''مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے نرمین کی گواہی کی۔'' دروازہ کشف نے کھولا تھا ثانیہ اسی طرح غصے میں بولتی اندر داخل ہو گئی۔ ''مجھے صرف اتنا پتا ہے ہمیں اس شخص کا احسان نہیں لینا چاہیے تھا۔ سارے شہر میں ٹیکسی، رکشوں کی ہڑتال تو نہیں ہو گئی تھی۔''

''انہیں کیا ہوا؟'' کشف نے نرمین سے پوچھا وہ کندھے اچکا کر رہ گئی۔ جبکہ نرمین نے اندر پہنچ کر پرس ایک طرف اچھالا چادر دوسری طرف۔

''اس میں احسان لینے والی کیا بات ہے۔ وہ مجھے بھابھی کہتے ہیں ایسا ہی رشتہ ان کا تم سے بھی بننے والا ہے۔ اگر لفٹ دے بھی دی تو کون سی قیامت آگئی۔'' شفق کی حیرانی اب جھنجھلاہٹ میں ڈھل رہی تھی۔

''وہ تمہارے زیادہ قریبی سسرالی رشتہ دار ہیں اور تمہیں تو اتنی بھی توفیق نہ ہوئی کہ ان سے سیدھے منہ بات ہی کر لو یا کم سے کم ان کا شکریہ ہی ادا کر دو۔'' وہ اب اس کی کوتاہیاں یاد دلا رہی تھی۔

''شکریہ۔'' ثانیہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''ویسے شاہنواز بھائی، حنان سے عمر میں چھوٹے ہیں یا بڑے؟''

ثانیہ کا دماغ جیسے پھٹنے والا ہو گیا۔

''مجھے صرف اتنا پتا ہے کہ اللہ نے مجھے جی بھر کے بے وقوف بہنوں سے نوازا ہے۔'' وہ غصے میں اٹھی اور کمرے میں جا کر دھاڑ سے دروازہ بند کر لیا۔ پھر پلنگ پر گر کر خود سے الجھتی رہی۔

''مجھ سے غلطی ہو گئی ہے زندگی میں تھوڑی سی سہولت کے خیال سے میں نے اتنا بڑا فیصلہ کر لیا۔ یہ خاندان مجھے کبھی عزت نہیں دے سکتا۔ ایک نے بیچ راستے میں میری ہتھیلی پر نوٹ رکھ کر مجھے سمجھا دیا کہ اس کے نزدیک میری حیثیت اس عورت سے زیادہ نہیں ہے جو اپنے وقت کی قیمت وصول کرتی ہے اور دوسرا......'' اس نے آنکھوں میں امنڈتی نمی کی کڑواہٹ اپنے حلق میں محسوس کی تو لب بھینچ کر سسکیاں روکنے لگی۔

''ثانی......'' پہلے دروازہ کھلنے کی ہلکی سی آواز آئی پھر شفق کی، ثانیہ نے مضبوطی سے تکیہ اپنے منہ پر رکھ لیا۔

''ثانیہ! اس میں ناراض ہونے والی کون سی بات ہے۔'' اس نے اپنے کندھے پر شفق کے ہاتھ کا دباؤ محسوس کیا اور اس کی قدرے شرمندگی میں ڈوبی آواز سنی۔

''ناراض ہونے کی تو پتا نہیں لیکن شرمندگی کی بات ضرور ہے۔ ہم کیوں کسی غیر کا احسان لیں۔'' تکیے کے اندر سے بوجھل سی آواز آئی۔

''وہ غیر تو نہیں ہیں۔'' شفق نے کمزور سے لہجے میں کہا کہ اسے سچ مچ ثانیہ کے ردعمل نے پریشان کر دیا تھا۔

''اچھا...... عادل کے سگے بھائی ہیں یا حنان کے؟'' اب کی بار تڑخ کر کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' شفق نے مصالحانہ انداز میں کہا۔

''تمہاری خوشی کے لیے میں مان لیتی ہوں کہ مجھ سے غلطی ہوئی مگر یہ غلطی اتنی سنگین تو نہیں ہے کہ تم ناراض ہو کر بیٹھ جاؤ۔'' اس کی جھلاہٹ چھپائے نہ چھپی تھی۔

''ویسے بھی میں نے سوچا زمین بھی ہمارے ساتھ ہے تو اچھا موقع ہے دونوں ایک دوسرے کو دیکھ لیں۔ مستقبل میں......''

"تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے ان دونوں کے بارے میں سوچنے کی...... دنیا میں سارے اچھے لڑکوں کا کال نہیں پڑا کہ ہم اپنی بہن کی شادی اسی سے کریں۔" ثانیہ نے غصے سے تکیہ دور اچھال دیا اور اٹھ بیٹھی۔

"لیکن کیوں...... اس روز تو تم تقریباً راضی تھیں...... ایمان سے ثانی! ان دونوں کی جوڑی بہت اچھی لگے گی۔"

"اس دن بھی میں راضی نہیں ہوئی بس تھوڑی سی آمادگی ظاہر کی تھی مگر اب میں سوچ رہی ہوں نرمین اس شخص سے شادی کے متعلق سوچنا بھی نہیں۔" اس نے قطعیت سے کہا۔ شفق نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"لیکن کیوں؟" اس نے الجھتے ہوئے پوچھا۔

"کیونکہ مجھے وہ پسند نہیں ہے اور جو شخص مجھے پسند نہیں ہے اس سے اپنی بہن کی شادی کا میں سوچ بھی کیسے سکتی ہوں۔" اس کا لہجہ خاصا جارحانہ تھا۔

"لیکن چند روز پہلے تک وہ تمہیں پسند تھا۔" شفق نے جھلا کر کہا۔

"اب پسند نہیں ہے۔" اس نے بے دردی سے اپنے بال سمیٹ کر جوڑے کی شکل میں ڈھالتے ہوئے کہا۔ "بلکہ تب بھی شاید مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟" شفق بے زار ہوئی پھر اس کے چہرے کو بغور دیکھ کر بولی۔ "تم روئی ہو؟"

"نہیں۔" ثانیہ نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ شفق خاموشی سے اسے دیکھتی رہی پھر آہستگی سے اٹھ کر اچانک اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور اپنی آنکھیں اس کے چہرے پر گاڑ دیں۔

"مجھے فوراً سے پیشتر بتا دو ثانی کہ معاملہ کیا ہے...... کیا وجہ ہے کہ ایک اچھے بھلے انسان کے متعلق تمہاری رائے بدل گئی ہے اور تم اسے ناپسند کرنے لگی ہو جبکہ تمہاری آنکھیں کچھ اور ہی کہہ رہی ہیں۔"

"شفق......" ثانیہ سٹپٹا کر رخ بدلنے لگی لیکن شفق نے ایسا کرنے نہ دیا۔

"کس قدر احمق لڑکی ہو تم...... میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے دل کو اچھی طرح ٹٹول لینا تاکہ بعد میں پچھتانا نہ پڑے۔"

"تو تمہارا کیا خیال ہے میں پچھتا رہی ہوں۔" ثانیہ نے جارحانہ انداز میں کہا۔

"مجھے یقین ہے۔" شفق تحمل سے بولی۔

"تم......" ثانیہ کے اعصاب جھنجھنا اٹھے۔ "شفق! تم شادی سے پہلے تو اس قدر احمقانہ گفتگو نہیں کرتی تھیں۔"

"ہاں...... یہ صلاحیت مجھے شادی کے بعد ملی ہے۔" شفق نے سابقہ تحمل کا دامن چھوڑے بنا ترنت جواب دیا۔ "اور مجھے یہ لگ

رہا ہے کہ تم خود کو باور کروانا چاہتی ہو کہ تم شاہنواز بھائی کو ناپسند کرتی ہو جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ تم شاہنواز بھائی کو صرف پسند ہی نہیں کرتیں بلکہ ان سے محبت کرتی ہو۔'' اس نے بڑے آرام سے آئینہ ثانیہ کے سامنے رکھ دیا تھا۔

''کسی کو پسند کرنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔'' اس نے قطعیت سے کہا۔

''تھوڑی دیر پہلے تک تو تم یہ بات بھی ماننے کو تیار نہیں تھیں کہ تم انہیں پسند کرتی ہو۔'' شفق نے بڑے آرام سے اس کے الفاظ پر گرفت کی۔ ثانیہ چند لمحے کے لئے کچھ بول ہی نہیں پائی۔

''تم یہاں سے جاؤ شفق! مجھے اکیلا چھوڑ دو۔''

''چلی جاؤں گی...... لیکن پہلے تمہیں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ تم شاہنواز بھائی سے محبت کرتی ہو اور اب اپنے غلط فیصلے پر پچھتا رہی ہو۔''

''اگر میں مان بھی لوں تو تمہیں کیا فائدہ ہوگا۔''

''مجھے فائدہ نہیں ہوگا لیکن یہ جو جھوٹ بول بول کر تم خود کو اذیت پہنچا رہی ہو ناں۔ تمہیں اس سے ضرور چھٹکارا مل جائے گا۔''

اچانک ثانیہ پلٹی۔ شفق کا ہاتھ پکڑ کر اسے کمرے سے باہر نکال دیا اور دروازہ بند کر کے لاگ لگا دیا۔ شفق دم بخود کھڑی رہی پھر اس نے بند دروازے کو ایک ٹھوکر رسید کی اور چیخ کر بولی۔

''میں اپنے گھر جا رہی ہوں اور دوبارہ یہاں کبھی نہیں آؤں گی۔''

ثانیہ نے اپنے کانوں پر خوب مضبوطی سے ہتھیلیاں جمالیں۔

''اذیت...... اذیت تو ہر حال میں میرا مقدر ہے شفق! خواہ میں اعتراف کروں یا نہیں...... اور تمہیں کیا پتا یہ اعتراف...... اپنی شکست کا اعتراف تو کب کا ہو چکا...... یہ اذیت تو اپنی ہار کی ہے...... اپنی عزت نفس کے پندار کے مجروح ہونے کی ہے۔ تمہیں کیا خبر شفق! میں کسی دوہری اذیت کا شکار ہوں۔ وہ شخص جسے نظر بھر کر دیکھا بھی نہیں، اسی کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ وہ دل کا مکین ہے مگر اسے علم نہیں کہ یہ دل کیسی کیسی قیامتیں سہہ چکا۔ اس کے لیے تو وہ محض ایک تجزیہ تھا۔ فقط چند لفظ تھے مگر یہاں کسی کا شوق چپکے سے مر گیا کسی کی عقیدت نے دم توڑ دیا۔'' دروازے کے ساتھ لگ کر بیٹھی وہ گھٹ گھٹ کر رونے لگی۔

☆......☆......☆

اردگرد کے حسن، آرائش اور امارات کو بھی آخر کب تک سراہا جا سکتا تھا انتظار کرتے کرتے وہ شاید اونگھنے لگی تھی تبھی کسی نے اس کا پیر دھیرے سے گدگدایا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

ادھیڑ عمر ملازمہ کے عقب میں کھڑی آپا بیگم بغور اسے دیکھ رہی تھیں۔ عانیہ کی بے چین نظروں نے ان کے اردگرد مظہر کو تلاشنا چاہا پھر مایوس ہو کر پلٹ آئیں۔

آپا بیگم کی گھاگ نظروں نے اس کی اس حرکت کو قابل گرفت جانا۔

''سنو لڑکی! کیا نام ہے تمہارا؟'' ان کی خوبصورت پیشانی پر ایک سلوٹ نمودار ہوئی تھی۔

عانیہ متعجب ہو گئی۔ ابھی تو محبت جتا رہی تھیں۔ اتنی جلدی نام تک فراموش کر دیا۔

''عانیہ......'' اس نے آہستگی سے کہا۔

''ہاں عانیہ...... تم ایسا کرو اپنا سامان لو اور ماسی جینا کے ساتھ چلی جاؤ۔ یہ تمہیں تمہارا کمرہ دکھا دے گی۔'' ان کا لہجہ اجنبی تھا۔

''میرا کمرہ...... ہم تو آپ نے ملنے آئے تھے۔ مم...... مظہر کہاں ہے؟'' اس نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

''مظہر کا کوئی ضروری فون آ گیا تھا اسے جانا پڑا۔ لیکن کہہ گیا ہے شام تک تمہیں لینے آ جائے گا۔'' آپا بیگم نے مسکرا کر جواب دیا، تب اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے اندر سکون کی سانس اتری ہو۔

''تم جینا کے ساتھ چلی جاؤ فریش ہو کر آرام کرو جو بھی کھانا پینا چاہو جینا کو بتا دو۔ میں ذرا مصروف ہوں۔ دو تین گھنٹوں تک تم سے تفصیلی بات چیت ہو گی۔''

ان کا لہجہ حکمیہ تھا۔ عانیہ اٹھ کھڑی ہوئی اس کا ہینڈ بیگ آگے بڑھ کر جینا نے اٹھا لیا تھا۔

عانیہ دروازے کے قریب پہنچ کر رک گئی اور پلٹ کر آپا بیگم کو دیکھنے لگی۔

''آپا بیگم......'' اس کا لہجہ تذبذب کا شکار تھا۔ آپا بیگم اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

''وہ...... دراصل...... میں گیتی آرا سے ملنا چاہتی ہوں۔'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''گیتی آرا......'' آپا بیگم کے چہرے پر تعجب ابھرا۔

''جی گیتی آرا...... آپ کی بہن کی بیٹی...... مظہر کی پہلی بیوی۔'' دل ہی دل میں ان کی شخصیت سے خائف ہونے کے باوجود وہ پوری طرح پر اعتماد دکھائی دے رہی تھی۔

آپا بیگم چند لمحے اسے دیکھتی جیسے کچھ سوچتی رہیں پھر فیصلہ کن انداز میں گہری سانس بھر کر بولیں۔

''شاید مظہر نے تمہیں بتایا نہیں گیتی آرا نے مظہر سے طلاق لے لی تھی اور یہاں سے بھی تبھی چلی گئی تھی۔ اب تو پتا نہیں کہاں رل رہی ہو گی۔ ممکن ہے مر کھپ بھی گئی ہو۔''

انہوں نے بے زاری سے کہا اور عانیہ کے تجسس پر اوس پڑتی چلی گئی۔

☆......☆......☆

اگلے روز گیارہ بجے کے قریب کسی انجان شخص کی طرف اسے سفید پھولوں کا گلدستہ اور ایک پارسل موصول ہوا جسے دیکھ کر ثانیہ الجھ سی گئی۔

ساتھ ہی ایک خوبصورت سا کارڈ بھی تھا مگر اس پر کسی کا نام تحریر نہ تھا۔ صرف بلیک اینڈ وائیٹ انوائرمنٹ میں ایک سوکھتے ہوئے پتے کی پیشانی پر۔

''آئی ایم ایکسٹریملی سوری۔'' کے الفاظ درج تھے۔

معاً ثانیہ چونک سی گئی ایک خیال دماغ میں بجلی بن کر کوندے کی مانند لپکا تھا۔ اس نے گلدستہ میز پر رکھ دیا اور جلدی جلدی پارسل کھولنے لگی۔ لیکن اس کی توقعات کے برعکس گفٹ ریپر کے اندر سے ایک مخملی بکس برآمد ہوا اور اس کے اندر...... اس کے اندر موبائل سیٹ نہیں بلکہ وہی بریسلیٹ تھا جسے کل وہ زیادہ قیمت کی وجہ سے چھوڑ آئی تھی۔ شاید وہ مایوس ہوئی کیونکہ لاشعوری طور پر وہ حنان کی منتظر تھی کل رات دیر تک روتے رہنے کی وجہ سے آنکھیں پہلے ہی درد کر رہی تھیں اب اور بھی مرچیں آنکھوں کی پتلیوں میں اتر آئیں۔

اب یہ فیصلہ کرنا مشکل نہ تھا کہ یہ سوغات کس نے بھجوائی ہے مگر وہ سوچ رہی تھی۔

''کاش حنان! یہ پھول اور تحفہ تم نے مجھے بھجوایا ہوتا۔ ساری زندگی کے لیے نہ سہی مگر اس مختصر سی مدت کے لیے تمہاری شرمساری میرا سفر آسان کر دیتی۔ تمہاری تھوڑی سی مصالحت مجھے اس بدنامی سے بچا لیتی جو تم سے شادی سے انکار کر کے مجھے جھیلنا پڑے گی...... کہ یہ مشرقی معاشرہ ہے جہاں غلطی ہمیشہ لڑکی میں سمجھی جاتی ہے اور پتا نہیں میں اب انکار کر پاؤں گی یا نہیں...... میری ماں یہ صدمہ کیسے برداشت کرے گی بس یہی ایک خیال مجھے کوئی حتمی فیصلہ کرنے سے روک رہا ہے مگر...... مگر کاش...... یہ تم ہوتے۔'' اس کی روح پر ایک مستقل بوجھ ٹھہرا ہوا تھا۔

☆......☆......☆

وہ کسی کام سے جہانگیر لاشاری کے آفس گیا تھا واپس آیا تو ثانیہ کو اپنا منتظر پایا۔

''اوہ...... آپ۔'' اسے خوشگوار سی حیرت ہوئی لیکن ابھی الفاظ اس کے منہ میں ہی تھے کہ ثانیہ اس کی شکل دیکھتے ہی اپنی نشست سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آپ پلیز تشریف رکھیے۔'' اس نے شائستگی سے کہا۔ جواباً وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

''میں بیٹھنے نہیں آئی مجھے صرف آپ کی بھجوائی ہوئی چیزیں واپس کرنا تھیں۔''

شاہنواز نے میز کی جانب دیکھا جس پر سفید پھولوں کا بڑا سا گلدستہ اور مخملیں ڈبہ پڑا تھا، جسے اس نے خود پیک کر کے کوریئر سروس کے نمائندے کے حوالے کیا تھا۔

اس نے پیشانی مسلتے ہوئے ان چیزوں کو بغور دیکھا گو وہ اس طرح کی صورت حال کی توقع بھی کر رہا تھا مگر واثق امید تھی کہ ثانیہ اس کی معذرت اور تحفہ قبول کر لے گی مگر......اس وقت وہ اپنے اندر بے نام سے سناٹے اترتے محسوس کر رہا تھا۔

''میں نے یہ آپ کے لیے بھجوائے تھے۔'' ثانیہ کے تاثرات سے کسی قدر خائف ہوتے ہوئے اس نے نرمی سے کہا۔

''یہی میں جاننا چاہتی ہوں کہ آپ نے کیوں بھجوائے تھے۔''اس کا انداز ہنوز تھا۔

''میں معذرت کرنا چاہتا تھا۔''اس نے سادگی سے کہا۔

''آپ غلط بیانی نہ کریں۔'' ثانیہ نے سرد وسخت لہجے میں کہا۔

''آپ صاف صاف کہیں آپ مجھے ایک دفعہ پھر ذلیل کرنا چاہتے تھے۔''

''ایسی بات نہیں ہے ثانیہ۔''شاہنواز کا بھیجا بھک سے اڑ گیا۔

''آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں۔''اس نے سٹپٹا کر کہا۔

''میں آپ کو غلط سمجھتی تھی سر! اب تو جو سمجھ رہی ہوں وہی صحیح ہے۔''اس کے لہجے میں اتنی بے گانگی اور سرد مہری تھی کہ شاہنواز کو اپنے اندر تک رویے کی یہ سرد مہری اترتی محسوس ہوئی۔

''یہ جو تحفہ آپ نے بھجوایا تھا یہ اللہ آپ کو مبارک کرے ہم جیسے مڈل کلاس لوگ ایسے تحفوں کے متحمل نہیں ہو سکتے......میں نے آپ سے کوئی وعدے نہیں کیے تھے نہ ہی اس آفس کے کسی بندے کو کوئی خواب دکھائے تھے پھر بھی آپ نے یہ کہہ کر کہ مڈل کلاس لڑکیاں پیسے بٹورنے کے لئے ایک انسان سے دوسرے تک کا سفر کر لیتی ہیں......کل کو آپ یہ کہیں گے کہ مڈل کلاس لڑکیاں بغیر کسی تعلق کے غیروں سے تحفے وصول کر لیتی ہیں تب میں کیا کرلوں گی......میری پوری زندگی کے لیے ایک الزام بہت ہے سر! اس سے زیادہ شاید میں برداشت نہ کر سکوں......آپ کے لیے تو یہ دوسروں کو تکلیف پہنچانا محض مشغلہ سہی لیکن میری پوری زندگی برباد ہو جائے گی۔''

''اللہ کے لیے ثانیہ! مجھ سے اتنی بدگمان نہ ہوں۔''اس نے بے بسی سے کہا۔

''میں نے یہ پھول اور گفٹ کسی غلط ارادے سے نہیں بھجوائے تھے......میں تو محض معذرت۔۔۔آپ مجھے ایک موقع......''

''آپ مجھ سے معافی کیوں مانگنا چاہتے ہیں سر۔''وہ ویسی ہی اجنبی رہی۔

''معافی تو ان سے مانگی جاتی ہے جو اہم ہوتے ہیں۔ میں آپ کے لیے اہم نہیں ہوں نہ ہی آپ میرے لیے اہم ہیں۔ پھر میرے لیے مشکلات کیوں پیدا کر رہے ہیں۔۔۔اس بلیک میلنگ سے آپ کو کیا ملے گا؟ صرف چند روزہ تسکین......کہ کسی پر آپ نے عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ کیسے باضمیر انسان ہیں آپ؟ کیسی باتوں سے خوشی ملتی ہے آپ کو۔''

''آپ میری توہین کر رہی ہیں۔''وہ احتجاجاً بھڑکا۔

"اور آپ میری توہین کر چکے ہیں۔ ایک مرتبہ بھی نہیں دو مرتبہ......لیکن میں نے آپ سے اتنی اونچی آواز میں بات نہیں کی کیونکہ مجھے یہ بات سمجھ آ چکی ہے کچھ لوگوں کا مشغلہ ہوتا ہے کہ اپنے تجزیوں سے دوسروں کی زندگی میں زہر گھولتے رہیں......آپ کا تحفہ واپس کر رہی ہوں۔ یہ زبردستی کا بوجھ مجھے گوارا نہیں البتہ ایک درخواست ہے۔ مجھے بخش دیں۔ جن کی زندگیاں پہلے ہی مشکل ہوں انہیں مزید مشکل میں ڈال کر آپ کو کیا ملے گا......گو کہ مجھے یقین ہے اس درخواست پر آپ عمل نہیں کریں گے پھر بھی نہ جانے کیوں میں آپ سے یہ کہہ رہی ہوں۔

ہم مڈل کلاس لوگ بھلے ہی اپنی کلاس سے نکلنے کی جدوجہد کر رہے ہوں، پیسے کے لیے ہر دوڑ میں شامل ہو رہے ہوں۔ کم سے کم آپ جیسے اپر کلاس لوگوں کی طرح دوسروں کی زندگیاں مشکل بناتے نہیں پھرتے۔"

وہ بولتی ہوئی باہر نکل گئی۔

شاہنواز نے کرسی کو ٹھوکر ماری پھر گرنے کے انداز میں کرسی پر بیٹھ گیا اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔

☆......☆......☆

"کیا ثانیہ تم سے ملنے آئی تھی......میں نے تھوڑی دیر پہلے اسے لفٹ سے جاتے دیکھا ہے۔"

حدید نے شاہنواز کو اپنے آفس میں داخل ہوتے دیکھ کر پوچھا۔ جواباً شاہنواز نے کوئی چیز زور سے اس کے سامنے ٹیبل پر پٹخی تھی۔

"ثانیہ کو گفٹ بھجوانے کا آئیڈیا تمہارا تھا اور وہ، یہ گفٹ میرے منہ پر مار گئی ہے۔" اس کا انداز جارحانہ تھا۔

حدید ٹیبل کے بائیں جانب رکھے کمپیوٹر پر کچھ کام کر رہا تھا اس نے کی بورڈ چھوڑ کر بے یقینی سے پہلے اس ڈبے کو دیکھا جو شاہنواز نے ٹیبل پر پٹخا تھا پھر شاہنواز کو، جس کا چہرہ غصے و جھنجلاہٹ سے سرخ ہو رہا تھا۔

"زیادہ چوٹ تو نہیں لگی۔" حدید نے فکرمندی سے پوچھا۔ شاہنواز بھڑک اٹھا۔

"تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے یہاں میں تماشا بن کر رہ گیا ہوں۔ اتنی متنفر تو وہ پہلے بھی نہیں ہوئی تھی جتنا یہ تحفہ وصول کر کے ہو گئی ہے۔ میں نے تم سے کہا بھی تھا کچھ بھجوانا نامناسب ہے مگر......تم۔"

"ہاں بھئی میں مانتا ہوں کہ میں نے ہی اصرار کیا تھا میرا خیال تھا اس طرح وہ مان جائے گی اور تمہاری بات سننے پر آمادہ ہو گی تو تم اسے حنان کے متعلق بتا دینا مجھے کیا پتا تھا سارا معاملہ الٹا ہو جائے گا......ویسے بھی میں نے تو تمہیں اپنے تجربے کی روشنی میں مشورہ دیا تھا یونیورسٹی کے دنوں میں، میں اپنی گرل فرینڈز کو اسی طرح منایا کرتا تھا۔" اس نے وضاحتی لہجے میں کہا۔

"ثانیہ میری گرل فرینڈ نہیں ہے حدید۔" شاہنواز نے تنک کر کہا۔

"لیکن لڑکی تو ہے۔" حدید نے ہاتھ اٹھا کر اسے ریلیکس کرنے کی کوشش کی۔ "اور میرا تجربہ کہتا ہے کہ اس طرح سے اسے

تمہاری معذرت قبول کر لیتی چاہیے تھی۔''

''لیکن وہ سمجھ رہی ہے میں نے اسے شرمندہ کرنے کے لیے گفٹ بھجوایا ہے۔'' وہ چارگی سے بولا۔''اب میں کیا کروں؟''

''پہلے تو یہاں آرام سے بیٹھ جاؤ اور یہ پانی پیو۔'' حدید نے پانی کا گلاس اس کے سامنے رکھا۔

''اور دوسرا کام یہ کرو فوراً سے پیشتر اسے بھول جاؤ یار! اتنے الٹے دماغ کی لڑکی سے تمہاری نبھے گی کیسے......تم کچھ کہو گے وہ کوئی اور مطلب نکالے گی روز برتن ٹوٹا کریں گے...... ہر دن ملازمین تم دونوں کا ڈرامہ لائیو دیکھا کریں گے البتہ پڑوسیوں کو صرف آڈیو پر گزارا کرنا پڑے گا۔''

''بات اسے بھولنے کی نہیں اس کی زندگی کو برباد ہونے سے بچانے کی ہے۔'' اس نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔ حدید کی شوخی ایک آنکھ نہیں بھا رہی تھی۔

''پھر تم صبر کرو اور دعا کرو۔'' اس بار حدید نے سنجیدگی سے کہا۔

''دعا؟'' وہ الجھا۔

''ہاں......دعا کرو کہ عین نکاح کے وقت حنان کی کوئی ایکس گرل فرینڈ اپنے دو عدد بچوں کے ساتھ پہنچ جائے۔ ثانیہ اور اس کے گھر والے اتنے عقلمند تو ہوں گے کہ ایسی صورت حال پیدا ہو جانے کے بعد حنان کی دوبارہ شکل بھی نہ دیکھیں۔''

''مجھ سے غلطی ہوگئی جو میں......تم سے مدد مانگنے چلا آیا۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔

حدید نے ہنستے ہوئے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اسے دوبارہ بٹھا دیا۔

''مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ بتاؤ۔''

''کتنی مرتبہ بتانا پڑے گا؟'' شاہنواز نے اسے گھورا۔

حدید نے چند لمحے شہادت کی انگلی سے سر کھجاتا سوچتا رہا پھر الجھے ہوئے سے لہجے میں بولا۔

''یار! مجھے نہیں لگتا کہ حنان سے چھٹکارہ پانے کے بعد بھی وہ تم سے شادی کے لیے رضامند ہو گی۔''

''اور مجھے یقین ہے کہ وہ کبھی مجھ سے شادی نہیں کرے گی۔'' اس نے دلگرفتگی سے کہا۔

''کیا......؟'' حدید کو جھٹکا لگا۔ اس سے پہلے کہ وہ اگلی کوئی بات کرتا شاہنواز کے موبائل کی بپ بجنے لگی۔ ناچار اسے ادھر متوجہ ہونا پڑا کال شمسہ کی تھی۔

''سنو شاہنواز! جتنی جلدی ہو ''بخت منزل'' پہنچو۔''

''کیوں خالہ سب خیریت ہے ناں؟''

''ہاں سب خیریت ہے اور تمہارے اس کیوں کا جواب میں جب تم گھر پہنچو گے، تب دوں گی۔''

اس کی ساری توجہ چونکہ حدید کی طرف تھی اس لیے شمسہ کے لہجے میں جھلکتا غیر معمولی پن محسوس نہ کر سکا۔

''ٹھیک ہے آپ تھوڑا سا انتظار کریں میں آ رہا ہوں۔'' اس نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا۔

''سنو...... میں بہت بے صبری سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں جلدی آنا۔'' انہوں نے تاکید کرنا ضروری سمجھا شاہنواز نے موبائل جیب میں رکھتے ہوئے حدید کو دیکھا جو غضب ناک نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔

''یہ مت سمجھنا شاہنواز! کہ میں تمہیں شمسہ آنٹی کے خلاف بھڑکا رہا ہوں مگر ہر بہترین چیز یہ لوگ اپنے بیٹے کے لیے رکھ لیتے ہیں حتیٰ کہ جب بہترین لڑکی نظر آئی تب بھی انہوں نے اسے اپنے بیٹے کے لیے ہی منتخب کیا۔۔۔ تم سے محبت جتانے والوں کو اس وقت تمہاری یاد کیوں نہیں آئی...... اور تم...... تم ہمیشہ ان کی پہلی پکار پر چراغ کے جن کی طرح حاضر ہو جاتے ہو۔ کبھی اس پہلو پر غور کیا ہے؟'' وہ بہت سنجیدگی سے بول رہا تھا۔

''تم بھی میرے دوست ہو اور حنان بھی۔۔۔ مگر جو انسیت مجھے تم سے ہے وہ حنان سے کبھی نہیں رہی...... میں دل سے چاہتا ہوں کہ وہ راہ راست پر آجائے مگر تمہاری خوشیاں مجھے اس سے زیادہ عزیز ہیں اور یہ جو ابھی تم کہہ رہے تھے ثانیہ تم سے شادی نہیں کرے گی؟''

''ہاں......'' شاہنواز نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا۔

''پہلے تو پھر بھی شاید میں خوش گمان رہ لیتا لیکن آج جو نفرت میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھی ہے اس کے بعد تو مجھے یقین ہو گیا ہے۔'' پھر وہ رکا اور ملتجی انداز میں اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

''حدید! میری امید صرف تم ہو۔۔۔ کسی طرح اس شادی کو رکوا سکتے ہو تو رکوا دو۔ میری پوزیشن بہت آکورڈ ہے۔ خالہ سے کچھ کہا تو کہیں وہ کوئی غلط گمانی نہ پال لیں اور...... ثانیہ اول تو وہ بات ہی نہیں سنے گی اور سن بھی لی تو سمجھے گی میں اسے حنان کے خلاف بھڑکا رہا ہوں۔ اب اسے کیا خبر کہ میں یہ سب اسی کے فائدے کے لیے کر رہا ہوں۔ تم...... پلیز حدید......''

''مجھے تو تم بھول ہی جاؤ۔'' حدید نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے طیش بھری بے اعتنائی سے کہا۔

''مجھے خدمت خلق کا کوئی شوق نہیں ہے میرے کسی عمل سے اگر تمہاری راہ ہموار ہو رہی ہوتی تو یقین کرو میں کوئی نہ کوئی ٹرک ضرور آزماتا۔ لیکن جب وہ لڑکی تم سے شادی پر راضی ہی نہیں ہو گی۔ جیسا کہ تمہیں یقین ہے۔ تو میری طرف سے وہ خوش و خرم رہے یا برباد ہو۔۔۔ مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں کیوں ایک انجان لڑکی کے لیے اپنی انرجیز ویسٹ کرتا پھروں؟ اب تم اسے میری خود غرضی کہو یا بے حسی...... بہر حال میں اس معاملے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کروں گا...... البتہ تمہیں اس لڑکی کی اتنی پروا ہے تو خود کوشش کر دیکھو...... گو کہ مجھے یقین ہے یہ کوشش بے کار ہو گی۔''

"تم......" اسے حدید سے اس درجہ بے مروتی کی امید قطعاً نہیں تھی۔اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا پھر جھنجھلاتا ہوا آفس سے باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

نہر کے ساتھ ساتھ کار ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے پھر سے شمسہ کی کال ریسیو کی مگر بے حد بددلی سے، وہ اس سے اب تک گھر نہ پہنچنے کے متعلق استفسار کر رہی تھیں۔شاہنواز نے اسے دل میں گونجتی آوازوں کو یکدم سناٹے کی دبیز تہہ میں جذب ہوتے محسوس کیا اور وہ ایک بے زار کن خالی پن کا شکار ہوا۔

اس نے شمسہ سے ٹریفک جام میں پھنسے ہونے کا بہانہ بنایا اور تھوڑی دیر تک پہنچنے کا کہہ کر کال ڈسکنکٹ کردی۔کار ایک مرتبہ پھر نہر کے ساتھ ساتھ رینگنے لگی۔گو کہ اسے جھوٹ بولنے کی عادت نہ تھی۔بس کبھی کبھی زمانے بھر سے منہ موڑ لینے اور خود اپنے آپ سے بھی بغاوت کر دینے کو جی چاہتا تھا۔

لمحوں میں ماضی اور مستقبل کی مسافت کر لینا اور پھر اپنے ہی اصل کی کھوج میں ناکام ہو کر ایک ناقابل برداشت کرب میں مبتلا ہونا اب عادت ہی بن چکی تھی۔

تنہائی اور تشنگی تو گویا لہو کے ساتھ گردش میں رہ کر ہمہ وقت اپنی موجودگی کا احساس دلاتیں۔

اسے ہاتھوں کی لکیریں کھوجنے کا شوق نہیں تھا لیکن جب بھی ہتھیلیاں سامنے آتیں تو خالی ہاتھ رہ جانے کا احساس روح پر کوڑے برسانے لگتا۔

اور اب تو دل بھی بغاوت پر اتر آیا تھا۔

کئی سال پہلے منہ کے بل گرنے کے بعد جو اس بدبخت نے دماغ کے سامنے سرتسلیم خم کیا تو پھر کبھی سر اٹھانے کی ہمت نہ کی تھی لہٰذا اتنا عرصہ بلاشرکت غیرے حکمرانی کرنے کے بعد دماغ کے لیے یہ امر باعث تکلیف و جھنجلاہٹ ثابت ہو رہا تھا کہ دل جیسی ادنیٰ اور ناکارہ شے اپنے حقوق کا مطالبہ کرے۔نا صرف یہ بلکہ اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے باقاعدہ اعلان جنگ بھی کر دے۔

گو کہ یہ ساری بات بڑا افسانوی سا تاثر رکھتی ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ شاہنواز ملک کے دل و دماغ میں آج کل ایسی ہی جنگ چھڑی ہوئی تھی اور وہ چاہتا تھا ساری دنیا کو غارت کر کے رکھ دے۔

اس کا دماغ جھنجھنا اٹھا تو بے زاری سے اسٹیرنگ پر ہاتھ دے مارا ساتھ ہی گاڑی کی رفتار بڑھا دی اور بڑی غیر محتاط ڈرائیونگ کرتا بخت نگر پہنچ گیا۔

"یا میرے مولا اس قدر بے بسی تو میں نے کبھی محسوس نہیں کی۔" جس وقت چوکیدار اس کے لیے گیٹ کھول رہا تھا اس نے مایوسی سے سوچا۔

''مجھے ایسا لگ رہا ہے میرے ہاتھوں پیروں سے زنجیریں لپٹی ہوئی ہیں اور میں یہ بھی جانتا ہوں ان زنجیروں کو کھولنے کا طریقہ بھی صرف مجھے ہی معلوم ہے۔لیکن وہ طریقہ کیا ہے ہزار کوشش کے باوجود میں سمجھ نہیں پا رہا۔اے اللہ ان زنجیروں کو لپٹا رہنے دے۔وہ میری قسمت میں نہیں نہ سہی......لیکن کوئی معجزہ کردے۔اس اچھی لڑکی کی زندگی برباد ہونے سے بچالے''اس نے صدق دل سے دعا کی۔

''اور کاش!وہ میری بات سننے پر راضی ہوجاتی تو میں اسے حقیقت بتا دیتا۔وہ بھلے ہی مجھے معاف نہ کرے مگر کچھ تو ان تلخ الفاظ کی تلافی ہوگی۔''اللہ ہی جانے وہ کیا کیا چاہتا تھا۔پورٹیکو سے آگے والے پیچ میں اس نے شمسہ کو ٹہلتے ہوئے اپنا منتظر پایا تبھی اس کے ذہن میں ایک جھما کا ہوا تھا۔

''کس قدر احمق ہوں میں یہ خیال مجھے پہلے کیوں نہیں آیا۔''اس نے سوچا۔

''میں شفق بھابھی کو آگاہ کر دیتا ہوں۔کوئی اور نہیں تو وہ اور عادل تو میری بات پر یقین کریں گے۔''

شمسہ اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔

''کتنی دیر لگادی شاہنواز۔''

''میں ابھی انہیں کال کرتا ہوں۔''اس نے سوچا اور گھڑا گھڑایا ٹریفک کا بہانہ سنانے لگا تھا،حیران رہ گیا۔شمسہ اس کی بات سنے بنا اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر کی جانب پیش قدمی کر چکی تھیں۔

''اندر آؤ میرے ساتھ۔میرے پاس تمہارے لیے ایک زبردست سرپرائز ہے۔''وہ پرجوش تھیں اور خوشی سے تیز تیز قدم اٹھاتے اور بولتے جیسے ان کی سانسیں پھول رہی تھیں۔

''کیسا سرپرائز؟''وہ اس کے ساتھ چلتا ہوا بولا۔

''اندر آؤ گے تو پتا چلے گا۔مجھے ڈر ہے کہیں خوشی سے بے ہوش نہ ہو جاؤ......ہاہاہا......تمہیں اندازہ تو ہو رہا ہوگا میں کتنی خوش ہوں......ہم اتنی دیر سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں پہلے سوچا خود سے بلوا کر تمہیں پہلے سے کونشس کرنے کا کیا فائدہ شام کو اچانک آؤ گے تو زیادہ دلچسپ سرپرائز رہے گا۔لیکن یقین کرو مجھ سے تو صبر ہی نہیں ہو رہا تھا۔دل چاہ رہا تھا کوئی جادو کی چھڑی گھوم جائے جس کے زور سے جلد از جلد تم یہاں پہنچ جاؤ یا میں ہی کسی طرح تمہارے آفس پہنچ جاؤں اور جا کر تمہاری ماں کو تمہارے سامنے کھڑا کردوں اور پھر......پھر پوچھوں کہ شاہنواز......بتاؤ کیسا لگا سرپرائز۔''

''میری ماں۔''اس کی نظریں پہلے سامنے گئی تھیں اس نے بعد میں شمسہ کے الفاظ سنے تھے اور اس کے کہیں بعد لفظ اس کے لبوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے تھے۔

بعض اوقات یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ جو آنکھیں دیکھ رہی ہیں وہ حقیقت ہے یا انسان کا الوژن۔

اس کے اردگرد ابھی بھی کچھ آوازیں تھیں۔ شمسہ کچھ کہہ رہی تھیں مگر اسے یوں لگا جیسے اس کے چاروں طرف کے مناظر ڈیزالو ہو رہے ہوں۔ اس کے اندر جو کہرام مچا تھا۔ جو شور تھا جو بازگشت تھی سب پس منظر میں چلے گئے۔ پیش منظر جو چیز رہی وہ اس کا اپنا وجود تھا اور اس کی ماں کا چہرہ۔ جسے آخری بار اس نے دس سال پہلے دیکھا تھا۔

ان دس سالوں میں اس چہرے کو دیکھنے کے لیے اس نے کتنی دعائیں کی تھیں ہر دفعہ وہ نماز کے بعد اللہ سے اپنے خون کے رشتے از سر نو مانگتا تھا اور ہر بار وہ جانتا تھا اس کی دعائیں خلا میں کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ڈولتی رہتی ہیں۔

وہ دم بخود اپنی ماں کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ بنا پلک جھپکے ڈر ڈر کر سانس لیتے ہوئے...... کہیں خواب ٹوٹ نہ جائے پلکوں کی معمولی سی لرزش سے یا سانس کی آواز سے۔

معاً اس کی ماں کا چہرہ دھندلانے لگا۔

اس کی آنکھوں میں تیزی سے پانی جمع ہو رہا تھا اور کرب کی تیز لہریں دل کے ہر کونے تک پھیلنے لگی تھیں۔

تبھی وہ جیسے بے بس ہوتا ہوا سرعت سے آگے بڑھا اور ماں کے بازوؤں میں منہ چھپاتے ہوئے چھوٹے بچے کی طرح سسکنے لگا۔

شمسہ نے اپنی آنکھوں میں جمع ہوتی نمی کو آہستگی سے پونچھا اور ان دونوں ماں، بیٹا کو تنہا چھوڑ کر چپکے سے باہر نکل گئیں۔

اب شاہنواز تھا اور اس کی ماں تھی اور برسوں کے تخلیق شدہ فاصلے تھے جو آنسوؤں کے اس سیلاب میں معدوم ہو رہے تھے یا شاید فاصلے تو تھے ہی نہیں، البتہ ایک دوسرے تک پہنچنے کے راستے تھے جو وقت کی گرد نے دھندلا دیے تھے۔

جانے کتنے ہی پل بالکل خاموشی سے ان سسکیوں کی سنگت میں کٹ گئے، جنہیں اس نے اپنی مردانگی کے زعم میں کبھی تنہائی میں بھی اپنے لبوں تک نہ آنے دیا تھا۔

بہت دیر تک رونے کے بعد اس نے سر اٹھا کر اپنی ماں کا چہرہ دیکھا۔ ان کے باریک لبوں پر ممتا بھری مسکراہٹ تھی اور چہرے کی جھریوں میں آنسو رواں تھے۔ ان کا ایک ہاتھ شاہنواز کی پشت سہلا رہا تھا۔

اس نے ان کا وہ ہاتھ بے حد عقیدت سے اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر لبوں سے لگا لیا۔ اماں اپنے دوسرے ہاتھ سے اس کا سر سہلانے لگیں، شاہنواز نے دیکھا نہیں مگر وہ جانتا تھا اماں کی آنکھوں سے بہنے آنسوؤں میں شدت آگئی ہے۔

پھر اس نے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا۔ دائیں آستین سے رگڑ رگڑ کر اپنا بھیگا چہرہ پونچھا اور دوسرے ہاتھ سے ان کے آنسو صاف کرنے لگا۔ وہ اس وقت بالکل ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔

”آپ بوڑھی ہوگئی ہیں...... اماں جی“ اس کی آواز آنسوؤں سے بوجھل تھی۔

اماں جی آنسوؤں کے ساتھ مسکرانے لگیں۔

"تو نے آج دیکھا ہے میں تو کئی سال پہلے بوڑھی ہوگئی تھی اور کیا اب بھی بوڑھی نہ ہوتی۔ خوشی تو اس بات کی ہے کہ میرا بیٹا اتنا بڑا ہو گیا ہے۔" انہوں نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر پیشانی پر بوسہ دیا اور قدرے شرارت سے بولیں۔ "لیکن اب بھی چھوٹے بچوں کی طرح روتا ہے۔"

"نہیں اب نہیں روتا۔" اس نے سرعت و سادگی سے کہا۔

"کوئی آپ کی طرح چپ نہیں کرواتا تھا، اس لیے میں نے رونا چھوڑ دیا۔" اس کے لہجے میں سادگی تو تھی اور وہ کرب بھی...... جو اس نے اب تک سہا۔ اگلے کئی پل اس کرب کی نذر ہو گئے۔ پھر اماں جی نے اپنے ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کروا لیے۔

"اولاد کو جوان ہوتے دیکھنا ماؤں کے لیے بڑے اطمینان کی بات ہوتی ہے۔ بیٹوں کے قد کے ساتھ ساتھ ان کا فخر بڑھتا ہے مگر میں سوچتی ہوں تم تو چھوٹے تھے تو زیادہ اچھا تھا، مار کھا کر بھی میری گود میں چھپ جاتے تھے۔ شاید تب تمہارے لیے ماں اہم تھی۔ بڑے ہوئے تو ماں کی اہمیت بھی ختم ہو گئی۔" وہ گہرے دکھ سے بول رہی تھیں۔

"کیا یہ ممکن ہے؟ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔" اس نے تڑپ کر کہا۔

"تو پھر پلٹ کر کبھی ہماری خبر کیوں نہ لی؟ ایسی بھی کیا ناراضی تھی شاہنواز پتر! کہ ماں باپ کی شکل دیکھنا بھی گوارا نہ کیا؟"

"اماں جی۔" وہ پہلے سے زیادہ تڑپ اٹھا۔

"یہ آپ مجھ سے پوچھ رہی ہیں کہ میں نے ماں، باپ کی شکل دیکھنا کیوں نہ گوارہ کیا؟ خالہ سے جا کر پوچھیں میری کیا حالت تھی؟ کتنی مشکل سے سنبھالا میں نے خود کو...... کتنا تڑپا ہوں میں آپ لوگوں سے ملنے کے لیے...... لیکن کس منہ سے آتا، ابا جی نے پورے گاؤں کے سامنے مار پیٹ کر ذلیل کر کے نکالا تھا مجھے...... اور کہا تھا دوبارہ گھر میں قدم رکھا تو گولی مار دیں گے۔"

"دنیا کے سارے ماں، باپ غلطی کرنے پر اولاد کو سزا دیتے ہیں تاکہ وہ دوبارہ وہی غلطی نہ دہرائیں۔ غصے میں گھر سے نکال دیا تھا۔ تم ایک مرتبہ اپنی غلطی مان کر آتے تو سہی...... کیا وہ تمہیں معاف نہ کرتے یا تم اس بات کے منتظر تھے کہ تمہارے ابا جی بڑے ہونے کے باوجود تم سے معافی مانگیں۔"

"مجھے معافی مانگنے میں عار نہیں تھی اماں جی! لیکن میری غلطی کوئی ثابت تو کرے...... ابا جی نے مجھے اس غلطی کی سزا دی جو میں نے کی ہی نہیں تھی۔ میں ان سے غلطی نہ ہونے کے باوجود معافیاں مانگتا رہا مگر ان کے ہاتھ یہیں رکے تھے۔ صرف ایک جھوٹی لڑکی کی بات پر انہوں نے یقین کر لیا اور میں...... جوان کا بیٹا تھا اس کی بات پر یقین نہیں کیا۔" اس نے ایک بار پھر آستین سے چہرہ پونچھا۔ "کیسے آتا میں واپس؟ یہی ڈر تھا ابا جی پھر اتنا ذلیل کریں گے، آپ یقین کر سکتی ہیں، انہوں نے جس لکڑی سے مجھے مارا پیٹا تھا اس کی ضربیں یاد نہیں ہیں مجھے، وہ تکلیف تو میں کب کی بھول چکا لیکن ابا جی کے الفاظ نہیں بھولتے، وہ گالیاں یاد ہیں مجھے جو انہوں نے دیں۔ ان سب لوگوں کی

نگاہوں میں جو ملامت تھی وہ بھی یاد ہے مجھے، جنہوں نے مجھے میرے باپ کے ہاتھوں پٹتے دیکھا۔ میں کسی سے نظریں نہیں ملا سکتا تھا۔ میں سچا تھا مگر سر اٹھا کر چل نہیں سکتا تھا۔ کس سے اپنی سچائی بیان کرتا؟

لوگ مجھ پر ہنستے تھے کہ جس کے باپ کو ہی اس پر بھروسہ نہیں وہ کتنا قابل اعتبار ہو سکتا ہے۔ میں ایک عرصے تک گل بانو کو اپنی بربادی کا ذمہ دار تصور کرتا رہا۔ مگر سچ یہ ہے کہ اماں جی! کہ مجھے ابا جی نے برباد کر دیا۔ ان کے اٹھے ہوئے ہاتھ نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ میری عزت نفس، میری خودداری...... سب تار تار ہو گیا۔ میں اپنے خون کے رشتوں کے لیے نا قابل بھروسہ ٹھہرا، کسی غیر سے کیا شکوہ کرتا۔''

اماں نے کرب سے لب بھینچ لیے۔ شاہنواز بول رہا تھا اور آنسو مسلسل اس کے گال پر بہہ رہے تھے۔

''مت رو شاہنواز بیٹا! مرد رویا نہیں کرتے۔'' انہوں نے اس کے آنسو پونچھنا چاہے۔

''رو لینے دیں اماں جی! کم سے کم اب تو رو لینے دیں، دس سال میں نہیں رویا، دس سالوں سے یہ لاوا اپنے اندر جمع کیا ہے میں نے، اب بھی اسے بہنے نہ دوں تو مر جاؤں گا۔'' اس نے روتے ہوئے عاجزی سے کہا۔ ''دس سال پہلے جب ابا جی نے مجھے گھر سے نکالا۔ میں ہر رات اس امید کے ساتھ سوتا تھا کہ صبح اٹھوں گا تو میرے ماں، باپ کو میری صداقت کا اعتبار آ چکا ہوگا۔ کوئی مجھے پکارے گا۔ لیکن دن پر دن گزرتے چلے گئے۔ آپ کو میری یاد آئی نہ ابا جی کو میرا اعتبار، ایک سال، دو سال، حد یہ ہوئی کہ میری آس اپنی موت آپ مر گئی۔ البتہ انتظار...... انتظار ختم نہیں ہوا، میں اپنے ماں باپ کے لیے مر چکا تھا، کم سے کم اس بات کا غم تو منا لینے دیں اماں جی!'' اس نے اپنی بے رونق بھیگی ہوئی آنکھیں یوں ان کے چہرے پر گاڑ دیں کہ وہ تڑپ اٹھیں۔

''کس قدر بدگمان ہو چکے ہو شاہنواز! یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ ہم نے خدانخواستہ تمہیں......'' آنسوؤں نے فقرہ مکمل نہ ہونے دیا۔

''اور مجھ سے کیسی بدگمانی؟ میری مجبوری کا تمہیں اندازہ ہے، بیٹے پر اعتبار تھا مگر شوہر کے خلاف نہیں جا سکتی تھی، لیکن تمہارا انتظار تو کیا تھا میں نے...... جس حد تک ممکن ہوا انہیں سمجھانے کی کوشش بھی کرتی رہی مگر......''

''مگر ابا جی کو آپ کی بات پر یقین بھی نہیں آیا...... ہے نا۔'' وہ تلخی سے ہنسا۔ ''ان کے لئے ان کے دوست کی بیٹی زیادہ قابل اعتبار تھی۔''

''ایسی بات نہیں ہے شاہنواز!'' اماں جی نے رسانیت سے کہا۔ ''ہاں یہ صحیح ہے کہ انہیں گل بانو کی بات سچی لگی تھی مگر اس وقت انہوں نے جو بھی کیا وہ غصے کا نتیجہ تھا۔ لیکن غصہ اتر جانے کے بعد وہ بھی تمہارے منتظر رہے تھے۔ اس کا مطلب تو یہی ہوا نا کہ انہیں تم پر اعتبار تھا۔ لیکن بڑے تھے اور بڑے جھکنے میں وقت لیتے ہیں۔''

''انہوں نے آپ سے خود کہا۔'' شاہنواز نے حیرت سے انہیں دیکھا، اس کے انداز میں مسرت آمیز بے یقینی تھی۔

''نہیں۔'' وہ نظریں چرا گئیں۔ شاہنواز نے مایوسی سے سر جھکا لیا، اس کی ماں اس کو بہلا رہی تھی۔

''اس کا مطلب......آپ ان کی مرضی کے بغیر مجھ سے ملنے آئی ہیں؟''

''کچھ نہیں کہہ سکتی۔'' وہ آہستگی سے بولیں۔

''مطلب؟'' وہ نا سمجھی سے انہیں دیکھنے لگا۔

''میں نے چند ماہ پہلے تمہیں خط لکھا تھا اور خط لکھنے سے پہلے انہیں بتا دیا تھا کہ اب میں مزید تمہارا انتظار نہیں کروں گی اور نہ ہی ان کے خاموش حکم کو مانوں گی۔ اور تم سے رابطہ ضرور کروں گی۔''

''آپ نے مجھے خط لکھا تھا؟'' وہ تعجب سے پوچھ رہا تھا۔

''ہاں......تمہاری بہن سے لکھوایا تھا۔ مگر تم نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔ پھر بھی شکوہ کر رہے ہو۔''

شاہنواز کی نظروں میں گوگیرہ سے آئے ہوئے گل بانو کے وہ تمام خطوط گھوم گئے جنہیں وہ کھولنے کی زحمت کیے بنا ہی پھاڑ دیتا تھا۔ ''شاید اماں جی کا خط بھی انہی میں سے ایک ہوگا۔'' وہ متاسف ہوا مگر سر جھٹک کر بولا۔

''پھر؟ میرا مطلب ہے جب آپ نے ابا جی سے یہ بات کہی تو انہوں نے کوئی ردعمل تو ظاہر کیا ہوگا؟'' اس نے بے چینی سے پوچھا۔

''نہیں......انہوں نے کچھ نہیں کہا......بس خاموش ہو گئے تھے اور خاموش تو وہ تب سے ہو گئے ہیں جب سے تم نے گھر چھوڑا ہے۔''

''اماں جی! میں نے گھر نہیں چھوڑا۔ ابا جی نے مجھے گھر سے نکال دیا تھا۔'' اس نے زور دیتے ہوئے کہا۔ اماں کی گہری سانس بھر کر دیکھنے لگیں۔

''انہوں نے تمہیں نکالا یا تم نے خود گھر چھوڑا۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں یہ دس سال میں نے اپنے بیٹے کے بغیر اور شوہر کو تاسف میں مبتلا دیکھا ہے اور یہ صورت حال اب میری برداشت سے باہر ہے، کئی بیماریاں میری جان کو لگ چکی ہیں اور صرف میں ہی کیا تمہارے ابا جی کو سال پہلے دل کا دورہ پڑ چکا ہے۔ بیلا کی اپنے شوہر سے نہیں بنتی، وہ گھر آئی بیٹھی ہے۔

ان دس سالوں میں ہم پر کیا کیا قیامتیں گزری ہیں، تمہیں کیا پتا...... یہ دیکھو ہاتھ جوڑ کر کہہ رہی کہ اپنے باپ کے کیے کی سزا ہم سب کو نہ دو۔ غلطی تو خیر ان کی بھی نہیں تھی، بس حالات ہی کچھ ایسے تھے، تم گھر چلو شاہنواز! اب بھی نہ گئے تو ماں کی مری ہوئی شکل دیکھنا، سوچ لو ناراضی قائم رکھنی ہے یا ماں کی میت۔'' وہ رونے لگیں۔

''مریں آپ کے دشمن اور ناراضی کیسی؟'' شاہنواز نے ان کے بندھے ہوئے ہاتھ زبردستی کھول دیئے۔ ''آپ اندازہ نہیں کر سکتیں میں خود بھی آپ سب سے ملنے کے لیے کتنا بے چین تھا۔ آپ کا خط مل گیا ہوتا تو اسی روز گاؤں پہنچ جاتا مگر......'' اس نے اپنی ماں کو بازوؤں میں سمیٹ لیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ ''کاش میں نے تھوڑی سی ہمت کر لی ہوتی تو یہ خاموشی ہمارے دس سال نہ نگلتی۔ لیکن اب میں دیر نہیں کروں گا۔ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ کے لیے میں نا قابل اعتبار نہیں ہوں۔ ابا جی کو میں خود منا لوں گا اماں جی۔ مجھے

یقین ہے جب ہاتھ جوڑ کر ان سے معافی مانگوں گا تو وہ ناراض نہیں رہیں گے۔'' وہ پر عزم لہجے میں بول رہا تھا اور اب اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں اپنوں کو پالینے کی چمک تھی۔

☆......☆......☆

''اچھا ہوا تم خود ہی آ گئیں۔ ورنہ اچار تو پڑا پڑا خراب ہو جاتا۔'' رفعت چچی نے اپنے تخت پر اس کے لیے جگہ بناتے ہوئے کہا۔

''ایں...... میرے آنے سے اچار کا کیا تعلق چچی!'' وہ ہنستے ہوئے ان کے قریب بیٹھ گئی اور سوالیہ نظروں سے ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔ چچی نے پہلے اجیہ سے اس کے لیے پانی لانے کا کہا پھر بولیں۔

''تازہ اچار ڈالا تھا، ارادہ تھا خود ہی دینے جاؤں گی اور اسی بہانے کچھ دیر تمہاری امی کے پاس بھی بیٹھ لوں گی۔ کب سے تمہارے چچا کے پیچھے پڑی ہوئی ہوں کہ باذل کو تو کبھی اپنے کھیل تماشوں سے فرصت نہیں ملتی، آپ ہی کسی دن لے چلیے ......مگر وہ بھی آج کل کوئی کاروبار کرنے میں لگے ہیں، یوں نہ میں خود آ سکی نہ تم لوگوں کے لیے اچار پہنچ سکا۔'' انہوں نے سبزی بناتے ہوئے جواب دیا تو وہ جلدی سے بولا۔

''ارے تو آپ ان دونوں کے انتظار میں کیوں بیٹھی رہیں۔ کل شفق کے ساتھ ہی آ گئی ہوتیں اور اجیہ بھی تو ہے...... جب سے ہم لوگ نئے گھر شفٹ ہوئے ہیں میلاد کے بعد آپ لوگوں نے چکر ہی نہیں لگایا۔'' اجیہ کے ہاتھ گلاس سے پکڑتے ہوئے اس نے شکوہ کناں نگاہوں سے اسے بھی دیکھا تو وہ جھٹ بولی۔

''بھئی میں تو پیپرز کے بعد اپنی نیندیں پوری کر رہی ہوں۔ جیسے ہی اس کام سے فرصت ملی پہلا وزٹ تمہارے گھر کا کیا جائے گا۔''

''اور اگر اتنی دیر میں اچار خراب ہو گیا تو......'' اس نے گھورا، اجیہ ہنسنے لگی۔

''کیسے خراب ہو گا؟ تم آ گئی ہو تو خود ہی لے جانا۔''

''جی نہیں۔'' اس نے گردن ہلا کر کہا، ساتھ ہی چچی جان کو دیکھ کر بولی۔ ''جو ارادہ کیا تھا اب اس پر عمل بھی کیجیے...... اچار لے کر خود ہی آنا ہو گا۔''

''بس پھر تو پہنچ چکا۔'' چچی نے مسکرا کر کہا۔

''کل شفق بھی تو آئی تھی آپ اسی کے ساتھ آ گئی ہوتیں۔''

''باذل کے ساتھ موٹر سائیکل پر صرف ایک ہی بیٹھ سکتی تھی۔ شفق جاتی یا میں...... ویسے بھی شفق کا جانا زیادہ ضروری تھا۔ آخر تیاریوں میں تمہارا ہاتھ بٹانا ہے۔'' انہوں نے خود کلامی کے انداز میں کہا پھر کچھ خیال آنے پر پوچھنے لگیں۔ ''کیسی ہو رہی ہیں تمہاری شادی کی تیاریاں؟ ویسے تو میں ضرور چکر لگاؤں گی، جلد از جلد...... لیکن اپنی امی سے کہنا میرے لائق کوئی کام ہو تو ضرور بتائیں۔''

اوراس سوال پر ثانیہ گہری سانس بھر کر رہ گئی۔ جس مرجھائے دل کے ساتھ وہ شادی کی تیاریاں کر رہی تھی، اس سے انہیں کیا آگاہ کرتی۔ شکر ہے شفق اسی وقت آ گئی تو اس نے فوراً ہی موضوع بدل دیا۔

''چچی جان! لگتا ہے آپ نے اپنی بہو کو کچھ زیادہ ہی ڈھیل دے رکھی ہے تبھی تو دن چڑھے تک سو رہی ہے۔'' وہ مخاطب چچی سے تھی مگر شرارتی نظریں شفق پر ٹکی تھیں۔ جس نے اسے دیکھتے ہی منہ پھلا لیا تھا۔ ہاں اس الزام پر ایک لفظ نہ بولی۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے میری بہو بہت سمجھدار ہے۔ فجر کی اذان کے ساتھ ہی اٹھ جاتی ہے۔ ابھی تو کاموں سے فارغ ہو کر نہانے گئی تھی۔'' چچی جان نے فوراً بہو کا دفاع کیا اور شفق کو دیکھ کر مسکرانے لگیں۔

''واہ آپ تو بڑی اچھی ساس ہیں۔ کتنی مہارت سے بہو کے نکمے پن پر پردہ ڈال رہی ہیں۔'' اس کا لہجہ و انداز ابھی بھی شراتی اور شفق کو چڑانے والا تھا۔

''تم امی کو میرے خلاف بھڑکانے کی جتنی مرضی کوشش کر لو، ان تلوں میں تیل نہیں ہے۔'' اس نے پیار سے چچی جان کی گردن میں بازو ڈالتے ہوئے کہا، سب ہنسنے لگے۔

ثانیہ نے نظر بچا کر اپنے دونوں پکڑے اور اشارے سے سوری بھی کہا۔ شفق چند لمحے اسے غصے سے گھورتی رہی، پھر چچی جان سے بولی۔

''امی! میں ثانیہ کو اپنے نئے سوٹ دکھانے کے لیے کمرے میں لے جاؤں؟''

''اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے۔'' انہوں نے جواب دیا پھر ثانیہ سے پوچھنے لگیں۔

''دوپہر کے کھانے میں تمہارے لیے کیا بنایا جائے یہ بتاتی جاؤ اور یہ بھی کہ چائے پیو گی کھانے سے پہلے یا نہیں...... کیونکہ دوپہر کے کھانے میں تو ابھی بہت وقت ہے۔''

''لنچ کا نام نہ لیں چچی! اتنی دیر کہاں رک سکتی ہوں۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

''ساڑھے بارہ بجے انٹرویو ہے میرا۔ یہاں قریب ہی ہیڈ آفس ہے۔ اس طرف آئی تو سوچا آپ لوگوں سے بھی ملتی چلوں۔''

''یہ کیا بات ہوئی بھلا۔'' چچی خفا ہونے لگیں۔

''کھانا تو کھا کر جاؤ۔''

''نہیں چچی! کھانا پھر کبھی سہی۔'' اس نے جواب دیا پھر بولی۔ ''البتہ چائے بہت اچھی سی پیوں گی۔''

''تم دونوں اندر چل کر بیٹھو۔ میں ابھی بنا کر لاتی ہوں۔'' اجیہ کچن کی طرف مڑ گئی تو وہ دونوں شفق کے بیڈ روم میں آ گئیں۔

''اب کیوں آئی ہو؟'' شفق نے اپنے پیچھے دروازہ بند کر کے صرف اس کے بیٹھنے کا انتظار کیا اور کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر لڑاکا

عورتوں کی طرح سوال داغ دیا۔

''کیا مطلب کیوں آئی ہو؟'' ثانیہ نے اطمینان سے بیٹھتے ہوئے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا اور بے حد تحمل سے بولی۔

''میرے چچا جان کا گھر ہے، کبھی بھی آسکتی ہوں۔''

''تو پھر یہاں کیا کر رہی ہو۔'' شفق نے جل کر کہا۔ ''جاؤ جا کر اپنی چچی کے پاس بیٹھو۔'' اس سے پہلے کہ وہ پلٹ کر دروازہ کھولتی ثانیہ نے جلدی سے اٹھ کر اسے کندھوں سے تھاما اور زبردستی بیڈ کی طرف لے آئی۔

''او میری ناراض محبوبہ! اتنا غصہ بھی آخر کس کام کا۔'' اس نے ہنستے ہوئے اس کو بیڈ پر بٹھا دیا۔ ''دیکھو میں خود آ تو گئی ہوں۔ اب کیا باضابطہ طور پر معافی مانگنا پڑے گی۔ یقین کرو امی سے اتنی ڈانٹ پڑی ہے۔''

''بہت اچھا ہوا۔'' شفق کا دل باغ باغ ہو گیا۔ ''میں تو کہتی ہوں صرف ڈانٹ ہی نہیں تمہیں تو مار پڑنا چاہیے۔ بتاؤ، میری کوئی غلطی نہیں پھر بھی بے عزت کر کے گھر سے باہر نکال دیا۔''

''بے عزتی کب کی تھی۔'' وہ منمنائی۔

''صرف باہر نکالا تھا، وہ بھی گھر سے نہیں......صرف کمرے سے۔''

''واہ واہ......سبحان اللہ......گویا چت بھی آپ کی اور پٹ بھی۔'' شفق کا غصے کے مارے برا حال تھا۔

''اچھا بابا! معاف کر دو مجھے۔ لو تمہاری خوشی کے باقاعدہ ہاتھ بھی جوڑ رہی ہوں۔'' اس نے سچ مچ ہاتھ جو دیئے۔ ''اللہ کے لیے اب تو بس کرو شفق! زندگی میں پہلے پریشانیاں کیا کم ہیں جو تم خفا ہو کر میری پریشانیوں میں اضافہ کر رہی ہو۔'' ہلکے پھلکے سے انداز میں کہتے ہوئے اس نے تکیہ گھسیٹا اور لیٹ کر چھت پر لٹکتے پنکھے کو دیکھنے لگی۔

شفق نے دوسرا تکیہ اٹھا کر اسے کھینچ مارا۔

''تمہیں شوق بھی تو بہت ہے چن چن کر پریشانیاں مول لینے کا، ہمیں تو تم نے ہمیشہ یہی نصیحت کی کہ بانٹ لینے سے پریشانیوں کا بوجھ کم ہو جاتا ہے تو اپنے معاملے میں یہ بات کیوں بھول جاتی ہوں ثانی! ہمیشہ ہر پریشانی پر اندر ہی اندر گھلتی رہتی ہو......آخر کون سا میڈل مل جانے کی امید ہے تمہیں۔'' اس کے تلخی سے کہنے پر ثانیہ یکدم ہنسنے لگی۔

''بس تمہارے منہ سے یہ سننا باقی تھا۔ ایک بات بتاؤ شفق! دل دکھانے والی بات ہمیشہ وہی لوگ کرتے ہیں جن سے ہم کبھی توقع نہیں کر رہے ہوتے۔''

وہ مسکرا رہی تھی مگر اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔ شفق کا دل ندامت سے بھر گیا وہ تو بڑی سے بڑی بات پر بھی آنسو نہ چھلکاتی تھی۔

''بتاؤ مجھے کیا پریشانی ہے؟'' اس نے پہلو بدلتے ہوئے اصرار سے پوچھا، یوں کہ ثانیہ عین نگاہوں کے سامنے تھی۔ ''وہ کیا بات

ہے جو تمہیں اندر ہی اندر مضمحل کر رہی ہے۔ ہم سب غیر نہیں تمہارے اپنے ہیں...... بتاؤ تو سہی۔ ممکن ہے مسئلے کا کوئی حل نکل آئے۔“

”ہاں...... تم سب ہی تو میرے اپنے ہو۔“ اس نے گہری سانس بھرتے ہوئے تھکے تھکے سے لہجے میں کہا۔ ”میں نے سوچا تھا ساری پریشانیاں اپنے تک محدود رکھوں گی تاکہ تم لوگوں کو زحمت نہ اٹھانا پڑے...... لیکن اب سوچتی ہوں میں نے غلطی کر ڈالی، خود پر ضرورت سے زیادہ بوجھ لادنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ عین وقت پر درست فیصلہ کرنے کی سکت نہ رہی مجھ میں...... حالانکہ ہم سب مل کر سوچتے تو مسئلے کا حل نکالا جا سکتا تھا۔“ اس کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔

”پہیلیاں مت بجھواؤ...... مجھے اصل بات بتاؤ۔“ شفق نے ڈپٹا۔

”کہاں سے شروع کروں؟“

”جہاں سے بھی تمہیں مناسب لگے۔“

”وعدہ کرو۔ تم امی سے کچھ نہیں کہو گی...... جب تک کوئی مناسب حل نہ مل جائے۔“

شفق جھجکی، پھر اس سے کچھ اگلوانے کی جلدی میں بولی۔

”اچھا ٹھیک ہے۔ وعدہ رہا۔“

ثانیہ دیر تک خاموش رہی پھر آہستہ آہستہ اسے اس روز کی روداد سنانے لگی جب حنان اسے ڈنر پر لے گیا تھا اور راستے میں اکیلا چھوڑ دیا تھا۔ شفق نے غم و غصے سے مٹھیاں بھینچ لیں۔

”وہ گھٹیا آدمی...... میں تو پہلے ہی جانتی تھی وہ تمہارے قابل نہیں ہے۔ اور یہ بات تم مجھے اب بتا رہی ہو۔ اتنے روز بعد۔ حالانکہ اسی روز شمسہ آنٹی سے بھی بات کرنا چاہیے تھی۔ آخر ان کا بیٹا تمہیں سمجھتا کیا ہے؟ کوئی گری پڑی لڑکی...... اللہ! وہ میرے سامنے آجائے تو منہ نوچ لوں اس کا۔ بلکہ تم چلو ہم آج ہی شمسہ آنٹی سے بات کرتے ہیں...... اور اگر انہوں نے ذرہ برابر بھی اپنے بیٹے کی طرف داری کی تو منگنی کی انگوٹھی بڑے احترام سے ان کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔“ وہ بھڑک کر بولی۔

”امی نے عانیہ اور تیمور کا صدمہ جیسے تیسے کر کے سہہ لیا تھا۔ مگر میری شادی ٹوٹنے کا صدمہ نہیں سہہ پائیں گی۔ میری یہ بات یاد رکھنا۔“ اس کا لہجہ...... شفق جھاگ کی طرح بیٹھ گئی مگر غصے سے ابھی تک سلگ رہی تھی۔

”ابھی بھی وقت ہے ثانیہ دفع کرو حنان کو...... مجھے یقین ہے ابھی بھی شاہنواز بھائی۔“

”نہیں۔“ اس نے فوراً ٹوک دیا، کچھ دیر دانتوں سے لب کچلتی رہی پھر بولی۔

”اس کی نظر میں تو پہلے ہی میں بے وقعت ہوں۔ اس کی ہمراہی میں مجھے کون سا عزت نفس و خودداری کا تحفظ ملنا ہے اور جب ان دو بنیادی ضروریات کے بغیر ہی زندگی گزارنا ہے حنان کیا برا ہے۔“

''اوہ پلیز......تم حنان اور شاہنواز بھائی کا کمپیئرزن نہ کرو۔ کہاں حنان اور کہاں شاہنواز بھائی جیسا سلجھا ہوا لڑکا۔''

''تمہارے اس سلجھے ہوئے بھائی نے حنان سے پہلے مجھے جتا دیا تھا کہ میں یہ شادی دولت کے لیے کر رہی ہوں۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''کیا؟'' شفق کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''گو کہ اس میں کچھ غلط بھی نہیں۔'' چند لمحے بعد اس نے کہا۔ ''مگر......مگر یہ بات وہ نہ کہتا۔'' اس کا لہجہ دکھ کا غماز تھا۔

''میں نے تم سے پوچھا تھا نا......دل دکھانے والی بات وہی لوگ کیوں کہتے ہیں جن سے ہم توقع نہیں رکھتے۔'' اس کے دکھی لہجے میں جو اعتراف تھا اس نے شفق کو ملول کر دیا۔

''میں نے تمہیں کتنا سمجھایا تھا کہ سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کل کو پچھتانا پڑے اپنی غلطی پر۔''

''نہیں شاہنواز کے معاملے میں مجھ سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ اچھا ہی ہوا کہ میں نے اس سے کوئی آس نہیں لگائی، البتہ حنان کے معاملے میں غلطی ہوئی اور......غلطی کا کفارہ تو ادا کرنا ہی پڑتا ہے۔'' اس کا ہارا ہوا انداز شفق کو اور بھی غمزدہ کر گیا تھا۔

''غلطی کا نہیں......جرم کا کفارہ ادا کیا جاتا ہے۔'' اس نے تصحیح کرتے ہوئے گویا سمجھانا چاہا۔

''ایک ہی بات ہے۔'' وہ بولی۔

''میری غلطی میرا جرم ہے کفارہ تو ادا کرنا ہی پڑے گا۔''

❁ ❁

ناول **بساطِ دل** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات آپ آنے والی ان تاریخوں (15th, 20th, 25th) میں پڑھ سکیں گے۔

مومنہ کے پاس دو ہزار روپے نہیں تھے لیکن جیسے بھی ممکن ہوسکا اس نے ایک ہزار روپے گل بانو کے حوالے کر دیئے تھے۔ ساتھ ہی تاکید بھی کی کہ اسماء کے علم میں کوئی بات نہ آنے پائے۔ وہ تو مومنہ اور گل بانو کی دوستی کے حق میں بھی نہیں تھی۔ کجا کہ اس کی مالی مدد کرنا۔

گل بانو بے چاری مسکین، بے یار و مددگار اور بے آسرا لڑکی تھی۔ بے پناہ مشکور ہوئی، ساتھ ہی مومنہ کو یقین دلایا کہ وہ یہ بات اسماء کے علم میں نہیں آنے دے گی۔

''یہ احسان تمہارے اور میرے درمیان رہے گا، کسی تیسرے تک بات پہنچے گی تبھی اسماء باجی کے علم میں یہ بات آئے گی۔ میں تو قطعاً اتنی احسان فراموش نہیں ہوں کہ اپنی محسنہ کو مشکل میں ڈالوں۔''

''اب بس بھی کریں۔'' مومنہ نے جھنجھلا کر کہا۔ ''کیا احسان، احسان کیے جا رہی ہیں۔ اور میں کون سا آپ کو آپ کی مطلوبہ رقم دے پائی ہوں جو آپ اتنی احسان مندی جتا رہی ہیں۔''

''تم سے جتنا ہوسکا تم نے کیا...... ویسے بھی میں جانتی تھی صرف تم ہو جو میری مدد کر سکتی ہو۔ اب میں ان روپوں سے سب سے پہلے تھوڑا راشن ڈلواؤں گی۔''

''ہاں...... اور اگر ممکن ہو تو اجمل بھائی کو فون کر کے کچھ روپے مانگیں اور دو تین سوٹ بھی بنوا لیں۔'' اس نے ہمدردی سے کہا۔

''میں تمہارے روپے واپس کر دوں گی مومنہ! ایسی بھی کیا جلدی ہے۔'' اس کا لہجہ سادہ تھا مگر مومنہ بری طرح شرمندہ ہوگئی۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ وہ تو آپ کی آستین پھٹی ہوئی ہے۔ پرسوں بھی آپ جو سوٹ پہنے ہوئے تھیں وہ بہت گھسا ہوا تھا۔ میں نے تو بس اسی لیے۔'' وہ شرمساری سے وضاحت دینے لگی۔

''ارے تو اس میں اتنا بوکھلانے کی کیا ضرورت ہے۔'' گل بانو نے پیار سے اس کا گال تھپتھپایا۔

''میں جانتی ہوں اس دنیا میں صرف تم ہی میری خیر خواہ ہو، بس فکر ہے تو اس بات کی کہ بہت معصوم ہو...... دنیا انسانیت کی قیمت کم لگاتی ہے، نفع کم دیتی ہے۔''

''ایں......'' وہ ناسمجھی سے اس کی شکل دیکھنے لگی اور گل بانو اس کے تاثرات دیکھ کر قہقہہ لگا کر ہنس دی۔

''کچھ نہیں...... ویسے بھی تم نہیں سمجھو گی، کہا نا بہت معصوم ہو، آم کھاؤ گی؟'' اس نے اچانک بات بدل کر پوچھا۔

''اونہوں...... موڈ نہیں ہے۔ ویسے بھی بہت دیر ہوگئی، اب چلتی ہوں امی سے ثمن کی طرف جانے کا کہہ کر آئی تھی۔''

''ارے بیٹھو...... تھوڑا سا آم کھانے میں کتنا وقت لگے گا۔'' وہ اندر سے پلیٹوں میں آم لے آئی، بڑے بڑے پیلے صحت مند آم...... جن کی تعریفوں میں گل بانو رطب اللسان تھی۔ مومنہ کے منہ میں پانی آنے لگا۔

''لو چکھ کر دیکھو...... اللہ کی قسم اتنے مزے دار آم ہیں کہ میرا دل چاہتا ہے ساری پیٹی آج ہی چٹ کر جاؤں۔'' مومنہ پھانک لیتے لیتے رک کر گل بانو کی شکل دیکھنے لگی۔ جو بھلے ہی آج پھٹا ہوا لباس پہنے ہوئے تھی مگر انداز پچھلے روز سے مختلف تھا لیکن مومنہ کا دماغ آم کی پیٹیوں میں ہی اٹکا ہوا تھا۔

''اگر گل بانو کے پاس راشن خریدنے کے پیسے نہیں ہیں تو آموں کی پیٹی کہاں سے آئی؟'' اس نے سوچا۔

''کیا سوچ رہی ہو۔ لو نا۔'' گل بانو نے اصرار کیا اسی وقت بیرونی دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ گل بانو اب ایک کے بعد دوسرا آم کاٹ رہی تھی۔

''منی! ذرا دیکھنا تو۔''

مومنہ متذبذب سی بیٹھی رہی مگر پھر اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔

''آ......'' کوئی دروازے سے ٹیک لگائے کھڑا تھا اور یقیناً اچانک دروازہ کھلنے کی توقع نہیں کر رہا تھا تبھی گرتے گرتے بچا، مومنہ بوکھلا کر پیچھے ہٹی۔

''سوہنیو! آپ کو اچانک حملہ کرنے کی عادت ہے۔ پیشگی اطلاع تو دیا کرو۔'' سنبھل کر وہ پلٹا اور اس پر نظر پڑتے ہی ٹھٹک کر رک گیا۔

وہ پہلے ہی بوکھلائی ہوئی تھی اس کے اس طرح دیکھنے پر بالکل ہی گڑبڑا گئی۔

''چچ...... چوٹ تو نہیں لگی؟''

''بڑی زور سے لگی ہے۔'' اس نے بے ساختہ دایاں ہاتھ دل پر رکھا اور ٹکٹکی باندھ کر مومنہ کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''جی......'' وہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

''کس سے ملنا ہے؟''

''پری سے۔'' انداز ہنوز۔

''یہاں کوئی پری نہیں رہتی۔'' اب کے مومنہ نے اپنی ناگواری چھپائی۔

''تو پھر دروازہ کس نے کھولا ہے؟'' کمال معصومیت سے پوچھا گیا۔

''آپ کے شاید سر پر چوٹ لگی ہے۔'' وہ درشتگی سے بولی۔

''مجھے آپ کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں لگ رہا۔''

''بالکل ٹھیک فرمایا۔'' وہ مسکرایا۔

''دیوانوں کو سہارا دینا تو عین ثواب کا کام ہے۔ تو کیا امید رکھوں'' وہ دروازے کے فریم پر ہاتھ رکھ کر قدرے جھکا۔ مومنہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ عجیب جاہل آدمی تھا۔

''ارے غازی! تم کب آئے؟ اور باہر کیوں کھڑے ہو۔ اندر آؤ نا'' معاً اس نے اپنے عقب میں گل بانو کی آواز سنی۔

''میں تو آ ہی رہا تھا کہ ایک پری راستہ روک کر کھڑی ہوگئی۔ گل بانو تمہارے گھر میں پریاں اترتی ہیں۔ کبھی بتایا ہی نہیں'' نظریں اس پر تھیں مخاطب گل بانو...... مومنہ کی پیشانی پر بوندیں چمکنے لگیں۔

گل بانو قل قل کرتی ہنسنے لگی۔

''مجھے پتا ہوتا تم جیسا شہزادہ، پریاں دیکھنے کے شوق میں کھنچا چلا آئے گا تو ضرور بتاتی۔ خیر اس سے ملو یہ میری سہیلی......''

''ہمیں تو ''ملنے'' پر کوئی اعتراض نہیں، لیکن ایک بار ان سے پوچھ لو۔''

مومنہ کا دل چاہا گھما کر ایک تھپڑ رسید کرے، ایک تو اس کی نظریں، پھر بات کرنے کا خبیث انداز، اور سب سے بڑھ کر گل بانو کی ہنسی...... مومنہ کو لگا اس کا وجود انگاروں کی زد میں ہے۔

''غازی!'' گل بانو کی متبسم آواز آواز میں تنبیہہ تھی۔

''یہ میری سہیلی ہے مومنہ!''

''باخدا ایسی ایک سہیلی سب کو ملنی چاہیے۔ ویسے یہ مومنہ ہے تو کافر ہم بھی نہیں۔ خوب گزرے گی۔''

''باجی! میں چلتی ہوں۔'' مومنہ کی برداشت بالکل ہی جواب دے گئی تھی۔

ارے رکو نا...... ابھی تو آم کھانے ہیں اور یہ غازی لیچیاں بھی لے آیا ہے...... مل کر کھائیں گے۔'' گل بانو کو اللہ جانے اس کی پیشانی پر پڑی لکیریں دکھائی نہیں دے رہی تھیں یا جان بوجھ کر نظر انداز کر رہی تھی۔

''نہیں میں چلوں۔ امی انتظار کر رہی ہوں گی۔''

''کاش آج بارش ہی برس رہی ہوتی تو ہم گاتے...... کچھ دیر تو رک جاؤ...... برسات کے بہانے۔''

وہ اس کا راستہ روکتا ہوا عاشقانہ انداز میں گویا ہوا، تب مومنہ نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا اور سرعت سے ایک طرف سے نکل کر آگے بڑھ گئی۔

گل بانو کی آوازوں نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔

☆......☆......☆

اور پھر اگلے کئی روز تک اس نے گل بانو کے گھر کا رخ نہیں کیا۔

یہ نہیں کہ اسماء کی باتوں کا اثر تھا، بس اس روز اس کے واقعے سے دل میں گرہ سی پڑ گئی تھی۔

''آخر گل بانو کو اس شخص کو روکنا چاہیے تھا۔ جب وہ اتنے فضول انداز میں گفتگو کر رہا تھا تو اسے ٹوکنا چاہیے تھا۔ مگر وہ ہنستی رہی، جیسے کہ وہ بڑی دلچسپ گفتگو کر رہا ہو اور...... مگر وہ تھا کون؟ بے تکلفی سے گل بانو کے گھر میں گھسا چلا آ رہا تھا؟''

کئی سوال، اگلے کئی روز تک اس کے ذہن میں بگولوں کی طرح گردش کرتے رہے، اسماء نے جب اسے اتنا بے کل دیکھا تو اس کی فراغت کی دین سمجھا اور ڈھیر سارے غلاف اور رنگین ریشمی دھاگوں کے ساتھ جا کر ثمن کی شاگردی میں دے آئیں۔

''اب تم اسے کڑھائی سکھا دو۔''

ثمن خود اپنی شادی کی تیاریوں میں لگی ہوئی تھی۔ لیکن خوشدلی سے اس کا استقبال کیا۔

''ضرور کیوں نہیں۔''

''لیکن مجھے سب آتا ہے۔'' مومنہ البتہ معترض تھی، ثمن ہنسنے لگی۔

''یہ بھی ٹھیک ہے۔ پھر یوں کرو تم وہ سب کچھ مجھے سکھا دو۔''

ثمن کے پاس دوسروں کو باندھ لینے کا گر تھا۔ مومنہ جلد ہی بہل گئی اور شوق سے ہر روز اس کے گھر جانے لگی۔ یوں بھی گاؤں میں گل بانو کے علاوہ صرف ثمن ہی اس کی سہیلی تھی۔ گل بانو کے یہاں جانے کی اجازت نہ تھی۔

لہٰذا وہ اپنی بوریت سے گھبرا کر ثمن کے پاس آ جاتی۔

ایک روز ثمن بولی۔

''ساتھ والے گاؤں میں کچھ روز بعد کٹائی کا میلہ شروع ہونے والا ہے۔ دیکھنے چلو گی؟''

''میلہ؟'' اس نے پل بھر کے لیے سوچا۔

''کون کون جائے گا؟''

''میری سب سہیلیاں جا رہی ہیں، ندرت، عنبرین، قدسیہ، تم اور میں۔''

''صرف لڑکیاں؟'' مومنہ مایوس ہو گئی۔

''میلے میں لڑکیوں کو اکیلے جانے کی اجازت کون دے گا؟''

''یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ اجازت لینا میری ذمہ داری۔'' وہ لاپروائی سے بولی۔

''ویسے بھی ایک اکیلا ہوتا ہے پانچ نہیں۔'' وہ ہنسنے لگی۔

''لیکن اگر پھر بھی اجازت نہ ملی تو ناصر سے کہیں گے وہ ہمیں لے جائے گا۔''

''ناصر......''

''ہاں......ناصر تمہیں یاد ہے؟''

مومنہ کے ذہن کے پردے پر دو آنکھیں لہرا گئیں بڑی بڑی اور شرارت سے اٹا اٹ بھری۔

''میں نواب شاہ سے گیارہ ماہ بعد آئی ہوں، گیارہ سال بعد نہیں کہ کسی کو بھول جاؤں۔'' اس نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

''ویسے ناصر ہے کہاں؟ مجھے تقریباً ڈیڑھ ماہ ہو گئے آئے ہوئے، لیکن ایک بار بھی دکھائی نہیں دیا۔'' دل میں دبا سوال لبوں پر آ گیا، جیسے اس نے مہارت سے سرسری پن کا لبادہ اوڑھا دیا۔

''لو، تمہیں نہیں پتا اسے قصور میں نوکری مل گئی ہے، کسی بینک میں، ساتھ ساتھ پرائیویٹ ایم اے بھی کر رہا ہے، اسی لیے کم کم گاؤں آتا ہے۔ ویسے بڑا ہنڈسم ہو گیا ہے، میں اسے کہہ رہی تھی...... تمہیں تو نوکری راس آ گئی میاں...... کہنے لگا بات نوکری کی نہیں ہے آپا! مجھے محبت راس آ گئی ہے، ورنہ آپ کو تو پتا ہے مجھے خود پر دھیان دینے کی عادت نہیں۔ ایمان سے مومنہ! مجھے اتنی حیرانی ہوئی کہ کیا بتاؤں، بڑی منتیں بھی کیں کہ اس کا نام تو بتا دو...... کہنے لگا صرف نام نہیں بتاؤں گا ملاؤں گا بھی...... ذرا اسے واپس آ لینے دیں...... دیکھنے میں پری جیسی لگتی تھی۔ لیکن کسی جادوگرنی کی طرح میرا دل لے کر اڑنچھو ہو گئی۔'' ثمن بولنے لگی تو بولتی ہی چلی گئی۔ جبکہ مومنہ کا دل ہر ہر لفظ پر عجیب انداز سے دھڑک رہا تھا۔ مگر ذہن ایکدم ''پری'' میں اٹک گیا اور ناگواری سر چڑھ کر بولنے لگی۔

''وہ آئے تو تم دیکھنا۔''

''لو...... مجھے کیا ضرورت ہے۔'' اس نے سر جھٹکا۔

''اچھا بتاؤ نا۔ چلو گی پھر؟'' ثمن نے پھر پوچھا۔

''کچھ کہہ نہیں سکتی...... اماں نے اجازت دی تو چلی جاؤں گی۔ اگر گل بانو باجی جی وہاں نہ گئیں تب تو آرام سے اجازت مل جائے گی۔'' اس نے پرسوچ انداز میں کہا۔

''یہ کیا بات ہوئی؟''

''اماں باجی جی سے ملنے نہیں دیتیں۔''

''بہت اچھا کرتی ہیں۔'' ثمن ترنت بولی۔

''تم سب لوگ ہمیشہ سے ان کے دشمن ہو۔'' وہ ناگواری سے بولی۔

''اسے ہماری دوستی کی ضرورت بھی نہیں۔'' وہ سوئی میں دھاگہ پروتے ہوئے بولی۔

''اور جن کی ضرورت ہے انہیں وہ ساتھ لیے پھرتی ہے۔''

''جانے بھی دو ثمن!'' اس نے جھنجلا کر مکھی اڑائی۔

''کون ہے جو اس گاؤں میں ان کا دوست ہے۔ گیارہ مہینے پہلے ان کے جتنے دشمن تھے گیارہ مہینے بعد دیکھ رہی ہوں کہ اس سے زیادہ لوگ ان کی مخالفت کر رہے ہیں۔''

''اور تم پھر بھی اس کے نام کی تسبیح پڑھنے سے باز نہیں آ رہیں۔ بے وقوف لڑکی! زیادہ لوگ ہم زبان ہوں تو ان کی بات کا یقین کر لینا چاہیے، کیونکہ زیادہ لوگوں کی رائے عام پر صائب ہوتی ہے۔''

''عام طور پر...... ہمیشہ نہیں۔'' اس نے جرح کرتے ہوئے کہا۔

''سب لوگ کہتے ہیں وہ بری ہیں...... لیکن برائی کیا ہے یہ کوئی نہیں بتاتا...... گیارہ مہینے پہلے بھی میں لاعلم تھی، آج بھی ہوں، فرق صرف اتنا پڑا ہے کہ اس بری لڑکی کی حالت پہلے سے زیادہ خراب ہو چکی ہے۔ تمہیں پتا ہے ان کے گھر میں راشن تک نہیں تھا، یہاں تک کہ انہیں مجھ سے پیسے مانگنا پڑے۔''

''کتنے......؟''

مومنہ نے زبان دانتوں تلے داب لی۔

''میں نے کچھ پوچھا ہے؟'' ثمن نے ڈپٹ کر کہا۔

''دو ہزار مانگے تھے۔ مگر میرے پاس صرف ہزار تھے۔'' اس نے سر جھکا کر بتایا۔

''بیڑہ غرق ہو تمہارا مومنہ۔'' ثمن جھنجلا ہی گئی۔

''وہ جتنا تمہیں بے وقوف بنا رہی ہے اور مجھے حیرانی ہے کہ تم کتنے آرام سے بے وقوف بن بھی رہی ہو وہ بھی اس صورت حال میں جبکہ وہ تمہارے ہی گھر میں نقب لگا چکی ہے۔''

''ایں...... کیا مطلب؟''

''تمہیں پتا ہے اجمل بھائی اور سکینہ بھابھی نے گل بانو سے لاتعلقی کیوں اختیار کی ہے؟''

''وہ دونوں ہمیشہ سے خود غرض رہے ہیں۔''

''جی نہیں۔'' ثمن پھاڑ کھانے کو دوڑی۔

''پھر......؟'' وہ سرتاپا سوال بن گئی۔ ثمن نے سر پیٹ لیا اور گہری سانس بھر کر بولی۔

''تم اپنے گھر چلو...... اب سب کچھ تمہاری اماں تمہیں بتائیں گی۔''

''تم میری شکایت لگاؤ گی؟'' مومنہ بدک کر بولی۔

''یقیناً......''

''پھر ساری زندگی مجھ سے بات نہ کرنا......تمہاری میری دوستی ساری عمر کے لیے ختم۔'' وہ روہانسی ہوگئی۔

''کوئی فکر نہیں......شادیوں کے بعد میکے کی دوستیاں یوں بھی ختم ہو ہی جاتی ہیں۔'' وہ حد درجہ پرسکون تھی۔

''ثمن......'' وہ سچ مچ آنکھوں میں آنسو بھر لائی۔ ''تم میری دوست نہیں ہوں۔''

''پرخلوص دوست ہوں اس لیے اب وہی کروں گی جو تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔''

''اب تمہارے پاس دو آپشن ہیں یا تو خود جا کر اپنی اماں کو بتادو یا مجھے بتانے دو۔''

''دونوں صورتوں میں اماں میرا قتل کردیں گی۔'' وہ پھاڑ کھانے کو دوڑی۔

''جلاد کے خاندان سے نہیں ہیں......تمہیں اپنے حق میں صفائی دینے کا موقع تو ضرور دیا جائے گا۔'' مومنہ نے ہاتھوں میں پکڑے دھاگے گچھم گچھا کر کے اس پر اچھال دیے اور غصے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کہاں جارہی ہو؟'' ثمن نے اسے دروازے کی طرف بڑھتے دیکھ کر پوچھا۔

''خودکشی کرنے۔'' وہ چلتے چلتے گردن موڑ کر چلائی۔

''رکو......میں بھی آتا ہوں۔'' کسی نے تصادم سے بچنے کے لیے اسے کندھوں سے پکڑ کر روکا تھا۔ ''کہیں تم اپنا ارادہ بدل نہ دو۔'' سنجیدہ انداز متبسم لہجہ۔ مومنہ نے چونک کر سر اٹھایا۔ مخاطب کی آنکھوں میں اپنائیت و شرارت کے رنگ جگر جگر کر رہے تھے۔ اس کے ذہن میں پہچان کا کوندا سا لپکا، مگر خود ہی الجھ گئی۔ نہ وہ لاابالی حلیہ، نہ چہرے سے ٹپکتی حماقت، مونچھیں رکھ کر چہرے پر ذمہ دارانہ تاثر بھی پیدا کرلیا تھا۔ وہ چپکے سے ثمن کی بات پر ایمان لے آئی، وہ سچ مچ ہینڈسم ہوگیا تھا۔

''کیا بہت اچھا لگ رہا ہوں۔'' وہ شوخ ہوا۔

''چلو اچھا ہے مرنے سے پہلے اچھی شکل دیکھ لی ہے۔ آگے بھی سب اچھا اچھا ہوگا، یعنی فرشتے حساب کتاب میں ہاتھ ہلکا رکھیں گے۔''

''دفع دور......اونہہ......'' وہ پیر پٹختی آگے بڑھ گئی۔

''اب غلطی سے بھی شیشہ نہ دیکھ لینا۔'' وہ پیچھے سے آواز لگانا نہیں بھولا تھا۔ مومنہ جلتی بھنتی دروازہ عبور کرگئی۔

''ناصر! سنا ہے شیطان کو یاد کرو تو وہ فوراً حاضر ہوجاتا ہے۔'' ثمن شرارت سے بولی۔

''میں نے بھی وہی سنا تھا۔ مگر آج پتا چلا کبھی کبھی چلا بھی جاتا ہے۔'' وہ مسکراتا ہوا اس کی طرف آ گیا۔

''اسے کیا ہوا؟'' اشارہ مومنہ کی طرف تھا۔

''کون؟''ثمن نے پہلے ناسمجھی سے اسے دیکھا، پھر دھاگہ سلجھاتے ہوئے لاپروائی سے بولی۔

''کچھ نہیں۔''

''پھر وہ اتنے غصے میں یہاں سے کیوں گئی ہے؟''اسے کھد بد لگی ہوئی تھی۔

''پاگل ہے وہ بالکل...... معمولی سی بات پر خفا ہوگئی۔''

''وہ پاگل اور میں اس کے لیے پاگل ہوں...... انشاءاللہ خوب گزرے گی جب مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔''وہ زیرِلب مسکرانے لگا۔

ثمن نے اسے مسکراتے دیکھا تو مشکوک انداز میں گھورنے لگی۔

''چپکے چپکے کس خوشی میں مسکرایا جارہا ہے؟''

''میں سوچ رہا تھا پاگلوں کا کوئی بھروسہ نہیں...... کہیں سچ مچ خودکشی نہ کر بیٹھے...... میں تو شادی سے پہلے ہی ''بیوہ'' ہوجاؤں گا۔''

وہ اس کے پیچھے لپکا۔

''بے وقوف...... بیوہ عورتیں ہوتی ہیں مرد تو......''وہ اس کی تصحیح کرنے جارہی تھی یکدم ٹھٹک گئی۔ ناصر تیز تیز قدم اٹھاتا دروازہ عبور کرگیا اور ثمن نے سر پیٹ لیا۔

''لو...... یہ تو سامنے کی بات تھی جو میری سمجھ میں ہی نہیں آئی۔''

☆......☆......☆

اور مومنہ جانتی تھی کہ ثمن اسے منانے ضرور آئے گی۔ مگر وہ بھی جانتی تھی کہ ثمن اپنے الفاظ سے نہیں پھرے گی اور گل بانو کو روپے دینے والی بات اسماء کو بتانے سے نہیں چوکے گی۔

درحقیقت یہی اس کی پریشانی و بے زاری کا سبب تھا۔

اس نے سوچا اسے کسی بھی طرح ثمن کو اس کے ارادے سے باز رکھنا ہوگا۔ بصورت دیگر اسے امی سے اپنی ہڈیاں سنکوانے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ یہی سوچتے ہوئے وہ کھیتوں کی طرف نکل آئی۔ یہاں تیز چمکیلی زرد دھوپ کھیتوں پر پھیلی تھی اور دوپہر کی مخصوص ہوا سے دانوں سے بھری ہوئی سنہری بالیاں جھول رہی تھیں۔

راستے میں ایک نالہ پڑتا تھا، جس کے کناروں پر چھوٹی چھوٹی خودرو گھاس اگی ہوئی تھی اور سنبل کا ایک درخت آسمان کی طرف منہ اٹھائے کھڑا تھا۔ نالے کا پاٹ خاصا چوڑا تھا۔ اس نے بنا پانی میں اترے دوسری طرف پہنچنے کی ترکیب سوچتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔ تبھی کھیت کے آخری سرے پر اسے ایک سر دکھائی دیا۔ ذرا غور کرنے پر پتا چلا وہ کوئی اور نہیں گل بانو تھی اور سر جھکائے کسی سے بات کررہی تھی۔

مومنہ نے اسے آواز دے کر متوجہ کرنا چاہا۔ پھر کچھ سوچ کر پنجوں کے بل اوپر اٹھ کر دیکھنے کی کوشش کی کہ گل بانو کے ساتھ کون

ہے، تبھی گل بانو کی نظر اس پر پڑ گئی اور اس نے وہیں سے ہاتھ ہلانا شروع کر دیا۔

''نظر تو کوئی نہیں آیا۔'' گل بانو کو اپنی طرف آتا دیکھ کر اس نے سوچا۔ ''کہیں انہیں پھر سے دورہ تو نہیں پڑ گیا۔'' اسی اثناء میں گل بانو اس کے قریب پہنچ چکی تھی۔

''شکر ہے تم یہیں مل گئیں...... ورنہ میں سوچ رہی تھی، تم سے ملنے کے لیے کوئی اچھا سا بہانہ سوچنا پڑے گا۔'' تیز چلنے کی وجہ سے اس کی سانس پھول رہی تھی۔

''تو آپ مجھ سے ملنے گھر آ جاتیں۔'' اس کی نظریں لاشعوری طور پر وہیں بھٹک رہی تھیں، جہاں سے گل بانو آئی تھی۔

''نہ بابا...... تمہارا اماں سے بہت ڈر لگتا ہے مجھے۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

''اتنی بھی بری نہیں ہیں وہ۔'' وہ خفگی سے بولی، گل بانو ہنس دی۔

''ہاں...... بری تو میں ہوں۔'' پھر پائنچے اڑس کر نالے کے صاف شفاف ٹھنڈے پانی میں پاؤں ڈال کر بیٹھ گئی۔

''آؤ...... کچھ دیر یہاں بیٹھتے ہیں۔''

''نہیں...... اماں انتظار کر رہی ہوں گی۔''

ارے...... بیٹھ جاؤ...... چند منٹ سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' اس نے ہاتھ کھینچ کر زبردستی مومنہ کو بٹھا لیا۔

''باجی جی! آپ وہاں کیا کر رہی تھیں؟'' پاؤں احتیاط سے پانی میں ڈال کر اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''بڑی ٹھنڈی جگہ ہے...... گھر کی تنہائی سے گھبرا کر میں اکثر یہاں آ جاتی ہوں، جب تک یہاں اچھا لگے بیٹھی رہتی ہوں، پھر وہاں کھیتوں میں جا کر سو جاتی ہوں۔'' اس نے سہولت سے بتایا، یوں محسوس ہوا جیسے وہ پہلے سے اس سوال کا جواب تیار کیے بیٹھی تھی۔ مگر مومنہ کو تو حیرانی کا زوردار جھٹکا لگا تھا۔

''اتنی ویران جگہ پر آپ کو نیند کیسے آتی ہے؟'' اس نے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔ گل بانو تلخی سے مسکرانے لگی۔

''ہم سے برباد لوگوں کو فرق نہیں پڑتا۔ ویرانی ہو یا رونق...... ہر جگہ یادوں کا میلہ لگا کر بیٹھ جاتے ہیں۔''

''پھر وہی ڈائیلاگ...... وہی افسانوی باتیں...... ایسا لگتا ہے ٹی وی کے کسی ڈرامے کا کردار بول رہا ہو۔'' اس نے ناک چڑھا کر بے زاری سے کہا۔ ''میری سمجھ میں تو آپ کی باتیں نہیں آتیں۔''

''اب تمہیں بھی ہماری باتیں سمجھ نہیں آتیں۔'' وہ بے سبب ہنسنے لگی اور مومنہ کو درحقیقت اب اس کی ہنسی سے چڑ ہونے لگی تھی۔

یہاں ہوا کچھ تیزی سے چلتی تھی اور ٹھنڈا پانی پیروں کو گدگداتا ہوا گزر رہا تھا۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر گندم کی ایک بھری ہوئی بالی توڑی، ہتھیلی پر مسل کر دانے نکالے اور ایک ایک کر کے پھانکنے لگی۔

جب کافی وقت خاموشی سے نکل گیا تو اس نے ترچھی نظروں سے گل بانو کو دیکھا، اس کا چہرہ ہمیشہ جیسا ہی تھا، خوبصورت اور اداس...... پھر مصالحانہ انداز میں گندم کے دانوں والی ہتھیلی اس کے سامنے پھیلا دی۔

''آپ کو مجھ سے کوئی کام تھا؟ کیوں ملنے کا بہانہ ڈھونڈ رہی تھیں؟''

گل بانو نے چند دانے چن لیے اور انہیں ہاتھ میں لے کر دیکھتی رہی۔

''مجھے تم سے بہت ضروری کام تھا اور غازی کا پیغام بھی دینا تھا۔''

''کیا کام؟ اور غازی کون؟''

''ارے تم غازی کو بھول بھی گئیں۔'' گل بانو نے دانے منہ میں ڈالے اور ہاتھ جھاڑ کر بولی۔

''اور وہ بے چارہ دن...... تمہارا نام لے کر شروع کرتا ہے۔''

حیرانی و ناسمجھی سے مومنہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''وہی غازی...... جس سے اس روز تم میرے گھر کے باہر ملی تھیں...... ایسا گھبرو جوان...... بھولنے کی چیز تو نہیں ہے۔ تم کیسے بھول گئیں...... کئی لڑکیاں جان دیتی ہیں اس پر۔''

''دیتی ہوں...... میں کیا کروں۔'' مومنہ کی پیشانی پر پڑے ہوئے بل اب ناگواری سے گہرے ہو گئے کہ وہ بدتمیز سا شخص یاد آ گیا تھا۔

''اتنی ناگواری کا اظہار نہ کرو منی! اچھا آدمی ہے پھر تمہیں پسند بھی بہت کرتا ہے۔'' گل بانو نے تو عام سے لہجے میں انکشاف کیا مگر مومنہ اپنی جگہ سے دو فٹ اچھلی۔

''کیا کہہ رہی ہیں؟''

''جو کہہ رہی ہوں سچ کہہ رہی ہوں۔ غازی محبت کرتا ہے تم سے...... یہ بات اسنے کہی تو نہیں مگر میں نے اس کی باتوں سے اندازہ لگایا ہے...... اس نے تو کہا تھا تم تک پیغام بھجوا دوں، وہ تم سے ملنا اور دوستی کرنا چاہتا ہے۔''

''اچھا ہوا یہ بات اس نے خود میرے سامنے آ کر نہیں کہی۔'' مومنہ نے تڑخ کر کہا۔ ''ورنہ ایسا تھپڑ لگاتی کہ دوبارہ کسی سے یہ بات کہنے کی ہمت نہ کرتا۔''

''اوہو...... ہو...... اتنا غصہ مت کرو اس بے چارے نے تو......''

''بے چارہ؟ خبیث......'' اس نے دانت کچکچائے۔ ''کیا سمجھ رکھا ہے اس نے مجھے۔ کوئی ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں کہ میں غیر مردوں سے دوستیاں جوڑتی پھروں۔'' غصے سے اس کے نتھنے پھول رہے تھے۔

''مومنہ اس نے تو صرف دوستی کی بات کی تھی...... محبت کا اندازہ......''

''تو کیوں کی تھی ایسی بات...... دل چاہ رہا ہے سامنے آجائے تو گنجا کردوں اسے۔'' اس نے مٹھیاں بھینچ کر ہوا میں لہرائیں۔

''اور آپ اس کی اتنی حمایت کیوں کررہی ہیں؟ ہے کون وہ آپ کا۔''

''اسی گاؤں کا رہنے والا ہے۔ بہن بنا رکھا ہے مجھے اور بڑی عزت دیتا ہے۔'' گل بانو نے تیزی سے کہا۔

''معاف کیجیے گا باجی! منہ بولے رشتوں کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی اور آپ نے جانے کتنے منہ بولے بھائی بنا رکھے ہیں۔'' اسے یکا یک احساس ہوا اور احساس کو الفاظ مل گئے۔

''اب تم بھی مجھ پر انگلی اٹھاؤ...... سگے رشتے سہارا نہ دیں تو کیا باہر بھی تلاش نہ کروں، ایک اکیلی لڑکی کو زندگی عزت کے ساتھ گزارنے کے لیے کتنی قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔ تم کیا جانو...... ہر کوئی مجھ پر اعتراض کرتا ہے، صرف بھائی بناتی ہوں دل سے بھی مانتی ہوں اور وہ بھی مجھے بہنوں والی عزت ہی دیتے ہیں۔ لیکن لوگوں کی زبانیں کون پکڑے۔'' وہ رونے لگی، مومنہ شرمندہ سی ہوگئی، اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''میرا وہ مطلب نہیں تھا۔''

''ہاں ہاں جانتی ہوں...... مطلب تو صرف میری ہی باتوں کے غلط ہوتے ہیں۔'' اس نے ہاتھ جھٹک دیا۔ ''باقی تو سارا زمانہ ہی صحیح ہے۔''

''باجی جی......''

''ابھی ابھی تم نے اس جگہ کی ویرانی کا ذکر کرتے ہوئے مجھے کیسے مشکوک نظروں سے دیکھا۔ لیکن میں نے تو تم سے نہیں پوچھا کہ تم اس ویران جگہ پر اکیلی کیا کررہی ہو۔ تمہارے دل میں شکوک پیدا ہوئے، مگر میرے نہیں...... کیونکہ میں تم کو اچھی طرح جانتی ہوں اور تمہیں اپنی دوست سمجھتی ہوں۔''

''آپ بھی مجھے بہت عزیز ہیں۔ لیکن یہ بھی تو دیکھیں اس نے کیسی بات کی۔'' وہ اپنی جھلاہٹ چھپا کر لاچاری سے بولی۔

''کوئی ایسی غلط بات تو نہیں ہے۔'' وہ بھی غازی کی طرف داری کرنے کے لیے اپنی خفگی پس پشت ڈال گئی۔

''اس نے تو اپنی پسندیدگی جتا کر دوستی کی خواہش ظاہر کی تھی، اس کے دل میں تمہارے لیے جو محبت ہے وہ میں نے خود بھانپ لی۔ اس کی آنکھوں سے۔'' ابھی وہ بول رہی تھی کہ مومنہ نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

''آپ کو یاد ہے یہی بات آپ نے ناصر کے بارے میں بھی کہی تھی۔''

''ایں۔'' وہ ٹھٹک کر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ اپنی ہی کہی ہوئی بھولی بسری بات کہاں یاد تھی مگر اس نے بات سنبھال لی۔

''ممکن ہے کہا ہو...... مگر ناصر تو بڑا چغد نکلا۔ اس میں وہ بات کہاں جو غازی میں ہے، تمہیں ملکہ بنا کر رکھے گا۔''

مومنہ نے گہری سانس بھر کر اسے دیکھا اور ہاتھ جھاڑتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں چلتی ہوں۔''

''خفا ہو کر جا رہی ہو؟'' گل بانو نے اس کا چہرہ جانچا۔

''نہیں۔'' وہ بے زار تھی اور کچھ سوچ کر بولی۔

''غازی کو کیا جواب دوں؟''

''کہیے گا بھاڑ میں جائے۔'' وہ پھاڑ کھانے کو دوڑی۔

''مومنہ......''

''بس باجی...... میں گھر جا رہی ہوں۔''

''رکو نا۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مجھے تم سے ایک کام تھا۔''

''بولیں۔'' وہ حد درجہ بے زاری سے اس کے اظہار سے اجتناب برت رہی تھی۔

''ہیں...... اب تو تم خفا ہو گئی ہو۔''

''میں خفا نہیں ہوں...... آپ بتائیں۔''

''وہ......'' گل بانو جھجکی۔

''مجھے ساڑھے چار ہزار روپے چاہئیں...... دیکھو میں تمہیں جلدی لوٹا دوں گی۔''

مومنہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''چچ...... چار ہزار۔'' وہ سمجھ نہیں پائی اپنی کیفیت کس طرح ظاہر کرے۔

''مجھے بہت ضرورت ہے منی! اور تم میری واحد سہیلی ہو اور کس کے آگے مصیبت کی اس گھڑی میں ہاتھ پھیلاؤں۔''

''آپ کی ساری باتیں درست...... لیکن اتنے پیسے نہیں ہیں میرے پاس۔ پہلے بھی اپنا اور شفی کا گلک توڑ کر آپ کو پیسے دیے تھے۔'' وہ بے چارگی سے بولی۔

''باجی اسماء سے مانگ لو۔'' اس نے مشورہ دیا۔ ''مجھے تو وہ ادھار کیا خیرات کے نام پر بھی ایک روپیہ نہ دیں۔ تمہاری بات اور ہے۔''

”مجھے بھی وہ اتنے روپے کبھی نہیں دیں گی۔ اور اگر دیے بھی تو ایک سو ایک سوالوں کے جواب دینا ہوں گے...... نہیں باجی جی۔ میں آپ کی مدد نہیں کر سکتی۔“

”اتنی جلدی انکار مت کرو، ممکن ہے تمہیں کوئی راستہ مل جائے، یقین کرو اگر مجھے چار...... ساڑھے چار ہزار نہ ملے تو میں بہت مشکل میں پھنس جاؤں گی۔“ وہ روہانسی ہو کر بولی۔

”لیکن آپ کو اتنے روپے کیوں چاہئیں؟“ بنیادی سوال لبوں پر آیا۔

”مومنہ......“ ناصر کھیتوں سے نکلا تھا، مومنہ اچھل ہی پڑی۔

”ارے ناصر!“ گل بانو قدرے گھبرا کر مسکرائی۔ ”تم چھپ کر ہماری باتیں سن رہے تھے؟“ بظاہر لطیف سے شرارتی انداز میں پوچھا۔

”الحمدللہ...... ایسی فضول عادتیں نہیں ہیں مجھے۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا، پھر مومنہ کی طرف پلٹا۔

”اسماء آپا نے تمہیں بلانے بھیجا تھا۔ ثمن کی طرف گیا تو پتہ چلا تم جا چکی ہو۔ اسماء آپا کا پیغام دینے پیچھے آیا ہوں۔“

مومنہ کو اس کے جھوٹ پر ذرا حیرانی نہیں ہوئی۔ البتہ گل بانو کے انداز اسے متعجب کر رہے تھے۔ ابھی کچھ دیر قبل وہ ناصر کی برائی کر رہی تھی اور اب ہنس ہنس کر اس سے باتیں۔ مومنہ کی سمجھ سے یہ دوغلا پن بالاتر تھا۔

اور اس کی ننھی سی سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آ رہا تھا، نہ گل بانو، نہ ہی اس کی باتیں، گو کہ سب کچھ پہلے جیسا ہی تھا مگر کچھ تو ایسا تھا جو اسے بری طرح کھٹک رہا تھا۔ اس نے گہری سانس بھری اور بنا ان دونوں پر دوسری نظر ڈالے اپنے گھر کی طرف چل دی۔

زرد چمکیلی دھوپ اسے گھر تک چھوڑنے آئی۔ پھر ڈھل گئی۔ کیونکہ اس روز شام سے پہلے آسمان پر گہرے بادل پھیل گئے تھے۔

☆......☆......☆

”آخر تم مجھے بتاتے کیوں نہیں ہو اس لڑکی کا کیا کرنا ہے؟“ آپا بیگم نے ٹیلی فون پر مظہر سے کہا۔

”پندرہ دن سے تم نے اپنی شکل نہیں دکھائی اور وہ ایسی مستقل مزاج ہے کہ پندرہ سو بار آ کر مجھ سے تمہارے بارے میں پوچھ چکی ہے۔ آخر میں کب تک اسے ٹالتی رہوں۔“

”تو آپ سے کس نے کہا ہے اسے ٹالنے کے لیے؟“ وہ الٹا ان پر بگڑنے لگا۔

”میں نے تو آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا اب وہ آپ کی ذمہ داری ہے، جیسے مرضی اسے قائل کریں بلکہ میں تو کہتا ہوں اتنے ناز نخرے اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ سیدھا کام پر لگائیں اسے۔ ہاں لیکن ایک بات یاد رکھنا۔ پہلی ڈیل کافی تگڑی ہونا چاہیے۔ ایک آدھ بار کے استعمال سے مال پرانا تو نہیں ہو جاتا۔“ وہ خباثت سے ہنسنے لگا۔

”اگر تم نے اس کے ساتھ یہی کرنا تھا تو نکاح کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“ آپا بیگم نے کہا۔

''تمہیں پتا ہے مجھ سے یہ بددیانتی برداشت نہیں ہوتی۔ ایسا لگتا ہے جیسے کوئی میرے زخموں کو ادھیڑ رہا ہو...... تمہارے باپ نے بھی میرے ساتھ یہی کیا تھا۔''

''بھول جائیں میرے باپ کو۔'' مظہر نے سرعت سے بے زاری سے کہا، اب اس باسی قصے میں ذرا بھی دلچسپی باقی نہ تھی۔ ''اب تو وہ بے چارہ مرکھپ بھی چکا ہوگا۔ اس کی بددیانتی آپ کو اب تک یاد ہے یہ یاد نہیں کہ اس کی دولت آپ نے حق مہر کے نام پر کیسے ہتھیائی تھی۔''

''تمہارے باپ کے اطوار بھی مجھے شروع میں ہی دکھائی دے گئے تھے تو کیا یہ بھی نہ کرتی...... اپنے بڑھاپے کا کچھ تو وسیلہ چاہیے تھا اور یہ بھی یاد رکھو اسی دولت سے میں اپنا اڈہ جما پائی ہوں۔ مگر دل کا کیا کروں جو اس کی بے وفائی نہیں بھولتا۔''

''آپ کو اپنے بڑھاپے کی اتنی پروا تھی تو کیا میں نہ کروں۔'' وہ تنک کر بولا۔

''اس سے نکاح کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ ورنہ آپ جانتی ہو اس کاغذ کی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔'' آپا بیگم نے بے زاری سے کہا۔

''مجھے صرف اتنا بتاؤ اب اسے قابو کیسے کرنا ہے؟''

''کہہ تو رہا ہوں کہیں معاملہ طے کریں اس کا۔ ڈیل جمائیں کوئی...... بٹھا کر کھلانے نہیں لایا میں اسے۔ شروع شروع میں تھوڑے نخرے کرے گی مگر جب یہ احساس ہو جائے گا کہ اس کی زنجیریں ہمارے ہاتھ میں ہیں تو کچھ نہیں کر پائے گی۔ ویسے بھی اس کے آگے پیچھے کوئی ایسا نہیں ہے جو اس کی تلاش میں مارا مارا پھرے۔ آپ اپنا کام اپنے طریقے سے کریں۔ بے فکر ہو کر۔ ویسے میرا ارادہ ذرا اسے آگے تک لے کر جانے کا تھا۔ فلم انڈسٹری وغیرہ۔''

''تم بیٹھے پلان بناتے رہو۔'' آپا بیگم جھنجلا کر بولیں۔

''یہاں میں ڈیل فائنل کرلوں اور اس نے تعاون نہ کیا تو؟''

''تمہیں کیا لگتا ہے یہاں جو آتا ہے وہ ''گھوڑیاں'' سدھارنے کے خیال سے آتا ہے؟ جو روپیہ خرچ کرتا ہے اسے سدھایا ہوا مال چاہیے۔ اور عانیہ پر بہت محنت کرنا پڑے گی۔''

''غلط۔ بالکل غلط۔'' اس نے بات قطع کی۔

''آپ کو زیادہ محنت نہیں کرنا پڑے گی۔ اسے پیسہ چاہیے آپ دکھاتی رہیں اور کم سے کم چالیس فیصد کی پارٹنر شپ کا وعدہ کریں۔ پھر بھی نہیں مانتی تو اپنے طریقے آزمائیں، بیسمنٹ کا کوئی کمرہ کچھ روز اس کے کام آسکتا ہے...... یا میں یہ سمجھوں کہ آپا بیگم میں اب وہ صلاحیت نہیں رہی؟''

”بکومت...... بات صرف اتنی ہے کہ میرا دل اس کے ساتھ زبردستی کرنے پر راضی نہیں ہو رہا۔“ انہوں نے بے چارگی سے کہا۔

”کیوں؟ کہیں اس کی شکل دیکھ کر اپنے کسی پرانے ”دوست“ کی یاد تو نہیں آ گئی۔“ لحاظ نام کی کوئی چیز تو تھی نہیں۔ سو وہ ہر طرح کی بات کہنا اپنا حق سمجھتا تھا۔

”پھر بکواس کر رہے ہو۔“ وہ کہتے ہوئے پلٹیں، پھر ٹھٹک گئیں۔ عانیہ عین ان کے پیچھے کھڑی ہراساں سی انہیں دیکھ رہی تھی۔

”عانیہ......اوہ......آؤ نا۔“

”مجھے مظہر سے بات کرنا ہے۔“ اس نے لرزتے ہوئے لہجے میں کہا۔ یقیناً وہ ان کی باتیں سن چکی تھی۔

”ابھی تو وہ کسی ضروری کام سے جا رہا تھا۔ میں کچھ دیر تک تمہاری بات کروا دوں گی۔“

”مجھے......ابھی بات کرنا ہے......ابھی اسی وقت۔“ لرزتا ہوا لہجہ یکا یک غراہٹ میں بدل گیا تھا۔ ”میں......آپ جھوٹ بول رہی ہیں......میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ مجھے ابھی مظہر سے بات کرنا ہے، ورنہ......“

”عانیہ! میری بات سنو۔“

”نہیں سنی۔“ اس نے ادھر ادھر دیکھا، پھر میز پر رکھا گلدان اٹھا کر دیوار میں دے مارا۔ آپا بیگم کے لبوں سے چیخ نکل گئی۔ اس کے بعد عانیہ نے باقی آرائشی سامان اٹھا اٹھا کر پھینکنا شروع کر دیے تھے۔

اس کا خوف سر چڑھ کر بول رہا تھا۔

”عانیہ! یہ تم کیا کر رہی ہو۔“ آپا بیگم اس کو روکنے کے لیے آگے بڑھیں۔ مگر اس کے جارحانہ انداز نے انہیں خوف زدہ کر دیا۔

”اچھا ٹھیک ہے......میں تمہاری بات کروا دیتی ہوں......مگر اللہ کے لیے تم یہ تباہی مچانا بند کرو۔“ انہوں نے چلا کر کہا۔ عانیہ کا اٹھا ہوا ہاتھ ہوا میں رک گیا۔

آپا بیگم نے جلدی جلدی مظہر کا نمبر ڈائل کیا۔

”مظہر! عانیہ تم سے بات کرنا چاہتی ہے۔“ اس سے آگے ان کی آواز اتنی دھیمی ہو گئی کہ وہ سن نہ پائی۔

پھر انہوں نے ریسیور خفگی سے اس کی طرف بڑھا دیا جسے اس نے جھپٹ کر کان سے لگا لیا۔

”ہیلو مظہر۔“ وہ رو دینے کو تھی۔

”فون بند کرو عانیہ! میں تمہارے پاس آ رہا ہوں۔“

”مظہر......پلیز میری بات سنیں۔“ مگر فون کٹ چکا تھا۔

”بیٹھ جاؤ......اس نے کہا ہے تو کچھ دیر میں پہنچ جائے گا۔“

آپا بیگم نے ناراضی و غصے سے کہا۔ وہ ریسیور کریڈل پر ڈال کر صوفے کے ساتھ گھسٹی نیچے بیٹھتی چلی گئی۔

☆......☆......☆

بارش کھل کر نہیں کن من برسی۔ البتہ بادلوں کے جھنڈ نے رات سے پہلے رات کا منظر پیش کر دیا۔

ٹھنڈی ہوا کے ساتھ باریک باریک بوندیں جب چہرے سے ٹکراتیں تو بڑا لطف آتا۔ وہ کچھ دیر اس بن موسم کی بارش میں بھیگتی رہی۔ پھر امی کے پکارنے پر اندر آ گئی۔ انہیں صبح سے ہلکی سی حرارت محسوس ہو رہی تھی اور شفی پکوڑوں کی فرمائش لیے بیٹھا تھا۔ لہٰذا مومنہ نے کپڑے تبدیل کیے اور باورچی خانے میں چلی آئی۔

ابھی پکوڑوں کا آمیزہ تیار کر رہی تھی کہ شتر مرغ کی طرح گردن کندھوں میں دبائے کسی کو گھر میں داخل ہوتے دیکھا۔ باورچی خانے کی کھڑکی جالی دار تھی اور اس پر باریک پردہ پڑا ہوا تھا۔ اس نے متجسس ہو کر دروازے سے جھانکا۔ پھر منہ بنا کر واپس آ گئی۔ ناصر دکان سے ابا کا کچھ سامان پہنچانے آیا ہوا تھا۔ چند منٹ بعد شفی نے آ کر پوچھا۔

''اماں کہہ رہی ہیں...... پکوڑے بن گئے ہیں تو ایک پلیٹ ناصر بھائی کے لیے بھجوا دو۔''

''پکوڑے بننے میں ابھی وقت لگے گا۔'' اس نے آنچ دھیمی کرتے ہوئے مزے سے کہا۔

''کتنا؟''

''دو گھنٹے۔''

''ایں...... پکوڑے تل رہے ہیں یا حلیم گھوٹی جا رہی ہے؟'' وہ تعجب سے بولا۔

''مجھ سے بحث مت کرو۔ جاؤ یہاں سے۔'' اس نے ڈپٹ کر کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔ تم پکوڑے بنا کر اندر پکڑا دینا یا مجھے ہی آواز دے لینا۔ میں تب تک ناصر بھائی کے ساتھ کیرم بورڈ کی ایک بازی لگا لیتا ہوں۔''

''کوئی ضرورت نہیں اسے گھر میں بٹھا کر رکھنے کی۔'' وہ تڑخ کر بولی۔ ''میں شربت کا گلاس بنا دیتی ہوں۔ پلا کر اسے چلتا کرو۔''

''تم میرا اتنا سا کام نہیں کر سکتیں۔''

''یاد رہے...... پکوڑے تمہاری فرمائش پر ہی بن رہے ہیں۔''

''وہ شربت کا گلاس تم اپنے سر میں انڈیل لو۔'' وہ پھر بھڑکا۔

''شفی! بدتمیزی مت کرو۔'' وہ چیخی۔ ''میں ابا سے تمہاری شکایت لگاؤں گی۔''

''جاؤ جاؤ میں ڈرتا نہیں ہوں۔'' وہ منہ بنا کر بولا۔ ''ویسے بھی ابا جانتے ہیں تمہیں میرا دوست برا لگتا ہے۔''

''دوست۔'' وہ پھر چیخی۔

''دوستی اپنے ہم عمروں سے کی جاتی ہے۔ ناصر تمہارا دوست کیسے ہو گیا؟''

''اچھا، پھر تو تمہاری اور گل بانو کی دوستی بھی بے جواز ہے۔''

وہ دونوں ناصر کی آواز پر اچھل کر پلٹے تھے۔ شفی پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

''ناصر بھائی!''

''شفی! تم مجھے وہ کتاب لا دو جس کے بارے میں تم بتا رہے تھے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔ شفی کو لگا اس کی ہر بات اب بے کار رہے گی، تبھی مومنہ کو گھورتا باہر نکل گیا۔

مومنہ دل ہی دل میں شرمندہ ہوتی کڑاہی کی طرف متوجہ ہو گئی۔ جس میں پکوڑے جل کر کوئلہ بن چکے تھے۔

وہ بے دھیانی سے جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگی۔ کیونکہ دھیان تو سارے کا سارا اس کی طرف تھا جو دروازے میں بھوت بنا کھڑا تھا۔

''یہ جاتا کیوں نہیں۔'' اس نے دل ہی دل میں سوچا۔ تبھی ناصر نے اسے پکارا تو اس کی آواز میں سنجیدگی اور لہجے میں خفگی جھلکتی تھی۔

''سنو...... میں آج تم سے لڑنے کے موڈ میں نہیں ہوں، صرف یہ کہنے آیا تھا کہ انسان اپنی صحبت سے پہچانا جاتا ہے، یہ میں نہیں بزرگ کہتے ہیں اور میں بزرگوں کی ہر بات مانتا ہوں۔ تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم بھی بزرگوں کی مانو۔''

''اس لمبی چوڑی تمہید کا کیا مطلب ہے؟'' اس نے اکتا کر کہا۔

''صرف یہ کہ گل بانو سے ملنا چھوڑ دو۔ وہ جس قسم کی الٹی سیدھی سرگرمیوں میں مگن ہے لوگ تمہیں بھی اسی کے حوالے سے دیکھنے لگے ہیں۔ ابھی تو باتیں دبی زبان میں ہو رہی ہیں لیکن لوگوں کی زبانیں کب تک پکڑی جا سکتی ہیں۔ اور وہ جو غازی کے بارے میں اس نے تم سے کہا...... سب بکواس ہے۔''

مومنہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''تم...... تم غازی کو کیسے جانتے ہو؟''

''ویسے ہی جیسے اس گاؤں کے دوسرے لوگ جانتے ہیں اور ویسے ہی جسے اس گاؤں کے سارے عقل والے لوگ گل بانو کو جانتے ہیں۔ سوائے تمہارے...... ظاہر ہے عقل ہر ایک کے پاس تو نہیں ہوتی۔'' وہ انتہائی سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔ مومنہ کی جان باقی ساری باتوں سے قطع نظر جل کر خاک ہو گئی۔

''تم کہاں سے آ گئے...... بڑے عقل والے...... اونہہ...... شرم نہیں آتی۔ چھپ چھپ کر ہر ایک کی باتیں سنتے ہوئے۔''

''بات سنو...... مجھ سے یوں چلا چلا کر بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر سخت لہجے میں کہا۔

''میں تمہاری بھلائی چاہتا ہوں اس لیے مشورہ دینے پہنچ گیا۔ آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گا۔ تم جیسے لوگ خود ڈوبنے کے شوقین ہوتے ہیں...... گل بانو جیسے لوگ کبھی کسی کے ساتھ مخلص نہیں ہوتے...... لیکن اسے بھی الزام کیوں دیا جائے شکار تم جیسا ''ہوشیار'' ہو تو شکاری کو اپنے پنجے تیز کرنے ہی نہیں پڑتے۔ منہ کی کھاؤ گی تب شاید عقل آجائے...... ہونہہ...... میں نے خوامخواہ وقت برباد کیا۔'' اس نے نخوت سے کہا۔ پلٹا اور تیز تیز قدم اٹھاتا دروازہ عبور کر گیا۔ مومنہ دم بخود وہیں کھڑی رہ گئی۔

☆......☆......☆

اور ٹھیک دس سال، تین ماہ اور چودہ دن کے بعد شاہنواز ملک سنبل کے اس بوڑھے درخت تلے کھڑا تھا جہاں سے اس کے گاؤں کی حدود کا آغاز ہوتا تھا اور مسافروں کو پہلے پہل گاؤں کے کھیت، دیواریں اور مکانات کے چوبارے دکھائی دینے لگتے تھے۔ ابھی صبح کا جھٹپٹا تھا اور گیہوں اور چنے کی فصلوں پر صبح کی دھند تیر رہی تھی۔ وہ دیر تک کھڑا اپنے محبوب گاؤں اور ان بچے کھچے کھیتوں کو عقیدت و چاہت سے دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ روشنی ہر طرف پھیل گئی اور سورج کی تیز کرنوں نے فصلوں پر تیرتی دھند کو اپنی ہتھیلیوں میں جذب کر لیا اور اس کا دل اپنے پرانے لوگوں سے ملنے کے خیال سے تیز تیز دھڑکنے لگا۔

کچھ سوچ کر اس نے ڈرائیور سے وہیں انتظار کرنے کے لیے کہا اور اپنا چھوٹا سا لیدر بیگ کندھے پر لٹکا کر کھیتوں میں اتر گیا۔ اسے ان کھیتوں میں، جہاں کی اونچی نیچی پگڈنڈیوں پر اور اس گاؤں کی گلیوں میں اپنا بچپن تلاش کرنا تھا، وہ یادیں کھوجنا تھیں جو یہیں کہیں گری رہ گئی تھیں۔ وہ چلتا رہا اور حیران ہوتا رہا۔

یہ گاؤں...... وہ گاؤں نہیں رہا تھا جسے وہ چھوڑ گیا تھا۔ یہ تو کوئی ترقی پذیر قصبہ تھا جس کی ترقی کہیں کہیں اسے حیران تو کسی کسی جگہ تعجب میں ڈال رہی تھی۔

البتہ کچھ چیزیں یا منظر اب بھی نہ بدلے تھے۔ جیسے بیشتر مکانوں کے ساتھ اپنے احاطے جن میں بھینسیں بندھی تھیں...... ایک دکان کے سامنے کچھ میلے کپڑوں میں ملبوس بزرگ دائرہ بنائے بیٹھے تھے اور دو چار بچے ان کے دائرے میں جھانک رہے تھے۔ گاؤں میں ایسے منظر اکثر دیکھنے کو ملتے ہیں۔

شاہنواز تجسس سے آگے بڑھ کر دیکھنے لگا۔ تاش کھیلی جا رہی تھی۔ وہ تحمل و دلچسپی سے کھڑا رہا یہاں تک کہ ایک بزرگ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ پھر چشمے کے پیچھے آنکھیں سکیڑ کے بغور دیکھا۔

شکل جانی پہچانی معلوم ہوئی مگر حلیے سے اجنبی لگتا تھا۔

''کون ہو پتر؟'' بابا جی کھنکھارے۔

''میں......''

”کس سے ملنا ہے؟“ ایک اور نے سوال کیا۔

”مجتبیٰ ملک سے۔“ اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

”اچھا......اچھا......ملکوں کے مہمان ہو۔“

اگلی بازی کے لیے پتے بانٹے جا رہے تھے۔ پھر کسی نے اس پر دھیان نہ دیا۔ مگر شاہنواز کے دل پر گھونسا سا لگا تھا۔

”ملکوں کا مہمان...... گویا اب مجھے کوئی نہیں پہچانتا۔“ اس نے گہری سانس بھر کر گاؤں پر جھکے آسمان کو دیکھا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا گلی کی گرد اڑانے لگا۔

”اور کس قدر شرمندگی کی بات ہے کہ مجتبیٰ ملک کا بیٹا...... اپنے ہی گاؤں میں...... اپنے ہی گھر کے آس پاس کہیں بھٹک رہا ہے...... مگر اسے گھر کا رستہ ہی نہیں معلوم۔“ کچھ دیر پہلے جوش سے دھڑکتا دل بوجھل ہو کر دھڑکنے لگا۔ پیپل کے سائے تلے بندھی بھینس کی پیٹھ پر بیٹھی چڑیا اپنی ننھی سی چونچ سے پر کھجا رہی تھی۔

ایک طوطا شور مچاتا پتوں میں سے نکلا اور آسمان کی وسعتوں میں گم ہو گیا۔

آسمان پر تیز کرنیں تھیں اور پرندے قطاروں میں اڑے جا رہے تھے۔

ایک مکان کے باہر ہینڈ پمپ لگا تھا۔ شاہنواز نے بیگ احتیاط سے ایک طرف رکھا، پھر تیزی سے پمپ چلایا اور پانی کی موٹی دھار کے سامنے ہتھیلیاں پھیلا دیں۔

پانی ٹھنڈا اور میٹھا تھا۔

اس نے چند بڑے بڑے گھونٹ پیے اور دیر تک پانی کے چھپاکے منہ پر مارتا رہا۔ ایسا کرنے سے ایک عجیب سی روحانی خوشی اسے محسوس ہو رہی تھی۔

اس نے چہرہ اچھی طرح پونچھنے کی بجائے انگلیوں سے بہتا ہوا پانی جھٹکا اور بیگ اٹھا کر پلٹا ہی تھا کہ ٹھٹک کر رک گیا۔ گلی کے بیچ و بیچ ایک لمبے قد کا جوان کھڑا اسے گھور رہا تھا۔ وہ گہرے رنگ کی ٹی شرٹ ٹراؤزر میں ملبوس تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ابھی سو کر اٹھا ہو۔

اس سے پہلے کہ شاہنواز کچھ کہتا اس کی پر تجسس آنکھوں میں پہچان کا کوندا سا لپکا اور وہ چیخ مارتا والہانہ انداز میں اس سے لپٹ گیا۔

”آپ......آپ شاہنواز بھائی ہیں نا...... میں تو آپ کو پہچان ہی نہیں پایا......لیکن پھر بھی پہچان لیا۔“ اس کی آواز خوشی و جوش سے بوجھل تھی۔

اور اگرچہ شاہنواز نے اسے نہیں پہچانا تھا۔ پھر بھی وہ خوشی سے مسکرانے لگا۔ چلو کوئی تو تھا جس نے اسے یاد رکھا۔

”تم نے مجھے پہچان لیا؟“

''نہ پہچاننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' وہ چہکا۔

''اپنے بچپن سے میں آپ سے متاثر رہا ہوں۔ ساتھ والے گاؤں کے رستم پہلوان کو آپ نے ہی کشتی میں ہرایا تھا۔ رستم تو اب تک آپ کا نام احترام سے لیتا ہے۔'' ایک بھولی بسری یاد لہرائی تو وہ خفت سے مسکرا دیا۔

''وہ تو بڑی پرانی بات ہے۔'' وہ مسکرایا اور شرمندگی سے بولا۔

''معاف کرنا دوست! میں نے تمہیں پہچانا نہیں۔''

''ارے آپ نے مجھے نہیں پہچانا؟ حالانکہ آپ کے بعد اس گاؤں میں کوئی دلیر اور گھبرو تھا......تو وہ میں ہی تھا، میرا مطلب ہے کہ ''ہوں۔'' وہ خاصا ہنس مکھ اور خوش فہم معلوم ہوتا تھا۔

''میں ناصر ہوں۔ آپ کی دادی جان کی خالہ زاد بہن کا نواسہ......رشتہ داری دور کی سہی مگر اچھے لوگوں کو بھولنا نہیں چاہیے۔''

شاہنواز ہنس دیا۔

''مجھے یاد آ گیا......تم وہی ناصر ہو نا جو ہم دوستوں کے درمیان بیٹھنے کے شوقین ہوتے تھے اور ایک دفعہ احمد دین چچا کی مرغیاں چوری کرنے پر تمہاری بے بے نے پوری گلی کے سامنے تمہاری پٹائی کی تھی۔ تم تو مجھے اچھی طرح یاد ہو یار!''

''میں نے کہا تھا اچھے لوگوں کو یاد رکھنا چاہیے یہ نہیں کہا تھا کہ اچھے لوگوں کی ساری بری باتیں یاد رکھنا چاہئیں۔'' اس نے منہ بنا کر کہا پھر دونوں ہی ہنس دیے۔

''آپ گھر پہنچیں مجھے تو بے بے نے دہی لینے بھیجا تھا۔ اب تک تو میری تلاش میں کارندے دوڑا دیے ہوں گے۔ آپ گھر جا کر آرام کریں، میں شام کو آپ سے ملنے آؤں گا۔''

''ناصر......'' شاہنواز نے اسے آواز دے کر روکا پھر قدرے خفت سے بولا۔

''میں بڑی مدت بعد گاؤں آیا ہوں...... یہاں تو سب کچھ بدل چکا یار، نہ وہ گلیاں ہیں نہ راستے......میں تو کچھ سمجھ نہیں پا رہا کس طرح جاؤں......گاڑی بھی کھیتوں کے پاس چھوڑ دی۔''

ناصر ایک پل میں سمجھ گیا اور اس کے ہاتھ سے بیگ لیتے ہوئے بولا۔

''لائیں......یہ بیگ میں اٹھا لیتا ہوں۔ واپسی پر آپ کی گاڑی کا بھی کچھ بندوبست کرتے ہیں۔''

''نہیں۔ رہنے دو میں اٹھا لوں گا۔''

''دے دیجیے شاہنواز بھائی! اتنے عرصے بعد آپ آئے ہیں کچھ عرصہ آپ سے مہمانوں والا سلوک کیا جائے گا۔ اس کے بعد تو میں اپنا سامان بھی آپ کو پکڑا دیا کروں گا۔'' وہ خوش دلی سے بولتا بیگ کاندھے پر رکھتا آگے چل دیا۔

شاہنواز نے تشکر سے اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے قدم بڑھا دیے۔ پھر کچھ خیال آنے پر پوچھنے لگا۔

''اور وہ؟''

''کوئی فکر نہیں۔'' اس نے لاپروائی سے ہاتھ جھٹکا۔ ''کیونکہ اب بے بے کے ہاتھوں میں وہ پہلا والا دم خم نہیں رہا۔'' اس کے بے فکر قہقہے سے فضا گونج اٹھی تھی۔

☆......☆......☆

جس وقت ناصر، شاہنواز کو لے کر اس کے گھر پہنچا سارا صحن قرآن پاک پڑھنے کے لیے آئی ہوئی بچیوں کی آوازوں سے گونج رہا تھا اور مومنہ سر پر دوپٹے اوڑھے ''بیبی بچی'' بنی ایک چھوٹے بچے کو نورانی قاعدہ کا سبق یاد کروا رہی تھی۔

اس کی امی کو کسی ضروری کام کے سلسلے میں رینالہ خورد جانا پڑا تھا جہاں ان کا میکا تھا۔ ابا بھی ساتھ تھے اور ایسے موقعوں پر شفی ہمیشہ چھوٹے ہونے کا فائدہ اٹھاتا تھا۔

نانی اماں کے گھر چونکہ ہر روز صبح کے وقت گاؤں کی بچیاں قرآن پاک پڑھنے آتی تھیں۔ ساتھ ہی کچھ چھوٹے چھوٹے بچے جو ابتدائی قاعدہ پڑھتے تھے۔ اس لیے پھاٹک نما دروازہ صبح کے اوقات میں کھلا رہتا تھا اور مردوں کو ان اوقات میں آنے کی اجازت نہیں تھی۔

ناصر کو دیکھ کر اسے خاصی ناگواری ہوئی مگر ساتھ ہی ساتھ دل ہی دل میں خوشی بھی محسوس ہوئی کہ ناصر کو اب یوں منہ اٹھا کر بنا اجازت اندر گھسے چلے آنے پر ڈانٹ پڑنا تھی۔ لیکن اس سے قبل کہ وہ اس کی درگت بننے کے خیال سے پوری طرح محظوظ ہو پاتی اس نے ناصر کے پیچھے ایک اجنبی کو بھی گھر میں داخل ہوتے دیکھا اور مومنہ کو اس کی شکل خاصی جانی پہچانی سی لگی تھی۔

اسی وقت ثمن کسی کونے سے برآمد ہوئی اور اس شخص کے گلے سے لگ کر رونے لگی۔ مومنہ ہکا بکا رہ گئی۔ کیونکہ ثمن کے بعد تائی اماں اور پھر بیلا آپا (ثمن کی بڑی بہن) نے بھی یہی عمل دہرایا۔ بچے ایک دوسرے میں گھسے کھسر پھسر کرنے لگے۔ قرآن پاک سامنے کھلے تھے اور ان سب کی نظریں ان لوگوں پر لگی تھیں اور وہ شخص مستقل ان تینوں خواتین کو خاموش کرنے کی سعی کر رہا تھا۔

تائی اماں کو یکدم کھانسی آنے لگی۔ تب سنجیدہ شکل بنا کر کھڑے ناصر نے اسے پانی لانے کے لیے کہا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو مومنہ کبھی اس کی بات نہ مانتی مگر اس وقت صورت کے پیش نظر فوراً پانی کا گلاس بھر لائی۔

تائی اماں کو چارپائی پر بٹھا کر پانی پلایا گیا۔

''اندر چل کر بیٹھتے ہیں اماں جی! سب بچے ادھر متوجہ ہو گئے ہیں۔'' بیلا آپا نے کہا اور سب نے اندر کمرے کا قصد کیا۔ مگر جانے سے پہلے آپا اسے بچوں کو سنبھالنے کی ذمہ داری سونپ گئیں۔ وہ حیرانی و ناسمجھی سے ان سب کو اندر جاتا دیکھتی رہی۔

''مبارک ہو۔'' آواز ہلکی اور اس کے کان کے قریب تھی۔ وہ اچھل ہی پڑی اور ناگواری سے بولی۔

''کس بات کی مبارک؟''

''صبح صبح میری شکل دیکھ لی ہے، اب تمہارا سارا دن اچھا گزرے گا۔'' اسٹائل سے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

''وہم کا علاج حکیم لقمان کے پاس نہیں تھا۔ مجھے یقین ہے تمہاری خوش فہمی کا علاج بھی ان کے پاس نہیں ہوگا۔''

''ہاہاہا...... جلنے والے کا منہ کالا۔'' وہ اسے چڑاتا چلا گیا۔ مومنہ کچھ سوچ کر اس کے پیچھے بھاگی۔

''ناصر......رکو۔''

''جلدی بولو۔ میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔'' وہ نخرے دکھانے لگا۔

مومنہ کو برا تو لگا مگر اس سے پوچھنے کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا اور کسی اور سے اس سوال کا جواب اتنی جلدی ملنے کی توقع بھی نہ تھی۔

''یہ صاحب کون ہیں...... جو ابھی آئے ہیں؟''

''تمہیں کیوں تجسس ہو رہا ہے۔'' وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

''ایک تو یہ کہ سب کو روتے دیکھ کر مجھے گھبراہٹ ہونے لگی ہے۔ دوسرا مجھے لگتا ہے میں نے انہیں کہیں دیکھا ہے۔''

''اچھا......مگر کہاں؟ یہ تو بڑے عرصے بعد گاؤں آئے ہیں۔''

''پتا نہیں......شاید کوئی تصویر۔'' وہ ذہن پر زور ڈالتے ہوئے بولی۔ ''مجھے یاد نہیں آ رہا۔'' اس نے بے چارگی سے کہا۔

''ہاں، ممکن ہے تم نے ان کی تصویر دیکھی ہو ثمن کے پاس۔''

''مگر یہ ہیں کون؟''

''ثمن کے بڑے بھائی ہیں۔'' وہ بتا کر چلتا بنا۔

''سنو......ان کا نام کیا ہے؟'' مومنہ نے پھر پکارا، وہ جھنجھلا کر پلٹا۔

''شاہنواز ملک......عمر اور تنخواہ پوچھ کر بتا دوں گا۔ تب تک تمہیں کوئی اور سوال پوچھنا ہو تو بتا دو۔ توبہ کتنے سوال پوچھتی ہو تم لڑکیاں۔''

''شاہنواز ملک۔'' مومنہ کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔

''گل بانو والے شاہنواز ملک؟''

''گو کہ اس سے زیادہ برا حوالہ شاہنواز بھائی کے لیے اور کوئی نہیں ہو سکتا مگر......سچ یہی ہے۔'' ناصر نے بے زاری سے کہا۔

''اوہ میرے اللہ......اس کا مطلب...... یہ شاہنواز ملک......ثمن کے بھائی ہیں۔ اسی لیے ثمن، گل بانو باجی کی مخالفت......اوہ

خدا۔'' کئی گتھیاں اس کے سامنے سلجھتی چلی گئیں۔

اس نے گل بانو کے پاس شاہنواز کی تصویر دیکھی تھی اسی لیے اس کی شکل جانی پہچانی لگی۔

معاً اس کے دل میں ایک خیال آیا، اس نے پلٹ کر سب بچیوں میں سے قدرے بڑی بچی کو کلاس کا چارج دیا اور دوپٹہ درست کرتی باہر کی جانب لپکی۔

''تم کدھر جارہی ہو؟'' ناصر اس کے ارادے بھانپ کر سختی سے پوچھنے لگا۔ مومنہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور جلدی اور سنجیدگی سے بولی۔

''باجی جی کو اطلاع دینے جارہی ہوں۔''

''گویا تم پر میری باتوں کا اثر نہیں ہوا۔'' وہ دروازے میں حائل ہوا۔

''میری بات سنو مومنہ! ملک صاحب کا بیٹا ایک طویل مدت کے بعد اپنے گھر واپس آیا ہے اور شرمندگی کے بوجھ تلے سر جھکا کر نہیں آیا۔ بلکہ اس کا اٹھا ہوا سر ہی اس کے حق پر ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔''

''تم کیا کہہ رہے ہو مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔'' وہ جھنجلائی۔

''صرف یہ کہ مجتبیٰ ملک کے بیٹے کا گھر واپس لوٹ آنا کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔ شام سے پہلے پہلے یہ خبر سارے گاؤں میں پھیل جائے گی اور تمہاری باجی جی تک بھی پہنچ جائے گی، اس لیے تمہیں اس کار خیر میں حصہ ڈالنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

''میرے راستے سے ہٹو ناصر! تم کچھ نہیں جانتے۔'' اس نے آواز دبا کر کہا۔

''سر اٹھا کر آجانے کا مطلب یہ نہیں کہ یہ حق پر ہے۔ حق پر ہوتا تو منہ چھپا کر جاتا ہی کیوں؟ باجی جی کے ساتھ اتنا برا کیا ہے اس نے...... میں نے کہا نا تم کچھ نہیں جانتے۔'' وہ تیز لہجے میں کہتی ایک طرف سے ہو کر باہر نکل گئی۔

''لاعلم میں نہیں تم ہو بے وقوف لڑکی!'' ناصر نے دانت کچکچاتے ہوئے اسے دور تک جاتے دیکھا تھا۔

☆......☆......☆

''عانیہ! تم نے کیا تماشا لگا رکھا ہے۔ جانتی ہو آپا بیگم کتنی خفا ہیں۔'' مظہر نے اس سہمی ہوئی چڑیا کو نظروں میں رکھتے ہوئے ایسے لہجے و انداز میں کہا جس میں اپنائیت تو تھی مگر ایک خاموش اور غیر واضح تحکم بھی تھا۔

عانیہ نے وحشت زدہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں کسی آپا بیگم کو نہیں جانتی۔ وہ خفا ہوں یا نہ ہوں مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ میں نے اپنا گھر، اپنے گھر والوں کو آپ کے لیے چھوڑا تھا مظہر! مجھے آپ کے ساتھ رہنا ہے مظہر...... کسی آپا بیگم کے ساتھ نہیں۔'' اس کے لہجے میں خوف اور التجا تھی اور وسوسہ...... یہ

خدشہ کہ کہیں کچھ ایسا نہ ہو جائے جسے وہ سہہ نہ سکے۔

''غلط...... بالکل غلط۔'' مظہر نے سگریٹ سلگاتے ہوئے پرسکون لہجے میں کہا۔

''تم نے اپنا گھر اور اپنے گھر والوں کو میرے لیے نہیں چھوڑا بلکہ اس دولت کے لیے چھوڑا جو تم یہاں رہ کر حاصل کرو گی۔'' عانیہ کو لگا اس کے کانوں میں کسی نے سیسہ پگھلا کر انڈیل دیا ہے۔

''تم نے میری کشش میں اپنے گھر والوں کو نہیں ٹھکرایا یہ ان آسائشات کی کشش تھی جنہیں تم کو یہاں حاصل ہونے کی امید تھی۔'' اس نے گہرا کش لگاتے ہوئے کہا۔ عانیہ پلک جھپکے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کوئی کسی کے لیے کچھ نہیں کرتا، انسان جو کرتا ہے اپنے لیے کرتا ہے۔ مجھے بڑی کوفت ہوتی ہے جب لڑکیاں کہتی ہیں انہوں نے میرے لیے قربانیاں دیں، اپنے گھر چھوڑ دیے، اپنے گھر والوں سے منہ موڑ لیا۔ میں کبھی کسی سے قربانی دینے کے لیے نہیں کہتا، کسی سے گھر چھوڑنے اور اپنے گھر والوں کو چھوڑنے کی بات کرنا انتہائی غیر اخلاقی حرکت ہے اور میں یہ غیر اخلاقی حرکت نہیں کر سکتا۔ تم بتاؤ عانیہ! کیا میں نے تم سے کہا تھا کہ تم اپنا گھر چھوڑ دو۔'' اس نے سگریٹ کی راکھ جھاڑتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

عانیہ کی آنکھوں میں صدمہ تھا، آنسو اور وحشت۔

''اس کا مطلب...... تم نے مجھ سے جھوٹ بولا......'' اس کے لبوں سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے۔

''وہ محبت فریب تھی...... دھوکہ تھی......''

''جھوٹ بولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' مظہر نے یکساں لہجے میں سرعت سے کہا۔ ''میں اپنی بات پر قائم ہوں، مجھے تم سے اب بھی محبت ہے اور ہمیشہ رہے گی۔''

''تم نے مجھے اپنی باتوں کے جال میں پھنسایا، میں گھر سے نکلنے پر مجبور ہوئی، تب...... تب نکاح کا جھانسا دے کر تم نے مجھ سے غلط کام کروایا۔'' اسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا۔

''تم نہ پھنستیں میری باتوں کے جال میں۔'' اس نے اطمینان سے کہا۔ ''اوہ کم آن عانیہ! اب اس طرح ری ایکٹ نہ کرو کہ میں خود کو کوئی گندا آدمی سمجھنے لگوں۔ ٹھیک ہے میں نے تمہیں خواب دکھائے، تمہیں ان خوابوں کی تعبیر نظر آئی تو تم خواب دیکھنے پر آمادہ ہوئیں لیکن میری جان! تعبیریں پلیٹ میں سجا کر نہیں ملتیں، تعبیر پانے کے لیے تھوڑی اسٹرگل کرنا پڑتی ہے۔ خواب تو آنکھیں بند کرو، دیکھ لو مگر تعبیر تب تک نہیں ملتی جب تک آنکھیں نہ کھولی جائیں۔

آنکھیں کھولنے کا وقت آ چکا ہے عانیہ! بہتر ہوگا، اب تم ان خوابوں کی گنتی گننا بند کرو اور ان تعبیروں کے حصول پر دھیان دو جو ان خوابوں کے طفیل تمہیں ملنی ہیں۔

تم نے اپنا گھر چھوڑا کیونکہ تمہارے لیے وہاں کوئی خوشی نہیں تھی، وہاں غربت تھی اور محرومیاں......غربت کو تم کک آؤٹ کر آئی ہو، اب محرومیوں سے چھٹکارہ پانے کا وقت ہے۔

تمہیں دولت چاہیے، ملے گی...... روپیہ چاہیے......آسائشات چاہئیں...... یہ سب چیزیں باہیں پھیلائے تمہاری منتظر ہیں میری جان! لیکن تھوڑا سا کمپرومائز، تھوڑی سی اسٹرگل...... اپنی محنت سے کمائی ہوئی روٹی کھانے کے لیے بھی ہاتھ بڑھانا پڑتا ہے۔ گناہ ثواب کے چکر میں نہ پڑو جو کچھ ہے یہ دنیا ہے، کسے خبر آگے کیا ہوگا۔ زندگی ایک بار ملتی ہے بار بار نہیں۔

اور جو زندگی تمہیں ملی ہے وہ حسرتوں میں گنوانے کے لیے نہیں ہے۔ گزرے ہوئے وقت پر بے وقوف اور کم ہمت پچھتاتے ہیں۔

مجھے تم سے بڑی توقعات ہیں ڈارلنگ! اور مجھے امید ہے کہ تم ان توقعات کو پورا ضرور کرو گی۔ بلیومی عانیہ! اس میں تمہارا فائدہ بھی ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ خود کو پہچانو اور تھوڑی سی اسٹرگل تمہاری زندگی بدل سکتی ہے۔ ادھر آؤ، یہاں آئینے میں خود کو دیکھو۔" اس نے اسے آئینے کے سامنے لا کھڑا کیا۔

"کتنی خوبصورت ہو تم...... یہ گردن...... اتنی ملائم...... اتنی دلکش...... تمہیں اندازہ نہیں ہے سوئیٹ ہارٹ! کوئی صرف اس گردن کو سراہنے کے لیے تمہیں لاکھوں کا مالک بنا سکتا ہے۔

تمہاری آنکھیں......گال......اور یہ پیشانی......تمہارے بال...... یہ ہونٹ......اور یہ......سانچے میں ڈھلے بازو......اور......"

وہ اس کے ایک ایک نقش کی قیمت اسے بتاتا چلا گیا اور وہ جو اس کے منہ سے اپنی ایسی تعریفیں جو اس وقت اسے سراسر کسی تماش بین کے جملے و انداز لگ رہے تھے، کو سن کر پھولے نہ سماتی تھی، اس وقت بالکل خاموش تھی۔

محبت......وفا......ایمانداری......وہ اپنا ہر ایک مہرہ اس کے سامنے پیش کرتی رہی اور مظہر اس کے ایک ایک نقش، ایک ایک عضو کی قیمت بتا کر اس کے مہرے ضائع کرتا چلا گیا۔

عانیہ نے اپنے دل کو اس کے ہر ہر جملے کے ساتھ کسی دلدل میں دھنستے اور پھر ابھرتے محسوس کیا۔

وہ آئینے میں مظہر کو اپنا آپ چھوتے ہوئے ایک بے حس مجسمے کی طرح دیکھتی رہی اور جب مظہر کو یقین ہو چکا کہ وہ اسے قائل کر چکا ہے تو عانیہ آہستگی سے پلٹی، اپنی بڑی بڑی آنکھیں مظہر کے چہرے پر گاڑ دیں، چند لمحے وہ اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اس نے اچانک اس محبوب چہرے پر نفرت سے تھوک دیا۔

"یہ اوقات ہے تمہاری میری نظر میں، گھن آ رہی ہے مجھے خود سے...... جب تم سے محبت کا خیال آتا ہے۔" وہ حلق کے بل چنگھاڑی تھی۔

اس کی یہ حرکت مظہر کے لیے ہی نہیں آپا بیگم کے لیے بھی غیر متوقع تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں اور ان دونوں کو

ہراساں ہو کر دیکھ رہی تھیں۔

''یو بلڈی بچ......'' مظہر چہرہ پونچھتا اس کی طرف لپکا اور بالوں سے دبوچ کے دو طمانچے رسید کیے۔ اس کا شائستہ لہجہ غائب ہو چکا تھا اور اس کے لبوں سے مغلظات کا طوفان ابل رہا تھا۔

عانیہ نے اپنے بچاؤ کے لیے سائیڈ ٹیبل سے ایک بھاری گلدان اٹھا کر اس کی طرف اچھال دیا، ساتھ ہی اسے زوردار دھکا دیا۔ مظہر نے خود کو گلدان سے بچالیا مگر گرنے سے خود کو نہیں بچا سکا۔

''میں یہاں رہوں گی تو تمہاری توقعات پوری ہوں گی۔'' اس نے باہر کی طرف لپکتے ہوئے کہا۔ آپا بیگم اسے پکڑنے کو دوڑیں مگر عانیہ نے باہر نکلتے ہی کمرے کو لاک کر دیا۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ چابی کی ہول میں لگی ہوئی تھی۔

آپا بیگم نے ارے ارے کرتے ہوئے دروازہ پیٹ ڈالا۔ مظہر نے پھرتی سے اٹھ کر دروازہ کھولنے کی کوشش کی پھر انٹر کام کی طرف لپکا۔ انٹر کام پر اس نے گیٹ پر موجود گارڈز کو کچھ ہدایات جاری کیں۔

''دروازہ پیٹنا بند کریں آپا بیگم! وہ (گالی) کہیں نہیں جائے گی۔'' اس نے کھڑکی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ایک جھٹکے سے بھاری پردے ہٹا کر گلاس وال بھی کھسکا دی۔

سامنے دائیں طرف کا وسیع لان تھا جس کے ساتھ ساتھ ایک طویل سرخ پتھروں سے بنی گیٹ تک جاتی ہوئی روش پر عانیہ اندھا دھند بھاگتی دکھائی دے رہی تھی۔

مظہر نے دیکھا گیٹ پر موجود گارڈز مستعد تھے۔

''یہ کس مصیبت کو لے آئے ہو مظہر! اتنا تو آج تک کسی اور لڑکی نے تنگ نہیں کیا۔'' آپا بیگم نے ایک نظر اس کے سرخ چہرے کو دیکھتے ہوئے پریشانی سے کہا۔

''مظہر کو اپنی مصیبتوں سے نبٹنا آتا ہے۔'' اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا اور نیچے روش پر دو گارڈز عانیہ کو گھسیٹتے ہوئے اندر لا رہے تھے جبکہ وہ مسلسل خود کو چھڑوانے کے لیے ہاتھ پیر چلا رہی تھی۔

☆......☆......☆

سفید کبوتر نے اس کے ہاتھ کی گرفت کو معمولی سا کمزور پڑتا محسوس کر کے اپنے پر پھیلائے اور اڑنے کی کوشش میں زمین سے جا ٹکرایا۔ زمین پر سکون سے دانہ چگتے کبوتروں کی ٹولی میں بھگدڑ مچ گئی۔ کچھ سہم کر اڑے اور چھتری پر جا بیٹھے اور کچھ نے دور فضاؤں میں اونچی اڑان بھرنے کو ترجیح دی۔ باقی یہاں وہاں دیواروں پر غٹرغوں کرنے لگے۔

گل بانو کے گرد ٹوٹے ہوئے پر تھے اور سہمے ہوئے کبوتروں کی بھاری آوازیں۔

اس کے اعصاب پر جمے ہوئے اس بے یقینی کے کہرے کو سورج کی تیزی سے پھیلتی پر تر تپش کرنیں بھی نہیں پگھلا سکیں۔ اسے لگا مومنہ نے اس کی اطلاع نہیں دی، اس کے اعصاب کی مضبوطی کا امتحان لینے کی کوشش کی ہے۔

اس نے اسی کیفیت میں پلٹ کر مومنہ کو دیکھا۔

''تمہیں کس نے بتایا۔'' وہ سراپا سوال بن گئی۔

''ناصر نے......''

''اسے غلط فہمی ہوئی ہوگی۔'' اس نے جیسے خود کو یقین دلایا تھا۔

''کسی کو غلط فہمی نہیں ہوئی۔'' مومنہ جل کر بولی۔

''نہ ناصر کو اور نہ ہی مجھے۔ ناصر اسے گھر پہنچانے آیا تھا اور میں ثمن کے گھر سے ہی آ رہی ہوں۔ شاید آپ کو علم نہیں میں آج کل اسی کے گھر ٹھہری ہوئی ہوں اور......'' وہ بولتے بولتے ٹھٹکی۔ گل بانو کو دیکھا اور تیز لہجے میں بولی۔

''کیا سوچ رہی ہیں؟''

''میں......'' وہ ہکلائی اور بے چارگی سے بولی۔ ''میں اس کا سامنا کیسے کروں گی مومنہ! اتنے عرصے سے اس کی واپسی کی دعائیں کی ہیں۔ اسے ایک نظر دیکھنے کی خواہش میں شاید اب تک زندہ ہوں۔ نہیں بھئی......اتنی باحوصلہ نہیں ہوں میں کہ اس کا سامنا کر سکوں۔ اور وہ تو......شہزادہ ہے......آسمان پر چمکتا سب سے روشن ستارہ......میں تو ایکدم بوڑھی لگوں گی اس کے سامنے......'' اس کے اندیشے......اس کے خدشات......مومنہ کو کوفت ہونے لگی۔

''بے وقوفوں جیسی باتیں مت کریں۔'' اس نے جھڑک کر کہا۔

''یہ وقت ان سب باتوں کا نہیں ہے، وہ اتنے عرصے بعد آ گیا ہے، اب لوگ تو یہی سمجھیں گے کہ وہ سچا ہے اور آپ جھوٹی......مگر اس کا سچ ہے کیا......؟ اف میرے اللہ! مجھے لگتا ہے ان سوالوں کے جواب ڈھونڈتے ڈھونڈتے میں پاگل ہو جاؤں گی۔'' اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر کہا پھر اس کی طرف پلٹی۔

''جائیں اس کا گریبان پکڑیں۔ دو تھپڑ لگائیں اسے اور پوچھیں کہ آپ کو مشکلات میں دھکیل کر کیوں بھاگ گیا تھا بزدل۔''

''مومنہ! اس کے بارے میں اس طرح بات نہ کرو، بڑا ہے وہ تم سے۔''

''آپ ابھی بھی اس کے حق میں بول رہی ہیں۔'' مومنہ نے صدمے سے اسے دیکھا۔

''میں کبھی بھی اس کے خلاف نہیں ہو سکتی۔'' وہ منڈیر کے قریب جا رکی۔ مومنہ نے اسے گھور کر دیکھا۔

''پتا نہیں میں آپ کے پاس اپنا دماغ خراب کرنے کیوں آ جاتی ہوں۔ حالانکہ......حالانکہ آپ اسی قابل ہیں کو لوگ آپ کو

دھتکار دیں، جب خود آپ کو ہی اپنی پروا نہیں ہے تو کوئی کیوں کرے؟'' وہ چیخ کر بولی اور پھر دھڑ دھڑ کرتی سیڑھیاں اترتی چلی گئی۔

''سنو...... میری بات تو سنو۔'' گل بانو اس کے پیچھے دوڑی تھی، مومنہ کے قدم آخری سیڑھی پر رک گئے۔

''خوشی کی خبر سن کر بھی ہارٹ فیل ہو جاتا ہے۔ مجھے دل سنبھالنے کے لیے کچھ وقت تو دو منی۔'' منڈیر سے چمٹی وہ بے چارگی سے کہہ رہی تھی۔ مومنہ بنا کچھ کہے گھر سے نکل گئی۔

☆......☆......☆

''میں سمجھ نہیں پا رہا، آخر آپ لوگ اتنا رو کیوں رہی ہیں۔ حالانکہ میں زندہ واپس آیا ہوں اور مجھے غور سے دیکھیں اماں جی! سر سے لے کر پاؤں تک...... سالم واپس آیا ہوں پھر اتنے آنسوؤں کا مطلب......''

اس کے باقی الفاظ منہ میں ہی رہ گئے کیونکہ ماحول کے بوجھل پن کو کم کرنے کے لیے اپنی طرف سے کیے گئے اس ''لطیف مذاق'' کے جواب میں بیلا آپا کا بھاری ہاتھ اس کا کندھا ہلا گیا تھا جبکہ اماں جی کے آنسوؤں میں شدت آ گئی تھی اور ماحول پہلے سے زیادہ بوجھل اور افسردہ ہو گیا تھا۔

شاہنواز کھسیاہٹ بھرے انداز میں انہیں خاموش کروانے میں جت گیا اور جب اماں جی خود کو سنبھال چکیں تو روئے سخن بیلا آپا کی طرف موڑا اور سنجیدگی سے کہنے لگا۔

''توبہ ہے آپا! کیا ہاتھی کا ہاتھ فٹ کروایا ہے۔ لگتا ہے مجھے فرسٹ ایڈ کی فوری ضرورت ہے۔ ہو نہ ہو بازو کندھے سے اتر گیا ہے۔'' وہ دوسرے ہاتھ سے کندھا دبانے لگا۔

''بکو مت...... اتنا بھی بھاری ہاتھ نہیں ہے میرا۔'' آپا کھسیا کر بولیں۔

''اللہ کو مانو آپا!'' اس نے آنکھیں پھیلا لیں۔

''تمہاری تو صحت بھی ماشاء اللہ...... پہلی نظر میں تو میں پہچان ہی نہیں سکا۔''

''بڑے بدتمیز ہو۔'' آپا نے آنکھیں دکھائیں۔

''آتے ہی میری اچھی صحت کو نظر لگا رہے ہو۔ بھئی کھاتے پیتے گھرانے کی بہو ہوں اور یہ بات صحت سے پتا لگنا چاہیے۔''

''ہاں یہ بھی ٹھیک ہے اور یہ ثمن کتنی لمبی ہو گئی ہے، جب یہاں سے گیا تھا تو چھوٹی سی تھی مگر اب اتنی لمبی ہو گئی ہے۔ اماں جی! کیا کھلاتی ہیں اسے۔''

''کوئی نہیں، اتنی لمبی تو نہیں ہوں۔'' وہ پریشان ہو کر بولی۔

''اپنی سہیلیوں میں تو سب سے چھوٹا قد ہے میرا۔'' وہ مایوس تھی پھر پرجوش ہو کر بولی۔ ''لیکن بھائی! آپ بھی تو کتنا بدل گئے

ہیں۔ میں تو خود آپ کو پہلی نظر میں نہیں پہچانی۔ ایسا لگا تھا جیسے کسی ٹی وی ڈرامے کا ہیرو ہمارے گھر آ گیا ہو۔'' اس کے معصومیت بھرے انداز پر شاہنواز قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

''یہ ساری بے کار باتیں ہیں۔'' بیلا آپا مسکراتے ہوئے اس کے قریب بیٹھ گئیں۔

''ہمیں بتاؤ شاہنواز! تم اب تک کہاں رہے اور ٹھیک تو رہے؟ ہم تمہیں یاد بھی تھے یا بھول چکے تھے اور......'' انہوں نے بوجھل لہجے میں سوال پوچھے۔

''بس لڑکیو!'' اماں جی نے فوراً ٹوک دیا۔

''یہ سب باتیں بعد میں...... پہلے اسے کچھ آرام کرنے دو، اتنا لمبا سفر کر کے آیا ہے۔ شاہنواز! تم نہا لو بیٹا! اور تم لوگ بھائی کے لیے ناشتے کا بندوبست کرو۔''

''بھائی! میں آپ کے لیے حلوہ پوری بناتی ہوں۔''

''نہیں گڑیا! حلوہ پوری کل کھائیں گے۔ تم ابھی میرے لیے رات کے سالن کے ساتھ پراٹھا بناؤ اور ساتھ میں میٹھی لسی۔'' اس نے فوراً فرمائشی پروگرام شروع کر دیا۔

''میں ابھی بنا کر لاتی ہوں۔'' وہ باہر کی طرف لپکی پھر ٹھٹک کر رک گئی۔ ابا جی دروازے کے بیچ و بیچ کھڑے تھے۔ اماں جی نے دم سادھ لیا۔ بیلا آپا نے سٹپٹا کر ان کا ہاتھ تھام لیا۔ ابا جی بالکل خاموش تھے اور ان کا چہرہ کسی قسم کے تاثرات سے عاری تھا۔

شاہنواز کا دل چاہا بھاگ کر ان کے گلے لگ جائے مگر وہ یہ جانتا تھا اسے دھتکار دیا جائے گا۔

وہ اپنی خفگی، ناراضی بھولنے لگا اور والدین کے حوالے سے جو مخصوص دہشت جسے بعض اوقات ادب سے مشروط سمجھا جاتا ہے، اس کے دل میں عود کر آئی اور وہ اونچا لمبا پورے قد اور بھرپور صحت والا جوان سراسیمگی سے کانپتے دل کے ساتھ انتظار کرنے لگا کہ کب ابا جی آگے بڑھیں اور اسے گریبان سے گھسیٹتے ہوئے اس گھر سے باہر نکال دیں۔

وہ منتظر رہا، یہاں تک کہ کمرے کے در و دیوار سے لپٹی پراسرار خاموشی بھی آنکھیں پٹپٹانے لگیں تب ہی ابا جی اپنی لاٹھی ٹیکتے ہوئے آگے بڑھے۔ شاہنواز کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑا، وہ سوچنے سے قاصر تھا کہ ابا جی کے اٹھے ہوئے ہاتھ سے بچنے کی کوشش کرنا چاہیے یا اس بار بھی اسے خاموشی سے مار کھا لینا چاہیے۔

اسی وقت کمرے میں موجود نفوس نے ناقابل یقین لیکن خوش آئند منظر دیکھا۔ ابا جی نے ہاتھ اٹھا کر شاہنواز کا کندھا خیر مقدمی انداز میں تھپتھپایا پھر آہستگی سے جیسے جھجکتے ہوئے اسے گلے سے لگا کر الگ ہو گئے۔

شاہنواز کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی، درد کی شدت آنکھوں تک نمی بن کر دوڑنے لگی تو اس کا دل چاہا انہیں اپنے بازوؤں میں

بھینچ لے اور تب تک اباجی کے سینے سے الگ نہ ہو جب تک کئی برسوں کی ندامت اور پچھتاوا آنسوؤں سے نہ دھل جائے مگر......

''اچھے تو ہو؟'' ان کی بھاری، مدبر آواز شاہنواز کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔

''جی......جی......'' اس نے حلق میں اٹکتے ہوئے گولے کو بمشکل نگلتے ہوئے جواب دیا۔

''ہوں......'' وہ پلٹے۔

''ثمن......بیٹا......ناشتے کا انتظام کرو۔'' انہوں نے معمول کے انداز میں ثمن سے کہا اور دروازے کی طرف بڑھے۔

شاہنواز نے اپنے دل میں بے چینی کی شدید لہریں اٹھتی ہوئی محسوس کی تھیں۔

''آ......آپ......'' اس نے گھبراہٹ سے کہا۔

''آپ تو خیریت سے ہیں؟ اماں جی بتا رہی تھیں کہ......''

''ہوں......'' وہ جاتے جاتے ایک پل کو رکے اور پلٹ کر اسے دیکھا۔

''شکر ہے اللہ کا......تم ناشتا واشتا کھاؤ، آرام کرو پھر تفصیل سے بات ہو گی۔''

وہ لاٹھی ٹیکتے مضبوط قدموں سے چلتے باہر نکل گئے۔

''دیکھا آپا! میں نہ کہتی تھی ایک بار شاہنواز بھائی اس گھر میں آجائیں اباجی کی ساری ناراضی انہیں دیکھتے ہی دور ہو جائے گی۔''

ثمن چہکی۔ بیلا آپا نے جواب میں کچھ کہا تھا۔ شاہنواز نے سنا نہیں، وہ اس تشنہ ملاقات کی کسک محسوس کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔

''تفصیل سے......؟ اب کون سی باتیں ہونا ہیں تفصیل سے؟''

❁ ❁

ناول **بساطِ دل** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات آپ آنے والی ان تاریخوں (15th, 20th, 25th) میں پڑھ سکیں گے۔

وہ نہا چکا تو بیلا آپا نے بالترتیب چھ اور چار سال کے دو بچہ، بچی اس کے سامنے لا کھڑے کیے اور پہیلی ڈال دی۔

''ذرا سوچ کر بتاؤ، بھلا کون ہیں یہ دونوں؟''

شاہنواز نے مسکراتے ہوئے بغور ان دونوں کو دیکھا۔ بچے شرما کر ماں کے عقب میں چھپنے لگے، تب اس نے سہولت سے ان دونوں کو اپنے قریب کر لیا اور بولا۔

''سوچنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ یہ......'' اس نے بچی کے گال کو چوما۔ ''ہو بہو آپ کی کاپی ہے اور یہ......'' وہ بچے کی طرف متوجہ ہوا جو بڑی بڑی چمکدار آنکھوں میں دلچسپی بھرے اسے دیکھ رہا تھا۔

شاہنواز نے اس کے گال پر بھی پیار کیا۔

''اسے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ میرے بہنوئی صاحب خاصے خوبصورت ہیں۔'' اس نے بچے کو پھر پیار کیا۔

''بائی داوے، کب ملاقات ہو سکے گی بھائی صاحب سے؟''

''ممکن ہے پرسوں وہ آئیں، کہہ تو رہے تھے۔'' بیلا آپا نے کچھ پھیکا سا جواب دیا اور بچوں سے اس کا تعارف کروانے لگیں۔ بچے کا نام شوال تھا، اس کی آنکھیں بڑی بڑی اور چمکدار تھیں اور بڑی بہن کے مقابلے میں خاصا فرینڈلی تھا۔ اس کی بہن کا نام زیمل تھا اور وہ سچ مچ بیلا آپا سے بہت مشابہ تھی مگر اس کے چہرے پر جو چیز منفرد تھی، وہ سنجیدگی کی گہری چھاپ تھی اور جسے شاہنواز نے فوراً بھانپ لیا تھا مگر ابھی بہت سی باتوں کے لیے یہ وقت مناسب نہ تھا۔

اس کی بہنیں اس کی زندگی کے ان دس سالوں کے متعلق متجسس تھیں لہٰذا سوال پر سوال ہوتے رہے اور وہ ناشتا کرتے ہوئے تحمل سے جواب دیتا رہا۔

''ہونا کیا تھا؟ گاؤں سے نکالے جانے کے بعد میں فیصل آباد چلا گیا تھا اور وہاں سے گھومتا پھرتا لاہور...... ایک روز فٹ پاتھ پر سو رہا تھا کہ شمسہ خالہ وہاں سے گزریں۔ حالانکہ میں اتنی خراب حالت میں تھا کہ آئینہ دیکھتا تو خود کو بھی نہ پہچان پاتا مگر انہوں نے پہچان لیا اور مجھے اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئیں۔ بس پھر اس کے بعد اب تک جو میں اس حال میں پہنچا ہوں تو ان ہی لوگوں کی مہربانی سے...... بہت احسانات ہیں ان لوگوں کے میری ذات پر۔''

اس ساری داستان میں سے المیہ پہلو حذف کر کے اس نے صرف وہ حصے سنانے پر اکتفا کیا جن میں دکھی ہو کر رونے دھونے کا چانس نہایت ہی کم بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ پھر بھی اماں جی کا دل بھر آیا اور آنسو روکنے کی کوشش کے باوجود دو چار آنسو ٹپک ہی گئے۔

''اسی لیے میں آپ کو کچھ نہیں بتا رہا تھا۔ مجھے پتا تھا آپ پھر رونے لگیں گی۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑا نوالہ واپس پلیٹ میں رکھ

دیا۔اماں جی نے جھٹ سے آنسو پونچھ ڈالے۔

''تم ناشتا تو کرو، میں اب نہیں روؤں گی۔''

''دلنواز بھائی کیسے ہیں اور بھابھی؟'' اس نے بڑے بھائی، بھابھی کے متعلق پوچھا۔

''شکر ہے اللہ کا، سب اچھے ہیں۔ بھائی جان کی پوسٹنگ کوئٹہ ہوگئی تھی چھ سال پہلے، اب وہ لوگ وہیں سال کے سال چکر لگا لیتے ہیں کیونکہ تینوں بچے اسکول جاتے ہیں۔''

''تین بچے۔'' شاہنواز نے مسکراتے ہوئے دوہرایا۔

''جیسے میں نئے بچوں سے متعارف ہورہا ہوں، ویسے ہی میں بھی ان بچوں کے لیے ''نیا'' ہوں گا۔ ایک ایسا چچا اور ماموں جو اچانک آسمان سے ٹپک پڑا ہے۔''

اس نے جیسے خود ہی اپنا مذاق اڑاتا تھا مگر اس کے لہجے سے آنچ آتی تھی۔

''تمہارا اندازہ سو فیصد غلط ہے۔ ہم نے اپنے بچوں کو تمہارے متعلق بتا رکھا ہے۔ مجھے تو خود شوال نے آکر اطلاع دی تھی کہ باہر چھوٹے ماموں جان آئے ہیں۔ بچوں نے تمہاری تصویریں جو دیکھ رکھی تھیں۔ تم دیکھنا بھائی جان کے بچے بھی تمہیں دیکھتے ہی پہچان جائیں گے۔''

بیلا آپا کو گفتگو کا فن خوب آتا تھا، شاہنواز نے سوچا۔

''پھر وہ دیر تک ان سے برادری والوں کے متعلق پوچھتا رہا۔ ابا جی اور اماں جی کی بیماریوں کی تفصیلات اور ثمن کی سسرال سے متعلق معلومات، لڑکے کا نام، کاروبار وغیرہ۔

بڑی مدت کے بعد لسی پینے کی وجہ سے اس کی طبیعت کچھ بوجھل ہوگئی تھی۔ آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں تو آپا بھی اٹھ کر چلی گئیں۔ وہ سونے کے لیے لیٹا تو بے حد مطمئن تھا اور دل بے حد ہلکا پھلکا ہو رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے طویل مدت کے بعد ایسا نرم بستر نصیب ہوا ہو اور کتنی صدیوں کے بعد اسے آرام کرنے کا موقع مل رہا ہو۔ اس نے سوچا وہ کئی گھنٹے سوئے گا مگر اس کی واپسی کی خبر اس کی توقعات کے برعکس اور ناصر کی توقعات سے بھی زیادہ جلدی یعنی سچ مچ جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تھی۔

عزیز، رشتہ دار اس سے ملنے کے لیے یوں آنے لگے جیسے وہ حج کر کے واپس آیا ہو۔

کچھ نے واپسی پر مبارک باد دی، کچھ حیران تھے اور کچھ طنز کے تیر برساتے رہے۔

وہ سب سے ملتا رہا، جہاں مسکرانا تھا مسکرایا، جہاں سنجیدہ رہنا تھا وہ سنجیدہ بھی رہا مگر اس ساری مدت میں...... وہ خوشی کی قوت بخش لہریں اپنے سارے خون میں دوڑتی محسوس کرتا رہا، بچھڑے ہوئے لوگوں سے ملنا ایک ایسی روحانی خوشی کا احساس تھا جس کا کوئی نعم

البدل ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

وہ دوبارہ سونے کے ارادے سے لیٹا تو اس کے پرانے بچپن کے دوستوں نے گھر پر دھاوا بول دیا جس انداز و جوش و خروش سے وہ لوگ آئے، اسے دھاوا بولنا ہی کہا جا سکتا تھا۔

معاذ دیر تک اسے گلے سے لگائے رہا۔ ریحان نے بازو میں بھینچ کر گود میں بھی اٹھا لیا جبکہ طیب حیرانی سے دیکھتا سوال جواب کرتا رہا۔ شاہنواز کے لیے ہی نہیں ان سب کے لیے بھی اس سے دوبارہ ملنا بے حد خوشی کا باعث تھا۔

مبشر ان لوگوں کی موجودگی میں مگر قدرے تاخیر سے پہنچا اور آتے ہی اسے گلے سے لگا لیا۔

''ریحان نے مجھے فون کر کے تمہارے متعلق بتایا تھا۔ حالانکہ مجھے اس کی بات پر یقین تو نہیں آیا مگر میں اسی وقت منیجر کے پاس آدھی چھٹی کی درخواست لے کر پہنچ گیا مگر ہمارا منیجر...... توبہ اللہ...... ایک نمبر کا کمینہ انسان ہے...... حالانکہ میں نے بتایا بھی کہ میرا جگری یار بڑی مدت کے بعد واپس آیا ہے مگر...... یار! ایمان سے بڑا ہی کمینہ بندہ اے۔''

''او بھائی میرے! کمینے منیجر کی شان میں قصیدہ بعد میں پڑھ لینا، پہلے جسے گلے سے لگایا ہوا ہے اس سے حال پوچھ لے۔'' ریحان نے کہا۔

''بس یار! حال کیا پوچھنا ہے، اسے دیکھ کر تمہارے بیان کی تصدیق کرنا تھی سو کر لی۔'' اس نے دوستانہ محبت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''منیجر کے بچے نے صرف ایک گھنٹے کی چھٹی دی ہے، آدھ گھنٹہ یہاں آنے میں لگا، باقی واپس جانے میں لگے گا۔''

''اتنی جلدی کیسے جا سکتے ہو...... تم لوگ آرام سے بیٹھو...... اماں جی چائے کا انتظام کر رہی ہیں۔''

''چائے کا ٹائم نہیں ہے۔'' معاذ نے جگہ چھوڑتے ہوئے کہا۔

''میں تو خود ملازموں کے سہارے دکان چھوڑ کر آیا ہوں۔ مبشر ٹھیک کہہ رہا تھا تمہیں دیکھ کر تصدیق کرنا تھی کہ جو افواہیں اڑ رہی ہیں، غلط ہیں یا صحیح۔ اب ہم چلتے ہیں، کسی فرصت سے مل بیٹھتے ہیں پھر ساری باتیں ہوں گی۔''

''کسی وقت سے کیا مراد ہے؟'' طیب نے کسی قدر اختلاف سے کہا۔

''بس آج رات کا ہی پروگرام سیٹ کرو۔ میں ڈیرے کی صفائی کروا دیتا ہوں، آج رات کا کھانا وہیں ہو گا میری طرف سے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا تھا، ریحان کا منہ حیرانی سے کھل گیا۔

''ہیں......؟ واقعی......؟ یار شاہنواز! یہ فیاضی صرف تمہاری آمد کی خوشی میں دکھائی جا رہی ہے، ورنہ اس شیخ کے بچے نے تو ہمیں ابھی تک اپنی شادی کی دعوت بھی نہیں کھلائی۔'' باقی سب نے ریحان کی ہاں میں ہاں ملائی، تب طیب کو پتنگے لگ گئے۔

''بھوکو، ندیدو...... تو وہ چرغہ اور مرغ کڑاہی تمہارے سسرالیوں نے اڑائی تھی۔'' وہ پھاڑ کھانے کو دوڑا اور شاہنواز ان سب کو

بحث کرتا دیکھ کر مسکراتا رہا، گو کہ وہ خود ان کی بحث میں شریک نہ تھا مگر ایسا لگ رہا تھا ان کے ساتھ وہ ابھی تک اسی دس سال پرانے دور میں سانس لے رہا ہے۔ اتنے ہی زندہ دل، اتنے ہی پرجوش اور اتنے ہی ایک دوسرے کے قریب تھے جتنا شاہنواز انہیں چھوڑ کر گیا تھا۔

بیس منٹ بعد وہ سب واپس چلے گئے مگر اس سے پہلے طیب کے ڈیرے پر ضیافت کا پروگرام طے ہو چکا تھا۔

اماں جی نے سنا تو خفا ہوئیں، وہ چاہتی تھیں آج شاہنواز سارا دن ان کے ساتھ رہے اور رات کا کھانا بھی گھر پر ہی کھائے مگر شاہنواز کچھ وقت دوستوں کے ساتھ بھی گزارنا چاہتا تھا، اس لیے اس نے انہیں راضی کر لیا۔

سارا دن وہ منتظر رہا کہ ابا جی اس سے تفصیل سے بات کریں مگر ایک بار اسے مخاطب کرنے کے بعد ابا جی نے چپ سادھ لی تھی۔ شاہنواز کا انتظار طویل ہوتا چلا گیا۔

☆......☆......☆

مومنہ نے بےزاری سے چاروں طرف دیکھا۔

ثمن کے گھر میں کسی تقریب کا اہتمام ہوا لگ رہا تھا۔ ہر کوئی مستعد یہاں وہاں بھاگا پھر رہا تھا۔ مہمان خانے سے بار بار چائے، ناشتے کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ گھر کے مستقل ملازم بھری ہوئی ٹرے لے جاتے خالی واپس لے آتے۔

سامنے والی دیوار کے سائے میں مزارعوں کی بیویاں دیگوں کے لیے چاول صاف کر رہی تھیں۔ ایک مہارت سے پیاز کاٹ رہی تھی، دوسری گرم مسالے چھانٹ رہی تھی اور صدر دروازے کے باہر ابھی سے مانگنے والوں کا رش لگنا شروع ہو گیا۔

ابھی کچھ دیر پہلے اس نے تائی اماں کو شاہنواز ملک کا صدقہ دو کالے بکروں سے اتارتے دیکھا تھا۔ یہ دیگیں بھی اسی سلسلے کی کڑی تھیں۔

مومنہ کو کئی بار بچپن میں پڑھی ہوئی وہ کہانی یاد آئی جس میں بادشاہ کا بیٹا کئی سال جنگل میں پُرمصائب زندگی گزارنے کے بعد واپس آتا ہے تو اسی طرح صدقہ خیرات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

''اس شخص کو دیکھ کر تو نہیں لگتا تھا کہ اس نے پُرمصائب زندگی گزاری ہے۔'' یکایک چاروں جانب سے توجہ ہٹا کر اس نے شاہنواز کو دیکھا اور بہت دھیان سے دیکھا۔ ابھی کچھ دیر قبل ثمن نے اسے اس شخص سے متعارف کروایا تھا۔ مومنہ نے اس پر دوسری نظر نہیں ڈالی۔ وہ اسے اتنا برا لگتا تھا کہ دوسری نظر ڈالنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

مگر اب کی بار اس نے دیکھا تو غور سے دیکھا۔ تب پہلی بار اسے احساس ہوا اگر بالکل غیر جانبداری سے تجزیہ کرتی تو بلاشبہ وہ وجیہہ انسان تھا اور اگر فطرتاً اتنا برا نہ ہوتا تو یقیناً گل بانو کے ساتھ جچتا۔

اس کا قد لمبا تھا، رنگ گندمی، فراغ پیشانی سلوٹوں سے پاک مسکراہٹ بھلی معلوم ہوتی تھی۔ آنکھوں میں چمک تھی اور چہرے پر روشنی۔

''دوسروں کی زندگی برباد کرنے والوں کے چہرے اتنے روشن نہیں ہو سکتے۔'' یکایک اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا اور وہ

چونک سی گئی، اسی وقت شاہنواز نے شاید کسی کی نظریں خود پر محسوس کر کے ادھر ادھر دیکھا تھا۔ مومنہ نے سٹپٹا کر رخ بدل لیا۔ مبادا وہ اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر کسی اگلی کہانی کا آغاز کر دے۔ برے لوگ ہر حال میں ہمیشہ برے ہی رہتے ہیں۔

''مگر ایک بات تو ہے۔ گل بانو نے ایک اس کے لیے خود کو برباد کیا ہے تو کچھ غلط بھی نہیں۔ اس شخص میں کچھ ایسی بات ہے کہ کسی بھی عقل والی کی مت ماری جائے۔''

اس نے کڑھ کر سوچا تھا۔

☆......☆......☆

''مجھے دراصل شاہنواز سے بات کرتے ہوئے جھجک محسوس ہو رہی ہے، یہ تو بالکل بابو صاحب بن چکا ہے۔ وہ پرانے والا للو شاہنواز تو لگتا ہی نہیں۔ یاد ہے ہم سب اس کے بونگے پن کا کتنا مذاق اڑایا کرتے تھے۔''

طیب نے اپنی مسلسل خاموشی کی وجہ بیان کرتے ہوئے ان سب کو پرانے دنوں کی یاد دلائی تھی۔

ایک زبردست خوشی کی لہر ان سب کے درمیان دوڑ گئی، پرانے دنوں کی یاد اچھی چیز ہے۔

شاہنواز کو یاد آیا وہ سب واقعی اسے ''للو'' پکارا کرتے تھے اور یہ یاد آتے ہی اس کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''یار! بونگا تو نہ کہو، ماضی میں بھی ایسے کسی بابو صاحب کے لیے یہ لفظ عجیب سا لگتا ہے۔'' ریحان نے سیخوں پر کبابوں کا آمیزہ مہارت سے لگاتے ہوئے کہا۔ طیب نے چرغے اور باربی کیو کا انتظام کیا تھا۔ چرغہ ملازم نے بنایا تھا جبکہ کباب اور تکے وہ سب مل کر بنا رہے تھے۔

وسط میں الاؤ روشن تھا اور سرد چاندنی رات ان پر جھکی ہوئی تھی۔

''ہاں بھولا پن کہہ لو، کیوں شاہنواز! یہ لفظ سننے میں زیادہ بھلا لگتا ہے نا۔'' ریحان نے اسے بھی شامل گفتگو کیا۔ وہ جو ایک طرف ہاتھ پر ہاتھ دھرے مہمان داریاں کروا رہا تھا اور پرانے دنوں کو یاد کرتا چپکے چپکے مسکرا رہا تھا، اس سوال پر کھل کر مسکرایا۔

''تم لوگ مجھے بونگا، بھولا، بے وقوف کچھ بھی کہہ لو، مجھے کوئی بھی لفظ برا نہیں لگ رہا۔ نہ ہی مجھے تم لوگوں کی کسی بات پر اعتراض ہے۔''

''مگر مجھے اعتراض ہے۔'' مبشر نے سیخوں کو آگ پر پلٹتے ہوئے کہا۔

''شاہنواز دراصل معصوم تھا جس نے جو کہہ دیا، آنکھیں بند کر کے یقین کر لینا اس کی فطرت تھی، حقیقت کی ٹوہ میں رہنا یا تحقیق کرنا اس کے نزدیک غیر ضروری تھا۔ ایسے لوگ مارے جاتے ہیں...... یہ بھی مارا گیا......''

''لیکن ایک بات ہے یار! اس کو بے وقوف بنانے میں مزا آتا تھا۔'' معاذ نے سرعت سے بات پلٹی اور یوں جیسے مبشر کی بات کی گہرائی تک نہ پہنچا ہو۔

''کئی بار تو میں نے اسے آم کے باغ میں یہ کہہ کر دھکیل دیا کہ مالی نہیں ہے، ہاں مگر ایک صلاحیت کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ یہ مار کھانے کے باوجود آم ضرور لاتا تھا۔''

''اور یاد ہے امام دین کی گھوڑی کو بھنگ ہم نے پلائی تھی اور صرف ڈول پکڑنے کی وجہ سے سارا الزام آ گیا اس بے چارے پر۔ کتنی مار پڑی تھی اسے اور اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ اصل معاملہ کیا ہے۔'' ریحان نے یاد دلایا، ان سب کے زبردست قہقہوں سے آسمان لرز گیا تھا پھر وہ سب دیر تک اپنے بچپن کے قصے دوہراتے رہے۔ وہ جھگڑے...... وہ شرارتیں...... وہ کھیل اور گیت......

پھر اچانک مبشر نے کہا۔

''ویسے شاہنواز! اپنی بے وقوفی کے ہاتھوں تم گل بانو کے سامنے چاروں شانے چت رہے، تمہیں یاد تو ہو گا ہم تمہیں اس کے معاملہ میں بھی سمجھاتے تھے۔''

سب خاموش ہو گئے اور دیک تک خاموش رہے پھر معاذ نے اس خاموشی کو توڑا۔

''ہم یہاں شاہنواز کی واپسی کی خوشی منانے کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ کیا یہاں اس کا ذکر کرنا ضروری ہے۔''

''بالکل ضروری ہے۔'' مبشر نے قطعیت سے کہا۔

''اس کی وجہ سے شاہنواز کی زندگی برباد ہوئی۔ اسے اپنا گاؤں، اپنا گھر چھوڑنا پڑا...... اتنی بدنامی ہوئی وہ الگ...... جبکہ وہ اسی گاؤں میں عزت سے رہتی رہی ہے...... غیرت کا تقاضا تو یہی ہے شاہنواز! کہ اس سے بدلہ لیا جائے۔''

''گڑے مردے اکھاڑنے کا کیا فائدہ؟'' ریحان نے جھنجلا کر کہا۔ طیب نے تائید کی۔

''ہاں...... اس نے جو زندگی گزاری، وہ بھی کسی مردے سے کم نہیں ہے۔''

''جانے دو۔'' مبشر نے فوراً اختلاف کیا۔

''کیا ہم نے دیکھا نہیں ہے وہ کیسی خوشحال زندگی گزارتی رہی ہے، ایسا کون سا نفع ہے جو اس نے حاصل نہیں کیا...... مشکلات تو شاہنواز نے دیکھی ہیں، اپنوں سے دور تو یہ رہا ہے۔''

''مجھے تمہاری کسی بات سے اختلاف نہیں ہے، لیکن تصحیح بہر حال کر لو، شاہنواز بھلے ہی اس گاؤں سے دور رہا ہو، مگر اپنی محبت و احترام یہاں کے لوگوں کے دلوں سے نہیں نکال سکا۔ جبکہ گل بانو کو اس گاؤں میں رہنے اور خود کو سچا ثابت کرنے کے باوجود احترام نہیں دیا گیا جو اس گاؤں کی دیگر بیٹیوں کو ملتا ہے۔ اس حساب سے تو اسے اس کے عمل کی سزا مل چکی ہے۔''

''یار! تم لوگ کیا بے کار باتیں لے بیٹھے ہو۔'' معاذ نے مداخلت کی، پھر اس کی طرف پلٹا۔ جو یوں، خاموشی سے ان سے سب کی گفتگو سن رہا تھا۔ جیسے موضوع گفتگو اس کے علاوہ کوئی اور ہو۔

”یار! تم ہمیں اپنے بارے میں بتاؤ۔ کہاں رہے اب تک؟ کیسی گزری زندگی۔“ اس نے موضوع ہی بدل دیا اور سب ہمہ تن گوش شاہنواز کو دیکھنے لگے۔

اور شاہنواز جیسے بصد مجبوری دس سال پیچھے چلا گیا۔

”کیا بتاؤں یار! یہاں سے ابا جی کی جوتیاں کھا کر نکلا تو جسم زخموں سے چور تھا، پیر میں جوتی نہیں اور جیب ایک دھیلے سے بھی خالی...... پتا نہیں کیسے بھٹکتا بھٹکتا ساہیوال پہنچ گیا، وہاں سے فیصل آباد، تفصیل سے نہیں بتا سکتا۔ سمجھو زخم ادھڑ جاتے ہیں۔ پھر کئی روز نہیں بھرتے......فیصل آباد میں ایک چھوٹا سا دربار تھا، میں زمانے کی ٹھوکریں کھاتا وہاں پہنچا تو وہیں کا ہو رہا......لنگر بٹتا تو پیٹ بھر لیتا۔

یہاں مجھے ایک آدمی ملا کمال نام تھا اس کا۔ درمیانی عمر کا تھا اور بے حد ہمدرد، جب تک میں مکمل طور پر صحت یاب نہیں ہو گیا، وہ میری تیمارداری کرتا رہا۔ اس نے مجھ سے کہا میں اس کے مرحوم بیٹے کی عمر کا ہوں اور اتفاق سے کسی قدر اس کا ہم شکل بھی، اس لیے اس نے مجھے اپنا بیٹا بنا لیا۔

میں خوش نہیں تو مطمئن بہرحال ضرور تھا کہ سر چھپانے کو چھت بھی میسر آ گئی تھی اور پیٹ بھرنے کو روٹی بھی مل جاتی تھی۔ میں کمال کے گھر رہ کر اپنے مستقبل کی پلاننگ کرنے لگا۔ اس دوران کمال سے کچھ عجیب مشکوک سے لوگ ملنے کے لیے آتے رہے۔ کمال ان سے میرا تعارف اپنے بیٹے کی حیثیت سے کرواتا......اس دوران میں بہت زیادہ سونے لگا تھا۔ اٹھارہ، اٹھارہ گھنٹے سونے کے باوجود مجھ پر غنودگی طاری رہتی، میں نے اس بات کا ذکر کمال سے کیا اس نے مجھے یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کہ چونکہ مجھے بہت عرصہ بعد سہولیات اور بے فکری نصیب ہوئی ہے، اس لیے میرے اعصاب پر سکون نیند پوری کر رہے ہیں اور اس نے مجھ سے کہا کہ کچھ دن میں ہم نوشہرہ چلے جائیں گے۔ اور وہاں اس کے آبائی گھر میں رہیں گے۔

مگر اگلے چند روز میں مجھ پر کمال کی شخصیت کھل گئی، کمال دراصل ایسے گروہ کا سرغنہ تھا جو انسانی اعضاء فروخت کرتے ہیں اور جو لوگ وقتاً فوقتاً اس سے ملنے آتے تھے۔ وہ اس کے ساتھی تھے۔ اور اس مذموم کاروبار کے شریک......کمال نے مجھے بے وقوف بنا کر میری آنکھوں اور گردے کی قیمت بھی وصول کر لی تھی۔

نوشہرہ کے بہانے وہ مجھے اپنے اڈے پر لے جاتا، جہاں میرا آپریشن کیا جانا تھا۔ میں خوف سے کانپنے لگا۔ وہ ساری باتیں چھپ کر سنی تھیں، اس لیے کمال ناواقف تھا کہ میں سب کچھ جان چکا ہوں، اسی لیے اس نے مجھ پر کوئی پابندی عائد نہیں کی۔ شام تک میں اگلی پلاننگ کرتا رہا اور شام ہوتے ہی اس سے کچھ پیسے لے کر کچن کا سامان خریدنے کے بہانے وہاں سے بھاگ نکلا۔

اس کے آگے میری طویل جدوجہد کا آغاز ہوا، میں شہروں شہروں بھٹکتا پھرا۔ پہلے لاچار ہو کر بھاگتا رہا۔ پھر خود کو بچانے کے لیے......کیونکہ مجبوری یہ تھی ہر شہر میں کہیں نہ کہیں کمال کے آدمی ٹکرا جاتے تھے۔

اس دوران کون سی مشقت ہے جو میں نے نہیں کی...... لوگوں کے کتے نہلائے، گٹر صاف کیے، بھوکا پیاسا، کئی کئی روز فٹ پاتھوں پر سویا...... پھر ایک رات جب میں فٹ پاتھ پر بیٹھا بخار سے مر رہا تھا، میری اماں جی کی خالہ زاد بہن اپنی گاڑی میں وہاں سے گزریں۔ اماں جی کی خالہ کی شادی غیر برادری میں ہوئی تھی، اس لیے ان سے ملنا ملانا نہ ہونے کے برابر تھا۔ شمسہ خالہ کی چونکہ اماں جی سے کسی زمانے میں دوستی رہی تھی، اس لیے ایک آدھ سرسری ملاقات بھی ہو چکی تھی۔ شاید اسی ملاقات نے کام کر دکھایا...... بری حالت میں ہونے کے باوجود انہوں نے مجھے پہچان لیا اور زبردستی اپنے ساتھ لے گئیں...... بس اس کے بعد میں جو کچھ بھی ہوں خالہ شمسہ اور ان کے شوہر کی مہربانی سے ہوں۔''

دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے یوں اپنی بات ختم کی، جیسے کسی اور کی داستان سنا رہا ہو۔ مبشر نے سب کو گہری نظروں سے دیکھا۔

''ابھی بھی تم لوگوں کا یہی خیال ہے کہ شاہنواز کو گل بانو سے بدلہ لینا نہیں چاہیے؟''

''یار!'' ریحان جیسے زچ ہو گیا۔

''مبشر! تم بار بار ایک ہی بات کیوں چھیڑ رہے ہو۔''

''کیونکہ میں چاہتا ہوں میرا دوست بے غیرتوں کی طرح زندگی نہ گزارے۔ بدلہ لینے کی اجازت تو اسلام بھی دیتا ہے۔'' مبشر نے ترنت کہا۔

''مبشر!'' معاذ نے کچھ کہنا چاہا، مگر شاہنواز نے ٹوک دیا اور بولا۔

''اماں جی نے تم سب لوگوں کے لیے پیغام بھجوایا ہے، کل دوپہر کا کھانا تم سب ہماری طرف کھانا اور...... ہاں...... بمعہ اہل و عیال۔''

''اور جو چھڑے چھانٹ ہوں کیا وہ امی، ابا کی انگلی تھام کر آ سکتے ہیں؟'' ریحان کے سوال پر زبردست قہقہے بلند ہوئے تھے۔ پھر ریحان کو ہی اچانک خیال آیا۔

''شاہنواز! تم نے شادی کر لی یا ایسے ہی گھوم رہے ہو۔''

''نہیں۔'' اس نے سادگی سے جواب دیا۔

''اب خدارا یہ مت کہنا کہ گل بانو کے لیے اب تک جوگ لیے پھر رہے ہو۔'' مبشر کی بات پر اسے زبردست ''گھوریاں'' ملی تھیں۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' اس نے پہلی بار گل بانو کے حوالے سے کوئی وضاحت دی تھی۔

''بس فرصت نہیں ملی۔''

''گل بانو سے ملاقات ہوئی؟'' یہ سوال بھی مبشر کی طرف سے آیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا طیب نے مبشر کی باتوں

سے اکتا کر کھانے کا شور ڈال دیا، یوں مبشر کی باتوں سے جان چھوٹ گئی۔ مگر شاہنواز کچھ اور سوچ رہا تھا اور ایک انتقامی جذبہ اس کے اندر سر اٹھا رہا تھا۔

☆......☆......☆

''تائی اماں! اگر آپ اجازت دیں تو کل صبح میں اپنے گھر چلی جاؤں۔ شام تک واپس آ جاؤں گی۔'' مومنہ نے اماں جی سے پوچھا تو وہ حیران ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگیں۔

''کیا بات ہے منی! گھر سے اداس ہو گئی ہو کیا؟ اور کیا یہ تمہارا اپنا گھر نہیں ہے؟'' ان کا نرم لہجے میں کیا گیا سوال اسے بوکھلا گیا۔

''میرا اپنا ہی گھر ہے، لیکن وہ دراصل......کل یہاں دعوت ہے، اتنے سارے مہمان آئیں گے اور مجھے زیادہ لوگوں میں گھبراہٹ ہوتی ہے، بس اسی لیے کہہ رہی تھی۔'' اس نے اصل بات چھپا کر بات بنائی۔

''نہ بیٹی! مہمان تو اللہ کی رحمت ہوتے ہیں......اور جب رہنا ہی انسانوں کے درمیان ہے تو گھبرانا کیسا۔'' انہوں نے شفقت سے اس کا سر تھپکا۔

''لیکن تائی اماں۔''

''اوئے کوئی لیکن ویکن نہیں، تمہارے گھر والوں کی غیر موجودگی میں تو میں تمہیں بالکل نہیں جانے دوں گی......وہ لوگ یہاں ہوتے تب بھی تم سب کو اس دعوت میں شریک ہونا تھا۔ لیکن اب تم اکیلی ہو تو بھی ٹھیک ہے۔ کل بڑی رونق ہوگی......دلنواز بھی آ رہا ہے، کئی سالوں بعد سارا خاندان اکٹھا ہوگا، دیکھنا تمہارا دل بھی بہل جائے گا۔''

''اس کی باتوں پر یقین نہ کریں اماں جی!'' ثمن کہیں سے نمودار ہوئی۔ ''اسے پتا ہے کل گھر میں کتنا کام ہوگا......یہ دراصل کام سے جان چھڑوا کر بھاگ رہی ہے۔''

''تائی اماں......'' مومنہ نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں، پرسوچ انداز میں بولی۔

''سارا گاؤں آئے گا۔''

''تقریباً گاؤں کے سارے اہم لوگ اور ساری برادری۔'' وہ بولیں۔

''ایک مہمان کا میں بھی بتاؤں؟ جسے آپ سب بھول رہے ہیں؟''

''کون'' وہ حیران ہوئیں۔

''گل بانو باجی؟'' مومنہ نے یکدم ان دنوں ماں بیٹی کے چہرے تاریک ہوتے دیکھے تھے۔

''اماں جی؟ ابا جی نے اپنا کھاتے والا رجسٹر منگوایا ہے، مگر مجھے مل نہیں رہا، ذرا آپ تلاش دیں۔'' ثمن نے اس کی بات جیسے ان

سنی کردی، اماں جی جلدی سے اٹھ کر اندر چلی گئیں، پیچھے ثمن بھی......

"کس قدر خود غرض لوگ ہیں یہ...... جس شخص نے ایک لڑکی کی زندگی برباد کر دی اسی کی واپسی کی خوشیاں منا رہے ہیں۔" اس نے کنپٹیاں دباتے ہوئے سوچا اور حلق تک کڑوا ہو گیا۔

☆......☆......☆

صبح اس کی آنکھ اس مانوس شور کو سن کر کھلی جس کا اب وہ عادی نہیں رہا تھا۔

پیپل کے درخت میں چھپی چڑیوں کی چوں چوں، احاطے میں بندھی بھینسوں کے گلے میں گھنٹیوں کی آوازیں، اماں جی کے لاڈلے مرغ کی بانگ۔

اس نے نیند بھری آنکھیں بمشکل کھول کر دروازے کی جانب دیکھا، ادھ کھلے دروازے کے اس طرف نجمہ جھاڑو کو ایک زوردار آواز کے ساتھ پٹختے ہوئے خشک پتے سمیٹ رہی تھی اور اب تو گھر کے پچھلی طرف جو کھیت تھے وہاں سے ٹیوب ویل چلنے کی آواز بھی سنائی دینے لگی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ کروٹ بدل کر دوبارہ نیند کی وادی میں گم ہوتا ابا جی کی پرنور آواز اس کی سماعت سے ٹکرانے لگی۔ اس عرصہ میں جہاں بہت کچھ بدل چکا تھا ان کی یہ عادت نہ بدلی تھی۔ وہ صبح سویرے بے دار ہونے سے لے کر مسجد جانے تک درود ابراہیمی کی تسبیح باآواز بلند پڑھا کرتے تھے اور گھر واپس آ کر وہ مختلف قرآنی سورتوں کی تلاوت کرتے تھے۔ شاہنواز ان کی اسی عادت کے زیر سایہ پروان چڑھا تھا۔ مگر وہ اتنی پابندی سے تسبیح نہیں پڑھ پاتا تھا۔ اس کے اوقات بھی مخصوص نہیں تھے۔

لیکن دن کے جس بھی حصے میں اسے یاد آتا تھا وہ کم سے کم ایک تسبیح درود پاک کی ضرور پڑھ لیتا تھا۔ البتہ تلاوت قرآن کے لیے وہ رات میں وقت نکالتا تھا اور اس کی یہ عادت بہت پختہ تھی۔ اس نے سیدھی کروٹ پر لیٹتے ہوئے سرسری سی نگاہ دروازے پر ڈالی۔ کھلے ہوئے دروازے سے روشنی ٹھٹھری ہوئی باریک لکیر کمرے میں داخل ہو کر فرش پر رینگ رہی تھی۔

اس نے چھت کی جانب دیکھتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں اور آیات پر غور کرنے لگا، ابا جی حافظ قرآن تھے اور بے حد خوش الحان، اس نے آج تک کسی اور کو اتنے خوبصورت لہجے میں تلاوت کرتے نہیں سنا تھا۔ اس کے لب بے آواز ابا جی کے پیچھے پیچھے ان آیات کو دہرانے لگے تھے۔ شاید پندرہ منٹ تک وہ اسی طرح سورۃ البقرہ کی آیات پڑھتا رہا۔ پھر ابا جی خاموش ہو گئے اور انہیں کھانسی آنے لگی۔

شاہنواز نے لحاف ایک طرف پھینکا اور سلیپر میں پیر گھساتا باہر آ گیا۔ مگر تب تک ثمن ابا جی کو پانی پلا چکی تھی۔ اور ابا جی اپنا حقہ تیار کر رہے تھے۔ شاہنواز ان کے قریب سے سلام کرتا گزرا اور صحن میں ایک طرف لگے ہینڈ پمپ کی طرف بڑھ گیا۔

"بالٹی میں گرم پانی ہے، ادھر سے منہ دھو لو۔" نلکے کے دستے پر ہاتھ رکھے اس نے ابا جی کی بات سنی اور جب نیم گرم پانی سے

منہ ہاتھ دھو چکا تو جھجکتے ہوئے ان کے قریب آ کر بیٹھ گیا، اس وقت قرآن پڑھنے کے لیے اکا دکا بچے آ چکے تھے۔

”شمن بتا رہی تھی......“ اس نے جھجکتے ہوئے بات کی۔

”آپ کو سانس کی تکلیف ہے...... یہ حقہ تو بہت نقصان دہ ہوتا ہے ابا جی!“ اس کے لہجے میں محسوس کن جھجک تھی۔

”بڑی پرانی عادت ہے...... آہستہ آہستہ ہی چھوٹے گی۔“ انہوں نے نرمی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

یہ مسکراہٹ جادو اثر تھی۔ شاہنواز کا حوصلہ بڑھا اور وہ اسی طرح یعنی کسی قدر محتاط، کسی قدر خائف ان سے باتیں کرنے لگا۔ ان کی بیماریاں، ادویات کی تفصیل اور معالج، ابا جی بھی جیسے اس کے سوالوں کے منتظر تھے، تحمل و نرمی سے اس کے سوالوں کے جواب تفصیل سے دیتے رہے۔

اس کے بعد انہوں نے اکٹھے ناشتا کیا، گو کہ کوئی خاص باتیں نہیں ہوئیں۔ مگر شاہنواز کو اپنے دل سے ایک بھاری بوجھ ہٹتا محسوس ہوا تھا۔

اس کے بعد ابا جی اسے اپنی زمین، تیار فصلیں اور کھیت دکھانے لے گئے۔ شاہنواز ایک بچے کے سے شوق و دلچسپی سے ان کے ساتھ ہو لیا۔ ابا جی اسے ایک ایک فصل کی تفصیل بڑی وضاحت سے بتاتے رہے اور وہ ہمہ تن گوش رہا۔ ساتھ ہی ساتھ اس کا دل خوشی و اطمینان کے عظیم جذبے سے بھرپور رہا۔ اگر اس کے سینے پر ستارہ امتیاز بھی سجا دیا گیا ہوتا تو اسے ویسی خوشی محسوس نہ ہوتی جیسی خوشی اپنے باپ کے قدم سے قدم ملا کر چلنے میں ہو رہی تھی۔

وہی باپ جس نے اسے مار پیٹ کر نکال دیا تھا۔ آج اسی کے ساتھ سر اٹھا کر اور سینہ تان کر چل رہا تھا اور شاہنواز کو اپنی سچائی کی سب سے بڑی دلیل لگ رہی تھی، اور اس کا دل چاہ رہا تھا ابا جی کے ساتھ چلتے ہوئے گاؤں کے ایک ایک فرد سے ملے، تاکہ سب کو علم ہو جائے کہ اس کے ابا جی اس کی سچائی تسلیم کر چکے ہیں۔

ان کی واپسی دوپہر چڑھے ہوئی۔ دھوپ، گہری زرد اور تیز تھی، جبکہ آسمان گہرا نیلا، گرمیاں شروع ہونے میں ابھی خاصا وقت لگنا تھا۔ دلنواز بھائی اور بھابھی، بچے پہنچ چکے تھے۔ اس سے والہانہ ملے۔ بھائی جان بڑھتی عمر کے ساتھ خاصے گریس فل لگ رہے تھے۔ بھابھی ویسی ہی خوبصورت، مگر فربہ ہو چکی تھیں۔ بیلا آپا نے صحیح کہا تھا، بچے واقعی اس کو پہچانتے تھے۔ دیر تک اس سے باتیں کرتے رہے۔

☆......☆......☆

آج کی دعوت دراصل ایک چھوٹا سا جشن تھا جو اماں جی اس کی واپسی کی خوشی میں منا رہی تھیں۔

مہمان سبھی آ چکے تھے۔

اور شاہ نواز تقریب کا ”دولہا“ بنا سب سے ملتا پھر رہا تھا، شمن کے سسرال والے بھی مدعو تھے۔ سب سے تعارف ہوا، شاہنواز نے

لگے ہاتھوں لڑکے کا مختصر سا انٹرویو بھی کرڈالا اور خاصا مطمئن ہوا۔ بیلا آپا کے میاں سے بھی اسی روز ملاقات ہوئی، وہ اونچے قد کے صحت مند اور سوبر سے انسان تھے۔ بیلا آپا کے ساتھ کھڑے جچتے تھے۔ اپنے انداز گفتگو سے بھی سلجھے ہوئے معلوم ہوتے تھے اور مخلص بھی۔ اللہ معلوم بیلا آپا کو ان سے کیا شکایت تھی۔

شاہنواز نے صاف محسوس کیا، ابصار بھائی کا استقبال کرتے ہوئے ان کے انداز میں محسوس کن لاتعلقی تھی۔

ناصر پہلے بھی یہاں آزادانہ آجاتا تھا، چونکہ بیلا آپا کا لائق فائق اسٹوڈنٹ رہ چکا تھا اس لیے اس کے آنے جانے پر کسی کو کوئی اعتراض نہ تھا اور اب تو گاؤں واپس آنے کے بعد چونکہ شاہنواز کا پہلا دوست وہی تھا۔ اس لیے آج کی تقریب میں اس کی آمد لازم ٹھہری۔

جس وقت مومنہ بریانی کی طشتری اٹھائے اس طرف آئی، اسی وقت ناصر بڑی مستعدی سے اپنی نگرانی میں دیگوں سے سالن نکلوا رہا تھا۔ مومنہ نے اسے مخاطب کرنے کی بجائے خود آگے بڑھ کر بریانی نکالنا چاہی تو اس نے ٹوک دیا اور رعب سے بولا۔

''اے لڑکی! یہ کیا کر رہی ہو۔ یہ برتن یہاں رکھو اور آکر لائن میں لگ کر اپنی باری کا انتظار کرو۔ کسی بھی ایرے غیرے کو دیگوں کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔''

مومنہ نے دھیان نہیں دیا، خاموشی سے بریانی نکالتی رہی۔

آپ برہم ہی سہی، بات تو کرلیں ہم سے
کچھ نہ کہنے سے محبت کا گماں ہوتا ہے

ناصر کو بولنے کا عارضہ لاحق تھا اور مومنہ پر نظر پڑتے ہی زبان پر کچھ زیادہ ہی گدگدی ہونے لگتی تھی۔ لہٰذا اس وقت بھی چند منٹ کی خاموشی اور جواب کا انتظار کرنا خاصا سوہان روح لگا۔ تبھی لہک کر شعر پڑھ ڈالا۔

مومنہ کے ہاتھ کپکپائے، پہلے دیگ کا چمچہ ہاتھ سے پھسلا، پھر ٹرے بھی چھوٹ گئی۔ برتن چونکہ دھات کے تھے اس لیے زوردار شور مچا کر خاموش ہوگئے البتہ رنگ برنگے چاول دور تک بکھرتے چلے گئے۔

''ہاہ......'' مومنہ کے لبوں سے صدمے کے مارے بس اتنا ہی نکلا، پھر اس نے کھا جانے والی نظروں سے ناصر کو گھورا، وہ بھی متاسف سا بکھرے چاول دیکھ رہا تھا۔

''دیکھا......کردیا نا نقصان۔'' اس نے سر اٹھا کر مومنہ کو دیکھا۔

''اسی لیے میں ہاتھ لگانے سے منع کر رہا تھا۔''

''تم......تم......'' غصے کی شدت تلے الفاظ بھی دب گئے۔ ثمن دوڑی چلی آئی۔

’’یہ کیا ہوا؟‘‘ پہلے ناصر کو سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر مومنہ کو جو غصے سے لال بھبھوکا ہو رہی تھی۔

’’اس سے کچھ نہ پوچھو ثمن۔‘‘ ناصر نے جلدی سے کہا۔ ’’اس کی زبان صدمے سے گنگ ہو گئی ہے۔‘‘

ثمن کی آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔

’’بریانی کی ایک ڈش ضائع ہونے کا اتنا صدمہ......‘‘

’’لو اور سنو......‘‘ ناصر نے مذاق اڑایا۔ ’’بریانی ضائع ہونے کا غم کس بدبخت کو ہے؟ اس بے چاری کو تو میری تعریف کے لیے میرے شایانِ شان الفاظ نہیں مل رہے۔ بس اسی صدمے نے یہ حالت کر دی ہے۔‘‘

وہ اتنی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا کہ یقین نہ کرنے کے باوجود ثمن حیران ہو کر مومنہ کا چہرہ دیکھنے لگی، جو اس بات پر کچھ اور لال ہو گیا تھا۔

’’تم انتہائی گھٹیا ہو......نفرت کرتی ہوں میں تم سے......‘‘ وہ دھپ دھپ کرتی چلی گئی۔

’’اسے ہوا کیا ہے؟‘‘ ثمن پلٹی۔

’’الفت نہیں نفرت ہی سہی۔ کسی شاعر نے اسے بھی محبت کی ادا کہا ہے۔‘‘ وہ اطمینان سے بولا۔ ثمن دھیان دیے بنا مومنہ کے پیچھے چل دی۔

’’بی بی! کیے جاؤ نفرت......میں نے بھی اس نفرت کو محبت میں نہ بدلا تو ناصر الدین چوہدری نام نہیں میرا۔‘‘ اس نے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے دل ہی دل میں مومنہ کو مخاطب کیا، ساتھ ہی ملازم کو بکھرے چاول سمیٹنے کا حکم دیا، تبھی شاہنواز وہاں آ گیا۔

’’آہا......تقریب کے ’’دولہا صاحب‘‘ تشریف لائے ہیں، آیئے آیئے اور ساتھ ہی یہ بتایئے قورمے کی دیگ کی قربت میں بیٹھنا پسند فرمائیں گے یا بریانی کی دیگ کے ساتھ، جگہ فارغ کروا دی جائے؟‘‘

’’یہ گاؤں کا کوئی نیا ٹرینڈ ہے کیا؟ یعنی دولہا کو دیگوں کے ساتھ بٹھانا؟‘‘ سمجھ تو وہ چکا تھا مگر پوچھنا اپنا فرض سمجھا۔

’’میری باتوں پر دھیان نہ دیں۔ دراصل مجھے بچپن سے بک بک کرنے کی عادت ہے اور اس عادت میں بڑھتی عمر کے ساتھ ساتھ نکھار آ رہا ہے اور آپس کی بات ہے نکھار تو آج آپ پر بھی بڑا آیا ہے بلکہ روپ کہنا زیادہ رہے گا، کیا ہے کہ میں اردو کے مضمون میں ہمیشہ سے ہی نکما رہا ہوں۔ ہمیشہ صحیح موقع پہ غلط لفظ بول دیتا ہوں، خیر آپ تو آج سچ مچ دولہا لگ رہے ہیں۔ بھابھی جی دستیاب ہوتیں تو لگے ہاتھوں آپ کا ولیمہ بھی بھگتا لیا جاتا، خیر بیٹر لک نیکسٹ ٹائم۔‘‘

’’یار! ہر نان اسٹاپ کا بھی کوئی نہ کوئی اسٹاپ تو ضرور ہوتا ہے، تم کس مٹی کے بنے ہو؟‘‘

’’پہلے تو مجھے یہ بتائیں نان اسٹاپ سے مٹی کا کیا تعلق ہے؟ ویسے میں نے کبھی سوچا نہیں لیکن آپ نے بڑا ہی غور طلب سوال اٹھایا ہے۔ میں اس پر ضرور غور کروں گا۔ بشرطیکہ فرصت ملی تو......‘‘ سوچتے ہوئے اچانک اس نے عجیب شان بے نیازی سے کہا۔

''جانے دو...... تمہیں اب کہاں فرصت ملنی ہے اندر ہی اندر جو کھچڑی پکا رہے ہو، اس سے فرصت ملے گی تو کسی اور بات پر غور کرو گے۔'' وہ موڑھا گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

''کھچڑی؟ نہیں شاہنواز بھائی! اس دیگ میں تو بریانی ہے۔'' اس نے دیگ میں جھانک کر حیرانی سے کہا۔ ''اور یہ بھی میں نے نہیں پکائی۔''

''اچھا ہی ہوا، ورنہ سارے مہمان بھاگ جاتے۔'' وہ ہنسا۔ ''اچھا سنو۔ میں آج دولہا لگ رہا ہوں تو بات سمجھ آتی ہے کہ یہ دعوت میرے اعزاز میں دی گئی ہے، تم کس خوشی میں شہہ بالا بنے گھوم رہے ہو؟'' شاہنواز نے پوچھا۔

''میں نے سنا ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے بات شروع کی۔ ''بڑی عمر میں شہہ بالا بننے سے شادی جلدی ہوتی ہے، ویسے تو اس مقصد کی کامیابی کے لیے میں ہر روز بعد نماز عشاء گھوڑے شاہ قبرستان کی آخری قبر کے سرہانے ایک ٹانگ پر کھڑا ہو کر چلہ بھی کاٹ رہا ہوں۔ آپ سے مقصد میں کامیابی کے لیے دعا کی اپیل کی جاتی ہے، عین نوازش ہوگی۔''

''تم بالکل احمق ہو۔'' شاہنواز نے فوراً نتیجہ اخذ کر لیا۔

''اس مقصد میں کامیابی کے لیے اتنا مشکل چلہ کاٹنے کی کیا ضرورت ہے۔ اپنے اماں، ابا کو اپنا حال دل بتا کر مومنہ کے گھر بھیج دو۔ باقی کے معاملات وہ لوگ خود ہی نبٹا لیں گے۔''

''سبحان اللہ...... اپنے ہاتھ دیجیے۔'' ناصر پھڑک اٹھا، شاہنواز نے گھبرا کر ہاتھ پیچھے کر لیے۔

''کیا کرنا ہے؟''

''آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ متاثر تو خیر میں آپ سے بچپن سے ہی رہا ہوں، آج آپ کا معتقد بھی ہو گیا ہوں۔ آپ تو دلوں کا حال بھی جان لیتے ہیں۔ یا پیرومرشد! مجھے اپنی مریدی میں لے لیں۔'' ناصر کی خصوصیت یہ تھی کہ مذاق بھی اتنی سنجیدگی سے کرتا تھا کہ فرق کرنا مشکل ہو جائے۔ ''سچ سچ بتائیں شاہنواز بھائی! آپ کو میرے دل کے حال کی خبر کیسے ہوئی۔ کہیں آپ کے پاس موکل تو نہیں۔''

''جو بات تمہارے تھوبڑے پر لکھی ہوئی ہے اسے پتا چلانے کے لیے مجھے موکلوں کی بھی ضرورت نہیں ہے۔''

''ہیں...... سچ...... میرے تھوبڑے پر لکھا ہے۔'' وہ حیران ہوا پھر افسردہ۔ ''ایک میری بے بے ہیں، میرے چہرے سے دل کا حال جاننے کا دعویٰ ضرور کرتی ہیں مگر اتنی اہم بات انہیں پتا ہی نہیں چلی۔''

''افسردہ مت ہو بچے! امید ہمیشہ اچھی رکھنی چاہیے۔'' اس نے تسلی دی تو وہ پرجوش ہو کر اپنے مخصوص انداز میں بولا۔

''ارے افسردگی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں نے سوچ لیا ہے بے بے چونکہ پڑھنا لکھنا نہیں جانتیں، اس لیے میرے

چہرے سے دل کا حال نہیں پڑھ سکیں۔انہیں میں خود بتا دوں گا۔''

''اور مومنہ کو؟'' شاہنواز نے پوچھا۔

''اسے بھی نہیں بتا سکتا۔پوری جنگلی بلی ہے، میرا منہ نوچ لے گی، بس ذرا مناسب وقت آنے دیں۔''

''اور اس دوران اسے کوئی اور لے اڑا تو۔'' اسے اپنا خیال آگیا۔

''اول تو کسی کی مجال نہیں اور اگر ایسا ہوا تو عین اس شادی کے دن اس کے گھر کے سامنے میں......''

''خودکشی کر لو گے؟''

''نہیں......دولہا کو قتل کر دوں گا اور اس کے بعد چھرا لہراتا ہوا وہ گانا گاؤں گا، زندہ باد......زندہ باد......اے محبت! زندہ باد۔''

اس نے اپنے عزائم کا اظہار کیا، پھر پوچھا۔''ویسے آپ کو کیسی لگی؟''

''اچھی ہے۔'' شاہنواز نے سرسری جواب دیا۔

''صرف اچھی؟''

''نک چڑھی اور غصیلی لگتی ہے۔تھوڑی سی بے وقوف بھی۔مجھے یوں لگا جیسے مجھ سے خفا ہے۔'' شاہنواز کو اس سے ملاقات یاد آگئی۔

''واہ......اسی لیے میں آپ کی صلاحیتوں کا اتنا معترف ہوں۔شکل دیکھتے ہی بندہ پہچان بھی لیا۔'' وہ اش اش کر اٹھا۔

''ویسے آپ پروا نہ کریں۔مومنہ، گل بانو کی سہیلی ہے اور اسی نے اسے آپ کے خلاف بھڑکا رکھا ہے۔'' ناصر نے کہا۔

''اوہ......'' شاہنواز بس اتنا ہی کہہ سکا۔

☆......☆......☆

میں دھرتی میلی میلی سی
تو اجلا اجلا پریم گگن
تو چنچل شور ہواؤں کا
میں کنکر کوئی پاؤں کا
تو سات سروں کا روپ کوئی
میں تپتی جلتی دھوپ کوئی
تو خوشبو نرمل کلیوں کی
میں دھوپ اداس گلیوں کی

تو صبح کا پیغام کوئی

میں بوجھل ڈھلتی شام کوئی

تو جنگل کا مور کوئی

میں شہروں کا شور کوئی

تو چاند نگر کا چاند کوئی

میں آس میں بہتی ڈور کوئی

میں دھرتی میلی میلی سی

تو اجلا اجلا پریم کنگن

گل بانو نے پنجوں کے بل کھڑے ہوئے ادھ کھلے پھاٹک سے اندر جھانکنے کی کوشش کی۔ احاطے کی دائیں طرف دور وہاں جہاں دیگیں رکھی تھیں، وہاں کچھ لوگ بھی موجود تھے اور ان میں سے ایک ''وہ'' بھی تھا۔ وہی جسے ایک نظر دیکھنے کے لیے وہ یہاں آئی تھی۔

وہی، جس کی ایک جھلک سے اپنی دید کو سیراب کرنا تھا۔

وہی، جس کی آواز سننے کو سماعت ترستی تھی۔

وہی، جس کے خوابوں نے نیندیں رہن رکھی تھیں۔

وہ وہیں کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

یہ بھی نہیں سوچا کہ جب دھتکاری جائے گی تو کیا کرے گی۔

سوچا تو فقط اتنا۔

''میں اس کے قدموں میں گر جاؤں گی۔ قدموں کی دھول بن جاؤں گی۔ میں اسے بتاؤں گی، یہ دس سال میں نے اس کے فراق میں ذلت سہتے گزارے ہیں۔ اس کے لیے اپنا دامن تار تار کیا ہے......آہ!...... کیا کچھ بتانا ہے تمہیں شاہنواز! تم ایک بار میری طرف دیکھو تو سہی کہ تمہاری یہ داسی کیسے اپنا آپ تم پر نچھاور کرتی رہی ہے۔ دس سال کسی غلطی کی سزا کے لیے کافی ہوتے ہیں شاہنواز! میں شکوہ نہیں کروں گی کہ تم مجھے تنہا کیوں چھوڑ گئے۔ بس تم میری طرف دیکھو، مجھے خود کو دیکھنے دو۔''

اس نے ادھ کھلے پھاٹک پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ گل بانو نے تیز تیز دھڑکتے دل کے ساتھ احاطے میں قدم رکھا تھا۔

☆......☆......☆

گل بانو کو گھر میں داخل ہوتے ہوئے سب سے پہلے مومنہ نے دیکھا تھا۔ وہ اس وقت ناصر کی باتوں پر منہ پھلائے بیٹھی تھی اور ثمن مسلسل اس کی دلجوئی میں لگی ہوئی تھی۔

گل بانو کو اپنے گھر میں داخل ہوتا دیکھ کر ثمن یکدم خاموش ہوگئی تھی، پھر اس نے اکتا کر کہا۔

''یہ مصیبت کہاں سے آ گئی۔'' اس کے لہجے میں بیک وقت ناگواری، جھنجلاہٹ اور پریشانی تھی۔

''اللہ اللہ کر کے تو اس گھر کو ایک خوشی ملی ہے، اسے بھی یہ محترمہ غارت کرنے چلی آئیں۔ پتا نہیں اسے دوسروں کی خوشیاں برباد کر کے کیا سکون ملتا ہے۔ اماں جی سے کہتی ہوں، دھکے مار کر نکالیں اسے۔''

مومنہ کو ثمن بہت بدلی بدلی سی محسوس ہوئی۔ اس نرم دل ثمن سے قطعی مختلف، جسے وہ اب تک جانتی تھی۔

''کیا کر رہی ہو ثمن؟'' اس نے ہاتھ پکڑ کر اسے روکا۔

''مہمان تو رحمت ہوتے ہیں انہیں کوستے نہیں ہیں۔'' اس کے لہجے میں جو ہلکا سا تمسخر تھا، ثمن اپنے غصے کی وجہ سے اس تک نہ پہنچ سکی۔

''ایسے مہمان تو صرف زحمت ہوتے ہیں، انہیں کوسنا نہیں چاہیے، قتل کر دینا چاہیے، میرے بھائی کی زندگی خراب کر کے رکھ دی ہے اس نے۔''

''گستاخی معاف...... لیکن تمہارے بھائی کہیں سے بھی برباد ہوئے تو نہیں لگتے۔ حالانکہ ان کے مقابلے میں باجی کی حالت دیکھو تو......''

''اس کی طرف داری مت کرو۔'' ثمن نے تڑخ کر کہا۔

''اپنی حالت کی ذمہ دار یہ خود ہے۔ میرے بھائی کی کوئی غلطی نہیں تھی۔''

''تم نہیں کہو گی تو اور کون کہے گا، آخر وہ تمہارے بھائی ہیں۔'' مومنہ نے کہا جواباً ثمن نے اسے دیکھا اور بغور دیکھا، پھر سخت لہجے میں بولی۔

''تمہیں کچھ نہیں پتا مومنہ! اس لیے بہتر ہوگا کہ کسی بھی معاملے میں اپنی رائے مت دو۔ ویسے بھی تمہاری باجی تمہیں جو کچھ بتاتی رہی ہیں وہ سب جھوٹ اور بکواس ہے۔''

''وہ اگر جھوٹ بتاتی رہی ہیں تو تم سچ بتا دو۔'' اسے جاتا دیکھ کر مومنہ سرعت سے بولی۔ ''یا اپنے بھائی کے کارنامے بتاتے تمہیں شرم آتی ہے۔'' اس نے بڑی جرأت سے کہا۔

''مومنہ! میں تم سے پہلی اور آخری بار کہہ رہی ہوں۔ تم اس گاؤں کے کسی بھی فرد سے ہمدردی جتاؤ یا اس پر ترس کھاؤ، مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔ مگر اگلی بار میرے بھائی کے بارے میں ایک لفظ مت کہنا، میں نے اب برداشت کیا ہے، دوبارہ نہیں کروں گی۔ میرے بھائی کی سچائی سے میں واقف ہوں اور بہت سارے لوگ واقف ہیں، لیکن جو انہیں غلط سمجھتا ہے سمجھتا رہے۔ ہمیں ان کی پروا نہیں ہے اور اس بات کو یاد رکھنا۔''

ثمن نے سخت لہجے میں کڑے تیوروں کے ساتھ کہا اور اس طرف چلی گئی جہاں گل بانو کھڑی اماں جی کی منتیں کر رہی تھی۔

وہ اتنی دور کھڑی ان کی آواز سننے سے قاصر تھی۔ مگر گل بانو کے انداز گفتگو کی نوعیت ظاہر کر رہے تھے۔ اماں جی اور ثمن زبردستی گل بانو کو پھاٹک تک لے گئی تھیں۔ چند لمحے بعد انہوں نے اسے پھاٹک سے باہر نکال دیا۔ مومنہ کے حلق میں آنسوؤں کا گولا سا اٹک کر رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

ثمن نے دوبارہ مومنہ سے کوئی بات نہیں کی، نہ ہی مومنہ میں اتنی ہمت تھی کہ وہ اسے مخاطب کر پاتی۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ ثمن کے ٹھوس انداز گفتگو نے اسے الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ بیک وقت شاہنواز ملک کے حق میں اور مخالفت میں سوچنے پر مجبور تھی۔

گل بانو کی باتوں کی روشنی میں اس کی شخصیت کو جانچتی تو اس سے زیادہ کمینہ انسان دنیا میں اور کوئی نظر نہ آتا۔ لیکن ثمن کی نظر سے دیکھتی تو کوئی دوسرا مظلوم بھی نہ لگتا۔

''کاش! کسی طرح میرے ہاتھ اصل معاملے کا سراغ مل جائے۔ کم سے کم یہ گتھی تو سلجھے۔'' اس نے کئی بار سوچا۔ شام سے پہلے اچانک فاروق حسن اسے لینے چلے آئے۔

''تمہاری امی پرسوں آئیں گی، مجھے کچھ ضروری کام تھا، اس لیے میں آج ہی آ گیا۔''

وہ اسے اسی وقت اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے مگر اماں جی نے روک دیا۔ انہوں نے کہا، وہ رات تک خود اسے گھر چھوڑ جائیں گی۔ البتہ فاروق حسن کھانا کھا کر رخصت ہوئے۔ مومنہ بھی ان کے ساتھ ہی جانا چاہتی تھی کہ ثمن کا رویہ اسے بہت تکلیف پہنچا رہا تھا۔ مگر اماں جی کے اصرار پر اسے رات تک ٹھہرنا پڑا۔

☆......☆......☆

''کیسی باحوصلہ لڑکی ہے یہ گل بانو۔ اتنی بہادری سے منہ اٹھا کر چلی آئی جیسے یہاں سب تو اس کی پذیرائی کے لیے تیار بیٹھے ہوں گے۔'' سب مہمان رخصت ہو چکے تھے اور باورچی خانے میں رات کی نشست کے لیے ادرک کا قہوہ تیار کیا جانے لگا۔ تب نجف بھابھی نے حیرانی سے گل بانو کی بہادری کو خراج تحسین پیش کر ڈالا۔ ''کم سے کم اسے اتنا تو سوچنا چاہیے تھا کہ یہاں کوئی اسے عزت واحترام سے نہیں بٹھائے گا۔''

''اس میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہوتی تو کیا نوبت یہاں تک پہنچتی۔'' بیلا آپا نے قطع کلامی کی، پھر بےزاری سے بولیں۔ ''اچھا، اب اس موضوع کو چھوڑ دو۔ کوئی اور بات کرو، ہم یہاں گل بانو کو ڈسکس کرنے نہیں بیٹھے۔''

''لیکن ہمیں اسے ڈسکس کرنا چاہیے، آج جو تماشا وہ یہاں لگانے آئی تھی اس کا اصل مقصد یہی تھا کہ اسے موضوع گفتگو بنایا

جائے۔'' ثمن فریج کھولتے ہوئے ایکدم پھٹ پڑنے کے انداز میں بولی۔

''اب تک وہ جو بھی کرتی رہی ہے اس کا صرف یہی مقصد ہوتا ہے...... کچھ لوگوں کو عادت ہوتی ہے موضوع گفتگو بننے کے لیے اپنے وقار کی پروا بھی نہیں کرتے۔''

اس نے فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکالی اور منہ سے لگالی۔

''ثمن!'' اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ وہ بیلا آپا حیران ہو کر اسے دیکھنے لگیں۔

''آپ کو پتا ہے آپا...'' اپنا غصہ قابو کرتے ہوئے اس نے کہا۔'' یہ گل بانو نے آج جو حرکت کی ہے نا۔ یہ ہماری دی ہوئی ڈھیل کا نتیجہ ہے۔ آج تک ہم نے اس سے برائی نہیں جتائی۔ جب بھی ہمارے گھر آئی مہمان سمجھ کر عزت دی۔ اب لوگ سمجھتے ہیں وہ سچی ہے اور مظلوم تھی...... جبکہ غلطی سراسر شاہنواز بھائی کی تھی...... حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جس طرح وہ اپنی مظلومیت کے قصے ہر ایک کو سناتی رہی، ہم شاہنواز بھائی کی غیر موجودگی میں ان کا دفاع کرتے...... تاکہ لوگوں کو ان پر انگلی اٹھانے کا موقع ہی نہ ملتا۔''

''اگر ہم بھی وہی کرتے جو گل بانو کرتی رہی ہے تو کیا فرق رہ جاتا اس میں اور ہم میں؟'' بیلا آپا تحمل سے بولیں۔

''ہم نے خاموش رہ کر اپنے ماں، باپ کی تربیت نبھائی ہے اور گل بانو نے اپنے ماں، باپ کی...... مگر میں اماں جی سے سو فیصد متفق ہوں۔ کسی کی بیٹی پر انگلی نہیں اٹھانا چاہیے، خواہ اس کے کردار میں کتنا ہی جھول کیوں نہ ہو۔

اب یہی دیکھ لو، ہم نے کبھی شاہنواز کی صفائی کسی کو نہیں دی، مگر گاؤں کا ہر فرد جانتا ہے وہ حق پر تھا۔''

''آپ غلط فہمی کا شکار ہیں آپا۔'' مومنہ ابھی آئی تھی، ثمن نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔'' کچھ لوگ تو ابھی تک گل بانو کی باتوں پر آنکھیں اور کان بند کر کے یقین کرتے ہیں۔''

''کبھی نہ کبھی انہیں بھی حقیقت کا علم ہو جائے گا، تم کیوں اپنا خون جلاتی ہو۔ ہمارا بھائی واپس آ گیا یہی بہت ہے۔ ارے مومنہ! وہاں کیوں کھڑی ہو اندر آ جاؤ۔'' ان کی نظر ابھی اس پر پڑی تھی۔

''نہیں آپا...... میں گھر جا رہی ہوں، بس آپ لوگوں کو اللہ حافظ کہنے آئی تھی۔'' اس نے متوازن لہجے میں کہا۔

''ارے ابھی کیوں جا رہی ہو، صبح چلی جانا، رات میں دیر تک باتیں کریں گے۔'' انہوں نے گویا لالچ دیا تھا۔

''ابا گھر میں اکیلے ہیں بیلا آپا! انہیں چائے پانی کا پوچھنا ہے اور بستر بھی لگانا ہے، اس لیے ابھی جانا ضروری ہے۔

اچھا اللہ حافظ...... اور ہاں۔'' وہ سب پر الوداعی نظر ڈالتے ہوئے رکی۔'' اماں جی کہہ رہی ہیں مردوں کے لیے قہوہ تایا جی کے کمرے میں بھجوا دیں۔'' اس نے پیغام دیا اور واپس پلٹ گئی۔

☆......☆......☆

''شاہنواز! تم نے شادی کر لی؟'' نجف بھابھی نے قہوہ کی پیالی اسے پکڑاتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں بھابھی!'' اس نے احتیاط سے پیالی پکڑی۔ ''زندگی میں اور اتنے کام تھے کہ اس کام کے لیے فرصت ہی نہیں ملی۔''

''یہ تو تم نے بہت ہی اچھا کیا۔'' بھابھی خوشی سے بولیں۔ ''اب سب سے پہلے اس کام کے لیے فرصت نکالو، اگر کوئی پسند کر چکے ہو تو ہمیں اس کا نام بتا دو، ورنہ میں تمہارے لیے اچھی سی لڑکی تلاش کرنے کی مہم پر نکل پڑتی ہوں۔''

''اس کام کے لیے ابھی کوئی فرصت نہیں ہے بھابھی! ہاں البتہ جب بھی فرصت ملے گی اور شادی کا ارادہ ہو گا تو میں آپ کی خدمات ضرور لوں گا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یہ کیا بات ہوئی بھلا۔'' بیلا آپا نے بھی مداخلت کی۔

''فرصت میں تو شادی ہو گی، لڑکی تو پہلے سے ہی تلاش کرنا پڑے گی۔ میں کہتی ہوں نجف! اس مہم کا آغاز ابھی سے کر دیتے ہیں۔ بس تم یوں کرو، ہمیں اپنی پسند نا پسند بتا دو۔'' بیلا آپا نے ایک ساتھ دو لوگ نبٹائے۔

''مجھے ابھی کوئی شادی وادی نہیں کرنی، اس لیے براہ مہربانی اس ٹاپک کو یہیں رہنے دیں۔''

''شاہنواز بھائی! آپ ابھی تک یہیں بیٹھے ہیں۔'' ثمن کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

''آدھا گھنٹہ پہلے اباجی نے اپنے کمرے میں بلوایا تھا۔''

''اوہ...... میں بھول گیا۔'' وہ فٹافٹ اٹھا۔

''اوہو...... میں بھی بالکل بھول گئی تمہارے لیے بھی قہوہ وہیں اباجی کے کمرے میں رکھ کر آئی تھی۔'' نجف بھابھی نے سر پر ہاتھ مار کر کہا۔

''چلیں کوئی بات نہیں۔ میں ایک پیالی اور پی لوں گا۔'' تبھی دلنواز بھائی جان اندر داخل ہوئے اور اسے کھڑا دیکھ کر پوچھنے لگے۔

''کدھر......؟''

''اباجی نے کمرے میں بلوایا تھا، وہیں جا رہا ہوں۔''

''وہ آرام کر رہے ہیں...... میں وہیں سے آ رہا ہوں۔'' بھائی نے بتا کر کہا۔

''آؤ ذرا باہر کا ایک چکر لگا کر آتے ہیں، مجھے رات کے کھانے کے بعد چہل قدمی کی عادت ہے۔ اس کے بغیر تو نیند بھی نہیں آئے گی۔''

''میں اباجی کی بات تو سن لوں۔'' اس نے کہا۔

''انہوں نے کہا تھا تمہیں منع کر دوں۔''

''خفا تو نہیں ہو گئے؟'' اسے خدشہ لاحق ہوا۔

''ارے نہیں یار! تھک گئے ہیں اور کوئی بات نہیں۔''

''اچھا چلیں پھر......'' وہ سلیپر پہن کر تیار ہو گیا۔

''یہ گرم شال اوڑھ لو، باہر ٹھنڈ ہے۔'' بیلا آپا نے اسے شال تھمائی، پھر بھائی جان سے بولیں۔

''آپ اس سے یہ بھی اگلوا لیں، اسے اپنی دلہن میں کون کون سی خصوصیات چاہئیں اور میں اور نجف عنقریب اس کے لیے لڑکی تلاش کرنے کی مہم پر نکلنے لگے ہیں۔''

''جو حکم جناب۔'' وہ دونوں آگے پیچھے باہر نکل آئے۔

ساڑھے دس کا وقت تھا اور گاؤں کی گلیوں میں دھند اور خاموشی کا راج تھا۔

''ہاں برخوردار! کس قسم کی لڑکی چاہیے۔'' شاہنواز ہنسنے لگا۔

''جانے بھی دیں بھائی! اس موضوع کو...... آپ کہاں بیلا آپا کی باتوں میں آ رہے ہیں...... دراصل مجھے ابھی شادی کرنا ہی نہیں۔''

''کیوں بھئی!'' وہ حیران ہوئے۔ ''کہیں کمیٹڈ تو نہیں ہو؟''

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''پھر معترض کیوں ہو؟''

''بس۔'' اپنے اٹھتے پڑتے قدموں سے نظریں ہٹا کر اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ ''ابھی اس جھنجٹ میں پڑنے کا موڈ نہیں ہے۔''

''حالانکہ یہ سب سے پرفیکٹ عمر ہے شادی کی۔ پڑھ چکے ہو، کما رہے ہو، اپنی زندگی میں سیٹل ہو اور کیا چاہیے ہوتا ہے۔''

''خیر...... مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنا تھی۔'' اسے خاموش پا کر انہوں نے اصل موضوع چھیڑا۔

''حکم کیجیے۔'' وہ ہمہ تن گوش ہوا۔

''دراصل شاہنواز! اباجی چاہتے ہیں...... تم گل بانو سے شادی کر لو۔'' انہوں نے جھجکتے ہوئے آہستگی سے کہا کہ ردعمل سے پہلے ہی واقف تھے۔

''کیا۔'' اسے بری طرح کرنٹ لگا تھا کہ کچھ بول بھی نہ سکا۔

''جس نے میری زندگی برباد کر دی۔ میں اس سے شادی کر لوں۔ اباجی نے ایسا سوچا بھی کیسے؟'' اس کا حیرانی و ناگواری سے برا حال تھا۔

''جب اباجی نے مجھ سے یہ بات کہی، میں نے بھی یہی کہا تھا، مگر اباجی کے پاس گل بانو کے حق میں دلائل ہیں۔ بقول ان کے وہ تمہیں قائل کر سکتے ہیں، تم ٹھنڈے دل و دماغ سے ان کی بات سن لو...... میں تو پیغام رساں ہوں۔'' بھائی جان اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تحمل سے بولے۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' اس نے قطعیت سے کہا۔

''اور میں سمجھا انہیں مجھ پر اعتبار آ چکا ہے، تبھی مجھے اس گھر میں آنے دیا، لیکن یہ تو اب سمجھ آیا کہ......'' وہ غصے کی شدت سے لفظ کھو بیٹھا۔

''آپ میرا بھی ایک پیغام ان تک پہنچا دیں۔ میں مر سکتا ہوں، مگر گل بانو سے شادی نہیں کر سکتا۔ خواہ وہ مجھے دوبارہ گھر سے نکال دیں اور ساری زندگی میری شکل نہ دیکھیں۔''

''شاہنواز! دیکھو بھڑکو مت۔'' بھائی جان نے اسے ٹھنڈا کرنا چاہا۔ ''اباجی تمہیں آرڈر نہیں دے رہے، صرف ایک خیال ظاہر کیا ہے۔''

''بھائی جان! مجھے ایک بات بتائیں، ایسے کون سے گناہ کیے ہیں میں نے۔ جن کی سزا پہلے اپنوں سے دور رہ کر دس سال بھگتی اور اب پھر گل بانو سے شادی کر کے بھگتوں...... گویا دس سال پہلے جو الزام اس نے مجھ پر لگایا تھا اس کی تصدیق کر دوں۔''

''شاہنواز!''

''آپ اباجی سے کہہ دیں، جس لڑکی کو میں معاف نہیں کر سکتا، جس سے میں نفرت کرتا ہوں، اس سے شادی سے بہتر میں خودکشی کو سمجھتا ہوں۔''

اس کے بعد دلنواز کے کچھ کہنے کی گنجائش نہ بچی تھی، سو وہ خاموش رہے۔

☆......☆......☆

مومنہ گھر میں داخل ہوئی تو ایک عجیب سا احساس اسے گھیرے ہوئے تھا۔ جسے چاہ کر بھی وہ کوئی واضح نام نہیں دے سکتی تھی۔ جیسے سوئی ناکے جیسی باریک چیز انگلی میں چبھ رہی ہو، جو محسوس ہو، تو، مگر تکلیف نہ دے۔ یہ احساس بھی سوئی کے ناکے کے جیسا ہی تھا۔ پھر گھر کی ساری بتیاں روشن تھیں اور دروازے چوپٹ کھلے ہوئے۔ امی کہتی تھیں تمہارے ابا کو تو سوتے ہوئے بھی بجلی کا بل زیادہ آ جانے کا خدشہ ستاتا رہتا ہے۔ اس لیے اس معاملے میں کوئی کوتاہی نہ برتتے تھے۔

اس نے دروازے بند کیے غیر ضروری بتیاں بجھا دی تھیں کہ ٹھٹک سی گئی ابا کے کمرے سے ایسی آواز آ رہی تھی، جیسے کوئی سسکیاں بھر رہا ہو، وہ چونک کر اور قدرے احتیاط سے آگے بڑھی اور اندر کے منظر نے اس کے پر سر موجود ساتوں آسمان کو ہلا کر رکھ دیا۔

گل بانو اس کے ابا کے کندھے پر سر رکھے رو رہی تھی اور ابا اس کے گرد بازو پھیلائے اسے تھپک رہے تھے۔

مومنہ دم بخود ان دونوں کو دیکھے گئی۔

گل بانو سسکیاں بھرتے ہوئے کچھ بڑبڑا رہی تھی اور ابا مسلسل اسے تسلیاں دے رہے تھے۔

معاً ان کی نظر اس پر پڑی اور وہ گڑبڑا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ارے منی...... آؤ بیٹا! تت...... تم کب آئیں...... یہ گل بانو تم سے ملنے آئی تھی۔" گھبراہٹ میں وہ بولتے چلے گئے۔

"منی...... تم نے دیکھا ان لوگوں نے مجھے گھر سے نکال دیا۔" گل بانو اس کی جانب لپکی مومنہ نے دیکھا اس کے چہرے پر صرف اپنا دکھ تھا، رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کی گھبراہٹ نہیں۔

"منی!" وہ اس کے گلے لگنا چاہتی تھی مگر مومنہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے دور رکھا۔ خاموشی سے ایک نظر گل بانو کے ستے ہوئے چہرے پر ڈالی۔ گہری نظروں سے ابا کا جھکا ہوا سر اور خفت زدہ، شرمسار چہرہ دیکھا جس پر گھبراہٹ زیادہ تھی۔ پھر وہ پلٹی اور دبیز خاموشی سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں جا کر چٹخنی چڑھا دی۔

وہ رات اس نے آنکھوں میں گزاری دوستی اور عظمت کے دو بت ایک ساتھ گر کر پاش پاش ہوئے تھے۔ کرچیاں سمیٹنے میں بڑا وقت لگنا تھا۔

☆......☆......☆

کسی ڈراؤنے خواب کے سائے تلے اس کی آنکھ کھل گئی۔

اپنے تیز تیز دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھے اس نے اطراف کا جائزہ لیا اور یہ دیکھ کر خاصی مطمئن ہوئی کہ وہ اپنے کمرے میں تھی۔

گھڑی گیارہ بجا رہی تھی مگر چونکہ کھڑکیوں پر بھاری پردے پڑے ہوئے تھے اس لیے دن رات کی تخصیص کرنا ناممکن تھا۔

اس نے اپنے چہرے سے پسینہ پونچھا اور ہاتھ بڑھا کر ٹیبل لیمپ بھی آن کر دیا۔ کمرے میں پہلے ہی ٹیوب لائٹ روشن تھی۔ ٹیبل لیمپ نے اس روشنی میں اضافہ کر دیا۔ اپنے دل کو لاحق اس خوف کے باعث گو کہ اس کی نیندیں حرام ہو چکی تھیں مگر رات کے وقت بھی ٹیوب لائٹس آن رکھنا اس کی عادت بن چکی تھی۔

وہ سیلنگ فین کے پروں کو دیکھتے ہوئے اپنی زندگی کے اس تاریک پہلو پر غور کرنے لگی۔ آسائشات کے حصول کی اس نجس دوڑ میں جو کچھ اس نے ٹھکرایا وہ سب ایک طرف مگر جو سکون گنوا دیا اس کا کوئی نعم البدل ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

دن کے اوقات میں اس دوسرے درجے کے معمولی سے فلیٹ میں تنہائی اور خوف کی زندگی گزارتی وہ پھر بھی کسی قدر مطمئن ہوتی مگر شام ڈھلتے ہی دیواروں سے لپٹتے سائے اس کی جانب لپکنے لگتے۔ اس کے بال کھینچتے، ہاتھوں پر کاٹتے، نتھنوں میں گھستے، حلق میں ریت بن کر پھنس جاتے...... ان سایوں سے بچنے کا واحد طریقہ تھا کہ سارے گھر کی لائٹس جلائی جائیں سو وہ یہ کرتی مگر خوف کے مارے نیند بھی

نہ آتی تو اسے سلیپنگ پلز کا سہارا لینا پڑتا اب تو خیر یہ عادت اتنی پختہ ہو چکی تھی کہ گولی کے بغیر نیند کا تصور بھی محال تھا۔

گو کہ وہ جانتی تھی مظہر اس کے اردگرد کہیں نہیں ہے اس کے تو فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوگی کہ گیتی آرا لاہور کے اس معمولی فلیٹ میں گھٹ گھٹ کر مر رہی ہے مگر ان سب باتوں کو جاننے کے باوجود وہ اپنے دل سے مظہر کے ڈر کو نوچ کر پھینک نہیں پائی تھی۔

پیرزادہ کے مرنے کے بعد اس نے سوچا تھا زندگی اب سہل ہو جائے گی مگر چند روز بعد ہی تنہائی کے خوف نے اس کی طرف پنجے نکالنے شروع کر دیئے تھے وہ جس فلیٹ میں رہ رہی تھی اسے اس فلیٹ کو خالی کرنے کا نوٹس مل گیا تھا۔ گیتی نے سوچا وہ بلڈنگ کے مالک سے مل کر چند دن کی مہلت تو لے سکتی ہے تاکہ کہیں اور رہائش اختیار کر سکے۔ اس بلڈنگ کا مالک ایک عربی شیخ تھا اس نے گیتی کو چند دن کی مہلت دینے کی بجائے وہ فلیٹ ہی اسے دینے کی بات کی مگر ساتھ ہی اپنی چند فرمائشیں بھی نوٹ کروا دیں وہ شیخ اتنا ڈراؤنا اور بدصورت تھا کہ مراعات حاصل کرنے کے لیے بھی گیتی خود کو اس کے ساتھ رہنے پر آمادہ نہیں کر پائی انکار کرنے کے بعد شیخ یقیناً اس کا دشمن ہو جاتا اس لیے گیتی نے وہاں سے فرار ہونا مناسب سمجھا اور اس بے چاری کی بساط ہی کتنی تھی۔

دبئی سے نکلی اور پاکستان پہنچ گئی کراچی جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لہٰذا قرعہ فال لاہور کے نام نکلا کیونکہ پیرزادہ نے یہاں جوہر ٹاؤن میں پانچ مرلے کا مکان اسے تحفتاً دیا تھا جس کے کاغذات اس کے پاس موجود تھے۔ مگر یہاں آ کر پتا چلا کہ وہ تمام کاغذات نقلی تھے اور پیرزادہ نے اسے بے وقوف بنایا تھا اب گیتی کے پاس کوئی راستہ نہ بچا تھا مجبوراً اس نے پراپرٹی ڈیلر سے مل کر یہ فلیٹ حاصل کیا جس کی گھٹن اور گندگی بے مثال تھی۔

چند ماہ سکون کے بسر ہوئے مگر اب پھر مشکلات آن ٹپکی تھیں فلیٹ کے مالک نے اسے تنگ کرنا شروع کر دیا تھا وہ اگلے دو ماہ کا کرایہ ایڈوانس مانگ رہا تھا جبکہ گیتی کے اکاؤنٹ میں صرف چھتیس ہزار کی رقم باقی رہ گئی تھی۔ دو ماہ کا کرایہ ادا کر کے اسے دو وقت کا کھانا کھانے کے لیے کشکول لے کر سڑکوں پر نکلنا پڑتا یا پھر سے وہی کام شروع کرنا پڑتا جو مظہر اس سے کرواتا رہا تھا۔

ابھی وہ اس تاریکی سے روشنی کی کوئی کرن تلاش کر ہی رہی تھی کہ ڈور بیل زور زور سے بجنے لگی گیتی نے خوف و گھبراہٹ سے اپنے رونگٹے کھڑے ہوئے محسوس کیے تھے۔

☆......☆......☆

ابا جی نے اسے اپنے کمرے میں طلب کیا تھا۔

شاہنواز نے اپنے اعصاب پر ایک بوجھل پن محسوس کیا اور کنپٹی کے قریب ایک رگ زور زور سے پھڑکنے لگی۔

''اب کیا بات ہونا باقی ہے؟''

اس نے سوچا اور چونکہ دلنواز بھائی جان سے ابا جی کا پیغام پہلے ہی اس تک پہنچ چکا تھا اس لیے خود کو بے نیاز رکھنے کے باوجود وہ

کونشس ہو گیا۔یقیناً اب نیا اک تماشا ہونا تھا۔

اسے اب یقیناً دھمکایا جائے گا۔گل بانو سے شادی پر مجبور کیا جائے گا اور انکار کی صورت میں ایک مرتبہ پھر دیس نکالا اس کا مقدر ٹھہرے گا تو گویا گل بانو ہمیشہ ہی اس کی زندگی سے خوشیوں کا بیخ کنی کا سبب بنے گی۔

ایک گہری سانس بھر کر ابا جی کے سامنے ڈٹ کر انکار کرنے کے لیے خود کو تیار کرتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ابا جی کے کمرے کی طرف آ گیا۔رات کی تاریکی میں خاموش پڑے برآمدے میں کھلے ہوئے دروازے سے ٹیوب لائٹ کی دودھیا روشنی بہہ رہی تھی۔

وہ آہستگی سے اندر داخل ہوا پھر ٹھٹک سا گیا۔

ابا جی پلنگ پر نیم دراز تھے۔دلنواز بھائی جان پائنتی کی طرف بیٹھے ان کے پاؤں داب رہے تھے۔بھائی جان بات مکمل کرتے ہوئے ہنس رہے تھے ابا جی کے باریش چہرے پر مسکراہٹ تھی اور یہ منظر اتنا بھرپور اتنا مکمل تھا کہ شاہنواز کو تلاش بسیار کے بعد بھی وہاں اپنی جگہ دکھائی نہ دی۔

کیسی دل دکھانے کی بات تھی یہ بھی۔

''ارے شاہنواز......دروازے میں کیوں کھڑے ہو اندر آؤ نا'' بھائی جان کی نظر اس پر پڑی تھی۔

''آپ نے بلوایا تھا ابا جی!'' وہ جھجکتا ہوا اندر آ گیا۔

''مجھے یاد آیا ابا جی! میں نے ایک ضروری فون کرنا تھا آپ لوگ باتیں کیجیے میں بس پانچ منٹ میں واپس آتا ہوں'' بھائی جان اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے بولے۔شاہنواز کا دل چاہا وہ اچک کر اس جگہ قبضہ جما لے اور ابا جی کے پیر دابنے لگے مگر......اس مگر سے آگے ایک خلاء تھا جو اس کے اور ابا جی کے درمیان حائل ہوتا تھا۔

اس نے اپنے لیے ایک کرسی ہولے سے گھسیٹ کر پلنگ کے قریب کی مگر بے ساختہ پن سے پلنگ کی پائنتی پر جھجکتے ہوئے بیٹھ گیا۔

''تمہاری ماں بتا رہی تھی تم واپس جا رہے ہو؟'' کمرے میں بہتی خاموشی کے بہاؤ میں ابا جی کی آواز نے خلل ڈال دیا تھا۔

''پرسوں صبح واپس چلا جاؤں گا۔شمسہ خالہ کے بیٹے اور بیٹی کی شادی ہے اسی سلسلے میں جلدی جانا پڑ رہا ہے ورنہ چھٹی تو میں نے ایک مہینے کی لی ہے۔'' کن انکھیوں سے ابا جی کے پیروں کی طرف دیکھتے ہوئے اور اپنے بے چین ہاتھوں کو بار بار ان کے پیروں کی طرف بڑھنے سے روکنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

''ہوں......'' ایک مرتبہ پھر خاموشی ان کے درمیان گشت کرنے لگی تھی۔

وہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ جھجک کا شکار تھے۔

''میں نے دلنواز سے کہا تھا کہ گل بانو کے متعلق تمہاری رائے معلوم کرلے۔'' بالآخر اباجی نے وہ تکلیف دہ موضوع چھیڑ ہی دیا جو متوقع تھا۔شاہنواز کے ہاتھ ان کے پیروں کی طرف بڑھتے بڑھتے سمٹ کر گود میں آ رہے۔

''میں انہیں جواب دے چکا ہوں۔'' اس نے چھوٹے بچے کی طرح بسور کر جواب دیا۔

''بہرحال مجھ تک تمہارا جواب نہیں پہنچا۔''

وہ چند لمحے خاموش رہا۔

''جو آپ چاہتے ہیں وہ میں نہیں کرسکتا۔ جس لڑکی کی شکل نہ دیکھنے کی قسم کھائے بیٹھا ہوں اس سے شادی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔اس نے میری زندگی کا ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ مجھے حیرانی ہے آخر آپ کے ذہن میں یہ خیال آیا بھی کیسے کہ میں حامی بھر لوں گا۔'' اس کی آواز مدھم لیکن لہجہ خفا خفا سا تھا۔

''طاقت رکھنے کے باوجود معاف کردینا اعلاظرفی کی نشانی ہوتی ہے شاہنواز۔'' انہوں نے کمزور لہجے میں کہا۔

''میں اعلیٰ ظرف نہیں ہوں۔'' اس نے سابقہ انداز میں کہا۔

''وہ شرمندہ ہے بیٹے اور تنہا بھی......اسے تمہارے سہارے کی ضرورت ہے۔''

''معاف کیجیے گا اباجی! مگر میں آپ کی بات سے اختلاف کررہا ہوں۔ وہ تنہا ہے اسی لیے شرمندہ ہے اور میں اسے سہارا کیوں دوں! جبکہ دس سال اس نے میرے سارے سہارے چھین لیے تھے۔''

''وہ میرے دوست کی بیٹی ہے۔دوست بھی وہ جسے میں نے اپنا بھائی مانا تھا آج اس کی بیٹی کسی مشکل میں ہے تو کیا مجھے اسے تنہا چھوڑ دینا چاہیے۔''

''واہ اباجی......کتنا درد ہے آپ کے دل میں اس کے لیے......میں نے یہ دس سال کس طرح گزارے ہوں گے کیا آپ کو ایک بار بھی خیال آیا۔ مجھے لگا اس عرصے میں آپ کو میری صداقت کا یقین آ گیا ہوگا مگر اب سوچتا ہوں اپنی سچائی ثابت کرنے سے زیادہ مجھے اس چیز کا خیال رکھنا چاہیے تھا کہ آپ کے دل میں میرے لیے کتنی جگہ ہے۔ مجھے افسوس ہے سچا ہونے کے باوجود آپ کے دل میں میرے لیے معمولی سی بھی جگہ نہیں......جگہ ہوتی تو آپ کبھی مجھے اس ناپسندیدہ ہستی سے عمر بھر کا رشتہ جوڑنے کے لیے نہ کہتے......میں معذرت چاہتا ہوں اباجی......آپ کی خواہش پوری کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے۔''

اس نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ یہ بھی نہ دیکھا کہ اباجی کے چہرے پر کیسی محرومی چھا رہی ہے۔

☆......☆......☆

''کک......کون ہے؟'' گیتی نے لرزتے دل اور لرزتی ٹانگوں کے ساتھ دروازے کے قریب ہوتے ہوئے پوچھا مگر خوف کے باعث اس کی آواز اتنی مدھم تھی کہ خود اس کی سماعت تک بھی بمشکل رسائی حاصل کر پائی۔ جواب موصول نہیں ہوا تھا۔

گیتی کے خوف میں کئی گنا اضافہ ہوا اس کا حلق بالکل خشک ہو چکا تھا اور پانی کی طلب اب زور مار رہی تھی۔

وہ ڈرتی ہوئی بڑی ہمت سے دروازے کے کچھ اور قریب ہوئی اور آئی ڈور سے آنکھ لگا کر باہر جھانکا۔ اسے حنان کا چہرہ بالکل خود سے قریب دکھائی دیا تھا ایک دم سکون واطمینان کی لہریں اس کے وجود میں پھیل گئیں۔ دروازے کی کھردری سطح سے پیشانی ٹکا کر اس نے چند گہرے گہرے سانس لیے اس دوران حنان کئی بار بیل بجا چکا تھا۔

گیتی نے چٹخنی گرا کر یکدم دروازہ کھول دیا۔ حنان کا بیل بجاتا ہاتھ ہوا میں معلق رہ گیا۔

''اگر تم ابھی دروازہ نہ کھولتیں تو میں واپس چلا جاتا اور دوبارہ کبھی نہ آتا'' وہ دروازہ کھلنے میں تاخیر سے کوفت زدہ ہو گیا تھا۔ ''پتا نہیں تم دروازہ کھونے میں اتنی دیر کیوں لگاتی ہو مسلسل گھنٹیاں بجاتے میں خود کو احمق محسوس کر رہا تھا بلکہ ہر دفعہ کرتا ہوں......بس یہ آخری بار ہے گیتی......اگر اگلی بار بھی تم نے یہی کیا تو میں دوبارہ نہیں آؤں گا۔'' اس نے اندر آتے ہی دھمکی دی تھی۔

''تم نے مجھے ڈرا ہی دیا'' اس کی اتنی لمبی بات کے جواب میں گیتی نے فقط اتنا ہی کہا تھا۔

''تو کون سی نئی بات ہے۔ یہ تو میں ہر دفعہ ہی کرتا ہوں۔'' وہ جل کر بولا۔ پھر ہاتھوں میں پکڑے دونوں شاپنگ بیگز پٹخنے کے انداز میں لاؤنج کے سینٹرل ٹیبل پر رکھ دیے۔ ''جو لسٹ تم نے دی تھی وہ میں لے آیا ہوں......سامان چیک کر لو'' اس نے کہا اور خود لاؤنج سے ملحق واش روم میں گھس گیا۔ گیتی تشکر سے واش روم کے بند دروازے کو دیکھتی رہی پھر صوفے پر بیٹھ کر سامان چیک کرنے لگی۔

تنہائی اور کسمپرسی کے اس دور میں حنان اس کا واحد پرسان حال تھا۔

دبئی سے واپسی پر ائیر پورٹ کی پارکنگ میں اس کی ملاقات حنان سے ہوئی تھی۔ وہ اپنے کسی دوست کو سی آف کرنے کے بعد واپس جا رہا تھا۔ وہ اس کے قریب سے اجنبیوں کی طرح گزر رہا تھا کہ گیتی نے بے اختیار اسے مخاطب کر لیا۔ حنان کی آنکھوں میں شناسائی کی چمک آنے میں چند منٹ لگے تھے لیکن اسے پہچان لینے کے بعد وہ اس سے اسی انداز میں حال احوال دریافت کرنے لگا تھا گیتی نے اسے اپنی پٹی ہوئی زندگی کے متعلق کچھ نہیں بتایا بلکہ وہ سارا وقت یہ ظاہر کرتی رہی کہ دبئی سے چھٹیاں منا کر واپس آ رہی ہے۔ حنان نے اسے اس کے مطلوبہ ایڈریس پر ڈراپ کرنے سے پہلے فون نمبرز کا تبادلہ کیا تھا۔

ان کی یہ ملاقات اگلی ملاقاتوں کا پیش خیمہ بنی۔

حیرت انگیز طور پر گیتی کو اس سے خوف محسوس نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ اس کے ساتھ گھومتے پھرتے ہوئے بڑا تحفظ محسوس کرتی تھی۔ حنان اس کے فلیٹ میں جب دل چاہتا آنے لگا تھا رفتہ رفتہ ان کی بے تکلفی میں اضافہ ہوتا چلا گیا تھا۔ اردگرد رہنے والے ایک تنہا لڑکی کے گھر کسی جوان لڑکے کو آتا دیکھ کر اس کے بارے میں کیا رائے قائم کر رہے ہیں اسے اس کی قطعاً پروا نہیں تھی۔ وہ صرف اتنا جانتی تھی کہ حنان دنیا میں وہ واحد شخص ہے جسے کسی مشکل میں گرفتار ہونے کی صورت میں وہ مدد کے لیے پکار سکتی ہے۔

''تم یہاں کیسے رہتی ہو۔ مجھے حیرانی ہے تم اتنی گندگی والی جگہ پر کیسے رہ لیتی ہو'' وہ اپنی سوچوں میں غلطاں تھی جب پشت

پر حنان کی اکتاہٹ بھری آواز سنی۔

"تم پلیز یہاں کبھی کبھار ڈسٹنگ ہی کر لیا کرو۔" اس نے چند لمحے بعد کہا تھا۔ "کتنی گھٹن ہے یہاں۔ اس پر یہ بکھراوہ۔" اس نے ناگواری سے لاؤنج میں بکھرے گندے میلے کپڑوں کے ڈھیر اور یہاں وہاں بکھرے لڑھکتے برتنوں کو دیکھ کر کہا۔

"میں یہاں اس لیے رہتی ہوں کیونکہ اس سے بہتر جگہ میں افورڈ نہیں کر سکتی۔" حنان کی ساری باتوں کو نظرانداز کرتے ہوئے اس نے تحمل سے کہا اور سوکھے دودھ کا ڈبہ لے کر کچن میں گھس گئی۔ "کافی پیو گے؟"

"بہتر جگہ افورڈ نہ کرنا الگ بات ہے اور افورڈ کی ہوئی جگہ کو بدتر حال میں پہنچا دینا الگ بات ہے۔" وہ کچن کے دروازے میں آن رکا اور فریم سے کندھا لگا کر اسے دیکھنے لگا۔ جو غربت، تنہائی، بدحالی کے باوجود اتنی دلکش تھی کہ اسے دیکھ کر دل کی دھڑکن الجھتی ہوئی محسوس ہوتی۔

"بڑے باپ کے بیٹے ہو۔ بڑی بڑی باتیں تمہیں سوٹ بھی بہت کرتی ہیں۔" برنر کی طرف رخ کیے وہ سادگی سے بولی۔

"بڑے باپ کا بیٹا ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بڑی باتیں کرنے کے لیے ظرف بڑا ہونا چاہیے۔ یا حوصلہ ہونا چاہیے...... اس گندے فلیٹ میں میری واحد اٹریکشن تم ہو اگر تم یہاں نہ ہو تو میں مر کر بھی یہاں نہ آؤں۔"

"مجھے اندازہ ہے حنان کہ تم یہاں صرف میری وجہ سے آتے ہو میں تمہارے جذبات کی بہت قدر بھی کرتی ہوں...... مگر اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کر سکتی...... تمہیں میری فنانشل پوزیشن کا پتا ہے اب صرف تمہارے لیے میں اچھے فلیٹ میں رہائش کیسے اختیار کر سکتی ہوں جبکہ میرے پاس ایک عمدہ فلیٹ کا کرایہ بھرنے کے لیے روپے ہی نہیں ہیں...... شاید تمہیں یقین نہ آئے مگر اس گندے فلیٹ کو بچانے کے لیے مجھے ایک دو مہینوں کا کرایہ ایڈوانس ادا کرنا ہے اور میں یہ سوچ سوچ کر پاگل ہو رہی ہوں کہ اتنی رقم بھی کہاں سے ارینج کروں۔" اس نے کافی کو یوں پھینٹتے ہوئے کہا جیسے سارا غصہ اسی پر نکال رہی ہو۔

"کتنی رقم چاہیے؟" حنان نے پوچھا گیتی نے بتا دیا۔

"گیارہ ہزار روپے۔"

"یہ کوئی اتنی بڑی رقم نہیں ہے تم خوامخواہ پریشان ہو رہی ہو۔"

"پھر وہی بات۔" وہ زچ ہو کر بولی۔

"تمہاری جیب ہمہ وقت نوٹوں سے بھری رہتی ہے اسی لیے تمہیں یہ معمولی بات لگ رہی ہے۔ ادھر میری اس فکر میں راتوں کی نیندیں اڑی ہوئی ہیں۔"

"بلاوجہ پریشان ہو رہی ہو یہی نیندیں ہمارے لیے اڑاتی ہوتیں تو کوئی بات بھی تھی۔"

"بکو مت۔۔۔"

''اچھا میرے پاس تمہاری پریشانی کا حل ہے۔'' حنان نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔
''گیارہ ہزار تم مجھ سے لے کر فلیٹ کا کرایہ دے دو۔''
گیتی چند لمحے خاموشی سے کافی پھینٹتی رہی پھر بولی۔
''نہیں، مجھے تم سے روپے نہیں چاہئیں۔'' اور عارضی بنیادوں پر اب کوئی کام کرنے کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا...... پیرزادہ کا تجربہ کافی تھا۔
''میں تمہیں ادھار نہیں دے رہا ایک دوست کا تحفہ سمجھ لو۔'' حنان نے اس کی خاموشی سے جانے کیا اخذ کیا تھا۔
''نہیں شکریہ...... دوست کی جانب سے مجھے کوئی ایسا تحفہ نہیں چاہیے جو میرے دل پر سانپ بن کر بیٹھا رہے۔'' اس نے قطعیت سے کہا۔
''اچھا تو پھر یوں کرو۔ ماڈل ٹاؤن میں میرے ڈیڈ کا ایک فلیٹ کافی عرصے سے خالی پڑا ہے۔ تم چاہو تو وہاں شفٹ ہو جاؤ...... اور ہاں بے فکر رہو میں تم سے ابھی کرایہ نہیں مانگوں گا البتہ جب تمہارے پاس ہوں تو مجھے یکمشت ادا کر دینا۔'' وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے قریب آ رکا۔
گیتی کے مسلسل حرکت کرتے ہاتھ رک گئے تھے اور وہ آنکھوں میں الجھن لیے اسے دیکھنے لگی تھی۔
''آں......آں......اب پلیز اس بات پر کوئی اعتراض مت کرنا۔'' حنان نے پھر اس کی خاموشی سے کچھ اخذ کیا۔
''تم میری فرینڈ ہو اور مجھ سے برداشت نہیں ہوتا کہ میری فرینڈ ایسے بے کار فلیٹ میں رہے اور چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے پریشان ہو۔ میں آج ہی وہ فلیٹ تمہارے لیے صاف کروا دیتا ہوں۔ ویسے تو مجھے یقین ہے اس جگہ کوئی اسی چیز نہیں ہوگی جو تم اپنے ساتھ لے جا سکو اس کے باوجود میں تمہیں دو دن دے رہا ہوں جو سامان سمیٹنا چاہو سمیٹ لو۔''
گیتی بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔
بیٹھے بٹھائے ایک سہولت مل رہی تھی تو اسے ہاتھ سے جانے کیوں دیتی مگر کوئی ایک تنہا لڑکی کو اپنے فلیٹ میں رہائش اختیار کرنے کے لیے کیوں کہتا ہے وہ بخوبی جانتی تھی۔

❋ ❋

ناول **بساطِ دل** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات آپ آنے والی ان تاریخوں (15th, 20th, 25th) میں پڑھ سکیں گے۔

''میں اپنا الگ بزنس اسٹیبلش کرنا چاہتا ہوں۔آپ پراپرٹی میں سے میرا شیئر مجھے دے دیں۔''
حنان نے کھانا شروع کرنے کے چند منٹ بعد کسی کو مخاطب کیے بنا اچانک کہا تھا۔ڈائننگ ٹیبل کے گرد بیٹھے سب افراد چونک کر پہلے اسے اور پھر باری باری ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔پھر جہانگیر لاشاری نے سب سے گفتگو کا آغاز کیا تھا۔
''تم شیئر لینے کی بات کیوں کر رہے ہو؟ یہ سب کچھ تمہارا ہی تو ہے اور الگ بزنس شروع کرنے کی بھی کیا ضرورت ہے۔بخت انٹرپرائزز کے تم تنہا وارث ہو۔''
''اچھا......''اس نے مصروفیت بھرے انداز میں کہا۔
''پھر آپ ایسا کریں خود گھر بیٹھ جائیں اور مجھے بخت انٹرپرائزز کی پاور آف اٹارنی دے دیں۔جو چیز میری ہے اس کا مکمل اختیار میرے پاس ہونا چاہیے۔''
جہانگیر لاشاری کو وہ کسی خاطر میں تو لاتا نہیں تھا اس وقت بھی انداز انتہائی طنزیہ تھا اور چونکہ اس کے ایسے انداز واطوار سے شمسہ کی پرانی شناسائی تھی اور وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ ایسا انداز ہمیشہ ہی کسی طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے اس لیے وہ گھبرا کر اسے مخاطب کر بیٹھیں۔
''کسی باتیں کر رہے ہو حنان بیٹا!''یہ بروقت مداخلت تھی یا بے وقت......مگر حنان کے تاثرات مزید طنزیہ ہو گئے۔
''کیسی باتیں کر رہا ہوں؟......میرے خیال میں تو یہ بہت اچھی باتیں ہیں۔آپ کا کیا خیال ہے۔''
''سنو حنان۔''شمسہ کے اضطراب میں اضافہ ہوا تھا حنان کی جھنجلاہٹ میں۔
''مجھے پتا تھا میں اپنا شیئر مانگوں گا تو آپ لوگ سو سوال کریں گے کیا ایسا نہیں ہوسکتا کبھی میری کوئی بات آپ لوگ بنا اعتراضات کیے مان لیں۔ہر دفعہ کیا، کیوں، کیسے کرنا ضروری ہے......گاڈ......اب میں کچھ بھی کہوں گا آپ لوگ اور سوال اٹھائیں گے اس لیے پلیز ٹو دی پوائنٹ بات کریں۔مجھے اپنا شیئر ہر حال میں چاہیے۔''
''نہیں ہمیں تمہاری ڈیمانڈ پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔''اچانک جہانگیر لاشاری نے مضبوط لہجے میں کہہ کر اسے چونکا دیا۔
''جو چیز تمہاری ہے وہ تمہیں مل ہی جانا چاہیے۔''اب وہ اتنے پرسکون نظر آ رہے تھے جتنا کچھ دیر قبل حنان خود کو پرسکون ظاہر کر رہا تھا۔
جہانگیر لاشاری کی خاموشی اسے اکسانے لگی۔اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کا مطالبہ اتنی آسانی سے مان لیا جائے گا۔
''پھر؟''اس نے خاموشی کو توڑا۔''پھر......آپ کمپنی کب مجھے ہینڈ اوور کر رہے ہیں؟''
''تمہاری شادی کے فوراً بعد۔''جہانگیر لاشاری نے جتنے اطمینان سے کہا اتنے ہی حنان کو پتنگے لگے تھے۔

”وات ڈو یو مین…… مام مجھے میرا شیئر ابھی چاہیے۔“ اس نے بھڑک کر کہا۔

”تم اپنی مام سے بات مت کرو بزنس میرے ہاتھ میں ہے۔ جو مجھے ہی ہینڈاوور کرنا ہے۔ تمہیں تمہارا شیئر میں دوں گا۔ مگر یہ سب تمہاری شادی کے بعد ہوگا۔ ایک دفعہ خود کو اہل ثابت کرلو مجھے یقین ہو لینے دو کہ تم زندگی کو سنجیدگی سے لینے لگے ہو۔ بلیو می حنان! میں تمہیں صرف تمہارا شیئر نہیں دوں گا ساری پراپرٹی دے دوں گا۔“

”مجھے لگتا ہے آپ حواسوں میں نہیں ہیں۔ میں کیوں خود کو آپ کے لیے اہل ثابت کروں…… مجھے کچھ ثابت نہیں کرنا۔“

”پھر اپنا شیئر بھول جاؤ۔ اور ہاں اس بار میں تمہاری کوئی حماقت برداشت نہیں کروں گا اگر تم نے کوئی الٹی حرکت کی تو میں تمہیں عاق کردوں گا۔“ جہانگیر لاشاری کی نرم لہجے میں کہی بات پر جملہ احباب کو سانپ سونگھ گیا تھا خود حنان کو بھی۔ شمسہ الگ بے یقینی سے اپنے شریک حیات کو دیکھ رہی تھیں۔

”آپ…… آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں۔“ اس نے بے یقینی سے نکل کر مٹھیاں بھینچ کر کہا۔

”کوئی عاق کرنے کی دھمکی مذاق میں تو نہیں دیتا…… سو فیصد دھمکی دے رہا ہوں کیونکہ اب تم پر بھروسہ کرکے ہم مزید نقصان نہیں اٹھا سکتے اس سے پہلے تم نے جو بھی حماقتیں کیں ان کا نقصان تمہیں پہنچا یا ہمیں۔ مگر اب تم نے کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو اس لڑکی کی زندگی خراب ہو جائے گی جو اس گھر کی بہو بننے جا رہی ہے۔ ہمارے خاندان کی ناموس کو جو جھٹکا لگا وہ الگ…… اگر شمسہ کا اصرار نہ ہوتا تو میں انہیں کبھی ثانیہ کے لیے حامی بھرنے نہ دیتا اور ایسا صرف تمہاری لاپروا اور غیر ذمہ دارانہ طبیعت کی وجہ سے کرتا۔ ۔ مگر چونکہ رشتہ ہو چکا ہے اور کچھ روز بعد شادی بھی ہے اس لیے میں چاہتا ہوں تم یہ لاپروائی چھوڑ دو۔ ثانیہ تمہارے لیے بہترین انتخاب ہے اب تمہیں خود کو اس کے لیے بہترین انتخاب ثابت کرنا ہے تاکہ کل کو ہمیں ثانیہ یا اس کے گھر والوں کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔“

حنان انگارہ آنکھیں، کھنچے ہوئے اعصاب لیے چند منٹ انہیں دیکھا رہا پھر جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

”ٹھیک ہے۔“ اس نے کہا پھر پوچھا۔ ”جو آپ کہہ رہے ہیں مجھے منظور ہے…… مگر اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ خود کو اہل ثابت کرنے کے بعد آپ میرے مطالبات پورے کریں گے؟“

”تمہیں اعتبار کرلینا چاہیے کیونکہ یہ جہانگیر لاشاری کی زبان ہے، حنان قادر کی نہیں۔“ انہوں نے پھر بڑے آرام سے اسے آگ لگائی، مگر شمسہ کے لیے یہ بات زیادہ تعجب کا باعث بنی کہ اس بار حنان بالکل نہیں بھڑکا اس نے اطمینان نے اپنی پلیٹ صاف کی اور پانی پی کر ٹیبل سے اٹھ گیا۔

شمسہ سارا ہی وقت خاموش ہولتی رہیں کہ آج صرف حنان ہی نہیں جہانگیر لاشاری نے بھی مختلف رویے کا اظہار کیا تھا۔

☆……☆……☆

اباجی کے کمرے سے نکل کر وہ اپنے کمرے میں آیا ہی تھا کہ حدید کی کال آ گئی۔

اس نے بددلی سے ریسیو کی، حدید موڈ میں تھا کال ریسیو ہوتے ہی بولا۔

''جناب من، حضرت ذی شان و عالی مرتبت......کہاں غائب ہیں آپ؟''

''یار! تم نری بک بک کرتے ہو۔'' اس نے اکتا کر کہا۔

''واہ واہ...... بہت خوب...... ماں باپ سے صلح کیا ہو گئی ہماری باتیں بک بلک لگنے لگیں۔'' اس خالصتاً زنانہ انداز کے قہقہے پر شاہنواز کو بے زاری کے باوجود ہنسی آ گئی۔

''یار حدید! میں اتنا تھکا ہوا ہوں کہ کوئی بات بھی اچھی نہیں لگ رہی کل فریش ہو کر کال کروں گا تم جتنی دیر چاہے اپنی زبان کی دھار تیز کرتے رہنا ابھی صرف اتنا بتاؤ فون کیوں کیا ہے؟''

''صرف یہ بتانے کے لیے کہ محض ایک روز بعد میرا نکاح ہے اگر آپ اپنے انتہائی ٹف شیڈول میں سے دو چار گھنٹے فرصت کے نکال کر تقریب میں شرکت کر سکیں تو میں آپ کا شکر گزار رہوں گا۔'' اس کا طنز میں ڈوبا ٹھنڈا میٹھا لہجہ شاہنواز کو زیر لب مسکرانے پر مجبور کرتا رہا۔

''میں ور یشہ ہوں نہ نکاح خواں کہ میری غیر موجودگی میں تمہارا نکاح نہ ہو سکے۔'' اس نے مزید چڑایا۔

''لیکن میرے نکاح نامے پر ایک گواہ کے طور پر تمہیں ہی دستخط کرنا ہیں...... یاد رہے۔''

جواب میں شاہنواز نے گہری سانس بھری، حدید بھڑک اٹھا۔

''لعنت ہے ایسی دوستی پر جو......''

''اچھا اچھا زیادہ ایموشنل ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' شاہنواز نے جلدی سے کہا۔ ''صرف اتنا بتاؤ شادی سے چار روز پہلے نکاح کرنے کا ارادہ کیسے بن گیا؟''

''کوئی خاص وجہ نہیں ہے بس اچانک ہی پلان ہوا ہے پرسوں چونکہ جمعہ ہے اس لیے ہم تینوں کے نکاح جمعہ کے خطبے کے بعد مسجد میں ہوں گے۔'' اس نے قدرے تفصیل سے بتاتا۔

''تینوں؟''

''میں، موحد اور حنان۔''

''حنان کا نکاح بھی پرسوں ہو رہا ہے؟''

''ہاں...... تمہیں کسی نے اطلاع نہیں دی؟''

''شمسہ خالہ کا فون آیا تھا انہوں نے کہ ممکن ہو تو پرسوں ہی آ جاؤں کیونکہ وہاں کام زیادہ ہے۔''

"کل رات ہی تو پروگرام بنا ہے ممکن ہے ذکر کرنا بھول گئی ہوں۔"

"ہوں۔" اس نے فقط اتنا کہا۔

"اچھا سنو...... اب مجھے دوبارہ فون کرنا نہ پڑے، وقت سے پہلے پہنچ جانا تمہیں میرا شہہ بالا بننا ہے۔"

"اچھا......" اس نے ہنستے ہوئے کال ڈسکنکٹ کر دی اور گرنے کے انداز میں پیچھے کی طرف لیٹ گیا۔

☆......☆......☆

"آپ نے حنان کو دھمکا کر اچھا نہیں کیا...... وہ اتنی الٹی کھوپڑی کا ہے کہ اب ضرور ہی کوئی الٹی سیدھی حرکت کرلے گا۔" رات تک جب شمسہ کا سر شوہر کے بدلے اطوار کے متعلق سوچ سوچ کر تھک چکا تب انہوں نے کہہ ہی دیا۔

"کچھ کرے گا تو پچھتائے گا...... میں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔"

جہانگیر کا لہجہ کسی بھی لچک سے قطعی محروم تھا۔ شمسہ نے سابقہ پریشانی کا احساس آنکھوں میں لیے انہیں دیکھا وہ ناک پر پڑھنے کا چشمہ لگائے بری طرح سامنے کھلی کتاب میں گم تھے۔

ایک پل کے لیے شمسہ کو لگا ان کا کچھ بھی کہنا بے کار جائے گا۔

"آپ معاملے کی سنگینی کو سمجھ نہیں رہے۔ اور یہاں میرا دماغ سوچ سوچ کر پھٹنے کے قریب ہو گیا ہے۔" کنپٹیوں کو دباتے ہوئے انہوں نے کہا اور دراز سے میڈیسن نکالنے لگیں۔

"کس نے کہا ہے آپ سے پریشان ہونے کے لیے یا مستقل اسی بات کو سوچتے رہنے کے لیے؟" جہانگیر لاشاری نے پوچھا۔

"حنان اس بار کچھ ایسا نہیں کرے گا جو خود اس کے حق میں نہ ہو...... جتنا بھی بے وقوف ہو پراپرٹی ہاتھ سے کھو دینے کا رسک نہیں لے گا۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ بات کے کانوں میں ڈالی ہے۔"

"آپ سمجھ نہیں رہے جہانگیر...... میں اس کی ماں ہوں اور اس کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ ضد میں آ گیا تو بہت نقصان کر بیٹھے گا۔" شمسہ نے ہتھیلی پر گولی منہ میں اچھالی اور ایک گھونٹ سے نگل لی۔

"تو ٹھیک ہے نا...... نقصان میں اس بار ہم اس کے شراکت داری نہیں کریں گے اور اس بار...... اسے ہمارے اصولوں کے ساتھ زندگی گزارنا ہوگی، گو کہ اس کے معاملے میں یہ لائحہ عمل مجھے بہت پہلے اختیار کرنا چاہیے تھا مگر نہ جانے میں کیا سوچ کر اسے ڈھیل دیتا رہا...... شاید میرے لاشعور میں کہیں یہ بات چھپی تھی کہ ذرا سی سختی حنان کو مجھ سے دور کر دے گی۔ مگر اب سوچتا ہوں وہ میرے قریب ہی کب تھا۔ بہت بچپن میں بھی اس کی سرکشی اپنی مثال آپ تھی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ابھی تک وہ جان کو آ رہا ہے۔"

"آپ کے خیالات سے مجھے انکار نہیں مگر اب اچانک آپ ایسا رویہ کیوں اختیار کر رہے ہیں۔" شمسہ نے حیرانی سے پوچھا۔

"کیونکہ اب ایک لڑکی کی زندگی داؤ پر لگی ہے۔" انہوں نے سوچا اور بات ٹالنے کو کہا۔

"کچھ خاص نہیں بس مجھے احساس ہو رہا ہے کہ حنان کو میری دی ہوئی غیر ضروری اہمیت اور ڈھیل نے بگاڑ دیا ہے۔ ہوا میں متانت سے اڑتی پتنگ جب ڈولنے لگتی ہے تو اسے واپس اس کے محور پر لانے کے لیے ڈور کھینچنا پڑتی ہے......حنان کی بھی جب تک ڈور نہیں کھینچی جائے گی اس کو سنبھلنا نہیں آئے گا اور پلیز اب میں اور کچھ نہیں سنوں گا میرا فیصلہ اٹل ہے۔"

انہوں نے بات ہی ختم کردی یہ نہ بتایا کہ آج کل حنان کے متعلق کس قسم کی اطلاعات مل رہی ہیں جو ان کی اصل پریشانی کا سبب ہیں۔

شمسہ نے ٹھنڈی آہ بھر کر چپ سادھ لی۔

☆......☆......☆

صبح جس وقت اس کی آنکھ کھلی ابا جی کھانس کھانس کر ادھ موا ہوئے جا رہے تھے مگر حقے کی نے ہاتھ سے چھوڑنے پر راضی نہ تھے۔

وہ جلتا بلتا اماں کے سر پر جا پہنچا۔

"آپ انہیں روکتی کیوں نہیں ہیں؟" وہ اونچا لمبا جوان بچوں کی طرح منہ بسورے پوچھ رہا تھا۔

"کس کو؟" اماں جی چمٹے کی تلاش میں سرگرداں تھیں اک پل کو رک کر پوچھنے لگیں۔

وہ پل بھر کو جھجکا پھر بولا۔

"ابا جی کو۔"

اماں جی نے بنا کچھ کہے دوسری طرف سے پیڑھا اٹھا کر اس کے سامنے رکھ دیا اور توے پر پراٹھا الٹنے لگیں۔

"اتنی کھانسی آ رہی ہے تو اس حقے کا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے......اس طرح تو طبیعت ٹھیک ہونے سے رہی......اور جب ڈاکٹر نے سختی سے منع کر رکھا ہے تو آپ چلم تازہ کر کے دیتی ہی کیوں ہیں۔"

"میں نہ کر کے دوں تو خود کر لیتے ہیں۔" وہ بھی عاجز تھیں۔

"ٹھیک ہے مگر آپ منع تو کر سکتی ہیں۔" وہ پیڑھا گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"تم منع کر کے دیکھ لو ہو سکتا ہے تمہاری مان لیں۔ ہماری تو اس معاملے میں سنتے بھی نہیں ہیں۔"

"میں کیسے روک سکتا ہوں؟" اس نے بے اختیاری سے کہا۔ "نہیں، میں نہیں روک سکتا۔"

"کیوں......تمہیں کیا تکلیف ہے؟" وہ مرتبان سے اچار نکالتے ہوئے ڈپٹ کر بولیں۔

"تکلیف......تکلیف تو بہت ہے اماں جی! میرے اور ابا جی کے درمیان میں تکلف و غیریت کی اتنی اونچی دیوار ہے جس کی بنیاد ہم دونوں میں سے کسی نے بھی نہیں رکھی مگر اس دیوار کو سدا ہمیں اپنے کندھوں پر ڈھونا ہے۔"

اس نے سوچا پھر بات پلٹ دی۔

''میں آج ہی واپس جا رہا ہوں۔''

''کیوں؟'' اماں جی نے سہم کر پوچھا۔

''نکاح شادی سے کچھ روز پہلے کر رہے ہیں وہ لوگ نسبتاً سادگی سے، مجھے حدید کی طرف سے گواہ کے طور پر شامل ہونا ہے۔ آپ لوگوں کا جس روز آنے کا ارادہ ہو مجھے فون کر کے بتا دیجیے گا میں گاڑی بھجوا دوں گا۔'' اس نے تفصیل بتا دی شمسہ نے ان سب کو مدعو کیا تھا اماں جی غائب دماغی سے سر ہلاتی رہیں پھر بولیں۔

''تمہارے ساتھ کے سب بیاہے جا رہے ہیں اب تم بھی ارادہ کرو۔'' وہ خاموش رہا تو جھجکتے ہوئے بولیں۔

''ثمن کی شادی میں بھی تو صرف پندرہ دن باقی ہیں...... تم واپس تو آؤ گے نا۔'' الفاظ چاہے کچھ بھی ہوں مگر وہ ان کا ماضی الضمیر سمجھتا تھا تبھی ہنس دیا۔

''کیوں نہیں آؤں گا بڑی بہن کی شادی میرے بغیر ہو گئی، چھوٹی کی نہیں ہو سکتی۔'' پھر کچھ خیال آنے پر پوچھنے لگا۔

''اچھا...... اماں جی...... بیلا آپا کے اپنے میاں کے ساتھ کیا اختلافات ہیں؟''

''وہی...... جو کم عقل، بے وقوف اور جذباتی لڑکیوں کے ہوتے ہیں۔'' وہ اکتا کر بولیں۔

''الگ گھر میں رہنا چاہتی ہے...... ساس سسر کے جھنجھٹ سے دور......''

''الگ گھر والی بات کچھ ایسی قابل مذمت تو نہیں ہے۔'' شاہنواز نے کہا۔

''دیکھا...... شاہنواز کو بھی میں حق پر لگ رہی ہوں۔'' بیلا آپا اندر داخل ہوئیں۔ ''لیکن آپ کو تو میں کبھی صحیح نہیں لگتی اماں جی...... ہر بات میں آپ کے داماد صاحب درست ہوتے ہیں۔''

''اچھا اب صبح صبح جھگڑا نہیں۔'' شاہنواز نے جلدی سے کہا۔ ''نہ کوئی اپنا موڈ آف کرے گا کون حق پر ہے اور کون نہیں اس کا فیصلہ ہم تب کریں گے جب تفصیل سے بات ہو گی۔''

''سنو...... مجھے کچھ سمجھانے کی کوشش مت کرنا۔ میں اچھا برا سب سمجھتی ہوں۔'' وہ دھمکانے کے انداز میں بولیں۔

''دیکھو اس کی ہٹ دھرمی۔'' اماں جی جھنجھلائیں شاہنواز نے بات پلٹ دی۔

''اماں جی! آپ ابا جی کو میرے ساتھ چلنے پر راضی کریں میں آپ کا اور ابا جی کا پرائیویٹ ڈاکٹر سے چیک اپ کرواؤں گا۔''

''کہہ تو رہی ہوں تم خود ہی کہہ کر دیکھ لو۔ ممکن ہے تمہاری سن لیں ہم سب تو کئی بار کہہ چکے ہیں کہ اس سرکاری ہسپتال کا پیچھا چھوڑ دیں مگر سنتے ہی نہیں۔ تکلیف سہنا منظور ہے علاج نہیں...... تم ہی سمجھاؤ شاہنواز! مجھے یقین ہے تمہاری مان لیں گے۔''

وہ سر جھکا کر کھانے میں جت گیا۔اماں جی کی فرمائش پوری کرنا اس کے لیے کتنا مشکل تھا وہی جانتا تھا۔

☆......☆......☆

چار روز بعد مظہر اس کمرے میں داخل ہوا جو گلشن نگر آتے ہی عانیہ کو دیا گیا تھا اور جہاں پچھلے چار روز سے وہ قید تھی۔

پہلی نظر میں اسے عانیہ کہیں دکھائی نہیں دی۔

مگر کمرے میں نظر دوڑانے کے بعد وہ اسے کمرے کی واحد کھڑکی کے قریب بیٹھی دکھائی دی تھی اس نے سر جھکا کر بازو اپنی ٹانگوں کے گرد لپیٹ رکھے تھے۔اس کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑ چکے تھے اور رنگت بے حد زرد ہو رہی تھی۔

مظہر نے اپنے پیچھے آتے ملازم سے کھانے کی ٹرے میز پر رکھنے کے لیے کہا۔اس دوران اس نے عانیہ پر سے نظریں نہیں ہٹائی تھیں جس وقت ملازم ٹرے رکھ کر واپس جا رہا تھا اس وقت عانیہ نے سر اٹھایا میز پر رکھی ٹرے پر نظریں پڑتے ہی اس کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

اپنے مضمحل وجود کو سنبھالتی وہ جلدی سے اٹھ کر میز کی طرف لپکی راستے میں حائل تپائی سے اسے زبردست ٹھوکر لگی تھی مگر وہ کسی چیز کی پروا کیے بنا آگے بڑھی اور میز کے قریب گرنے کے انداز میں بیٹھ کر بھوکوں کی طرح کھانے لگی۔وہ جتنا کھا رہی تھی عجلت کے باعث اس سے زیادہ ضائع کر رہی تھی۔

مظہر صوفے پر بیٹھا خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر بڑی واضح مسکراہٹ تھی۔عانیہ کے بارے میں اس کا یہ اندازہ بھی غلط نہیں تھا کہ بھوک اس کی کمزوری ہے۔ محض ڈیڑھ دن بھوکے پیاسے گزارنے کے بعد وہ کھانے پر ایسے ٹوٹ پڑی تھی جیسے صدیوں کی بھوکی ہو۔

اسے یہاں قید کرنے کے بعد پہلے روز تینوں وقت کھانا بھجوایا گیا دو وقت اس نے ٹرے دیوار پر دے ماری۔تیسری ٹرے جوں کی توں واپس آگئی۔اگلی صبح ناشتے کی ٹرے سے اس نے چند لقمے کھائی باقی دونوں اوقات میں بھی اس نے یہی کیا۔

تیسرے روز ناشتے کی ٹرے سے پھر تھوڑا سا کھا لیا اور لنچ واپس کر دیا رات کے کھانے کی وہ منتظر رہی مگر اس بار کوئی اس کے لیے کھانا لے کر نہیں آیا وہ رات اور اگلا پورا دن وہ بھوکی رہی۔اور بھوک کی شدت نے یہ رات بھی سونے نہ دیا اور آج پانچویں دن مظہر اس کے لیے کھانا لایا تھا اور یہ دیکھ کر دل ہی دل میں مسرور ہو رہا تھا کہ عانیہ کی مزاحمت دم توڑ چکی تھی۔جو بات وہ عانیہ پر تشدد کر کے نہیں منوا سکتا تھا وہ بھوکے رہنے کی سزا نے اس سے منوا لی تھی۔

کبھی کبھی تو مظہر کو خود پر رشک آتا تھا۔آخر وہ کیسے چٹکیوں میں لڑکیوں کی نبض پہچان لیتا ہے......وہ جوئے میں کبھی نہیں ہارتا۔

آخر ہر بار اس کے پاس بہترین پتے کیسے آ جاتے ہیں؟

ابھی وہ یہی سوچ رہا تھا کہ عانیہ نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور اپنے جلتے بلتے معدے میں پانی کا پورا گلاس انڈیل کر اس نے آستین سے چہرہ پونچھا اور گود میں ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئی مگر اس کی نظریں میز پر چنے کھانے پر تھیں۔ اسے بے اختیار اپنا گھر یاد آیا تھا اور پچھلے چار روز میں اسے کئی بار اپنا گھر یاد آیا تھا اس گھر کا چھوٹا سا دستر خوان یاد آیا تھا اس دستر خوان پر رکھی پلیٹیں، چمچے اور گلاس یاد آئے تھے اور ہر وہ چیز یاد آئی تھی جو اپنی ہر بدتمیزی کے باوجود اس گھر میں، اس گھر کے دستر خوان پر میسر ہوتی تھی۔

اپنی کسی بدتمیزی پر اسے کبھی بھوکا نہیں رہنا پڑا تھا۔ جب بھی مرغی پکتی، اس کی زبان درازی سے خائف ہو کر مرغی کا سب سے بہترین حصہ اسے دیا جاتا تھا۔

''اف خدایا!'' اسے کتنی شدت سے وہ سب کچھ یاد آ رہا تھا۔

اور آج آخری دن تھا جب اسے اس چھوٹے سے گھر میں موجود سہولیات کو یاد کرنا تھا۔

پیٹ بھر جانے پر بھاری معدے کی غنودگی اس پر حاوی ہونے لگی تھی۔ پلیٹ چمچہ، گلاس، ٹرے اس کی نظروں کے سامنے ہولے ہولے لرزنے لگے اس کی آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔

اس وقت مظہر اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا اور آہستگی سے اس کے بال سہلائے عانیہ کوئی مزاحمت کیے بنا اپنی بند ہوتی آنکھوں کو بمشکل کھولے اڑتے ہوئے برتنوں کو دیکھ رہی تھی۔

''تم تھک گئی ہونا...... تمہیں نیند آ رہی ہے۔'' اس نے مظہر کی آواز کہیں دور سے آتی سنی تھی۔

''یہ کمرہ اب سے تمہارا ہے عانیہ!...... تمہیں آسائشات چاہئیں نا، تو مجھ سے تعاون کرو۔ تمہیں آسائشات ملیں گی عانیہ! روپے ملیں گے بلکہ وہ سب کچھ ملے گا جواب تک نہیں مل سکا۔

تمہاری قسمت تم پر مہربان ہو رہی ہے عانیہ! یہاں لیٹ جاؤ...... تمہیں نیند آ رہی ہے۔''

مظہر کی محبت بھری خوابناک آواز نے اس پر سحر سا طاری کر دیا تھا۔ شاید وہ ہپناٹائز ہو رہی تھی مظہر نے اس کے کندھے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ عانیہ بنا مزاحمت کیے اس کے گھٹنے پر سر رکھ کر لیٹ گئی۔

''تم اتنی خوبصورت ہو کہ بعض اوقات میں حیران رہ جاتا ہوں...... اتنی خوبصورتی دی ہے تمہیں اللہ نے...... اس کا صحیح استعمال نہیں کرو گی تو ناشکری کہلاؤ گی۔

خود کو پہچانو عانیہ! اپنی پرسنیلٹی گروم کرو...... تمہیں پتا ہونا چاہیے تمہارے سامنے بیٹھا شخص کتنی توجہ کا متقاضی ہے۔ کیسے لفظوں سے گھائل کیا جا سکتا ہے۔ کس پر نظروں کے تیر اثر کریں گے اور...... کیسے مسکراہٹ کی بجلی سے بھسم کرنا ہے۔

خوبصورتی کے ساتھ یہ فن...... آ گیا تو سمجھ لینا...... تم دو دھاری تلوار بن چکی ہو...... یہ تلوار گردن پر چلی تب بھی مزا دے گی......

تڑپاتی رہی تو بھی...... لطف دوبالا...... بھول جاؤ......تم کیا تھیں...... وہ یاد رکھو جو آج ہو...... حرام، حلال...... نیکی، بدی...... فضول باتیں...... میں تمہیں سونے میں...... جو چاہیے...... چھین لو...... آگے زندگی...... موقع تم تمہاری آنکھیں۔''

اس کی بند ہوتی آنکھیں بالکل بند ہو گئیں اور ذہن مکمل غنودگی میں چلا گیا، اب وہاں تاریکی تھی صرف اور صرف تاریکی۔

☆......☆......☆

''شاہنواز اس ڈبے میں پنیری ہے اور اس میں لسی...... اور یہ تیسرا ڈبہ شمسہ کو دے دینا۔ اسے گندم کا حلوہ پسند ہوا کرتا تھا اس میں، میں نے وہی ڈال دیا ہے۔ باقی دونوں ڈبے تمہارے ہیں۔ روز ناشتے میں دودھ کے ساتھ کھایا کرنا میں نے اتنی محنت سے خالص دیسی گھی میں یہ چیزیں بنائی ہیں ایسا نہ ہو، جاتے ہی اٹھا کر ملازموں کو دے دو۔''

''سوال ہی نہیں اٹھتا۔'' اس نے احتیاط سے وہ ڈبے بیگ میں رکھے۔ ''اتنے عرصے سے آپ کے ہاتھوں کی بنی ہوئی ان سوغاتوں کو ترس رہا ہوں۔ ملازموں کو کس خوشی میں دوں۔'' اس نے کپ میں موجود باقی ماندہ چائے حلق میں انڈیلتے ہوئے پیار سے اپنی ماں کا چہرہ دیکھا۔ اسے اپنی ماں سے اتنی محبت تھی کہ دل چاہتا تھا اپنی ماں کو کسی اونچی مسند پہ بٹھا دے جہاں آٹھ پہر داسیاں اسے مور پنکھ سے ہوا دیں اور خوشی اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی رہے۔ اصل میں یہ اس کی بے انتہا محبت کا احساس تھا جو سوچ کر گھسیٹ کر ایسی انتہا تک لے جاتا جس سے آگے طلسمی دنیا کی حدود شروع ہو جاتی ہیں۔

دل تو یہ بھی چاہتا تھا کہ اب اماں جی کے گھٹنے سر پر رکھ کر اتنی گہری نیند سوئے کہ پھر بیدار نہ ہونے کا احساس بھی نہ رہے جن کے کندھوں پر نیند کا قرض چڑھا ہو ان کے لیے ہر انتہا ابتدا ہوتی ہے۔

''شاہنواز! ذرا بازار کی طرف سے ہوتے چلے جانا تمہارے ابا جی دکان پر ہی ہوں گے انہیں بھی اللہ حافظ کہہ دینا۔'' ان کے انداز میں بڑی محسوس کن جھجک کی آمیزش تھی۔

''مجھے تو ویسے بھی دیر ہو رہی ہے۔'' چائے کا کپ تخت پر رکھتے ہوئے وہ غیر ارادی طور پر نظریں چرا گیا مگر اماں جی نے برا محسوس کیا۔ وہ شرمندہ سا ہو گیا اور جلدی سے وضاحت دینے لگا۔

''گورنمنٹ اسکول کی طرف سے جاؤں گا تو بس اسٹینڈ تک جلدی پہنچ جاؤں گا تین بجے والی کوچ بآسانی مل جائے گی بازار کی طرف سے چکر لمبا پڑتا ہے۔

''ویسے بھی میں نے صبح انہیں بتا دیا تھا کہ میں واپس جا رہا ہوں جب وہ دکان کے لیے نکل رہے تھے تو اللہ حافظ بھی کہہ دیا تھا۔''

''اچھا جیسے تمہاری مرضی۔'' اماں جی نے اس کی پیشانی چوم کر رخصت کیا۔ بہنیں الگ افسردہ تھیں وہ مسکراتے لبوں اور بوجھل دل کے ساتھ باہر نکل آیا۔

دھوپ کی تپش سے محروم زرد شعاعیں سناٹے کی زد میں تھیں وہ تیز تیز قدم اٹھاتا گورنمنٹ اسکول کے سات ساتھ آگے بڑھنے والی گلی کی طرف مڑ گیا جہاں جابجا خشک اور سیلے پتوں کا فرش بچھا تھا۔

اسکول میں چھٹی ہونے کا وقت گزر چکا تھا۔ اس لیے گلی معمول سے کچھ بڑھ کر ویران پڑی تھی ورنہ صبح اور دوپہر کے اوقات میں تو اچھی خاصی رونق ہوا کرتی تھی۔ اباجی کے خیال سے دل افسردہ تھا تو آسودگی بھی تھی اور اس پل آنکھوں کی چمک بے حد بڑھ گئی تھی۔

اپنے ہی کسی دھیان میں گم اس نے ایک پتھر کو اپنی ٹھوکر سے چند قدم آگے لڑھکتے دیکھا تھا تبھی نگاہوں کی زد میں ملتانی چپل میں مقید دو گورے چٹے پیر آ گئے۔ وہ فوراً سے پیشتر رکا نہ ہوتا تو ضرور ٹکرا جاتا۔

''تم......'' اس کے لب غیر محسوس انداز میں بھینچ گئے آنکھوں میں ٹھہری نرمی و آسودگی پل بھر میں اڑنچھو ہو گئی وہاں ایک ایسی سنجیدگی براجمان تھی جسے گل بانو نے اپنی آنکھوں سے پتھر ہوتے دیکھا تھا۔ وہ ایک طرف سے نکل کر آگے بڑھنا لگا گل بانو سرعت سے سامنے آ گئی۔

''جا رہے ہو شاہنواز!'' اس کے ہونٹوں سے بے قرار سی سرگوشی نکلی تھی اور بے تاب نظریں یوں اس کے چہرے پر دوڑ رہی تھیں جیسے مدتوں کی پیاس بجھا رہی ہوں۔ شاہنواز نے دوسری طرف سے نکلنا چاہا وہ پھر راہ میں حائل ہوئی۔

''ہٹو میرے راستے سے۔''

غضب ناک نظروں سے اسے گھورتے ہوئے وہ غرایا تھا۔ گلی آگے پیچھے سے بالکل خالی تھی اور شاہنواز کی جھنجلاہٹ میں اضافہ کر رہی تھی۔

''معافی مانگنے کا ایک موقع بھی نہ دو گے......اس روز بھی مجھے تمہارے گھر سے نکال دیا گیا۔'' وہ سسکی۔

''معافی......'' وہ تلخی سے ہنس دیا۔ ''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''ٹھیک ہے میں اس رستے سے ہٹ جاتی ہوں مگر ہر راستے سے تم مجھے نہیں ہٹا سکتے۔ بالفرض تم زندگی کے سو رستوں سے گزرو تو میں تمہیں ہر رستے پر کھڑی ملوں گی......اتنی آسانی سے تم مجھے نظر انداز نہیں کر سکتے۔ دس سال انتظار کیا ہے میں نے اور دس سال کم نہیں ہوتے۔'' وہ روتے روتے ہٹ دھرمی سے بولی۔ شاہنواز کی ہر رگ میں جیسے زہر سا دوڑ گیا تھا۔

''میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو زندگی کی سیاہ بختی سے سمجھوتہ کر لیتے ہیں۔ جب تک موت نہیں آ جاتی سو نہیں ہزار راستے انسان کے منتظر ہوتے ہیں اور تم ہر جگہ میرا پیچھا نہیں کر سکتیں......یہ تو ہوئی ایک بات......دوسری بات......تم نے دس سال انتظار کیا ہے نا مگر میں نے دس سال سزا بھگتی ہے اس جرم کی جو میں نے کیا ہی نہیں۔ ان دس سالوں کا حساب لینے کا ارادہ کر لوں تو یہ جو تمہاری شکل ہے نا......اسے آئینے میں دیکھتے بھی خوف کھاؤ گی......اگلی بار میرا راستہ روکنے سے پہلے سو بار سوچنا......اتنا اعلا ظرف نہیں ہوں کہ ہر بار تمہارا

گناہ نظر انداز کر کے آگے بڑھ جاؤں۔"

وہ نفرت اچھالتا آگے بڑھ گیا اور گل بانو جیسے منہ کے بل زمین پر آ رہی۔

"مجھے میری غلطی تو بتاؤ...... کیا محبت میرا گناہ ہے۔" اس نے تڑپ کر پوچھا۔

"محبت کو بدنام مت کرو اچھا بھلا پاکیزہ جذبہ تم جیسوں کی وجہ سے گلی گلی رلتا پھرتا ہے۔" وہ دو قدم کے فاصلے پر تڑخ کر پلٹا تھا۔

"باقی سوال رہا غلطی کا...... تو غلطی تمہاری نہیں تمہارے ماں باپ کی ہے مناسب وقت پر دو لگا کر تمہیں گھر میں بٹھایا ہوتا تو آج تم سنسان گلیوں میں لوگوں کے راستے روکتی نہ پھرتیں...... کسی کی زندگی برباد نہ کرتیں۔ اسی اسکول میں پڑھاتی ہونا۔ کیا پڑھاتی ہو؟ جس نے خود آج تک کسی اخلاقی قدر کی پیروی نہ کی اس کی تدریس میں کتنا اثر ہوگا؟ پتا نہیں جو تم سے سیکھ کر نکلیں گی وہ دنیا والوں پر کیا قہر ڈھائیں گی؟"

"کہہ لو...... جو مرضی کہہ لو۔" اس کی ٹانگیں لرزنے لگیں اور گھٹنوں کے بل زمین پر گر گئی کئی ایک نوکیلے پتھر تکلیف کا عنوان بنے تھے مگر یہ تکلیف اس اذیت سے بہرحال کم ہی تھی جو شاہنواز کے الفاظ نے پہنچائی تھی۔ ایک ایک لفظ گویا نفرت میں بھیگا تھپڑ تھا، جو گل بانو کے منہ پر لگا۔

"جتنا چاہو برا بھلا کہو جتنی مرضی گالیاں دے لو، مگر مجھ سے نفرت مت کرو۔ شاہنواز میں سب کچھ سہہ سکتی ہوں مگر تمہاری نفرت نہیں۔" وہ التجا بھرے لہجے میں کہتی پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی کہ صرف آج نہیں جب بھی قسمت نے سامنا کروایا اس کی آنکھوں میں نفرت ہی دیکھی۔

"نفرت...... حد سے خوش فہمی کی میں تو تمہیں اب نفرت کے قابل بھی نہیں سمجھتا۔" حقارت بھرا لہجہ اذیت بن کر سماعت میں اترا تھا۔ وہ ٹھٹھرے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ بے یقینی و بے قراری سے اسے دیکھے گئی۔

"میری غلطی کی اتنی بڑی سزا مت دو شاہنواز! میں...... میں تمہیں کیسے اپنی شرمساری اور محبت کا یقین دلاؤں...... مر جاؤں تمہارے لیے تو یقین کرو گے؟"

"کوئی ضرورت نہیں ہے میرے سر چڑھنے کی۔" وہ ہاتھ اٹھا کر ناگواری سے بولا۔

"یقین تو مجھے پھر بھی نہیں آنا کہ بہرحال تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں...... جس نے آج تک کسی اور کی بھلائی کا نہیں سوچا مرنے میں بھی اس کی اپنی ہی غرض شامل ہوگی۔" بلا کا تیقن تھا۔ ریسٹ واچ کے ڈائل پر نظر ڈال کر بولا۔ "اتنا وقت ضائع کروا دیا کاش! میں بازار کی طرف سے نکلا ہوتا۔ راستہ کاٹ دیا ہے پتا نہیں اب کوچ بھی ملے گی یا نہیں۔" وہ جھنجھلائے انداز میں بڑبڑاتا ہوا پلٹا۔

"تمہارے سارے خط میں ضائع کرتا رہا ہوں...... افسوس تمہاری یہ کوشش بھی بے کار رہی۔ مرنے کا اتنا شوق ہے تو ضرور مرو۔ مجھے فائدہ ہو یا نہ ہو تمہارے ستائے ہوئے اتنے ہیں کسی نہ کسی کو ضرور فائدہ ہوگا۔ مصیبت سے چھٹکارہ پانے کی خوشی بہرحال بڑی ہوتی ہے۔"

ویران گلی کچھ دیر اس کے جوتوں کی آواز سے گونجتی رہی گل بانو نے جب سر اٹھایا تو وہ گلی کا موڑ مڑ چکا تھا۔

پچھلی دیوار کے ساتھ لگا خودرو پودا اسے دیکھ کر سرد آہیں بھر رہا تھا۔نم ہوا کے لمس میں متاسف سرگوشیاں تھیں۔اردگرد بکھرے پتے عمر بھر کے پچھتاوے کا اعادہ کرنے لگے تو وہ زمین پر پڑا پرس اور ربڑ بینڈ چڑھے ٹیسٹ پیپر اٹھا کر کھڑی ہوئی مگر گھٹنوں پر لگی چوٹ کی تکلیف بھوری چیونٹیوں کی طرح سارے بدن میں دوڑ گئی تھی۔

''ایک وہ بھی وقت تھا کہ سوئی مجھے بعد میں چبھتی تھی اور میری تکلیف کا احساس تم تک پہلے پہنچ جاتا تھا اور ایک یہ وقت ہے کہ میں لہولہان ہو چکی ہوں اور تم ہمدردی کی ایک نظر ڈالنے کے بھی روادار نہیں۔''

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھانے لگی۔

''تم نے صحیح کہا شاہنواز! تم مجھ سے نفرت بھی نہیں کرتے کہ بہرحال یہ بھی ایک تعلق ہے اور تمہاری آنکھیں کہتی ہیں تم مجھ سے کوئی تعلق رکھنا ہی نہیں چاہتے۔

نفرت میں تو پھر بھی کسی رعایت کی گنجائش نکل آتی ہے اور تم مجھے کسی قسم کی رعایت دینے کو تیار نہیں ہو......نہیں شاہنواز! میں اتنے آرام سے تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گی......کم از کم تب تک نہیں۔جب تک تم مجھ سے اپنی محبت کا اعتراف نہ کر لو۔''

سرد ہوا نے قریب سے گزرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں ٹھہرے آنسو کو دیکھا اور سر جھکا کر آگے نکل گئی۔خشک پتے اس کے پیروں تلے چرمرا رہے تھے۔

☆......☆......☆

گیتی دیکھ رہی تھی حنان جب سے آیا تھا خاموشی کی بکل مارے بیٹھا تھا۔اس کے چہرے پر کسی سوچ کی پرچھائیاں اتنی واضح تھیں کہ چہرہ پڑھنے کے فن سے نابلد انسان بھی سوچ کے عکس کو بھانپ لیتا۔

''کیا بات ہے حنان! کچھ پریشان لگ رہے ہو۔''

کچھ دیر تو وہ خاموش رہی مگر پھر جب زیادہ دیر تک اس کی خاموشی اور بے توجہی برداشت نہ کر سکی تو پوچھ لیا۔

''کوئی خاص بات نہیں......بس میں کچھ سوچ رہا ہوں۔'' نظروں کا زاویہ بدلے بنا اس نے جواب دیا۔گیتی ہولے سے ہنس دی۔

''یہ تو مجھے بھی نظر آ رہا ہے کہ تم کچھ سوچ رہے ہو بلکہ جب سے آئے ہو صرف سوچ ہی رہے ہو۔لیکن اصل سوال یہ ہے کہ تم کیا سوچ رہے ہو۔'' اس نے اپنے بالوں میں برش چلاتے ہوئے کہا جواباً حنان نے اپنا زاویہ بدلے بغیر صرف نظروں کا اینگل بدل کر اس کی طرف دیکھا گیتی اس وقت سیاہ رنگ کی جینز پر سرخ سیلولیس ٹاپ پہنے ہوئے تھی اس کے خوبصورت مرمریں بازو کسی بھی سنگھار سے محروم ہونے کے باوجود اتنے دلکش لگ رہے تھے کہ ان سے نظریں ہٹانا مشکل تھا۔

اور صرف بازو ہی کیوں؟ اسے تو گیتی پوری کی پوری اتنی دلکش لگتی تھی کہ بعض اوقات اس پر سے نظریں ہٹانا مشکل ہو جاتا تھا مگر اس وقت اس کا ذہن اتنے مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا کہ اس نے یہ انتہائی مشکل کام بڑی آسانی سے کر لیا۔

''اوہو......اب پھر مراقبے میں چلے گئے ہو۔'' گیتی اکتا کر بولی اور اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آ بیٹھی۔

''کیا پریشانی ہے حنان......دیکھو میں تمہاری دوست ہوں گر کسی مشکل میں تم میری مدد کر سکتے ہو تو کیا میں تمہاری کوئی پرابلم شیئر بھی نہیں کر سکتی۔''

اس نے حنان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا وہ حنان کے اتنے قریب تھی کہ اس کے پرفیوم کی خوشبو حنان واضح طور پر محسوس کر پا رہا تھا۔

گیتی کے کہنے کے بعد بھی وہ خاموش رہا جیسے کسی جوڑ توڑ میں مصروف ہو پھر اس نے فیصلہ کن انداز میں گیتی کی جانب دیکھا اور کہا۔

''گیتی......مجھ سے شادی کرو گی۔''

گیتی جو اپنا دوسرا ہاتھ اس کے ہاتھ کی طرف بڑھا رہی تھی ہوا میں معلق رہ گیا اور وہ ہکا بکا ہو کر حنان کو دیکھنے لگی۔ جس کے چہرے اور آنکھوں میں مذاق کا شائبہ تک دکھائی نہ دیتا تھا۔

☆......☆......☆

نکاح خواں نے اس کے سامنے نشست سنبھال لی تھی۔

چچا جان نے اس کے برابر میں بیٹھ کر اپنا بازو اس کے کندھوں پر پھیلایا۔

ثانیہ کے ڈگمگاتے حوصلے اور لرزتے دل کو بڑی ڈھارس ملی۔ تپتے ہوئے صحرا میں ننگے پیر بھاگتے ہوئے جیسے بادل کا سایہ میسر آ گیا ہو۔

''ثانیہ چوہدری بنت محمد الیاس چوہدری آپ کو بیس تولے سونا اور پچاس لاکھ روپے حق مہر کے عوض حنان قادر بن اسماعیل کے نکاح میں دیا جاتا ہے، قبول ہے۔''

ثانیہ کا دل بڑی زور سے کانپا تھا اور آنکھوں سے پانی کے موتی برسنے لگے تھے۔

''یا میرے مولا! میری آخری امید بس تو ہی ہے، یہ نیا رشتہ جو میں جوڑنے جا رہی ہوں مجھے اس رشتے کے تقاضے پوری نیک نیتی سے نبھانے کی توفیق عطا فرمانا......یا میرے مالک! میری مدد کرنا۔''

نکاح خواں اپنا سوال دہرا رہا تھا۔

چچا جان کے ہاتھ کا دباؤ اس کے کندھے پر بڑھ رہا تھا۔ ثانیہ نے آنکھیں زور سے بھینچ کر اپنی تمام ہمتیں مجتمع کیں اور ''قبول ہے'' بول دیا۔ سوال پھر دہرایا گیا، پھر دہرایا گیا، اس نے ہر بار پہلے سے زیادہ استحکام سے اپنے دل کی سو فیصد رضامندی سے آمادگی ظاہر کر دی۔

چچا جان نے اس کے سر پر بوسہ دیتے ہوئے مبارک دی۔

پھر ایک کے بعد ایک سب وِش کرتے رہے۔ نئی زندگی کی خوشحالی اور کامیابی کی دعائیں، مبارکیں، قہقہے، مٹھائیاں اس کے ساتھ بیٹھا حنان خوب چہک رہا تھا۔

کسی بات پر اس نے قہقہہ لگایا تھا، ثانیہ چونک سی گئی۔

''کیا یہ خوش ہے؟ کیا یہ آج کے بعد مجھے ویسی عزت دے گا جیسی میں چاہتی ہوں یا ہمیشہ حنان کے نزدیک میں غریب گھر کی ایسی لڑکی رہوں گی جس نے مڈل کلاس سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لیے اس سے شادی کی؟''

وہ سوچے چلی گئی۔

یہ نہیں کہ حنان کی طرف سے مکمل طور پر مایوس ہونے کے باوجود اس نے نکاح کے لیے آمادگی ظاہر کر دی تھی، بلکہ معاملہ کچھ یوں تھا کہ حنان نے شاید لاشعوری طور پر اس کے اعتراضات دور کر دیئے تھے۔ وہ اسے اپنے ساتھ شاپنگ کے لیے لے جاتا رہا تھا اور دوبارہ اس نے اپنے سابقہ رویے کو نہیں دہرایا تھا، ہاں مگر شرمندگی بھی ظاہر نہیں کی تھی۔

ثانیہ اپنے خدشات کے جواب میں چن چن کر اس کے رویے کے مثبت پہلو پیش کرتی رہی تھی۔ اپنے دل کو مطمئن کرنے کے لیے اس نے کیا کچھ نہیں کیا تھا، اور کچھ نہیں تو حنان کی اتنی سی مہربانی سے متاثر ہو کر اس نے اپنی آنکھوں میں چند خواب سجانے کی کوشش بھی کر ڈالی تھی۔

''کوشش...... بے مصرف کوشش۔''

شمسہ، نشوہ اس کے پاس آ بیٹھی تھیں۔

''میں آج بہت خوش ہوں۔'' شمسہ نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے محبت سے کہا تھا۔

''خوش کیوں نہیں ہوں گی، آپ جانتی ہیں ثانیہ! آپ کو بہو بنانا میری مما کی کتنی بڑی خواہش تھی۔'' نشوہ نے کہا۔

''ان کا تو بس نہیں چلتا تھا جلد از جلد آپ کو گھر لے آئیں۔'' اتنی لگن...... ایسی تمنا...... ثانیہ تو دنگ ہی رہ گئی۔

''مجھے ڈر تھا کہیں اتنی اچھی لڑکی ہاتھ سے نہ نکل جائے۔'' شمسہ کے سادگی و بے ساختگی سے کہنے پر ایک زبردست قہقہہ بلند ہوا تھا۔ جہانگیر لاشاری نے اسے نفیس سا بریسلیٹ گفٹ کیا تھا۔ تبھی شاہنواز آ گیا اور اپنا موبائل فون اس کی طرف بڑھا دیا۔

''اسوہ آپ سے بات کرنا چاہتی ہے۔'' ثانیہ نے ذرا کی ذرا پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا، پھر فون لے کر کان سے لگا لیا۔

''ہیلو......''

''واہ بھابھو! کیا لگ رہی ہو یار! میں حنان کی جگہ ہوتی تو اب تک ضرور رخصتی کے لیے شور مچا چکی ہوتی۔''ائیر پیس پر اسے اسوہ کی کھنکتی ہوئی آواز سنائی دی تھی۔

''تمہیں ان سب باتوں کی خبر کیسے ہوگئی۔''اس نے ہولے سے مسکراتے ہوئے بے حد دھیمی آواز میں پوچھا۔

''ابھی شاہنواز بھائی گھر آئے تھے انہی کے کیمرے میں دیکھی ہے اتنے خوبصورت پوز ہیں تمہارے کہ بس...... میں تو شاہنواز بھائی سے پوچھ رہی تھی کیا کوئی اور اتنا اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ آپ اس کی تصویر کھینچتے۔ساری تصویریں تمہاری کھینچی ہیں اور وہ بھی ایک سے بڑھ کر ایک۔''

ثانیہ نے بے ساختہ شاہنواز کی طرف دیکھا، وہ سر جھکائے دونوں ہاتھ پشت پر باندھے شوز کی ٹو سے فرش کریدر ہا تھا۔ثانیہ نے نظروں کا زاویہ بدل لیا۔اسوہ کچھ اور بھی کہہ رہی تھی، وہ دھیان سے سن نہ سکی۔

چند منٹ بعد بات مکمل کر کے موبائل اس کی طرف بڑھا دیا۔شاہنواز نے موبائل جیب میں ڈال لیا۔دوسرے ہاتھ سے ایک چھوٹا سا گفٹ پیک اس کی جانب بڑھا دیا۔

''یہ آپ کے لیے۔''

ثانیہ چند لمحے اس گفٹ پیک کو دیکھتی رہی، پھر اس نے گفٹ پیک پکڑ لیا۔

''تھینک یو سر!''

''بھئی یہ کیا بات ہوئی۔''ابھی اس کا جملہ پورا بھی نہ ہوا تھا کہ جہانگیر لاشاری نے کہا۔

''شاہنواز مجھے سر کہتا ہے۔تم اسے سر کہتی ہو، تکلف کا یہ تعلق کب تک چلے گا۔رشتہ بدل گیا ہے، القاب بھی بدل جانے چاہئیں۔۔''

''رشتہ؟ کون سا رشتہ؟ جس کے بدلنے کی آپ بات کر رہے ہیں۔''

شاہنواز نے سوچا اور چپکے سے باہر نکل گیا۔

''میں اپنا دل کتنا بھی مضبوط کر لوں......خود کو کتنا بھی سمجھا لوں......مگر یہ طے ہے کہ تمہیں کھو دینا میری زندگی کا ناقابل تلافی نقصان ہے۔

لاشاری فیملی نے جب میں سولہ سال کا تھا، تب مجھے سہارا دے کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا تھا، ایسا احسان جس کا بدلہ میں کبھی نہیں چکا سکتا، مگر آج ایسا لگ رہا ہے تمہیں چھین کر انہوں نے اس احسان کا بدلہ وصول کر لیا ہے......ایسا لگ رہا ہے تاوان چکا کر آ رہا

ہوں، مگر ہاتھ پھر بھی خالی ہیں۔ اب تو مجھے ان احسانات کی قید سے رہائی مل جانی چاہیے۔‘‘

اس رات سڑکوں پر بے سبب گاڑی دوڑاتے وہ اپنی روح کے ماتم سے برسرِ پیکار رہا۔

☆......☆......☆

حنا خالہ اس کے لیے چائے لائی تھیں۔

’’چائے پی کر کچھ دیر لیٹ جاؤ۔ تھکن دور ہو جائے گی۔‘‘

’’تھکن کیسی خالہ!‘‘ اس نے کپ پکڑتے ہوئے خفیف سا ہنس کر کہا۔

’’اور میں کون سا صبح سے کنویں کھود رہی ہوں کہ تھکن ہوئی ہو، صبح سے ہاتھ باندھے بے کار ہی تو بیٹھی ہوں۔‘‘

’’ارے بس رہنے دو۔ بے کار بیٹھنے کی تھکن تو دگنی ہوتی ہے۔‘‘ حنا خالہ نے یہاں وہاں بکھرا سامان سمیٹتے ہوئے کہا، پھر اس کے قریب آ کر بولیں۔

’’ماشاء اللہ...... آج بہت پیاری لگ رہی ہو۔ مجھے ڈر ہے کہیں میری نظر نہ لگ جائے۔‘‘ انہوں نے پیار سے اس کے گال کو چھوتے ہوئے کہا۔

وہ نظریں جھکا کر مسکرا دی مگر آنکھوں میں نمی تھی خالہ نے بازوؤں میں بھر لیا۔

’’میں تمہاری کیفیت سمجھ سکتی ہوں، ایک طرف لڑکی خوش ہوتی ہے تو دوسری طرف ماں، باپ، بہن، بھائیوں سے بچھڑنے کا دکھ بھی ہوتا ہے۔ مگر یہ وقت تو سب کی زندگیوں میں آنا ہی ہوتا ہے اور پھر تم کون سا سات سمندر پار بیاہی جا رہی ہو۔ اسی شہر میں رہو گی جب دل کرے ماں بہنوں سے مل لیا کرنا۔ مجھے تو تمہاری ساس بھی بڑی بھلی عورت معلوم ہوتی ہے۔ کھلے ذہن کی ہے۔ بلا وجہ روک ٹوک نہیں کرے گی۔ مجھے تو خیر حنان بھی بہت پسند آیا ہے۔ ہاں تھوڑا لاابالی لگتا ہے مگر شادی کے بعد تو بڑے بڑے ذمہ دار ہو جاتے ہیں تم بھی جاتے ہی اسے اپنے رنگ میں رنگ لینا۔‘‘ انہوں نے متبسم لہجے میں رازداری سے کہا پھر ہنس دیں اور اس کا ہاتھ تھام کر بولیں۔

’’خوش رہو ثانیہ! تمہارے چہرے پر اتنی اداسی کیوں ہے؟‘‘

وہ دھک سے رہ گئی اور بے ساختہ اپنا ہاتھ چہرے پر پھیرا۔

’’یا اللہ...... یہ چہرہ بھی نرا عذاب ہی ہوا۔‘‘

’’ایسی بات نہیں ہے خالہ!‘‘ وہ بدقت مسکرائی۔

’’شاید میں سچ مچ تھک گئی ہوں۔ تھوڑی دیر لیٹوں گی تو فریش ہو جاؤں گی۔‘‘

’’ہاں تم آرام کرو۔‘‘

خالہ۔'' کچھ سوچ کر اس نے انہیں پکارا۔

''ہوں۔'' وہ دروازے کے قریب پلٹ کر اسے دیکھنے لگیں۔۔

''امی کہاں ہیں؟''

''کوئی مہمان خاتون آئی ہوئی ہیں انہی کے پاس بیٹھی ہیں۔ کیا نام بتایا تھا...... ہاں سعدیہ شاہین۔''

''سعدیہ شاہین۔'' اس نے حیرانی سے دوہرایا پھر اس کے ذہن میں کوندا سا لپکا تھا۔

''خالہ......''

''ہوں......'' وہ پھر رک کر بولیں۔

''امی فارغ ہو جائیں تو پلیز ان سے کہیے گا یہاں ہی آ جائیں اور خالہ! ان کی چائے بھی یہیں بھجوا دیجئے گا۔''

خالہ سر ہلا کر چلی گئیں۔

وہ تکیہ گود میں رکھ کر سوچنے لگی۔ اب یہ سعدیہ آنٹی کیا کرنے آئی ہیں۔

تبھی شفق چلی آئی افتاں خیزاں۔

''توبہ......شادی کے گھر میں تو ایسا لگتا ہے جیسے سال بھر کا میلہ شروع ہو۔۔۔ چیز کہیں رکھو ملتی کہیں سے ہے۔ کسی کو چائے چاہیے، کسی کو قہوہ۔ میرا تو دماغ گھوم چکا ہے۔ دیکھو ذرا مت ہی ماری گئی ہے۔ جو کام کرنے آئی تھی وہ کیے بنا ہی جا رہی ہوں۔ یہ سیل فون پکڑو۔ ابھی عادل کی کال آئے گی اٹینڈ کر لینا تم سے بات کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ میں نے کہا بھی کہ کل تو آپ آ ہی رہے ہیں۔۔۔ فیس ٹو فیس بات کر لیجئے گا مگر نہ جی۔ انہیں اپنی بڑی سالی کو ابھی مبارک دینا ہے۔''

''اف شفق! کتنا بولتی ہو تم۔'' ثانیہ نے سر تھام لیا۔ ''اب کہاں بھاگی جا رہی ہو۔ یہ تو بتاتی جاؤ۔''

شفق اس کی بات سنے بنا ہی باہر نکل گئی۔ ثانیہ نے گہری سانس بھر کر کپ لبوں سے لگا لیا۔

کیسی رہی تھی اس کی زندگی؟

ہمیشہ احتیاط کے غلاف میں لپٹی۔

کبھی کھل کر سانس نہ لیا۔ کبھی جی بھر کر ہنس نہ سکی۔

باپ کی لاپروائیوں اور بے حسی نے وقت سے پہلے باشعور بنا دیا۔

اپنی عمر سے بڑھ کر سوچنے لگی۔

ہوا کے آہٹ سے مشکلات کا پتا لگانے لگی۔

زندگی پہلے کیا کم مشکل تھی مگر اب مشکل تر معلوم ہونے لگی تھی۔ کیوں؟ اس سوال کا جواب تلاشنا بڑا دقت آمیز تھا۔ جیسی بھی مشقت کی، جتنی بھی جدوجہد کی مگر سچ تو یہ تھا کہ ایسی تھکن پہلے کبھی محسوس نہ ہوئی تھی۔

اب تو لگتا تھا رگیں کٹ رہی ہیں۔

سیل فون کی بیل بج رہی تھی اس نے ہڑبڑا کر فون اٹھایا اور کان سے لگالیا۔

''ہیلو......السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام......جیتی رہو شفق بتا رہی تھی بہت خوش ہو۔''

عادل کی چہکتی ہوئی آواز اس کی سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔

''لگتا ہے اپنا وقت بھول چکے ہو۔ ورنہ مجھ سے نہ پوچھتے۔'' اس نے زبردستی لہجے میں تبسم بھر کر پوچھا۔

''اچھا میں بھی اپنی دفعہ خوش لگ رہا تھا؟......اصل میں مجھے تو صرف اتنا ہی یاد ہے کہ میں سر جھکا کر خاموش بیٹھا تھا اور سوچ رہا تھا یہ قید میں نے خود پسند کی ہے اب ساری زندگی بھگتنا پڑے گا۔'' وہ رتی برابر بھی سنجیدہ نہ تھا۔

''شفق کو آنے دو بتاتی ہوں تمہارے خیالات۔'' اس نے دھمکایا۔

''ارے یہ غضب مت کرنا ورنہ کل ایئر پورٹ پر ہی مجھے گنجا کردے گی۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''بہرحال بہت بہت مبارک ہو۔ اتنی جلدی تھی تمہیں نکاح پڑھوانے کی ایک دن بھائی کا انتظار نہیں کرسکیں۔'' وہ چڑانے لگا۔

''نہیں نہیں عادل! تمہاری موجودگی سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہوسکتی تھی وہ تو شمسہ آنٹی نے دو روز پہلے ہی نکاح کے لیے اصرار شروع کردیا تو ہمیں ماننا پڑا۔ ابو نے آنا پسند نہیں کیا۔ تیمور بھی نہیں ہے۔ تم تو ہوتے۔'' وہ اداسی سے بولی۔

''تایا جان نہیں آئے؟'' عادل نے سرعت سے پوچھا۔

''نہیں......انہوں نے کہا ان کی بیٹیاں ان کے لیے مرچکی ہیں۔'' عادل کچھ دیر بول ہی نہ سکا۔

''ٹھیک ہے جیسے ان کی مرضی۔ وہ نہیں آنا چاہتے تو نہ سہی۔ تمہارا ایک بھائی اس دنیا میں نہیں ہے تو کیا ہوا میں تو ابھی زندہ ہوں نا۔'' ثانیہ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ ''اتنا مان دینے کا شکریہ عادل۔''

''زیادہ فارملیٹیز میں مت پڑو۔'' وہ ڈپٹ کر بولا۔ ''میری فلائیٹ میں ابھی کچھ گھنٹے باقی ہیں۔ شاپنگ کے لیے جاسکتا ہوں جہیز میں رکھنے کے لیے کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتادو۔''

''نہیں عادل! کسی چیز کی ضرورت نہیں بس تم پہنچ جاؤ۔''

''ٹون......ٹون......'' لائن کٹ گئی تھی۔

ثانیہ نے سیل فون کان سے ہٹا کر بٹن دبایا اور پلنگ پر رکھ دیا۔ چند منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ رنگ پھر پاس ہونے لگی۔

''ہیلو'' ثانیہ نے لمحہ بھی ضائع کیے بنا سیل فون کان سے لگالیا۔

''ہیلو......شفق بھابھی۔'' وہ کوئی بھی تھا عجلت میں بولتے بولتے ٹھٹک کر خاموش ہو گیا۔

ثانیہ اپنی جگہ خاموش رہی۔ یہ آواز کس کی تھی یہ جاننے کے لیے اسے کسی گواہی کی ضرورت نہیں تھی۔ دل پہلے ہی بوجھل تھا۔

اس کا دل چاہا فون بند کر دے۔

دونوں کے درمیان خاموشی حائل رہی پھر شاہنواز نے کہا۔

''شفق بھابھی سے بات ہو سکتی ہے۔''

''وہ اس وقت موجود نہیں ہے آپ کچھ دیر بعد کال کر لیں۔'' اس نے آہستگی سے جواب دیا اور خاموشی بڑھنے لگی تو فون بند کر دیا۔

بوجھل دل۔ اداس روح۔

اس نے لیٹ کر تکیہ چہرے پر رکھ لیا۔ خالی ذہن پر باہر سے آتی مدھم آوازیں بھی بڑی گراں گزر رہی تھیں۔

چند منٹ گزرے۔ بیل پھر بجنے لگی۔

ثانیہ کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا اس نے اپنے کانوں پر ہاتھ اتنی مضبوطی سے رکھے کہ ہاتھوں کی رگیں ابھر آئیں اور کان دہکنے لگے۔ اس نے اس نے ہاتھ ہٹائے۔ بپ ایک تواتر سے بجنے کے بعد بند ہو چکی تھی اور کمرے میں خاموشی کا راج تھا۔

اس نے بے قراری سے موبائل فون اٹھا کر نمبر چیک کرنا چاہا۔

اسی وقت پھر سے بیل بجنے لگی۔

ثانیہ بری طرح متذبذب تھی۔

بیل مسلسل بج رہی تھی۔

بالآخر اس نے حتمی فیصلہ کیا اور پلنگ سے اترتے ہوئے کال ریسیو کر لی۔

''آپ پلیز ہولڈ پر رہے میں شفق سے......''

''ثانیہ! مجھے آپ سے بات کرنا ہے۔'' شاہنواز نے سرعت سے کہا۔ ثانیہ اٹھتے اٹھتے بیٹھی رہ گئی اور کسی قدر حیرانی کے باوجود ہمہ تن گوش ہو گئی۔

''میں جانتا ہوں آپ مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتیں لیکن کچھ باتیں ایسی ہیں جنہیں میں سمجھتا ہوں آپ کو ضرور پتا ہونا چاہئیں۔ آپ......آپ سن رہی ہیں نا؟''

''جی!'' متجسس ہوتے ہوئے اس نے بھرپور آمادگی سے کہا۔

''کیا میں سمجھوں آپ میری پوری بات سنے بغیر فون بند نہیں کریں گی؟'' اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

اب وہ ذرا ٹھٹکی ''جی......''

''میں آپ سے معذرت کرنا چاہتا ہوں۔''

''کس لیے۔'' وہ بے ساختگی سے پوچھ گئی۔ دونوں دیر تک خاموش رہے۔

''اپنے روڈ بی ہیویر کے لئے۔'' اس نے کہنا شروع کیا۔

''میں جانتا ہوں آپ کو مجھ سے بہت شکایتیں ہیں مگر ایک حقیقت یہ بھی ہے ثانیہ! کہ میں نے ہمیشہ آپ کی بھلائی چاہی ہے۔ ہر بار آپ کے لیے وہ راستہ تلاش کرنے کی کوشش کی جو سب سے سہل ہو۔ جن کا تعلق دل سے ہو ان کے لیے کبھی کوئی مشکل تلاش کرنا بھی نہیں ہے۔''

ثانیہ کا دل جیسے کسی نے خنجر کی نوک سے گھسیٹا تھا۔

''میں نے بھی کوئی انوکھا کام نہیں کیا لیکن اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آپ کے معاملے میں کبھی میری کوشش کامیاب نہیں ہوئی۔ آپ نے میری کوئی کوشش کامیاب نہیں ہونے دی۔ اتنا قابلِ بھروسہ نہیں تھا میں ثانیہ! کہ آپ تھوڑا سا انتظار بھی نہ کر سکیں۔''

شکوہ بھی بالآخر زبان سے پھسل ہی گیا۔ بندہ بشر تھا لاکھ خود پر کنٹرول سہی مگر سینے میں دل بھی تھا جو رکھتا تھا تو لبوں سے آہ بھی نکلتی تھی۔

''آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں...... میں کچھ سمجھی نہیں۔'' اپنے لبوں پر مچلتی سسکی کو بمشکل روکتے ہوئے اس نے ضبط کی انتہا کر دی تھی۔

''یہی تو مسئلہ ہے بی بی! آپ کبھی سمجھ ہی نہیں سکیں۔'' وہ ہنس دیا پھر گہری سانس بھر کر بولا۔

''بہرحال مبارک باد قبول کیجیے۔ اصل میں تو اسی مقصد کے لیے فون کیا تھا۔ ممکن ہے دوبارہ آپ سے ملاقات نہ ہو سکے لیکن سوچا آپ کو انفارم کر دوں، میری نیک تمنائیں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہیں گی۔ اللہ نہ کرے کہ آپ کو زندگی میں کبھی مایوسی کا سامنا کرنے پڑے میں نے مایوسی کا ذائقہ چکھا ہے بہت ناگوار ہوتا ہے۔ میری دعاؤں میں آپ کا حصہ ہمیشہ وافر رہے گا۔ اللہ حافظ۔'' فون بند ہو چکا تھا۔

ثانیہ دم بخود...... ٹھٹھری ہوئی آنکھوں سے سامنے دیکھتی رہی پھر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر موبائل زمین پر جا گرا اور بکھر گیا۔

''اب...... کیوں؟'' اس کے لبوں سے سرگوشی نکلی اور اس نے زور سے آنکھیں بھینچ لیں پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''اب...... کیا شاہنواز ملک...... اب کیوں؟ اب مجھے تمہارے اظہار، تمہاری نیک تمناؤں کی ضرورت نہیں رہی تو تم آ گئے میری راہ کھوٹی کرنے۔

نہیں چاہئیں مجھے تمہاری نیک تمنائیں...... مجھے بددعائیں دو...... خدارا مجھ پر رحم کرو...... تمہاری نفرت میری راہ آسان کرتی

ہے۔محبت کے احساس کے ساتھ کیسے جیوں گی میں......زندگی پہلے کیا کم مشکل تھی تم اور مشکل بنانے چلے ہو۔“

وہ گھٹ گھٹ کر دیر تک روتی رہی اور روتے روتے سو گئی۔

☆......☆......☆

”مومنہ!“

”جی امی......“

”بیٹا! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟“

مومنہ نے چونک کر ڈائجسٹ سے سر اٹھایا اور گردن موڑ کر الجھن بھری نظروں سے اسما کی طرف دیکھا۔

”میری طبیعت بالکل ٹھیک ہے امی......لیکن، لیکن آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟“

”کیونکہ مجھے پچھلے چار دن سے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی ہر وقت خیالوں میں گم رہتی ہو کوئی بات بھی نہیں کرتیں۔ جب سے میں رینالے سے آئی ہوں یہی دیکھ رہی ہوں۔ کیا بات ہے میری جان! کوئی پریشانی ہے کیا؟“

وہ اتنی فکر مندی سے پوچھ رہی تھیں کہ مومنہ شرمندہ سی ہو گئی، اپنے انداز سے کسی کو بھی احساس نہ ہونے دینے کا پکا تہیہ کرنے کے باوجود وہ اپنی کوشش میں ناکام رہی تھی ابا نے تو خیر اس روز کے بعد اسے مخاطب کرنے کی ہمت نہ کی تھی۔ ہاں شرمندہ شرمندہ سے ضرور پھرتے۔ امی سے کچھ کہنے کا مطلب ابا کی اتنی بڑی بددیانتی کے راز سے ان کی آگاہی ہوتا۔ سو اس نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔

مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ خاموش رہ کر خود اپنے آپ سے الجھتی وہ امی کو فکر میں مبتلا کر رہی ہے اس وقت بھی اس نے کوئی بہانہ بنا کر انہیں ٹال دیا لیکن ساتھ ہی ساتھ ایک نتیجے پر بھی پہنچ گئی۔

”اس طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہنے سے کچھ نہیں ہوگا میرے اندر جو خدشات ابھرنے لگے ہیں ان کا تدارک صرف اس طرح ممکن ہے کہ حقیقت کا پتا لگایا جائے اور گل بانو باجی کی حقیقت کا سراغ مجھے صرف ایک انسان سے مل سکتا ہے اور وہ ہے ثمن۔“ یہ خیال آتے ہی اس نے وہ ڈائجسٹ ایک طرف اچھال کر تیر کی تیزی سے باہر کی جانب لپکی پھر ٹھٹک کر رک گئی۔ ناصر صحن میں کھڑا امی سے بات کر رہا تھا۔

”امی میں ثمن کی طرف جا رہی ہوں۔“

اس نے ناصر کو نظر انداز کرتے ہوئے امی کو اطلاع دی۔

”ایں......یہ بیٹھے بٹھائے ثمن کے گھر جانے کا کیا خیال آ گیا۔ ابھی تو کہہ رہی تھی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ انہوں نے تعجب سے پوچھا۔

”اب طبیعت ٹھیک ہے امی! بوریت بہت ہو رہی ہے ویسے بھی جب سے ثمن کی شادی کی تاریخ طے ہوئی ہے میں اس سے ملنے نہیں جا سکی۔ پوچھتی ہوں کوئی کام ہو تو بتا دے۔ تھوڑی دیر میں واپس آ جاؤں گی امی۔“ اسماء کو متذبذب دیکھ کر اس نے کہا۔

”وہ تو ٹھیک ہے مگر تمہیں اکیلے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پہلے ہی چکر آ رہے ہیں ایسا نہ ہو کہیں راستے میں گری پڑی ہو۔ تھوڑا سا انتظار کرلو شفی آجائے تو اس کے ساتھ چلی جانا۔“

”امی......“ وہ بسوری۔

”ناصر! تم بھی اسی راستے سے جاؤ گے نا۔ بیٹے! ذرا بہن کو ثمن کے گھر چھوڑتے ہوئے چلے جانا۔“

”بہن۔“ اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ ”جی بہتر۔“

اس نے سعادت مندی سے کہا۔

”امی میں چلی جاؤں گی۔“

”چلنا ہے تو چلیں...... مجھے اور بھی کام ہیں۔“ وہ سلگ کر بولا۔

”مرضی ہے پھر تمہاری، جانا ہے تو بھائی کے ساتھ چلی جاؤ ورنہ شفی کا انتظار کرلو۔“ اسما نے ڈپٹ کر کہا وہ بے زار ہو کر ”بھائی جان“ کے عقب میں چل دی۔

”سنا ہے دشمنوں کی طبیعت ناساز ہے۔“ باہر نکلتے ہی اس کی زبان پر خارش ہونے لگی تھی۔

مومنہ خاموشی سے دانت پر دانت جمائے ناک کی سیدھ میں چلتی رہی۔

”میں نے کہا سنتی ہو۔“ وہ پھر بولا مومنہ خاموشی سے خود پر ضبط کرتی رہی۔

”باخدا! پہلی بار مجھے احساس ہو رہا ہے کہ گونگی بیوی کیسی بڑی نعمت ہے۔ سنو مومنہ! تمہاری ہماری بڑی اچھی گزرے گی۔“

”تم اپنی بک بک بند نہیں کر سکتے؟“ بالآخر وہ پھٹ پڑی۔

”تم میری بات کا جواب نہیں دے سکتیں؟“ وہ دوبدو بولا۔

”میں جب بھی کوئی اچھا کام کرنے نکلتی ہوں تم کالی بلی کی طرح بلکہ کالے بلے کی طرح میرا رستہ کیوں کاٹ جاتے ہو۔“ اس نے سلگ کر کہا۔

”اتنا فیئر کالا بلا دیکھا ہے کبھی؟“ ناصر نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹا کر اسے دیکھا، جواباً مومنہ کی جان جل کر خاک ہو گئی۔

”تم ہی سنجیدگی سے کسی بات کا جواب دینے کے قابل ہوتے تو مجھے یہاں وہاں بھٹکنا ہی کیوں پڑتا۔“

”صدقے جاؤں...... آپ کو کس بات کا جواب چاہیے سنجیدگی سے...... تمہارے معاملے میں تو میں اتنا سنجیدہ ہوں کہ تم اندازہ بھی نہیں کر سکتیں۔“

مومنہ سٹپٹا سی گئی چپکے سے کن انکھیوں سے اس کی جانب دیکھا وہ سدا کا لاابالی انسان...... لاپروائی سے ادھر ادھر دیکھتا ناک کی

سیدھ میں چلا جا رہا تھا۔

''کیا ہوا اب گونگے کا گڑ کھا لیا؟'' چند منٹ بعد اس کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے ناصر نے اس کی طرف دیکھا وہ رستے میں آئے کنکر اڑا رہی تھی۔

''کچھ بولتی کیوں نہیں ہو؟''

''بولنے کا کیا فائدہ؟'' اس نے سادگی سے کہا۔

''تمہارے سامنے بولنے کا تو قطعاً ''فائدہ'' نہیں تم میری فیلنگز سمجھ ہی نہیں سکتے۔''

''چلو جی......اب یہ الزام بھی لگا دو مجھ غریب کے سر۔'' وہ تڑپ کر بولا۔ ''حالانکہ تم نے آج تک مجھے اپنی فیلنگز سمجھانے کی کوشش ہی نہیں کی مجھے تو یقین ہے پتھر سے سر پھوڑ رہا ہوں۔''

مومنہ کا منہ اور آنکھیں دونوں ہی کھلے رہ گئے۔

''اب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کیا دیکھ رہی ہو۔ ویسے تو بڑی عقلمند بنی پھرتی ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ عقل نام کی چیز تمہارے اندر سرے سے ہے ہی نہیں کوئی بات بنا کہے بھی سمجھ لینا چاہیے میں بھی آخر کو انتہائی شریف اور نجیب الطرفین گھرانے کا بے حد خوش شکل، ذہین، ہونہار اور لائق فرزند ہوں۔ منہ پھاڑ کر اظہار عشق کرتا کیا اچھا لگوں گا......اور پھر تم نے یہ سوچا بھی کیسے کہ میں تم سے یہ کہوں گا کہ میں تم سے بے حد محبت کرتا ہوں آج سے نہیں اس وقت سے جب تم پہلی بار اس گاؤں میں آئی تھیں......اور یہ کہ مجھے لگتا ہے میری زندگی تمہارے بغیر اتنی پھیکی اور بدمزا ہو گی جتنے پھیکے اور بدمزا بغیر چنوں کے گول گپے ہوتے ہیں......نہیں مومنہ فاروق میں یہ ساری باتیں مر کر بھی تمہیں نہیں کہوں گا۔''

مومنہ کی ہنسی چھوٹ گئی جسے چھپانے کے لیے اس نے گردن موڑ کر چہرہ چھپا لیا۔

''میں نہیں کہتا میرے بزرگ کہتے ہیں کہ جب کوئی لڑکی آپ کی بات سن کر ہنس دے تو سمجھ لینا چاہیے وہ آپ کی زندگی میں ''چنے'' میرا مطلب ہے روشنی لانے کے لیے تیار ہے اور میں چونکہ بزرگوں کی باتیں بہت مانتا ہوں اس لیے آج ہی اپنی بے بے کو تمہارے گھر بھیج رہا ہوں۔ چپ چاپ منگنی کی انگوٹھی پہن لینا۔''

''اچھی زبردستی ہے اور اگر میں انکار کر دوں تو۔''

''یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔'' وہ مان سے اکڑ کر بولا۔

''اچھا ٹھیک ہے......مگر میری ایک شرط ہے۔'' مومنہ پرسوچ انداز میں بولی۔ ''تمہیں مجھے گل بانو باجی اور اپنے شاہنواز بھائی کی حقیقت بتانا ہو گی۔''

’’کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ میں خود تم سے اسی بارے میں بات کرنا چاہتا تھا دراصل میں شاہنواز بھائی کا اتنا مداح ہوں کہ کوئی ان سے بدگمان ہو مجھ سے برداشت نہیں ہوتا اس لیے میں نے پہلے ہی سوچ لیا تھا تمہاری بدگمانی ضرور دور کروں گا۔‘‘

’’اب صرف ڈائیلاگز ہی بولو گے یا کچھ بتاؤ گے بھی۔‘‘

’’میں ثمن سے اس بارے میں پہلے ہی بات کر چکا ہوں وہی تمہیں ساری بات بتائے گی مگر ممکن ہے وہ آج تمہیں کچھ نہ بتا سکے کیونکہ اس کے ابا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔‘‘

’’تایا جی کو کیا ہوا؟‘‘

’’نہیں سانس لینے میں تکلیف محسوس ہوتی ہے کل رات سے تکلیف کچھ زیادہ ہے۔ میں بھی ان کی عیادت کے لیے ہی جا رہا ہوں۔‘‘

’’اچھا پھر تم ہی کچھ بتا دو۔‘‘

’’اوفو......لڑکیاں کس قدر بے صبری ہوتی ہیں بھئی بات لمبی ہے راستے میں تو نہیں بتا سکتا اور کہیں آرام سے تو تم میرے ساتھ بیٹھو گی نہیں...... یا ایسا کرتے ہیں یہ قصہ ہماری شادی کے بعد تک کے لیے اٹھا رکھتے ہیں...... اطمینان سے بے فکر ہو کر سننا...... پھر ظالم سماج ہمارے اکٹھا بیٹھنے پر قدغن بھی نہیں لگا سکے گا۔‘‘

’’تم بڑے فضول انسان ہو۔ ابھی تک تو میں نے تم سے شادی کی حامی بھی نہیں بھری اور تم نے اتنی دور تک کی باتیں سوچنا شروع کر دیں۔‘‘

’’ارے میں بڑا دور اندیش انسان ہوں۔‘‘

’’اچھا واقعی؟‘‘

’’اس میں اتنا حیران ہو کر آنکھیں پٹپٹانے کی کیا ضرورت ہے۔ دراصل تمہیں ابھی میری صلاحیتوں کا اندازہ ہی نہیں ہے میں تو اتنا معاملہ فہم ہوں اور دور اندیشی کا یہ عالم ہے کہ اپنے بچوں کے نام بھی سوچ چکا ہوں۔‘‘

’’ماشاء اللہ......کیا کہنے آپ کی دور اندیشی کے۔‘‘ وہ شرم اور جھنجلاہٹ سے سرخ ہوتی بولی۔

’’جی بہت شکریہ......دراصل میں ہوں ہی اتنا باکمال کہ کوئی بھی متاثر ہو جاتا ہے۔‘‘ ادائے بے نیازی سے کہتے اس نے فرضی کالر جھاڑے تھے۔

☆......☆......☆

اگلی صبح وہ اپنے معمول کے مطابق اس وقت بے دار ہوئی جب اذانیں ہوئے آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا۔

آسمان کے سینے سے لپٹی نوخیز صبح کے چہرے پر نوزائیدہ بچے کی سی پاکیزگی دکھائی دیتی تھی۔

وضو کرتے ہوئے آئینے پر نظر پڑ گئی۔ ہاتھ ٹھٹک سے گئے۔ آنکھوں میں آنسوؤں کی سرخی اور چہرے پر ورم سا محسوس ہوتا تھا۔ ذہن میں جھما کا سا ہوا۔ بہت کچھ یاد آیا تھا۔

اس نے جھٹ پٹ وضو کیا بڑی لگن سے نماز ادا کر کے دعا مانگنے کے لیے ہاتھ اٹھائے تو پھر الجھ سی گئی۔ کیا مانگے آخر......اپنی خوشیاں یا مقصد کی کامیابی۔

بہنوں کا اچھا مستقبل یا ماں کی صحت۔

دل کا سکون واطمینان یا دماغ کی تسلی؟

الجھن بڑھنے لگی تو یونہی چہرے پر ہاتھ پھیر کر اٹھ گئی۔

کچن کی لائٹ جل رہی تھی اور شفق جمائیاں روکتی جلدی بے دار ہونے والوں کے لیے چائے ناشتے کے بندوبست میں لگی تھی۔

''میں کچھ مدد کروں؟''

شفق نے ایک اور جمائی لیتے ہوئے گردن موڑ کر اسے دیکھا پھر بولی۔

''اب ایک دن کی مہمان سے کیا کام کرواؤں......ساری بزرگ خواتین جاگ رہی ہیں تمہیں کام کرتا دیکھ لیا تو میری شامت آ جائے گی۔''اس کی آواز بھی نیند سے بوجھل تھی۔

''امی کہاں ہیں؟'' ثانیہ نے گلاس اسٹینڈ سے گلاس نکال کر سنک کے نل سے پانی بھرتے ہوئے پوچھا۔

''لاؤنج میں ہی تھیں......کہہ رہی تھیں اطمینان سے تلاوت کرنا چاہتی ہوں تم سو جاؤ تھوڑی دیر......پھر سارا دن آرام کرنے کی فرصت نہیں ملے گی۔''

ثانیہ نے خالی الذہنی سے اس کی بات سنی اور گلاس رکھ کر دروازے کی سمت بڑھ گئی پھر دروازے کے قریب رکی اور بولی۔

''سنو......ایک چائے کا کپ مجھے بھی دے دینا۔''

''ہائیں......میں کیا سمجھ رہی ہوں......سنائی نہیں دیتا۔''شفق کہتی رہ گئی ثانیہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی پہلے برآمدے میں آئی پھر وہیں سے لاؤنج میں جھانکا۔

امی کشن پر رحل رکھے قرآن پاک پڑھ رہی تھیں۔

وہ اندر چلی آئی اور قریب جا کر آہستگی سے سلام کیا۔ امی نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا ساتھ ہی سر کے اشارے سے سلام کا جواب دیا۔

آیت مکمل کر کے نشانی لگا کر قرآن بند کر دیا پھر اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر پیشانی پر پھونک مار کر بوسہ دیا۔

’’کچھ دیر اور سو لیتیں بیٹا۔‘‘

’’نیند نہیں آ رہی امی۔‘‘ وہ ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔ امی نے تسبیح اٹھا لی ساتھ ساتھ وہ اس کے بالوں میں بھی انگلیاں چلا رہی تھیں۔

’’کیا سوچ رہی ہو ثانی!‘‘ بڑی دیر بعد انہوں نے پوچھا۔

’’پتا نہیں امی!‘‘ چند منٹ بعد وہ قدرے نا سمجھی سے بولی۔

وہ جیسے اپنی سوچ بھی پڑھنے سے قاصر تھی۔

’’تیمور بہت یاد آ رہا ہے...... وہ ہوتا تو اچھا ہوتا نا؟‘‘ اس کی آواز مدھم اور لہجہ بوجھل تھا۔

’’اس کا ہمارے ساتھ موجود نہ ہونا ہی مشیت ایزدی ہے بیٹی!‘‘ وہ دکھی لہجے میں بولیں۔

’’ابو بھی نہیں آئے امی!‘‘ اس نے گردن موڑ کر ان کے چہرے کی طرف دیکھا۔

’’سب لوگوں کو اپنی اولاد سے محبت ہوتی ہے۔ سارے باپ اپنے بچوں کو پیار کرتے ہیں...... کیا ہم کبھی ابو کو اچھے نہیں لگے؟ زندگی میں کبھی کوئی ایسا پل نہیں آیا جب انہیں ہم پر پیار آیا ہو؟ انہوں نے تو کبھی میری طرف پیار سے نہیں دیکھا...... کیا میں ابو کو کبھی اچھی نہیں لگی امی!

میں اتنی بدصورت تو نہیں ہوں امی...... پھر بھی ابو نے کبھی میرے سر پر شفقت سے ہاتھ نہیں پھیرا...... ماں باپ کو تو اپنے بدصورت بچوں سے بھی محبت ہوتی ہے پھر بھی۔

اچھا امی!...... میں تو کم شکل تھی لیکن باقی بیٹیاں تو خوب صورت تھیں اور تیمور تو کتنا پیارا تھا...... مجھے یاد ہے اس کے چھوٹے چھوٹے ہاتھ پیر کتنے خوبصورت، نرم ملائم ہوتے تھے مگر ابو اس کی بھی ہمیشہ پٹائی کرتے تھے کیا انہیں اس کے ننھے منے کان مروڑتے ہوئے ترس نہیں آیا...... اور اس کے ہاتھوں پر جب بید مارتے تھے۔ میں نے بہت سوچا ہے امی!...... بہت یاد کرنے کی کوشش کی مگر مجھے ایک بھی یاد ایسی نہیں آئی کہ ابو نے مجھے سینے سے لگایا ہو؟ میری پریشانی کے متعلق پوچھا ہو؟

مجھے چوٹ لگی ہو اور ابو نے مجھے سہلایا ہو...... اچھا امی! میں بہت چھوٹی تھی...... ایک ڈیڑھ سال کی...... تب تو ابو نے ضرور گود میں اٹھایا ہوگا...... میرے گال کو چوما ہوگا...... مجھے سینے سے لگایا ہوگا...... ہے نا امی! اتنی عمر کے تو پرائے بچے پر بھی پیار آ جاتا ہے...... میں تو ان کی بیٹی ہوں۔‘‘ وہ ان کی گود میں سر رکھے بے حد مشتاق انداز میں سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

حلیمہ سے فوراً کوئی جواب نہ بن پڑا۔ آنسو ایک تواتر سے بہہ رہے تھے اور وہ تعجب و دکھ سے ثانیہ کو دیکھ رہی تھیں۔

’’ایسی باتیں مت کرو میری جان...... میں نے تو آج تک یہی کوشش کی کہ تم لوگوں کو باپ کی کمی محسوس نہ ہونے دوں کیا میں

اپنی کوششوں میں ناکام رہی ہوں ثانی!''

''نہیں امی......'' اس نے تڑپ کران کا ہاتھ تھام لیا۔

''آپ کی محبت، اس کی جدوجہد تو ہمارا امان ہے لیکن۔'' وہ خاموش ہوگئی پھراس نے کروٹ بدل لی۔

''آپ پریشان نہ ہوں امی! بس ویسے ہی میرا دل بھرا رہا ہے۔ وہ، وہ کچھ یاد آ رہا ہے جو کبھی سوچا بھی نہیں۔'' وہ ہنس دی۔

''آپ فکرمند نہ ہوں میں اب نہیں یاد کروں گی یہ سب کچھ۔''

''میرا دل گھبرا رہا ہے ثانی! تم خوش تو ہونا۔''

''بہت خوش ہوں امی! کل کو جب آؤں گی تو خود ہی دیکھ لیجئے گا۔ بس مجھے دعائیں چاہئیں۔''

''میری بچی! میری تو ساری دعائیں تمہارے ہی لیے ہیں۔'' انہوں نے جھک کراس کی پیشانی کو چوما۔

''اب کچھ دیر سو جاؤ......طبیعت بہل جائے گی۔''

''نہیں سو جاؤں امی!...... پتا نہیں پھر کبھی اتنی فرصت سے آپ کی گود میں سر رکھنے کا موقع ہی نہ ملے۔''

''سو جاؤ میری گڑیا......سو جاؤ۔''

اوراس نے سعادت مندی سے آنکھیں بند کر لیں۔

''نہیں امی...... میں جھوٹ بول رہی ہوں۔ آپ کی محبت میں کمی نہیں تھی مگر ابو کی جگہ ہمیشہ خالی رہی۔ آپ کیا جانیں جب میری کلاس فیلوز اپنے اپنے ابو کا ہاتھ پکڑ کر گولیاں ٹافیاں لینے جاتی تھیں تو اپنے گھر کے دروازے کے سامنے بیٹھ کر میرے دل میں کیسے حسرت اٹھتی تھی۔ میرا کتنا دل چاہتا تھا وہ مجھے پیار کریں...... گود میں بٹھائیں اپنے ساتھ کھانا کھلائیں۔

اور آپ کو کیا پتا امی! میرا اب بھی کتنا دل چاہتا ہے کہ ابو ایک بار آ کر مجھے سینے سے لگالیں......اور میں ان کے کندھے پر سر رکھ کر سارے دلدر بھول جاؤں۔ ابو کبھی ہمیں میسر نہ ہو سکے۔ بھائی کو عانیہ نے چھین لیا۔ اتنے آنسو ہیں میری آنکھوں میں امی! اتنی آہیں ہیں جنہیں میں کبھی لبوں تک نہیں لاتی ......لیکن اب میرا دل چاہتا ہے امی! میں زور زور سے روؤں...... اپنے بھائی کا ماتم کروں...... اپنے باپ کا غم روؤں......لیکن کس کے سامنے؟

میں کہاں جاؤں امی! میرے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔

میں رونا چاہتی ہوں امی...... میں کس کے سامنے روؤں؟ اک کندھا میسر آنے کی آس بندھی تھی سو وہ بھی نہ رہی۔ پھر بڑی بڑی باتیں کرتا ہے۔ میری پٹاری میں ایک اور حسرت کا اضافہ...... کس کس کے دیے غم سنبھالنا ہیں مجھے امی!......آپ کہتی ہیں نا میں آپ کی باحوصلہ بیٹی ہوں......نہیں ہوں امی...... اندر سے ریزہ ریزہ ہو چکی ہوں میں...... کرچی کرچی ہو کر بکھر رہی ہوں۔

یہ فخر نہیں ہے کوئی دعویٰ بھی نہیں مگر اپنی بہنوں کے اچھے مستقبل کے لیے آپ کی زندگی کے لیے اپنی ان دیکھی قیمت لگوائی ہے میں نے...... آپ اللہ سے دعا کریں وہ مجھے مایوس نہ کرے میری کوشش کامیاب کر دے۔ پھر میں ہر دکھ سہہ لوں گی...... قسم سے امی...... آپ کی خاطر سب سہہ لوں گی۔''

سینے میں سسکیوں کا طوفان مچل رہا تھا۔ لب خاموش تھے۔

اس نے مٹھی زور سے لبوں پر جما کر آنکھیں بھینچ لیں۔

مگر آنکھوں کے کناروں سے آنسو بہتے چلے گئے۔

☆......☆......☆

سب کے لاشعور میں دبے ہوئے خدشات کو بالآخر حنان نے درست ثابت کر ہی دیا تھا کل رات مہندی کے بعد سے اب تک وہ گھر نہیں آیا تھا۔

''اور کہاں کہاں ذلیل کروائے گا یہ لڑکا، سب دوستوں کو فون کر چکی، ملنے ملانے والوں سے بھی پتا کروا لیا مگر اس کا کچھ پتا نہیں...... سمجھ میں نہیں آرہا کیسے سامنا کروں گی میں ثانیہ کے گھر والوں کا، کس کونے میں جا کر منہ چھپاؤں یا خودکشی کرلوں۔''

شمسہ سر تھامے بیٹھی تھیں۔

''پلیز مما! اس طرح کی باتیں مت کریں۔'' نشویٰ نے بوکھلا کر کہا۔ ''حنان بھائی آجائیں گے۔ آپ کو پتا تو ہے ان کی عادت کا کبھی بھی غائب ہو جاتے ہیں۔''

''اُس غیر موجودگی اور اِس غیر موجودگی میں بہت فرق ہے...... میرا دل گواہی دے رہا ہے اس بار نقصان بڑا ہوگا۔'' شمسہ نے صدمے سے بوجھل لہجے میں کہا۔

''تو یوں پریشان ہونے تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔'' اسوہ ان کے قریب بیٹھ گئی تھی جبکہ نشویٰ ٹیلی فون پکڑے مسلسل حنان کا نمبر ٹرائی کر رہی تھی۔

''آپ پلیز خود کو ریلیکس رکھیں مما! بی پی شوٹ کر گیا تو مسئلہ ہوگا۔'' مایوں کے سوٹ میں ملبوس اسوہ پریشان تو تھی مگر نشویٰ ہی کی طرح شمسہ کی پریشانی کم کرنے کے خیال سے خود کو ریلیکس ظاہر کر رہی تھی۔

''اچھا ہی ہے...... دماغ کی کوئی شریان پھٹ جائے تو ان سارے جھنجھٹوں سے بھی جان چھوٹے...... ماں مر جائے گی تو حنان کو بھی سکون آجائے گا۔'' پریشانی کی انتہائی حد تک پہنچ کر وہ غصے کا شکار ہو رہی تھیں۔

''آپ کو ہمیشہ حنان کی فکر رہی ہے...... میں اور نشویٰ تو جیسے آپ کے لیے کچھ ہیں ہی نہیں۔'' اسوہ نے خفگی سے کہا جواباً شمسہ

نے اسے گھور کر دیکھا۔

''تم بھی سارے طعنے آج ہی دے لو...... کیا خبر کل کو تمہارے طعنے سننے کے لیے ماں زندہ رہے یا نہیں۔'' کوئی اور وقت ہوتا تو شمسہ ضرور اسکی تشفی کرواتیں اس وقت تو پریشانی اور حالات کی نزاکت نے گویا سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ہی سلب کر لی تھیں۔ ''ابھی جہانگیر کو بھی بتانا ہے آخر کب تک ان سے جھوٹ بولوں۔ میرا خیال تھا جتنی بھی دیر غائب رہے بارات کی روانگی سے چند گھنٹے پہلے تو ضرور ہی پہنچ جائے گا...... مگر اب تو یہ بھی امید نہیں...... گھر مہمانوں سے بھرا ہے باقی مہمان بھی آہستہ آہستہ پہنچ جائیں گے...... کس کس کو اصل بات بتاتی پھروں...... سب سے پہلے تو جہانگیر مجھ پر برسیں گے اور...... اور ثانیہ کے گھر والوں کو کیا جواب دوں گی...... یا اللہ ذلت کا یہ دن دکھانے سے پہلے مجھے اٹھا کیوں نہیں لیا۔ اکلوتے بیٹے کی وجہ سے اور کہاں کہاں خوار ہوں گی۔''

''پاپا کی آپ فکر نہ کریں۔۔۔ میں ان سے بات کرتی ہوں حنان کی غیر ذمہ داری کی سزا وہ آپ کو تھوڑا ہی دیں گے۔'' اسوہ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''تمہارے بات کرنے سے کچھ نہیں ہوگا اسوہ! یہ ذلت میرے بیٹے نے مجھے دی ہے اس کا بوجھ ہر حال میں مجھے اٹھانا ہی پڑے گا۔'' شمسہ نے پژمردگی سے کہا تھا۔

☆......☆......☆

حدید کسی کام سے مارکیٹ جا رہا تھا راستے میں حنان کی کال موصول ہوئی۔

''کہاں غائب ہیں جناب!...... ایک بڑا ضرورت آن پڑا ہے آپ سے۔'' وہ بڑی ترنگ سے بولا تھا۔

''یہ تو خیر میں تمہارا نمبر دیکھ کر ہی سمجھ گیا تھا...... بغیر مطلب کے تو آج کل تم اپنی شکل بھی نہیں دیکھتے۔''

حدید نے بغیر کسی لگی لپٹی کے کہا ویسے بھی جب سے اس نے موحد کو اسوہ سے متنفر کرنے کے لیے الٹی سیدھی باتیں کی تھیں، وہ خود اس سے متنفر رہنے لگا تھا۔

حنان نے اس کی بات پر ایک زبردست قہقہہ لگایا تھا۔

''چلو یار! کوئی تو ہے جو ہماری عادات سے خوب واقف ہے خیر...... خیر کام یہ تھا کہ میں اپنے نکاح کی خوشی میں ایک زبردست پارٹی تھرو کر رہا ہوں، جس میں تمہاری پارٹیسپیشن بے حد ضروری ہے۔''

''کب ہے پارٹی؟'' اس نے ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ سنبھالے احتیاط سے موڑ کاٹتے ہوئے پوچھا۔

''آج ہی ہے...... ایک ایڈریس بتاتا ہوں۔ ٹھیک چھ بجے تک پہنچ جانا۔''

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے حنان! سات بجے تمہاری بارات جانی ہے اور چھ بجے تم پارٹیز ارینج کرتے پھر رہے ہو۔'' حدید نے

تعجب سے کہا۔

''بس یار! فرینڈز انسلٹ کر رہے تھے کہ مجھے ماننا پڑا پھر تم آ رہے ہو نا میں نے اپنے کچھ کلوز فرینڈز کو ہی انوائیٹ کیا ہے۔ کلوز کا مطلب تم سمجھتے ہو نا یار...... مطلب ٹو مچ کلوز۔'' وہ خباثت سے ہنسا۔

''مجھے پتا ہے تمہاری مینٹیلیٹی تو ان سب سے میچ نہیں ہو گی۔ تم خاصا آڈ فیل کرو گے لیکن تم بھی میرے بہترین دوستوں میں سے ہو یار! میں چاہتا ہوں تم ضرور آؤ۔ بے شک چند منٹوں کے لیے ہی۔'' وہ بے حد اصرار سے کہہ رہا تھا۔

حدید سوچ میں مبتلا ہو گیا۔

''خاموش کیوں ہو گئے ہو...... بھئی مجھے اور لوگوں کو بھی انوائیٹ کرنا ہے اور سب سے اہم کام...... دلہن کو پک کرنے بھی خود ہی جانا ہے۔''

''کیا مطلب...... دلہن بھی وہاں موجود ہو گی؟'' حدید کو اچنبھا ہوا۔

''آف کورس...... دلہن کے بغیر سیلبریشن کیسے مکمل ہو سکتی ہے۔''

''ٹھیک ہے...... مجھے ایڈریس بتاؤ۔''

حنان نے ایڈریس بتا کر کہا۔

''اور سنو...... ممکن ہو تو اپنے اس ٹٹ پونجیے دوست شاہنواز کو بھی لے آؤ۔ اسے بھی کچھ پتا چلے کہ امیروں کی سیلبریشنز کیسی ہوتی ہیں۔''

حنان نے کہہ کر کال ڈسکنکٹ کر دی۔ حدید نے موبائل ڈیش بورڈ پر اچھال کر حنان کی سوچ پر سو دفعہ لعنت بھیجی اور ناچار گاڑی اس کے بتائے ہوئے ایڈریس کی طرف موڑ لی۔

☆......☆......☆

حنان کے بتائے ہوئے ایڈریس پر پہنچتے ہی حدید کو ایک طوفان بدتمیزی کا سامنا کرنا پڑا۔

عجیب و غریب حلیوں والے لڑکے لڑکیاں۔

ناگوار بدبو میں بسا ماحول۔

مدھم روشنی اور چنگھاڑتا میوزک۔

حنان کونے میں کسی سے راز و نیاز میں مصروف تھا۔

بڑی تگ و دو کے بعد حدید کو اس تک رسائی حاصل ہو سکی۔

"یہ کس واہیات جگہ پر بلا لیا ہے مجھے۔ اس قدر اسمیل ہے یہاں اور یہ۔" اس کی نظر ایک کپل پر پڑ گئی پھر خود ہی شرمندہ ہو کر نظریں پھیر لیں۔

"کسی نے شکایت کر دی اور ریڈ ہو گئی تو پتا چل جائے گا۔ سمجھے۔" حدید نے ناگواری و غصے سے کہا۔

"ارے کسی مائی کے لعل میں اتنی جرأت نہیں ہے کہ ہماری شکایت کرے۔ ویسے بھی ہم سب کچھ پرمٹ کرتے ہیں یوں بھی لاشاری صاحب کی گڈول کہیں تو ہمارے کام آنا چاہیے۔ سنا ہے ریڈ کرنے والے تو ان کی جیب میں رہتے ہیں۔ تم اپنے ڈیڈ سے اس بارے میں ضرور پوچھنا اپنے بزنس پارٹنر کے بارے میں وہ اتنی معلومات تو ضرور رکھتے ہوں گے...... کیوں؟"

وہ ہمیشہ ہر معاملے میں سو فیصد پر یقین رہتا تھا اس وقت بھی رائے طلب کرنا محض رسمی تھا۔ اسی لیے حدید خاموش رہا اور ابرو اچکا کر اس کی اگلی بات بلکہ ارشاد کا منتظر رہا۔

"اچھا سنو...... میں نے شاہنواز کو بھی ساتھ لانے کے لیے کہا تھا۔ وہ گھبرا کر نہیں آیا یا شرما کر۔"

اس نے راز داری سے پوچھا حدید اکتا کر بولا۔

"میں نے اسے بتایا ہی نہیں کہ تم نے انوائیٹ کیا ہے...... ویسے بھی جیسے تم نے اسے انوائیٹ کیا تھا۔ وہ سن کر کوئی عزت دار انسان تمہاری اس سو کالڈ پارٹی میں نہ آتا۔"

"ہاں تو شاہنواز کو تو آ جانا چاہیے تھا...... وہ کہاں کا عزت دار ہو گیا۔" آخر اس نے خود ہی قہقہہ لگایا۔

"خیر...... آؤ تمہیں اپنی بیوی سے ملواتا ہوں۔"

"تمہیں ثانیہ کو یہاں نہیں لانا چاہیے تھا۔ چار دن ہی سہی تمہاری اصلیت سے ناواقف رہ کر وہ بے چاری جنت میں رہ لیتی۔" حدید نے تاسف سے کہا تھا۔

"ثانیہ......" اس نے تعجب سے کہا پھر قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ "وہ تو پرانا قصہ ہو چکی آؤ تمہیں نیا قصہ سنواتے ہیں۔"

حدید حیران سا اس کے پیچھے چل دیا تھا۔

❁ ❁

ناول **بساطِ دل** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات آپ آنے والی ان تاریخوں (15th, 20th, 25th) میں پڑھ سکیں گے۔

اسٹڈی میں بے حد خاموشی تھی۔

وہاں تین نفوس موجود تھے اور تینوں اپنی اپنی سوچ میں غلطاں۔

بالآخر شاہنواز نے اس خاموشی کو توڑا۔

''میں حدید سے بات کرتا ہوں ممکن ہے اسے حنان کے بارے میں کوئی خبر ہو۔'' دل ہی دل میں بے حد اکتاہٹ محسوس کرتے ہوئے اس نے نمبر ملا کر سیل فون کان سے لگالیا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اسٹڈی سے ملحق بالکونی میں آکر کال ملنے کا انتظار کرنے لگا۔

پانچویں یا چھٹی بیل پر حدید نے کال اٹینڈ کی تھی۔

''ویری سوری یار! آج کے دن بھی تمہیں ڈسٹرب کر رہا ہوں بس ٹینشن ہی کچھ ایسی ہے کہ تم سے رابطہ کرنا پڑا۔''

''بالکل ٹھیک وقت پر تم نے فون کیا ہے میں بھی تمہارا نمبر ملانے ہی لگا تھا۔'' حدید کا انداز کچھ ایسا تھا شاہنواز چونک سا گیا۔

''خیریت تو ہے نا؟''

''یوں سمجھو خیریت نہیں ہے ایک ٹینشن فل خبر سنانی ہے۔''

''قصر بلند والوں کے ساتھ تو مستقل ایک ٹینشن لگی ہوئی ہے۔ حنان نام ہے اس کا، تم کس ٹینشن کی بات کر رہے ہو؟''

''حنان کی بات ہی کر رہا ہوں۔''

''یار! تمہیں پتا ہے وہ کہاں ہے...... اس اکیلے لڑکے نے کئی لوگوں کی جان عذاب کر رکھی ہے۔ میں اچھا خاصا گاؤں جا رہا تھا کہ دھر لیا گیا...... اب کارندے دوڑائے ہوئے ہیں حضرت کی تلاش میں۔ لیکن میری موجودگی اسے برآمد کرنے کے لیے ضروری ہے۔ کوئی میرا قصور ہی بتا دے۔''

''حنان نے مجھے فون کر کے بلایا ہے جانتے ہو وہ یہاں اپنے فرینڈز کو اپنے نکاح کی خوشی میں ٹریٹ دے رہا ہے...... پوری پارٹی ارینج ہے یہاں۔''

''حنان تمہارے پاس ہی ہے؟ اس خبیث سے کہو کچھ اور نہیں تو کم سے کم اپنی ماں کو ایک فون ہی کر دے۔ یہاں پریشانی سے ان کا ہارٹ فیل ہونے کے قریب پہنچ چکا ہے۔''

''شاہنواز! تمہیں پتا ہے حنان نے کس سے نکاح کیا ہے؟'' اچانک حدید نے پوچھا۔ شاہنواز چپ سا رہ گیا اسے کسی غیر معمولی پن کا احساس ہوا تھا۔

''ثانیہ سے۔ یہ کیسا سوال ہے حدید!''

''نہیں اس نے ثانیہ سے نکاح نہیں کیا۔'' حدید نے کہا۔

''دماغ ٹھیک ہے تمہارا؟'' شاہنواز جھنجھلایا۔

''میں نے خود پرسوں اس کے نکاح میں شرکت کی ہے۔''

''ثانیہ سے نکاح پرسوں ہوا تھا میں آج کی بات کر رہا ہوں۔'' حدید نے اس کی بات قطع کی۔

''مجھے پتا ہے، تمہیں بھی سن کر شاک لگے گا کہ حنان نے آج گیتی آرا سے شادی کر لی ہے۔ تمہیں گیتی آرا یاد ہے......وہی کال گرل۔''

خبر تھی کہ کسی نے اس کے سر پر بم بلاسٹ کیا تھا۔

''کیا کہہ رہے ہو حدید!'' بڑی دیر بعد وہ یہی پوچھ سکا۔

''صحیح کہہ رہا ہوں ابھی بھی وہ دونوں میرے سامنے ہیں، حنان نے یہ پارٹی گیتی آرا سے نکاح کی خوشی میں دی ہے۔''

شاہنواز نے کرب کے احساس سے مغلوب ہوتے آنکھیں بھینچ لیں۔ کچھ لوگ ساری زندگی جدوجہد کرتے رہیں تقدیر ان پر مہربان نہیں ہوتی اور کچھ لوگ تقدیر کی مہربانی کو ہمیشہ ٹھوکر پر اڑانا اپنی شان سمجھتے ہیں۔

حنان موخر الذکر میں سے تھا۔

''ہیلو شاہنواز!'' اس کی خاموشی سے گھبرا کر حدید نے کہا۔

''ہیرے اور پتھر میں کچھ تو فرق ہوتا ہے......حنان کو تو احساس تک نہیں ہوگا اس نے اپنی زندگی کے سب سے بڑے نقصان کا سودا کیا ہے۔'' اس نے دھیمی آواز اور دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

''اسے پتا ہو یا نہیں...... مجھے صرف اتنا بتاؤ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے خوشی تان لیں یا ڈھنڈورا پیٹیں...... یہ تو خیر میں اچھی طرح سمجھ چکا ہوں اس نے مجھے سو کالڈ سیلبریشن میں شامل ہی اس لیے کیا ہے تاکہ میرے ذریعے اس کے گھر تک اطلاع پہنچ جائے۔'' حدید نے ناگواری سے کہا۔

''ممکن ہے تھوڑی بہت شرم ہی آ گئی ہو۔'' اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''کرنا کیا ہے تم جا کر اپنی بارات لے جانے کی تیاری کرو۔''

شاہنواز نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا۔

''میں اندر جا کر خالہ اور سر کو ان کے صاحبزادے کا کارنامہ بتا دیتا ہوں......ہم ان کے غم میں کتنا بھی افسردہ ہوں لیں جو تکلیف وہ محسوس کریں گے اس تک نہیں پہنچ سکتے۔''

دکھ کے بھرپور احساس کے ساتھ وہ دھیمی آواز میں رک رک کر بول رہا تھا۔

حدید نے بنا کچھ کہے لائن آف کاٹ دی۔

شاہنواز ہاتھ میں موبائل فون لے کر خالی الذہنی سا کھڑا رہا۔ پھر اس نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا جو بالکل خالی تھا پھر وہ چھوٹے چھوٹے شکستہ قدم رکھتا اندر کی سمت بڑھ گیا۔

اس کے ذہن پر صرف ایک چہرہ ابھر رہا تھا اور وہ چہرہ ثانیہ کا تھا۔

☆......☆......☆

اسٹڈی میں خاموشی مزید گہری اور گمبھیر ہوگئی تھی۔

شمسہ کی آنکھوں سے آنسو برس رہے تھے وہ چپکے چپکے کئی بار جہانگیر کا جائزہ لے چکی تھیں۔ ہر بار ان کی پیشانی پر پڑی سلوٹوں کو گنتے انہیں خوف آتا۔

حنان نے انہیں اپنی حرکتوں سے کئی بار شرمندہ کیا تھا مگر اس بار تو ان کا دل چاہ رہا تھا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائیں۔

جہانگیر لاشاری جب سوچتے سوچتے تھک چکے تو فیصلہ کن انداز میں اٹھ کھڑے ہوئے۔

شمسہ ان کے اس طرح اٹھنے پر ہراساں ہو کر انہیں دیکھنے لگیں۔

''کہاں جا رہے ہیں آپ؟''

''صرف میں نہیں......تم بھی میرے ساتھ جا رہی ہو۔''

انہوں نے پتھریلے تاثرات کے ساتھ جواب دیا اور جھک کر موبائل اور کار کی چابیاں ٹیبل سے اٹھانے لگے۔

''تم'' کا صیغہ ان کے انتہائی طیش کی علامت تھا۔

شمسہ کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپنے لگا تھا۔ مدد طلب نظریں بے ساختہ شاہنواز کی طرف اٹھ گئیں مگر وہ بھی صمً بکمً کھڑا شوز کی ٹو سے کارپیٹ کریدر رہا تھا۔

انہوں نے ڈرتے ڈرتے جہانگیر لاشاری کی طرف نگاہ کی اور ہمت مجتمع کر کے پوچھا۔

''ہاں......لیکن......جا کہاں رہے ہیں؟''

''ثانیہ کے گھر جا رہے ہیں۔'' مختصر جواب آیا۔

''لیکن جہانگیر۔'' انہوں نے کہنا چاہا جہانگیر لاشاری نے ہاتھ اٹھا کر ٹوک دیا۔

''بس اب ایک لفظ اور نہیں...... پہلے ہی تمہارا اور تمہارے بیٹے کا کیا بھگت رہا ہوں۔'' انہوں نے طیش سے کہا۔

''میں نے پہلے ہی کہا تھا شمسہ! اگر وہ سنجیدہ نہیں ہے تو رشتہ طے مت کرو مگر تمہیں شوق ہوا تھا اب بھگتو بیٹھ کر...... نا صرف

میرے خاندان کی عزت بلکہ اس بچی کی زندگی بھی داؤ پر لگادی ہے تمہارے بیٹے نے۔

کیا جواب دیں گے اب ہم ثانیہ کے گھر والوں کو...... خود ہمارا گھر مہمانوں سے بھرا ہے رات تک مہمان بارات کے ساتھ جانے کا ارادہ کیے بیٹھے ہیں...... انہیں کیا بتانا ہے یہ سوچا ہے؟

اور صرف یہی کیوں...... کل کو مجھے اپنی بیٹی کی بارات کا استقبال کرنا ہے وہ میں کس منہ سے کروں گا...... تمہیں اندازہ ہے شمسہ! تمہارے لاڈلے نے کہیں منہ دکھانے کے لائق نہیں چھوڑا مجھے۔'' وہ غیض وغضب کی تصویر بنے ہوئے تھے۔

''کیا لگتا ہے یہ صرف آپ کا مسئلہ ہے؟ مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔'' وہ شدت سے رونے لگی تھیں ان کے لیے تو دوہری اذیت تھی کہ ہر طرح سے موردالزام ٹھہرائی جارہی تھیں۔ بے ہدایت بیٹے کی ماں ہونا بھی ایک سزا ہے۔

''میں صرف اتنا جانتا ہوں جواب دہی کا خیال سے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہورہے ہیں۔ آج تک اس کی ہر بری بھلی یہ سوچ کر سہتا رہا کہ جسم کے حصے کو تکلیف کے باوجود خود سے الگ نہیں کیا جاتا...... کبھی نہ کبھی تو اس سے بھی صلہ ملے گا میں نہیں جانتا تھا میں اس ببول کو پانی دے رہا ہوں جس کے کانٹے ہمیشہ میری ہتھیلی زخمی کرتے رہیں گے۔

میں فیصلہ کر چکا ہوں شمسہ! میں حنان کو عاق کروں گا میری پراپرٹی میں سے ایک دھیلہ نہیں ملے گا اسے۔ اس کے باپ نے جو چند لاکھ چھوڑے تھے وہ اب تک سنبھال کر رکھے ہیں۔ حنان کو اب تک اس لیے نہیں بتایا کہ جب سب کچھ اسی کو ملنا ہے تو کیا ایک ایک روپے کا حساب کتاب جتانا مگر اب اسے صرف وہی چند لاکھ روپے ملیں گے اور...... اگر تمہیں میرے فیصلے سے کوئی اختلاف ہو تو تم بھی اپنا سامان اپنے بیٹے کے ساتھ ہی سمیٹ لو مجھے ایسے رشتے نہیں چاہئیں جن کے طوق میری گردن کو شرمندگی سے اٹھنے ہی نہ دیں۔''

انہوں نے فیصلہ سنایا اور بڑے بڑے ڈگ بھرتے باہر نکل گئے۔ شمسہ دم بخود انہیں دیکھتی رہ گئیں۔

☆......☆......☆

''آپ لوگوں کو جو کہنا تھا کہہ چکے، ہمیں جتنا ذلیل ورسوا کرنا تھا وہ بھی کرلیا۔ گھر آئے مہمانوں کو بے عزت کرنے کا ہمارے یہاں رواج نہیں ہے ورنہ آپ کے بیٹے کی حرکت کا اچھا جواب دے سکتے تھے ہم بھی...... آپ لوگ یہاں تشریف لائے بے حد شکریہ...... مگر اس سے زیادہ برداشت کی سکت نہیں ہے ہم میں۔ براہ مہربانی اب یہاں سے تشریف لے جائیں۔''

عادل نے عالم طیش میں اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے الفاظ چبا چبا کر ادا کیے تھے۔

''عادل!'' اشفاق چچا جان نے گھبرا کر اسے تنبیہی انداز میں پکارا۔ ساتھ ہی شمسہ اور جہانگیر لاشاری کی طرف دیکھا جن کے جھکے ہوئے سر اور معذرت خواہانہ انداز ان کی شرمندگی اور غیر جانبداری کی سب سے بڑی دلیل معلوم ہوتے تھے۔ جہاندیدہ انسان تھے عادل کی طرح جذباتیت میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔

''عادل کہ کہہ لینے دیجیے اشفاق صاحب! بہر حال ہم اسی سلوک کے حق دار ہیں بلکہ آپ لوگ تو ہمیں دھکے مار کر نکال دیں ہم تب بھی کسی اعتراض کے اہل نہ ہوں گے۔'' جہانگیر لاشاری نے سنجیدگی و بردباری سے کہا۔

''شرمندہ مت کیجیے لاشاری صاحب! جو غلطی آپ کے بیٹے نے کی ہے اس سے اگر آپ لوگ واقف ہوتے تو یقیناً مناسب وقت پر ہمیں مطلع کر دیتے۔ اس بات کا تو یقین ہے مجھے۔'' عادل کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتے اشفاق چچا نے سہولت سے بات سنبھالی۔

عادل جھنجھلا کر مٹھیاں بھینچتا اپنا غصہ قابو کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کا تو یہ حال ہو رہا تھا اگر ابا موجود نہ ہوتے تو یقیناً اب تک ان میاں بیوی کو دھکے دے کر گھر سے نکال دیتا۔

''بالکل درست فرما رہے ہیں آپ...... مگر کچھ غلطی ہماری بھی ہے حنان جیسے غیر ذمہ دار کا رشتہ طے ہی نہیں کرنا چاہیے تھا...... مجھ سے تو وہ غلطی سرزد ہوئی ہے جس کے لیے میں خود کو ساری زندگی معاف نہیں کر سکوں گا۔ آج اور آنے والے کئی روز تک آپ لوگوں کو جس شرمندگی اور اذیت سے دوچار ہونا پڑے گا۔ شدید خواہش کے باوجود بھی ہم اس کو کم نہیں کر سکتے صرف اتنی درخواست ہے ممکن ہو تو مجھے اور میری بیوی کو معاف کر دیجیے گا۔ حنان سے تو ہمیں خود کوئی اچھی امید نہیں رہی آپ کو دوبارہ کوئی جھوٹی آس دلا کر پھر سے گنہگار نہیں ہونا چاہتا...... وہ آپ لوگوں کا مجرم ہے جو آپ مناسب سمجھیں اسے سزا دیں...... اپنے بارے میں تو میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ اسے پہلی ہی فرصت میں عاق کر رہا ہوں۔''

پھر انہوں نے ثانیہ کی طرف دیکھا وہ بالکل خاموش سر جھکائے اپنے مہندی لگے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ اسکے تاثرات ایسے تھے جیسے ابھی تک بے یقینی کی کیفیت میں ہو۔ جہانگیر کا دل شرمساری سے لبالب بھر گیا۔ وہ بے ساختہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ثانیہ کے قریب گئے اور داہنا ہاتھ اس کے جھکے ہوئے سر پر رکھ دیا۔

''ثانیہ بیٹے! ممکن ہو تو ہمیں معاف کر دیجیے۔ ہمارا اللہ جانتا ہے جان بوجھ کر آپ کو تکلیف پہنچانے کا بندوبست نہیں کیا تھا ہم نے۔'' شرمساری، ملال، پچھتاوا کیا کچھ نہ تھا ان کی آواز میں ثانیہ مہندی کے ڈیزائن سے دھیان نہ ہٹا سکی۔ جہانگیر لاشاری نے گردن موڑ کر ایک نظر شمسہ کو دیکھا، اس کا سر دھیرے سے تھپتھپایا اور باہر نکل گئے۔ شمسہ تیز کی تیزی سے ان کے عقب میں نکلی تھیں مبادا انہیں باندھ کر نہ بٹھا لیا جائے۔

''یہ آپ نے کیا کیا ابا! انہیں اتنے آرام سے کیوں جانے دیا۔'' ان کے نکلتے ہی عادل جھنجھلا کر بولا۔

''تو کیا کرتا۔ چپل اتار کر ان کے سروں پر بجانا شروع کر دیتا؟'' چچا جان اس سے زیادہ جھنجھلا کر بولے۔

''کبھی مصلحت سے بھی کام لینا پڑتا ہے عادل! ہمیشہ جذباتیت سے کام نہیں سنورتے۔ ہم چاہے ان سے کتنا بھی خفا ہو لیں ان پر کتنا بھی بھڑک لیں مگر اس حقیقت سے نظریں نہیں چرائی جا سکتیں کہ وہ ابھی بھی ثانیہ کے سسرالی عزیز ہیں کل کو حالات کیا رخ لیتے ہیں ہم

کو اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے رویے یا ردعمل ترتیب دینا پڑیں گے تاکہ کل کو ثانیہ کو کوئی دقت نہ ہو۔ لڑکی والوں کو ہمیشہ جھک کر ملنا پڑتا ہے بیٹے! یہ بات تم ابھی نہیں سمجھ سکتے۔''

''کل کس نے دیکھا ہے ابا!'' وہ سلگ کر بولا۔ ''اور ہم کسی چیز کی پروا کریں ہی کیوں؟ جب ہمیں ان گھٹیا لوگوں سے کوئی رشتہ رکھنا ہی نہیں ہے۔

آئے...... معافی مانگی اور چلتے بنے۔ ان لوگوں کو رتی بھر بھی احساس نہیں ہے کہ اس خاندان کو کیا روگ لگا کر جا رہے ہیں اور تائی جان! آپ نے بھی تو حد کر دی۔ اتنی جلدی تھی رشتہ طے کرنے کی کہ لڑکے کے کردار سے متعلق چھان بین بھی نہ کروا سکے۔ اب لوگوں کو کیا جواب دینا ہے اس متعلق سوچیں...... عین وقت پر رخصتی کیوں ملتوی کی جا رہی ہے۔''

''عادل...... خاموش ہو جاؤ...... اللہ کے لیے خاموش ہو جاؤ۔'' ملتجی انداز میں کہتے کہتے ثانیہ نے چیخ کر کہا تھا۔ ساتھ ہی اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے۔

عادل خاموش سا ہو گیا...... کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی۔ تب ہی شفق کی نظر اس پر پڑی اور اس کے لبوں سے چیخ نکل گئی تھی۔ حلیمہ صوفے پر بیٹھے بیٹھے ایک طرف کو لڑھک چکی تھیں۔

☆......☆......☆

اسے دیکھ کر صبح دم چلتی ہوا کا خیال آتا تھا۔

ویسی ہی معطر، ویسی ہی نرم رو اور خالص۔

بیس کا سن تھا۔ بدبخت پر جوانی بھی ٹوٹ کر آئی تھی۔

نین نقش ماں کے چرائے تھے ناز و انداز بھی اس کے اپنائے۔ باپ بچپن میں گزر گیا بڑا بھائی سوتیلا تھا، ماں نے ہمیشہ اسے جوتے کی نوک پر رکھا۔ یہ کیسے عزت دے سکتی تھی۔

پسندیدہ مشغلہ دلوں کو لبھانا تھا۔

یہاں مرد و عورت کی تخصیص نہیں اسے تو بس دلوں پر راج کرنا مقصود تھا۔ رفتہ رفتہ صنفِ مخالف کی طرف رجحان بڑھ گیا تو دلربائی بھی بڑھ گئی۔

بات کرنے کا انداز بڑا دلفریب تھا۔ سب کچھ کہہ کر بھی کچھ نہ کہتی پہلے کنڈا ڈال کر دل شکار کرتی پھر تڑپتا دیکھ کر لطف لیتی۔ کل ملا کر گل بانو ایسا شعلہ تھی جو ایک دم سے جلا کر بھسم نہیں کرتا، دھیرے دھیرے سلگا کر راکھ بناتا ہے۔

یہ انہی دنوں کی بات ہے شاہنواز میٹرک کا امتحان دے کر رزلٹ کا انتظار کر رہا تھا اور ''میں کچھ ہوں'' کا احساس سر چڑھ کر بول رہا تھا۔

گاؤں کے کم وبیش ہر مرد کا دل اپنے قابو میں رکھنے والی کا اپنا دل کب شاہنواز کی مٹھی میں قید ہوا فریقین کو خبر ہی نہ ہو سکی۔

ہاں لیکن یہ احساس انوکھا اور دلفریب تھا۔

آج تک وہ خود کو دیوی سمجھتی تھی جس کے آگے لوگوں کے سر جھکتے ہیں مگر آج اس کا اپنا دل سجدہ ریز ہو رہا تھا تو دنیا نئی سی دکھائی دینے لگی تھی یوں بھی جس نے عبادت کا مزا نہیں چکھا وہ اس سرور سے کیسے آگاہ ہو سکتا ہے۔

اور گھاٹے میں تو وہ یہاں بھی نہ رہی۔

اسے رجھانے کے طریقے آتے تھے۔ جن سے دل کا تعلق نہ جڑتا ان سے بھی یوں ملتی کہ سامنے والا فدا ہو جاتا، یہاں تو پھر بھی دلی وابستگی تھی لہٰذا شاہنواز نے جھکنے میں وقت نہ لیا۔ کم عمر تھا اس پر مستزاد فطرتاً شریف بھی۔

کہتا تھا ''بے حد چالاک ہوں'' مگر اللہ گواہ ہے جب بھی چالاکی کا مظاہرہ کرنے کی نوبت آئی منہ کی کھائی۔

یہ بھی نہیں کہ بالکل ہی بونگا تھا بس بے چارے کو دوسروں کی چالاکیاں، شاطرانہ چالیں پہچاننے کا ہنر نہیں آتا تھا۔

گویا اپنے نقصان کا اہتمام کرنے کے لیے جن جن خصوصیات کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔

گل بانو رات کو دن کہتی تو اس کا دن ہو جاتا۔

بارش کے لیے ناگواری یا ناپسندیدگی ظاہر کرتی تو اسے بارش کے قطرے تیزاب کے چھینٹے محسوس ہونے لگتے۔

اسے چاند پسند نہیں تھا اس کے لیے چاند کے ہالے سے آگ کی لپیٹیں نکلنے لگیں۔

اس نے چوڑیوں کے لئے پسندیدگی ظاہر کی، یہ شہر سے ڈبوں کے ڈبے خرید کر لانے لگا۔

اسے روپوں کی ضرورت پڑتی تو اس کی اماں کی کا بٹوہ خالی ہونے لگتا۔ گرم شالیں، سوٹ، جوتے، جیولری، کھانا پینا...... ان دنوں شاہنواز نے گل بانو پر ہر وہ چیز لٹائی جو اس کی دسترس میں تھی۔

گل بانو شاد تھی۔ اسے تو دیوانوں سے یوں بھی خاص رغبت تھی مگر ابھی شاہنواز کی بے قراریوں اور ریاضتوں کی قدر اسے نہ آئی تھی۔ اس کی ادائیں اس کے لیے اوروں جیسی عام تھیں دل میں بے شک مقام خاص تھا مگر ریاضتوں میں کچھ انوکھا پن نہ تھا۔

پھر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ جلد یا بدیر اس کی شادی شاہنواز سے ہو ہی جانا ہے کیونکہ مجتبیٰ ملک (شاہنواز کے ابا) اسے اپنی بیٹی مانتے تھے اور اپنے بے حد عزیز مرحوم دوست کی آخری نشانی کو ہمیشہ اپنے پاس رکھنے کی خواہش کا اظہار اس کی جنت مکانی ماں کے سامنے کئی بار دہرا چکے تھے۔

شاہنواز اچھا تھا بلکہ لاکھوں میں ایک...... حسب نسب والا...... سب سے بڑی بات خود اسے پسند تھا پھر اس کا تابعدار...... اس کی معمولی سی تکلیف پر بے چین ہو جانے والا...... مرد کی جیب بھاری ہو اور عشق بھی بے حد کرے۔ ایک عورت کو اور چاہیے بھی کیا ہوتا ہے۔

شاہنواز کے ساتھ مستقبل کی شاہراہ پر سہولیات ہی سہولیات تھیں وہ کس لیے ڈرتی اس لیے بلا جھجک اپنے شوق پورے کیا کرتی لیکن بعض اوقات حد سے زیادہ اعتماد بھی مہلک ثابت ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

شمسہ نے فون بند کر کے چپکے سے جہانگیر لاشاری کی طرف دیکھا وہ آنکھوں پر پڑھنے کا چشمہ لگائے، بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر ٹانگوں پر فائل کھول کر بیٹھے بظاہر بڑے مصروف اور لاتعلق نظر آتے تھے۔

شمسہ پہلی بار جہانگیر کی طرف سے سراسیمگی کا شکار تھیں اس نئی خبر نے رہی سہی ہمت بھی نچوڑ لی۔

وہ بڑی دیر تک متذبذب سی انگلیاں مروڑتی رہیں کہ کوئی غلطی نہ ہونے کے باوجود پھٹکار کا سب سے زیادہ حصہ انہی کے کھاتے میں ڈالا جا رہا تھا۔

''اس قدر سوچ بچار میں وقت ضائع کرنے کا کیا فائدہ ہے شمسہ! جو بھی اطلاع ملی ہے سنا دیجیے...... میں خود کو اب کسی بھی نئی بری خبر کے لیے ہر وقت تیار کر چکا ہوں۔''

جہانگیر لاشاری کے سنجیدہ، بے لچک لہجے نے ان کے مفلوج ہوتے حوصلے میں ایک پل کے لیے نئی روح سی پھونک دی تھی۔ خود سے مخاطب کرنا تو دنیا کا مشکل ترین کام تھا چلو رابطہ بحال ہونے کی کچھ تو سبیل ہوئی۔

''ثانیہ کی خالہ سے بات ہوئی ہے بڑے عجیب سے انداز میں بات کی انہوں نے...... مگر شکوہ بھی نہیں کیا جا سکتا وہاں تو بالکل ہی سوگ والی صورتحال ہے۔''

''ظاہر ہے...... جس گھر میں بیٹی کی بارات آنے سے کچھ گھنٹے قبل پہلے داماد کی دوسری شادی کی اطلاع پہنچ جائے وہاں شادیانے بج بھی نہیں سکتے۔'' سنجیدہ لہجہ اس بار طنز کی لپیٹ میں تھا شمسہ ہونٹ چبانے لگیں پھر ہمت کر کے بولیں۔

''بری خبر ہے جہانگیر، ثانیہ کی ماں ہاسپٹلائزڈ ہے اسے یکے بعد دیگرے دو ہارٹ اٹیک ہوئے ہیں۔ اتنی کریٹیکل ہے کہ ڈاکٹرز بھی کوئی حوصلہ افزاء جواب نہیں دے رہے۔''

جہانگیر لاشاری نے بے ساختہ آنکھیں بھینچ کر سر ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

''ہمیں اس خاندان کے کتنے قرض اتارنا ہوں گے شمسہ میں تو سوچنے بھی لگوں تو بے بس سا ہو جاتا ہوں۔ پتا نہیں کون سے گناہوں کی سزا بھگت رہے ہیں اور وہ ایک بے غیرت انسان ہے ہماری عزت کا تماشا لگا کر لعن طعن کا معاوضہ سمیٹنے کے لیے ہمیں ہی چھوڑ گیا ہے۔ ایسے بیٹے سے تو بے اولاد مرنا بہتر ہے۔ آج تک اس نے مجھے اپنا باپ تسلیم نہیں کیا یہ اس کا واحد احسان ہے جسے میں اچھے لفظوں میں یاد کروں گا۔''

شمسہ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے۔

''آپ مجھے اتنی باتیں کیوں سنا رہے ہیں؟ میری مجبوری یہ ہے کہ آپ کی طرح اس سے لاتعلقی اختیار کر کے ایک طرف نہیں ہو سکتی مگر حقیقت تو یہی ہے نا کہ میں بھی اتنی ہی بے قصور ہوں جتنا کہ آپ......''

''رونے دھونے سے اب کچھ نہیں ہوسکتا دعا سے تو البتہ تقدیر بدلی جاسکتی ہے۔تمہاری اپنے بیٹے کے حق میں کی ہوئی دعائیں تو قبول نہ ہوسکیں،اب ثانیہ کی ماں کے لیے دعا کرو۔ہمارے کندھوں پر اس گھر کی بربادی کا بوجھ نہ بڑھے اس کے لیے ثانیہ کی ماں کی زندگی اور صحت یابی بے حد ضروری ہے۔اب اٹھ کر بناؤ سنگھار مکمل کر لیجیے آپ کو اپنے نالائق بیٹے کی مجبور و بے کس ساس کی عیادت کے لیے جانا ہے۔'' وہ طنز کے تیر برساتے واش روم میں گھس گئے۔

شمسہ لاچاری سے بند دروازے کو دیکھتی رہیں پھر روتے روتے جیسے ناچار اٹھ کھڑی ہوئیں۔

☆......☆......☆

''دیکھیے آپ کی پیشنٹ کی حالت اتنی کریٹیکل ہے کہ کچھ بھی کہنا قبل از وقت ہوگا۔۔'' آئی سی یو سے نکلتے ڈاکٹر نے بمشکل ٹھہرے ہوئے قدرے کم پروفیشنل انداز میں جواب دیا تھا۔

''ایک تو وہ پہلے ہی مکمل طور پر صحت یاب نہیں ہو پائیں پھر دو میجر ہارٹ اٹیک...... یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے اس پر ان کا شوگر لیول خطرناک حد تک لو ہو چکا ہے اگلے چوبیس گھنٹوں میں اگر انہیں ہوش نہیں آتا تو......تو آئی ایم سوری......آپ لوگ دعا کیجیے دعاؤں سے تو معجزے واقع ہو جاتے ہیں۔'' ڈاکٹر نے عادل کا کندھا تھپتھپایا اور آگے بڑھ گیا۔

عادل نے مڑ کر اشفاق چچا کو دیکھا پھر ان دونوں نے بیک وقت شفق کے کو اس کے عقب میں کاریڈور میں بنچ پر بیٹھی ثانیہ کو دیکھا۔شفق روہانسی ہو کر چچا کی طرف بڑھ آئی۔

''چچا! میری امی......''

''حوصلہ کرو بیٹی! ہمیں اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔'' انہوں نے اس کا سر تھپک کر اس کے کندھے کے گرد بازو پھیلاتے ہوئے کہا۔

شفق کے لیے اس قدر سہارا کافی تھا وہ ان کے کندھے پر سر رکھ کر سسکنے لگی۔

''خدارا خود کو سنبھالو شفق! حد ہوتی ہے کسی بات کی......تم ہی اس طرح حوصلہ ہار و گی تو باقیوں کو کون سنبھالے گا ثانیہ کی طرف دیکھو......اس پر جو بیت رہی ہے وہ تمہاری کیفیت سے زیادہ کٹھن ہے مگر کتنی بہادری سے خود کو سنبھالے بیٹھی ہے مجال ہے جو ایک بھی لفظ مایوسی کا منہ سے نکالا ہو یا آنسو آنکھوں میں آنے دیے ہوں۔''

عادل کی بات پر شفق کے ذہن میں جھماکا سا ہوا تھا۔ سرعت سے گردن موڑ کر اس نے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے ثانیہ کو دیکھا وہ بینچ پر دیوار سے ٹیک لگائے اتنی گم سم بیٹھی تھی کہ اس پر مردہ ہونے کا گمان ہوتا تھا۔

''آپ کو کیا لگتا ہے عادل! یہ اس لیے خاموش ہے کہ بہت باحوصلہ ہے؟...... نہیں عادل...... یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ یہ اس کا احساس شرمندگی ہے جو اسے کچھ بولنے نہیں دے رہا اس کی آنکھوں میں آنسو آنے نہیں دے رہا۔''

اس کی تنفر زدہ آواز اتنی بلند تھی کہ چند قدموں کے فاصلے پر بیٹھی ثانیہ کی سماعت کو آگ کی تپش سے روشناس کرواسکے...... اس نے جھکا سر اٹھا کر زخمی نظروں سے اسے دیکھا۔ شفق تیر کی طرح اس کی طرف لپکی تھی۔

''ہوگئی تمہاری تسلی...... پڑگئی سینے میں ٹھنڈ...... یہ جو امی اس حال کو پہنچی ہیں نا اس کے لیے سراسر تم قصوروار ہو ثانیہ۔''

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے شفق! کیوں اس بے چاری کو الزام دے رہی ہو۔'' عادل نے جھنجھلا کر اس کا بازو کھینچا تھا۔

''کیونکہ ساری غلطی اس کی ہے۔'' وہ حلق کے بل چیخی تھی۔

''میں ایسا نہیں چاہتی تھی...... تم جانتی ہو شفق! میرا ایسا ارادہ نہیں تھا۔'' اس نے مجرمانہ انداز میں اپنی صفائی دینا چاہی تھی۔

''جھوٹ بول رہی ہو تم...... تم یہی چاہتی تھیں کہ...... کہ امی ہم سب کو چھوڑ کر چلی جائیں...... تم بہت بری ہو ثانیہ...... بہت بری۔'' وہ روتے روتے زمین پر بیٹھ گئی اور بری طرح سسکنے لگی۔

ثانیہ کی آنکھوں میں نمی دکھائی دینے لگی اور اندر جیسے ایک طوفان مچل رہا تھا۔ شفق نے جیسے اس کے منہ پر طمانچے مارے تھے۔

''تمہیں پتہ تھا وہ لڑکا اچھا نہیں ہے...... وہ تمہیں...... ہمارے خاندان کو ہمیشہ دکھ دے گا پھر بھی...... پھر بھی...... میں نے تمہیں سمجھانا چاہا مگر تم، اب دیکھو اپنی ضد کا نتیجہ۔'' وہ روتے روتے بھی اس کی فرد جرم نہ بھولی تھی۔ ثانیہ نے مدد طلب نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔

کیا دنیا میں کوئی ایک بھی ایسا انسان نہیں جو اس کی طرف سے وکیل صفائی کا کردار نبھا سکے۔ پھر اس نے چچا کو دیکھا۔

''چچا جان...... میں تو سب کچھ ٹھیک کرنا چاہتی تھی۔'' حلق میں مچلتی سسکتی کو دباتے ہوئے اس نے آنسوؤں و شرمساری سے تر آواز میں کہا تھا۔

چچا جان نے اس کی طرف دیکھا پھر اس کے قریب بیٹھ کر اس کا سر کندھے سے لگالیا۔

''میں جانتا ہوں بچے!...... شفق بیٹی! جو گزر گیا اسے دوہرانے سے کیا فائدہ...... ثانیہ کا طریقہ غلط ہوسکتا ہے ارادہ غلط نہیں تھا۔''

ثانیہ اپنی جگہ سے کھسکتی شفق کے سامنے زمین پر جابیٹھی پھر اس نے شفق کو اپنے بازوؤں میں بھرلیا اور دونوں بہنیں ایک دوسرے سے لپٹ کر رونے لگیں۔

☆......☆......☆

جس وقت شمسہ اور جہانگیر لاشاری ہسپتال پہنچے شاہنواز ریسپشنسٹ سے کھڑا معلومات لے رہا تھا۔ یہاں سے ان پرخلوص لوگوں کی ٹولی ایک ساتھ وارڈ کی طرف روانہ ہوئی۔

اپنے تمام تر اخلاص کے باوجود ان کے معتوب ٹھہرائے جانے کے لیے ایک یہی دلیل کافی تھی کہ وہ حنان کے رشتہ دار ہیں اور حنان وہ شخص تھا جس کی غیر ذمہ داری کی بدولت ان کی ماں موت کے دہانے پر پہنچ گئی تھی۔

ایک تو ان کا جرم بڑا تھا دوسرے یہ لوگ اس وقت پہنچے جس وقت شفق، ثانیہ سے لپٹ کر رونے دھونے سے چند منٹ پہلے فارغ ہوئی تھی مگر تا حال شدید قسم کے جذباتیت کے نرغے میں تھی۔

جہانگیر لاشاری کی کسی بہتر ڈاکٹر سے کنسلٹ کرنے کے سلسلے میں کی جانے والی مدد کی تجویز کو بھی اس نے فوراً سختی سے روک دیا تھا۔

''آپ لوگوں کی بے حد مہربانی، جتنے احسانات آپ لوگ ہم پر کر چکے ہیں انہی کا بوجھ کندھوں پر اٹھائے ہم زمین میں دھنسے جا رہے ہیں اور بار اٹھانے کی سکت نہیں...... جانتی ہوں آپ کتنے بارسوخ ہیں...... جن کے پاس دولت ہو لیکن رسوخ نہ ہو ان کی دولت بھی کس کام کی...... مگر ہم آپ کی دولت کی چکا چوند سے متاثر ہونے کا رسک نہیں لے سکتے۔ ایک ہی بار چوٹ کھا کر پیٹ بھر چکا ہے...... پلیز اب آپ لوگ کہیں اور کوشش کیجیے۔''

''تم غلط سمجھ رہی ہو شفق ہم تمہیں متاثر......'' شمسہ نے کہنا چاہا۔

''غلط اور صحیح کا وقت تو اب نکل چکا...... اب تو جو ہوگا صحیح ہی صحیح ہوگا مگر یاد رکھیے گا ہماری ماں کو کچھ ہو گیا...... خدانخواستہ تو آپ اور آپ کا بیٹا ساری زندگی کے لیے ہمارے مجرم ہوں گے روزِ قیامت تک پھر نہیں بخشا جائے گا...... میری ماں صحت یاب ہو جائیں نئی زندگی پالیں تو ہم بھول جائیں گے کہ کبھی آپ لوگوں سے واسطہ پڑا تھا...... پلیز آپ لوگ یہاں سے چلے جائیں جب کوئی تعلق ہی نہیں رکھنا تو عیادت کو سیڑھی بنانے سے کیا فائدہ...... جبکہ آئندہ لائحہ عمل بھی آپ کو آپ کا بیٹا بتا چکا ہے۔'' شفق کے اس قدر بے لچک رویے کی بدولت شمسہ اور جہانگیر کو مایوس ہو کر پلٹنا پڑا۔

شاہنواز نے ایک آخری نظر خاموش کھڑی ثانیہ پر ڈالی پھر اس آخری جھلک کو تہہ لگا کر دل کے جزدان میں محفوظ کر لیا۔

چند ایک روشن امکانات کا واہمہ گو کہ اب بھی اس کے ساتھ تھا مگر مایوسی اس درجہ تھی کہ وہ آج ہی گاؤں واپس جانے کا تہیہ کر چکا تھا۔

''کاش! یہ لڑکی ایک پل کو پلکیں اٹھالے تو میں اس کی آنکھوں کے روشن دیوں سے کچھ حوصلہ، آئندہ زندگی کے لیے مستعار لوں۔''

اس نے سوچا تبھی ثانیہ کی نظریں اس سے مل گئیں۔

بالکل سرسری نظر...... جیسے راہ چلتے کسی راہ گیر کی نظر ملتی ہے۔

شاہنواز کے ذہن و دل پر گھونسا سا لگا۔ وہ روشن دیے جن کے نور سے اسے اپنی زندگی کے لیے کچھ کرنیں ادھار لینا تھیں۔ ان کی

لوٹمار ہی تھی اور شدت گریہ سے لال انگارہ ہو رہی تھیں شاہنواز کو کچھ خیال آیا مگر وہ دل مسوس کر رہ گیا پھر واپسی کے لیے قدم بڑھا دیئے۔

واہ ری حسرت...... تیرے کتنے روپ؟

☆......☆......☆

میٹرک کے امتحان میں سپلی شاہنواز کے خلاف شکایتوں میں ایک نئے باب کا آغاز ثابت ہوئی۔ ابا جی پہلے ہی اس سے نالاں رہتے تھے اس بار خوب گھن گرج کے ساتھ برسے۔ حالانکہ کوئی بہت سخت گیر باپ نہیں تھے بس بڑے بیٹے کے مقابلے میں شاہنواز کی لاپروائی انہیں بہت کھلتی تھی۔ اب تو خیر بڑا والا بیاہا جا چکا تھا مگر وہ بھی جب اتنی عمر کا تھا تو احساس ذمہ داری سے بھرپور تھا۔ دل لگا کر پڑھائی کرتا۔ صبح و شام ان کے ساتھ دکان پر بیٹھتا۔ دوستوں کے ساتھ بھی بس مناسب سا وقت گزارتا۔ ان جناب کو دوستی، یاری سے فرصت نہ تھی۔

پڑھائی چھوڑ کر باقی ہر چیز پر توجہ تھی۔

کبھی پتنگیں اڑائی جا رہی ہیں تو کبھی فٹ بال کا پیچھا نہیں چھوٹتا، آج کراٹے کے شوق میں الٹی سیدھی چھلانگیں لگ رہی ہیں، تو اگلے دن ویٹ لفٹنگ ہو رہی ہے۔

ایک دفعہ پڑوس کے کسی پہلوان سے ہڈیاں سنکوا کر آیا مگر اگلے کئی روز تک ہیرو بنا گھومتا رہا کہ پہلوان کو پچھاڑ کر اپنے گاؤں کا نام روشن کیا ہے...... اباجی کا بس نہ چلتا تھا کہ پیر سے ہوائی چپل اتار کر ایسی پھینٹی لگائیں کہ اس کی عقل ٹھکانے آجائے لیکن اس کا قد تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا اب خود سے اونچے بیٹے پر ہاتھ اٹھاتے بھی تو اچھے نہ لگتے اس لیے ہر بار دل مسوس کر رہ جاتے اور شاہنواز کی عقل ٹھکانے پر آنے کی بجائے وہیں کی وہیں رہ جاتی۔

اس روز بھی وہ کسی بات پر برہم ہو کر برس رہے تھے۔

''پڑھائی میں دھیان نہیں...... دکان پر بیٹھنے سے اسے دلچسپی نہیں، سارا دن خرمستیاں کروا لو یا آوارہ دوستوں کے ساتھ سیریں کروا لو...... میری بات لکھ کر رکھ لو بیلا کی ماں! یہ لڑکا ہماری ناک کٹوا کر رہے گا۔''

''ہاں جیسے مجھے تو اور کوئی کام ہی نہیں ہے۔ ہر وقت ان کی ناک کٹوانے کے طریقے ہی تو سوچتا رہتا ہوں۔'' جھنجھلا کر وہ بیلا آپا کے کان میں گھسا۔ قسمت خراب اباجی کی نظر پہلے ہی اس پر تھی۔

''یہ اس کے کان میں گھسے کیا بک بک کر رہے ہو؟''

''آپ کی تعریفیں کر رہا ہوں۔'' بیلا آپا کے منع کرنے کے باوجود زبان پھسل ہی گئی۔

اباجی نے غضبناک نظروں سے اسے گھورا۔ ''میں تمہاری زبان کھینچ لوں گا شاہنواز!''

''ظاہر ہے جھوٹ بولنے کی سزا تو ملنی ہی چاہیے۔''

شکر ہوا ابا جی کے کانوں نے اس بار کام نہ کیا کیونکہ فی الحال زبان ورکنگ آرڈر میں تھی۔ اتنا بولے، اتنا بولے کہ شاہنواز کا دماغ خراب ہو گیا۔

''ابا جی! اب سپلی آ گئی تو میں کیا کروں۔ پڑھائی تو میں نے دل لگا کر ہی کی تھی۔''

''میاں صاحب زادے! کتنا دھیان ہے تمہارا پڑھائی میں...... میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ ایسے رزلٹ کے بعد بھی کوئی امید رہ جاتی ہے کیا؟'' وہ عالم طیش سے بولے۔

''ٹھیک ہے پھر آپ مجھے دکان پر بٹھا دیں میں نہیں پڑھ سکتا اور...... دکان میں سنبھالوں گا، پھر آپ میری شادی کر دیں۔'' ابا جی تو دنگ ہوئے سو ہوئے بیلا آپا کا منہ بھی کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ پھر گھبرا کر ابا جی کی طرف دیکھا جو لال پیلے ہوئے اسے گھور رہے تھے۔

''بیٹے! جب شادی کا ارادہ کر ہی لیا ہے تو اس کا نام بھی بتا دو جس کے خیال سے دل لگا کر پڑھائیاں کرتے رہے ہو۔'' شاہنواز نے جھکا ہوا سر مزید جھکا لیا اسے پتا تھا اگر غلطی سے بھی ابا جی کی طرف دیکھ لیا تو زبان نہیں کھول سکے گا۔

''گل بانو۔'' اپنی تمام ہمتیں مجتمع کر کے بالآخر اس نے کہہ ہی دیا۔ ابا جی کو پہلی فرمائش پر کم دھچکا لگا تھا اب تو دماغ بھک سے ہی اڑ گیا۔

''کیا کہا...... دوبارہ کہنا۔''

ایک ہاتھ چپل کی طرف بڑھاتے ہوئے انہوں نے خونخوار لہجے میں پوچھا۔

''وہ...... وہ ابا جی۔'' بھاگنے کے لیے پر تولتے ہوئے وہ ہکلا گیا۔

''ارے شکل دیکھی ہے کبھی اپنی۔ میں تو تجھے اس بچی کی خاک تک بھی نہ پہنچنے دوں نالائق...... ناہنجار۔''

انہوں نے جیسے ہی چپل رسید کی شاہنواز نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔ درمیان میں میز تھی ذرا سی ٹھوکر لگی میز ابا جی کی کرسی سے ٹکرائی ان کے پر جوش ہو کر بولنے سے کرسی پہلے ہی لرز رہی تھی۔ یہ تصادم سہار نہ سکی نتیجتاً پچھلی طرف الٹ گئی۔

اب ابا جی کے پیر اوپر اٹھے ہوئے تھے خود وہ نیچے، بیلا آپا گھبرا کر لپکیں۔ ابا جی سنبھلنے کی کوشش کرتے بری طرح اسے کوس رہے تھے۔

ارے گل بانو سے شادی کرے گا...... ہے یہ اس کے قابل...... زندہ گاڑ دوں گا دوبارہ اس کا نام زبان پر لایا تو۔''

شاہنواز گھبرایا ہوا تھا ان کی مدد کے لیے واپس پلٹنا بھی چاہتا تھا مگر آخر بات سن کر آگ ہی لگ گئی۔

''شادی میں گل بانو سے ہی کروں گا۔ اور وا گر آپ نہیں کرنے دیں گے تو اسے اغوا کر کے لے جاؤں گا۔''

اس نے چیخ کر کہا اور بھاگتا ہوا گھر سے باہر نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

ٹھیک پانچ روز بعد جب شمسہ ناراضی کے طور پر لاتعلقی ظاہر کرتے تھک چکیں تو حنان کا نمبر ڈائل کر لیا۔دوسری طرف آنسرنگ مشین مہذب لہجے میں ہدایات دے رہی تھی۔

ایک بپ کے بعد اپنا میسج ریکارڈ کروائیں وغیرہ وغیرہ۔انہوں نے مایوس ہو کر ریسیور رکھ دیا اور بیٹھ کر رونے لگیں۔شوہر کے طنز، بیٹے کی لاپروائی اور بے حسی اور ضمیر کا بوجھ الگ...... بے بسی کے شدید ترین احساس سے مغلوب ہوتی وہ روتی چلی گئیں۔

''کیا ہو گیا مما!'' نشوئی ابھی ابھی آئی تھی انہیں روتا دیکھ کر بوکھلا سی گئی۔

''کچھ نہیں بیٹے! اپنی قسمت کو رو رہی ہوں۔'' انہوں نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا پھر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''میں ہسپتال جا رہی ہوں تھوڑی دیر تک واپس آ جاؤں گی۔''

''کیوں جا رہی ہیں مما۔۔لاسٹ ٹائم بھی شفق نے آپ لوگوں کو کتنا برا بھلا کہا تھا۔'' وہ فکر مند سی ہو گئی۔

''بری بھلی تو ان کی سننا پڑے گی بیٹے! ہم نے خود انہیں حق دیا ہے کیا برا بھلا بھی نہ کہیں گے...... جانا ضروری ہے میرا دل کہتا ہے کچھ وقت ان لوگوں کے ساتھ گزارنا ہی چاہیے...... خواہ اس دوران وہ سب ہمیں گالیاں ہی کیوں نہ دیں...... ممکن ہے لگاتار گالیاں سن کر ہی میرے ضمیر پر پڑا بوجھ کچھ کم ہو جائے۔'' انہوں نے گہری سانس بھر کر کہا تھا۔

ثانیہ انہیں کاریڈور میں ڈاکٹر سے بات کرتی ہوئی مل گئی۔

''اب کیسی طبیعت ہے حلیمہ بہن کی۔''

''بہتر ہیں...... لیکن ڈاکٹرز نے ابھی بھی کوئی حوصلہ افزا جواب نہیں دیا۔'' ثانیہ کے لہجے میں کوئی بھی الگ تاثر نہ تھا شمسہ نے محسوس بھی کیا تھا۔

''جاگ رہی ہیں؟''

''نہیں...... ابھی ابھی نیند کا انجکشن دیا ہے۔''

''ہوں۔'' دونوں خاموش ہو گئیں کہ اب کچھ کہنے یا پوچھنے کو باقی بھی نہ بچا تھا پھر بالآخر شمسہ نے ہی خاموشی کو توڑا۔

''کیا کچھ دیر وہاں میرے ساتھ بیٹھ سکتی ہو...... میں جانتی ہوں تم مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتیں لیکن پلیز۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' ثانیہ نے سرعت سے کہا پھر ہاسپٹل کے لان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

''آیئے وہاں بیٹھتے ہیں۔''

وہ دونوں برآمدے کی سیڑھیوں میں بیٹھ گئیں لان کی گھاس پر ایک بچہ اپنی بال سے کھیل رہا تھا اور لان کی گھاس دھوپ میں چمکتی بے حد ہری معلوم ہوتی تھی۔

ثانیہ نے کچھ دیر ان کی طرف سے منتظر رہنے کے بعد گفتگو کا آغاز کیا تھا۔

"شاید آپ یہ سمجھ رہی ہیں کہ میں آپ سے ناراض ہوں۔" اس نے کہا پھر خاموش ہوگئی وہ خود بھی فیصلہ کرنے سے قاصر تھی۔

"حنان اگر کسی اور میں انٹرسٹڈ تھا تو آپ کو مجھ سے غلط بیانی نہیں کرنا چاہیے تھی...... آپ کو احساس ہے آپ کے اس جھوٹ کی وجہ سے میرا خاندان کتنے ناقابلِ تلافی نقصان کا شکار ہو سکتا ہے۔"

"میں نے جھوٹ نہیں بولا تھا ثانیہ!" شمسہ کی آنکھوں میں پھر آنسو آگئے۔

"مگر اپنی بات کی صداقت کا یقین نہ میں جہانگیر کو دلا سکتی ہوں نہ تمہیں...... میں نے جو بھی تم سے کہا وہ سو فیصد درست تھا کیونکہ حنان نے خود میرے سامنے تم میں دلچسپی ظاہر کی تھی اور وہ تم سے شادی کا خواہش مند تھا میری غلطی یہ ہے کہ میں نے اس پر بھروسہ کیا مجھے تبھی سمجھ لینا چاہیے تھا کہ وہ جہانگیر سے انتقام لینے کے لیے اور ہمیں نیچا دکھانے کی ایک اور کوشش کر رہا ہے۔"

اب ثانیہ بری طرح چونکی اس نے سرعت سے گردن موڑ کر شمسہ کی طرف دیکھا تھا حیرانی و ناسمجھی کے مارے اس کی فراخ پیشانی پر لکیرا ابھر آئی تھی مگر لبوں سے اس نے ایک لفظ نہ کہا۔

"دراصل حنان میرے پہلے شوہر کی اولاد ہے۔" شمسہ نے سلسلہ کلام جوڑا تھا۔

"ممکن ہے تم اس بات سے پہلے سے واقف ہو کیونکہ حنان کی بدولت یہ بات پوشیدہ رہ ہی نہیں سکتی۔ زیادہ تفصیل میں نہیں جاؤں گی کیونکہ جانتی ہوں تمہارا وقت بے حد قیمتی ہے۔ جہانگیر سے شادی سے پہلے میری شادی حنان کے باپ سے ہوئی تھی۔ میں مڈل کلاس سے تعلق رکھتی تھی اور میرے ابا زراعت کے محکمے میں ہیڈ کلرک تھے۔ جب قادر کا رشتہ میرے ماموں کے توسط سے آیا تو میرے گھر میں ایسی صورت حال تھی جیسے سات بیٹیوں کے بعد کسی گھر میں بیٹے کی خوشخبری آئی ہو گو کہ ہم دو ہی بہنیں تھیں لیکن قادر کی دولت کی چکا چوند کے آگے بزرگوں اور بھائیوں کو کچھ دکھائی ہی نہیں دیا۔ اور قادر کے متعلق کسی قسم کی معلومات حاصل کرنے کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔

شادی کے بعد مجھے قادر کی اصلیت پتا چلی تو ماں کے صبر کے متعلق پڑھائے اسباق کے سوا کچھ یاد نہ آیا۔ میں جانتی تھی ہمارے معاشرے میں عورت کے لیے شوہر کے گھر سے نکل کر کوئی سائبان نہیں ہوتا۔

یہاں لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی دفنانے کا رواج نہ سہی لیکن لفظوں کے پتھر مار کر ہلاک کر دینے کا رواج ضرور ہے۔

قادر کے پاس بیش بہا دولت تھی ساتھ ہی ساتھ شرابی اور جواری بھی تھا مگر ان سب کے ساتھ ہی وہ انتہائی ناقابل برداشت قسم کے نفسیاتی مرض میں بھی مبتلا تھا۔ نشے کی حالت میں مجھے زدوکوب کرنا اور میرے جسم کو سگریٹوں سے داغنا اس کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔

میرے جسم پر ابھی بھی وہ نشانات موجود ہیں جنہیں دیکھتے میری اذیت از سر نو تازہ ہونے لگتی ہے۔ حنان پانچ سال کا تھا تب میں نے بڑی دقتوں سے قادر سے طلاق حاصل کی۔ اس کے بعد چند سال کڑی مشقت کے تھے مگر پھر اللہ کو مجھ پر رحم آگیا اور اس نے

جہانگیر جیسے بہترین انسان کو میرے لیے بھیج دیا۔ زندگی میں سکون آیا تو ٹھہراؤ بھی آ گیا۔ جہانگیر بہترین باپ بھی ثابت ہوئے بلکہ میں سمجھتی ہوں انہوں نے حنان کو اس کے سگے باپ سے بڑھ کر محبت دی تھی۔ مگر قادر حنان کے بارہ سال کی عمر میں پہنچتے تک عدالت کے ذریعے اس کو اپنے ساتھ رکھنے کی اجازت لے چکا تھا۔

حنان کی سوچ میں یہ جو تبدیلی تھی اس دور میں ہی آئی۔ قادر نے حنان کے دماغ میں اتنا زہر انڈیل دیا کہ وہ اب تک جہانگیر کو اپنا دشمن سمجھتا ہے اور اپنے باپ کی حادثاتی موت کو بھی انہی کے کھاتے میں ڈالتا ہے۔

اس کا خیال ہے جہانگیر سے شادی کرنے کے لیے میں نے اس کے باپ سے طلاق لی تھی۔ ایک ماں اپنے جوان بیٹے کو یہ بات کیسے سمجھا سکتی ہے کہ اس کا باپ اسے کس کس تشدد کا نشانہ بنا چکا ہے...... یہ بھی نہیں کہ میں نے حنان کو اس متعلق بتانے کی کوشش ہی نہیں کی......کوشش کی ہے بہت کی ہے۔

مگر قادر کی تخلیق کی ہوئی سوچ اتنی طاقت ور ہے کہ اس کے آگے میری وضاحتیں ہمیشہ کمزور پڑ جاتی ہیں......وہ ہمیشہ ایسی حرکتیں کرتا ہے جو جہانگیر کو ڈسٹرب کر سکیں۔ تم چونکہ میری اور ان کی پسند بھی تھیں تو اس بار حنان نے ہمیں زچ کرنے کے لیے تمہیں مہرہ بنایا ہے۔'' شمسہ گہری سانس بھر کر خاموش ہو گئی تھیں ثانیہ کچھ بھی کہنے سے قاصر تھی پھر اس نے کہا۔

''لیکن میرا تو کوئی قصور نہیں تھا...... پھر آپ نے کیوں؟''

''جانتی ہوں۔ لیکن میں خود غرض ہو گئی تھی مجھے لگا تھا صرف تم ہی وہ لڑکی ہو جو میرے بیٹے کو راہ راست پر لا سکتی ہوں اسے سنبھال سکتی ہو...... مجھے معاف کر دو ثانیہ! میں مجرم ہوں تمہاری۔'' انہوں نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔ ثانیہ نے ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

''میں کیا...... میری بساط کیا...... معافی مانگ کر مجھے شرمندہ نہ کریں...... حضرت علی کا وہ قول سنا ہے آپ نے کہ ''میں نے اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے اللہ کو پہچانا۔ یہی معاملہ یہاں بھی ہے...... جو آپ نے چاہا جو میں نے چاہا کچھ بھی ویسا نہ ہو سکا کیونکہ اللہ کی مرضی کچھ اور ہی ہے......بس آپ میری امی کے لیے دعا کریں۔''

''ضرور بیٹا! کیوں نہیں اللہ تمہارے حوصلے بلند رکھے...... میری بڑی خواہش ہے کہ حنان تمہاری قدر کرے۔''

''پلیز......'' ثانیہ نے قطعیت سے انہیں ٹوک دیا۔'' آپ کا بیٹا میری قدر کر بھی لے تو کوئی فائدہ نہیں کیونکہ میں فیصلہ کر چکی ہوں کہ مصالحت کی اب کسی راہ پر نہیں چلنا۔ میں کسی ایسے شخص کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی جسے کسی کی ریاضتوں کی قدر ہی نہ ہو جو آپ کی قدر نہ کر سکا، جسے سر جیسے شخص کے خلوص کی قدر نہ ہو سکی اسے میری اہمیت کا احساس کب ہو گا۔ ساری زندگی اپنا آپ منوانے کی جدوجہد میں ہلکان ہونے سے بہتر میں تنہا زندگی گزارنا سمجھتی ہوں...... ویسے بھی دنیا کی اب مجھے پروا نہیں رہی...... صرف امی کی صحت یابی کا انتظار

ہے جیسے ہی ان کی طرف سے اطمینان ہوا پہلی فرصت میں خلع کو نوٹس بھجوادوں گی۔" اس کے نرم لہجے میں یک تبدیلی سی محسوس ہوتی تھی۔ شاید اس قدر بے لچک حتمی پن۔ شمسہ نے کچھ کہنا چاہا مگر زبان نے ساتھ نہ دیا۔ بعض اوقات زبان کی ٹکسال پر لفظوں کے سکے بنتے ضرور ہیں مگر کھوٹے۔ اور کھوٹا سکہ چلا کر رسوا ہونے سے بہتر ہے اس سکے کو دریا میں بہا دیا جائے یا جیب میں چھپا کر رکھا جائے۔

سوانہوں نے بھی ان سکوں کو پرس کی اندرونی جیب میں رکھا اور اداسی سے مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"شاہنواز کہتا ہے حنان پہلے غلطی کرتا ہے پھر اس غلطی پر پچھتا تا ہے اور میرا دل کہتا ہے تم جیسی بہترین لڑکی کی قدر نہ کر کے اس نے اپنی زندگی کی سنگین ترین غلطی کی ہے...... پچھتاوا اس کا مقدر ہے۔ میں جانتی ہوں یا میرا اللہ کہ میں تمہیں اپنی بہو بنانے کے معاملے میں کس قدر پر خلوص تھی لیکن شاید یہ خوشی میرے مقدر میں نہیں تھی۔ بہر حال میری دعا ہے اللہ تمہارا مستقبل روشن کرے اور تمہیں ہر اس خوشی سے نوازے جس کی تم تمنا کرو۔"

پھر انہوں نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر پیشانی پر بوسہ دیا اور پلٹ کر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتیں وارڈ کے بیرونی راستے کی طرف چلی گئیں۔

وہ چند لمحے وہیں کھڑی ان کے تعاقب میں اپنی نظریں دوڑاتی رہی، پھر خود بھی واپس پلٹ گئی۔

☆......☆......☆

"اچھا...... پھر؟" گل بانو نے ٹھوڑی کے نیچے ہتھیلی جما کر تجسس و پریشانی بھرے انداز میں پوچھا تھا۔

"پھر کیا...... میں نے ابا جی کو صاف صاف بتا دیا کہ میں شادی کروں گا تو صرف گل بانو سے اور اگر کسی نے میرے راستے میں آنے کی کوشش کی تو میں تمہیں اغوا کر کے لے جاؤں گا۔" لاپروائی سے ناک سے مکھی اڑاتے ہوئے گردن اکڑا کر کارنامہ چار سے ضرب کر کے سنایا۔ حال کی محبوبہ اور مستقبل کی بیوی کے سامنے اتنی مبالغہ آرائی وہ اپنا حق سمجھتا تھا۔ گل بانو کی آنکھیں تعجب و بے یقینی سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"سچ مچ ایسا کہہ دیا؟"

"تو کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں۔" وہ بگڑا پھر خود ہی ہنسنے لگا۔

"ابا کی کرسی الٹ گئی تھی۔ چوٹ بھی لگی ہوگی۔"

"شرم کرو انہیں چوٹ لگی اور تم ہنس رہے ہو...... کم سے کم جا کر پوچھ ہی لیتے۔"

"پوچھنے بیٹھ جاتا تو اب تم بیٹھی میری ہڈیوں کی ٹکور کر رہی ہوتیں۔" وہ جل کر بولا تھا۔

"میں تو کہتا ہوں اچھا ہی ہوا ابا جی کے کانوں تک بات پہنچ گئی۔" اپنی دھن میں مگن وہ بولتا چلا گیا گل بانو کی نظریں کھیتوں کے پار متلاشی انداز میں بھٹک رہی تھیں۔

شہر سے آئے ہوئے انجینئر سے آج کل معاملہ بھرپور جا رہا تھا۔ جب گل بانو نے اسے دیکھا وہ مختلف اوزاروں سے سڑک ناپ ناپ کر دیکھ رہا تھا۔ گل بانو کا دل یوں بھی ہمہ وقت یہاں وہاں گرنے کو بے تاب رہتا تھا اس گورے چٹے شہری بابو کے قدموں میں گرنے میں ایک منٹ سے بھی کم وقت لگا۔

سنا ہے پلیٹ میں رکھ کر پیش کی جانے والی شراب تو ملا کو بھی حلال ہو جاتی ہے۔ انجینئر صاحب کا مزاج بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ ملاقات طے تھی مگر کماد کے کھیتوں کے ارد گرد کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ معاً وہ اپنے کھیتوں سے دور ڈیرے کی طرف جاتا دکھائی دیا۔ گل بانو نے چپکے سے شاہنواز کی طرف دیکھا۔ وہ بونگا اپنی ہی داستان شروع کیے بیٹھا تھا۔ اس نے کچھ سوچا پھر بولی۔

''شاہنواز! میں نے ادھر ڈیرے کی طرف نسرین کو جاتے دیکھا ہے، کم بخت کب سے میری ہری قمیض لے کر گئی ہوئی ہے، اب تک واپس نہیں کی۔ میں ذرا اس کی خبر لے کر آتی ہوں۔ تم...... تم کہاں انتظار کرو گے، گھر چلے جاؤ...... میں بھی وہیں سے چلی جاؤں گی۔''

اس نے بڑے طریقے سے بات بنائی تھی۔

''لو اور سنو...... گھر جا کر میں نے اباجی کی جوتیاں کھانی ہیں۔'' وہ استہزائیہ بولا۔

''پھر...... پھر کسی دوست کے گھر چلے جاؤ، یہاں اکیلے اتنی دھوپ میں بیٹھ کر کیا کرو گے۔'' وہ جلد از جلد اسے یہاں سے روانہ کرنا چاہتی تھی۔

''ہاں...... بات تو تیری ٹھیک ہے۔'' اس نے پرسوچ انداز میں کہا۔

''چل پھر میں تو چلا مدثر کی طرف۔'' وہ گھٹنوں پر ہتھیلیاں جما کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''اچھا سن۔'' وہ جاتے جاتے رکا۔ ''کل گھر آئے گی نا۔''

''ہاں بابا، آؤں گی۔'' وہ بمشکل اپنی اکتاہٹ چھپا پائی پھر وہیں کھڑی شاہنواز کو دیکھتی رہی اور جب اسے یقین ہو چکا کہ شاہنواز گاؤں کی حدود میں داخل ہو چکا ہے تو اطمینان سے ڈیرے کی طرف چل دی۔

شاہنواز کو کچھ دور جا کر احساس ہوا کہ کسی دوست کے گھر جانا سراسر حماقت ہو گی، اباجی کو ذرا بھی اس کی گاؤں میں موجودگی کی بھنک پڑ گئی تو بس خیر نہیں۔ لہٰذا اس نے وہیں واپس جانے کا ارادہ ترک کیا اور قریب بہتے نالے کے شفاف پانی میں پیر ڈال کر بیٹھ گیا۔

پھر اٹھا، یہاں وہاں گھوما، کھیتوں میں بیٹھے پرندے اڑائے، ان کے پیچھے دوڑا۔ ایسے ہی آوارہ گردی کرتا ڈیرے تک پہنچ گیا، کسی پرانی عمارت کا کھنڈر تھا، آوارہ کتوں کی آماجگاہ اور نشہ کرنے والوں کا تاج محل۔

آواز گونجتی تو بڑا لطف آتا۔

وہ منہ اٹھائے چھتوں سے چمٹتی چمگادڑوں کو دیکھ رہا تھا کہ پہلے ہلکی سی چھن چھن سنائی دی پھر کوئی پوری قوت سے اس سے ٹکرا

گیا۔ شاہنواز اس افتاد کے لیے تیار نہیں تھا، لہٰذا خود کو سنبھال نہ سکا لیکن حواس بحال ہونے سے قبل ہی ایک نازک ہتھیلی اسکے لبوں پر مضبوطی سے آن رکی تھی۔

''چپ رہ شاہنواز......'' شاہنواز نے دیکھا، حواس باختہ گل بانو اس پر جھکی ہوئی تھی۔

''کیا کر رہی ہے تو......'' اس نے گل بانو کا ہاتھ ہٹانے کی زبردست کوشش کی۔ ''اللہ کا واسطہ ہے چپ ہو جا، وہ اسے مار دیں گے شاہنواز......میں اسے مرنے نہیں دینا چاہتی۔''

''او کس کو نہیں مرنے دینا۔'' اس نے زبردستی اس کا ہاتھ ہٹایا، ساتھ ہی گل بانو کو بھی پرے دھکیل دیا۔ اس کی آستینیں گل بانو کے ہاتھ میں تھیں، اس دھکم پیل میں دور تک ادھڑ گئی۔

اپنے حواس بحال ہونے سے قبل کہ وہ گل بانو سے کوئی استفسار کرتا، اس نے کچھ مردوں کو وہاں آتے دیکھا، ان کے ساتھ اس کے ابا جی بھی تھے۔ شاہنواز اتنا گھبرایا ہوا تھا کہ اسے ابا جی کو دیکھ کر بھی وہاں سے بھاگنے کا خیال نہیں آیا۔ بس حیرت کا جھٹکا اس وقت لگا، جب اس نے گل بانو کو بھاگ کر ابا جی کی پشت پر پناہ لیتے دیکھا۔

''مجھے بچا لیں چا چا جی......اللہ کے واسطے مجھے بچا لیں......آپ کے بیٹے نے اپنا کہا پورا کیا ہے، یہ مجھے زبردستی یہاں گھسیٹ لایا ہے۔ مجھے بچا لیں۔'' وہ روتی جاتی تھی اور چیختی جاتی تھی۔

شاہنواز ہونقوں کی طرح منہ اٹھائے سب کو دیکھ رہا تھا، ابا جی کا ایک ہاتھ گل بانو کو اپنی پناہ میں لے چکا تھا اور جسم کا سارا خون چہرے پر سمٹ آیا تھا، جب تک......شاہنواز کو صورت حال کی سنگینی کا احساس ہوتا، پانی سر سے گزر چکا تھا۔

☆......☆......☆

''اتنی فکر مندی کی بھی کوئی بات نہیں ہے شاہنواز! اماں جی کو ویسے ہی ہم ستاتے رہتے ہیں، خصوصاً میرے معاملے میں۔'' بیلا آپا نے مٹر چھیلتے ہوئے خاصی سنجیدگی و بے زاری سے کہا۔

''پتا نہیں انہیں یہ وہم کیوں ہے کہ میں گھر بسانا نہیں چاہتی، حالانکہ تم خود بتاؤ کون سا گھر ہے جہاں میاں، بیوی کے جھگڑے نہیں ہوتے؟ اماں جی کے نزدیک تو اچھی شادی شدہ زندگی گزارنے کے لیے بیوی کا جھکا ہوا سر ضروری ہے۔ خود انہوں نے کبھی ابا جی کے سامنے کوئی بات نہیں کی، جو ابا جی نے کہہ دیا وہ ان کے لیے پتھر پر لکیر ہوتا ہے، اب یہی دیکھ لو تمہارے معاملے میں اگر اماں جی ڈٹ جائیں تو آج سے کئی سال پہلے سے تم ہمارے ساتھ ہوتے۔

میری ڈیمانڈ بھی کچھ ایسی بے جا نہیں ہے، صرف الگ گھر ہی تو چاہتی ہوں، ہر عورت چاہتی ہے بچے بڑے ہو رہے ہیں، جوائنٹ فیملی کی اگر سہولت ہے تو مسائل بھی ہزار......مگر یہ بات انہیں (بیلا آپا کے میاں) کون سمجھائے اوپر سے ہماری اماں جی......مجال

ہے جو کبھی ''ان'' کے سامنے میرا ساتھ دے دیں، ہمیشہ ''انہی'' کی ہاں میں ہاں لائیں گی۔

حالانکہ میں جانتی ہوں تھوڑا سا اگر اماں جی میرا ساتھ دیں تو میں اپنی بات منوا سکتی ہوں۔ اپنے میاں کو بڑی اچھی طرح جانتی ہوں۔ بات مان لیتے ہیں، لیکن تھوڑی ضد کرنا پڑتی ہے، باقی بات رہی ہمارے جھگڑوں کی، تو اماں جی یونہی گھبرا رہی ہیں، ایسے چھوٹے موٹے جھگڑوں کی پروا نہیں کرنی چاہیے، تم خود بتاؤ میاں، بیوی میں ہنسی مذاق کے جھگڑے ہوتے ہیں کہ نہیں۔''

''مجھے کیا پتا، آپ تو اس طرح پوچھ رہی ہیں جیسے میں چار بیویاں بھگتائے بیٹھا ہوں۔'' شاہنواز نے جل کر کہا۔ بیلا آپا جو اپنی دھن میں بول رہی تھیں نے حیرانی سے اسے دیکھا، چند منٹ میں بات کی گہرائی تک پہنچیں، پھر ایک زبردست قہقہہ لگایا۔

''اتنا شوق ہو رہا ہے؟ میں ابھی اماں جی سے بات کرتی ہوں۔ تم بھی کسی پار لگو، آٹے، دال کا بھاؤ جان لو تو اماں جی کی باتوں میں آ کر نصیحتیں کرنا چھوڑ دو گے۔'' وہ مزے سے کہہ رہی تھیں۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے سابقہ انداز میں کہا۔ ''میں پہلے ہی بتا چکا ہوں، مجھے ابھی شادی نہیں کرنی، کبھی نہیں کرنی۔''

وہ پلنگ پر سر کے نیچے ہاتھوں کا سرہانہ بنا کر لیٹا چھت کی کڑیاں گن رہا تھا۔

''وجہ؟'' بیلا آپا زور دے کر پوچھنے لگیں۔

''وجہ......'' اس نے زیر لب دہرایا کہ ''وجہ'' کی تصویر چھت پر ابھر آئی تھی۔

''اب کیا مراقبے میں چلے گئے ہو۔''

''شادی نہ کرنے کی بڑی زوردار وجہ ہے آپا! میں نہیں چاہتا کل کو میری بیوی بھی آپ کی طرح الگ گھر کا مطالبہ کرے اور اس پریشانی میں، میں بھائی صاحب کی طرح نفسیاتی مریض دکھائی دینے لگوں۔'' اس نے بے حد متانت سے جواب دیا۔

''کیا۔'' بیلا آپا چیخیں۔ ''میرے میاں تمہیں نفسیاتی مریض دکھائی دیتے ہیں۔''

''صرف مجھے نہیں، سب کو۔'' اس نے تصحیح کروانا مناسب سمجھا۔ بیلا آپا نے تاک کر ایک چھلکا اسے دے مارا۔

''بڑے ہی بدتمیز ہو۔''

تبھی اماں جی آ گئیں۔

''اماں جی! سنیں آپ کا بیٹا کیا کہہ رہا ہے۔''

''ارے اطمینان سے سن لوں گی، ہمیں کاہے کی جلدی ہے، لیکن تم یہ فون سن لو، بج بج کر کان کھا گیا میرے۔'' انہوں نے شاہنواز کا موبائل فون اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔ اس نے جلدی سے فون لے کر کان سے لگا لیا، اماں جی کہہ رہی تھیں۔

''کیا کھلونا ہے ہر گھڑی بجتا ہے۔ میں پوچھتی ہوں سکون کی سانس اس کے بغیر بھی آتی ہے یا نہیں؟'' وہ حد درجہ جھنجلائی ہوئی تھیں۔

بیلا آپا خاموشی سے مٹر کے دانے نکالتی رہیں۔

''اچھا......نہیں......لیکن کب؟ ہاں......اب کیسی طبیعت ہے، مگر یار! ڈاکٹر نے بھی تو کچھ کہا ہوگا، لیکن ان کا شوگر لیول ہمیشہ لو رہتا ہے آج ہائی کیسے ہوگیا؟

اچھا، چلو ٹھیک ہے، نہیں پھر ملاقات ہوگی۔

میں تھوڑی دیر میں نکلتا ہوں ایک ڈیڑھ بجے تک پہنچ جاؤں گا۔ تعجب ہے سورسز آف انفارمیشن میرے زیادہ ہیں، اس کے باوجود آج کل ہر اہم خبر مجھے تم سے مل رہی ہے، خیر کبھی نہ کبھی قرض چکا دیں گے، اللہ حافظ۔'' اس نے موبائل کان سے ہٹا کر چند لمحے سوچنے میں صرف کیے۔

''کیا ہوا؟ خیریت تو ہے؟ کس کا فون تھا؟'' دونوں خواتین کو کھد بد لگ چکی تھی۔

''شمسہ خالہ کی طبیعت خراب ہے کل رات سے اسپتال میں ہیں۔'' اس نے اطلاع دی۔

''یا اللہ! کیا ہوگیا میری بہن کو۔'' اماں جی سراسیمگی سے بولیں۔

''ذیابیطس کی مریضہ ہیں وہ، عموماً شوگر لیول لو رہا کرتا ہے، لیکن کل رات ایک دم سے ہائی ہوگیا تو اسپتال میں ایڈمٹ ہونا پڑا۔''

''ویسے بھی فالتو وقت بھی ہو اور پیسہ بھی وافر ہو، بیماریاں سو۔''

''اوہو، ایک تو تمہاری بدگمانی کی کوئی حد نہیں بیلا۔'' اماں جی جھنجلا کر بولیں۔

''اس میں بدگمانی کی کیا بات ہے؟ اسپتالوں میں جھانک کر دیکھ لیں، پیسے والوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ غریب بے چارا تو بخار کی دوائی بھی مشکل سے لیتا ہے، ورنہ سسک سسک کر مر جاتا ہے۔''

''اماں جی! میں ابھی لاہور کے لیے نکل رہا ہوں، جلد فارغ ہوگیا تو رات تک واپس آجاؤں گا، ورنہ پھر کل صبح واپسی ہوگی، بیلا آپا! پلیز ذرا اٹھ کے میرا بیگ تیار کردیں۔''

''میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں شاہنواز! عیادت تو بندہ غیروں کی بھی کر لیتا ہے۔ شمسہ تو پھر میری بہن ہے اور محسنہ بھی۔'' پھر وہ بیلا آپا سے بولیں۔

''بیلا! میرا بھی ایک جوڑا اور گرم چادر بیگ میں رکھ دینا۔''

''میں تازہ پھلکے اتار دیتی ہوں، کھانا کھا کر ہی سفر کے لیے نکلیں۔'' بیلا آپا یکدم مستعد ہوگئی تھیں۔

''نہیں آپا! کھانا میں نہیں کھاؤں گا، البتہ چائے بنوا دیں۔'' وہ دروازے کی طرف پلٹا، پھر ٹھٹک کر رک گیا، گل بانو دروازے میں کھڑی تھی اور اسی کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اماں جی اور بیلا آپا بھی اسے یہاں دیکھ کر حیران تھیں۔

شاہنواز کی حیرانی میں البتہ ناگواری زیادہ تھی۔ پہلے اس کا دل چاہا گل بانو کو دھکے دے کر گھر سے باہر نکال دے، پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا اس کے قریب سے گزرتا دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

☆......☆......☆

ثانیہ گھر جانے کی ارادے سے نکلی تھی، لیکن اسپتال کے برآمدے میں رک کر کچھ سوچنا شروع کیا تو بس سوچتی ہی چلی گئی۔ پھر چونک سی گئی۔

پتا نہیں کیا سوچ لاحق تھی اور کوئی سوچ تھی بھی یا نہیں؟ کہ اس وقت تو ذہن بالکل خالی ٹین کا ڈبہ معلوم ہوتا تھا۔ وہ اپنے ہی خیالات کی کھوج لگاتے لگاتے تھک گئی تو سر جھٹک کر گھر جانے کا ارادہ موقوف کیا اور وارڈ کی طرف چل دی۔

تبھی سامنے وہ دکھائی دے گیا اور وہ ٹھٹک سی گئی۔

تو کیا یہ اس کی نظروں کا ارتکاز تھا؟

اس نے پل بھر کو سوچا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھائی آگے بڑھ گئی۔

شاہنواز نے اس کا یوں نظریں چرا کر آگے بڑھ جانا دیکھا بھی تھا اور محسوس بھی کیا تھا۔

''میری کیا غلطی ہے بھلا؟ اس زمانے کے دستور بھی نرالے ہیں جو سب سے زیادہ بے قصور ہو بس وہی دھر لیا جاتا ہے، ہم ٹھہرے سدا کے بے قصور، ہمیشہ اس جرم کی سزا پائی ہے جس کا ارتکاب ہی نہیں کیا ہوتا۔'' رگوں میں بہتا لہو جل جل کر خاک ہونے لگا۔ اندر امی کے بیڈ کے قریب ایک گریس فل سی خاتون براجمان تھیں اور شفق سے باتیں کر رہی تھیں۔

پھر شفق نے ہی تعارف کروایا۔

''یہ شاہنواز بھائی کی امی ہیں اور خالہ جان یہ ثانیہ ہے۔''

''السلام علیکم۔'' ثانیہ نے فوراً سلام کیا، ساتھ ہی پہلی بار بغور ان کا جائزہ لیا، سر پر ہلکا فیروزی دوپٹہ، شانوں کے گرد آف وائٹ گرم شال، سرخ و سفید رنگت، چہرے پر بے حد ملائمت اور شفقت کا بھرپور تاثر، اتنی باوقار خوبصورتی کم ہی دیکھنے کو ملتی ہے سو وہ اطمینان سے دیکھا کہ خوبصورتی کا دل پہ تاثر بڑا ابھر پور ہوتا ہے۔

وہ ثانیہ سے بڑی محبت سے ملیں۔ اٹھ کر گلے لگایا، سر پر ہاتھ پھیرا، اس کی خیریت معلوم کی، جب جانے لگیں تو شفق نے کہا۔

''آپ سے مل کر بہت اچھا لگا خالہ جان! شاہنواز بھائی سے مل کر ان کی والدہ کا خاکہ جو میرے ذہن میں بنتا تھا، آپ بالکل ویسی ہی ہیں اور آپ کا بے حد شکریہ...... آپ اتنی دور سے ہماری امی کی خیریت معلوم کرنے آئیں۔''

''اس میں شکریہ کی کیا بات ہے بیٹی! یہ تو میرا فرض تھا بلکہ شاہنواز نے پہلے تو تمہاری امی کا ذکر ہی نہیں کیا، ورنہ میں پہلے ہی چکر

لگا لیتی آج بھی شمسہ کی خیریت معلوم کرنے آئے تھے اس بہانے یہاں بھی آ گئے۔ اور تم بہنوں سے ملاقات بھی ہو گئی۔"

وہ دونوں ہی چونک گئیں۔

"شمسہ آنٹی کو کیا ہوا؟"

"اس کا شوگر لیول بہت بڑھ گیا تھا، لیکن شکر ہے اللہ کا اب بہتر ہے، کل تک شاید ڈسچارج بھی ہو جائے گی۔"

"اسی اسپتال میں ہیں؟"

"ہاں......" تبھی شاہنواز بھی آ گیا۔

"چلیں اماں جی! میں ٹیکسی لے آیا ہوں۔ اپنی گاڑی تو کل تک ورکشاپ میں چھوڑنا پڑے گی۔ ہیڈ لائٹس تبدیل ہونا ہیں کچھ اور بھی گڑبڑ ہے۔ تھوڑا ٹائم لگے گا۔" وہ جلدی میں تھا۔

"واپسی کا کیا ارادہ ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"کل شام تک گاڑی ملنی ہے، اتنا ٹائم تو لگے گا۔"

"شاہنواز بھائی! شمسہ آنٹی کس روم میں ہیں؟" شفق نے پوچھا۔ شاہنواز نے روم نمبر بتا دیا۔

"ہونہہ، وی آئی پی روم۔" وہ استہزائیہ بولی۔ "ٹھیک ہے جن کے پاس پیسہ ہے سہولیات بھی انہی کے لیے ہیں۔"

"آنٹی کیسی ہیں اب؟" شاہنواز نے پوچھا۔

"الحمدللہ قدرے بہتر ہی، ورنہ امی نے تو ہماری جان نکالنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔" اس کے لہجے میں خاصا سکون تھا۔

"ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟"

"صدمہ کہتے ہیں۔۔۔ یہ کسی شدید صدمے کی زد میں ہیں۔ ذہنی حالت سنبھل جائے تو صحت یاب ہو جائیں گی۔"

"ہوں۔" اس نے چپکے سے ثانیہ کو دیکھا۔ نظریں جھکائے وہ بالکل خاموش کھڑی تھی، زرد رنگت، آنکھوں کے حلقے، ذہنی پریشانی اور رت جگوں کے غماز، پیشانی پر سلوٹ۔

اس کا دل چاہا اپنی انگلی کے پور سے اس سلوٹ کو ہموار کر دے۔

"لاحول ولاقوۃ...... کس قسم کی صورت حال میں کیا کیا چونچلے سوجھ رہے ہیں۔" اس نے جھلا کر بلکہ سٹپٹا کر دل کو ایک چپت رسید کی اور اماں جی کے ساتھ باہر چل دیا۔

اس بات سے بے خبر کہ اماں جی سارا ہی وقت اس کا جائزہ لیتی رہی ہیں۔

"دونوں ہی بہت اچھی بچیاں ہیں۔" ٹیکسی میں بیٹھ کر انہوں نے کہا۔

’’جی۔‘‘ اس نے تائید کی۔

’’ثانیہ تو بہت ہی اچھی ہے۔‘‘ انہوں نے پھر کہا۔

’’یہ آپ مجھے بتا رہی ہیں۔‘‘ ان دل ہی دل میں بے زاری سے کہا۔

’’مجھ تو حنان کی عقل پر حیرت ہو رہی ہے، اتنی اچھی لڑکی کے ساتھ ایسی زیادتی کر کے کیا وہ خوش رہ سکے گا۔‘‘

’’رہ لے گا اماں جی۔‘‘ وہ جل کر بولا۔ ’’اس جیسے لوگ ہر حال میں خوش رہ لیتے ہیں۔‘‘

’’اللہ عقل دے اسے...... بے چاری بچی کے لیے ساری زندگی کی خوشیاں ختم کر دیں۔‘‘

’’کیسے ہو گئیں اس کی زندگی کی خوشیاں ختم۔‘‘ وہ پھر تیزی سے بولا۔ ’’ایک ناقدرے انسان نے اگر اس کی قدر نہیں کی تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ساری زندگی کو اپنے لیے تاریک سمجھے۔‘‘

’’ایک بات کہوں؟ اس لڑکی کی بربادی میں تم بھی حنان کے ساتھ برابر کے شریک ہو۔‘‘ اماں جی کا سنجیدہ لہجہ اسے متعجب کر گیا۔

’’وہ کیسے؟‘‘ حیرانی سے انہیں دیکھنے لگا۔ جواباً اماں جی نے ٹیکسی ڈرائیور کی پروا کیے بغیر ایک زوردار چپت اس کے کندھے پر رسید کی۔

’’اتنی ہی اچھی لگتی تھی تو پہلے کیوں نہیں کہہ دیا...... نہ تم دیر کرتے نہ یہ نوبت آتی۔‘‘ انہوں نے جھنجھلا کر کہا۔

شاہنواز چپ کا چپ رہ گیا۔ مائیں اتنی جلدی دلوں تک کیسے پہنچ جاتی ہیں؟

اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ان کا ہاتھ تھام لیا اور کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا۔ باقی کا رستہ خاموشی سے طے ہوا تھا۔

☆......☆......☆

’’اس کے بعد کیا ہوا میرا خیال ہے یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔‘‘ ثمن کی دکھ میں ڈوبی ہوئی آواز مومنہ کے دل پر صدمے کا سا اثر کر رہی تھی۔

’’گل بانو نے اپنی غرض کے لیے میرے معصوم بھائی کو اس طرح استعمال کیا کہ ہمارے پورے خاندان کو کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ اس روز جب شاہنواز بھائی گھر واپس آئے تو اپنے پیروں پر چل کر نہیں آئے تھے، بلکہ دو لوگوں کو انہیں سہارا دے کر لانا پڑا تھا۔ ابا جی نے انہیں اتنا مارا پیٹا تھا کہ وہ بنا سہارے چل بھی نہیں پا رہے تھے۔

ابا جی اپنے مرحوم دوست کی محبت میں اندھے ہو رہے تھے کچھ گل بانوں نے رو رو کر انہیں اپنی صداقت کا یقین دلا دیا تھا حالانکہ موقع پر موجود کچھ لوگوں نے اس کے خلاف بھی گواہی دی تھی کیونکہ وہ اس کی حرکتوں سے آگاہ تھے مگر ابا جی نے کسی کی نہ سنی ان کا تو بس نہیں چلتا تھا بھائی کو قتل کروا ڈالیں۔ وہ بھائی کو سزا دلوانا چاہتے تھے مگر جب بھائی کی حالت کچھ سنبھلی اور انہوں نے ابا جی کو اپنی صداقت کا یقین

دلانا چاہا تب ابا جی نے پھر انہیں مارنا شروع کر دیا۔

اور اس بار تو شاید ابا جی سچ مچ انہیں قتل کر بھی دیتے مگر اماں جی نے ان کی منت ساجت شروع کر دی۔ ابا جی کا دل تو خیر کیا پسیجنا تھا انہوں نے بس اتنا احسان کیا کہ بھائی کو گھر سے نکال دیا۔

اگلے دو تین سالوں تک تو ہمیں خبر ہی نہ ہو سکی کہ بھائی کہاں ہیں ہاں مگر اس مدت میں گل بانو کی حقیقت ہم پر ضرور کھل گئی۔ کچھ اس کی حرکتیں اور کچھ اس کی بھابھی کا ردعمل تھا جو سب اس کی اصلیت جان گئے۔ جس کے لیے اس نے میرے بھائی کے ساتھ برائی کی تھی وہ بھی اسے چھوڑ گیا شاید تبھی اسے میرے بھائی کی قدر آئی اور تب سے اب تک وہ بھائی سے محبت کا کلمہ پڑھتی ہے۔ اس کی محبت اتنی شدید ہے کہ محبت کے باعث وہ دیوانی سی بنی پھرتی ہے مگر اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتی۔''

ثمن کا لہجہ بے حد استہزائیہ ہو گیا تھا۔

''تم نے شاید اور بہت سی باتوں کی طرح اس بات پر بھی غور نہیں کیا ہوگا کہ اس گاؤں میں عورتوں سے زیادہ مرد اس کے خیر خواہ ہیں کیونکہ گل بانو جہاں ہاتھ پکڑ کر اپنا کام نکلوا سکتی ہے وہاں ہاتھ پکڑتی ہے جہاں کندھے پر سر رکھنے سے معاملہ بن سکتا ہے وہ سر رکھتی ہے اور جہاں......اب اور تمہیں کتنی تفصیلات بتاؤں۔

بس اتنا سمجھ لو گل بانو نے میرے بھائی کے ساتھ جو کیا ہے کم سے کم میں تو اسے قیامت تک معاف نہیں کر سکتی۔ ہاں جگہ جگہ اس کے کیے کا اشتہار بھی نہیں لگا سکتی کیونکہ میری ماں نے میری ایسی تربیت نہیں کی یہی وجہ ہے کہ میں نے تمہیں اس کے بارے میں کچھ نہ بتایا۔ ابھی بھی اگر ناصر مجھے مجبور نہ کرتا اور مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ تم گل بانو کی وجہ سے میرے بھائی کو بددعائیں دیتی رہو گی تو یقین کرو میں تمہیں کبھی یہ ساری باتیں نہ بتاتی کہ بہر حال میرے بھائی کی زندگی کا یہ باب انتہائی شرمناک ہے میں اس باب کو بار بار کھولنے کی حماقت کیسے کر سکتی ہوں۔''

''نہیں خیر...... بددعا تو میں نے کبھی نہیں دی۔'' وہ شرمندہ ہو کر بولی۔ گل بانو کا ظاہر اتنا دلکش تھا کہ اس بدصورت چہرے پر اس کا گمان بھی نہ ہوتا تھا مگر بہت سارے قصے اب اسے بری طرح یاد آ رہے تھے جو ثمن کی سچائی کی گواہ معلوم ہوتے تھے۔

''مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا......گل بانو باجی اتنی بری کیسے ہو سکتی ہیں۔'' بڑی دیر بعد اس نے صدمے سے چور آواز میں کہا تھا۔

''وہ بری نہیں ہے۔ فطرتاً تو قطعاً بری نہیں ہے۔'' ثمن نے فوراً اس کی بات رد کر دی۔

''اصل مسئلہ اس کی تربیت کا تھا اگر اس کی ماں نے اس کی بہتر تربیت کی ہوتی تو وہ ایسی نہ ہوتی مگر شاید ان دو عورتوں کو کبھی کسی نے بتایا ہی نہیں کہ عورت کی عزت اپنا آپ سڑک پر سجانے میں نہیں بلکہ گھر کی چار دیوار میں چھپا کر رکھنے میں ہے تمہیں پتا ہے گل بانو نے ہمارے گھرانے کے ساتھ جو کیا سو کیا اس کی بدنامی کی اصل وجہ اس کی مسکراہٹ بھی ہے۔ وہ ہر غیر مرد سے مسکرا کر خوش اخلاقی سے بات کرنا

اپنی ذمہ داری سمجھتی ہے اور اسی وجہ سے جو مرد گاؤں میں اس کے خیر خواہ بنے پھرتے ہیں، وہ بھی اس کی عزت نہیں کرتے۔

میں جانتی ہوں وہ سچ مچ میرے بھائی سے محبت کرتی ہے مگر اب اس کی محبت میرے بھائی کے کسی کام کی نہیں...... ویسے بھی اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ وہ دوبارہ میرے بھائی کو دھوکہ نہیں دے گی۔ جس کی فطرت میں اخلاص نہ ہو وہ تو اپنے دوستوں کو بھی نہیں بخشتا۔"

اور مومنہ نے اپنے دل میں ثمن کے ایک ایک لفظ پر صداقت کا جذبہ ابھرتے محسوس کیا تھا۔

"ثمن......"

"ہوں......"

"کیا مجھے شاہنواز بھائی سے معافی مانگنی چاہیے۔"

ثمن ہنس دی۔

"بالکل نہیں...... تم نے ان سے کوئی بدتمیزی نہیں کی کہ معافی مانگنا پڑے بس ایک کام کرنا۔" ثمن نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا "میرے بھائی کے لیے دعا ضرور کرو تا کہ اللہ اسے سچی خوشیوں سے نواز دے۔ انہوں نے بہت دکھ دیکھے ہیں کم سے کم انہیں اب تو خالص خوشیاں مل جانی چاہئیں۔"

"آمین......" اس نے صدق دل سے کہا۔

"اچھا سنو...... ناصر کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"پتا نہیں۔" وہ شرما کر بولی۔ "اماں کو پتا ہو گا۔"

"اوہو......" ثمن نے شرارت سے اسے دیکھا۔

"لیکن چہرہ تو بتا رہا ہے بنو بالکل راضی ہے۔"

"جی نہیں۔" وہ زور دے کر بولی پھر زور سے ہنس دی۔ ایسی ہنسی جس میں اقرار بھی تھا اور خوشی کا تاثر بھی۔

ثمن نے اس کا ساتھ دیا تھا اور آسمان پر چمکتے ستارے پہلے سے زیادہ روشن ہو گئے تھے۔

❁ ❁

ناول **بساطِ دل** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات آپ آنے والی ان تاریخوں (15th, 20th, 25th) میں پڑھ سکیں گے۔

تم ابرِ گریزاں ہو

میں صحرا کی طرح ہوں

دو بوند جو برسو گے

بے کار میں برسو گے

ہے خشک بہت مٹی

ہر سمت بگولے ہیں

صحرا کے بگولوں سے

اٹھتے ہی تو شعلے ہیں

تم کھل کے اگر برسو

صحرا میں گلستان ہو

پر تم سے کہیں کیسے؟ تم ابرِ گریزاں ہو

"میں بھی ہسپتال جا رہا ہوں، اگر آپ مناسب سمجھیں تو......"

کار کا دروازہ کھولتے ہوئے شاہنواز نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

ثانیہ نے روڈ پر بھاگتے دوڑتے ٹریفک کے اژدھام سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف دیکھا۔ آنکھوں پر ڈارک گلاسز لگائے وہ اسی کی طرف رخ کیے کھڑا تھا۔

"آپ زحمت نہ کیجیے، میں ٹیکسی سے چلی جاؤں گی۔"

اس نے دوبارہ سے ٹیکسی کی تلاش میں نظریں دوڑاتے ہوئے جواب دیا تھا۔

شاہنواز کے ارمانوں پر اوس پڑ گئی، کتنے شوق سے آیا تھا لفٹ دینے۔ بدمزا ہو کر انگلیوں سے پیشانی مسلنے لگا۔

"آئی تھنک۔ کسی ٹیکسی ڈرائیور سے تو زیادہ قابل اعتماد ثابت ہو سکتا ہوں میں۔" ٹیکسی کو رکتا دیکھ کر اس نے جلدی سے کہا۔

ثانیہ نے چلد لمحے کے لیے سوچا پھر بولی۔

"آپ اتنا انسسٹ کیوں کر رہے ہیں سر! یقین کیجیے مجھے آپ کی اس شاندار کار میں بیٹھ کر سیر کرنے کا قطعاً کوئی شوق نہیں ہے۔ شاید میں پہلے بھی وضاحت دے چکی ہوں، پلیز آپ زحمت نہ کریں۔"

گو کہ اس کا لہجہ معتدل تھا مگر شاہنواز کو بری طرح شرمندہ کر گیا تھا۔

''اور مجھے یقین ہے، میں اپنی اس حرکت کے لیے معافی مانگ چکا ہوں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''ایک غلطی کے لیے آپ کے یہاں کتنی بار معافی مانگنا پڑتی ہے؟''

اس بار ثانیہ نے کچھ نہیں کہا، وہ خاموشی سے کار میں بیٹھ گئی تھی۔

شاہنواز نے دروازہ بند کیا اور دوسری طرف سے آ کر کار اسٹارٹ کر دی مگر رفتار اس نے بس اتنی ہی رکھی کہ ثانیہ کو احساس بھی نہ ہو اور یہ سفر بھی دیر سے کٹے۔

''شمسہ آنٹی کی طبیعت اب کیسی ہے؟'' ان دونوں کے مابین حائل خاموشی کو ثانیہ نے ہی توڑا تھا۔

''بہتر ہیں، آج رات تک ڈسچارج بھی ہو جائیں گی۔'' اس نے بتایا پھر پوچھنے لگا۔

''اور آپ کی امی......؟''

''پتا نہیں۔'' اس نے بوجھل سے لہجے میں کہا۔

''ڈاکٹرز بھی کلیئر...... کچھ بتاتے ہی نہیں ہیں، جھوٹی تسلیاں...... بے کار کے بہلاوے۔''

''آپ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ ڈاکٹرز جھوٹی تسلیاں دے رہے ہیں۔''

احتیاط سے کار موڑتے ہوئے اس نے ایک نظر اسے دیکھا تھا۔

ثانیہ خاموشی سے لب چبانے لگی اور انگلیاں مسلنے لگی۔ اسے اپنے آنسو روکنے کے لیے انتہائی دقت کا سامنا تھا۔

''میرا دل کہتا ہے، اب امی میرے ساتھ نہیں رہیں گی۔ میں نے کبھی اپنے دل کی نہیں مانی مگر ہر بار ٹھیک وہی ہو جاتا ہے جو یہ دل کہتا ہے۔ مجھے لگتا ہے اس بار بھی اس کی بات ٹھیک ہو جائے گی۔ کاش! کوئی اور بری خبر سننے سے پہلے میں مر جاؤں۔''

اس کا سر جھکا ہوا تھا اور آنسو ٹپ ٹپ اس کی کھلی ہتھیلیوں پر گر رہے تھے۔ شاہنواز نے ڈیش بورڈ پر پڑے ٹشو پیپر بکس میں سے چند ٹشو نکال کر اس کی گود میں ڈال دیے۔ اس کے آنسو اس کی ہتھیلیوں پر نہیں بلکہ شاہنواز کے دل پر گر رہے تھے۔

''مایوسی کفر ہے ثانیہ۔''

''جانتی ہوں۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔ ''اور یہ بات ہر بار خود کو سمجھاتی بھی ہوں مگر میں خود کو مایوس ہونے سے نہیں روک سکتی۔ ہر گزرتا لمحہ مجھے میری پہلے سے زیادہ میری بے بسی، میرے غلط فیصلے کا احساس دلاتا ہے اور......اور......آپ......آپ پہلے سے جانتے تھے ناسر! کہ حنان شادی شدہ ہے اور یہ سب کرنے والا ہے۔''

''باخدا! نہیں۔'' شاہنواز نے تڑپ کر کہا۔

”اگر مجھے ذرا بھی بھنک پڑ جاتی تو کسی بھی طرح میں اس نکاح کو نہ ہونے دیتا، کچھ بھی کرتا مگر آپ کو اس عظیم دکھ سے آشنا نہ ہونے دیتا۔ حنان کے دوسرے نکاح کی خبر مجھے آپ کے نکاح کے بعد ملی تھی۔ اس وقت میں آپ کو انفارم کرتا بھی تو کوئی فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ چند گھنٹوں کے بعد آپ کو شمسہ خالہ سے اطلاع مل ہی جانا تھی۔ نقصان تو ہو ہی چکا تھا، میں اپنا حصہ ڈال کر کیا کرتا۔ ہاں یہ طے ہے کہ حنان کی سرگرمیوں سے میں کسی قدر آگاہ تھا اور میں نے آپ کو بتانے کی کوشش بھی کی تھی مگر......“ پھر اس نے اچانک پوچھا۔ ”آپ کو پتا ہے ثانیہ! دن کیوں ہوتا ہے؟“

ثانیہ نے تعجب سے اسے دیکھا، یہ کیسا سوال تھا۔

”تاکہ ہماری رات کی تاریکی سے جنم لینے والی مایوسی کو ختم کر سکے۔ کل کی رات آپ کو یاد ہی ہوگی کہ کتنی بھیانک تھی، اب دیکھیے کیسا چمکیلا روشن دن ہے۔ اس کا مطلب آپ کی زندگی میں جو تاریکی ہے وہ بھی بالآخر چھٹ جائے گی اور اس دن کی طرح روشن خوشیاں آپ کو ضرور ملیں گی۔“

”یہ سب کہنا آسان ہے۔“ اس نے روتے ہوئے کہا۔ ”سمجھنا بہت مشکل......آپ کو کیا پتا مایوسی کیا ہوتی ہے۔“

اور شاہنواز زور سے ہنس دیا جیسے بہت پرلطف بات سنی ہو۔

”یہ بات آپ اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتی ہیں کہ میرا مایوسی سے سابقہ نہیں پڑا۔

سولہ سال کا تھا جب ایک جھوٹے الزام کی سزا کے طور پر ابا نے مار پیٹ کے گھر سے نکال دیا۔ جسم پر زخم زیادہ تھے، ہڈیاں کم۔ راستوں کی گرد میری مرہم بنی۔ زخم پھر بھی نہ بھرتے تھے۔ آپ اندازہ کر سکتی ہیں جب ان زخموں میں درد ہوتا تھا تو مجھے لگتا تھا اب ساری زندگی مجھے اس درد کے ساتھ رہنا پڑے گا۔ کبھی سکون سے لیٹ نہیں سکوں گا، کبھی بیٹھ نہیں سکوں گا۔ گلیوں کے آوارہ کتوں کے ساتھ بھٹکتا بھٹکتا میں مر جاؤں گا مگر ان دنوں تو موت بھی مہربان نہیں ہو رہی تھی۔

کوڑے کرکٹ کے ڈھیر سے کھانا چننا پڑتا، کیونکہ بھیک مانگنے جتنا حوصلہ نہیں تھا میرے اندر۔ جب گلی سڑی چیزیں کھا کر پیٹ بھرنا پڑتا تو میں کتنا مایوس ہو جاتا تھا۔ آپ سمجھ سکتی ہیں۔

پھر گداگروں کے ہتھے چڑھا تو بند کوٹھری میں پتا چلا کہ مایوسی اور بے بسی کن بلاؤں کے نام ہیں۔“

منزل آچکی تھی، اس نے گاڑی پارک کرتے ہوئے اسی متوازن لہجے میں کہا۔

”کیا ابھی بھی آپ کو لگتا ہے ثانیہ! کہ خوش امیدی کا درس دینا آسان ہے اور مایوسی سے بچنا مشکل؟ میں سنی سنائی یا پڑھی ہوئی باتیں نہیں بول رہا۔ میں نے یہ درس اپنی زندگی سے سیکھا ہے ثانیہ! کہ ہر مایوسی کی تہہ میں کہیں نہ کہیں روشنی کی کرن ضرور چھپی ہوتی ہے۔ ہر پریشانی بالآخر ٹلتی ضرور ہے۔ بس اللہ پر بھروسہ ہونا چاہیے۔ ویسے بھی اللہ کو اپنے بندوں کو تاریکی میں رکھنا ہوتا تو وہ روشنی تخلیق ہی نہیں کرتا۔“

ثانیہ بالکل خاموشی سے اس کی باتوں پر یقین کرنے کی کوشش کرتی، انگلیوں پر پرس کے اسٹریپس لپیٹتی کھولتی رہی۔

''آپ کو دیکھ کر کوئی یقین نہیں کر سکتا کہ آپ نے اتنے تلخ حالات دیکھے ہیں۔''

''آپ کا مطلب ہے میں جھوٹ بول رہا ہوں؟''

''نہیں۔ میرا مطلب یہ نہیں تھا۔'' وہ بوکھلا ہی گئی۔ ''میرا مطلب ہے آپ اتنے پرفیکٹ لگتے ہیں خوش، مطمئن...... میں تو کیا، میرا خیال ہے کسی اور کو بھی خیال نہیں گزرا ہوگا کہ آپ نے اپنی زندگی میں اتنی مشکلات دیکھی ہیں یا شاید جن کی شکل اچھی ہوتی ہے ان کے چہروں پر مشکلات کی پرچھائیاں بھی کم ہی ٹھہرتی ہیں۔''

''نہیں، یہ بھی کوئی ضروری نہیں ہے۔'' اس نے سیفٹی بیلٹ اتارتے ہوئے کہا۔ ''بہر حال تعریف کرنے کا شکریہ۔ آج کا دن اور تاریخ تو ڈائری میں لکھنے کے قابل ہے کیونکہ لوگ میری تعریف بہت کم کرتے ہیں۔'' اس کا انداز متبسم و شریر تھا۔

ثانیہ آہستگی سے مسکرادی پھر چہرہ اچھی طرح پونچھتے ہوئے کار سے باہر نکل گی پھر کھڑکی میں جھک کر بولی۔

''تھینک یو سو مچ سر! مجھے یہاں تک پہنچانے کے لیے اور...... اور اپنی زندگی کے حالات بتانے کے لیے...... نو ڈاؤٹ، اگلے کچھ گھنٹوں تک میں خود کو بہت باحوصلہ محسوس کروں گی۔ پتا نہیں جو لوگ یا جن لوگوں کی باتیں ہماری زندگیوں میں مثبت کردار ادا کر سکتے ہیں، وہ ہمیں دیر سے کیوں ملتے ہیں۔''

اس نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا پھر اپنے رستے چل دی۔

''کچھ دیر اور رک جاتیں تو وہ بات بھی بتاتا جو پھر ساری زندگی تمہارے حوصلے کو بلند رکھتا۔ تمہیں پتا چلتا اللہ کبھی اپنے بندوں کو مایوس رہنے نہیں دیتا۔ جلد یا بدیر وہ اس کے من کی مراد پوری ضرور کرتا ہے۔ خیر، کبھی نہ کبھی میں تمہیں بتاؤں گا ضرور کہ جب تم حنان سے منسوب ہوئیں تو میری مایوسی کا کیا عالم تھا۔''

معاً وہ ہنس دیا۔

''لگتا ہے اس بدبخت دل کی بد دعا ہی تمہیں لگ گئی ہے۔''

اس نے با آواز بلند کہا اور بیک ویو مرر میں دور ہوتی ثانیہ کو دیکھنے لگا۔

☆......☆......☆

تقریباً سوا ایک بجے کے قریب وہ ہسپتال کے احاطے میں بنی پھلوں کی دکان سے سیب خرید رہا تھا، جب اس نے ثانیہ کو تیز تیز قدموں سے چلتے اپنی طرف آتے دیکھا۔

''آپ مجھے اپنا سیل فون دیں گے؟'' اس نے آتے ہی بعجلت پوچھا۔ ''مجھے عادل سے بہت ضروری کام ہے اور اپنا سیل فون

میں گھر بھول آئی ہوں۔''

''اوہو۔۔شیور'' وہ جیب سے موبائل نکالنے لگا۔

''میری امی ٹھیک ہوگئی ہیں۔ڈاکٹرز کا خیال ہے کل تک انہیں ڈسچارج کر دیا جائے گا'' وہ بے تحاشا خوش لگ رہی تھی۔

''اوہ۔یہ تو بہت خوشی کی بات ہے مبارک ہو آپ کو۔''

اس نے سیل فون ثانیہ کے ہاتھ میں تھما دیا پھر وہ فون پر بات کرنے لگی اور شاہنواز پھل والے کی طرف متوجہ ہو گیا لیکن جس وقت وہ قیمت ادا کرنے لگا۔ثانیہ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے منع کر دیا،اس کے بعد ثانیہ نے پہلے فون پر بات مکمل کی پھر اسے فون پکڑاتے ہوئے بولی۔

''یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟ میں نے ابھی اسی دکان سے پچاس روپے کلو سیب خریدے ہیں اور آپ اتنے سے سیبوں کے ڈیڑھ سو دے رہے ہیں۔''

ملامتی انداز میں کہتے ہوئے اس نے رخ روشن دکاندار کی طرف موڑا اور پندرہ منٹ کی زبردست بارگینگ کے بعد قیمت اپنے حسب منشا کروا کر ہی دم لیا۔

شاہنواز کو اس طرح خریداری کا تجربہ نہ تھا،خوب خوب شرمندہ ہوا۔درمیان میں کئی بار ثانیہ کو روکنے کی کوشش بھی کی مگر ہر بار وہ اسے ''آپ کو نہیں پتا سر!'' کہہ کر چپ کروا دیتی تھی۔

''اتنی بحث کرنے کی کیا ضرورت تھی۔'' قیمت ادا کر کے اس کے ساتھ چلتے شاہنواز نے کہا۔

''کیوں ضرورت نہیں تھی؟ حق حلال کی کمائی کا تو ایک ایک روپیہ بھی سوچ سمجھ کر خرید کرنا چاہیے سر! اور آپ کو نہیں پتا سر! یہ دکاندار بڑے شاطر دماغ ہوتے ہیں۔کپڑوں سے انسان کی مالی حیثیت کا اندازہ لگا کر قیمتیں بتاتے ہیں۔آپ کے کپڑے بھی اچھے ہیں اور شکل سے بھی آپ اناڑی لگتے ہیں،تب ہی وہ اتنے زیادہ پیسے مانگ رہا تھا۔ویسے ایک مشورہ مانیے،آپ صرف اچھی پریزنٹیشنز تیار کر کے اپنی کمپنی کے لیے بڑے بڑے پراجیکٹ حاصل کیجیے،یہ روٹین کی خریداری آپ کے بس کی بات نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے پھر جب بھی مجھے خریداری کرنا ہو گی میں آپ سے کہہ دوں گا۔'' شاہنواز نے سنجیدگی سے کہا پھر دونوں ہی ہنس دیے۔

''مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنا تھی۔'' شاہنواز نے موقع غنیمت جان کر کہا۔

''کس سلسلے میں؟''

''حنان کے بارے میں۔''

''میں اس وقت اتنی خوش ہوں کہ اپنی خوشی کو غارت کرنے والی کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔'' اس نے قطعیت سے کہا۔

''کچھ حقائق جان لینا بہتر ہوتا ہے۔''

''حقائق!'' وہ الجھ کر اسے دیکھنے لگی۔

''اچھا تو یہ ہے وہ جس نے تم پر اپنا سحر پھونک رکھا ہے۔''

گل بانو کی آواز پر شاہنواز بری طرح سے اچھلا تھا۔

وہ بالکل سامنے کھڑی ان دونوں کو عجیب سی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' وہ جتنا حیران ہوتا کم تھا۔

گل بانو چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ان دونوں کے قریب آ گئی تھی۔

''تمہارا تعاقب کرتی یہاں تک پہنچی ہوں مگر مجھے نہیں پتا تھا یہاں آ کر مجھے اپنی زندگی کی سب سے بڑی حقیقت پتا چلے گی۔ مجھ میں ایسا کیا نہیں شاہنواز! جو اس لڑکی میں ہے؟''

یکایک اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

ثانیہ کے لیے صورت حال بڑی عجیب و غریب ہو گئی تھی۔

''سر یہ...... دیکھیے پلیز...... آپ روئیے مت۔'' اس نے ہمدردی سے گل بانو کے کندھے پر ہاتھ رکھنا چاہا جسے گل بانو نے بے دردی سے جھٹک دیا۔

''غرق ہو تم یہاں سے۔ سارے فساد کی جڑ اصل میں ہو ہی تم...... تم نے چھینا ہے شاہنواز کو مجھ سے۔'' وہ روتے روتے چیخی تھی۔

شاہنواز کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے جبکہ ثانیہ کو تو جیسے کسی نے ہنٹر کھینچ مارا تھا۔

''دماغ تو ٹھیک ہے آپ کا، کیا بکواس کر رہی ہیں آپ۔'' وہ تڑپ کر بولی۔

''بکواس نہیں ہے یہ، یہی سچ ہے۔'' گل بانو نے سابقہ انداز میں کہا۔ ''اس شخص کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت دیکھنے کی دعائیں کی ہیں میں نے مگر آج اس کی آنکھوں میں مجھے صرف تمہارے لیے محبت نظر آ رہی ہے۔''

''گل بانو! تم خاموش ہو جاؤ۔'' شاہنواز نے دانت پیس کر گویا اپنا غصہ قابو کرنے کی کوشش کی تھی۔

''میرا خیال ہے سر! محترمہ کا ذہنی توازن بگڑ چکا ہے۔ آپ پلیز ان کی غلط فہمی دور کر دیں۔''

''غلط فہمی تو خیر نہیں کہہ سکتے۔ اندازہ تو اس کا سو فیصد درست ہے لیکن کچھ اور باتوں کی وضاحت ان محترمہ کو کرنا ہی پڑے گی۔''

شاہنواز نے یہ بات گل بانو کو غضب ناک نظروں سے گھورتے ہوئے کہی تھی۔ ثانیہ نے چونک کر اسے دیکھا پھر سر جھٹک کر واپس پلٹ گئی۔

شاہنواز نے فیصلہ کن انداز میں گل بانو کو دیکھا۔

''کیا چاہتی ہو تم؟''

''تمہیں چاہتی ہوں۔'' وہ بھیگی ہوئی آواز میں ترت سے بولی۔

''تو یہ کون سی نئی بات ہے۔ یہ تو تم تب بھی کہتی تھی جب میری بربادی کا اہتمام کیا تھا تم نے...... کیا میں یہ سمجھوں اس بار بھی تم کسی اگلے ڈرامے کی تیاری کر رہی ہو۔'' اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔

''باخدا نہیں۔'' وہ تڑپ کر بولی۔ ''اس وقت بھی جو ہوا وہ سب ارادتاً نہیں تھا۔ بس مجھے اس وقت جو مناسب لگا میں نے بنا سوچے سمجھے کیا، مگر میں شرمندہ ہوں شاہنواز! تب سے اب تک۔ تم یقین نہیں کرو گے مگر مجھے شرمندگی کے مارے رات بھر نیند نہیں آتی۔''

''غلط...... یہ جو تمہیں راتوں کو نیند نہیں آتی تو یہ شرمندگی کی وجہ سے نہیں ہے۔ یہ میری بددعاؤں کا اثر ہے۔'' اس نے اکھڑ پن سے کہا۔ ''سنو گل بانو! زیادہ لمبی بات نہیں کروں گا کیونکہ دو منٹ بھی تم سے بات کرنا میں اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ یہ جو لڑکی ابھی یہاں سے گئی ہے نا، تم نے بالکل ٹھیک پہچانا۔ محبت کرتا ہوں میں اس سے لیکن تم کبھی بھول کر بھی اسے خود سے کمپیئر مت کرنا، تم تو اس کے پیروں کی دھول بننے کے لائق بھی نہیں ہو۔''

''اتنی نفرت کرتے ہو مجھ سے کہ ایک معمولی عورت کے قدموں کی دھول بھی نہیں لگتی تمہیں۔'' اس نے صدمے سے پوچھا۔

''اتنی محبت کرتا ہوں میں اس سے کہ تم جیسی معمولی عورت مجھے اس کے قدموں کی دھول بھی نہیں لگتی۔'' شاہنواز نے اپنے ہر لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''گویا مجھ سے نفرت کا اقرار نہیں۔''

''انکار کی تو گنجائش ہی نہیں۔'' وہ دوٹوک بولا۔ ''تم تو وہ انسان ہو گل بانو! جس سے میں ساری زندگی نفرت کروں گا۔''

گل بانو نے کرب سے آنکھیں موند لیں۔

''جس سے اتنی محبت کرتے ہو اس کے صدقے میں ہی معاف کر دو۔ میں ہر بوجھ سے آزاد ہو کر مرنا چاہتی ہوں۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔ چند منٹ بعد جب آنکھیں کھولیں، شاہنواز جا چکا تھا اور وہ وہاں اکیلی تھی ہمیشہ کی طرح۔

☆......☆......☆

اور اس نے وہ سب کچھ حاصل کر ہی لیا جسے حاصل کرنے کے لیے اس نے اتنا طویل، کٹھن اور پُرمصائب سفر طے کیا تھا۔

گہری نیند سوئے ہوئے حنان کو دیکھتے ہوئے گیتی آرا نے آسودگی سے سوچا۔

ڈھیر سارا روپیہ پیسہ، شاندار شریک حیات اور ہر طرح کی آزادی۔ مستقبل کا خوبصورت نقشہ اس کے سامنے ہر آن واضح ہوتا

تھا، وہ جتنا خوش ہوتی کم تھا۔

مظہر نے اسے خواب دکھائے تھے اور ان سب خوابوں کو مسمار کیا تھا۔ حنان نے اسے کوئی خواب نہیں دکھایا تھا مگر گیتی کو یقین تھا وہ اس کے ہر خواب کو حقیقت کی شکل ضرور دے گا۔

اس طویل سفر میں اس نے بہت کچھ کھویا تھا، اب پانے کی باری تھی اور وہ زندگی سے اپنا حق وصولنے کے لیے پوری طرح تیار تھی۔ حنان کو اس نے محبت بھری نظروں سے دوبارہ دیکھا اور وہ اسے محبت سے کیوں نہ دیکھتی، آخر وہ اس خزانے کی کنجی تھا جو جلد ہی اس کا ہونے والا تھا۔

اور آج کل اسے بالکل فرصت نہیں تھی کیونکہ اب گیتی آراوہ خواب بھی بننے لگی تھی جو آج تک اسے ناقابل رسائی لگتے تھے۔

☆......☆......☆

حنان کی آنکھ موبائل کی بیپ سن کر کھلی تھی۔

آنکھ کھلتے ہی اس نے موبائل اٹھا کر نمبر دیکھا پھر تھوڑا سا اوپر اٹھ کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھتے ہوئے اس نے کمرے میں گیتی کو تلاش کرنے کی کوشش کی مگر وہ اسے دکھائی نہیں دی۔

''ہیلو۔'' اس کی آواز بوجھل ہو رہی تھی۔

''ہیلو حنان...... کہاں ہے یار تو...... کوئی خبر ہی نہیں۔'' اس کے دوست نے فوراً پوچھا۔ ''نیوز پیپر دیکھا؟''

''نیوز پیپر میں کیا آتا ہے، سوائے بری خبروں کے۔'' اس نے جمائی روکتے ہوئے کہا۔ حواس تو ابھی تک نیند کے زیر اثر تھے۔

''بالکل درست فرمایا، اب تم ایسا کرو پہلی فرصت میں آج کا نیوز پیپر دیکھو، تمہارے لیے جو خبر شائع ہوئی ہے وہ تو بہت ہی بری ہے۔''

''کیا صبح صبح پہلیاں بجھوا رہے ہو۔'' وہ اکتا کر بولا، جواباً اس کے دوست نے جو خبر سنائی وہ اس کے ہوش اڑا دینے کے لیے کافی تھی۔

''کیا بکواس کر رہے ہو سہیل؟''

''بکواس نہیں کر رہا، سچ بتا رہا ہوں۔ تمہارے باپ نے تمہیں عاق کر دیا ہے۔ بیک پیج پر یہ بری خبر لگی ہے۔''

''آئی ول کم ہم۔ آئی ریئلی کل ہم۔'' حنان نے دانت کچکچاتے ہوئے کہا تھا۔

☆......☆......☆

''صاحب! چھوٹے صاحب کا فون ہے۔''

ملازم ہاتھ میں کارڈلیس لیے ڈائننگ ٹیبل کے قریب آیا تھا۔ شمسہ کے ہاتھ میں چمچہ کانپا تھا مگر اگلے ہی پل وہ بالکل بے تاثر انداز میں کھانے لگیں۔

جہانگیر لاشاری نے ایک نظر انہیں دیکھا پھر ملازم سے بولے۔

''اس سے کہو تھوڑی دیر بعد کال کرے، میں مصروف ہوں۔''

ملازم نے جوں کا توں کا پیغام پہنچا دیا۔

''اس بڈھے سے کہو، اگر آج میری بات نہیں سنے گا تو بہت پچھتائے گا۔ کیا مصروفیات ہیں اس کی، میں اچھی طرح جانتا ہوں اور تم...... تم نے ابھی اس سے میری بات نہ کروائی تو یاد رکھنا، آ کر تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا میں۔'' اس نے غراتے ہوئے کہا۔ ملازم بے چارہ ادنیٰ ذات، دوبارہ بڑے صاحب کے پاس دوڑا، بڑے صاحب نے گہری سانس بھر کارڈلیس کان سے لگا لیا۔

''بولو؟'' ان کا لہجہ کسی قسم کے تاثر سے خالی تھا۔ شمسہ بظاہر اپنی پلیٹ میں مگن ہمہ تن گوش ہو کر سننے لگیں۔

''یہ اطلاع دے رہے ہو یا پوچھ رہے ہو؟ ایسی گیدڑ بھبکیاں تم اسے سنانا جو تمہاری حیثیت جانتا نہ ہو۔ ہاہاہا...... ویری فنی یار! تمہارا سینس آف ہیومر دن بہ دن نکھرتا نہیں جا رہا۔''

''ضرور...... ضرور...... کیوں نہیں۔ تم جب چاہے آ سکتے ہو، میں خود بہت جلد تمہارے باپ کا خزانہ تمہارے حوالے کرنا چاہتا ہوں۔''

''اچھا رئیلی، چلو دیکھتے ہیں کون سی عدالت تمہیں تمہارا حق دلاتی ہے۔ غلط فہمی ہے تمہاری یا شاید خوش فہمی کہنا زیادہ مناسب رہے گا۔ آواز نیچی رکھ کر بات کرو۔ لگتا ہے تمہیں اب تک عقل نہیں آئی۔ خیر جب دو وقت کے کھانے کو ترسو گے تو سب ٹھکانے پر آ جائے گا۔''

''حنان!'' ان کے لہجے کی غراہٹ پر شمسہ کا دل بری طرح کانپا تھا۔

''ایک بار میں تو تمہیں بات سمجھ آتی نہیں۔ بہتر ہو گا اب سے عادت ڈال لو۔ دوبارہ ایسی گھٹیا بات زبان سے نکالی تو زبان کھینچ لوں گا تمہاری، جو جائیداد تمہیں بڑی آسانی سے مل سکتی تھی، اسے تم نے اپنی حماقتوں کے ہاتھوں گنوا دیا، اب ایسا نہ ہو جو ریزگاری تمہارے سگے باپ کی طرف سے تمہیں مل رہی ہے اس سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں۔ ایک بار بھی میں ضد میں آ گیا تو اسی دہلیز پر تمہیں ناک رگڑنا پڑ سکتی ہے۔''

''اور ہاں...... قصر بلند میں قدم رکھنے کی کوشش مت کرنا، میں تم جیسے گھٹیا چیپ انسان کو ایک منٹ کے لیے بھی اپنے گھر میں برداشت نہیں کروں گا۔ اپنے وکیل سے کہو، میرے وکیل سے رابطہ کرے۔ تم سے بات کرنا بھی میں اپنی توہین سمجھتا ہوں۔''

انہوں نے فون بند کر کے ملازم کی طرف بڑھا دیا۔

''دوبارہ فون آئے تو مجھ تک لانے کی ضرورت نہیں۔ کہہ دینا، صاحب بات نہیں کرنا چاہتے اور تمہیں کسی کے رعب میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تنخواہ تمہیں میں دیتا ہوں، حنان نہیں۔''

پھر انہوں نے شمسہ کی طرف دیکھا، وہ اسی طرح پرسکون انداز میں کھا رہی تھیں۔

جہانگیر نے چند لمحے اپنا غصہ کنٹرول کرنے میں صرف کیے پھر بولے۔

”آپ اپنے بیٹے سے رابطہ رکھنا چاہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن وہ اس گھر میں نہیں آئے گا اور نہ ہی آپ مجھے اس کے کسی معاملے میں مجبور کرنے کی کوشش کریں گی۔“

ان کا لہجہ دوٹوک اور تنبیہی تھا۔

”جس روز آپ نے حنان کو بے دخل کرنے کا فیصلہ کیا، کیا اس روز میں نے کوئی اعتراض کیا تھا؟“ شمسہ نے تحمل سے کہا۔

”نہیں نا، تو پھر آپ نے کیسے سوچ لیا کہ اب میں آپ کے کسی فیصلے پر اعتراض کروں گی یا اس فیصلے کے خلاف جاؤں گی۔ مجھے حنان سے رابطہ نہیں رکھنا، کم سے کم تب تک جب تک وہ اپنی سب غلطیوں کو تسلیم کر کے معافی نہیں مانگ لیتا یا شاید یہ سوچنا بھی فضول ہے۔ آج تک اس نے کون سی امید پوری کی ہے جواب کرے گا۔ خیر آپ بے فکر رہیے، میں اپنا دل پتھر کا کر چکی ہوں۔“

جہانگیر لاشاری نے انہیں بغور دیکھا، بلا کا سکون تھا شمسہ کے چہرے پر، جہانگیر بے چین سے ہو گئے۔

”آپ پر کوئی زبردستی نہیں ہے شمسہ، میں جانتا ہوں آپ کو میرے اس فیصلے کی وجہ سے خود پر بہت جبر کرنا پڑے گا لیکن یہ سب کچھ ضروری ہو گیا تھا آپ جانتی ہیں۔“

”بالکل جانتی ہوں اور یہ بھی جانتی ہوں جواب ہو رہا ہے، وہ بہت پہلے ہو گیا ہوتا تو آج ہمیں یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ مرض حد سے بڑھ جائے تو دوا تو کرنا ہی پڑتی ہے۔ آپ بے فکر رہیے، آپ کے ہر فیصلے میں، میں آپ کے ساتھ ہوں۔“

جہانگیر لاشاری نے مسکرا کر اپنی شریک سفر کو دیکھا۔ ان کے دل سے بڑا بوجھ ہٹ گیا تھا۔

”میں سوچ رہی تھی۔“ چند منٹ کی خاموشی کے بعد شمسہ نے کہا۔ ”ثانیہ کو فون کر کے حلیمہ بہن کی خیریت معلوم کرلوں۔ کیا خیال ہے آپ کا۔“

”ہوں۔“ جہانگیر لاشاری نے بس اتنا ہی کہا۔

☆......☆......☆

ثانیہ الماری سے مختلف چیزیں نکال نکال کر بیڈ پر رکھ رہی تھی۔ حلیمہ وہیں قریب ہی لیٹی ہوئی تھیں۔ زینب کسی کام سے اندر آئی تو حیران ہو کر پوچھنے لگی۔

”آپی! یہ سب سامان تو شمسہ آنٹی لائی تھیں نا، آپ نکال کیوں رہی ہیں۔“

”میں یہ سب سامان واپس کر رہی ہوں۔ اسی طرف انٹرویو بھی ہے آج میرا۔ پہلے قصر بلند جاؤں گی، وہاں سے آگے۔“ پھر اس نے گردن موڑ کر حلیمہ کو دیکھا۔

”ٹھیک ہے نامی!“

حلیمہ بڑی دیر تک خاموش رہیں۔ پھر گہری سانس بھر کر افسردگی سے بولیں۔

''ٹھیک ہے بیٹے! جب قسمت میں یہی لکھا ہے تو بھگتنا ہی پڑے گا۔'' ''آپ اداس کیوں ہو رہی ہیں۔'' ثانیہ نے قریب بیٹھ کر ان کا ہاتھ تھام لیا۔ ''جب مان ہی لیا کہ یہ سب تقدیر کا لکھا ہے تو پھر اداسی کی وجہ؟ مجھے پتا ہے امی! جو بھی ہوا، اس سے ہماری زندگی اور مشکل ہو جائے گی۔ دنیا اتنے آرام سے جینے نہیں دیتی لیکن یہ ہمارے لیے کون سی نئی بات ہے۔ سہل زندگی سے تو کبھی بھی ہمارا واسطہ نہیں پڑا۔ زندہ رہنے کے لیے ہر ہر قدم پر جدوجہد کی ہے ہم نے۔ اطمینان ہے تو اس بات کا کہ ہم لوگوں نے کبھی کوئی غلط راستہ اختیار نہیں کیا۔ اپنا مطلب نکالنے کے لیے کسی کا راستہ کھوٹا نہیں کیا۔ آپ غور کریں امی! پر سکون زندگی گزارنے کے لیے یہ خیال کتنا اطمینان بخش ہے۔ اچھا ہی ہوا یہ رشتہ اس طرح سے ٹوٹ رہا ہے۔ میں نے زندگی میں ایک ہی شارٹ کٹ لینے کی کوشش کی تھی۔ حنان کو سیڑھی بنا رہی تھی۔ اللہ نے پہلے ہی اسٹیپ پر قدم رکھنے سے پہلے ہی سیڑھی کھینچ لی۔ اب نہ میرے دل پر بوجھ ہوگا نہ قیامت کے دن گریبان پکڑے جانے کا خدشہ۔ حنان بھی اپنی پسند کی لڑکی کے ساتھ زندگی گزارے گا، خوش رہے گا۔''

''اور......'' حلیمہ کی زبان لڑکھڑانے لگی اور آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ ''اور تم......''

''میری فکر نہ کریں۔ میں بھی شادی ضرور کروں گی لیکن کشف کی شادی کے بعد۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا پھر جھک کر ان کے ہاتھوں کو بوسہ دینے لگی۔ ''اور تب تک وقت تمہاری مٹھی سے ریت کی طرح پھسل چکا ہوگا، میں جانتی ہوں۔'' حلیمہ کا دل بھی رو رہا تھا۔

☆......☆......☆

حنان نے جس وقت گیتی سے اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہا، وہ عام سے ٹراؤزر اور شرٹ میں ملبوس سونے کی تیاریوں میں تھی۔

''لیکن ہم جا کہاں رہے ہیں؟''

حنان کو افراتفری کے عالم میں وارڈروب کھولتے دیکھ کر اس نے پوچھا لیکن حنان کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ اس کے سوالوں کے جواب دیتا۔ وہ دل ہی دل میں کسی حساب کتاب میں مصروف تھا۔

سچ تو یہ ہے کہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ جہانگیر لاشاری اتنی جلدی کوئی قدم اٹھائیں گے۔ اس کا خیال تھا ہر بار کی طرح اس بار بھی اس کی منتیں کی جائیں گی کہ کسی طرح وہ پرانی رنجشیں بھول کر گھر واپس آجائے اور تب وہ جہانگیر سے اپنے تمام مطالبات منوالے گا جن میں سرفہرست جائیداد کا اسے سونپا جانا تھا۔

غلطی اس بار بھی اس کی نہیں بلکہ شمسہ اور جہانگیر کی تھی جنہوں نے اپنی محبت و شفقت کے ہاتھوں مجبور ہوتے ہوئے ہر بار اس کی اوٹ پٹانگ حرکتوں سے چشم پوشی کی تھی۔ ہر اچھے برے وقت میں اس کا ساتھ دیا اور آج جب وہ ان کی اس مجبوری کو سیڑھی بناتے ہوئے حسب معمول ان کی محبتوں کا استحصال کر رہا تھا تو انہوں نے اس کے قدموں تلے سے سیڑھی کھینچ کر اسے فضا میں معلق رہنے دیا تھا۔ جہانگیر

نے اسے شمسہ سے شادی کے فوراً بعد قانونی طور پر گود لے لیا تھا اور وہ بخوبی جانتا تھا کہ اب اسے جہانگیر کی جائیداد پر فاتحہ پڑھ لینا چاہیے۔

زندگی میں شاید پہلی بار اسے اپنی جلد بازی پر غصہ آ رہا تھا، اس کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔

گیتی نے اسے پہلی بار اس موڈ میں دیکھا تھا مگر چونکہ ابھی وہ اس کے مزاج کے رنگوں سے واقف نہیں تھی اس لیے صورت حال کا اندازہ لگانے سے قاصر تھی۔

''حنان! آخر تم مجھے بتا کیوں نہیں رہے کہ ہم جا کہاں رہے ہیں۔'' اس نے کار میں بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''جہنم میں جا رہے ہیں۔ تم تھوڑی دیر خاموش نہیں بیٹھ سکتیں۔'' وہ ڈرائیو کرتے ہوئے پھاڑ کھانے کو دوڑا تھا۔ یہ طے تھا اسے بنا اپنی کمزوری ظاہر کیے اس بار بھی اپنے مطالبات منوانے تھے لیکن اگر سب کچھ اس کی پلاننگ کے مطابق نہیں ہوتا پھر اسے کیا کرنا ہوگا، وہ یہی سوچنے میں مصروف تھا، اس پر گیتی کے سوال پر سوال۔

اس کا دماغ گھوم رہا تھا۔

''او بے وقوف......ڈفر......اگر کچھ دیر خاموش بیٹھی رہو تو خود ہی سمجھ لو گی ہم کہاں جا رہے ہیں۔ میں تمہیں اپنے گھر لے کر جا رہا ہوں، مام سے ملوانے۔'' اس نے جیسے جان چھڑائی تھی۔

''کیا......؟ تم مجھے گھر لے کر جا رہے ہو......مام سے ملوانے؟'' اس نے سر پکڑ لیا۔

''پہلے نہیں بتا سکتے تھے، میں ڈھنگ کا ڈریس ہی پہن لیتی۔ اوہ گاڈ! اور یہ جیولری......''

اسے نئی فکر لاحق ہوئی۔

حنان کا دل چاہا اس کا سر پھاڑ دے لیکن چونکہ یہ بھی ممکن نہیں تھا اس لیے کار کی رفتار بڑھا دی۔

پہلا تماشا قصر بلند کے گیٹ پر ہوا جب گارڈ نے اس کے لیے گیٹ کھولنے سے انکار کر دیا۔

''صاحب! ام کو بڑا صاحب کا پرمیشن نئیں اے۔''

گارڈ بار بار ایک ہی جملہ دہرا رہا تھا۔

''ارے خان! ایک پنچ مار کر تمہارے دانت توڑ دوں گا پھر اس کے بعد پنچ مار مار کے وہ حشر کروں گا کہ بیوی کو بھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے......تم دو ٹکے کے آدمی......غریب انسان......ہمارا نمک کھا کر ہمارا حکم ماننے سے انکار کرتے ہو۔''

وہ گیٹ کے سامنے کھڑا چیخ رہا تھا اور کار میں بیٹھی گیتی حیران، پریشان صورت حال سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ چونکہ دونوں طرف کے شیشے بند تھے اس لیے بات سمجھنے سے قاصر تھی البتہ انداز کا جارحانہ پن تو ملاحظہ کر ہی رہی تھی۔

''صاحب! جس کا نمک کھاتا اے، اس کا حکم بھی مانتا اے، اسی لیے گیٹ نہیں کھولتا۔ بڑے صاحب کا آرڈر اے۔ سب کے

لیے گیٹ کھولنے کا لیکن آپ کے لیے نہیں۔“

گارڈ کا اتنا کہنا قیامت ہو گیا۔ کار میں بیٹھی گیتی نے دیکھا۔ غضب ناک، بپھرے ہوئے حنان نے کہیں سے ایک اینٹ اٹھا کر گارڈ کے کیبن کے شیشے پر دے ماری۔ دوسری پوری قوت سے گیٹ سے اوپر اچھال دی جو اندر جا کر جانے کہاں گری۔ گارڈ بے چارہ اپنی جان بچاتا اندر دوڑا کہ لاکھ بڑے صاحب کا آرڈر سہی اپنی جان بچانے کے لیے بھی چھوٹے صاحب پر گولی نہیں چلا سکتا تھا۔

گیتی کو کچھ سمجھ نہ آیا تو غلیل سے نکلے پتھر کی طرح کار سے نکل کر حنان کی طرف لپکی۔

”یہ...... یہ کیا کر رہے ہو حنان! آپ...... پاگل تو نہیں ہو گئے۔“

”ہو گیا ہوں پاگل...... تم غرق ہو یہاں سے۔“ وہ اس پر غرایا اور یہاں وہاں کوئی اینٹ تلاش کرنے لگا، اس کو جو اینٹ جو چھوٹا بڑا پتھر مل رہا تھا وہ اسے کھینچ کھینچ کر مار رہا تھا۔

”حنان...... حنان...... پلیز......“ وہ روہانسی ہو گئی۔

تب ہی گیٹ سے متصل دروازہ کھلا اور گارڈ باہر آیا۔

”صاب...... بڑا صاب بولتا اے آپ اندر آ جاؤ لیکن گیٹ نہیں کھلے گا۔“ وہ ڈرا ڈرا سا بول رہا تھا۔

حنان نے غضب بھرے انداز میں اسے گھورا پھر ہاتھ میں پکڑی اینٹ دور اچھال کر گیتی کی طرف پلٹا۔

”تم باہر ہی انتظار کرو اور...... اور جب تک میں نہ بلواؤں اندر آنے کی غلطی مت کرنا۔ میرا دماغ اتنا خراب ہے اس وقت، ممکن ہے تمہاری ٹانگیں توڑ دوں۔“

اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہ کی۔ گیتی پہلے ہی بوکھلائی ہوئی تھی اس بات پر رہے سہے حوصلے کی بھی جان نکل گئی۔ بھاگ کر کار میں دبک گئی۔

ونڈ اسکرین سے حنان کو اندر جاتے دیکھا۔ کچھ دیر یونہی حواس باختہ سی بیٹھی رہی۔ جب کچھ حواس قابو میں آئے تو پہلا خیال یہی آیا کہ شادی کے تیسرے ہی دن یہ کیا منظر دیکھنے کو مل گیا ہے۔

”آخر معاملہ کیا ہے؟“ وہ انگلیاں مسلتی سوچے چلی گئی۔

مگر کوئی سرا ہاتھ لگتا تو گتھی سلجھنے کا سبب بنتا۔

شاید بیس منٹ گزرے ہوں گے (اسے تو بیس دہائیاں لگیں) جب وہی گارڈ بھاگتا ہوا کار کے قریب آیا۔

”بی بی! صاب آپ کو بلاتا اے۔“

”ایں...... مجھے۔“ اس کا حلق بری طرح خشک ہو رہا تھا مگر ڈرتے ڈرتے کار سے باہر آ گئی۔

"سنو......" اس نے گارڈ کو پکارا۔

"اندر ہو کیا رہا ہے؟ کیا صاحب ابھی بھی غصے میں نہیں۔"

"پتا نئیں بی بی! اندر سے بولنے کا آواز نہیں آتا۔ بس آرڈر آتا اے۔"

گیتی گارڈ کی معیت میں ایک بے پناہ خوبصورت لان کے ساتھ ساتھ بنی روش سے گزر کر گھر کے اندرونی حصے میں آ گئی۔ یہاں سے ایک ملازمہ اسے اپنی معیت میں دو چار راہداریاں گزار کر کسی ہال نما کمرے میں لے آئی تھی۔

یہ ہال ان راہداریوں سے زیادہ خوبصورت تھا جہاں سے وہ گزر کر آئی تھی۔

اس کا دل کانپ رہا تھا، دماغ میں ہلچل تھی۔ حنان طیش میں تھا اور سسرالی رشتہ داروں سے پہلی بار ملنا تھا۔ اسے نہیں پتا تھا کہ کس قسم کے رویوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

"یہ ہے گیتی آرا...... میری بیوی۔"

اس نے حنان کی آواز سنی، ساتھ ہی اسے یوں لگا جیسے اسپاٹ لائٹ اس پر فوکس ہو گئی ہو۔ وہاں موجود سب لوگوں کی گردنیں اس کی طرف مڑ گئی تھیں اور اس چیز نے اسے تھوڑا سا کنفیوز کر دیا تھا۔

"میں صرف اسے جانتا ہوں۔ ثانیہ نام کی کسی لڑکی کو میں نہیں جانتا۔ وہ آپ کی پسند تھی، اسے آپ بھگتیں۔ اس سے نکاح میں نے صرف آپ کے مجبور کرنے پر کیا تھا ورنہ میری پسند تو ہمیشہ سے گیتی رہی ہے۔"

حنان کہہ رہا تھا، گیتی ایک پل کو چونکی تھی، اسی اثنا میں اس نے نظریں اٹھائیں اور جو چہرہ اس نظر آیا اسے دیکھ کر وہ ششدر رہ گئی تھی کیونکہ وہ چہرہ ثانیہ کا تھا۔

بے یقین، دم بخود...... وہ اسے دیکھے چلی گئی۔ بصارت بندھ چکی تھی اور اردگرد کا سارا منظر ڈرالو ہو رہا تھا۔ پیش منظر یا وہ خود تھی یا ثانیہ......

ثانیہ بھی اسے دیکھ چکی تھی، اس کے تاثرات بھی کچھ مختلف نہیں تھے۔ بس وہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ اس کے سامنے کھڑی ہوئی لڑکی حنان کی بیوی گیتی آرا ہے یا اس کی جڑواں بہن عانیہ!

☆......☆......☆

مظہر کی حقیقت واضح ہوتے ہی عانیہ نے گلشن نگر سے بھاگنے کی کوشش کی تھی نتیجتاً اسے پانچ دن قید میں بھوکا پیاسا رکھا گیا۔ اسے وہاں قید کرنے کے بعد پہلے روز تینوں وقت کھانا بھجوایا، دو وقت اس نے ٹرے دیوار پر دے ماری لیکن تیسرے وقت رو رو کر اس کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ تبھی تیسرے وقت کی ٹرے جوں کی توں پڑی رہی جو ملازمہ اٹھا کر لے گئی۔

اگلی صبح ناشتے کی ٹرے سے اس نے چند لقمے کھائے باقی دونوں اوقات میں بھی اس نے یہ ہی کیا۔ تیسرے روز ناشتے کی ٹرے سے پھر تھوڑا سا کھالیا اور لنچ واپس کردیا رات کے کھانے کی وہ منتظر رہی مگر اس بار کوئی اس کے لیے کھانا لے کر نہیں آیا۔ وہ رات اور اگلا پورا دن وہ بھوکی رہی اور بھوک کی شدت نے اس رات بھی اسے سونے نہ دیا۔ پانچویں روز مظہر اس کے لیے کھانا لایا تھا تب تک عانیہ کی ہمت بالکل ٹوٹ چکی تھی۔

اگر ابھی بھی اسے کھانا نہ ملتا تو وہ ان کی منتیں کرنے والی تھی۔ کھانا کھا کر وہ سو گئی اور جب بے دار ہوئی تب تک اس کی زندگی کا فیصلہ ہو چکا تھا یا شاید فیصلہ تو اس نے ماں باپ کے گھر سے نکلتے ہوئے ہی کرلیا تھا اب تو حتمی اسٹیمپ لگی تھی فرض صرف اتنا پڑا تھا کہ اسے مظہر کی اصلیت اور اس کی نظروں میں اپنی اوقات پتا چل گئی تھی۔

''دیکھو عانیہ! اتنا فارغ وقت نہیں ہے میرے پاس کہ ہر روز بیٹھ کر تمہاری منتیں کروں۔ تمہاری گالیاں سنوں یہ تو تمہیں پتہ چل ہی چکا ہے کہ گلشن نگر سے اب نہیں نکل سکتیں بہتر ہوگا کہ ہم سے تعاون کرو جو ہم کہیں اسے چپ چاپ مان لو۔ اسی میں تمہاری بہتری ہے۔'' مظہر نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا تھا۔

''تم اچھی طرح سوچ لو۔ میں تمہیں سوچنے کے لیے مزید ایک دن دے سکتا ہوں مگر اس سے زیادہ سہولت کی امید مت رکھنا۔ مجھے پہلے ہی لگ رہا ہے میں تمہیں بہت ڈھیل دے رہا ہوں۔ شاید محبت بہت ہے نا تم سے اور پھر تم میری بیوی بھی ہو...... بھئی بیوی کا اتنا حق تو بنتا ہے کہ اسے سہولت دی جائے۔ ایکچو لی تمہیں پتا نہیں ہے عانیہ! تم کیا چیز ہو...... اگر خود کو میری نظروں سے دیکھو گی تو اپنی قدر و قیمت خود بخود سمجھ آجائے گی۔''

''مجھے کیا کرنا ہوگا۔'' عانیہ نے یکدم اس کی بات کاٹتے ہوئے سرد مہری سے پوچھا۔

''دیٹس دا پوائنٹ۔'' مظہر نے بے ساختہ سراہا۔

''مجھے تمہاری یہ بات بہت پسند ہے عانیہ! بات فوراً سمجھ لیتی ہو بہت کمپرومائزنگ ہو...... میں نے تمہیں یونہی تو پسند نہیں کیا...... میری بات ماننے میں ہی تمہاری بھلائی ہے سویٹ ہارٹ فائدہ ہی فائدہ۔''

''میرے فائدے گنوانا بند کرو مظہر۔'' اس نے تلخی سے بات قطع کی۔

''مجھے صرف وہ بات بتاؤ جس میں سچ مچ میرا فائدہ ہو۔ کل تم نے کہا تھا تم مجھے سونے میں تول سکتے ہو۔ مالا مال کرسکتے ہو...... میں جاننا چاہتی ہوں یہ کیسے ہوگا۔ باقی تو تم اپنا کوئی وعدہ پورا کرنہ سکے دیکھتے ہیں اس بار کتنے سچے ثابت ہوتے ہو؟''

اپنی کشتیاں اس نے اپنے ہاتھوں سے جلائی تھیں اب پیچھے مڑ کر دیکھنا بھی حماقت تھا، یوں بھی اس پچھلی منزل سے، ان پرانے لوگوں سے اسکا کوئی سروکار نہ تھا۔ اتنا کچھ ہوجانے کے بعد بھی وہ سب اس کی خوشیوں کے دشمن غریب کنویں کے مینڈک تھے۔

’’ہماری بات مانتی رہو گی تو شروع میں تمہیں ٹین پرسینٹ ملے گا۔‘‘

’’ٹین پرسینٹ۔‘‘ اسے جھٹکا لگا۔

’’دماغ ٹھیک ہے تمہارا؟‘‘

’’میرا ٹھیک ہے لیکن شاید تمہارا اب تک درست نہیں ہوا۔ ہم یہاں تم جیسوں کو کتوں سے نچوا دیتے ہیں اور ایک دھیلا بھی نہیں دیتے۔‘‘ مظہر نے غضب ناک ہو کر کہا۔

عانیہ سہم سی گئی۔

’’عانیہ ہم تمہیں ففٹین دیں گے، رہائش، کھانا پینا سب ہمارے ذمے...... ہم سے تعاون کرتی رہو گی تو اس سے زیادہ بھی ملے گا۔‘‘ کب سے خاموش بیٹھی آپا بیگم نے تحمل سے کہا۔

’’تم کہیں جانا چاہو جا سکتی ہو لیکن ہمیں دھوکا دینے کی غلطی مت کرنا۔ اس کا بھگتان تمہیں بھگتنا پڑے گا۔‘‘

عانیہ دل ہی دل میں کچھ سوچنے لگی پھر اس نے مظہر کی طرف دیکھا وہ صوفے کی بیک سے سر ٹکائے گہرے گہرے کش لگا رہا تھا۔

’’آ...... آپا بیگم۔‘‘ اس نے بے ساختہ پکارا۔

’’مجھے آپ کی ہر بات منظور ہے لیکن میری ایک شرط ہے۔‘‘

آپا بیگم اور مظہر سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

’’جب مجھے ایک نئی زندگی گزارنا ہی ہے تو پھر میرا نام بھی نیا ہونا چاہیے۔‘‘ اس نے پر سوچ انداز میں کہا۔

’’ایں...... مطلب۔‘‘

’’مطلب۔‘‘ اس نے مظہر کو دیکھا۔

’’مطلب...... گیتی آرا۔‘‘ اس کا انداز ابھی بھی پر سوچ تھا اور وہ بڑی گہری نظروں سے مظہر کو دیکھ رہی تھی۔ مظہر نے چونک کر اسے دیکھا۔

’’آپ بھول جائیں کہ میرا نام عانیہ ہے میں بھی بھول رہی ہوں۔ آج سے میں گیتی آرا ہوں۔‘‘

مظہر نے یکدم ہنسنا شروع کر دیا تھا اس کے حلق میں سگریٹ کا دھواں اٹک رہا تھا اور آنکھوں سے پانی بہنے لگا تھا۔ آپا بیگم نے ناسمجھی سے پہلے عانیہ کو اور پھر مظہر کو دیکھا۔ انہیں بات کی تہ تک پہنچنے میں چند منٹ لگے تھے اس کے بعد وہ بھی مسکرانے لگیں۔

’’ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔‘‘ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا اور باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

مظہر ہنستا ہوا اس کے قریب آیا اور محبت سے اسے دیکھنے لگا۔

”میں سمجھ نہیں پا رہا تمہیں چالاک کہوں یا معصوم۔“

اس نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا پھر اس کا گال تھپتھپاتا باہر نکل گیا اور عانیہ کو لگا گیتی آرا بن کر اس نے مظہر سے ہمیشہ کے لیے بدلہ لے لیا ہے۔

بس اتنا سا سفر تھا عانیہ چوہدری کا...... جو اس نے گیتی آرا بننے کے لیے طے کیا۔

☆......☆......☆

”یہ ہے گیتی آرا...... میری بیوی۔۔۔ میں صرف اسے جانتا ہوں ثانیہ نام کی کسی لڑکی کو میں نہیں جانتا...... وہ آپ کی پسند تھی اسے آپ بھگتیں...... اس سے نکاح میں نے صرف آپ کے مجبور کرنے پر کیا تھا ورنہ میری پسند تو ہمیشہ سے گیتی ہی رہی ہے۔“ حنان کی آواز اب بلند ہونے لگی تھی۔

”جھوٹ کی کوئی حد ہوتی ہے حنان، کون سی زبردستی کی میں نے تمہارے ساتھ، ثانیہ سے شادی کا فیصلہ تمہارا اپنا تھا تم نے خود اسے پسند کیا تھا۔“ جہانگیر نے جھنجھلا کر کہا۔

”تب اچھی لگی ہوگی اب گیتی اچھی لگ رہی ہے۔“ اس نے مخصوص انداز میں کندھے اچکا کر کہا۔

”کیا میں اپنی پسند ناپسند سے کوئی کام نہیں کر سکتا؟ آفٹر آل آپ نے بھی دو شادیاں کی ہیں اپنی پسند سے ہی کی ہوں گی۔“

”تمہیں اندازہ بھی ہے...... تمہاری اس غیر ذمہ داری نے ثانیہ کی زندگی برباد کردی ہے۔“

”اوہ...... ہو۔“ حنان نے ان کی بات قطع کردی۔

”زندگی اس کی برباد ہو رہی ہے تکلیف آپ کو ہو رہی ہے۔ میرے پاس ایک آئیڈیا ہے آپ کو اس سے اتنی ہمدردی ہے تو میں اسے چھوڑ دیتا ہوں۔ آپ اس سے نکاح کرلیں...... ویسے بھی آپ کو تو عادت ہے دوسروں کی بیویاں ہتھیانے کی۔۔۔ اس غریب مسکین کو بھی سہارا مل جائے گا۔“

ثانیہ نے آگے بڑھ کر ایک زناٹے دار تھپڑ اسے رسید کیا تھا۔

حنان اس حملے کے لیے تیار نہیں تھا اس نے خود کو گرانے سے بچانے کے لیے صوفے کا سہارا لینا چاہا اسی اثنا میں ثانیہ نے اس کے دوسرے گال پر تھپڑ رسید کیا تھا۔

”میں نے آج تک تمہارے گھٹیا پن کے صرف قصے سنے تھے مگر مجھے رتی بھر بھی اندازہ نہیں تھا کہ تم ان قصوں سے کہیں زیادہ گھٹیا ہو۔“ ثانیہ نے نفرت سے کہا۔

حنان ہکا بکا چہرے پر ہاتھ رکھے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ بے حیثیت، بے وقعت سی لڑکی اس پر

ہاتھ اٹھانے کی غلطی کر سکتی ہے پھر اتنا زوردار تھپڑ وہ بھی ایک بار نہیں دو بار۔ یہی حال شمسہ اور جہانگیر کا تھا واحد شاہنواز تھا جو دل ہی دل میں کمینی سی خوشی محسوس کرتا اپنی بے ساختہ امڈتی مسکراہٹ کو چھپانے کے لیے لبوں پر بند مٹھی جما کر کھڑا ہو گیا اور کارروائی ملاحظہ کرنے لگا تھا۔

''تم کیوں مجھے چھوڑو گے...... میں خود تم سے خلع لوں گی شاید تمہیں پتا نہیں میں یہاں تم لوگوں کے سامان کو ہی لوٹانے آئی تھی۔ دو تین روز میں تمہیں خلع کا نوٹس بھی مل جائے گا۔ اللہ کا شکر ہے تم نے اپنی اصلیت اتنی جلدی دکھا دی...... تم جیسے شخص سے شادی سے بہتر خودکشی ہے جسے ہمیشہ اپنے فیصلوں پر پچھتانا پڑتا ہے۔ جسے ماں باپ کی عزت تک کرنا نہیں آتا۔''

''الو کی پٹھی...... اپنا لیکچر اپنے پاس......''

''چٹاخ......'' حنان کو سانپ سونگھ گیا ثانیہ نے یہ تھپڑ پچھلے دونوں تھپڑوں سے زیادہ زور سے مارا تھا۔

''اگلی بار گالی دو گے تو اس سے زیادہ زور سے ماروں گی۔'' ثانیہ غرائی تھی اس کا سانس بری طرح پھول رہا تھا۔ اشتعال کے مارے پورا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ پھر اس نے پلٹ کر اپنا پرس اٹھایا اور تیز تیز قدم اٹھاتی باہر نکل گئی۔ پل بھر کے لیے اس کی آنکھیں عانیہ سے ملی تھیں اور عانیہ نے خائف ہو کر نظروں کا زاویہ بدل لیا تھا۔

☆......☆......☆

رات تاریک تھی اور سیاہ آسمان کے چھیدوں سے روشنی ٹپک رہی تھی۔

اس پراسرار رات میں اس نے شاید پہلی بار پودے کو لرزتے دیکھا تو خوف سے خود بھی کانپ اٹھی۔

گہری رات، پرہول خاموشی۔

اور یہ مخبوط الحواس لڑکی...... جو اسے اپنے پاس بٹھا کر خود کسی اور ہی دنیا میں پہنچی ہوئی لگ رہی تھی۔

مومنہ نے غور سے دیکھا ادھوری سی روشنی میں گل بانو آج بالکل کسی کھنڈر کی مانند دکھائی دیتی تھی۔

''مجھے کیوں بلایا ہے آپ نے......'' بالآخر اس نے پوچھ ہی لیا۔

''تم مجھ سے خفا ہو۔'' دیوار سے ٹیک لگا کر منہ اٹھائے آسمان کو گھورتے ہوئے اس نے پوچھا، مومنہ خاموش رہی۔ کہنا بھی کیا تھا گل بانو نے اس بری طرح سے اس کا اعتماد توڑا تھا اب وہ چاہ کر بھی اپنا دل اس کی طرف مائل نہیں کر پا رہی تھی۔

''بولو ناں منی...... خفا ہو مجھ سے؟''

''جس سے زندگی ہی خفا ہو میں اس سے خفا ہو کر کیا کروں گی۔''

''وہ کہتا ہے...... وہ ساری زندگی مجھ سے نفرت کرے گا۔'' گل بانو کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔

''مم...... مجھ سے نفرت...... میں، میں کیا کروں مومنہ مجھے سکون نہیں آتا...... آنکھیں بند کرتی ہوں تو اس کا چہرہ آنکھوں کے

سامنے...... اس نے دس سال سزا بھگتی تو میں نے بھی تو ہجر جھیلا ہے...... پھر بھی وہ مجھ سے نفرت...... میں کیا کروں مومنہ...... میں کیا کروں۔'' وہ سسکتی جاتی تھی وہ کہتی جاتی تھی۔

مومنہ نے ترحم سے اسے دیکھا پھر اسے اس کے حال پر چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''معافی مانگ لیں باجی! آپ کی بے سکونی کا صرف ایک ہی حل ہے۔'' اس نے جاتے جاتے رک کر کہا۔

''وہ...... وہ مجھے معاف نہیں کرے گا۔'' گل بانو نے بے بسی سے کہا۔

''کر دے گا معاف...... میرا دل کہتا ہے وہ اتنا برا انسان نہیں ہے۔ میں نے اس کی آنکھوں میں اچھائی دیکھی ہے۔ ممکن ہے آپ سے دھوکہ کھانے کے بعد اس کی فطرت میں اچھائی ماند پڑ گئی ہو لیکن ہی اچھائی مری نہیں ہوگی...... آپ کوشش ضرور کریں باجی...... اور کچھ نہیں تو آپ کو سکون تو مل ہی جائے گا۔''

اس نے آہستگی سے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ حقیقت جان لینے کے بعد اسے گل بانو کے آنسو ذرا بھی قابل توجہ نہیں لگ رہے تھے۔

☆......☆......☆

وہ اپنی سوچوں میں غلطاں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی مین روڈ کی طرف جا رہی تھی جب پیچھے سے ایک سفید نسان تیزی سے قریب آ کر اس کے ساتھ ساتھ رینگنے لگی۔

ثانیہ نے مڑ کر دیکھا تب تک شاہنواز پسنجر سیٹ کا دروازہ کھول چکا تھا۔ ثانیہ خاموشی سے کار میں بیٹھ گئی۔

''مجھے چوبرجی ڈراپ کر دیں، انٹرویو ہے میرا۔'' اس نے کہا۔

شاہنواز نے کار مین روڈ پر لا کر اس کے مطلوبہ راستے پر ڈال دی۔

''تو یہ تھی وہ حقیقت جو آپ مجھے بتانا چاہتے تھے؟'' چند منٹ کی خاموشی کے بعد ثانیہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ایکچولی میں اپنا خدشہ شیئر کرنا چاہتا تھا گیتی آرا کو جب پہلی مرتبہ میں نے دیکھا تب سے ہی یہ خیال مجھے پنچ کر رہا تھا کہ یہ چہرہ پہلے بھی کہیں دیکھ رکھا ہے دراصل مجھے چہرے اتنے آرام سے نہیں بھولتے...... تیمور کے ساتھ آپ کے گھر گیا تھا وہیں آپ کی بہن سے ملاقات ہوئی تھی اور انہوں نے کافی مس بی ہیو کیا تھا مجھ سے...... بس اس خاص ملاقات کے حوالے سے چہرہ بھی کہیں لاشعور میں رہ گیا۔ پھر ایک روز اچانک یاد آیا کہ تیمور کی بہن اور گیتی آرا دراصل ایک ہی لڑکی کے دو روپ ہیں...... گو کہ ان چند سالوں میں اس کی ظاہری شخصیت میں کافی تبدیلی آئی ہے مگر میں نے بتایا نا...... مجھے چہرے نہیں بھولتے۔''

ثانیہ نے گہری سانس بھرتے ہوئے سر سیٹ سے لگا لیا۔

''آپ کو مجھے بتا دینا چاہیے تھا۔ بتا دیا ہوتا تو میں یہاں نہ آتی...... یہاں نہ آتی تو اس سے سامنے ہی نہ ہوتا...... پتا نہیں اب کون کون سے زخم ادھڑیں گے۔'' اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا اور آنکھ میں جمع ہوتی نمی کو بے دردی سے رگڑ دیا تھا مگر آنسوؤں کی منہ زور ندی سارے بند توڑتی چلی گئی۔

''اگر آپ اسی طرح روتی رہیں گی تو میرا سارا دھیان آپ کی طرف ہی لگا رہے گا ایسا نہ ہو توجہ ہٹے اور میری کار کسی اور سے ٹکرا جائے۔'' شاہنواز نے بے چین ہو کر کہا۔

''آپ کو خود ہی کہیں اپنی کار مار دینی چاہیے۔'' وہ پھاڑ کھانے کو دوڑی۔ ''کم سے کم اس بات پر تو شرمندہ ہوں کہ آپ ہر اہم بات بتانے میں دیر کر دیتے ہیں۔''

''اچھا اگلی بار ہر بات صحیح وقت پر بتانے کا وعدہ کروں تو رونا بند کر دو گی۔'' اس نے جلدی سے پوچھا۔

''ہرگز نہیں۔'' وہ اکل کھرے انداز میں بولی۔ ''آپ نے مجھے اتنے دکھ دیے ہیں کہ مجھے اگلے کئی گھنٹے رونا چاہیے۔''

''اچھا...... باقی ساری زندگی میں تمہیں صرف خوشیاں دوں گا تمہاری آنکھوں میں کبھی آنسو نہیں آنے دوں گا...... کم سے کم اس وعدے پر تو رونا بند کر دو۔'' اس نے چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھا ثانیہ سٹپٹا کر باہر دیکھنے لگی۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔''

''پھر کیا مطلب تھا۔'' وہ ہمہ تن گوش ہوا۔

''آپ گاڑی روک کیوں رہے ہیں...... ایک گھنٹے بعد میرا انٹرویو ہے۔'' اس نے بات پلٹ دی۔

''ایک تو یہ کہ تم مینٹلی ڈسٹرب ہو اور دوسرے خالی پیٹ بھی...... ایسے انٹرویو دینے جاؤ گی تو خاک نوکری ملے گی۔''

اس نے بڑی سہولت سے آپ سے تم کا سفر طے کر لیا تھا ساتھ ہی فوڈ اسپاٹ کے چھوٹے کو برگر لانے کا کہا تھا۔

''آپ کو کیسے پتا مجھے بھوک لگی ہے؟'' اس نے تعجب سے پوچھا۔

''مجھے صرف اتنا پتا ہے مجھے بھوک لگی ہے۔'' اس نے برگر اسے پکڑاتے ہوئے مزے سے کہا۔

ثانیہ کچھ کہہ نہ سکی اور خاموشی سے برگر لے کر کھانے لگی۔

''اچھا سنو...... تمہارے فیوچر پلانز کیا ہیں؟'' اس کا موڈ بے حد خوشگوار تھا اور ثانیہ کو وہ شاہنواز سر سے بہت مختلف لگ رہا تھا۔

''فی الحال تو ایک اچھی سی جاب تلاش کرنا ہے پھر مجھے اپنی بہنوں کو بہت پڑھا لکھا کر ان کے پیروں پر کھڑا کرنا ہے تاکہ کل کو اگر زندگی میں انہیں کوئی مسئلہ درپیش ہو تو مدد کے لیے انہیں ادھر ادھر نہ دیکھنا پڑے...... پھر ان کی شادیاں کروانی ہیں۔''

''ہوں......'' شاہنواز نے پرسکون انداز میں سرسری سا کہا۔

''حنان سے خلع کا ارادہ تو پکا ہے نا؟''

''بالکل۔'' وہ ترنت بولی۔

''اچھا ایک اور بات بتاؤ۔'' اس نے بڑا سا نوالہ چبا کر پوچھا۔

''تمہارے یہ جو سارے پلانز ہیں...... بہنوں کو پڑھانا، شادی وغیرہ...... اس میں اندازاً کتنا عرصہ لگے گا؟'' اس کا انداز ابھی بھی سرسری تھا۔

ثانیہ چونک سی گئی۔

''آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

''میں دراصل حساب لگانا چاہ رہا تھا کہ مجھے تمہارا کتنے عرصے انتظار کرنا پڑے گا۔''

اس کا انداز ابھی بھی سابقہ تھا بس آنکھوں کی چمک شدید تھی اور وہ ثانیہ سے اس طرح باتیں کر رہا تھا جیسے ان دونوں کے درمیان کبھی کوئی تکلف یا جھجک نہ رہی ہو۔

ثانیہ کی پلکیں جھک گئیں اور دل بے ہنگم ہو کر دھڑکنے لگا۔

''آپ پلیز...... مجھے یہیں ڈراپ کر دیں۔'' اس نے دروازے کی طرف مڑتے ہوئے جلدی سے کہا۔

''زندگی اتنا شاندار موقع دے رہی ہے...... کم سے کم اب ڈراپ نہیں کر سکتے۔'' شاہنواز نے کھنکتے ہوئے لہجے میں کہا ساتھ ہی کار آگے بڑھا لی اس کے ایک ہاتھ میں برگر تھا اور دوسرے سے وہیل سنبھالے ہوئے تھا پھر اس نے گردن موڑ کر دیکھا ثانیہ سر جھکائے برگر گود میں رکھے اسے گھور رہی تھی۔ وہ ہنس دیا۔

''یہ کھانے کے لیے ہے۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''ابھی تو میں نے اظہار عشق بھی نہیں کیا...... تمہاری بھوک پہلے ہی اڑ گئی۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

''سنو! ثانیہ میں بڑا سیدھا اور کھرا بندہ ہوں۔ آج تک میں نے زندگی میں نہیں سوچا تھا کہ مجھے کسی سے محبت ہو سکتی ہے میرا خیال تھا جس سے میری شادی ہو گی مجھے اس سے محبت ہو جائے گی؟ لیکن جب تم میری زندگی میں آئیں...... اور پتا نہیں تم میری زندگی میں کیسے آ گئیں۔'' وہ مزے سے خود پر ہی ہنس رہا تھا۔

''بہر حال جب تم میری زندگی میں آئیں تب مجھے پہلی بار زندگی اچھی لگی...... اس سے پہلے میں زندگی گزار رہا تھا اس کے بعد جینے لگا پھر یکا یک مجھے پتا چلا تم بہت جلد باز ہو۔''

”میں جلد باز نہیں ہوں......دیر آپ نے کی تھی۔“ وہ بے ساختہ کہہ اٹھی شاہنواز کا قہقہہ اتنا ہی بے ساختہ اور جاندار تھا۔ ثانیہ بری طرح جھینپ گئی۔

”میں اپنی غلطی مانتا ہوں اور اس غلطی کو دوبارہ نہیں دوہرا سکتا اس لیے آج ہی بتا دیتا ہوں کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔“

”پلیز......آپ اس طرح کی باتیں مت کریں۔“ وہ بری طرح گھبرا گئی تھی۔ شاہنواز نے ایک اور قہقہہ لگایا۔

”ٹھیک ہے اس طرح کی باتیں ہم شادی کے بعد کریں گے۔“ اس نے مزے سے کہا۔

”لیکن اتنا تو پوچھ سکتا ہوں نا کہ تم مجھ سے شادی کرو گی؟“

ثانیہ خاموشی سے اپنی انگلیاں مروڑتی رہی۔

شاہنواز نے اس کے تذبذب کو بغور دیکھا۔

”اتنا مشکل سوال تو نہیں پوچھا میں نے۔“ اس کی خاموشی نے اسے فکر میں مبتلا کر دیا تھا۔

”بے شک میں خلع ہی کیوں نہ لوں......کچھ روز بعد مجھ پر مطلقہ کا ٹیگ لگ جائے گا......آپ اچھی طرح سوچ سمجھ لیں دنیا بہت طعنے دے گی۔“ اس نے بہت حقیقت پسندی سے کہا تھا۔

”سوچنے سمجھنے کی اب تو گنجائش ہی نہیں ہے۔ اگر تم زندگی بھر میرا ساتھ دو گی تو دنیا کے سارے طعنے سہہ لوں گا......زندگی کا کوئی بھی چیلنج پورا کر دوں گا......بشرطیکہ تم میرا ساتھ دو۔“

ثانیہ چہرہ جھکائے بیٹھی رہی پھر اس سے اپنی مسکراہٹ چھپانا مشکل ہو گیا۔

کار کے دروازے کی طرف گھومتے ہوئے وہ ذرا سا اس کی طرف پلٹی تھی۔

”پانچ چھ سال میرا انتظار کر لیں گے؟“

شاہنواز کے لب کانوں تک پھیل گئے۔ زندگی کی اتنی بڑی مراد پوری ہو رہی تھی اتنا مسکرانا اور خوش ہونا تو اس کا حق بنتا تھا۔

”پانچ، چھ سال۔“ اس نے دوہرایا۔

”سال کچھ کم نہیں ہو سکتے؟“

ثانیہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”کشف ابھی بہت چھوٹی ہے کم سے کم بھی اس کی پڑھائی مکمل ہونے میں پانچ سال لگیں گے۔“

”پانچ سال بہت لمبے ہوں گے نا۔“ اس نے مایوسی سے کہا پھر ہنس دیا۔

”ایک سال کی ریلیف مل رہی ہے یہ بھی کچھ کم اطمینان کی بات نہیں......کام خاصا مشکل ہے لیکن پانچ سال انتظار کر لوں گا۔“

ثانیہ مسکرا کر نیچے اتر گئی۔

زندگی یکدم بے حد خوبصورت لگنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

شاہنواز کے ہر انداز سے اس کی غیر معمولی خوشی ظاہر ہو رہی تھی۔ ثمن خود کو پوچھنے سے روک نہیں پائی۔

''کیوں بھائی! جب سے آئے ہیں بڑے خوش دکھائی دے رہے ہیں...... خیر تو ہے......'' اس کا انداز شریر سا تھا۔

''کہیں ہماری متوقع بھابھی نے ہاں تو نہیں کہہ دی؟'' وہ تو یونہی چڑا رہی تھی شاہنواز نے مصنوعی تعجب سے آنکھیں پھیلا کر اسے دیکھا۔

''تمہیں کیسے پتا چلا؟''

''ہائیں......'' ثمن پہلے تو کچھ نہ سمجھی اور جب سمجھی تو مارے خوشی و جوش کے لبوں سے چیخ ہی نکل گئی۔

''ہیں......کھائیں میری قسم۔''

''میں جھوٹ کیوں بولوں گا۔'' وہ ہنس دیا۔

''توبہ کس قدر چالاک ہیں آپ۔'' وہ یکدم خفگی سے بولی۔

''ارے......'' وہ متعجب ہوا۔ ''کون سی چالاکی دیکھ لی ہے میری۔''

''ساری کھچڑی اندر ہی اندر تیار کر لی اور ہمیں کانوں کان خبر تک نہ ہونے دی۔''

''بات سنو کوئی کھچڑی وچڑی تیار نہیں ہوئی۔'' وہ اس کے لڑاکا انداز سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا۔

''ابھی تو اماں پرپوزل لے کر جائیں گی۔ بات آگے بڑھے گی دونوں طرف کے بزرگ ہاں کہیں گے تو کچھ ہو گا تم ابھی سے کھچڑی کا نعرہ لگا رہی ہو۔''

''شاباش ہے بھئی، بزرگوں کی بات تو اس طرح کر رہے ہو جیسے بڑا احترام کرتے ہو بزرگوں کا۔'' اباجی کی آواز پر وہ دونوں ہی بری طرح سے اچھلے تھے۔

وہ عقب میں اپنی لاٹھی پکڑ کر کھڑے غصے سے شاہنواز کو گھور رہے تھے۔

''رشتہ لے کر صرف تمہاری ماں جائے گی؟...... کیا باپ کا کوئی حق نہیں ہے؟'' انہوں نے کڑے تیوروں سے اسے گھورا۔

''باپ کے حق سے کون انکار کر رہا ہے مگر مسئلہ یہ ہے کہ باپ کی پسند کوئی اور ہے۔'' شاہنواز نے ہمت کر کے کہا۔

''زندگی تم نے گزارنی ہے یا تمہارے باپ نے؟'' اباجی کے گرجنے پر وہ دنگ رہ گیا۔

''جی؟''

''جب زندگی تمہیں گزارنی ہے تو باپ کی پسند ناپسند سے کیا فرق پڑتا ہے لیکن تم نے تو اس بات کو انا کا مسئلہ بنالیا تھا، باپ نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر معافی جو نہیں مانگی تھی۔''

''باخدا میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔'' اس نے صدمے سے چور آواز میں کہا۔

''میں خوب سمجھتا ہوں تم بے وقوف کسی اور بنانا...... کیا میں نہیں دیکھتا گھر میں سب سے ہنس کر باتیں ہوتی ہیں سوائے میرے۔'' اباجی تو لاڈلی بیویوں کی طرح شکوے کرنے لگے تھے۔

''مجھے لگا آپ مجھ سے باتیں نہیں کرنا چاہتے۔''

''کیوں بھلا؟''

''میں نے گل بانو سے شادی سے انکار جو کر دیا تھا۔''

''میں نے تو صرف ایک خیال ظاہر کیا تھا مرحوم دوست کی بیٹی کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی خواہ اس نے کتنی بھی غلطیاں کی ہوں۔ قیامت کے دن اسے بھی منہ دکھانا تھا سوچا اس طرح ہی شرمساری سے بچ جاؤں اسی لیے دل میں آئی بات زبان پر آگئی اور تم نے معمولی سی بات کو انا کا مسئلہ بنا کر خاموشی تان لی۔ کیا اب تک ناراض ہو؟''

''ناراضی تو اسی روز دور ہوگئی تھی اباجی جس روز آپ نے مجھے گلے سے لگایا تھا۔'' وہ آگے بڑھ کر ان کے سینے سے لگ گیا۔

اباجی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور انہوں نے اسے زور سے بھینچ لیا۔

''مجھے معاف کردو شاہنواز! میں نے تمہارے ساتھ بہت ظلم کیا۔''

''بھول جائیں اباجی جو گزر گیا اب اس کا کیا گلہ کرنا...... یہ سب تقدیر کا چکر تھا اور کچھ نہیں۔'' اس نے محبت سے کہا۔

اباجی نے شفقت سے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا۔ ثمن آنسو بہاتی اماں جی کو خوشخبری سنانے دوڑ گئی۔

☆......☆......☆

''گیتی......گیتی......''

وہ جو کمبل میں لیٹی کسی گہری سوچ میں تھی حنان کی جھنجلائی ہوئی آواز سن کر چونک سی گئی۔

حنان موبائل فون کان سے لگائے بے حد جھنجلایا ہوا سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہوا رائٹنگ پیڈ اور پین پکڑانے کے لیے کہہ رہا تھا۔ اس نے خاموشی سے اس کی مطلوبہ چیزیں اسے تھمادیں۔

پھر سوچنے لگی۔ اس کی اصل پہچان کیا ہے۔ عانیہ یا گیتی آرا؟ آج ثانیہ کو دیکھ کر اپنی بھولی بسری پہچان اسے ازسرنو یاد آنے لگی

تھی۔مظہر سے بدلہ لینے کے لیے یا اسے ہمہ وقت زچ کرنے کی غرض سے اس نے گیتی آرا کا نام اپنایا تھا مگر اس سے بھی زیادہ تیزی سے گیتی آرا کے رنگ ڈھنگ اپنائے تھے۔اس کا سا طرز رہائش اختیار کیا تھا۔رفتہ رفتہ وہ خود بھی یہ بھول گئی کہ وہ کبھی عانیہ تھی۔

ثانیہ کو دیکھ کر اس کو اپنی پرانی زندگی یاد آنے لگی تھی۔اپنی ماں،بہنیں اور تیمور یاد آیا تھا لیکن تھوڑی دیر بعد اسے قصر بلند میں پیدا ہونے والی بے چینی نے گھیر لیا تھا۔

اس نے خفگی سے حنان کی طرف دیکھا وہ جب سے آیا تھا مختلف لوگوں کو فون کر کر کے اپنی مدد کے لیے تیار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''کیا میں اس بار بھی ناکام ہو گئی ہوں......کیا اس بار بھی میں نے ایک غلط آدمی کو چن لیا ہے؟''اس نے سوچا۔

اسی وقت حنان نے موبائل صوفے پر پھینک دیا تھا اور اس کے منہ سے مغلظات کا طوفان نکل رہا تھا۔

اس نے جہانگیر،شمسہ کے ساتھ ساتھ اس بار اپنے مرحوم باپ کو بھی نہیں بخشا تھا۔

''تم نے مجھے دھوکا دیا ہے حنان......اور میں تمہیں اس کے لیے کبھی معاف نہیں کروں گی۔''

''اوشٹ اپ......تم سے معافی کون مانگ رہا ہے۔''وہ پھاڑ کھانے کو دوڑا۔

''مجھے پتا ہوتا تم بالکل کنگال ہو تو کبھی تم سے شادی نہ کرتی۔''وہ اس سے زیادہ بھڑک کر چلائی تھی۔

''یہ تم سے شادی کرنے کا انعام مل رہا ہے مجھے۔''اس نے تپائی کو ٹھوکر رسید کی تھی۔

''تو کیا میں نے تم سے کہا تھا مجھ سے شادی کرو۔''

''دماغ خراب ہو گیا تھا میرا۔''وہ پاگل پن سے چلایا۔

''اب اپنی بکواس بند کرو اور مجھے کچھ سوچنے دو۔میرا باپ خود تو مر گیا اور جو کچھ میرے لیے چھوڑا وہ بھی نہ چھوڑتا تو زیادہ مناسب تھا......سب کچھ ہاتھوں سے نکل گیا۔اب کیا ہو گا میں بالکل سمجھ نہیں پا رہا۔''

اس نے صوفے پر بیٹھ کر سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

''ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا......بہت کچھ ہو سکتا ہے۔''گیتی نے پرسوچ انداز میں کہا۔

''کیا مطلب؟''

''دل تو چاہتا ہے تمہارے سر پر اتنی جوتیاں ماروں کہ تمہارا دماغ پلپلا ہو جائے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اب تمہاری قسمت سے میری قسمت کے ٹانکے جڑے ہیں......اور اپنی بہتری کے لیے مجھے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔میں پھر سے وہی غربت بھری زندگی نہیں گزار سکتی۔''

''گیتی!تم کیا کہہ رہی ہو مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔''

''تمہیں سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں۔''وہ تڑخ کر بولی۔

''صرف اتنا بتاؤ کیا تم مجھے ثانیہ سے ملوا سکتے ہو؟'' حنان نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

''تم ثانیہ سے مل کر کیا کرو گی؟''

''وہی جو تم نہیں کر سکتے۔'' گیتی نے جلے کٹے ہوئے انداز میں کہا تھا۔

''میں اسے کنوینس کرنے کی کوشش کروں گی کہ وہ تمہارے پیرنٹس سے اپنا فیصلہ بدلنے کی بات کرے۔ اگر وہ مان جاتی ہے تو یہی ایک راستہ ہے جو ہمیں اس مصیبت سے بچا سکتا ہے۔''

''واہ...... کیا فنٹاسٹک پلان ہے۔'' حنان نے طنزیہ مسکراہٹ اچھالی تھی۔

''جیسے تم جاؤ گی اور وہ فوراً مان جائے گی...... تم نے شاید اس کی باتیں غور سے نہیں سنیں۔'' حنان کے گل جل اٹھے تھے اور سارا خون چہرے پر سمٹ آیا تھا۔

''اور تم نے سوچا بھی کیسے کہ میں اس کے پاس مدد مانگنے جاؤں گا...... اس کا تو میں وہ حشر کروں گا کہ ساری زندگی یاد کرے گی۔''

''پاگل مت بنو حنان!'' گیتی نے سرعت سے کہا۔ ''تمہارے باپ نے جائیداد حاصل کرنے کے لیے جو شرط رکھی ہے اس کی وجہ سے تم ثانیہ کے محتاج ہو۔ وہ تمہاری محتاج نہیں ہے۔ کچھ دماغ سے بھی کام لے لو۔'' وہ جھنجھلا کر بولی۔

''ویسے بھی کہہ چکی ہے وہ تم سے خلع لے لے گی اور اگر اس نے کہا ہے تو ضرور لے گی۔ اتنا تو میں اسے جانتی ہوں۔'' حنان سوچ میں پڑ گیا پھر بولا۔

''تمہاری غلط فہمی ہے گیتی! وہ میری مدد کرنے کے لئے راضی نہیں ہوگی۔ جب اسے مجھ سے خلع لے ہی لینا ہے تو اسے اس سے کیا غرض ہو سکتی ہے کہ میں مشکل میں رہوں یا نہیں۔''

گیتی نفی میں سر ہلانے لگی۔

''اتنی بھی پتھر دل نہیں ہے وہ۔...... تھوڑا سا ایموشنل کرنا پڑے گا مدد کرنے کے لیے راضی ہو جائے گی۔ میں بڑی اچھی طرح سے جانتی ہوں اسے۔'' وہ اپنے دھیان میں بول گئی۔

''ایک منٹ۔'' حنان چونک گیا۔

''تم کیسے جانتی ہو اسے؟'' اس نے الجھن بھرے انداز میں پوچھا۔

''وہ...... میں۔'' گیتی سٹپٹا سی گئی پھر فوراً بات سنبھالی۔

''میرا مطلب ہے...... اس کی شکل دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ نرم دل ہے...... پلیز حنان مجھے ایک کوشش کرنے دو۔ میں اسے راضی کر لوں گی۔''

اس نے اصرار سے کہا حنان نے بڑی توجہ سے اس پہلو پر غور کرنا شروع کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

عصر کی نماز پڑھ کر ابھی اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہی تھے کہ زینب افتاں خیزاں چلی آئی۔

''آپی! جلدی سے باہر چلیں......آپ کو پتا ہے باہر کون آیا ہے؟''

ثانیہ کا دل جیسے یکدم کسی نے مٹھی میں جکڑ کر چھوڑا تھا۔

''کون؟''

''عانیہ آپی۔''

ثانیہ جیسے لاشعوری طور پر یہی سننے کی منتظر تھی پھر بھی دھک سے رہ گئی اور کسی واضح ردعمل کا اظہار نہ کر سکی۔

''کہاں ہے؟'' اس نے جائے نماز تہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''امی کے کمرے میں...... میں دروازہ کھولتی تو کبھی اندر گھسنے ہی نہ دیتی۔۔۔ وہ تو کشف بے وقوف نے انہیں اندر آنے دیا۔'' زینب ناگواری بھری جھنجھلاہٹ کے ساتھ بول رہی تھی۔

''آپی! آپ ان سے کہیں......وہ یہاں سے چلی جائیں ان کی وجہ سے اتنی مصیبتیں سہی ہیں ہم نے۔''

''زینب بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔'' زرمین اندر داخل ہوئی تھی۔

''میں تو کہتی ہوں دھکے دے کر باہر نکال دینا چاہیے......اور پتا نہیں یہاں کا ایڈریس کس نے دے دیا......ابو سے تو یہ توقع نہیں کی جا سکتی۔''

''تم دونوں بالکل پاگل ہو......حد سے زیادہ جذباتی۔'' ثانیہ نے جھنجھلا کر کہا وہ خود تذبذب کا شکار تھی اس پر......ان دونوں کی باتیں اسے اور زیادہ اکتاہٹ میں مبتلا کر گئیں۔

''کم سے کم مجھے ایک بار باہر جا کر یہ تو معلوم کرنے دو۔ وہ آئی کس ارادے سے ہے۔''

اس نے باہر کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا، سچ تو یہ تھا کہ وہ خود بھی عانیہ کے معاملے میں تذبذب کا شکار تھی۔ وہ نہ اسے گھر میں رکھنا چاہتی تھی نہ نکالنا چاہتی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے عانیہ کی موجودہ حیثیت کے بارے میں کسی کو نہیں بتایا تھا۔

عانیہ کی شادی مظہر کی بجائے حنان سے کیسے ہوگئی یہ سوال خاصا غور طلب تھا مگر اس سارے معاملے میں وہ اتنا اکتا چکی تھی کہ چاہ کر بھی خود کو اس معاملے پر سوچنے کے لیے آمادہ نہیں کر سکی۔

''میرا خیال ہے ہمیں یہ فیصلہ امی پر چھوڑ دینا چاہیے کہ وہ عانیہ کو اس گھر میں رکھیں گی یا نہیں اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ وہ

ہمارے ساتھ رہنے کے رادے سے آئی بھی ہے یا نہیں ممکن ہے وہ صرف ملنے آئی ہو۔'' اس نے پلٹ کر تحمل سے کہا۔ ''اور تم لوگ بھی اپنی جذباتیت چھوڑو اور باہر آجاؤ۔ بہرحال وہ بہن ہے ہماری۔'' اس نے کہا اور باہر نکل گئی۔ امی کے کمرے میں عانیہ امی سے چپکی بیٹھی تھی۔ امی کی آنکھوں میں آنسو تھے مگر وہ بالکل خاموش تھیں۔

ثانیہ کو دیکھتے ہی وہ لپک کر اس کے قریب آئی اور لپٹ کر بولی۔

''ثانیہ......میری پیاری بہن میں تو تم سب کی شکلیں دیکھنے کو ترس گئی تھی۔'' اس کی آواز بلند مگر رندھی ہوئی تھی۔

''مجھے معاف کردو ثانیہ، میں سب سے معافی مانگ چکی ہوں امی سے کشف سے، نرمین اور زینب سے تم بھی مجھے معاف کردو۔ تمہیں نہیں پتا ثانیہ میں کتنی مشکل سے یہاں تک پہنچی ہوں۔ تم لوگوں سے دور جا کر مجھے پتا چلا کہ اپنوں کی اہمیت کیا ہوتی ہے۔ پلیز مجھے معاف کردو اپنی غلطی پر میں اتنی شرمندہ ہوں کہ تم لوگوں سے نظریں بھی نہیں ملا پارہی۔ تم لوگوں نے بھی مجھے ٹھکرا دیا تو میں کہاں جاؤں گی پلیز مجھے معاف کردو۔ امی! آپ ثانیہ سے کہیں نا۔''

وہ بری طرح سسک رہی تھی۔ ثانیہ نے اپنے دل پر جمی ہوئی بدگمانی کی ہلکی سی برف کو ایک آن میں پگھلتے محسوس کیا تھا۔ اس نے زور سے عانیہ کو خود سے لپٹا یا۔ جب امی ہی اسے معاف کررہی تھیں تو وہ اپنے دل میں کدورت پال کر رکھنے والی کون ہوتی تھی۔

حنان کے معاملے پر بات اس نے پھر کسی وقت کے لیے اٹھا رکھی اور اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور ہوتی بڑی محبت سے اس کے آنسو صاف کرنے لگی۔

''تم رو مت......شرمندہ ہو بس اتنا ہی کافی ہے۔ یہاں بیٹھو۔'' اس نے عانیہ کو امی کے قریب بٹھا دیا۔

''تم امی سے باتیں کرو میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔''

''صرف امی سے باتیں کیوں کروں۔'' عانیہ نے آنسو پونچھ کو چہکتے ہوئے کہا۔ ''میں تم سب سے باتیں کرنا چاہتی ہوں تم یہاں بیٹھو میرے پاس، میں چائے نہیں پیوں گی، کھانا بھی کھاؤ گی......تمہارے ہاتھ کی بنی ہوئی کچے گوشت کی بریانی......پلیز ثانیہ! اسے میری فرمائش سمجھ لو۔ میں تو گھر کا کھانا کھانے کو ہی ترس گئی ہوں۔''

''ہاں......میں تمہارے لیے کھانا ضرور بناؤں گی۔'' ثانیہ نے مسکرا کر کہا تھا۔

''اچھا آؤ......پہلے میں تم لوگوں کو تمہارے گفٹس دکھا دیتی ہوں۔ نرمین، زینب! تم لوگ دروازے میں کیوں کھڑی ہو۔۔۔ یہاں آؤ نا۔''

''ہمیں آپ کے گفٹس نہیں چاہئیں۔'' نرمین نے ٹکڑا توڑ جواب دیا۔ ''اللہ کا دیا سب کچھ ہے ہمارے پاس......آپ ہم پر یہ احسان نہ کریں۔''

''اس میں احسان کی کیا بات ہے؟'' عانیہ خفیف سی ہو کر بولی۔ ''یہ تو میں اپنی خوشی سے تم لوگوں کے لیے لائی ہوں۔''

''ہمیں آپ کی خوشی......''

''نرمین۔'' امی نے ایک دم اس کی بات قطع کر دی تھی اور ان کی آواز میں جو تنبیہ تھی اسے سمجھنے میں نرمین کو زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔

وہ دونوں خاموش ہو کر خود پر جبر کرتی وہاں بیٹھ گئیں ان دونوں نے ہی عانیہ سے گفٹس لے لیے تھے مگر اس کی کسی بات میں انہوں نے دلچسپی نہیں لی وہ دونوں بے زاری سے بیٹھی رہی تھیں۔

عانیہ کے پاس انہیں سنانے کے لیے بہت سے قصے تھے وہ اس بات پر غور کیے بنا کہ کوئی اس کی بات میں دلچسپی لے رہا ہے یا نہیں بولتی رہی تھی نرمین اور زینب کچھ دیر مارے باندھے بیٹھی رہیں پھر وہ اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

کھانا ثانیہ اور کشف نے بنایا۔ عانیہ سارے گھر میں اس طرح گھوم رہی تھی جیسے یہ جگہ اس کے لیے ذرا بھی اجنبی نہ ہو کھانا کھا کر ثانیہ برتن دھونے لگی اور کشف سے چائے بنانے کے لیے کہا۔

''تم اپنے کمرے میں جا کر کچھ پڑھ لو کشف! چائے میں بنا لیتی ہوں۔'' عانیہ کچھ دیر امی کے پاس بیٹھ کر کچن میں آ گئی تھی۔

''آپ رہنے دیں آپی......آپ تو مہمان ہیں۔ چائے میں بنا لوں گی۔'' کشف نے کہا۔

''اپنے گھر میں کون مہمان ہوتا ہے گڑیا۔''

عانیہ کے شہد ٹپکاتے لہجے پر ثانیہ کو بے ساختہ کچھ یاد آیا تھا۔ وہ سر جھٹک کر تندہی سے برتن سمیٹتی رہی۔

عانیہ نے چائے کا پانی برنر پر رکھتے ہوئے کئی بار ثانیہ کو کن انکھیوں سے دیکھا۔ ثانیہ خاموشی سے اپنا کام کر رہی تھی جبکہ عانیہ اصل موضوع تک آنے کے لیے کوئی سرا تلاش کر رہی تھی۔

''ثانیہ......'' بالآخر اس نے کچن میں پھیلی خاموشی کو توڑتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا۔

''تم نے بتایا ہی نہیں کیا کر رہی ہو آج کل جاب یا پڑھائی؟''

''دونوں میں سے کچھ بھی نہیں البتہ جاب ڈھونڈ رہی ہوں۔'' ثانیہ بتا کر خاموش ہو گئی عانیہ پھر سوچ میں مبتلا ہوئی کہ اب کیا پوچھا جائے۔

''تم آج رات تو ہمارے پاس ہی رکو گی نا۔'' ثانیہ نے پوچھا۔

نہیں بھئی......ابھی تھوڑی دیر میں حنان مجھے لینے آ جائے گا۔'' اپنے ہی کسی خیال میں مگن وہ روانی سے بول گئی تھی لیکن ثانیہ چونک سی گئی۔

''تم......حنان کے ساتھ آئی ہو؟''

''ہاں......نہیں......وہ میرا مطلب ہے۔'' وہ بری طرح سٹپٹا گئی۔ ثانیہ نے ایک بار پھر چپ کی بکل مار لی تھی۔ اس بار وہ بالکل لاتعلق سی بنی اپنے کام میں مگن دکھائی دے رہی تھی۔ عانیہ نے اپنی تمام تر ہمتیں مجتمع کر کے بولنا شروع کیا۔

''میں مانتی ہوں ثانیہ! مجھ سے غلطی ہوئی تھی مجھ کو اس طرح سے گھر سے نہیں نکلنا چاہیے تھا لیکن میری کچھ مجبوریاں تھیں۔ تم جانتی ہو میں نے کبھی کوئی غلط کام نہیں کیا مگر اس وقت مجھے وہی ٹھیک لگا تھا۔'' اس نے چپکے سے ثانیہ کی طرف دیکھا تاکہ اپنی تمہید کا ردعمل جان سکے۔

''مگر شاید کہیں نہ کہیں میں نے فیصلہ کرنے میں غلطی کر دی۔ تم اندازہ نہیں لگا سکتیں ثانیہ! میں نے اس عرصے میں کتنی مشکلات جھیلی ہیں کس کس طرح کے ظلم اپنی ذات پر سہے ہیں اور اب جب ان مشکلات کے ختم ہونے کا وقت آیا ہے تو حنان کے باپ نے......''

''عانیہ......'' ثانیہ نے یکدم اس کی بات قطع کی۔ ''بہتر ہو گا اس لمبی چوڑی تمہید کو چھوڑ کر تم اصل موضوع کی طرف آ جاؤ۔'' وہ حد درجہ سنجیدہ دکھائی دے رہی تھی۔ عانیہ نے چند گہرے سانس بھرتے ہوئے اپنا ڈگمگاتا حوصلہ جمع کیا اور حتمی انداز میں بولی۔

''میں تم سے مدد مانگنے آئی ہوں۔''

''کیسی مدد؟'' ثانیہ نے یکدم اس کی بات قطع کی۔

''یہ تو تم جانتی ہو جہانگیر لاشاری نے حنان کو بے دخل کر دیا ہے اور اس کے سگے باپ کا جو ترکہ اسے ملا ہے وہ بس اتنا ہی ہے کہ اگلا سال ہی سکون سے گزارا جا سکتا ہے۔ جہانگیر لاشاری نے حنان کے سامنے شرط رکھی ہے کہ اگر تم اس سے خلع لینے کا فیصلہ بدل دیتی ہو تبھی وہ حنان کے بارے میں اپنا فیصلہ بدلیں گے۔ میں چاہتی ہو تم جہانگیر لاشاری سے ان کا فیصلہ بدلنے کے لئے اصرار کرو اور انہیں حنان کے حق میں کنونس کرو۔''

''اور مجھے لگا تم یہاں امی سے معافی مانگنے آئی ہو۔'' ثانیہ نے صدمے سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ عانیہ ایک بار پھر سٹپٹائی۔

''میں امی سے معافی مانگ چکی ہوں اور انہوں نے مجھے معاف کر دیا ہے...... میں سمجھی تم بھی مجھے معاف کر چکی ہو اور میری مدد ضرور کرو گی۔'' اس کے تاثرات زبردست تھے۔

''تمہیں معاف کرنا ایک الگ معاملہ ہے اور مدد کرنا بالکل ہی الگ بات...... حنان نے جو کچھ میرے ساتھ کیا ہے اس کو تو میں قیامت تک نہیں بھولوں گی۔ مدد کرنے کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا۔'' اس نے رکھائی سے دوٹوک کہا۔

''میں مانتی ہوں اس نے تمہارے ساتھ برا کیا ہے۔'' عانیہ نے جلدی سے کہا۔

''مگر اب تم صرف اس کے بارے میں مت سوچو ثانیہ میرے بارے میں بھی سوچو...... تمہاری بہن کا مستقبل اس شخص کی خوشحالی سے جڑا ہے۔'' وہ روہانسی ہو کر بولی تھی۔ ''کیا تمہیں اچھا لگے گا تمہاری بہن روپے روپے کے لیے خوار ہو۔''

ثانیہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''تم غلط بندے کی سفارش کرنے آئی ہو عانیہ! یہ تو طے شدہ بات ہے کہ میں حنان کو معاف نہیں کروں گی اس کی مدد کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا خواہ وہ سڑکوں پر بھیک ہی کیوں نہ مانگتا پھرے۔'' اس نے کٹھور پن سے کہا۔

''تم اتنی سنگدل تو کبھی نہیں تھیں ثانیہ...... میری مدد کرو پلیز! ورنہ میں برباد ہو جاؤں گی۔''

''تمہاری مدد؟'' ثانیہ نے تعجب و بے یقینی سے کہا۔

''جو بھی تم مجھے کرنے کے لیے کہہ رہی ہو اس کا فائدہ حنان کو ہوگا۔ تمہاری مدد کیسے ہوگی؟''

''میں اس کی بیوی ہوں۔ حنان کی خوشحالی سے ہی میری خوشحالی وابستہ ہے۔'' عانیہ نے بے ساختگی سے کہا تھا۔

اور اس بار ثانیہ صدمے کے مارے کچھ بول ہی نہیں سکی گو کہ وہ تمہید سے اندازہ لگا چکی تھی پھر بھی اس کا دل چاہتا عانیہ اس کی نفی کر دے۔

''عانیہ! تم اپنے ہوش میں تو ہو...... اسلامی شریعت کی رو سے ایک مرد سے نکاح میں دو بہنیں بیک وقت نہیں رہ سکتیں۔ تمہارا نکاح تو حنان سے جائز ہی نہیں ہے کم سے کم تب تک جب تک میں اس کے نکاح میں ہوں۔ پھر تم کیسے خود کو اب تک اس کی بیوی کہہ رہی ہو۔'' ثانیہ کی آواز صدمے اور دکھ سے پھٹ رہی تھی۔

''اور تم تو جلد ہی اس سے خلع لینے والی ہونا۔'' عانیہ نے تحمل سے کہا۔ ''اور پھر ہم دونوں بہنیں ہیں یہ بات صرف تم جانتی ہو یا میں، حنان اور اس کے گھر والوں کو تو اس بارے میں علم ہی نہیں ہے۔''

ثانیہ اس کی ہر بات پر ایک نئے صدمے سے دوچار ہو رہی تھی۔

اس کی بہن اخلاقی اعتبار سے اس تک گر چکی ہوگی اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

''یعنی تمہیں صرف حنان کی پرواہ ہے یا اس کے گھر والوں کی۔ مذہب اس معاملے میں کیا کہتا ہے۔ اللہ نے کیا احکامات جاری کیے ہیں تمہیں پرواہ ہی نہیں۔'' اس نے سابقہ انداز میں کہا۔

''دیکھو ثانیہ۔''

''مجھے کچھ مت دکھاؤ...... جو کچھ دیکھ رہی ہوں وہ اتنا افسوس ناک ہے کہ کچھ اور دیکھنے کی ہمت ہی نہیں ہو رہی، حنان کے ساتھ بغیر نکاح کے رہنے پر تیار ہو یہ بھی جانتے ہو کہ تمہارا نکاح اس سے فسق ہو چکا ہے پھر بھی...... تم، تم کیسی لڑکی ہو عانیہ...... انسانوں کی تو تم نے کبھی پرواہ ہی نہیں اللہ کی تو کرو۔''

''یہ میرا اور میرے اللہ کا معاملہ ہے۔ تم اس میں مت پڑو۔'' وہ جھنجھلا کر بولی۔

''مجھے صرف اتنا بتا دو میری مدد کرو گی یا نہیں۔''

''کبھی نہیں۔'' اس نے دوٹوک کہا۔

''تم تو بڑی اچھی مسلمان ہونا...... تو کیا یہ اچھی مسلمان اپنی بہن کی اتنی سی بھی مدد نہیں کر سکتی۔''

''کیوں کروں میں تمہاری پروا'' ثانیہ بری طرح چیخی۔

''تم نے ہماری پروا کی تھی صرف اپنی خوشیوں کی خاطر تم نے ہم سب کو ذلت کے اندھیروں میں دھکیل دیا تھا۔ اب تک...... اب تک ہم تمہارے کیے کا تاوان ادا کر رہے ہیں۔

غلطی تمہاری تھی طعنے ہم نے سنے۔

گناہ تمہارا تھا زمانے کی آر پار ہوتی نظروں، نیزے کی طرح چبھتے جملوں کا سامنا ہم نے کیا...... مجھے بتاؤ عانیہ! ہماری کیا غلطی تھی جس کی تم نے ہمیں سزا دی...... اور اب جبکہ تم جانتی ہو حنان نے تمہاری سگی بہن کو کس طرح خوار کیا ہے تم اس کی سفارش کرنے آ گئی ہو صرف اس لیے تاکہ تم اس کے ساتھ خوشحال زندگی گزار سکو۔''

''مجھے صرف اتنا بتا دو میری مدد کرو گی یا نہیں؟'' عانیہ نے جل کر پوچھا۔

''حنان نے مجھ سے کہا تھا تم ہماری مدد نہیں کرو گی مگر مجھے لگا تم میری مدد ضرور کرو گی۔ ایک بہن اتنی پتھر دل کیسے ہو سکتی ہے کہ دوسری بہن کو مصیبت میں دھکیل دے۔ مگر میں بھول گئی تھی تم ہمیشہ سے اتنی خود غرض رہی ہو...... تمہیں میری خوشیوں کی کیا پروا۔''

''تمہیں تو پروا ہے نا'' ثانیہ نے طنزیہ کہا۔ ''تو کیوں نا اس بار بھی معاملہ یونہی چلنے دیں۔ میں تو ابھی بھی حنان کے نکاح میں ہوں تو تم کیوں اس کی زندگی سے نہیں نکل جاتیں تاکہ تمہاری بہن اور حنان ایک پرسکون زندگی گزار سکیں۔''

''تم...... تم۔'' عانیہ دانت پیس کر رہ گئی۔ ''میں یہاں تمہارے مشورے سننے نہیں آئی۔''

''تم کس لیے آئی ہو...... میں سمجھ چکی ہوں۔'' ثانیہ نے کہا۔ ''اب چلی جاؤ یہاں سے اور اگلی بار مجھ سے مدد کی امید مت رکھنا۔''

''تم ایسے نہیں کر سکتیں، تمہیں میری مدد کرنا ہو گی میں نے بہت قربانیاں دی ہیں ثانیہ! اپنا آپ تک فروخت کرنا پڑا تب کہیں جا کر اتنی سی سہولت نصیب ہو رہی ہے۔ تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتیں۔''

''میں ایسا ہی کر رہی ہوں۔'' ثانیہ نے زور دے کر کہا۔

''اگر امی تم سے کہیں...... کیا تب بھی تم نہیں مانو گی؟''

''خبردار۔'' ثانیہ سلگ کر بولی۔ ''امی سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے ان کی طبیعت ابھی ٹھیک نہیں ہے کوئی بھی ایسی بات جو انہیں تکلیف پہنچائے ان کے لیے نقصان دہ ہو سکتی ہے۔ میں نے انہیں تمہارے اور حنان کے بارے میں بھی نہیں بتایا۔ تم بھی غلطی مت کرنا۔''

''مگر میں تو انہیں بتا چکی ہوں۔'' عانیہ نے خائف ہو کر کہا۔

''کیا؟'' ثانیہ کے اعصاب پر جیسے بجلی گری تھی۔

''ہاں...... مجھے اندازہ تھا تم اتنی آسانی سے راضی نہیں ہو گی اسی لیے تمہیں قائل کرنے کے لیے میں نے انہیں سب بتا دیا۔''

ثانیہ اس کی بات پوری ہونے سے قبل امی کے کمرے کی طرف لپکی حلیمہ فرش پر بیٹھی تھیں اور ان کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔

عانیہ کے دل میں جنم لیتے خدشات کہرے کی باریک پرت کی طرح پگھل گئے۔ وہ ثانیہ کے مقابلے میں کہیں زیادہ تیزی سے امی تک پہنچی تھی۔

''امی آپ تو میری مدد کریں گی نا...... ثانیہ سے کہیے حنان کے پیرنٹس کو منا لے۔ مجھے میری خوشیاں دے دے میں مر جاؤں گی ورنہ اور میرا خون آپ لوگوں کے سر ہو گا۔''

''امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے عانیہ...... تم خاموش۔۔۔''

''امی پلیز...... آپ اس سے کہیں نا...... حنان مجھے نہیں ملا تو میں کیسے رہوں گی...... میری ریاضتوں کا پھل تو اب ہی...... میں نے بہت اسٹرگل کی ہے۔'' وہ رو رہی تھی اور زور زور سے کہہ رہی تھی۔ حلیمہ نے اپنے بائیں پہلو میں درد کی زبردست لہر اٹھتی محسوس کی تھی۔

''تم اپنی بکواس بند کرو عانیہ۔'' ثانیہ نے چیخ کر کہا تھا۔

''نہیں کروں گی...... تم نے ہمیشہ مجھے خاموش کروایا ہے۔''

حلیمہ کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔

''امی...... میری بات سنیں...... میں نے بہت مصیبتیں جھیلی ہیں اور نہیں جھیل سکتی۔۔۔ جسم فروشی تک کرنا پڑی۔۔۔ آپ بھی تو ملازمت کرتی تھیں آپ جانتی ہوں گی اکیلی عورت کو کتنی قربانیاں دینا پڑتی ہیں اگر میں......''

''جسم فروشی۔''

حلیمہ نے شاید آخری بار اس ناقابل برداشت درد کو اپنے سارے جسم میں پھیلتے محسوس کیا تھا ان کی بیٹی نے آج پھر انہیں تھپڑ کھینچ مارا تھا اور اس بار تکلیف اتنی ناقابل برداشت تھی کہ وہ زیادہ دیر اپنے حواس پر قابو نہیں رکھ سکیں ان کا ذہن مکمل تاریکی میں ڈوب گیا تھا۔

☆......☆......☆

شام ڈھل رہی تھی۔

اور سورج مرجھایا ہوا آسمان کے کنارے پر ٹکا تھا۔

ہوا میں خنکی تھی اور درختوں کے پتے زرد ہو کر جھڑنے لگے تھے۔ گل بانو نے انتظار کی طویل صدیاں کاٹنے کے بعد سر اٹھا کو شاہنواز کو دیکھا تھا۔ دیوار کے قریب کھڑا وہ دوسری سمت دیکھ رہا تھا۔

گل بانو کو ہمیشہ سے زیادہ لاتعلق اور نا قابل رسائی لگا تھا۔اس نے اپنا حلق خشک ہوتا محسوس کیا تھا۔

"مجھے لگا تم نہیں آؤ گے۔" اس نے خوشی اور گھبراہٹ پوری طرح ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"ثمن اور مومنہ نے اتنا اصرار نہ کیا ہوتا تو میں کبھی نہ آتا۔" شاہنواز نے پتھر پھوڑے تھے، گل بانو اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔

"تمہیں جو کہنا ہے جلدی کہو...... مجھے اور بھی کام ہیں۔" اس نے بے زاری سے کہا۔

"وہ......میں......" اس نے کہنا چاہا۔

"اچھا ٹھیک ہے میں نے تمہیں معاف کیا۔" اچانک وہ پلٹا اور بے زاری سے بولا۔

گل بانو دنگ رہ گئی۔

"کک......کیا کہا......تم نے؟"

"میں نے کہا میں نے تمہیں معاف کیا۔" اس بار اس نے قدرے تحمل سے کہا تھا۔

"تمہیں مجھ سے معافی ہی مانگنا تھی نا......مومنہ اور ثمن سے تو تم نے یہ ہی کہا تھا تو میں تمہیں معاف کر رہا ہوں......بس تم بار بار میرے راستے میں نہیں آیا کرو میرا نام لے کر ہر ایک کے سامنے رویا مت کرو جتنا خوار کروانا تھا تم نے کروا لیا کم سے کم اب تو بخش دو۔اب تو سکون سے رہ لینے دو۔کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا، کیوں دشمن بنی ہوئی ہو تم میری۔" پرسکون انداز میں بولتا وہ جیسے برداشت کھو بیٹھا تھا۔

"میں......میں تمہاری دشمن......کک......کیا کہہ رہے ہو شاہنواز۔" وہ صدمے سے مرنے کی کیفیت میں پہنچ گئی تھی۔

"وہی جو سچ ہے......اب یقیناً تم میری بات کو جھٹلاؤ گی پھر اپنی وفاؤں کا یقین دلاؤ گی...... مجھے کچھ نہیں سننا گل بانو اس لیے مزید کسی بحث میں پڑے بغیر میں تمہیں معاف کر رہا ہوں بلکہ معاف تو شاید میں نے تمہیں بہت پہلے ہی کر دیا تھا ورنہ بدلہ لینا میرے لئے کوئی مشکل نہیں تھا۔بس مجھے انسانیت کے معیار سے تھوڑا گرنا پڑتا جو مجھے منظور نہیں تھا، تم کو تو میں اس قابل بھی نہیں سمجھتا کہ تمہاری نفرت میں اتنا آگے نکل جاؤں۔" اس کا لہجہ ہموار اور آواز پرسکون تھی۔

"اور میں نے ایک ایسے شخص کی محبت میں اپنی زندگی برباد کرلی جو مجھ سے نفرت کا رشتہ بھی نہیں رکھنا چاہتا۔"

اس نے روتے ہوئے کہا۔

"بالکل غلط......تم نے میری محبت میں نہیں بلکہ اپنی محبت میں زندگی برباد کی ہے......میں اس اعزاز کے لیے خود کو حق دار نہیں سمجھتا۔" اس نے طنزیہ کاٹ دار لہجے میں کہا۔گل بانو نے سر اٹھا کر اس کا کٹھور چہرہ دیکھا۔

"میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے شاہنواز۔"

"تم نے جان بوجھ کر خود کو تنہا کیا ہے۔"

”کیا تم میری غلطیاں بھلا نہیں سکتے؟“ وہ سسک اٹھی تھی۔

”قطعاً نہیں۔“ اس نے ترنت جواب دیا۔

”اب اتنا بھی اعلا ظرف نہیں ہوں۔ تمہیں معاف کر دیا ہے اس کو ہی بہت سمجھو۔“

”میں مر جاؤں گی تمہارے بغیر......“ وہ یکدم اس کے پیروں میں جھک گئی تھی شاہنواز بدک کر پیچھے ہٹا۔

”پاگل تو نہیں ہو گئیں تم۔“

”ہو گئی ہوں پاگل۔ تمہارے لیے پاگل ہو گئی ہوں۔“ وہ روتے ہوئے بولی تھی۔

”میں نے اتنے سال صرف اس امید میں گزارے ہیں کہ تم مجھے معاف کرو گے اور اپنا لو گے مگر...... میں، میں مر جاؤں گی تمہارے بغیر۔“

”کوئی کسی کے بغیر نہیں مرتا...... میری طرف دیکھو تمہاری مہربانی سے میں اپنے گھر والوں سے اتنا عرصہ دور رہا ہوں...... کوئی امید بھی نہیں تھی کہ وہ لوگ مجھے معاف کریں گے یا نہیں...... اپنائیں گے یا نہیں...... پھر بھی میں زندہ رہا، اب تک زندہ ہوں۔“ وہ تلخی سے بولا۔

”تمہیں تمہارے گھر والے واپس ملے ہیں تو کیا......“ اس نے آس بھری آنکھوں سے شاہنواز کو دیکھا۔ تو کیا میں بھی امید رکھوں تم کبھی نہ کبھی۔“

”بالکل نہیں...... کیونکہ میں تمہاری خواہش پوری ہونے ہی نہیں دوں گا۔“ پھر اس نے کندھوں سے تھام کر گل بانو کو زبردستی کھڑا کر دیا۔

”خوابوں کی دنیا سے نکل آؤ گل بانو! اپنی زندگی جیو اور میری زندگی مجھے سکون سے جی لینے دو۔ معاف کیا میں نے تمہیں ۔۔۔ میرے دل میں اب تمہارے لیے کچھ نہیں ہے...... نہ محبت نہ نفرت...... تم میرے لیے ایک عام لیکن ناپسندیدہ انسان ضرور ہو جس سے میں کوئی رابطہ ہی نہیں رکھنا چاہتا کیونکہ جب جب میں تمہیں دیکھوں گا مجھے اپنے زخم، اپنی تکلیفیں یاد آئیں گی۔

زخموں کو ادھڑنے سے میں روک نہیں سکتا مگر معاف کر سکتا ہوں۔ یقین کرو گل بانو! میں نے تمہیں دل کی گہرائیوں سے معاف کیا ہے مگر تمہاری یہ خواہش میں پوری نہیں کر سکتا...... اسے پورا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔

میں اپنی زندگی کا ساتھی چن چکا ہوں میری آئندہ زندگی کے سیٹ اپ میں تمہاری تو گنجائش ہی نہیں ہے۔ مجھے حیرانی ہے میرے خیالات سے واقف ہونے کے باوجود تمہیں یہ خیال بھی کیسے آ گیا کہ میں تم سے...... یا اللہ اس قدر فضول بات ہے۔“

گل بانو بے خودسی اسے دیکھے گئی۔ آنکھوں کے آنسو بھی ٹھٹھر چکے تھے۔

”کیا وہ بہت خوبصورت ہے شاہنواز؟“ اس نے پژمردگی سے پوچھا۔

’’میری نظر سے جب بھی دیکھو گی وہ تمہیں خوبصورت لگے گی۔‘‘

’’جھوٹ بولتے ہو تم...... میں نے کیا اسے دیکھا نہیں...... ایسا کیا ہے اس میں جو مجھ میں نہیں۔‘‘ وہ چیخ کر بولی۔ شاہنواز ہنس دیا۔

’’تم نہیں سمجھو گی گل بانو! سمجھ ہی نہیں سکتیں۔‘‘ پھر اس نے گل بانو کی طرف دیکھا۔ ’’تم جاؤ گل بانو! میں نے تمہیں معاف کیا۔ تمہارا کوئی قرض مجھ پر واجب الادا نہیں ہے۔ دوبارہ کبھی میری زندگی میں شامل ہونے کا خواب مت دیکھنا...... خدانخواستہ میرے زخم ادھڑ گئے تو تم پچھتاؤ گی۔‘‘ اس نے کہا اور منڈیر کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو گیا۔

گل بانو نے حسرت سے اس کی پشت کو دیکھا پھر اپنی حرماں نصیبی کا دکھ جھولی میں لیے، ٹھکرائے جانے کا غم کندھوں پر اٹھائے سیڑھیاں اترتی چلی گئی۔

’’تم کیا جانو گل بانو! ثانیہ میرے لیے کیا ہے۔ میری زندگی، میری شہ رگ...... اب ایسا لگتا ہے اس کی محبت کی کشش میرے جسم میں روح پھونکتے وقت ہی مجھ میں ڈال دی گئی تھی...... یا شاید میرا خمیر اٹھاتے وقت اس کی محبت کا عنصر بھی شامل کر دیا گیا تھا۔

اس سے محبت کسی وجہ کی محتاج نہیں ہے۔

اس سے میری محبت، فقط محبت ہے۔

لیکن وجہ تلاشنے نکلوں تو بھی اک ڈھیر ملے گا سب سے بڑی بات اس میں مجھے اپنا عکس نظر آتا ہے۔ ہم دونوں نے زندگی میں مشکلات جھیلی ہیں، آزمائشیں سہی ہیں مگر کبھی بھی اپنی سہولت کے لیے کوئی ان فیئر راستہ اختیار نہیں کیا۔ کسی کو نقصان نہیں پہنچایا۔ کسی کے قدموں تلے سے زمین نہیں کھینچی۔

اس سے محبت کرنے کے لیے ہی کافی کہ وہ ایک بہترین انسان بھی ہے۔ لیکن تم نہیں سمجھ سکتیں گل بانو! کبھی نہیں سمجھ سکتیں۔‘‘ وہ مسکراتا ہوا ڈوبتے سورج کو دیکھ کر سوچ رہا تھا۔

اس کے کچھ روز بعد گل بانو نے غازی سے نکاح کر لیا اور چند روز بعد گاؤں چھوڑ کر چلی گئی۔ کچھ روز لوگوں نے اس کے متعلق جستجو کی پھر اپنی زندگیوں میں مصروف ہو گئے۔ گل بانو کہاں گئی پھر کسی کو پتا نہیں چل سکا۔ یوں بھی یہاں کون تھا جو اس کی تلاش میں مارا مارا پھرتا۔

☆......☆......☆

عانیہ نے دوبارہ اس گھر میں اس وقت قدم رکھا جب حلیمہ کے انتقال کو تین روز گزر چکے تھے۔ ختم شریف کے سلسلے میں بچھائی گئی چاندنیاں اٹھائی جا چکی تھیں تعزیت کے لیے آئے ہوئے سب لوگ اب تک واپس جا چکے ہوں گے۔

یہاں آکر احساس ہوا۔ بے شک چاندنیاں اٹھا دی گئی تھیں اور سب مہمان بھی رخصت ہو چکے تھے مگر در و دیوار سے اسی طرح سوگ لپٹا ہوا تھا۔

ثانیہ اسے دیکھتے ہی سرعت سے اس کے پاس آئی تھی۔

"کیوں آئی ہو تم یہاں۔" اس کی آنکھوں میں آنسو اور چہرے پر سختی تھی۔

"ثانیہ...... میں۔" عانیہ نے کہنا چاہا خود اس کی اپنی آنکھیں بھی نم تھیں۔

"تم فوراً ہمارے گھر سے نکل جاؤ۔" ثانیہ نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"ثانیہ...... سن۔"

"میں تمہیں ایک منٹ کے لیے بھی یہاں برداشت نہیں کر سکتی۔ تم اسی وقت یہاں سے چلی جاؤ۔" وہ جیسے خود پر بہت ضبط کر رہی تھی دل تو چاہ رہا تھا اسے دھکے مار کر نکال دے۔

"ثانیہ! اللہ کے لیے میری بات سنو۔" وہ چیخ کر بولی پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"کیوں سنوں میں تمہاری بات۔" وہ اس سے زیادہ زور سے چیخی تھی۔

"تم نے ہم سے سب کچھ چھین لیا عانیہ، سب کچھ...... ہماری ماں تمہاری وجہ سے چلی گئیں، تمہاری گندی باتوں کی وجہ سے...... تم یہاں سے جاؤ عانیہ میں تمہاری شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔" وہ روتی جا رہی تھی اور کہتی جا رہی تھی۔

پھر اس نے عانیہ کو دھکا دے کر باہر نکالنے کی کوشش کی تھی۔

عانیہ کے آنسوؤں کی شدت میں اضافہ ہو گیا۔

"مجھے سمجھنے کی کوشش کرو ثانیہ...... وہ میری بھی ماں تھیں۔" اس نے روتے ہوئے مدد طلب نظروں سے اپنی باقی بہنوں کو دیکھا تھا جو رو ضرور رہی تھیں مگر ان میں سے کوئی بھی اس کی مدد کے لیے آگے نہیں بڑھی تھی۔ "ان کی موت کا جتنا دکھ تمہیں ہے اتنا ہی مجھے بھی ہے...... تم سب لوگوں نے ایک دوسرے کے گلے سے لگ کر اپنا غم رو لیا مجھے بتاؤ میں رونے کے لیے کس کا کندھا تلاش کروں؟"

"تمہیں ہماری کیا ضرورت ہے۔" اس نے ترخ کر کہا۔ "تم اپنا غم رونے اس کے پاس جاؤ جس کے لیے ہم سب کو چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ جس کے لیے تم نے ہمیں ذلت میں دھکیلا...... جس کے لیے ہمارے منہ پر کالک مل دی۔"

"ثانیہ! مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔" وہ سسک اٹھی تھی۔

"نہیں سمجھنا مجھے...... اب تک سمجھنے کی کوشش ہی تو کر رہی تھی۔" وہ ماتمی انداز میں بولی تھی۔

"جب چھوٹی تھی تب بھی اپنی جڑواں بہن کو سمجھنے کی کوشش کرتی رہی۔ افسوس کی بات یہ کہ جب بڑی ہوئی تب بھی تمہیں نہیں سمجھ سکی۔ تم میری سوچ سے کہیں زیادہ خود غرض ہو عانیہ! ہمیشہ اپنے غم کی بات کرتی ہو، اپنی خواہشات کی بات کرتی ہو۔ کبھی تم نے کسی اور کے بارے میں سوچا ہے...... امی نے ہمیں پالنے کے لیے کتنی محنت، کتنی جدوجہد کی اور تم، تم نے ان کو ایک غیر آدمی کے لیے چھوڑ دیا۔ اپنے غم

کی بات کرتی ہو اور تم سے اتنا نہ ہو سکا ان کے جنازے پر ہی پہنچ جاؤ۔''

''میں آنا چاہتی تھی۔ اللہ قسم ثانیہ! میں آنا چاہتی تھی۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

''لیکن میری کچھ مجبوری تھی، مجھے سمجھنے کی کوشش کرو اگر اس روز میں آجاتی تو حنان اور اس کے گھر والوں کو پتا چل جاتا ہم دونوں بہنیں ہیں۔''

ثانیہ کے صدمے میں اضافہ ہوا تھا۔

''تو تم اب یہاں کیا کر رہی ہو...... ان لوگوں میں سے ابھی کوئی یہاں آ گیا تو انہیں یہ حقیقت پتا چل جائے گی تم جاؤ یہاں سے عانیہ اور بھول جاؤ کہ تمہاری کوئی بہنیں تھیں۔ بھائی نے تمہاری دی ہوئی ذلت کے ہاتھوں مجبور ہو کر خودکشی کر لی...... ماں کو تمہاری زبان کا کرشمہ لے ڈوبا...... ہم سمجھ لیں گے تم بھی مر چکی ہو۔''

''بھائی نے...... خودکشی۔'' لفظ اس کے لبوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے تھے۔

''نئی خبر ہے نا تمہارے لیے...... لیکن افسوسناک تو نہیں ہو گی۔ جنہیں تم نے چھوڑ ہی دیا وہ جئیں یا مریں تمہیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ جب میں نے تمہیں حنان کی دوسری بیوی کے روپ میں دیکھا تھا تو سوچا تھا تم اب واپس آ جاؤ گی اور ہم پھر سے اکٹھے رہیں گے تم نے جو کچھ بھی ہمارے ساتھ کیا میں سب بھول گئی تھی۔ مگر اب نہیں بھولوں گی...... میں ساری زندگی یاد رکھوں گی عانیہ کہ میرے بھائی اور ماں کی موت کی ذمہ دار تم تھیں۔

تمہاری وجہ سے ہمیں دنیا سے منہ چھپا کر ایک مکان میں مقید ہونا پڑا۔ تمہاری وجہ سے ہمیں کئی راتیں بھوکے پیٹ سونا پڑا...... میں کچھ نہیں بھولوں گی عانیہ اور تمہیں بھی نہیں بھولنے دوں گی...... یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔''

اس نے ہاتھ پکڑ کر عانیہ کو دروازے سے باہر نکال دیا اور کھٹاک سے دروازہ بند کر دیا۔

عانیہ ٹھٹھری ہوئی آنکھوں سے بند دروازے کو دیکھتی رہی۔

☆......☆......☆

''میں نے پہلے ہی کہا تھا ثانیہ ہماری مدد نہیں کرے گی۔'' حنان نے کوئی چوتھی بار کہا تھا۔

''حیرانی مجھے تم پر ہے تم کو کیوں یقین تھا وہ مدد کے لیے راضی ہو جائے گی...... بائے دا وے ماں ثانیہ کی مری ہے تم نے اپنی شکل پر سوگ کیوں طاری کر رکھا ہے۔''

عانیہ نے اس کے اتنی بے رحمی سے پوچھنے پر شدت کرب سے آنکھیں موند لی تھیں۔

''تم اگر خاموش نہیں بیٹھ سکتے تو یہاں سے چلے جاؤ۔''

''جا ہی رہا ہوں، مجھے تمہاری سڑی ہوئی شکل دیکھنے کا شوق نہیں ہے ہاں اگر تم بتادو ایسی شکل کیوں بنا رکھی ہے تو شاید کچھ معاملہ حل ہو جائے...... مجھے نہیں لگتا میں اس ٹینشن میں اکیلا اتنا کچھ سوچ سکتا ہوں۔''

''کوئی مسئلہ نہیں ہے حنان! بس میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' اس نے جلدی سے بات بنائی۔

''تم کچھ دیر آرام کرو پھر میں تمہیں سیٹلائٹ ٹاؤن ڈراپ کر دیتا ہوں۔ ایک بار میں ہمیں ہمت نہیں ہارنا چاہیے۔ تم ضرور ثانیہ کو منالوگی۔'' وہ ابھی بھی پر یقین تھا۔

''حنان......'' اسے وہاں جانے کے خیال سے ہی گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔

''میں دوبارہ وہاں نہیں جاؤں گی۔'' اس نے قطعیت سے کہا۔

''مجھے غلط فہمی ہوئی تھی کہ میں ثانیہ کو منالوں گی وہ بہت اڑیل ہے...... ہمیں کوئی اور راستہ تلاش کرنا ہوگا۔''

''گیتی......'' اسی پل اس کے موبائل کی بیپ بجنے لگی۔

حنان نے موبائل جیب سے نکال کر کالر آئی ڈی چیک کی پھر چونک سا گیا کیونکہ ایل سی ڈی پر مام کالنگ کے الفاظ جگمگا رہے تھے۔

اس نے گیتی کی طرف دیکھا وہ اسی طرح کمبل منہ تک اوڑھے بیٹھی تھی وہ کال ریسیو کرتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

گیتی کے لیے آج سچ مچ غم منانے کا دن تھا۔ چند سال کسی جانور کے ساتھ گزار لو انسیت تو اس سے بھی ہو ہی جاتی ہے اس کی موت کی خبر سن کر بھی دل دکھتا ہے۔ وہ دونوں تو پھر انسان تھے۔

کچھ دیر بعد حنان کمرے میں واپس آیا تو خوشی سے اس کی آواز پھٹ رہی تھی۔

''میں جانتا تھا تم اسے اور وہ میرے پیرنٹس کو کنوینس کر لے گی۔'' اس نے گیتی پر سے کمبل کھینچتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی دھپ سے اس کے قریب بیٹھ گیا۔

''میں کتنا خوش ہوں بتا بھی نہیں سکتا۔''

''کیا بول رہے ہو، مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔''

''اوہ سویٹ ہارٹ! ابھی ممی کا فون آیا تھا انہوں نے بتایا ہے کہ ثانیہ نے پاپا کو مجھے معاف کرنے اور ہم دونوں کو قصر بلند میں رہنے کی اجازت دے دی ہے۔ اب ان کی ساری پراپرٹی میری ہوگی۔ اور یہ سب صرف تمہاری وجہ سے ہوا ہے گیتی! تم نے ہی تو ثانیہ کو کنوینس کیا تھا۔ آئی ایم تھینک فل۔''

مشکل حالات سے گزرتے ہی اس کی ساری ٹون بدل گئی بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب رہے گا کہ سارے کس بل نکل گئے تھے۔

''ثانیہ نے کنوینس کیا۔'' گیتی نے تعجب سے پوچھا۔

''ظاہر ہے اور کون ہماری سفارش کر سکتا ہے۔ آئی تھنک شی ہیز اے سافٹ کارنر فار می۔'' اس نے سوچتے ہوئے کہا۔

''غلط بالکل غلط...... وہ تو تمہاری شکل سے بھی نفرت کرتی ہے۔'' گیتی نے اترا کر کہا اور دل میں سوچا۔''اور غلط تو میں بھی سمجھتی تھی ثانیہ! تم اتنی بھی بری نہیں ہو جتنا ظاہر کرتی ہو...... دیر سے ہی سہی بالآخر تمہیں بہن کا خیال آ ہی گیا۔'' کچھ دیر پہلے کی افسردگی پر خوشی چھا گئی تھی۔

''ہاہاہا......'' حنان نے زبردست زندگی سے بھرپور قہقہہ لگا تھا۔

''تمہاری بات ماننے کو دل تو نہیں چاہ رہا لیکن تم نے میرا اتنا بڑا کام کروا کے دیا ہے کہ بات نہ مان کر میں احسان فراموش بھی کہلوانا نہیں چاہتا۔ اچھا یہ بتاؤ۔'' اس نے خوشی سے چمکتے چہرے کے ساتھ گیتی کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''اب تمہیں کیا چاہیے۔'' اس کا انداز ذومعنی سا تھا گیتی چونکی پھر ناسمجھی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''کیا مطلب؟''

''ارے مطلب تو بالکل صاف ہے ہنی!'' حنان نے فریج سے کوک کا ٹن نکالتے ہئے کہا۔

''مجھے جو چاہیے تھا وہ تمہاری مدد سے مل چکا ہے اب اس مدد کے بدلے میں تمہیں کیا چاہیے وہ بتا دو...... میں نے سوچا تھا میں تمہیں اس کام کے پچیس ہزار دوں گا لیکن تم نے میرا دل اتنا خوش کر دیا ہے کہ اب میں تمہیں پچاس ہزار دینے کا فیصلہ کر چکا ہوں اتنی مدد کی ہے تم نے میری۔ اتنا تو ڈیزرو کرتی ہو...... اب تم دیکھ لو کچھ اور چاہیے تو فرینکلی بتا دو۔'' اس کا انداز خاصا احسان جتاتا تھا۔

گیتی ہکا بکا سی اسے دیکھ رہی تھی۔

اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ حنان ایسی بات کہے گا۔

''تم کیا کہہ رہے ہو حنان...... میں کچھ سمجھ نہیں پا رہی۔'' اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''بیوی ہوں میں تمہاری جو کچھ تمہارا ہے وہ میرا ہی تو ہے پھر پچیس پچاس کی کیا بات ہے۔''

''ایک منٹ۔'' حنان نے فوراً اسے ٹوک دیا۔

''اب اپنے لیے میری بیوی کا لفظ استعمال کرنا بند کرو مجھے دم لگا کر گھومنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ میرا کام ہو چکا تم اپنا حصہ لو اور اپنا راستہ ناپتی نظر آؤ۔ جس مقصد کے لیے میں نے تم سے شادی کی تھی وہ پورا ہو چکا پھر یہ شادی وادی کا جھنجھٹ پالنے کی وجہ۔''

''لیکن...... تم نے تو کہا تھا...... تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔'' گیتی نے ہکلاتے ہوئے کہا تھا۔

''اچھا...... شاید کہا ہوگا...... مجھے یاد نہیں۔'' وہ لاپروائی سے بولا۔

''تم اپنا سامان خود پیک کر لوگی یا میں مدد کروں؟''

''حنان! پلیز ایسی باتیں مت کرو۔'' وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

''اب رومانٹک گفتگو نہیں کر سکتا میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔''

''حنان! تم نے تو کہا تھا تم مجھ سے محبت کرتے ہو......تو یہ کیا ہے؟''

''ہاں تو میں محبت سے انکار کب کر رہا ہوں۔ محبت تو ہو ہی جاتی ہے۔ اب دیکھو مجھے لگ رہا ہے مجھے ثانیہ سے محبت ہو گئی ہے بھئی اس نے اتنی بڑی فیور کی ہے میرے لیے۔ محبت محسوس ہونا بڑی نیچرل سی بات ہے۔''

''میرے ساتھ گھما پھرا کر باتیں مت کرو۔'' گیتی نے صدمے سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میں تم سے محبت کرتی ہوں اور......''

''کم آن گیتی یہ اوور ایکٹنگ بند کرو تم تو پتا نہیں کتنوں سے محبت کر چکی ہو تو میں کیا کروں......میں تمہاری ان باتوں سے امپریس نہیں ہو سکتا۔ اپنا حصہ لو اور جان چھوڑو میری۔'' حنان نے غصے سے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

گیتی نے سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا حنان نے چند منٹوں میں اسے آسمان سے زمین پر لا پٹخا تھا۔

☆......☆......☆

''ہیلو......میں عانیہ بات کر رہی ہوں...۔ثانیہ! پلیز فون بند مت کرنا۔'' ثانیہ کا ارادہ بھانپتے ہی اس نے جلدی سے کہا۔

''کیوں فون کیا ہے؟'' اس نے لاتعلقی سے پوچھا۔

''میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔'' اس نے کہا۔

''لیکن میں نہیں ملنا چاہتی۔'' ثانیہ نے ٹکڑا توڑ جواب دیا۔

''پلیز ثانیہ۔'' وہ منت بھرے لہجے میں بولی۔ ''مجھے صرف تمہارا شکریہ ادا کرنا ہے۔''

''فون پر کردو۔''

''نہیں۔'' وہ جلدی سے بولی۔ ''مجھے کچھ اور بات بھی کرنی ہے۔''

''اب کون سی باتیں ہونا رہ گئی ہیں؟'' ثانیہ نے تڑخ کر پوچھا۔ ''تمہیں جو چاہیے تھا وہ میں نے تمہیں دے دیا......ہمارا تو سب کچھ پہلے ہی چھین چکی ہو اب وہ کون سی چیز ہے جو تمہیں مجھ سے بات کرنے پر مجبور کر رہی ہے؟''

''ثانیہ......خدارا مجھ سے ایک بار مل لو۔'' اس نے لجاجت سے کہا۔ ثانیہ نے چند لمحے ناگواری بھرے انداز میں سوچا پھر گہری سانس بھرتے ہوئے بددلی سے بولی۔

''ٹھیک ہے بتاؤ کہاں ملنا ہے؟''

''میں گھر......''

’’میرے گھر آنے کی ضرورت نہیں ہے۔‘‘ ثانیہ نے بے مروتی سے کہا۔عانیہ کو ٹھیس پہنچی مگر......

’’کہیں باہر بھی نہیں مل سکتے کسی نے دیکھ لیا تو خوامخواہ کی مصیبت۔‘‘ اس کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔’’میں تمہیں اپنے فلیٹ کا ایڈریس بتاتی ہوں۔تم وہاں آجاؤ۔‘‘

ثانیہ نے ایڈریس نوٹ کر کے کہا۔

’’میں چار بجے پہنچ جاؤں گی۔‘‘

’’نہیں چار بجے نہیں۔‘‘ عانیہ نے جلدی سے کہا۔

’’اس وقت حنان گھر پر ہوتا ہے۔دو بجے اسے کسی ملنے جانا ہے کچھ بتا تو رہا تھا......تم دو بجے آسکتی ہو؟‘‘

’’ہاں ......میں آجاؤں گی۔‘‘ اس نے کھٹاک سے فون بند کر دیا تھا۔عانیہ ریسیور کو دیکھ کر رہ گئی۔

☆......☆......☆

جس وقت ثانیہ گھر سے نکل رہی تھی شاہنواز اسی وقت وہاں پہنچا تھا۔

’’کیسے مزاج ہیں؟‘‘ اس کا موڈ خوشگوار تھا کچھ مثبت اثرات ثانیہ کو دیکھ کر مرتب ہوئے تھے۔آخری بار اسے حلیمہ آنٹی کے انتقال کے دوسرے روز دیکھا تھا اور مقابلتاً آج وہ جذباتی لحاظ سے کئی گنا بہتر لگ رہی تھی۔

’’بہت اچھے۔‘‘ وہ مسکرائی۔

’’آپ کیسے ہیں؟......اور گاؤں سے کب آئے......شادی تو اچھی طرح سے ہوگئی نا؟‘‘ اس نے ایک سانس میں تین سوال نبٹا لیے۔

’’گاؤں سے کل شام آیا تھا اور شکر الحمدللہ شادی بہت سہولت سے ہوگئی بلکہ ثمن تو سارا وقت تمہیں مس کرتی رہی۔کہہ رہی تھی جلد ہی آئے گی تم سے ملنے۔‘‘

’’آپ اسے ضرور گھر لے کر آیئے گا مجھے تو خود اس سے ملنے کا بہت شوق ہے۔‘‘ پھر اس نے بند دروازے کی طرف دیکھا اور قدرے شرمندگی سے بولی۔

’’سوری سر! میں آپ کو اندر نہیں بلا سکتی ایک تو یہ کہ گھر پر کوئی موجود بھی نہیں ہے سب لوگ شفق کی طرف گئی ہوئی ہیں اور دوسرے میں خود بھی گلبرگ جا رہی ہوں......عانیہ سے ملنے۔‘‘

’’اوہ......‘‘ وہ خفیف سا ہو کر بولا۔’’مجھے پوچھ کر آنا چاہیے تھا، دراصل کچھ ضروری بات کرنا تھی......تھوڑی سی کنفیوژن تھی بس اسی چکر میں۔‘‘

"بات تو مجھے بھی آپ سے کرنا تھی۔" ثانیہ نے کہا۔ تبھی شاہنواز کو کچھ خیال آیا۔

"کیوں نہ میں تمہیں گلبرگ ڈراپ کر دوں راستے میں بات بھی ہو جائے گی۔"

ثانیہ نے چند لمحوں کے لیے سوچا پھر اثبات میں سر ہلا کر اس کے ساتھ چلنے لگی۔

"یہ چوتھی مرتبہ ہے نا۔" ثانیہ نے کار میں بیٹھتے ہوئے خوشگواریت سے کہا۔

"آپ مجھے میری منزل تک پہنچانے جا رہے ہیں میں یہ احسان یاد رکھوں گی۔"

"اس میں احسان کی کیا بات ہے۔" شاہنواز نے مصنوعی تعجب سے پوچھا۔ "یہ ذمہ داری تو مجھے ساری زندگی نبھانی ہے تو کیوں نہ ابھی سے پریکٹس کر لوں۔"

اس نے گردن موڑ کر ثانیہ کو دیکھا وہ اب خاموشی سے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی مگر عجیب سی کشمکش کا شکار دکھائی دیتی تھی۔

"خیریت؟" شاہنواز نے پوچھا۔

ثانیہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"آپ کچھ بات کرنا چاہتے تھے؟"

"ہاں......لیکن میں چاہتا ہوں پہلے تم کہو۔"

"نہیں...... پہلے آپ۔" وہ جلدی سے بولی شاہنواز ہنس دیا۔

"ٹھیک ہے پہلے میں ہی کہتا ہوں۔"

اس نے کار کی رفتار کم کرتے ہوئے گلو کمپارٹمنٹ میں سے ایک چھوٹی سے مخملی ڈبیہ نکالی اور اسے ثانیہ کی طرف بڑھا دیا چند لمحے خاموشی سے گزر گئے۔

"اب پلیز یہ مت پوچھنا یہ کیا ہے۔" اس نے کھنکتے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

"یہ ایک رنگ ہے اور میں تمہیں پرپوز کر رہا ہوں۔" شاہنواز کے اتنا کہنے کی دیر تھی ثانیہ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے اور شاہنواز کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

"تم رو مت...... مجھے پتا ہے پرپوز کرنے کا یہ بڑا اولڈ اسٹائل ہے مگر یہ آئیڈیا حدید کا تھا۔ میں نے تو سوچا تھا اماں جی کو رنگ دے کر بھجواؤں گا۔ آگے کے معاملات وہ خود ہی نبٹا لیں گی مگر...... آئی ایم سوری ثانیہ...... میں اتنا ان رومانٹک انسان ہوں کہ تمہیں ڈھنگ سے پرپوز بھی نہیں کر سکا۔" تھک ہار کر اس نے لاچاری سے کہا۔ "میں ایسا ہی ہوں ثانیہ! حالانکہ اس وقت کے لیے میں نے بہت پریکٹس کی تھی پورے دو گھنٹے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر حدید کے بتائے ہوئے ڈائیلاگز دوہرائے تھے مگر یہاں آ کر ہر بات بھول گئی۔" وہ

مایوسی سے بول رہا تھا۔ ثانیہ کو روتے ہوئے ہنسی آ گئی۔

''آپ سے کس نے کہا...... میں اس وجہ سے رو رہی ہوں۔''

''ایں...... پھر؟'' وہ حیران ہوا۔

''میں سمجھ گیا...... تمہیں شاید یہ بات کرنے کے لیے وقت مناسب نہیں لگ رہا مجھے پتا ہے ثانیہ! تمہاری امی کے انتقال کے کچھ روز بعد شادی کی بات کرنا خاصا غیر مناسب ہے لیکن اگر مجھے تمہیں اپنے ساتھ، اپنے خلوص کا یقین دلانا تھا تو یہی وقت سب سے مناسب تھا...... تم خود کو تنہا محسوس نہ کرو میں نے اسی لیے یہ کوشش کی۔''

''مجھے آپ کے خلوص پر شک نہیں ہے۔'' اس نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''محبت پر شک ہے؟'' شاہنواز نے جلدی سے پوچھا۔ ثانیہ نے جھکا ہوا سر نفی میں ہلا دیا۔

''مجھے آپ کے خلوص پر شک ہے اور نہ محبت پر...... لیکن مجھے اپنی بہت بڑی خود غرضی لگ رہی ہے کہ آپ میرے لیے پانچ یا چھ سال انتظار کریں...... امی ہوتیں تو اور بات تھی لیکن ان کی غیر موجودگی میں مجھے بڑی بہن کی طرح نہیں بلکہ ماں کی طرح اپنی بہنوں کی ذمہ داریوں کو نبھانا ہوگا اور یہ ذمہ داریاں نبھانے میں مجھے پانچ سال لگتے ہیں یا دس سال...... میں نہیں جانتی میں آپ سے یہی کہنا چاہتی تھی کہ آپ میرا انتظار نہ کریں...... کوئی اور اچھی لڑکی...... آپ شادی۔'' حلق میں پھنستے آنسوؤں نے اسے بات مکمل نہیں کرنے دی تھی۔

''آپ کی بات مکمل ہو گئی...... کیا اب میں کچھ کہہ سکتا ہوں؟'' چند منٹ بعد شاہنواز نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''مجھے چاند ستاروں والی یا چاند کے اس پار لے کر جانے والی ٹائپ فلمی باتیں کرنا نہیں آتیں...... ممکن ہے ایسی باتوں سے مافی الضمیر میں وزن پیدا ہو جاتا ہے مگر میں اس معاملے میں بالکل بے بس ہوں یوں بھی میں بلند و بانگ دعوے سے زیادہ کچھ کر دکھانے پر یقین رکھتا ہوں۔

میں تم سے محبت کرتا ہوں تو میرے لیے یہ بات سب سے اہم ہے کہ تمہاری ذمہ داریوں میں تمہارا ہاتھ بٹاؤں اس دنیا میں تنہا ہونے کا احساس نہ ہونے دوں اس وقت میں نے شادی کی بات اسی لیے کی تھی کیونکہ مجھے لگا جتنی ضرورت تمہیں ابھی میری ہو سکتی ہے شاید زندگی میں دوبارہ کبھی اتنی نہیں ہوگی۔ ایسی محبت کس کام کی جو مشکل وقت میں ہی تنہا چھوڑ دے۔

میرا تم سے وعدہ ہے تمہاری بہنوں کی ذمہ داری میں انہیں اپنی بہنوں سمجھ کر اٹھاؤں گا۔ میں انہیں ساری زندگی سگے بھائیوں کی طرح اپنائیت کا احساس دوں گا۔ تمہارا ہر مسئلہ میرا ہوگا، تمہارا ہر غم میرا ہوگا صرف یہی نہیں میں ہر اس شخص، ہر اس معاملے کو اہمیت دوں گا جو تم سے وابستہ ہوگا۔ صرف اس لیے کیونکہ وہ تمہارے لیے اہم ہوگا اور جو تمہارے لیے اہم ہوگا وہ میرے لیے غیر اہم ہو ہی نہیں سکتا۔

مجھے آج تک کسی بات کا یقین دلانے کے لیے اتنا بولنا نہیں پڑا۔ حتیٰ کہ جب ہم آفس میں کوئی ڈیل کرتے ہیں تب بھی میرے

ایک یا دو جملے سن کر کلائنٹ کنوینس ہو جاتے ہیں۔آج تک میں سمجھتا تھا میں شکل سے بہت سچا لگتا ہوں مگر ابھی پتا چلا یہ محض میرا وہم تھا یا شاید تمہیں یقین دلانے کے لیے میں عورتوں کی طرح قسمیں نہیں کھا سکتا ہاں یہ ضرور ہے اگر تم مجھ پر بھروسہ کرتی ہو تو میں تمہارے بھروسے کو کبھی نہیں توڑوں گا یہ طے ہے کہ شادی مجھے تم سے ہی کرنی ہے پانچ یا دس سال انتظار کرنا پڑے گا تب بھی کروں گا کئی سال سچی خوشیوں کے بغیر گزارے ہیں زندگی کے باقی سال جوگ لے کر نہیں گزارنا چاہتا۔

اب تم خود ہی بتا دو اماں جی کو تمہارے گھر ابھی بھجوا دوں یا پانچ سال بعد۔'' وہ اسٹیئرنگ پر ہاتھ جمائے نظریں ونڈ اسکرین پر باہر مرکوز کیے نروٹھے پن سے بول کر چپ ہو گیا تھا۔

''رنگ آپ پہنائیں گے یا اماں جی۔'' ثانیہ نے اچانک پوچھا تھا شاہنواز خفیف سا چونک گیا۔

''اگر آپ پہنانا چاہتے ہیں تو ابھی پہنا دیں، ممکن ہے رسم والے روز اشفاق چچا آپ کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دیں۔'' اس نے ڈیش بورڈ سے اٹھا کر وہ چھوٹی سی ڈبیہ شاہنواز کی طرف بڑھا دی تھی۔

شاہنواز نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا پھر عین سڑک کے درمیان کار کو بریک لگاتے ہوئے بولا۔

''میں رسک نہیں لے سکتا......کیا پتا تھوڑی دیر بعد تمہارا ارادہ بدل جائے۔'' اس نے سرعت سے ثانیہ کا ہاتھ پکڑ کر انگوٹھی اسے پہنا دی تھی۔

''اور تمہیں کنوینس کرنے کے لیے دوبارہ سے اتنی لمبی تقریر نہیں کر سکتا۔''

''مت کیجیے گا تقریر، لیکن کار تو چلائیں پیچھے والی گاڑیوں نے ہارن بجانا شروع کر دیئے ہیں۔''

ثانیہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔شاہنواز نے اس کے ہاتھ کو محبت سے دبایا ساتھ ہی سرشاری کے عالم میں کار دوبارہ اسٹارٹ کر دی۔

ثانیہ نے باہر چمکتی دھوپ کو نظر بھر کر دیکھا پھر اپنی انگلی میں پڑی انگوٹھی کو، اسے یقین تھا اس کے مقدر کا ستارہ اس انگوٹھی کے نگینے سے زیادہ چمکدار اور روشن ہو چکا ہے۔

☆......☆......☆

''تم باہر کیوں کھڑی ہو......اندر آ جاؤ میں نے دروازہ کھلا رکھا تھا تاکہ تمہیں انتظار نہ کرنا پڑے۔''

عانیہ نے گرمجوشی سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تھا اور اسے اندر لے آئی تھی۔ثانیہ خاموشی سے اس کے ساتھ چلتی رہی۔اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔

''پتا نہیں کیوں......لیکن مجھے لگ رہا تھا تم نہیں آؤ گی۔'' عانیہ نے اس بار اپنی گھبراہٹ چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا تھا ثانیہ اس بار بھی خاموش رہی تھی بس اس نے اس کمرے پر بھرپور نظر ڈالی تھی جہاں عانیہ اسے لے کر آئی تھی۔

کمرہ واقعی شاندار تھا کارپٹ سے لے کر پردوں تک اور ڈیکوریشن پیسز سے لے کر صوفوں تک ہر چیز بہت قیمتی اور خوب صورت تھی۔

''تم بیٹھو...... میں تمہارے لیے کچھ کھانے کو لے کر آتی ہوں۔''

''نہیں......'' ثانیہ نے انٹیریئر سے نظریں ہٹا کر فوراً اسے ٹوک دیا۔

''میں یہاں کچھ کھانے پینے نہیں آئی ہوں۔ تم مجھے صرف وہ بات بتاؤ جس کے لیے تم نے یہاں بلوایا ہے؟''

اس کے اتنے دوٹوک انداز پر عانیہ کو مزید کچھ کہنے کی ہمت ہی نہ رہی۔

''میں تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی۔''

''وہ تو فون پر ہی کر دیا تھا۔''

''نہیں...... وہ میرا مطلب ہے۔'' عانیہ سٹپٹا گئی۔

''میں واقعی تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی تم نے اتنی مدد کی ہے میری، جب میں بالکل خالی ہاتھ ہو چکی تو میرے ہاتھوں کو بھرنے کی کوشش کی...... تھینک یو سو مچ ثانیہ تم سچ مچ میری بہت اچھی بہن ہو۔''

''تمہاری بات مکمل ہو گئی، کیا اب میں جا سکتی ہوں۔'' اس کی بات مکمل ہوتے ہی ثانیہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

عانیہ نے پھر الفاظ کے معاملے میں لاچاری محسوس کی۔ ثانیہ کے انداز اس کے اندر گلٹ کو ابھار رہے تھے اور یہ صورت حال اس کے لیے بے حد اجنبی اور ناگوار تھی۔

''تمہیں واپس جانے کی اتنی جلدی کیوں ہے؟''

''تمہارا فلیٹ بہت خوبصورت ہے۔'' اس نے اچانک غیر متوقع بات کہی۔

''لیکن یہاں اتنی گھٹن ہے کہ میں نہیں رک پا رہی...... تمہیں نہیں لگتا عانیہ ہمارا پرانا گھر اس فلیٹ سے کہیں زیادہ کشادہ تھا اس کا انٹریئر اتنا مہنگا اور خوبصورت نہ سہی لیکن وہاں ایسی گھٹن محسوس نہیں ہوتی تھی۔''

''میری رائے تم سے مختلف ہے۔ مجھے اس گھر میں گھٹن محسوس ہوتی تھی اور وہاں تھا ہی کیا؟ کبھی پیٹ بھر کھانا تو نصیب ہو نہ سکا تھا وہاں...... اور پھر کیا ہم اتنے مہنگے انٹرئیر کا اس گھر میں تصور بھی کر سکتے تھے۔'' ثانیہ ہنس دی۔

''مجھے لگتا تھا ان کچھ سالوں میں تمہاری سوچ ضرور بدل گئی ہو گی لیکن اب پتا چلا تم تو ابھی تک وہیں کھڑی ہو جہاں سے چلی تھیں...... لیکن کم سے کم ایک بات تو پتا چلی اور وہ یہ کہ تم نے مظہر کے لیے نہیں بلکہ ان آسائشات کے لیے ہمیں چھوڑ دیا تھا۔''

عانیہ کو اس کے منہ سے مظہر کا نام سن کر جیسے کرنٹ لگا تھا۔

''یہاں مظہر کیا کیا ذکر؟''

''جب جب تمہاری کارگزاری یاد آئے گی اس کا ذکر تو آئے گا۔'' ثانیہ نے اطمینان سے کہا۔

''میں محبت کرتی تھی اس سے۔''

''اور اب حنان سے محبت کی دعوے دار ہو۔۔۔ یہ بات کچھ عجیب سی نہیں لگتی عانیہ کہ ایک انسان کی محبت مالی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے تبدیل ہو۔''

''تم کیا جانتی ہو مظہر کے بارے میں؟ تمہیں پتا بھی ہے اس کمینے نے مجھے کیسے خوار کیا؟ وہ فراڈ تھا اور یہ تو اس کی شکل پہ لکھا تھا بس میں ہی پہچان نہیں پائی۔'' وہ بھڑک کر بولی تھی۔

''یہی بات جب تم سے امی نے کہی تھی تو تم نے کیا کہا تھا...... یاد ہے۔'' ثانیہ کا طنزیہ لہجہ اسے مزید بھڑکا گیا تھا۔

''تم مجھے یہاں طعنے دینے آئی ہو۔''

''میں آئی نہیں ہوں تم نے خود بلایا ہے۔'' ثانیہ کے تحمل میں رتی بھر بھی فرق نہ آیا۔ ''اب اگر کہو تو واپس چلی جاتی ہوں۔''

''میری بات سنو ثانیہ!'' عانیہ کو یکدم اپنی حماقت کا احساس ہوا تھا۔

''جہاں میری اتنی مدد کی ہے وہاں تھوڑی مدد اور کردو...... میں ساری زندگی تمہارے احسانات یاد رکھوں گی۔''

''اب کیا مدد چاہیے؟'' عانیہ نے آس بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

''حنان اور اس کے گھر والے ہم دونوں کے مابین جو رشتہ ہے اس سے قطعی ناواقف ہیں لیکن میں چاہتی ہوں اب تم انہیں بتا دو پہلے مجھے لگ رہا تھا انہیں اس بارے میں کچھ پتا نہ چلے تو ہی بہتر ہے...... تم خود سوچو اس کا فائدہ ہم دونوں کو ہوگا مجھے یہ فائدہ ہوگا کہ حنان کے والدین ابھی تک خود کو تمہارا مجرم سمجھتے ہیں۔ حنان تو ان کا بیٹا ہے اسے تو معاف کرنا ہی تھا لیکن میرے دل میں یہ خدشہ ہے کہ وہ لوگ مجھے قبول نہیں کریں گے تم اگر مجھ سے اپنا رشتہ ظاہر کرتی ہو تو تمہاری وجہ سے وہ مجھے بہو کے روپ میں قبول کرلیں گے میں نے محسوس کیا ہے حنان سے زیادہ اس گھر میں تم پسندیدہ ہو مجھے یقین ہے تمہاری بات نہیں ٹالی جائے گی حنان کی محبت پر تو خیر مجھے یقین ہے مگر وہ ہے تو انہی کا بیٹا کل کو میں کسی بڑی مشکل میں بھی پھنس سکتی ہوں پلیز ثانیہ! تم ان لوگوں کو میرے معاملے میں ہموار کرسکتی ہو۔'' وہ ثانیہ کا ہاتھ تھامے لجاجت سے کہہ رہی تھی۔

ثانیہ نے اپنی آنکھیں اس پر ٹکا رکھی تھیں اور ان آنکھوں میں کوئی ایسا تاثر ضرور تھا جو عانیہ کو کنفیوز کررہا تھا۔

''اور اس میں میرا کیا فائدہ ہے؟'' ثانیہ نے پوچھا۔

عانیہ نے اسے حنان کے متعلق بتانے سے گریز کیا تھا یہ تو خیر اس کے لیے بہت ذلت کی بات تھی کہ حنان اسے استعمال کرکے

چھوڑ رہا ہے مگر اس سوال کا جواب وہ پہلے ہی تیار کر چکی تھی۔

''اگر انہیں علم ہو جائے کہ ہم دونوں بہنیں ہیں تو ہم لوگوں کو کسی سے ڈرنا نہیں پڑے گا۔ ہم بہنیں کسی کے ڈر خوف کے بغیر ایک دوسرے سے مل سکیں گے۔'' اس نے بڑے جوش بھرے انداز سے کہا۔

''(میں تو صرف اتنا چاہتی ہوں کہ تم حنان کی والدین کو میرے حق میں اتنا ہموار کر دو کہ وہ حنان کو مجھے چھوڑنے جیسا فیصلہ کرنے ہی نہ دیں ظاہر ہے ایک بہن ان کے بیٹے کی وجہ سے برباد ہو دوسری کے ساتھ وہ یہ ظلم نہیں دوہرا سکتے۔)'' اس نے دل میں سوچا۔

''اور تم سے یہ کس نے کہا کہ ہم بہنیں تم سے ملتی رہنا چاہتی ہیں؟'' اچانک ثانیہ نے پوچھا عانیہ فوری طور پر کچھ کہہ نہیں پائی۔

''میں تمہارے جذبات کی قدر کرتی ہوں عانیہ اور تمہیں یہ بتاتے ہوئے مجھے خاصا دکھ بھی ہو رہا ہے کہ ہم بہنیں اب تم سے کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتیں۔ تم خود سوچو عانیہ میں اور میری بہنیں ایسی لڑکی سے کیسے کوئی تعلق رکھنا پسند کر سکتی ہیں جس کے کردار پر اتنے داغ ہیں جس نے ایک آوارہ شخص کے لیے اپنا گھر چھوڑا تھا اور جو جسم فروشی جیسے قبیح فعل کی مرتکب رہی ہے۔ تم ہم سے ملتی رہنا چاہتی ہو مگر میں تو کسی کے سامنے تم سے اپنا تعلق بتاتے ہوئے بھی شرمندہ ہوتی ہوں۔۔۔ یقین کرو جب میں شمسہ آنٹی کو یہ بتا رہی تھی کہ تم میری بہن ہو اور میں اپنی بہن کی خوشیوں کی خاطر حنان سے خلع لے رہی ہوں تو مجھے کتنی شرمندگی ہو رہی تھی۔ اپنی بہن کے لیے اپنی خوشیوں کی قربانی دینا ایک الگ بات ہے اور بدکردار بہن کے لیے قربانی دینا الگ بات۔''

عانیہ کی شکل دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی ایک رنگ آ رہا تھا ایک جا رہا تھا۔

''اس کا مطلب تم انہیں بتا چکی ہو؟''

''ہاں......ظاہر ہے انہیں کنونس کرنے کے لیے مجھے کچھ تو کہنا تھا۔'' ثانیہ نے معصومیت سے کہا۔

''اچھی بات یہ ہے کہ تمہاری حسب منشاء تمہاری عظمت کے قصے میں پہلے ہی انہیں سنا چکی ہوں۔ میں نے ان سے کہا میری جڑواں بہن نے آج تک بہت قربانیاں دی ہیں سب سے پہلے اپنی خوشیوں کی خاطر اس نے گھر چھوڑا پھر مشکلات اٹھائیں اور زمانے کی ٹھوکریں کھاتی وہ یہاں تک پہنچی ہے اب اگر میں خود غرض بنتے ہوئے حنان سے خلع نہیں لیتی تو میری بہن برباد ہو جائے گی اور اسے پھر سے زمانے کی ٹھوکریں کھانا پڑیں گی اور میرا ضمیر مجھے اس خود غرضی کی اجازت نہیں دیتا۔ مجھے اپنی بہن کی خوشیاں بہت عزیز ہیں اس لیے صرف اپنی بہن کی خاطر میں حنان کو چھوڑ رہی ہوں تاکہ میری بہن اس کے ساتھ خوش رہ سکے۔

اور تمہیں پتا ہے میری باتیں سن کر شمسہ آنٹی نے کیا کہا؟ انہوں نے کہا ثانیہ تم بہت گریٹ ہو اپنی اس بہن کی خوشیوں کے لیے قربانی دے رہی ہو جس نے تمہارے حق پر ڈاکہ ڈالا، میں نے ان سے کہا آپ مجھے گریٹ نہ کہیں۔ گریٹ تو میری بہن ہے جس نے ہمیشہ اپنے بارے میں سوچا ہے جس نے ہمیشہ اپنی خوشیوں کو ترجیح دی ہے۔ اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے اگر کسی کو قدموں تلے روندنا پڑا تو

اس نے وہ بھی کیا ہے۔ میں نے انہیں بتایا میری جڑواں بہن اتنی باحوصلہ ہے کہ اپنے بھائی کی موت کا سن کر بھی اس کے دل کو کچھ نہیں ہوا۔ حالانکہ ہمارے بھائی نے اس کی دی ہوئی رسوائی سے منہ چھپانے کے لیے موت کو گلے لگایا تھا۔ اب اگر میں اپنی اتنی عظیم، اتنی باحوصلہ بہن کے لیے تھوڑی سی قربانی نہیں دیتی تو ساری زندگی مجھے یہ خلش ستاتی رہے گی کہ میں نے اس کی خوشیوں پر اپنی خوشی کو ترجیح دی ہے۔''

ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھی عانیہ کے رنگ بدلتے چہرے پر نظریں جمائے وہ مزے سے بول رہی تھی۔ عانیہ کا بس نہیں چل رہا تھا اس کا منہ ہی نوچ ڈالے۔

''تم گھٹیا، کمینی...... موقع ملتے ہی ڈس لیانا۔ میں پتا نہیں کیوں بھول گئی کہ تم سے تو کبھی پہلے میری خوشیاں برداشت نہیں ہوسکیں تو اب کیا ہوں گی۔''

''بالکل ٹھیک۔'' ثانیہ نے سراہنے والے انداز میں کہا۔ ''میں کل بھی گھٹیا تھی آج بھی ہوں۔ کل بھی بقول تمہارے کمینی تھی آج بھی ہوں...... اور تم، تم کل بھی گریٹ تھیں آج بھی گریٹ ہو، کل بھی تمہاری اپنی خوشیاں تمہارے لیے اتنی ہی اہم تھیں جتنی آج ہیں۔ کل بھی تم نے اپنی خوشیوں کے لیے خود سے وابستہ لوگوں کو چوٹ پہنچانے سے گریز نہیں کیا تو آج کیسے کرسکتی ہو۔ سچ عانیہ تم اتنی عظیم ہو کہ مجھ جیسی لڑکی تو مر کر بھی اس معیار تک نہیں پہنچ سکتی۔''

''بکواس...... بکواس۔'' وہ حلق کے بل چلائی۔

''خود سے وابستہ لوگ...... ہونہہ ایک ہی بات دوہراتے تم تھکتی نہیں ہو...... کیوں کروں میں کسی کی پروا...... کبھی کسی نے میری پروا کی ہے...... جبکہ امی نے بھی ہمیشہ تمہیں ہی اہم سمجھا، انہیں ہمیشہ تم میں خصوصیات نظر آتی تھیں میں تو جیسے کچھ تھی ہی ہیں...... کس نے کی میری پروا...... دور کیوں جاؤں یہ اپنا کارنامہ ہی دیکھ لو میری ہمدرد بنتی ہو سب کچھ ان لوگوں کو بتا آئی ہو۔ اگر تم سچ مچ مجھے اپنا سمجھتیں تو انہیں یہ بھی کہہ سکتی تھیں کہ میں نے یہ سب کچھ تم لوگوں کو سہولیات پہنچانے کے لیے کیا تھا مگر تم...... مبارک ہو ثانیہ زندگی بھر کے بدلے لے چکیں تم...... اب اپنی منحوس شکل لے کر دفع ہو جاؤ میں ساری زندگی تمہاری شکل دیکھنا نہیں چاہتی۔'' وہ غصے کے مارے پاگل ہوتی چلائی تھی۔

''شکریہ...... مجھے یہاں سے جانے کی اجازت دینے کا بے حد شکریہ...... میں خود بھی تمہارے اس محل میں زیادہ دیر بیٹھنا نہیں چاہتی۔'' ثانیہ نے اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے سابقہ انداز میں کہا۔

''یہ محل اللہ تمہیں ہی مبارک کرے مجھے یہاں رہنے کا شوق ہوتا تو میں حنان کے گھر والوں کو تمہارے اور اس کے حق میں قائل نہ کرتی...... میں تو خود تمہاری یہ حسین شکل دیکھنا نہیں چاہتی۔ تمہاری وجہ سے میرا بھائی مجھ سے چھن گیا میں نے پھر بھی کھلے دل سے تمہارا استقبال کیا نتیجتاً تم نے میری ماں کو مجھ سے چھین لیا۔ اگلی بار کبھی خدانخواستہ تم سے سامنا ہو گیا تو مجھے ہی خدشہ رہے گا کہ کہیں تم کسی اور کو نہ چھین لو۔

مجھے یاد نہیں ہے کبھی امی نے تم پر مجھے اہمیت دی ہو۔ لیکن اگر ایسا ہوا ہو گا تو یقیناً وہ جانتی ہوں گی میں تمہاری طرح خود غرض نہیں ہوں۔ تمہاری طرح صرف اپنے لیے نہیں سوچتی۔ تمہارے لیے تم سے وابستہ لوگ سب سے آخر میں آتے تھے جبکہ میرے لیے ہمیشہ ان کا پہلا نمبر رہا۔ میں نے ہمیشہ خود سے پہلے ان کے لیے سوچا۔

وہ لوگ میری ذمہ داری نہیں تھے مگر ان کی ذمہ داری کو ہمیشہ اپنی ذمہ داری کی طرح نبھایا۔ میں نے ہر بار اپنی خوشیوں کو ان کے لیے قربان کرنا مناسب سمجھا جبکہ تم نے ہر بار اپنی خوشیوں کے لیے ان کو قربان کر ڈالا بس اتنا ہی فرق ہے ہم دونوں میں عانیہ......"

پرس کندھے پر ڈالتی وہ دروازے کی طرف پلٹی پھر رک کر اس کی طرف دیکھا۔

"میں نے آج تک کسی سے بدلہ نہیں لیا۔ چاہے کسی نے کتنی بھی تکلیف کیوں نہ پہنچائی ہو کبھی پلٹ کر جواب نہیں دیا۔ یہ کوئی بڑائی کی بات نہیں بس میری فطرت ہے۔ زندگی میں پہلی بار مجھے اپنی فطرت پر جبر کرنا پڑا ہے۔ مجھے افسوس ہے تم سے مقابلہ کرنے کے لیے مجھے تمہارے معیار تک گرنا پڑا۔

مجھے یقین ہے تمہارے سسرال میں کبھی تمہاری عزت نہیں ہو گی خواہ کوئی منہ پر نہ کہے مگر تمہیں عزت کبھی نہیں ملے گی نہ محبت...... اس گھر میں، میں پسندیدہ ہی رہوں گی کیونکہ میں وہ لڑکی ہوں جس نے اپنی بہن کی خوشیوں کو اپنی خوشیوں پر فوقیت دی جبکہ تم وہ ہو جس نے اپنی خوشیوں کے لیے اپنی ہی بہن کا گھر برباد کر دیا کیسی افسوس ناک بات ہے جو لڑکی اپنی بہن کو تکلیف پہنچا سکتی ہے وہ دوسروں کے ساتھ کیا کرے گی۔ یہ سوال میں تمہارے سسرال والوں کے ذہنوں میں ڈال آئی ہوں جب تک تم ان کے ساتھ رہو گی وہ اس سوال کا جواب تلاش کرتے رہیں گے اور بدقسمتی سے کبھی تمہاری عزت نہیں کر سکیں گے۔

لیکن خیر تمہیں عزت کی ضرورت بھی کب رہی ہے۔" اس نے زہریلی مسکراہٹ اچھالی۔

"کیا تمہیں دھکے دے کر نکالنا پڑے گا؟" عانیہ نے آتشیں لہجے میں پوچھا۔

"اس کی ضرورت نہیں پڑے گی...... میں خود ہی جا رہی ہوں۔" ثانیہ نے مسکرا کر کہا مگر جاتے جاتے پھر رک کر بولی۔

"جانے سے پہلے میں تمہیں ایک خوش خبری سنانا بھی ضروری سمجھتی ہوں۔ چلو چھوڑو یہ خوشخبری حنان ہی تمہیں سنائے تو بہتر ہو گا۔ چلتی ہوں مگر ایک بات سچے دل سے بتا رہی ہوں مجھے ہمیشہ تمہاری فکر رہے گی عانیہ کیونکہ تم اپنی بے وقوفی کے ہاتھوں جن رشتوں کو ہر بار تم نے کک آؤٹ کیا ہے نا آنے والی زندگی میں تمہیں ان رشتوں کی ضرورت ضرور پڑے گی اور وہ رشتے تمہیں اپنانے کا ظرف اپنے اندر پیدا نہیں کر پائیں گے۔

تمہارے پاس دولت ساری زندگی رہے گی مگر ساری زندگی محبتوں سے تمہارا دامن خالی رہے گا۔ تم اپنے لیے دعا ضرور کرتی رہنا کہ تمہارا موجودہ شوہر تمہیں کبھی دھکے دے کر اپنے گھر سے نہ نکالے۔۔۔ میں حنان کو زیادہ نہیں جانتی مگر میں نے سنا ہے وہ پہلے فیصلہ کرتا

ہے پھر ان پر پچھتاتا ہے۔ اللہ کرے تمہیں کبھی اس کے پچھتاوے کا سامنا نہ کرنا پڑے کیونکہ اگر ایسا ہوا تو تم جلد ہی واپس اس مقام پر آ جاؤ گی جو تم نے خود اپنے لیے بڑے شوق سے ترتیب دیا تھا...... حالانکہ اگر ایسا ہوا تو شاید...... سب سے زیادہ خوشی مجھے ہی ہوگی۔'' اس نے کہا اور تیز قدموں سے باہر نکل گئی۔

عانیہ کے جسم کا سارا خون اس کے چہرے پر چھلکنے لگا تھا۔

''جھوٹی، کمینی، منافق۔'' وہ حلق کے بل چلائی تھی۔

''میں، میں تمہیں کبھی خوش نہیں ہونے دوں گی ثانیہ...... کبھی نہیں۔'' غصے سے پاگل ہوتے دیوانگی کے عالم میں اس نے گلدان دروازے پر دے مارا تھا۔

☆......☆......☆

وہ کار میں واپس آ کر بیٹھی تب اس کی آنکھوں میں آنسو اور چہرے پر اداسی تھی۔ شاہنواز نے خاموشی سے کار اسٹارٹ کر دی۔ بہت سارے منٹ خاموشی سے گزر گئے۔ تب شاہنواز نے ٹشو پیپر اس کی طرف بڑھا دیے۔

''تمہیں جتنا رونا ہے آج ہی جی بھر کر رو لو کیونکہ اس کے بعد میں تمہیں کبھی رونے نہیں دوں گا۔''

ثانیہ نے ٹشو پیپر پکڑتے ہوئے اس کی طرف دیکھا مسکرانے کی کوشش کی لیکن مسکرا نہیں سکی مگر اس کا دل جیسے ہر بوجھ سے آزاد ہو چکا تھا اور زندگی کی شاہراہ اسے صاف اور سپاٹ دکھائی دینے لگی تھی۔

☆......☆......☆

حنان کے موبائل کی بیپ مسلسل بج رہی تھی۔

گیتی آرا نے اپنے دکھتے ہوئے سر کو انگلیوں سے دباتے ہوئے موبائل سیٹ کو دیکھا جس کی آواز اس کے دماغ پر کوڑے کی طرح برس رہی تھی پھر حنان کو دیکھا جو ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بے نیازی سے کھڑا اپنے بناؤ سنگھار میں مصروف تھا۔

''اگر تمہیں فون ریسیو نہیں کرنا تو اسے آف ہی کر دو۔'' حد درجہ بے زاریت کے باوجود گیتی نے منت بھرے انداز میں کہا جب سے حنان کی نظر میں اپنی حیثیت واضح ہوئی تھی وہ خود کو اس انداز میں بات کرنے پر مجبور پاتی تھی۔

''تمہیں کیا کہہ رہا ہے۔'' حنان نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

''میرے سر میں شدید درد ہے اور اگر یہ اسی طرح بجتا رہا تو میرا سر پھٹ جائے گا۔'' اس نے سابقہ انداز میں کہا تھا۔ حنان نے مطلق پروا نہ کی۔

''حنان پلیز۔'' وہ رو دینے کو تھی۔

حنان نے جھنجھلا کر اسے دیکھا پھر بے زاری سے بولا۔

''تم ہی ریسیو کرو اور کہہ دو میں سیل گھر پر بھول گیا ہوں۔''

گیتی نے ناچار سیل فون اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

''دیکھیے میں جہانگیر لاشاری کا وکیل مدثر انصار بات کر رہا ہوں، کیا حنان صاحب سے بات ہو سکتی ہے۔''

''جہانگیر لاشاری کا وکیل۔'' دانستہ با آواز بلند دہراتے ہوئے گیتی نے حنان کی طرف دیکھا۔ حنان کے ذہن میں دھماکہ سا ہوا تھا۔

اس نے سرعت سے آگے بڑھ کر گیتی کے ہاتھ سے فون لے کر کان سے لگا لیا۔

''جی مدثر صاحب! حنان بات کر رہا ہوں۔''

گیتی نے اس بدتمیزی سے سیل فون گھسیٹنے پر ناگواری سے اسے دیکھا مگر دل مسوس کر رہ گئی۔

''پاپا ملنا چاہتے ہیں، اوہ شیور وائے ناٹ...... لیکن آفس میں ملنے کی کیا ضرورت ہے، آپ ان سے کہیے میں ان سے ملنے قصر بلند پہنچ جاتا ہوں۔ اوہ۔'' اس کے لہجے میں مایوسی سی چھلکی تھی۔

''ناٹ ایٹ آل...... لیکن کیا یہ میٹنگ کل تک پوسٹ پون نہیں ہو سکتی؟ کیا کہا؟ پھر ایک ہفتے تک ٹائم نہیں دے سکیں گے۔ او کے نو پرابلم...... میں پہنچ رہا ہوں ودان ٹوئنٹی منٹس...... کیا......؟ لیکن کیوں۔''

''او کے......'' اس نے فون بند کر دیا پھر مسکراتی نظروں سے گیتی کو دیکھا۔

''فائنلی بڈھا قابو میں آ ہی گیا۔''

''ایں......'' گیتی نے ناسمجھی میں اسے دیکھا۔

''مطلب؟''

''مطلب یہ کہ ملنے کے لیے بلوایا ہے، وہ بھی وکیل کے آفس میں۔ ظاہر ہے شکل دیکھنے کے لیے تو نہیں بلوایا ہوگا۔ پراپرٹی کے معاملات ہی طے کرنے ہوں گے۔ ایک دفعہ پراپرٹی کے پیپرز میرے ہاتھ آ جائیں، میں نے بھی ناکوں چنے نہ چبوائے تو میرا نام حنان نہیں۔'' اس کے عزائم بلند تھے، گیتی کا دل مکدر ہو گیا۔

''اللہ کرے مجھے چھوڑ دو تو تمہیں پھوٹی کوڑی بھی نہ ملے۔ کٹورا لے کر در در بھٹکو، مجھے دھوکہ دینے کی کچھ سزا تو لازم ہے۔'' وہ محض سوچ کر رہ گئی، اس سے زیادہ تو کچھ کر بھی نہیں سکتی تھی بے چاری۔

''تم بھی اٹھ کر تیار ہو جاؤ، سمجھو آج تمہاری فائنل پرفارمنس ہے۔ انہوں نے تمہیں بھی بلوایا ہے اور تمہارے شیئر کی پرسنٹیج آج کی پرفارمنس کے حساب سے ہی طے ہو گی۔'' حنان کہہ رہا تھا، گیتی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''تم میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہو حنان! میں تم سے محبت......''

''دیکھو گیتی! میں کسی ایموشنل ڈرامے کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' حنان نے ہاتھ اٹھا کر دوٹوک، بے لچک لہجے میں کہا تھا۔

''ہم دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت تھی، ہم دونوں نے ایک دوسرے کا فائدہ بھی اٹھایا ہے لیکن اگر تم یہ سوچ رہی ہو کہ اس وقت میری مجبوری کا فائدہ اٹھاؤ گی تو یہ سراسر تمہاری بھول ہے۔ میں نے ساری زندگی تمہارے ساتھ گزارنے کے لیے شادی نہیں کی تھی اینڈ دیٹس آل......

تمہیں مجھ سے کتنی محبت ہے، میں اچھی طرح جانتا ہوں، اب ڈرامے بند کرو اور اٹھ کر تیار ہو جاؤ اور ہاں وہاں مزید کوئی ڈرامہ کیا تو نتیجے کے لیے تیار رہنا۔''

اس کا لہجہ خطرناک تھا۔ گیتی کو کچھ اور کہنے کی ہمت نہ رہی۔

☆......☆......☆

وکیل نے کچھ کاغذات نکال کر ان دونوں کے سامنے رکھ دیے تھے۔

''آپ ان پیپرز کو پڑھ کر اپنی تسلی کرنے کے بعد ان پر سائن کر دیں۔''

حنان نے مسکرا کر وہ کاغذ میز پر سے اٹھا لیے مگر پہلی سطر پڑھتے ہی اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی تھی، اس نے چونک کر وکیل کو پھر شمسہ اور جہانگیر لاشاری کو دیکھا، گیتی خاموش بیٹھی تھی۔

وہ دونوں کچھ پر دیر پہلے کی طرح لاتعلقی سے میز کے دوسری طرف بیٹھے تھے۔ حنان کا خیال تھا جہانگیر لاشاری تو نہیں مگر شمسہ اس سے والہانہ انداز میں ملیں گی مگر اس کی توقع کے برخلاف جہانگیر لاشاری کے ہی نہیں، شمسہ کے انداز میں بھی خاصی سرد مہری تھی۔ انہوں نے اسے والہانہ انداز میں بڑھ کر گلے نہیں لگایا تھا۔ پہلے کی طرح جذباتیت کا اظہار نہیں کیا تھا بلکہ خاموشی سے آ کر بیٹھ گئی تھیں۔

دوسرا جھٹکا حنان کو کاغذات دیکھ کر لگا کیونکہ یہ جائیداد کی منتقلی کے کاغذات نہیں تھے۔

''یہ ایگریمنٹ کے پیپرز ہیں۔'' وکیل نے اس کی مشکل آسان کی تھی۔

حنان نے غیر ارادی طور پر فرداً فرداً شمسہ اور جہانگیر کو دیکھا پھر کاغذات میز پر ڈال دیے۔

''کیسا ایگریمنٹ؟''

''لاشاری صاحب نے آپ کو اپنی جائیداد سے عاق کرنے کا جو فیصلہ کیا تھا، اپنے اس فیصلے کو بدلنے کے لیے انہوں نے کچھ شرائط طے کی ہیں۔ لاشاری صاحب چاہتے ہیں ان شرائط سے آپ کو آگاہ کر دیا جائے اور آپ یہ شرائط ماننے کے لیے تیار ہی تو......''

''شرائط، فیصلے......وٹ ربش۔'' حنان نے برہمی سے وکیل کی بات قطع کی تھی مگر فوراً ہی اس نے اپنے غصے پر قابو پا لیا۔

''پاپا...... آپ یہ کن فارمیلیٹز میں پڑ رہے ہیں، میں کہہ تو رہا ہوں، میں اب کوئی ایسی حرکت نہیں کروں گا جو آپ کو ڈسٹرب کرے، میں......''

''حنان!'' شمسہ نے سنجیدگی سے اس کی بات قطع کی۔ ''تم شرائط سن لو، ساری شرائط تمہارے حق میں ہی ہیں...... جو بھی کہنا ہو اس کے بعد کہنا۔''

حنان نے بددلی سے کرسی کی بیک سے ٹیک لگا کر وکیل کی طرف دیکھا۔ وکیل ٹیپ کی طرح نان اسٹاپ شروع ہو گیا تھا۔

''لاشاری صاحب کی پہلی شرط یہ ہے کہ آپ اور آپ کی وائف قصر بلند میں نہیں رہیں گے۔''

''لیکن......'' حنان نے پہلی شرط پر ہی اعتراض کرنا چاہا مگر شمسہ نے پھر ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

''آپ لوگوں کے لیے الگ اپارٹمنٹ ارینج کیا جائے گا جس کے مالکانہ حقوق آپ کے پاس ہوں گے لیکن مینٹیننس لاشاری صاحب کے ذمے ہوگی۔ اس اپارٹمنٹ کو فروخت کرنے کی صورت میں لاشاری صاحب آپ کی رہائش کی ذمے داری قبول نہیں کریں گے۔ آپ کی سہولت کے لیے آپ کو آپ کی پسند کی کوئی بھی فور وہیلر فراہم کی جائے گی اور اس کے معاملے میں بھی آپ کو اپارٹمنٹ والے تمام رولز فولو کرنا ہوں گے۔

ہر چھ ماہ کے بعد آپ دونوں کو ایک مخصوص رقم دی جائے گی، یہ آپ کی مرضی ہوگی کہ آپ لوگ یہ رقم چھ ماہ بعد وصول کرتے ہیں یا تھوڑا تھوڑا کر کے ہر مہینہ...... لیکن اس کے علاوہ آپ کو کتنی بھی مجبوری کیوں نہ ہو، آپ کو کچھ نہیں ملے گا۔''

''اور یہ رقم کتنی ہوگی۔'' حنان نے کرسی پر پہلو بدلا تھا۔

''یہ بہت کم ہے مام!''

''آپ پیپرز اٹھا لیجیے وکیل صاحب۔'' شمسہ نے حتمی انداز میں کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' حنان نے سرعت سے کہا تھا، اسے یہ بات سمجھ آ چکی تھی کہ اگر یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا تو پھر اسے کچھ بھی نہ مل سکے گا۔

''مجھے آپ کی ساری شرائط منظور ہیں۔'' اس نے ہارے ہوئے انداز میں کہا تھا۔

''پوری بات سن لو حنان! پھر فیصلہ کرنا۔'' اب کی بار جہانگیر نے کہا تھا۔

''یہ تو ان سہولیات کی تفصیل ہے جو ہم تمہیں فراہم کریں گے، ان سہولیات تک پہنچنے کے لیے تمہیں جس اصول کی پیروی کرنا ہے وہ تو سن لو۔''

''آپ مجھے اتنا بتائیں مجھے جائیداد میں سے میرا حصہ کب تک ملے گا؟ آپ لوگ کب تک میری پرفارمنس کو جج کرتے رہیں

گے؟'' اس نے جل کر پوچھا تھا۔

''جب تک میں زندہ ہوں تمہیں حصہ نہیں ملے گا۔'' جہانگیر لاشاری نے سرعت سے کہا۔ ''اب تم مجھے قتل کرنے کے منصوبے نہ بناؤ، میں وصیت لکھوا چکا ہوں کہ اگر میری موت جلد یا بدیر طبعی طریقے سے ہو تب ہی تمہیں حصہ دیا جائے۔''

''واٹ نان سینس۔'' حنان خفت سے بولا۔ ''میں آپ کو قتل کیوں کرواؤں گا۔''

''دیر سے ہی سہی لیکن اتنا تو تمہیں سمجھ ہی چکا ہوں بچے!'' جہانگیر لاشاری نے کہا تھا۔ ''وکیل صاحب! آپ اسے اس آخری بلکہ واحد شرط کے بارے میں بتا دیجیے جو اسے شاک دینے والی ہے۔''

''لاشاری صاحب کی طرف سے یہ تمام سہولیات آپ کو صرف اس صورت میں ملیں گی جب آپ دونوں ایک ساتھ رہیں۔ آئندہ زندگی میں اگر آپ دونوں میں سے کوئی ایک بھی یعنی حنان صاحب، آپ یا آپ کی وائف گیتی آرا بیگم علیحدگی کا فیصلہ کرتے ہیں تو اس صورت میں آپ دونوں سے یہ سہولیات واپس لے لی جائیں گی۔ اگر آپ دونوں کو یہ شرائط منظور ہیں تو ان پیپرز پر سائن کر دیں۔''

چونکنے کی باری اب گیتی آرا کی تھی جو اب تک اس معاملے سے لاتعلق الگ تھلگ بیٹھی تھی۔

حنان سچ مچ شاک کی کیفیت میں تھا، اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے پر ایک ایک کر کے کاٹ دیے گئے ہوں۔

''ماما! واٹس دس اسٹوپڈٹی۔'' اس نے صدمے سے جھنجلاتے ہوئے کہا تھا۔ ''یہ طے ہے کہ مجھے اور گیتی آرا کو الگ نہیں ہونا مگر اس قسم کی احمقانہ شرائط طے کرنے کا کیا مطلب ہے۔''

''یہ شرط ہم نے تمہارے لیے نہیں بلکہ گیتی آرا کی سیکیورٹی کے لیے طے کی ہے۔'' شمسہ کی اس بات نے گیتی کو اور بھی چونکا دیا۔ ''تا کہ کل کو اپنا مطلب پورا ہونے کے بعد اسے بیچ راستے میں نہ چھوڑ دو۔''

گیتی کا دل خوشی سے بے قابو ہونے لگا تھا، بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ تب ہی شمسہ نے رخ اس کی طرف موڑا، چند لمحے اسے دیکھتی رہیں پھر بولیں۔

''سنو لڑکی! یہ مت سمجھنا کہ ہم تمہاری کسی اچھائی سے متاثر ہو گئے ہیں، یہ جو ساری سہولیات اور سیکیورٹی تمہیں فراہم کی جا رہی ہے تو صرف اس لیے کیونکہ ثانیہ نے ہم سے ریکویسٹ کی تھی کہ جو فسیلیٹیز حنان کو دی جائیں وہی تمہیں بھی فراہم کی جائیں۔ وہ اتنی اچھی بچی ہے کہ ہم اس کی بات ٹال ہی نہیں سکتے تھے، تم بھی یہ بات ساری زندگی یاد رکھنا کہ جو کچھ تمہیں مل رہا ہے وہ تمہاری سگی بہن ثانیہ کا صدقہ ہے۔'' لہجہ سخت، انداز میں ناپسندیدگی۔ گیتی آرا کا ہاتھ تیزی سے قلم کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''سگی بہن...... ثانیہ؟'' حنان کے سر پر تو جیسے آسمان ٹوٹا تھا، اس نے بے یقینی سے گیتی کو دیکھا جو حنان کی مرضی جانے بغیر خوشی خوشی ان کاغذات پر سائن کر رہی تھی۔

’’ثانیہ کا صدقہ ہی سہی، بالآخر مجھے وہ سب کچھ مل رہا ہے جو میں چاہتی تھی۔‘‘ عانیہ عرف گیتی آرا نے پین بند کرتے ہوئے طمانیت وآسودگی سے سوچا تھا۔

☆......☆......☆

’’کیا مصیبت ہے بھئی۔‘‘ شفق خاصے جارحانہ انداز میں کچن میں داخل ہوئی تھی۔

’’چار گھنٹے سے میں آئی ہوئی ہوں، آتے ہی تمہیں بتا دیا تھا کہ کچھ ضروری بات کرنا ہے مگر تمہارے تو مزاج ہی نہیں مل رہے۔ پہلے جمعدارنی بن کر باتھ روم صاف کرنا شروع کر دیئے اور تب سے اب تک بارچن بنی کچن میں گھسی ہوئی ہو۔ مجھے بتاؤ تم سے بات کرنے کے لیے کیا اپائنمنٹ لینا پڑے گی۔‘‘

’’پہلی بات تو یہ کہ اپنے گھر کے باتھ روم صاف کرنے سے کوئی جمعدار نہیں بن جاتا۔‘‘ اس نے پریشر ککر بند کرتے ہوئے اطمینان سے کہا پھر اس کی طرف پلٹتے ہوئے جلانے والے انداز میں بولی۔

’’اور دوسری بات یہ کہ...... اگر مجھ سے بات کرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو اپائنمنٹ لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بس اتنی مہربانی کرنا اگلی بار آؤ تو اتنی لمبی فرمائشی لسٹ نہ تھمانا۔ میں کچن میں گھس کر کھانا بنانے کی بجائے تمہارے گھٹنے سے لگ کر بیٹھی رہوں گی، تم جی بھر کر باتیں کر لینا۔‘‘ وہ خوب مسکرا کر بول رہی تھی۔

شفق کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ آنکھیں اس نے جان بوجھ کر تعجب سے کھول لیں۔

’’توبہ...... توبہ...... کیسی زبان دراز لڑکی ہو، ذرا بھی جو مہمان نواز ہو، معمولی سی فرمائش کیا کر دی تم نے تو بات کا بتنگڑ ہی بنا لیا۔‘‘ وہ اسٹول گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے بولی، ثانیہ کو ہنسی آ گئی۔

’’بک بک بند کرو اور اصل موضوع کی طرف آ جاؤ۔ تھوڑی دیر میں عادل آ جائے گا پھر تمہیں خود ہی بات کرنے کی فرصت نہیں ملے گی۔‘‘

’’واہ...... کیا یاد کروایا ہے، میں تو خود عادل کے آنے سے پہلے تم سے بات کرنا چاہ رہی تھی پھر انہیں فائنل جواب بھی تو دینا ہے۔‘‘

ثانیہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

’’کیا مطلب؟ کیسا جواب؟‘‘

’’ثانی!‘‘ شفق نے پرسوچ انداز میں اسے دیکھا پھر اسی انداز میں بولی۔

’’تم نے آئندہ زندگی کے بارے میں کیا سوچا ہے ثانی! میرا مطلب ہے اب جبکہ خلع بھی ہو چکا ہے۔ تم نے کچھ تو اپنے فیوچر کے بارے میں سوچا ہو گا۔‘‘

''فی الحال تو میں صرف نوکری کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔'' ثانیہ ہاتھ دھو کر اپنے دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی اس کے سامنے آ بیٹھی تھی۔

''اور ساتھ ہی یہ سوچ رہی ہوں کہ نرمین اور زینب کے رشتوں کے سلسلے میں کسی اچھے سے میرج بیورو سے رابطہ کروں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟''

ثانیہ نے سرسری انداز میں رائے جاننا چاہی تھی مگر شفق بالکل خاموشی اور بڑی عجیب سی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی پھر اس نے کہا۔

''تم ہمیشہ نرمین، زینب اور کشف کے بارے میں سوچتی ہو، کبھی اپنے بارے میں بھی سوچا کرو۔''

''ایں......'' ثانیہ متعجب ہوئی۔

''اپنے بارے میں کیا سوچا کروں؟''

''یہی کہ تمہیں آئندہ زندگی کیسے گزارنی ہے۔'' شفق نے سنجیدگی سے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

''سنو ثانی! بے شک تم نے خلع لیا ہے لیکن ہمارے معاشرے میں خلع اور طلاق کو الگ نہیں سمجھا جاتا۔ لڑکے میں خواہ کتنی ہی برائیاں نہ ہوں، عیب دار لڑکی کو ہی سمجھا جاتا ہے۔''

''تمہارا کیا مطلب ہے؟ اتنی بری صورتحال کے باوجود مجھے حنان سے خلع نہیں لینا چاہیے تھا۔'' ثانیہ نے اچنبھے سے پوچھا۔

''میں یہ نہیں کہہ رہی ہوں۔'' شفق نے جلدی سے کہا۔

''صرف تمہیں یہ سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں کہ حنان کی برائی سے ہم سب واقف ہیں، دنیا والے نہیں۔ ہم کس کس کو بتائیں گے کہ تم کو طلاق نہیں ہوئی بلکہ تم نے خلع لیا ہے۔ لوگ تو یہی کہیں گے کہ ضرور لڑکی میں ہی کوئی برائی تھی، تب ہی لڑکے نے اسے چھوڑ دیا۔''

''شفق۔'' ثانیہ نے دکھ کے شدید ترین احساس سے چند لمحوں کے لئے آنکھوں کو بھینچ لیا۔ یہ ساری باتیں اس کے لیے غیر معمولی نہیں تھیں، وہ خود کو پہلے ہی ذہنی طور پر تیار کر چکی تھی۔ کوئی اور ایسی باتیں کرتا تو وہ تحمل سے سہہ جاتی مگر شفق کے منہ سے یہی سب سن کر اس کو بری طرح ٹھیس پہنچی تھی۔

''مجھے اب دنیا والوں کی کوئی پروا نہیں ہے۔'' اس نے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''دنیا والوں کو خوش کرنے کے لیے میں اس ناپسندیدہ شخص کے ساتھ تو زندگی نہیں گزار سکتی۔'' وہ اٹھ کر برنر کے پاس چلی گئی تھی۔

''دنیا میں رہنا ہے تو دنیا والوں کو خوش کرنے کا بندوبست تو کرنا ہی پڑے گا۔'' شفق نے سابقہ تحمل سے کہا۔ ''ورنہ سوچ لو طرح طرح کے سوالوں کے جواب دینا پڑیں گے۔ عجیب عجیب نظروں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ٹھیک ہے ساری زندگی دنیا کا مقابلہ کرتے گزاری ہے ہم نے مگر کیا ضروری ہے کہ باقی زندگی بھی تم تکلیف میں گزارو۔''

شفق نے اس کے قریب آکر اس کے کندھے پر بڑی محبت سے ہاتھ رکھا تھا۔

"دیکھو ثانیہ! میں تمہاری دشمن نہیں ہوں، بہن ہوں تمہاری اور تمہاری خوشیاں بھی مجھے اتنی ہی عزیز ہیں جتنا کہ تمہیں میری یا نرمین، زینب اور کشف کی خوشیاں عزیز ہوسکتی ہیں اسی لیے میں چاہتی ہوں تمہیں زندگی کی ہر وہ خوشی ملے جو تمہارا جائز حق ہے۔" اس نے کن انکھیوں سے بغور اس کے تاثرات جانچتے ہوئے نپے تلے انداز میں بات جاری رکھی تھی۔

"تم نے خلع لیا لیکن یہ کہاں لکھا ہے کہ خلع لینے کے بعد عورت دوبارہ شادی نہیں کرسکتی۔"

اب کی بار ثانیہ ٹھٹکی، اس نے کفگیر رکھتے ہوئے کچھ ناسمجھی سے شفق کو دیکھا تھا۔

"ہاں ثانیہ! تم بالکل ٹھیک سمجھ رہی ہوں، میں چاہتی ہوں تم نرمین اور زینب کی شادیوں کے بارے میں سوچنے کی بجائے اپنی شادی کے متعلق سوچو بلکہ محض سوچنا کیا ہے میں تو کہتی ہوں کوئی حتمی فیصلہ ہی کرلو، یہی صحیح عمر ہے شادی کی۔ خدانخواستہ دو چار سال اور گزر گئے تو۔" اس نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی تھی پھر سلسلہ کلام جوڑا۔

"نہیں بھئی دو چار سال تو کسی صورت نہیں گزرنا چاہئیں۔" وہ فکرمندی سے کہہ رہی تھی۔ "تمہیں تو پہلے ہی کوئی ڈھنگ کا رشتہ نہیں مل رہا تھا، اب حنان والے واقعہ کے بعد تو اور بھی مشکل ہوجائے گا۔"

آج تو شفق اسے چونکانے کا ارادہ کرکے آئی تھی، شاید تب ہی ایک کے بعد ایک دل دکھانے والی باتیں کررہی تھی اور باتیں بھی ایسی جن کی توقع ثانیہ کم سے کم شفق سے کبھی نہیں کرسکتی تھی۔ اس بات پر ثانیہ اپنی ناگواری چھپا نہیں پائی۔

"تم فکرمند نہ ہو شفق! کوئی ڈھنگ کا رشتہ نہ ملا بھی تو میں تم سے مدد کے لیے نہیں کہوں گی۔" اس نے جل کر کہا تھا۔

"مجھے پتا ہے تمہیں ہر پریشانی تنہا سہنے کی عادت ہے۔" شفق نے محبت سے اسے دیکھ کر کہا تھا۔ "لیکن اس پریشانی میں، میں تمہیں تنہا نہیں رہنے دوں گی۔ میں چاہتی ہوں تمہیں تمہاری خوشیاں درست وقت پر ملیں اسی لیے میں نے تمہارے لیے ایک رشتہ دیکھا ہے۔"

"رشتہ......؟"

"ہاں رشتہ۔" شفق دل کھول کر مسکرائی، تب ہی نرمین اندر داخل ہوئی تھی اور اس نے صرف آخری لفظ سنا تھا۔ "رشتہ......کس کا رشتہ طے ہورہا ہے بھئی......وہ بھی ہمیں بتائے بغیر۔"

"ابھی طے کہاں ہورہا ہے۔" شفق نے کہا۔

میں تو صرف رشتہ لے کر آئی ہوں، ثانیہ کی مرضی جانے بغیر طے کیسے کیا جاسکتا ہے۔"

"ارے واہ......ثانیہ آپی کے لیے رشتہ آیا ہے۔" نرمین پرجوش ہوکر چلائی پھر دروازے کی طرف منہ کرکے چلانے لگی۔

"زینب......کشف۔ جلدی آؤ، ثانیہ آپی کے لیے رشتہ۔"

”کیا بے ہودگی ہے نرمین۔“ ثانیہ جھنجلا کر بولی۔

”زینب اور کشف کو کمرے میں جا کر بتا دو، کیا پوری بلڈنگ کو اطلاع دینی ہے۔“

”پوری بلڈنگ کو اطلاع پہنچا بھی دی جائے تو کیا مضائقہ ہے۔“ نرمین نے اس کے غصے کو ذرا بھی اہمیت نہ دی۔ ”آخر رشتہ آنا بھی تو خوشی کی بات ہے۔ خیر شفق! تم مجھے جلدی تفصیلات بتاؤ۔ لڑکا کیا کرتا ہے، کتنے بہن بھائی ہیں، وغیرہ وغیرہ۔“ وہ کچھ زیادہ ہی پرجوش ہوگئی تھی۔

”لڑکا......“ شفق گڑبڑائی تھی۔

”ہاں لڑکا بہت اچھا ہے، وہاں جاپان میں عادل کے ساتھ ہوتا ہے، ذاتی گھر ہے، ایک بہن، دو بھائی......فواد نام ہے، فواد بھائی کی والدہ نے میری شادی کی تصویروں میں ثانیہ کو دیکھ کر پسند کیا ہے۔ انہوں نے تو جب سے ثانیہ کو دیکھا ہے فون پر فون کر رہی ہیں کہ کسی طرح ہم ہاں کہہ دیں۔ اچھی بات یہ کہ انہیں سب کچھ بتا چکی ہوں اور انہیں ثانیہ کے خلع پر کوئی اعتراض بھی نہیں ہے۔ سچ کہوں تو مجھے اور عادل کو تو یہ رشتہ بہت پسند آیا ہے، بس ایک ہی مسئلہ ہے۔“ شفق نے ثانیہ کو دیکھا۔

”اور ایک طرح سے دیکھا جائے تو مسئلہ بھی کوئی اتنا بڑا نہیں ہے۔ میاں بیوی میں مطابقت ہو تو زندگی اچھی گزر جاتی ہے۔“

”مطلب؟“ نرمین نے پوچھا۔ شفق نے کچھ توقف کیا پھر بولی۔

”دراصل......فواد بھائی کی اپنی پہلی بیوی سے علیحدگی ہو چکی ہے، ایک بیٹا ہے، تین یا چار سال کا۔ عمر میں بھی ثانیہ سے کم سے کم بارہ سال تو ضرور بڑے ہوں گے۔

ایک اس عمر کے فرق کو چھوڑ کر باقی دونوں باتیں تو قابل اعتراض نہیں لگ رہیں۔ اگر فواد بھائی کسی وجہ سے اپنی بیوی کو طلاق دے چکے ہیں تو خلع تو ثانیہ نے بھی لیا ہے۔ باقی بات رہی بچے کی، تو یار! ایک چھوٹے سے بچے کو سنبھالنے میں ثانیہ کو کیا دقت ہو سکتی ہے۔“

”واہ شفق! اس سے زیادہ شاندار کوئی رشتہ نہیں تھا آپ کی پٹاری میں؟“ نرمین جتنی پرجوش ہو رہی تھی اتنا ہی جل کر بولی تھی۔

”نرمین! بھڑکو مت۔“ شفق نے کہا۔

”میں مانتی ہوں یہ رشتہ اتنا شاندار نہیں ہے لیکن ثانیہ کے حساب سے اتنا برا بھی نہیں ہے۔“ اس نے ڈھکے چھپے انداز میں سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر نرمین اور بھی بھڑک اٹھی۔

”یہ حساب کتاب سے آپ کی کیا مراد ہے؟“

”تم خود سوچو نرمین! آج کل تو غیر شادی شدہ لڑکیوں کو اچھے رشتے ملنا مشکل ہو رہا ہے، ایسے میں ثانیہ کے لیے بڑی عمر کے مرد کا رشتہ مل جانا بھی غنیمت ہے۔“ شفق پرخلوص انداز میں کہہ رہی تھی۔

"شفق! اس رشتے کو......"

"تم لوگ اس بات کو ختم کردو۔" ثانیہ نے جھنجلا کر کہا تھا۔ "مجھے شادی نہیں کرنی۔" اس نے دوٹوک کہا تھا۔

"ثانیہ! ایسا حماقت کا فیصلہ مت کرو۔" شفق لپک کر اس کے پاس آئی تھی۔

"فواد مرزا بہت اچھے ہیں، تمہیں بہت خوش رکھیں گے۔ کم سے کم میں اس بات کی تو گارنٹی دے سکتی ہوں۔ پلیز ثانیہ! میری بات مان لو، اس سے بہتر رشتہ تمہیں دوبارہ نہیں مل سکے گا۔"

"شفق! مجھے تمہاری کسی بات سے اختلاف یا شک نہیں ہے، میں یہ بھی مانتی ہوں کہ مجھے اس سے بہتر رشتہ نہ مل سکے گا مگر ان سب باتوں کا خیال میں تب کروں جب مجھے شادی کرنا ہو، جب میں نرمین، کشف اور زینب کی ذمہ داریوں کو پورا نہیں کرلیتی اپنی شادی کے بارے میں سوچوں گی بھی نہیں۔"

"بس بھی کریں آپی!" نرمین نے تڑپ کر کہا۔

"ہماری جن ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی بات آپ کررہی ہیں، اچھا ہوگا ان کا بوجھ آپ کچھ ہمیں بھی اٹھا لینے دیں، اتنے تو بڑے ہو ہی چکے ہیں اور آپ خود ہی تو کہتی ہیں مل جل کر جو کام کیا جائے اس میں برکت ہوتی ہے۔ محض اپنے لیے ہم آپ کو آپ کی خوشیاں قربان نہیں کرنے دیں گے۔ آپ کی شادی بھی ان شاءاللہ ہم تینوں سے پہلے ہوگی اور فواد مرزا سے کہیں زیادہ اچھے بندے سے ہوگی۔" اس نے سنجیدگی سے بولتے بولتے چیلنجنگ انداز میں شفق کو دیکھا تھا، شفق جل کر بولی۔

"فواد مرزا سے پچاس گنا زیادہ اچھے بندے کو بھی میں جانتی ہوں جو دل و جان سے اس کے لیے راضی تھا مگر ان محترمہ نے انہیں بھی انکار کردیا۔"

"ایں......" نرمین اور ثانیہ دونوں چونکی۔

"کس کی بات کررہی ہو؟"

"شاہنواز بھائی کی اور کس کی۔"

"لیکن ثانیہ آپی نے ان کے لیے کب انکار کیا؟"

"تمہیں اس بارے میں کچھ نہیں پتا نرمین!" شفق سابقہ انداز میں بولی۔ "یہ اس کی شادی سے پہلے کی بات ہے۔ میں نے اسے منانے کی کوشش بھی کی تھی مگر یہ مان کر نہ دی۔ کچھ روز پہلے شاہنواز بھائی کی امی بھی آئی تھیں، ان کا خیال تھا امی کے بعد چچا جان ہی ہمارے بزرگ ہیں تو انہی سے بات کرنا چاہیے لیکن میں نے تو سنتے ہی انکار کردیا۔"

تم نے......انکار......کردیا۔" ثانیہ کے لبوں سے لفظ ٹوٹ کر نکلے تھے۔ وہ تو سوچ ہی رہی تھی کہ شفق کو کیسے بتائے، جو ایک رٹ

لگائے بیٹھی تھی کہ ثانیہ کو فواد سے بہتر رشتہ نہیں مل سکتا۔

''اور کیا کرتی۔''شفق بن کر بولی۔''مجھے پتا تھا کہ تم شاہنواز بھائی کو کتنا ناپسند کرتی ہو۔''

''یہ تم سے کس نے کہا۔''ثانیہ روہانسی ہوگئی تھی اور بے چینی سے اپنی انگلیاں مسل رہی تھی۔

''ایں......''شفق چونکی۔

''تم نے ہی تو کہا تھا۔''

''وہ تو بہت پرانی بات ہے۔''اس کی پریشانی چھپائے نہ چھپی تھی۔

''تو نئی بات کیا ہے؟''

''کچھ نہیں۔''اس نے سلگ کر کہا۔

''نہیں......کوئی بات ہے۔۔۔تو بتا دو؟''

''کوئی بات نہیں ہے، تم جاؤ۔''

''پھر بھی......''

''شفق میرا سر مت کھاؤ، جاؤ یہاں سے۔''

''چلی جاتی ہوں مگر پہلے تمہیں فواد مرزا کے لیے حامی بھرنا ہوگی۔''وہ اصرار کرنے لگی۔

''میں بتا چکی ہوں مجھے شادی نہیں کرنی۔''

''شادی تو کرنا پڑے گی، میں کرواؤں گی۔''

''تم کیوں اصرار کیے جا رہی ہو، میری شادی سے کیا ملے گا تمہیں۔''وہ بری طرح سلگ رہی تھی۔

''بہت کچھ ملے گا ان شاء اللہ......راستہ رکوائی، جوتا چھپائی کا نیگ، دلہن کی بہنوں کو ہی تو ملتا ہے۔''

''شفق! پلیز تم جاؤ۔''

''ثانیہ آپی! شفق ٹھیک کہہ رہی ہیں، آپ کو شادی کے لیے ہاں کہہ دینا چاہیے۔''نرمین نے معاً کہا، ثانیہ نے صدمے سے اسے دیکھا۔

''تم بھی شفق کا ساتھ دے رہی ہو۔''

''تو اور کیا کروں۔''نرمین لاچاری سے بولی۔

''پچھلے بیس منٹ سے شفق اور تقریباً دس منٹ سے میں خود یہ کوشش کر رہے ہیں کہ کسی طرح آپ کو ٹریپ کیا جا سکے اور آپ سے یہ اعتراف کروایا جا سکے کہ آپ شاہنواز بھائی سے شادی کرنا چاہتی ہیں مگر آپ ہیں کہ......''

''بیڑہ غرق ہو تمہارا نرمین۔'' جہاں ثانیہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا وہاں شفق بوکھلا کر بولی تھی۔

''ایک تو تم بڑی جلدی ہمت ہار دیتی ہو، حالانکہ ثانیہ نے ابھی خود ہی اعتراف کر لینا تھا۔''

نرمین ہنسنے لگی۔

''اعتراف کرنے کی کیا ضرورت ہے، وہ تو ان کے چہرے پر لکھا ہوا ہے۔''

''تم دونوں کیسی باتیں کر رہی ہو؟'' ثانیہ نے سٹپٹا کر کہا تھا۔

''تمہارے منہ سے اعتراف سننے کے لیے ایک جھوٹا ڈرامہ کیا تھا مگر اس نرمین کی بچی نے سارا کام بگاڑ دیا۔'' شفق دانت کچکچانے لگی۔

''اس کا مطلب۔'' ثانیہ چونکی۔

''فواد مرزا والی بات جھوٹ تھی۔''

''سو فیصد......'' شفق بولی۔

''اس نام کے کسی بندے کا تو دور دور تک وجود نہیں ہے البتہ شاہنواز بھائی کی امی ضرور آئی تھیں۔ چچا جان نے سوچنے کے لیے وقت مانگا تو میں نے کہا۔ چچا جان آپ ہاں کر دیں، ثانیہ اعتراض نہیں کرے گی، میں اس کی گارنٹی دیتی ہوں۔ عادل کہنے لگے۔ جو بھی ہو کم سے کم ایک بار ثانیہ سے پوچھ ضرور لینا چاہیے۔

میں نے کہا۔ ثانیہ اتنی گھنی ہے کہ ہم سب مل کر بھی زور لگا لیں، تب بھی منہ سے اعتراف نہیں کرے گی۔ اب دیکھ لو میری کہی ہوئی بات سو فیصد درست ثابت ہو رہی ہے بلکہ پسندیدگی کا اعتراف کرنا تو دور کی بات ہے، تم تو انگوٹھی بھی وصول چکی ہو اور اتنی بھی توفیق نہ ہوئی کہ مجھے ہی بتا دو۔ بڑے افسوس کی بات ہے۔'' وہ ایک ہی سانس میں بولتی چلی گئی۔

''ہیں...... سچ......'' نرمین چیخی۔

''آپی! مجھے انگوٹھی دکھائیں۔'' اس نے ثانیہ کا ہاتھ پکڑ کر بغور انگوٹھی کا جائزہ لیا پھر ثانیہ کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے بولی۔

''اللہ آپ کی قسمت بھی اس انگوٹھی کی طرح خوبصورت بنا دے۔'' اس کی آنکھوں میں نمی اور لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ شفق نے نروٹھے پن سے کہا۔

''آمین...... لیکن میں بتا دوں اتنی اہم بات مجھ سے چھپا کر رکھنے پر میں ابھی بھی ناراض ہوں اور اگر مجھے فوری طور پر منایا نہ گیا اور یہ نہ بتایا گیا کہ اتنی اہم بات مجھ سے چھپا کر کیوں رکھی گئی تو میں ساری زندگی کے لیے خفا ہو جاؤں گی۔''

ثانیہ اور نرمین دونوں ہی ہنس دیں۔

''ارے یہ غضب نہ کرنا۔'' ثانیہ کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی پھر مسکراتے ہوئے سنجیدگی سے بولی۔

''میں تو یہ انگوٹھی اتارنا چاہ رہی تھی، بس ذہن میں ہی نہیں رہا۔ دراصل میں ابھی شادی ہی نہیں کرنا چاہتی۔ ایک دفعہ ان تینوں کی ذمہ داریوں سے فارغ ہو جاؤں پھر اپنے بارے میں سوچوں گی۔ یہی بات میں نے ان سے بھی کہی تھی۔''

نرمین اور شفق نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر یک زبان ہو کر بولیں۔

''ان......کون؟''

''سر کی بات کر رہی ہوں۔'' وہ میز کی سطح ناخن سے کریدنے لگی۔

''اچھا شاہنواز بھائی!'' شفق کو جیسے بڑے پتے کی بات معلوم ہوئی مگر اگلے ہی پل اچنبھے سے بولی۔

''ہائے اللہ......تم ابھی تک شاہنواز بھائی کو ''سر'' کہتی ہو؟''

''تو اور کیا کہیں؟'' نرمین جھنجھلا کر بولی۔

''ابھی تو ''سر'' ہی کہنا مناسب ہے۔ پیار کا نام تو شادی کے بعد ہی رکھا جائے گا نا......کیوں آپی؟''

اس نے بڑی معصومیت سے سوال کیا تھا۔ ایک طرف شفق کی ہنسی چھوٹ گئی تو دوسری طرف ثانیہ کا چہرہ لال گلابی ہو گیا۔

''بہت فضول ہو گئی ہو نرمین!'' اس نے خفگی و خفت سے ایک ہاتھ بھی اسے جڑ دیا۔

نرمین نے ہنستے ہوئے اس کا ہاتھ تھام کر چوم لیا اور محبت سے بولی۔

''او میری پیاری آپی! بھول جاؤ اپنی ساری ذمہ داریاں، اپنے سارے خدشات کو ایک طرف ڈال دو۔ مجھے یقین ہے اللہ ہمیں اتنی ہمت ضرور دے گا کہ ہم سب اپنی اپنی ذمہ داریاں اٹھانے میں ایک دوسرے کی مدد کر سکیں۔ میں یہ نہیں کہتی آپی! کہ ہمیں بھول جاؤ یا ہمارے بارے میں مت سوچو، ضرور سوچو لیکن خود کو، اپنی خوشیوں کو تو فراموش نہ کرو آپی! آپ کو کیا پتا، آپ کو خوش دیکھ کر ہمیں کتنی خوشی ہوتی ہے۔''

وہ جذب سے بول رہی تھی، ثانیہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اس نے نرمین کا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر شفق کو دیکھا، وہ بھی نم پلکوں کے ساتھ ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

''شفق! تم چچا جان سے کہہ دو کہ وہ ''سر'' کی امی کو اس رشتے کے لیے ہاں کہہ دیں۔''

''میری پیاری بنو! کس غلط فہمی میں ہو۔'' شفق نے آنکھیں مٹکاتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں تو میں پہلے ہی کہلوا چکی ہوں، مجھے پتا تھا فیصلے کا اختیار تمہیں دیا تو تم کوئی اوٹ پٹانگ فیصلہ ہی کرو گی، اس لیے میں نے رسک لینا مناسب ہی نہیں سمجھا اور سب سے اہم خبر تو یہ بھی ہے کہ پرسوں شاہنواز بھائی کی امی تمہیں اپنے ہاتھوں سے انگوٹھی پہنا کر باقاعدہ اپنے بیٹے کے نام کرنے آ رہی ہیں۔''

''اتنی جلدی کیوں بتا رہی ہو، پرسوں ان کے آنے سے ایک آدھ گھنٹہ پہلے ہی بتا دیا ہوتا۔'' اپنے اس طرح بے وقوف بنائے جانے پر ثانیہ نے خار کھاتے ہوئے کہا۔

شفق ہنسنے لگی۔ نرمین نے اس کا ساتھ دیا تھا۔

ثانیہ نے دونوں کو گھور کر دیکھا، ان کی ہنسی میں اور شدت آگئی۔

سچی، پرخلوص، بے ریا ہنسی۔

ثانیہ کا دل کا ہر کونا اطمینان سے بھر چکا تھا۔ اس کے لبوں پر پہلے مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر مسکراہٹ بھرپور ہنسی میں بدل گئی۔

زندگی روشن...... بے حد روشن معلوم ہونے لگی تھی۔

☆......☆......☆

جس روز شاہنواز کے گھر والوں نے آنا تھا، دن چڑھے حنا خالہ کا فون آ گیا۔

''میں تمہارے لیے بہت خوش ہوں میری جان! ہم جب اپنے اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں تو وہ ہمیں مایوس نہیں کرتا، دیکھ لو ایک رستہ بند کیا تو اس سے بہتر کھول دیا مگر ایک بات تو ہے میرے غیر مناسب مشورے نے سب گڑبڑ کر دیا۔'' وہ پچھتاوے بھرے لہجے میں بولیں۔

''ایسے مت کہیں خالہ!'' اس نے سرعت سے کہا۔

''یہ سب تو میری تقدیر میں تھا۔ آپ مشورہ نہ دیتیں ی تب بھی میرے ساتھ ایسا ہی ہونا تھا۔''

''میں شاہنواز سے مل چکی ہوں مگر بڑی سرسری ملاقات تھی پھر بھی دل مطمئن ہے، تم نے غلط فیصلہ نہیں کیا ہوگا۔ مجھے اپنے رب پر بھی بھروسہ ہے، وہ اس بار ہمیں مایوس قطعاً نہیں کرے گا۔ پھر دعا کا آسرا تو ساری زندگی ساتھ رہتا ہے۔ میری دعا ہے اللہ شاہنواز کو تمہارے حق میں بہترین بنا دے اور تمہیں زندگی کی ہر خوشی سے نواز دے۔ میں جانتی ہوں آج میری بہن خوش ہوگی، بس اللہ جلد از جلد نرمین اور زینب کا وسیلہ بھی بنا دے تو میری بہن کی روح کو سکون آ جائے۔''

پرخلوص لہجے میں دعا دیتے ہوئے حنا خالہ نے امی کا ذکر چھیڑ دیا۔ اس کی آنکھیں نم ہو گئیں پھر بڑی دیر تک وہ خالہ سے امی کی باتیں کرتی رہی۔ فون بند ہو چکا تب بھی آنکھوں میں نمی باقی رہی، تب ہی شمسہ آ گئیں اور اس کی بھیگی پلکیں دیکھ کر بولیں۔

''کیوں رو رہی ہو ثانیہ! تمہیں تو خوش ہونا چاہیے۔ اللہ نے بہترین شخص کو تمہارے لیے چن لیا ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے اس کے آنسو پونچھ کر بولی تھیں۔

ثانیہ نے لحظہ بھر کو ان کی جانب دیکھا پھر نظریں جھکا کر بولی۔

''مجھے امی یاد آ رہی ہیں۔''

"ہاں...... حلیمہ بہن ہوتیں تو یقیناً بہت خوش ہوتیں۔ مجھے یقین ہے ان کی روح اب بھی بہت خوش ہوگی۔ حیرانی تو مجھے خود پر ہے، ایسا دانشمندانہ خیال میرے ذہن میں کیوں نہیں آیا۔"

وہ ناسمجھی سے انہیں دیکھنے لگی، تب وہ ہنس دیں اور بولیں۔

"تم مجھے پسند تھیں، یعنی یہ تو طے شدہ بات تھی کہ تمہیں میری بہو بننا ہی تھا۔ حنان نہ سہی شاہنواز سہی مگر شاید...... نہیں...... یقیناً میں خودغرض ہوگئی تھی، اتنی بہترین لڑکی دیکھ کر مجھے اپنے سگے بیٹے کا ہی خیال آیا۔ مجھے افسوس ہے کہ اپنی خودغرضی کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں تمہاری زندگی کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا بیٹھی۔" ان کا سر شرمندگی سے جھکا ہوا تھا۔

"آپ پلیز، ان باتوں کو مت دہرائیں۔" ثانیہ نے اپنی ناگواری چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا تھا۔ شمسہ جیسے خیالات کے دھارے میں بہتی یکدم رک گئی تھیں اور ہڑبڑا کر ہوش میں آئی تھیں۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو، مجھے ان باتوں کو نہیں دہرانا چاہیے۔ میں تمہارے اور شاہنواز کے لیے بے حد خوش ہوں ثانیہ! میری نیک تمنائیں ہمیشہ تم دونوں کے ساتھ رہیں گی۔ یہ تمہاری منگنی کا چھوٹا سا تحفہ ہے۔" انہوں نے ایک چھوٹا سا خوبصورت بکس اس کی طرف بڑھا دیا۔

"اس کی کیا ضرورت ہے۔" ثانیہ نے کہا۔ "آپ پلیز رہنے دیں۔"

"خبردار......" شمسہ نے فوراً مان بھرے لہجے میں اسے ڈپٹ دیا۔ "انکار مت کرو، اس کی تو گنجائش ہی نہیں ہے۔ تمہاری ساس ہوں، میری بات ماننے سے انکار کرو گی تو اپنے بیٹے سے کہہ کر تمہارے کان بھی کھنچوا سکتی ہوں۔"

ثانیہ ہنس دی، شمسہ نے محبت سے اس کی پیشانی چوم لی۔

"ہمیشہ یونہی ہنستی مسکراتی رہو۔ اللہ کرے تمہاری مسکراہٹ کو کسی کی نظر نہ لگے۔ میں اور جہانگیر کسی کام کے سلسلے میں سان فرانسسکو جارہے ہیں ورنہ آج شام کو میں ضرور آتی، اس لیے اسی وقت تمہاری گفٹ دینے آگئی ہوں۔ ان شاءاللہ شادی سے پہلے واپسی ہو جائے گی۔

وہاں خدیجہ آپا کے گھر میں تو ایک بحث چھڑی ہوئی ہے۔ شاہنواز کی بہنیں، بہنوئی، بھائی، بھاوج، حتیٰ کہ بچے بھی تم سے ملنے کو بے چین ہورہے ہیں مگر آپا کا وہی اصرار کہ سادہ سی رسم کرنا ہے، اتنے لوگوں کا جانا مناسب نہیں لگتا، دیکھو اب جیت کس کی ہوتی ہے، یہ تو خیر طے ہے کہ وہ سب تم سے ملے بغیر ہی تمہاری محبت میں مبتلا ہو چکے ہیں، ملنے کے بعد اس محبت میں اضافہ ہی ہوگا، یہ مجھے یقین ہے۔ گو کہ تمہارے لیے ہمارا خلوص بھی کم نہیں تھا مگر، بہرحال کہیں نہ کہیں تو کچھ کمی ضرور رہ گئی بلکہ شاہنواز تمہارے لیے زیادہ بہتر تھا تب ہی تو اللہ نے اسے تمہارے لیے چن لیا۔

حنان نے تم جیسی ہیرا لڑکی کو ٹھکرا کر گیتی آرا کا ہاتھ تھام لیا، مجھے اس کی بدقسمتی کا ہمیشہ افسوس رہے گا مگر اب جو ہونے جارہا ہے،

میں اس سے بھی بے حد خوش ہوں۔ اللہ شاہنوز کو تمہارے توسط سے خوشیاں دے۔

تمہارے کہنے پر ہم نے گیتی آرا کے مستقبل کو محفوظ کرنے کی اپنی سی کوشش کی ہے، آگے جو اللہ کو منظور۔ ایک بات اور کہنا چاہتی ہوں۔'' وہ گہری سانس بھر کر بولیں۔ ''ہمارے وجہ سے تمہارے گھرانے کو جو نقصان پہنچا ہے، ہم اسے نہیں بھلا سکتے، ساتھ ہی ہمیں معاف کر کے جو احسان تم نے ہم پر کیا ہے اسے بھی نہیں بھول سکتے۔ گو کہ اس احسان کا بدلہ چکانا ممکن نہیں ہے مگر ہم اپنی سی کوشش ضرور کرنا چاہتے ہیں۔ زندگی میں جب بھی ہماری ضرورت پڑے ثانیہ! تو بلا جھجک مدد کے لیے پکار لینا، تم کبھی خود کو تنہا نہیں پاؤ گی۔ اسے ایک احسان مند کا وعدہ سمجھ لو یا دوست کا۔

اور ہاں...... تم آج کے بعد اپنی بہنوں کے لیے پریشان ہونا چھوڑ دو، اب سے وہ میری ذمہ داری ہوں گی، ان کی تعلیم سے لے کر شادی بیاہ تک کے معاملات میں بخوشی نبھانے کے لیے تیار ہوں اور یہ کوئی احسان نہیں ہوگا۔''

''مگر......'' ثانیہ نے کہنا چاہا، شمسہ نے ٹوک دیا۔

''اگر مگر کچھ نہیں، اسے میری خواہش سمجھ لو، میں تمہاری بہنوں کو اپنی بیٹیوں کی طرح رخصت کرنا چاہتی ہوں، مجھے امید ہے تم میری خواہش کو رد نہیں کرو گی۔''

ثانیہ ہولے سے مسکرا دی۔ شمسہ نیک تمناؤں کی دعائیں دیتیں رخصت ہوئیں، تب اس نے ڈبہ کھول کر دکھا، خوبصورت سا لاکٹ تھا، اس نے ڈبہ وہیں پلنگ پر ڈال دیا اور کھڑکی کے قریب جا کر باہر جھانکنے لگی۔

آسمان صاف تھا اور آتی گرمیوں کی چمکدار دھوپ درختوں کی پھنگ چھو رہی تھی۔

''کتنی مالا مال ہو گئی ہوں میں...... کیا محبتیں کسی خزانے سے کم تر ہیں؟ اور تم نے اس فانی خزانے کے لیے ان محبتوں کو ٹھکرا دیا عانیہ جن کا کوئی نعم البدل ہو ہی نہیں سکتا۔ کاش...... اے کاش...... میں اپنا خزانہ کبھی تمہیں دکھا سکوں۔''

تب ہی موبائل کی بپ بجی تھی، اس نے فون اٹھا کر دیکھا اور ہنس دی، شاہنواز کا پیغام تھا۔

''میں آج کی تاریخ میں خود کو کرہ ارض کا سب سے خوش قسمت انسان محسوس کر رہا ہوں۔''

''صرف آپ ہی نہیں، میں بھی خوش قسمت ہوں۔'' اس نے اپنا اعتراف ہوا کے دوش پر لکھنے کی بجائے زیر لب کہا اور مسکراتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔ آسمان بے حد چمکدار اور روشن تھا۔

اس صفحہ تقدیر کی طرح جو اس کے اللہ نے اس کے لیے بے حد محبت سے لکھا تھا اور اسے اس محبت کے لیے ساری زندگی اپنے رب کا شکر گزار رہنا تھا۔

☆......☆......☆

ستاروں بھرے آسمان تلے اس کھلے سے صحن کو بڑی خوبصورتی اور نفاست سے سجایا گیا تھا۔ برقی قمقمے اور آرائشی اشیاء کی دلفریبی و دلکشی کو چار چاند دلہن بنی مومنہ کی چھب نے لگا دیے تھے اور روشنی کی کرنوں سے دور بڑے محتاط انداز میں منڈیر سے چپک کر کھڑے ناصر اور شاہنواز خوب دلچسپی سے ساری کارروائی ملاحظہ کر رہے تھے، ساتھ ساتھ تبصرہ بھی جاری تھا۔

معاً ناصر نے حیرت ناک لہجے میں اسے پکارا۔

''شاہنواز بھائی!''

''بولو نوشے میاں!'' شاہنواز نے دلچسپ انداز میں کہا۔

وہ ناصر کے بے حد اصرار پر مکانات کی چھتیں پھلانگتا ناصر کے ہمراہ مومنہ کے گھر کی چھت پر پہنچا تھا، اسے خدشہ تھا خواتین کی محفل میں یوں تاک جھانک کرنے پر جوتے ہی نہ پڑ جائیں مگر ناصر نے اسے یہ کہہ کر تسلی دی۔

''آپ فکر نہ کریں، مجھے ایسی تقریبات میں تاک جھانک کرنے کا خاصا وسیع تجربہ ہے۔ اول تو ہم پکڑے ہی نہیں جائیں گے لیکن اگر کوئی چانس بنا بھی تو مجھے سالہا سال سے بنے ہوئے ان مکانات کی چھتوں کے کئی ایسے شارٹ کٹ معلوم ہیں جن سے ہم پلک جھپکتے ہی میرے گھر پہنچ جائیں گے۔''

شاہنواز نے ناصر کے تجربے سے فائدہ اٹھانے کا ارادہ کیا اور اس کے ساتھ یہاں آ گیا اور یہ چونکہ اس کی جوان عمر کی پہلی شرارت تھی، اس لیے اسے خاصا لطف آ رہا تھا۔

''کیا ہم آج ہی دلہن کو رخصت کروا کر اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے؟'' اس نے حسرت سے اسٹیج پر دلہن بنی مومنہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیوں نہیں لے جا سکتے، ضرور لے جا سکتے ہیں۔'' شاہنواز نے کہا۔

''لیکن رخصت سے پہلے ایک چیز ہوتی ہے نکاح...... جو کرنا ضروری ہوتا ہے لیکن تم شاید بھول چکے ہو میں یاد کرا دوں۔ آج تمہارا اور مومنہ کا نکاح نہیں صرف منگنی ہے۔''

''واہ...... بڑے پتے کی بات بتائی ہے۔'' ناصر جل کر بولا۔

''یہی تو میں پوچھ رہا ہوں کیا آج ہی نکاح نہیں ہو سکتا۔ میرا مومنہ کو چھوڑ کر جانے کو دل نہیں کر رہا، اس پر...... ظلم کی حد دیکھیں...... میری منگنی ہے اور انگوٹھی پہنانے کا حق بھی مجھے نہیں دیا جا رہا ہے، ایسی ظالم...... ''بے بے'' ہر دشمن کے پاس ضرور ہونی چاہیے۔'' اس نے منڈیر سے جھانک کر اپنی ہی بے بے پر نظروں کے تیر برسائے۔

''صبر کرو بیٹے صبر......'' شاہنواز نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''فاروق بھائی نے یہ شرط پہلے ہی رکھ دی تھی کہ مومنہ کی پڑھائی مکمل ہونے سے پہلے شادی کی کوئی بات نہیں ہوگی۔ شکر کرو وہ

منگنی کے لیے راضی ہو گئے ورنہ وہ تو اس پر بھی راضی نہیں تھے۔ مجھے تم سے ہمدردی تو محسوس ہو رہی ہے ناصر! لیکن صبر کے سوا تمہارے پاس کوئی چارہ نہیں ہے۔'' اس کا انداز سراسر مذاق اڑانے والا تھا۔ ناصر بالکل ہی جل کر خاک ہو گیا۔

''اپنے پاس رکھیں اپنی ہمدردی...... اونہہ...... خود تو جناب چار ہفتے بعد گھوڑی چڑھ جائیں گے اور مجھے صبر کی تلقین کی جا رہی ہے۔'' شاہنواز کی نظریں یکدم نیچے پنڈال میں بھٹکنے لگیں پھر اس نے اسٹیج کی جانب دیکھا ثانیہ، مومنہ کے ساتھ ابھی ابھی آ کر بیٹھی تھی اور بلاشبہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔

اس کی آنکھوں میں روشنی سی اتر آئی۔

ناصر نے ثانیہ اور اس کی بہنوں کو بڑے اصرار سے مدعو کیا تھا۔

''میں نے ایک بات سنی ہے ناصر!'' یکدم شاہنواز نے کہا۔

''اور وہ یہ کہ جب کوئی مومن اپنے مومن بھائی کے لیے دعا کرتا ہے تو وہ دعا خود اس کے حق میں زیادہ جلدی قبول ہو جاتی ہے۔ تم ایسا کرو یہ دعا کرنا شروع کر دو کہ میری شادی میں جتنے دن باقی ہیں، وہ جلد از جلد گزر جائیں۔ مجھے یقین ہے تمہاری دعا ہم دونوں کے حق میں قبول ہو جائے گی۔'' وہ سنجیدہ لہجے میں شرارت سموئے بول رہا تھا۔

''ہرگز نہیں۔'' ناصر سابقہ انداز میں بولا۔

''اگر میری شادی جلدی نہیں ہو سکتی تو آپ کی بھی کیوں ہو، میں یہ دعا کبھی نہیں کروں گا۔'' وہ مصنوعی نروٹھے پن سے بولا۔

''ہاہاہا...... جلنے والے کا منہ کالا ہو جاتا ہے۔''

شاہنواز کا بے ساختہ قہقہہ نا صرف یہ کہ آسمان ہلا گیا تھا بلکہ صحن میں بیٹھے مہمانوں کو منہ اٹھا کر چھت کی طرف دیکھنے پر مجبور کر گیا تھا۔

''سمجھیں دوڑ کا عالمی مقابلہ شروع ہونے لگا ہے۔'' ناصر نے ہڑبڑا کر اس کا کندھا ہلایا تھا۔

''اپنی خیریت چاہتے ہیں تو بھاگیں شاہنواز بھائی اب اگر ہم یہاں سے نہ بھاگے تو اندھیرے میں ہمیں چور اچکے سمجھ کر ڈنڈے اور گھونسے پڑیں گے نا، اس سے ہم دونوں کا منہ کالا ہو جائے گا۔'' ناصر بات مکمل ہونے سے پہلے ہی دوڑ پڑا تھا۔

شاہنواز بھی بوکھلا کر اس کے پیچھے بھاگا۔

ایک چھت پھر دوسری چھت پھر تیسری...... شاہنواز کو معاً کچھ یاد آیا۔

''ناصر! وہ شارٹ کٹ کہاں ہے جس سے ہم جلدی پہنچ سکتے ہیں۔''

''شارٹ کٹ، کون سا شارٹ کٹ؟''

''تم نے خود ہی تو کہا تھا۔'' وہ جھنجلا کر بولا۔

”وہ تو میں نے آپ کو منانے کے لیے کہا تھا ورنہ ان چھتوں پر کون سا شارٹ کٹ مل سکتا ہے۔“

شاہنواز کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

”جھوٹے...... پاجی! میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“

”پہلے وہ خود کو بچانے کے لیے دوڑ رہا تھا، اب ناصر کو قتل کرنے کے لیے دوڑا۔

ناصر کی رفتار تیز ہو گئی تھی، ایک کے بعد ایک چھت پھلانگتے وہ اس سڑک پر آ گئے تھے جس کے دوسری طرف کھیتوں کا وسیع سلسلہ تھا۔ وہ دونوں سڑک پر اس طرح دوڑنے لگے جیسے واقعی کسی عالمی مقابلے میں شامل ہوں۔

”رک جاؤ ناصر۔ میں تجھے نہیں چھوڑوں گا۔“ شاہنواز اس کے تعاقب میں مسلسل دھمکیاں دے رہا تھا۔

”بھاگیں شاہنواز بھائی...... بھاگیں۔“ ناصر دوڑتا جاتا تھا اور اسے بک اپ کرتا جاتا تھا۔

کھیتوں کے ساتھ ساتھ چلتی اس سڑک پر چودھویں کے چاند کی بھرپور چاندنی کے سائے میں وہ دونوں پاگلوں کی طرح بھاگ رہے تھے اور ہنس رہے تھے۔

گاؤں کی خاموش فضا ان کے بے فکرے اور شاد قہقہوں سے گونج رہی تھی مگر انہیں پرواہی کب تھی، یہاں تک کہ چنچل ہوا اور نقرئی چاندنی نے بھی ان منچلوں کی ابدی خوشیوں کے لیے دعا کر ڈالی تھی۔

☆......☆......☆

اگلے چار سال جیسے جنت کے سائے تلے پلک جھپکتے گزر گئے تھے۔ آزمائشوں کی بھٹی سے نکالنے کے بعد اللہ نے ثانیہ کو اتنی سہولیات اور انعامات سے نوازا تھا کہ وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتے نہ تھکتی۔ شاہنواز اس کی توقعات سے بڑھ کر محبت کرنے والا شوہر ثابت ہو رہا تھا، اس نے شادی سے قبل اپنے تعاون کے جتنے وعدے کیے تھے، انہیں پورا کیا تھا اور صرف وہی نہیں بلکہ اس کے گھر والے بھی ثانیہ سے بہت محبت کرتے تھے کہ بعض اوقات وہ خود پر رشک کرنے لگتی۔

اللہ نے اسے اور شاہنواز کو بیٹے سے نوازا تھا جس کا نام ایبک رکھا۔ نرمین کا رشتہ شمسہ کے ملنے والوں میں طے پا گیا تھا۔ زینب کو اشفاق چچا جان نے باذل کے لیے مانگ لیا۔ کشف کی شادی بھی وہ دو ماہ قبل کر چکی تھی۔ اپنے فرائض سے سبکدوش ہو کر وہ خود کو بے حد ہلکا پھلکا محسوس کرتی تھی مگر امی اور تیمور اکثر اسے بے حد یاد آتے، ابو کہاں تھے؟ کسی کو خبر نہ تھی۔

کچھ عرصہ پہلے اطلاع ملی تھی کہ ان کا پرانا گھر الیاس چوہدری چند سال قبل فروخت کر چکے تھے، یہ تقریباً ان ہی دنوں کی بات تھی جب انہوں نے وہ گھر چھوڑا۔ اس کے بعد الیاس چوہدری کہاں گئے، کسی کو پتا نہ تھا۔

البتہ عانیہ کے بارے میں اکثر وہ بیشتر خبر مل جاتی۔ ایک ہی شہر، ایک ہی خاندان...... خبر ملتی رہنا کچھ انہونی بات بھی نہیں......

کبھی وہ سڈنی گئی ہوتی، کبھی پیرس...... تو کبھی دبئی...... ایک دوبار مارکیٹ میں بھی سامنا ہوا۔ نظر چرا کر نکل جانا کچھ ایسا کٹھن بھی نہیں ہوتا مگر خوش باش لگتی تھی۔ لدی پھندی، چمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ اپنی من پسند زندگی گزارتے ہوئے اس کا چہرہ سو والٹ کا بلب لگتا تھا۔

ثانیہ اس کے لیے دعا نہیں کرتی تھی، بددعا بھی نہیں کرتی تھی، بس اس کے خیال سے دامن بچا کر نکل جاتی تھی، وہ جب بھی زیادہ دیر عانیہ کو سوچتی اس کے دل میں عانیہ کے لیے موجود کدورت ابھر آتی اور دل بددعا کے لیے آمادہ ہوتا۔

یہی وہ نہیں چاہتی تھی، تب ہی اس کے خیال کو رد کرتی مگر پھر ایک روز اچانک بالکل غیر متوقع طور پر عانیہ اس سے ملنے چلی آئی۔

☆......☆......☆

گیتی آرا قسمت کی یہ بازی بھی ہارنے کے بعد اس کے پاس آئی تھی اور بے حد مایوس دکھائی دیتی تھی۔

''تم نے ٹھیک کہا تھا ثانیہ! آج میں بالکل خالی ہاتھ ہوں، نہ میرے پاس کوئی دوست ہے نہ بہن، بھائی...... کوئی ایسا نہیں ہے جو میرے رستے ہوئے زخموں پر مرہم لگا سکے یا میرے آنسو پونچھ سکے۔

دو بار محبت کے نام پر بازی لگائی، اپنا سب کچھ کھو کر دونوں بار ہار گئی، میری بے لگام خواہشات نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا ثانیہ! مظہر سے محبت کی تو تم سب کو اذیت میں جھونک دیا، یہ بھی نہ سوچا کہ تم لوگوں کو اذیت کا تحفہ دے کر میں اپنے لیے کون سا سکھ خرید رہی ہوں۔

پھر حنان میری زندگی میں آیا اور مجھے لگا حنان اور اس کی دولت ہی میرا سکھ چین ہے۔ تمہیں پتا ہے ثانیہ! حنان مجھ سے محبت نہیں کرتا، وہ تو مجھے ایک پالتو جانور کی طرح بھی اپنے ساتھ رکھنا نہیں چاہتا، اسے میری ضرورت ہے خواہش نہیں۔ وہ ہر بات میں تم سے میرا مقابلہ کرتا ہے، وہ تمہیں کتنا جانتا تھا پھر بھی...... پھر بھی اسے لگتا ہے تم مجھ سے زیادہ بہتر ہو...... زندگی کے ہر مقام پر تم مجھ سے برتر کیسے ہو جاتی ہو ثانیہ! کاش...... میں نے آپا بیگم کے پڑھائے ہوئے سبق ہی ڈھنگ سے پڑھ لیے ہوتے تو آج اس طرح خوار نہ ہوتی۔ مظہر کی باتوں پر ایک بار ایمان لے ہی آئی تھی تو تب ہی مطمئن ہو جاتی۔ میرے دل سے تو اس کا خوف ہی نہیں جاتا۔

میں گھر سے باہر نہیں نکلتی کہ وہ مجھے مار ڈالے گا۔

گھر میں نہیں رہ سکتی کہ کہیں وہ مجھے تنہا سمجھ کر نہ گھس آئے اور حنان...... تم دیکھ لینا ثانیہ! کسی روز حنان مجھے قتل کر دے گا۔ وہ میرے ساتھ رہنے پر مجبور ہے کیونکہ مجھے چھوڑنے کی صورت میں اسے ان تمام مراعات سے دستبردار ہونا پڑے گا جو جہانگیر لاشاری اسے دے رہے ہیں۔

مگر وہ مجھے قتل تو کر سکتا ہے، دن میں کئی بار وہ اپنے ارادے کا اظہار کرتا ہے۔ مجھے بچا لو ثانیہ! پلیز مجھے بچا لو۔ تم اسے کہو گی تو وہ مجھے چھوڑ دے گا مگر میں اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ مجھ پر رحم کرو، میں تمہاری بہن ہوں۔'' وہ بری طرح سسک رہی تھی۔

''جب تیمور نے تمہاری وجہ سے خودکشی کی، تب بھی تم میری بہن تھیں، جب ابو نے تمہارے کیے کی سزا دینے کے لیے شفق کو بیچنا

چاہا تب بھی تم میری بہن تھیں۔ جب امی تمہاری وجہ سے چلی گئیں، تب بھی تم میری بہن تھیں۔ جب تم نے حنان کے لیے ہم سب کو ٹھوکر ماری تب بھی تم میری بہن تھیں لیکن آج جب تمہیں ایک بار پھر میری مدد کی ضرورت ہے تو میں تمہیں اپنی بہن ماننے سے انکار کرتی ہوں۔'' ثانیہ نے پہلی بار زبان کھولی تھی اور تلخی سے کہا تھا۔

''ثانیہ مجھ پر رحم کرو۔'' ثانیہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوک دیا۔

''میں کم ظرف، گھٹیا، بے حس، سب کچھ ہوں، اس بار تم مجھے کوئی بھی واسطہ دوگی میں قائل نہیں ہوں گی۔ پچھلی بار بھی تمہاری مدد ہی کی تھی مگر جانتی ہو عانیہ! تمہارا مسئلہ محبت نہیں تمہاری بے لگام منہ زور خواہشات ہیں جو زندگی کے کسی مقام پر تمہیں بھی سکون لینے نہیں دیں گی۔ تم کہتی ہو تمہاری زندگی میں سکون نہیں ہے، میں کہتی ہوں اس کی ذمہ دار تم خود ہو۔ میں آج تمہاری مدد کروں گی، تم کل پھر مجھے خود غرضی کے طعنے دوگی، اس لیے بہتر ہے ہم ایک دوسرے سے رابطہ توڑ لیں۔

میری عانیہ نام کی کوئی بہن نہیں ہے، تم کون ہو، میں نہیں جانتی۔'' جیسے برستی بارش اچانک بند ہو جاتی ہے، ویسے ہی وہ روتے ہوئے خاموش ہو گئی تھی، اس لیے نہیں کہ اس کی آنکھوں میں پانی ختم ہو گیا تھا بلکہ اس لیے کیونکہ اسے احساس ہو گیا تھا۔ اس نے سر اٹھایا۔ سامنے صوفے پر ثانیہ کے چہرے پر سنجیدگی پوری طرح حاوی تھی، اس نے نظریں جھکا رکھی تھیں مگر وہ اس کے مقابلے میں خاصی پر اعتماد اور خوبصورت دکھائی دے رہی تھی، اس نے اپنا بازو قریب بیٹھے بچے کے گرد پھیلا رکھا تھا۔ وہ بچہ ثانیہ کے بازو کے حلقے میں ضرور تھا مگر اس کی ساری توجہ اس روتی ہوئی آنٹی کی جانب تھی۔

وہ اس بچے کو دیکھتی رہی، ایک دم اسے اس بچے میں بہت کشش محسوس ہوئی، اسے اس بچے کا چہرہ تیمور کے چہرے کی یاد دلا رہا تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ اس بچے کو مخاطب کرتی، دروازہ بہت عجلت سے کھول کر شاہنواز اندر داخل ہوا تھا۔ ایک پل کے لیے اس سے اس کی نظریں ٹکرائی تھیں پھر اس نے سرعت سے نظریں جھکا لیں۔

شاہنواز کا چہرہ خوش حال زندگی کا منہ بولتا ثبوت تھا اور وہ اس کے چہرے پر حیرت دیکھ چکی تھی۔

''ایک......'' اس نے شاہنواز کی متوازن آواز سنی۔

''آؤ ماسٹر ہم اندر چلتے ہیں۔''

اس نے تڑپ کر سر اٹھایا، وہ اس بچے کو روکنا چاہتی تھی مگر سامنے کا منظر اس کی ہر صلاحیت کو اپنے ساتھ باندھ چکا تھا۔ شاہنواز، ثانیہ کا کندھا تھپتھپا کر اپنے بچے کی انگلی تھام کر دوسرے دروازے میں غائب ہو گیا تھا۔

''تم نے جو کہنا تھا وہ کہہ لیا۔'' جس وقت وہ دھندلائی ہوئی آنکھوں سے دروازے کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے ثانیہ کو کہتے سنا، اس کا لہجہ دو ٹوک اور کسی بھی قسم کی گنجائش سے عاری تھا۔

”تم اب یہاں سے جاؤ، میرے شوہر گھر آ چکے ہیں اور انہیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ کوئی بھی غیر متعلقہ شخص آ کر ہمارے گھر بیٹھا رہے۔ ایک بات اور، تم ہمارے بیٹے کو دیکھ چکی ہو، مجھے تمہاری آمد کے متعلق ذرا سا بھی اندازہ ہوتا تو میں اسے آج گھر پر ہی نہ رہنے دیتی، کہیں بھجوا دیتی مگر تمہارے سامنے نہ آنے دیتی۔

اپنی اولاد کو کسی ایسے انسان کی صحبت سے بچانا جس سے اسے نقصان پہنچ سکتا ہو، بہر حال ماں باپ کی ذمہ داری ہوتی ہے اور تمہیں تو یوں بھی مجھ سے ہر اس انسان کو چھیننے کی عادت رہی ہے جس سے میں محبت کرتی ہوں۔

دوبارہ تمہیں کہیں ایک دکھائی دے تو نظریں ہٹا لینا اور اسے نقصان پہنچانے کی کوشش مت کرنا، میں کئی بار خاموش رہی ہوں، اس بار نہیں رہوں گی۔“

”تم......تم مجھے ایسا سمجھتی ہو۔“

اس کے لبوں سے کپکپاتے الفاظ نکلے تھے اور جواباً ثانیہ کے چہرے پر بہت تمسخرانہ تبسم بکھر گیا تھا۔

”تم کیا ہو یہ تم بہتر سمجھتی ہو۔“ ثانیہ نے الفاظ جیسے اس کے منہ پر دے مارے تھے، گیتی کی آنکھیں آنسوؤں سے جلنے لگیں۔

”تو کیا میں سمجھوں کہ تم میری کوئی مدد نہیں کرو گی؟“ اس نے بہت آس سے پوچھا تھا۔

”عقل مندی کا تقاضا تو یہی ہے، ویسے بھی زندگی بھر تم نے اپنی ہر طرح کی مدد خود ہی کی ہے، مجھے حیرت ہے تم میرے پاس کیسے آ گئی ہو؟ تم یہاں سے جاؤ، مجھے یقین ہے اپنی مدد کے لیے تمہیں ہمیشہ کی طرح کوئی نہ کوئی راستہ مل ہی جائے گا۔“ ثانیہ کا لہجہ سفاک تھا۔

گیتی کی آنکھوں میں رکے سارے آنسو بہہ نکلے۔

وہ خاموشی سے اٹھی اور باہر نکل گئی۔

وہ اس گھر سے یوں نکلی تھی جیسے جواری خالی ہاتھ ہو کر نکلتا ہے، اس کی زندگی کے ہر راستے پر تاریکی اسے نگلنے کو تیار کھڑی تھی۔

دل کی بساط پر اس کی ہر چال ناکام رہی تھی، نتیجتاً مات اس کا مقدر بنی۔

آج وہ تنہا تھی، بے بس تھی اور خالی ہاتھ تھی۔ پچھتاوے اور ناکامی کے احساس سے بے جان ہوتی وہ وہیں سڑک پر بیٹھ کر رونے لگی۔

سنسان سڑک پر سوکھے پتوں سے کھیلتی ہوا نے رک کر اسے ترحم سے دیکھا پھر دبے قدموں آگے بڑھ گئی۔ سڑک پر وہ تنہا تھی، بالکل تنہا۔

ختم شد